قومی راج

۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

RAJ BHAVAN

مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ "قومی راج" کا اردو ایڈیشن شائع ہونے والا ہے۔ اس کی بڑی ضرورت ہے کہ اردو میں جو اہم باتیں ہیں ان کو سب بولنے والوں کو معلوم ہوں کہ حکومت کیا کام کر رہی ہے اور ان کی اور دوسروں کی سمسیاؤں پر کیا دھیان دے رہی ہے۔

اردو ایک مکمل ہندوستانی زبان ہے اور وہ کسی ایک فرقہ کی بھاشا نہیں ہے۔ پورے مہاراشٹر میں اس راجیہ کے سکولوں اور کالجوں میں اس کو قائم رکھنے اور رواج دینے کی جو کوشش کی جا رہی ہے وہ سب جانتے ہیں۔ "قومی راج" اسی کوشش کی ایک کڑی ہے۔

۲۰ جنوری سنہ ۸۷ء

پندرہ روزہ

قومی راج

جلد ۱ شمارہ ۱

قیمت:

فی پرچہ ۲۵ پیسے

سالانہ ۵ روپے

ترسیل زر کا پتہ:

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

زیر نگرانی:

خواجہ عبدالغفور

(آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب

پیغام

اِمسال یومِ جمہوریہ پر ڈائرکٹوریٹ جنرل آف اِنفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کی جانب سے شائع ہونے والے رسائل میں ایک اور کا اضافہ ہو رہا ہے۔

اِس مبارک دن سے شائع ہونے والا یہ "قومی راج" ایک طرح سے حکومت کی اِس شدید خواہش کا اظہار ہے کہ مہاراشٹر کے اردو بولنے والے باشندوں سے قریب تر تعلق اور رابطہ قائم ہو۔ اس سے اس وعدہ کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے جو میں نے اسمبلی کے ایوان میں کیا تھا۔

"قومی راج" اردو بولنے والے باشندوں کو حکومت کی پالیسی اور فیصلوں سے باخبر رکھنے کے علاوہ ان دونوں کے درمیان کارآمد رابطہ بھی قائم کرے گا۔

مجھے یقین ہے کہ قارئین اسے بھی اس کے ہم روپ رسائل یعنی مراٹھی اور انگریزی لوک راج کے مانند مفید پائیں گے۔

میری دلی تمنا ہے کہ قومی راج ہر طرح کامیاب رہے۔

وی۔ پی۔ نائک
وزیر اعلیٰ

پیغام

"اردو قومی راج" کا اجراء مہاراشٹر شاسن کی طرف سے اردو والوں کی حوصلہ افزائی اور اُن کی شاندار زبان کی ترقی کے لئے ایک چھوٹا سا قدم ہے جس کا میں خیر مقدم کرتا ہوں۔

ڈاکٹر رفیق زکریا
وزیر برائے صحت عامہ، شہری ترقی
اور اوقاف

پیغام

مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ حکومت مہاراشٹر کی جانب سے ایک سرکاری جریدہ "قومی راج" اردو میں شائع ہو رہا ہے۔ ویسے تو اس کو بہت پہلے ہی شائع ہونا چاہیئے تھا کیونکہ حکومتِ مہاراشٹر نے اس جریدہ کی اجرائی کا اعلان بہت دن قبل کیا تھا بہرحال مجھے بیحد خوشی ہے کہ مہاراشٹر نے لسانی اقلیتوں کے ساتھ فراخ دلی اور وسیع النظری کی جو پالیسی اختیار کی ہے یہ اس کا ایک روشن ثبوت ہے، اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ اردو، گجراتی، سندھی اور دوسری ساری زبانوں کیلئے مہاراشٹر میں پھلنے پھولنے کے مواقع نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان میں اضافہ بھی ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

مجھے یقین ہے کہ "قومی راج" ایک طرف تو حکومت کی پالیسیوں اور کارگزاریوں پر روشنی ڈالے گا۔ دوسری طرف اردو داں طبقہ کی معلومات کیلئے حکومت کے سارے اہم اعلانات اور احکام "قومی راج" کے ذریعہ بتائے جاسکیں گے۔ آج بعض طبقات کو یہ علم نہیں ہو پاتا کہ حکومت نے روزگار، معاشی اور سماجی سدھار وغیرہ کی کیا اسکیمیں شروع کی ہیں اور ان سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اُردو داں طبقہ بھی بدقسمتی سے اس طرح کی لاعلمی کا شکار رہا ہے۔ اُردو "قومی راج" اس کمی کو پورا کرسکے گا اور مہاراشٹرا سرکار اور اردو داں عوام کے درمیان اچھا رابطہ قائم ہوسکے گا۔

میری نیک تمنائیں "قومی راج" کے ساتھ ہیں اور اس سے وابستہ کارکنوں کو میں مبارکباد دیتا ہوں۔

عبدالرحمٰن انتولے

عبدالرحمٰن انتولے

وزیر تعمیرات و مواصلات، قانون و عدلیہ اور ماہی گیری

پیغام
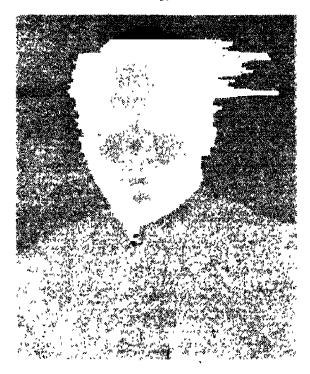
چند سال ہوئے وزیر اعلیٰ شری وی۔پی۔ نائک نے اسمبلی کے ایوان میں یہ اعلان کیا تھا کہ سرکاری رسالہ "لوک راج" اردو زبان میں بھی شائع کیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد ہی سرکاری سطح پر ضروری کارروائی اور تیاری شروع کردی گئی تھی۔ آپ سب جانتے ہیں کہ اس عرصہ میں کچھ ناگہانی مصیبتیں، کٹھنائیاں اور رکاوٹیں پیش آئیں۔ ان میں خاص طور سے حالیہ ہند و پاک جنگ اور پھر لگاتار خشک سالی اور سوکھا قابل ذکر ہیں۔ قدرتی طور سے حکومت کو اپنی تمام تر توجہ اور کوشش ان قومی مصائب کا مقابلہ کرنے میں لگانا پڑیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو لوک راج کی اشاعت میں قدرے تاخیر ہوگئی۔ بہرحال اس کے لئے کوشش برابر جاری رہی۔ آج مجھے بڑی خوشی ہے کہ وزیر اعلیٰ کا اعلان بالآخر عملی جامہ پہن رہا ہے اور یوم جمہوریہ (ریپبلک ڈے) کے مبارک موقع پر خصوصی نمبر کے روپ میں "قومی راج" کی اشاعت کا آغاز ہو رہا ہے۔

اُردو بھارت کی ایک بڑی زبان ہے۔ یہ ہمارے دیس میں ہی پیدا ہوئی اور پروان چڑھی۔ یہ ہندو مسلم ایکتا، اتحاد اور ہماری ملی جلی سنسکرتی اور تہذیب کی جیتی جاگتی نشانی اور ترجمان ہے۔ دستورِ ہند میں اسے ایک قومی زبان مانا گیا ہے۔ ریاستِ مہاراشٹر میں بھی مراٹھی کے بعد بولی، سمجھی اور پڑھی جانے والی زبانوں میں اردو کو اہم مقام حاصل ہے۔ گو مراٹھی مہاراشٹر کی "راج بھاشا" ہے لیکن یہاں سبھی زبانوں کے ساتھ اُردو زبان کو بھی پوری آزادی اور ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہیں۔ تعلیمی میدان میں ابتدائی سے لے کر اعلیٰ تعلیم یعنی یونیورسٹی کے درجہ تک اردو زبان کو ہر طرح کی سہولت سرکار کی جانب سے دی گئی ہے۔ ابھی دو تین سال سے اردو ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کے مقصد سے حکومتِ مہاراشٹر نے ایک اور اسکیم شروع کی ہے جس کے تحت ہر سال مراٹھی لیکھکوں کے ساتھ اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو بھی ان کی بہترین کتابوں پر انعامات دیئے جاتے ہیں۔ اب حکومت نے ایک اور قدم اٹھایا ہے۔ "قومی راج" کا یہ پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس طرح حکومت نے اردو داں طبقہ کی پرانی مانگ اور انکی دیرینہ آرزو پوری کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ لوگوں میں اور خاص طور سے اردو داں طبقہ میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور وہ اس کی اشاعت میں حکومت سے بھرپور تعاون کریں گے۔

شرد پوار

شرد پوار

وزیر داخلہ و پبلسٹی

کچھ قومی راج کے بارے میں

خواجہ عبدالغفور

سالِ نو کے طلوع کے ساتھ ہی اُردو صحافت کے وسیع آسمان پر ایک اور درخشاں ستارے کا اضافہ ہو رہا ہے۔ نئے سال کا یہ تحفہ ہے "قومی راج" جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

یوں تو اس جریدہ کے اجرا کا فیصلہ کافی عرصہ قبل ہو چکا تھا اور وزیر اعلیٰ نائک نے اسمبلی میں اعلان کیا تھا کہ انگریزی اور مرہٹی کے بعد 'لوک راج' کا اردو ایڈیشن بھی جلد جاری کیا جائے گا، تاہم نامساعد حالات رکاوٹیں ڈالتے رہے اور اُردو ایڈیشن کی اشاعت ملتوی ہوتی رہی۔ یہ صورتِ حال حکومتِ مہاراشٹر کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی جو اردو کی ترویج و اشاعت کے لئے ابتدا ہی سے کوشاں رہی ہے۔ بالآخر دشواریوں کے باوجود رسالہ کا اجراءِ عمل میں لانا طے ہو گیا اور امسال یومِ جمہوریہ کے مبارک و مسعود موقعہ پر چمنستانِ اردو میں ایک نیا شگوفہ کھِل اٹھا۔ اِس ضمن میں ریاست کے محبوب وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک کی ذاتی دلچسپی کا تذکرہ ضروری ہے جو انھیں اردو سے ہے اور جس کی بنا پر اس فیصلہ پر عملدرآمد دشواریوں کے باوجود ممکن ہوا۔

اُردو اور مہاراشٹر کا تعلق اب اتنا گہرا ہو گیا ہے کہ بسا اوقات یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ اردو اس ریاست میں باہر سے نہیں آئی بلکہ شاید یہیں پیدا ہوئی اور پھلی پھولی۔ تیکنیکی اعتبار سے شاید یہ خیال درست نہ ہو، تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس شیریں اور شاداب زبان کو جو اس ملک کے مشترکہ کلچر کی امین ہے، مہاراشٹر میں ایک محفوظ مسکن مل گیا ہے۔ ایک طرف تو مہاراشٹر کے عوام کی رواداری اور حکومت کی وسیع النظری نے اس زبان کی جڑیں مضبوط کرنے کے بھرپور مواقع عطا کئے اور دوسری طرف بمبئی شہر کی مرکزیت اور ثقافتی و اقتصادی اہمیت نے اردو کو ہر اعتبار سے تقویت عطا کی۔ آج ریاستِ مہاراشٹر کے قلب بمبئی کو یہ فخر حاصل ہے کہ اردو کے تاج میں جگمگانے والے بیشتر ہیرے اسی کے دامن میں جِلا پا رہے ہیں۔ اُردو کے ممتاز ترین ادبا و شعرا نے بمبئی کو اپنا وطن بنا لیا ہے اور اس خطّہ کی پُرسکون فضا اور ادب نواز ماحول میں زبان و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔

شعر و ادب کے علاوہ مہاراشٹر اردو صحافت کے حق میں بھی بہت سازگار علاقہ ہے۔ اس ریاست کے آنچل میں روزناموں، ہفت روزوں، ماہناموں اور سالناموں کے بے شمار سلمیٰ ستارے ٹکے ہوئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ملک کے دیگر علاقوں میں شائع ہونے والے اردو اخبارات و رسائل کی کھپت بھی ہمارے ہاں ہی سب سے زیادہ ہے۔

اُردو تعلیم کے میدان میں بھی ریاست مہاراشٹر کا سر فخر سے بلند ہے۔ اردو ذریعۂ تعلیم والے پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں کی تعداد جتنی اس ریاست میں ہے شاید ہی ملک کے کسی اور علاقہ میں ہو۔ سرکاری نظم و نسق میں شائع شدہ اُردو درسی کُتب اعلیٰ ترین معیاری کتابوں کے مقابلہ میں رکھی جا سکتی ہیں۔

فلم انڈسٹری نے جس کا مرکز اتفاق سے بمبئی ہی ہے، اردو اور مہاراشٹر کے تعلق کو اُستوار کرنے میں مزید مدد دی ہے۔ فلمی دنیا میں اُردو کو جو مقام اور اہمیت حاصل ہے اس کی بنا پر عالمِ اردو کے چاند ستارے بمبئی کی آغوش میں سمٹ آئے ہیں۔ اُردو کی شاعری کا دامن بہت وسیع اور رنگین ہے اور ہندوستانی فلمی صنعت اس سے پورا پورا اِستفادہ کر رہی ہے۔ اس دِلکش عمل کے لئے جس کے اثرات پورے ملک کی معاشرتی و ثقافتی زندگی پر مُرتسم ہو رہے ہیں، ہماری ریاست ہی پلیٹ فارم مہیا کر رہی ہے۔

اُردو کو مہاراشٹر سے قریب کرنے والے عوامل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ارضِ دکن کا، جسے مادرِ اردو بھی کہا جاتا ہے، ایک بڑا حصّہ ریاستوں کی لسانی تشکیل کے بعد مہاراشٹر کا جزو بن چکا ہے۔ یہ خطّہ اردو اور مرہٹی کا ایک حسین سنگم ہے۔ اس علاقہ کی مہاراشٹر میں شمولیت کے بعد، اردو اور اِس ریاست کے درمیان رہی سہی غیریت بھی ختم ہو گئی۔

اُردو کے فروغ کے لئے مہاراشٹر کی سرزمین صحیح معنوں میں بڑی مبارک اور مناسب ہے۔ اردو مختلف زبانوں اور ثقافتوں کے امتزاج و اختلاط کا نتیجہ ہے اور یہ امتزاج فی زمانہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ کہیں نظر آتا ہے تو وہ مہاراشٹر بالخصوص بمبئی ہے۔ اس کے ساحلوں پر بحیرۂ عرب کی بیقرار موجیں سر پٹکتی ہوئی گویا اُن ایام کی تلاش میں سرگرداں ہیں جب مشرقِ وسطیٰ کی انگڑائی لیتی ہوئی تہذیب کے قاصد اِن ساحلوں پر اُترے تھے اور تجارت اور دوستی کے اٹوٹ رشتوں کی بنیاد پڑی تھی جو آج بھی، خواہ بدلے ہوئے روپ میں برقرار ہیں۔

تہذیبوں کا اِختلاط بڑھتا گیا۔ فاصلے کم ہوئے اور اس میل جول کی یادگار (اردو) وجود میں آئی جس کی بنیادیں تو عربی اور فارسی تھی لیکن جس کی دیواروں میں سنسکرت اور دیگر ہندوستانی زبانوں کا چونا گارا لگنے لگا۔ اُردو مشترکہ ثقافت کی علامت بنتی گئی۔

اِس خوبصورت علامت کو مہاراشٹر والوں نے آنکھوں سے لگایا۔ اسے حقیقی معنوں میں قومی یکجہتی کی نمائندہ زبان کی حیثیت دی اور اس کی بقا اور ترقی کے لئے وہ تمام وسائل مہیا کئے جن کی آرزو ہر اردو دوست کو رہی ہے۔

اور اب زیرِ نظر جریدہ کا حکومتِ مہاراشٹر کے زیرِ انتظام اجراء اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ ریاست اردو کی ترویج و اشاعت کیلئے ہر ممکن قدم اُٹھانے کو تیار ہے۔ روایتی طور پر اردو کے علاقے کہلانے والی ریاستیں بھی مہاراشٹر کی اردو نوازی کو رشک سے دیکھنے پر مجبور ہوں گی۔

ہمیں یقین ہے کہ وزیرِ صحت و اوقاف عالیجناب ڈاکٹر رفیق زکریا کی ادب نواز ہستی "قومی راج" کیلئے مشعلِ راہ ہوگی جنھوں نے قومی راج کے اجراء کے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے میں قابلِ قدر دلچسپی لی ہے۔

"قومی راج" کا یہ نقشِ اولیں ہے۔ ہماری یہی کوشش ہوگی کہ ہر نیا نقش گذشتہ سے بہتر ہو اور یہ رسالہ اردو داں طبقہ کیلئے ادب، تہذیب اور ثقافت کا ایک معنوی و مجلّیٰ آئینہ بن جائے۔ ہمیں آپ کے مشورں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

غزل

حُسن، اِک پھول کھِلا ہو جیسے
عِشق، خاموش چِتا ہو جیسے

کون اِسطرح مرے پاس آیا
رقص میں موجِ صبا ہو جیسے

اِس تکلف سے کھِلا غنچۂ دل
غنچۂ بندِ قبا ہو جیسے

لب مے گوں کی عنایت سے مِلی
تشنگی، آبِ بقا ہو جیسے

یوں تجھے یاد کیا کرتا ہوں
تو مجھے بھول گیا ہو جیسے

تیری دُوری سے ہے خالی خالی
وقت، بے برگ و نوا ہو جیسے

ہر غزل میں یہی محسوس ہوا
میں نے کچھ اُن سے کہا ہو جیسے

آگہی اپنی خطا ہو جیسے
بے بسی اِس کی سزا ہو جیسے

ظلم پر ظلم سہو، کچھ نہ کہو
یہی آئینِ وفا ہو جیسے

کارواں لُوٹ سے کوئی نہ بچا
راہزن، راہ نُما ہو جیسے

درد کی راہ میں ہے شست قدم
زندگی، آبلہ پا ہو جیسے

فکر کی آگ میں بنتا ہے سُخن
حرفِ پرسوز، دُعا ہو جیسے

شاعری وہ ہے کہ دریاؤں کے نام
کوہساروں کی صدا ہو جیسے

وجدؔ خوشیوں کے سرابوں میں ہے گُم
ہر خوشی غم سے جُدا ہو جیسے

سکندر علی وجد

قدیم اور جدید مرہٹی شاعری

ہر قوم اور انسانی گروہ نے، خواہ وہ نسبتاً ترقی یافتہ ہو یا کم ترقی یافتہ، اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار فن و ادب کی مختلف اصناف میں مختلف سطحوں پر کیا ہے۔ ازمنۂ قدیم کا انسان بھی جو ابھی غاروں میں زندگی گذار رہا تھا اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کیلئے مستقل کوشاں تھا۔ اس دور کے غاروں کی دیواروں پر جو نقوش ملے ہیں وہ اس کے داخلی کیف وکم کے فنی اور علامتی اظہار کے خوبصورت اور دلچسپ مظاہر ہیں۔

شاعری نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ دور کی چیز معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کے اظہار کیلئے لفظ و بیان کی ایک خاص سطح ناگزیر ہے جو احساسات میں غور و فکر کی آمیزش کے پیچیدہ مرکب کی متحمل ہو سکے۔ چنانچہ ماضی کے کسی بھی دور میں زبان کے جہاں کہیں اور آثار ملتے ہیں وہیں شاعری کا وجود یا تو واضح طور پر ملتا ہے یا پورے اعتماد کے ساتھ فرض کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے اپنے دور کی تمام زندہ زبانوں کا ایک ادبی و شعری ماضی ہے۔ یونانی، لاطینی، عربی اور سنسکرت جیسی قدیم زبانوں کی طرح بنگالی، گجراتی، تیلگو، تامل اور مرہٹی میں بھی اعلیٰ پایہ کی شاعری اور ترقی یافتہ شعری اصول و ضوابط کا ایک نظام موجود ہے۔

شاعری ایک اچھوتے احساس اور اس احساس کی غذا پر پنپنے والے فکر کے خوبصورت اور پُراثر اظہار سے عبارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری پڑھنے یا سُننے والے بے حد متاثر ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس میں کسی نہ کسی پہلو سے خود اپنے ہی احساسات و جذبات کے کسی زاویہ کی منفرد عکاسی محسوس کرتے ہیں۔

شعر وہ کیفیت ہے جو شاعر کے دل پر طاری ہوتی ہے۔ کسی منظر کو دیکھ کر یا کسی حادثہ یا واقعہ سے متاثر ہو کر شاعر جب اپنے جذبات کو الفاظ میں قافیہ اور ردیف سے پیدا ہونے والی دلکش آوازوں کے جامہ میں پیش کرتا ہے اور وہ احساس یا خیال شعر کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔

عبدالحمید ابدبیرے

دوسری زبانوں کی طرح مرہٹی زبان میں بھی ہر دور میں شاعری کا وجود رہا ہے۔ مرہٹی شاعری کا ماضی بیشتر اس صنفِ شعر پر مشتمل رہا ہے جسے عرفِ عام میں "لوک گیت" کہتے ہیں۔ مرہٹی لوک گیتوں میں لاؤنی اور اشلوک زیادہ مشہور ہیں۔ تاہم مرہٹی میں اردو شاعری کی طرح رُباعیات یا قطعات جیسی ایسی اصنافِ شعر موجود نہیں ہیں جو بیشتر یا تو بلا واسطہ فارسی و عربی سے در آئیں یا پھر فارسی و عربی اصناف میں ترمیم و اضافہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں۔

کاغذ اور وقت کی کمی کے پیش نظر زیر نظر مضمون میں کسی بھی زبان کی شاعری یا اس کے شعراء کا خاطر خواہ طور پر تعارف پیش کرنے کی کوشش کرنا مشکل ہے اس کی شاعری کی باریکیوں اور ان کے لفظی و معنوی پہلوؤں کی وسعت و بلندی پر قلم اٹھانے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔

چنانچہ موجودہ مضمون میں بھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ اس کا مقصد صرف چند قدیم و جدید مرہٹی شاعری کے نمونوں کے ذریعہ دونوں ادوار کی شاعری کے بنیادی فرق و امتیاز کی ایک جھلک دکھا دینا ہے۔

مرہٹی زبان جس میں "لاؤنی" اور "اشلوک" کی اصناف مقبول ہیں، جذبات کی ادائیگی کے لئے مطلوبہ لچک پوری طرح رکھتی ہے۔ اور اس کی کویتاؤں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں کہاوتوں اور ضرب الامثال کو عام طور پر بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور با مقصد طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تشبیہات کی طرح ضرب الامثال بھی مرہٹی زبان کی شاعری میں اختصار اور اثر پیدا کرنے کے مقاصد کے حصول میں ایک خاص کردار ادا کرتی ہیں۔ ضرب الامثال کا چابک دستی کے ساتھ استعمال، پیچیدہ احساس، خیال یا مضمون کو سادگی کے ساتھ پیش کر کے پڑھنے یا سُننے والے کو خوشگوار حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

مرہٹی زبان بھی دوسری کئی صوبائی زبانوں کی طرح کافی ترقی یافتہ ہے اور اس میں احساس و فکر کے پُراثر

اظہار کی سادہ و پُرکار صلاحیت موجود ہے۔ مرہٹی زبان بالغ ہے۔ غالباً اسمیں سنسکرت جیسی بلیغ اور متمول زبان کے اثرات کا بھی ایک خاص رول ہے۔

ہمارے دور سے کوئی سات سو سال قبل جو مرہٹی شاعری کی ابتدا کا دور کہا جا سکتا ہے مختلف قسم کے صوفی شعراء کا جن کی کوئی نہ کوئی مذہبی حیثیت مسلم تھی بڑا زور تھا ان صوفی شعراء نے مرہٹی میں شاعری کو مقبول بنانے اور اسکے ابتدائی سنگار میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ یہ شعراء بھائی چارہ' محبت' خدا پرستی اور خدا ترسی کے پیغام کو اپنی کویتاؤں کی شکل میں سیدھی سادی زبان میں پھیلاتے تھے۔

اِن صوفی شعراء میں سنت نانیشور' کوی مکندراے' سنت مکتیشور اور سنت تکارام خاص طور پر قابلِ ذکر اور معروف ہیں۔ مؤخر الذکر کا زمانہ تقریباً تین سو سال قبل کا ہے۔ ایک شعر ہے ؎

ئرشلوک وامنا چا' ابھنگ وانی پرسید ھ تکّ یاچی
اُووی نانیشیا چی' کنتو آریہ میود پنتھا چی

یعنی شعر یا شلوک وامن پنڈت کے' کلام تکارام کا' رُباعیاں نانیشور کی اور غزلیں موروپنت کی۔

چنانچہ کوی سنت نانیشور ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

سلنگیر کو مُود ذلاچے تاٹے
جو جیوّلا چندوکر سنے چوکھٹے
تو چکورُو ' کائی والو نیٹے
چنبت آہے

وہ چکور جس کی غذا چاند کی روشنی سے کھِلنے والے کنول کے پتوں پر چاند کی روشن کرن ہو' وہ ریت کھانے کیوں جائے گا۔

مندرجہ بالا شعر میں استعارہ کا بلیغ استعمال قابلِ غور ہے اور اس نے شاعر کے مافی الضمیر کو جس طرح دلچسپ اور پُراثر بنا دیا ہے وہ ظاہر ہے۔

مرہٹی کی قدیم صوفیانہ شاعری میں اِنسانی خدمت کے جذبہ کو متحرک کرنے کے مقصد کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

اردو کا مشہور شعر ہے ؎

یہی ہے عبادت' یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں اِنساں کے اِنساں

اِنسانی خدمت کے اسی صوفیانہ آدرش کو سنت تکارام جی نے ابھنگ وانی میں پیش کیا ہے ؎

وشنوے جگ' وشنو واں چا دھرم
بھیدا بھید بھرم اَ منگل
آئیکا جی تمہی ' بھگت بھاگوت
کَرال تَے ہَت سَت کَرا
کوناہی جیوا چا' نہ گھڈ او امت سر
ورم شرو دلیشور پوجا چے!

ترجمہ: جہاں جہاں میں دیکھتا ہوں' مجھے سب اچھا ہی اچھا نظر آتا ہے۔ جدا جدا دھرم اور جدا جدا قومیں اگرچہ باہم منقسم ہیں۔ لیکن دیکھو میرے دوستو! جو کروگے سچائی کے لئے کرنا۔ عبادت یہی ہے کہ اِنسان کی خدمت کی جائے۔ کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ہو تو پھر عبادت بے کار ہے۔

مرہٹی ادب میں ان اشعار کو ابھنگ وانی کہتے ہیں۔ اسی طرح مرہٹی کے مشہور شاعر وامن پنڈت فرماتے ہیں ؎

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مرہٹی زبان کی قدیم شاعری کا رنگ اور بنیادی theme آپ نے دیکھ لیا۔

جوں جوں قدیم شاعری کا دور اور اس کے اثرات مضمحل ہوتے ہیں اور ہم نئے دور کی طرف آتے ہیں جو ہر جانب سے جدید اثرات اور عوامل کی زد میں ہے تو قدیم شاعری کے بنیادی 'تھیم' اور خصوصیات ہمارا ساتھ چھوڑنے لگتی ہیں اور ہمیں مرہٹی میں نئے سازو آہنگ' نئے لہجہ' نئے تھیم اور نئے زاویۂ نظر کا احساس ہوتا ہے۔ نئے زمانہ کی مرہٹی شاعری اپنے موضوعات کے نقطۂ نظر سے زیادہ رنگا رنگ بھی ہے۔ میں یہاں بغیر انتخاب کئے نئے دور کے چند اشعار جنکا تعلق حُسن و عشق کی طلسماتی دنیا سے ہے پیش کر رہا ہوں۔

کوی رام جوشی فرماتے ہیں ؎

لَٹ پَٹ لَٹ پَٹ تجھے چالنے' موٹھیا نخریلے چے
موٹھیا تو ڈولیلے چے ' ناری گَ' ناری گَ
جَل وَن کمل' چَندرا وَن رجنی
ماجھیا دِلات بَس لَس سَجنی
کَس گَ' سَانگو' ماجھیا مَنَت آس
ہوتی ہَرہَر سَجنی بھٹیا یا رات جھالی
ناری گَ' ناری گَ

ترجمہ: "اے صنم! تیری نازک خرامی باعثِ ناز اور وجۂ دلربائی ہے۔ پانی کے بغیر کنول' چاند کے بغیر رات سہانی نہیں ہوسکتی اسی طرح میرے دل میں تو بس گئی ہے۔ میں کس طرح بتاؤں تو میرے من میں کسطرح بس گئی ہے۔ میرا دل تیرے شوقِ دید میں تڑپ رہا ہے۔ آجا کہ رات زیادہ ہوگئی ہے"

رومانی شاعری کا ایک نمونہ اور ملاحظہ ہو۔ معشوق اپنے عاشق سے کہتا ہے ؎

رمی ناچے' اَن موہرے تجھی پریت پیاری رے!
تو کُوٹھے اَن مِی کوٹھے اَنتری پیا ساوے ملن جھلے رے
سَجنا کِتی واٹ پاہوں ماجھاڈ اواڈولا پھڈپھڈ تورے

ترجمہ: میں نے عشق کے نشہ میں رقص کیا۔ تیری پیاری محبت سے مسحور ہوکر۔ میرا اور تیرا ملن محض دل کی کشش سے ہوا ہے ورنہ تو کہاں اور میں کہاں۔ پیارے میں کب تک تیرا انتظار کروں۔ مگر آج میری بائیں آنکھ پھڑک رہی ہے" (بائیں آنکھ پھڑکنے سے یہ شگون لیتے ہیں کہ آج یار کے دیدار ضرور ہوں گے)

قدیم و جدید مرہٹی شاعری کے ان نمونوں سے اگرچہ آپکو مرہٹی شاعری کے بنیادی کردار کی ایک سرسری سی جھلک ملی ہے لیکن اس کی روشنی میں آپ اس کے لب و لہجہ اور مقبول موضوعات کے بارے میں ایک ابتدائی سا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

●●

اعجاز صدیقی

ہم امن چاہتے ہیں

۱

دل سے چاہتے ہیں پھولے پھلے یہ دُنیا
مائشوں میں جھُولے، خوش حالیوں سے کھیلے
جینے کی طرح اِس کو جینے کی ہو اجازت
دن قبلِ موت اِنساں، تکلیفِ مرگ جھیلے؟
روک ٹوک طے ہو یہ رہگذارِ ہستی
ہیر و راہزن کے سب ختم ہوں جھمیلے
چاہتے ہیں، ہرگز کھیلیں نہ کشتیوں سے
جوں کے یہ تھپیڑے، طوفان کے یہ ریلے
چاہتے ہیں، سچی خوشیوں سے آشنا ہوں
محفلیں ہماری، یہ زندگی کے میلے
چاہتے ہیں، آئے یوں موسمِ بہاراں
شاخیں ہری بھری ہوں، غنچے نئے نویلے
لے دِلوں سے کوئی کہدے کہ ساتھ آئیں
سیوں کو بڑھ کر آواز کوئی دے لے
ہم امن چاہتے ہیں

۲

ہم چاہتے ہیں ایسی دُنیائے حُسن و اُلفت
محبوب بھی نہ رُوٹھیں اور پیار بھی نہ ٹوٹے
وہ رقص چاہتے ہیں اپنی طرب گہوں میں
پازیب بھی نہ ٹھہرے، جھنکار بھی نہ ٹوٹے
ان اپنے گُل کدوں کی شامیں رہیں معطر
سازِ ہوائے صبحِ گلزار بھی نہ ٹوٹے
ہم چاہتے ہیں، سرکش موجیں نہ سر اُٹھائیں
کشتی رہے سلامت، پتوار بھی نہ ٹوٹے
ہم چاہتے ہیں پہنچے اِنسان اُس شرف تک
خود داریاں نہ بھٹکیں، پندار بھی نہ ٹوٹے
ایسے سفر کی دِل میں رکھتے ہیں ہم تمنا
واماندہ ہوں نہ راہی، رفتار بھی نہ ٹوٹے
ماحولِ رزم گاہِ عالم کچھ اِس طرح ہو
نیزے بھی بل نہ کھائیں، تلوار بھی نہ ٹوٹے
ہم امن چاہتے ہیں

۳

ہم چاہتے ہیں ساری دنیا کو جگمگا دیں
کر کے چراغ روشن عرفان و آگہی کے
اُن میکشوں کو دیں گے ہم خود سزائے مستی
جو بھُولنے لگے ہیں آدابِ میکشی کے
کیوں رنج و غم مُقدر بن جائیں آدمی کا؟
دنیا میں کیوں جنازے اُٹھنے لگیں خوشی کے؟
بچ کر نہ جا سکے گا اب تیرہ کار کوئی
ہم نصب کر رہے ہیں مینار روشنی کے
ہم چاہتے ہیں ڈھانچہ بگڑے نہ اِس جہاں کا
معدوم ہو نہ جائیں آثار زندگی کے
ہم چاہتے ہیں، لاوے سینوں سے اب نہ اُبلیں
اُلجھیں نہ آدمی سے جذبات آدمی کے
پہرے بٹھا سکے گا کوئی نہ اب زباں پر
گاتے رہیں گے نغمے اَمن اور آشتی کے
ہم امن چاہتے ہیں!
ہم امن چاہتے ہیں!
ہم امن چاہتے ہیں!

ھندوستان اور دنیا بھر کے کروڑوں عوام کی آواز

وزیر اعلیٰ
شری وسنت راؤ نائیک

دس سالہ سفر

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا

اس دور میں جبکہ آئے دن صوبائی حکومتوں پر زوال آتا رہتا ہے اور وہ اپنی ہیئت بدلتی رہتی ہیں، کسی ایک فرد کا وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے متواتر دس سال تک قائم رہنا معجزہ سے کم نہیں۔ لوگ سوچنے پر مجبور ہیں کہ شری وسنت راؤ نائیک کی قیادت میں کونسا راز مضمر ہے کہ شدید ترین بحران بھی ان کے قدموں کو متزلزل نہ کر سکے۔ اس کا راز شاید یہ ہے کہ شری وسنت راؤ نائیک ایک منکسر المزاج شخصیت کے مالک شریف النفس انسان ہیں۔ انھیں وہ انسانی فطرت ودیعت کی گئی ہے جسمیں بجز خلوص و محبت کسی قسم کی ریاکاری یا منافقت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ جس سے ملتے ہیں خلوص سے ملتے ہیں اور اپنی کسی بات سے بھی بیگانگی یا غیریت نہیں ظاہر ہونے دیتے۔

شری وسنت راؤ نائیک وزیر اعلیٰ سے زیادہ ایک عظیم انسان ہیں جنمیں بیشمار اخلاقی خوبیاں ہیں۔ دل میں کلم کرنے کی لگن ہے، سوز و گداز ہے جس نے ان کے آئینۂ حیات کو بغض و عناد، غرور اور رشک و حسد سے کبھی غبار آلود نہیں ہونے دیا۔ آج تک انھوں نے کسی بھی انسان کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ مردم آزاری جس سے بڑھ کر کوئی اخلاقی معصیت نہیں ہوسکتی، ان کے دست و بازو میں اسکی مطلق قوت نہیں ہے۔ جہاں تک وزیر اعلیٰ کی شخصیت کا تعلق ہے کوئی بھی ان کی مخلصانہ فطرت اور خوبیوں کا منکر نہیں ہے خواہ وہ ان سے سیاسی اختلافات ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔

شری وسنت راؤ نائیک کو نہ تو کسی ستائش کی تمنا ہے اور نہ صلہ کی پروا ہے۔ وہ بچپن ہی سے اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیت اور کھلیانوں کے کام میں منہمک رہے ہیں۔ انھوں نے کبھی حصولِ زر کیلئے کوشش نہ کی کیونکہ اس شئے کی نائیک خاندان میں فراوانی ہے۔ حصولِ علم کیلئے دل و جان سے کوشاں رہے۔ ان کے دل میں ہمیشہ اپنی قوم کی خدمت کرنے کا جذبہ موجزن رہا۔ ان کی اسی لگن اور اسی تڑپ نے انھیں ایک کاشتکار سے ریاست کا اعلیٰ ترین حاکم بنا دیا۔ آج بھی وہ قوم کی فلاح و بہبود میں لگے ہوئے ہیں۔ رات دن محوِ کار ہیں پھر بھی چہرے پر کبھی تکان کے آثار پیدا نہیں ہونے دیتے بلکہ ہر وقت ان کے ہونٹوں پر ایک دلکش تبسم چھایا رہتا ہے۔

شری وسنت راؤ نائیک مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ دسمبر ۱۹۶۳ء میں چنے گئے۔ یہ ایسا وقت تھا جبکہ نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پورے ہندوستان پر ۱۹۶۲ء کے چینی حملہ کے تاثرات باقی تھے۔ ایک طرف کارخانوں میں ہتھیار اور فوجی سامان گھڑا جا رہا تھا تو دوسری طرف نائیک صاحب کا "خوب پیداوار بڑھاؤ" کا نعرہ کھیتوں اور کھلیانوں میں کسانوں کا دل بڑھا رہا تھا۔ ان کی مسلسل یہی کوشش رہی کہ مہاراشٹر کم از کم اناج کے بارے میں خودکفیل ہو۔ بطور ایک کاشتکار نائیک صاحب مشکل مرحلوں پر کاشتکاروں کی رہنمائی کرتے ہیں اور سرکار سے ہر قسم کی مراعات بہم پہنچانے میں ان کی معاونت کرتے ہیں۔

اِمساکِ باراں اور خشک سالی مہاراشٹر کے لئے بڑی صبر آزما گھڑیاں تھیں۔ شری وسنت راؤ نائیک کیلئے یہ ایک آزمائش کا وقت تھا۔ انھوں نے اپنی قوتِ ارادی پر بھروسہ کیا اور فوراً ہی فصلوں کو بچانے کیلئے ضروری اقدامات کئے۔ نتیجہ کے طور پر کم از کم سات ہزار پمپنگ سیٹ گاؤں اور دیہاتوں میں لگوائے گئے تاکہ فصلوں کو بچایا جا سکے۔ نئے کنویں کھدوانے کا اعلان کیا اور موجودہ کنوؤں کو اور گہرا کھدوایا گیا تاکہ ہر طرف سے فصلوں کو پانی پہنچایا جا سکے۔

عموماً بیرونی حملہ کی صورت میں معیشت بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء میں ملک پر پاکستانی حملے کے موقع پر جب زرعی اور صنعتی پیداوار پر اثر پڑنے کا خدشہ محسوس کیا گیا تو شری وسنت راؤ نائیک نے شبانہ روز قصبوں دیہاتوں کا دورہ کیا اور عوام کی حوصلہ افزائی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو اناج کی پیداوار ہی پر کوئی اثر پڑا اور نہ صنعتی ترقی میں کوئی کمی ہوئی۔

۱۹۶۴ء میں شری وسنت راؤ نائیک نے شراب بندی کے اصولوں میں نرمی پیدا کرنے کیلئے ایک بیان دیا۔ اس بیان سے ایک تہلکہ مچ گیا۔ ہر طرف سے اس کی مخالفت کی گئی مگر وہ اپنی بلند ہمتی سے اپنے بیان پر یہ کہتے ہوئے عمل پیرا ہوئے کہ شراب پینے والوں کو ایک قسم کا مریض سمجھ کر ان کا علاج کرنا چاہئے نہ کہ

ریاض احمد خاں

ضیں قانون شکن قرار دے کر سزا کا مستحق قرار دیا جائے۔
زبِ مخالف کیلئے یہ اعلان ایک ایسا حربہ تھا جس سے
ہ شری وسنت راؤ نائیک پر بے جا الزام عائد کر سکتے
تے مگر نائیک صاحب کے اٹل فیصلے نے انھیں خاموش
ہنے پر مجبور کر دیا۔

فروری ۱۹۶۵ء میں شری وسنت راؤ نائیک نے
راٹھی زبان کو صوبائی حکومت کی دفتری زبان قرار
یدیا تاکہ شہروں سے دور گاؤں دیہاتوں میں بسنے والے
م پڑھے لکھے لوگ اپنے معاملات کو اپنی زبان میں
کومت کے سامنے پیش کر سکیں۔

نائیک صاحب کی دلی خواہش ہے کہ انکا " سبز
نقلاب" نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پورے ہندوستان میں
ئے ۔ وہ اس انقلاب کو لانے کیلئے کوشاں ہیں اور
ن کی انتھک محنت سے یہ بعید نہیں کہ ان کا خواب
رمندۂ تعبیر ہو۔ شری وسنت راؤ نائیک اچھی طرح
انتے ہیں کہ یہ امر وقت طلب ہے مگر اپنی ہمت، صبر
ر سکون سے منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کے
لفاظ میں " جب دل میں کام کی لگن ہو، ارادے نیک
وں تو منزلِ مقصود پر آسانی سے پہنچا یا جاسکتا ہے۔

شری وسنت راؤ کی شریکِ حیات محترمہ وتسلا بائی
ئیک نے بھی اپنی دن رات کی جانفشانی سے مہاراشٹر میں
نا ایک بلند مقام بنالیا ہے۔ یہ نیک دل خاتون
ہاراشٹر کے کئی علمی، تہذیبی اور سماجی اداروں سے وابستہ
ں اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر کام میں
ری وسنت راؤ نائیک کا ہاتھ بٹاتی رہتی ہیں۔

ہر انسان کی طرح نائیک صاحب کے بھی اپنے
وق ہیں مگر حد سے تجاوز کرتا ہوا کوئی شوق
ہیں۔ انھیں پائپ پینے کا شوق ہے۔ عمدہ خوشبو
لا اور خوب سا تمباکو رکھنے کا شوق ہے۔ اپنی
ندوق سے شکار کرنے کا شوق ہے اور فرصت کے
وقات میں اپنے بچوں کے ساتھ خوشی سے تھوڑا
سا وقت گذارنے کا شوق ہے۔

پنڈت جواہرلال نہرو نے ہمیشہ وسنت راؤ

مہاراشٹر کے ہر دلعزیز رہنما

شری وسنت راؤ نائیک

نائیک صاحب کی صاف ستھری اور سلجھی ہوئی سیاست
کی تعریف کی اور محبت سے پیش آئے ۔ ایک مرتبہ
انھوں نے نائیک صاحب سے پوچھا " نائیک صاحب
کبھی آپ نے کسی عادت کو چھوڑنے کی کوشش بھی
کی ہے ؟ " نائیک صاحب نے برجستہ جواب دیا،
" میں ایسی عادت ہی نہیں ڈالتا جس کے بارے
میں مجھے پشیمان ہوکر اُسے چھوڑنا پڑے ۔"

وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے مہاراشٹر
کے حالیہ قحط پر پوری طرح اور خوش اسلوبی سے
انتظامیہ سنبھالنے پر نائیک صاحب کی ہمت افزائی
کرتے ہوئے کہا کہ یہ نائیک صاحب کی دور اندیشی
اور تجربہ کاری کا نتیجہ ہے کہ قحط اپنے اثرات
مہاراشٹر میں دیرپا نہ چھوڑ سکا۔

مجروح سلطانپوری

سوئے مقتل کہ پئے سیرِ چمن جاتے ہیں
اہلِ دل جام بکف سر بہ کفن جاتے ہیں

آگئی فصلِ جنوں کچھ تو کرو دیوانو !
ابر صحرا کی طرف سایہ فگن جاتے ہیں،

اس کو دیکھا نہیں تم نے کہ یہی کوچۂ راہ
شاخِ گل شوخیٔ رفتار سے بن جاتے ہیں

بلبلو اپنی نوا فیض ہے اُن آنکھوں کا
جن سے ہم سیکھنے اندازِ سخن جاتے ہیں

جو ٹھہرتی تو ذرا چلتے صبا کے ہمراہ
یوں بھی ہم روز کہاں سوئے چمن جاتے ہیں

لُٹ گیا قافلۂ اہل جنوں بھی شاید
لوگ ہاتھوں میں لئے تارِ رسن جاتے ہیں

روک سکتا ہمیں زندانِ بلا کیا مجروح
ہم تو آواز ہیں دیوار سے چھن جاتے ہیں ؎

میری نظر میں

از : آنکھ والا

مہاراشٹر میں صنعت کاری

ہندوستان کے لوگوں کی معاشی زندگی کا
رو مدار بڑی حد تک زراعت پر ہے ۔ یہاں کی
خیز زمین، یہاں کی رواں دواں ندیاں اور دریا،
ش کی فراوانی قدرت کی طرف سے ودیعت کئے
ئے وہ عطیئے ہیں جن کی بدولت اس ملک کو
طور پر "ہندوستان جنت نشان" کہا گیا ہے ۔ گو
راشٹر کی کالی چکنی مٹی شمالی ہندوستان کے دوآبے
زمین کا اور یہاں کی ندیاں گنگا اور جمنا کا مقابلہ
ب کرسکتی ہیں پھر بھی یہاں کے محنتی باشندوں
، ہر قدرتی وسیلے سے کام لیتے ہوئے اپنے کھیتوں
لہلہاتا ہوا اور سرسبز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی
، ۔ اور جو بات انھیں خاص طور پر ممتاز کرتی
، وہ یہ ہے کہ زراعتی معیشت کو اپناتے ہوئے
، انھوں نے صنعت و حرفت کی طرف خاصی توجہ
ہے ۔ پچھلی دو عالمگیر جنگوں نے جس غیر محسوس
یقے سے یہاں کے ذہن کو صنعت کی طرف موڑ دیا
اس خطۂ ارض کی داستان کا ایک درخشندہ
ہے ۔ برطانیہ کی معیشت کی بنیاد چونکہ صنعت کاری
تھی اس لئے وہ ہمارے ملک میں صنعت کو
غ دے کر مقابلے کی صورت بھلا کیوں پیدا ہونے
۔ پھر بھی مہاراشٹرا اور بالخصوص بمبئی شہر جو
رپ کا دروازہ" کہلاتا تھا، بعض دور اندیش اور
ملہ والوں کی وجہ سے صنعت کاری کی طرف قدم
بڑھاتا گیا ۔ ذہین دماغوں کی دور اندیشی اور
جفاکشوں کی محنت کے امتزاج نے بہت جلد بمبئی
شہر کو ایک صنعتی شہر میں تبدیل کر دیا ۔ آزادی نے
اس رفتار کو تیز تر کر دیا ۔

سنہ ۱۹۴۷ء سے قبل صنعتی تعلیم اور تربیت
کے معاملے میں ہندوستان پسماندہ تصور کیا جاتا
تھا ۔ مگر پچھلے ۲۵ برسوں میں اس کا اتنا معقول
اور عمدہ انتظام کیا گیا ہے کہ صنعتوں کے قیام
اور ان کو فروغ دینے کے لئے جو فنی علم درکار ہوتا
ہے، اس کی خاطر یورپ اور امریکہ کی طرف آنکھ
اُٹھا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں رہی ۔ ابتدا میں بعض
مخصوص کاموں کے لئے غیر ملکی ماہرین کی امداد
حاصل کی گئی مگر اب یہ بہت محدود پیمانے پر
لی جاتی ہے ۔ ہندوستان میں جو کچھ اس سلسلے
میں کارروائی ہوئی مہاراشٹرا ایک بیدار مغز
ریاست کی حیثیت سے اس سے مستفید ہوتا رہا ۔

آبادی کے تناسب سے ہندوستان کی
مجموعی آبادی کا صرف ۹ فی صدی حصہ مہاراشٹرا
میں بستا ہے مگر پوری قومی آمدنی کا ۱۲ فی صدی
حصہ مہاراشٹرا کے حصے میں آتا ہے ۔ اسی طرح
یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ہندوستان میں کل
کارخانوں کے ۱۴ فی صدی کارخانے اور
کارخانوں کی کل پیداوار کا ۱۷ فی صدی حصہ
مہاراشٹر سے حاصل کیا جاتا ہے ۔ ملک بھر میں
صنعتوں کے ذریعے معاش حاصل کرنے کے
موقعے مہاراشٹر میں سب سے زیادہ ہیں ۔
سنہ ۱۹۷۰ء میں یہاں ۹۸۰۳ کارخانے قائم
تھے اور ان میں کام کرنے والوں کی کل تعداد
۹½ لاکھ کے قریب تھی ۔

صنعتی اور اقتصادی اعتبار سے مہاراشٹر کو
پانچ علاقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: بمبئی عظمیٰ،
کوکن پٹی، بقیہ مغربی مہاراشٹر، ودربھ اور
مراٹھواڑہ ۔ ان سب میں بمبئی عظمیٰ کا علاقہ ہر
حیثیت سے ترقی یافتہ ہے ۔ تاریخی اور جغرافیائی
اعتبار سے بھی اس کی بڑی اہمیت رہی ہے ۔
ریاست کی ۸۵ کپڑوں کی ملوں میں سے ۵۵ مل
یہاں ہیں ۔ کارخانوں میں ۹½ لاکھ کارکنوں کی
تعداد میں سے ۵ لاکھ ۳۰ ہزار اسی شہر میں کام
کرتے ہیں ۔ بمبئی شہر کی خوشحالی کا اندازہ اس سے
لگایا جاسکتا ہے کہ سارے ملک سے انکم ٹیکس
کی جو رقم وصول ہوتی ہے اس کا پانچواں حصہ
صرف بمبئی شہر سے ملتا ہے ۔ یہاں کی صنعتی تیز
رفتاری کی وجہ سے آبادی میں بھی حیرت انگیز اضافہ
ہوتا جارہا ہے جس شہر میں بیس سال قبل ۳۰ لاکھ
آدمی بستے تھے وہاں سنہ ۱۹۷۰ء کے شمار کے مطابق
اب ۵۶ لاکھ بستے ہیں ۔ ان میں ۱½ لاکھ کا اضافہ

صرف، کارخانوں میں کام کرنے والوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے ہوا۔ ان حالات کو پیشِ نظر رکھ کر حکومت نے بمبئی شہر سے ملحق ۸۶ قریوں کی کل ۵۵ ہزار ایکڑ زمین حاصل کر کے ایک نیا شہر آباد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تھانہ کی کھاڑی پر ایک عالی شان اور خوبصورت پُل تیار ہو چکا ہے۔ اور اس کے ذریعے نئے شہر کو بمبئی سے ملا دیا گیا ہے۔ پُل کی دوسری جانب واسی اور بیلاپور گاؤں کے جھونپڑوں کے بجائے اچھی خاصی تعداد میں کارخانے، دفتر اور ان سے متعلق رہائشی مکان تعمیر ہو چکے ہیں۔ حکومت نے ۵ کروڑ روپے کے سرمائے سے ایک ادارہ CIDCO نام سے قائم کیا ہے جو رفاہِ عام، دفتروں کی عمارتیں بنوانے، بجلی، سڑکوں اور آمد و رفت کے وسائل مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ خیال ہے کہ سنہ ۱۹۸۰ء تک بیلاپور۔ تھانہ کا یہ نیا علاقہ ۲۰ لاکھ کی آبادی کا ایک بڑا صنعتی شہر بن جائے گا جسے "بمبئی ثانی" کا درجہ حاصل ہوگا۔

خاص بمبئی شہر کی گنجان آبادی اور جگہ کی قلت نے یہاں کے صنعت کاروں کو کئی برسوں سے شہر کے باہر لیکن آس پاس مناسب مقامات کی تلاش پر مجبور کر رکھا تھا۔ سائن۔ ٹرامبے کے علاقے میں پٹرو کیمیکل کی صنعتیں قائم ہوئیں جن کا اثر متصل علاقے کوکن پر پڑا۔ کوکن کے ضلع قلابہ میں ایسے سامان مہیا ہیں جن سے کیمیاوی صنعتوں کے قائم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ بمبئی شہر سے کچھ باہر، مضافات میں ایک طرف کرلا، اندھیری، بھانڈپ، وِکھرولی، چاندیولی، تھانہ وغیرہ اور دوسری طرف بوریولی، وِرار تک نئے نئے کارخانوں کے جُھرمٹ دکھائی دیتے ہیں جن میں چھوٹی بڑی سیکڑوں چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔

بمبئی شہر اور کوکن کے علاقوں کو چھوڑ کر مغربی مہاراشٹرا کے دوسرے اضلاع بھی صنعتی ترقی کی دوڑ میں بڑھنے کی کوشش میں لگے ہیں۔ شولاپور، کولہاپور، ناسک اور احمد نگر کے ضلعوں میں چھوٹے بڑے کوئی ۲ ½ ہزار کارخانے قائم ہیں جن میں ایک لاکھ اسّی ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ ہندوستان بھر کی شکر کی کل پیداوار کا پانچواں حصہ یہیں سے حاصل ہوتا ہے۔ اس علاقے میں کوآپریٹو (امداد باہمی) بنیاد پر جس کامیابی کے ساتھ صنعتیں قائم کی گئی ہیں وہ آپ اپنی مثال ہے۔

مراٹھواڑہ کا علاقہ پانچ اضلاع پر مشتمل ہے، جن میں اورنگ آباد صنعتی اعتبار سے تو کوئی حیثیت رکھتا ہے، باقی حصّے ابھی بہت زیادہ آگے نہیں بڑھ پائے ہیں۔ یہاں کی صنعتوں میں کتائی اور بُنائی، شکر، صابن سازی، وناسپتی، پکانے کا تیل اور ٹن کے کارخانے قابل ذکر ہیں۔ جن میں سے اکثر کوآپریٹو اُصولوں پر چل رہے ہیں۔

مہاراشٹرا کا تیسرا بڑا علاقہ ودربھ کا ہے جس میں آٹھ ضلعے ہیں۔ ان سب کی زمین زرخیز ہے اس لئے لوگوں نے زراعت کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔ یہاں معدنیات کا بھی ذخیرہ ہے۔ پنجاب کی طرح ودربھ کے لوگوں نے بھی چھوٹی صنعتوں سے کافی فائدہ حاصل کیا ہے۔ پچھلے دس سال کی مدّت میں ایسی صنعتوں کے کارخانوں کی تعداد ۲۶۷ سے بڑھ کر ۲۲۵۷ تک پہنچ گئی۔ ان کے ذریعے زراعت کے آلات، بجلی کے سامان پلائی وُڈ، موٹر کار کے پُرزے وغیرہ تیار ہوتے ہیں اور ان چھوٹی صنعتوں کی کوئی ۳۰ قسمیں گِنائی جا سکتی ہیں۔

ریاست مہاراشٹرا میں صنعتوں کو فروغ دینے کی خاطر ودربھ، مغربی مہاراشٹرا اور مراٹھواڑہ کے علاقوں میں علاحدہ علاحدہ ترقیاتی ادارے حکومت کی جانب سے قائم ہوئے ہیں جو اپنے علاقوں کی ضروریات اور وسائل کا لحاظ رکھتے ہوئے صنعتی ترقی کے منصوبے تیار کرتے ہیں اور سرمایہ حاصل کرنے اور دوسرے سرکاری و نیم سرکاری اداروں سے مختلف قسم کی مدد لینے کے طریقوں سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ پھر ان سب کے علاوہ ریاستی ڈائرکٹر آف اِنڈسٹریز کا شعبہ ہے جس کا بنیادی مقصد بڑی بڑی صنعتوں، چھوٹے پیمانے کی صنعتوں اور گھریلو صنعتوں کو فروغ دینا ہے۔ سنہ ۱۹۶۲ء سے مہاراشٹرا انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا دائرہ عمل پوری ریاست پر پھیلا ہوا ہے۔ اس ادارے کا مقصد بمبئی شہر کو چھوڑ کر ریاست کے باقی حصّوں میں ایسی سہولتیں مہیا کرنا ہے جن سے صنعتوں کے قیام میں مدد مِل سکے۔ ایسے علاقوں پر یہ ادارہ خاص طور پر توجہ دیتا ہے جو اَب تک پیچھے رہ گئے ہیں۔ MIDC اپنے طور پر وسیع رقبہ کی زمین حاصل کر کے اس پر کارخانے کے معیاری قسم کی عمارت تعمیر کرتا ہے، بجلی، پانی اور سڑکوں کا انتظام کرتا ہے۔ ان تعمیرات کو "انڈسٹریل اسٹیٹ" کہتے ہیں۔ مہاراشٹرا کے ۲۲ ضلعوں میں اب تک ۳۴ انڈسٹریل اسٹیٹ قائم کئے جا چکے ہیں اور امید ہے کہ ہر ضلع میں کم سے کم ایک انڈسٹریل اسٹیٹ ضرور قائم ہو سکے گا۔

اگرچہ اب بھی مہاراشٹرا پوری طرح ایک صنعتی ریاست نہیں بن پایا ہے لیکن اس مختصر سے جائزے سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہاں کے صنعت کاروں نے مستقل مزاجی، عزم اور دُور اندیشی کے ساتھ جو اقدام کیا ہے آج اسی کا طفیل ہے کہ جہاں ہندوستان کی فی کس اوسط آمدنی ۵۸۹٫۳ روپئے ہے وہاں مہاراشٹر میں یہ اوسط ۷۵۸٫۷ روپیہ ہے۔

✵ ڈاکٹر رفیق زکریا
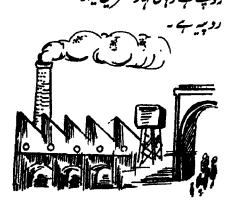
نظام زندگی کی بنیاد میں زبردست تبدیلی
بر کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اوپر کی تعمیر — جو
مند انسانوں کی صدیوں کی محنت اور جانفشانی
صل ہوتی ہے ' وہ اینٹوں کے ڈھیر یا ویرانے
بدل ڈالی جائے ۔ اُس کی سبھی خوبیاں اور
یاں ' باریکیاں ' نرمیاں اور نزاکتیں آگے
ہ والی نسل کو ورثے کے طور پر سونپی جاتی ہیں
اگلی نسل — یا نسلیں اُن میں سے اپنے کام
زیں نکال لیتی ہیں ' تب اگلا قدم اٹھاتی ہیں
، انسانی تہذیب کا یہ کارواں پُرانے سازوسامان
میں سے زندہ ' توانا ' کارآمد اور قیمتی متاع لئے
ہوئے مستقبل کے ناہموار راستوں پر بڑھتا رہتا ہے

اردو زبان ' اردو ادب اور میں تو کہوں گا
کہ اگر اسے یہ نام دیا جاسکے تو " اُردو تہذیب "
بھی ایسا ہی ایک بیش بہا اور کارآمد سازوسامان
ہے ۔ مستقبل کا ہندوستان ' اُسکی رنگا رنگ
تہذیب ' اُس کا کاسموپولیٹن کیریکٹر — جس کی
حفاظت اور توانائی کا حلف ہماری وزیراعظم شریمتی
اندرا گاندھی نے اُٹھایا ہے ۔ وہ ہندوستان اردو
کے قیمتی ورثے سے بیگانہ یا بے نیاز نہیں رہ سکتا
کیونکہ یہ زبان اور اس کا ادب کسی ایک علاقے
میں محدود نہ ہونے اور کسی ایک فرقے کی جاگیر
نہ رہنے کی بدولت ملکی اور غیر ملکی زبانوں اور اَدبوں
سے ایک ساتھ " سب رس " پی لینے کے سبب سے
یہ خود ایک چھوٹا سا ' پیارا سا ' ہندوستان ہے ۔

سیاسی کشمکش کی نفرت انگیزی اور فرقہ پرستی
کے اندھیاؤ تھمتے ہیں تو ہر ایک صحتمند ہندوستانی
ذہن کو صاف نظر آتا ہے کہ :

(۱) جس زبان کو آج ہم اردو کہتے ہیں یہ خود
ہندی کی ایک باوقار ترقی یافتہ شکل ہے ۔

(۲) اردو کی ترقی اور وسعت سے نیشنل لینگویج کو ترقی اور وسعت ملتی ہے۔

(۳) اردو ادب کا مزاج سیکولر (Secular) رہا ہے اور اردو کی بقا کے لئے ہر تحریک کو سیکولر ہی رہنا پڑے گا۔

(۴) ہندوستان میں سیکولرزم، جمہوریت اور سوشیلزم کی ترقی اور طاقتوں سے ہی اردو کا مستقبل وابستہ ہے۔ ہندوستان کی تقسیم کے مطالبوں میں جہاں اور کئی غیر منطقی کج بحثیاں تھیں، وہیں یہ حقیقی یا مصنوعی نعرہ بھی تھا کہ اردو کو ایک محفوظ وطن چاہیئے۔ کوئی بھی ایکشن (Action) اپنے ری ایکشن (Reaction) کے بغیر نہیں گزرتا کچھ تو سیاسی حالات نے پلٹا کھایا اور کچھ اس نعرے کا ری ایکشن یا ردّعمل ہوا۔ ری ایکشنری (Reactionary) طاقتوں کو منھ مانگی مراد ملی۔ انھوں نے پہلا وار اسی نوخیز پر کیا۔ یہاں اسکی ہر مانگ میں کم نظروں کو فرقہ پرستی نظر آنے لگی۔ اس آگ کو یہاں تک ہوا دی گئی کہ ملک کے ایک اہم شمالی علاقے میں اُردو کو کچھ سرکاری حیثیت دیئے جانے کے خلاف ایک طوفان برپا ہو گیا جو ہولناک فرقہ وارانہ فساد پر جاکر ختم ہوا اور اردو غریب جہاں تھی وہیں رہ گئی۔

میں ذاتی ذمّہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارے محسن اعلیٰ جواہرلال نہرو کو ان افسوناک واقعات کا سخت صدمہ تھا۔ انھیں آخری وقت میں بے بسی کے ساتھ یہ منظر بھی دیکھنا پڑا کہ پھر اُردو کے حامیوں میں فرقہ پرستوں، تنگ نظروں کی اور تاریخ کی فعال قوتوں سے بے خبروں کی آواز اونچی ہوگئی۔ تعمیری کام اتنا نہیں ہو پایا، تخریبی نعرے آناً فاناً گونج اٹھے اور ان کی گونج پر ملک کی فرقہ پرست پارٹیوں نے صدائے لبیک کہی۔ کل تک جو اس تہذیبی ورثے کے گلے پر خنجر رکھے ہوئے تھے آج وہی بغضِ معاویہ میں اردو کے حامی اور ضامن بن کر نکل پڑے۔

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

ظاہر بات ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ اردو زبان، رسم خط اور تعلیمی نظام کو پھر وہی حیثیت حاصل ہو جائے جو سنہ ۱۹۴۷ء تک حاصل تھی۔ تب تک وہ قومی پیمانے پر ہندی کی حریف یا رقیب شمار کی جاتی تھی۔ اب تاریخ کے تقاضے، آئینِ ہند کی رو سے اور بدلتے ہوئے حالات کے رُخ سے وہ ملک کی اہم زبانوں میں سے ایک زبان ہے جس نے ترقی پذیر ہندوستان میں مشکلات کے باوجود اپنا کردار بھرپور طریقے سے انجام دیا ہے، اور انجام دینے والی ہے۔ اس کا کوئی مخصوص یا محدود علاقہ نہ ہونا جہاں طاقت کا راز ہے وہیں آئینی حیثیت کو کمزور بھی کرتا ہے۔ عین یہی بات انگریزی اور سنسکرت کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے لیکن پسِ منظر کے رنگوں سے تصویر میں جو فرق پڑ جاتا ہے اسے آپ ہم خوب سمجھتے ہیں۔

ان حالات میں اگر اس قیمتی، زندہ و توانا اور کارآمد ورثے کی کوئی نگرانی یا ضمانت کر سکتا ہے تو وہ دو طاقتیں ہیں۔ ایک تو مرکز میں سیکولر، سوشلسٹ اور جمہوریت پسند حکومت جو ریاستی حکومتوں کی رہنمائی بھی کرے، ان سے کام بھی لے سکے اور اپنی انتظامی مشینری کے گھوڑے کے منہ میں آہنی لگام ڈال کر اُسے احتیاط کے ساتھ چلا سکے۔

دوسری طاقت اور زیادہ دیرپا طاقت ہے خود اردو والوں کی سیاسی اور سماجی بیداری۔ اپنی محبوب زبان کے لئے محنت اور ایثار کے ساتھ تنظیمی کام۔ ایجی ٹیشن سوتوں کو جگانے کی حد تک تو ٹھیک ہے، لیکن جب خود ہی حرفِ مقصد ہوکر رہ جائے تو پھر جاگے ہوئے اعصاب تھک جاتے ہیں اور عمل کی قوّت اونگھ جاتی ہے۔

پہلی طاقت آج ملک کو میسر ہے۔

وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے کانگریس کے الکشن مینی فیسٹو میں " اُردو کے ساتھ انصاف" کا نکتہ شامل کرکے اردو کو ایک ملک گیر مسئلہ ہی نہیں بنایا بلکہ خود اس مسئلہ کو حل کرنے کی عملی رہنمائی کی اور ریاستی حکومتوں کو روشنی دکھائی۔

ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ پچھلے تین سال کے دوران مرکزی حکومت نے بڑے دلیرانہ قدم اٹھائے ہیں۔ مخالفتوں کو دبا کر، زیر کرکے، اردو کو اس کی بعض گمشدہ امانتیں واپس کی ہیں۔ سرکاری اعلانات اور آئینِ ہند کے مطابق اردو کو آٹھویں شیڈول میں درج دوسری قومی زبانوں کے برابر کا درجہ دیا گیا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ کوئی ریاست یہ بار نہیں اٹھا سکتی خود حکومت ہند نے پیش قدمی کی۔ ایک ترقیٔ اردو بورڈ بنایا تاکہ علمی، سائنسی اور اعلیٰ نصابی کتابیں شائع کی جائیں اس بورڈ کے لئے ایک کروڑ روپے کا سرمایہ وقف کر دیا۔ اب تک بورڈ کی طرف سے کوئی اٹھارہ علمی کتابیں نکل چکی ہیں۔ نیشنل بک ٹرسٹ بھی اچھی خاصی تعداد میں اردو تراجم اور تصانیف شائع کر رہا ہے۔ یہ دونوں اشاعتی ادارے ہمارے ملک کے شایانِ شان اردو کا علمی کام انجام دے رہے ہیں۔ ساہتیہ اکاڈمی کی طرف سے دوسری اہم زبانوں کی طرح اُردو

کو بھی انعام واعزاز دیا جاتا ہے۔
تعلیم یونسکو کے تحت بھی اردو میں
عاتی کتابیں شائع کراتی ہے۔ غالب صدی
قع پر ایوان غالب کیلئے حکومت نے بیس
ہیے کی خطیر رقم دی۔ انجمن ترقیٔ اردو کو
امداد کے علاوہ اردو گھر کی تعمیر کے لئے
زمین اور ۵ لاکھ روپے کے لگ بھگ
گئی۔ ضرورتمند ادیبوں اور اہل علم کو
وظائف دئے جاتے ہیں۔

آل انڈیا ریڈیو روزانہ تقریباً ۱۲ گھنٹے
کے پروگرام دیتا ہے جو کسی اور علاقائی
کو میسّر نہیں۔

انفارمیشن اور براڈکاسٹنگ کی وزارت
پنے مختلف محکموں اور شعبوں، پروگراموں
یاروں کے ذریعہ ہزاروں اردو والوں کے
روٹی، روزی اور عزت آبرو کی زندگی کا
بست کیا ہے جو قومی آزادی سے پہلے
کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ یونیورسٹی
ن کمیشن کے ذریعے یونیورسٹیوں اور اعلیٰ
ی اداروں کو اُردو تعلیم وتصنیف کے لئے
گرانقدر رقمیں دی جا رہی ہیں۔ آج
بیش پانچ سو طلبا، اردو میں ایم۔ اے
ہے ہیں۔ ۳۲ یونیورسٹیوں میں ایم۔ اے
اردو تعلیم اور اساتذہ کا معقول انتظام
جو آج سے دس سال پہلے نہیں تھا۔ شبلی
می، جامعہ اردو، ندوۃ العلماء، ادارۂ ادبیات
، ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،
بک کلچرل بورڈ، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور
ن ترقیٔ اردو ہند کو جو مالی، علمی یا اخلاقی امداد
جاتی ہے وہ بھی بالواسطہ اردو کے کام
ہے۔ اسی کے نقش قدم پر چل کر آج کئی

ریاستی حکومتیں اس پر آمادہ ہوئی ہیں کہ اردو
شاعروں، ادیبوں، تصنیفوں اور مصنفوں کو
انعامات اور مالی امداد سے نوازیں۔ مثلاً جموں
کشمیر ریاست کی طرف سے ریاست کے اندر اور باہر کئی
اہل قلم کو فیض پہنچتا رہا ہے۔ یوپی نے اردو
اکاڈمی قائم کرکے اردو کی سَو سے زیادہ کتابوں
کو انعامات دے کر، مسودوں کی اشاعت میں
مالی امداد بھیج کر اردو کے سب سے اہم علاقے
میں اُردو کے آنسو پونچھے ہیں اور اب تقریباً پانچ
ہزار اُستاد صرف اُردو کی تعلیم کے لئے سرکاری
ملازمت میں لئے گئے ہیں۔ بہار کی حکومت بھی
عملی اقدام کر رہی ہے، اور اگر سیاسی حالات
سازگار رہے تو یقیناً ہمیں پھر سے مایوس نہ
ہونا پڑے گا۔

ہمارے مہاراشٹر میں مراٹھی کے بعد اردو
کی تعلیم کا بہت وسیع پیمانے پر انتظام موجود
ہے اور اسے اور وسیع بنایا جا رہا ہے۔ سیکڑوں
اسکول اور ہزاروں اردو اساتذہ کا ہونا ہی اس
اردو نوازی کو باقی ملک کیلئے ایک نمونہ قرار دیتا
ہے۔ اردو میں حکومت کی طرف سے لاکھوں کی تعداد
میں طلبا کو Subsidised نصابی کتابیں
دی جاتی ہیں۔ صرف ایک بمبئی شہر میں آج ستّر
ہزار بچّے اردو ذریعۂ تعلیم کے اسکولوں میں تعلیم
پاتے ہیں اور ساڑھے چار ہزار کے قریب اردو
مدرّس اچھی تنخواہوں پر کام کر رہے ہیں۔ اردو
شعراء اور ادبا کو مراٹھی کے ساتھ سالانہ
ایوارڈس بھی دئے جاتے ہیں۔ بمبئی فلمی دنیا
کا صدر مقام ہے اور فلموں کے ذریعہ جو اُردو
کو عام مقبولیت نصیب ہے وہ تو ہے ہی۔ لیکن خود
ہماری حکومت اور میونسپل کارپوریشن کی مدد سے اردو
کی تعلیم اتنی عام اور معیاری ہے کہ اگر یوپی، بہار،
ہریانہ اور دلی میں بھی ہو جاتی تو شکوہ شکایت کا
یہ باب تو بند ہو چکا ہوتا۔

حکومت ہند کا سب سے دلیرانہ اور سیاسی انتظامی
قدم "فروغ اردو کمیٹی" کا قیام ہے جو میرے دوست
اندر کمار گجرال کی رہنمائی میں اور غیر سرکاری ممبروں
کی موجودگی میں سارے ملک کا دورہ کر چکی ہے۔ ہر جگہ
سے مختلف افراد اور اداروں سے اپنے شکایات
اور تدبیروں کا ایک انبار جمع کیا ہے۔ آجکل اسے
چھانٹا جا رہا ہے۔ رپورٹ پارلیمنٹ کے سامنے آئیگی
اور ہمیں یقین ہے کہ یہ کمیٹی اردو کے مستقبل کو نیا
اور شاندار موڑ دے گی۔

یہ سب ایک طرف ہے لیکن جیسا کہ زبانوں کی تاریخ
گواہ ہے، اہل زبان کے عمل اور سرگرمی کا کوئی بدل
نہیں ہوا کرتا۔ دنیا میں آج کئی ترقی یافتہ زبانیں مثلاً
چیک اور پولش زندہ وتابندہ ہیں جنھیں کئی کئی نسلوں
تک کسی حکومت کی سرپرستی نصیب نہیں ہوئی بلکہ
مخالفتوں کا نشانہ اور قوم پرستی کا نشان بنی رہی
ہیں۔ انھیں اہلِ زبان کی محبّت، محنت اور عمل نے
زندہ رکھا اور وقت آیا کہ وہ پوری قوت سے اُبھر آئیں۔

زبان سے بڑھکر دلوں کو جوڑنے والی اور کوئی
چیز نہیں ہوتی۔ زبان سے بہتر اپنے بزرگوں سے اور
کوئی ورثہ نہیں پہنچتا۔ شکوہ شکایت کے سوگوارانہ
مزاج سے نجات پاکر ہم جو کچھ اپنی زبان کیلئے کرتے ہیں
بچّوں کے اسکولز، بالغوں کے شبینہ (Night) اسکول،
لائبریریاں، کتبخانے، اعلیٰ معیار کے اساتذہ، روشن خیال
اہل قلم، باخبر اور صاحب نظر اخبار و رسائل۔ یہ ہیں
وہ ستون جن پر کوئی زبان گوارا یا ناگوار حالت میں زندہ
رہتی ہے اور ان کے پس پُشت ایسی عمدہ اور قابل قدر
تصانیف اور تالیفات کی بھی پوری لائن لگی رہنی چاہئے
جو دوسری زبان والوں کو ہماری طرف اور ہمکو دوسری
زبان والوں کیطرف متوجہ اور ضرورتمند بنائے رکھے۔

دھوم ہے جمہوریت کی از زمیں تا آسماں — چپے چپے کو بنا دو ہند کے جنت نشاں
بچہ بچہ ملک کا ہے آج اس کا پاسباں — زندہ باد ہندوستاں، پائندہ باد ہندوستاں

راس آئے یہ زمانہ حریت کا آپ کو
ہو مبارک دور یہ جمہوریت کا دوستو
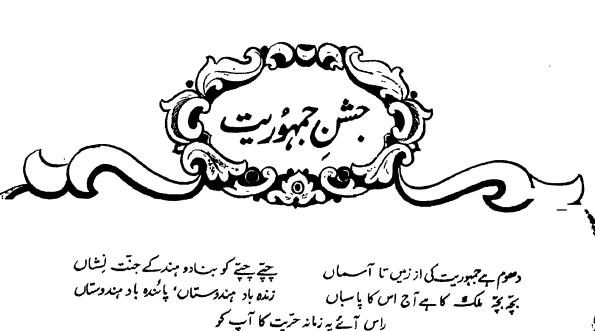
بوجھ آزادی کا مل کر اب اُٹھانا ہے تمہیں — کام جو مشکل ہے وہ کر کے دکھانا ہے تمہیں
قوم کے ہر فرد کو جینا سکھانا ہے تمہیں — جھیل کر صدموں پہ صدمے مسکرانا ہے تمہیں

سُن کے گر سمجھو تو یہ سو بات کی اِک بات ہے
دل نہ ہو روشن تو پھر دن بھی اندھیری رات ہے

خون سے سینچو چمن کو اور اَمر پاؤ بہار — قوم پر اپنی فدا ہر دم رہو دیوانہ وار
لاج اگر بھارت کی رکھنا ہے تو ہو جاؤ نثار — کھول کر کانوں کو سُن لو وقت کی ہے یہ پکار

قوم کی سیوا سے ہرگز منہ نہ اپنا موڑنا
جان بھی جائے مگر تم ایکتا مت چھوڑنا

ایکتا جس قوم میں ہے بے جگر ہے ایسی قوم — ساری دنیا کے لئے اک راہبر ہے ایسی قوم
جذبۂ قومی ہے جس میں با اثر ہے ایسی قوم — جسکے قبضے میں ہے یہ طاقت اَمر ہے ایسی قوم

مِٹ گئی وہ قوم بھی جس نے کہ چھوڑا اتحاد
زندہ باد اے اتحاد، اے وجہِ ہستی زندہ باد

آج قائم یہ ہمالہ ایکتا کے دم سے ہے — قطرہ قطرہ مِل کے دریا ایکتا کے دَم سے ہے
ذرہ ذرہ مِل کے صحرا ایکتا کے دم سے ہے — آدمی کا بول بالا ایکتا کے دَم سے ہے

کوئی فتنہ اُس کے آگے سر اُٹھا سکتا نہیں
کوئی ایسی قوم کو ہرگز مٹا سکتا نہیں

اُن کی خوش مذاقی

مہاتما گاندھی نہایت ہی سنجیدہ، خدا ترس اور مذہبی آدمی تھے۔ ان کی شخصیت اِسقدر ارفع و اعلیٰ تھی کہ لوگ از خود اُن کے سامنے سر جھکایا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی سادگی، ان کا اخلاق و کردار اور ان کا رہن سہن ایسا تھا کہ غریب سے غریب آدمی کو بھی ان میں اور خود میں کچھ فرق نہ دکھائی دے سکتا تھا۔ ہم نے اُن کی سادگی میں بھی وہ دبدبہ اور شان دیکھی ہے کہ جو بڑے سے بڑے فرمانروا اور حاکمِ وقت کے دربار میں بھی نہیں مل سکتی۔ اپنی سروس کے ابتدائی دور میں چونکہ وردھا پر ٹھہرنے کا اکثر اتفاق ہوا کرتا تھا۔ پہلے سے حصولِ اجازت کے بغیر ہی ہم سیواگرام پہنچ جاتے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس شرف سے محروم لوٹے ہوں جسکے لئے ہم وہاں پہنچ جایا کرتے تھے۔ اُن کی بات چیت کا موضوع کچھ اس طرح ہوتا کہ وہ نوجوان عہدے داروں کے دل و دماغ پر یہ مُرتسم کر دیتے کہ باوجود برطانوی سامراج کے ماتحت ہونے کے بھی اپنے ملک اور اپنی قوم کی بھلائی اور مفاد کا خیال مقدم ہونا چاہئے۔ وہ کسی قسم کے باغیانہ خیالات کو اُبھارے بنا ہی اپنے حیطۂ اقتدار اور دائرۂ عمل میں اپنی صلاحیتوں کو تعمیری کاموں میں لگانے کی سوجھ بوجھ بڑھاتے اور اپنی دل لبھانے والی باتوں سے نہ صرف شخصیت پر بلکہ دل و دماغ پر بھی چھا جاتے۔

اُن میں مزاح کوٹ کوٹ کر بھرا تھا لیکن وہ بھی سنجیدہ اور اعلیٰ۔ وہ کسی کا دل دُکھائے بغیر لطافت و شیرینی پیدا کرتے اور تنقید و تعریض کے بغیر ہی بطورِ صلاح اور سمجھاؤ ہر ایک کی اِصلاح کرتے جاتے۔

اُن کا خود کا کہنا تھا "اگر مجھ میں مزاح کا شعور یا لطافت و ظرافت کی حس نہ ہوتی تو میں دنیا بھر کے مخالفین کا مقابلہ کرتے کرتے ازکار رفتہ ہو جاتا۔ میں تو ان سب کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ہنس سکتا ہوں جو مجھ پر ہنستے ہیں۔ میری یہی صلاحیت تو مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے۔"

ان کا مشاہدہ تھا کہ جب زندگی کلیوں کی طرح چٹک چٹک کر خوشبو پھیلاتی ہے یا چمن میں موسمِ بہار کے ساتھ پرندوں کے گیت اور نغمے اُبل پڑتے ہیں تو ہنسنا نہایت آسان ہے لیکن جب ہر طرف مایوسی ہو، مستقبل تاریک ہو، زندگی کا بہاؤ اُلٹی طرف کو جلائے اور کوئی بات قاعدے اور قرینے سے نہ ہو تو ہنسنا اور خوش طبعی کا اظہار کرنا زندگی کا ایک کارنامہ ہوگا اور اسی بات پر

خواجہ عبد الغفور

باپو عمل پیرا اور کاربند تھے۔ وہ بیشک محبت، زندگی اور ہنسی خوشی کے مہاتما تھے۔

ان کی صحبت میں ایسے لگتا کہ جیسے اُن کی آتما ساری فضا پر چھائی ہوئی ہے اور اس میں ہم بھی سموئے ہوئے سے ہیں۔

گاندھی جی کی زندگی عوام الناس سے راست ربط رکھنے اور ان کی خدمت کرنے میں بیت گئی اسی لئے تو دنیا بھر میں وہی ایک ایسی ہستی تھے جن سے ذاتی تعلقات کا ہر شخص سچا دعویٰ کر سکتا ہے اور بے شک وہی ایک ایسی عظیم ہستی تھے کہ جن کو تمام دنیا میں زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملنے ملانے کا موقع حاصل رہا۔ اسی وجہ سے انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر طرح کے مسئلے مسائل سمجھنے کی ان کی صلاحیت کا مقابلہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ان میں عوام الناس سے محبت اور ان کے لئے کارہائے نیک کرنے کا جذبہ اسقدر موجزن تھا کہ اسی سے دھوپ بھی ٹھنڈی چھاؤں میں تبدیل ہو جاتی۔ وہ اپنی معروفیت اور ادائیگی فرائض کے ساتھ ساتھ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اداس اور قنوطیت سے بھرے ماحول میں بھی خوشیاں بکھیرا کرتے۔ ان کا مزاج ہمہ گیر ہوتا اور وہ ہر ایک کو اس میں شریک کر لیا کرتے۔

ان سے جب کسی نے پوچھا تھا کہ وہ ہمیشہ ریل کے تیسرے درجے کے ڈبے میں کیوں سفر کرتے ہیں تو انھوں نے نہایت ہی سادگی سے جواب دیا تھا

"اس لیے کہ ریلوے میں کوئی چوتھا درجہ نہیں۔"

اور یہ بات تو حاضر جوابی، حاضر دماغی اور شستہ مذاق اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اسے فنِ مزاح کی ہر کتاب کا جزو لاینفک سمجھا جاتا ہے۔

جب مہاتما گاندھی یورپ کے سفر کے دوران پیرس پہنچے تو کسٹم والوں نے اُن کا سامان دیکھنا چاہا۔ اس پر انھوں نے اپنا زادِ راہ بتاتے ہوئے کہا "میرے پاس یہ چرخہ ہے، کھانے کے برتن ہیں، بکری کے دودھ کے ڈبے ہیں۔ ہاتھ کے بُنے ہوئے تولیے اور دھوتیاں ہیں اور اس کے علاوہ میری اپنی شخصی شہرت ہے، جس کی آپ کے پاس کچھ بہت زیادہ مالیت نہیں ہوسکتی۔"

مہاتما گاندھی اپنی صحت اور تندرستی کو قدرتی طریقوں سے قائم رکھنے کے قائل تھے۔ اُن کی بیماری میں ڈاکٹر نے پینسلین کا انجکشن دینا ضروری سمجھا اور کہا "آپ یہ انجکشن لگالیں گے تو تین ہی دن میں اچھے ہوجائیں گے ورنہ تین مہینے لگ جائیں گے" گاندھی جی نے کہا "یہ تو ٹھیک ہے 'مجھے کون سی جلدی ہے" ڈاکٹر نے اصرار کے طور پر کہا " اور جو اس بیماری کے جراثیم آپ پھیلا دیں گے" گاندھی جی نے خوش طبعی سے کہا "تب تو آپ یہ انجکشن اور سبھوں کو لگا دیجیے۔"

گاندھی جی جب گول میز کانفرنس کے سلسلے میں لندن پہنچے تو ایک برطانوی اخبار کے نمائندے نے بطور طنز اُن سے سوال کیا "ہندوستانیوں نے آپ کو اپنی نمائندگی کے لیے کیوں منتخب کیا ہے؟ کیا آپ سے بہتر نمائندہ انھیں نہیں مل سکتا تھا؟"

یہ اپنے مخصوص انداز میں ہنس کر بولے "شاید یہ بات ہو کہ اُن کے خیال میں مجھ جیسا کم عقل آدمی ہی برطانیہ کے مقابلہ میں بھاری ہوسکتا ہے۔"

گول میز کانفرنس سے واپسی پر لارڈ ولنگڈن نے ظاہرداری کے طور پر گاندھی جی کا استقبال کیا۔ حالانکہ پنڈت نہرو اور سرحدی گاندھی کو حراست میں لے لینے کے احکام لارڈ ولنگڈن جاری کرچکے تھے۔ جب یہ بات گاندھی جی کو معلوم ہوئی تو اُنھوں نے بڑی پتے کی بات کہی "یہ ہمارے عیسائی وائسرائے کے کرسمس کے تحفے ہیں۔"

کسی انگریز نے اُن سے رسماً پوچھا "آپ کے خاندان کا کیا حال ہے؟" گاندھی جی نے فوراً جواب دیا "میرا خاندان (یعنی ساری ہندوستانی قوم) بدحال ہے۔"

۱۹۳۱ء میں ریمزے میکڈانلڈ گاندھی جی سے بات چیت کرنے آئے اور اتفاقاً اُسی وقت ڈاکیہ بھی ان کے نام کے خطوط لے کر پہنچا تو انھوں نے لفظی ذومعنویت کے اعتبار سے کہا۔

"میں Man of Letters سے پہلے ملنا چاہوں گا۔ سیاستداں تو انتظار کرسکتے ہیں۔ فی الحقیقت تو وہ ہمیشہ انتظار ہی کیا کرتے ہیں۔"

لارڈ مونٹ بیٹن کا بیان ہے کہ جب شہزادہ فلپس کی منگنی شہزادی الزبتھ سے طے ہوئی تو گاندھی جی بہت خوش ہوئے اور ان کو خط میں لکھا "آپ کے بھتیجے کی شادی انگلستان کی ہونے والی ملکہ سے قرار پائی ہے، اس کی مجھے بے حد خوشی ہے اس مبارک موقع پر میں شادی کا تحفہ دینا چاہوں گا لیکن یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ میرے پاس کچھ بھی تو نہیں ہے۔ میں انھیں کیا دے سکتا ہوں؟" مونٹ بیٹن نے انھیں جواب دیا "آپ کے پاس بے شک کچھ نہیں، لیکن چرخہ تو ہے۔ بس اسی کو کھڑکھڑا لیتے اور ان کے لیے کچھ بُن ڈالیے۔" گاندھی جی کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور انھوں نے ایک خوبصورت میزپوش تحفے میں دیا۔ اسی واقعہ کو پرنس آف ویلز نے گاندھی صدی کے لندن والے جشن میں نہایت ہی پُرمحبت الفاظ میں دہرایا ہے۔

گاندھی جی لندن میں جب مقیم تھے تو چارلی چپلن اُن سے ملنے گئے۔ باپو اُن سے بالکل واقف نہ تھے اور انھوں نے پوچھ ہی لیا کہ یہ ممتاز شخصیت کون ہے۔ جب اُن دونوں کا تعارف ہوا اور بات چیت شروع ہوئی تو کہا جاتا ہے کہ اپنی شوخ بیانی سے گاندھی جی اُس مشہورِ عالم مسخرے کو سارا وقت ہنساتے ہی رہے۔

پونا میں آغا خاں کے محل سے نظربندی سے چھوٹنے پر پنڈت مالویہ جی نے مہاتما گاندھی کو مبارکباد کا تار بھیجا اور لکھا:

"خدا سے قوی توقع ہے کہ آپ سو سال تک جئیں گے۔ مادرِ وطن اور بنی نوع انسان کی خدمت کرتے رہیں گے۔"

گاندھی جی ہمیشہ کہا کرتے تھے اور ان کو ایسی امید بھی تھی کہ وہ ایک سو پچیس سال کی عمر تک زندہ رہیں گے۔ اس تار کے ملنے پر انھوں نے جواب دیا۔

"بیک جنبشِ قلم آپ نے میری متوقع عمر سے پچیس سال گھٹا دیئے ہیں۔ اب جو ایسا کیا ہی ہے تو یہ پچیس برس آپ خود اپنی عمر میں اضافہ کرلیجیے۔"

خود اپنے آپ کو طنز کا نشانہ بنانا بہت بڑے کردار کی علامت ہے جو بڑے سے بڑے آدمی میں کمیاب ہے۔ کسی نے مہاتما گاندھی سے پوچھا کہ آپ کا سب سے پہلا اور بڑا لڑکا آپ جیسا مدبر اور فرزانہ نہیں تو یہ اپنے آپ پر اس ریمارک کو جھیلتے ہوئے بولے "میں جب جیسا تھا اس زمانہ کی میری اولاد بھی ظاہر ہے اسی طرح کی ہوگی۔"

پنڈت مدن موہن مالویہ اس وقت دلّی آئے جبکہ گاندھی جی کیبنٹ مشن سے ۱۹۴۶ء میں قومی

وزارت کی تشکیل پر بات چیت کر رہے تھے۔ پنڈت جی کچھ بیمار سے تھے (چند ہی ماہ بعد وہ سورگباش ہو گئے) گاندھی جی کی عمر اس وقت ۷۷ سال کی تھی لیکن اپنی شگفتگی کے ساتھ پنڈت جی سے کہا کہ آپ الٰہ آباد واپس جائیے اور یہ کام ہم نوجوانوں پر چھوڑ دیجئے۔

آل انڈیا کانگریس کے اجلاس میں گاندھی جی صدر تھے اور ان کی قیادت میں سروجنی نائیڈو اگلے سال کے لئے صدر چُنی گئیں تو انھوں نے صدارت کا جائزہ دیتے ہوئے کہا " اب یہ بار میں اپنے کمزور کندھوں سے اُتار کر (سروجنی نائیڈو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان کے مضبوط مگر خوب صورت کندھوں پر ڈال رہا ہوں۔"

گاندھی جی کی سالگرہ کے موقع پر اُن کے ماتھے پر ٹیکا لگاتے ہوئے سروجنی نائیڈو نے خوش مذاقی سے یہ فقرہ کسا " آج تو گاندھی جی آپ دولہا دکھائی دیتے ہیں۔" باپو بھلا کہاں چوکنے والے تھے انھوں نے نہایت ہی برجستگی سے کہا " تم دُلہن جو ساتھ میں ہو۔"

*

گاندھی جی کو بال کی کھال ادھیڑنے اور بات میں سے بات نکالنے کا بھی ملکہ تھا۔ آل انڈیا کانگریس کے ۱۹۳۱ء والے کراچی کے اجلاس میں بنیادی حقوق کے متعلق تجاویز پیش ہو رہی تھیں اور یہ بات طے ہو رہی تھی کہ کسی کو پانچ سو روپیہ سے زیادہ ماہوار تنخواہ نہ ہو۔ ڈاکٹر اور وکیل اس حد بندی سے باہر تھے اسلئے گاندھی جی نے تجویز پر یہ نکتہ نکالا کہ اسمیں یہ گنجائش ہے کہ ڈاکٹر انصاری اور مسٹر منشی لوگوں کو کھلے بندوں لوٹتے رہیں گے۔

پنڈت موتی لال نہرو نے اپنا رہائشی مکان آنند بھون کانگریس کو دے دیا اور اس کا نام سوراج بھون رکھا گیا تو ان کو بے حساب مبارکباد کے تار اور خطوط لوگوں نے لکھے۔ گاندھی جی نے "ہریجن" اخبار میں صرف اتنا لکھا " آنند بھون چھوٹے اور مٹی کی عمارت موتی لال نہرو نے دیدی ہے مگر یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں، انھوں نے تو اپنا لخت جگر جواہر لال نہرو قوم کو سونپ دیا ہے۔"

*

سچ تو یہ ہے کہ گاندھی جی کی مزاح کی حس نوجوانی ہی سے تیز تھی۔ جب وہ افریقہ میں بیرسٹری کر رہے تھے تو ان کے کھانا بنانے والے برہمن نوکر کے بارے میں کہا " بے شک یہ روزانہ اپنے بدن پر پانی ضرور ڈالتا ہے لیکن میں نے اسکو اشنان کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔"

سراپا پاک ہیں دھوئے ہاتھ جنھوں نے دنیا سے
نہیں حاجت کہ وہ پانی بہائیں سر سے پاؤں تک

*

گاندھی جی کو آشرم میں کسی نے بتایا کہ اس دن کستوربا گاندھی نے ان کے مقابلہ میں تین پونیاں زیادہ کاتی ہیں۔ گاندھی جی نے شوشہ چھوڑا " تو کیا ہوا وہ مجھ سے عمر میں تین ماہ بڑی بھی تو ہیں۔"

میرٹھ میں اُرملا بہن عورتوں کی لیڈر کی حیثیت سے ایک ڈیپوٹیشن لے کر پہونچیں اور گاندھی جی کو تفصیل وار بتانے لگیں کہ میں نے یہ کیا ہے، وہ کیا ہے۔ گاندھی جی بغور سنتے رہے اور جب یہ کافی بول چکیں تو ان سے پوچھا " آپ نے اپنے کارنامے تو بتا دئے۔ اب تھوڑا بہت یہ بھی تو بتائیے کہ یہ آپ کے ساتھ جو بہنیں ہیں انھوں نے کیا کیا ہے؟"

وردھا کے منگلواڑی آشرم کے باورچی خانے کے برتن دھونے کے فرائض گاندھی جی کے ذمے تھے۔ ایک دن ڈاکٹر جے سی کماریا ان کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ جب یہ دونوں مصروف کار تھے کستوربا آئیں اور ان سے یہ نہ دیکھا گیا کہ مہاتما گاندھی کا قیمتی وقت ایسے فضول کام میں ضائع ہو، اس لئے انھوں نے برتن ان کے ہاتھ سے چھین لئے اور کہا " آپ جا سکتے ہیں، میں یہ کام کر دوں گی۔" اس پر گاندھی جی نے کماریا کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا " کماریا تم بڑے خوش قسمت آدمی ہو کہ تم پر اس طرح حکومت کرنے کے لئے تمہاری بیوی یہاں نہیں۔ مجھے اپنا گھریلو امن برقرار رکھنے کے لئے کستوربا کا حکم ماننا ہی پڑے گا۔"

*

۱۹۳۶ء میں سر سی وی رامن کی موجودگی میں سوئٹزرلینڈ کے کسی سائنسداں نے مہاتما گاندھی کے سامنے ایک سوال رکھا " لامذہبیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور ہم میں یک جہتی اور اتفاق عنقا ہوتے جا رہے ہیں، ایسی صورت میں لامذہبیت کا کسی نہ کسی طرح مقابلہ کیا جانا چاہئے۔" رامن نے جواب دیا " اگر خدا ہے تو پھر ہم اُسے کائنات کی لامحدود وسعتوں میں سے ضرور ڈھونڈ نکالیں گے اور اگر ان فضاؤں میں خدا ہے ہی نہیں تو اس کی تلاش کی سعی و کاوش کی زحمت ہی

زندہ مجسمے

ایک [illegible]

کیوں اٹھائی جاتے۔ لوگ مجھے لامذہب سمجھتے ہیں اور حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ طبیعیات (فزکس) اور علم النجوم وسیارات میں ترقی کے باعث میں تو خدا کے وجود کا زیادہ سے زیادہ قائل ہوتا جاتا ہوں۔ گاندھی جی، میں تو سمجھتا ہوں کہ بذات خود مذاہب یکجہتی نہیں پیدا کر سکتے، البتہ سائنس ہی تمام مذاہب کو ایک مقام پر لا سکتی ہے اسلئے کہ تمام سائنسداں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

مہاتما گاندھی نے فوراً پوچھا "تو کیا اس کا تضاد بھی صحیح ہے؟ جو سائنسداں نہیں وہ ایک دوسرے کے بھائی نہیں؟"

سی وی رامن نے طنز و مزاح کو سمجھتے ہوئے جواب دیا "مگر سب ہی تو سائنس داں بن سکتے ہیں۔"

اس پر گاندھی جی نے فیصلہ کن انداز میں کہا "تب تو تمہیں اسلام کی طرح سائنس کا کلمہ پیش کرنا ہوگا کہ جس کو پڑھ کر سب ہی اخوت اور بھائی چارہ کے رشتے میں بندھ جائیں۔"

*

مئی ۱۹۳۲ء میں باپو اپنی اردو بیاض میں بڑے انہماک سے کچھ لکھ رہے تھے۔ سردار پٹیل نے کہا۔
"باپو اگر آپ کے دل میں اس بات کی ٹیس ہے کہ آپ نے اردو نوشت وخواند میں کچھ خاطر خواہ ترقی نہیں کی ہے تو خدا سے دعا کیجئے کہ وہ آئندہ جنم میں آپکو اردو منشی کا روپ دے اور آپکا بس چلے تو آپ نہ صرف ہاتھ کی انگلیوں سے بلکہ پاؤں کی انگلیوں سے بھی لکھنے کی مشق کر لیں۔"

مہاتما گاندھی نے جواب دیا "اگر میرے ہاتھ جواب دے دیں تو بے شک میں پیر کی انگلیوں سے لکھنے کی کوشش کروں گا۔"

اس سے نہ صرف ان کے عزم صمیم کا پتہ چلتا ہے بلکہ طنز کو جھیلنے اور حاضر جوابی کی غیر معمولی صلاحیتیں بھی جھلکتی ہیں۔

وائسریگل لاج میں لارڈ اِروِن کے ساتھ گاندھی جی سے بحث مباحثے ہو رہے تھے۔ گاندھی جی کے کھانے کا وقت ہو گیا تو انھوں نے اپنا کھانا وہیں پر منگوا لیا اور کھانے لگے۔ لارڈ اروِن نے پوچھا "میں دیکھوں تو آپ کیا کھا رہے ہیں؟" گاندھی جی نے بتائیں کھجوریں اور بکری کا دودھ اور کہا "یہ وہی ہے جو حضرت عیسٰی کھایا کرتے تھے۔"

*

عمر کے ساتھ ساتھ باپو کا جسم بظاہر نحیف و لاغر ہوتا گیا لیکن اُسکے اندر ایک ایسی آتما تھی جو انھیں حقیقی مہاتما بنائے رکھتی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ وہ جہاں کہیں ہوتے وہ پوتر استھان ایک مندر بن جاتا اہمسا اور محبت کا۔ ان کی بات چیت میں نہ کبھی قنوطیت ہوتی تھی اور نہ یاس، بلکہ اُن کی خوش مذاقی اور مزاح کا شعور اور حس اُن حالات میں اور بھی زیادہ اجاگر ہوتے جنمیں اوروں کے قدم ڈگمگا جاتے۔ لوگوں نے ہمیشہ انھیں ایک ظریف کے روپ میں مسکراہٹیں بکھیرتے، خوشیاں لُٹاتے اور لوگوں کی مشکلات کو حل کرتے ہی دیکھا۔

مہاراشٹر کے چوتھے پانچ سالہ منصوبے کی کامیابیاں
اور
پانچویں منصوبے کے نشانے

ریاستی حکومت کے تیار کردہ چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کے مسودے کے تحت پبلک سیکٹر میں چوتھے منصوبے کے لئے ۱۰۰۰٫۲۲ کروڑ روپے مصارف کی گنجائش رکھی گئی تھی مگر پلاننگ کمیشن نے صرف ۸۹۸٫۱۰ کروڑ روپے کا صرفہ منظور کیا۔ ریاست کے چوتھے پانچ سالہ منصوبہ پر صرفہ کا اندازاً تخمینہ ۹۷۸٫۵۹ کروڑ روپے کا تھا جبکہ پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کی خاص خاص ترقیاتی مدوں پر صرفہ کا تخمینہ حسب ذیل ہے:

زراعت	... .	۳۰,۶۹۹٫۵۰ لاکھ روپے
کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور کوآپریٹیو پنچائتیں		۵۰۳۶٫۵۴ " "
آبپاشی اور بجلی	... ...	۱۰۹,۳۰۰ " "
صنعت اور کان کنی	... ...	۱۲,۹۳۰ " "
ٹرانسپورٹ اور مواصلات	...	۲۷,۲۳۰ " "
سماجی خدمات	... ...	۶۳۰۹۰ " "
متفرقات	... ...	۱۳,۹۴۶ " "
یعنی کل		۲,۶۲۱٫۲۲ کروڑ روپے

متذکرہ بالا کے علاوہ ریاست میں چوتھے منصوبہ کے دوران مرکز کی زیر سرپرستی اسکیم کے تحت ۱۴۳٫۳۲ کروڑ روپے مزید خرچ ہوئے۔ پانچویں منصوبے میں ایسی مرکزی اسکیموں پر ۲۸۴٫۶۴ کروڑ روپے خرچ ہونے کی امید ہے۔

غذائی پیداوار :

ریاست اناج کی ضرورت میں خود کفیل نہیں ہے اسی لئے اناج کی پیداوار میں اضافہ کرنے پر زیادہ سے زیادہ زور دیا گیا۔ چوتھے پانچ سالہ منصوبہ میں اناج کی پیداوار کی بنیادی سطح کا تخمینہ ۶۹٫۴۷ لاکھ ٹن کا تھا اور مزید پیداوار کا نشانہ ۲۹٫۳۲ لاکھ ٹن رکھا گیا تھا۔ اس کے برخلاف چوتھے پانچ سالہ منصوبہ میں زائد پیداواری صلاحیت تخمیناً ۱۴٫۱۲ لاکھ ٹن ہی ہے۔ اناج پیداوار کا نشانہ ریاست میں مسلسل تین سال تک خشک سالی کے سبب پورا نہ ہو سکا۔ پانچویں منصوبہ کے دوران زائد اناج پیداوار کا نشانہ ۴۶٫۲۰ لاکھ ٹن مقرر کیا گیا ہے۔ اسی طرح سے پانچویں منصوبہ کے اختتام تک امید ہے کہ اناج کی پیداوار ۸۶٫۴۶ لاکھ ٹن ہو جائیگی۔

جانوروں کی دیکھ بھال اور ڈیری سدھار :

چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کا مقصد دیہی علاقوں میں جانوروں کی افزائش نسل اور ڈیری کی صنعت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا تھا تاکہ شہروں اور قصبوں میں اچھا دودھ فراہم کیا جا سکے۔ چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کے اختتام تک امید ہے کہ دودھ کی پیداوار ۱۰٫۰۶ لاکھ ٹن سالانہ ہو جائے گی۔ ڈیری کی ترقی کے لئے پروگرام پر چوتھے منصوبہ میں کل اخراجات ۶٫۶۵ کروڑ روپے ہوں گے۔

ماہی گیری :

مچھلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کی غرض سے ماہی گیری کی میکانکی کشتیاں فراہم کرنے کا کام ہاتھ میں لیا گیا ہے اور پہلے منصوبہ کے اختتام سے چوتھے منصوبہ کے اختتام تک ایسی کشتیوں کی تعداد ۷۰۰ سے بڑھ کر ۲۵۳۴ تک ہو جانے کی امید ہے۔ ریاست میں مچھلی کی پیداوار میں بھی اضافہ ہوا۔ یہ ۱۹۶۱ء میں ۱٫۳۰ لاکھ ٹن تھی اور چوتھے منصوبہ کے اختتام تک ۲٫۳۰ لاکھ ٹن ہو جائے گی۔ مچھلی کے بچوں کا ذخیرہ جو دوسرے منصوبہ میں ۱٫۳۴ کروڑ تھا، چوتھے منصوبہ میں بڑھ کر ۱۶٫۹۷ کروڑ ہو گیا۔

اِمدادِ باہمی اور اجتماعی ترقی :

چوتھے منصوبہ میں کریڈٹ اور مارکیٹنگ اِداروں کو مضبوط بنانے پر اور پراسیسنگ صنعت میں توسیع پر خصوصی زور دیا گیا تھا۔ چوتھے منصوبہ کے اختتام تک کم مدتی کریڈٹ ۱۳۰ کروڑ روپے، درمیانی مدت کا پانچ کروڑ روپے اور لمبی مدت کا کریڈٹ ۱۱۰ کروڑ روپے تک پہنچ جائے گا جو کہ کوآپریٹیو سیکٹر کے ذریعہ کاشتکاروں کو مل سکے گا۔

چوتھے منصوبہ کے اختتام تک ریاست کے

کُل ۴۸ لاکھ کھاتے داروں میں سے گاؤں پرائمریز میں ممبران کی تعداد ۳۲ لاکھ یعنی کُل کھاتے داروں کا ۶۶ فیصدی ہو جائے گی۔ چوتھے منصوبہ کے اختتام تک پرائمری کریڈٹ سوسائٹی کے ممبران کی تعداد بڑھ کر ۳۲ لاکھ ہوجائے گی ممبران کی حصہ داری پونجی ۴۴ کروڑ سے بڑھ کر ۵۸ کروڑ روپے ہو جائے گی۔

دیہی کریڈٹ کے علاوہ چوتھے منصوبہ کے دوران مارکٹنگ، پراسیسنگ، ویرہاؤسنگ وغیرہ جیسے دوسرے میدانوں میں امدادِ باہمی تحریک پھیلی ہے۔ چوتھے منصوبہ کے اختتام تک تقریباً ۳۸۶ مارکٹنگ سوسائٹیاں تقریباً ۸۰ کروڑ روپے سالانہ کا بیوپار سنبھال رہی ہوں گی۔ ۷۲-۱۹۷۱ء کے اختتام تک امداد باہمی پیداواری اداروں کی تعداد ۷,۰۰۰ تھی اور ۳۸۶ پراسیسنگ سوسائٹیاں تھیں جن میں سے ۲۸۹ پیداوار کر رہی تھیں۔

چوتھے منصوبہ کے اختتام تک ریاست میں سی پی اے نمونہ کے بلاکوں کی تعداد ۴۴۲½ ہوگی جن میں ۴۴ ٹریبیونل ترقیاتی بلاک بھی شامل ہوں گے۔ امید ہے کہ ریاست میں چوتھے منصوبہ کے دوران کمیونٹی ترقیاتی پروگراموں پر ۱۰,۹۴ کروڑ روپے صرف کئے جائیں گے۔

آبپاشی :

مہاراشٹر میں زراعتی خوشحالی اور ریاست کی عام معاشی ترقی کے لئے آبپاشی اشد ضروری ہے۔ جس وقت سے منصوبہ بندی شروع ہوئی اسی وقت سے آبپاشی کی سہولتوں میں متواتر اضافہ ہوتا رہا ہے کیونکہ زراعت کی ترقی کے لئے یہ ایک بنیادی اور اشد ضرورت تھی۔ مہاراشٹر کے قیام سے چوتھے منصوبے کے اختتام تک درمیانی اور بڑی آبپاشی اسکیموں پر ۳۲۹ کروڑ روپے صرف کئے گئے اور چھوٹی آبپاشی اسکیموں پر ۶۷,۶۸ کروڑ روپے صرف کئے گئے۔ ریاست میں سطحی اور زیر زمین پانی کے ذرائع سے آبپاشی کی اِمکانی قوت ۶۲ لاکھ ہیکٹر تخمینہ کی گئی۔ چوتھے منصوبے کے اختتام تک چھوٹی، بڑی اور درمیانی آب پاشی پروگرام کی اندازاً اِمکانی قوت ۱۲,۷۹ لاکھ ہیکٹر کی ہوگی۔ اس سیکٹر میں پانچویں منصوبے کے دوران ۶۶۷ کروڑ روپے مصارف کی گنجائش رکھی گئی ہے جسمیں ۱۶۷ کروڑ روپے چھوٹی آبپاشی کے لئے مخصوص ہوں گے۔ چوتھے منصوبے کے اختتام تک آبپاشی کی اِمکانی قوت کا اندازہ ۹,۰۰,۰۳۰ ہیکٹر کا ہے جو امید ہے کہ پانچویں منصوبہ کے اختتام تک ۲۰ لاکھ ہیکٹر تک پہنچ جائے گا۔ اِس طرح پانچویں منصوبے کے لئے جو زائد آبپاشی امکانی قوت کا نشانہ رکھا گیا ہے وہ ابتک کے حاصل شدہ کل نِشانوں کے مَساوی ہوگا۔

بِجلی کی ترقی :

ریاست میں بجلی پیدا کرنے کی کُل گنجائش ۶۹-۱۹۶۸ء میں ۱۶,۳۹ لاکھ کلو واٹ تھی۔ امید ہے ۷۴-۱۹۷۳ء میں یہ ۲۳,۶۹ لاکھ کلوواٹ ہو جائے گی۔ چوتھے منصوبے کے اختتام تک ۳۵,۸۵۱ آباد گاؤں میں سے ۱۷,۴۲۰ موضع جات اور قصبوں میں بجلی پہنچائی جائے گی اور تین لاکھ کنوؤں کو بجلی فراہم کی جائے گی۔ پانچویں منصوبے کے دوران تجویز ہے کہ ریاست کے تمام موضع جات تک بجلی فراہم کر دی جائے اور ۳,۶ لاکھ کنوؤں کو بجلی بہم پہنچائی جائے۔

مہاراشٹر دیگر ریاستوں میں بجلی کی ترقی کے میدان میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ یہ بجلی پیدا کرنے اور فروخت کرنے کیلئے ملک کی دوسری ریاستوں کے مقابلے میں بڑی گنجائش رکھتا ہے۔ ۷۱-۱۹۷۰ء میں فی کس بجلی صرفہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے جسکے تازہ ترین اعداد وشمار موجود ہیں۔ مہاراشٹر میں فی کس بجلی کا صرفہ ۱۵۳ کلوواٹ ہے جوکہ تمام ریاستوں میں سب سے زیادہ ہے جبکہ پورے ملک کیلئے اوسط ۸۱ کلوواٹ کا ہے۔

پانچویں منصوبہ میں ریاست میں بجلی ترقیاتی پروگرام کے لئے کل گنجائش ۵۹۲ کروڑ روپے کی ہے جسمیں دیہاتوں میں بجلی فراہمی کے لئے ۹۱ کروڑ روپے بھی شامل ہیں۔ ایسی امید ہے کہ بجلی پروگرام کو ادارہ جاتی ایجنسیوں بشمول تجارتی بنکوں کے ذریعے سے مالی امداد فراہم کی جائے گی جوکہ ۲۰۰ کروڑ روپے تک ہوگی۔ اندازہ یہ ہے کہ پانچویں منصوبہ کے اختتام تک بجلی کی مانگ ۳,۶۰۰ ملین واٹ ہو جائے گی۔ ریاست کی موجودہ اہلیت ۲۰۶۶ ملین واٹ ہے۔

صنعت ومعدنیات :

ملک میں صنعتی سرگرمیوں میں ریاست کی ممتاز حیثیت برقرار رہی۔ ۱۹۶۷ء میں اس نے پیداواری سرمایہ کا ۱۶ فیصدی، مجموعی پیداوار کی قیمت کا ۲۳ فیصدی اور ملک میں فیکٹری مینوفیکچر سیکٹر سے قیمت کا ۲۷ فیصدی دیا۔ بہرصورت ریاست میں صنعتی سرگرمی زیادہ تر بمبئی کے گرد و نواح میں مرکوز ہوگئی ہے اور ریاست کے بقیہ حصّے ملک کے دیگر حصّوں کی طرح صنعتی طور سے پس ماندہ ہیں۔ لہٰذا ریاستی حکومت ریاست کے ایسے مختلف حصوں میں صنعتوں کو ترقی دینے کیلئے اقدامات کر رہی ہے۔

۶۹-۱۹۶۸ء میں ریاست میں ۹۱۱۶ کارخانے درج تھے جن میں ۸٫۷ لاکھ ورکروں کو روزی ملتی تھی۔ ۷۲-۱۹۷۱ء میں ان کارخانوں کی تعداد بڑھ کر ۱۰,۲۴۱ ہوگئی جن میں ۹٫۷۸ لاکھ ورکرز کام سے لگے تھے فیکٹری سیکٹر کا پیداواری سرمایہ ۱۹۶۸ء میں ۱۶۴۳٫۷۲ کروڑ روپے سے بڑھکر ۱۹۷۰ء میں ۱۹۲۶٫۵۱ کروڑ روپے ہوگیا۔ موجودہ قیمت کے لحاظ سے پیداوار کی قیمت ۱۹۶۸ء میں ۳۴۴۲٫۳۴ کروڑ روپے سے بڑھ کر ۱۹۷۰ء میں ۳۲۲۷٫۶۴ کروڑ روپے ہوگئی نیز قومی آمدنی میں فیکٹری مینو فیکچرر کی جانب سے جمع کی گئی رقم ۶۶۴٫۳۵ روپے سے بڑھکر ۸۳۷٫۸۷ کروڑ روپے ہوگئی۔

نقل وحمل اور مواصلات

تیسرے پانچ سالہ پلان کے شروع میں مہاراشٹر میں سڑکوں کا مجموعی طول ۳۹۲۴۱ کلومیٹر تھا جو تیسرے پلان کے اختتام تک بڑھ کر ۹۱.۰۹۲ کلومیٹر ہوگیا۔

سماجی خدمت

سماجی خدمات میں فنی تعلیم، طبی صحت و خاندانی منصوبہ بندی، پانی کی فراہمی، شہری ترقی، پس ماندہ اقوام کی بھلائی، سماجی بھلائی اور مزدور بھلائی وغیرہ شامل ہیں۔ پچھلے منصوبہ جات میں تعلیمی سہولتوں کے مدنظر چوتھے منصوبہ میں ابتدائی تعلیم کے میدان میں نوعیتی تعلیم پر زور دیا گیا۔

۶۹-۱۹۶۸ء کے اختتام پر ۶-۱۱ سال کی عمر گروپ کے ۵۶٫۱۰ لاکھ طلباء اور ۱۱-۱۴ سال عمر کی گروپ کے ۱۴٫۶۳ لاکھ طلباء تھے۔ چوتھے منصوبے کے اختتام پر ابتدائی مدارس میں داخل طلباء کی تعداد ۶۲٫۳۲ لاکھ اور ثانوی مدارس میں ۱۶٫۶۴ لاکھ تھی۔ پلان کے اختتام تک ۶-۱۱ سال عمر کے گروپ میں اسکول جانے والے بچوں کا داخلہ ۸۹ فیصد جبکہ ۱۱-۱۴ سال عمر گروپ میں ۴۳ فیصد ہوگا۔ ۷۰-۱۹۶۹ء تک اعلیٰ تعلیم کے اداروں کی تعداد ۲۴۵ اور طلباء کی تعداد ۲٫۱۷ لاکھ تھی جبکہ چوتھے منصوبہ کے اختتام تک ادارہ جات کی تعداد ۳۹۰ تک اور طلباء کی تعداد ۳٫۶۰ لاکھ تک بڑھ جائے گی۔

فنی تعلیم کے میدان میں چوتھے پنج سالہ منصوبے کے اختتام تک ۹ انجنیئرنگ کالج ہو جائیں گے جن میں ۱۶۷۰ طلباء کی گنجائش ہوگی۔ فیلڈ ٹیکنکس کی تعداد ۴۲ ہوگی جنمیں ۵۲۹۷ سیٹیں ہوں گی۔

صحت

چوتھے سال کے اختتام تک ۹۲۴۱ ہسپتال اور ڈسپنسریاں، ۲۴۴۷۸ ایلوپیتھک ڈاکٹر، ۲۲۱۴۰ ایورویدمعالجین اور ۴۵۹۳۳ بستر ہوں گے۔

پانی کی فراہمی

۲۸,۰۰۰ دیہاتوں میں سے جہاں پینے کے پانی کی فراہمی ناکافی ہے۔ ۱۹,۰۰۰ دیہاتوں میں چوتھے پلان کے اختتام تک کنوؤں، ٹیوب کنوؤں اور نل کے ذریعہ پانی کی فراہمی کا انتظام ہو جائے گا۔

یہ ودربھ کے ایک نوجوان میکانیکل ڈپلومہ ہولڈر چندر شیکھر پرلہاد دیشپانڈے کی کامیابی کی کہانی ہے جو کہ اسوقت ایس۔اے۔پی۔ انجنیئرنگ ورکس، ناگپور کے ایک ڈائریکٹر ہیں۔

شری دیشپانڈے نے بہت ہی کم مدت میں یعنی انجنیئرنگ کا ڈپلومہ حاصل کرنے کے بعد ایک سال کے اندر ہی صنعتکار بننے کے اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرلی۔ وہ اپنی کامیابی کیلئے مہاراشٹر اسٹیٹ فنانشیل کارپوریشن (ایم۔ایس۔ایف۔سی) کے ذریعہ وقت پر دی جانے والی مالی امداد کے بیحد شکر گذار ہیں۔

ڈپلومہ کورس مکمل کرنے سے قبل ہی ان کے دماغ میں فیبریکیشن انڈسٹری قائم کرنے کا منصوبہ تھا۔ امتحان پاس کرنیکے بعد انہوں نے ایک فیبریکیشن انڈسٹری میں بطور سپروائزر کے چھ ماہ تک کام کیا اور اسکی فنی جانکاری حاصل کی۔ اسطرح کافی خود اعتمادی حاصل کرنیکے بعد خود اپنی صنعت شروع کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کیا مگر سرمایہ کا سوال ایک بڑی دیوار بنکر سامنے کھڑا ہوگیا۔ انھوں نے روزانہ اخبارات پڑھنا شروع کیا اور سرکاری قرضوں اور امداد کے بارے میں اطلاعات جمع کرنا شروع کی۔ مگر ان کو سرمایہ بطور قرض ملنے کا یقین نہیں تھا کیونکہ انھیں مشکل سے چھ ماہ کا ہی تجربہ تھا۔ آخرکار انکی محنت کا پھل ملا۔ مہاراشٹر اسٹیٹ فنانس کارپوریشن دسمبر ۱۹۷۱ء میں ان کی مدد کو آئی اور انھوں نے اکتوبر ۱۹۷۲ء میں دو پورے وقت کے ورکروں کے ساتھ اپنا کام شروع کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے دروازے، الماریاں، پلنگ، گرلز وغیرہ بنانے شروع کئے مگر بعد میں اپنی صنعت میں توسیع کرنی چاہی۔ اس بار انھوں نے ودربھ ڈیولپمنٹ کارپوریشن (وی ڈی سی) کو قرض کے لئے درخواست دی جو بہت ہی قلیل مدت میں منظور ہوگئی (اگلے صفحہ پر جاری)

محض جماعت کی پڑھائی سے ایک طالبعلم کی متوازن شخصیت نہیں بنائی جاسکتی ۔ آج کے بچے کل شہری بنیں گے ۔ انھیں کھیل کے میدان میں بھی ایسا پھرتیلا اور چاق و چوبند ہونا چاہئے جس سے دیس کی شان بڑھے ۔ اسی خیال سے ریاستی حکومت نے اسپورٹس کیلئے ایک الگ عہدہ قائم کیاہے جسے کابینہ کے درجے کے وزیر کے سپرد کیا گیاہے ۔ مہاراشٹر میں کھیل کود کو بڑھاوا دینے کے لئے ابتدائی اقدامات کے بعد حکومت نے بالآخر ۱۹۷۰ء میں ایک علیحدہ ڈائرکٹوریٹ آف اسپورٹس اینڈ سروسنر قائم کیاجس کا مقصد تھاکہ ریاست میں کھیل کود اور نوجوانوں کی بھلائی سے متعلق تمام سرگرمیوں میں ربط پیدا کیا جائے ۔

حکومت نے ریاستی سطح پر بورڈ اور کمیٹیاں قائم کی ہیں تاکہ وہ اسپورٹس اور نوجوانوں سے متعلق معاملات میں صلاح مشورہ دے ۔ اسپورٹس اور تعلیم سے متعلق وزیر ان کمیٹیوں سے منسلک ہیں ۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اسپورٹس کونسل، اسٹیٹ بورڈ برائے جسمانی تعلیم، اسٹیٹ بورڈ برائے نوجوانوں کی فلاح، اسٹیٹ مشاورتی کمیٹی برائے این.سی.سی اور اسٹیٹ مشاورتی کمیٹی برائے این.ایس.سی ۔

شیوچھتر پتی انعام :

ریاستی حکومت نے حکومت ہند کے ارجن انعام کی نہج پر ریاست کیلئے اسپورٹس اور گیمز کا شیوچھتر پتی انعام ۱۹۶۹ء سے شروع کیا تھا ۔ ان انعامات کی اجرائی کا مہاراشٹر کے کھیل کود سے دلچسپی رکھنے والی آبادی نے گرمجوشی سے استقبال کیا ۔ عام طور پر ہر کھیل کے لئے ہر سال مہاراشٹر اسٹیٹ اسپورٹس کونسل ایک انعام کا اعلان کرتی ہے ۔ اگر کوئی مناسب خاتون کھلاڑی ملی تو ایک کھیل کے لئے دو انعام کا اعلان کیا جاتا ہے ایک مرد اور ایک خاتون کے لئے ۔ ۱۹۷۲-۷۳ء کیلئے اسپورٹس اور گیمز کے ۲۲ آئٹموں میں ۲۴ مردوں کے اور گیارہ خواتین کے انعام دئے جائیں گے ۔

اسپورٹس اداروں کو مالی امداد :

مہاراشٹر اسٹیٹ اسپورٹس کانسل نے ۲۵ کھیلوں کو ترقی دینے اور مالی مدد کرنے کے لئے تسلیم کرلیا ہے ۔

ریاست کی ۵۵۵ اسپورٹس اداروں کو ۱۹۷۲-۷۳ء میں کل ۷,۱۶,۰۰۰ روپے کی مالی امداد عطا کی گئی ۔

ریاست مہاراشٹر ۱۹۵۴-۵۵ء سے اسٹیٹ نیشنل اسپورٹس فنڈ کے زیر انتظام اسٹیٹ اسپورٹس فیسٹول ہر سال منعقد کرتی ہے ۔ ہر سال ریاست میں تعلقہ ، ضلع اور ریاستی سطح کے مقابلوں میں ایک لاکھ سے زائد نوجوان حصہ لیتے ہیں ۔ یہ مقابلے ۱۷ سے ۲۱ سال کی عمر کے نوجوانوں اور ۱۶ سے ۲۱ سال کی خواتین کے لئے ہوتے ہیں ۔ حالانکہ یہ مقابلے بنیادی طور پر غیر طالب علم نوجوانوں کے لئے ہیں مگر طالب علموں کی ایک بڑی تعداد بھی اسمیں حصہ

پچھلے صفحے سے جاری

جب خواب سچ ہوگیا ...

جب ان کا انٹرویو لیا گیا تو انھوں نے فرمایا، " اگر مجھے ایم ایس ایف سی اور وی ڈی سی سے بروقت امداد نہ ملی ہوتی تو میں اسی کارخانے میں ابھی تک سپروائزر ہوتا ۔

آج ایس لے پی انجنیئرنگ ورکس مضبوط بنیادوں پر قائم ہے ۔ شری دیشپانڈے بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ کتنی ہی کمپنیاں اُن کی تیار کردہ اشیاء کیلئے آرڈر دیتی ہیں ۔

ریاستی حکومت کی نوجوان ٹکنیشنوں کی قرض دینے کی اسکیم کی بدولت کوئی بھی صنعت قائم کرنے کیلئے ان کو کل لاگت کا صرف بارہ فی صدی سرمایہ ہی جٹانا پڑتا ہے ۔ ●●

لیتی ہے۔
۱۹۶۰ء میں مرکزی وزارتِ تعلیم نے ہمارے ملک کے عوام میں بہتر صحت کے لئے شعور اور جذبہ پیدا کرنے کی غرض سے قومی جسمانی اہلیت کی مہم شروع کی۔

اسی سال یہ مہم مہاراشٹر کے ۵۵ امتحانی مراکز پر شروع ہوئی جن میں ۳۰,۰۰۰ افراد نے حصّہ لیا۔ تقریباً ۱۴۰۰۰ افراد کامیاب قرار دئے گئے۔ ہر سال اس مہم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ مہم عام طور پر ماہ نومبر میں شروع کی جاتی ہے۔

مہاراشٹر سے مندرجہ ذیل کھلاڑیوں نے قومی انعامات جیتے:

کماری کرسٹین فورنج، شری وجے اننت دیشپانڈے، کماری الکا دیگھے، کماری لتا ہچک، شری بی-اے۔ ڈیسائی اور کماری جیوتی سانے۔

جمانوں کی ترقی، یوگا کی تعلیم اور کشتی وغیرہ کی ریاست میں زبردست حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ کشتی کی ہی ترقی کے لئے ہر سال ۲ء۱۸ لاکھ روپے رکھے جاتے ہیں۔ گزشتہ گیارہ سالوں کے دوران تقریباً سات ہزار پہلوانوں کو وظائف عطا کئے گئے جن کے لئے حکومت نے ۱۵ء۵۰ لاکھ روپے بطور مالی امداد کے منظور کئے۔

آخری کوشش

(فسادات سے متاثر ہو کر)

حسن کمال

زمیں جاگی،
فلک کانپا
فضائیں جگمگا اٹھیں
مقدس آسمانی فلسفوں کے کارواں اُترے
رِشی آئے، مُنی آئے

●

زمیں سے تیر اٹھے،
آسماں کے سخت سینے میں،
کئی سوراخ کر ڈالے
خلائیں بس گئیں
سمندر نے سفینوں کیلئے آغوش وا کر دی

●

کسی نے اُٹھ کے چپکے سے
چمکتے چاند کے ماتھے پہ اک بوسہ دیا،
لیکن ــــ
رگوں میں دوڑتی وحشت یونہی زندہ رہی پھر بھی
مذاہب کند چھریاں لے کے لپکے
فلسفوں نے آگ اگلی،
مقدس سب کتابیں قتل کا فرمان بن بیٹھیں
ارسطو مر گیا،
سر جھک گیا سب دیوتاؤں کا
خدا نے خودکشی کر لی
نہ کوئی بچ سکا ایسا کہ ہم جس سے مدد مانگیں

●

چلو اب یوں کریں ہم تم،
مقدس سب کتابیں طاق پر دھر دیں
کہیں سر جوڑ کر بیٹھیں،
عجب کیا ہے کہ کچھ جینے کی صورت ہی نکل آئے
ہمارے دل کی قبروں سے محبت ہی نکل آئے

مہاراشٹر میں سیر و سیاحت

شری کلیان راؤ پاٹل
وزیر ریاست
برائے صنعت، بجلی، جنگلات اور سیاحت

گو سیاحت بیسویں صدی کی نرالی دین ہے تاہم یہ دُنیا کی ایک بڑی اور تیز رفتار صنعت رہی ہے۔ ہندوستان میں مہاراشٹر ایک اوّل ریاست ہے جنے سیر و سیاحت (ٹورزم) کو صنعت کی حیثیت دی۔ اولاً ۱۹۶۰ء میں دفتر سیاحت (ڈائرکٹوریٹ آف ٹورزم) ڈائرکٹوریٹ آف پبلسٹی کے حصہ کے طور پر قائم کیا گیا تھا۔ مہاراشٹر ہندوستان میں سیر و سیاحت کو فروغ دینے کیلئے ایک نہایت مناسب خطہ ہے۔ دنیا کے سیاحت کے نقشہ میں اسے قدرتی مناظر، مشہور غارہائے اجنتا، ایلورہ اور ایلیفنٹا مختلف مذہبی مقامات اور عظیم الشان شہر بمبئی کی وجہ سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ درحقیقت مہاراشٹر میں وہ سب کچھ ہے جو ہمارا دیش ایک سیّاح کو پیش کر سکتا ہے۔ البتہ یہاں صرف ایک چیز یعنی آسمانی برف کی کمی ہے۔ بہرحال اس قدرتی ماحول میں اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اندرونی اور بین الاقوامی سیر و سیاحت کو فروغ دیا جائے اور مواقع سے فائدہ حاصل کیا جائے۔

سیاحت تنظیم

سیاحت تنظیم کے قیام کے وقت عام لوگوں میں سیاحت کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ سیاحت صرف امیروں کے مطلب کا شغل ہے لہٰذا تنظیم نے یہ فیصلہ کیا کہ سیاحت کو سوسائٹی کے غریب تر طبقات کی دسترس میں لایا جائے۔ مختلف پُرفضا مقامات

پر سولہ ہالی ڈے کیمپ قائم کئے گئے تاکہ سیلانیوں کو وہاں قیام کے لئے مناسب کرایہ پر صاف ستھری آرام دہ جگہ مل سکے۔ پھر اس دفتر نے سیر و سیاحت کا آغاز کیا۔ اس کی مذکورہ سرگرمیوں کو لوگوں نے بہت پسند کیا۔ لہٰذا یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک بڑی آزاد تنظیم قائم کی جائے۔ سنہ ۱۹۶۹ء میں اس ضرورت کی تکمیل ہوئی۔ ایک آئی اے ایس افسر کی نگرانی میں ایک الگ خود مختار دفتر سیاحت قائم کیا گیا۔

مہاراشٹر میں گوناگوں چیزیں مثلاً قدرتی مناظر، قدیم یادگاریں، طرح طرح کے جنگلی جانور، جنگلات، حسین شہر اور یہاں کے مہمان نواز لوگ بدیسی سیّاحوں کے لئے بڑی دلچسپی اور دلکشی کا سامان ہیں۔ لہٰذا سیاحت میں ترقی یافتہ ممالک کی ہمسری اور مقابلہ کرنے کیلئے ہمیں سیّاحوں کی خدمت اور ان کی دلچسپی کے سامان کو بڑھانے اور ترقی دینے کی شدید ضرورت ہے۔

دفتر کے قیام کے وقت یہ ضروری سمجھا گیا کہ عام طور سے لوگوں میں اور خاص طور سے متوسط اور کم آمدنی رکھنے والے طبقات کے لوگوں میں سیاحت کا شعور اور شوق پیدا کیا جائے۔ سیر و تفریح کے دورے بہت مقبول ہوئے لہٰذا یہ ضروری ہوگیا کہ ان کی تعداد بڑھائی جائے۔ فی الحال اورنگ آباد، اجنتا، ایلورہ، ایلیفنٹا، مہابلیشور، کارلہ اور بمبئی شہر میں سیاحت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تجربہ سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ ایسے دورے سیاحت بڑھانے کے کافی مواقع ہیں جس سے سوسائٹی کے تمام طبقات کا شوق پورا ہوگا۔

ہالی ڈے کیمپ

مختلف مقامات سیاحت پر ہالی ڈے کیمپوں کا قیام دوسری اہم اسکیم ہے جو دفتر سیاحت نے شروع کی ہے۔ کل ۱۶ ہالی ڈے کیمپ ہیں جنمیں ۱۵۲۰ بستروں کی گنجائش ہے جو سیر و تفریح کے دنوں میں ہمیشہ بھرے رہتے ہیں۔ اِن ہالی ڈے کیمپوں سے خصوصاً متوسط اور کم آمدنی والے طبقات کے لوگوں کو بڑی سہولت ہوئی۔ لوگوں میں انکی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے دفتر کو سیّاحوں کے آرام کیلئے اِن کیمپوں کی سہولتیں بڑھانا پڑیں۔ ان کیمپوں کو جدید فرنیچر اور واٹر کولر وغیرہ سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ بعض کیمپوں میں تفریح کیلئے سمعی اور بصری آلات کا انتظام کیا گیا ہے۔ دفتر ہالی ڈے کیمپوں میں قیام کی جگہ دس فیصدی بڑھانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

دفتر نے اشاعتی پروگرام بھی شروع کیا ہے۔ اس پروگرام کے تحت سیر و سیاحت کے مقامات کی تشہیر کے لئے معلوماتی اشتہارات، رنگ برنگی پوسٹر اور کتابچے وغیرہ شائع کئے جاتے ہیں۔

ریاست میں سیاحوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر یہ نہایت ضروری ہے کہ مقاماتِ سیاحت میں بیشتر سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ مثلاً ایلیفنٹا اسکیمات کے ذریعہ بجلی اور پانی کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہی صورت اجنتا اور ایلورہ میں ہے۔ سیر و تفریح کے چھوٹے مقامات پر ایسے ہی

سیّاحوں کیلئے رنگا رنگ دلچسپیاں - اوپر کی تصویر : اجنتا کی نقاشی کا ایک نمونہ، پچھلے صفحہ پر : شیونیری کا قلعہ

ترقیاتی کام مثلاً سڑک، پانی اور بجلی فراہمی کا کام شروع کیا گیا ہے۔

سیاحت کے نئے مقامات

یہ دفتر سیاحوں کی دلچسپی کے نئے مقامات کو بھی ترقی دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر بمبئی کے قریب ایرنگل کے مقام پر ایک نئے سیاحتی شہر کو ترقی دی جا رہی ہے۔ وہاں پر سیاحوں کو ہوٹل، ریستوران، پانی میں کھیل کود اور تفریح کی دیگر سہولیات دستیاب ہوں گی۔

خوبصورت ساحل

خوش قسمتی سے ریاست مہاراشٹر کا ساحل بہت طویل ہے جس پر جگہ جگہ حسین مقامات ہیں۔ نقرئی ریت، سنہری دھوپ اور خوبصورت ساحل سیاحوں کے لئے بڑی کشش رکھتے ہیں مگر بدقسمتی سے قدرتی ذرائع کا اب تک مناسب استعمال نہیں کیا گیا۔ یہ یقینی امر ہے کہ اگر ساحلوں کو ترقی دی جائے اور وہاں زیادہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تو غیر ملکی سیاحوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ ترقی کا کام منظم طور پر انجام دینے کیلئے پورے مغربی ساحل کا سائنسی اور مکمل سروے کرنے کی تجویز رکھی گئی۔ آمد و رفت ... وا... ت کی مکمل ... سہولتوں کے لحاظ ... ن میں سے چند منتخب ساحلی مقامات کو ترقی دی جائے گی تاکہ سیاحوں کی ضرورتیں پوری کی جا سکیں۔ دھانو بورڈی، ست پتی، جنجیرہ، مروڈ، گوہاگر، ہرنائی، گنپتی پلے اور ٹکرائی جیسے مقامات کا انتخاب کیا گیا ہے جہاں پر قدرتی مناظر کے مطابق خوبصورت کاٹج بنائے جائیں گے نیز پانی اور بجلی و نہانے دھونے اور رفع حاجت وغیرہ کی سہولتوں کے ساتھ سیاحوں کے لئے کچھ شام کی تفریحات کا بھی انتظام کیا جائے گا۔

درسوا ... پرکشش ساحل سمندر۔ ریاست مہاراشٹر ایسے متعدد ساحلوں سے مالامال ہے۔

مستقبل کی اسکیمیں

اپنی تمام سیاحتی کشش کے ساتھ مہاراشٹر میں سیاحت کی ترقی کے عظیم الشان مواقع ہیں۔ سیاحوں کو مزید سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی جنمیں سے ایک کیمپ و کارواں کی ہے۔ اس سہولت کی ضرورت موٹروں سے سفر کرنے والے سیاحوں کی تعداد میں اضافہ کے باعث محسوس ہوئی۔ کیمپ اور سیر کرانے کیلئے حسب ذیل چھ مقامات منتخب کئے گئے ہیں: لوناولہ، اورنگ آباد، بمبئی، کارلا، ماتھران

اجنتا کے قریب ... پور کے مقام پر سیاحوں کیلئے خوبصورت سرکاری ریسٹ ہاؤس
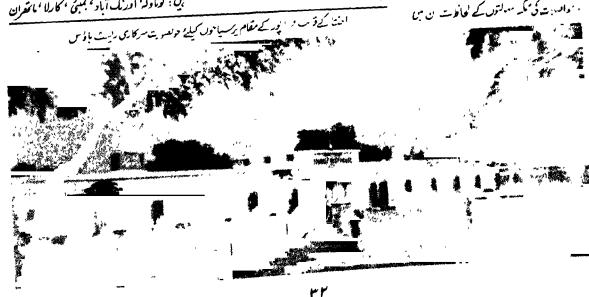
اور مہابلیشور۔ اِن مقامات پر مناسب شرح پر قیام گاہیں فراہم کی جائیں گی۔ جو سیاح زیادہ آرام و آسائش کے طالب ہیں ان کے لئے اورنگ آباد، بمبئی، اِگت پوری، کھوپولی اور امبولی میں موٹل قائم کرنے کی تجویز ہے۔ چونکہ یہ تمام مقامات سیاحوں کے لئے کشش رکھتے ہیں اسلئے موٹلوں کو اچھی مقبولیت حاصل ہوگی۔

دوسرا پروگرام نوجوانوں کے ہوسٹل تعمیر کرنے کا ہے۔ یہ اورنگ آباد، وردھا اور بمبئی میں تعمیر کئے جائیں گے۔ اسی دفتر نے اورنگ آباد میں نوجوانوں کے ہوسٹل کی تعمیر شروع بھی کردی ہے۔

مذہبی سیاحت کا پورے ملک اور ریاست میں ایک اہم مقام ہے۔ مہاراشٹر ایک ایسی ریاست ہے جہاں زیارت کے مختلف مراکز ہیں۔ ڈائرکٹوریٹ آف ٹورزم نے پنڈھرپور، شرڈی، پیٹھن، گنپتی پلے اور ٹٹوالہ مقامات کو ترقی دینے کی تجویز رکھی ہے۔

" روپ ویز " سوئیٹزرلینڈ میں بہت مقبول ہے اور مہاراشٹر میں ویسے ہی " روپ ویز " شروع کرنے کی تجویز ہے۔ ایلیفنٹا پر روپ ویز شروع کرنے کے لئے سروے مکمل ہوچکا ہے۔ بمبئی کے مالابار ہل پر اور ماتھیران و مہابلیشور کے پہاڑی مقامات پر روپ ویز شروع کرنے کے کافی اچھے مواقع ہیں۔

ایلیفنٹا کی ترقی بہت ضروری ہے کیونکہ یہ ایک بڑا مقبول پکنک مقام بن گیا ہے۔ بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کے علاوہ دفتر یونیسکو کے ذریعہ سے ایک " لینڈ اسکیپسٹ " حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ ایلیفنٹا کی خوبصورتی کو نکھارا جاسکے اور فضائی آلودگی کا اِنسداد کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں اجنتا اور ایلورا کو بھی زیرغور رکھا گیا ہے۔

دہلی کے لال قلعہ میں سن اینڈ لومینر نے سیاحوں کو اپنی طرف کافی متوجہ کیا ہے۔ مہاراشٹر

مہابلیشور کا پُرفضا اور آرام دہ ہالی ڈے کیمپ
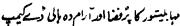
میں بھی ایسی ہی پُرکشش تجویز ہے مگر ابھی تک کوئی مقام منتخب نہیں کیا گیا ہے۔

دفتر نے بمبئی کو خوبصورت بنانے کی ایک نئی اسکیم تجویز کی ہے۔ سانتا کروز ہوائی مستقر سے شہر تک آنے والی سڑک کافی بحث و مباحثہ کا موضوع رہی ہے۔ سڑک کے دونوں جانب باغ لگانے کی تجویز ہے۔ اسکے لئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کی ایسوسی ایشنوں کو زمین الاٹ کی جائے جوکہ باغ لگانے اور انکی دیکھ بھال پر آنے والا خرچ برداشت کرینگی۔

گیٹ وے آف انڈیا پر فلڈ لائٹ لگانے اور فقیروں کی روک تھام کرنے کے لئے ایک سیاحی پولس جمیعت قائم کرنے کی ایک اسکیم وضع کی گئی ہے۔ یہ اسکیمیں مستقبل قریب میں ٹھوس شکل اختیار کرلیں گی۔

سیاحوں کیلئے سوونیئر

دفتر نے سیاحتی سوونیئر تیار کرنے کی ایک انوکھی اسکیم شروع کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت لکڑی، مٹی، چمڑے اور کپڑے پر سیاحوں کے لئے مختلف دل کش چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ یہ اشیاء سچ مچ سجاوٹ اور تحفوں کے لئے بہت موزوں ہیں اور ہماری ریاست کے تفریحی مقامات کی شہرت بڑھاتی ہیں۔

●●

مےخانہ

انجم جے پوری

دن ڈھل چکا تھا درد کی رنگین شام تھی
ہندو بھی تھے وہاں، مسلماں بھی تھے وہاں
مذہب کے اختلاف سے دونوں ہی دور تھے
سب پی رہے تھے ساتھ میں اک جشنِ عام تھا
چاروں طرف تھا شور پیو دوستو پیو !
پیمانے سے بدن میں اُترتی گئی شراب
گایا ظفر نے جھوم کے پیارے وطن کا گیت
اصغر نے بات چھیڑ دی برکھا بہار کی
وہ حُسن جس کے سامنے پریوں کا حسن ماند
وہ جانِ زندگی بھی مگر دور ہو گئی
زر جس کے پاس تھا وہ خریدار بن گیا
ڈولی میں لے گئی وہ دِلوں کی نشانیاں
اِک آہِ سرد خان کے ہونٹوں پہ چھا گئی
کوشش میں ضبطِ غم کی وہ یہ کہہ کے ہنس دیا
ہونٹوں سے جام لگتے ہی رنگت بدل گئی
ہر رِند کی نگاہ میں جنّت تھی پیار کی
لیکن خزاں کا رنگ بہاروں پہ چھا گیا
جاسوس تھا یہ ملک کے دشمن کا نامُراد
میخانے میں اِدھر سے اُدھر تک نکل گیا
ڈالی ہر ایک رِند پہ قاتل سی اک نظر
مَے خوار جام رکھ کے اسے دیکھنے لگے
اصغر پکار اُٹھا کہ ابے کون ہے بتا
بولا یہ رام دوستو حلیہ بگاڑ دو
لچھمن نکیل ڈال دو راوَن کی ناک میں
لیکن وہ چالباز یہ خطرہ سمجھ گیا

پینٹھے پہ بھاسکر کے بڑی دھوم دھام تھی
پردہ نہیں تھا کوئی بھی دونوں کے درمیاں
دونوں کا ایک حال تھا مستی میں چوُر تھے
دل میں خلوص، پیار کا ہاتھوں میں جام تھا
دنیا میں اپنی مرضی سے اک رات تو جیو !
محفل پہ تھوڑی دیر میں بھرپور تھا شباب
یاد آگئی مدن کو کسی بے وفا کی پریت
تعریف خان کرنے لگا حسنِ یار کی
تصویر جس کے چہرے کی ہے چودھویں کا چاند
بے بس تھی لوک لاج سے مجبور ہو گئی
غربت تھی جس کے ساتھ گنہ گار بن گیا
کہنے کو رہ گئی ہیں اب اُس کی کہانیاں
آنسو کی موج آنکھ کے ساحل پہ آگئی
اک جام اور لاؤ جو ہونا تھا ہو گیا
محفل میں زندگی کی ادا پھر مچل گئی
میخانہ کاہے کو تھا گلی تھی بہار کی
رِندوں کی بزم میں کوئی غدّار آگیا
پہنچا جہاں جہاں یہ وہیں ہو گیا فساد
رِندوں میں اتفاق جو دیکھا تو جل گیا
بوتل اٹھا کے پھینک دی اُس نے زمین پر
ذاتِ شریف کون ہے وہ سوچنے لگے
بوتل کے دام کتنے ہیں یہ بھی ہے کچھ پتا
کپڑوں پہ اِس کے جتنی سفیدی ہے جھاڑ دو
نشہ ہمارا اس نے ملایا ہے خاک میں
"جے ہند" کہہ کے سب سے مخاطب وہ یوں ہوا

مستو مرا قصور ہے بوتل کو توڑنا
حاضر ہے میرا سر جو اسے چاہو پھوڑنا

لیکن مری گذارشِ ناچیز بھی سنو
پھر اس کے بعد چاہو جو تم فیصلہ کرو

یہ دیش جس کا نام کہ ہندوستان ہے
مشہور سب جہان میں جنّت نشان ہے

باپو نے اِس کو پیار کا رنگیں چمن کہا
نہرو نے اِس کو جان سے پیارا وطن کہا

مستو اسی وطن پہ لٹیروں کی ہے نظر
دشمن نے جنگ چھیڑ دی تم کو نہیں خبر

یوں ہی اگر شراب جو پیتے رہیں گے ہم
آجائیں گے یہاں کسی ناپاک کے قدم

سن کر یہ بات طیش میں ہر رند آگیا
جھنجھلا کے اپنے ہاتھ سے ساغر گرادیا

بولا کچل کے رکھ دوں گا دشمن کے خواب کو
لے لو قسم جو ہاتھ لگاؤں شراب کو

جاسوس کامیاب تھا اب اپنی چال میں
سب کو پھنسا چکا تھا شرارت کے جال میں

ہنستا ہوا وہ رام کے نزدیک آگیا
چپکے سے اُسکے کان میں کیا جانے کیا کہا

پھر سر جھکا کے خان سے کی اُس نے گفتگو
تھوڑی ہی دیر میں تھا وہ اصغر کے روبرو

ڈستا رہا ہر ایک کے دل کو یونہی وہ ناگ
میخانے میں اِدھر سے اُدھر تک لگادی آگ

پل بھر میں اُس نے پیار کا نقشہ مٹا دیا
پیتے تھے جو شراب انھیں وِش پلا دیا

سوڈے کی بوتلوں سے ہوئی تھوڑی دیر جنگ
پھر آدمی کے خوں سے مٹا چاقوؤں کا زنگ

ہر آدمی سے آدمی بیگانہ ہوگیا
میخانہ تھوڑی دیر میں ویرانہ ہوگیا

میخانے کی یہ آگ شہر تک پہنچ گئی
اک آن میں اِدھر سے اُدھر تک پہنچ گئی

بچے یتیم ہوگئے کتنے لٹے سہاگ
مسجد یہاں جلی تو وہاں مندروں میں آگ

چاقو لئے ہوئے کہیں پھرتا تھا آدمی
ہو کے لہو میں تر کہیں گرتا تھا آدمی

مومن پورے میں کتنے ہنومان سو گئے
گاندھی نگر میں کتنے سلیمان سو گئے

ہندو اِدھر وہاں پہ مسلمان مرگیا
یہ کون سوچتا ہے کہ اِنسان مرگیا

جس نے یہ سوچا اُس پہ چلائی ہیں گولیاں
وہ راج گھاٹ ہے اُسی اِنساں کی داستاں

جس کی نظر میں ہندو مسلمان ایک تھے
رنگت لہو کی ایک تھی انسان ایک تھے

ہم کو اُسی کی راہ پہ چلنا پڑے گا آج
ہر اک غلط رواج بدلنا پڑے گا آج

مشکل وطن پہ آئی ہے صدقہ اُتار دو
آپس کے اختلاف کو اب گولی مار دو

پونا کی یادیں

کرشن چندر

۱۹۳۹ء کی گرمیوں کا ذکر ہے۔ میں اور کنہیالال پہلگام میں تھے کہ میرے نام ڈائرکٹر جنرل آل انڈیا ریڈیو — مسٹر فیلڈن کا خط آیا جس میں مجھے آل انڈیا ریڈیو لاہور پر پروگرام اسسٹنٹ کی ملازمت پیش کی گئی تھی۔ میں کچھ حیران سا ہوا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ملازمتوں کے لئے درخواست دی جاتی ہے۔ یہاں خود مجھے ایک ملازمت کی پیشکش کی جا رہی تھی۔ مگر فیلڈن عجیب طرح کا انگریز تھا۔ افسر شاہی سے دور دور رہتا تھا اور خود اپنے محکمے کے لئے ہنرمند اور باصلاحیت ادیبوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ مجھے کالج چھوڑے ہوئے دو سال ہی ہوئے تھے اور ابھی اردو میں میری دو چار کہانیاں ہی شائع ہوئی تھیں اسلئے میں سمجھتا ہوں کہ اس پیشکش میں فیلڈن کا اتنا ہات نہ رہا ہوگا جتنا پطرس کا۔ جو آل انڈیا ریڈیو کے پہلے ہندوستانی ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل تھے۔

میں نے جواب میں بذریعہ تار ہاں کر دی اور آل انڈیا ریڈیو میں شمولیت اختیار کرلی۔ ریڈیو پر میں دو سال رہا۔ پہلے لاہور، پھر دہلی، پھر لکھنؤ۔ دو ہی سال میں نوکر شاہی کی زندگی سے اُکتا گیا۔

ایک روز میں لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن پر رات کی ٹرانسمیشن ڈیوٹی بجاتے کرسی پر بیٹھا بیٹھا سوچ رہا تھا۔ کیا ہی اچھا ہو کوئی مجھے فلموں میں بُلا لے۔ میں تو اس ریڈیو کی نوکر شاہی سے اُکتا گیا۔ کیا فلموں میں کوئی فیلڈن نہیں ہے؟"

میں سوچ رہا تھا۔ اُس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔ ٹرانسمیشن کے ساتھ ساتھ میری ڈیوٹی بھی ختم ہونے والی تھی کہ اتنے میں میرے سامنے میز پر ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھا کے کہا۔

" آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ۔"

" کیا میں مسٹر کرشن چندر سے بات کر سکتا ہوں"

اُدھر سے آواز آئی۔ میں نے کہا " میں بول رہا ہوں۔"

پھر اُدھر سے آواز آئی۔ " میرا نام ڈبلیو۔ زیڈ احمد ہے۔ میں پونا سے بول رہا ہوں۔ شالیمار پکچرز سے۔ ابھی میں نے آپ کا افسانہ " سفید پھول" پڑھ کے ختم کیا ہے۔ کیا آپ ریڈیو کی نوکری ترک کر کے میرے سکرین پلے ڈپارٹمنٹ میں آسکتے ہیں۔ یہاں حضرت جوش ملیح آبادی اور ساغر نظامی صاحب پہلے سے موجود ہیں۔

میں پھڑک گیا۔ مگر اپنی خوشی پر قابو پا کر بولا " تنخواہ کیا ہوگی؟"

" شروع میں چھ سو روپیہ ماہانہ" ——

ڈبلیو زیڈ احمد کی آواز آئی " بعد میں دیکھیں گے۔"

" ٹھیک ہے" میں نے ایک دو لمحوں کے

وقفے کے بعد جواب دیا " میں دو ماہ کی چھٹی لیکر
چلا آؤں گا ــ بعد میں دیکھیں گے "
" نہیں " ڈبلیو زیڈ احمد ہنس کر بولے " دو ماہ
کی چھٹی نہیں ، ہمیشہ کے لئے چھٹی لے لیجئے ۔ پھر
انگریزی میں کہا You must burn your boats
ٹیلی فون بند ہوگیا۔ میں اس اتفاق پر بھر
حیرت زدہ رہ گیا ۔ لیجئے فلموں میں بھی کوئی فیلڈن
موجود ہے ۔

میں نے دوسرے دن بذریعہ تار اپنا استعفیٰ
بخاری صاحب کی خدمت میں روانہ کردیا اور خود
دلی چلا گیا ۔ بخاری اب ڈائرکٹر جنرل ہو چکے تھے
انھوں نے مجھے بہت سمجھایا ۔ مگر میں نہیں مانا ۔
میرے والد جو ان دنوں دلی میں تھے ، انہوں نے
بھی مجھے بہت سمجھایا کہ سرکاری نوکری چھوڑ کر جانا
کسی طرح مناسب نہیں ہے مگر مجھ پر تو فلموں کا
بھوت سوار تھا ۔ میں نے کسی کی نہیں سُنی اور
دلی سے بمبئی کا ٹکٹ کٹا کر روانہ ہوگیا ۔

ایک رات بمبئی میں رہا ۔ اُس رات پرتھوی
راج کپور نے مجھے اپنے گھر پر کھانے کیلئے مدعو کرلیا
اور بڑی دیر تک اپنی ذاتی ڈائری کے کچھ ورق
سناتے رہے اور بیچ بیچ میں فلمی دنیا پر تبصرہ بھی
کرتے رہے ۔ میں اس وقت ایک بالکل ناتجربہ کار
نوجوان تھا ۔ مگر اس کے باوجود اُنہوں نے مجھے
جو عزت ، محبت اور شفقت بخشی وہ مجھے اب تک
یاد ہے ۔

دوسرے دن صبح پونا کے لئے روانہ ہوگیا ۔
آسمان بادلوں سے گھِرا ہوا تھا اور گھاٹ پر
بادلوں کے مرغولے اور ٹرین پُرپیچ ٹنلوں سے
گزرتی ہوئی اور ڈھاک کے چوڑے پتوں پر شبنم
کی گشیدہ کاری اور چھوٹے چھوٹے جھرنے ننھے
ننھے بچوں کی طرح غل مچاتے ہوئے اور دور
دُھند میں لپٹے ہوئے کہسار اور کہساروں کو
پھلانگ جانے والے آبشار ۔ مغربی گھاٹ کی
پہلی تصویر ہی نے مجھے موہ لیا ۔ جب بھی کبھی
میں بمبئی سے اُکتا جاتا ہوں ، مغربی گھاٹ کا
رُخ کرتا ہوں ۔

پونا پہنچ کر میں نے اپنا سامان ریلوے اسٹیشن
کے باہر ایک ہوٹل میں رکھا اور خود شالیمار ہوٹل کی
طرف روانہ ہوگیا جو شنکر شیٹ روڈ پر واقع تھا ۔
شالیمار اسٹوڈیو میں بڑی گہما گہمی تھی ۔ وہیں
پر میری ملاقات مشہور اداکار شیام مرحوم سے ہوئی
محسن عبداللہ سے ہوئی ، نینا سے ہوئی ، تیواری
سے ہوئی ، موہن وادھوانی سے ہوئی اور شام
کو جوش صاحب اور ساغر نظامی سے ہوئی ۔ جوش
صاحب سے میں لکھنؤ میں مل چکا تھا اور ساغر
سے دلی میں ، مگر اب ہم تینوں کو اپنے اسکرین پلے
ڈپارٹمنٹ میں شامل کرکے ڈبلیو زیڈ احمد نے
جدت کا ثبوت دیا تھا کیونکہ ہم تینوں فلم کے
فن سے نابلد تھے ۔ مگر جس پُرکاری سے ہماری
صلاحیتوں کو کام میں لایا گیا وہ کچھ ڈبلیو زیڈ احمد
کی پُرکشش شخصیت کا حصہ تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
ہماری پہلی فلم " من کی جیت " نے سلور جوبلی
منائی ۔ اس فلم کی کہانی تھامس ہارڈی کے ناول

پر مبنی تھی ۔ سکرین پلے ڈبلیو زیڈ احمد
اور محمود حسن نے لکھا ، مکالمے میں نے لکھے اور
جوش اور ساغر نے گیت لکھے ۔ جوش کے گیتوں
کے بے باک اور جارحانہ انداز نے فلموں میں
ایک نئے سٹائل کی بنیاد رکھ دی ۔

ڈبلیو زیڈ احمد کی شخصیت کا ٹھاٹ نوابی
تھا ۔ چکن کا کڑھا ہوا کرتہ اور چوڑی دار ۔ کبھی
کبھی جواہر جیکٹ ۔ منہ میں سگار ، ہاتھ میں
چاندی کی ایک بڑی ڈبیا جسمیں پان بھرے ہوتے
تھے ۔ وجیہہ ، خوش شکل ، بڑی بڑی ذہین آنکھیں
اور گھنگھریالے بال پیچھے کو گھومے ہوئے ۔ احمد
ہروقت مُسکراتے رہتے تھے ۔ بڑی ذہین ، پُرپیچ ،
شریر ، طنز آمیز مُسکراہٹ ہوتی تھی وہ ۔ احمد
ادبی دنیا لاہور کے مشہور مُدیر مولینا صلاح الدین
احمد کے بھانجے یا بھتیجے تھے ۔ اردو ادب پر اُن کی
گہری نظر تھی ۔ تھوڑے ہی عرصے میں شالی مار
اسٹوڈیو اردو کے بہت سے ادیبوں کا مسکن
بن گیا ۔ لاہور سے مسعود پرویز آئے ۔ دلی سے
اختر الایمان ، سری نگر سے راما نند ساگر ، ہندی
کے مشہور کوی بھرت ویاس پہلے سے موجود تھے
ہر شام محفلِ سخن و ادب تھی ۔ نظمیں ، نغمے ، ادبی
چٹکلے ، لطیفوں کی پھلجھڑیاں ، ہلکی ہلکی نوک جھونک
اور معاصرانہ چشمک بھی ۔ مگر سلیقے اور قاعدے
کے ساتھ ۔ کبھی کبھی بمبئی ، حیدرآباد ، دلی سے
دوسرے ادیب بھی چند روز کے لئے آجاتے ۔
مجروح سے میری ملاقات پہلی بار پونا ہی میں
ہوئی ۔ اُن دنوں ہماری محفلوں کے لئے دو جگہیں
مخصوص تھیں ۔ ایک تو شالی مار اسٹوڈیو ہی میں
احمد صاحب کی صدارت میں تقریباً ہر شام کو ۔
یہیں پر محفلِ ناؤ نوش ، یہیں پر شعر و شاعری ،
یہیں پر کہانی اور مکالمے پر بات چیت ۔ اکثر رات
کے دو تین بج جاتے تھے ۔ جب محفل برخاست
ہوتی تو میرے اور ساغر اور جوش صاحب کے لئے

ایک ملازم لالٹین دے کر ساتھ کر دیا جاتا 'جو ہمیں ہمارے گھر تک پہنچا دیتا' جو اسٹوڈیو کے بہت قریب واقع تھا۔ شروع کے چار چھ مہینے جب تک مجھے اپنا گھر الگ سے نہیں ملا میں جوش اور ساغر کے ساتھ اس گھر میں رہا۔ ساغر کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور میری ساغر اور جوش صاحب سے بس دو ایک دفعہ کی ملاقات تھی لیکن اس کے باوجود جوش اور ساغر اور بھابھی ذکیہ سلطانہ نے میرے ساتھ جس اپنائیت اور حُسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا اُسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔

ہمارا دوسرا اڈہ مین اسٹریٹ میں تھا جو پونا کا سب سے بڑا بازار ہے۔ یہاں پر ایک گھڑی ساز کے ہاں محفل جمتی تھی جو جوش صاحب کے بڑے مدّاح تھے۔ یہیں پر ایک روز مسعود پرویز ہات میں بیگ لیے مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے آٹپکے۔ سیدھے اسٹیشن سے آرہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہیں دکان پر بیٹھ گئے۔ جوش نے مسعود پرویز کی طرف دیکھا۔ پھر میری طرف جھک کر بلند آواز سرگوشی میں بولے "یہ گلرو کون ہے؟"

میں نے کہا "یہ مسعود پرویز ہیں، لاہور سے آئے ہیں، شاعر ہیں، بہت عمدہ نظمیں کہتے ہیں۔"

جوش تو مستی کے موڈ میں تھے۔ بولے "بڑا طرحدار ہے۔"

مسعود پرویز کا چہرہ گلابی سے شہابی ہوگیا۔

میں نے جلدی سے کہا "آپ بھی پٹھان ہیں۔ یہ بھی پٹھان ہے۔ آپ دونوں خود آپس میں سمجھ لیں۔"

اس پر زور کا اِک قہقہہ پڑا اور مسعود پرویز اور جوش دونوں نے معانقہ کیا۔ پرویز بھی جوش صاحب کی طرح اونچے پورے قد کا تھا اور نوجوان تھا' اور طاقتور اور گٹھا ہوا بدن رکھتا تھا۔ معانقہ اس زور کا ہوا کہ جوش صاحب نے پرویز کو کبھی گلرو کہنے کی ہمت نہیں کی۔

وہ عجب مستی، بے فکری اور نوجوانی کے مہکتے ہوئے دن تھے۔ میں نے شیام کو بھی کتابیں پڑھنے کی لت لگا دی تھی۔ اکثر میں، شیام، پرویز اور مہندر ناتھ چاروں مین اسٹریٹ کے پچھواڑے کے بازار میں چلے جاتے جہاں کتابوں کی ایک بہت بڑی دکان تھی۔ ہم لوگوں کی دوستی اس قدر بڑھی کہ ہم نے الگ سے ایک بنگلہ تلک روڈ پر کرائے پر لے لیا۔ یہاں سے پاروتی کا مندر بھی بہت قریب تھا اور ایک اونچی پہاڑی پر واقع تھا۔ یہاں سے پونا کا سارا شہر دکھائی دیتا ہے۔ ہم لوگ لمبی لمبی سیر بھی کرتے تھے۔ اور کئی بار مین اسٹریٹ سے تلک روڈ تک پونا کی مہین پھوار میں بھیگتے ہوئے آتے اور شگفتہ ہوئی نظمیں گنگناتے ہوئے آتے۔ دلِ ناتواں جب بھی مریض تھا۔ مگر اُس زمانے میں مرض کا علاج کچھ اور تھا۔ پاروتی کے مندر کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر میں نے اپنے کئی مشہور افسانے سوچے ہیں۔ "اَن داتا" پونا میں لکھا گیا۔ اور دوسرے بہت سے افسانے بھی' جن میں جوانی کی مہک' محبت کا نکھار اور حُسن کا طنطنہ شامل ہے۔

پونا ان دنوں صرف اردو ادب ہی نہیں فلم کا بھی بہت بڑا مرکز تھا۔ پربھات اسٹوڈیو پونا کا سب سے بڑا فلم اسٹوڈیو تھا۔ اس کے بعد شالیمار اسٹوڈیو کی باری آتی تھی۔ پھر نوئیگ اسٹوڈیو۔ شالیمار اور نوئیگ تو دونوں ایک ہی سڑک پر واقع تھے، مگر پربھات ذرا دور تھا۔ یعنی اب کی بار جو میں پونا گیا تو مجھے دور لگا لیکن اس زمانے میں دور نہیں لگتا تھا۔ ایک ہی چکر میں ہم لوگ شالیمار سے نوئیگ جاتے۔ جہاں پر اب مشہور ڈائرکٹر نقوی اور شاہد لطیف آچکے تھے۔ ان سے چائے کا ایک پیالہ پی کر چائے کا دوسرا دور ڈی ڈی کیشپ اور سنتوشی کے ساتھ رہتا جو پربھات میں کام کر رہے تھے۔ چند دنوں کے بعد دلی ریڈیو چھوڑ کر سعادت حسن منٹو بھی آدھمکے۔ پھر عصمت چغتائی بھی نظر آنے لگیں۔ اب پونا ایک ایسا ادبی مرکز بن گیا جسکی زیارت کیلئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور ہفتوں رہ کر جاتے تھے۔

پھر ملک تقسیم ہوگیا اور شالیمار اسٹوڈیو اجڑ گیا۔ نوئیگ ختم ہوگیا۔ پربھات کی ساری شان و شوکت شانتارام اپنے ساتھ بمبئی لے گئے۔ پونا کا وہ دور ختم ہوگیا جسکے ساتھ اردو کا ایک خوبصورت عہد وابستہ ہے۔

پچھلے پچیس برسوں میں پونا بہت بدل گیا ہے وہ اب مہاراشٹر کا دوسرا بڑا شہر ہے' اور مراٹھی ادب کا بہت بڑا مرکز۔ پربھات اسٹوڈیو میں فلم اینڈ ٹیلیویژن انسٹی ٹیوٹ قائم ہوچکا ہے۔ جن راہوں پر میرے، منٹو، عصمت، شیام، سنتوشی اور کیشپ کے قدم نظر آتے تھے، وہاں پر آجکل انسٹی ٹیوٹ کے کوچوان لڑکے اور لڑکیوں کی ٹولیاں گھومتی ہیں اور شاخ نوبہار کی طرح لچکتی ہیں۔ جو وقت اور جسے ہم نے پیچھے چھوڑا' وہ آج انھیں ملا ہے۔ اسی کا نام زندگی ہے۔
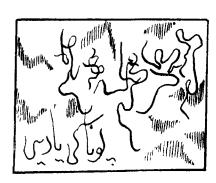
میں کبھی کبھی اِنسٹی ٹیوٹ لیکچر دینے جاتا ہوں تو پاروتی ماں کے قدموں میں بیٹھ کر پونا کے پُرانے افسانے تلاش کرتا ہوں۔ ●●

صلیب

علی سردار جعفری

مہاتما گاندھی نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں
"ہریجن" میں ایک انگریز شاعر کی نظم کا ایک بند شائع کیا
تھا۔ میں نے اس کا آزاد ترجمہ کر دیا ہے۔ اِس میں گاندھی جی
کے اہنسا کے فلسفے کا نچوڑ بھی ہے اور اپنی شہادت کا
ایک عجیب وغریب احساس۔ تین چار مہینے کے اندر ۳۰ جنوری
۱۹۴۸ء کو ایک قاتل کی تین گولیوں نے انھیں شہید کر دیا۔
اپنی شہادت کے دو تین سال پہلے انھوں نے حضرت عیسیٰ کا
ذکر زیادہ کر دیا تھا۔ یہ سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ اب
نظم ملاحظہ کیجیے۔

"اپنی زنجیروں کی جھنکار پہ میں اڑتا ہوں
اپنی ناکامی سے بڑھ جاتی ہے رفتار میری
آنسوؤں کے میں اجالے میں سفر کرتا ہوں
پاؤں کے چھالوں سے ہو جاتی ہیں راہیں روشن
دل میں انسانوں کے آتا ہوں اٹھائے ہوئے میں اپنی صلیب
اور پاتا ہوں عروج
اے خدا میری صلیب اور بلند اور بلند
میرے دکھ اور سوا، اور سوا، اور سوا"

تبصرہ : مہر محمد خان شہاب مالیر کوٹلوی ؒ

ہمارے ذاکر صاحب

یوں تو خدا کی مخلوق سے زمین کا کونا کونا آباد ہے۔ یہاں تک کہ ملک ملک کی حکومتوں کو ڈر پیدا ہو گیا ہے کہ اگر آبادی کی بڑھوتری کا یہی حال رہا تو نئے آنے والوں کو سرتن ڈھانکنے کو کپڑا اور پیٹ بھر کھانا دینا محال ہو جائیگا۔ اسی لئے آبادی کو مناسب حدوں کے اندر رکھنے کیلئے خاندانی منصوبہ بندی کے موثر نسخے ہر رنگ میں ہر جگہ آزمائے جا رہے ہیں۔ کثرتِ آبادی کا کیا حال ہے اسے دیکھنے کیلئے، دور کیوں جائیے اپنی بمبئی ہی کا حال دیکھ لیجئے۔ جدھر نکل جائیے اور جس سڑک پر سے بھی گزر جائیے، سواریوں اور ٹرکوں کی ناکہ بندیوں سے قطع نظر پیدل راہ چلنے والوں کی صبح و شام کیا، دوپہر کو بھی وہ دھکا پیل ہوتی ہے کہ بے تکلف قدم اٹھانا یا بآسانی راہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مکانوں کی کمی کی یہ حالت ہے کہ ہر طرف آسمان کو چھوتی ہوئی قطب مینار نما تیس تیس منزلہ عمارتوں کے باوجود کماتے پیتے لوگ مکانوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ایسی افراتفری میں اگر کسی کو سر چھپانے ایک "کھولی" بھی مل گئی تو اسے غنیمت سمجھتا ہے۔ اس پر بھی لاکھوں خدا کے بندے ایسے ہیں جو دن بھر کام دھام کی تلاش میں خدائی خوار بھٹکتے پھرتے ہیں اور جب رات آتی ہے تو تھک تھکا کر کسی سڑک کے کنارے یا کسی زیر تعمیر عمارت کے سایہ میں یا کسی اور کونے کھدرے میں یا کھلی فٹ پاتھوں پر جہاں اور بیشمار بوڑھے، جوان مرد و عورت اور بچے گٹھری بنے پڑے ہیں یہ بھی لوٹ پوٹ کر رات کا اندھیرا جوں توں گزار دیتے ہیں۔ مخلوق کی اس کثرت کے باوجود آدمیت شناسوں سے پوچھیے کہ اس انبوہ میں کتنے ہیں جن پر آدمیت کو ناز ہو۔ جن کو زمین کا بوجھ نہیں، زمین کا زیور اور اہل ملک کیلئے مایۂ فخر قرار دیا جائے ـــ یوں تو ـــ اس غلط فہمی میں مبتلا بہت سے شاکی ہونگے کہ ان کے نادان معاصروں نے ان کی قدر نہیں کی اور بے شمار ایسے ہوں گے کہ ان کا حلیہ بتا رہا ہوگا کہ وہ خود اپنے آپ سے بیزار ہیں، اور ششدر کہ آخران کی پیدائش کی ضرورت کیا تھی؟

یہ تو ایک رخ ہے۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ اس "آدم گردی" میں ہمارا ملک، یہ قدامت کی یادگار ملک، یہ سادھو سنتوں کی جنم داتا زمین، یہ بھگتوں، فلسفیوں، داناؤں اور معیاری راج کاج کے کرمچاریوں کی جنم بھومی، انسانیت کے تابناک ستاروں سے خالی نہیں۔ ملک کے ہر حصہ میں بہترین نمونے پائے جاتے رہے ہیں ـــ نہیں ـــ اب بھی موجود ہیں جو جانِ آدمیت ہیں، شرفِ انسانیت ہیں، حسن و جمال اور اپنے کمال کی بنا پر آبروئے ذریتِ آدم ہیں۔ ایسی ہی ہستیوں میں سے ایک ہستی سابق صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کی بھی تھی جنہوں نے بدوِ شعور سے لیکر جوانی، کہولت اور پختہ عمری تک کے ہر دور میں جاننے پہچاننے والوں کے مختصر حلقے سے لیکر اس عظیم ملک کے طول و عرض میں اپنے علمی، تعلیمی، ذہنی، اخلاقی اور پاکیزہ سیاسی کردار کا وہ نمونہ چھوڑا ہے کہ ہر طبقہ کے اہل نظر اور اہل دل ان کی سی ہستیوں کو خلوصِ دل سے سر آنکھوں پر بٹھانے کے لئے، بے تاب ہیں۔

نئی پود کے لئے میری یہ گفتگو شاید معما ہو، مگر خدا کے فضل سے ہمارے اس ملک کے چار کھونٹ میں بے شمار ایسے لوگ موجود ہیں جو اس بات کی شہادت دینگے کہ جو کچھ اوپر عرض کیا گیا اسمیں مبالغہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے جو کسی شہادت کی محتاج نہیں۔ تاہم اندیشہ ہے کہ شاید کچھ لوگوں کیلئے، یہ چیستاں ہی ہو، اسلئے کہ آدمیوں کے اس انبوہ میں کسی بھی اچھی سے اچھی مورت کی صورت کو دل و دماغ میں ہمیشہ بٹھائے رکھنا ناممکن سا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی آگاہی یا یاد دہانی اور اچھے اور صالح ادب کے رسیاؤں کیلئے یہ خبر ایک مژدۂ جانفزا سے کم نہ ہوگی کہ جمہوریۂ ہند کے سابق صدر مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین کی بہترین قلمی تصویر مندرجہ عنوان نام کی کتاب میں موصوف کی پوری زندگی کا نقشہ موصوف کے رفیق قدیم، اردو زبان کے مسلّم استاد اور یگانہ ادیب اور فرزانہ قلمکار پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اس حسن و خوبی سے ترتیب دیا اور سجایا ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی روشن زندگی کا ہر ایک دور ایک قابلِ رشک، بصیرت افروز بابِ حیات بن کر سامنے آگیا ہے۔ اردو ادب سے شغف رکھنے والے باذوق حضرات اس کتاب میں زبان، بیان، حقائق و دقائق، لطائف و لبصائر کے متعدد قابلِ تقلید اور لائقِ تحسین شہ پارے کہیں کہیں ـــ یہاں وہاں نہیں، ہر صفحہ پر جگمگاتے پائیں گے۔

یہ کتاب دراصل پروفیسر صدیقی دام مجدہٗ کے چار مضمونوں کا مجموعہ ہے۔ انہیں سے پہلے تین مضمون برسوں کے وقفوں میں یکے بعد دیگرے ذاکر صاحب کی زندگی ہی میں شائع ہو چکے تھے اور چوتھا یا آخری مضمون ذاکر صاحب کی وفات کے بعد مرحوم کی پوری، کامیاب، بھرپور زندگی پر حکیمانہ تبصرہ ہے۔

کتاب کی ضخامت قریباً دو سو صفحات ہے۔ قیمت آٹھ روپے مکتبہ جامعہ پرنسس بلڈنگ متصل جے جے اسپتال بمبئی ۳ سے مل سکتی ہے۔

اور بھی سوا ترا زورِ شباب ہو
• جاں نثار اختر
قوموں کی زندگی میں ہیں کچھ ماہ و سال کیا
اب تک ملا جو وقت بہت مختصر ملا
اب جا کے ہم میں آئی ہیں خود اعتمادیاں
اب جا کے زندگی کا ہمیں کچھ ہنر ملا
اے رہروو! نوید کہ راہیں سنور گئیں
کتنا حسین آج ہمیں راہبر ملا
اب تک سنبھل سنبھل کے اٹھاتے رہے قدم
لگتا ہے اب کہیں ہمیں اذنِ سفر ملا
صدقے ترے نگارِ وطن! دیکھ تو اِدھر
ہم سے بھی ایک بار نظر سے نظر ملا
اے کاش تیرا حسن مہ و ماہتاب ہو
ملتے سے تیرے بارشِ رنگِ گلاب ہو
تیرا ہر ایک عزمِ جواں کامیاب ہو
کچھ اور بھی سوا ترا زورِ شباب ہو!

خشک سالی کے باوجود

مہاراشٹر ترقی کی راہ پر گامزن

معاشی خوشحالی اور سماجی انصاف کی محبوب منزل کی جانب مہاراشٹر کی پیش رفت میں گذشتہ تین سال کی خشک سالی کے باعث کچھ رکاوٹ واقع ہوئی۔ تاہم لگاتار تین سال تک سوکھے کے چیلنج کا جس طریقہ سے مقابلہ کیا گیا وہ حکومت اور عوام دونوں ہی کے لئے ایک گونہ سکون اور فخر کا باعث ہے۔ ایک مرحلے پر تقریباً ۵۰ لاکھ لوگوں کو ۰۰۰،۰ ، سے زیادہ قلت کے کاموں اور محکمہ داری کام کے مراکز پر روزی مہیا کی گئی۔ یہ خود اپنی جگہ آپ بے مثال کارنامہ ہے۔

ابتدا ہی سے حکومت نے خشک سالی کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے تدبر اور ہوشیاری اور مستعدی سے کام کیا تاکہ لوگوں کی تکالیف کم سے کم ہوں۔ قلت کے کام شروع کرتے وقت پیداواری کاموں مثلاً نالہ باندھ، کنوویں اور تالابوں وغیرہ کی تعمیر پر زور دیا گیا۔ اسی طرح مستقل نوعیت کے کاموں کے ذریعہ مستقبل میں بھی اسی قدرتی آفت یعنی قلت کے مقابلہ اور روک تھام کی کوشش کی گئی۔

سال ۷۳-۱۹۷۲ء میں ۳۹، ۳۷ تالابوں کو تعمیر شروع کی گئی جن میں سے ۸۶۶ مکمل ہو گئے تھے۔ کل ۵۲۷ نہری کام بھی ۹۴۹،۵ کلومیٹر طویل کھدائی کے ساتھ شروع کئے گئے۔ اسی مدت کے دوران ۶۶،۴۲۰ کلومیٹر طویل سڑک کے کام مکمل کئے گئے، ۷۳-۱۹۷۲ء کے اختتام تک ۲۶۸۵ لاکھ نئے کنوویں بنائے گئے، ۱۶۰۲ لاکھ کنووں کی مرمت کی گئی اور ۱۶۶۹ لاکھ پمپنگ سیٹ لگائے گئے۔

خریف مہم

اسی سال اچھی بارش سے طویل خشک سالی کے خاتمہ کی امید پیدا ہو گئی خریف کی فصل کے لئے ایک بڑا پروگرام بنایا گیا۔ بوائی کے لئے ۸۹،۰۷ لاکھ ہیکٹر کا نشانہ رکھا گیا جو گذشتہ سال صرف ۶۷ لاکھ ہیکٹر تھا اور عام حالات میں ۶۴،۱ لاکھ ہیکٹر ہوتا ہے۔ حکومت ہند نے مہاراشٹر کے لئے ۴۰ لاکھ ٹن اناج کی پیداوار کا نشانہ رکھا تھا۔ تاہم کسانوں کو بر وقت بیج اور بیل وغیرہ کی فراہمی کی بدولت ۵۰ لاکھ ٹن پیداوار کا اندازہ ہے۔

ریاست میں فصلی علاقے صرف ۸،۳۵ فیصدی زیر آب پاشی ہے جبکہ ملک میں یہ رقبہ ۲۲،۸ فیصد ہے۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اسی پروگرام کیلئے تنظیم اور ذرائع کو بڑھایا جائے۔ ریاست میں منصوبہ بندی کے آغاز سے چوتھے منصوبے کے اختتام تک آب پاشی کے لئے پروجیکٹوں پر جن میں بڑے، درمیانی اور چھوٹے منصوبے شامل ہیں۔ ۴۴۰ کروڑ روپے کی رقم صرف ہو چکی ہو گی۔ جون ۱۹۷۲ء تک ۴ بڑے اور ۵۸ درمیانی پروجیکٹ پورے ہو چکے تھے اور ۴۲ درمیانی پروجیکٹ جاری تھے۔

آب پاشی کی نئی اسکیمات کی وجہ سے ریاست کی آب پاشی کی امکانی قوت جون ۱۹۷۳ء تک بڑھ کر ۱۰،۰۷ لاکھ ہیکٹر ہو گئی جو قبل منصوبہ بندی صرف ۲۶۷۵ لاکھ ہیکٹر تھی۔ مزید بر آن ۳۶۶ اٹھاؤ سینچائی اسکیمیں شروع کی گئیں جن سے بالآخر امکانی قوت ۵۸,۵۰۰ ہیکٹر ہو جائے گی۔

خود کفالتی

گذشتہ تین سال ریاست میں مسلسل خشک سالی رہی اسکے باوجود غذا میں خود کفالتی حاصل کرنے کی جدوجہد جاری رہی۔ اس سلسلہ میں جوار، باجرہ، دھان اور مکئی کی فصل کے لئے اچھے بیجوں کا استعمال دوہری فصل اور جوار کے اضلاع میں گیہوں کی بوائی قابل ذکر ہیں۔

آب پاشی کی سہولتیں بڑھانے کے محدود امکانات کے مد نظر زمین کی حفاظت کے لئے کنٹور باندھ بندی کو اولیت دی گئی۔ قابل باندھ بندی علاقہ کا ۶۰ فی صدی حصہ کی باندھ بندی ہو چکی ہے یقینی بارش یا سینچائی کی سہولتیں رکھنے والے علاقہ جات میں ۳۹۸ وسیع کاشتکاری بلاک ہیں جن کی تعداد ۶۹-۱۹۶۸ء کے اختتام تک ۳۳۸ تھی۔ علاقہ ترقیاتی پروگرام اولاً چھوٹے مالکان کے لئے ہے جو مہاراشٹر میں کاشتکاروں کا ۵۵ فی صدی حصہ ہے۔ ریاست میں فی الوقت ایسے ۲۵ ملے بلاک شروع کئے گئے ہیں جن میں چھوٹے مالکان کو زمین سدھار اور پولٹری وغیرہ کے لئے مالی امداد دی جاتی ہے۔ کپاس کی اچھی قسم بڑھوتری کے لئے ۱۶ پیکیج یونٹ ہیں جن میں سے پانچ ریاستی پلان میں شامل ہیں اور گیارہ مرکزی حکومت کے ہیں۔

اجارہ دارانہ خریداری اسکیم

زراعتی پیداوار کی قیمتوں کے پیشگی تعین

کے معاملے میں مہاراشٹر اول ریاست ہے جس کا
مقصد یہ ہے کاشتکاروں کو محنت اور پیداوار کا اچھا معاوضہ
ملے ۔ اس خیال سے کہ ایک طرف سال بھر لوگوں میں
تقسیم کرنے کے لئے اناج ملتا رہے نیز دوسری طرف
کاشتکاروں کو یکساں قیمت ملے حکومت نے
سنہ ۱۹۶۵-۶۶ء میں دھان ، چاول ، جوار اور ناگلی
کی اجارہ داری خریداری اسکیم شروع کی تھی ۔
ان اجناس کی نجی تجارت بالکل بند کر دی گئی تھی
مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن کو
دھان اور جوار کی خریداری کے لئے حکومت کے
اعلیٰ خریداری ایجنٹ کی حیثیت سے مقرر کیا گیا ۔
یہ ابتدائی امداد باہمی سوسائٹیوں اور کوآپریٹیو رائس
ملوں وغیرہ کے ذریعہ خریداری کرتا ہے ۔ مارچ سنہ ۱۹۷۳ء
اجارہ دارانہ وصولی اسکیم گیہوں پر بھی لاگو کر دی گئی
ہے ۔ کاشتکاروں اور تاجروں پر لیوی لگا کر
وصولی اسکیم باجری پر بھی لاگو کر دی گئی ہے ۔

صنعتی نقشہ میں مہاراشٹر کا مقام

ہندوستان کے صنعتی نقشہ میں مہاراشٹر کو
ایک اہم مقام حاصل ہے ۔ ملک کے کل پیداواری
سرمایہ میں مہاراشٹر کا حصہ ۱۷ فیصدی ہے ۔ یہ مجموعی
پیداوار کی کل قیمت کا ۲۴ فیصدی بیٹھتا ہے ۔ ریاست
میں ۱۲۲۷ بڑی صنعتیں ، ۳۴۶ درمیانی صنعتیں
اور ۳۳،۴۹۲ چھوٹی صنعتیں درج رجسٹر ہیں
جن سے ۱۴۶،۲۵ لاکھ ورکروں کو روزی ملتی
ہے ۔ ریاست نے زراعت پر مبنی صنعتوں اور
ذیلی پروجیکٹوں کے معاملے میں زبردست ترقی کی ہے ۔
صنعتی ترقی میں تنوع قابل ذکر ہے ۔ ابتداء
میں ریاست میں صنعتی سرگرمی چند صنعتوں مثلاً
کپڑے اور شکر ملوں تک محدود تھی ۔ اب یہ جدید
صنعتوں مثلاً کیمیکل ، فارماسیوٹیکل ، عام و الیکٹریکل
انجینئرنگ اور ٹرانسپورٹ سامان تک بڑھا دی گئی
ہے ۔ صنعتوں کے پھیلاؤ کی ریاستی پالیسی کو زیر عمل
لانے اور علاقائی نابرابری ختم کرنے کی غرض سے
'سکم' ایم ۔ ایس ۔ ایف ۔ سی اور ایم ۔ آئی ۔ ڈی ۔
سی جیسی تنظیمیں قائم کی گئیں ۔ جن کی کوششوں سے
مثبت نتیجہ نکلا ہے ۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں قائم کی گئی
انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے ۴۸ صنعتی
بستیوں کا کام شروع کیا ہے جو ریاست میں پھیلی
ہیں ۔ سنہ ۱۹۶۶ء قائم شدہ اسٹیٹ انڈسٹریل اینڈ
انویسٹ مینٹ کارپوریشن نے ابتک ریاست
کے ترقی پذیر علاقہ جات میں ۸۱۲ ، صنعتی یونٹوں
کی امداد کی ہے جن کی تخمینی لاگت ۹۳،۵،۴۷ کروڑ
روپے ہے ۔ ریاست کے چار خطوں میں چار
انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشنز متعلقہ علاقوں
میں علاقائی نابرابری ختم کریں گی ۔ ریاست کی زمین
اہم معدنیات مثلاً کوئلہ ، چونا ، آئرن اور ، بیکسائٹ
اور مینگنیز سے مالا مال ہے ۔ صرف سنہ ۱۹۷۲ء ہی
میں ۱۰ کروڑ روپے کی مالیت کی معدنیات کی
توقع تھی ۔ حکومت کو قدرتی طور سے معدنیات پر
مبنی صنعتوں کی ترقی کی فکر ہے ۔

شکر امداد باہمی

مہاراشٹر کی شکر صنعت ملک کی صنعت میں
اہم مقام رکھتی ہے اور ملک کی پیداوار میں اس کا
چوتھائی حصہ ہے ۔ عام طور سے لوگ جانتے
ہیں کہ مہاراشٹر میں امداد باہمی شکر کارخانوں
نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے ۔ کوآپریٹیو سیکٹر
میں پہلا شکر کا کارخانہ سنہ ۱۹۴۹ء میں قائم ہوا تھا ۔
اس وقت سے یہ صنعت تیزی سے پھیل رہی
ہے اور آج ریاست میں کل ۶۹ امداد باہمی شکر
کارخانے ہیں ۔ ان میں ۱۹ چھوٹے سائز کے کارخانے
شامل ہیں جن کا سرمایہ مصارف ایک کروڑ روپے
سے کم ہے ۔ ان کا اندراج سنہ ۱۹۷۰ء اور سنہ ۱۹۷۲ء
کے دوران ہوا تھا ۔ یہ حکومت ہند کی فراخ دلانہ
لائسنسی پالیسی کا نتیجہ تھا ۔ چوتھے پانچ سالہ منصوبہ
کے پہلے تین سال میں ۳۵ کوآپریٹیو شکر کارخانوں
کا اندراج ہوا تھا اس طرح ان کارخانوں کی تعداد
۶۹ ہوگئی تھی اور ان میں سے ۳۲ میں پیداواری
کام ہو رہا تھا ۔ حکومت ہند کی ۱۲ تجاویز باقی
ہیں ۔ چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کے لئے ۱۲ امداد
باہمی شکر کارخانے جات کے قیام کا نشانہ
اس سے بڑھ گیا ہے ۔

زراعت کو ترقی دینے کے اقدامات

ریاست مہاراشٹر میں آبادی کا تقریباً
۶۹ فی صدی حصہ کی زندگی کا انحصار زراعت
اور ضمنی پیشوں پر ہے ۔ اس لئے دیہی آبادی کی
کی معاشی ترقی کے لئے زراعتی پیداوار میں
اضافہ کے ذریعہ ترقی اور زراعتی صنعت کی
ترقی کے ذریعہ زراعت کو ترقی دینا اشد ضروری
ہے ، پانچواں منصوبہ تیار کرتے وقت مقصد
سامنے یہ ہے کہ زراعتی پیداوار میں اضافہ
ایسے پروگراموں کو لے کر کیا جائے جس سے
آراضی کی پیداواری اہلیت میں اضافہ ہوسکے
جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ریاست میں ۴۷ فیصدی
لوگوں کے پاس ۲ ہیکٹر سے کم آراضی ہے ۔

بہتر بیج پروگرام

پیداوار میں اضافہ کا ایک یقینی ، بہ سرعت
اور سستا ترین ذریعہ اچھے بیجوں کا استعمال
ہے ۔ تحقیقات کے بعد جو اعلیٰ اور زیادہ
پیداوار دینے والے بیج تیار کئے گئے ہیں
انہوں نے پیداوار میں زبردست اضافہ کیا
ہے ۔ ان کے تحت دھان ، جوار ، باجرہ اور
گیہوں جیسے خاص اناج کی پیداوار کے لئے
۱۰۰ لاکھ ہیکٹر آراضی لائی جائے گی ۔ یہ اسکیم
سنہ ۱۹۶۶-۶۷ء میں شروع کی گئی اور سنہ ۱۹۷۲ء کے
افتتاح تک تقریباً ۲۳ لاکھ ہیکٹر آراضی اس کے

تحت لائی جائے گی۔ پانچویں منصوبہ میں سال بسال زیادہ سے زیادہ آراضی اس کے تحت لانے کی کوشش کی جاتی رہے گی۔

کاشتکاروں کو کیمیائی کھاد کے افادیت اور اس کے استعمال کی ضرورت کا پورا احساس ہوچکا ہے۔ پودوں کو بچانے کے اقدامات محکمہ جاتی اور خود کاشتکاروں کے ذریعہ کئے جاتے ہیں۔ ریاستی حکومت کے پاس تقریباً ۶،۱۰۰ بجلی سے چلنے والے جراثیم کش آلات ہیں اور ضلع پریشدوں کے پاس ہاتھ سے چلائے جانے والے ۳۷،۶۴۴ آلات ہیں۔ وقت ضرورت فصلی بچاؤ اور اقدامات کے لئے پندرہ موبائل تحفظ فصل دستے ہیں۔ فضاء سے دوا چھڑکنے کا کام بھی کافی سراہا جانے لگا ہے۔ تجویز ہے کہ سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء کے دوران جراثیم کشی کے تحت ۷،۰ لاکھ ہیکٹر آراضی لائی جائے۔

باغبانی کی ترقی

ریاست مہاراشٹر میں خصوصاً کوکن علاقے میں باغبانی کی ترقی کے بہت ہی اچھے مواقع ہیں۔ اس لئے باغبانی کی ترقی کا پروگرام بتدریج سطور پر منظم کیا گیا۔ کاشتکاروں اور امداد باہمی سوسائٹیوں کو مختلف پھلوں کی کاشت کے لئے قرضہ جات منظور کئے گئے۔ سوسائٹیوں کو آراضی سدھار اقدامات پر کرنے والے صرفہ بطور مالی امداد کے ملتا ہے۔ نئی کاشت کے تحت مارچ سنہ ۱۹۷۲ء تک ۲۷،۲۲ لاکھ ہیکٹر آراضی لائی گئی اور سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء کا نشانہ ۰۱،۱۰ لاکھ ہیکٹر کا ہے۔

کپاس کی ترقی

مربوط کپاس ترقیاتی اسکیم کے علاوہ جو کہ تیسرے منصوبہ سے زیر عمل ہے۔ کپاس کی بہتر اقسام کی ترقی کا ایک پیکیج پروگرام زیر عمل ہے۔ ریاست میں کل ۱۶ پیکیج یونٹ ہیں جن میں سے ۱۱ مرکز کی شروع کردہ ہیں اور باقی پانچ کو ریاستی حکومت کی منظوری حاصل ہے۔ ان یونٹوں کے تحت سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء میں ۱۱،۹۲ لاکھ ہیکٹر آراضی لانے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔

کپاس ضلع پروگرام کے نام سے ایک نیا پروگرام ریاست میں شروع کیا جائے گا۔ اس کی منظوری حکومت ہند نے مرکز کے شروع کردہ پروگرام کے طور پر دی ہے جس میں کاشتکاروں کو تعلیم دی جائیگی تاکہ لاگت لگانے کے لئے ان میں بھروسے کا احساس بیدار کیا جاسکے۔ اس اسکیم کے تحت سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء میں ۰،۴ لاکھ ہیکٹر علاقہ لانے کا نشانہ ہے۔ مرکز کی شروع کردہ ایک اور اسکیم۔ ایچ۔۴ کپاس کی پیداوار کرنا سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء میں منظور کی گئی۔ اس اسکیم کے تحت ایچ۔۴ کپاس کی کاشت سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء میں ۲،۶۶ لاکھ ہیکٹر پر کرنے کا نشانہ مقرر کیا ہے۔

مکمل علاقائی ترقی

چھوٹی زمین کے مالکوں کاشتکاروں کی بہبودی کے لئے جو ریاست میں ایک بڑی تعداد میں ہیں۔ (یعنی ۷۴ فی صدی) ایک مکمل علاقائی ترقی کا پروگرام حکومت نے خصوصی طور پر شروع کیا ہے۔ چھوٹی زمین کے مالکان کی ساکھ اتنی نہیں ہوتی کہ مختلف ذرائع سے زراعت کے لئے جو رعائتیں فراہم کی جاتی ہیں وہ حاصل کرسکیں اور ان کے خود کے ذرائع بہت محدود ہوتے ہیں اسی لئے چھوٹی زمین کی پیداواری اہلیت کو بھی پوری طرح سے استعمال کیا جاسکے اس لئے اس پروگرام کو منتخبہ بلاک، پنچائت سمیتی بلاک اور چھوٹی زمین کے مالکوں کو زمین کی ترقی کے مختلف اقدامات کرنے کے لئے مزید مالی رعائتیں دی گئیں۔ ہر ضلع میں ایک بلاک کی شرح سے تمام اضلاع اسکیم کے تحت رکھے گئے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت چھوٹے کسانوں کی مدد کرنے کے لئے سرکاری لاگت پر کمیونٹی کنویں تعمیر کرنے کا پروگرام بھی زیر عمل ہے۔ ابتک ۸۲۱ کنویں تعمیر کئے جاچکے ہیں۔

چھوٹی آبپاشی اسکیم

نئے کنویں تعمیر کرنے اور پمپنگ سیٹ لگانے کے لئے عام طور پر لاگت میں ۲۵ فیصد تک چھوٹ دی جاتی تھی۔ لیکن یکم جولائی سنہ ۱۹۶۷ء سے یہ چھوٹ چھوٹی زمین کے مالکان کے لئے محدود کردی گئی ہے۔ سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء کے اختتام تک ۶،۸۵ لاکھ نئے کنویں کھودے جاچکے تھے۔ ۱،۰۲ لاکھ پرانے کنوؤں کی مرمت کی جاچکی تھی اور ۱،۶۹ لاکھ پمپ لگائے جاچکے تھے۔

گندی بستیوں کے ماحول میں سدھار

مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ بمبئی میں ریاستی سرکاری زمینوں پر موجود ۵۵ گندی بستیوں میں اکتوبر سنہ ۱۹۷۱ء سے یعنی وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے جب گندی بستیوں کے ماحول میں سدھار اسکیم کا افتتاح کیا تھا۔ ابتک ضروریات زندگی کی بہتری چیزیں فراہم کی ہیں۔ ہاؤسنگ بورڈ نے جون سنہ ۱۹۷۳ء تک ۹۷۰ پاخانے تعمیر کئے اور ۵۳۲ پانی کے نل لگوائے، سڑکوں پر ۶۰۴ بجلی کے کھمبے لگوائے اور ۱۷،۶۰۰ مربع میٹر گلیوں کو پکا بنوایا اور سڑکوں کے کنارے ۱۹،۷۹۰ میٹر لمبی نالیاں تعمیر کیں جو کہ جھونپڑوں میں رہنے والے چودہ ہزار خاندانوں کے لئے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت بمبئی میونسپل کارپوریشن نے اس کی زمین پر واقع ۶۵ گندی بستیوں میں ۴۶۲۴ پاخانے تعمیر کروائے ہیں۔ ۱۷۴۲ نل لگوائے ہیں سڑکوں پر ۴۰۰ روشنیاں فراہم کی ہیں اور ۹۴،۴۴۰ مربع میٹر پکی گلیاں اور ۳۴،۷۶۴ میٹر لمبی نالیاں کی ہیں۔ یہ سب فراہم کرنے کے لئے کارپوریشن نے ڈیڑھ کروڑ روپے سے زائد خرچ کیا ہے۔ آغاز میں اس اسکیم پر بمبئی، پونہ اور ناگپور میں

عمل کیا گیا۔ بہرحال حکومت نے ان اسکیموں کو شولاپور اور اورنگ آباد میں بھی نافذ کرنے کے لئے رقم منظور کی ہے۔

تعلیم میں توسیع

ریاست میں تعلیم کی توسیع ہر سطح پر دیکھی جا سکتی ہے۔ فی الحال ریاست میں ۴۶۰۱۳ پرائمری اسکولوں میں ۶۸،۴۷ لاکھ طالب علم اور تقریباً ۸۰،۸۰۰ا مدرسین موجود ہیں۔ ثانوی اسکولوں کی تعداد ۵۸۲۱ ہے جن میں ۲۲،۴۵ لاکھ طالب علم درج ہیں۔ ریاست کے تعلیمی پروگرام کا ایک کارنامہ پوری ریاست میں مفت پرائمری تعلیم، درجہ آٹھ تک یکساں نصاب تعلیم نافذ کرنا ہے۔ صرف ایسے مواضع جات جو پہاڑی علاقوں میں ہیں یا جن تک پہنچنا مشکل ہے کو چھوڑ کر تقریباً ریاست کے تمام مواضع جات میں پرائمری اسکول اب موجود ہیں۔

ایس۔ایس۔سی کا یکساں نصاب

جون ۱۹۷۲ء سے درجہ آٹھ میں بطور آغاز ایک یکساں ایس۔ایس۔سی نصاب روشناس کیا گیا۔ اس کی بتدریج توسیع ہوتی رہی اور ۷۴-۱۹۷۳ء میں نویں، دسویں درجے تک لایا گیا اور ۷۵-۱۹۷۴ء میں اس کو درجہ دہم تک نافذ کر دیا جائے گا۔ اس طرح اس یکساں نصاب کی بنیاد پر پہلا ایس۔ایس۔سی امتحان مارچ ۱۹۷۵ء میں دسویں درجہ کے اختتام پر ہوگا۔

حکومت نے ۷۴-۱۹۷۳ء کے تعلیمی سال کے آغاز سے امداد پانے والے نجی ثانوی اسکولوں کے مدرسین کو کوآپریٹیو بینکوں کے ذریعہ تنخواہ دینا شروع کی ہے۔ ثانوی اسکولوں کی عمارت تعمیر کرنے کیلئے اب انفرادی طور پر حکومت دو لاکھ روپئے کے بینک قرض کی ضمانت لیتی ہے۔ تعلیم یافتہ بیروزگاروں کو روزگار فراہم کرنے کی اسکیم کے تحت حکومت نے ۱۴۸۵۰ پرائمری مدرسین کے تقرر کے لئے ۳۸،۰۰ لاکھ روپئے منظور کئے۔ ان میں سے بارہ ہزار مدرسین کا تقرر بھی ہو چکا ہے۔

صحت

گزشتہ بیس سالوں کے دوران ریاست نے علاج و انسدادی صحت خدمات فراہم کرنے میں نمایاں ترقی کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوامی صحت میں زبردست بہتری آئی ہے۔ عمر کا اوسط جو کہ ۱۹۵۱ء میں ۴۶،۱ سال تھا ۱۹۷۱ء میں بڑھ کر ۵۴،۶۵ سال ہوگیا۔ اموات کا اوسط جو ۱۹۴۷ء میں ایک ہزار پر ۲۵ تھا وہ ۱۹۷۰ء میں گھٹ کر ۱۰،۳ فی ہزار رہ گیا۔

ریاست کی کل ۵۰.۴ لاکھ کی آبادی کے لئے ۹۲۴۱ ہسپتال اور دواخانے، ۲۴۴۷۸ ایلوپیتھک ڈاکٹر، ۲۲۱۴۰ ایورویدک پریکٹیشنر اور ہسپتالوں میں عام اور خاص ملا کر کل ۴۵,۹۳۳ بستر ہیں۔

شہروں کو آب رسانی

ریاست میں ۷۱-۱۹۶۱ء کے دہے تک شہروں کی تعداد ۲۶۶ سے بڑھ کر ۲۸۹ ہوگئی۔ اس وقت ریاست میں ۵ میونسپل کارپوریشن ہیں اور ۲۲۲ میونسپل کانسل ہیں اس کے علاوہ ۸ کنٹونمنٹ بورڈ اور ۵۶ دوسرے شہری علاقے ہیں۔ ان تمام کارپوریشنوں، میونسپل اور غیر میونسپل قصبوں کی کل آبادی ۱۵۷،۲۳ لاکھ ہے۔ چوتھے منصوبے کے آغاز (۷۰-۱۹۶۹ء) میں ۱۹۹ شہروں بشمول ۴ کارپوریشن علاقوں میں نلوں کے ذریعہ آب رسانی کی سہولتیں تھیں۔ ۵ قصبوں میں اسکیم زیر عمل تھی اور ۵۸ قصبوں میں ابھی کام شروع کرنا ہے۔ مارچ ۱۹۷۳ء کے اختتام تک میونسپل ٹاؤن بشمول کارپوریشن علاقے جن میں نلوں کے ذریعہ پانی فراہمی کی سہولت تھی ان کی تعداد ۱۶۱ تھی اور ۱۶ اسکیم مکمل ہونے کے قریب ہیں۔ اس طرح چوتھے منصوبے کے اختتام تک ۱۶۷ شہروں میں نلوں کے ذریعہ آب رسانی کی سہولتیں فراہم ہو چکی ہوں گی۔ اس وقت تک جو اسکیمیں مکمل ہو جائیں گی ان کے تحت ۴۷،۱۳۸ لاکھ کی آبادی ہوگی۔

نئے اورنگ آباد کا منصوبہ

حکومت نے جڑواں شہر بمبئی کے ساتھ ساتھ مہاراشٹر کے کچھ بڑے شہروں کو ترقی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اورنگ آباد کو جو کہ مراٹھواڑہ کے سب سے زیادہ پسماندہ علاقے کا مرکز ہے اس مقصد کے لئے اولیت دی گئی۔ ہندوستان میں جدید شہروں کی ترقی اور بہتری اور شہری تعمیر نو کے مختلف مقاصدی کامپلکس میں اپنی طرح کا یہ پہلا تجربہ ہے۔ نئے اورنگ آباد کا ترقیاتی منصوبہ ریاستی حکومت نے منظور کر لیا ہے اور ترقیات کا کام شروع بھی ہو چکا ہے۔

ترقئ مواصلات

مہاراشٹر کے لئے ۸۱-۱۹۶۱ء کے سڑک ترقیاتی منصوبہ میں ۱۲۰،۰۰۰ا کلومیٹر کا نشانہ فراہم کیا گیا ہے۔ اس میں سے ۵۷،۰۰۰ کلومیٹر ۱۹۷۲ء کے اختتام تک مکمل ہو چکا تھا اور ۱۹۷۳ء سال کے دوران یہ کوشش کی گئی کہ زیادہ سے زیادہ نشانہ حاصل کیا جا سکے۔ ریاست میں سخت خشک سالی کے حالات کی موجودگی اور محنت کشوں کو جو کہ زیادہ تعداد میں موجود تھے، روزگار فراہم کرنے کے مدنظر، دس ہزار کلومیٹر کی کچی سڑکیں تعمیر کی گئیں جن سے کتنے ہی مواضع جات، بازار مراکز کو جوڑ دیا گیا۔ اس کے علاوہ موجودہ سڑکوں پر تقریباً پانچ ہزار کلومیٹر میں بہتری لائی گئی۔

قومی شاہراہ

جہاں تک قومی شاہراہ کا تعلق ہے ان پر

سنہ ۱۹۷۲ء سال میں چودہ کروڑ روپئے صرف کئے گئے اور اس سال بھی کام کی رفتار وہی رکھی گئی اور قومی شاہراہ نمبر ۳ - ۴ - ۶ - ۷ - ۹ اور ۵۰ پر کافی کام کیا گیا۔

پہاڑی سڑکیں

سب سے زیادہ ٹریفک میں رکاوٹ سڑکوں کے ان حصوں میں آتی ہیں جو "گھاٹ" کے علاقوں سے گذرتی ہیں۔ اس سال ملشیج گھاٹ پر ایک سڑک کھول دی گئی جس سے بمبئی کو براہ راست چھوٹے راستے کے ذریعہ پونہ، احمدنگر اور اورنگ آباد کے اضلاع سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اس سے قبل زیادہ تر ٹرافک پونہ ہوکر جاتی تھی۔ اس سے کھنڈالہ میں واقع بور گھاٹ سڑک پر ٹرافک میں کافی حد تک آسانی ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اہم سڑکوں کی تعمیر کی گئی ہے جن میں رتنا گیری۔ کولھاپور سڑک کی تعمیر جاری ہے۔ کیونکہ رتنا گیری میں الومنیم کے کارخانے کے قیام کے مدنظر بھاری صنعتی ٹرافک سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔

پلوں کی تعمیر

سال کے دوران ریاست کی مختلف سڑکوں پر تقریباً ۵۰ پلوں کا کام شروع کیا گیا۔ کچھ اہم پل جیسے بھیما ندی پر پنڈھرپور، بیگم پور، اوسے کے مقام پر برلا ندی پر چپلے بھرکواڑی کے مقام پر، گھوڑپل نزد گھوڑے گاؤں، ساوتری، واقع مہریل، حدند کھاڑی واقع وداتر۔ ریوڈانڈا کھاڑی واقع سالو۔ مروڈ سڑک، تاپی واقع پرکاشا۔ عیدگاؤں پورنا واقع سمن گاؤں، پوند واقع کناشی۔ منور سڑک، پین گنگا واقع اونک دیو، وین گنگا واقع پونی، نرگڈی ندی، واقع وانی اور تپشیا وتی واقع ملشیج گھاٹ سڑک پر تعمیر جاری ہے۔

ہوائی مستقر

ہر ضلع میں ایک ہوائی اڈہ فراہم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ حال ہی میں رتنا گیری اور جلگاؤں میں ہوائی پٹی مکمل کی گئی ہے اور دھولیہ اور عثمان آباد کی ہوائی پٹیاں تکمیل کے قریب ہیں۔

آدیواسیوں کی فلاح کیلئے ڈائرکٹوریٹ

ادیواسیوں کے بہبود کیلئے مختلف اقدامات میں تیزی پیدا کرنے کے مدنظر حکومت نے ٹرائبل ویلفیئر کے لئے ایک الگ ڈائرکٹوریٹ قائم کیا ہے جس کا صدر مقام پونہ میں ہے جو کہ پست اقوام کی ہر قسم کی ترقی منظم طریقہ پر کرے گا تاکہ ان کو سماجی تعلیمی اور معاشی میدان میں ملک کے دوسرے لوگوں کے ساتھ لا کھڑا کیا جا سکے۔ ایک اسکیم کے تحت ان کے لئے ۸۴ "آشرم اسکول کامپلیکس" قائم کئے گئے ہیں اور اس سال مزید ۴۰ آشرم اسکول کھولے جائیں گے۔

صاف شہر ہفتہ پر سیمینار

صاف شہر سوسائٹی کے ذریعہ ایکولاجی، ماحول اور انسان نیز صاف شہر ہفتہ کے سلسلہ میں راج بھون میں منعقدہ ایک سیمینار کا افتتاح شری علی یاور جنگ گورنر مہاراشٹر نے ۱۴ر جنوری کے روز کیا۔ یہ سیمینار ۱۶ر جنوری تک جاری رہا۔

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی جگہ پر سیمینار اور ہفتہ کا افتتاح کرتے ہوئے شری علی یاور جنگ نے صفائی کی مشکلات کو قابو میں کرنے کیلئے شدید اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔

وزیر اعلیٰ شری وی پی نائیک نے سوسائٹی کو اسکے خدمت خلق کے جذبہ کو، جسکے ذریعہ شہروں میں صفائی کے بارے میں بیداری پیدا کر رہی ہے، کافی سراہا۔

سوسائٹی کے نائب صدر شری جے جے بھابھا نے شکریہ ادا کیا۔

ہافکن انسٹی ٹیوٹ کی پلاٹینم جوبلی

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ہافکن انسٹی ٹیوٹ کی پلاٹینم جوبلی کے موقع پر ہندوستان جیسے گنجان آباد ترقی پذیر ملک میں سستے طبی علاج کی ضرورت پر زور دیا۔

وزیر اعظم ۱۴ر جنوری کو بمبئی میں ہافکن انسٹی ٹیوٹ کی پلاٹینم جوبلی تقریبات کا افتتاح کرنے والی تھیں لیکن اہم مصروفیات کی وجہ سے وہ تشریف نہ لا سکیں۔ ان کی تقریر شری علی یاور جنگ، گورنر مہاراشٹر نے پڑھ کر سنائی۔ انہوں نے ہی تقریبات کا افتتاح فرمایا اور "پلیک" کی نقاب کشائی کی۔

وزیر اعلیٰ شری وی۔پی۔ نائک نے تقریب کی صدارت فرمائی۔

اپنی تقریر میں شریمتی گاندھی نے ممتاز روسی ماہر جراثیم اور انسٹی ٹیوٹ کے بانی ڈاکٹر ولادیمیر ہافکن کو خراج عقیدت پیش کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ڈاکٹر ہافکن ایک جری اور مخلص انسان تھے۔ انہوں نے طاعون اور ہیضہ سے بچاؤ کا ٹیکہ خود اپنے اوپر آزمایا تھا۔ ان کا نام ہمارے ملک میں طاعون اور ہیضہ کیخلاف جدوجہد میں ہمیشہ یاد رہے گا۔

جوبلی تقریبات کیلئے تیار کردہ خاص سوونیئر جاری کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری وی پی نائک نے فرمایا کہ پیداوار بڑھانے کے مدنظر حکومت نے ہافکن انسٹی ٹیوٹ کو تسلیم کو کرنے کا فیصلہ کیا۔

وزیر اعلیٰ نے یہ امید ظاہر کی کہ مستقبل قریب میں انسٹی ٹیوٹ اس قابل ہو جائے گا کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ ترقی پذیر ممالک کی ضروریات پوری کر سکے۔

قبل ازیں ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر صحت عامہ نے حاضرین کا خیر مقدم کرتے ہوئے ریسرچ کے نتیجہ میں تیار کردہ ادویات دیہی آبادی میں تقسیم کرنے کے کام پر زیادہ توجہ دینے کا مشورہ دیا، جو دیس کی آبادی کا بڑا حصہ ہے۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ ہافکن انسٹی ٹیوٹ کے ہر فرد کو ۱۰۰ روپے کی رقم بطور انعام دی جائیگی۔

اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی سلور جوبلی • گورنر کے ہاتھوں افتتاح !

مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی سلور جوبلی تقریب میں شری وی پی نائک، وزیر اعلیٰ تقریر کر رہے ہیں۔ تصویر میں شری علی یاور جنگ (گورنر آف مہاراشٹر) بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

گورنر علی یاور جنگ نے ۱۵ر جنوری کے روز اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کی سلور جوبلی کے جشن کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ ملک کا یہ پہلا سرکاری ادارہ ہے جس نے بورڈ میں اپنے ملازمین کو نمائندگی عطا کی ہے۔

جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری وی۔پی۔نائک نے کارپوریشن کی جانب سے عوام کی جو بیش قیمت خدمت کی گئی اس کے لئے مبارکباد دی۔ انھوں نے فرمایا کہ حالات قلت کے دوران تقریباً ۷۰,۰۰۰ کلومیٹر لمبی سڑک تیار کی گئی اور امید ظاہر کی کارپوریشن اپنی سواری بسوں کے ذریعہ سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے تک کے دیہاتوں تک کو جوڑنے کی کوشش کرے گی۔ وزیر اعلیٰ نے ایس۔ٹی۔کارپوریشن کے چیرمین شری آر۔جی۔سرنیا کو بھی مبارکباد پیش کی۔

پیٹرول کی قلت کا تذکرہ کرتے ہوئے شری نائک نے کارپوریشن کو مشورہ دیا کہ زیادہ سے زیادہ مسافروں یہاں تک کہ کار مالکان کو بھی اپنی جانب راغب کرے تاکہ پیٹرول کے اصراف میں تخفیف کی جا سکے۔

اِس موقع پر شری ایس۔بی۔چوان وزیر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے بھی تقریر کی۔

مہاراشٹر میں قومیائی گئی مسافر روڈ ٹرانسپورٹ کی تاریخ بتاتے ہوئے کارپوریشن کے چیرمین شری آر۔جی۔سرنیا نے فرمایا کہ کارپوریشن کا آغاز ۳۶ بسوں کے ساتھ پونہ ڈویژن میں ہوا تھا اور اب وہ سات ہزار بسوں کے بیڑے کے ساتھ ۱۸ ڈویژنوں میں خدمات ادا کر رہی ہے اور جس میں ملازمین کی کل تعداد ۴۸,۰۰۰ ہے۔ اوسطاً روزانہ ۱۶ لاکھ مسافر سفر کرتے ہیں۔ کارپوریشن نہ صرف پوری ریاست میں بسیں چلاتی ہے بلکہ بین الریاستی راستوں کے ذریعہ گجرات، کرناٹک، آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش اور گوا کی پڑوسی ریاستوں کو بھی ایکدوسرے سے جوڑتی ہے۔
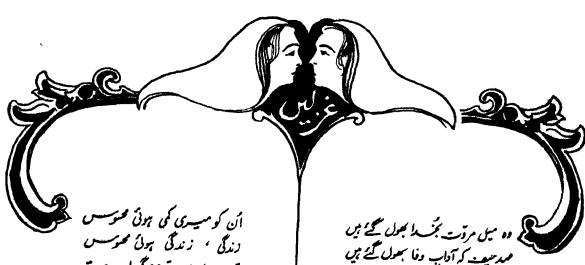
شری کے۔وی۔شیشدری وائس چیرمین نے شکریہ ادا کیا۔ ●●

وہ میل مروّت بخدا بھول گئے ہیں
صد حیف کہ آدابِ وفا بھول گئے ہیں

اللہ کے گھر تک نہ کبھی ہوگی رسائی
جو لوگ تیرے گھر کا پتہ بھول گئے ہیں

جب سے تری محفل سے ہم آئے ہیں ستمگر
یہ سوچتے رہتے ہیں کہ کیا بھول گئے ہیں

وہ میرے تڑپنے پہ ہوئے خود بھی پشیماں
جو درد تو دیتے ہیں دوا بھول گئے ہیں

اک تیر بھی آتا نہیں زخموں کے گلوں تک
شاید کہ وہ اندازِ جفا بھول گئے ہیں

اللہ قیامت ہے جُدائی کا اندھیرا
جیسے کہ ستارے بھی ضیا بھول گئے ہیں

اک نام ہے تیرا جو سدا یاد رکھا ہے
ہر غم تری اُلفت کے سِوا بھول گئے ہیں

وہ کیا مجھے لے جائیں گے حسرتؔ سوئے منزل
منزل کو خود ہی راہ نما بھول گئے ہیں

حسرتؔ جے پوری

اُن کو میری کمی ہوئی محسوس
زندگی ، زندگی ہوئی محسوس

تجھ سے بچھڑے تو زندگی اے دوست
اجنبی اجنبی ہوئی محسوس

زیست کو لاکھ دن کہے کوئی
مجھ کو تو رات ہی ہوئی محسوس

ان سے نظریں ملیں تو پہلی بار
لذّتِ میکشی ہوئی محسوس

اُن کی مجبوریوں پہ کی جو نگاہ
اپنی دیوانگی ہوئی محسوس

اُن کو دیکھا نہ تھا تو کچھ بھی نہ تھا
دیکھ کر تشنگی ہوئی محسوس

ان کا جلوہ تھا یا کِرن کوئی
مجھ کو کچھ روشنی ہوئی محسوس

ایک نظر اس طرف اٹھی ہی تھی
ہر نظر اجنبی ہوئی محسوس

حال اس سے کہا جو واقف تھا
طرزؔ شرمندگی ہوئی محسوس

گنیش بہاری طرزؔ لکھنوی

قومی راج

جلد ۱ شمارہ ۲

قیمت:
فی پرچہ ۲۵ پیسے
سالانہ ۵ روپے

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ:
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ
بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ترتیب

سرورق:
کچرے کا ڈبہ استعمال کر کے شہر کو صاف رکھئے!

زیر نگرانی: خواجہ عبدالغفور
(آئی اے ایس)

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپا کر شائع کیا!

اداریہ

قومی راج کے اوّلین شمارے کا خیر مقدم جس گرمجوشی سے کیا گیا ہے اس نے جہاں ہمارے عزائم کو نئی تازگی اور تقویت عطا کی ہے وہیں اس حقیقت کو بھی آشکار کر دیا ہے کہ اردو ایک زندۂ جاوید زبان ہے جو بظاہر مُرجھائی ہوئی نظر آتی ہے لیکن محبت اور التفات کے دو چھینٹے پڑتے ہی اسمیں نئی زندگی اور شادابی آجاتی ہے ۔ حالات کے تھپیڑے ایسی جاندار زبان کو وقتی طور پر پژمردہ تو کر سکتے ہیں لیکن ختم نہیں کر سکتے ۔

یہ شکایت عام ہے کہ اُردو کے قارئین بڑے بے نیاز ہوتے ہیں اور بہت محدود معاملات پر لب کُشائی کرتے ہیں، لیکن قومی راج کے بارے میں اُردو داں طبقہ کی دلچسپی، ذوق و شوق اور اس کے اظہار نے ہمیں متحیّر و مسحور کر دیا ہے ۔ خطوط کا سلسلہ ہے جو لامتناہی نظر آتا ہے ۔ مبارکباد کے خطوط، شکریہ کے خطوط، خریداری اور ایجنسی کے بارے میں خطوط، اعزازی کاپیوں کے اجراء کے سلسلے میں خطوط، نظموں اور غزلوں سے سجے خطوط اور مضامین و مقالات سے بھرے خطوط !

خلوص اور محبت سے بھرے یہ سارے خطوط تاریک راہوں کو جگمگا دینے والے ستارے ہیں جن کی ضو میں ہم نئی راہیں متعیّن کر سکیں گے ۔ جن دوستوں نے نیک مشورے دئیے ہیں ان پر حتی الامکان عملدر آمد کی کوشش کی جائے گی ۔

حکومتِ مہاراشٹر کی اُردو دوستی اور ریاست کے عوامی وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ نائیک کی ذاتی دلچسپی کے نتیجہ میں شائع ہونیوالا "قومی راج" سرکاری رسالہ ضرور ہے لیکن آپنے محسوس کیا ہوگا کہ اسمیں پڑھنے کیلئے صاف ستھرا اور ٹھوس مواد کافی مقدار میں ہوتا ہے اور عام سرکاری رسالوں کی حد سے بڑھی ہوئی متانت اور خشکی بھی اس میں کچھ کم ہی ہے ۔ دراصل ہماری کوشش یہی ہے کہ "قومی راج" کو ایک مثالی فیملی میگزین بنایا جائے تاکہ اردو داں طبقہ کے زیادہ سے زیادہ افراد اس سے فیضیاب ہو سکیں ۔ اسی لئے قیمت بھی اتنی کم رکھی گئی ہے کہ اردو داں طبقہ جو عموماً غریب ہے اور اکثر مہنگے رسائل و کتب سے محروم رہتا ہے "قومی راج" کو اپنے بجٹ میں بآسانی شامل کر لے ۔

اِن حالات میں تمام اردو دوستوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس رسالہ کی توسیع و اشاعت میں ہر ممکن تعاون دیں ۔ تعاون کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں خریدار بنوائیں اور جن شہروں یا قصبوں میں ایجنٹ نہیں ہیں وہاں ایجنسیاں قائم کرنے میں مدد دیں ۔

اہلِ قلم حضرات سے بھی درخواست ہے کہ وہ اپنی تازہ اور غیر مطبوعہ تخلیقات سے "قومی راج" کو نوازیں ۔

اِس ضمن میں ادارہ اُن تمام اُردو دوستوں کا ہمنوا ہے جنھوں نے حکومتِ مہاراشٹر کی اُردو نوازی پر حکومت اور خصوصاً اس کے ہر دلعزیز وزیر اعلیٰ شری وی. پی. نائیک کا شکریہ ادا کیا ہے ۔ حکومتِ مہاراشٹر نے نہ صرف "قومی راج" کے اجراء کے ذریعے اُردو دوستی کا ثبوت دیا ہے بلکہ ہر سال اُردو تصنیفات پر دئیے جانے والے اِنعامات کی تعداد میں بھی اضافہ کیا ہے تاکہ اُردو کے ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی ہو ۔

"قومی راج" کی مخلصانہ کوشش ہوگی کہ وہ عوام اور حکومت کے درمیان رابطہ کی ایک اہم کڑی بنے ۔ وہ عوام کیلئے حکومت کے مثبت اور مفید اقدامات کے پرچار میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے گا اور صحیح حالات اور حقائق کی عکاسی اپنا فرضِ اولیں سمجھے گا ۔ رسمِ اجراء کے موقع پر وزیر اعلیٰ نے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ ایک صدی بعد جب مؤرخ آج کے حالات جاننے کیلئے تاریخ کے صفحات کی ورق گردانی کرے گا تو "قومی راج" ایک آئینہ کی طرح اس کے سامنے ہوگا جسمیں ماضی کی حقیقتیں اپنی تمام تر نزاکتوں اور باریکیوں کے ساتھ آشکار ہوں گی ۔ ہم اس توقع کو پورا کرنے کا عہد کرتے ہیں ۔

خواجہ عبدالغفور

"صفائی بڑی چیز دنیا میں ہے

سردار عرفان

تن اُجلا تو من اُجلا
گھر اُجلا آنگن اُجلا
شہر کی ہوں گلیاں اُجلی پھول اُجلے، کلیاں اُجلی
راہوں کے پتھر گویا چاندی کی ڈلیاں اُجلی
مہک اُٹھے گلشن اُجلا
تن اُجلا تو من اُجلا

محل اگر محرابی ہوں بُرج، کلس زرآبی ہوں
لیکن پچھواڑے اُن کے پلتی لاکھ خرابی ہوں
دھوکا ہے پُرفن اُجلا
تن اُجلا تو من اُجلا

رستے، راہ، دریچے صاف سڑکیں، باغ، بغیچے صاف
ریت اور گھاس کے لہراتے قدرت کے غالیچے صاف
بستی، صحرا، بن اُجلا
تن اُجلا تو من اُجلا

کپڑے صاف اور دستی صاف گھر ہو صاف، گرہستی صاف
در، چوکھٹ کی بات ہی کیا گلی، محلّہ، بستی صاف
سدا سکھی دامن اُجلا
تن اُجلا تو من اُجلا

پوجا، پاٹھ، عبادت خوب شہرت اور دھن دولت خوب
لیکن سب سے بڑھکر دوست ستھرائی کی عادت خوب
جس سے ہو جیون اُجلا
تن اُجلا تو من اُجلا

صفائی سے بڑھ کر نہیں کوئی شے !!"

بمبئی کی روایات اور اردو

معین الدین حارث

حکومت مہاراشٹر کا لوک راجیہ نامی رسالہ مراٹھی اور انگریزی زبانوں میں برسوں سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ رسالہ برابر میری نظر سے گذرتا رہا ہے اور وقتاً فوقتاً ان دونوں زبانوں میں اس کے مضامین کا مطالعہ میں نے کیا ہے۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ اب یہ رسالہ "قومی راج" کے نام سے اردو زبان میں بھی شائع ہوا کرے گا اور اس کی ابتدا سنہ ۷۴ء کے یوم جمہوریہ سے ہوئی ہے۔ اس انتظام سے وہ اردو داں طبقہ بھی جو انگریزی یا مراٹھی سے پوری طرح واقف نہیں ہے، اس رسالے سے مستفید ہو سکے گا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خالص سرکاری رسالوں کی بابت عام خیال یہی پایا جاتا ہے کہ ایسے رسالے سرکاری پراپگنڈہ کا ذریعہ ہوا کرتے ہیں۔ یہ خیال جس حد تک بھی صحیح ہو ایسے رسالوں کی اشاعت غیر اہم نہیں سمجھنی چاہئے۔ ہمارے ملک کے جمہوری نظام کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ عوام کو مختلف مسائل کے ہر پہلو سے واقفیت حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ اس لئے ہر وہ کوشش جو عوام کی معلومات میں اضافے کا باعث ہو سکتی ہے اس قابل ہے کہ اس کا خیر مقدم کیا جائے۔ قارئین کی معلومات میں اضافے کی ہر کوشش کا لازمی طور پر پراپگنڈہ کا روپ اختیار کرنا ضروری نہیں اور اگر بالفرض ایسا ہو تب بھی کسی تحریر کے پڑھنے کے بعد اس سے کیا اثر قبول کیا جائے اس کا انحصار قاری کی صواب دید پر موقوف رہتا ہے۔

جو ممالک بدقسمتی سے مطلق العنانی کی گرفت میں آجاتے ہیں ان میں بہت سی معلومات کو عوام سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے اور بعض باتوں کا تو عوام کو سرے سے علم ہی نہیں ہونے پاتا مگر بخلاف اس کے جمہوری نظام اس طریقے کو ناپسند کرتا ہے اور حصولِ معلومات اور آزادانہ اضافۂ علم کے ذرائع مثلاً اخبارات و رسائل، ریڈیو اور ٹیلی وژن پر پابندیاں نہیں لگاتا اور کسی بھی مسئلے کے مختلف پہلوؤں کا علم حاصل کر کے اس کی بابت اپنی رائے قائم کرنے کا عوام کو موقع دیتا ہے۔ ایسے نظام میں وقت کی حکومت کو جو عوام کے ووٹوں سے قائم ہوتی ہے اور انہی ووٹوں سے بدلی بھی جا سکتی ہے، یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی پالیسی، پروگرام اور کارگذاری سے عوام کو واقف کرائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے مناسب ذرائع استعمال کرے۔ یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ بلکہ اس حربے کا مناسب اور ٹھیک استعمال پسندیدہ بات ہے۔

مہاراشٹر کی عام زبان مراٹھی ہے اور وہی یہاں کی سرکاری زبان بھی۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ اس صوبے میں آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد بھی اور کئی زبانوں کا خاصہ رواج رہا ہے مثلاً گجراتی جو ہمارے قریب ترین پڑوسی صوبے کی زبان ہے اور جس کا بڑا علاقہ پندرہ سال پہلے تک پرانے صوبہ بمبئی میں شامل تھا۔ اسی طرح انگریزی جس کا ملک میں اب بھی خاصہ رواج ہے۔ ان زبانوں کے بولنے والوں کے ساتھ ساتھ موجودہ مہاراشٹر میں اُردو بولنے والوں کی خاصی بڑی آبادی ہے اور اس آبادی میں روز بروز اضافہ بھی ہو رہا ہے علاوہ ان فطری اسباب کے جو عام طور پر اضافۂ آبادی کا سبب ہوا کرتے ہیں اُردو بولنے والوں کی آبادی میں اضافے کا ایک سبب شہر بمبئی بھی ہے۔ عروس البلاد بمبئی اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ بہت بڑا صنعتی اور تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے ملک کے

گوشوں سے یہاں آ کر بسنے والوں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے۔ ان نوواردانِ بمبئی میں شمال کے ان علاقوں کے لوگ بکثرت ہوتے ہیں جن کی بول چال کی زبان اُردو ہے۔ جب لسانی بنیاد پر مہاراشٹر کا صوبہ وجود میں آیا تو اسمیں مرہٹواڑہ کے پانچ اضلاع شامل ہوجانے سے صوبے کی اردو داں آبادی میں مزید اضافہ ہوا کیونکہ ریاست حیدرآباد کے اس سابق علاقے کی عام زبان اردو تھی اور یوں بھی مہاراشٹر کے علاقے میں دکنی بولی بولنے والوں کی آبادی مستقل رہی ہے۔ پہلے سے جو اردو داں طبقہ مہاراشٹر میں موجود ہے اور بس گیا ہے اور نئے آنے والوں کی وجہ سے بھی جنمیں آئے دن اضافہ ہورہا ہے اس تک اپنی بات پہنچانے کے لئے اس رسالے کی اردو میں اشاعت بہت مفید ہوگی۔

موجودہ دور میں ملک میں لسانی جذبہ ترقی پر ہے۔ بعض اوقات اس کے مظاہرے غلط طریقے پر بھی ہوتے رہتے ہیں اور صرف اپنی علاقائی زبان کو اور ملکی زبانوں پر فوقیت دلانے کی کوششوں کی اور اسی جوش میں اور زبانوں کے ساتھ نا انصافی اور عدم رواداری برتنے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ ملک کے بعض علاقوں میں اردو زبان اس طرز کے غلط جذبات کا شکار رہی ہے اور خود اس کے اپنے شمالی علاقوں میں بھی اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوا ہے مگر مہاراشٹر کی یہ خوشگوار اور قابل فخر خصوصیت رہی ہے کہ یہاں کی علاقائی زبان مراٹھی کو فروغ بخشنے اور سرکاری کاموں میں استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ دوسری ملکی زبانوں سے یہاں بیر نہیں برتا گیا بلکہ اس معاملے میں خاصی حد تک انصاف اور رواداری سے کام لیا گیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ حکومتِ مہاراشٹر کا دارالحکومت عروس البلاد بمبئی ہے جس کی اپنی مخصوص روایات ہیں اور جن میں سبھی کے ساتھ انصاف اور رواداری برتنے کے جذبے کو ہمیشہ بڑا بلند مقام حاصل رہا ہے۔ اس بات سے انکار نہ کرتے ہوئے بھی کہ بعض اوقات بعض شدت پسند عناصر کی طرف سے ایسی ذہنیت کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے جس سے اِن روایات کی نفی ہوتی ہے پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ ایسے شدت پسند عناصر کا اثر محدود ہے اور انصاف و رواداری کے جذبے کو صوبے کی آبادی کی عام تائید حاصل ہے۔ اسی بنا پر صوبے کے سرکاری اور

مہاراشٹر کی قابل فخر خصوصیت رہی ہے کہ یہاں دوسری ملکی زبانوں سے بیر نہیں برتا گیا۔ اسکی بڑی وجہ بمبئی کی اپنی روایات ہیں جنمیں انصاف اور رواداری کو ہمیشہ بلند مقام حاصل رہا ہے !!

نیم سرکاری اداروں کا رویّہ بھی منصفانہ اور رواداری کا رہا ہے۔

شہر بمبئی کی آبادی اب ساٹھ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ گویا ملک کی پوری آبادی کا ایک فی صدی حصہ اس شہر میں بستا ہے اور ہر ایک سو ہندوستانیوں میں ایک عدد کی مستقل سکونت بمبئی میں ہے۔ پھر اس شہر کی آبادی اور اس کے رہن سہن کے طریقوں میں جو دلفریب تنوع پایا جاتا ہے اس نے اس حسین شہر کے حُسن کو اور دوبالا کر دیا ہے۔ ہندوستان کا کوئی خطہ اور کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے جس کے باشندے اپنے علاقے سے ہجرت کر کے مستقل سکونت کے لئے بمبئی نہ آئے ہوں اور ملک کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس کے بولنے والے کم یا زیادہ تعداد میں اس شہر میں نہ پائے جاتے ہوں۔ اسی لئے بجا طور پر شہر بمبئی کو ایک چھوٹا سا ہندوستان بھی کہا جاتا ہے۔

بمبئی کے شہری نظام کی کفیل بمبئی میونسپل کارپوریشن ہے اور اس کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ اس نے اپنی آبادی کے ہر زبان بولنے والے بچوں کے لئے ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم دلانے کا انتظام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر میں مراٹھی، گجراتی، اردو اور ہندی کے ابتدائی مدارس کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند کی چاروں زبانوں یعنی کنڑ، تیلگو، تامل اور ملیالم کے ابتدائی میونسپل مدارس بھی موجود ہیں۔ پھر جن ہندوستانیوں نے انگریزی کو اپنی مادری زبان قرار دیا ہے ان کی سہولت کے لئے انگریزی کے ابتدائی مدارس بھی ہیں۔ اس بات کا علم شاید بہت کم لوگوں کو ہوگا کہ جس زمانے میں شہر بمبئی میں چینی زبان بولنے والے خاصی تعداد میں آباد تھے تو ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے میونسپل کارپوریشن کی طرف سے ان کے علاقے میں چینی زبان کا ایک ابتدائی اسکول بھی قائم تھا۔

بمبئی میونسپل کارپوریشن کی یہ اور اس جیسی اور قدیم روایات اس شہر کو بابائے بمبئی سر فیروز شاہ مہتہ اور ان کے رفقاء نانا شنکر سیٹھ، کے۔ ٹی۔ تیلنگ اور جسٹس بدرالدین طیب جی جیسے بزرگوں سے ورثے میں ملی ہیں اور انہی روایات کا یہ اثر ہے کہ بعض اوقات کوئی غلط قدم اُٹھ جانے پر بھی اس شہر کو اپنی شاندار قدیم روایات یاد آجاتی ہیں اور بالآخر ان روایات کا احترام کیا جاتا ہے

پھر تاریخی طور پر بھی یعنی اُنیسویں اور بیسویں صدی کی اس شہر کی تاریخ جس میں موجودہ صدی کے نصف اوّل کا تحریکِ آزادیٔ وطن کا زمانہ بھی شامل ہے، بمبئی کی کچھ خصوصیات اُبھر آئی ہیں۔ تحریکِ آزادیٔ وطن میں یہ شہر ملک کے اور مقامات کے مقابلے میں پیش پیش رہا اور اس بات نے بھی اسے پورے ملک میں اوّلیت کا درجہ بخشا۔ یہ درجہ محض اس شہر کے تموّل اور صنعتی اور تجارتی مرکز ہونے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ بمبئی کا وہ طرزِ زندگی اور ہندوستان کی ملی جلی اور مخلوط تہذیب کا دلکش مظاہرہ جو اس شہر میں ہوتا ہے اور جسے کاسما پالیٹن یا وسیع تر شہری زندگی کہا جاتا ہے، اسی پر اس شہر کی عظمت کی بنیاد ہے۔ اس حقیقت کا سنہ۶۰ء میں اس دور کے وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے اسی شہر میں شیواجی پارک پر ایک عظیم الشان مجمع کو خطاب کرتے ہوئے اعتراف کیا تھا جب انھوں نے کہا تھا کہ دہلی ہمارے ملک کا سیاسی دارالحکومت ضرور ہے مگر ملک کی صنعتی اور تجارتی راجدھانی شہر بمبئی ہے۔

بمبئی کی اِنہی خصوصیات اور عملی کارناموں کا یہ بھی نتیجہ تھا کہ تحریکِ آزادی کے دور میں یہ مقولہ زبان زدِ خاص و عام ہوگیا تھا کہ "بمبئی جو کام آج کرتا ہے وہی کام کل کو پورا ملک کرنے لگتا ہے۔" بمبئی کی وہ روایات اس شہر کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہیں اور ان کی حفاظت اس شہر والوں کا فرضِ اوّلین۔ اچھی، صالح، صاف ستھری اور مفید روایات اگر بمبئی سے چل کر ان کی پورے ملک میں تقلید ہونے لگے تو یہ نہ صرف اس شہر کے لیے، بلکہ پورے ہندوستان کے لئے فخر و مسرت کی بات ہو سکتی ہے۔ مگر اس بات کا بھی اعتراف ضروری ہے کہ جب کسی زوال پذیر دور میں اچھی قدیم اقدار کی بے قدری ہونے لگتی ہے اور زود نتیجہ اور چمکیلی مگر درحقیقت غلط اور تباہ کن رسوم و اقدار عام ہونے لگتی ہیں تو ان کی ابتدا بھی بدقسمتی سے بڑے شہروں ہی سے ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے بمبئی کی ادھر کے برسوں کی تاریخ بعض ایسی غلط روایات سے بھی خالی نہیں ہے جس کا ہر حساس شہری کو افسوس ہونا چاہیئے۔

اس بات پر سبھی کو اتفاق کرنا ہوگا کہ صالح اور نفع بخش اقدار کا قائم رکھنا سبھی کا فرض ہے اور اسی کے ساتھ غلط اور مضرت رساں روایات سے خواہ وہ کتنی ہی جاذبِ نظر ہوں بچنا بھی سب کے لئے ضروری ہے اور ملک کے موجودہ بحرانی دور میں اس نکتے کو سمجھنے اور گرہ میں باندھ لینے کی ضرورت شدید ہے۔ لوک راجیہ کا اُردو ایڈیشن مہاراشٹر کے صوبے کی انصاف و رواداری کی روایات کو اور شہر بمبئی کی وسیع شہریت کی اقدار کو بڑھاوا دینے میں مدد دے سکتا ہے اور اسی لئے اس کا خیر مقدم ضروری ہو جاتا ہے۔

خدا کرے یہ توقعات پوری ہوں۔

آپ کی رائے

"قومی راج" کا یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ اپنی قیمتی رائے اور مشوروں سے ہمیں ضرور نوازیں۔ قومی راج آپ کا اپنا رسالہ ہے!

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

غزل

سورج کی یہ کرنیں، جو منڈیروں پہ کھڑی ہیں
اَجسام کے نمکین پسینوں سے اَٹی ہیں،

یہ کوچہ و بازار یہ اشخاص وہی ہیں
لیکن میری نظریں ہیں کہ چہروں پہ ٹنکی ہیں،

"بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مرے آگے"
یہ کام کی باتیں میاں غالب نے کہی ہیں،

یہ خواب کی دہلیز پہ بیٹھی ہوئی آنکھیں
کیا جانئے کیا آخرِ شب سوچ رہی ہیں،

ہمراہ زمانہ، کبھی گذری تھیں جو شامیں
صحرائے اذیّت میں مجھے چھوڑ گئی ہیں،

اک عمر کے بعد آج مرے چہرے کی شکنیں
مفہوم و معانی سے ہم آغوش ہوئی ہیں،

ادریس نمائش نہ کرو داغِ جگر کی
جلتی ہوئی شمعوں کی لویں ہانپ رہی ہیں

ادریس یوسفی

ایک خلش جس کا تدارک ضروری ہے

ایک بات جو اپنے اور بیگانے دونوں کے دلوں میں کم و بیش کھٹکتی ہے، یہ ہے کہ اسلامی تعلیم میں غیر مسلموں، غیر مذہبوں اور ان کے پیشواؤں کو کیا مقام حاصل ہے اور مسلمان اُن سے ملکی، قومی، سماجی اور نجی زندگی میں کس حد تک اشتراکِ عمل کر سکتے ہیں۔ اس خلش کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہندوستان اور مسلمانوں کے تعلقات کی تاریخ جو عام طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ غزنی اور غوری کے حملوں سے شروع ہوتی ہے اور کچھ ایسے انداز میں شروع ہوتی ہے کہ نہ حملوں کی وجہ سمجھ میں آتی ہے، نہ ہار کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ بس پڑھنے والے پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ ایک فریق بہادر اور لٹیرا تھا، دوسرا دولتمند اور بزدل۔ یہ اثر ایک زہر کی طرح پھیلتا رہتا ہے اور آگے چلکر فرقہ وارانہ منافرت کا خطرناک مرض بن جاتا ہے۔

دوسری وجہ صحیح تعلیمات اسلام سے عام ناواقفیت ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ اسلام والے تلوار لے کر نکلے اور مارتے کاٹتے یہاں تک گھس آئے۔ مؤرخین اور محققین حقیقت سے واقف ہیں مگر انکے علم و دانش سے کتنوں کو فیض پہنچتا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ دانشوروں کے ہاتھوں اجتماعی سطح پر ایک مہم چلائی جائے اور یہ منافرت جو صدیوں سے غلط اثرات کے نتیجہ میں دلوں میں بیٹھتی آئی ہے، دور ہو۔ جب تک یہ کوشش نہیں ہوتی صحیح معنوں میں میل جول اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی مشکل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں باہمی ضرورت اور منفعت کے خیال سے لوگ گھلے ملے رہیں اسلئے کہ زندگی کے تقاضے اتنے زور آور ہوتے ہیں کہ بڑی سے بڑی محبت اور بڑی سے بڑی نفرت کو بھی آن کی آن میں دور کر سکتے ہیں۔

صوفیائے کرام نے مختلف مذاہب اور عقائد میں میل جول بڑھانے میں بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں مگر افسوس ہے کہ چراغ سے چراغ جلانے کا یہ سلسلہ زیادہ دن نہ چل سکا اور تصوف خود ہی نااہلوں کے ہاتھوں بدنام ہوگیا۔

اس وقت ہم انھیں برگزیدہ ہستیوں میں سے جن کی ہمت اور صداقت نے فسق و فجور کی آندھیوں میں بھی ایمان کے چراغ روشن رکھے، مرزا مظہر جان جاناں کا ذکر کریں گے اور دیکھیں گے کہ اٹھارہویں صدی کے اس صوفی، عالم، شاعر اور ہادی نے کفر و اسلام کے مسئلہ پر کیا اظہار خیال

فرحت اللہ انصاری

فرمایا ہے۔ ایک عقیدتمند کے اس سوال کے جواب میں کہ فتویٰ کفر کن لوگوں پر عائد ہو سکتا ہے، مرزا نے اپنے جوابی مکتوب میں جو کچھ کہا ہے وہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

"تم نے پوچھا تھا کہ کفار ہند بھی مشرکین عرب کی طرح بے اصل دین رکھتے ہیں یا اس دین کی کوئی اصل تھی، جو بعد میں منسوخ ہوگئی اور انکے (کفارِ ہند کے) پیشرؤں کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہئے؟ مختصر الفاظ میں تحقیق اور انصاف کیساتھ لکھا جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ اہلِ ہند کی پرانی کتابوں سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی پیدائش کے آغاز میں رحمتِ الٰہی نے ان کی دنیا اور عاقبت کی اصلاح کے لئے "وید" نامی ایک کتاب برہما نامی ایک فرشتہ (جو دنیا کی ایجاد کا وسیلہ اور آلہ ہے) کے ذریعہ بھیجی تھی۔ یہ کتاب چار دفتر رکھتی ہے اور احکام امر و نہی اور ماضی و مستقبل کی خبروں پر مشتمل ہے۔ ان کے مجتہدوں نے اس کتاب سے چھ مذاہب نکالے ہیں۔ اور اصولِ عقائد کی بنیاد اس پر رکھی ہے۔ اس فن کو دھرم شاستر کہتے ہیں۔ یعنی فنِ ایمانیات جسے ہم علم کلام کہتے ہیں۔ نوعِ انسان کو چار فرقوں پر تقسیم کیا ہے اور اس کتاب سے چار مسلک نکالے ہیں۔ ہر فرقہ کے لئے ایک مسلک مقرر کیا ہے، اور فروعِ اعمال کی بنیاد اس پر رکھی ہے۔ اس فن کا نام کرم شاستر ہے یعنی فنِ عملیات جسے ہم علم فقہ کہتے ہیں۔ چونکہ وہ لوگ فسخ احکام سے انکار کرتے ہیں اور ہر دور اور زمانہ کے اہلِ دانش کی طبیعتوں کے مطابق تبدیلی لازمی ہے۔ دنیا کی طویل عمر کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصے کا نام "جگ" رکھا ہے اور ہر جگ کے لئے چاروں دفتروں سے طورِ عمل اخذ کیا ہے اور جو کچھ ان کے متاخرین نے تصرفات کئے ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں اور ان کے تمام فرقے خداوند تعالیٰ کی توحید پر متفق ہیں اور دنیا کو حادث و مخلوق جانتے ہیں۔ دنیا کے فنا ہونے، حشر جسمانی اور جزائے اعمالِ نیک و بد پر یقین رکھتے ہیں اور ان لوگوں کو علومِ عقلی و نقلی، ریاضات، مجاہدات، تحقیقِ معارف اور مکاشفات پر یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ اور ان کے کتاب خانے آج تک موجود ہیں۔ ان لوگوں میں بُت پرستی کی رسم الوہیت میں شرک کی وجہ سے

نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت دوسری ہے۔ ان کے دانشمندوں نے انسانی زندگی کو چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے، جنہیں اس طرح گذارتے ہیں۔ پہلے حصّہ میں علوم و آدابِ تحصیل، دوسرے میں تحصیلِ معاش اور اولاد، تیسرے حصّہ میں تصحیحِ اعمال اور اصلاحِ نفس، اور چوتھا حصّہ ترک و تجرید کی مشق میں جو انسان کے کمال کی انتہا ہے۔ نجاتِ کبریٰ کہ جسے مہامکت کہتے ہیں، اِسی پر موقوف ہے۔ اس دین کے قواعد و ضوابط میں مکمل نظم و نسق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ مرتب دین تھا اور اب منسوخ ہوگیا۔ اور شرع میں منسوخ شدہ مذاہب میں سوائے یہود و نصاریٰ کے دین کے اور کسی کا ذکر نہیں، حالانکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے مذاہب منسوخ ہوئے اور بہت سے پیدا ہوئے اور ختم بھی۔ جاننا چاہئے کہ آیۂ کریمہ کے مطابق "وان من امۃ الاخلا فیھا نذیر ولکل امۃ رسول" (کوئی امّت ایسی نہیں ہے کہ جس میں رسول نہیں بھیجا گیا ہو) اور دوسری آیۃ کے مطابق ممالکِ ہند میں بھی انبیاء اور رسول بھیجے گئے ہیں اور جن کے احوال ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور جو کچھ اُن کے آثار باقی ہیں ان سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے وہ کمال و تکمیل کے مرتبے تک پہنچ گئے تھے۔ اور رحمتِ عامہ نے اس وسیع مملکت کے انسانی معاملات کو فراموش نہیں کیا تھا۔ مشہور ہے کہ خاتم الرّسل صلی اللہ علیہ وسلّم کے تشریف لانے سے پہلے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے گئے تھے اور پوری قوم پر اپنے پیغمبر کی اطاعت اور فرمانبرداری واجب تھی نہ کہ دوسرے قوم کے پیغمبر کی۔ ہمارے پیغمبر کے ظہور کے بعد (جو تمام انسانوں کے لئے بھیجے گئے ہیں اور خاتم المرسلین ہیں اور جن کا مذہب تمام شرقی و غربی مذاہب کو ختم کر دینے والا ہے) جب تک دنیا باقی ہے کسی کو ان کی نافرمانی کی مجال نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے آجتک کہ ایک ہزار ایک سو اسّی سال گزرے جو کوئی ان کا معتقد نہ ہوا کافر ہے۔ لیکن اگلے لوگ (یعنی ظہورِ اسلام سے قبل کے لوگ) نہیں، اور چونکہ مذہب اس آیۂ کریمہ کے مطابق ان میں سے کہ جن کے ہم نے قصّے بیان کئے اور ان میں سے کہ جن کے ہم نے قصے بیان نہیں کئے بہت سے انبیاء کے احوال کے بیان میں خاموش ہے، اس لئے ان کی شان میں خاموش رہنا ہی سب سے بہتر ہے۔ نہ تو ہمیں انکی پیروی کرنے والوں کے کفر و ہلاک کا یقین لازم ہے اور نہ ان کی نجات پر یقین کرنا چاہئے۔ اس معاملے میں حُسنِ ظن ضروری ہے بشرطیکہ تعصب درمیان نہ ہو اور اہلِ فارس کے حق میں بلکہ ہر ملک والوں کے حق میں جو آنحضرتؐ کی آمد سے قبل گزرے ہیں اور شریعت کی زبان جن کے بارے میں خاموش ہے۔ یہی عقیدہ رکھنا اچھا ہے۔ اور بغیر کسی قطعی دلیل کے کسی کو کافر کہنا آسان نہیں سمجھنا چاہئے اور ان لوگوں کی بُت پرستی کی حقیقت یہ ہے کہ بعض فرشتے جو اللہ کے حکم سے اس عالمِ کون و فساد میں تصرّف رکھتے ہیں یا بعض کاملوں کی روحیں جن کا جسموں سے ترکِ تعلق کے بعد بھی اس کائنات میں تصرف باقی ہے، یا بعض ایسے زندہ لوگ جو ان لوگوں کے خیال میں حضرتِ خضر کی طرح زندہ جاوید ہیں، اُن کے بُت بنا کر اُن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس توجہ کے سبب سے کچھ مدّت کے بعد صاحبِ صورت سے ربط پیدا کر لیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر دنیا اور عاقبت کے تعلق سے اپنی احتیاجوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور یہ عمل ذکرِ رابطہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو مسلمان صوفیوں کا طریقہ ہے کہ اپنے پیر کی صورت کا تصوّر کرتے ہیں اور اس سے فیض اٹھاتے ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ (مسلمان) پیر کا بُت نہیں تراشتے لیکن یہ بات کفّارِ عرب کے عقیدے سے مناسبت نہیں رکھتی کیونکہ وہ تو بُتوں کو اپنی ذات سے مؤثر اور متصرّف کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے تصرّف کا آلہ نہیں سمجھتے تھے اور ان کو زمین کا خدا جانتے تھے اور خدا کو آسمان کا۔ یہ الوہیت میں شرک ہے۔ ان کا (کفارِ ہند کا) سجدہ کرنا سجدۂ تہنیت ہے، سجدۂ عبودیت نہیں۔ جو ان لوگوں کے مذہب میں ماں، باپ، پیر اور اُستاد وغیرہ کو بھی سلام کی جگہ کرتے ہیں اور ڈنڈوت کہتے ہیں اور تناسخ پر اعتقاد رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا۔

والسلام"

صوفیائے کرام نے مختلف مذاہب اور عقائد میں میل جول بڑھانے میں بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں مگر افسوس کہ چراغ سے چراغ جلانے کا یہ سلسلہ زیادہ دن نہ چل سکا!

وقت کے ساتھ جو اپنے کو بدلتے ہی نہیں
جیسے وہ لوگ کبھی گھر سے نکلتے ہی نہیں

ایسی راہوں میں جہاں لاکھ سہارے تھے ہمیں
ٹھوکریں ایسی لگی ہیں کہ سنبھلتے ہی نہیں

میری پلکوں پہ ہیں سورج کی شعاعیں لیکن
خواب کچھ ایسے جمے ہیں کہ پگھلتے ہی نہیں

روشنی بانٹ رہا ہے کوئی انجم لیکن
کچھ دیئے ایسے ہیں محفل میں کہ جلتے ہی نہیں

چلو قبول اندھیرا نظر نہیں آتا
مگر کہیں بھی اُجالا نظر نہیں آتا

تمام شہر نقابیں لگائے پھرتا ہے
یہاں کسی کا بھی چہرہ نظر نہیں آتا

کہاں قیام کرے میری آبلہ پائی
کچھ ایسی دھوپ ہے سایا نظر نہیں آتا

ذرا قریب سے دیکھو بہت اکیلا ہے
وہ آدمی جو اکیلا نظر نہیں آتا

خواجہ احمد عباس

جواہر اور اندرا

جواہرلال اور اندرا گاندھی ۔
باپ اور بیٹی ۔
اُستاد اور شاگرد ۔
اِن دونوں میں قدرتی طور پر کئی خوبیاں ——— اور کمزوریاں ——— مشترک ہیں۔
جواہرلال آزاد ہندوستان کے پہلے وزیرِاعظم تھے ۔
اندرا گاندھی تاریخ وار ہندوستان کی تیسری وزیرِاعظم ہیں۔
اس سے پہلے دنیا کے کسی بھی جمہوری ملک میں یہ نہیں ہوا کہ ایک بیٹی (یا بیٹا) اپنے باپ کی جگہ پر اپنے ملک کا صدر یا وزیرِاعظم ہوا ہو۔
کچھ لوگ یہ کہتے بھی سُنائی دیتے ہیں کہ اندرا گاندھی نے ثابت کردیا ہے کہ وزیرِاعظم کی حیثیت سے وہ اپنے باپ سے زیادہ کامیاب ہیں۔
کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اندرا جواہرلال سے زیادہ قابل حکمراں ہیں؟
کیا وہ جواہرلال نہرو سے زیادہ ہوشیار اور دوراندیش سیاستداں نہیں ہیں ؟
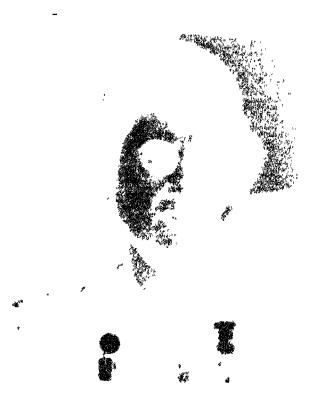
کیا اندرا نے کانگریس میں اور اپنی حکومت میں سے اُن لوگوں کو نہیں نکال پھینکا جو عمر بھر جواہرلال نہرو کی گردن پر سوار رہے؟

کیا یہ کمال نہیں ہے کہ اندرا گاندھی —— ایک عورت —— نے پاکستان کے خلاف چودہ دن کی جنگ قطعی طور سے جیتی جب کہ نہرو کے عہدِ حکومت یعنی ۱۹۶۲ء میں ہندوستان چین کی فوجوں سے ہار گیا اور ۱۹۶۶ء میں لال بہادر شاستری پاکستان سے قطعی طور پر نہیں جیت سکے اور انھیں تاشقند عہدنامہ پر دستخط کرکے سمجھوتا کرنا پڑا؟

اندرا گاندھی اور جواہرلال نہرو کی سیاست کا مقابلہ اکثر کیا جاتا ہے لیکن اکثر اس کا مقصد اندرا کی برتری دکھانا نہیں ہے بلکہ (اسطرح) جواہرلال نہرو کی ذات کو نیچا دکھانا مقصود ہوتا ہے۔

دہلی کے ایک سیاستداں نے انگریز ادیب آبرے مینن سے کہا کہ "اندرا اپنے باپ سے دس گنا بہتر سیاستداں ہیں۔"

لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ "اندرا سردار ولبھ بھائی پٹیل سے زیادہ بہتر منتظم ہیں؟" یا اندرا گاندھی راج گوپال اچاریہ سے زیادہ ہوشیار اور مدبر سیاست داں ہیں؟"

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو اندرا گاندھی کی جرات مندانہ سیاست سے نقصان پہنچا ہے۔ جن کی کرسیاں چھن گئی ہیں —— اور وہ ریاکارانہ طریقے سے اندرا گاندھی کی تعریف ایسے الفاظ میں کرتے ہیں جو دراصل پھپھولے پھوڑنے کے مترادف ہے۔ مثلاً ایک صاحب کہتے ہیں — "نہرو کو نہ لوگوں کو رکھنا آتا تھا نہ نکالنا۔ نہرو کو اپنی غلطیوں کی تلافی کرنا نہیں آتا تھا۔ اندرا گاندھی کو آتا ہے۔ جب اندرا کو کسی کا کام پسند نہیں آتا تو اُسے نکال باہر کردیتی ہے۔"

بہت سے قابل اور دانشمند سیاسی مفکر، عالم، اخبار نویس بھی جواہرلال نہرو اور اندرا گاندھی کی شخصیتوں اور اُن کی سیاسی انداز عمل کا مطالعہ اور مقابلہ کررہے ہیں۔ ان سب باتوں سے جواہرلال نہرو کی روح خوش اور محظوظ ہوتی ہوگی۔ اگر اُس کے مقابلے میں اُس کے چیلے (یا چیلی) کی تعریف کی جائے تو دراصل وہ گرو کی تعریف ہی ہوتی ہے اور جواہرلال اندرا گاندھی کے نہ صرف باپ تھے بلکہ اُستاد بھی تھے، سیاسی لیڈر بھی تھے —— اور یہ سب ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی بیٹی کے دوست بھی تھے۔

دراصل دیکھا جائے تو جو جواہرلال کا انداز فکر و عمل تھا وہی اندرا گاندھی کا ہے۔ صرف اُن دونوں کے ذاتی اور امتیازی طرزِ عمل کا فرق ضرور ہے۔ کام اندرا بھی وہی کررہی ہیں جو جواہرلال نے کیا۔ لیکن کرنے کے ڈھنگ

کسی قدر الگ الگ ہیں۔
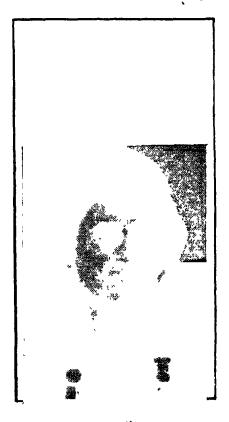
نہرو کی دوربین نگاہ ماضی کی تابناکیوں سے لے کر مستقبل کے امکانات تک جاتی تھی۔ اندرا گاندھی کے لئے حال کے مسئلے ہی بہت ہیں۔

نہرو کو بھی ایسے ساتھی ملے تھے جو پیٹھ کے پیچھے اُس کے ترقی پسندانہ نظریوں کو بُرا کہتے تھے لیکن نہرو کے سامنے مخالفت کرنے کی اُن کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اس لئے وہ بظاہر نہرو سے اتفاق کرتے ہوئے بھی چوری چھپے اُسکے ترقی پسندانہ نظریوں کی کاٹ کرتے تھے۔ اندرا گاندھی کو تو ایسے لوگوں کی ایک پوری فوج سے مقابلہ کرنا پڑا ہے اور کیونکہ وہ اچھے تیار ہو کر اُتر آئے تھے، اندرا کو اُن کا مقابلہ بےجگری —— اور شاید بےرحمی — سے کرنا پڑا۔

اُن دونوں کی شخصیتیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں تھیں — معاون تھیں۔ ایکدوسرے کو — اور ایک دوسرے کے کام کو — مکمل کرتی تھیں۔

جواہرلال کا دماغ کارل مارکس سے متاثر تھا اور اُن کا دل مہاتما گاندھی کے ساتھ تھا۔ اس سے اُن کی طبیعت میں — اور اُن کے عمل میں — اکثر جگہ تضاد پایا جاتا ہے۔ لیکن اندرا گاندھی کی شخصیت میں ایسا کوئی تضاد نہیں ہے۔ وہ اس نسل سے تعلق رکھتی ہیں جن کے لئے مارکس اور گاندھی دونوں عزت کے قابل ہیں اور دونوں عقیدے موجودہ زمانے کی اُلجھنوں میں غیر متعلق ہوگئے ہیں۔

جواہرلال ایک مہذب اور شائستہ شریف آدمی یا "جنٹلمین" تھے جن کو کتنے ہی ریاکار، بدمعاش اور چھوٹے دل و دماغ کے لوگ گھیرے ہوئے تھے۔ اندرا گاندھی ایک بڑے جگرے والی عورت ہے جس کے ارد گرد بھی

کتنے ہی خوشامدی اور موقع پرست جمع ہیں لیکن جب اُن کی ضرورت نہ رہے گی تو وہ اُنکو نکال باہر کرے گی۔

جواہرلال اتنے ذہین تھے کہ کسی نظریئے پر سختی سے اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ وہ متشکک تھے۔ فلسفیانہ اعتبار سے وہ ہر بات کے دونوں پہلوؤں کو دیکھتے تھے۔ اندرا گاندھی ایک باہمت عمل پسند ہے جس کو اِن ذہنی اور اخلاقی شکوک وشبہات سے کوئی کام نہیں۔

جواہرلال نازک مزاج تھے، نفاست پسند تھے، با اخلاق تھے، پُرتکلف تھے ــ غرضکہ اُن میں تمام نسوانی خوبیاں تھیں۔ اُن کے مقابلے میں اندرا گاندھی میں عملیت ہے، عزم ہے، جرائت ہے اور ارادے کی مضبوطی ہے غرض یہ کہ سب مردانہ خوبیاں اُن میں موجود ہیں۔

جواہرلال نہرو ایک مفکر تھے، مورخ تھے اور موجودہ ہندوستان کی تاریخ کی تشکیل کرنے میں اُن کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ ہندوستان کے ایک اِنقلابی لمحے کی پیداوار تھے اور اس انقلابی لمحے کو خود اُن کی نظر، اُن کی فکر، ان کے فلسفۂ عمل نے پیدا کیا تھا۔

اِندرا کی شخصیت اتنی تاریخی اور انقلابی نہیں ہے۔

اگر نہرو موجد تھے تو اندرا اُن کی ایجاد کو عملی شکل دے رہی ہیں۔ اگر وہ فنِ تعمیر کے ماہر تھے جنھوں نے نئے ہندوستان کا نقشہ بنایا تھا تو اندرا گاندھی وہ انجنیئر ہیں جو اس نقشے کی بنیاد پر نئے ہندوستان کی عمارت بنا رہی ہیں۔

مگر جواہرلال اور اندرا گاندھی کا فرق دراصل جواہرلال کے زمانے کا اور آجکل کے ہندوستان کا فرق ہے۔ دس برس میں ہندوستانیوں کا مزاج اور اُن کے مسائل کی نوعیت کافی حد تک بدل گئی ہے۔ وہی تبدیلی آج اندرا کی شخصیت میں دکھائی دیتی ہے

جواہرلال کے ہندوستان کو انقلاب کی ضرورت تھی جو صدیوں کے منجمد سماج کو ڈائنامائٹ کی طرح سے اُڑا دے۔ اُن کو سوتے ہوئے لوگوں کو جگانا تھا، آزاد کرانا تھا ــ نہ صرف انگریزوں کی غلامی سے بلکہ صدیوں پرانی غلامانہ ذہنیت سے۔ اندرا گاندھی کو ہندوستان کو مستحکم کرنا ہے، متحد کرنا ہے تاکہ مختلف فرقوں اور صوبوں میں ٹکراؤ ہوکر ملک کے ریزے ریزے نہ ہوجائیں۔ ہر ملک کا ہر دور وہ لیڈر پیدا کرتا ہے جن کی اُس ملک کو اس دور میں ضرورت ہوتی ہے۔ کل ہمیں گاندھی جی اور جواہرلال کی ضرورت تھی۔ آج اندرا گاندھی کی ضرورت ہے وقت اور تاریخ نہ صرف عوام کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں بلکہ وہ لیڈر پیدا کرتے ہیں جس کے عوام اور اُن کا مشترکہ شعور مستحق ہوتے ہیں۔

جواہرلال نہرو اور اندرا گاندھی ــــ ایک وہ جس نے سوشلسٹ ہندوستان کا خواب دیکھا اور ایک جو اُس سپنے کو سچا بنانے میں لگی ہوئی ہے ــــ کیا ان دونوں کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے؟

بقیہ افسر اور ماتحت کا رشتہ

مرزا نے ایک آدھ بار چھٹی لی بھی تھی لیکن اس وقت انھیں اتنی مصیبتیں اٹھانی پڑیں کہ انھوں نے چھٹی لینے سے توبہ ہی کرلی۔ بات یہ ہوئی کہ انھیں نیند ہی نہ آئے۔ بیکاری میں دن لمبا اور رات کٹھن لگنے لگے۔ نیند کی گولیوں نے بھی کچھ کام نہ کیا۔ بالآخر انھیں ترکیب سوجھی، انھوں نے گھر پر اسی قسم کی میز لگائی کہ جیسے دفتر میں تھی۔ اس پر کچھ اُلٹی پلٹی فائلیں سجائیں۔ قلم دوات، پن کُشن، میز کی جنتری، ٹوٹے پھوٹے پنسل کاغذ کے پلندے، چائے کی جھوٹی پیالی، سگریٹ کے جلے ہوئے ٹکڑے بکھیر دئے، اور جیسے ہی کرسی پر بیٹھے انھیں جماہیاں آنے لگیں اور کچھ ہی دیر میں میز پر سر رکھ کر سوگئے صحیح ماحول جو بن گیا تھا۔

افسر اور ماتحت کے نئے رشتے کا تانا بانا کچھ اسطرح پر بنا ہے کہ کبھی افسر زبردست نظر آتا ہے اور کبھی ماتحت لغوی ومعنوی اعتبار سے افسر کے تحت ہوتا ہے۔ جب ماتحت کا پلّہ بھاری ہوتا ہے تو وہ افسر کی کمزوریوں کی وجہ سے اس پر چھا جاتا ہے۔ افسری افسری دھری رہ جاتی ہے۔

دونوں کو اپنے اپنے رشتے بڑی احتیاط سے دانشمندی سے نباہنے ہوتے ہیں، اسلئے کہ یہ رشتے بہرحال قدرتی رشتوں سے زیادہ نازک ہوتے ہیں۔ ان کے استحکام کیلئے پارکنسن نے ایک نظریہ پیش کیا جو صحیح ثابت ہوچکا ہے کہ ہر افسر اپنے مفوضہ فرائض کی انجام دہی کیلئے اپنی ساری توانائیاں اس بات پر صرف کرتا ہے کہ اپنے تحت زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کرے۔ اگر وہ ایک شریک کار یعنی شریک معتمد یا شریک ناظم کی جگہ قائم کرتا ہے تو دو نائب اور ان دو نائبوں کے چار مددگار پھر ان کے منتظم ہیڈ کلرک، کارکن، دفتری حوالدار، چپراسی، غرضکہ یہ رشتے اسی طرح پھلتے پھولتے رہتے ہیں۔ ●●

مہرباں ہی بنے نامہرباں ایسا بھی ہوتا ہے
بدل جائے مزاجِ دوستاں ایسا بھی ہوتا ہے

جلائے خود نشیمن باغباں ایسا بھی ہوتا ہے
دکھاوے کو کرے آہ و فغاں ایسا بھی ہوتا ہے

ہوا رہزن کا رہبر رازداں ایسا بھی ہوتا ہے
سرِ منزل لُٹا ہے کارواں ایسا بھی ہوتا ہے

بھڑک اُٹھے ہیں شعلے گلستاں میں آتشِ گل سے
ہوئیں بدنام لیکن بجلیاں ایسا بھی ہوتا ہے

وہی جابر جو ہر دستِ طلب کو کاٹ لیتے ہیں
وہی چلّاتے ہیں اب اَلاماں ایسا بھی ہوتا ہے

سراپا آرزو ہیں ہمصفیرانِ قفس، لیکن
بہاریں ہیں بہ اندازِ خزاں ایسا بھی ہوتا ہے

وفا کا نام لینے پر سزائے موت ملتی ہے
یہ کوئے یار ہے ناداں یہاں ایسا بھی ہوتا ہے

وہ مجرم جنکو تھا اہلِ خرد کا آسرا ہر دم
اُڑائی ہیں اُنہی کی دھجیاں ایسا بھی ہوتا ہے

جنھیں میری زباں دانی سے شکوہ تھا شفقؔ صاحب
پسند آئی انھیں بھی یہ زباں ایسا بھی ہوتا ہے"

چندر موہن شفقؔ

بات ایک پرانی سی

نئے زمانے میں یوں تو سب ہی باتیں اچھی نظر آتی ہیں لیکن آجکل جو آزادی لڑکی لڑکوں نے حاصل کرلی ہے اُس نے پہلے زمانے کی بہت سی دلچسپ خبروں اور وارداتوں سے ہمیں محروم کردیا ہے۔ کتنا اچھا اور کیسا مزیدار تھا میرے بچپن کا علی گڑھ — جب لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے اسطرح الگ الگ رکھے جاتے تھے جیسے آجکل کے ہسپتالوں میں چھوت کے مریض رکھے جاتے ہیں — لڑکیاں تو خیر لڑکوں کے نام ہی سے شرمایا کرتی تھیں اور لڑکے بچارے بھی صرف سیاہ بُرقعوں سے یا تانگے پہ باندھے گئے پردوں سے عشق کیا کرتے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے تھے۔ سال بھر میں لے دے کے بس ایک نمائش کا زمانہ ایسا آتا تھا جب دس دن کے لئے جنگل میں منگل کا مزہ آجاتا تھا۔ علیگڈھ کی نمائش کا علیگڈھ والوں کو جیسا انتظار رہتا تھا اس کی مثال آج کے زمانے میں مشکل سے ملے گی۔ یونیورسٹی کے درو دیوار کو نمائش ایک بھونچال کی طرح ہلا دیتی تھی۔ دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی نمائشیں اور میلے لگتے ہیں، لیکن ہمارے بچپن کی اُس نمائش کی دھوم دھام اور چہل پہل اب کہیں نظر نہیں آتی، اسلئے کہ اب سائنس اور ٹیکنالوجی کے ترقی یافتہ دور میں محبوب اور فاصلے کی دوری کا مسئلہ باقی نہیں رہ گیا ہے، اب تو پلک جھپکنے سے پہلے آپ کا عشق اور محبوب دونوں ہی کئی دوسری منزلیں طے کرلیتے ہیں، آجکل کا عشق بہت خوشگوار ماحول میں سانس لیتا ہے اور آج کے عشق کو نہ واعظ کا ڈر ہے نہ والدین کا، نہ اُس کے راستے میں محتسب آتا ہے اور نہ "ظالم سماج" کی "گہری خلیج" حائل ہوتی ہے، "ظالم سماج" بچارے کی تو آجکل کے لڑکی لڑکوں نے وہ گت بنائی ہے کہ ظالم تو درکنار سماج تک کی دھجیاں بکھر گئی ہیں — لیکن میں آپ کو جو واقعہ سنانے والی ہوں اُس کا تعلق اسی زمانے سے ہے جب "ظالم سماج" بہت اکڑتا پھرتا تھا اور بچارے لڑکی لڑکوں کی زندگی اُس نے اجیرن کر رکھی تھی! اُسوقت یونیورسٹی کے احاطے

میں صرف ایک سینما ہاؤس تھا جس میں فلموں سے زیادہ " زندہ ناچ گانے " کا پروگرام ہوتا رہتا تھا۔ ایک بار ایک ایسے ہی " کلچرل شو " کے موقعہ پر مجھے بھی گھر کی خواتین اپنے ساتھ لیتی گئیں۔ لیکن جب پروگرام شروع ہوا تو کچھ دیر تک لڑکی یعنی ڈانسر اپنے سر پہ ایک گاگر لے کے ناچتی رہی اُس وقت تک تو خیر ہمیں بھی اجازت تھی پردۂ سیمیں کی طرف دیکھنے کی۔ مرد ڈانسر ایک کارڈ بورڈ کے درخت کی آڑ سے ایک گھاس کاٹنے والی تلوار لے کے ایک گھوڑے کی پُشت پہ سوار سامنے آیا تو ناظرینِ باتمکین نے تالیوں سے پورا ہال سر پہ اُٹھالیا، گو سچ پوچھیئے تو اُس ہال میں سر پہ اُٹھانے کیلئے اپنے اپنے سر کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا کیونکہ وہ ایک ایسا ہال تھا " چھت جسکی آسماں تھا " ٹین کی چھت میں بڑی بڑی سی دراڑیں تھیں یعنی ہوا، پانی اور روشنی کا خاطرخواہ انتظام تھا۔ جس وقت وہ ویر سورما پینترے بدلتے ہوئے اسٹیج پہ آیا تو لکڑی کے بوسیدہ اسٹیج نے چُوں چُوں چرچر کی دلکش دُھن پہ آپ ہی آپ تال دینا شروع کر دی تھی۔ ابھی ہیروئن ڈانسر کچھ شرمانے اور کترانے کا اِرادہ ہی کر رہی تھی کہ اچانک ایک ہات میری آنکھوں پہ جا لگا اور مجھے ایسا لگا جیسے اچانک کسی نے میری آنکھوں میں دھول جھونک دی ہو لیکن جب ذرا غور کیا میں نے تو پتہ چلا کہ وہ دھول نہیں ہماری محترمہ خالہ صاحبہ کا پھول سا ہات تھا جسے ازراہِ احترام میں گو بھی کے پھول سے تشبیہہ بھی نہیں دے سکتی ہوں۔

مطلب اِس ہنسا اور تشدّد کا یہ تھا کہ ہیرو ہیروئن کی قربت کا منظر میں نہ دیکھ لوں اس لیے کہ اُن سرپرست خواتین کا خیال تھا کہ یہ 'مخرب اخلاق' منظر تھا اور اسے دکھانے سے لڑکیوں کے کچے ذہن اور والدین کے پکے عقائد پہ خوشگوار اثر نہ پڑے گا ——— یہ غالباً ہماری فِلمی دنیا کا سب سے پہلا سنسر بورڈ تھا جسے ایک چھوٹے سے شہر کی ایک چھوٹی سی لڑکی پہ آزمایا گیا تھا۔ بزرگوں کی انگلیوں نے سنسر کی قینچی کی صورت اختیار کرلی ہے اور اس قینچی کی کاٹ دن بدن تیز تر ہوتی جارہی ہے۔

ابھی میں اچھی طرح سے سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ اسٹیج پہ ہیروئن کی سُریلی چیخ گونجی اور ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی تلملانے لگے۔ اِس بھگدڑ میں میری خالہ کی انگلیوں نے میری آنکھوں کا پیچھا چھوڑ کے اپنا برقعہ سنبھال لیا تھا۔ پتہ چلا کہ جب گھوڑ سوار ہیرو ہیروئن کی طرف بڑھا، اور بڑھا، تھوڑا اور بڑھا اور تھوڑا سا اور بڑھنا چاہتا تھا کہ جانے گھوڑے پر کیا گذری کہ وہ چیخ مار کے کھڑا ہوگیا اور اُسوقت لوگوں نے دیکھا کہ گھوڑا سچ مچ کا گھوڑا نہیں بلکہ ایک بچارہ، ناکارہ، آوارہ، سوکھا مارا، آدمی تھا جس پہ گھوڑے کی کھال جھوٹے الزاموں کی طرح منڈھ دی گئی تھی۔ وہ غریب کچھ دیر تک تو ہیرو کے بوجھ کو اپنے گناہوں کے بوجھ کی طرح بھگتتا رہا، پَر آخر کب تک، جب یہ نرم ملائم، اور خوبصورت دھرتی بھی کبھی کبھی کروٹ بدل لیتی ہے تو وہ بچارہ تو بندہ بشر تھا' چنانچہ اُس نے نکل کھال سے راہ جنگل کی لی، ایک قلانچ بھری، ٹوٹی پھوٹی کرسیوں کے درمیان سے ہوتا ہوا مجمع کی زد سے دور نکل گیا۔ آجکل کا زمانہ ہوتا تو لاٹھی چارج ہوتا اور آنسو گیس کا چھڑکاؤ ہوتا مگر اُسوقت تو ہال میں بس تھوڑے سے پانی کا چھڑکاؤ کرا دیا گیا تاکہ اُڑتی ہوئی ریت کے ذرّے اپنی اپ[illegible] بیٹھ جائیں۔ اُس زمانے کے ذرّے بڑے اہنسا وادی تھے۔ بغیر کوئی گھیرا[illegible] کئے اپنی اپنی جگہ پھر سے بیٹھ رہے آجکل کے نافرمان ذرّے ہوتے تو بہ[illegible] آج کل تو ان ننھے ننھے ذرّوں کی شان م[illegible] سی گستاخی کیجئے، فوراً دندناتے ہوئے ا[illegible] بن جائیں گے۔!!

گھوڑے کی مفارقت کے غم میں [illegible] تو منتظمین اور ناظرین دونوں شامل۔ لیکن جب منیجر صاحب نے یہ مژدۂ جاں[illegible] سُنایا کہ اب فلم شروع ہوگی تو لوگ آرام سے بیٹھ گئے، گو آرام سے کا لفظ میں نے محض محاورے کے ط[illegible] " بولا " ہے ورنہ اُس پکچر ہاؤس میں[illegible] پہنچانے والی چیز آج کے زمانے کی ہر[illegible] زندگی کی طرح عنقا تھی۔ کرسیاں عام[illegible] سے اپنا وہ مَصرف کھو چکی تھیں جس لی[illegible] سے ان کی تشکیل کی جاتی ہے۔ کرسیوں اسٹول میں " تو من شدی من تو شُدم " معاملہ تھا۔ نیچے کچا فرش تھا جہاں چو[illegible] نے عارضی کیمپ لگا رکھے تھے، اور وہ[illegible] بھی بڑے خوش ذوق تھے۔ جب سامعی[illegible] نظریں پردے پہ جمی ہوتیں تو چوہوں کے کرسی کے باقی ماندہ پائے یا خواتین کے [illegible] سے نبرد آزما رہتے ——— بیچ بیچ میں مون[illegible] پھلی، کیلے، ٹھنڈی چائے، گرم شربت[illegible] باسی ہار پھول والے بھی ہال میں آتے ج[illegible] رہتے تھے، بڑی بہار تھی کہ اُسی وقت ہیرو، ہیروئن کی کھڑکی کے سامنے آ کھڑا اور ہیروئن کو اُس کے ظالم چچا کے چن[illegible] سے نکال کے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا .... ڈائیلاگ کچھ اس قسم کے [illegible]

آشا ! میری آشاؤں کی آشا — سمجھ لے
میری بھاشا ' مت کر مجھے نراشا "
ہیروئن نے آنکھوں سے آنسو پونچھ کے
ہیرو کے کھڑے پہ چھڑکتے ہوئے کہا۔
" نہ ڈھول نہ تاشا ' کیسا ہے یہ تماشا؟"
ہیرو نے کہا۔
" میرے پیار پہ یہ الزام تراشا ؟
گھڑی میں تولہ ' گھڑی میں ماشا "

میں دم بخود ان مکالموں کے سحر سے مسحور بیٹھی تھی کہ اتنے میں میری خالہ کی آواز آئی۔ وہ پردۂ سیمیں سے مخاطب تھیں۔
" اے آگ لگے تیرے پیار کو — مُوا جان کو آگیا ہے لڑکی کی ' لو اور سُنو ' بھگانے کو کہہ رہا ہے ...... "
میری والدہ نے آہستہ سے کہا " بہن یہ تو کھیل تماشہ ہے۔ آپ چُپکی بیٹھی رہیں "
خالہ زور سے دہاڑیں — " لو اور سُنو ' میں چپ رہوں ... کیوں چُپ رہوں ؟ کسی شریف ماں باپ کی عزت کا جنازہ نکلے اور میں دیکھتی رہوں ... ... "
پبلک میں سے کسی نے کہا " ارے بیگم صاحب ' ذرا تو چُپ رہیے ' فلم دیکھنے دیجئے .... "
خالہ بپھر کے بولیں
" اے دیکھنا تو کل کا چھوکرا ہمیں چلا ہے سبق سکھانے ... ... بیگم صاحب کیا کسی کا دیا کھاتی ہیں جو چُپ رہیں ... ... ہم تو بولیں گے ڈنکے کی چوٹ بولیں گے ...... "
اتنے میں کھڑکی کی سلاخوں کے درمیان میں ہات ڈال کے ہیرو نے ہماری خالہ کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے ہیروئن کا ہاتھ تھام لیا تھا — یہ منظر خالہ کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

" ہے ہے ... قیامت آگئی ... ... آگ لگے بائیسکوپ کی صورت کو — اے بائیسکوپ پر خدا کا قہر ٹوٹے —— لو اور سنو ' نہ شرم نہ لحاظ ' بھرے بازار میں یہ رنگ رنگیلیاں ... ... پھر ہیروئن سے مخاطب ہو کے بولیں " جا جا ' ساتھ اُس شہدے کے ! اے تیری تو آنکھ کا پانی ڈھل گیا ہے ... ... ماں باپ کی عزت بیچ کھائی تو نے — ارے کوئی ہے! "
سب لوگ اِس ' کوئی ہے ' پر گھبرا اُٹھے مگر خالہ بولیں " ارے کالج کے لڑکوں کو کیا ہوگیا — اے میری اے نی ورسٹی (یونیورسٹی) کے لڑکوں کی غیرت کو کیا ہوگیا ہے ؟ ... ... اے بھیا آگے بڑھو ... ... نگوڑی کو اُس بدمعاش کے پنجے سے چھڑاؤ ... ... ورنہ یہ تو کالک لگا جائے گی شریفوں کی عزت کو ... ...
پھر بگڑ کے سنیما ہال کے منیجر پر برس پڑیں " کہاں ہیں منگل بابو .. ... "
منگل بابو بڑے شریف سے آدمی تھے۔ پان چباتے ہوئے آگے آئے اور بولے " کیا بات ہے بیگم صاحب .... ؟ "
بیگم صاحب طیش میں بولیں " اے میں کہتی ہوں منگل بابو۔ آپ بال بچوں والے آدمی ہیں۔ گھر میں اللہ رکھے بہو بیٹیاں ہیں۔ یہ سب آپ شیطانی بکھیڑا پھیلا رہے ہیں ... اے آپ نے کہلوا دیا ہوتا کہ ایسی ایسی خرافات ' عاشقی معشوقی ' موئی بازاری باتیں ہوتی ہیں بائیسکوپ میں تو میں کاہے کو اِن چڑیلوں (ہم لڑکیوں کی شان میں یہ لفظ اکثر بڑی بوڑھیاں استعمال کرتی تھیں) کو ساتھ لاتی . .. "
منگل بابو تھوڑی دیر چپ رہے ' کچھ سوچتے رہے۔ پھر بغیر کسی مائکروفون کے اپنی پاٹ دار آواز میں بولے۔
" شو کینسل ہوتا ہے ... ... اگلے ہفتے حاتم طائی کی بیٹی ملاحظہ فرمائیے گا "

وہ پُرانا زمانہ تھا —— اور آج ... ... خیر چھوڑیئے ... ... !

افسر اور ماتحت کا رشتہ

خواجہ عبدالغفورؒ

کچھ رشتے ناطے قدرتی ہوتے ہیں، کچھ قانونی - ماں باپ، بھائی بہن، بیٹا بیٹی یہ تو قدرتی رشتے ہوئے جن سے ہر کوئی بندھا ہوتا ہے - ان کے علاوہ جو قانونی ناطے ہوتے ہیں وہ خود ساختہ اور اپنی مرضی کے بندھن ہوتے ہیں جیسے شادی کے بعد ساس سسر، داماد بہو، سالا سالی، ہم زلف، سمبندھی وغیرہ - یہ تو بندھن کے ساتھ ہیں - جہاں شادی بیاہ کے بندھن ٹوٹے یہ سب اجنبی ہو گئے - اسی لئے انگریزی میں ان کو in-laws کہا جاتا ہے کہ محض قانون کی جکڑ بندی ہوتی ہے - ان دونوں رشتوں ناطوں سے ہٹ کر آجکل کے معاشی نظام نے ایک نیا رشتہ بھی قائم کیا ہے - سرکاری غیر سرکاری ہر قسم کے نظامِ معیشت میں درجہ بندی کا ہونا ناگزیر ہے اور اسی درجہ بندی کی وجہ سے افسر اور ماتحت کے ناطے رشتے قائم ہو جاتے ہیں جن سے کوئی مفر نہیں - اِن رشتوں کو قائم رکھنے کے لئے دونوں کو ہی بڑی کٹھنائیاں برداشت کرنا ہوتا ہے - افسر کو اپنی افسری قائم رکھنے کیلئے خواہ مخواہ سنجیدہ بننا پڑتا ہے، رعب جمانا پڑتا ہے اور اس کو قائم رکھنے کے لئے لاکھ جھنجھٹ اٹھانے پڑتے ہیں - ماتحت کو فرمانبردار وقت کا پابند، اس کے ذمے کے کاموں میں انتہائی چُستی اور ہوشیاری دِکھانا پڑتا ہے - اگر بات یہیں تک رہتی تو ٹھیک تھا لیکن ماتحت کو خوش رکھنے کے لئے افسروں پر لازم ہوتا ہے کہ کاروبار کی جگہ پر ساری آسائشیں مہیا کی جائیں، ماتحتوں کے لئے ویلفیر کے کام چالو کئے جائیں - ان کے لئے مہنگائی، بھتہ، بونس، کام کی آسودگی اور ہر قسم کی سہولتوں کا انتظام، ماتحت کو اپنی کارکردگی کے اعلیٰ معیار، کاروبار میں منافع یا سرکاری دفتر ہو تو روزمرہ کے کام کا disposal اور سرکار کی نیک نامی کا خیال ضروری ہوتے ہیں -

آج کل تو ہر طرف یہی رشتے زیادہ اہم نظر آتے ہیں - کسی زمانے میں ماں باپ اور رشتوں کے بزرگوں کی عزت اور ان کا احترام اور سب باتوں سے زیادہ ہی اہمیت رکھتے تھے اسی طرح میاں بیوی کا آپس میں پیار، بچوں کی تربیت اور ان کی تعلیم پر سارا دھیان ہوتا تھا لیکن آج کل کی مصروف زندگی میں اِن سب باتوں کے لئے کسی کے پاس وقت نہیں - صبح اٹھو تو دفتر اور اپنے کاروبار کی فکر، دن بھر اسی اُلجھن میں گذر جاتا ہے - شام کو گھر جانے کا وقت ہوتا ہے تو ڈھیروں کام ادھورا پڑا ہوتا ہے - اس وقت اس کام کو گھر ساتھ لے جانے کے سوا اور کیا چارہ ہوتا ہے - یہ گھر کی ساری فضا کو خراب کرنے کا آسان ترین ذریعہ ہوتا ہے - افسر اور ماتحت کے رشتے کی اتنی زیادہ اہمیت ہو گئی ہے کہ خدا اور بندے

کارشتہ بھی لوگ بھولتے جا رہے ہیں ان کو وقت ہی نہیں کہ خدا کو یاد کریں یا اس کے حضور میں کچھ وقت بتائیں۔

ایسے ہی رشتے میں بندھے جکڑے مرزا بھی ہیں جو وقت بے وقت اپنی دانشمندی سے فائدے بھی اُٹھاتے ہیں اور نقصان بھی۔ انھوں نے اپنے افسر سے ۳۶ گھنٹے کی رخصت کی درخواست کی۔ اس کو منظوری دیتے ہوئے خیال تھا کہ وہ ڈیڑھ دن کی چھٹی مانگ رہا ہے لیکن وہ پورے سات دن گھر بیٹھ کر آٹھویں دن آفس پر حاضر ہوا۔ جواب طلب کرنے پر اس کا حساب بالکل سیدھا تھا۔ ۷ گھنٹے روز اوقاتِ دفتر، اسمیں سے ایک گھنٹہ لنچ کا۔ اس طرح ہر کاروباری دن کے ۶ گھنٹے، ۶ گھنٹے کے ۶ دن کا مطلب ۳۶ گھنٹے۔ ساتواں دن اتوار، اس کی بھی چھٹی ملا کر آٹھویں دن کی حاضری ٹھیک ٹھیک ہوگئی۔

ویسے یہ ہمیشہ دیر سے دفتر پہونچنے والوں میں سے ہیں۔ ان سے ایک دن کہا گیا کہ تم کو ٹھیک دس بجے دفتر میں رہنا چاہیئے۔ یہ اُلٹ کر پوچھ بیٹھے: "کیوں کیا ہوتا ہے دس بجے؟"

ان کو فی الحقیقت شکایت یہ ہے کہ جب کبھی یہ دیر سے آفس آتے ہیں تو ان کے افسر بھی ان کے ساتھ ہی آتے ہوئے ملتے ہیں۔ اور پھر بھی ان کی دیر حاضری زیر بحث آتی ہے۔ ان سے دو چار بار پوچھ تاچھ کی گئی کہ جب کبھی ان کے افسر آتے ہیں تو انھیں کبھی کام میں مصروف نہیں پایا گیا تو یہ صاف صاف بولے کہ اس میں ان کا کیا قصور، سب ہی افسر ایسے جوتے پہنتے ہیں کہ جن سے چلنے میں کوئی آواز ہی نہیں ہوتی اور قدموں کی چاپ بھی نہیں سنائی دیتی ورنہ وہ ضرور کام میں جٹ جاتے اور کسی کو شکایت نہ ہوتی کہ وہ مصروف بہ کار نہ تھے۔

ایک بار اُن سے دریافت کیا گیا کہ ان کے دفتر میں کتنے آدمی کام کرتے ہیں۔ ان کا بڑا دلچسپ جواب تھا "صرف دس فی صد"

کسی نئے حاکم نے ان سے پہلی ملاقات میں دریافت کیا کہ وہ کب سے کام کر رہے ہیں یہ بولے "جب سے کہ مجھے نوٹس دی گئی ہے کہ کام نہ کروں گا تو علیحدہ کر دیا جاؤں گا۔"

ایسے ہی ایک اور سوال پر کسی اور موقعہ پر صرف یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ میں اس وقت سے کام پر لگا ہوا ہوں کہ جب سے آپ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔

دفتر کی صفائی

ایک بار اُن سے پوچھا گیا کہ اس ملازمت کے ملنے سے پہلے وہ کیا تھے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ بے حد قانع اور مطمئن تھے۔

یہ اپنی ذاتی کاہلی اور کام سے عدم دلچسپی کے باوجود ہر ایک سے یہی کہتے ہیں کہ ان کی فرم میں ترقی کے لئے انتہا مواقع ہیں اور پھر اس بات کو یوں واضح کرتے ہیں کہ وہ سب سے کم درجہ پر مامور ہیں لہٰذا ان کے اوپر بہت سارے درجے اور مرتبے ہیں اور اسی حساب سے ترقی کے لاتعداد موقعے۔

ایک روز اپنے دفتر میں بیکار گھوم پھر رہے تھے کہ کسی باہر والے نے ان کو روک کر پوچھا کہ اس دفتر میں ذمہ دار شخص کون ہے؟ یہ بلا جھجک بولے "وہ تو میں ہی ہوں کہ جملہ خرابیوں کا ذمہ دار تو میں ہی ٹھہرایا گیا ہوں۔"

یوں تو یہ کوئی کام کرتے ہی نہیں لیکن ایک بار انھیں کچھ کاغذات ٹائپ کرنے دیئے گئے جنھیں انہوں نے بڑی محنت سے ٹائپ کر دیا اور اپنے افسر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ افسر نے کچھ ہی حصہ پڑھ کر پوچھا: "ارے اس میں تو ٹائپ کی اتنی ساری غلطیاں ہیں۔ آپ نے ٹائپ کر کے پڑھا تک نہیں؟" یہ بولے: "باس میں پڑھتا کیسے؟ ان سب پر "راز" لکھا ہے بھلا میں کسی کے راز کے کاغذات کیسے پڑھ سکتا ہوں!"

انھوں نے بڑی ہمت سے کام لیا اور اپنے افسر سے جھجکتے جھجکتے کہا: "میں آپ کے دفتر میں ۲۵ سال سے کام کر رہا ہوں اور اس سے قبل آپ سے کبھی نہیں کہا۔ مگر اب تو میری تنخواہ بڑھا دیجئے۔" ان کے حاکم نے ان کو بتایا: "ہاں بے شک تم نے کبھی اضافۂ تنخواہ کی درخواست نہیں کی۔ اسی لئے تو ۲۵ سال سے یہاں پر ہو۔"

اسی ۲۵ سالہ مدت کا سہارا لیتے ہوئے انھوں نے کہا: "میں آپ کے دفتر کا دیرینہ ملازم ہوں اور میرے ۲۵ سال کے تجربے کے باوجود آپ نے دوسرے جونیئر کو ترقی کا مستحق گردانا۔ آخر میرے ۲۵ سال کے تجربے کا آپکو کوئی لحاظ نہیں۔" ان کے حاکم نے بتایا "آپ کا تجربہ تو صرف ایک سال کا ہے جسکو آپ ۲۵ سال سے دُہرا رہے ہیں، آگے کہاں بڑھے ہیں آپ؟"

چونکہ یہ اپنے دفتر کے سب سے نچلے زینے پر ہی براجمان ہیں۔ ان کے دوستوں نے سوال کیا۔ تمہیں ترقی کیوں نہیں ملتی؟ کیا ٹھیک سے کام نہیں کرتے ہو؟

ان کا جواب صاف تھا: "کام تو میں بڑی مستعدی اور جانفشانی سے کرتا ہوں"۔

آرٹسٹ کی نظر میں

ان نے پوچھا " پھر کیا بات ہے ؟"
لے : " جی میں ذرا سست واقع ہوا
اس جواب پر ظاہر ہے کہ پوچھا گیا
ت ؟ ابھی تو تم نے کہا کہ بہت مستعد
زار ہو "
سلے نے کہا " جی بات یہ ہے کہ میں ہنسنے
ت ہوں " لازمی طور پر سوال اٹھا :
نے سے دفتر کے کام کو کیا تعلق ؟" ان کی
بڑی دلچسپ ہے :
ت ایسے ہے کہ ہمارے افسر کے کہے ہوئے
ذرا دیر سے ہنستا ہوں اور ان کی ہر
سنا ہمارے فرائض میں داخل ہے "
ی کارکردگی سے افسر بالادست سخت
۔ ان سے کئی بار کہا ہے کہ وہ ان کو
چھے کام پر مبارکباد دینا چاہتے ہیں
پوچھتے ہیں کہ بتاؤ تم مجھے اس کا کب
گے ۔

کو ایک دوسرے دفتر میں نوکری کا
ا تھا ۔ انھوں نے حاکم سے پوچھا کہ
تنخواہ کیا دے گا ۔ اس نے کہا " میں
قت ، صلاحیت ، قابلیت اور کارکردگی
سے تنخواہ مقرر کروں گا " اس پر یہ
، اور یہ نوکری قبول کرنے سے انکار
لئے کہ یہ اپنی تنخواہ اس مناسبت سے
ہیں کرنا چاہتے ۔

د یہ اپنی گری ہوئی حیثیت سے عاجز
- ایک موقع پر ان کے باس نے
نفسار کیا : " کیا تم محنت اور مشقت
ب کر سکتے ؟ " انھوں نے بڑا مزیدار
: " یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں
ے کام نہیں کرتا ۔ مجھے تو اسکی بڑی
۔ کئی بار قید مشقت بھگت چکا ہوں "
کا بیان ہے کہ کسی اور جگہ ایک اچھی
سی نوکری کی امید پر انھوں نے درخواست
دی اور یہ انٹرویو کے لئے بلائے گئے ۔ ان سے
پوچھا گیا : " آپ اپنے اچھے کردار ، دیانت اور
ایمانداری کا سرٹیفکٹ پیش کر سکتے ہیں ؟ انھوں
نے بتایا " جی ہاں عدالت کے تین فیصلے پیش
کر سکتا ہوں کہ جہاں مجھے غبن ، تصرف بیجا
سے بری کیا گیا ہے "

ایک بار ان سے نئے افسر نے پوچھا
" مرزا تم سگریٹ پیتے ہو ؟ " یہ بولے " کبھی
نہیں پیتا " پھر پوچھا " شراب ؟ " بولے " عمر
بھر میں کبھی نہیں " سوال کیا " جوا کھیلتے ہو ؟ "
کہا " جی نہیں "

افسر نے خوش ہو کر کہا " لگتا ہے تم میں
کوئی برائی یا عیب نہیں " یہ جھک کر بولے
" صرف ایک عیب ہے اور وہ یہ کہ میں جھوٹ
بہت بولتا ہوں "

ویسے تو ہر دفتر کا ماحول بڑا سنجیدہ اور
روکھا پھیکا ہوتا ہے اور بڑی حد تک ضبط و تنظیم
کے معنی ہی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کبھی کوئی بھی کسی
بات پر ہنسے نہیں ، قہقہہ لگانا تو بڑی بات ہے ۔
پھر بھی انسانی فطرت پر بہت زیادہ روک ٹوک
ناممکن ہے ۔ کچھ نہ کچھ مواقع ایسے آہی جاتے ہیں
کہ افسر اور ماتحت اپنے رشتے کو بھول کر ہنس
پڑتے ہیں ۔ ایک دن مرزا صاحب اپنے آفس کی
میز پر سوتے پائے گئے ۔ ان کے باس نے جگا
کر پوچھا " کیا بات ہے کچھ طبیعت تو خراب نہیں ؟ "
انھوں نے جھینپتے ہوئے کہا : " جی نہیں
میری طبیعت تو بالکل اچھی ہے ۔ رات گھر پر
سو نہیں سکا تھا اسلئے آنکھ جھپک گئی "

باس نے حیرت سے پوچھا : " تو آپ رات
گھر پر بھی سوتے ہیں ؟ " یہ اسلئے پوچھا گیا کہ
دفتر میں سونے کی عادت کا سب کو پتہ تھا ۔
اس استہزائیہ جملے پر سارا دفتر بے اختیار
ہنس پڑا ۔ شاید اسی لئے انگریزی میں یہ کہاوت
بہت مقبول ہے کہ بہت سارے لوگ فائلوں
پر سو جاتے ہیں ۔ یعنی فائلیں دبی پڑی رہتی ہیں
ان پر کوئی کارروائی نہیں کی جاتی اور لوگوں کی
قسمتیں جاگتی ہیں ۔

یہی صاحب ایک بار غنودگی میں تھے ۔
افسر نے ان سے کہا : " دیکھو جی تم آفس میں
سو نہیں سکتے "

انھوں نے جواب دیا : " جی آپ بار بار
ادھر چکر لگاتے رہیں گے تو میں کسی طرح بھی
سو نہیں سکتا "

ایک بار بمبئی میں بہت بڑی کانفرنس تھی
جس کے لئے بہت سارے عہدیدار اضلاع سے

ہوئے تھے۔ خیال تھا کہ ایک ہی دن کی بیٹھک
ی اور شام تک کانفرنس ختم ہوجائیگی تو یہ عہدیدار
پنے مستقر کو لوٹ جائیں گے۔ اسی لئے انھوں
نے رات کے قیام کیلئے کہیں بندوبست نہیں کیا تھا
ور جب کانفرنس شام تک ختم نہیں ہوئی تو تصفیہ
ہوا کہ دوسرے دن اس کو جاری رکھا جائے۔ اب
ان عہدیداروں کو پریشانی ہوئی کہ رات گذاری کا کیا
ہوگا۔ بمبئی میں جبتک پہلے سے اس کا انتظام
نہ ہو کسی ہوٹل میں بھی جگہ نہیں ملتی۔ ایک عہدیدار
نے سب سے بڑے حاکم سے اس کی اجازت مانگی
کہ کچھ لوگوں کو کہ جنھیں قیام کی دشواری تھی، آفس
ہی میں سونے کی اجازت دیدی جائے۔ حاکم اعلیٰ
نے بڑی سختی سے کہا: "میں اس کی ہرگز اجازت
نہیں دے سکتا کہ عہدیدار رات کو بھی دفتر میں
سوجائیں"
ان کا مطلب صاف تھا کہ دن میں تو سوتے
ہی ہو، رات کو کیسے اس بات کو روا رکھا جائے۔

افسر اور ماتحت کے رشتوں کی ایک اور
خوبی بڑی دلچسپ ہے۔ افسر جب دفتر میں ہوتا
ہے تو وہاں کا ماحول، دفتر والوں کی کارکردگی، ان
کا طور طریق الگ ہوتا ہے اور جب حاکم بالادست
دفتر میں نہیں ہوتا تو سب کے سب جداگانہ طریقہ
پر کام کرتے ہوئے یا صحیح الفاظ میں کام نہ کرتے
ہوئے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک اہلِ معاملہ
کا بیان ہے کہ وہ کسی دفتر میں اپنے کام سے
گئے اور حاکمِ اعلیٰ سے ملنے کیلئے اس کے چپراسی
کو اپنا کارڈ دیا۔ یہ حاکم اس دن بڑے مصروف
تھے اور لوگوں سے ملنا نہیں چاہتے تھے اس لئے
انھوں نے کہہ رکھا تھا کہ کوئی بھی اہلِ غرض آئے
تو کہہ دینا کہ صاحب دفتر میں نہیں ہیں۔ ان کو بھی
یہی ٹکا سا جواب دے دیا گیا لیکن یہ وہیں آفس
کے سامنے ڈٹے رہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر سے
صاحب کو کسی طرح پتہ چل جاتا کہ یہ ملاقات کے
متمنی ہیں اور یہ کسی نہ کسی طرح پھر کہلوا دیتے کہ
صاحب نہیں ہیں۔ دن بھر یہ سلسلہ چلتا رہا مگر
ان صاحب نے یہ بات نہیں مانی، حتیٰ کہ شام
کو جب گھر جانے کا وقت ہوا تو حاکم اپنے
کمرے سے نکلے اور ان سے پوچھا کہ جب صریحی
طور پر ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ نہیں ہیں تو
پھر انھوں نے مانا کیوں نہیں؟ اُن کا جواب
بہت ہی سیدھا سادہ تھا: "میں یہ بات کیسے
مان جاتا کہ آپ نہیں ہیں جبکہ میں یہ اپنی آنکھوں
سے دیکھ رہا تھا کہ دفتر کا سارا عملہ ہمہ تن کام
میں مشغول تھا" ایسا تو کبھی ہو نہیں سکتا کہ
حاکم اعلیٰ دفتر میں موجود ہو اور دفتر کا عملہ اپنے
کام میں مشغول و مصروف نہ رہے۔ جہاں دفتر
سے افسر غائب ہوا کہ سب کے سب کام دھام
چھوڑ کے گپ شپ، چائے کافی اور سگریٹ
نوشی میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ہر ایک
اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ ایسا موقعہ ملے اور اس
سے استفادہ کیا جائے۔
افسر نے اپنی ایک میٹنگ میں بتایا کہ اسکے
جتنے ماتحت ہیں، وہ چاہے کسی عہدہ پر ہوں،
ذمہ داریاں کچھ بھی ہوں، ان کے کام کی نوعیت
جو بھی ہو، ایک بات ضرور ہے کہ حرفِ آخر
ان ہی کی زبان پر ہوگا۔ سبھوں نے سوچا کہ
ہماری بھی کچھ اہمیت ہے اور ہماری بات کی
وقعت ہے لیکن انھیں بڑی مایوسی ہوئی جب
انھیں بتایا گیا کہ وہ حرفِ آخر صرف یہی ہوگا
"جی درست ہے"
ہمارے ایک ڈاکٹر دوست بتاتے ہیں کہ انکی
بیماری کے دوران وہ انھیں جتنی بار دیکھنے گئے
انھوں نے گھر بھر میں شوروغل، مریض کی بیوی کے
دکھڑے سُنے اور بچّوں کی شرارتیں اور نوکروں
کی بدتمیزیاں دیکھیں۔ مریض کو کسی قسم کا آرام
نہ تھا، اسکی بیماری دور ہو تو کیسے؟ چنانچہ
ڈاکٹر نے تجویز کیا کہ مرزا صاحب اپنی چھٹی منسوخ
کرکے فوراً اپنے کام پر رجوع ہوجائیں تاکہ
دفتر کے پرسکون ماحول میں اُنکو آرام تو ملے!
ایسے ہی یہ ایک بار سخت بیمار ہوئے تو انھیں
ہسپتال میں داخل کرادیا گیا۔ وہاں ان کے
حاکم اعلیٰ ان کی مزاج پُرسی کو آئے اور بڑا
دلاسہ دیا کہ یہ کچھ فکر نہ کریں اور جتنے دن ضروری
ہو ہسپتال ہی میں رہیں اور رہا ان کا کام، تو
انھوں نے کہا اسکی چھان بین ہورہی ہے کہ یہ
کیا کام کیا کرتے تھے اور پھر جب یہ پتہ چل جائیگا
تو ان کا کام کچھ اور لوگوں میں بانٹ دیا جائیگا
مطلب صریحاً یہ ہوا کہ ان کی دفتر سے غیر موجودگی
سے دفتر کا کوئی کام رُکا نہیں۔ یہ کرتے ہی کیا
ہیں جو یاد نہ پڑے۔
مرزا کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنی پچیس
سالہ سروس میں کبھی چھٹی نہیں لی۔ انھیں خبط ہے
کہ ان کے بغیر دفتر کا کام نہیں چل سکتا۔ و
ایک دن بھی نہ ہوں گے تو سارے کاروبار بند
ہوجائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اس بات
کو بھی قبول کرتے ہیں کہ وہ کبھی چھٹی پر چلے
جائیں گے تو یہ بھرم کھل جائے گا کہ اُن
بغیر کام نہیں چلتا۔
(صفحہ ۱۲ پہ جاری)

مزے دار اعلانات
زنانہ جوتوں کی دکان کے باہر:
دس منٹ کے اندر خریدے جانے والے جوتوں پر
دس فیصدی ڈسکاؤنٹ دیا جائیگا!
ایک دارالطعام کے باہر:
بہترین کھانا... لاکھوں مکھیاں اس کا
زندہ ثبوت ہیں!
ایک قصباتی سینما گھر کے باہر:
۹ بجے شب کے بعد غیر شادی شدہ جوڑے
علیحدہ علیحدہ نشستوں پر بیٹھیں!
ایک اخبار میں اعلان:
کاغذ کی قلت اور جگہ کی کمی کی وجہ سے متعدد
اموات اور پیدائشیں اگلے ہفتہ کے لئے
ملتوی کردی گئی ہیں:
ایک جرمن اسٹور کے باہر:
اپنی کمزور جرمن زبان کی فکر نہ کریں۔ ہم بہت اچھی
ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول لیتے ہیں:
ایک چھوٹے دیہات کے باہر:
گاڑی آہستہ چلائیں، اسپتال نہیں ہے!
ایک ریستوراں میں:
اگر آپ اپنی سگریٹ پلیٹ میں بجھانا ہی چاہتے
ہیں تو ویٹر بخوشی آپ کا کھانا ایش ٹرے
میں لاکر دے گا!
ایک کھڑکی کے باہر:
ہارمونیم برائے فروخت
مقابل کی کھڑکی کے باہر:
خدا کا شکر ہے
سڑک پر:
گاڑی کھڑی کرنا منع ہے:
۱۱ بجے شب تا ۵ بجے صبح یا
۱۲ بجے دن تا ۱ بجے شب یا
۵ بجے شام تا ۷ بجے شام یا
کسی اور وقت
ایک بنگلہ کے باہر:
گھاس تراشنے کی مشین استعمال کرنے کی
عام اجازت ہے بشرطیکہ آپ اسے ہمارے
لان سے باہر نہ لے جائیں!
شکریہ "ہیرو" بمبئی

ہنومان ٹیکری

ایک مثالی پروجیکٹ

از: پروفیسر جی۔ ایل۔ ابھیانکر، این۔ ایس۔ ایس۔ پروگرام رابطہ کار، بمبئی یونیورسٹی

"سوسائٹی فار کلین سٹیز" کے زیر اہتمام ماہ جنوری کے دوران پورے ملک میں "صاف شہر ہفتہ" منایا گیا۔ اپنے مقاصد اور سرگرمیوں کے تحت صفائی اور صحتِ عامہ کے میدان میں خدمات انجام دینے والے مختلف رضاکارانہ اداروں اور تنظیموں نے اس مہم میں اعانت کیلئے متعدد پروگرام شروع کئے جن کا مقصد شہر کو صاف ستھرا اور خوبصورت رکھنا تھا۔ اس مضمون میں پروفیسر جی۔ ایل۔ ابھیانکر نے یونیورسٹی آف بمبئی کے نیشنل سروس اسکیم یونٹ کی اس مہم کا تذکرہ کیا ہے جو یونٹ نے ہنومان ٹیکری (سانتا کروز) کی گندی بستی کو صاف کرنے کے لئے شروع کی تھی۔

بمبئی یونیورسٹی کا نیشنل سروس اسکیم یونٹ اپنے دیگر منصوبہ جات کے علاوہ گندی بستی سُدھار منصوبہ (سلم امپرومنٹ پروجیکٹ) پر بھی کام کر رہا ہے۔ یونیورسٹی کے کئی کالجوں نے چند گندی بستیاں چُنی ہیں، جہاں وہ اپنی پوری قوت لگا رہے ہیں تاکہ بمبئی شہر میں گندی بستیوں کی حالت ہر طرح سے سُدھرے۔ اگست سنہ ۱۹۷۳ء سے یونیورسٹی یونٹ نے سات کالجوں یعنی اسمٰعیل یوسف کالج، ایم۔ ڈی۔ اور ایل۔ یو۔ کالج، چنائی کالج، دھانوکر کالج، پارلے کالج، چیتنا کالج اور آر۔ ڈی۔ نیشنل کالج کے تعاون سے ہنومان ٹیکری، سانتا کروز میں باقاعدہ ایک مثالی گندی

ایک تنگ گلی کو کشادہ کر کے اسے پختہ بنایا جا رہا ہے
ہنومان ٹیکری میں شروع کئے جانے والے پروجیکٹ نے جس کے تحت جھونپڑ پٹیوں میں رہنے والے صفائی کے کام میں حصّہ لے رہے ہیں، پورے ماحول کو امید اور سرگرمی سے لبریز کر دیا ہے۔

بستی سُدھار منصوبہ شروع کیا ہے۔

بالخصوص جب سے شری کرشن داس شاہ نے جھونپڑوں کی حالت سُدھارنے، راستوں کو چوڑا کرنے اور گٹر وغیرہ بنانے کے کام میں خود جھونپڑپٹی کے باسیوں کو لگانے کا جرات مندانہ تجربہ شروع کیا ہے، وہاں کے ماحول میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا ہے۔

ہنومان ٹیکری کیوں؟

بمبئی یونیورسٹی کے نیشنل سروس اسکیم یونٹ کا ہنومان ٹیکری پروجیکٹ وسیع تر گندی بستی شدھار پروگرام کی ایک ہراول اسکیم ہے۔ اسکی تشکیل کے ابتدائی مرحلہ پر بیگم زہرہ علی یاور جنگ نے یونٹ کی عملی مدد اور حوصلہ افزائی کی، جنھوں نے شہر بمبئی کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے لوگوں میں جوش و خروش اور افراد اور جماعتوں کی کوششوں میں ربط پیدا کرنے کی بڑی ذمہ داری بذات خود سنبھالی ہے۔ ہنومان ٹیکری این۔ ایس۔ ایس۔ یونٹ اور تنظیم برائے صاف شہر (سوسائٹی فار کلین سٹیز) بمبئی کی مشترکہ پسند ہے۔ اوّل الذکر نے یہ جگہ اس لئے منتخب کی ہے کہ جنوری سنہ ۷۱ء میں این۔ ایس۔ ایس۔ کے رضاکاروں نے اسی جگہ "کچرا ہٹاؤ دن" منایا تھا۔ نیز اکتوبر سنہ ۷۲ء میں وہاں پروجیکٹ چیلنج ۷۱ کا تجربہ کیا تھا۔ جبکہ موخر الذکر نے اسے اس وجہ سے چُنا تھا کہ یہ شمال سے بذریعہ طیارہ آنے والے لوگوں کے لئے شہر بمبئی کے ٹھیک پھاٹک پر ہی واقع ہے۔

مثالی تجربہ گاہ

ہنومان ٹیکری پر وہ سب کچھ ہے جو اس مقصد کیلئے اسے ایک مثالی تجربہ گاہ بنا دے۔ یہ اہم مقام پر واقع ہے، اس کی آبادی حسّاس اور بیدار ہے، شہر کی ایک گندی، بے قاعدہ اور عارضی بستی کے تمام مسائل یہاں موجود ہیں یہ ایک پھیلتی ہوئی کالونی کے قریب ہے جہاں سفید پوش ملازمین رہتے ہیں، اسے ایک اولوالعزم تعلیمی ادارے کی سرپرستی بھی حاصل ہے۔ مختصراً یہ کہ یہاں کام کی بڑی گنجائش ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ حکومت ہند نے بمبئی کے لئے جو چار آروبندو بال کیندر مختص کئے ہیں، ان میں سے ایک ہنومان ٹیکری کے نواح میں قائم کیا جائے۔

صحت و صفائی کے لئے جدوجہد ایک ساتھ کئی محاذوں پر کرنا ہوگی۔ بہتر مکان، ڈسٹ بن (کچرے کے ڈبے)، بند بدروئیں، کافی تعداد

میں سنڈاس اور منظم خاکروب سروس اس کا عملی پہلو ہے۔ اس کا نفسیاتی پہلو یہ ہے کہ باشندوں کی توجہ صحت وصفائی کی جانب مبذول کی جائے اور انھیں مختلف ذرائع سے باخبر اور بیدار کیا جائے۔ روحانی لحاظ سے تیسرا پہلو یہ ہے کہ انہیں اچھی، پاک صاف زندگی گذارنے کا احساس پیدا کیا جائے۔ این۔ ایس۔ ایس۔ یونٹ نے تیسرے پہلو پر توجہ مرکوز کی ہے اور اس کا خیال ہے کہ اہل افراد اور حکام دیگر پہلوؤں پر بروقت دھیان دیں گے۔

لائق سماجی کارکن، مس شیرناز دستور کی پُرزور رہنمائی اور نگرانی میں پروجیکٹ نے چار ماہ کی مختصر مدت میں خود بخود ایک نمایاں حیثیت حاصل کرلی ہے۔ اس کے پروگراموں کا مقصد یہ ہے کہ ذہین اور عملی انسان متاثر ہوں اور بچوں اور عورتوں کا شوق اور جذبہ بڑھے۔ اس لئے لائبریری، ریڈنگ روم، بال واڑی اور پڑھائی کلاسوں کے قیام میں مدد دی۔ اس نے سو سے زیادہ بچوں کو بستی کے ماحول سے نکالا اور ماہِ اکتوبر کے دوران انھیں "ڈے کیمپ" میں رکھا جہاں وہ نئے تجربہ سے روشناس ہوئے، اور ہفتہ بھر آرٹ و دستکاری کی تربیت، مصوّری، کارخانہ کے معائنہ، نیشنل پارک بوریولی اور پرندوں کے مامن (برڈ سینکچوری)، کرنالہ، پنویل اور قلابہ کی یک روزہ سیر وغیرہ میں مشغول اور مگن رہے۔

بستی کے بچوں اور نوجوانوں نے بھی پورے جوش وخروش سے بڑوں کے ساتھ کام کیا!

عورتیں بھی پیچھے نہیں رہیں۔ وہ وہاں قائم کی گئی مہیلا منڈل سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اُنکے درمیان پکوان اور صحت مند بچوں کے مقابلے وغیرہ ہوتے ہیں۔

اسکولی پڑھائی کے سلسلے میں بھی ایک مختصر جائزہ لیا گیا اور یہ کوشش کی جارہی ہے کہ ان بچوں کو ایسے اداروں میں رکھا جائے جہاں پیشہ ورانہ تعلیم بھی دی جاتی ہو۔ گشتی لائبریری میں لبطور عطیہ ملنے والی کتابوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ساتھ کتابوں کی مانگ بھی بڑھ رہی ہے۔

مستقبل قریب میں این۔ ایس۔ ایس۔ یونٹ کا ارادہ ہے کہ اس پروجیکٹ کو گرد ونواح کی دیگر جھونپڑ پٹیوں میں بھی جاری کیا جائے۔

●●

گندی بستیوں کی صفائی اور حفظان صحت کیلئے سنڈاسوں کی تعمیر بہت ضروری ہے، چنانچہ اس بستی میں بھی اس بنیادی سہولت کی فراہمی پر پوری توجہ دی گئی ہے۔

زمانے کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن بدلتا ہے، سیاست بدلتی ہے، فکری انداز بدلتا ہے، خیالات بدلتے ہیں، قدریں بدلتی ہیں اور ان سب کے بدلنے میں سب سے بڑا حصہ ہر ملک و قوم کے 'اَدب' کا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بدلتے ہوئے زمانے کا 'ادب' پر بھی اثر پڑتا ہے۔ ان باہمی اثرات کا "نظر اور نظریے" میں نہایت مؤثر جائزہ لیا گیا ہے۔

"نظر اور نظریے" پروفیسر آل احمد سرور کے تیرہ ادبی شہپاروں کا مجموعہ ہے۔ ہر مضمون اپنی جگہ پر مرصّع، جامع اور بصیرت افروز ہے اور عنوان کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔ موجودہ دور میں ادب کے ساتھ ساتھ ادبی مسائل کچھ اس طرح گڈمڈ ہو گئے ہیں کہ ان کا سُلجھانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اور جیسا کہ خود پروفیسر آل احمد سرور نے "چند سطروں" میں واضح کیا ہے: "ادب اور ادبی مسائل کے بارے میں میرے وہ خیالات مل جائیں گے جو میرے نزدیک ادب کے طالب علموں کو ادب، اس کے اہم اصناف، اُس کی قدروں اور ان سب کی نئی بصیرت کے متعلق غور و فکر کا خاصا سامان فراہم کر سکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ طرف داری کی بجائے سخن فہمی کی کوشش کی جائے۔" اس حقیقت سے منہ نہیں موڑا جا سکتا کہ دورِ حاضر میں تنقید کو خاصی اہمیت دی گئی مگر اسے اس کا حقیقی مقام نہیں دیا گیا ہے۔ تنقید کے جو کچھ بھی اصول ہیں وہ زمانے، ماحول، مذہب اور سیاست کے ساتھ ساتھ بدلتے جاتے ہیں اور کسی حال بھی زمانے کا ساتھ نہیں چھوڑتے اور یہی وجہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ادب میں بھی نکھار آتا چلا جاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے پہلے مضمون "شاعری میں شخصیت" میں پروفیسر سرور نے شخصیت پر بڑی مدلل بحث کی ہے اور فرائڈ اور ویڈ نگٹن کے نظریات کی تکرار میں شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ "نظم کی زبان" میں بھی پروفیسر سرور نے بتلایا ہے کہ ادبی زبان معیاری زبان ہوتی ہے اور روزمرّہ کی بول چال کی زبان سے الگ ہوتی ہے۔ اس مضمون میں ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے حوالے سے شاعری کی مختلف آوازوں کا تذکرہ کیا ہے۔ "نثر کی اسٹائل" میں خیال انگیز بحث ہے۔ الفاظ کے برجستہ اور موزوں استعمال نیز نظم و نثر کے فرق کو ظاہر کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر ایک کی اسٹائل یا اسلوبِ بیان جدا جدا ہوتا ہے مگر اس کے باوجود کوئی اسلوب ادبی لطافتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ "فکشن - کیا، کیوں اور کیسے" میں بتایا گیا ہے کہ فکشن کا لفظ ناول اور افسانہ دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اردو ادب میں فکشن کے لئے افسانوی ادب کی اصطلاح بھی برتی گئی ہے پروفیسر آل احمد سرور نے اس مضمون میں بتلایا ہے کہ ہمارے یہاں شاعری کے سرمائے کی روایت تقریباً پانچ سو سال سے ملتی ہے، جبکہ ناول کی روایت سو سال سے زیادہ نہیں۔ ناول سے پہلے ہمارے یہاں داستانوں کا سرمایہ ہے جس کی عظمت اپنی جگہ ہے۔ اس مضمون میں ناولوں اور افسانوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان کے علاوہ (۵) ادب میں اظہار و ابلا[غ] کا مسئلہ (۶) اردو میں ادبی تنقید کی صورت حا[ل] (۷) تنقید کے مسائل (۸) جدّت پرستی اور جدیدیہ کے مضمرات (۹) ادب میں جدیدیت کا مفہوم (۱۰) برنارڈ شا (۱۱) گورکی کا اثر اردو ادب پر (۱۲) لینن کا اثر اردو ادب پر' اور (۱۳) تراجم اور اصطلا[ح] سازی کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ تم[ام] مضامین خیال انگیز ہیں۔ موجودہ دور میں جدیدیہ اور قدامت نے ایک ہلچل سی مچا رکھی ہے۔ طل[بہ] اور نوجوانوں کو، جو اس دور میں "چہ کنم" کے عا[لم] میں ہیں اس کتابچے پڑھنے سے بصیرت حاصل ہو[گی]۔ 'نظر اور نظریے' اِنہی اُلجھے ہوئے دماغوں ک[ے] لئے ایک بیمثال تحفہ ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور ہمارے یہاں کے بڑے ادیبوں میں سے ایک ہیں اور ایسے سُلجھے ہوئے نقاد ہیں جو اپنی وضعداری پر قائم ہیں۔ اُ[ن] کے ان تمام مضامین میں وسعت بھی ہے گہرائی بھی، وضاحت ہے اور تسلسل بھی قائم رکھا گیا ہے۔ مجموعی طور پر 'نظر اور نظریے' ہر مکتبۂ خیا[ل] کے لئے مفید ہوگی۔

مکتبہ جامعہ قابلِ مبارکباد ہے کہ کتاب کو حُسنِ ظاہری بخشا۔ ٹائٹل خوشنما ہے اور جا[بجا] مختلف رنگ دلفریبی پیدا کرتے ہیں۔ کاغ[ذ] سفید اور کتابت عمدہ ہے۔

"نظر اور نظریے" مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، نزد جے جے اسپتال، بمبئی ۳[؟] سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

ریاض احمد خان

- مدرسین اور پروفیسروں کو ریاستی انعامات !
- غیر پی۔ایس۔سی۔ ملازمین امتحان پاس کر لیں !!

سرکاری فیصلے اور اعلانات

مدرسین اور پروفیسروں کو ریاستی انعامات

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں دو خصوصی مدرسین، ۱۴ ابتدائی مدرسین، ۱۲ ثانوی مدرسین اور ۶ پروفیسروں کو تعلیمی اور سماجی میدان میں ان کی لائق تحسین خدمات پر ریاستی انعامات دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس انعام میں پانچ سو روپیہ نقد اور ایک میرٹ سرٹیفکیٹ شامل ہے۔

انعام حاصل کرنیوالوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں :۔

خصوصی مدرسین : شری ایس۔ این۔ پاٹھک، ڈرائنگ ٹیچر، دادا چودھری ودیالیہ نمبر ۱ احمد نگر، شریمتی ایس۔ این۔ برمھے، پرنسپل، جونیئر کالج آف ایجوکیشن (پری پرائمری) پونا۔

پرائمری مدرسین : شری کے۔ بی۔ بیدرکر، مدرس، پوروا مادھیامک اسکول، دڈا (بالس گاؤں) ضلع بھنڈارہ، شری ایم۔ ایچ۔ گھڈگے، ہیڈ ماسٹر، جیون شکشن کیندر ا ودیالیہ، کمٹے، ضلع ستارا، شری ایس۔ ایس۔ شیخ حسن، مدرس، پرائمری اسکول، واہی گاؤں، ضلع امراؤتی، شری محمد قاسم شیخ محمود کردیکر، ہیڈ ماسٹر اردو اسکول، گورے گاؤں ضلع قلابہ، شریمتی بی۔ ایس۔ ناڈکرنی، ہیڈ مسٹریس، بالموہن ودیا مندر پری پرائمری اسکول، بمبئی، شریمتی ایچ۔ ایس موہتے، ہیڈ مسٹریس، گرلز مراٹھی اسکول نمبر ۵ شولاپور کارپوریشن، شولاپور، شری ایس۔ این۔ ہنچنالے، ہیڈ ماسٹر کمار ودیا مندر، باسر سجے، ضلع کولھاپور، ایس۔ خونکر، مدرس، بال ودیا مندر پرائمری اسکول، پربھنی۔ شری جے۔ این۔ دکشت، ہیڈ ماسٹر، زیڈ۔ پی۔ اسکول داگھولی، ضلع پونہ، شری ایس۔ ایس۔ شیٹے، ہیڈ ماسٹر، سنٹرل پرائمری اسکول دسا، ضلع عثمان آباد۔ شریمتی ایم۔ ایم۔ ادھو، ہیڈ مسٹریس زیڈ۔ پی۔ پرائمری اسکول نمبر ۱ ناسک روڈ، ضلع ناسک۔ شری ٹی۔ بی۔ پاٹل مدرس، زیڈ۔ پی، پرائمری اسکول، گوٹانے، ضلع دھولیہ۔ شری ایس۔ ڈی۔ گوہانے، مدرس زیڈ۔ پی۔ ہائی اسکول، اسٹی، ضلع بیڑ۔ شری ایل۔ آر۔ پاٹل، اُپ مکھیا دھیاپک، ضلع پریشد پرائمری اسکول نمبر ۲، دلوا، ضلع سانگلی۔

ثانوی مدرسین : شری ایم۔ آر۔ بان پورکر، ہیڈ ماسٹر نیوجا بائی ٹھاکرتی ہائی اسکول برہماپوری، ضلع چندرپور۔ شری سی۔ ڈی پاٹھک، ہیڈ ماسٹر، لیلاوتی لال جی دیال ہائی اسکول، بمبئی۔ شری جے۔ ڈی۔ چندرانا، ہیڈ ماسٹر، سیٹھ لکشمی داس بھاسکر ہائی اسکول، پنویل، ضلع قلابہ۔ شریمتی ایل۔ اے ڈنڈاونے، ہیڈ مسٹریس، پروگریسیو ایجوکیشن سوسائٹیز گرلز ہائی اسکول، پونا۔ شری آر۔ بی۔ دیشپانڈے ہیڈ ماسٹر شری سرسوتی ودیالیہ، پرلی ویجناتھ، ضلع بیڑ۔ شری پی۔ پی۔ دیو۔ سپروائزر ہری بھاؤ دیوکرن ہائی اسکول، شولاپور۔ شری بی۔ ایچ۔ پائی، انگلے، ہیڈ ماسٹر، گوکھلے ایجوکیشن سوسائٹیز، ایچ۔ اے۔ ایل۔ ہائی اسکول، اوزر ٹاؤن شپ، اوزر، ضلع ناسک۔ شری وی۔ ڈبلیو۔ پنڈت، پرنسپل کرمویر بھاؤراؤ پاٹل ودیالیہ، کوپرگاؤں، ضلع احمد نگر۔ شری وی۔ ای تیواری۔ ہیڈ ماسٹر، گورنمنٹ ہائی اسکول، عمرکھیڈ، ضلع ایوت محل۔ شری بی۔ آر۔ نائک، ہیڈ ماسٹر، سٹی ہائی اسکول، سانگلی، شری ایس۔ ڈی۔ دیشمکھ، ہیڈ ماسٹر، ضلع پریشد ہائی اسکول، کنوت، ضلع ناندیڑ، شری کے۔ وی۔ تارے، ہیڈ ماسٹر سری جگدمبا ودیالیہ۔ اچل پور سٹی، ضلع امراوتی۔

یونیورسٹی مدرسین : ڈاکٹر پی۔ ایس۔ ٹلے، ڈائرکٹر لکشمی نرائن انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی، ناگپور۔ ڈاکٹر ایچ۔ جے۔ ارنیکر، سینئر پروفیسر آف کیمسٹری، یونیورسٹی آف پونا۔ ڈاکٹر ڈی۔ ٹی لکڈاوالا، سینئر پروفیسر برائے معاشیات، محکمہ معاشیات، یونیورسٹی آف بمبئی، بمبئی۔ ڈاکٹر (شریمتی) کمارگی سرڈیسائی، مراٹھی ریڈر، ایس۔ این۔ ڈی۔ ٹی۔ یونیورسٹی برائے خواتین، بمبئی۔ شری آر۔ کے کنبرکر،

پل نیوکالج، کولھاپور اور شری بی۔ بی۔ ڈیشمکھ، پروفیسر
لئے مراٹھی، گورنمنٹ آرٹس اینڈ سائنس کالج، اورنگ آباد۔

پرائمری مدرسین کی پنشن میں اضافہ

حکومت مہاراشٹر نے غیر ضمانتی پرائمری اسکول
رسین کی جو کہ سابق ڈسٹرکٹ اسکول بورڈوں اور
نسپل اسکول بورڈوں کے پنشن فنڈ سے پنشن حاصل
رتے ہیں۔ پنشن میں عارضی اضافہ کی سہولت دی ہے۔

پنشن میں عارضی اضافہ ان مدرسین کو اس وقت
ک دیا جاتا رہے گا جس وقت تک سرکاری ملازمین
و ملتا رہے گا۔

یکم اپریل ۱۹۷۳ء سے جو پنشن میں اضافہ
وا تھا اس کا بقایا موجودہ سال کے دوران ان
رسین کو ملے گا۔ یکم اپریل ۱۹۷۳ء سے قبل مدت کا
ایا اس وقت ادا کیا جائے گا جبکہ مجلسِ قانون ساز
یجسلیچر) اپروپریئیشن ایکٹ برائے سال ۷۵-۱۹۷۴ء
س کر دے گی۔

نس آف ویلز میوزیم

حکومت مہاراشٹر نے پرنس آف ویلز میوزیم آف
یسٹرن انڈیا کے ٹرسٹی بورڈ پر شری کارل کھنڈالوالا،
ری ایم۔ آر۔ اچریکر اور ڈاکٹر پی۔ جے۔ دیورس کو
۲ دسمبر ۱۹۷۳ء سے ۳ سال کے لئے بطور ممبر
مزد کیا ہے۔

بیع جوار وصولی کا نشانہ ۱٫۷۸٫۰۰ میٹرک ٹن

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں ربیع جوار
فصل کی حالت دیکھتے ہوئے جاریہ موسم میں
بیع جوار کی وصولی کا نشانہ ۱٫۷۸٫۰۰۰ میٹرک ٹن
رر کیا ہے۔ اس نشانہ کا مطلب لیوی وصولی سے
ہے۔ متعلقہ اضلاع کے کلکٹران کو ہدایت کی گئی ہے
کہ وہ مقررہ نشانے کو پورا کرنے کے لئے پوری
تیزی سے کوشش کریں۔

زیادہ ربیع جوار پیدا کرنے والے متعلقہ
اضلاع کے لئے مقررہ نشانہ: ناسک ... ۲۰۰۰
میٹرک ٹن، دھولیہ ... ۵ میٹرک ٹن، جلگاؤں
.. ۱۵ میٹرک ٹن، احمدنگر ... ۳۰ میٹرک ٹن،
پونا .... ۲ میٹرک ٹن، ستارہ ... ۶ میٹرک ٹن،
سانگلی ... ۴ میٹرک ٹن، شولاپور ... ۴ میٹرک ٹن،
اورنگ آباد .... ۲ میٹرک ٹن، پربھنی .... ۱ میٹرک ٹن،
بیڑ ... ۱۲ میٹرک ٹن، ناندیڑ ... ۲٫۵ میٹرک ٹن،
عثمان آباد .... ۱ میٹرک ٹن، ناگپور ... ۳ میٹرک ٹن،
بھنڈارہ ... ۲ میٹرک ٹن اور چندرپور ۱۰۰۰
میٹرک ٹن۔

حکومت نے آخری طور پر یہی ۱٫۷۸٫۰۰۰
میٹرک ٹن کا نشانہ ربیع جوار کی وصولی کی غرض
سے پوری ریاست کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

غیر پی۔ ایس۔ سی۔ ملازمین

حکومتِ مہاراشٹر نے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۰ء تک
بھرتی کئے گئے غیر پی۔ ایس۔ سی۔ ملازمین کو پبلک
سروس کمیشن کے امتحان میں شرکت سے مستثنیٰ کر دینے
کا فیصلہ کیا ہے۔ صرف ایسے غیر پی۔ ایس۔ سی
امیدواروں سے جو کہ یکم جنوری ۱۹۷۱ء کے بعد بھرتی
کئے گئے ہیں، کہا جائیگا کہ وہ پی۔ ایس۔ سی۔ امتحان
پاس کر لیں تاکہ ملازمت کے اہل ہو سکیں۔ جو لوگ پاس
نہیں کرینگے انکو ہٹا کر پی۔ ایس۔ سی پاس امیدوار
کو رکھا جائے گا۔

مدت میں توسیع

حکومتِ مہاراشٹر نے مجوزہ ٹاؤن پلاننگ اسکیم
برائے کولھاپور نمبر چہارم کو منظور یا نامنظور کرنے کی
مدت میں ۳۰ جون ۱۹۷۴ء تک کی توسیع کر دی ہے۔

غالب اکیڈمی میں امریکن معزز خواتین کی تشریف آوری

اکیڈمی کی طرف سے پُرتپاک خیر مقدم

نئی دہلی: امریکہ کی چند معزز خواتین جو ان دنوں ہندوستان کے دورہ پر آئی ہوئی ہیں،
۲۷ جنوری کی سہ پہر کو غالب اکیڈمی دیکھنے کی غرض سے بستی حضرت نظام الدین تشریف لائیں۔
اکیڈمی کے سکریٹری ذہین نقوی نے ان کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور ان مہمانوں کو مزارِ
غالب کے علاوہ اکیڈمی کے مختلف شعبے دکھائے۔

اِن خواتین میں ٹیچرس ٹریننگ کالج کی پروفیسر ہیلن اسٹورین، نیویارک کی ایک درسگاہ میں معلّم روز
میری ویل بک، مشہور موسیقار جینیٹ مک لیوڈ اور میڈورا پیٹرسن ایک جرنلسٹ، قابلِ ذکر ہیں۔

مہمانوں نے یوں تو اکیڈمی کی آرٹ گیلری، آڈیٹوریم، لائبریری، شعبۂ فروخت کتب اور غالب
میوزیم وغیرہ سب ہی شعبے دیکھے تاہم غالب میوزیم بہت پسند کیا۔ اس موقعہ پر اکیڈمی کی مطبوعات
بھی انھوں نے دلچسپی سے ملاحظہ کیں جن میں اکیڈمی کی انگریزی تالیف 'نوائے سروش'
(Whisper of the Angel) کافی توجہ کے ساتھ دیکھی اور ایک ایک کاپی خرید کر
اردو کے آفاقی شاعر مرزا غالب کو خراجِ تحسین ادا کیا۔ ساتھ ہی وطن واپس جاکر نوائے سروش کے
بارے میں اپنے تاثرات بھیجنے کا وعدہ کیا۔

'قومی راج' کے اجراء کے موقع پر وزیراعلیٰ تقریر کرتے ہوئے۔ (بیٹھے ہوئے دائیں سے بائیں) خواجہ عبدالغفور، خواجہ احمد عباس، سکندر علی وجد، کرشن چندر، ڈاکٹر رفیق زکریا، محترمہ وتسلا بائی نائیک، شری شرد پوار، شری اننت کانیکر، شری ڈی۔ڈی۔ساٹھے اور شری پی۔جی۔سالوی ؛

"قومی راج" —— اُردو داں عوام اور حکومت کے درمیان قریبی رابطہ :

وزیراعلیٰ نائک کے دستِ مبارک سے اجراء

شری وی۔پی۔نائک، وزیراعلیٰ مہاراشٹر نے یوم جمہوریہ کے مبارک موقع پر آل انڈیا ریڈیو آڈیٹوریم بمبئی میں منعقدہ تقریب میں 'قومی راج' کی رسم اجراء ادا کی جو حکومتِ مہاراشٹر کے زیرِ اہتمام انگریزی اور مراٹھی زبان میں شائع ہونے والے پندرہ روزہ 'لوک راجیہ' کا اُردو ایڈیشن ہے۔

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر صحت عامہ، شہری ترقی اور اوقاف نے تقریب کی صدارت فرمائی۔ اس موقع پر ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شری نائک نے فرمایا کہ کچھ سال پہلے جب اسمبلی کے ایوان میں میں نے یہ اعلان کیا تھا کہ سرکاری رسالہ 'لوک راجیہ' اردو زبان میں بھی نکالا جائے گا، تو یہ میرے دل کی آواز تھی جو میں نے کسی کو محض خوش کرنے کے لئے نہیں کہی تھی۔ اس کی اشاعت میں تاخیر ضرور ہوئی ہے۔ اس کی وجہ آپ جانتے ہی ہیں، کچھ ناگہانی مصیبتیں اور کٹھنائیاں ہیں جن کا اس عرصہ میں ہمیں سامنا کرنا پڑا۔ بہر حال ہمیں اس کی اشاعت کی فکر برابر رہی۔ مقصد نیک تھا۔ کوئی مصیبت اور کٹھنائی نیک مقصد کی راہ میں کبھی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ مجھے انتہائی خوشی ہے کہ آج کے مبارک دن سے قومی راج کی اشاعت عمل میں آرہی ہے۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ اُردو داں طبقہ اور حکومت کے درمیان قریبی رشتہ اور رابطہ قائم ہو۔

اردو زبان کے تئیں اپنے دلی جذبات اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے شری نائک نے فرمایا، "کہا جاتا ہے کہ صرف اُردو زبان ہی میں 'قومی راج' کیوں نکالا گیا ہے، جبکہ یہاں کئی دوسری زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔ ہم دوسری زبانوں میں بھی لوک راجیہ ضرور نکالیں گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُردو تو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ ایسا سوچنا ٹھیک نہیں ہے۔ اُردو ہمارے دیش کی ایک مہان زبان ہے۔ سب ہی صوبوں میں بولی جاتی ہے۔ یہ کسی خاص مذہب کی زبان نہیں بلکہ عوام کی زبان ہے۔ مختلف مذاہب کے ماننے والے بہت سے لوگ اسے بولتے ہیں۔ یہ ان سب میں میل محبت کا رشتہ قائم کرتی ہے۔ اسکا مزاج سیکولر ہے۔ اس میں جوش ہے، ولولہ ہے۔ اس کی شاعری بڑی سُندر، مدھ بھری، شیریں اور پیاری ہے۔ چاہے سمجھ میں پوری طرح نہ آئے، کانوں کو بھلی لگتی ہے اور دل پر اثر کرتی ہے ایسی زبان کو ترقی دینا اور آگے بڑھانا ہمارا فرض ہے۔

اُردو کسی خاص مذہب کی زبان نہیں بلکہ عوام کی زبان ہے۔ اس کی شاعری بڑی سُندر، مدھ بھری، شیریں اور پیاری ہے !

ڈاکٹر رفیق زکریا صدارتی تقریر کرتے ہوئے !

ﺍﻋﻠﯽٰ نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ
خبارات کا نقطۂ نظر اور رویّہ تعمیری نہیں ہے
نگا فساد کی خبروں کو نمایاں کیا جاتا ہے ۔ یہ
ور کچھ مخالف جماعتیں یہ تو بتاتی ہیں کہ کیا
ہے' یہ نہیں بتاتیں کہ حکومت کیا کر رہی ہے
لائی' ترقی اور خوشحالی کیلئے ۔ ان کی خبروں
ان پڑتا ہے کہ ہر طرف ہنگامہ ہے 'گڑ بڑ ہے'
ں ہی لگے ہیں اور بس ۔ حالانکہ حقیقت یہ
، گھیراؤ اور بند کرنے، کرانے والے تو گنتی
ں ۔ آج لوگوں کی بہت بڑی تعداد تو دل
، زراعتی اور صنعتی میدان میں پیداوار بڑھانے
ی کاموں میں لگی ہے جس سے دیس ترقی
قوم کو خوشحالی نصیب ہوگی ۔ اخبارات کا
وہ اس پہلو کو بھی اجاگر کریں ۔ وزیر اعلیٰ
ہ میں مزید فرمایا " ابھی ہمیں ریاست
ں شدید خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا تھا ۔
ا کہ کبھی اور کہیں اتنا سوکھا اور کال
ومت نے لوگوں کے تعاون اور پوری
اس کا مقابلہ کیا ۔ اسمیں ایک انسان
سے نہیں مرا ۔ حکومت نے پچاس لاکھ
گوں کو خشک سالی کے دوران روزی
مہیّا کی اور انھیں تعمیری کاموں میں لگایا ۔ اس طرح
وہ ایک طرف کسی پر بار اور کسی کے محتاج نہیں بنے
اور دوسری طرف تعمیری کام بھی ہوا ۔ یہ اتنا بڑا
کام ہے' ایسا کارنامہ ہے کہ اسکی مثال شاید
تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی ۔ ہم اس پر بجا طور پر
فخر کر سکتے ہیں ۔ " قومی راج " بھی ان سرکاری رسائل
میں سے ہے جو برسہا برس تک اگلی نسلوں کو بھی
ان معلومات سے روشناس کرے گا ۔

وزیر اعلیٰ نے آخر میں فرمایا 'قومی راج' کی اشاعت
کا مقصد یہی ہے کہ حکومت اور اردو داں طبقہ کے
درمیان اور قریبی تعلق اور رابطہ قائم ہو ۔ انھیں
معلوم ہو کہ حکومت مہاراشٹر ترقی کے کیا کام انجام
دے رہی ہے اور لوگ دیش کی ہمہ جہتی ترقی کے
لئے کیا کچھ جدوجہد کر رہے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ
'قومی راج' اس مقصد کو پورا کرے گا اور مقبول
ہوگا ۔

ڈاکٹر رفیق زکریا نے اپنی صدارتی تقریر میں
فرمایا کہ 'قومی راج' کا اجراء تاریخ حیثیت رکھتا
ہے ۔ یہ بہترین تحفہ ہے جو حکومت مہاراشٹر نے
اس سال یوم جمہوریہ کے مبارک موقع پر اردو داں
عوام کو دیا ہے ۔ مجھے امید ہے کہ اس کا اسی
جذبہ سے خیر مقدم کیا جائے گا ۔ وزیر اعلیٰ نائک

شری سشیر دپھارنے بھی اردو سے اپنی دلچسپی اور محبت کا اظہار کیا !

کی زیرِ قیادت حکومتِ مہاراشٹر کا اردو کے ساتھ جو منصفانہ، ہمدردانہ اور فراخدلانہ سلوک ہے، یہ اس کا ایک اور روشن اور مثبت ثبوت ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند کے محترم صدر آنند نرائن ملّا نے خود اعتراف کیا تھا کہ "اگر ریاستِ مہاراشٹر کی طرح خصوصاً شمال کی کچھ ریاستوں میں اردو کے ساتھ ایسا منصفانہ سلوک روا رکھا جاتا اور ایسی ہی سہولتیں دی جاتیں تو شاید وہاں اردو عوام کو اتنی شکایتیں کبھی پیدا نہ ہوتیں اور وہ بھی مطمئن رہتے۔"

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا: "ہماری ریاستِ مہاراشٹر میں اردو زبان آزادی سے پروان چڑھ رہی ہے۔ حکومت کی جانب سے اس کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ تعلیمی میدان میں مختلف سہولتیں اور امداد بہم پہنچائی گئی ہے۔ ہماری درسی کتابیں معیاری ہیں، دیدہ زیب ہیں، بہترین کتابت سے آراستہ ہیں۔ پھر ان کی قیمت بھی بہت معمولی ہے۔ اس کی تعریف دوسری ریاستوں میں بھی کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں مراٹھی کے ساتھ ساتھ اردو کے ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی اور قدر کیجاتی ہے انھیں بھی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ کرشن چندر جی کی تجویز تھی کہ انعامات کی تعداد دو سے بڑھا کر پانچ کردی جائے۔ شری نائک نے اسے فوراً قبول کرلیا جس سے ان کی اردو دلچسپی اور دوستی ظاہر ہوتی ہے۔

مراٹھی اور اردو زبان کے درمیان قدیم اور گہرے رشتہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر زکریا نے بتایا کہ دونوں زبانوں میں لگ بھگ ۳۸ فیصدی الفاظ مشترک ہیں۔ گو لہجہ اور تلفظ دونوں میں ذرا بدلا ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ "قومی راج" اس رشتہ کو اور مضبوط کرے گا اور مراٹھی اور اردو برادری کو اور قریب لائے گا۔

'راج بھاشا' کی حیثیت سے مراٹھی زبان کی اہمیت اور افادیت ظاہر کرتے ہوئے ڈاکٹر زکریا نے اردو داں طبقہ سے پُرزور اپیل کی کہ وہ بھی مراٹھی کو اپنائیں، اسمیں خوب مہارت اور لیاقت پیدا کریں۔ اسطرح وہ مراٹھی کے دوش بدوش آگے بڑھ سکتے ہیں، ترقی کرسکتے ہیں اور اپنی زبان اُردو کو بھی فروغ دے سکتے ہیں۔

شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر ریاست برائے داخلہ و پبلسٹی نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ "قومی راج" کو مقبول بنانے کیلئے ہر ممکن سعی کی جائے گی تاکہ حکومت اور عوام کے درمیان تعلق اور رابطہ قریب سے قریب تر ہو۔

اِس موقعہ پر اردو کے ممتاز ادیب شری کرشن چندر، مشہور و معروف صحافی و ادیب خواجہ احمد عباس اور مراٹھی کے مہان لیکھک پدم شری اننت کانیکر نے قومی راج کی اشاعت پر حکومتِ مہاراشٹر کو دلی مبارکباد پیش کی۔

شری کرشن چندر نے اُردو کے تئیں حکومتِ مہاراشٹر کے ترقی پسند، سیکولر اور غیر متعصبانہ رویّہ کو سراہتے ہوئے کہا۔ "قومی راج کا اجراء ایسے افراد کے عزائم بلند کریگا جو لسانی بنیادوں پر قومی یکجہتی کو بڑھاوا دینا چاہتے ہیں۔" آپنے فرمایا کہ خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس) نے جو خود ایک اعلیٰ پایہ کے مزاح نگار ہیں، جب مجھ سے لوک راج کے اُردو ایڈیشن کی بات کی تو میں نے اسے بھی ایک لطیفہ ہی سمجھا، لیکن انھوں نے مختصر مدت میں جس کدو کاوش سے اتنا اچھا رسالہ پیش کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ (شری کرشن چندر کی پوری تقریر اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں)

خواجہ احمد عبّاس نے فرمایا کہ مہاراشٹر ہمارے دیش کی تمام ریاستوں میں سب سے زیادہ مالدار ہے۔ اسلئے نہیں کہ اس کے پاس دولت کی فراوانی ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا دل بہت بڑا ہے اور اس کی وسیع گود میں دیس بھر میں بولی جانے والی زبانیں پروان چڑھ رہی ہیں اور ان کے بولنے والے آباد ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ 'قومی راج'، سرکاری پروگراموں کی تشہیر کے ساتھ اُردو ادب کی بھی بہترین خدمت کریگا اور اس کے ذریعہ اردو بولنے والوں کے رشتے دوسری زبانوں کے ساتھ کچھ اور مضبوط ہوں گے۔

خواجہ عبدالغفور شکریہ ادا کررہے ہیں۔

پدم شری اننت کانیکر نے 'قومی راج' کی اشاعت پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اُردو زبان کی عظمت، جوش، لطافت و نزاکت اور اثر انگیزی اور مقبولیت کا ذکر کیا۔ آپ نے کہا "ہمارے دستور میں منظور شدہ پندرہ زبانوں میں اردو ایسی زبان ہے جسے ایک رابطہ کی زبان کہا جا سکتا ہے۔ مجھے امید ہے 'قومی راج' اردو زبان کی اس شان کو برقرار رکھے گا۔"

ابتدا میں شری پی۔ جی۔ سالوی، ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز نے اپنی تعارفی تقریر میں فرمایا کہ وہ 'قومی راج' کو مکمل بہتر سے بہتر اور مقبول بنانے کے لیے مناسب و صائب مشورے بسرو چشم قبول کرینگے۔

شری خواجہ عبدالغفور، سکریٹری جی۔ اے۔ ڈی نے جن کی زیر نگرانی "قومی راج" شائع ہوا ہے، شکریہ ادا کرتے ہوئے ڈاکٹر رفیق زکریا وزیر صحت عامہ اور اوقاف؛ شری شرد پوار،

وقار خلیل

کاش ایسا ہو!

[زرعی اصلاحات اور غریبی ہٹاؤ کے پس منظر میں]

سیم و زر، حسنِ تقسیم ہو فرد فرد
اجتماعی مسرت، ضرورت، خوشی
خواہشیں جاوداں، کامراں، زرفشاں
اور زمیں، سب کی میراث، سب کا چمن
سب میں تقسیم ہو، سب رہیں شادماں
کھیت مزدور کاٹیں نہ فاقوں کی فصل
کشتِ نخلِ تمنا ہری ہی رہے
ہر کلی بارور ہو، شگفتہ کھلیں
ہر شجر، سبز و شاداب و چھتنار ہو

کاش ایسا ہو میرے وطن میں تو پھر
خواب اپنی حقیقت کو پا جائیں گے !
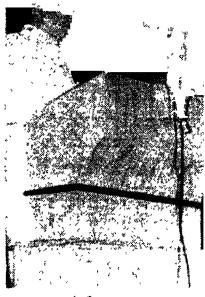
شری پی۔ جی۔ سالوی تقریر کر رہے ہیں

وزیرِ ریاست برائے داخلہ و پبلسٹی، چیف سکریٹری شری ساٹھے اور شری پی۔ جی۔ سالوی، ڈائرکٹر جنرل کی خصوصی دلچسپی اور اعانت کا ذکر کیا جسکی بدولت آج 'قومی راج' کی اشاعت عمل میں آئی اور وزیرِ اعلیٰ کا وعدہ پورا ہوسکا۔

مزید برآں آپ نے ان ادیبوں اور شاعروں کا دلی شکریہ ادا کیا جنھوں نے قلمی اعانت فرمائی اور قومی راج کے اس خصوصی نمبر کے لئے اپنی تخلیقات سے نوازا۔ آپ نے امید ظاہر کی کہ آئندہ بھی بحرِ عرب کے کنارے مہاراشٹر دیش کی سرزمین پر خصوصاً رنگا رنگ شہر بمبئی میں آباد مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے والے سب ہی ادیبوں اور شاعروں کا تعاون "قومی راج" کو حاصل رہے گا۔

"قومی راج" کی بروقت اور خوبصورت طباعت پر خواجہ عبد الغفور صاحب نے گورنمنٹ سنٹرل پریس کے ڈائرکٹر شری ایس۔ اے۔ سپرے اور منیجر شری آر۔ بی۔ الوا کا بھی شکریہ ادا کیا۔

"قومی راج" کی ترتیب و اشاعت اور اس کی تقریب رسم اجرائی کے انتظامات کے سلسلے میں آپ نے ڈائرکٹوریٹ کے جملہ عہدیداران کی محنت اور کارکردگی کو سراہا۔

آخر میں سکندر علی وجد، ممبر راجیہ سبھا کی زیرِ صدارت محفلِ مشاعرہ منعقد ہوئی۔ جس میں رمیش گپتا، انجم رومانی، انجم جے پوری، بینا رانی ناز، عظمت حسین، حسن کمال، حسرت جے پوری، مظفر شاہجہانپوری، یوسف ناظم، چندر موہن شفق، اعجاز صدیقی، ساحر بھوپالی اور صدرِ مشاعرہ نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

قومی ترانہ کے بعد یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی!

اہلِ قلم حضرات

اپنے رشحاتِ قلم "قومی راج" میں اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔ مضامین، مقالات اور منظومات صاف و خوشخط اور ورق کی صرف ایک طرف لکھی ہوئی ہوں۔

تخلیقات پتہ ذیل پر ارسال کی جائیں:

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، سچوالیہ، بمبئی 400032

میں امید کرتا ہوں کہ
اردو اسی طرح مراٹھی کی چھتر چھایا میں
اسکی چھوٹی بہن کی حیثیت سے
مہاراشٹر کے گھر آنگن میں
خوشی، سکون اور امن چین سے بسیرا کرتی رہیگی

ی راج" کے اجرا کی تقریب میں کرشن چندر کی تقریر!

آج کا دن اُردو قومی راج کے اجراء کا دن ہے
ن مہاراشٹر کے اتہاس میں، اُسکی ادبی اور تہذیبی
، میں ایک تاریخی اور نمایاں حیثیت رکھے گا۔
مہاراشٹر کے لوگوں نے یہاں کی جنتا نے اور یہاں
کومت نے اُردو زبان کیلئے، اس کی ترقی، ترویج
اعت کے لئے ہمیشہ سے ایک ترقی پسند سیکولر
یر متعصب رویّہ اپنایا ہے۔ یہ اسی میل ملاپ،
۔ اور ملاطفت کے رویّے کا اثر ہے جو آج اردو
شٹر میں پھل پھول رہی ہے، اور اسے وہ تمام
تیں اسکی تعلیم اور ترقی کے لئے حاصل ہو رہی ہیں
دو جیسی بڑی اور خوبصورت زبان کو ملنا چاہئیں۔
کے طور پر آج بمبئی میں اُردو میڈیم کے جتنے اسکول
ہیں اتنے اسکول اور تعلیمی ادارے شاید ہندوستان
ی دوسرے بڑے شہر میں نہ ہوںگے۔
اُردو داں جنتا جو مہاراشٹر میں مراٹھی زبان
بعد دوسرا بڑا لسانی گروپ ہے، اس رواداری
لئے ــ اس محبت کے سلوک کیلئے، مہاراشٹر
نتا اور اسکی حکومت کی تہِ دل سے شکر گذار ہے۔
اُردو کا سیکولر مزاج اور قومی یکجہتی کی روایت
، زبان کی گھٹی میں داخل ہے۔ اُردو زبان کا

خمیر اسی دیس کی مٹی سے اُٹھا ہے۔ اردو زبان کو
ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں سب نے ملکر بنایا ہے
اُٹھایا ہے، اونچا کیا ہے اور اپنے سینے سے لگا کے رکھا ہے
اسی لئے تو یہ زبان سارے ہندوستان میں پھیل سکی ہے خود
مہاراشٹر میں درجنوں ایسے مراٹھی رائٹر موجود ہیں جنھوں نے
اپنے ساہتیہ سے اپنے ادب سے، اپنے رشحاتِ قلم سے اُردو
کا دامن مالا مال کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اردو اسی
طرح مراٹھی کی چھتر چھایا میں، اسکی چھوٹی بہن کی حیثیت سے
مہاراشٹر کے گھر آنگن میں خوشی، سکون اور امن چین سے
بسیرا کرتی رہے گی۔

اردو قومی راج کا اجرا، قومی یکجہتی کی روایت کو
آگے بڑھاتا ہے، اسے تقویت دیتا ہے اور ان تمام
لوگوں کے ہات مضبوط کرتا ہے جو مہاراشٹر کے مختلف
طبقوں اور لوگوں میں صُلح و آشتی، امن اور تہذیب کا
پرچم بلند رکھنا چاہتے ہیں۔
مجھے خوشی ہے کہ حکومتِ مہاراشٹر کے اس نئے
جریدے کا اجرا، ہمارے مکھیہ منتری شری وی۔پی۔
نائیک کے ہاتوں سے ہو رہا ہے۔ وہ ہات نیک ہیں
اور قابلِ تعظیم ہیں جو اُردو کی حمایت میں اُٹھے ہیں۔
شری وی۔پی۔ نائیک نے اس حسنِ سلوک سے اُردو

والوں کے دل جیت لئے ہیں اور دُنیا پر ظاہر کر دیا ہے کہ
مہاراشٹر کا یہ عظیم سپوت جو کہتا ہے وہ کر کے دکھاتا ہے۔
میں اُردو جاننے والی جنتا کی طرف سے اس نیک اقدام
کیلئے شری وی۔پی۔ نائیک کو بدھائی دیتا ہوں۔
اور مبارکباد دیتا ہوں ڈاکٹر رفیق زکریا وزیر صحت
کو جنھیں ہمیشہ اردو کی صحت کی فکر رہتی ہے۔ آج مہاراشٹر
میں اُردو نے جو ترقی کی ہے، اُسکے ہر قدم پر، ہر منزل پر
اور ہر موڑ پر اُردو زبان کو ڈاکٹر رفیق زکریا کی سرپرستی
اور سہارا حاصل رہا ہے۔ ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب صرف یہ
کہ ایک ذہین، باشعور وزیر ہیں۔ وہ ہمارے ملک کے
ایک بہت بڑے دانشور بھی ہیں جو اس ملک کی تمام زبانوں
کا بھلا چاہتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمیں آئندہ بھی اُنکا
تعاون، حوصلہ افزائی اور سرپرستی حاصل رہے گی۔
تحسین ناشناسی ہوگی اگر میں مہاراشٹر کے وزیر داخلہ،
پبلسٹی اور پروٹوکول شری شرد پوار کا ذکر نہ کروں، جنکے
محکمے نے اردو قومی راج کی اشاعت کی مکمل ذمے داری
سنبھال لی ہے۔ شری شرد پوار صاحب بھی مہاراشٹر میں یہاں
کی تمام زبانوں کی ترقی اور اُنکے آپسی میل ملاپ اور محبت کے
خواہاں ہیں۔ اردو جنتا کی ایک پُرانی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے
شری شرد پوار نے اُردو کیلئے جس ہمدردی اور کشادہ دلی کا
ثبوت دیا ہے اُسکے لئے اردو والے ہمیشہ ان کے شکر گذار
رہیں گے۔
آخر میں آپ سب کی طرف سے میں خواجہ عبدالغفور سکریٹری مہاراشٹر
گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خواجہ صاحب اعلیٰ پایہ کے مزاح نگار
ہیں، طنز نگار ہیں۔ لطیفہ بازی اور چٹکلے سازی میں اُن کا جواب
نہیں اسلئے جب انھوں نے مجھ سے قومی راج کے اجراء کا ذکر کیا تو
میں نے اسے بھی ایک لطیفہ سمجھا جو ایک دن کسی سرکاری فائل میں
برسوں کیلئے دب کر رہ جائیگا۔ مگر جس جانفشانی، کاوش اور
کوشش سے انھوں نے دو ہی مہینوں میں یہ معجزہ برپا کر دیا ہے
وہ کچھ انہی کی مساعی جمیلہ کا حصّہ ہے۔ ہم سب خاص طور پر خواجہ
عبدالغفور صاحب کے شکر گذار ہیں۔ میری دلی دعائیں "قومی راج"
کے ساتھ شامل ہیں اور میں چاہونگا کہ مہاراشٹر گورنمنٹ کے اس اردو
جریدے کو اردو کے سب ادیبوں کا بھرپور تعاون حاصل ہو۔ شکریہ!

جلد ۱ • شمارہ ۳

پندرہ روزہ قومی راج

فی پرچہ ۲۵ پیسے • سالانہ ۵ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترتیب

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ :
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ،
بمبئی ۴۰۰۰۳۲

شمہائے گفتنی

اس شمارے میں قومی راج کے بارے میں اخبارات کے تبصرے اور قارئین نیز ادب دوستوں کے خطوط شائع کئے جا رہے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ اخبارات اور عوام نے یکساں طور پر قومی راج کی اشاعت پر اظہار مسرت کیا ہے اور اس کی ترتیب، تزئین اور مواد کی تعریف کی ہے۔ بہت سے بہی خواہوں نے ہمیں نیک مشورے دئے ہیں جن میں سے بعض پر فوری عمل کی کوشش کی گئی ہے اور بہت سے مشوروں پر عمل کیلئے وقت درکار ہے تاہم قارئین کی خواہشات کی تکمیل کی بہرحال کوشش کی جائے گی۔

بعض تبصرہ نگاروں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ رسالہ پر مدیر کا نام نہیں دیا گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ رسالہ کی اشاعت جو ایک مدت سے مختلف وجوہات کی بنا پر رکی ہوئی تھی، یکلخت عمل میں لانا طے کیا گیا تاکہ تذبذب کی کیفیت ختم ہو۔ اس صورت میں باقاعدہ اِدارتی عملہ کا تقرر فوری طور پر ممکن نہ تھا۔ یہ صورتحال اب بھی ہے اور جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے وہ "قومی راج" سے متعلقہ افراد کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے "قومی راج" کی ایجنسی کیلئے ہمیں ملک بھر سے خطوط موصول ہوتے ہیں لیکن چونکہ کچھ انتظامی دشواریاں ہیں اسلئے ہنوز ایجنٹ حضرات کے مطالبات پورے نہیں کئے جا سکے تاہم کوشش جاری ہے کہ جلد از جلد باقاعدہ ایجنسیاں قائم کردی جائیں۔ دریں اثنا ہم "قومی راج" سے دلچسپی ظاہر کرنے والے ایجنٹوں سے معذرت خواہ ہیں۔ سالانہ خریداری کا سلسلہ البتہ جاری ہے۔

اہلِ قلم حضرات نے بطور خاص "قومی راج" کا خیر مقدم کیا ہے۔ لکھنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو غیر مطبوعہ تخلیقات ہی اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں اور تخلیقات صاف و خوشخط ورق کی صرف ایک جانب لکھ کر بھیجیں۔ تحقیقی اور معلوماتی مضامین نیز دیگر زبانوں سے ترجمے بھی قبول کئے جائیں گے۔

تازہ شمارہ کے بارے میں اپنی رائے ضرور دیں۔

آخر میں ادارہ ملک بھر کے اردو دوست حضرات کی جانب سے مہاراشٹر کے ہر دلعزیز رہنما شری وی۔پی۔ نائیک کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے نہ صرف "قومی راج" کی اشاعت کو ممکن بنایا بلکہ جو آج بھی ہر مرحلہ پر اس رسالہ میں دلچسپی لے رہے ہیں اور ہماری رہنمائی کر رہے ہیں!

خواجہ عبدالغفور

How poor is the man who
Asks no questions

———— Staff

سوال پوچھتے رہو
سروں پہ آسمان تھا
قدم قدم زمین تھی
دھواں دھواں ہے آسماں
زمین کھو گئی کہاں
برس رہی ہے تیرگی
نہ ہاتھ ہیں، نہ پاؤں ہیں
صدائیں ہی صدائیں ہیں
وطن، اناج، خون، سر
عرب، یہود، کینسر
چناب، روس، چین، گھر
سیہ سفید بے لگام
توا، کڑائی، ویت نام
سوال ہی حیات ہے
سوال کائنات ہے
سوال ہی جواب ہے
سوال انقلاب ہے
کوئی جواب دے نہ دے
سوال پوچھتے رہو...
سوال پوچھتے رہو!

ندا فاضلی

رات کے اندھیرے سے صبح کے اُجالے تک
بات یوں ہے لمحوں کی، فاصلہ ہے صدیوں کا
ہم سفر گروہوں میں جب بھی بٹنے لگتے ہیں
قافلے تو بڑھتے ہیں، فاصلے نہیں گھٹتے
عمر بیت جاتی ہے ایک شب کے کٹنے میں

ساتھ چلنے والے جب فرق کرنے لگتے ہیں
رنگ و نسل و مذہب میں، فرقہ و جماعت میں
نام پوچھے جاتے ہیں، شکلیں دیکھی جاتی ہیں
موسمِ بہاراں پھر سانس روک لیتا ہے
فصلِ گل کے ہوتے بھی سب اُداس رہتے ہیں

نفرتوں کے ساغر جب میکدے میں بٹتے ہیں
پھر سبق محبت کا کوئی پڑھ نہیں پاتا
اِک زمانہ لگتا ہے اک ورق اُلٹنے میں
عمر بیت جاتی ہے ایک شب کے کٹنے میں

وقت اپنی مٹھی میں سب چھپائے رکھتا ہے
رات کا اندھیرا بھی، صبح کا اُجالا بھی
جس کو جو بھی لینا ہے اُس سے مانگ لیتا ہے
اپنی اپنی قسمت ہے اپنا اپنا حصہ ہے

•

یوسف ناظم

حاضر دماغی حاضر جوابی

حاضر جوابی مزاح کا ایک بڑا اہم جزو ہے اور لطیفہ سنجی میں بڑا مزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے اپنے مخاطب کو بآسانی لاجواب کیا جا سکتا ہے۔ حاضر دماغی کے ساتھ حاضر جوابی زندگی کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے اور مشکل لمحوں میں زبردست ہتھیار کا کام دیتی ہے۔

سڑک چھاپ دل پھینک نوجوان نے ایک خوبصورت سی لڑکی کو تاکا اور اس کے پیچھے ہو لئے۔ اُس لڑکی نے ان کے تعاقب سے تنگ آکر پوچھا کہ وہ کیوں اُس کا پیچھا کر رہا ہے۔ اُس نے جواب دیا "آپ بڑی حسین ہیں اور مجھے آپ سے ایک ہی نظر میں پیار ہو گیا ہے"

لڑکی نے کہا "ذرا پیچھے دیکھو، میری چھوٹی بہن آرہی ہے، وہ مجھ سے کہیں زیادہ حسین ہے۔" یہ صاحب ٹھہر گئے اور کچھ انتظار کے بعد جب وہ دوسری لڑکی آئی تو دیکھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی عمر رسیدہ ہے، بڑی حد تک بدشکل۔ مایوس ہو کر یہ پھر آگے گئے اور پہلی لڑکی کو جا لیا۔ بڑے غصے سے کہا "تم بڑی جھوٹی ہو، وہ عورت تو نہایت بدشکل ہے۔"

لڑکی نے جواب دیا "میں نے تو جھوٹ بولا ہی تھا۔ آپ کون سے سچے ہیں؟ کہا تھا کہ مجھ سے پیار ہو گیا اور پھر فوراً ہی کسی دوسری لڑکی کی تلاش میں نکل گئے، کدھر گیا تھا آپ کا پیار؟

●

ایک بہت بڑی دعوت میں ایک نوجوان فوجی افسر ایک خاتون سے باتوں باتوں میں کہنے لگے "وہ دیکھئے۔ وہ جو بڑی بڑی مونچھوں والے بریگیڈیئر صاحب ہیں، اُن سے برا افسر ساری فوج میں نہ ہوگا۔ بداخلاق، بدکلام اور ظالم۔"

اُس خاتون نے پوچھا "تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں اُسی افسر کی بیوی ہوں۔" اس پر نوجوان افسر نے پوچھا "خاتونِ محترم، آپ جانتی ہیں میں کون ہوں؟" اس خاتون نے انکار میں سر ہلا دیا اور یہ اطمینان کا سانس لے کر اُس محفل سے فوراً رفو چکر ہو گئے۔

●

اسی طرح کی ایک اور محفل کا واقعہ ہے کہ نئے نئے تعارف کے بعد ہی سلسلۂ گفتگو جاری رکھنے کے لئے دور بیٹھے ہوئے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے خاتون نے کہا "وہ جو صاحب صوفے پر تشریف فرما ہیں اُن جیسا بدشکل، بدہیئت آدمی میں نے نہیں دیکھا۔" ان صاحب نے کہا "جی وہ وہ تو میرے بھائی ہیں۔"

اس انکشاف پر جھینپ کر خاتون نے کہا "میں بے حد معافی چاہتی ہوں۔ میں نے اس مشابہت پر غور نہیں کیا۔"

●

کسی نو دولتیے کے لئے اعلیٰ سوسائٹی کی ڈنر پارٹیوں میں جانا ضروری ہو گیا۔ قبل از قبل تہذیب و اخلاق کی باتیں سیکھنا چاہتے تھے۔ اپنے دوست سے پوچھا کہ اجنبیوں سے سلسلۂ گفتگو کس طرح شروع کرنا چاہیئے۔ دوست نے کہا "اور کوئی موضوع سمجھ میں نہ آئے تو چھیڑ کر یہی پوچھ لیجیے کہ آپ شادی شدہ ہیں، بچے کتنے ہیں، اس کے بعد بات پر بات نکل چلے گی اور آپ کو سلسلۂ کلام جاری رکھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔"

پہلی محفل میں انھوں نے بازو بیٹھی ہوئی خاتون سے پوچھا "آپ شادی شدہ ہیں؟" خاتون نے کہا "جی نہیں"۔ اس پر یہ جھٹ سے پوچھ بیٹھے "آپ کے لڑکے لڑکیاں کتنے ہیں؟" اُس خاتون نے

(قہقہہ زار سے)

ان کو خوب ڈانٹا ڈپٹا اور یہ بہت شرمسار ہوئے
دوسری محفل میں انھوں نے مناسب یہ سمجھا
کہ پہلے یہ پوچھ لیا جائے کہ آپ کے کوئی اولاد ہے؟
چنانچہ یہی سوال کرنے پر خاتون نے بتایا " جی ہاں!
میری دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔"
اس پر یہ اپنے سیکھے ہوئے سبق کی بنا پر
پوچھ بیٹھے " آپ کی شادی بھی ہوئی ہے کہ نہیں"

•

ایک بہت ہی تنگ پُل پر دو موٹروں کا آمنا سامنا ہوگیا اور موقعہ کی نزاکت ایسی تھی کہ کسی ایک موٹر کے واپس جائے بغیر دوسری موٹر کو راستہ نہیں مل سکتا تھا۔ دونوں موٹر چلانے والوں نے زور زور سے ہارن بجائے، لیکن دونوں میں سے کوئی بھی واپس جانے کے موڈ میں نہیں تھا، کچھ اسلئے تکرار بھی ہونے لگی۔ اس میں ایک موٹر والے نے بڑے طیش میں چلا کر کہا " میں کسی بیوقوف اور بیہودہ آدمی کو راستہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" اس پر دوسرے صاحب نے نہایت متانت اور وقار سے کہا " جی میں تو ایسے لوگوں کو فوراً راستہ دے دیتا ہوں " یہ کہہ کر انھوں نے اپنی موٹر کار کو فوراً پیچھے ہٹالیا۔

•

ایک اور قصہ ہے کہ کسی کے گھر ملنے والی ایک خاتون آئی ہوئی تھیں اور ملاقات کے کمرے میں گھر کی بیگم اُن سے باتوں میں مشغول تھیں۔ بہت ہی طویل مدت کے بعد صاحب خانہ کو جو کہیں دور بیٹھے تھے یہ سمجھ کر کہ مہمان خاتون جا چکی ہیں، دور ہی سے چلا کر پوچھا " کیا وہ باتونی اور بور کرنے والی عورت جا چکی؟ " اب بیگم کیلئے بڑا نازک موقع تھا لیکن اُس نے اپنی حاضر جوابی سے موقع کو سنبھال لیا۔ یہ جواب دے کر
" ہاں جی وہ تو کبھی کی جاچکیں۔ اب تو بیگم انیس تشریف فرما ہیں۔"

•
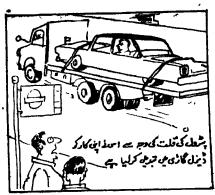
نظام سابع اپنی سادہ زندگی کے لئے مشہور تھے۔ اکثر پھٹے پرانے کپڑے خود پہن لیا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی عنایت کرتے۔ ایک روز انہوں نے اپنے توشک خانے میں سے اپنی نوجوانی کی ایک پرانی مگر بڑھیا شیروانی اپنے چھوٹے شہزادے کے لئے عید کے موقع پر پہننے کے لئے بھجوادی لیکن جب عید کا یوم سعید آیا تو انھیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ شہزادے وہ شیروانی پہنے ہوئے نہیں ہوئے تھے۔ نظام سابع نے خفا ہوکر اسی وقت شہزادے سے جواب طلب کیا۔

شہزادے نے کہا " میں ایسے مبارک موقع پر پرانے کپڑے نہیں پہنتا۔" نظام نے کہا " جب میں حاکم وقت اور فرمانروا ہوکر پہن سکتا ہوں تو تمہیں پہننے میں کیا اعتراض ہے؟"

" میں کیوں پہنوں؟" شہزادے نے قدمبوسی کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے سر پر ابھی میرے والد بزرگوار کا سایہ قائم و دائم ہے۔ آپ البتہ پہن سکتے ہیں۔"

"ہائی بلڈ پریشر کا شکار"

وہ قصہ تو مشہور ہے ہی کہ سر سید احمد
مسلم کالج کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے
طوائفوں نے بھی گراں مایہ رقم ان کو دینا چا
سادے لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ حلال کی کما
نہیں ہے اس لئے اس کو قبول نہیں کرنا چاہئے
سید کو دکھ ہورہا تھا کہ آئی ہوئی رقم ہاتھ سے
بالآخر انھوں نے اعلان کیا کہ وہ رقم قبول کر لی
لیکن اُس کو مسلم کالج کے اور دارالاقامہ کے
کی تعمیر میں استعمال کیا جائے گا۔ یہ ایسا تھ
کہ اس پر مزید بحث مباحثہ کی گنجائش ہی

•

اسی طرح کا ایک واقعہ زمانۂ حال کا
کسی شہر میں اسپتال کی تعمیر کے لئے بازاری عو
نے چندہ دینا چاہا تو بیشتر معززین شہر نے ا
کا اعتراض اٹھایا۔ اس پر دوسرے گروپ
بڑی شدّ و مد کے ساتھ کہا " کیا ہرج ہے ا
روپیہ کو قبول کر لینے میں؟ آخر یہ اُنہی معززین
ہی کا تو روپیہ ہے جو ان عورتوں کے بڑے
باہر آرہا ہے۔"

•

ایک بار دو معزز آدمیوں میں کسی بات پر
ہوگیا۔ بات بڑھ گئی اور دونوں ایکدوسرے کو
کہنے لگے۔ ایک صاحب نے کہا " میں تو آپ
بڑا بھلا مانس اور معقول آدمی سمجھتا تھا۔" دو
نے بھی تائید کی اور طنز بھرے انداز میں کہا "
بھی یہی خیال تھا کہ آپ بڑے شریف ہیں۔" ا
پہلے صاحب نے کہا۔ " آپ کا خیال ٹھیک تھ
غلط فہمی مجھ کو ہی ہوئی۔"
کسی بھکاری سے تنگ آکر مکان نے کہ
" ہمارے گھر پر اسطرح بھیک مانگتے شرم نہیں آتی؟" بھکا
نے برجستہ کہا " آپ فکر نہ کریں، میں نے اس سے
بھی زیادہ گندے اور شرمناک گھر دیکھے ہیں۔"

ورق ورق

ظ انصاری

آج سے ٹھیک ۲۲ برس پہلے یہیں بمبئی سے میری ایک کتاب نکلی تھی "ورق ورق" نام سے ظاہر ہے کہ کسی ایک موضوع پر نہیں ہوگی۔ بکھرے ہوئے خیالات، رُواں دواں لمحے، چٹکلے اور چٹخارے الگ الگ ورقوں پر لکھ کر پن سے جوڑ دیئے گئے تھے اور بس:

کتاب کا انجام بھی وہی ہوا کہ ورق ورق بٹ گئی۔ "اُڑائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے" ہندی کے بعض رسالوں میں نقل ہوئے تو اُن پر لکھنے والے کا کہیں نام نہ تھا؛ اُردو میں "بیسویں صدی" میں کئی بار اس کے بعض ٹکڑے نکلے، کسی سہیل صاحب کے نام سے۔ پھر پاکستان میں دو تین مجموعے اِسی وضع کے چھپے اور ان کی بدولت مصنّف بھی مشہور ہوئے اور نثر کی یہ صنف بھی۔ اللہ بخشے بنّے بھائی (سجّاد ظہیر) نے جیل سے ایک خط لکھ کر "ورق ورق" کی بہت داد دی تھی۔ ادب کے مشاہیر میں بعض نے (مثلاً قاضی عبدالغفار اور کرشن چندر نے) اسے پسند کیا، اور بکجل قرار دیا اور بعض نے (مثلاً سردار جعفری اور مہندرناتھ نے) اسے "شوقِ فضول" کہہ کر ٹال دیا۔ اب تک ایسے لوگ اِکّا دُکّا مل جاتے ہیں جنھیں اس کے کئی کئی ورق زبانی یاد ہیں، اور ایسے بھی جو اسے محض "تن آسانی" شمار کرتے ہیں لکھنے والے کی۔

کتاب تو خیر، اب کیا چھپتی، لیکن میری ڈائریوں میں، یادداشتوں میں ویسی بہت ساری باتیں اٹکی رہ گئی ہیں کہ اگر چھاپے کی مشین تلے انھیں دھوپ نہ دی گئی تو ایک طرف تو وہی بات کہ:

واحسرتا کہ کتنے سُخن ہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

اور دوسرے یہ کہ لکھتے رہنے کی عادت یا مشق کو زنگ لگے گا۔ زنگ، آپ جانیئے، لوہے تک کو کھا جاتا ہے، طبیعت کی نازک دھار کیا شئے ہے: لکھنے والے کو لازم ہے کہ روز کاغذ کالا کرے۔ دس بیس نہیں تو ایک آدھ سہی!

سو برس پہلے کے روس کا مایہ ناز افسانہ نگار **گوگول** کہا کرتا تھا کہ چاہے دو صفحے لکھو، مگر لکھو روزانہ۔ بعد میں کاٹ کر پھینک دینا، لیکن جیسا قلم چلتا ہے، چلائے جاؤ۔ روکو نہیں۔ ورنہ قلم کو زنگ لگ جائے گا۔

جارج برنارڈ شا نے خود کہیں درج کیا ہے کہ وہ روزانہ پانچ صفحے لکھا کرتے تھے۔ ان کے یہاں معمول کی پابندی اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ اگر پانچویں صفحے پر جملہ پورا نہیں ہوا تو اُسے ادھورا چھوڑ دیتے اور دوسرے دن کے کوٹے میں شامل کر لیتے تھے۔ مہامہوپادھیائے راہل سنکرتیائن کو میں نے دیکھا کہ اُنھوں نے اپنا دن موضوعات کے حساب سے بانٹ رکھا تھا: ستّر برس کی عمر میں بھی وہ صبح سویرے نہا دھو کر تیار ہو جاتے، ناشتے کا وقت آنے تک تاریخِ عالم پر قلم چلتا، دوپہر سے ذرا پہلے تک تحقیقی نوٹ لکھواتے، تیسرے پہر کوئی افسانوی موضوع، چراغ میں بتی پڑی اور وہ فلسفہ، لسانیات یا کسی اور تہذیبی مسئلے کی مشعل جلانے بیٹھ گئے۔ تب جا کے اتنا وقت نکالا کہ ستّو سے اوپر کتابیں لکھ گئے، سیکڑوں تشنگانِ علم کو اپنے ورق بانٹ گئے، بیس برس سے اوپر شمالی دنیا کی پیدل یاترا کی، اوپر تلے کئی عشق کیے، برہمچریہ کا پالن کیا اور پھر دو برّاعظموں میں اولاد چھوڑی۔ سال بھر میں وہ اتنا پڑھ لیتے تھے (پانچ چھ زبانوں میں) کہ اگر یکبارگی میرے کاندھے پر رکھ دیتے اور میں اُٹھا سکتا تو کئی دن کاندھوں کی مالش کرانی پڑتی۔

آرنلڈ ٹوئن بی، جن کی تاریخِ عالم کی درجن بھر ضخیم جلدوں نے دنیا میں دھوم مچا رکھی ہے، چند سال پہلے ہندوستان آئے ہوئے تھے، میرے ایک ہموطن اور مرحوم دوست، خوش خصال عالمِ تاریخ بدھ پرکاش کے گھر ٹھیرے۔ فقیر بھی دیدار کو پہنچا۔ معلوم ہوا کہ لکھنے میں مصروف ہیں چلمن کے پیچھے۔ پوچھا کہ بھئی، سفر کے عالم میں ہیں۔ تاریخ کا مضمون ایسا تھوڑی ہے کہ آدمی نہ دارد ی میں

لکھنے والے کو لازم ہے کہ روز کاغذ کالا کرے، دس بیس نہیں تو ایک آدھ سہی

بھی لکھتا رہے، بُدھ پرکاش بولے: سالہاسال سے کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ انھوں نے جی لگا کر ہاتھ سنبھال کر کچھ نہ کچھ لکھا نہو۔

نظریے سے اختلاف کرتے پھریے، لیکن جسے ان تمام جلدوں کو ایک سار پڑھنے کی توفیق ہو اس کے چودہ طبق روشن ہوجاتے ہیں۔ ابن خلدون اور گبن کے بعد یہ ایک سورما پیدا ہوا ہے سات سو سال میں جس نے تاریخ کے علم کو سماجی علوم اور جدید ترین قدرتی سائنسوں سے ہم آہنگ کر کے اس قدر بھاری کارنامہ پیش کیا۔

دہخدا کا انتقال ہوگیا، ایران میں وہ اپنے دَم سے پوری انسائیکلو پیڈیا تھے۔ پچاس برس تک روزانہ بلا ناغہ لکھتے رہے۔ سردی ہو، گرمی ہو، صبح ہوتے اپنے کتب خانے میں ڈوب جاتے تھے۔ اجنبی نے دروازے کے اندر جھانکا، قدم رکھا، صدا لگائی۔ کہیں خلا میں سے جواب آیا "بفرمائید" (آجائیے)۔ اب جو دیکھیے تو جواب دینے والے کا کہیں پتہ نہیں۔ میزوں اور الماریوں کے پیچھے، غبار آلود کتابوں کی آڑ میں، کاغذوں کی سرسراہٹ سے پتہ چلا کہ کوئی ہے ـــ مڑ تڑ کر، گردن لمبی کر کے سُن گُن لی تو دہخدا اکڑوں بیٹھے کاغذ پر کچھ لکھ رہے ہیں؛ کسی ایک لفظ کی مزید تفصیل دی جارہی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد بھی لکھنے میں ایسے ہی غرق ہوتے تھے کہ احمد نگر جیل کی چڑیاں اُن کی ٹوپی کو کسی مسجد کا کنگرہ سمجھ کر آ بیٹھتی تھیں، اور جب تک وہ نہ ہلتے، چڑیاں بھی آنکھیں میچے بیٹھی رہتی تھیں۔ مگر دیکھیے، میرے بھائی! ہمدم دیرینہ کو خط لکھنے کے بہانے "غبارِ خاطر" کی وہ نثر لکھ گئے کہ کیا کوئی لکھے گا! اگر ہاتھ نہ روکتے، روز کچھ نہ کچھ لکھ لیا کرتے تو اگلے تیرہ چودہ سال جو وہ جیے، کم سے کم ۳ ہزار ورق تو ہماری اس غریب زبان کی جھولی میں ڈال جاتے۔

ہیں کچھ لوگ اس زبانِ خوش بیان میں جو وقت، حالات، موسم اور الزامات سے ہار نہیں مانتے، نوکِ قلم پر جو آجائے اُسے ٹانک دیتے ہیں، جتنا اور جیسا دے سکتے ہیں، دے جاتے ہیں، ہاتھ نہیں روکتے۔ ایسے تین لکھنے والوں پر مجھے رشک آتا ہے: ملک راج آنند، کرشن چندر اور خواجہ احمد عباس۔ اور ان میں خواجہ صاحب تو بس کمال آدمی ہیں۔ ہیا کھلا ہوا ہے، کہیں روک نہیں۔ فلم وہ لکھیں، سلولائڈ پر وہ لائیں، "آزاد قلم" والا پورا صفحہ ہر ہفتے تیار، "آخری صفحہ" ساتویں دن بلا ناغہ۔ مضمون وہ لکھیں، تقریر وہ کریں، سفارشی خط وہ لکھ کردیں، کہانی وہ گھڑیں، جو لکھیں وہ لڑیں، باتیں وہ بنائیں۔ فلم وہ بنائیں۔ "کس چیز کی کمی ہے خواجہ تری گلی میں؟" ایک دن میں نے سُنا کہ موٹر کا حادثہ ہوگیا۔ بازو اور پسلی کی ہڈی کو صدمہ پہنچا ہے۔ مزاج پُرسی کو پہنچا تو معلوم ہوا کہ بستر موجود، بیمار غائب۔ یا مظہر العجائب!

صنم کہتے ہیں: تیرے بھی کمر ہے
کہاں ہے؟ کس طرف کو ہے؟ کدھر ہے

اِدھر اُدھر فون کیا تو پتہ چلا کہ دس میل پرے فلم اسٹوڈیو میں ایک فلم ڈائرکٹ کر رہے ہیں اور سیٹ کی روشنیاں درست ہوتے وقت جتنی فرصت ملتی ہے، اتنی دیر میں ایک کنارے بیٹھ کر اخبار کے کالم لکھ لیتے ہیں۔ ایک ہاتھ سے کاغذ سہلاتے ہیں، دوسرے سے زخمی پسلیاں۔

برسوں کی بات ہے: میرے گھر پر (ماسکو میں) ایک شام ادیبوں کی دعوت تھی۔ کچھ آچکے تھے، کچھ آیا چاہتے تھے۔ خواجہ صاحب عین وقت پر پہنچے۔ بھانپ لیا کہ شروع ہونے سے پہلے آدھا گھنٹہ نکل سکتا ہے۔ گھر دیکھنے کے بہانے اُٹھے تو گُم۔ محفل جم گئی تو خواجہ صاحب کی تلاش شروع ہوئی۔ موصوف بیڈ روم میں نکلتے پائے گئے اور ایسے تازہ دم، گویا سو کر اُٹھے ہوں۔ ہاتھ میں مڑے ہوئے کاغذ نہ ہوتے تو کبھی نہ چلتا کہ اتنی کم مہلت میں انھوں نے "..." کے لیے اپنا صفحہ تیار کرلیا ہے۔

ایک ہمارے یہ مجروح سلطانپوری، ۲۱ سال سے دیکھ رہا ہوں، ۲۱ غزلیں بھی نہیں لکھیں۔ ایک ایک مصرعہ چُن کر کانک میں بند کر دیتے ہیں۔ جب جوڑا وہاں کئی دن رات گزار لیتا ہے تو انڈا اور انڈے سے چوزہ ـــ یعنی چارپانچ شعر کی ایک غزل۔ چار پانچ سال کو پھر فرصت۔ کیا موضوع ناپید ہوگئے؟ لہو ٹھنڈا ہوگیا؟ نصیبِ دشمناں، غزل کا سہاگ لُٹ گیا؟ کیا ہوا آخر؟ کچھ نہیں۔ یہی کہ جب تک ویسا نہ لکھا جائے، نہیں لکھیں گے۔ نتیجہ ظاہر، اگر امیر خسرو یوں سوچتے تو آج جتنا کلام ملتا ہے، اتنا بھی نہ ملتا۔

امیر کا بیان ہے کہ صبح سے شام تک دربار میں با ادب کھڑے ہوتے، چھتی کا پسینہ ایڑی کو پہنچتا تو گھر آتے۔ پھر نوکر چاکر، انتظام، اسباب، نماز، وظیفہ، پھر سلطان جی نظام الدین کی خانقاہ، پھر مطالعہ۔ وقت کہاں تھا کہ ہمارے قلم نگری

> **ہیں کچھ لوگ اس زبانِ خوش بیان میں جو وقت، حالات، موسم اور الزامات سے ہار نہیں مانتے؛**

کے لیکھکوں کی طرح فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ایرکنڈیشنڈ کمرے ریزرو کرا کے فائیو اسٹار کنیاک کے آگے دن دن بھر بیٹھے "تخلیق کے کرب" میں مبتلا ہوا کرتے۔ اور ہاں تب تک اس محلے میں اوبیرائے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کھلا بھی نہیں تھا (وہ اب کھلا ہے۔ ایک سوئٹ کا یومیہ خرچ ۳۰۰ روپے، فیقر لطف اندوز ہو چکا ہے) خسرو لکھتے ہیں کہ کبھی فوج کے ساتھ دور دراز کا سفر کرتے، کبھی خیمے میں کمر سیدھی کرتے وقت، کبھی گھوڑے کی پشت پر، کبھی قلعوں کے محاصروں کے زمانے میں لکھ لکھا لیا کرتے تھے۔ تین زبانوں میں بھرپور دیوان چھوڑے تھے، اکیلی فارسی کے دیوان میں پانچ لاکھ کے قریب اشعار تھے۔ سوا لاکھ آج سات سو سال بعد تک محفوظ ہیں۔ اپنے زمانے کے مذاق سے چھننے بیٹھے تب بھی سات آٹھ ہزار کا وجد انگیز کلام نکل آئے۔ اُن کے ہمعصر دانتے کا مجموعی اور چُنا ہوا کلام اس سے زیادہ نہیں نکلے گا۔

کس کے منھ میں زبان ہے جو دعوا کرے
کہ امیر خسرو کیا، لکھنا تو مجھے آتا ہے؟

غرض کہنے کی یہ کہ لکھتے رہنا چاہیے ۔۔۔

صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے
اور کچھ نہ لکھا جائے تو 'ورق ورق' سہی

یہ تو صرف تمہیدی بات تھی۔ بات کی ساری خرابی یہ ہے کہ لے کر بیٹھو تو بلّی پنجہ مارتی ہے، پیچک کھل جاتی ہے ۔۔۔ بات میں سے بات نکلی چلی آتی ہے۔ اگلی بار پیچک سنبھال کر تھاموں گا اور الگ الگ دھاگے نکال کر بٹن ٹانکوں گا۔

یار زندہ صحبت باقی!

وزیر اعلیٰ شری نائک کی یقین دہانی

(صفحہ ۱۹ سے آگے)

شری نائک نے گذشتہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۴ء کو شیوسینا کے مورچہ نیز اس الزام کا ذکر کیا کہ پولس نے تشدد اور غنڈہ گردی روکنے کے لئے موثر طریقے سے مداخلت نہیں کی۔ اس سلسلے میں آپ نے بتایا کہ تینتالیس (۴۳) اشخاص گرفتار کئے گئے تھے جن پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں نیز ۲۸ جنوری کو ہاکرول کے مورچے کے دوران پولس کی زیادتیوں کے بارے میں تحقیقات کا کام ایک خاص آئی۔جی۔پی۔ کے سپرد کیا گیا ہے جو بمبئی پولس سے کسی بھی طرح متعلق نہیں ہے۔ شری نائک نے شری ارس اور شری کروناکرن دونوں کو یقین دلایا ہے کہ مذکورہ تحقیقات سے اگر کسی بھی پولس افسر کی فرض ناشناسی اور کوتاہی ظاہر ہوئی تو اس کے خلاف مناسب کارروائی کی جائے گی۔

خاص شعبہ

۸ فروری کو لسانی اقلیتوں کے نمائندوں کے ایک اجلاس کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے تفصیل سے بتایا کہ اس کے بعد سے مخصوص علاقوں میں پولس گشت، لوکل ٹرینوں میں پولس کی تعداد بڑھانے اور لسانی اقلیتوں کے افراد کی شکایات کی سماعت کے لئے خاص شعبہ قائم کرنے کے اقدامات کئے گئے ہیں جنوبی ہندوستانیوں کے نمائندوں نے ان انتظامات پر اطمینان کا اظہار کیا ہے۔

آخر میں شری نائک نے کرناٹک کے وزیر اعلیٰ ارس کو بتایا کہ جنوبی ہندوالوں کی پیشہ ورانہ، تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیاں بلا کھٹکے اور بلا روک ٹوک جاری ہیں۔

شری نائک نے مزید کہا کہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے بعد سے کنڑ باشندوں کی آبادی میں پچاس فیصدی اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۶۱ء میں اُڈپی ہوٹلوں کی تعداد ۱۱۰۰ تھی جو بڑھ کر ۱۹۷۴ء میں ۲۰۰۰ ہو گئی ہے۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۷۱ء تک گذشتہ دس سال کے اندر کنڑ پرائمری اسکولوں کی تعداد ۴۵ سے بڑھ کر ۵۸، اور سیکنڈری اسکولوں کی تعداد ۱۰ سے بڑھ کر ۲۰ ہو گئی ہے۔ آپ نے بتایا کہ ۷۸ کنڑ تعلیمی اداروں میں ۱۷،۰۰۰ سے زیادہ طلبا زیر تعلیم ہیں۔ مزید برآں بمبئی میں متعدد کنڑ جماعتیں اور ادارے ہیں جو اپنی سرگرمیاں کسی بھی جانب سے مداخلت کے بغیر انجام دے رہی ہیں۔

مکمل تحفظ

کیرالا کے وزیر داخلہ کے نام اپنے مکتوب میں شری نائک نے تحریر فرمایا ہے کہ بمبئی جیسے بڑے شہر میں اِکّا دکّا واقعات روکے نہیں جا سکتے۔ بہرحال کیرالا کے باشندوں سمیت لسانی اقلیتوں کو ہمیشہ مکمل تحفظ حاصل رہا ہے۔ وہ اپنے تہوار وغیرہ آزادی کے ساتھ بلا کھٹکے مناتے ہیں۔ ان کی آمد کا بندھا ہوا تانتا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ انھیں یہاں کوئی اندیشہ یا خدشہ نہیں ہے مہاراشٹر بننے کے بعد دس سال کے دوران ملیالم بولنے والوں کی آبادی سو فیصدی بڑھ گئی ہے۔ ملیالم زبان کے اسکولوں میں مارچ ۱۹۷۲ء میں تقریباً ۱۶۰۰ طلبا تھے۔

شری نائک نے مزید بتایا کہ اپنے دفاع کے لئے لسانی اقلیتوں کی کوئی تنظیم جائز قرار نہیں دی جا سکتی۔ ۸ فروری کو لسانی اقلیتوں کے نمائندوں نے بھی کثرتِ رائے سے اس قسم کی تنظیم کی مخالفت کی تھی۔

خط کے آخر میں شری نائک نے کیرالا اسمبلی میں منظور کی گئی ایک قرارداد کا تذکرہ کیا جس میں مرکز سے گذارش کی گئی ہے کہ وہ بمبئی میں جنوبی ہند کے باشندوں کے تحفظ کیلئے مداخلت کرے۔ میرے خیال میں یہ بات قومی یکجہتی کے حق میں کسی طرح بھی سود مند نہیں بلکہ مُضر ہے۔ ●●

دو غزلیں

یعقوب راہی

کلی کی طرح جو تم کو کھِلا کھِلا سا لگے
وہ جب بھی شام کو لوٹے، بجھا بجھا سا لگے

تم اُس کے غصّے کا کوئی خیال ہی نہ کرو
مجھے وہ خود سے بھی اکثر خفا خفا سا لگے

کبھی وہ چاہے کہ قاتل پہ بڑھ کے وار کرے
کبھی وہ لاش جو دیکھے، ڈرا ڈرا سا لگے

فساد و جنگ ہو یا خودکشی کا ذکر کوئی
ہر ایک حادثہ اُس کو سُنا سُنا سا لگے

شہناز بشیری

عشق کا دِل جو رازداں ہوتا
پھر مرا درد کیوں عیاں ہوتا

اُٹھ تو آئے تھے تیری محفل سے
کاش اپنا کہیں مکاں ہوتا

رحم آتا ہے اپنی غربت پر
گھر نہ ہوتا کوئی نشاں ہوتا

اپنی تقدیر سے شکایت ہے
ورنہ دِل میرِ کارواں ہوتا

سلام بن رزاق

رمیش :۔ گڈ مارننگ آنٹی !

ماؤسی :۔ کون ؟ ارے ۔۔۔ رے ۔۔۔ کون ہو تم ؟
اندر کہاں گھسے چلے آرہے ہو ؟

رمیش :۔ ارے آنٹی مجھے نہیں پہچانا ، میں ۔۔۔

ماؤسی :۔ ارے کلو ! دیکھنا تو یہ کون مردوا ، سانڈ کی طرح منہ اٹھائے چلا آرہا ہے ۔ ارے کلوا ! کہاں مرگیا ۔۔۔ کلوے ۔۔

رمیش :۔ آنٹی ! سنو تو ۔۔۔۔ ارے میں تمہارا ۔۔۔

(ماؤسی کے شور میں رمیش کی آواز دب جاتی ہے)

کلو :۔ کیا ہے مالکن ! کون ہے ؟

ماؤسی :۔ ارے ذرا اس بستے کو تو دیکھ ! دن دھاڑے گھر میں گھسا آرہا ہے ۔ اور مجھے آنٹی آنٹی کہہ رہا ہے ۔ میں کیوں ہونے لگی اس موئے کی آنٹی ۔

رمیش :۔ مگر آنٹی تم میری ۔۔۔۔

ماؤسی :۔ پھر وہی آنٹی ، (کلو سے) اے کلوے ! منہ چلے تو کھڑا مگر مگر کیا دیکھ رہا ہے ۔ نکال باہر کیوں نہیں کرتا اس بھالو کو ۔

کلو :۔ مگر مالکن ! یہ تو ۔۔۔۔

ماؤسی :۔ اسے اب تو بھی اگر مگر کرے گا ؟

کلو :۔ مالکن ! یہ رمیش بابو ہیں ۔ چودھری صاحب کے چھوٹے سرکار ،

ماؤسی :۔ کیا ؟ کیا کہا ، رمیش بابو ، یعنی کہ اپنا رمیش یعنی کہ ۔۔۔

رمیش :۔ ہاں آنٹی ، میں تمہارا رمیش ہوں ۔ رمو ، تمہارا رمو !

ماؤسی :۔ ہے رام ! میری آنکھوں میں دھول ، اے تو تو سچ مچ رمو ہے ۔ جیتا رہ بیٹا ، میری عمر بھی تجھے لگے ۔ مگر یہ تو اچانک ولایت سے کب آیا رے ! اور یہ تو نے اپنا حلیہ کیا بنا رکھا ہے

رمیش :۔ آنٹی ! فارن میں ۔۔۔۔

ماؤسی :۔ ارے رمو ! یہ آنٹی آنٹی کی رٹ لگا رکھی ہے ۔ ماؤسی کیوں نہیں کہتا ۔

رمیش :۔ اوہ سوری آنٹی ۔۔۔ آئی مین ماؤسی !

ماؤسی :۔ رمو یہ تو کونسی بھاشا بول رہا ہے ؟

رمیش :۔ شما کرنا ماؤسی ! اصل میں سال بھر انگلش بولتے بولتے اردو بھول گیا ہوں ۔

ماؤسی :۔ کیا کہا ۔ اردو بھول گیا ہے ۔ کیا رے ! ایک سال میں تو اپنی مادری زبان بھول گیا ۔ کہیں دو چار برس رہ گیا ہوتا تو ماتا پتا کو بھی بھول جاتا

رمیش :۔ یہ بات نہیں ہے ماؤسی !

ماؤسی :۔ ارے نہیں تو پھر تو نے اتنے بڑے بڑے بال کیوں بڑھا رکھے ہیں ۔ کیا ولایت میں لڑکے بھی چوٹیاں ڈالتے ہیں ۔

رمیش :۔ (ہنس کر) ہا ہا ہا ، اوہو ، ارے آنٹی ! میرا مطلب ہے ماؤسی ، وہاں تو لڑکیاں بھی چوٹیاں نہیں ڈالتیں ۔ اور یہ بال بڑھانا تو آج کل کا فیشن ہے ۔

ماؤسی :۔ آگ لگے تمہارے فیشن کو ۔ انگور جیسی پیاری صورت کو لنگوروں جیسی بنا رکھا ہے اور کہتے ہو فیشن ہے ۔

رمیش :۔ تم نہیں سمجھتیں ماؤسی ! نئی نسل کی باتوں کو ۔

ماؤسی :۔ بھگوان سب کو اس فیشن کی ہوا سے محفوظ رکھیں ۔

رمیش :۔ اچھا ، آنٹ ۔۔۔ او ، ماؤسی ! ریکھا کہاں ہے ؟

ماؤسی :۔ باغ میں پھول چن رہی ہے ۔ جا اس سے مل لے ۔ تب تک میں تیرے لیے کچھ جل پان کا بندوبست کروں ۔

رمیش :۔ جل پان کا کشٹ مت کرو ، ماؤسی ۔۔۔

ماؤسی :۔ ارے چل بڑا آیا کشٹ والا ۔ (دور جاتی آواز دور سے گانے کی ابھرتی آواز)

رمیش :۔ کلو ! یہ کون گا رہا ہے ؟

کلو :۔ ریکھا بٹیا گا رہی ہیں ۔ باغ میں پھول توڑ رہی ہیں سرکار !

رمیش :۔ ہاؤ سویٹ ،

کلو :۔ ہی ، ہی ، ہی ، چھوٹے سرکار !

رمیش :۔ کلو ، اب تم جاؤ ، ہم ریکھا سے مل لیں گے

کلو :۔ اچھا سرکار ، (وقفہ ۔ گیت ختم ہو جاتا ہے)

رمیش :۔ (تالی بجا کر) نائس ، نائس ، کیا گلا ہے کیا سُر ہے ، کیا تال ہے ، جی چاہتا ہے ۔ چیونگم بیس کی طرح تمہیں اٹھا کر منہ میں رکھ لوں ۔

ریکھا :۔ کون ہو تم ؟ یہاں کیسے آئے ؟

رمیش :۔ یہ لو ، ارے تم نے بھی مجھے نہیں پہچانا ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھو کہ میں کون ہوں ؟

ریکھا :۔ اوہو ، ارے رمیش ، ارے تم کب آئے ؟

رمیش :۔ آج سویرے کی فلائٹ سے۔
ریکھا :۔ مگر یوں اچانک!
رمیش :۔ تم تو جانتی ہو۔ مجھے دوسروں کو اچانک سرپرائز (surprise) دینے میں این جلئے (enjoy) ملتا ہے۔
ریکھا :۔ مگر یہ آپ کی صورت کو کیا ہوا۔ یہ لمبے لمبے بال ڈھیلی ڈھالی پتلون، بڑھی ہوئی قلمیں، بیا گئے کیا؟
رمیش :۔ او، نو، نو، ریکھا ڈارلنگ، تم بھی اپنی بوڑھی ماؤسی کی طرح بوڑھے سوال پوچھنے لگ گئیں۔ یہ تو آج کل فارین کی نئی نسل کی identity ہے
ریکھا :۔ فارین ہی کیوں؟ یہاں ہمارے دیش میں بھی ایسے سرکس کے جوکروں کی کمی نہیں ہے۔
رمیش :۔ کمال ہے۔ نئے فیشن کا تم گنوار عورتوں کی طرح مذاق اڑا رہی ہو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تم چار برس تک کالج میں تعلیم حاصل کرتی رہی ہو۔
ریکھا :۔ تعلیم اور فیشن کا کیا تعلق؟
رمیش :۔ تم سگریٹ پیتی ہو؟
ریکھا :۔ چھی ۔۔۔۔
رمیش :۔ ہپی کٹ زلفیں رکھتی ہو؟
ریکھا :۔ مجھے نفرت ہے اس جنگلی پن سے۔
رمیش :۔ تم رولز یا رمبا ناچ سکتی ہو؟
ریکھا :۔ نہیں۔
رمیش :۔ تو پھر تمھارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم چار برس تک کالج میں پڑھتی تھیں؟
ریکھا :۔ میرے پاس بی۔اے فرسٹ کلاس کا سرٹیفکیٹ ہے
رمیش :۔ او، نو، نو، ریکھا۔ سرٹیفکیٹ کو لیکر کیا چاٹنا ہے۔ تمھیں نئے فیشن کے سانچے میں ڈھلنا ہی ہوگا۔ تم اب رمیش چودھری کی منگیتر نہیں۔ مسٹر رمیش چودھری فارین ریٹرن کی ہونے والی پتنی ہو۔
ریکھا :۔ (زچ ہوکر) رمیش! ایک برس بعد آئے ہو تم نہیں جانتے تمھاری یاد میں یہ ایک برس کس طرح گذارا ہے۔ اب آئے ہو تو کچھ اچھی اچھی پیاری پیاری، باتیں کرو۔ یہ کیا شروع کر دیا ہے تم نے؟
رمیش :۔ نہیں بس ریکھا، مجھے ایک ایسی پتنی چاہیے جو سگریٹ پی سکتی ہو۔ ڈرنک میں میرے ساتھ شیئر کر سکتی ہو۔ پارٹی، کلبوں میں میرے اور میرے دوستوں کے ساتھ ڈانس کر سکتی ہو۔
ریکھا :۔ (جھنجھلا کر) ایسی عورتوں کی لندن میں تو کمی نہیں تھی۔ پھر وہیں کسی کا ہاتھ کیوں نہیں تھام لیا تھا۔
رمیش :۔ تھام لیتا۔ اگر تمھارے ساتھ منگنی نہ ہوئی ہوتی۔
ریکھا :۔ (طنزیہ لہجہ میں) شکریہ، میرا اتنا خیال ہے آپ کو۔ مگر مجھ سے کسی فضول بات کی توقع نہ رکھنا۔
رمیش :۔ تو تم ابھی تک وہی آدرش ہندوستانی ناری کا ماڈل بنی رہنا چاہتی ہو۔
ریکھا :۔ بے شک،
رمیش :۔ تم میں، مجھ میں اب پورب پچھم کا فاصلہ ہو گیا ہے۔ یہ گاڑی آگے کیسے چلے گی۔
ریکھا :۔ یہ تم سوچو،
رمیش :۔ تو کیا تم اپنے آپ کو بالکل نہیں بدلوگی۔
ریکھا :۔ ہرگز نہیں۔
رمیش :۔ میں لندن واپس چلا جاؤں گا۔
ریکھا :۔ تمھاری مرضی،
رمیش :۔ اس مسئلہ کا کوئی دوسرا حل نہیں۔
ریکھا :۔ میں نہیں جانتی۔
رمیش :۔ واقعی تم اب بھی ویسی ہی ضدی ہو۔ (وقفہ) اچھا ادھر دیکھو میری طرف،
ریکھا :۔ مجھے نہیں دیکھنا ہے کسی کی طرف،
رمیش :۔ ارے تم تو سچ مچ ناراض ہو گئیں۔ صرف ایک بار ادھر دیکھو، تمھیں میری قسم،
ریکھا :۔ (جھنجھلا کر) کیا ہے؟ (حیرت سے) ارے یہ کیا؟
رمیش :۔ (ہنس کر) پیاری ریکھا! وہ تو لندن کی وگ تھی۔ واقعی اسے پہن کر میں بھالو لگ رہا تھا نا؟
ریکھا :۔ جاؤ ہم نہیں بولتے تم سے، اتنے دنوں بعد آئے اور اس بری طرح نروس کر دیا۔
رمیش :۔ ارے میں تو دیکھ رہا تھا کہ اس نئی ہوا کا تم پر کہاں تک اثر ہوا ہے۔ ریکھا آج میں بہت خوش ہوں، بہت ہی خوش، میں تو ناٹک کر رہا تھا۔ ورنہ وشواس رکھو۔ مجھے بھی اس بھیڑ چال سے سخت نفرت ہے کہ بنا سوچے سمجھے دوسروں کی نقل کرتے چلے جائیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم پچھم کی سائنس ٹیکنالوجی اور تعلیم سے بہت کم سیکھتے ہیں۔ مگر وہاں کے فیشن کی فوراً تقلید کرنے لگتے ہیں۔
ریکھا :۔ اف، رمیش تم نے کتنا ڈرا دیا تھا مجھے۔
رمیش :۔ او، ریکھا پیاری، مائی سویٹ ہارٹ
ریکھا :۔ رمے ۔۔۔ ش ۔۔۔ (جلدی سے) ارے ہٹو ماؤسی آ رہی ہیں۔ ●●

انتظار اور ابھی ...

از ۔ عبدالحمید بیکس

تم میری چاندنی راتوں کا تصوّر نہ بنو
مَیں ہوں مزدور ۔ بہت کچھ ابھی کرنا ہے مجھے
اپنی الفت کا ابھی تاج محل رہنے دو
ابھی انسان دُکھوں سے نہیں پایا ہے نجات
مسکرا کر مجھے دیکھو نہ خدارا ایسے
میرے دامن میں ابھی پھول نہیں سج سکتے
زندگی اب بھی ہے مجبور ۔ شگوفے کی طرح
جس کو کھِلنے کے لئے وقت کی ہے قید ابھی
جسم کو دھوپ جھُلس دیتی ہے تانبے کی طرح
نازبرداری ابھی میرے مقدّر میں نہیں
ابھی قسمت کے دُھندلکوں میں چھپی ہیں خوشیاں
روشنی کے لئے یہ آنکھ ترستی ہے ابھی
ملک کو میرے ۔ بڑی آس لگی ہے مجھ سے
مَیں ۔ کہ مزدور ہوں ۔ معمار ہوں مستقبل کا
"حال" کے خاکوں کو رنگین بنانے کے لئے
خوب محنت سے مشقت سے ۔ عمل کرنا ہے
رات کے خواب ابھی تم سے سجاؤں کیونکر
جب "تمنّا" پہ ابھی فرض کا قرضہ ہے بہت
نذر کرنا ہے ابھی اُس پہ مری عمرِ حسین
(پختگی عمر کی ۔ الفت کو جلا دیتی ہے)
دیش کے ماتھے پہ کرنوں کی شفق پھولے گی
اپنی الفت کو وہ کندن کی چمک بخشے گی
سیکڑوں تاج محل ہم پہ نچھاور ہوں گے
ہر جگہ اپنی محبت کی نشانی ہوگی
دیش کے عشق پہ قربان جو ہوں گے ہم تم
اپنی الفت کی یہ قربانی بھی رنگ لائے گی
لوگ گیتوں میں تمہیں یاد کریں گے ہر دم
اپنے افسانے رسالوں میں جگہ پائیں گے
میں تمھیں اپنی محبت کی قسم دیتا ہوں
تم ابھی مجھ کو فقط اتنی اجازت دے دو
وقف کر دوں ابھی ہر خواب وطن کی خاطر
اپنی امیدوں کا خوں دے دوں چمن کی خاطر
وہ چمن جس کی مہک ۔ سب کے لئے یکساں ہے
جس کے ذرّوں کی چمک ۔ سب کے لئے یکساں ہے
میں ہوں مزدور ۔ بہت کچھ ابھی کرنا ہے مجھے
میں کہ گاندھی نہیں ۔ نہرو نہیں ۔ آزاد نہیں
دیش کے واسطے پھر بھی مجھے کچھ کرنا ہے
تم مری چاندنی راتوں کا تصوّر نہ بنو !

سیّد احتشام حسین مرحوم کی یاد میں

تیری تحریروں کو پڑھکر ہوتے تھے سب باغ باغ
آہ تیری موت سے دل ہیں ہمارے داغ داغ

یہ تو کہہ سکتے نہیں ہم اب نہ ہوں گے اہلِ ذوق
پر بہت مشکل ہے ملنا تجھ سا اِک روشن دماغ

فکر کے پرتو سے تیرے اِک جہاں آباد تھا
تیرے دم سے ضو فشاں تھا بزمِ اردو کا چراغ

شاعری کے مسئلے ہوں یا ہوں نثری پیچ و خم
ہر جگہ تو نے لگایا تھا حقیقت کا سراغ

تیرے اپنے ہوں کہ بیگانے تجھے تھی سب کی چاہ
عمر بھر حاصل رہا تجھکو عداوت سے فراغ

السّلام اے آسمانِ علم و فن کے آفتاب
الفراق اے فکر و دانش کے محبت کے چراغ

تیری تربت پر ہمیشہ بارشِ رحمت رہے
تیرے دامن میں خدا کے نور کی دولت رہے

محمد ایوب واقف
ایم ، اے

صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ہندوستانی تاریخ میں جو مقام ملک کے شمالی حصّے میں دِلّی کو حاصل ہے وہی مقام مغربی حصّے میں شہر پونہ کا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ پونہ مرہٹوں کا دیش ہے۔ شیواجی مہاراج کے بعد پیشواؤں کا بھی دارالخلافہ رہا ہے جس سے اس کی تاریخی حیثیت مسلّم ہوگئی ہے۔ پاروتی دیوی نے اس شہر کو اپنے چرنوں میں جگہ دی ہے۔ پیشواؤں کے بعد مہاراشٹر کے بڑے بڑے مفکروں، عالموں، ادیبوں اور سیاستدانوں کا مرکز بھی یہی تاریخی شہر پونہ رہا ہے۔ اسی جگہ شیواجی مہاراج کا قلعہ بھی ہے۔

پونہ میں آج سے تقریباً پچاس سال پہلے ایک متوسط طبقہ کے گھرانے کے ایک فرد نے اپنے ذاتی شوق کی بنا پر تاریخی اہمیت رکھنے والی پُرانی چیزیں جمع کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ یہ ذاتی شوق جنون کی حدود میں داخل ہوگیا۔ لوگوں نے اس شوقین مزاج کو نت نئے ناموں سے نوازا مگر اس انسان نے اپنے شوق کے آگے کسی کی نہ چلنے دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج پونہ میں "راجہ کیلکر" کے نام سے ایک عظیم الشان میوزیم نظر آرہا ہے جو شری دِنکر گنگادھر کیلکر کی ذاتی محنت کا ثمر ہے کیلکر نے اپنے اس شوق کی وجہ سے ہندوستان کا چپہ چپہ چھان ڈالا اور ہر وہ تاریخی اہمیت رکھنے والی جنس خریدی جو اپنی بساط کے اندر نظر آئی۔ راجہ کیلکر میوزیم اِنہی نادرات سے بھرپور ہے جو ایک طرف ہندوستان کی پرانی دستکاری کا حیرت انگیز خزانہ ہے تو دوسری طرف کیلکر کی لگن، صبر، جدوجہد کا بے مثال نمونہ ہے کہ کسطرح یہ نادرات اس میوزیم میں جمع کیے گئے ہیں۔ ہر ایک شئے سے ایک کہانی، ایک تاریخ وابستہ ہے جو دیکھ کر تو سمجھ میں آتی ہے مگر اُس وقت جب اسّی سالہ کیلکر اپنی لرزتی ہوئی آواز میں

راجہ کیلکر میوزیم کی دلکش اور شاندار عمارت :

اسلحہ کے حصہ میں قدیم آلات حرب کے نمونوں کا ذخیرہ

ان نوادرات کی تاریخی حیثیت بیان کرتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ مُردہ میوزیم نہیں ہے بلکہ اس میں رکھے ہوئے بھگوانوں کی مورتیاں بول رہی ہیں، تلواریں اپنی جھنکار سُنا رہی ہیں، لباسوں کی سرسراہٹ گونج رہی ہے اور یہ ایک جیتا جاگتا مندر ہے، رزمگاہ ہے، ایک محلسرا ہے۔

باجی راؤ روڈ پر ناتو باغ میں ایک دومنزلہ عمارت ہے جس کے طرزِ تعمیر سے راجستھانی معماری جھلکتی ہے۔ خوش رنگ، صاف ستھری اس عمارت میں کم از کم ساٹھ لاکھ روپے کی مالیت کے نوادرات جمع ہیں جن میں سے بیشتر کیلکر کے ذاتی ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو ان کے دوستوں نے ان کا شوق دیکھتے ہوئے انھیں بطور تحفہ پیش کردئے۔ کیلکر کی زندگی بڑی سادہ اور سُلجھی ہوئی رہی ہے کیونکہ اس شوق نے انھیں کسی طرح بھی چین سے نہ رہنے دیا اور انھوں نے اپنی ضروریاتِ زندگی کو کم کر کے اپنی چشمے کی دوکان کی زیادہ تر آمدنی تاریخی چیزوں کی خرید پر صرف کردی۔

جہاں کیلکر نے اہلِ ذوق کے لئے سامانِ نظارہ جمع کیا وہیں انھیں شدید آزمائشی دور سے بھی گزرنا پڑا۔ قدرت نے دل پر ایک ایسا زخم دے دیا جس کے باعث دنیا میں ان کے لئے سوائے صحرانوردی کے کچھ اور نہ رہا - ان کا صرف ایک ہی لڑکا تھا جو کم عمری میں فوت ہوگیا۔ اب کیلکر کو کسی برگِ خزاں رسیدہ کی مانند بھٹکنے ہی میں سکون کی راہ نظر آئی۔ وقت، صحیح ہے کہ بہت بڑا مرہم ہے جس نے کیلکر کے زخمِ دل کو پوری طرح مندمل تو نہیں کیا مگر اس بات کا احساس ضرور دلایا کہ اس جہاں میں ہر چیز فانی ہے اور ماتم کہاں تک کیا جائے۔ بالآخر کیلکر نے اپنی تمام تر توجہ اپنے میوزیم پر صرف کردیں اور پونہ میں "راجہ کیلکر میوزیم" وجود میں آیا۔

میوزیم میں یوں تو ہر چیز توجہ طلب ہے مگر سرسری جائزہ لینے پر بھی جن پر نظریں جم جاتی ہیں ان میں سے ایک منقش دروازہ ہے جو کیلکر سردار دھم دھرے کے مکان سے لائے تھے اور جس کے پیچھے "بھوانی دیوی" کا مندر ہے۔ لکڑی کے اس دروازے میں یادِ رفتگاں ہے۔ اس زمانے کے کاریگروں کی بے مثال صنعت کا بیش بہا نمونہ ہے ایک روایت ہے کہ شیواجی مہاراج "بھوانی دیوی" کے درشن کے لئے اس مکان پر بھی گئے تھے۔

میوزیم کے ایک اور حصے میں چراغوں کی نمائش لگی ہوئی ہے۔ ان میں پانچ سو سالہ چراغ بھی ہیں

ساز ...... جن کی جھنکار کے بغیر محفلیں سونی رہتی ہیں :

اور بے شمار ہیں جنکی تعداد کم وبیش چار سو سے زیادہ ہے پرانے چراغ جمع کرنے کا شوق کیلکر کو اس قدر ہوا کر ان کے ملنے والے اور دوست احباب انھیں "دیوا کیلکر" کے نام سے پکارنے لگے۔ انہی چراغوں میں ایک مشہورِ زمانہ چراغ بھی ہے جس کا نام 'وِشادیپ' ہے جو سنگِ زہر مہرہ سے بنا ہوا ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ زہر آمیز غذا اگر اس چراغ پر ڈالی جائے تو اس کا پتھر اپنا رنگ فوراً تبدیل کرلیتا ہے۔ اس لئے اِسے وِشا دیپ کا نام دیا گیا ہے۔

ایک حصّے میں پُرانے سے پُرانے سروتوں کی نمائش کی گئی ہے جو ہرنوں، گھوڑوں، انسانوں، تیر کمان، مچھلی وغیرہ کی شکلوں میں ڈھالے گئے ہیں۔ ان نادر سروتوں سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی تہذیب میں سُپاری کھانے کا رواج صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ ہر سروتہ اسقدر نفاست سے اپنی جگہ پر رکھا ہے کہ اس کا ہر پہلو دیکھنے والے کے لئے ایک تاریخی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔

میوزیم کے ایک حصّے میں دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں جمع کی گئی ہیں اور پُرانی سے پُرانی مورتی کو

مہالکشمی کی مورتی جو مجسمہ سازی کا بہترین نمونہ ہے۔

'مستانی محل' جو کوتھرڈ سے راجہ کیلکر میوزیم لایا گیا
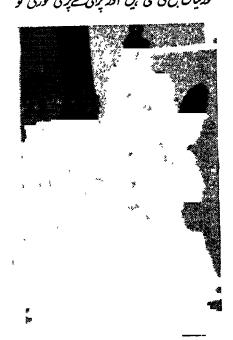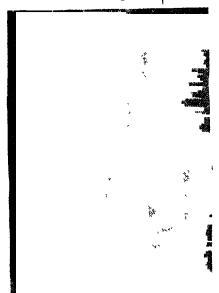
لکڑی کے تخت پر سجایا گیا ہے۔ یہ لکڑی کے تخت بھی فنکاری کا نمونہ ہیں اور ان پر رکھی ہوئی مورتیاں خاموش ضرور نظر آتی ہیں مگر سمجھنے والے کو ایسی ہزاروں داستانیں سُنادیتی ہیں جن کا سلسلہ ماضی سے حال تک چلا آتا ہے۔ وہ ہاتھ جنھوں نے ان مورتیوں کو جنم دیا ہوگا، فخرِ روزگار رہے ہوں گے۔ وہ ہاتھ اب باقی نہیں رہے مگر اپنی لافانی یادگاریں ایک دوسرے زمانے کے لئے چھوڑ گئے۔ اِنہی مورتیوں میں سے ایک مورتی "پنچ مکھی" ہنومان کی ہے جو کہ لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ "پنچ مکھی" سے مراد ہے پانچ منھ والی۔ ہندو مذہب میں ہنومان کی ہر جگہ پرستش کی جاتی ہے اور ان کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ شری رام کی مدد کے لئے لنکا کے راجہ سے لڑنے کے لئے گئے تھے اور کیلاش پربت اپنے ایک ہاتھ پر اٹھا لیا تھا۔ ہنومان جسمانی طاقت کے دیوتا مانے جاتے ہیں، جو شری رام کے پرم بھگت ہیں۔ شری کیلکر نے اس قسم کی اور بھی کئی مورتیاں جمع کر رکھی ہیں۔

تاریخ پُرانے زمانے کی جنگوں سے بھرپور ہے مگر وہ جنگ آج کل کی فضائی جنگ سے بالکل مختلف تھی۔ اس وقت فوج میں ایک سے بڑھ کر ایک سورما ہوتے تھے جو تلوار کے دھنی ہوتے تھے۔ اپنے خنجر، اپنی کٹار، اپنی گپتی اور اپنے چاقو کے صحیح معنوں میں مالک تھے۔ انھیں ہتھیاروں میں "پیش قبض" تھے، 'پنجے' تھے جس سے دشمن پر غالب آنیکی کوشش ہوا کرتی تھی۔ کیلکر نے بھی اپنے میوزیم میں ان چیزوں کے انمول نمونے جمع کر رکھے

بھگوان بدھ کی خوبصورت مورتی
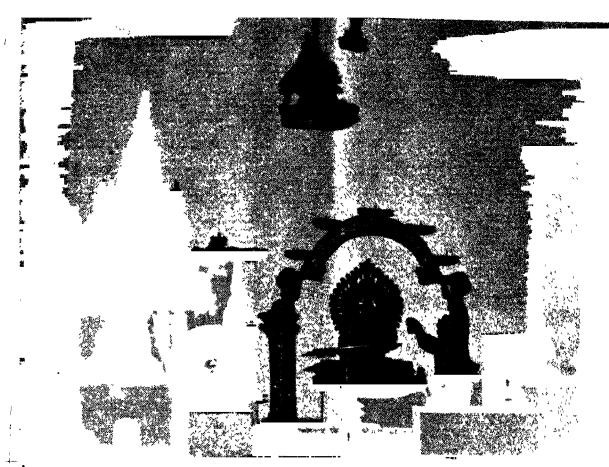
ہیں۔ اس زمانے کے جنگی ہتھیاروں کا ایک پورا حصہ ہے۔ نہ معلوم وہ کون بہادر ہوں گے جن کے یہ ہتھیار ہوں گے اور جنھوں نے ان ہتھیاروں سے ہندوستان کا نام روشن کیا ہے۔

کسی بھی میوزیم کی سیر اس وقت تک پُرلطف اور مکمل نہیں ہوتی جبتک اس میں پرانے ساز نظر نہ آئیں۔ کیلکر نے بھی بڑی کاوشوں سے بے شمار ساز جمع کئے ہیں اور اپنے میوزیم کے ایک حصے کو ان سے سجایا ہے ان سازوں میں ستار ہے، وینا ہے، طنبورہ ہے، سارنگی ہے۔ ہر ساز مختلف زمانہ کا ہے اور ہر ایک الگ الگ روپ مثلاً مچھلی، بطخ اور شیر کی شکلوں میں ڈھلا ہوا ہے۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ بہت پُرانے ہونے کی وجہ سے وہ کمزور اور شکستہ ہوگئے ہوں بلکہ ہر ڈور اور ہر تار زندہ ہے اور مضراب کی ضرب کے لئے بیقرار ہے۔

پونہ کے "راجہ کیلکر میوزیم" کا نام اس کے خالق نے اپنے بیٹے 'راجہ' کے نام پر رکھا ہے۔ اس میوزیم میں رکھے گئے نادرات جمع کرنے میں، انھیں سجانے میں اور انھیں عوام تک پہنچانے میں کیلکر کی بیوی کملا بائی اور انکی لڑکی پربھاتی عرف ریکھا رناڈے کا بھی بہت اہم کردار ہے۔ ہر وہ شخص جو راجہ کیلکر میوزیم دیکھنے آتا ہے اپنے دل میں گہرے نقوش اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لے کر لوٹتا ہے اور یہی مسکراہٹ کیلکر کی زندگی کا ثمر ہے۔ یہ میوزیم صبح ۸ بجے سے شام کے ۸ بجے تک عوام کے لئے کھلا رہتا ہے۔

شری کیلکر کے شوق کا اسقدر چرچا ہوا کہ جرمن گورنمنٹ نے انھیں جرمنی مدعو کیا اور جب کیلکر وہاں گئے تو انھیں جرمنی کے بہت سے میوزیم دکھلائے گئے اور طرز سجاوٹ پر ان سے بھی مشورے

چراغ — جو ہر زمانے کے اندھیروں میں روشنی بکھیرتے رہے ہیں!

لئے گئے۔

کیلکر کی عمر ۸۰ سال کے قریب ہے اور اس عمر میں بھی وہ اپنے میوزیم کو عوام کے لئے ایک بے بہا خزانہ بنانے میں جٹے ہوئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بعد ایک ٹرسٹ قائم ہو جس میں حکومت بھی شامل ہو اور کیلکر کے نامزدگان بھی شامل ہوں اور یہ سب مل کر اس کا نظم و نسق سنبھال لیں۔ اسی طرح سے اُن کی برسوں کی محنت، لگن، ایثار اور قربانی کی یہ مثال صدیوں تک ہندوستانی اور بدیسی سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بنی رہے۔

ہندوستان ہمارا

کلیم غازی پوری

(۱)

اِس انجمن کو بہاروں کی انجمن کہئے
وفا کے پھولوں سے مہکا ہوا چمن کہئے
زمانہ جس پہ کرے ناز وہ وطن کہئے
اسی وطن سے تمدّن کی روشنی لی ہے
سبھی نے امن واہنسا کی زندگی لی ہے

(۲)

وطن سے پیار ہے ہم کو وطن سے الفت ہے
وطن کے پھولوں سے کانٹوں سے بھی محبت ہے
وطن کی شان پہ مرنے میں ایک عزت ہے
یہ صوفیوں کی فقیروں کی انجمن کیا ہے
ہمارے دل سے کوئی پوچھے یہ وطن کیا ہے

(۳)

قدم مِلا کے چلو، ہند کا وقار بڑھے
وہ ایکتا ہو کہ دنیا میں اعتبار بڑھے
وطن کا حسن بڑھے حسن کا نکھار بڑھے
سکونِ دل ہو میسّر قرار آجائے
ہر ایک چیز میں رنگِ بہار آجائے

(۴)

وطن کے ذرّوں کی دنیا میں جو بھی قیمت ہے
وطن کے غنچوں میں جو حسن ہے نزاکت ہے
وہ سب غریبوں کی محنت ہی کی بدولت ہے
یہ اپنے دیش کی آزادی یادگار رہے
بہار اپنے وطن کی سدا بہار رہے

(۵)

ہماری نیک امیدوں نے آبرو رکھ لی
وطن کے ویر شہیدوں نے آبرو رکھ لی
نہ جانے کتنے حمیدوں نے آبرو رکھ لی
وطن پہ جب بھی کوئی سخت وقت آیا ہے
انھیں شہیدوں نے اپنا وطن بچایا ہے

(۶)

بہار آکے اسی دیش میں ٹھہر جائے
وہ اتحاد ہو اپنا وطن نکھر جائے
غریبی دُور ہو ہندوستاں سنور جائے
کلیمؔ اپنی دعا ہے وطن کی شان رہے
زمانے بھر میں ترنگے کی آن بان رہے

تخلیقی آرٹ کی اہمیت

شری پی. جی. سالوی کا اظہارِ خیال :

شری پی. جی. سالوی، ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر نے عوامی رابطہ میں تخلیقی آرٹ کی اہمیت جتائی، جو خیالات کے اظہار کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ آپ ۱۷ر فروری کو بمبئی میں سر جے۔ جے۔ انسٹی ٹیوٹ آف اپلائیڈ آرٹ کے سالانہ اجتماع میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے خطاب فرما رہے تھے۔

شری سالوی نے نمائش میں خاندانی منصوبہ بندی، صاف ستھرے شہر اور "روڈ سیفٹی" سے متعلق تصاویر کا جو آپ نے اس سے قبل دیکھی تھیں ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ "یہ تصاویر عوام تک ضروری پیغام موثر طریقے سے پہنچانے کا مقصد پورا کرتی ہیں جن کی اکثریت جاہل ہے۔ آپ نے طالب علم آرٹسٹوں کو ریاستی مہم میں حصہ لینے پر مبارکباد دی جس کا مقصد بھی لوگوں کو حکومت کے پروگراموں میں شریک کرنا ہے۔

آپ نے نمائش میں حصہ لینے والے آرٹسٹوں کو بھی مبارکباد دی جو زبردست صلاحیت کے مالک ہیں اور آئندہ ترقی کریں گے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ آرٹ سے بنی نوعِ انسان کو مسرت اور قوت حاصل ہوتی ہے۔

قبل ازیں شریمتی سالوی نے طلبا کو انعامات، میڈل اور میرٹ سرٹیفکیٹ تقسیم کئے۔

شری پی. جی. سالوی، ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز سر جے جے انسٹی ٹیوٹ آف اپلائیڈ آرٹ کے سالانہ اجتماع میں بحیثیت مہمان خصوصی تقریر کر رہے ہیں۔

شری ہری بھاؤ ہنومنتے، ڈین آف دی انسٹی ٹیوٹ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور شری ایس. جے. شرما جنرل سکریٹری طلبا مجلس، نے شکریہ ادا کیا۔

لسانی اقلیتوں کی مکمل حفاظت

وزیر اعلیٰ شری نائک کی یقین دہانی :

"حکومت مہاراشٹر کی پالیسی جس کی وضاحت بیشتر مواقع پر کی جا چکی ہے یہ ہے کہ کنڑ اور کیرالا کے باشندوں سمیت تمام لسانی اقلیتوں کی بھرپور حفاظت کی جائے۔"

یہ یقین دہانی حال ہی میں مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وی. پی. نائک نے کرناٹک کے وزیر اعلیٰ شری دیوراج ارس کے تار اور کیرالا کے وزیر داخلہ شری کے کرونا کرن کے خط کا جواب میں بھیجے گئے دو مختلف خطوط میں کی ہے۔ کرناٹک کے وزیر اعلیٰ نے بمبئی اور مہاراشٹر کے دیگر مقامات میں مقیم کنڑ باشندوں کے دلوں میں مبینہ عدم تحفظ کے احساس کا ذکر کیا

تھا جبکہ کیرالا کے وزیر داخلہ نے بمبئی میں کیرالا کے باشندوں پر "غیر انسانی مظالم" کے بارے میں مہاراشٹر سے موصول ہونے والی خبروں پر توجہ دلائی تھی۔

نہایت مبالغہ آمیز

شری نائک نے شری ارس کو بتایا کہ ان کو ملنے والی اطلاعات انتہائی مبالغہ آمیز ہیں۔ کنڑ باشندوں کے نقصان کا اندازہ کئی لاکھ روپے میں لگاتے وقت کرناٹک کے وزیر اعلیٰ کے ذہن میں غالباً ۶۲ لاکھ روپے کا وہ تخمینی نقصان ہے جو کرناٹک اور مہاراشٹر کے درمیان سرحدی تنازعہ پر ہونے والے فسادات میں مصیبت زدگان کی جائداد کو پہنچا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ اس صورت میں بھی مراٹھی بولنے والے لوگوں کا نقصان تقریباً ۲۷ لاکھ روپے ہے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید یقین دلایا کہ کسی بھی پارٹی سے وابستگی کا لحاظ کئے بغیر تشدد کی تمام کارروائیوں میں سختی سے نمٹنا ہی حکومت کی پالیسی ہے۔

مقدمات۔

شیوسینکوں کی تشدد اور لاقانونیت کی سرگرمیوں پر سخت اور بروقت اقدامات کے اعداد و شمار بتلاتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا: "سنہ ۱۹۶۹ء میں شیوسینا کے برپا کردہ فسادات میں ۱۸۷۰ شیوسینکوں کے خلاف مقدمات دائر کئے گئے تھے۔ ان میں سے ۱۳۳۱ کو سزا ہوئی۔ سنہ ۱۹۷۱ء، سنہ ۱۹۷۲ء اور سنہ ۱۹۷۳ء کے سالوں میں چھ سو بائیس شیوسینک متعدد واقعات کے سلسلے میں گرفتار کئے گئے جن میں ۹۶ قانونی کارروائی کے بعد مجرم قرار دئے گئے۔

۱۸ ردسمبر سنہ ۱۹۷۳ء کو شیوسینا کی جانب سے "بمبئی بند" کے موقع پر پولس بندوبست کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ اس دن نیز دسمبر سنہ ۱۹۷۳ء میں مہاراشٹر کرناٹک سرحدی تنازعہ پر ہونیوالے فسادات کے دوران جنوبی ہندوالوں کی جس طرح حفاظت کی گئی اسکی تعریف اور لوگوں کے علاوہ میسور ایسوسی ایشن بمبئی، نیز گریٹر بمبئی ہوٹلیرس ایکشن کمیٹی نے کی۔ (باقی صفحہ ۸ پر)

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر صحت عامہ، شہری ترقی اور اوقاف "انڈین سوسائٹی آف ہیومن جینیٹکس" کی پہلی سالانہ کانفرنس کا افتتاح کر رہے ہیں۔ صدرِ کانفرنس شری ٹوپے، وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی بھی نظر آ رہے ہیں!

علم توالد و تناسل پر کانفرنس

ڈاکٹر رفیق زکریا نے افتتاح فرمایا!

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر صحتِ عامہ، شہری ترقی اور اوقاف نے حال ہی میں بمبئی میں گورنمنٹ ڈینٹل کالج آڈیٹوریم میں "انڈین سوسائٹی آف ہیومن جینیٹکس" کی پہلی سالانہ کانفرنس کا افتتاح کیا۔

شری ٹی۔ کے۔ ٹوپے، وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی نے کانفرنس کی صدارت فرمائی جس میں ممتاز مندوبین نے شرکت کی تھی۔

وزیر موصوف نے گذشتہ دس سال کے دوران علم توالد و تناسل کی ترقی پر مسرت کا اظہار کیا اور خاندانی منصوبہ بندی کے میدان میں اس کی اہمیت واضح کی۔

ڈاکٹر زکریا نے سوسائٹی کے لئے ۱۰،۰۰۰ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا۔ قبل ازیں انھوں نے ایک سوونیئر جاری کیا جو کانفرنس کے موقع پر شائع کیا گیا ہے۔

اپنی صدارتی تقریر میں شری ٹوپے نے کانفرنس کو بتایا کہ یونیورسٹی نے علم توالد و تناسل کو فروغ دینے کے لئے آئندہ تعلیمی سال سے ایک نیا شعبہ کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ڈاکٹر ایل۔ ڈی۔ سنگھوی، صدر سوسائٹی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور ڈاکٹر اے۔ ایس۔ بخشی، آرگنائزنگ سکریٹری نے شکریہ ادا کیا۔

شری وی۔ وی۔ گری صدرِ ہند، شریمتی اندرا گاندھی، وزیر اعظم اور ممتاز سائنس دانوں نے کانفرنس کو مبارکباد کے پیغامات بھیجے تھے۔

قومی راج

مبصّرین کی کسوٹی پر

ہفت روزہ بلِٹز (ہندی):

مہاراشٹر راجیہ نے اِس وَرش گن تنتر دِوس کے اَوسر پر انگریزی اور مراٹھی 'لوک راج' کا اُردو سنسکرن "قومی راج" کے نام سے پرکاشِت کیا، جس سے مہاراشٹر کے مکھیہ منتری شری وسنت راؤ نائک کا کچھ سمے پہلے مہاراشٹر ودھان سبھا میں دیا گیا آشواسن پورا ہو گیا۔

مہاراشٹر سرکار کی پالیسیوں اور دوسری کاروائیوں کو جنتا کے سبھی لوگوں کو انہی کی بھاشا میں پہنچانا بہت آوشک ہے اور 'قومی راج' کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے نہ کیول سرکاری اعلان اور فیصلے ہی سے لوگوں کو پریچت کیا جائے گا بلکہ ساہتیہ اور اردو بھاشا کی ترقی کے لئے بھی "قومی راج" ایک مہتوپورن بھومیکا ادا کرے گا۔

۱۹۷۱ء کی جن گننا سے پتہ چلتا ہے کہ مہاراشٹر میں مراٹھی بھاشا کے بعد اُردو دوسری بڑی بھاشا ہے جو اس راجیہ میں بولی جاتی ہے اور اسی کارن لگتا ہے مہاراشٹر سرکار نے سب سے پہلے اردو میں 'قومی راج' نکالا ہے۔ اس کا سہرا مہاراشٹر کے سامانیہ پرشاسن کے سکریٹری جناب خواجہ عبدالغفور کے سر ہے۔

اس کے پہلے اَنک میں مہاراشٹر کے نگر وکاس منتری ڈاکٹر رفیق زکریا نے خوب لکھا ہے کہ "اردو زبان' اردو ادب' اردو تہذیب ایک بیش بہا اور کار آمد ساز و سامان ہے۔ یہ خود ایک چھوٹا سا ہندوستان ہے۔"

ایک چھوٹی سی کہانی 'جب خواب سچ ہو گیا' بڑے سندر ڈھنگ سے پیش کی گئی ہے۔ کرشن چندر کا 'پونا کی یادیں' ایک عجیب سا احساس جگاتا ہے۔ کویتاؤں کا بھاگ بھی اچھا ہے۔

بہترین لکھائی اور آفسیٹ کی چھپائی کے ساتھ ۲۵ پیسے قیمت کا یہ سُندر پاکشک "قومی راج" مہاراشٹر کی اُردو بھاشی جنتا کے لئے ایک حسین تحفہ ہے۔ اس کے پرکاشن سے اُردو بولنے پڑھنے اور لکھنے والوں اور مہاراشٹر سرکار کے بیچ سدبھاونا استھاپت ہو جائے گا۔

مجروحؔ نے کیا خوب کہا ہے:

روک سکتا ہمیں زندانِ بلا کیا مجروحؔ
ہم تو آواز ہیں دیوار سے چھن جاتے ہیں

*

روزنامہ اِنقلاب:

۲۶ جنوری کو حکومتِ مہاراشٹر نے کم از کم اُردو داں طبقہ کو ایک خوبصورت "تحفہ" دیا ہے اور وہ ہے پندرہ روزہ "قومی راج"

اردو میں حکومت مہاراشٹر کا یہ جریدہ "سرکاری" نہیں ہے ان معنوں میں کہ اس کے ذریعے سرکاری کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ اسے سرکاری اور غیر سرکاری مواد کے ذریعے عوامی جریدہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حکومت مہاراشٹر ایک عرصہ سے انگریزی اور مراٹھی کے اپنے جریدے "لوک راج" کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کر رہی تھی اور خود وزیر اعلیٰ نے ریاستی اسمبلی میں اس کا اعلان بھی کیا تھا لیکن بعض دشواریوں کے پیش نظر اس پر عمل نہیں کیا جا سکا تھا' بالآخر اس ۲۶ جنوری کو وہ مبارک گھڑی آ ہی گئی جب "لوک راج" کا اردو ایڈیشن "قومی راج" کے نام سے شائع کیا گیا لیکن قومی راج کی اپنی شان اور نوعیت ہے۔ یہ انگریزی اور مراٹھی کے لوک راج سے بالکل مختلف ہے اور اسے ادبی رنگ و روپ دینے میں جریدے کے

۲۶ر جنوری کے پہلے شمارے کی فہرست مضامین
پر ایک سرسری نظر ہی ڈال کر دیکھئے تو معلوم ہوگا
کہ اُردو کے کئی مایہ ناز ادیب اس میں اپنی تخلیقات
کے ساتھ جلوہ گر ہیں ۔

سکندر علی وجد، مجروح، حسن کمال، سردار جعفری
اور جاں نثار اختر جیسے ممتاز شعراء نے اس جریدہ
کے لئے لکھا ہے ۔ "ہندوستان میں اردو کا مستقبل" کے
عنوان سے ڈاکٹر رفیق زکریا جیسے دانشور کا مضمون فکر
انگیز ہے ۔

ظاہر ہے اس رسالے میں مہاراشٹر اور اس کے
مسائل، اس کی ترقی اور مراٹھی ادب پر بھی مضامین
ہونا چاہئے تھے اور وہ موجود ہیں جن سے اردو داں
طبقے کو اپنی ریاست کے مسائل، اس کے ادب اور
اس کی تہذیب کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی ۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ
"قومی راج" کی اشاعت میں مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری
وی پی۔ نائیک نے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور
اس دلچسپی کے نتیجہ میں اس کا اجراء عمل میں آیا ہے ۔
نائیک صاحب کو مبارکباد دینی چاہئے کہ انھوں نے
اس علاقے سے اردو کا جریدہ، سرکاری نگرانی اور
سرپرستی میں جاری کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اس کا مقصد
اچھا ادب ہی پیش کرنا نہیں، سرکار کے اہم فیصلوں
اور منصوبوں کو اردو داں طبقے تک پہونچانا بھی ہونا
چاہئے۔ اس کا مقصد مراٹھی ادب سے اردو داں طبقہ
کو روشناس کرانا بھی ہونا چاہئے۔ جیسے جیسے یہ
رسالہ ترقی کی منزل کی جانب بڑھے گا، مراٹھی اور
اُردو کے درمیان ایک رابطے اور پُل کا کام بھی انجام
دے گا ۔

حکومتِ مہاراشٹر، خواجہ عبدالغفور صاحب اور
"قومی راج" کی تدوین اور ترتیب کاروں کو ہم دلی
مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ اتنا خوبصورت جریدہ انھوں نے
اردو داں عوام کیلئے صرف ۲۵ پیسے میں مہیا کیا ہے ۔
اردو داں حضرات کو اسکی بھرپور حوصلہ افزائی کرنی چاہئے!

روزنامہ اُردو رپورٹر :

۲۶ر جنوری تو سارے ہندوستانیوں کے لئے
اہم دن ہے لیکن ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۷۲ء مہاراشٹر کے
اُردو والوں کے لئے اور خاص طور سے ادب سے تعلق
رکھنے والے حضرات کیلئے خاصی اہمیت کا حامل تھا
کیونکہ اس دن انھیں حکومتِ مہاراشٹر کی جانب سے
ایک خوبصورت تحفہ پندرہ روزہ "قومی راج" کی صورت
میں ملا ۔ اہم اس لئے نہیں کہ پرچے کو حکومت کی
سرپرستی حاصل ہے بلکہ اہم اسلئے کہ یہ ایک ثبوت ہے
کہ اردو زبان مہاراشٹر میں مقبول عام ہے اور یہ کہ
حکومت اسے تسلیم کرتی ہے ۔

"قومی راج" کے پہلے شمارے کی فہرست مضامین
پر نظر ڈالتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان
کے کئی کہنہ مشق اور مایہ ناز ادیبوں اور شاعروں کا
جگمگھٹا ہے ۔ جہاں اسمیں حسن کمال کی دلوں کو
چھوتی ہوئی "آخری کوشش" ہے وہیں اعجاز صدیقی
کی حقیقت بیانی بھی جو انھوں نے اپنی نظم "ہم امن
چاہتے ہیں" میں کی ہے ۔ اس کے علاوہ سکندر علی
وجد، سردار جعفری، جاں نثار اختر، مجروح سلطان
پوری، حسرت جے پوری، گنیش بہاری طرز جیسے
ممتاز شعراء کے کلام نے پرچے کی اہمیت میں اضافہ
کر دیا ہے ۔

مضامین میں جہاں خواجہ عبدالغفور صاحب
کا مضمون "گاندھی جی کی خوش مذاقی" سے ہمیں اپنے
بزرگوں کے حالات زندگی اور انکی معنی خیز حاضر جوابی
کا علم ہوتا ہے وہیں ڈاکٹر رفیق زکریا کا مضمون
"ہندوستان میں اُردو کا مستقبل" ہمیں دعوتِ فکر
دیتا ہے ۔

پرچے کی کتابت، طباعت اور ترتیب بھی
نہایت خوبصورت ہے ۔

ہم حکومتِ مہاراشٹر، خواجہ عبدالغفور (جوکہ
"قومی راج" کے نگراں ہیں) اور قومی راج کے ترتیب
کاروں کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں جنھوں نے
ہمیں صرف ۲۵ پیسے میں ایک ایسا نیا گلدستہ
عطا کیا جس میں گلشنِ اردو ادب کے تمام شہد پھول
اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ موجود ہیں ۔

روزنامہ اُردو ٹائمز :

"قومی راج" کی تقریبِ اجراء میں وزیر اعلیٰ
نائیک صاحب نے اُردو سے متعلق جن خیالات
کا اظہار کیا ہے وہ بلاشبہ حکومتِ مہاراشٹر کی
اُردو دوستی کا ثبوت دیتے ہیں ۔ حقیقت بھی
یہی ہے کہ ملک کی دیگر ریاستوں کے مقابلے
میں مہاراشٹر نے اردو کے بارے میں منصفانہ
پالیسی ہی اختیار کی ہے جس کی بدولت ریاست
بھر کے اردو عوام نہ صرف اپنی زبان کو صحیح طور پر
پھلتا پھولتا دیکھ رہے ہیں بلکہ انھیں اسکا یقین
بھی ہے کہ اُردو کے سلسلے میں جتنے بھی جائز مطالبات
کئے جائیں گے ریاستی حکومت ان پر ضرور
ہمدردانہ رویّہ اختیار کرے گی ۔

... اس جریدے کی اشاعت میں بمجبوری کچھ
تاخیر ہوئی ہے لیکن اگر خواجہ عبدالغفور صاحب
(آئی اے ایس) "قومی راج" کی اشاعت میں
عملاً دلچسپی نہیں لیتے تو شاید اب بھی یہ پرچہ اردو
عوام تک نہیں پہنچ پاتا ۔ مواد کی فراہمی، ترتیب و
تزئین، کتابت وطباعت ایک ایک مرحلے میں
غفور صاحب کی دوررس نگاہیں کام کرتی رہی ہیں
جس کی بدولت "قومی راج" ایک حسین اور دیدہ زیب
جریدے کی صورت میں سامنے آسکا ہے ۔

... مہاراشٹر بھر کے اردو والوں کو خصوصاً اور ملک بھر
کے اردو دوستوں کو عموماً وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کو اس اقدام پر
مبارکباد دینی چاہیئے کہ انھوں نے اردو کے حق اور جائز
مقام کو محسوس کیا اور اس کے ساتھ منصفانہ اور
فیاضانہ سلوک کیا ۔ ●●

کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں!

• رام لعل۔ لکھنؤ

" قومی راج " (اردو) کی اِفتتاحی تقریب میں شرکت کا دعوت نامہ دیر سے ملا تھا۔ اس لئے حاضر نہ ہو سکا۔ بہرحال اس کی رسم اجراء کیلئے تہِ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

امید ہے یہ رسالہ اُردو میں قومی یکجہتی، سیکولرزم اور سوشلزم کے رجحان کو فروغ دینے میں معاون بنے گا۔ میری نیک خواہشات اس کی کامیابی کے لئے پیش ہیں۔

• محمد غلام رسول اشرف۔ ناگپور

بڑی ہی مسّرت ہوئی یہ جان کر کہ ۲۶ جنوری کے موقع پر حکومت مہاراشٹر نے " قومی راج " اُردو کا اجرا کیا۔

آج ہی میں نے اس کا سالانہ خریدار ہونے کے لئے بذریعہ منی آرڈر ۵ روپے روانہ کئے ہیں آپ اس کے پہلے شمارے سے ہی مجھے سالانہ خریداروں کی فہرست میں شامل کرلیں تاکہ میرا فائل مکمل ہو سکے۔

• آغا رشید مرزا۔ کلکتہ

آپ نے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ " قومی راج " بہت جلد اپنی معراج پر پہنچے گا اور اپنی قومی خدمات کے باعث ایک اعلیٰ مقام حاصل کر لے گا۔ میں آپ کی اِس کوشش کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہوں۔

خواہشات آرا مشورے

• سلام بن رزّاق۔ بمبئی

سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ مہاراشٹر سرکار نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک صحیح اور قابل قدر قدم اُٹھایا۔ اس سے اس بات کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ حکومتِ مہاراشٹر اردو داں طبقہ کی خواہشات کا کِس قدر احترام کرتی ہے۔ مہاراشٹر سرکار واقعی ہزار مبارکباد کی مستحق ہے۔

• ندا فاضلی۔ بمبئی

" قومی راج " کا شمارہ ملا۔ شکریہ

پرچہ گیٹ اپ، طباعت اور مواد کے لحاظ سے خوبصورت ہے۔

•

• جمیلہ وفا دہلوی

صدا فضاؤں میں اُبھری کہ آفتاب آیا
یہ " قومی راج " رسالہ جو لاجواب آیا

نصیب جاگ اٹھا پھر غریب اُردو کا
بساطِ اردو کا اردو میں ماہتاب آیا

سجا سجایا مضامین اور نظموں سے
کہا مُدیروں نے کیسا یہ انقلاب آیا

خدا کے فضل سے اُردو نے لی ہے انگڑائی
جوان ہوگئی وارفتہ پھر شباب آیا

جہاں کے واسطے پیغام علم لایا ہے
یہ " قومی راج " بصد عجز پُر شباب آیا

برائیں تمام نگاہوں سے منتخب ہو کر
ہر اک رسالے کا دیتا ہوا جواب آیا

گلے لگا کے بہت اس کو روئی ہوں میں وفا
جواب دیتا ہوا سب کو یہ لاجواب آیا

• غازی معین الدین اورنگ آباد

حکومتِ مہاراشٹر نے یوم جمہوریہ ۱۹۷۴ء کے موقع پر اُردو کا پندرہ روزہ رسالہ شائع کیا ہے جس کا پہلا شمارہ ہمارے زیر نظر ہے۔ ریاستِ مہاراشٹر اور بھارت کے ہر حصّہ میں عام بول چال میں اردو کا استعمال ہے اور یہ عام فہم بھی ہے۔

اس شمارہ میں تمام مضامین پُر از معلومات اور محققانہ ہیں۔ حکومت کے کام اب تک طبقاتی

عوام کے علم اور نظر میں نہیں تھے، اس پرچہ میں بالاختصار اور جامع طور پر منصوبوں کو پیش کیا گیا ہے۔ عوام کے لئے ان کا علم ضروری تھا۔

حکومت کا یہ اقدام نہایت مستحسن اور قابلِ مبارکباد ہے۔ وزیرِ اعلیٰ کے دور کی بہت بڑی یادگار ہے۔ اُردو میں اس رسالہ کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ اُردو نہ صرف ہندوستان بھر میں بولی جاتی ہے بلکہ لسانیاتِ عالم میں اسکو بین الاقوامی حیثیت بھی حاصل ہوگئی ہے۔ اس زبان میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس دنیا کی تمام رائج الوقت زبانوں کے الفاظ کو اپنے اندر سمولیا ہے۔ اپنانے کی اس صلاحیت نے اس کو وسیع تر بنا دیا ہے گویا یہ ایک وسیع لسانی سمندر ہے جس میں تمام زبانوں کی نہریں آکر شامل ہوجاتی ہیں۔ اس کا یہ ہمہ لسانی اتحاد ایک بے مثل نظیر ہے۔ بین الممالک اور بین الطبقاتی اتحاد بھی اِسی بنیاد پر قائم ہونا چاہیے تاکہ سوشلزم کی بنیاد ملک میں قائم ہوجائے۔ اس تحریک کا اظہار شریمتی اندرا گاندھی وزیرِ اعظم ہند نے متعدد مقامات پر اور متعدد مرتبہ کیا ہے۔ حب الوطنی کے جذبہ کے لئے ایک قومیت اور ایک وطنیت بھی ضروری ہے۔ اسکو انگریزی میں nationality کہا جاتا ہے۔ اُردو ہی اس رول کو ادا کر سکتی ہے۔ اردو ہندوستانی زبان ہے، فرقہ واریت کا شبہ بھی دور ہوچکا ہے۔ جو زبان تمام لسانیات عالم کا سنگم ہو وہ کسی ایک فرقہ کی زبان نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی فرقہ اس کا دعویدار ہوسکتا ہے۔

اہلِ ملک کو چاہیے کہ حکومت کے کاموں سے واقف ہونے اور رابطہ رکھنے کیلئے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور کرے۔ امید ہے کہ دیگر ریاستیں بھی اپنے اپنے منصوبوں اور کارناموں کو علم عام میں لانے کیلئے ایسے رسالہ جات شائع کریں گی۔

●

غزل

دامن کے اپنے چاک چھپالوں تو پھر چلوں
راہِ جنوں کی خاک اُڑا لوں تو پھر چلوں

شکوہ نہ کر سکے یہ زمیں تشنہ رہ گئی
تھوڑے بچے ہیں اشک بہالوں تو پھر چلوں

لیل و نہار تیرے تصور میں کٹ گئے
یادوں کے کچھ چراغ جلالوں تو پھر چلوں

کچھ تلخئ حیات نہ رہ جائے میرے بعد
ساقی کو ایک بار منالوں تو پھر چلوں

جب لے چلی ہے موت خدا کے حضور میں
اِک شاہدِ نجات بنالوں تو پھر چلوں

کیوں کس لئے نشاطؔ ہو اِس درجہ بے قرار
شب داریٔ فراق منالوں تو پھر چلوں

نشاطؔ ہندی

غزل

زندگی اور یہ تسلسل جو نہیں کچھ بھی نہیں،
آج سے بڑھ کے حسیں کل جو نہیں کچھ بھی نہیں

شاعرِ وقت کے نغمات کی جھنکاروں میں
کل کی بجتی ہوئی چھاگل جو نہیں کچھ بھی نہیں

اس گھنے پیڑ میں سینچا ہے لہو سے جس کو
اک نئی پھوٹتی کونپل جو نہیں کچھ بھی نہیں

لاکھ چھایا کریں عالم پہ گھٹائیں لیکن
اک برستا ہوا بادل جو نہیں کچھ بھی نہیں

ذہنِ انسان پہ چھایا سا غبارِ اوہام
نورِ ایقاں کا ہراول جو نہیں کچھ بھی نہیں

سعیٔ تعمیر ہے کیا؟ کوششِ تخریب ہے کیوں
آتی انسان میں اٹکل جو نہیں کچھ بھی نہیں

ٹوٹ کر لاکھ برستا ہے یہ ابرِ محیط
اپنے کھیتوں ہی میں جل تھل جو نہیں کچھ بھی نہیں

کیا بنا لیں گے یہ دو چار تھپیڑے ہم دم
ایک سیلابِ مسلسل جو نہیں کچھ بھی نہیں

چشمِ جاناں ہے بہت خوب مگر اس میں بھی
فکرِ ایام کا کاجل جو نہیں کچھ بھی نہیں

ڈاکٹر عالی جعفری

بینا ناز

رہ گذرِ نیاز میں خوف و خطر نہ دیکھیے،
کیجیے پیش جان و دل نفع و ضرر نہ دیکھیے،

دیکھیے اپنے آپ کو سوئے دگر نہ دیکھیے،
اوروں کے بھول کر کبھی عیب و ہنر نہ دیکھیے

اس کی گلی میں نقشِ پا اس کا اگر نہ دیکھیے
کیجیے سجدے پھر بھی واں جانبِ در نہ دیکھیے

پردہ بہ پردہ ہے نہاں جلوے انہیں کے ہر جگہ
حسنِ بشر تو عکس ہے عکسِ بشر نہ دیکھیے

برقِ جمالِ طور کا عام ہے سب میں واقعہ
ہوش کی لیجیے خبر کچھ بھی ادھر نہ دیکھیے

نازؔ وہی ہے جلوہ گر اٹھتی ہے جس طرف نظر
کہیے کہ دیکھیے کدھر اور کدھر نہ دیکھیے

سرکاری فیصلے اور اعلانات

جلگاؤں جنرل ہسپتال کی توسیع

حکومت مہاراشٹر نے جنرل ہسپتال جلگاؤں کے احاطے میں باہری مریضوں کے نئے شعبے اور مزید وارڈ کی تعمیر نیز دوسرے ضمنی کاموں کے سلسلہ میں پلان اور ۳۶،۳۰،۳۰۰ روپے کی رقم کے تخمینے کو انتظامی منظوری عطا کر دی ہے۔

پونہ یونیورسٹی اسٹاف کوارٹر کیلئے مالی امداد

حکومت مہاراشٹر نے پونہ یونیورسٹی کو اس کی اسٹاف کوارٹر اور ٹیچر ہاسٹل تعمیر کرنے کی اسکیم کے لئے ۵۷،۴۱۳،۰۷ روپے کی مالی امداد منظور کی ہے۔

سائنس انسٹی ٹیوٹ میں گولڈن جوبلی وظائف

بمبئی میں واقع سائنس انسٹی ٹیوٹ نے جونیر بی۔ ایس۔ سی طالب علموں کیلئے ۵۰ روپے ماہوار کے ۲۵ وظائف اور ایم۔ ایس۔ سی حصہ اول کے لئے ۷۵ روپے ماہانہ کے آٹھ وظائف کے لئے درخواستیں طلب کی ہیں۔ یہ گولڈن جوبلی وظائف ہیں۔ ان کے لئے درخواستیں ۱۰ اپریل ۱۹۷۴ء تک مل جانی چاہییں۔

یہ وظائف تحریری اور زبانی امتحان کے ذریعہ جانچی گئی لیاقت پر دیئے جائیں گے۔ جو امیدوار تحریری امتحان میں شرکت کا خواہشمند ہوگا اس سے ۱۰ روپے فیس وصول کی جائے گی۔

مزید تفصیلات اور درخواست فارم اپنا پتہ لکھا ہوا اور ڈاک ٹکٹ لگا ہوا لفافہ بھیج کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

صنعتی سوسائٹیوں کو مالی امداد

حکومت مہاراشٹر نے انڈسٹریل کوآپریٹیو سوسائٹیوں نیز دستکاریوں کے لئے مالی امداد دینے کی اسکیم چھوٹے پیمانے کی صنعتوں اور دوسری صنعتوں کے انتظام کی غرض سے مزید ۳۱ مارچ ۱۹۷۴ء تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس اسکیم کا نفاذ ریاستی اور مقامی دونوں سیکٹر میں ہوتا ہے جو بالترتیب حکومت اور ضلع پریشدوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دونوں کے لئے ۱۹۷۳-۷۴ء کے لئے گنجائش بالترتیب ۱۴،۳۰ لاکھ روپے اور ۵،۸۶ لاکھ روپے کی ہے۔ اس میں سے ۴،۵۴ لاکھ روپے قرضوں اور ۶،۵۸ لاکھ روپے امداد کے لئے رکھے گئے ہیں۔

دیہی علاقوں کے ذہین طالب علموں کو وظائف

حکومت مہاراشٹر حکومت ہند کی قومی وظائف برائے ثانوی درجہ اسکیم کے تحت ریاست میں ۴۲۵ ترقیاتی بلاکوں کے دیہی علاقوں کے ذہین طالب علموں کو فی بلاک دو امیدوار کے حساب سے ۱۹۷۳-۷۴ء کے دوران ۸۵۰ وظائف عطا کرے گی۔ ریاست میں اس اسکیم پر ۱۹۷۱-۷۲ء سے عمل درآمد ہو رہا ہے۔

ایک وظیفہ کی رقم طلبا کے لئے جو کہ اپنی مرضی سے اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور جہاں فیس وصول کی جاتی ہے ۲۵۰ روپے سالانہ ہوگی اور ان طلبا کے لئے جو کہ اپنی مرضی کے اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں مگر وہاں فیس وصول نہیں کی جاتی ۱۵۰ روپے سالانہ ہوگی۔ ادائیگی دو مساوی قسطوں میں ہوگی۔ پہلی قسط اسکولی سال شروع ہوتے وقت اور دوسری سال کے اگلے نصف میں۔

طالب علم کو دیہی علاقوں کا ہونا چاہئے۔ دیہی علاقہ سے مراد وہ علاقہ ہے جس کی ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی دس ہزار نفوس سے کم تھی۔ عمر یکم جون ۱۹۷۳ء کو ۱۵ سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔

وظیفہ دینے کے لئے ایک مقابلہ کا امتحان منعقد ہوگا۔ درجہ ہفتم میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم اس امتحان میں شریک ہو سکیں گے۔ امتحان میں شرکت کے قبل ضروری ہے کہ طالب علم دیہی علاقہ کے سرکار سے تسلیم شدہ اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا ہو۔ وظیفہ دینے کے لئے والدین یا سرپرستوں کی آمدنی پر غور نہیں کیا جائے گا۔ طالبات بھی وظیفہ حاصل کرنے کی مستحق ہیں۔

ربیع جوار پر فضا سے چھڑکاؤ

حکومت مہاراشٹر نے فضا سے جراثیم کش دوائیں چھڑکنے کا پروگرام تحفظ فصل اسکیم کے تحت ۰۸ء۱ لاکھ ہیکٹر (۰۰ء۲ لاکھ ایکڑ) سے زیادہ آراضی پر شروع کیا ہے۔ یہ علاقے اورنگ آباد، پربھنی اور ناندیڑ اضلاع میں ہیں جہاں پر ربیع جوار پر چکٹا کو کنٹرول کرنا ضروری ہے۔

کوآپریٹیو شکر کے کارخانے کو حکومت کی ضمانت

حکومت مہاراشٹر نے حکومت ہند کے ساتھ مساوی طور پر ضمانت دی ہے کہ ضلع اورنگ آباد میں واقع ویجاپور کی وناٹک سہکاری ساکھر کارخانہ لمیٹڈ جو انڈسٹریل فنانس کارپوریشن آف انڈیا سے لمبی مدت کے قرضہ کے طور پر ۱۵۰ لاکھ روپے کی رقم حاصل کرے گا۔ اس کی واپس ادائیگی کیجائے گی۔

مدت میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے چھوت چھات ختم کرنے کے لئے طریقہ کار دریافت کرنے کی غرض سے جو کمیٹی تشکیل دی تھی اس کی مدت میں ۸ رمئی ۱۹۷۴ء تک کی توسیع کر دی ہے۔

فساد سے متاثرین کیلئے ۴۴۰۰ روپے

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے گذشتہ ۱۸ رجنوری کو ضلع سانگلی کے گاؤں کوگنولی میں راموشی جاتی والوں اور گاؤں والوں کے درمیان جو فساد ہوگیا تھا اس سے متاثر ہونے والے راموشی جاتی کے ۲۴ افراد کو مالی امداد کے طور پر ۴۴۰۰ روپے منظور کئے گئے۔

سانگلی کے کلکٹر کو متذکرہ رقم کا چیک بھیجتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے ہدایت کی ہے کہ رقم کی تقسیم اور متاثرین کی بازآبادکاری کا جلد از جلد انتظام کریں۔

شری پی۔ وائی۔ گوڑبولے

شری پی۔ وائی۔ گوڑبولے، آئی اے اور اے ایس نے ۱۲ ر فروری ۱۹۷۴ء سے ڈائرکٹر آف اکاؤنٹس ٹریزریز اور ایڈیشنل سکریٹری محکمۂ مالیات کا چارج لے لیا ہے۔

مدت میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے عثمان آباد کے مسودہ ترقیاتی منصوبہ کو منظور کرنے کی مدت میں ۱۱ راپریل ۱۹۷۴ء تک کی توسیع کر دی ہے۔

مجاہد آزادی کو سرکاری مالی امداد

حکومت مہاراشٹر نے مجاہد آزادی شری شیام کانت ڈی۔ مورے کے لئے تعلیمی رعائتیں منظور کی ہیں۔ جو جنوبی ویت نام کی سیاست میں بدھ ازم کا کردار کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے تحقیقاتی کام کر رہے ہیں۔

ان کو ۱۲۰۰ روپے کا وظیفہ ۵۰۰ روپے ماہانہ کی شرح سے منظور کیا گیا ہے اس کے علاوہ ۱۰۰ روپے سالانہ یعنی کل ۲۰۰ روپے کتابوں کے لئے ۲ سال کے واسطے منظور کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ حکومت نے شری مورے کو چار ہزار روپے کی رقم بھی منظور کی ہے جو کہ ان کے تحقیقات سے متعلق سفر وغیرہ پر خرچ کی گئی رقم کا ایک حصہ ہے۔

گندی بستی سدھار بورڈ
وزیر اعلیٰ نے افتتاح کیا

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی نائک نے حال ہی میں کو سچیوالیہ بمبئی میں نئے قائم شدہ مہاراشٹر سلم امپرومنٹ بورڈ کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری نائک نے گندی بستیوں کے علاقہ میں منظورہ رقم کے اندر سدھار کے کام انجام دینے کی ضرورت جتائی۔ آپ نے فرمایا اگر اس کا خیال نہ رکھا گیا تو ریاست کی مالیات پر بڑا بوجھ پڑے گا۔ مذکورہ اسکیم کے تحت ہر بلاک میں خود اس کی پنچایت ہوگی جسے بورڈ ترقیاتی مسائل پر توجہ اور روزمرہ کے کاموں کی انجام دہی کے لئے نامزد کرے گا۔ ہر بلاک کی پنچایت میں سماجی کارکن شامل ہونگے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید فرمایا "شہری ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کی غرض سے پنچایتوں میں ایسے لیڈر ہونا چاہئیں جو بھلائی کے کام انجام دے سکیں سماجی بھلائی کے اداروں کو آگے بڑھ کر یہ کام سنبھالنا چاہئے۔

گندی بستی کے باسیوں کو پانی، صحت و صفائی اور بتی وغیرہ کی سہولتیں بڑھانے کے کام میں تیزی پیدا کرنے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے شری ڈی۔ ٹی۔ روپاوتے، وزیر ریاست برائے تعمیر مکانات کی زیر صدارت بورڈ قائم کیا ہے۔ یہ بورڈ مہاراشٹر سلم امپرومنٹ بورڈ ایکٹ بابت ۱۹۷۳ء کے تحت قانونی اتھارٹی ہے۔ اسمیں میونسپل کارپوریشنوں نیز مہاراشٹر اور ودربھ کے ہاوسنگ بورڈوں کے ۱۰ بلحاظ عہدہ ممبران اور ۹ غیر سرکاری ممبران ہیں جنہیں حکومت نے مقرر کیا ہے۔

شری وائی۔ جی موہتے، وزیر برائے امداد باہمی اور تعمیر مکانات نے بھی اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ممبران سے یہ اپیل کی کہ وہ گندی بستیوں کے سدھار پروگراموں کے تحت سدھار کی اسکیموں کی عمل آوری میں حکومت سے پوری طرح تعاون کریں۔

شری ڈی۔ ٹی۔ روپاوتے وزیر ریاست برائے تعمیر مکانات نے وزیر اعلیٰ اور دیگر ممبران کا خیر مقدم کیا۔

شری ایم۔ ڈی چودھری وزیر مالیات بھی اس موقع پر حاضر تھے۔

مہاراشٹر بجٹ برائے سال ۷۵-۱۹۷۴ء

جرأت مندانہ اقدام ——— مال دار طبقہ پر زیادہ بار

" مہاراشٹر بجٹ بابت سال ۷۵-۱۹۷۴ء ایک جرأت مندانہ اقدام ہے' ان معنوں میں کہ اس کے ذریعہ کل ۳۱ کروڑ ۵۲ لاکھ روپے کے نئے ٹیکس لگاتے وقت یہ کوشش کی گئی ہے کہ شہری اور دیہی مالدار ذرائع سے زیادہ سے زیادہ رقم نکال جائے اور متوسط اور غریب طبقہ متاثر نہ ہو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ریاستی وزیر مالیات' شری ایم۔ ڈی۔ چودھری نے گذشتہ ۱۸ فروری ۱۹۷۴ء کو اسمبلی میں ۷۵-۱۹۷۴ء سال کا بجٹ پیش کیا۔
وزیر موصوف نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس بجٹ میں ٹیکس تجاویز سے ضروری اشیاء کی قیمتوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔
بجٹ میں کل خسارہ ۸۷ء ۶۵ کروڑ روپے بتایا گیا ہے۔ آمدنی کا تخمینہ ۲۰ء ۶۹۳ کروڑ روپے اور تخمینۂ مصارف ۴۲ء ۷۲۸ کروڑ روپے ہے جبکہ اصل آمدنی تخمیناً ۱۷ء ۶۹۴ کروڑ روپے اور اصل مصارف ۹۲ء ۴۹۹ کروڑ روپے ہیں۔

ٹیکس تجاویز کی قابل ذکر باتیں یہ ہیں:

روزانہ پچاس روپے یا اس سے زیادہ کرایہ لینے والے بڑے ہوٹلوں پر جن کی سرپرستی امیر طبقہ کرتا ہے نیا ٹیکس لگایا گیا ہے جس کی شرح روزانہ کرایہ کی بنیاد پر ۳ فیصدی تا ۷ فیصدی کے درمیان ہے۔

●

ہوٹلوں اور ریستورانوں میں کھانے اور مشروبات کے نیز تفریحات مثلاً کیبرے اور "فلور شو" سمیت بل پر چالیس فیصدی سیلز ٹیکس لگایا گیا ہے۔

●

کئی مدات تعیشات پر سیلز ٹیکس کی شرح بڑھادی گئی ہے۔

●

سماجی تقریبات مثلاً شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر خود نمائی کی غرض سے بجلی کے بے جا صرفہ کو کم کرنے کیلئے بجلی محصول دگنا کردیا گیا ہے۔

●

بڑے بڑے فلیٹوں اور بنگلوں میں مقیم مالدار طبقہ کے افراد پر زیادہ بار ڈالنے کی غرض سے بمبئی عظمیٰ میں ۱۲۵ مربع میٹر سے زیادہ رقبہ پر اور دیگر میونسپل کارپوریشنوں کی حدود میں ۱۵۰ مربع میٹر سے زیادہ رقبہ پر رہائشی جگہ کا ٹیکس لگایا ہے۔

●

دیہی امیر طبقہ پر زیادہ بار ڈالنے کی غرض سے زراعتی اراضی ملکیت پر نیا محصول یعنی 'سرچارج' تجویز کیا گیا ہے۔ یہ دو حصوں پر عائد ہوگا یعنی اول اراضی محصول اور مقامی محصول اور دوئم تعلیمی محصول پر مبنی ہوگا۔

●

فی الحال آبپاشی فصل پر تعلیمی محصول صرف چند خاص فصلوں پر عائد کیا جاتا ہے۔ آئندہ سے یہ تمباکو' سپاری' ہلدی' ایچ۔ یم' بنولہ اور جوار' باجرہ اور مکئی کے اعلیٰ بیج پر بھی عائد ہوگا۔ اس سے آبپاشی اراضی پر تجارتی منافع بخش فصلیں اُگانیوالے مالدار کسانوں کا بڑا طبقہ متاثر ہوگا۔

●

وزیر موصوف نے مزید فرمایا۔ " اپنا بجٹ بناتے وقت حکومت مہاراشٹر ہمیشہ خاص مقاصد یعنی دیہی آبادی اور مجموعی طور سے عام آدمی کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتی ہے۔ دیہی علاقوں میں لوگوں کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ چار سیکٹروں یعنی صنعت' زراعت' پاور اور آبپاشی پر مناسب توجہ دی جائے۔ ۷۵-۱۹۷۴ء کے بجٹ میں حکومت نے ان تمام پہلوؤں پر خاص توجہ دی ہے دیگر مدات جن کا خاص خیال رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں: سڑکیں' تعلیم' خاندانی منصوبہ بندی' بندرگاہیں' ہسپتال' اسکول اور برادری کنویں وغیرہ۔

مختصر یہ کہ بجٹ بناتے وقت اصل مقصد یہ تھا کہ ریاست کی ہمہ جہتی اور متوازن ترقی ہو!

مہاراشٹر مجلسِ قانون ساز کا بجٹ اجلاس

گورنر شری علی یاور جنگ کا خطبہ

مہاراشٹر کے گورنر شری علی یاور جنگ نے ۱۱ فروری ۱۹۷۴ء کو بمبئی میں مجلسِ قانون ساز کے بجٹ سیشن کے آغاز پر دونوں ایوانات کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کیا معزز اراکین کا پرجوش خیر مقدم کرتے ہوئے گورنر موصوف نے فرمایا جیسا کہ آپ جانتے ہیں گذشتہ تین سال لگاتار خشک سالی کے دوران ریاست کو بڑی کٹھن صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ حکومت کو بہت بڑے پیمانے پر راحت کے کام شروع کرنا پڑے تاکہ لوگوں کی کچھ تکلیف دور ہو۔ اس مصیبت کی شدت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انتہائی کٹھن دنوں میں امدادی کاموں پر مزدوروں کی حاضری ماہ ستمبر ۱۹۷۱ء میں ۱۴ء۶ لاکھ، ۳۱ مارچ ۱۹۷۲ء کو ۳۵ لاکھ اور ۳۱ مئی ۱۹۷۳ء کو ۵۰ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس مرتبہ قلت کے دوران زراعتی مزدوروں کے علاوہ اچھی حیثیت کے مالک مزارعین بھی امدادی کاموں میں مصروف نظر آئے جو حکومت نے شروع کئے تھے۔

ریاست کے لوگوں نے بڑی ہمت اور استقامت کے ساتھ خشک سالی کا مقابلہ کیا۔ حکومتِ ہند نے بھی راحت کے کاموں میں ریاستی حکومت کی بڑے پیمانے پر امداد کی۔ ریاستی حکومت نے حکومتِ ہند کی امداد سے ۱۹۷۲-۱۹۷۱ء میں لگ بھگ ۱۴۱ء۹۵ کروڑ روپے ۱۹۷۳-۱۹۷۲ء میں ۷۵ء۲ کروڑ روپے اور حالیہ سال یعنی ۳۱ دسمبر ۱۹۷۳ء تک ۱۳۵ء۸۸ کروڑ روپے امدادی کاموں پر صرف کئے۔

خشک سالی کے دوران متعدد کام جیسے ذخیرۂ آب کے تالاب اور اجتماعی کنوؤں وغیرہ کی تعمیر کے کام شروع کئے گئے۔ اِن کاموں کی تکمیل کے لئے کافی مزید سرمایہ کی ضرورت ہے۔ یہ کام پورا ہو جانے پر ریاست مستقبل میں بھی خشک سالی کا بہتر طریقے سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائے گی۔

ریاست میں ۱۹۷۳-۷۴ء میں غذا اور قیمت کے معاملہ میں صورت حال نازک رہی اور ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مناسب قیمتوں کی دکانوں سے کھپت بہت زیادہ ہوئی۔ مسلسل تین سال سے فصل نہ ہونے سے کھلی منڈی میں اناج کا ذخیرہ قلیل رہ گیا نیز فاضل اناج رکھنے والی ریاستوں نے اناج کی برآمد پر پابندی لگادی۔ ذخیرہ بڑھانے کے لئے حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ نہ صرف گذشتہ سال کی طرح دھان، چاول، جوار اور ناگلی کسانوں سے حاصل کرنے کیلئے اجارہ داری وصولی اسکیم جاری رکھی جائے بلکہ گیہوں پر بھی لاگو کردی جائے۔ نیز جاریہ فصل میں باجرہ کی لیوی اسکیم بھی شروع کی۔ ہم نے وقتاً فوقتاً حکومتِ ہند سے زیادہ مقدار میں مہاراشٹر کو اناج دینے کی بھی درخواست کی۔ تاہم وہ اتنی مقدار میں اناج خصوصاً گیہوں اور چاول نہ دے سکی جتنا ہم مانگ رہے تھے۔

حکومت نے اس فصل کے دوران دھان، جوار اور باجرے کے حصول کے لئے زبردست پروگرام شروع کیا۔ حکومتِ ہند نے وصولی کا نشانہ ۲ لاکھ ٹن چاول اور ۴ لاکھ ٹن موٹا اناج رکھا۔ فصل خریف کے آغاز پر اچھی فصل کی توقع کے مدنظر دراصل نشانہ اس سے زیادہ رکھا گیا تھا۔ جو مرکزی حکومت نے دیا تھا۔ مگر بدقسمتی سے اکتوبر میں ناوقت اور زیادہ بارش نیز جوار کی فصل پر چھوٹی مکھی کے حملہ کے باعث یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ پھر بھی وصولی کی کوشش برابر جاری رہی اور ہم نے اختتام جنوری ۱۹۷۴ء تک تقریباً ۱۷ء۲ لاکھ ٹن دھان ۔۔۔ ۴۴ ٹن جوار اور ۔۔۔ ۵۴ ٹن باجرہ حاصل کیا۔ بہرحال سال بھر میں کم سے کم ۲۴ لاکھ ٹن اناج کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ عام تقسیم باقاعدہ رہے۔ لہٰذا ماہانہ دو لاکھ ٹن کی مقررہ مقدار جاری رکھنے کے علاوہ حکومت ہند سے یہ بھی درخواست کی گئی کہ وہ دیش بھر میں موٹے اناج کی آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت دیدے تاکہ اس ریاست کے لوگ مناسب قیمت کی دکانوں سے ملنے والی مقدار کے علاوہ اپنی زائد ضرورت کھلے بازاروں سے پوری کرسکیں۔ اس درخواست پر حکومت ہند نے حال ہی میں کمی والی ریاستوں کا موٹا اناج اپنی زیر سرپرستی ایجنٹوں کے توسط سے خریدنے کی اجازت دیدی ہے۔ چنانچہ ہم نے پنجاب ہریانہ اور دیگر ریاستوں سے امداد باہمی اور منظور شدہ تجارتی اداروں کے توسط سے جوار باجرہ اور مکئی کی خریداری کی کارروائی شروع کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرکزی حکومت کی ہدایت کے مطابق بمبئی کے راشن بندی علاقے کے علاوہ ریاست بھر میں ایسی جوار (جس کی لیوی ادا ہوچکی ہو) پر اضلاع کے مابین نقل و حرکت پر ریاست نے پابندی ہٹالی ہے۔ باجرہ اور گیہوں کی مابین الاضلاع نقل و حرکت (بمبئی راشن بندی علاقہ میں گیہوں کے علاوہ) پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے امید ہے کہ کھلے بازار میں زیادہ مقدار میں موٹا اناج

تو بچ جانے سے صورت حال بہتر ہوجائے گی۔

قیمتوں کی صورت حال پر حکومت کو بڑی تشویش لاحق ہوئی قیمتوں میں اضافہ کے مختلف اسباب ہیں جو کل ہند نوعیت کے ہیں۔ اناج کے علاوہ لازمی اشیاء مثلاً کھانے کے تیل، شکر اور دودھ وغیرہ کی قلت اور ان کی زیادہ قیمتوں کے باعث عام لوگوں میں بے چینی پیدا ہوئی۔ اس صورت حال میں حکومت نے ذخیرہ اندوزوں اور منافع خوروں کی سرگرمیوں کی روک تھام کیلئے مختلف کنٹرول احکامات کے تحت عملی اقدامات کئے اور بمبئی کے معاملے میں قوانین دفاع ہند اور ساری ریاست میں برقراری اندرونی سلامتی قانون سے کام لیا۔ اگست ۱۹۷۳ء میں چھ نمائندہ قیمت کمیٹیوں کی کارروائی کے بعد کئی لازمی اشیاء جن میں ہوٹلوں میں پیش کی جانے والی اشیاء اور غذا شامل ہیں کی قیمتیں قوانین دفاع ہند کے تحت ۱۶ اگست سے ختم اکتوبر ۱۹۷۳ء تک بمبئی راشن بندی علاقہ میں مقرر کی گئیں۔ نیز باجرے اور پاؤ روٹی (بریڈ) پر اس مدت کے بعد بھی کنٹرول برقرار رکھا گیا ہے۔ ان اقدامات سے افراطِ زر کے رجحانات کو کسی حد تک روکنے میں مدد ملی۔ اسی کے ساتھ کھانے کا تیل اور ونا سپتی مناسب قیمتوں کی دکانوں کے ذریعہ تقسیم کرنے کی کوشش کی گئی۔ مزید برآں ریاست بھر میں ۱۰۱۳۰ دکانات کے توسط سے کنٹرول کپڑا تقسیم کرنے کے انتظامات کئے گئے۔ بلاشبہ بڑھتی ہوئی قیمتوں کا سوال اب بھی باعثِ تشویش بنا ہوا ہے۔ اور پٹرولیم کے معاملہ میں بین الاقوامی بحران نے اسے ایک اور نیا رُخ دیدیا ہے۔

مہاراشٹر خام کپاس (حصول، پروسیسنگ اور قیمت) ایکٹ ۱۹۷۱ء یکم اگست ۱۹۷۲ء کو نافذ کیا گیا تھا۔ تاکہ ریاست میں کپاس پیدا کرنے والے کسانوں کو اپنی فصل کی منافع بخش قیمت مل سکے۔ ۱۹۷۲-۷۳ء کی فصل کپاس کے دوران اس اسکیم کے نفاذ سے اچھے نتائج برآمد ہوئے کیونکہ کپاس پیدا کرنے والوں کو نہ صرف حکومت کی اعلان کردہ ضمانتی قیمت کے مطابق اپنی پیداوار کی قیمت ملی بلکہ اسکیم کے تحت حاصل

مہاراشٹر کے گورنر عالیجناب علی یاور جنگ صاحب بجٹ سیشن سے خطاب کرنے کیلئے ایوانِ اسمبلی میں تشریف لا رہے ہیں۔

شدہ منافع سے ان کو کافی بونس ملنے کی بھی امید پیدا ہو گئی۔

۱۹۷۳-۷۴ء کی کپاس فصل کے دوران مہاراشٹر کے متصل ریاستوں میں کپاس کا بھاؤ ضمانتی قیمت کے مقابلے میں زیادہ تھا۔ لہٰذا مزارعین اپنی کپاس سرکاری مراکز پر فروخت کرنے میں ہچکچانے لگے۔

معاملے کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر ایکٹ کی اسکیم کے باہر کپاس کے پیدا کرنے والوں کو زیادہ دام ملتے ہیں تو اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے کہ انھیں ریاست کے اندر یا باہر تاجروں کے ہاتھ اپنی کپاس فروخت کرنے کی اجازت دیدی جائے۔ اس مقصد سے ایک آرڈی نینس جاری کیا گیا تاکہ حکومت اتنی مدت کے لئے جو اس کے خیال میں مناسب ہو ایکٹ کی دفعات ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱ اور ۴۳ (۱) کے قوانین معطل کر سکے۔ نیز اس مدت کے دوران مقررہ مراکز پر کپاس رضاکارانہ طور سے جمع کرنے کے لئے قوانین بنا سکے۔ اس کے مطابق حکومت نے آرڈی نینس جاری کر کے اِن قوانین کو ۳۰ جون ۱۹۷۴ء تک کی مدت کیلئے معطل کر دیا۔

یہ ان قوانین کو بصورت ضرورت اس سے قبل ہی نافذ کردیا جائے۔

۱۹۷۲ء مہاراشٹر کے لئے بدترین قلت کا سال تھا جس میں زراعتی پیداواری سرگرمی کم ترین رہی بہر حال بارش میں لگی محنت سے فائدہ اٹھاکر زراعتی پیداوار کے ڈھانچہ کو سدھارنے کی کوشش کی گئی۔ اپریل ۱۹۷۲ء اور جون ۱۹۷۳ء مدت کے دوران کنٹور یا بند بندی ۱۹ر۱۱ لاکھ ہیکٹر اراضی ۱۲۱۶ نالوں پر نالہ باندھ مکمل کئے گئے۔ ۸۰۱۷ ر۱۳۱ ہیکٹر اراضی پر دھان سطح ہمواری کی گئی۔ اور ۸۵۸ ر۷ ہیکٹر پر کاجو کے پودے بوئے گئے۔ اسی طرح تقریباً ۴۲۵ ر۸۷ معیاری ہیکٹر پر سدھار کے کام کئے گئے۔ ۲۲۳ ر۲ ہیکٹر پر کھیت نالیاں بنائی گئیں۔ نیز کئی اٹھاؤ آب پاشی اسکیمات زیر عمل لائی گئیں اور سینچائی تالاب وغیرہ بنائے گئے۔ حکومت ہند کے قرض کے ذریعہ ہنگامی زراعتی پیداوار پروگرام کے تقریباً ۲۰ کروڑ روپے کے اصل مصارف پورے ہوئے۔

سن ۱۹۷۳ء میں برسات اچھی رہی۔ بہر حال ابتدائی مراحل میں بارش بیچ میں کافی عرصہ تک رک جانے سے بوائی بھی رک گئی۔ بعد میں زوردار بارش اور انتہائی نمی کے باعث فصل پر برا اثر پڑا۔ اور خصوصاً خریف جوار چھوٹی مکھی کے حملے سے زیادہ متاثر ہوئی۔ ان موسمی حالات میں جوار باجرہ اور گیہوں کے زیر کاشت رقبہ بڑھا جبکہ مونگ پھلی اور کپاس کے زیر کاشت رقبہ کم ہوا۔ بہر حال ۷۴-۱۹۷۳ء مجموعی طور سے قابل اطمینان زراعتی سال رہا۔ اناج کی پیداوار ۲۷ لاکھ ٹن سے بڑھ جانے کی توقع ہے جس میں سے تگ بگ ۶۶ لاکھ ٹن اناج نکلے گا۔

کیمیاوی کھاد کی فراہمی کم رہی اور مزید کچھ سال کم رہے گی۔ لہٰذا جتنی کھاد ہے اسے بہتر طریقہ سے کام میں لانا ہوگا۔ نیز ہمیں دیگر کھاد ذرائع سے فراہمی بڑھانا ہوگی۔

پانچویں منصوبہ میں سوکھے سے متاثرہ دو اضلاع شولاپور اور احمد نگر کے لئے ورلڈ بنک کے پروجیکٹ زیر عمل لائے جانے کی امید ہے۔ اس کے علاوہ دو اور پروجیکٹ ہیں جو ورلڈ بنک کے ساتھ وضع کئے جارہے ہیں۔ ان میں سے ایک مربوط کپاس ترقیاتی پروجیکٹ ضلع امراؤتی کے لئے اور دوسرا بیج پروجیکٹ ودربھ کے کچھ اضلاع کے لئے ہے

زراعتی پیداوار بڑھانے کی غرض سے ہمیں زیادہ پیداوار دینے والے اعلیٰ اقسام کے بیج کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا ہوگا آئندہ ۱۹۷۴ء کی خریف کے لئے ہم نے زبردست نشانہ رکھا ہے اور اسے پورا کرنے کا عزم کیا ہے۔ اس نشانہ میں دھان کی اعلیٰ اقسام کیلئے ۵ لاکھ ہیکٹر، ایچی جوار کیلئے ۷ لاکھ ہیکٹر، اعلیٰ اقسام کے باجرے کیلئے ۹ لاکھ ہیکٹر اور ایچ ۴ کپاس کیلئے ۳ لاکھ ہیکٹر شامل ہے

مہاراشٹر میں سینچائی ترقی کی موجودہ سطح ہندوستان میں دوسرے درجہ پر کم تر ہے۔ لہٰذا ریاست پانچویں پانچ سالہ منصوبہ میں سینچائی ترقی کے لئے زبردست پروگرام شروع کیا ہے۔ اس مقصد سے حکومت نے ایک کارپوریشن یعنی سینچائی ترقیاتی کارپوریشن مہاراشٹر لمیٹڈ قائم کیا ہے۔ یہ کارپوریشن ۲۶ر نومبر ۱۹۷۳ء کو کمپنی ایکٹ بابت ۱۹۵۶ء کے تحت کمپنی کی حیثیت سے درج رجسٹر ہوئی۔ اس کمپنی کا منظورہ سرمایۂ حصص ۲۰ کروڑ روپے ہے ابتداً کارپوریشن ان اٹھاؤ سینچائی اسکیمات کی تکمیل کا کام سنبھالے گی جن کی حکومت نے ۱۹۷۲ء میں ربیع مہم میں سفارش کی تھی اور جو اب کارپوریشن کو منتقل کردی گئی ہیں۔ کارپوریشن نئی اٹھاؤ اور دیگر سینچائی اسکیمات کے لئے چھان بین اور ان کی عمل آوری کا کام بھی سنبھالے گی۔ اس خیال سے کہ کارپوریشن آبپاشی مذکورہ بالا کے مذکورہ کام انجام دے سکے۔ موجودہ آبپاشی قوانین میں ضروری ترمیمات کے لئے ایک بل جلد ہی مجلس قانون ساز کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

حکومت ہند کی سفارش کے مطابق آبپاشی پروجیکٹ کے لئے وزیر اعلیٰ کی زیر صدارت ایک کابینہ سب کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ چند بڑے پروجیکٹوں (پورنا۔ جائک واڑی، گیرنا۔ بالائی تاپی۔ بھیما، کرشنا پنچ۔ باغ، اتیادوہ) کے زیر اثر علاقہ جات کے لئے کمانڈ ایریا ڈیولپ منٹ اتھارٹیز نیز دیگر منصوبہ جات کے واسطے ہر ضلع کے لئے ایسے ہی حکام کے تقرر کی تجاویز حکومت کے زیر غور ہیں۔ مختلف محکمہ جات کی سرگرمیوں میں صرف رابطہ کا کام انجام دینے کے بجائے یہ حکام بذاتِ خود مختلف محکمہ جات کے افسران کی مدد سے براہِ راست کام انجام دیں گے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ آبپاشی کے پروجیکٹوں کے زیر اثر علاقہ جات میں آبپاشی قوت زیادہ سے زیادہ کام میں لائی جائے۔ زراعتی پیداوار بڑھائی جائے اور مربوط ترقی دی جائے

مہاراشٹرا اور مدھیہ پردیش کے مشترکہ آبپاشی اور ہائیڈرو الیکٹرک پروجیکٹوں کے لئے انٹر اسٹیٹ کنٹرول بورڈ کا قیام ایک نمایاں کامیابی ہے۔ یہ ملک میں اپنی نوعیت کا پہلا بورڈ ہے۔

ایوان کو معلوم ہی ہے کہ کرشنا، گوداوری اور نربدا پانی تنازعہ کے تصفیہ کے لئے حکومت ہند نے تین علیحدہ ثالث (ٹریبونل) مقرر کئے ہیں کرشنا پانی تنازعہ ٹریبونل نے ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو اپنا فیصلہ صادر کردیا تھا۔ ٹریبونل نے طے کیا ہے کہ کرشنا ندی میں وجے واڑہ تک کل ۷۵ فیصدی یقینی بہاؤ ۲۰۶۰ ٹی۔ ایم۔ سی ہے۔ اس ۲۰۶۰ ٹی۔ ایم۔ سی پانی میں سے ٹریبونل نے ۵۶۵ ٹی ایم سی مہاراشٹر ۶۹۵ ٹی۔ ایم سی کرناٹک اور ۸۰۰ ٹی ایم۔ سی آندھرا پردیش کے استعمال کے لئے مختص کیا ہے۔

جہاں تک ریاست میں پاور سپلائی کا تعلق ہے سال کی ابتدا میں ہمیں بدستور پاور کی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس سال حسب معمول

بارش ہوجانے کے باعث ریاست میں پاور کی پوزیشن بہتر ہوئی۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء میں پاور میں جو کٹوتی عائد کی گئی تھی وہ ۹ رجولائی ۱۹۷۳ء سے بحال کردی گئی۔

پاور قلت کے دوران ورکروں، صنعتی ادارہ جات اور دیگر اشخاص کے تعاون سے کٹھن دنوں میں کام جاری رہا اور پیداوار اور ملازمین بڑی حد تک متاثر نہیں ہوئے۔

آئندہ سال پانچویں منصوبہ کا پہلا سال ہے زراعتی، صنعتی اور دیگر حلقہ جات میں پاور کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے مہاراشٹرا اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ نے آئندہ پانچ سال کے لئے ایک زبردست منصوبہ تیار کیا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ ایندھنی تیل کی قلت نیز ڈیزل آئل بچانے کی ضرورت کے باعث بجلی کی سپلائی کافی بڑھانا ہوگی۔ اس اضافی مانگ کو پورا کرنے کی غرض سے مہاراشٹرا اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کا ارادہ ہے کہ کوراڈی، ناسک، بھساول، کھاپر کھیڑا اور پرالی میں پاور اسٹیشنوں کی توسیع کی جائے اوّل تین پاور اسٹیشنوں کی توسیع کے پروجیکٹ حکومت ہند نے منظور کردیئے ہیں۔ آخر الذکر دو اسٹیشنوں کی توسیع کے لئے پروجیکٹ رپورٹ کی منظوری کا انتظار ہے۔ مزید برآں بورڈ کا ارادہ ہے کہ اُمریر میں نیا پاور اسٹیشن نیز چندر پور میں سپر تھرمل پاور اسٹیشن قائم کیا جائے۔

فرنیس آئل پیٹرول اور ڈیزل آئل وغیرہ کی قلت کے مدنظر ہمیں صنعتی، زراعتی، گھریلو اور تفریحی مقاصد کے لئے درکار برقی قوت کی فراہمی کے لئے کوئلہ کے اندرونی ذرائع پر ہی انحصار کرنا ہوگا جو خوش قسمتی سے کثیر ہیں۔ لہٰذا ریاستی حکومت نے اسٹیٹ مائننگ کارپوریشن قائم کی ہے۔ جس کا منظور شدہ سرمایہ ۵ کروڑ روپے ہے۔ کارپوریشن کو جنوری ۱۹۷۴ء میں ۲۰ کروڑ کی رقم بطور اکویٹی دی گئی۔ یہ کارپوریشن کوئلہ کی فراہمی کے لئے نیشنل کول ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور کول مائینس اتھارٹی کی کوششوں کو بڑھائے گی جو مہاراشٹر میں بجلی کی پیداوار اور دیگر صنعتی استعمال کے لئے درکار ہے۔

صنعتوں کے تیزی سے پھیلاؤ اور ریاست کے مختلف علاقہ جات کی متوازن علاقہ واری ترقی کی غرض سے حکومت نے حوصلہ افزائی کی پیکیج اسکیم پر جو گذشتہ چند سال سے زیر عمل ہے نظر ثانی کر کے حوصلہ افزائی کی نئی تدریجی اسکیم گذشتہ ۱۵ راگست ۱۹۷۳ء سے نافذ کی ہے۔ اس اسکیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ صنعتی یونٹوں کو ترقی یافتہ بمبئی، پونا خطہ سے ریاست میں دور دراز واقع پس ماندہ علاقہ جات میں جانے کے لئے ابھارا جائے۔

مہاراشٹرا اسٹیٹ ٹیکسٹائل کارپوریشن لمیٹیڈ حکومت مہاراشٹر کے ادارہ کی حیثیت سے قائم کیا گیا تاکہ وہ ایسے بیمار کپڑا ملوں کے انتظام اور نگرانی کا کام انجام دے جنہیں حکومت ہند اور ریاستی حکومت نے وقتاً فوقتاً مختلف قوانین کے تحت اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ یہ کارپوریشن نہ صرف تقریباً ۵۲,۰۰۰ ورکروں کو روزی بہم پہنچاتی ہے جو مہاراشٹر میں ۲۴ ملوں میں کام کررہے ہیں بلکہ اس نے اپنے زیر انتظام ملوں کو کارآمد اور منافع بخش تجارتی ادارے بنانے کی بھی کامیاب کوشش کی ہے۔

ریلوے بورڈ نے حکومت کو مطلع کیا ہے کہ ریلوے کی جانب سے 'ٹریکشن موٹر' کی تیاری کیلئے مرکزی پروجیکٹ ناسک میں قائم کیا جائے گا۔ ہماری حکومت نے اس پروجیکٹ کے لئے ضروری سہولتیں بہم پہنچانے کیلئے رضامندی ظاہر کی ہے۔

لگاتار کوشش کے باعث ہم رتناگری میں المونیم پروجیکٹ پانچویں پنجسالہ منصوبہ میں یقینی طور سے شامل کرانے میں کامیاب ہوئے۔

شہر بمبئی کی ترقی میں بمبئی بندرگاہ اصل عنصر ہے جو ہندوستان کی مالیات کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر بمبئی بندرگاہ کسی وجہ سے مغربی ہند کی تجارتی وآمد ورفت کی (ٹریفک) ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہے تو اس کا مغربی ہند اور سارے ملک کی معیشت پر شدید اثر پڑیگا لہٰذا جدید طرز پر بمبئی بندرگاہ کی ترقی کی قومی ضرورت ہے۔ ممکنہ متبادل مقامات میں بمبئی بندرگاہ کے پار اصل سرزمین پر نہوا۔ شیوا نئی بندرگاہ کی سہولتیں بہم پہونچانے کے لئے سب سے زیادہ موزوں مقام ہے۔ نہوا شیوا میں نئی بندرگاہ کی ترقی سے بمبئی جزیرے کے روڈ، ریل سسٹم پر بار کافی ہلکا ہوگا۔ نیز بندرگاہ کی مشرقی جانب ایک اور تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کا مرکز قائم ہوجائے گا۔ اور اس سے گردو نواح کے علاقہ میں مزید ترقی کو بھی بڑھاوا ملے گا۔ اس سے موجودہ شہر بمبئی پر آبادی کے دباؤ کو کسی حد تک کم کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ میں بہ مسرت آپ کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ ریاستی حکومت اس پروجیکٹ کو پانچویں پانچ سالہ پلان میں شامل کرانے میں بالآخر کامیاب ہوگئی ہے۔ اس پروجیکٹ کی تخمیناً لاگت ۸۵ کروڑ روپے ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ کونکن کوسٹل پاسنجر سروس قومیا لی گئی ہے جسے اب ۴ ارنومبر ۱۹۷۳ء سے مغل لائن چلارہی ہے۔ اس سلسلے میں رتناگری میں بھگوتی بندر کی تعمیر کا پہلا مرحلہ طے ہوچکا ہے۔ اور آگے توسیع کام کی منظوری دی جاچکی ہے۔ مہاراشٹرا اسٹیٹ پورٹس اتھارٹی نے بھگوتی بندر کے ماسٹر پلان پر صلاح کاروں کی رپورٹ حاصل کرلی ہے۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر مسافر و مال جیٹی کا ڈیزائن تیار کیا جائے گا اور آئندہ سال کے دوران اس کی تعمیر شروع ہوگی۔ اس ہمہ موسم نئی بندرگاہ کی ترقی سے بحری نقل وحمل کے لئے کونکن علاقہ کی راہ کھل جائے گی۔ نیز کونکن علاقہ کی ترقی کو بھی زبردست بڑھاوا ملے گا۔

پولس اور محکمہ جیل کے ملازمین کے لئے

رہائشی مکانات اور عموماً ان کی بھلائی کی خاطر حکومت نے پولیس ہاؤسنگ اینڈ ویلفیر کارپوریشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

۱۹۷۳-۷۴ء چوتھے منصوبے کا آخری سال ہے۔ اس منصوبے کے مالی مصارف جو پلاننگ کمیشن نے متعلقہ کئے تھے ۸۹۸ کروڑ روپے تھے جو بعد میں حکومت کی کوشش سے ۵۰۰ کروڑ روپے ہو گئے تھے۔ اگست ۱۹۷۳ء میں پلاننگ کمیشن کے ساتھ ریاست کے پانچویں منصوبہ کے مسودہ پر غور کیا گیا۔ بعد ازاں وزیر اعلیٰ نے پلان کے متعلق مرکزی وزیر منصوبہ بندی سے بات چیت کی۔ حالاں کہ پلاننگ کمیشن کی سفارش کے مطابق ریاستی پلان کی حد ۱۹۵۵ کروڑ روپے ہے۔ تاہم پلاننگ کمیشن کے صلاح مشورے سے شمار کئے جانے والے مالی ذرائع کی روشنی میں اس کا آخری تعین باقی ہے۔

معزز اراکین جانتے ہیں کہ حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ منصوبہ بندی میں ضلع کو بنیادی اکائی قرار دیا جائے اور ہر ضلع کے لئے ایک تناسبی منصوبہ بنایا جائے تاکہ ہر ضلع اپنے قدرتی اور دیگر ذرائع سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے۔ اور وہ سماجی و معاشی سہولتوں کے معاملے میں ایک مساوی سطح پر آجائیں حکومت نے اکتوبر ۱۹۷۲ء میں ہر ضلع کے لئے ڈسٹرکٹ پلاننگ بورڈ قائم کیا۔ ضلع کا پانچ سالہ اور سالانہ منصوبہ تیار کرنے نیز ان کی عمل آوری کی نگرانی کا کام ان کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس خیال سے کہ منتخب نمائندوں کو ضلع منصوبہ بندی کے کام میں شریک کیا جائے۔ حکومت نے ہر ضلع کے لئے ایک ضلع ترقیاتی مشاورتی کونسل قائم کی ہے اور پارلیمنٹ اور ریاستی مجلس قانون ساز کے اراکین اس کے بہ لحاظ عہدہ ممبر مقرر کئے گئے ہیں۔ ڈسٹرکٹ پلاننگ بورڈوں نے اب تک ضلع کا پانچواں پانچ سالہ منصوبہ تیار کرنے کا کام حکومت کی جانب سے اس باب میں دی گئی عام ہدایت کے مدنظر پورا کرلیا ہے۔ ضلع منصوبہ بندی بورڈوں نے جو تجاویز پیش کی ہیں حکومت ان پر غور کر رہی ہے جنھیں آئندہ چند ماہ میں ریاستی منصوبہ بندی بورڈ اور ضلع منصوبہ بندی بورڈوں کے درمیان بات چیت کے بعد آخری شکل دیدی جائے گی۔ حکومت خاص طور سے چاہتی ہے کہ ضلع منصوبہ بندی بورڈوں نے جن کے خیالات کا اظہار کیا ہے ان کا ریاست کے پانچ سالہ منصوبہ اور اس کے تحت سالانہ منصوبہ کو آخری شکل دیتے وقت پورا لحاظ رکھا جائے۔

مزید براں حکومت نے خاص مسائل رکھنے والے علاقہ جات مثلاً مغربی گھاٹ قحط خشک سالی زدہ علاقہ جات، قبائلی علاقہ جات اور پہاڑی و دشوار گذار علاقہ جات سے لئے علاقہ کی بنیاد پر ترقیاتی منصوبے بنانے کا کام شروع کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان متعلقہ علاقوں کی مربوط ترقی ہو اور ان میں آباد لوگوں کے سماجی و معاشی سدھار کی رفتار تیز ہو۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں وزیر اعلیٰ مجلس قانون ساز کے اراکین اور تمام طبقات اور مفادات کے ترجمان دیگر اہم افراد پر مشتمل ایک وفد لیکر گئے تھے۔ تاکہ وزیر اعظم سے ملیں اور مہاراشٹر کرناٹک سرحدی مسئلہ حل کرنے کی ضرورت واضح کریں جو عرصہ سے باقی ہے۔ وزیر اعظم اور مرکزی وزیر داخلہ کو اس مسئلہ کا پوری طرح خیال ہے۔ نیز وہ حال ہی میں یعنی ۲۹ دسمبر ۱۹۷۲ء کو دونوں ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کے ساتھ اس مسئلہ پر بات چیت کر چکے ہیں۔ مزید بات چیت ضروری ہوگی۔ اس بات چیت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ یہ پر امن فضا میں منعقد ہو۔ حالیہ فسادات نے پر امن ماحول کو کسی حد تک متاثر کیا ہے۔ لہٰذا سب سے اوّل ہمارا یہ فرض ہے کہ بات چیت کے لئے مناسب ماحول پیدا کریں جس میں مسئلہ کا قابل اطمینان حل نکل سکے۔ یہ امید ہے کہ جلد اس مسئلہ کا مناسب حل نکل آئے گا۔

حکومت نے سرحدی تنازعہ کے باعث اضلاع کولہاپور، ستارا، سانگلی اور شولاپور میں حالیہ فسادات کا شکار ہونے والے معصوم اور غریب لوگوں کی مدد کی۔ نقصانات اٹھانے والے لوگوں کو کھانے، کپڑے اور عارضی ٹھکانہ وغیرہ سے مفت امداد بہم پہونچائی۔ نیز پیشہ وارانہ بحالی یا نقصان زدہ مکانات کی تعمیر و مرمت کے لئے امداد اور قرض دیا۔ کوآپریٹیو بینکوں، مہاراشٹر فنانس کارپوریشن اور قومیائے بینکوں کے ذریعہ ان مصیبت زدگان کی ضرورتِ قرضہ جات پوری کرنے کا انتظام کیا گیا جنھیں بڑی رقم چاہیئے۔

موجودہ اجلاس خصوصاً اگلے سال کے لئے بجٹ تخمینہ جات کی منظوری کے لئے بلایا گیا ہے۔ فی الحال چھ بل مجلس قانون ساز میں زیر غور ہیں۔ چھ مزید یونیورسٹی بل ہیں جو جائنٹ کمیٹی کی رپورٹ تیار ہونے کے بعد مجلس قانون ساز میں پیش ہوں گے۔ نیز سال کے دوران دیگر کئی مختلف بل زیر غور آئیں گے۔

معزز اراکین میں نے حکومت کی مختلف میدانوں میں پالیسیوں اور پروگرام کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ سب کے سرگرم تعاون سے یہ پالیسیاں اور پروگرام وقت پر ضرور بارآور ہوں گے۔

پندرہ روزہ

قومی راج

جلد : ۱ شمارہ : ۴

قیمت : فی پرچہ پچیس پیسے ✣ سالانہ پانچ روپے

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز۔ حکومت مہاراشٹر۔ سچیوالیہ - بمبئی ۴۰۰۰۳۲

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی-اے-ایس

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپا کر شائع کیا۔

سخنہائے گفتنی

" قومی راج " کا چوتھا شمارہ پیشِ خدمت ہے اس کے مطالعہ کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ یہ رسالہ اب رفتہ رفتہ ایک منفرد روپ اختیار کر رہا ہے جو ہماری مساعی کے علاوہ آپ کے گرانقدر مشوروں کا نتیجہ ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہنوز ہم ان تمام مشوروں اور تجویزوں کو عملی جامہ نہیں پہنا پائے جو ہمارے متعدد قارئین اور اُردو کے بہی خواہوں نے دئے ہیں۔ تاہم ایک بات دیکھی گئی ہے کہ بیشتر قارئین نے " قومی راج " کی سرکاری حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی " افادیت " پر زور دیا ہے اور ہم یقیناً کوشش کریں گے کہ یہ رسالہ اردو داں طبقہ کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔

اس بار آپ کو صفحات کی کمی بلاشبہ کھٹکے گی، لیکن آج نہ صرف پورے ملک بلکہ دنیا بھر میں کاغذ کی قلت جتنی شدید ہو گئی ہے اس کا تقاضہ ہے کہ ہم بادل ناخواستہ اس کٹوتی پر مجبور ہوں، تاہم اس بات کی پوری سعی کی گئی ہے کہ دلچسپی اور مواد پر کم سے کم اثر پڑے۔ بہر صورت یہ کمی عارضی ہے۔

قومی راج کو اردو داں طبقہ میں عام کرنے کیلئے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اس رسالے کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنائیں۔

——— خواجہ عبدالغفور

مغیث الدین فریدی

وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی کو جامعہ اردو کی جانب سے ڈکتور ادب کی اعزازی سند پیش کرنے کیلئے ایک خصوصی کنووکیشن سر شنکر لال ہال (دہلی یونیورسٹی) میں ۲ مارچ ۸۴ء کو منعقد ہوا۔ یہ نظم اس جلسے میں پڑھی گئی!

نغمۂ بیداریٔ جمہور ہے اُردو زباں ۔۔۔ اس کی لَے پر رقص کرتا ہے دلِ ہندوستاں
اس کا زیر و بم ہے رازِ زندگی کا ترجماں ۔۔۔ اس کی دُھن پر وجد میں آتا ہے اندازِ بیاں
اس میں شعلے کی لپک بھی ہے نمِ شبنم بھی ہے
بُرشِ شمشیر بھی ہے کیفِ جامِ جم بھی ہے

جنگِ آزادی کے سارے سخت و نازک مرحلے ۔۔۔ اس زباں کے شاہکاروں میں سمٹ کر آگئے
لے رہے تازہ روشنی ہر دَور کی تحریک سے ۔۔۔ جگمگاتے ہیں نگینے آج تک الفاظ کے
ملک کو بخشی ہے اس نے روشنی ہر دَور میں
مشعلِ فکر و نظر بن کر رہی ہر دَور میں

اس میں ذکرِ عیش بھی ہے قصۂ آلام بھی ۔۔۔ عارفانہ حق شناسی بھی سرورِ جام بھی
غمزۂ ترکانہ بھی ہے بادۂ خیام بھی ۔۔۔ جلوۂ صبحِ بنارس بھی اَودھ کی شام بھی
اختلافِ مذہب و ملت مٹاتی آئی ہے
آئینۂ تہذیبِ عالم کو دکھاتی آئی ہے

شاخِ اُردو سختیٔ حالات میں پھلتی رہی ۔۔۔ آندھیوں کی زد پہ تھی مشعل مگر جلتی رہی
یہ کلی آغوشِ برق و باد میں پلتی رہی ۔۔۔ جام گردش میں رہے صہبا یہاں ڈھلتی رہی
میکدہ اب وہ نہیں ہے مے وہی ہے آج بھی
ساز ٹکڑے ہوگیا ہے لَے وہی ہے آج بھی

وقت سے انصاف کی طالب ہے اب اردو زباں ۔۔۔ تا کجا یہ بے نیازی، تا بکے یہ امتحاں
کب تک آخر آزمایا جائے گا حسنِ بیاں ۔۔۔ اعتراف اس کا کریں قوم و وطن کے پاسباں
آرہی ہے اب دلِ ہندوستاں سے یہ صدا
حق ہے یہ انصاف کا یہ فرض ہے تہذیب کا

مزاح اور ادب

کشوری منچندہ ۔ جمّوں (توی)

دنیا کی شاید ہی کوئی زبان ایسی ہوگی جو مزاحیہ ادب سے خالی ہو ورنہ ہر زبان کے ادب میں مزاح ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ بلاشبہ سنجیدہ ادب بھی اپنے معیار اور مواد کے اعتبار سے اعلیٰ قدروں کا حامل ہوتا ہے لیکن مزاحیہ ادب کی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ زندگی کی تلخیوں کے احساس کی شدت کو کم کرنے کے لئے مزاحیہ ادب ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ ادب زندگی کا آئینہ ہوتا ہے اور زندگی مزاح (ہنسی اور قہقہوں) کے بغیر گویا ایک آگ کا دریا اور برف کا سمندر ہوتی ہے اور اس آگ کے دریا اور برف کے سمندر کو پار کرنا ایک انسان کیلئے مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہوتا ہے لیکن مزاح اُس کے لئے ایک ایسی کشتی بن جاتا ہے جس کے لمس سے نہ صرف آگ ہی پانی بن جاتی ہے بلکہ ٹھوس برف بھی ایسی مائع میں تبدیل ہوجاتی ہے جس پر انسانی زندگی کی کشتی رواں دواں بہنے لگتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مزاح انسان کو وہ قوت و ہمت عطا کرتا ہے جس کے بل پر وہ مایوسیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کے ہجوم میں بھی حوصلہ نہیں ہارتا اور مصائب اور مشکلات کو پچھاڑتا ہوا مسرت اور کامرانی کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے اور اسی مزاح کے طفیل انسان مایوسیوں میں گھر کر بھی اپنا ذہنی توازن نہیں کھوتا۔ اگر انسان احساسِ مزاح سے عاری ہوتا یا اسمیں مزاح کی حس نہ ہوتی تو دنیا کے دکھوں اور مصیبتوں سے گھبرا کر اس کا خودکشی کرلینا کوئی بڑی بات نہ ہوتی علاوہ اس کے مشاہدہ اس بات کا بھی گواہ ہے کہ اِس وسیع و عریض کائنات میں انسان، سب سے بڑا خواب پرست ہے اور وہ اکثر ایسے رنگین اور دل خوش کُن خواب دیکھتا رہتا ہے جن سے حقیقت کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا لیکن جب اس کے یہ خواب حقیقت کی بے رحم چٹان سے ٹکراتے ہیں تو وہ ایک ایسا ساز بن کر رہ جاتا ہے جس کے تاروں کو چھیڑنے پر رنج والم کی راگنی کے سوا اور کوئی سُر نکلتا ہی نہیں۔ تب یہ رنج و غم اسے اس بری طرح سے گھیر لیتے ہیں کہ وہ ان سے چھٹکارا پانے کے لئے زندگی سے فرار حاصل کرنے کی راہیں تلاش کرنے لگتا ہے۔

اور احساسِ مزاح کا ایک بڑا کام یہ ہے کہ وہ انسان کے کبھی نہ پورے ہونے والے ارادوں، سرکش امنگوں اور بے حقیقت خوابوں پر کچھ اس انداز سے تنقید کرے کہ انسان کو اس بات کا واضح احساس ہوجائے کہ وہ جن امیدوں کے چراغ اپنے دل کے آنگن میں جلائے جا رہا ہے، وہ چراغ حقیقت کی آندھی کا ایک ہلکا سا تھپیڑا بھی نہیں سہہ سکتے اور اسے اس حقیقت کا احساس دلا کر اُس شدید مایوسی سے بچالے جو اس کے خوابوں کی منزل پر ہمیشہ سے اس کی منتظر رہتی ہے اور جس سے بچ نکلنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے احساسِ مزاح کا یہ کارنامہ ایک بہت بڑی انسانی خدمت قرار دی جاسکتی ہے۔ احساسِ مزاح سے متعلق جہاں تک خوش رہنے کا تعلق ہے، مولانا ابوالکلام آزاد خوش رہنے کو انسان کا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: "ہم میں سے ہر فرد کی زندگی محض ایک انفرادی واقعہ نہیں ہے۔ وہ پورے مجموعہ کا حادثہ ہے۔ دریا کی سطح پر ایک لہر تنہا اٹھتی ہے لیکن ایسی ایک لہر سے بیشمار لہریں بنتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں ہماری کوئی بات بھی صرف ہماری نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ اپنے لئے کرتے ہیں اس میں بھی دوسروں کا حصہ ہوتا ہے۔ ہماری کوئی خوشی بھی ہمیں خوش نہ کرسکے گی اگر ہمارے چاروں طرف غمناک چہرے اکٹھے ہوجائیں گے۔ ہم خوش خوش رہ کر دوسروں کو خوش کرتے ہیں اور دوسروں کو خوش دیکھ کر خود خوش ہونے لگتے ہیں..."

مندرجہ بالا اقتباس سے مزاح کی اہمیت اور بھی واضح ہوجاتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہنسنا اور خوش رہنا نہ صرف انسان کے اپنے مفاد میں ہے بلکہ یہ اُس کا ایک سماجی فرض بھی ہے کہ وہ خود ہنس کر اور قہقہے لگا کر اپنے ماحول کو گرما دے تاکہ اسکے آس پاس چھائے ہوئے مایوسیوں کے بادل چھٹ جائیں اور ان میں سے مسرت اور نومیدی کا کا سورج مسکرانے لگے کیونکہ اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ہنسی ایک متعدی مرض کی طرح پھیلتی ہے۔ اگر ایک جگہ چند دوست کھڑے ہنس رہے ہوں تو وہاں کچھ انجانے لوگ بھی ان کی ہنسی میں شریک ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح ہنسی نہ صرف سماج کے ناواقف افراد کو ایکدوسرے سے ربط پیدا کرنے کی ترغیب دیتی ہے بلکہ ہر اس فرد کو نشانۂ تمسخر بھی بناتی ہے جو سماج کے مروّجہ چلن کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ گویا ہنسی ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ سے سماج ہر اس فرد سے انتقام لیتا ہے جو اس کے قائم کئے ہوئے اصولوں کو ماننے سے انکار کرتا ہے اور سماج میں رہتے ہوئے اپنی راہ الگ سے متعین کرنا چاہتا ہے۔

لہٰذا میں یہاں مزاح نگاری کے فنی پہلوؤں پر بحث نہ کرتے ہوئے محض اسی بات پر زور دوں گا کہ کسی بھی زبان کے ادب میں مزاحیہ ادب کا ایک اہم حصہ ہونا چاہیئے اور ہر مزاح نگار اپنے قلم کی جولانیوں سے موازنہ اور رعایت لفظی کا سہارا لے کر مشابہت اور تضاد سے وہ ناہمواریاں پیدا کرے جن سے قاری کے ذہن و دل میں ہنسی اور مسرت کے سوتے پھوٹ پڑیں اور وہ قہقہے لگا کر اپنے تمام رنج والم فضائے بسیط میں بکھیر دے تاکہ آئندہ زندگی کی تلخیوں اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ پھر سے چاق و چوبند ہوجائے۔ ●●

میرا وطن

بیکل اتساہی بلرامپوری

یہی بہاروں کی جنت
یہی سکوں کا چمن ہے
یہی وطن ہے مرا، یہی ہے میرا وطن

اسی کو کہتے ہیں اہلِ قلم غزل کی زمیں
یہی گلاب کی دھرتی یہی کنول کی زمیں
لٹا رہے ہیں یہیں پر حیات اہلِ سخن
یہی وطن ہے مرا، یہی ہے میرا وطن

یہ کوہسار کسی "سنت" کی دعا جیسے
مچلتی ندیاں "ہریشچندر" کی وفا جیسے
یہ پربتوں کے رو پہلے کلس پہ نیل گگن
یہی وطن ہے مرا، یہی ہے میرا وطن

یہ گنگناتی، نشیلی سی شام پنگھٹ کی
یہ بانسری سے حسیں چھیڑ چھاڑ نٹ کھٹ کی
سہیلیوں کی یہ کلکاریاں لجاتے نین
یہی وطن ہے مرا، یہی ہے میرا وطن

برات آئی ہے دوارے جوار رقص میں ہے
مچل رہی ہیں نفیریں بہار رقص میں ہے
بیاہو گاتی ہیں سکھیاں سسک رہی ہے دلہن
یہی وطن ہے مرا، یہی ہے میرا وطن

یہ اپسرائیں فضاؤں میں رات رانی کی
حیا مہکتی سی گھونگھٹ میں نوجوانی کی
دمکتا دیوی کا مکھڑا یہ دیوتا کے جتن
یہی وطن ہے مرا، یہی ہے میرا وطن

یہ لوریوں کے ہنڈولے میں جھولے انگنائی
یہ چاندنی بھی کٹورے میں دودھ بھر لائی
کھلونا چاند کا گودی میں کھیلتا ہے للن

یہی وطن ہے مرا، یہی ہے میرا وطن
یہی بہاروں کی جنت
یہی سکوں کا چمن

دستکاری نمائش
وزیر اعلیٰ کے ہاتھوں افتتاح

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے حال ہی میں اوبیرائے ہوٹل بمبئی میں " اکسپو۔ ہینڈی کریفٹ ۱۹۷۴ء نمائش" کا افتتاح فرمایا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے نمائش کے منتظمین کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستانی دستکاریوں نے اپنی مہارت اور ذہانت سے ایسی اعلیٰ اور نادر اشیا تیار کیں جنھیں بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اپنی سادگی اور دلکشی کی وجہ سے دستکاری کی یہ اشیا دنیا بھر میں گھر گھر پہنچ رہی ہیں۔

قبل ازیں شری ایس۔ ایم۔ میرچندانی، صدر ہینڈی کریفٹ اینڈ ہینڈ لوم ایکسپورٹ بورڈ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ شری۔ ایچ۔ جی۔ بنگارا، آنریری ٹریژرر نے شکریہ ادا کیا۔

شریمتی وتسلا بائی نائک کو ایک صندوقچی اور وزیر اعلیٰ کو ایک پائپ پیش کیا گیا۔

وزیر تعلیم کے ہاتھوں نصابی کتب کانفرنس کا افتتاح

گذشتہ ۲۳ فروری کو بمبئی میں نصابی کتابوں کی سہ روزہ نیشنل کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر تعلیم شری اے۔ این۔ نامجوشی، صدر بیورو آف ٹیکسٹ بکس نے فرمایا کہ فروغ علم کیلئے نصابی کتاب ایک اہم ذریعہ ہے۔ خاص طور سے ترقی پذیر ممالک کے لئے۔ شری نامجوشی کے کہنے کے مطابق اوسط درجے کے طالب علم کو آسان زبان میں ضروری علم نصابی کتب میں ملنا ہی چاہئے اور اس طریقے سے کہ اس کا ذوق تازہ رہے۔ اپنی تقریر میں وزیر موصوف نے خصوصی کوالٹی کنٹرول کے علاوہ تجربہ کار مدرس، مصنف، پرنٹرس وغیرہ کی مشترکہ کاوشوں کی ضرورت کی نشاندہی کی۔ انھوں نے فرمایا کہ نجی پبلشروں سے زیادہ سرکاری ایجنسیاں بہتر نصابی کتابیں تیار کرسکتی ہیں۔

جب میں اپنے دوست کھوٹومل کو کسی
تقریب میں ہار پھول پہنتے دیکھتا ہوں تو
ختیار میرا دل چاہتا ہے کہ میں لپک کر کھوٹو
گلے سے سارے ہار نوچ کر اُس کا گلا دبا دوں
وغریب لطیفہ یہ ہے کہ کھوٹو نے عوام کی
ک کوئی خدمت نہیں کی۔ سچ پوچھئے تو اس
اس اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ وہ اپنی بھی
طور پر سیوا کر سکے۔ مگر پھر بھی وہ سماج کا
سے بڑا ٹھیکیدار بنا ہوا ہے۔ اُس نے آج
سماج سیوا کا ایک بھی ٹنڈر نہیں بھرا، اس کے
وہ سماج کا واقعی سب سے بڑا ٹھیکیدار
۔ اس کی کامیابی کا ٹریڈ سیکریٹ اس کا پیسہ
۔ وہ خود کہتا ہے " روپے سے بڑا خادم
تک دریافت نہیں ہوا ہے "۔ ادھر شہر میں
بڑی کانفرنس ہو، جلسہ جلوس ہو، منتظمین
کے پاس پہونچ جاتے ہیں اور اس کی خوشامد
ہیں کہ " حضور ہماری استقبالیہ کمیٹی کی صدارت

قبول فرما لیجئے" اور حضور بہ خوشی چیرمینی قبول فرماتے
ہوئے ایک لمبا چوڑا چیک کاٹ دیتے ہیں۔ پھر
حضور کے چمچے حضور کے لئے ایک خطبۂ صدارت
بہت ہی دھواں دھار لکھ کر چھپواتے ہیں۔ عین
تقریب کے دوران سیٹھ کھوٹومل انجکشن والا کا
گلا سردی سے متاثر ہو جانے کی وجہ سے اُن کے
سکریٹری اُدھار چند گڑبڑ والا اس خطبہ کو پڑھتے
ہیں جس پر بے شمار داد اور تالیاں کھوٹو سیٹھ کے
اسسٹنٹ سکریٹری سیٹھ کی جانب سے وصول کرتے
ہیں اور سیٹھ کے چمچے جو مختلف کونوں سے آ آ کر
انھیں مالائیں پہناتے ہیں وہ سیٹھ کے کئی ملازم
لاد کر ان کی موٹر تک پہنچا دیتے ہیں اور سیٹھ
کھوٹومل انجکشن والا زندہ باد کے نعروں کی
گونج میں سفید پوشوں کا ایک بڑا مجمع موٹر بلکہ
اُن کی کوٹھی تک چھوڑنے آتا ہے۔ اس مجمع کے سب
سے پیچھے میں بلا کوئی زندہ باد کا نعرہ لگائے اُس
کے ہار نوچنے اور گلا دبانے کے امکانات پر غور کرتا
رہ جاتا ہوں۔

آپ بھی کہیں گے کہ کسی شریف آدمی سے ایسی
بھی کیا دوستی میں دشمنی، تو میں عرض کروں گا کہ شرافت
تو دور کی بات ہے اگر میری طرح آپ کو بھی سیٹھ
کھوٹومل کے دھندوں کے کرتوت معلوم ہو جائیں
تو آپ بھی اُس کے لیے میری طرح سوچنے لگیں۔
اور یہ مان لیں کہ دوستی اپنی جگہ اور اصول اپنی جگہ۔

میرا دوست کھوٹومل جسے مجھے دوست کہتے
شرم آتی ہے، دراصل دواسازی کی ایک بہت
بڑی فرم کا مالک ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے
کہ شہر میں اس کا ایک بہت بڑا کارخانہ ہے
جس میں سیکڑوں آدمی کام کرتے ہیں مگر کوئی
نہیں جانتا کہ اس کے بہت سے چھوٹے چھوٹے
انڈر گراؤنڈ کارخانے بھی ہیں جن میں دو نمبر کی
دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔ اگر کسی کارخانے میں نقلی
انجکشن تیار ہوتے ہیں تو کسی خفیہ جگہ پر نقلی کیپسول
بنتے ہیں تو اس کے کسی اڈے پر جعلی ٹیبلیٹ
تیار ہوتی ہے۔ کسی کارخانے میں نقلی پینسلین
بن رہی ہے تو کسی میں دوا کے نام پر خاک پتھر
انتہائی حسین پیکنگ کے ساتھ نقل مطابق اصل
تیار ہو رہی ہے۔ مگر معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو
جاتا۔ اس کے پاس ٹنکچر کا ایک بہت بڑا پرمٹ
ہے۔ مگر اس ٹنکچر کا ایک قطرہ بھی اس کی دواؤں
میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ تو بس سیدھے شراب
خانوں کے ٹھیکیداروں کے ہاتھوں بلیک ہو جاتا
ہے۔ جس سے وہ زہریلی شراب تیار کر لیتے ہیں
جن کو پینے والوں کا نشہ اُترنے کی نوبت نہیں
آتی اور عین شراب نوشی کے عالم میں وہ شراب
خانے سے بجائے گھر کے قبرستان پہونچ جاتے
ہیں۔ جب ایسی کوئی موت ہوتی ہے تو اکثر
شراب خانے کے ٹھیکے والے دھر پکڑ میں بھی آ جاتے
ہیں مگر زہر کے سوداگر کھوٹو سیٹھ کو، کوئی ہاتھ
نہیں لگاتا۔ کھوٹو سیٹھ کو تو اُس وقت بھی کوئی

تھ نہیں لگا تا جب اُس کی نقلی دوائیں اصلی مریض مانے کے بعد دوا نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ کر دم توڑ دیتے ہیں ۔ لوگ مرنے والے سے اظہار ہمدردی اور بے قصور ڈاکٹر پر غصہ گرمی کے ساتھ پھر بھول جاتے ہیں کہ کوئی مریض کسی کھوٹو سیٹھ کی دوا سے پھر مرگیا ۔ مریض گھر میں دم توڑتا ہوتا ہے ۔ کھوٹو اسٹیج پر اپنی جے جے کار کے ساتھ ہار پھول پہنتا ہوتا ہے اور میں اسٹیج کے پیچھے اُس کے سارے ہار نوچ کر اُس کا گلا دباکر خود امر ہوجانے کے امکانات پر غور کرتا ہوتا ہوں ۔

اگر صرف کھوٹو سے میری دوستی ہوتی تو میں کب کا اُسے پار لگا چکا ہوتا مگر مجھے اپنے دوست دولت بخش کو بھی دریا میں ڈبو دینے کی بیحد آرزو ہے ۔ اور یہ آرزو بھی اب ایک حسرت میں تبدیل ہوتی جارہی ہے کیونکہ دولت کے پیچھے بھی شہر بھر کے اندھے اُسے سر پر بٹھانے کے لئے بے تحاشا دوڑتے رہتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دولت کا چیک کھوٹو سے بھی لمبا چوڑا ہوتا ہے ۔

دولت بخش سے میری دوستی اُس وقت سے ہے جب وہ ایک معمولی دودھ والا تھا اور دولتو کے نام سے پکارا جاتا تھا مگر میں اسے پیار سے دولتی کہتا تھا اور اسے گدھا سمجھتا تھا ۔ مگر دیکھتے دیکھتے یہ گدھا بہت ترقی کرگیا ۔ دودھ میں پانی ملاتے ملاتے دولتو سے وہ دُولت اور پھر دولت بخش ہوگیا جو اب شہر میں بہت بڑی ڈیری فارم کا مالک ہے ۔ اس کے بڑے بڑے کارخانے ہیں جن میں مکھن گھی اور پنیر وغیرہ کے ڈبے تیار ہوتے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ بک جاتے ہیں بلکہ خریدار ان کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں ۔ سیٹھ دولت بخش کی ڈیری کے دودھ میں ساٹھ فیصد پانی ہوتا ہے ۔ بیس فیصد دودھ کا رنگ اور دس فیصد کیمیاوی اشیاء ' بقیہ پانچ فیصد دودھ کا ایسینس ہوا کرتا ہے ۔ یعنی دولت اتنی ترقی اب کرگیا ہے کہ اُس کے دودھ میں اب ایک فیصد بھی دودھ نہیں ہوتا ہے ۔ لیکن بظاہر جو کچھ ہوتا ہے وہ اگر اصلی دودھ کے سامنے رکھ دیا جائے تو خالص دودھ برابر شرما جائے گا ۔ اسی کے واسطے شاید کہا گیا تھا کہ جھوٹے کے آگے سچا روئے ۔

مجھے نہیں معلوم کہ میں دولت کا دوست ہونے کے بعد سچا بھی رہ گیا ہوں یا نہیں مگر اتنی سچائی ضرور جانتا ہوں ۔ آپ بھی جان لیں اپنے رونگٹے کھڑے کرنے کے لئے کہ دولت کے اس دودھ نما پانی سے وہ ننھے منے بچے جنھیں کل بڑے ہوکر ملک و قوم کا بار سنبھالنا ہے ' وہ دودھ نہ ملنے کی وجہ سے سوکھے ' پولیو اور دمے کے مریض ہوجاتے ہیں ۔ سوکھا ' پولیو اور دمہ ایسی بھیانک بیماریاں ہیں جن کا مریض ملک و قوم کیا اپنا بار تک نہیں سنبھال سکتا جب بھی شہر میں کوئی سوکھے ' پولیو یا دمے کا مریض مرتا ہے تو بے اختیار میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے دوست سیٹھ دولت بخش کے گلے سے سارے ہار نوچ کر اس کو زندہ باد کہنے والوں کے سامنے اُسے مردہ باد بنانے کے لئے اُس کا سارا راز فاش کردوں ۔ اس کے محل تک شہر کے اُن تمام غریبوں کا ایک جلوس بناکر لے جاؤں جن کے بچے اس کا دودھ پیتے پیتے اس کے دودھ کی ڈیری کے قبرستان میں دفن ہوگئے ' بھسم ہوگئے مگر مجھے پورے شہر کو لے جانا ہوگا ۔ اسی بات کیلئے میں " اسٹاپ تھنکنگ اسٹارٹ ورکنگ " نامی کتاب پڑھ رہا ہوں ۔ جب شہر کو معلوم ہوگا کہ دولت کی دولت بادی ہے اس میں صرف پانی کا کھیل ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ برہم مجمع اس کا سب پانی نکال لے گا ۔ اس کی ڈیری کا پانی نکلنے سے پہلے ایک باندھ بنانا ہوگا ورنہ اس کے سیلاب میں پورا شہر ڈوب جائے گا ۔ اور میں سوچتا ہوں کہ اگر میں بھی ڈوب گیا تو کھوٹو ' دولت اور ان کے جیسے اَن گنت زہر کے سوداگروں کو کون ٹھکانے لگانے کی سوچ سکے گا ۔ اور اگر کوئی سوچنے والا باقی بھی رہ گیا تو پھر اس کے پاس خدا جانے " اسٹاپ تھنکنگ اسٹارٹ ورکنگ " نامی کتاب بھی جوش عمل کے لئے ہوگی ۔ اور اگر سوچنے والے کے پاس یہ کتاب بھی ہو تو اس کے پاس ملاوٹ کے زہر کو ختم کرنے کا وہ تریاق بھی ہوگا جس کا نسخہ میرے پاس ہے ۔ اور اگر اس کے پاس نسخہ بھی ہو تو اُس کے پاس ایسا سخت ہاتھ بھی ہوگا جو ظالم کو ظلم سے روک سکے ' جو ظلم کے چہرے پر سے نقاب اُلٹ کر ان خود غرض ' مکار اور قاتل ملاوٹ کرنے والوں کے مکروہ چہرے ملاوٹ کا شکار ہونے والے معصوموں اور بے گناہوں کو دکھا سکے اور ان سے نپٹ سکے ۔

میں اس لئے بھی ڈوب کر مرنا نہیں چاہتا کہ مجھے سیٹھ تالموٹ والے کا بھی حساب بے باق کرنا ہے ۔ تالموٹ والے کے نام سے میرے جسم میں جھرجھری آجاتی ہے ۔ اس کا کاروبار دال کا ہے مگر دو نمبر کا دھندہ دال میں کیسری دال ملانے کا ہے ۔ کیسری دال کھانے سے پیروں پر فالج کا اثر ہوجاتا ہے میں جب بھی تالموٹ کے یہاں جانے کیلئے مزدور بستی سے گزرتا ہوں تو مجھے کتنے ہٹے کٹے نوجوان زمین پر گھسٹ کر بھیک مانگنے کے لئے جاتے دکھائی دیتے ہیں ' کتنے شریف اور عزت دار لوگ جو کیسری دال کھانے کے بعد کام کاج کرنے کے لائق نہیں رہ گئے ' آج میرے دوست تالموٹ کے بنگلے کے سامنے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اور میرا دوست انہی بھکاریوں کی دولت سے موٹروں اور ہوائی جہازوں پر فراٹے بھرتا اور اڑتا نظر آتا ہے ۔

میں سوچتا ہوں کہ میں کوئی ملاوٹ کرنے والا بے ایمان سیٹھ ویٹھ نہیں ' عام آدمی ہوں ۔ اور عام آدمی کو اس لئے نہیں مرنا چاہئے کہ اسے ہر حال میں حالات کا مقابلہ کرکے حالات کو بہتر بنانا ہے ؛ (صفحہ ۱۶ پر جاری)

شیخ چلی

خواجہ عبدالغفور

شیخ چلی کو کون نہیں جانتا۔ یہ حضرت ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ ہر رنگ اور ہر روپ میں ان سے مڈبھیڑ ہوتی رہتی ہے۔ جانے اَن جانے بھی ان سے ملنا ہو ہی جاتا ہے۔ یہ اتنے ہردلعزیز ہیں کہ ان کے بغیر کوئی محفل کوئی اجتماع کوئی خلوت منعقد نہیں ہو سکتی۔ لُطف یہ کہ مذہب، ذات پات، ریاستی اور لسانی جھگڑوں سے پاک صاف، خوش فکر، خوش طبع، مست اور مگن، یاسیت یا قنوطیت ان کے قریب نہیں پھٹکتی۔ بیماری ان سے پناہ مانگتی ہے۔ ان کو غمِ روزگار ستاتا ہے نہ غمِ آلام کا یہ شکار ہوتے ہیں یہ اپنی محبت میں کبھی ناکام نامراد نہیں۔ فراق کی آگ میں نہیں جلتے، انتظار اور شبِ ہجراں ان سے کوسوں دور۔

آپ حیران ہوں گے کہ یہ کون بزرگوار ہیں جن کا میں تذکرہ کرنے چلا ہوں۔ ویسے تو آپ اس شہرۂ آفاق ہستی سے ضرور واقف ہیں کہ جو ہوائی قلعے بناتی ہے، ہوائی محل میں رہتی ہے، خیالی پلاؤ پکاتی ہے۔ ان کی کل آج ہی ہو جاتی ہے اور ان کی ٹانگ ہر چیز میں اَڑی رہتی ہے۔

ہر صبح اخباروں میں کسی نہ کسی روپ میں ان کی تصویر نظر آتی ہے۔ کبھی نیتا کی شکل میں، کبھی کسی حکمراں، کسی سائنسداں تو کبھی پروفیسر یا ایڈمنسٹریٹر کی صورت میں۔ یہ کبھی ہمیں بتا رہے ہوں گے کہ فلاں یوجنا کے بھروسے ہم بہت جلد خود مکتفی ہو جائیں گے، نہ غلہ نہ مشینری نہ اور کوئی چیز درآمد کرنا ہوگا۔ نہ کبھی ہماری فصلیں فیل ہوں گی، نہ ہم کو خشک سالی یا قحط کا سامنا کرنا ہوگا۔ ہاں یہ محض باتیں ہی نہیں بنائیں گے۔ سارے اعداد و شمار، ذرائع کے جملہ حوالے اور تفصیلی معلومات بھی فراہم کریں گے۔ ان کا کام ہی یہی ہے کہ مستقبل کی خوش آئند تصویریں پیش کرتے رہیں جو رنگین بھی ہوتی ہیں، دیدہ زیب، دلفریب اور سحر کن بھی۔

یہی تو ہیں شیخ چلی: یہ آپ کے ہمارے سب کے دماغ میں موجود ہیں اور اگر کوئی اپنے دل و دماغ میں ڈھونڈھے تو یہ ضرور کسی گوشہ میں چھپے ہوئے نہیں بلکہ روشن و آشکارا ملیں گے ان کی عمر بھی دراز ہے، نہ معلوم کب سے جی رہے ہیں اور زمانہ کی سرد و گرم کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ خود مصیبتیں اٹھاتے ہیں لیکن دوسروں کے لئے سامانِ ظرافت پیدا کرتے ہیں۔ حوصلہ، ہمّت اور بڑھاوا دیتے ہیں اور جینے کا سلیقہ بھی عطا کرتے ہیں۔

کل ہی کی بات ہے، رندھیر اور ان کی بیوی ہم سے برسوں بعد ملے اور باتوں باتوں میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے۔ رندھیر کی خواہش تھی کہ ان کا لڑکا انجینیر بنے اور شریمتی جی چاہتی تھیں کہ وہ ڈاکٹر بنے۔ پُر زور دلائل سے ایک یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ملک کو نوجوان انجینیروں کی سخت ضرورت ہے اور دوسرے کا یہ استدلال تھا کہ ڈاکٹروں کی کمی ہے کہ جو دیہات میں کام کریں۔

بحث جب بہت زیادہ گرم ہونے لگی تو ہم نے کہا "ارے بھئی اپنے لڑکے سے بھی تو پوچھا ہوتا کہ اس کی مرضی اور اس کا رجحان کیا ہے۔" اس پر ہمیں کیا جواب ملا، بتائیں آپ کو؟ جی ہم کو بتلایا گیا کہ ابھی ان کے کوئی لڑکا ہوا ہی نہیں۔ یہ ان کے من میں جو شیخ چلی بسے ہوئے ہیں وہ اس بحث و تکرار کے ذمہ دار ہیں۔

اصلی شیخ چلی سے آپ کو ملائیں۔ دیکھئے وہ سامنے فٹ پاتھ پر بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے کانچ کے برتنوں کا ٹوکرا رکھا ہوا ہے۔ ٹھہریئے، انھیں چھیڑیئے نہیں۔ ذرا سنئے تو سہی وہ کس اُدھیڑ بُن میں ہیں اور دل ہی دل میں کیا کہہ رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری جمع پونجی اکٹھی کر کے یہ کانچ کے برتن خریدے ہیں اور اب یہ سوچ رہے ہیں کہ سو روپے کے سرمایہ سے خریدے ہوئے برتن دو ایک روز میں دو سو روپے میں بیچ دیں گے۔ اس رقم سے اور برتن خریدیں گے جو چار سو روپے میں بک جائیں گے اس طرح دو ایک مہینے میں وہ دو ہزار روپے جمع کر کے ایک چھوٹی سی دوکان کر لیں گے۔ اسے چار چھ مہینے میں اتنا منافع ہوگا کہ دوکان کے ساتھ ساتھ ایک گھر بھی کر لیں گے جس میں ان کی بیوی بچے ٹھاٹ سے رہیں گے۔ یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ ان کی بیوی بچے اگر کام نہیں کریں گے اور سُستی یا کاہلی برتیں گے تو یہ اُن کو ایک زبردست لات ماریں گے۔ یہ سوچتے سوچتے انھوں نے زور سے جو لات جمائی تو سامنے رکھے ہوئے ٹوکرے کے سارے برتن چھن چھن ٹوٹ گئے۔

دیکھا آپ نے شیخ چلی کا اصلی روپ۔ ان کی زندگی ہمیشہ اسی طرح بسر ہوتی ہے لیکن یہ کبھی ہمت نہیں ہارتے سالِ رواں کی کوئی مہم کسی وجہ سے ناکام ہو تو کیا ہوا، آئندہ سال یا اسکے اگلے سال اس کے آگے یقیناً کامیابی ہوگی۔ ●●

سلام بن رزاق

تبصرہ :

رخسانہ

یہ اردو ادب کی بدقسمتی ہی سمجھی جائیگی کہ ہمارے یہاں ترجمے تیسرے درجہ کی چیز مانے جاتے ہیں ۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اب تک اس طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی ہے ۔ ہمارے بڑے ادیب اور شاعر بھی ترجموں میں خاص دلچسپی نہیں لیتے ، حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ناکام تخلیق سے ایک کامیاب ترجمہ بدرجہا بہتر ہوتا ہے ۔

" رخسانہ " بھی ایک ایسا ہی کامیاب ترجمہ ہے جو خوبصورت " لیپا پوتی " کے ساتھ چھپنے والے بیسیوں ناولوں اور چالو فلمی کہانیوں سے کہیں زیادہ قابلِ تحسین ہے ۔

رخسانہ (Rexona) انگریزی کی شہرہ آفاق داستان " رابنسن کروسو " کے مصنف ڈینئل ڈیفو کا ایک کامیاب ناول ہے ۔ ڈیفو بنیادی طور پر ایک صحافی تھا اور بہت زود نویس تھا ۔ اُس نے ناولوں کے علاوہ بے شمار پمفلٹ ' کتابچے اور سیاسی رسالے اخباروں ' سیاسی پارٹیوں اور لارڈوں نوابوں کی فرمائش پر تحریر کیے ہیں ۔ اسی لیے لوگ اسے ' کرایہ کا ٹٹو ' کے نام سے بھی یاد کرتے تھے ۔

رخسانہ یا Rexona ایک ایسی حسین باغی عورت کی کہانی ہے جو اپنے احمق شوہر کے فرار کے بعد پہلے تو صبر و استقلال سے حالات کا مقابلہ کرتی ہے مگر جب نوبت فاقوں تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے بچے بھوک سے بلکنے لگتے ہیں تب وہ بچوں کو شوہر کے رشتہ داروں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر اپنے ایک عاشق کے ساتھ پیرس روانہ ہو جاتی ہے اور وہیں سے اُس کی معصیت بھری زندگی کا آغاز ہوتا ہے ۔ اُس کے بے مثل حسن ' دل موہ لینے والی اور سحر انگیز ترکی رقص کے چرچے فرانس ' انگلستان اور ہالینڈ تک پھیل جاتے ہیں ۔ بڑے بڑے سوداگر ' نواب اور شہزادے اُس کی صرف ایک نظرِ عنایت کے لیے ' ہزاروں پاؤنڈ نکالنے پر آمادہ نظر آتے ہیں ۔ اُس کے عاشقوں کے ساتھ ہی اُس کی دولت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ اور مزید دولت کے لیے روز بروز اُس کی حرص بھی بڑھتی جاتی ہے ۔ آخر جب اُس کی عمر پچاس سے تجاوز کر جاتی ہے اور حسن و جوانی کا نشہ اُتر جاتا ہے تب ایک لاحاصل پچھتاوے اور ندامت بھرے اعتراف کے ساتھ ناول ختم ہو جاتا ہے ۔

کہانی شروع سے آخر تک انتہائی دلچسپ اور رنگین واقعات سے پُر ہے ۔ اس لیے قاری کہیں بھی کسی قسم کی بے کیفی محسوس نہیں کرتا ۔ اسلوب سادہ مگر پُرکشش ہے ۔ یہ ناول چونکہ انگریزی ناول نگاری کے ابتدائی دور کا ہے اسلئے تکنیک اور ہیئت کے اعتبار سے جدید ذہنوں کو زیادہ متاثر نہیں کر سکتا تاہم اسکی داخلی سچائی اور اسلوب کا فطری انداز قاری کی دلچسپی کو شروع سے آخر تک قائم رکھنے میں کامیاب ہے ۔

ڈیفو کے بیشتر ناولوں کا تانا بانا محروموں اور گنہگاروں کی زندگی کے اِرد گرد بُنا گیا ہے ۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ ڈیفو کے زمانے کا یورپ (۱۶۶۱ء تا ۱۷۳۱ء) کٹر مذہب پرست اور سماجی پابندیوں کا حامل تھا ۔ ڈیفو بھی ایک سماجی رکن کی حیثیت سے روایتی طور پر اُن ساری جکڑ بندیوں کو قبول کرنے کیلئے مجبور تھا ۔ مگر کبھی کبھی اُس کے ذہن کے بھیتر چھپا باغی ادیب اُس کٹر پن سے گھبرا اُٹھتا ۔ اسی لیے اُس نے مجرموں ' گنہگاروں اور قیدیوں پر کہانیاں لکھ کر غیر شعوری طور پر اُن روایتی پابندیوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا ہے ۔

رخسانہ کا ترجمہ دنیا کی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے اسے اُردو میں منتقل کرنے کا سہرا تصدیق سہاروی صاحب کے سر ہے ۔ تصدیق صاحب ایک زمانے میں اُردو کے مشاق افسانہ نگار رہے ہیں ۔ آپ چونکہ بنیادی طور پر صحافی ہیں اسلئے ترجمہ کے فن میں بھی آپ کو خاص مہارت حاصل ہے ۔ آپ نے ناول کے شروع میں ڈیفو کے وقت کے ادبی پس منظر کی ہلکی سی جھلک پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے اس دور کے انگریزی ادب کا مختصر سا تعارف ہو جاتا ہے مگر تشنگی باقی رہتی ہے اِس تعارف کو مزید جامع اور مکمل شکل میں پیش کیا جا سکتا تھا ۔ توقع ہے اردو کے دوسرے ادیبوں میں یہ ناول ترجمے کی تحریک کا باعث بنے گا اور ہمارے اہلِ قلم حضرات دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی شاہکار تخلیقات کو اردو زبان کا لباس پہنانے میں کسی قسم کی بخالت سے کام نہیں لیں گے ۔

رخسانہ کا کاغذ ' چھپائی سادہ ' سرورق معمولی اور کتابت اچھی ہے ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ' پرنسس بلڈنگ جے ۔ جے ۔ اسپتال بمبئی ۳ کے علاوہ مکتبہ جامعہ کی کسی بھی شاخ سے یہ کتاب طلب کی جا سکتی ہے ۔

•

نوٹ : انتہائی افسوسناک بات یہ ہے کہ جس وقت یہ تبصرہ بغرض اشاعت روانہ کیا جا رہا تھا تبھی یہ جاں سوز خبر ملی کہ مذکورہ ناول کے مترجم تصدیق سہاروی ۲۵ فروری ۱۹۷۸ء کو رحلت فرما گئے ۔

غزل

ایسے سجدے پر ہے تُف اے شیخ وہ سجدہ نہیں
سامنے جب تک کسی کافر کا نقشِ پا نہیں

بے نیازِ عاقبت ہے پاس اُس کے کیا نہیں
اُس کی دنیا کیا کہیں جو طالبِ دنیا نہیں

ہے فسُردہ خاطری بھی زندگی میں لازمی
دل نہ جب تک بیٹھ جائے کام کا ہوتا نہیں

تیری آنکھوں میں حرم، تیری جبیں پر بُت کدہ
کونسا مذہب تری صورت سے آئینا نہیں

میرے ذہن و فکر میں رہتا ہے اک محشر شعور
مجھ کو تنہا کہنے والو! میں کبھی تنہا نہیں

ہم نے خود اپنے تصوّر کو کیا ہے بے نقاب
بے حجابی اُس حجاب افروز کا شیوا نہیں

آیئے دل میں مرے تصویر اپنی دیکھئے
آپ نے شاید کبھی یہ آئینہ دیکھا نہیں

اُن کا دامن ہاتھ تو آیا کوئی صورت سہی
اپنی رُسوائی کی دانشؔ اب ہمیں پرَوا نہیں

حمید دانش
ناگپور

ظفر صہبائی
بھوپال

غزل

بے جنوں سے درد و غم کی آگہی ممکن نہیں
تابکارانہ فضا میں زندگی ممکن نہیں

یہ سمجھ لو دھوپ سے سورج کا رِشتہ ہے اٹوٹ
سب غلط کہتے ہیں اپنی دوستی ممکن نہیں

خواہشوں کے ننھے پودوں کی جڑیں جلنے لگیں
جلد سوچو دوستو! پھر تازگی ممکن نہیں

ملک نقشے کی لکیروں میں ہیں جبتک منقسم
یہ حقیقت ہے کہ تب تک امن بھی ممکن نہیں

یوں نہ ہنس شفاف شیشوں پہ خراشیں ڈال کر
تیرا چہرہ ہو لکیروں سے بَری ممکن نہیں

خوف ساری نسل کے خوں میں سرایت کر گیا
اب کسی صورت سے بھی پہلوتہی ممکن نہیں

میں درونِ جسم اِک آتش زدہ بستی سا ہوں
میرے ہونٹوں پر مہک جائے ہنسی ممکن نہیں

ہے اگر پہچان کی خواہش تو سب کو چھو کے دیکھ
صرف آنکھوں کے بھروسے آگہی ممکن نہیں

پھیلتی بڑھتی ہوئی بیلوں کو تو منڈھے چڑھا
اِرتقا ہے وہ عمل جس کی نفی ممکن نہیں

کانچ کی کرچیں چبا کر خون ہی تھوکوں گا میں
اِک نئے اِظہار کی جب تک سعی ممکن نہیں

اِک مکمل چیخ بن جانے دو خود کو اے ظفرؔ
صبر کی حد ہو چکی اب خامشی ممکن نہیں

Rajesh Khanna And ... Dimple Kapadia ... both ... by plan

کوڑھ : اب بھیانک مرض نہیں رہا

از: ڈاکٹر شرد نارویکر

ترجمہ: مسز رشیدہ ویساوے

" اگر میں ان سے گھل مل نہیں سکتا تو پھر انھیں اپنا بھائی کیسے کہہ سکتا ہوں ؟ "

——— مہاتما گاندھی

گاندھی جی ایک کوڑھی کی تیمار داری کرتے ہوئے

کوڑھ کے مرض کے بارے میں عام آدمی یہی سمجھتا ہے کہ یہ قہر الٰہی ہے یا پچھلے جنموں کے پاپ کا پھل ہے مگر درحقیقت یہ ایک معمولی سا' متعدی قسم کا روگ ہے جو کسی کوڑھی سے مستقل طور پر قریب رہنے سے کسی دوسرے شخص کو بھی لگ سکتا ہے۔ اس مرض کا باعث Mycobacterium Leprae نامی جراثیم ہیں جو دق کے جراثیم سے قریبی رشتہ رکھتے ہیں۔

غضب الٰہی والی غلط فہمی کا باعث اس مرض کے خوفناک آثار ہیں مثلاً بیماری کا رفتہ رفتہ اور غیر محسوس طریقے پر آغاز' غیر تکلیف دہ لیکن مندمل نہ ہونے والے زخم' بدہیئت ہاتھ اور بوسیدہ انگلیاں' بیٹھی ہوئی ناک وغیرہ ۔ لیکن یہ تمام علامتیں اس مرض کے آخری درجہ میں نمودار ہوتی ہیں اور ان ہی مریضوں میں پائی جاتی ہیں جو اپنی ذاتی یا سماج کی بے توجہی و غفلت کے باعث اس حال کو پہنچے ہوں لیکن سائنسی علاج کے ذریعے ان تمام جسمانی نقائص کو دور کیا جاسکتا ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو فیل پا' چیچک اور سرطان بھی جسم کے حصوں کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں اور کچھ کم مہلک بھی نہیں ہیں۔

کیا یہ خیال صحیح ہے کہ کوڑھ ایک جنسی بیماری ہے؟ اس کا جواب بھی نفی ہی میں ہے کیونکہ جنسی بیماری کسی مرد یا عورت کو ایک دوسرے سے اختلاط کے سبب لگ سکتی ہے جو پہلے ہی اس کا شکار ہو چکے ہوں لیکن کوڑھ مستقل قربت سے یعنی کوڑھی کی جلد سے بار بار مس ہونے سے پھیلتا ہے۔ کوڑھ کے بارے میں ہم وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک شوہر سے یہ مرض اس کی بیوی کو لگے گا جبکہ جنسی

---

۲۸ جنوری سے ۳ فروری تک دنیا بھر میں منائے گئے " اینٹی لیپراسی ویک " کے سلسلے میں " عالمی کوڑھ دن " مہاراشٹر میں بھی ۳۰ جنوری کو منایا گیا تھا جو کہ باپو کی شہادت کا دن ہے۔ باپو نے ساری زندگی کوڑھیوں کے سماجی مقاطعہ کی پُرزور مخالفت کی تھی !

بیماری میں سو فیصدی ہی ہوتا ہے۔

اب سوال اٹھتا ہے کہ کوڑھ متعدی بیماری تو نہیں! کوڑھ متعدی تو ہے لیکن صرف معمولی حد تک۔ جہاں تک متعدی امراض کا تعلق ہے، کوڑھ اتنی خطرناک بیماری نہیں جتنی طاعون، ہیضہ یا چیچک ہیں۔ عام طور پر کسی شخص کو یہ روگ کافی لمبی مدت میں لاحق ہوتا ہے اور علامات کا ظہور بھی بہت دیر میں ہوتا ہے چنانچہ علم طب سے تعلق رکھنے والے شخص یا عیسائی مشنری کے افراد کو جو کوڑھیوں کے علاج اور فلاح و بہبود کا کام انتہائی سرگرمی سے انجام دیتے ہیں یہ بیماری شاذو نادر ہی ہوتی ہے۔

یہاں یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ کوڑھ کی دو قسمیں ہیں۔ متعدی و غیر متعدی (ایک اور قسم بھی ہے جو ان دونوں کے درمیان کی چیز ہے لیکن یہاں یہ خارج از بحث ہے) غیر متعدی کوڑھ جسم کے کسی خاص حصے تک محدود رہتا ہے یعنی مقامی ہوتا ہے اور اس کا علاج آسانی سے ہوتا ہے۔ ہندوستان کے نوّے فیصدی بچّوں میں یہ مرض پایا جاتا ہے لیکن متعدی کوڑھ بے حد خطرناک ہوتا ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ایک مریض سے اچھے بھلے شخص کو لگتا ہے حالانکہ ایسا بہت دیر میں ہوتا ہے۔

جلدی امراض اور کوڑھ

اکثر کوڑھ کے داغ دھبّوں کو غلطی سے جلد کی بیماری سمجھ لیا جاتا ہے یہاں تک کہ تجربہ کار آنکھیں تک دھوکا کھا سکتی ہیں۔ مثلاً یہ غلط فہمی بھی عام ہے کہ کوڑھ اور برص ایک ہی چیز ہے مگر موخر الذکر جلد کی بیماری ہے جس میں صرف جلد کی رنگت بدل جاتی ہے۔ یہ داغ سفید ہوتا ہے اتنا سفید کہ بال تک سفید ہو جاتے ہیں مگر جو عنصر برص اور کوڑھ کو ایک دوسرے سے ممیز کرتا ہے وہ یہ کہ اس میں جسم کے متاثرشدہ حصّوں میں کوئی حسّیاتی تبدیلی نہیں ہوتی۔

ایک اور بیماری جس کو کوڑھ سمجھا جاتا ہے وہ خارش ہے مگر ان دونوں میں بھی بآسانی امتیاز کیا جا سکتا ہے کیونکہ خارش میں بیحد کھجلی ہوتی ہے۔

اور بھی کئی قسم کے داغ ہوتے ہیں، جنھیں اینیمیائی داغ کہتے ہیں جو غذا کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ گالوں پر بہت نمایاں ہوتے ہیں اور عام طور پر بچوں کے چہرے پر نظر آتے ہیں۔ پھر جلد پر جراثیم کے حملہ سے بھی کچھ مخصوص قسم کے داغ دھبّے ابھر آتے ہیں لیکن عام شخص ذرا سی باریک بینی سے انھیں کوڑھ سے ممیز کر سکتا ہے حالانکہ یہ کوڑھ کے داغ سے بہت مشابہ ہوتے ہیں۔

کوڑھ کے داغ

کوڑھ کے داغ کے خواص یہ ہیں کہ غیر متعدی قسم کے روگ میں یہ جسم کے کسی بھی حصہ پر پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے کہ وہ مریض کے جسم کے ہر حصّہ کا معائنہ کرے کیونکہ اس کا امکان ہے کہ کولہے، ران اور اسی قسم کے پوشیدہ حصّوں کے داغ عام طور پر آسانی سے نظر انداز کر دیئے جائیں۔ داغ کی لمبائی چند سینٹی میٹر سے کچھ انچ تک ہی ہوتی ہے۔ داغ کی شکل و صورت کی طبّی معائنہ میں کوئی اہمیت نہیں۔ اس داغ

کوڑھ کی ابتدائی علامات

عام طور پر جہالت، ضعیف الاعتقادی، خوف، شرم اور سماجی بائیکاٹ کے ڈر کے سبب ہندوستان میں کوڑھ کے مریض شروع ہی سے اپنا علاج نہیں کر پاتے۔ اس مرض کی ابتدائی علامات یہ ہیں:

(۱) ایک ہلکے رنگ کا دھبّہ جس میں نہ تو کھجلی ہوتی ہے اور نہ درد۔

(۲) جلد کا چکنا اور لال ہو جانا جبکہ کھجلی اور درد بالکل نہ ہو۔

اگر ان دو اہم ابتدائی علامات پر دھیان دیا جائے اور ڈاکٹر سے فوراً مشورہ لیا جائے تو شروع ہی میں اس بیماری کا علاج کر کے اُسکے ہولناک نتائج سے خود کو بچایا جا سکتا ہے۔
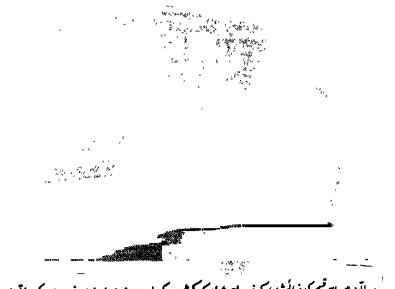
دیہاتوں میں اس قسم کی نمائشوں کے ذریعے عوام کو کوڑھ کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہیں؛

کا خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہاں جلد کی رنگت ہلکی پڑ جاتی ہے مگر وہاں کسی قسم کی کھجلی نہیں ہوتی اور داغ کے دائرے میں (یا ڈاکٹری اصطلاح میں "جزیرے" میں) اس جگہ کے بال دور ہو جاتے ہیں۔

بعض مریضوں نے اپنی تیز حس اور مشاہدے کی بنا پر ڈاکٹروں کو یہ بھی بتایا ہے کہ اس داغ کی جگہ پر پسینہ تک نہیں چھوٹتا بلکہ موسم گرما کی جھلسا دینے والی دوپہر تک میں وہ جگہ خشک ہی رہتی ہے چنانچہ کوڑھ کے داغ کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ جگہ یا تو بے حس ہوتی ہے یا وہاں حس ہی کم ہو جاتی ہے۔

ہم میں سے ہر ایک شخص علم الاعضاء و اعصاب سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہی ہے اور سب جانتے ہیں کہ ہماری جلد میں ایک نہایت پیچیدہ اعصابی نظام ہے جو احساسات کو اعصاب کے مرکز یعنی دماغ تک پہنچاتا ہے۔ یہ اعصاب جلد کے ہر حصے میں واقع ہیں جو ہر قسم کے احساس مثلاً تمازت وخنکی، ہر قسم کے لمس اور درد کو دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا ایصال دماغ تک ریڑھ کی ہڈی کے ذریعے ہوتا ہے۔

جب جلد میں کوڑھ کے جراثیم سرایت کر جائیں تو وہ سب سے پہلے ان اعصابی ریشوں کو ایک مخصوص اثر سے ناکارہ بنا دیتے ہیں اور جلد ہر قسم کے احساس سے عاری ہو جاتی ہے۔ جب جلد مکمل طور پر احساسات سے عاری نہیں ہوتی اس وقت اس داغ کو "hyposthetic" کہتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اس صورت میں تھوڑی بہت حس باقی رہتی ہے۔ اس حالت میں بھی کوڑھی کے داغ والے حصہ میں اگر پن چبھا دی جائے تو اُسے چبھن کا احساس ضرور ہوگا لیکن وہ یہ نہیں بتا سکے گا کہ وہ پن کی نوک ہے یا اس کا دوسرا موٹا سِرا۔

بہرحال حس کا ختم ہو جانا ہی کوڑھ کی دریافت و تشخیص کا بنیادی اصول ہے۔ کچھ مریضوں نے ڈاکٹر کو یہ بھی بتایا ہے کہ نہاتے وقت انھیں جسم کے اس حصے میں گرم پانی کی حرارت کا احساس تک نہیں ہوتا
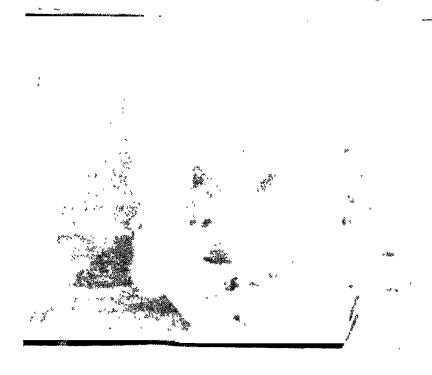
اوپر کی تصویر میں کوڑھ میں مبتلا ایک عورت جس کا مرض بڑھ چکا ہے۔ اسکے پورے چہرے پر داغ دھبے ہیں۔ ہونٹ اور کان موٹے ہو گئے ہیں۔ نیچے تصویر میں وہی عورت جو علاج کے بعد صحتیاب ہو گئی ہے۔ چہرے کے داغ دھبے مٹ گئے ہیں۔
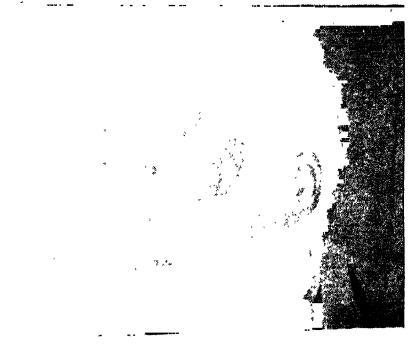
anaesthetic patch یا مکمل طور پر بے حس داغ میں جس کا خاتمہ اسقدر مکمل و شدید ہوتا ہے کہ اگر اس داغ پر ایک جلتا ہوا سگریٹ یا بیڑی رکھ دی جائے تب بھی مریض کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوگا۔

کوڑھ کے مرض کا سب سے افسوسناک پہلو ہے کوڑھیوں سے سماج کا ناروا سلوک، ان کی تضحیک اور ان کو برادری سے خارج کر دینا۔ اس سلوک کے باعث یہ بھی غلط فہمی عام ہوگئی ہے کہ کوڑھ بھکاریوں کی بیماری ہے۔ یہاں تک کہ سماج کی حفاظت کے بعض دعویداروں نے یہ بے دردانہ فسطائی حکم صادر کیا کہ اگر ان بدشکل کوڑھیوں کو شہر سے دور دراز مقام پر ایک ہی جگہ جمع کر دیا جائے (جیسا کہ ہٹلر کے زمانے میں قیدیوں کے لئے مخصوص کیمپ تھے) تو سماج اس مرض سے ہمیشہ کیلئے یک بیک طور پر خود بخود محفوظ ہو جائے گا۔ ہم میں سے ہر کوئی ہماری مسجدوں، مندروں اور رفٹ پاتھوں پر کثرت سے پائے جانے والے کوڑھیوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے جبکہ ریلوں، کالجوں اور سینما ہالوں میں ان سے کہیں زیادہ خطرناک و متعدی کوڑھیوں سے ہمارا سابقہ آئے دن پڑتا رہتا ہے۔ یہ رویّہ کسقدر جہل ہے کیونکہ ہم جن سے اجتناب کرتے ہیں وہ مریض جو کہ بیماری کے آخری درجہ سے گذر رہے ہیں اور کوئی دم میں ختم ہونیوالے ہیں، غیر متعدی بھی ہوتے ہیں۔

ایک عام آدمی یہ بھی معلوم کرنا چاہے گا کہ کوڑھ کوئی خاندانی بیماری تو نہیں۔ بسا اوقات ہمارے چند سرگرم سوشل ورکروں نے یہ فیصلہ بھی صادر کیا ہے کہ ان مریضوں کو فیملی پلاننگ آپریشن کے ذریعہ افزائش نسل کے لئے ناکارہ بنا دیا جائے۔ اسمیں شک نہیں کہ ایک کوڑھی ماں کے ذریعہ اس کے بچّوں کو یہ مرض لاحق ہو سکتا ہے لیکن یہ بیماری موروثی و خاندانی نہیں کہلائی جا سکتی بلکہ ماں اور بچے کے درمیان مستقل قرابت و نزدیکی ہی اس روگ کے پھیلنے کا باعث بنتی ہے۔ اگر بچّوں کو ماں سے الگ کر دیا جائے تو وہ بھی دوسرے بچّوں کی طرح محفوظ ہو جائیں گے۔ دوسرے معنوں میں کوڑھیوں کو بھی افزائش نسل کے اتنے ہی حقوق ہیں جتنے دوسرے شہریوں کو حاصل ہیں۔ جہاں تک خاندانی بیماریوں کا سوال ہے ذیابیطس اور بعض قسم کے کینسر بھی خطرناک بیماریاں ہیں کیونکہ یہ موروثی ہیں۔

اب ایک سوال جو سب سے اہم ہے وہ ہے کوڑھ کے انسداد و علاج کے متعلق۔ کیونکہ اگر کوڑھ کا علاج ہی نہیں ہو سکتا تو پھر اس بیماری کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے سے کیا حاصل؟ لیکن کوڑھ کا علاج یقیناً کیا جا سکتا ہے بلکہ بیماری کے آخری اسٹیجوں میں بھی علاج کے ذریعے کم سے کم اسکو مزید پھیلنے سے روکا جا سکتا ہے۔ مجموعی طور پر کوڑھ کا علاج کافی موثر ہے اور سستا بھی ہے۔

ڈاپ سون (Dapsone) کی گولیاں کوڑھ کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی ہیں جو جراثیم کو فنا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہ گولیاں روزانہ یا ہفتے میں دو دفعہ کھائی جا سکتی ہیں۔ آجکل کئی قسم کی دوائیں اس مرض کے لئے دریافت کی گئی ہیں لیکن اب تک ڈاپسون کی گولیاں کوڑھ کا سب سے سستا، موثر اور بے ضرر علاج قرار دیا گیا ہے۔ بدنما ہو جانے والی انگلیوں اور ہاتھوں اور کا علاج

(صفحہ ۱۶ پر جاری)

کوڑھ اور گداگری

بہت سے لوگ کوڑھ کو بھکاریوں کی بیماری سمجھتے ہیں حالانکہ گداگری اور کوڑھ دو مختلف مسائل ہیں۔ کوڑھ کا مریض اگر بے توجہی کا شکار ہو جائے اور علاج بھی نہ کرپائے تو آخری اسٹیج میں اس کے جسم میں چند بدنما تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں مریض کو نہ صرف بدصورت بلکہ ناکارہ بنا کر رکھ دیتی ہیں چنانچہ سماجی تضحیک اور اس بدصورتی کے باعث کوڑھی زندگی کی جدوجہد میں بالآخر ہار جاتا ہے۔ اپنی مسخ شدہ صورت و جسمانی بدصورتی کے باعث کوڑھیوں کیلئے ہر کسی کے دل میں نفرت، خوف و رحم کے ملے جلے جذبات ہوتے ہیں جن سے کوڑھی کو بھیک مانگنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک مریض رفتہ رفتہ بھکاری بن جاتا ہے۔ شروع میں ہی مرض کی دریافت اور باقاعدہ علاج سے ایک کوڑھی کو بھکاری بننے سے روکا جا سکتا ہے۔

ہندوستان میں کوڑھ کیخلاف جدوجہد

مہاراشٹر کی کارکردگی :

دنیا کے ہر چار کوڑھیوں میں سے ایک کوڑھی ہندستان میں پایا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں کل ۳۲ لاکھ کوڑھی ہیں جن میں سے زیادہ تر تامل ناڈو، آندھرا پردیش، مغربی بنگال، مہاراشٹر، بہار اور اڑیسہ میں ہیں۔ کرناٹک، کیرالا، آسام، گجرات، مدھیہ پردیش، ہماچل پردیش وغیرہ ریاستوں میں کوڑھ کے مریض کم ہیں۔

۱۹۵۵ء میں حکومت ہند نے کوڑھ کے انسداد کا قومی پروگرام کا آغاز کیا جس کے تحت کئی انسداد کوڑھ کے دواخانے، تربیتی مراکز وغیرہ کھولے گئے۔ فی الحال ملک میں ۲۴۴ انسداد کوڑھ کے یونٹ، ۱۴۹۶ سروے تعلیم و علاج کے مراکز، ۳۱ رضاکارانہ جماعتیں اور تین بین الاقوامی ادارے مرض کی روک تھام و علاج کے کام میں مصروف ہیں۔ حال ہی میں اپنے پانچویں پنجسالہ منصوبے میں مرکزی حکومت نے اس پروگرام پر ۲۳ء۴۴ کروڑ روپے صرف کرنے کیلئے سرمایہ فراہم کیا ہے۔

اس سلسلے میں حکومت مہاراشٹر کیا کر رہی ہے ؟ ۱۹۷۳ء کے آخر تک ریاست میں دستیاب اعداد و شمار حسب ذیل ہیں :

سروے، تعلیم و علاج مراکز	۴۴۴
کوڑھ تدارک دواخانے	۳۴
شہری تشخیص مراکز	۲۴
رضاکارانہ ادارے	۳۸
سرکاری اسپتال	۹
کوڑھ روک تھام دواخانے (دیہاتوں میں)	۵۹۹۶
(شہروں میں)	۲۲۲
	۶۷۶۷

درج رجسٹر مریضوں کی تعداد	۳,۹۹,۳۵۸
علاج کے ذریعہ ٹھیک ہونے والے مریضوں کی تعداد	۱۵,۰۰۰
فی الحال فہرست میں مریضوں کی تعداد	۲,۲۳,۵۹۱
علاج کرانے والے مریضوں کی تعداد	۱,۳۷,۳۸۱
پلاسٹک سرجری کیلئے مریضوں کی تعداد	۳,۳۰۷

کس قیامت کے یہ نامے

محترمی خواجہ صاحب'

قومی راج کے دونوں شمارے نظر نواز ہوئے۔ احساسات کی تہی دستی اور الفاظ کی کم مائیگی ان شماروں پر اظہارِ خیال میں مانع ہے پھر بھی مقدور بھر اظہارِ خیال نہ کرنا اس معیاری پرچے سے ناانصافی کے مترادف ہوگا۔ چنانچہ شمارہ اولین میں قومی راج کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ میری نظر میں ادبی نقطۂ نگاہ سے ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اپنی لبساط کے مطابق میں یہ تصور کرنے پر مجبور ہوں کہ اس سے بہتر کسی پرچے کا ابتدائی تعارف ہو ہی نہیں سکتا۔ قومی راج قابلِ رشک ہے کہ اسکو آپ جیسے ادب نواز کی سرپرستی حاصل ہے۔ بے شک اس پرچہ کا جنم اردو ادب سے آپ کے والہانہ اُنس و محبت کا نتیجہ ہے۔

وزیر اعلیٰ جناب نائیک صاحب کے ایک دیرینہ وعدہ کو جس خوش اسلوبی سے آپ نے عملی جامہ پہنایا ہے وہ اس ریاست کی تاریخ میں ناقابلِ فراموش ہے۔ اس پرچے کی اجرائی اردو داں طبقہ پر ایک احسان ہے کیونکہ اس کے ذریعہ نہ صرف حکومت کے اہم اعلانات و احکام ان تک پہنچ سکیں گے بلکہ یہ جریدہ اشاعت زبان کے لئے بھی ممد و معاون ثابت ہوگا۔

"افسر اور ماتحت نگارشتہ" کے عنوان سے جناب نے جو مضمون شائع فرمایا ہے وہ حقیقتاً ایک انوکھے انداز کا درس ہے کہ ہر شخص کو اپنا مقام و قدر جاننی چاہیئے۔ مجھ حقیر کی یہ دلی تمنا ہے کہ مولائے کریم اپنے حبیب کے صدقے و طفیل میں تاقیامِ شمس و قمر اس رسالے کو آپکی سرپرستی نصیب کرے۔

احقر، سید اقبال حسین

●

محترم المقام غفور صاحب، تسلیم و نیاز!

"قومی راج" کی اجرائی پر دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔ پرچہ ہر لحاظ سے قابلِ صد تحسین ہے۔ دل کی عمیق گہرائیوں سے پرچے کی بقا کیلئے دعاگو ہوں۔ جن ہاتھوں سے یہ پرچہ نکلا ہے ان ہاتھوں کو چوم چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ اگر یہ ابتدا ہے تو نجانے انتہا کیا ہوگی!

نیک خواہشات کے ساتھ

ایک اردو پرست

شہزاد احمد صدیقی۔ بمبئی ۲۳

●

محترم خواجہ صاحب، سلام مسنون

مزاج گرامی! "قومی راج" کے دو شمارے اب تک مل چکے ہیں۔ پہلا شمارہ تو کسی اعتبار سے حکومت کا پرچہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کا ادبی معیار جہاں ایک طرف پیاسے ذوق کے لئے آسودگی لایا وہیں ایک خوف بھی محسوس ہوا کہ اتنے اونچے معیار کے رسالے عام طور پر اردو کی کم قسمتی کے باعث کم عمر پائے گئے ہیں۔ خدا اسکو نظرِ بد سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

دوسرا شمارہ پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوا کہ پرچے کے نمایاں طور پر دو جدا حصے ہیں۔ ایک حصہ ابتدا سے "مزے دار اعلانات" تک اور دوسرا "ہنومان ٹیکری" سے اخیر تک کا ہے۔ زبان و بیان، ادبی اور غیر ادبی مضامین کا اتنا بڑا تضاد کہ "منھ کا مزہ کچھ خراب سا ہوگیا"۔ اگر سرکاری پروپگنڈے کو ادبی نہیں بنایا جاسکتا تو دلچسپ اور خوبصورت تو ضرور بنایا جاسکتا ہے۔ سرکاری اور ادبی مضامین کے درمیان معلوماتی مضامین کا پل بنادیا جائے تو بہتر ہوگا۔

والسلام، خیر اندیش

ایس۔ صدیقی

ہیڈ ماسٹر، ناگپاڑہ میونسپل سکنڈری اسکول، بمبئی ۸

رُباعی

سر پر مقبولیت کا رکھا ہو تاج
باتیں ہوں عوام سے مفکّر کا مزاج
خواجہ عبدالغفور کے سائے میں
پھولے پھلے پروان چڑھے قومی راج

ڈاکٹر صفدر آہ

مرے نام آئے ہیں

مدیر محترم،

قومی راج کا دوسرا شمارہ بھی اپنی متانت، سنجیدگی اور گہرائی کا حدی خواں بن کر ادبی قافلے کی رہنمائی کرنے کیلئے ابھر آیا ہے۔

شمارہ نہایت ہی خوبصورت، دلکش اور معیاری ہے اور اس کے معیار کی ضمانت ہیں خواجہ عبدالغفور صاحب۔ جس جانفشانی، کاوش اور کوشش سے انھوں نے اتنے قلیل عرصہ میں یہ معجزہ برپا کردیا ہے وہ کچھ انہی کی مساعی جمیلہ کا حصہ ہے۔

دعا ہے کہ قومی راج دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

ایس۔ این۔ ڈوگرہ
ایڈیٹر "لیڈر" جموں

●

محترم و معظم، آداب و نیاز

آپ کے ارشاد کے موجب ان تمام ذرائع کو حتی الوسع ضرور استعمال کروں گا جس سے "قومی راج" کو کوئی فروغ پہنچے۔

واقعی۔ قومی راج کی تعریف اور مدح ادب کے معیاری پرستاروں میں موضوع ذکر بنی ہوئی ہے۔ یہ صرف و صرف آپ کا اُردو پر اور اہل ادب پر احسان ہے۔

دوسرا شمارہ کرشن چندر کی تقریر، خواجہ احمد عباس کے مقالے، سلمیٰ صدیقی کا "بات ایک پرانی سی" اور آپ کا مضمون "افسر اور ماتحت کا رشتہ" کے علاوہ قومی راج کی افتتاحی تقاریب کے عکس و تفصیل کی بنا پر عظیم اور معیاری ہے۔

آپ کا اپنا
تسنیم فاروقی

●

محترمی و مکرمی، تسلیم

"قومی راج" ملا۔ خوبصورت کتابت و طباعت سے آراستہ ایسا جریدہ نکالنے پر دلی مبارکباد قبول فرمائیے ہر ایک تخلیق بڑے قرینے سے پیش کی گئی ہے۔ امید ہے "قومی راج" اپنے معلوماتی اور ادبی مضامین سے ملک کے دیگر حصوں کے لئے ایک ثقافتی پُل کا کام کرے گا۔

ٹھاکر پونچھی
آل انڈیا ریڈیو۔ جموں

●

مکرمی تسلیم

گرامی نامہ اور قومی راج بھی ملا۔ آپ کی عنایات گرانمایہ کا تو میں پہلے ہی سے قائل ہوں۔ مہاراشٹر کے صوبہ میں "قومی راج" کا اجراء یقینی طور پر ادب میں ایک نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ ہر ذی فہم انسان دیکھ رہا ہے کہ آج کا تخلیقی شعور علاقائی بندشوں سے بلند ہو کر مختلف زبانوں میں (اپنے ماقبل کے تمامی ناخوشگوار اثرات سے نجات پانے اور معاصر شاعری کو دور حاضر کا محاورہ اور زبان کو بقول "ازرا پاؤنڈ" خیالات کو واضح کرنے میں) اور فوقیت حاصل کرنے کا اہم سماجی فعل انجام دے رہا ہے یقینی طور پر جہاں مہاراشٹر کی دیگر اہم باتوں سے ہم آگاہ ہوں گے وہاں اس کے ادب کے بارے میں بھی معلومات فراہم ہوں گی۔

مطرب سلطان نظامی۔ لکھنؤ

●

محترمی و مکرمی، آداب و نیاز

"قومی راج" کے اجراء سے دھڑکنوں کے درمیان پُل استوار ہوں گے یقین ہے۔ پہلے شمارہ کی کامیاب اشاعت پر دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔ مہاراشٹر کی دلکش جھانکیاں نظر کے آگے رقص کرنے لگی ہیں۔ مضامین بلند پایہ و مقالہ جات معلوماتی اور تعمیری رجحانات لئے ہوئے ہیں۔

اوپی شرما سارتھی

قومی راج ــــــ بلند معیار رسالہ

یوم جمہوریہ کے موقعہ پر شری وی پی نائک کے مبارک ہاتھوں حکومت مہاراشٹر کے پندرہ روزہ رسالہ" قومی راج" کا اجراء بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ جنوری اور فروری کا رسالہ دیکھنے کے بعد یہ بات فخریہ طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اردو کی ترقی میں حکومت مہاراشٹر نے "قومی راج" کو آفسیٹ پر چھاپ کر اردو رسالوں میں بلند معیاری کا بھی ریکارڈ قائم کیا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ پہلا بلند معیار رسالہ ہے جسمیں جدید طرز اور ترقی پسند ادیبوں کے علاوہ کہنہ مشق پختہ گو شاعر ایکسی ہی صف میں نظر آتے ہیں۔ اسکی کتابت کے بارے میں یہی کہنا کافی ہے کہ لفظوں کی جگہ موتی پروئے گئے ہیں۔ اتنی صاف ستھری کتابت رسالے کے معیار کو اور بلند کرتی ہے۔ رسالہ پندرہ روزہ ہے جس کی قیمت صرف ۲۵ پیسے ہے اور سالانہ چندہ صرف پانچ روپے ہے۔ جن لوگوں کو اردو سے محبت ہے اور جو چاہتے ہیں کہ اردو ترقی کرے انھیں چاہئے کہ پہلی فرصت میں 'قومی راج' خرید کر اردو دوستی کا ثبوت دیں۔

روزنامہ آج بمبئی

جنید احمد

نشانات

اقبال سہیل جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایم۔ اے۔ کر رہے تھے تو بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ کے عربی فارسی کے طلباء جہاں کوئی دشواری پیش آتی مولانا سہیل کے پاس آتے اور وہ معنی مطالب اس طرح سمجھاتے جیسے اسی وقت انہوں نے ان موضوعات پر ساری کتابیں ازبر کی ہوں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کا بیان ہے کہ ذہانت اور خطابت میں اقبال سہیل کے مقابل بمشکل دو ایک دوسرے اشخاص رکھے جا سکتے ہوں۔ فارسی زبان و ادب پر انھیں عبور علمائے ایران سے کم نہ تھا۔ فارسی میں انھوں نے جو قصیدے تصنیف فرمائے ہیں وہ اس زبان کے بہترین قصائد میں شمار ہوتے ہیں۔ سروجنی نائیڈو کی آمد علی گڑھ کے موقع پر آپ نے جو قصیدہ پڑھا تھا ویسے قصیدے شہنشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوئے ہوں گے۔ سروجنی نائیڈو نے بھی تمام عمر اقبال سہیل کو بہت عزیز رکھا۔ ایک مرتبہ اعظم گڑھ تشریف لے گئیں تو جلسہ گاہ میں دریافت کیا کہ کیا اقبال سہیل یہاں نہیں ہیں؟ اور جب تک مولانا جلسے میں نہیں لائے گئے انھوں نے جلسے کی کسی کارروائی میں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ عہدِ گورنری میں گورنر ہاؤس لکھنؤ میں مشاعرہ تھا۔ اقبال سہیل کو خصوصی دعوتنامہ بھیجا گیا۔ وہ تشریف لائے تو نظر پڑتے ہی کرسیٔ صدارت سے اُتر کر تا لبِ فرش ان کا استقبال کیا اور اپنے قریب انھیں لاکر بٹھایا۔

ترکی کی پالیسی پر انگریزوں کے خلاف ایک سخت مضمون "اردوئے معلیٰ" میں شائع ہوا۔ مولانا حسرت نے عدالت میں مضمون نگار کا نام بتلانے سے انکار کیا اور دو سال قید با مشقت کا حکم سُنا۔ اقبال سہیل نے بتلایا کہ میں نے مولانا حسرت سے عرض کر دیا تھا کہ مضمون قابلِ اعتراض ہے، شائع نہ کیجئے، میرے حالات اس وقت ایسے نہیں ہیں کہ سزا بھگت سکوں۔

غزل میں سیاسی امور ظفر علی خاں اور حسرت کے ہاں بھی ہیں لیکن نشتریت اقبال سہیل کی دین ہے۔ وہ قوم پرست سیاستداں تھے، مذہبی بنیادوں پر سیاسی جماعتوں کی تشکیل کے خلاف تھے۔ کانگریس اور حکومت میں اقتدار اور دولت پسندوں اور فرقہ پرستوں کے خلاف اپنی رائے کے اظہار میں انھوں نے بے باکی سے کام لیا ہے۔ آزادی کی جدوجہد میں سامراجی ہتھکنڈوں کے خلاف غزلوں اور نظموں میں حسنِ خیال اور حسنِ بیان کی میناکاری جیسی اقبال سہیل کے ہاں ہمیں ملتی ہیں بمشکل ان کے نام کے ساتھ کسی اور کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

یہ بد مذاقی ہی نہیں تنگ دلی بھی ہے کہ اقبال سہیل جس مقبولیت کے مستحق تھے عوام سے وہ نہ پا سکے۔ آپ ان کے مجموعہ کلام "تابش سہیل" کا مطالعہ کر کے اپنے ذوق کی تسکین ہی نہیں تربیت دینے والا محسوس کریں گے۔

میں نے جو کچھ عرض کیا اس کے ثبوت میں اقبال سہیل کے چند اشعار حاضر ہیں:

صیاد مژدہ باد عنادل میں چل گئی
اب کشمکش میں فکر کے آشیاں گی ہے

ساقی سبو بدوش ہے لے ذوقِ تشنہ کام
دستِ طلب میں جرأتِ رندانہ چاہیئے

ننگ ہے بے عمل قبولِ بہشت — یہ تو صدقہ ہوا صلہ نہ ہوا

کوئی دیر و حرم تک یہ مری فریاد پہنچا دے
وہ شیخ و برہمن کیا جو نہ رہ سکتے ہوں انساں بھی

دل خطا وارِ اشتیاق سہی :: لب گنہ گارِ التجا نہ ہوا

● ● ●

بقیہ کوڑھ (صفحہ ۱۳ سے آگے)

تیل مالش، ورزش اور پلاسٹک سرجری کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ مگر ان تمام تدابیر کا استعمال ڈاکٹر کی رائے اور نقص کی نوعیت و درجہ پر منحصر ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ کوڑھ مجموعی طور پر دوسری بیماریوں سے مختلف نہیں ہے نہ تو یہ خاندانی ہے اور نہ ناقابلِ علاج ہے۔ اس سے بچنے کے لئے سب سے بڑی احتیاطی تدبیر یہ ہے کہ ذرا سے بھی شبہ پر ڈاکٹر سے فوری طور پر رجوع کرنا چاہئے اور کسی قسم کے داغ دھبّہ کو ڈاکٹر کو بتانے میں کوئی پس و پیش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ رازداری برتنے ہی سے ہولناک نتائج برآمد ہوں گے۔

مہاراشٹر میں کوڑھیوں کی تعداد

ملک کے ۳۲ لاکھ کوڑھیوں میں سے ساڑھے تین سے لے کر چار لاکھ تک کوڑھی مہاراشٹر میں پائے جاتے ہیں مرض کا اوسط ہر ہزار پر ۸/۷ ہے۔ کوڑھ کی روک تھام کے لئے سنہ ۱۹۵۴ء سے مہاراشٹر میں کوششیں جاری ہیں جن کے باعث اب تک ڈھائی لاکھ مریض دریافت کئے گئے ہیں جن میں سے ۱.۷۲ لاکھ ہر ماہ علاج کیلئے آتے ہیں۔

وردھا، چندر پور، ناگپور، امراؤتی، ایوت مال، اکولہ، عثمان آباد، ناندیڑ، بیڑ، پربھنی، شولاپور اور بمبئی ضلع میں کوڑھ کے مریض سب سے زیادہ ہیں۔ وردھا ضلع میں کوڑھ کے مریضوں کی اوسط تعداد ہر ہزار پر ۸.۸۵ ہے جبکہ رتناگری میں اوسط تعداد سب سے کم یعنی فی ہزار پر ۱.۷۲ ہے

بقیہ زہر کے سوداگر (صفحہ ۶ سے آگے)

اس لئے میں ان سب زہر کے سوداگروں کا کباڑا کرنے کیلئے زندہ رہوں گا۔ اُس اجالے کیلئے زندہ رہوں گا جس کی روشنی میں ملاوٹ کی کوئی تاریکی نہ ہوگی جس کی صاف اور کھلی ہوا میں کوئی آمیزش نہ ہوگی اور میں ان سیٹھوں کے گلوں میں پڑنے والے ہاروں والے اسٹیج کے پیچھے سے سامنے آسکوں گا۔

سرکاری فیصلے اور اعلانات

پرائمری مدرسین کی بھرتی
ایک وضاحت

ضلع انتخابی کمیٹی کی گذشتہ فہرست میں شامل پی۔ ایس۔سی اور پی۔ٹی۔سی امیدواروں کی تقرری کے قوانین سے متعلق کچھ غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ اس لئے پرائمری مدرسین کی تقرری سے متعلق قوانین کی وضاحت حسب ذیل کی گئی ہے :

حکومت کے حکم کے بموجب پی۔ ایس۔ سی اور پی۔ٹی۔سی امیدواروں کو ۳۰ر جون ۱۹۷۲ء کے بعد ضلع پریشدوں کے محکمۂ تعلیم میں بطور پرائمری مدرسین کے مدغم نہیں کیا جائے گا۔

حکومت کی یہ پالیسی ہے کہ تعلیم کے معیار کو اونچا اٹھانے کے لئے بنیادی طور پر اہل ایس۔ ایس۔ سی تربیت یافتہ مدرسین پر غور کیا جائے۔ اگر براہ راست انتخابی کمیٹی کی فہرست میں ایس۔ ایس۔سی تربیت یافتہ مدرس نہ ملیں تو اس صورت میں ایس۔ ایس۔ سی کامیاب امیدواروں کو مختلف مضامین کیلئے بطور خصوصی مدرس (متعلقہ مضمون کیلئے) مقرر کیا جائے اس شرط کے ساتھ کہ انہوں نے ایس۔ ایس۔ سی امتحان انگریزی میں ۴۵ فی صدی نمبروں کیساتھ پاس کیا ہو یا ریاضی یا سائنس میں کم سے کم ۵۰ فیصدی نمبر پائے ہوں۔ پسماندہ طبقات کے لئے محفوظ جگہوں پر پی۔ ایس۔سی تربیت یافتہ مدرسین بطور پرائمری مدرس تقرری کے مستحق ہیں۔ اگر ایس۔ ایس۔ سی امیدوار نہ مل سکیں۔

پروبیشنری مدرسین کی جگہوں کے لئے اگر ایس۔ ایس۔ سی تربیت یافتہ مدرس نہ مل سکیں تو ایسے ایس۔ ایس۔ سی پاس امیدوار جنہوں نے ایس۔ ایس۔ سی امتحان میں انگریزی، ریاضی اور سائنس مضامین میں کم سے کم ۴۵ فیصدی نمبر حاصل کئے ہوں تقرری کے مستحق ہوں گے۔

پی۔ ایس۔ سی، پی۔ ٹی۔ سی اور منتخبہ امیدواروں کے لئے اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ وہ پرائمری مدرسین کی اسامی پر تقرری کے لئے ایس۔ ایس۔ سی اور ڈی۔ ایڈ کی تعلیم حاصل کریں۔

یونیورسٹیوں کا غیر تدریسی اسٹاف
تنخواہ پر نظر ثانی کیلئے ریاستی سطح کی کمیٹی کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کی یونیورسٹیوں اور غیر سرکاری کالجوں کے غیر تدریسی اسٹاف کی موجودہ شرح تنخواہ نیز بھتے اور ملازمت سے متعلق دوسری شرائط و حالات پر نظر ثانی کے سوال کی تفصیل سے جانچ پڑتال کرنے کی غرض سے ریاستی سطح کی ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ یہ کمیٹی اس سلسلہ میں اپنی رپورٹ ریاستی حکومت کو تین ماہ کے اندر داخل کردے گی۔

شری ڈی۔ آر۔ پردھان، ریاستی حکومت کے سابق چیف سکریٹری کمیٹی کے چیرمین ہیں جبکہ مندرجہ ذیل افراد اس کے اراکین ہیں، شری جی۔ بی۔ کلکرنی، سابق ڈین کامرس فیکلٹی، بمبئی یونیورسٹی، ڈپٹی سکریٹری، محکمۂ مالیات، اعلیٰ تعلیم کے نگراں، ڈپٹی سکریٹری محکمۂ تعلیم، اعلیٰ تعلیم کے نگراں اور ڈپٹی ڈائرکٹر برائے اعلیٰ تعلیم ممبر سکریٹری ہیں۔

غیر تربیت یافتہ مدرسین کا تقرر
اسکولوں کو ہدایت

حکومت مہاراشٹر کی ہدایت کے بموجب ریاست کے کسی بھی ثانوی اسکول میں، ۱ر فروری ۱۹۷۴ء سے غیر تربیت یافتہ گریجویٹ یا انڈر گریجویٹ ٹیچر کا تقرر نہیں کیا جائے گا۔

ایسے ادارے جو اشتہار یا دوسری کوششوں کے باوجود تقرری کے لئے تربیت یافتہ مدرسین حاصل نہ کرپائیں گے ان کو بہرحال ایجوکیشن افسران اور ایجوکیشنل انسپکٹران کی اجازت سے غیر تربیت یافتہ مدرسین کے تقرر کی اسی وقت اجازت ہوگی جبکہ ان عہدیداران کو متعلقہ اداروں سے ملنے والی رپورٹ اور اسباب پر یہ اطمینان ہوجائے کہ وہ ٹھیک ہیں۔ یہ عہدیدار ایسے معاملوں میں اجازت دیتے وقت اسباب درج کریں گے۔ منتظمین کو ہدایت کی گئی ہے کہ ایسی رپورٹ ایجوکیشن افسران اور ایجوکیشنل انسپکٹران کو پیش کریں گے۔

ایجوکیشن افسران اور ایجوکیشنل انسپکٹران کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اضلاع میں بیروزگار بی۔ ایڈ۔ اور ڈی ایڈ مدرسین کی ایک الگ فہرست تیار کریں۔ انتظامیہ کو غیر تربیت یافتہ ٹیچر مقرر کرنے کی اجازت دینے سے قبل وہ متذکرہ فہرست سے اولاً یہ پتہ لگائیں گے کہ ایسے

تربیت یافتہ مدرس آیا ابھی تک بیروزگار تو نہیں ہیں۔ اگر بے روزگار تربیت یافتہ مدرس فہرست میں ہوں گے تو ان کے نام اسکول کے انتظامیہ کو بھیجے جائیں گے۔ جو مدرس ایجوکیشن افسران اور ایجوکیشنل انسپکٹران کے پاس اپنے نام درج کرائیں گے ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ جیسے ہی ان کو ملازمت مل جائے اسکی اطلاع انھیں دیدیں۔

مجاہدین آزادی پنشن حاصل کرنے کیلئے

۳۱ مارچ سے قبل درخواست دیدیں

ایسے تمام مستحق مجاہدین آزادی یا ان کے اراکین خاندان کو جنہوں نے حکومت ہند کی مجاہدین آزادی پنشن اسکیم کے تحت ابھی تک پنشن کے لئے درخواست داخل نہ کی ہو ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ مقررہ طریقہ سے اپنی درخواست حکومت ہند کو ۳۱ مارچ ۱۹۷۴ء سے قبل دے دیں۔

اگر ۳۱ مارچ کے بعد درخواستیں موصول ہوں گی تو ان پر غور نہیں کیا جائے گا۔ آئندہ صرف ایسے مجاہدین آزادی کے اراکین خاندان کی درخواستیں لی جائیں گی جن کو پنشن ملتی تھی مگر بدقسمتی سے اب وہ انتقال کر گئے ہیں۔ دوسرے مجاہدین آزادی یا ان کے خاندان کے اراکین کی جانب سے درخواست اسی وقت قبول کیجاسکے گی جبکہ وہ تاخیر کا مناسب سبب اور اطمینان بخش وضاحت پیش کریں گے۔

مرکزی حکومت کی یہ اسکیم ۱۵ اگست ۱۹۷۲ء سے شروع کی گئی تھی اور پنشن کے لئے مستحق افراد سے درخواستیں طلب کی گئی تھیں۔ یہ وضاحت تو کردی گئی تھی کہ جو بھی درخواستیں ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء تک یعنی آزادی کے ۲۵ ویں سال میں موصول ہوں گی ان پر ۱۵ اگست ۱۹۷۲ء سے پنشن دینے پر غور کیا جائے گا بہرحال کوئی آخری تاریخ مقرر نہیں کی گئی تھی۔ یہ اسکیم ایک سال سے زیادہ مدت سے زیر عمل ہے اور غالباً تمام مستحق مجاہدین آزادی اور ان کے خاندانوں کے اراکین نے درخواستیں داخل کردی ہیں اسی لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔

مفاد عامہ خدمات

حکومت مہاراشٹر نے صنعتی تنازعہ ایکٹ بابت ۱۹۴۷ء کے مقاصد سے بمبئی میونسپل کارپوریشن کے تحت مندرجہ ذیل صنعتوں کو ۱۴ فروری ۱۹۷۴ء سے مزید چھ ماہ کے لئے مفاد عامہ خدمات قرار دے دیا ہے: ٹرانسپورٹ (ریلوے کے علاوہ) برائے نقل وحمل، فضلہ، کچرا، پانی، نالیوں کا کیچڑ، گوشت وغیرہ، نیز ہسپتالوں، دواخانوں، زچہ خانوں کی خدمات۔

پونہ کی گندی بستیوں کے ماحول میں سُدھار

حکومت مہاراشٹر نے حکومت ہند کی گندی بستیوں کے ماحول میں سُدھار کی اسکیم کے تحت بعض شرائط پر پونہ میونسپل کارپوریشن کے پراجیکٹ کو منظوری دے دی ہے جس کا مقصد پونہ میں واقع تین گندی بستیوں میں رہنے والے ۴۱،۰۰۰ افراد کو بنیادی ضروریات فراہم کرنا ہے۔ اس پر لاگت ۳۱،۶۷،۰۰۰ روپے آئے گی۔

یہ تین بستیاں یہ ہیں: دادر واڑی شیواجی نگر، ساونت ہسپتال کے مقابل اور بھوانی پیٹھ کوشی واڑی۔

بنیادی ضروریات میں پانی فراہمی، نالیاں، مشترکہ غسلخانے اور پاخانے، موجودہ گلیوں کو چوڑا کرنے اور پکا کرنے نیز سڑکوں پر روشنی فراہم کرنا شامل ہیں۔

ناگپور میں گندی بستیوں کا سُدھار

حکومت مہاراشٹر نے حکومت ہند کی گندی بستیوں کے ماحول میں سدھار کی اسکیم کے تحت ودربھ ہاؤسنگ بورڈ کے پراجیکٹ بعض شرائط کے ساتھ منظور کردئے ہیں تاکہ ناگپور میں واقع تیرہ گندی بستیوں میں رہنے والے ۵۲۸۸۷ افراد کے لئے بنیادی ضروریات فراہم کیجائیں جس کی لاگت ۴۵،۷۹،۰۰۰ روپے ہے۔

بنیادی ضروریات میں پانی فراہمی نالیاں، مشترکہ غسلخانے و پاخانے، موجودہ گلیوں کو چوڑا اور پکا کرنا نیز سڑکوں پر روشنی فراہم کرنا شامل ہیں۔

پسماندہ طبقات کیلئے ہاسٹل

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ چندرپور اور ناگپور میں پسماندہ طبقات کے طالب علموں کے لئے حکومت نے جن ہوسٹلوں کو منظوری دی تھی وہ بالترتیب ورورا ضلع چندرپور اور پل گاؤں، ضلع وردھا منتقل کر دئے جائیں۔ ورورا میں یہ ہاسٹل اسی جگہ جاری کیا جائے گا جو کہ آنند نیکیتن، ورورا نے دی ہے اور پلگاؤں میں سرکاری بلڈنگ میں جاری کیا جائے گا۔

آبکاری لائسنسوں اور پرمٹوں کی تجدید

بمبئی شراب بندی ایکٹ اور خطرناک ادویہ ایکٹ کے تحت جاری کردہ آبکاری لائسنسوں نیز پرمٹوں کی تجدید ۲۵ فروری سے سپرنٹنڈنٹ آف پروہبیشن اینڈ ایکسائیز کے دفتر واقع اولڈ کسٹم ہاؤس بمبئی ۱ میں شروع ہوجائے گی۔ پرمٹ ولائسنس رکھنے والوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ آخری وقت کی بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے لئے

تجدید جلد کرالیں۔

گھریلو استعمال کی معمولی ڈینچر اسپرٹ کے پرمٹ کے سلسلہ میں متعلقہ افراد کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ بغرض تجدید انسپکٹر آف پروہیبیشن اینڈ اکسائز واقع باندرہ اور سنٹرل اکسائز اسٹیشن نزد آپیرا ہاؤس سے رجوع کریں۔ پرمٹوں کی تجدید نیز نئے پرمٹوں کی اجرائی کا کام ۱۵ رمئی کے بعد سے صرف سپرنٹنڈنٹ آف پروہیبیشن اینڈ اکسائز کے دفتر میں ہی ہوگا۔

میڈیکل پریکٹشنروں کے پاس جو لائسنس و پرمٹ ہیں ان کی تجدید سپرنٹنڈنٹ آف پروہیبیشن اینڈ اکسائز، بمبئی کے ذریعہ ہوگی۔

افسران کو الاؤنس

حکومت مہاراشٹر نے کپنسیٹری لوکل الاؤنس لینے کی سہولت تنخواہ کے سپر ٹائم اسکیل والے افسران کو بھی یکم فروری ۱۹۷۴ء سے دیدی ہے۔

خریف پروگرام کے لئے پانی

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ وہ ایسے کسانوں پر کوئی محصول نہ لگایا جنہوں نے ۱۹۷۳-۷۴ء کے زبردست خریف پروگرام کے دوران مقررہ یا غیر مقررہ دریاؤں، تالابوں، نالوں اور نہروں وغیرہ جیسے مختلف ذرائع سے حکومت کی زیادہ غلہ اگاؤ ہدایت کے بعد پانی استعمال کیا ہے۔

ہریجن بھلائی مشاورتی بورڈ

حکومت مہاراشٹر نے شری ایکناتھ جادھو اور شری جگن ناتھ جادھو کو نئے تشکیل شدہ مہاراشٹر اسٹیٹ ہریجن ویلفیر ایڈوائزری بورڈ میں اضافی غیر سرکاری ممبران کی حیثیت سے مقرر کیا ہے۔

چھوٹی بچت کے لئے ریاستی مشاورتی بورڈ

حکومت مہاراشٹر نے شری وی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کی زیر صدارت چھوٹی بچت کے لئے مہاراشٹر اسٹیٹ ایڈوائزری بورڈ کی دوبارہ تشکیل کی ہے، شری ایم۔ ڈی چودھری، وزیر مالیات چھوٹی بچت اور نگلاٹ اسکے چیرمین ہیں۔

ڈائرکٹر آف اسمال سیونگس اینڈ اسٹیٹ لاٹری اس بورڈ کے ممبر سکریٹری اور ریجنل ڈائرکٹر آف مہاراشٹر ریجن آف نیشنل سیونگس اس کے ممبر جائنٹ سکریٹری ہیں۔

اصولاً اس بورڈ کے لئے کوئی مدت کار مقرر نہیں کی گئی ہے۔ البتہ ہر سال غیر سرکاری ممبران کی ایک تہائی تعداد سبکدوش ہوجایا کرے گی اور ان کی جگہ نئے ممبران مقرر کئے جائیں گے۔ بہرحال نیا تشکیل شدہ بورڈ ۳۱ رمارچ ۱۹۷۵ء تک برقرار رہے گا۔

ایک کروڑ روپے کی مالیت کے بونڈ حکومت کی ضمانت

حکومت مہاراشٹر نے بعض شرائط پر مہاراشٹر اسٹیٹ فنانشیل کارپوریشن کے ۱۰۰ لاکھ روپے قیمت کے بانڈز کی ضمانت دی ہے۔ یہ ضمانت اصل رقم اور چھ فیصدی سالانہ سود کے ساتھ آمدنی ٹیکس وضع کرکے واپس کرنے کے لئے ہے۔

حکومت نے ۱۰۰ لاکھ سے دس فیصدی زائد رقم آنے کی صورت میں بھی اس زائد رقم پر چھ فیصدی سود کے ساتھ اصل رقم واپس کرنے کی بھی ضمانت دی ہے۔

متذکرہ ضمانت کی ½ ذمہ داری گوا، دمن اور دیو کی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ حکومت مہاراشٹر کے ساتھ اس حکومت کا ایسا معاہدہ ہوا ہے۔

کولھاپور ضلع ترقیاتی صلاحکار کونسل

حکومت مہاراشٹر نے ضلع کولھاپور کے لئے ضلع ترقیاتی صلاحکار کونسل میں مندرجہ ذیل افراد کو بطور سرکاری اراکین متعین کیا ہے۔ شری شیواجی راؤ دتاتریہ دیسائی، کولھاپور، شری جیاکمار بی۔ پاٹل، کولھاپور، ڈاکٹر وٹھل راؤ باپو راؤ گھوگے، کولھاپور اور شری مارتی ماڑ مالی کولھاپور۔

پانی فراہمی اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے ۲۱,۲۰,۰۰۰ روپے کے قرضہ کی واپس ادائیگی کی ضمانت لائف انشورنس کارپوریشن آف انڈیا کو دی ہے۔ یہ رقم بعض شرائط پر ناندیڑ ضلع پریشد اپنی دیہی علاقہ میں پینے کے پانی کی نلوں کے ذریعہ فراہمی اسکیم کو مکمل کرنے کے لئے کارپوریشن سے حاصل کرے گی۔

مدت میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے ٹینریز اور چمڑا سازی صنعت سے متعلق کم از کم اجرت کمیٹی کی جانب سے رپورٹ داخل کرنے کی مدت میں ۳۰ راپریل ۱۹۷۴ء تک کی توسیع کردی ہے۔

مراٹھی فلم پر ٹیکس معاف

حکومت مہاراشٹر نے ریاست بھر میں فوری طور سے مراٹھی فلم وارلڈی آنی وا جنتری کو بعض شرائط کے تحت تفریحی ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کردیا ہے۔

مہاراشٹر کا سالانہ پلان بابت سنہ ۷۵-۱۹۷۴ء

صرف انتہائی اہم اسکیمات کو ترجیح

سالانہ منصوبہ برائے سال سنہ ۷۵-۱۹۷۴ء کے مالی ذرائع محدود ہونے کے مدنظر ریاست کا اگلے سال کا سالانہ منصوبہ زراعت، سینچائی، صنعت اور پاور کی ترقی سے متعلق اہم اسکیموں کے لحاظ سے وضع کیا جا رہا ہے جبکہ دیگر سیکٹروں میں اخراجات کم سے کم رکھے جائیں گے۔

یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ سڑک سدھار کیلئے ملنے والی رکھی گئی رقم متعدد کاموں پر نہ پھیلائی جائے بلکہ ان چند کاموں پر توجہ مرکوز کی جائے جس کے لئے آئندہ سال کے سالانہ منصوبہ میں کافی گنجائش رکھنا ہوگی۔ ایسے علاقہ جات کو قدرے پاسنگ دینا ہوگا جو ضلع کے اندر مقررہ سڑک لمبائی (۱۰۰ مربع کلومیٹر کے حساب سے) کے لحاظ سے پس ماندہ ہیں اس طرح صرف لازمی مدات پر توجہ دی جائے اور ۱۵۰۰ یا اس سے زیادہ آبادی رکھنے والے دیہاتوں کو ہر موسم میں آمد و رفت کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے اہل ترین ضرورت پروگرام کے تحت سڑکوں کو پکا بنانے کا کام شروع کیا جائے گا۔

زیادہ مصارف کے ڈرینج کام صرف ایسی صورتوں میں شروع کئے جائیں گے جبکہ وہ لازمی ہوں۔ محض اشاف اسکیمات پر غور نہ ہوگا۔ دیگر نئی اسکیمات یا توسیع اسکیمات کے لئے عملہ کی تجاویز کم سے کم رکھی جائیں۔ تعلیم کے نئے نظام (۳+۲+۱۰) کی عمل آوری کے لئے مصارف خصوصاً بڑی مدات پر کم لئے جائیں گے اور اس مقصد سے ٹکنیکل اسکول آئی۔ ٹی۔ آئی۔ ایس اور پالی ٹیکنک وغیرہ کی شکل میں موجودہ سہولتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے گا۔

اس طرح تعمیرات پر صرفہ کم سے کم رکھا جائیگا نیز ساز و سامان پر خرچ صرف لازمی مدات تک محدود رکھا جائے گا۔ صحت عامہ پروگرام کے تحت صحت سروس کے سدھار کی تجاویز پر زور دیا جائے گا اس ضمن میں نئی اسکیمات یا موجودہ اسکیموں کی جو سدھار سے متعلق نہیں ہیں آئندہ کیلئے ملتوی کر دی جائیں گی۔

تعلیم یافتہ بے روزگار اشخاص کو خود روزی کمانے کے قابل بنانے کے لئے خاص پروگرام کے سلسلے میں وضع کی گئی اسکیمات پانچویں منصوبہ میں جاری رکھی جائیں گی اور گنجائش ریاست کے سالانہ منصوبہ برائے سال سنہ ۷۵-۱۹۷۴ء کی جس کے اندر رکھی جائے، کیوں کہ حکومت ہند نے تجربتاً یہ فیصلہ کیا ہے کہ پانچویں پلان کی مدت کے دوران ان اسکیمات کو مرکز کی زیر سرپرستی اسکیما کی حیثیت سے ختم کر دیا جائے۔

ضلع منصوبہ بندی بورڈوں سے کہا گیا ہے کہ وہ سالانہ منصوبہ بابت سنہ ۷۵-۱۹۷۴ء کیلئے تجاویز بناتے وقت پلاننگ سب کمیٹی کے ان فیصلوں کو ذہن میں رکھیں۔ جن ضلع منصوبہ بندی بورڈوں نے آئندہ سال کے سالانہ منصوبہ کے لئے تجاویز فی الحال منظور کر دی ہیں ان کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ مذکورہ بالا فیصلوں کی روشنی میں ان پر نظر ثانی کریں اور حسب ضرورت تبدیلی کریں۔

مضافات بمبئی میں کلچرل پروگرام

خدشات غلط ہیں

چیمبور سے ملنڈ تک کے علاقہ میں ایک حالیہ جائزے سے یہ پتہ چلا ہے کہ وہاں مقیم باشندوں خاص طور سے جنوبی ہند کے باشندوں کی انفرادی یا سماجی سرگرمیوں میں مداخلت کے خدشات کے بارے میں خبریں بے بنیاد ہیں۔ مضافات بمبئی کے باشندے جنوبی ہند کے باشندوں سمیت اپنے سماجی اور ثقافتی کام اور فرائض کھلے طور پر آزادی سے انجام دے رہے ہیں انہیں مداخلت کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ان علاقوں میں متعلقہ پولس کے حکام کو وہاں کے باشندوں کی جانب سے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال اور بعض صورتوں میں ۱۲ بجے شب کے بعد بھی انہیں استعمال کرنے کی اجازت کے لئے برابر درخواستیں موصول ہو رہی ہیں۔ چھوٹے پیمانے پر تقریبات جن میں لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن جن میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں برابر منعقد ہو رہی ہیں۔

۲۵ جنوری سنہ ۱۹۷۴ء کو فورٹ میں شیو سینا مورچہ کے بعد سے جب سے کہ بعض حلقوں میں ان خدشات کا اظہار کیا جا رہا ہے ایسے پروگرام منعقد ہو رہے ہیں اور ہر صورت میں پُرامن طور سے ختم پذیر ہوتے ہیں۔

چیمبور کے سبرامنیم سماج نے اپنا تھائی پُشیم مہوتسو ۲۶ جنوری سے ۶ فروری تک منایا۔ مہوتسو کے سلسلہ میں ان کے جلوس نے آزادی

کے ساتھ چیمبور اور گھاٹ کوپر علاقہ میں گشت کیا۔

سروا جینک سرسوتی پوجا کیٹی، کنتوار نگر کھرولی نے ۸ بجے سے ۱۲ بجے شب تک بلا رکاوٹ پوجا پاٹ کی۔ اسی طرح ۳۰ جنوری کو جنوبی ہندوالوں نے بڑی تعداد میں بھانڈوپ کے تھر ودلور منرم اکرسنکرانتی تہوار میں شرکت کی۔

چیمبور کی شانتی ناہتمیا پوجا سمیتی نے ۱۹ فروری کو اپنی ساتویں سالانہ تقریب اور ملنڈ (مغرب) کی ملنڈ فائن آرٹس سوسائٹی نے ۲۷ جنوری کو اپنا ماہانہ کرناٹک پروگرام منعقد کیا۔ نیز ملنڈ بھجن سماج نے ۶ فروری کو اپنا تھائی پُشیم فیسٹیول اور ایف سی آئی ایپلائز پونگل کیٹی نے ۱۹ اور ۲۰ جنوری کو ایف سی آئی اسپورٹس کلب چیمبور میں پونگل فیسٹیول منایا۔

چیمبور کی فائن آرٹ سوسائٹی نے جو ساوتھ انڈین میوزک پروگرام منعقد کرتی ہے۔ چیمبور میں واقع گاندھی میدان ۲۶ جنوری سے ۲ فروری تک اپنے پوجا فیسٹیول کے لئے محفوظ کرایا تھا۔ ہر روز تقریباً ۲۰۰۰ جنوبی ہند کے باشندے اس پروگرام میں شریک ہوتے تھے۔

اضلاع میں اناج وصولی

ضلع ناندیڑ کے بلولی تعلقہ میں ۳۳ موضع جات اناج وصولی (لیوی) سے آزاد ہوگئے ہیں، کیوں کہ انھوں نے اجارہ دارانہ اناج خریداری کی ریاستی اسکیم کے تحت لیوی کی مانگ پوری کردی ہے۔ تعلقہ میں ۱۴ فروری تک ۵۸۳،۸ کنٹل اناج جمع ہوچکا تھا۔

اس تعلقہ کے ۲۴ دیہات 'لیوی' سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ ان کی آمدنی چھ آنے سے کم ہے۔

ناندیڑ ضلع میں ۱۹۴،۵۵ کنٹل اناج جمع ہوچکا ہے جس میں ۸۳۲،۵۰ کنٹل جوار اور بقیہ مقدار دھان کی ہے۔

ضلع جلگاؤں میں مذکورہ اسکیم کے تحت گذشتہ ۲۰ فروری تک ۵۳۲،۱۶۲ کنٹل اناج وصول ہوچکا تھا جس میں ۶۳۹،۱۰۱ کنٹل جوار اب تک ضلع کے ۵۰ دیہات لیوی سے آزاد ہوگئے ہیں۔

ضلع ناسک میں اجارہ داری خریداری اسکیم کے تحت فروری کے آخری ہفتہ تک ۱۷۶،۱۴۱ کنٹل اناج خریدا گیا جس میں ۶۶،۰۴۰ کنٹل باجرہ، ۸۲۴،۶۷ کنٹل دھان، ۶۸۳،۲ کنٹل جوار، ۱۳،۷ کنٹل ناگلی، ۴۵،۷ کنٹل اڑد اور ۱۸۰ کنٹل مونگ شامل ہے۔

اب تک ۲۷۷ دیہات لیوی کا پورا کوٹہ دے کر لیوی سے چھٹ گئے ہیں۔ ضلع میں ۹۳ خریداری مراکز ہیں۔

ریاستی ہندی ڈرامہ مقابلہ 'کہانی دس ہزار کی' اوّل رہا

حکومت مہاراشٹر کے ڈائریکٹوریٹ آف کلچرل افیئرس نے تیرھویں ریاست مہاراشٹر ناٹیہ مہوتسو کے ایک حصہ کے طور پر ناگپور میں ہندی ڈرامہ مقابلہ منعقد کیا تھا جس میں بال نرتیہ ناٹیہ کیندر، بمبئی کو اُس کے ڈرامہ "کہانی دس ہزار کی" پر ایک ہزار روپے کا اوّل انعام ملا اور سنٹرل ریلوے کلچرل اکاڈمی، بمبئی کو اُس کے ڈرامے "تین چوک تیرہ" پر ۵۰۰ روپے کا دوسرا انعام ملا۔ تیسرا ۲۵۰ روپے کا انعام وِدیک سمیتی، امراوتی کے ڈرامہ "اندھیرے کا بیٹا" پر ملا۔

بہترین ہدایت کاری کے لئے ۲۵۰ روپے کا اوّل انعام شری رمیش ہوناور اور شری رمیش لونڈھے کے مابین مساوی طور پر بالترتیب "کہانی دس ہزار کی" اور "اندھیرے کا بیٹا" کے لئے تقسیم کیا گیا۔ دوسرا انعام ۱۵۰ روپے کا شری رام ادھار باجپئی کو "تین چوک تیرہ" کیلئے ملا۔

بہترین سیٹنگ کے لئے ۵۱ روپے کا انعام شری اشوک ناگرکر کو "چاچا زندہ باد" کے لئے ملا اور ۵۱ روپے کا بہترین روشنی کا انعام اشوک مکھرجی کو "بکھرے سپنے" کے لئے ملا۔

بہترین اداکاری پر میرٹ کے چار انفرادی انعامات جن میں فی انعام ۱۰۱ روپے اور ایک چاندی کا تمغہ شامل ہے ان اداکاروں کو ملا: شری ارشاد ہاشمی (کہانی دس ہزار کی میں "رام"): شری دوارکا دھیش آپٹے (دھوپ چھائے میں 'داداجی')، شریمتی سہاسنی آدرکر ('اکیلا جیو سداشیو' کی مسز ددئی بھوڑے) اور کماری سنگیتا بھوسلے (برف کی مینار کی 'آیا')۔

مندرجہ ذیل چار اداکاروں کو میرٹ سرٹیفکیٹ کے لئے سفارش کی گئی: شری رمیش ہوناور (کہانی دس ہزار کی)، شری دگمبر نینار (بکھرے سپنے)، کماری کمل جیت کور سوہل (اندھیرے کا بیٹا) اور شریمتی منو بھاٹیہ (تین چوک تیرہ)۔

بہترین اسکرپٹ کے انعامات کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

شری نرائن گوالنی، شریمتی تارا انگد دیو اور شری ستیہ پال پٹیت نے ججوں کے فرائض انجام دیے۔

ضلع ناسک مشاورتی ترقیاتی کونسل

حکومت مہاراشٹر نے حسب ذیل غیر سرکاری اشخاص کو ناسک ضلع ترقیاتی مشاورتی کونسل کا رُکن مقرر کیا ہے۔ شری وینکٹ راؤ بی۔ ہیرے، پورتی، گوکھلے کالونی، ناسک سودم۔ بی۔ منگائے ایڈوکیٹ، ستر اور شری دیوکشن سارڈا، نندنی، ناسک۔

اسمبلی کی کارروائیاں

گورنر مہاراشٹر، شری علی یاورجنگ نے کونسل
ں بمبئی میں ۱۱ر فروری کو ریاستی مجلس قانون ساز
ے بجٹ اجلاس کے آغاز پر دونوں ایوانات سے خطاب
یا۔

اسمبلی کے پہلے ہفتہ مختتمہ ۱۵ر فروری کے دوران
ابل ذکر کارروائی یہ ہے : التوا کی دو تحریکیں اور
ین غیر سرکاری تجاویز نیز مہاراشٹر میونسپلٹیز اور دیگر
وانین (ترمیم) بل پر بحث۔ آخرالذکر بل بحث ناتمام
ہنے کی وجہ سے پاس نہ ہو سکا۔

شری آر۔ کے۔ مہالگی نے ورلی، بمبئی میں
ار فروری کو پولس فائرنگ کے سلسلے میں پہلی
تحریکِ التوا پیش کرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ پولس
نے ورلی میں صورت حال سے نپٹتے وقت جانبدارانہ رویّہ
ختیار کیا تھا۔ آپ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس واقعہ
ی عدالتی تحقیقات سے یہ مسئلہ اور ابتر ہو جائے گا۔
ہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ دونوں ایوانات کے ممبران
رمشتمل ایک کمیٹی قائم کی جائے جو اس مسئلہ کے تمام
پہلوؤں پر غور کرے۔

سرو شری ڈی۔ بی۔ پاٹل، کیشوراؤ دھوندگے
ٹل، وی۔بی۔ لنگھے اور پرمود نولکر نیز شریمتی
ری نال گورے نے شری مہالگی کے مطالبے کی
ئید کی۔

شری اے۔ ایچ ہمدانی نے یہ الزام لگایا کہ
وزیشن عدالتی تحقیقات کے اس لئے خلاف ہے
بعض اپوزیشن پارٹیاں ہی اس واقعہ کی ذمہ دار ہیں
شری ایس۔ ایس۔ دیگھے نے جو خود بھی ورلی
علاقہ کے ایک باسی ہیں، یہ خیال ظاہر کیا کہ کسی خاص
پارٹی کو موردِ الزام ٹھہرانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ تو سماج
کے اونچے خوشحال اور پسماندہ طبقات کے مابین قدیم
امتیازات کا قدرتی نتیجہ ہے۔

سرو شری آر۔ اے۔ کھیرے اور پرمود نولکر نے
بھی اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر ریاست برائے
امور داخلہ نے بحث کا جواب دیتے ہوئے اعلان کیا
کہ اس واقعہ کے معاملہ میں عدالتی تحقیقات کرائی
جائے گی۔ یہ فیصلہ اس لئے کیا گیا ہے کہ بعض طبقات
کو بظاہر پولس پر اعتماد نہیں رہا ہے جو سرکاری مشینری
کا ایک اہم شعبہ ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ لوگوں
پر اصل صورت حال واضح کرنا ضروری ہے، لہٰذا
یہ عدالتی تحقیقات رکھی گئی ہے۔

شری پوار نے آگے فرمایا کہ حکومت کو دلت
پنتھروں سے ہمیشہ ہمدردی رہی ہے۔ وزیر اعلیٰ بذاتِ
خود اس تنظیم کے لیڈروں کے ساتھ کھلے دل سے
تبادلۂ خیال کر چکے ہیں۔ لہٰذا آپ نے ممبران سے یہ
اپیل کی کہ وہ دلت نوجوانوں میں اعتماد بحال کرنے
اور اس علاقہ میں زندگی کو معمول پر لانے میں حکومت
کے ساتھ تعاون کریں۔

ازاں بعد ایوان نے کثرتِ رائے سے یہ
تحریکِ التوا رد کر دی۔

دوسری تحریکِ التوا شریمتی مری نال گورے نے
پیش کی جو بھیونڈی میں ہڑتالی پاور لوم ورکروں پر پولس
کی فائرنگ سے متعلق تھی۔ شریمتی گورے نے کہا کہ
کم سے کم اجرت کے سلسلے میں ان ورکروں کی ہڑتال
قریب الختم تھی کیونکہ حکومت کی جانب سے ان کے
مطالبات مان لئے گئے تھے۔ بہرحال صورت حال
اسوقت بدتر ہوئی جب بعض پاور لوم کارخانوں
کے مالکان نے ان کا مطالبہ منظور نہیں کیا۔ آپ نے
مزید کہا کہ پولس فائرنگ قطعی جائز نہیں تھی۔

سرو شری اے۔ ٹی۔ پاٹل، ایس۔ ڈی۔ ناتو،
وی۔بی۔ لنگھے، پرمود نولکر، جیانند مٹکر اور ڈی۔بی
پاٹل نے تحریکِ التوا کی تائید کی۔

ایک مرتبہ اور جواب دیتے ہوئے شری پوار
نے یہ وضاحت کی کہ پولس نے صرف اپنی حفاظت
کے لئے گولی چلائی تھی۔ اس واقعہ پر اپوزیشن ممبران
کے بیان میں تضاد ہے۔ آپ نے پھر یہ اعلان کیا کہ
اس واقعہ کے بارے میں عدالتی تحقیقات ہوگی۔

اس کے بعد تحریک التوا پر رائے لی گئی اور یہ
بھی رد کر دی گئی۔

مذکورہ ہفتہ کے دوران ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر
شہری ترقیات نے مہاراشٹر میونسپلٹیز اور دیگر قوانین
(ترمیم) بل پیش کیا جس کا مقصد شہروں میں میونسپل
وارڈوں کی از سرِ نو تنظیم نیز ان میونسپلٹیوں کے انتخابات
ملتوی کرنا ہے۔ ڈاکٹر زکریا نے فرمایا کہ بل اس کمیٹی
کی سفارشات پر مبنی ہے جو شری جی۔ ایس۔ نائک،
وزیر ریاست برائے شہری ترقی کی زیر صدارت
ریاست میں میونسپل انتظامات پر غور کرنے کے لیے
مقرر کی گئی تھی۔

شری کے۔ ڈی۔ بھینگڈے نے یہ تجویز پیش

کی کہ یہ بل دونوں ایوانوں کی ایک مشترکہ کمیٹی کے حوالے کیا جائے تاکہ اس میں بعض خامیوں کو دور کیا جا سکے ۔

شری لونیت بارشیکر نے اس تجویز کی حمایت کی جبکہ شری ایس۔ایس۔ دھینگے نے اسکی مخالفت کی

سرو شری ٹی۔ ایس ۔ کارخانس اور ایس۔پی۔ سالوے نے میونسپل نظم ونسق میں بڑھتی ہوئی بدعنوانی پر تشویش کا اظہار کیا ۔

سرو شری کدم پاٹل ' دی۔ اے۔ دیشمکھ ' بی۔ بی۔ کھبجرے' ولاس لوناری ' وی۔ ایس ۔ پاٹل' ڈی ۔ ایس نا ندیکر' کے ۔ بی۔ ہیکے ' نیورتی گائیدھنی ' اے۔ اے ۔ وان کھیڈے اور دیگر ممبران نے بھی اظہار خیال کیا ۔

اپنے جواب میں ڈاکٹر زکریا نے اس الزام کی تردید کی کہ میونسپل انتخابات کے التوا میں سیاسی مقصد کار فرما ہے ۔ میونسپل وارڈوں کی نئی تنظیم میں کچھ وقت لگے گا۔ لہٰذا انتخابات اکتوبر کے اختتام سے قبل نہیں ہو سکتے ۔

اس بل پر بحث نا تمام رہی ۔

تین غیر سرکاری تجاویز میں سے اوّل شری آر۔ کے مہالگی نے پیش کی اور یہ مشورہ دیا کہ شیواجی مہاراج کا سہ صد سالہ جشن تاج پوشی رائے گڑھ میں دھوم دھام سے منایا جائے ۔ آپ نے اس سلسلے میں اور بھی تجاویز پیش کیں ۔

شری اے ۔ این ۔ نامجوشی ' وزیر تعلیم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ شری مہالگی کی پیش کردہ بیشتر تجاویز پر وہ کمیٹی غور وخوض کر چکی ہے جو حکومت نے یہ جشن منانے کے لئے پروگرام بنانے کے مقصد سے مقرر کی ہے ۔ آپ نے یہ بھی یقین دلایا کہ دیگر تجاویز پر بھی غور کیا جائے گا ۔

اس جواب کے بعد مجوز رکن نے اپنی تجویز واپس لے لی ۔

دوسری تجویز شری ایس۔ جی۔ گھولپ نے پیش کی جس میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ ریاست میں تعلقہ جات کے مابین چاول کی نقل وحرکت پر لگی پابندی اٹھالی جائے ۔ سرو شری گیانن لوکھے اور ای۔ پی ۔ سالوے نے اس تجویز کی حمایت کی ۔ سرو شری کے ۔ ایس ۔ ہیکے ' راج بھان ستری' ایس۔ ڈی ناتو اور دیگر اراکین نے بھی تقریر کی ۔

اپنے جواب میں شری ایچ ۔ جی ورتک ' وزیر خوراک اور سول سپلائیز نے فرمایا کہ یہ مالدار کسان ہیں جو یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ چاول کی مابین تعلقہ جات نقل پر پابندی اٹھالی جائے ۔ یہ پابندی عائد کرنا ضروری تھا تاکہ ضرورت مندوں کو چاول مل سکے نیز ان اضلاع میں لوگوں کو یقینی طور سے مناسب فراہمی ہو جہاں چاول انکی خاص غذا ہے ۔ مزید برآں اگر پابندی اٹھالی جائے تو اجارہ داری وصولی اسکیم پر بُرا اثر پڑے گا آپ نے مزید فرمایا کہ اسی کے ساتھ ریاستی حکومت کی پالیسی مرکزی حکومت کی پالیسی کے موافق ہونی چاہیے ۔

ازاں بعد شری گھولپ نے تجویز واپس لے لی ۔

شریمتی مری نال گورے کی پیش کردہ تیسری تجویز میں ہاؤسنگ فنانس کارپوریشن کی جانب سے قرض تقسیم کرنے کے کام میں مبینہ بدنظمی کے بارے میں عدالتی تفتیش کا مطالبہ کیا گیا ۔

شری ایف ۔ ایم ۔ پنٹو نے حمایت کی جبکہ نول چند ٹوکیا نے مخالفت کی ۔

شری وائی ۔ جے ۔ موہتے ' وزیر امداد باہمی نے یہ یقین دلایا کہ اگر ممبران قابل اعتماد ثبوت کے ساتھ کارپوریشن کے خلاف رپورٹ پیش کریں تو حکومت خاطی کے خلاف ضرور اقدام کرے گی ۔ آپ نے مزید فرمایا کہ عدالتی تفتیش سے کارپوریشن کی کارگذاری کو سُدھارنے میں کوئی مدد نہ ملے گی ۔

یہ تجویز بھی محرک نے واپس لے لی ۔

وزیر زراعت ' شری ایس ۔ بی ۔ چوان نے ممتاز صحافی شری وال چند کوٹھاری اور مشہور سماجی کارکن وسابق ایم۔ایل۔ اے شری واٹا نے کے انتقال پُرملال پر تجویز تعزیت پیش کی ۔

سرو شری ڈی۔بی۔ پاٹل ' ڈی۔ایس۔ مسکر' آر۔ کے۔ مہالگی ' کیشوراؤ سُندرے پاٹل اور کڈو پاٹل نے مرحومین کو خراج عقیدت پیش کیا ۔

شری ایس۔ کے ۔ وانکھیڈے ' اسپیکر نے بھی اظہار رنج وملال کیا ۔

مرحومین کی یاد میں ایوان دو منٹ احتراماً خاموش رہا ۔

●●

چھوت چھات کے جرائم
فوری تحقیقات کے اقدامات

حکومت مہاراشٹر نے ہر حلقہ پولس میں موجود شراب بندی اور چھوت چھات جرائم سے متعلق مامور دستہ کو ہدایت کی ہے کہ چھوت چھات قانون کے تحت جرائم کی فوری طور سے چھان بین کی جائے ۔

اس کے افسران کا کام یہ ہے کہ چھوت چھات کے بارے میں معلومات اکٹھا کرے اور چھان بین کرے ۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولس کے درجہ کے افسر کے سپرد یہ کام ہے کہ وہ خلاف ورزیاں پر جگہ کا معائنہ کرے ' چھان بین کی نگرانی کرے ' غیر معمولی نوعیت کی شکایتوں پر نیز پیچیدہ معاملات میں ذاتی طور سے تحقیقات کرے ۔

مزید برآں تمام پولس تھانوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ وہ ایسے جرائم کا اندراج کرکے فوراً خاص رپورٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولس کے پاس بھیجدیں جو تحقیقات کا کام مامور دستہ کے افسران اور مقامی کرائم برانچ کے سپرد کریگا ۔

کونسل کا اجلاس

۱۱ر فروری کو ریاستی مجلس قانون ساز کے مشترکہ اجلاس سے گورنر کے خطبے کے بعد ایوان کونسل کا الگ اجلاس ہوا۔

شری ایس۔ اے۔ شندے نے گورنر کے خطبہ پر "تجویز تشکر" پیش کی اور شری رام میگھے نے اس کی تائید کی۔

۱۵ر فروری کو ختم ہونے والے ہفتہ کے دوران ایوان نے مندرجہ ذیل بل پاس کئے،

بمبئی ہومیو پیتھک اور بائیوکیمک معالجین (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۳ء۔ مہاراشٹر زراعتی پیداوار خرید و فروخت (باقاعدگی) (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۳ء

شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے کل ۳,۳۲,۳۵,۵۹,۰۳۷ روپے کے ضمنی مطالبات ایوان کے سامنے پیش کئے۔

شری اُتم راؤ پاٹل نے ایک تجویز پیش کی جس میں حکومت کی توجہ اس بے چینی کی جانب مبذول کرائی گئی تھی جو ناکافی اناج فراہمی اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کے باعث پیدا ہوئی ہے۔

اس تجویز پر بولتے ہوئے شری ایم۔ یو۔ لہانے نے فرمایا کہ دیہی علاقہ جات میں تقسیم اناج کا کام قابل اطمینان نہیں ہے۔ شری ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ موجودہ صورت حال سے نزاع اور افراتفری پھیلے گی۔ شری وی۔ جی۔ ہنڈے نے یہ شکایت کی کہ مالدار کسان تو اپنا 'اناج۔ لیوی کوٹہ' نہیں دے رہے ہیں جبکہ چھوٹے کسانوں سے زبردستی اناج وصول ہو رہی ہے۔ شری سی۔ آر۔ کھانولکر نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ مہاراشٹر بھی گجرات کے راستے پر چلے گا۔

شری پی۔ جی۔ پردھان نے یہ شکایت کی کہ ضروری اشیاء لوگوں کو نہیں مل رہی ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ شکر کی پیداوار میں اضافہ کے باوجود اس کا بھاؤ بڑھ گیا ہے۔

شری ایس۔ اے۔ شندے نے کہا کہ اس تجویز سے لوگوں کی بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔ میرے خیال میں یہ انتہائی ضروری ہے کہ تمام کنٹرول اٹھالئے جائیں تاکہ بڑھتی ہوئی قیمتوں کا مسئلہ حل ہو۔ شری رام میگھے نے درخواست کی کہ اشتعال انگیز زبان اختیار کرکے معاملات کو الجھایا نہ جائے۔

سروشری وی۔ جی۔ دیشپانڈے، منوہر جوشی اور شری جی۔ پی۔ بھکے نے بحث میں حصہ لیا۔

وزیر ورتک کا جواب

بحث کا جواب دیتے ہوئے وزیر محصول شری ایچ۔ جی۔ ورتک نے فرمایا کہ افراط زر، اناج کی کمی اور اس کے ساتھ 'تگ کمی' وغیرہ سے فصلوں کے نقصان کے باعث قیمتیں بڑھیں۔ پٹروکیمیکل صنعت سے متعلق پیداوار دنیا بھر میں بڑھی۔ ایکسائز ڈیوٹی میں اضافہ سے شکر کا بھاؤ بڑھا۔ آپ نے مزید بتایا کہ ریاست گجرات کی عائد کردہ پابندیوں کے باعث تیل کے بھاؤ میں اضافہ ہوا۔ اس معاملہ میں مرکزی حکومت کو توجہ دلائی گئی ہے۔

شری ورتک نے فرمایا کہ کٹھن حالات میں ریاستی حکومت نے بنولہ، تیل، میٹھے تیل اور وناسپتی کی سپلائی بڑی مقدار میں برقرار رکھی۔ دیگر ریاستوں سے اناج حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ منڈی میں فصل ربیع کا اناج پہنچ جانے سے اناج کا بھاؤ کم ہوگا۔ آپ نے مزید بتایا کہ ریاستی حکومت نے مرکز سے درخواست کی ہے کہ موٹے اناج پر سے پابندی اُٹھالی جائے۔

ذخیرہ اندوزی کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے شری ورتک نے فرمایا کہ دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں ریاستی حکومت نے ذخیرہ اندوزوں کے ساتھ زیادہ سختی کا برتاؤ کیا ہے۔

پاگے کمیٹی کی سفارشات

شری این۔ ایم۔ تڈکے، وزیر محنت نے بتایا کہ زراعتی مزدوروں کی اقل ترین اُجرت کے بارے میں پاگے کمیٹی کی سفارشات حکومت ۲۴ر مارچ سے نافذ کرے گی۔ زراعتی مزدوروں کی اقل ترین اجرت کے معاملہ میں حکومت نے کوئی سرد مہری نہیں برتی ہے۔

وزیر موصوف شری ایچ۔ جی۔ ہنڈے کی جانب سے پاگے کمیٹی پر اٹھائی گئی بحث کا جواب دے رہے تھے۔

سروشری این۔ ڈی۔ پاٹل، وی۔ جی۔ دیشپانڈے، رام میگھے، ایم۔ یو لہانے اور جی۔ پی۔ بھکے نے بحث میں حصہ لیا۔

اپوزیشن نے ورلی کے ہنگامہ اور بھیمڑی میں پولس فائرنگ پر التوا کی دو تحریکیں پیش کیں جنھیں ایوان نے رد کر دیا۔

پندرہ روزہ

قومی راج

جلد : ۱   یکم اپریل ۱۹۷۴ء   شمارہ : ۵

قیمت : فی پرچہ : ۲۵ پیسے   سالانہ : ۵ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔ اے۔ ایس

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ، حکومت مہاراشٹر ، سچیوالیہ ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخنہائے گفتنی

نہایت مختصر مدت میں "قومی راج" نے قارئین کے دلوں میں جگہ بنالی ہے اور ہر حلقہ سے اس رسالہ میں دلچسپی اور اشتیاق کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہ بات ہمارے لئے بجا طور پر فخر اور مسرت کی ہے۔ تاہم اپنی کارکردگی سے ہم ہنوز مطمئن نہیں ہیں اور ہم نئی منزلوں کی جانب اپنا سفر جاری رکھیں گے۔

گزشتہ سال ملک بھر میں اقبال صدی کی تقاریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی تھیں اور امسال امیر خسرو کا جشن منانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ "قومی راج" کی کوشش ہوگی کہ اس موقع پر زبان و ادب، علم و دانش اور فنونِ لطیفہ کے آسمان کے اس روشن ستارے کی زندگی اور کارناموں کو عوام کے سامنے پیش کریں۔

قبل ازیں اپنے قلمی معاونین سے درخواست ہے کہ وہ یوم مہاراشٹر کے سلسلے میں اپنی تخلیقات ارسال فرمائیں۔

"قومی راج" کے خریداروں کی تعداد میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے۔ قارئین کی جانب سے تعاون کا یہ سب سے عمدہ طریقہ ہے۔ آپ بھی اپنے حلقے میں زیادہ سے زیادہ خریدار بنانے کی مہم شروع کردیں۔

خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا

میری زلفوں میں بھٹکتا ہے سپیروں کا خیال — چھاؤں میں ان کی درخشاں ہے سویروں کا جمال
میرے شفاف سے ماتھے پہ ہے محرابِ حَرَم — میرے ابرو میں ہے کرپان کے وارث کا حَشَم
میری پلکوں میں نہے پُرامن سے خوابوں کا قرار — میری آنکھوں میں ہے کشمیر کے چشموں کا نکھار
جن سے رنگین ہوئی کتنی ہی صدیوں کی شفق — میرے رُخسار ہیں رامائن وگیتا کے وَرق
میرے ہونٹوں میں گلابوں نے اماں پائی ہے — میری ہر سانس میں برسات کی پُروائی ہے
میری مُسکان میں گوکل کے نشاں ملتے ہیں — میرے اک بول سے کلیوں کے نگر کھلتے ہیں
گنگناتی ہوں تو کاشی کا گماں ہوتا ہے — ساز و مضراب کا اِدراک جواں ہوتا ہے
میرے شانوں پہ کلا بن کے دِیئے جلتے ہیں — میری باہوں میں اجنتا کے صنم ڈھلتے ہیں
میرے آنچل کے لہریوں میں سنورتے ہیں چمن — اس کی ہر موج سے پلتے ہیں جلا گنگ و جمن
قالبِ تاج دھڑکتا ہے مرے سینے میں — شعلۂ عشق بھڑکتا ہے مرے سینے میں
میرے کولھوں پہ ہیں رادھاؤں کی گاگر کے نشاں — جن کی ہر شوخ لچک میں ہے خم کا کہکشاں
ہندو و مسلم و سکھ سب ہیں مری دھڑکن میں — ہوں لئے کتنے شہیدوں کا لہو دامن میں
میری تہذیب سے گوتم کا پتہ چلتا ہے — میرے سایئے نے ہمالے کو جواں رکھا ہے
دردِ سنگیت نے پایا ہے مری پائل سے — میں اگر رنگ پہ آجاؤں تو جگ ناچ اٹھے
میرے چرنوں نے اُگائے ہیں ستارے کیا کیا — میری آغوش پہ نازاں ہیں نظارے کیا کیا
کھیلنا سب کو گھروندوں سے سکھایا میں نے — کوکھ سے دے کے جنم دودھ پلایا میں نے
میرے فرزند ہیں سب سب مرے شیدائی ہیں — میرے آنگن میں جو رہتے ہیں وہ سب بھائی ہیں

جو مرے دِل کو دُکھائے گا وہ پچھتائے گا
بابِ تاریخ میں غدّار لکھا جائے گا

تسنیم فاروقی

انگلیوں کی بھوک

ٹھاکر پونچھی
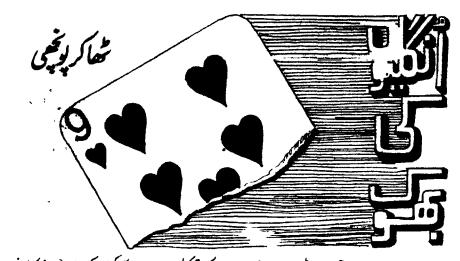
رمضان چاچا کا سارا جسم اب ٹھنڈا اور بے حس ہو چکا ہے۔ آنکھیں بند ہیں اور ہونٹ خاموش۔ البتہ ہاتھ کی انگلیوں کی غیر محسوس سی حرکت قائم ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ بھی بند ہو جائے اور وجود کا سایہ میری نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ میں ان چند رندھے ہوئے اداس لمحوں میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ ایک ایسے انسان کی بات، جس نے اپنی کہانی کی بڑی ہی حسین ابتدا اور بڑا ہی پیارا اختتام غیروں کو بخش دئے تاکہ اپنی ادھوری کہانی کی تکمیل کر سکیں۔ بیچ کا جو بے ترتیب سا حصّہ رہ گیا اسے اپنی ذات کی تجوری میں سمیٹ سنبھال کر رستے بستے شہر کے گلی کوچوں میں بھٹکتا رہا۔ ہو سکتا ہے آپ نے اسے دیکھا ہو۔ کہیں نہ کہیں، آتے جاتے کسی چوراہے، موڑ یا ادھ جلے نکڑ کے کسی اندھیرے کونے میں۔ لیکن پہچان نہ پائے ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ افسانوں کی منڈی میں دیکھے تو اکثر جاتے ہیں لیکن پہچانے نہیں جاتے کہ پہچان کی بینائی ہر آنکھ میں نہیں ہوتی!

جب نیا نیا اِس بستی میں آیا۔ میں بھی پہچان نہ پایا۔ لیکن ایک دن جب قریب سے دیکھنے کا موقع مِلا۔ محسوس ہوا جیسے یہ ایک ایسی ذات کا وجود ہے۔ جس کا جسم ہے نہ ہی اس کی بھوک۔ دل ہے نہ ہی اس کی کوئی خواہش۔ صرف دو تھکے کھُردرے ہاتھ ہیں اور ان پر سوکھی جلی ٹہنیوں کی طرح دس انگلیاں۔ جو بولتی ہیں۔ دیکھتی ہیں۔ مُسکراتی ہیں اور ایک دوسرے سے ہر لمحہ سرگوشی کرتی رہتی ہیں۔ اس وقت بھی جب رمضان چاچا بے سُدھ پڑا ہے انگلیوں کا کھیل بدستور جاری ہے۔ رمضان چاچا کی ساری عمر تاش کے پتّوں کے ساتھ بیتی۔ سفید کرتے کی لمبی جیب میں جوآ کھیلنے کے سارے نئے پرانے داؤ پیچ پڑے رہتے۔ جنہیں مٹھیاں بھر بھر کر اپنے نئے شاگردوں میں بانٹتا پھرتا۔ جن کی بدولت وہ اپنے اپنے ٹھکانوں پر سیکڑوں کا ہیر پھیر کرتے۔ لگاؤ کی انتہا یہ کہ ان کے جرم اپنے سر لے کر دس بارہ بار جیل گیا۔ شاگرد ہمیشہ جیتے۔ استاد ہمیشہ ہارا۔ ہر بات میں مات کھائی۔ صرف موت سے نہیں ہارا۔ موت نے ہر بھیس میں سنور سنوار کر کئی بار مقابلے کی ٹھانی۔ مُنہ کی کھائی۔ اِسی لئے آج تک زندہ رہا۔

موڈ میں ہوتا تو اکثر مِنمناتا ـــــ عورت ذات کو پورے تیس برس سے ڈھونڈ رہا ہوں۔ چپکے سے آجاتی ہے کبھی کبھی۔ لیکن موت کے روپ میں اور میں دِھتکار دیتا ہوں۔ صاف صاف کہہ دیتا ہوں۔ اری آنا ہی ہے تو آجا زندگی کا لبادہ پہن کر۔ اپنا لوں گا۔ لے جانا جہاں دل چاہے۔ بولا تو کچھ کہنا ـــــ پر عورت ذات ہی تو ہے۔ ایکدم روٹھ جاتی ہے تو اپنی نوراں سے بھی پیاری لگتی ہے۔ کیوں پیاری لگتی ہے!؟ ـــــ انگلیوں کے پور مسلتے سوچتا۔ کوئی جواب نہ ملتا۔ تو بجلی کے کھمبوں سے پوچھتا۔ کیونکہ راستے کے وہی ساتھی تھے۔ جب وہ بھی بِٹ بِٹ دیکھتے رہتے تو اپنے آپ کو کوستا ـــــ یہ بھڑوا سوال ہی غلط تھا۔ بھلا کوئی اپنے جیسا عقلمند آدمی اپنی پرائیویٹ باتیں کسی دوسرے سے کہتا ہے!

نوراں کون تھی۔ کہاں تھی۔ کیا رشتہ تھا۔ سوائے بجلی کے کھمبوں کے کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ نجی باتوں کے وہی رازدار تھے۔ رمضان چاچا کی ایک ٹانگ بچپن سے لنگڑی تھی۔ اپنے پیشے کی طرح آج تک لنگڑی رہی۔ دن رات کا اپنا پرایا چکر شاگردوں کی بدولت چلتا۔ جن سے بوقت ضرورت اپنی استادی کا حصہ وصول کرتا۔ ہر رات ہارنے کے لئے دو چار داؤ لگاتا اور اس کے بعد اپنے اِس دکان نما کمرے میں چلا آتا۔ جہاں کوئی نہ کوئی مسئلہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور منتظر ہوتا۔ جسے سلجھائے نبٹائے بنا سونا مشکل تھا۔ کیونکہ ساری بستی کا استاد اور ہر کسی کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا۔

شروع شروع میں ہم دونوں کی ملاقات دعا سلام تک ہی رہی۔ میں ملازمت کی دوڑ بھاگ کر رہا تھا۔ جو کچھ پیچھے سے سمیٹ لایا تھا۔ وہ تیزی سے بِکھرتا چلا جا رہا تھا۔ اور آگے پیچھے کوئی نہیں۔ کہانیوں کی جھوٹی تسلّی تھی۔ مگر اس کی گرفت بھی ڈھیلی ہوتی جا رہی تھی۔ میری اپنی بات تھی۔ نہ جانے اس نے کیسے جان لی۔ ایک شام اچانک میرے کمرے میں آگیا۔ موڈ میں تھا۔ خاموش بیٹھے دیر تک میرے چہرے کو اپنی انگلیوں سے پڑھتا رہا۔ پھر بولا۔

"کچھ بنا۔"

میں نے جواب دیا۔ "بننے کی کوئی امید بھی نہیں۔ اور اب میں ہار گیا ہوں۔"

خود ہارے ہوئے انسان کو جیسے ہارنے والے لوگوں سے چِڑ تھی۔ دھیمی آواز میں بولا۔

"تھک جانا زندگی میں چلتے چلتے۔ ہارنا کبھی نہیں۔"

"کچھ دیر بیٹھا مِنمناتا رہا۔ اس کے بعد چلا گیا۔ پھر ہر شام کا آنا جانا رہا۔ کبھی کبھی میری لکھی ہوئی کہانیاں سنتا۔ ایک دن کہنے لگا۔

"تمہاری لکھی ہوئی کہانیاں سنتا ہوں۔ خوشی ہوتی ہے۔ چلو اپنا ایک سنگی کہانی کار ہے۔ اپنی کہانی بھی کبھی ہو جائیگی۔ پر جب تمہاری زندگی میں جھانکتا ہوں۔ تمہاری کہانی ٹٹولتا ہوں۔ تو یہ اپنا من بڑا دکھی ہو جاتا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "وہ کیوں۔"

گمبھیر سُر میں بولا۔ "کھانے کو دل کرتا ہے۔ مرضی کی روٹی ملتی ہے؟"

"نہیں۔"

"دل کی کوئی ٹوٹی پھوٹی تمنّا پوری ہوئی۔"

"نہیں"۔

"پھر یہ کہانیاں تمہیں کیا دیتی ہیں"۔

"صرف جھوٹی تسلی"

"جھوٹی نہیں۔ بھوکی تسلی"

"ایسا ہی سمجھ لو"

جذباتی ہوکر کہنے لگا "پھر ایک دن یہ چڑھتی جوانی ڈھل جاتی ہے۔ پیچھے کے سپنے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں۔ من میں جو تنکا تنکا بستی بسائی ہوتی ہے نا۔ لمبے انتظار میں ویسے ہی تنکا تنکا بکھر جاتی ہے۔ دیکھ مجھے۔ نظر ڈال ذرا اپنے راج بابو پر۔ ایک ٹنڈ منڈ پیڑ۔ شاخ نہ کوئی پتہ۔ جب چاہت تھی۔ عمر تھی۔ تقدیر روٹھی رہی تعلیم، شرافت، ایمانداری کوئی چیز کام نہ آئی۔ اب چالیس سے آگے پیچھے ہے۔ جیبیں بھری رہتی ہیں۔ ہر چیز خرید سکتا ہے۔ چھین سکتا ہے۔ لیکن چاہت انتظار کرتے کرتے مرگئی۔ اب صرف اس کی یاد کے سہارے دن کاٹ رہا ہے"

بات لمبی ہوتی دیکھ کر پوچھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو"

"صرف یہ کہ عمر بیت جائے۔ چاہت کا دم گھٹ جائے۔ اس سے پہلے داؤ لگانا سیکھ۔ یہ بھی ایک آرٹ ہے۔ بزنس ہے۔ بڑے بڑے عزت دار اس سیڑھی سے اوپر پہنچے۔ اپنے من کی مرادیں پوری کیں۔ وقتی طور پر ہی اپنا لو۔ اچھا کام لگ گیا۔ چھوڑ دینا۔ بے کار وقت کی قیمت تو وصول کرو"

رمضان چاچا نے بڑی مدت کے بعد دل کی بات کہی۔ میں نے جواب دیا۔

"یہ میرا شوق ہے۔ سب کچھ پیچھے چھوڑ کر اسے ساتھ لاسکا ہوں۔ یہ بھی ہاتھ سے نکل گیا بالکل تنہا ہو جاؤں گا"

اسی رو میں بولا "ایک موٹی بات جانتا ہوں۔ جو دھندہ پیٹ کو نہیں پوچھتا وہ پیشہ نہیں۔ شوقینی ہے اور بھوکے خالی پیٹ تو شوقینی کسی مذہب میں بھی جائز نہیں"

رمضان چاچا دیر تک اپنے نئے پرانے شاگردوں کی باتیں کرتا رہا۔ جو گھر سے اپنے ساتھ شرافت لائے تھے۔ ڈگریاں لائے تھے۔ لیکن تقدیر نے ساتھ نہ دیا اور وقت کے ہاتھوں پریشان ہوکر ایک دن یہ دھندہ اپنا کر کچھ سنبھلے، کچھ بے موت مرگئے۔ اس کی باتوں سے میں بھی جذباتی ہوگیا۔ غیر اختیاری طور پر اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔

"استاد۔ رکھ دو ان پر تاش کے پتے اور لے لو میری ان بھوکی انگلیوں کو اپنی اُستادی کی پناہ میں۔ ایک عذاب تو ختم ہو"

اِسے ایک جھٹکا سا لگا۔ ہاتھ پر نظریں جمائے دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ سوچتا رہا۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پہلی بار میری سوچ غلط نکلی۔ میں آدمی ہی دراصل غلط ہوں۔ یہ انگلیاں تاش کے پتے کے لئے نہیں بنیں۔ میرے جیسے ننگے پاؤں راستوں کے کانٹے چننے کے لئے بنی ہیں۔ انہیں سنبھالے رکھو" دیر تک بڑبڑاتا رہا۔ بڑبڑاتے چلا گیا۔

اس کی باتیں بڑی ٹیڑھی میڑھی ہوتیں۔ ساتھ ساتھ آنکھ کے اِشارے جو عورتوں کے موضوع پر زبان سے تیز چلتے۔ لیکن ان میں کوئی ترتیب نہ ہوتی۔ مرد کی زندگی میں جو عورت ماں بن کر آتی ہے۔ بہن بن کر آتی ہے۔ عورت جو بیوی بن کر آتی ہے۔ سپنوں کی محبوبہ بن کر آتی ہے۔ وہ عورت آج تک زندگی میں نہ دیکھی۔ بچپن گزر گیا۔ لڑکپن گزر گیا۔ جوانی بچھڑ گئی۔ ان میں سے کوئی پیار نہ ملا۔ اسی لئے بہت سی باتیں انتقامی جذبے کے تحت کرتا۔ خود چلا جاتا۔ اپنی باتیں بھی ساتھ لے جاتا۔ ان کے بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ پھر بھی ایک معصوم چوٹ کھائے ہوئے دل کی پکارتھیں۔ اُس کے درد کی ٹیسیں چند لمحے میری تنہائیوں کی اُداسیوں میں کلبلاتی رہتیں۔

ایک دن موڈ میں دیکھا تو پوچھ بیٹھا "رمضان چاچا۔ سب کا حال جانتے ہو۔ کبھی اپنے دل میں بھی جھانکا"

ہنستے ہوئے بولا "دل کہاں ہے جس میں جھانکوں۔ تمہاری طرح میری بھی صرف یہ اُنگلیاں ہیں۔ اِنہی کی بھوک مٹانے کے لئے یہ دھندہ کرتا ہوں جس دن اِنکی بھوک مٹ گئی ہمیشہ کیلئے جیت جاؤں گا"

"کوئی ایک آدھ حسرت"

"وقت آنے دو۔ بتا سکا تو صرف تمہیں بتاؤں گا"

"شاید آج وہ وقت قریب آپہنچا ہے لیکن رمضان چاچا کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔

شروع شروع کی بات ہے۔ ایک برستی رات میں اِس کا لنگڑاتا ہوا سایہ اندھیروں کی طرف لپکتے دیکھا۔ آگے آگے ایک دوسری پرچھائیں تھی۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ایک بدنام بستی میں داخل ہو رہی تھی۔ میں ایک پیڑ کے نیچے آکر رک گیا۔ لوٹنے پر پوچھا۔

"تمہارے ساتھ کون تھا"

اونچی آواز میں بولا۔

"وہ پرکاش تھا نا۔ اپنا شاگرد۔ اس کی بیوی جوتی۔ روز اِسی وقت بستی میں چھوڑنے آنا پڑتا ہے"

"کبھی ذکر نہیں کیا"

"کوئی بات ہوتی۔ بتاتا"

"کہاں سے لاتے ہو"

"سات نمبر بس اسٹاپ سے"

"وہاں کس کے ساتھ ہوتی ہے"

"کہیں سے آتی ہے۔ کون سی جگہ سے میں نہیں جانتا۔ بس اسٹاپ پر میرا انتظار کرتی ہے۔ مجھے کام دھندہ اپنا چھوڑ کر یہاں لانا پڑتا ہے۔ یہ عورت ذات ہی عجیب چیز ہے۔ گھر سے جاتی اکیلی ہے لیکن بنا ساتھ لوٹتی نہیں"

"وہ پرکاش"

"دنگا فساد کر کے بھاگ گیا۔ بھاگ کر گاؤں چلا گیا۔ وہیں مرگیا۔ پتہ چلا۔ پہلے بھی ایک بیوی اور دو بچے تھے"

"اور جوتی"

"کہاں سے لایا۔ کیسے لایا۔ مجھے بالکل معلوم نہیں"

"غیر شعوری طور پر میرے منہ سے نکل گیا۔

"پرکاش اور اس کی جوتی کی مرنے جینے والی بات تو نئی نہیں۔ لیکن تمہارا رات کا ساتھ اِس بدنام بستی تک ضرور نیا ہے۔ شاگرد تو خیر تھے۔ ایسا لگتا ہے اُنکی بیویوں سے بھی شاگردی کا حصہ . . . ."

اس کے منہ پر بھرے بازار جیسے کسی نے زور کا تھپڑ مارا۔ غصے میں تن کر بولا۔

کوئی اور ہوتا۔ زبان باہر کھینچ لیتا۔ استاد رمضان ہوں۔ حیوان نہیں۔ بے ایمان ہوں۔ بدنیت نہیں۔ جواری ہوں لیکن کمینہ نہیں۔ جب نئی نئی یہاں آئی تھی۔

ے پاؤں چھوئے تھے ۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ
تھا ۔ نہ جانتے ہوئے بھی کہ کون ہے ۔ کیا ہے ۔ بس
سا رشتہ ہے ۔ آج تک نبھا رہا ہوں ۔ اسے کچھ سمجھو ۔ جو کچھ
ہے مان جاتا ہوں ۔ کیونکہ اس کا یہاں اپنا کوئی بھی نہیں
ا بہت پڑھی لکھی ہے ۔ سوچتا ہوں ۔ جو کچھ کرتی ہوگی ۔
ا سمجھ کر کرتی ہوگی ۔ کہاں جاتی ہے ۔ کس کے پاس جاتی
۔ پوچھا نہ اِس نے بتایا ۔ ایک ننھے بچّے کی ماں ہے اور
ے بھلے کی تمیز کہاں رہنے دیتی ہے ؟"

یہ اس کا نیا اور اجنبی روپ تھا میرے لئے ۔ ایک بھرپور
ن ایک مہربان باپ کا روپ ۔ میرا سر خود بخود قدموں پر
گیا ۔

میں نے شرم سار ہو کر کہا ۔

"رمضان استاد ۔ معاف کرنا ۔ بڑی غلط بات منہ سے
ئی ۔"

بھرے ہوئے گلے سے بولا ۔

'اپنا پیشہ ہی مشکوک ہے ۔ جو الزام چاہو چسپاں کر دو ۔"

اس کے بعد میں نے اِسے رمضان استاد کہنا چھوڑ دیا ۔
رمضان چاچا کہا ۔ اِس نے بھی رشتہ نبھایا ۔ دکھ سکھ
تھی رہا ۔ آج جو کچھ ہوں ۔ اسی کی بدولت ۔ اب میں
کے احسانوں کا بدلہ چکانے کے قابل ہوا ہوں ۔ اِس نے
رکی ٹھان لی ۔

انگلیوں کی حرکت اب مدّھم پڑنے لگی ہے ۔ میں غیر اختیاری
قریب جا کر کان میں سرگوشی کرتا ہوں ۔

'رمضان چاچا ۔ وقت آگیا ۔ اپنا وعدہ پورا کر دو ۔
بتاؤ کہ ..... "

بند آنکھیں آہستہ آہستہ کھلتی ہیں ۔ کمزور بیمار سی
رے میں لرزنے لگتی ہے ۔

ایک چھوٹی سی بھرّوی بھوک .... یہ انگلیاں
سم کے مُردے پر جیتی ہوئی بازی کا کفن ...."

انپتے ہوئے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیتا ہوں ۔ سرہانے
ش نکال کر اچھی طرح پھینٹتا ہوں اور آنکھوں میں
سنبھال کر تین پتے کُھرّدرے ہاتھوں میں تھما دیتا ہوں ۔
ے سو کی بازی اور صرف میرے ساتھ ۔"

آنکھیں جھپک جاتی ہیں ! ـــــ

تاش کے پتّے کا لمس پا کر جیسے سارے جسم میں
برقی رَو دوڑ جاتی ہے ۔ انگ انگ میں ایک نئی طاقت
عود کر آتی ہے ۔ پتّوں کو اُستادانہ قرینے سے سنوار سنبھال کر
اپنے ہونٹوں سے چومتا ہے ۔ چور نگاہوں سے تاکتا ہے ۔
پَل میں سارے چہرے پر کسی کم سِن بچّے کی سی معصوم
کھلنڈری مسکراہٹ دَوڑ جاتی ہے ۔ رندھی ہوئی بہت
سی آوازیں ایک ساتھ لپکتی ہیں ـــــ تین بیگمیں ـــــ
رمضان چاچا اُنہی سے اپنے مردے کی آنکھیں ڈھانپ
دیتا ہے !

اہلِ قلم حضرات

اپنے رشحاتِ قلم "قومی راج" میں اشاعت
کے لئے ارسال فرمائیں ۔ مضامین، مقالات
اور منظومات صاف و خوشخط اور ورق کی صرف
ایک طرف لکھی ہوئی ہوں ۔

تخلیقات پتۂ ذیل پر ارسال کی جائیں:
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
سچوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

مایۂ ناز ادیب

مہندر ناتھ

داغِ مفارقت دے گئے
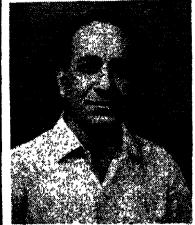
۲۰ مارچ ۱۹۷۴ء کو یہ روح فرسا خبر ملی کہ اُردو کے مایۂ ناز ادیب اور مشہور افسانہ نگار مہندر ناتھ
(کرشن چندر کے چھوٹے بھائی) اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ۔

مہندر ناتھ دل کے عارضہ میں مبتلا تھے ۔ اسی دن دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ ہو سکے ۔ یقیناً
مہندر ناتھ کی موت نے اردو زبان کو ایک اچھے ادیب اور ایک نیک ہستی سے محروم کر دیا ہے ۔

مہندر ناتھ ۱۹۲۱ء میں ریاست بھرت پور میں پیدا ہوئے تھے ۔ ان کی ابتدائی تعلیم پونچھ (کشمیر)
میں ہوئی اور لاہور میں پنجاب یونیورسٹی سے بی ۔ اے کیا ۔ انھوں نے ۱۹۴۰ء سے افسانے لکھنا شروع
کئے اور پہلا افسانہ بہ عنوان "ریاضت" رسالہ "ساقی" میں چھپا جس کے ایڈیٹر شاہد احمد دہلوی مرحوم تھے ۔

مہندر ناتھ کا سب سے پہلا ناول ۱۹۵۰ء میں بہ عنوان "آدمی اور سکّے" چھپا ۔ ان کے افسانوں کے کم و بیش
۱۰ مجموعے چھپ چکے ہیں اور ناولوں کی تعداد بھی پندرہ سے زیادہ ہی ہے ۔ ہر افسانہ اور ہر ناول خراجِ تحسین پا چکا ہے ۔

افسانے اور ناول لکھنے کے علاوہ مہندر ناتھ نے پانچ چھ فلموں میں بحیثیت ایکٹر کام کیا ۔ دو تین فلموں
میں ہیرو بھی بنے اور فلموں کے ڈائیلاگ بھی لکھے ۔

مہندر ناتھ، بمبئی فلم رائٹرس ایسوسی ایشن کے سکریٹری بھی تھے ۔

حسرت جے پوری

شعلے ہی سہی آگ لگانے کے لئے آ
پھر طور کے منظر کو دکھانے کے لئے آ

زندہ ہوں تری یاد میں اے جانِ تمنّا
اک برق مرے دل پہ گرانے کے لئے آ

یہ کس نے کہا ہے مری تقدیر بنا دے
آ اپنے ہی ہاتھوں سے مٹانے کے لئے آ

یہ چاند بھی اک دیدۂ حیراں کی طرح ہے
تو بام پہ اک جلوہ لٹانے کے لئے آ

اے دوست مجھے گردشِ حالات نے گھیرا
تو زلف کی کملی میں چھپانے کے لئے آ

مطلب تری آمد سے ہے درماں کا نہیں ہے
حسرتؔ کی قسم دل ہی دکھانے کے لئے آ

نکہت خان

جو دیدۂ تر سے بہہ نکلے وہ دل میں اُجالا کیا کرتے
بربادِ محبت کے آنسو تعمیرِ تمنّا کیا کرتے

رفعت نہ رہی جذبات میں جب احساس میں ندرت کیا رہتی
بکھرے ہوئے اپنے ہوش و خرد تنظیمِ تمنّا کیا کرتے

زنداں میں کبھی صحرا میں کبھی جیسے بھی کٹے دن کاٹ دیئے
تعمیر ہی جب تقدیر نہ تھی تخریب کا شکوہ کیا کرتے

جو آگ بھڑک اٹھی دل میں اشکوں سے بھی ہرگز بجھ نہ سکی
جب درد ہی درماں بن نہ سکا پھر اور مداوا کیا کرتے

یہ رمزِ کلیمی ہے نکہتؔ اِس رمز کو تم کیا پہچانو
جس حسن پہ عاشق ہو بیٹھے اُس حسن کو رسوا کیا کرتے
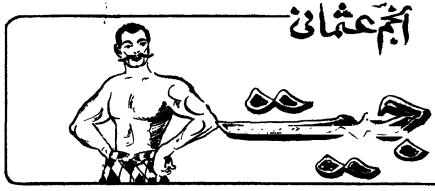
خلیفہ سر جھکائے بیٹھے تھے، ان کے چاروں طرف گھیرا ڈالے کھڑی بھیڑ تعزیتی الفاظ تلاش کرتی معلوم ہو رہی تھی۔ آخر وہی ہوا تھا، جس کا خلیفہ کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا، وہ تو چند منٹ پہلے مجید عرف مجو کا زرد چہرہ دیکھ کر ہی تاڑ گئے تھے کہ یہ کم بخت ان کی برسوں کی محنت اور گاؤں میں قائم انکی ساکھ پر پانی پھیر کر رہے گا۔ خلیفہ کے چہرے پر برسوں بعد آج پھر ویسی ہی غم کی چادر لپٹی نظر آ رہی تھی جیسی برسوں قبل انکے جوان بیٹے کی موت پر لوگوں نے دیکھی تھی۔

خلیفہ کا اکھاڑا قریب کے سارے علاقے میں مشہور تھا خلیفہ کے تربیت دئے ہوئے بیسیوں جوان اپنی طاقت کی دھاک لوگوں پر جما چکے تھے، کسی کی مجال نہیں تھی کہ خلیفہ کے اکھاڑے کے کسی جوان کو للکار سکے۔ کبھی اگر قرب و جوار کے گاوؤں کے کسی جوان کے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑک بھی اٹھتیں تو اسے منہ کی کھانی پڑتی۔ اس وقت خلیفہ کی تیل پلائی ہوئی مونچھوں کے بَل اور بھی اینٹھ جاتے۔ ادھر اب تو عرصے سے کسی میں بھی جرأت نہ ہوتی تھی کہ خلیفہ کی سبھی تنی رہنے کی عادی مونچھوں کو نیچا کر دکھانے کے متعلق سوچ بھی سکے، جب خلیفہ اپنے چیلوں کے ساتھ ریشمی تہ بند اور دو پلی ٹوپی پہن کر نکلتے تو ان کا ہر قدم جوانوں کی طرح پُر تمکنت ہوتا، وہ گردن اٹھا کر چاروں طرف دیکھتے جاتے اور نگاہوں نگاہوں میں لوگوں سے کہتے کہ دیکھو اب بھی میں بوڑھا نہیں ہوا ہوں اور ململ کے کلف دار کرتے سے جھانکتا ان کا مضبوط گٹھیلا بدن اس کا ثبوت پیش کرتا۔

خلیفہ اپنے چیلوں پر جان چھڑکتے تھے، ان کے ساتھ محنت کرتے، روزانہ انھیں زور کراتے، صحت مندی کے راز اور اکھاڑے کے گُر سمجھاتے، ان کی صحت کی پوری نگرانی کرتے اور اپنے شاگردوں کے جوان بازوؤں کی اُبھری ہوئی مچھلیوں کو دیکھ کر اپنی جوانی کی یادیں تازہ کرتے۔

یوں تو خلیفہ اپنے سبھی چیلوں پر ناز تھا مگر مجید عرف مجو پر وہ سب سے زیادہ فخر کرتے اور کہتے کہ بس یوں سمجھو، مجو ہیرا ہے ہیرا۔ اور مجو تھا بھی ہیرا ہی۔ اپنے سب ہی ساتھیوں سے زیادہ محتاط اور خوبصورت۔ اس کے چوڑے چکلے سینے پر لہراتا ہوا کالا ڈورا اس کے سینے کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا اور اسے نظر بد سے بچاتا اور جب وہ پیلے رنگ کی سلک کا کرتا اور کالے ریشمین تہ بند پر سفید چپل پہن کر نکلتا تو اس پر نظریں نہ ٹھہرتیں۔ خلیفہ اس کے ورزشی بدن کو دیکھ کر پھولے نہ سماتے اور کہتے میرے بعد اکھاڑے اور پہلوانی کی آن رکھنے والا مجو ہی ہوگا، سارے گاؤں کا نام روشن کرے گا، دیکھ لینا مجو جیسا بہادر جوان اس پورے علاقے میں نہ ہوگا۔

خلیفہ منتظر تھے کہ کوئی موقع آئے تو وہ مجو کے بارے میں کئے اپنے دعووں کو لوگوں پر ثابت کر دکھائیں مگر کس میں طاقت تھی کہ اس کڑیل جوان سے نبرد آزما ہو۔

وقت کے ساتھ ساتھ مجو کے لئے خلیفہ کے دعوے سچ کر دکھانے کی خواہش میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ بالآخر ایک دن پورے علاقے میں یہ خبر گشت کر رہی تھی شہر سے کوئی پہلوان بہت سے اکھاڑے جیت کر آیا ہے اور اس نے خلیفہ کے اکھاڑے کو بھی چیلنج کر دیا ہے کہ خلیفہ اپنے جس چیلے کو چاہیں مجھ سے بھڑا دیں۔

خلیفہ تو تھے ہی ایسے موقع کے منتظر ایسے معاملوں میں یوں بھی وہ برداشت سے باہر ہو جاتے تھے۔ چیلنج قبول کر لیا گیا۔ مقابلے کے لئے دن اور تاریخ وغیرہ کا اعلان کر دیا گیا۔

جیسے جیسے مقابلے کا دن قریب آ رہا تھا لوگوں کی نگاہیں مجو پر مرکوز ہوتی جاتی تھیں۔ خلیفہ نے دن رات ایک کر رکھا تھا۔ ہر وقت مجو کی حفاظت کرتے، روزانہ خاص طور پر اسے مختلف قسم کے داؤ سمجھاتے۔ ان کو پورا اطمینان تھا کہ مجو اب کسی سے مار کھانے والا نہیں۔ مجو کی جیت ہار پر ہی خلیفہ کی آن کا دار و مدار تھا۔

مقابلے کے دن وقت سے کافی پہلے ہی گاؤں گاؤں کے لوگ اکھاڑے کے اِرد گرد جمع ہوتے جا رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں پھولوں کے خوبصورت گجرے اور نوٹوں کے ہار تھے۔ گاؤں کے لوگوں کو یقین تھا کہ گیدڑ کی موت آئی ہے جو مجو جیسے شیر کے مقابلے کی ٹھانی ہے۔ اب مجو کی جیت ہار صرف خلیفہ کی ہی نہیں پورے گاؤں کی آن کا سوال بن چکی تھی۔

مقابلہ شروع ہونے کا وقت قریب تر ہو رہا تھا۔ خلیفہ اکھاڑے کی منڈیر پر کھڑے چاروں طرف نظریں گھما رہے تھے۔ شہر سے آیا ہوا پہلوان اکھاڑے میں کھڑا اپنے کسرتی جسم پر مٹی مَل مَل کر اپنے جسم کی نمائش کر رہا تھا لیکن مجو کا کہیں پتہ نہ تھا۔ عین موقع پر اس کا غائب ہونا مجمع میں اضطراب کا سبب تھا، خلیفہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا جا رہا تھا کہ آخر عین وقت پر مجو مردود کہاں غائب ہو گیا۔

دفعتاً مجمع کو چیرتا ہوا مجو اکھاڑے کے قریب پہنچا اور خلیفہ کے قدموں پر جھک کر سیدھا کھڑا ہو گیا، جو اس بات کی علامت تھی کہ مقابلے کی اجازت دیجئے۔ خلیفہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے بدن پر احتیاطی نظر ڈالنے لگے، جیسے ہتھیار کو استعمال کرنے سے پہلے اس کی دھار کی جانچ کی جائے۔ خلیفہ یہ دیکھ کر چونک پڑے کہ ہتیار کند سا تھا، مجو کے چہرے کی سرخی، تابناکی اور توانائی غائب تھی، وہ بالکل پیلا نظر آ رہا تھا جیسے چند گھنٹوں پہلے کے مجو کو اس میں سے نکال لیا گیا ہو۔ اس کے چہرے پر

ہمیشہ جھلکتی رہنے والی سرخی اور طاقت معدوم تھی۔

خلیفہ کے چہرے سے تشویش عیاں تھی ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تھوڑی ہی سی دیر میں یہ تبدیلی کیوں اور کیسے آئی۔ وہ کبھی مجو کے ڈھیلے ڈھالے بدن کو دیکھتے اور کبھی اکھاڑے میں کھڑے مقابلے کے منتظر پہلوان کو۔

خلیفہ نے عالم تذبذب میں ہی اکھاڑے کی تھوڑی سی مٹی اٹھاکر مجو کے بدن پر مل دی جو اس بات کا اعلان تھا کہ مقابلہ شروع ہو۔ زور زور سے ڈھول پیٹے جانے لگے۔ مجمع کی نگاہیں اکھاڑے پر مرکوز ہوگئیں۔ پیچھے کی صفوں میں کھڑے لوگ پنجوں کے بل کھڑے ہوکر دیکھنے لگے۔

خلیفہ کا دل خلاف معمول دھڑک رہا تھا اور وہ سوچ رہے تھے کہ آخر مجو کو کیا ہوا؟ اس کے چہرے کی سرخی، جسم کی پھرتی چند ہی گھنٹوں میں کہاں گم ہوگئی؟ یقیناً آج اس نے کسی کے بہکانے میں آکر کوئی بہت ہی سخت بے احتیاطی کرلی ہے، یقیناً وہ بہک گیا ہے، اور انھیں اپنا وقار خطرہ میں محسوس ہونے لگا، بار بار ان کا ہاتھ اپنی مونچھوں پر جانے لگا۔ جو آج خطرہ میں تھیں۔

مجمع چلا اٹھا، خلیفہ نے چونک کر گردن اٹھائی اور دیکھا، وہی ہوا جس کا انھیں چند منٹ پہلے مجو کو دیکھ کر خدشہ ہوگیا تھا، مجو اپنے ڈھیلے ڈھالے جسم کے ساتھ زمین پر چت پڑا ہانپ رہا تھا اور مقابل فاتحانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

خلیفہ سر جھکائے خاموش اور غمگین اکھاڑے کے کے قریب بیٹھے تھے، شناسا ان کے ارد گرد تعزیتی انداز میں کھڑے تھے، مجو ایک طرف کھڑا اکھاڑے پر لگے شامیانے کے بانس سے ٹیک لگائے پاؤں کے انگوٹھے سے مٹی کرید رہا تھا۔

اکھاڑے سے ذرا فاصلے پر بہت سے لوگوں نے فاتح کو کاندھے پر بٹھا رکھا تھا، اس کے گلے میں پھولوں اور نوٹوں کے ہار جھول رہے تھے۔ کیا کہنے پہلوان، کیا دھوبی پاٹ مارا تھا کی آوازوں سے جیتے ہوئے پہلوان کا سینہ چوڑا ہوا جا رہا تھا۔ پل بھر کی جیت نے لوگوں کی توجہ خلیفہ کی طرح دار مونچھوں اور گاؤں کے ہیرو مجو کے جسم سے ہٹاکر جیتنے والے پر مرکوز کردی تھیں۔ مجو جو چند گھنٹے پہلے تک سب کی نگاہوں میں تھا، عام سی چیز ہوکر رہ گیا تھا۔ خلیفہ ابھی تک اسی سوچ میں گم تھے کہ اچانک مجو کی جوانی کہاں چلی گئی۔

یکایک ایک کار کی آواز نے مجمع کے شور کو دبا دیا، کچھ لوگ مجو پہلوان مجو پہلوان پکارتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ مجمع ہاہو بھول کر اسپتال والوں کی اس غیر متوقع آمد پر متوجہ ہوگیا۔ اتنے میں وہ مجمع کو چیرتے ہوئے مجو تک پہنچ گئے اور کہنے لگے ہم اسپتال سے آئے ہیں۔ آپ فوراً ہمارے ساتھ چلئے، آپ کی فوری ضرورت ہے، وہ چند گھنٹوں پہلے جس زخمی فوجی کو آپ خون دے کر آئے تھے اسے ہوش آگیا ہے آپ ہی کی وجہ سے وہ موت سے لڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ اسپتال میں تو اس کے نمبر کا خون تھا نہیں آپ اگر اسے بروقت اپنا خون نہ دیتے تو وہ مرجاتا۔ اب وہ خطرہ سے باہر ہے۔ ہمارے افسر صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں، ان کا شدید اصرار ہے کہ انھیں اس بہادر اور ایثار پسند شخص سے ضرور ملایا جائے جس نے اپنا خون دے کر ہمارے زخمی کیپٹن کو نئی زندگی بخشی ہے اور ہمیں ایک اچھے سپاہی کی محرومی سے بچالیا ہے۔ صاحب کو حالات کی مجبوری کی بنا پر فوراً واپس جانا ہے۔ آپ برائے مہربانی جلدی چلئے وہ آپ کے منتظر ہونگے شاید آپ کو کچھ انعام دینا چاہتے ہیں۔

مجو ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا اور بے اختیار خلیفہ کے پیر چھوتا ہوا اسپتال والوں کیساتھ ہولیا۔ خلیفہ جاتے ہوئے مجو کو دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں نہ کہتا تھا کہ مجو ہیرا ہے ہیرا، میرا مجو نہیں ہارا، وہ کبھی نہیں ہار سکتا۔ خلیفہ کے چہرے پر ہمیشہ کھیلتے رہنے والی مسکراہٹ لوٹ آئی اور وہ اپنی مونچھوں کو فاخرانہ انداز میں تاؤ دیتے ہوئے چہک رہے تھے .... اور .... لوگ ایک بار پھر جیتے ہوئے پہلوان کو بھول کر ... اپنی نگاہیں مجو کے نقش قدم اور خلیفہ پر جمائے ہوئے .. . . اور فخر کے ساتھ مجو کی جیت اور خلیفہ کے وقار کی باتیں کر رہے تھے . .. . .. !

کیسی قیامت کے یہ نامے ...

مانک ٹالہ : بمبئی :

محبی و محترمی خواجہ صاحب، تسلیمات

آپ کا خط اور تینوں شمارے میری ہندوستان سے غیر حاضری میں موصول ہوئے۔ تینوں پرچے ترتیب، طباعت اور مواد کے اعتبار سے نہایت معیاری ہیں۔ اس کے لئے آپ اور آپکے ادارے کے دوسرے ساتھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مہاراشٹر میں اردو داں طبقے کے لئے ایک مصور معیاری میگزین کی سخت کمی محسوس کی جا رہی تھی جسے آپ نے پورا کردیا۔

پروفیسر عبدالقوی دسنوی : بھوپال :

"قومی راج" کے پہلے تین شمارے ملے۔

بہت خوبصورت، بہت پاک صاف، بہت دلچسپ بہت مفید۔ دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔

خوشی اس بات کی بھی ہے کہ حکومت مہاراشٹر نے اس طرح کشادہ دلی، وسعت نظری اور انسانیت دوستی کا خوبصورت تحفہ دنیائے اردو کو دیا ہے۔

کاش ہندوستان کے دوسرے صوبے بھی مہاراشٹر کی اس ادائے دلبری کو اپنائیں۔

علیم مسرور : وارانسی :

سمجھ میں نہیں آتا کیسے مخاطب کروں؟ ہمیشہ رسالہ سے زیادہ مدیر نمایاں ہوتا تھا، یہ عجیب رسالہ ہے کہ خود اتنا نمایاں ہے کہ مدیر کا دور دور تک پتہ نہیں چل رہا ہے۔ بہرحال ۲۵ پیسہ کا "قومی راج" دیکھا تو ایسا محسوس ہوا کہ دیدہ اعود سے خیرات بٹ رہی ہے۔

تین شمارے دیکھے، تینوں بڑے دلکش ہیں گورنمنٹ آف مہاراشٹر اور خواجہ عبدالغفور صاحب کی قیادت میں نکلنے والے اس خوبصورت اور خوب سیرت رسالے سے بہترین کارکردگی کی توقع نہ کروں تو مجھ پر لعنت!

واماندگیٔ شوق

اب ربطِ باہمی کے مقدّر میں کچھ نہیں
اِن چند ڈوبتے ہوئے لمحات کے سوا
دستِ اَلَم سے کاسۂ احساس ہے تہی
دو چار مُشتِ پارۂ جذبات کے سوا
لفظوں کا پُل بھی ٹوٹ گیا سیلِ اشک میں
سب بہہ گئے ہیں چند خیالات کے سوا

تم بھی شکستِ عہدِ وفا پر ملول ہو
آنکھوں میں شمعِ اشکِ اَلَم جل رہی ہے آج
سانسوں کے زیر و بم میں تڑپتے ہیں مرثیے
ہونٹوں پہ خامشی کی چھری چل رہی ہے آج
رفتارِ پا میں لغزشِ پیہم کی ہے گرہ
اُفسُردہ رُخ پہ شامِ خزاں ڈھل رہی ہے آج

آؤ! کچھ اور دور چلیں ساتھ اور ـــــ پھر ۔ تنہائیوں کا درد لیے لوٹ جائیں ہم
اِس بحرِ بیکراں کے سُبک ریگ زار پر ۔ قدموں کے کچھ نقوش جلا چھوڑ جائیں ہم

اِس جادۂ وفا کی زیارت کے واسطے
شاید کبھی تو آئیں گے آوارگانِ عشق
دیکھیں گے جب نقوشِ قدم دور تک جُدا
سوچیں گے وہ ـــ یہ کون تھے بیچارگانِ عشق

جو ساحلِ مراد پہ آ کر بھٹک گئے
راہِ وفا میں چند قدم چل کے تھک گئے

مومن محی الدین

غزل

عظمت حسین خاں میکش

ہستی کا شعور ہو گیا ہے
اتنا تو ضرور ہو گیا ہے

ہر ذرّہ تمہاری رہ گُذر کا
میرے لئے طُور ہو گیا ہے

احباب کی قدر ناشناسی
دل رنج سے چور ہو گیا ہے

اِس زیست پہ اعتبار کر کے
خود ہم سے قصور ہو گیا ہے

جب کوئی خوشی ملے تو سمجھو
غم کا بھی ظہور ہو گیا ہے

جلوؤں کی نوازشوں کے قرباں
دل نور ہی نور ہو گیا ہے

جسکو بھی قریب ہم نے سمجھا
اُتنا ہی وہ دُور ہو گیا ہے

ساقی تیرا میکدہ سلامت
میکش کو سرور ہو گیا ہے

شیوراج سنگھ

قدیم تاریخ اور جدید جغرافیہ

اورنگ آباد ... مہاراشٹر کے ۲۶ اضلاع میں ایک۔ یوں تو ایک چھوٹا سا شہر... لیکن اس شہر کے اطراف کے قلعہ کی فصیلوں کے کھنڈرات، شہر کے وسط میں واقع وہ دیدہ زیب تاریخی عمارتیں، کچھ ہی فاصلے پر واقع عالمی شہرت کے غار ہائے اجنتا و ایلورہ ... غرضیکہ ہر قدم پر قدیم تاریخ، عظمت ماضی کی داستان، صدیوں کے نشیب و فراز کی کہانی دل و دماغ کو محو کرتی ہے۔

آٹھویں صدی میں یہ علاقہ یادو حکمرانوں کا دارالحکومت تھا۔ اس کا پہلا نام دیوگری تھا۔ پھر کچھ محدود عرصہ تک تغلق، پھر مغل اور بعد میں آصفیہ حکمرانوں نے اس علاقہ پر حکومت کی۔ ۱۹۵۶ء میں ریاستوں کی تنظیم سے قبل یہ علاقہ حکومتِ نظام کا ایک ضلع تھا اور مرہٹواڑہ کے ۵ اضلاع کے صوبیدار کا (جسے آج کمشنر کہتے ہیں) مستقر بھی تھا۔

تاریخی مرکز کے علاوہ، اس شہر کا ویسے کوئی دوسرا قابلِ ذکر پہلو نہیں تھا۔ تنگ گلیاں، ناہموار راستے، امراؤں کی ڈیوڑھیاں، محلوں کے نام ذریعہ کسب معاش سے وابستہ مثلاً صرافہ، گل منڈی، جنسی ... ... عوام کی زندگی ویسے پُرسکون ... ولی دکنی، ایکنا تھ اور گیا نیشور کی نظمیں، کہاوتوں سے لبریز فضا، گرتسیشور اور پیٹھن کی یاترا ... زر زری بخش کے مزار پر عقیدت مندوں کی بھیڑ... بہرکیف ایک مخلوط تہذیب کا علمبردار رہا ہے یہ شہر!

تاریخ کا ایک اور ورق اُلٹا .. ایک نئے دور کا آغاز ہوا... تبدیلی اور تغیّر کی ایک بادِ صبا چلی۔ نومبر ۱۹۵۶ء میں یہ علاقہ اُس وقت کی ریاستِ بمبئی کا ایک حصہ بن گیا۔ ریاست کے دیگر حصوں سے ہر طبقہ کے لوگوں کا آنا جانا شروع ہوا ... سرکاری ملازمین، تاجر، جغرافیائی، اقتصادی اور سماجی نقطہ نظر سے۔ شہر ریاست کے دیگر حصوں سے قریب تر ہوتا گیا۔ خیالات کی دنیا وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی، دائرۂ فکر وسیع ہوا اور میدانِ عمل بھی۔ چنانچہ نئے خواب و خیالات کو لئے یہاں کے باشندے ایک نئے عزم کے ساتھ نئی راہوں پر چلنے کے لئے کمربستہ ہوئے۔

کچھ ہی عرصہ میں تعلیمی اداروں، دفتروں، کارخانوں

وزیر صحت و عامہ و شہری ترقیات ڈاکٹر رفیق زکریا جدید اورنگ آباد کی تعمیر کا منصوبہ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو پیش کر رہے ہیں۔ درمیان میں وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ نائیک بھی نظر آ رہے ہیں۔

نیا اورنگ آباد

تعلیمی احاطہ
جنوبی ہل (پک نک اسپاٹ)
دہلی گیٹ
پرانے اورنگ آباد کے شہر کی دیوار
ایم۔آئی۔ڈی۔سی
رہائشی علاقہ
نیا شہری مرکز
جالنہ کی طرف
ایئرپورٹ کی توسیع
باغ
برآمدات کی تیار کرنے والی صنعتیں
مزدوروں کے لئے سستے مکانات

اور دیگر اقسام کی انجمنوں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ سنہ ۱۹۶۱ء تا سنہ ۱۹۷۱ء کے دس سالہ عرصے میں اس شہر کی آبادی میں ۷۰ فیصدی اضافہ ہوا۔ ظاہر ہے اس طوفانی رفتار سے بڑھتی ہوئی آبادی کے تقاضوں کی یہ شہر تاب نہ لاسکا۔ موقعہ پرستوں نے اس کا فائدہ اٹھایا۔ جائدادوں کی خرید فروخت کا سلسلہ شروع ہوا۔ قیمتوں کا یہ عالم کہ دل دہل جائے۔ مکانوں کے کرایوں میں اضافے ایسے کہ کمر ٹوٹ جائے۔ اور پھر مکان کے کمرے وہ کہ جو پہلے کسی نواب کے گھوڑوں کا اصطبل تھے جائدادیں جن کی قانونی ملکیت غیر یقینی تھی ان کے بھی سودے ہوئے۔

چنانچہ ایک بڑھتے ہوئے شہر کی حالیہ اور مستقبل کی ضرورتوں اور تقاضوں کا اطمینان بخش حل ڈھونڈنا لازم ہوگیا۔ ضرورت تھی ایک ایسے ادارہ کی جو سیاسی گردشوں سے دور ہو، جس کی مالی حالت پختہ ہو، جسکے پاس تجربہ کار ماہروں کا عملہ ہو۔ سِڈکو (جو حکومت مہاراشٹر کا ایک ادارہ ہے) ہی ایک ایسا ادارہ تھا جو مذکورہ بالا کسوٹیوں پر پوری طرح اُترتا تھا۔ لہٰذا حکومت مہاراشٹر نے جدید اورنگ آباد کی منصوبہ بندی اور تشکیل کا کام سنہ ۱۹۷۳ء میں سِڈکو کے ذمہ سونپا۔ کچھ مہینوں میں شہر جدید کا منصوبہ تیار ہوگیا۔

اس جدید شہر کی تعمیر کے لئے تقریباً تین ہزار ایکڑ زمین حاصل کی گئی ہے جو کہ موجودہ شہر کی مشرقی سرحد اور چکل ٹھانہ (جو پرانے شہر سے ۵ میل دور ہے) کے درمیان واقع ہے۔ سِڈکو نے مکانات کی بڑے پیمانے پر تعمیر کا ایک منصوبہ تیار کیا ہے۔ تیار شدہ قطعات (پلاٹس)، بجلی اور پانی کا معقول انتظام، مختلف محل وقوع کے مکانات جو کہ مختلف طبقوں کے لئے مالی اعتبار سے موزوں ہیں، یہ اس منصوبہ کی خصوصیات ہیں۔ مکانوں کے علاوہ دیگر ضروریات مثلاً دواخانے، مدرسے، بازار، ڈاکخانہ وغیرہ قائم کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ آج کافی سرکاری دفاتر پرانے شہر میں خانگی عمارتوں میں واقع ہیں۔ اُن کے لئے بھی ایک مخصوص جگہ متعین کی گئی ہے۔ ان دفاتر میں کام کرنے والوں کے لئے بھی قریب ہی مکانوں کے لئے جگہ کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ آمدورفت میں سہولت ہو۔

حکومت ہند کا ایک ادارہ ہے جس کا نام "ہڈکو" ہے (Housing and Urban Development Corporation) یہ ادارہ مکانات کی بڑے پیمانے پر تعمیر نیز شہری تعمیر کے لئے قرضہ دیتا ہے۔ چنانچہ جدید اورنگ آباد کی تعمیر کے لئے بھی اس ادارہ سے قرضہ لیا گیا ہے۔

ہڈکو کے اس قرضہ سے ۱۵۰۰ مکانات تعمیر کئے جائیں گے۔ جدید شہر کے منصوبہ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سِڈکو نے حلقہ ۱ میں جتنے بھی قطعات تیار کئے تھے وہ تمام فروخت ہوچکے ہیں۔ عنقریب ہی حلقہ نمبر ۲ کے قطعات فروخت کئے جائیں گے۔

الوین ٹافلر نے اپنی کتاب "دی فیوچر شاک" میں کہا ہے کہ مستقبل کے دھکوں کا مقابلہ کرنے کیلئے کسی اصول کے مفید ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ صد فیصد "صحیح" ہو۔ عہدِ وسطیٰ کے سیاح جن نقشوں کی بناء پر نئی دنیا کی کھوج میں سفر کرنے نکلے وہ نقشے بے حد غلط تھے۔ تاہم اُن دلیر سیاحوں کی ضد، ان کا استقلال اور حصولِ مقصد کے لئے جس مجاہدانہ فطرت کا ثبوت دیا وہ مستقبل کے سیاحوں کے لئے ہمیشہ ایک مشعلِ راہ اور باعثِ فخر رہی ہے۔

اس شہرِ جدید کی تشکیل اُسی ضد اور استقلال کی مظہر ہے۔

تبصرہ:

قدم قدم

"قدم قدم" نازش پرتاپگڈھی کی قومی نظموں کا مختصر سا مجموعہ ہے جو شاہی پریس لکھنؤ میں دسمبر ۱۹۷۱ء میں چھپا اور بزم اردو پرتاپ گڈھ سے شائع ہوا۔ اس مختصر سے مجموعہ میں کل بیس نظمیں ہیں جو اسّی صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہندوستان کے مایۂ ناز شاعر فراقؔ گورکھپوری نے "حرفِ چند" کے عنوان سے جو پیش لفظ لکھا ہے اس میں اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ "... بے ضرورت قسم کے شاعروں کی جس قدر ہمارے ملک میں افراط ہے، اسی قدر کار آمد اور اچھے شاعروں کی کمی بھی ہے..." اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ملک کی مختلف زبانوں میں ہر دور میں بہت اچھے شاعر دو چار ہی ملتے ہیں اور بقول فراقؔ "انہی بہت اچھے شاعروں میں بجا طور پر نازشؔ پرتابگڈھی کا بھی شمار ہوتا ہے۔"

اس مجموعہ کا گرد پوش نہایت ہی سادہ مگر دلکش ہے اور دو رنگوں میں ہے۔ آخری صفحہ پر نازش پرتابگڈھی کی تصویر ہے جس کا عنوان سید احتشام حسین کے الفاظ "جنھوں نے ہمارے قومی اور جمہوری ادب میں گراں قدر اضافے کئے ہیں" میں دیا گیا ہے۔

نازشؔ پرتابگڈھی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں اور انھوں نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ انھوں نے اپنے دلی جذبات کو اپنے خیالات سے ہم آہنگ کرنے میں بڑی محنت کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر شعر دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ اشعار میں شگفتگی ہے، روانی ہے، تغزل کا رس ہے۔ تجربوں کا نچوڑ ہے۔ شاعر کے دل کی کسک ہے جو شعروں میں ڈھل کر دلوں کو تڑپا دیتی ہے۔

یہ بیس نظمیں فنی محاسن سے مالامال ہیں۔ ہر مصرعہ صحت مندانہ ہے۔ حُبِّ وطن کی دعوت دیتا ہے۔ ہر نظم اپنی ایک جُداگانہ ادا لئے ہوئے ہے جو ہر دل کو دردِ وطن سے آشنا کرتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

گھنے اندھیروں میں ہم چاندرات لائیں گے
پہاڑ کاٹ کے جوئے حیات لائیں گے

سُن اے وطن! تیری خاطر لہو اُچھالیں گے
تجھے خزاں کے ہر اک وار سے بچالیں گے

زلیست نوحہ تھی اُسے حسنِ غزل ہم نے کیا
دھرتی پتھر تھی مگر تاج محل ہم نے کیا

نہ دفتروں میں، نہ یہ فائلوں میں ڈھلتی ہے
زبان دھرتی کے سینے سے لگ کے چلتی ہے
زباں اُبلتی ہے آنگن سے قہقہوں کی طرح
زبان پھیلتی ہے کھیتوں میں بالیوں کی طرح

میں اس دیار کو کیونکر کہوں پرایا ہے
یہیں کی خاک سے میں نے شعور پایا ہے

"قدم قدم" بمبئی میں مکتبہ قصرالادب، پوسٹ بکس ۲۵۶۶ بمبئی ۸، لکھنؤ میں مکتبۂ دین و ادب، ۱ لاٹوش روڈ، لکھنؤ ۱ کے علاوہ بزم اردو ادب بیگم وارڈ، پرتاپ گڈھ سے دو روپے (علاوہ محصول ڈاک) میں خریدی یا منگوائی جا سکتی ہے۔

ریاض احمد خاں

چند نئی کتابیں

نگارشات ... پروفیسر محمد مجیب
مسرت سے بصیرت تک ... پروفیسر آل احمد سرورؔ
ہاتھ ہمارے قلم ہوئے ... راجندر سنگھ بیدی
وہ صورتیں الٰہی ... مالک رام
دینِ الٰہی اور اسکا پس منظر ... مولانا شہاب مالیرکوٹلوی
یادوں کے سائے ... عتیق صدیقی
منازل و مسالک ... ضیاء احمد بدایونی مرحوم
بیاضِ مریم ... سکندر علی وجدؔ
اقبال نمبر ... رسالہ "جوہر" دہلی
تعلیم، فلسفہ اور سماج ... ڈاکٹر سلامت اللہ
منزلیں پیار کی ... ڈاکٹر سیفی پریمی

نتھو کی ماں

بنگالی کہانی

بن پھول

ترجمہ: ڈاکٹر سکینہ جوہری

Fixity of Purpose ' اسے اردو میں کیا کہیں گے؟ مقصد کا تعین!

کچھ بھی ہو، اس کا خوبصورت نمونہ پچھلے دنوں میں نے دیکھا۔

کہانی شروع کرنے سے پہلے Lock Jaw کا مطلب جاننا ضروری ہے۔ جبڑوں کے اس طرح پھنس جانے کو کہ منہ کھولنے کے بعد کھلا ہی رہ جائے "لوک جا" کہتے ہیں۔ زیادہ تر جماہی لیتے ہوئے ہی ایسا ہوتا ہے اور پھر منہ بند نہیں ہوتا جب تک ڈاکٹر اسے ٹھیک نہ کرے۔

اس کے لئے طبی اصطلاح ہے ... ... Dislocation of Mandible جبڑے کا اُتر جانا۔ ایک بار ہونے سے پھر معاملہ کٹھن ہو جاتا ہے۔

ایک بار میں ایک مریض کو دیکھنے گیا تھا۔ وہاں مجھے تقریباً ساری رات جاگنا پڑا۔ صبح نیند سے آنکھیں کھل نہیں رہی تھیں۔ بیوی کے بار بار جگانے کے باوجود میں بستر ہی پر لیٹا رہا۔

پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔

باہر آکر دیکھا تو گھونگھٹ نکالے ایک نسبتاً کم عمر عورت ایک بڑھیا کو لے کر کھڑی تھی۔ میں نے فوراً پہچان لیا کہ وہ نتھو کی بیوی اور ماں تھیں ان کے گھر پر اس سے پہلے بھی مریض کو دیکھنے جا چکا ہوں۔ نتھو یہاں کی آٹے کی چکی میں ملازم ہے۔

میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

بڑھیا چپ تھی۔

نتھو کی بیوی نے کہا: "ماں کا منہ بند نہیں ہوتا"۔ بولتے ہی اس نے اپنی مسکراہٹ چھپالی۔

"بس اتنا ہی، دیکھوں تو!" میں نے دیکھا تو ٹھیک ہی تھا، بڑھیا کا جبڑا اُتر گیا تھا۔

"نتھو کہاں ہے؟"

"رات پالی سے ابھی نہیں لوٹا۔"

"ایسا ہوا کیسے؟ کیا جماہی لیتے ہوئے؟"

بیوی نے جواب دیا (بوڑھی تو بول ہی نہیں سکتی تھی) ۔ "نہیں جی، جماہی لیتے ہوئے نہیں۔"

"پھر؟"

"ایسے ہی ۔"

"ایسے تو ہو ہی نہیں سکتا۔ منہ کیوں کھولا تھا؟"

بہو نے سر جھکا لیا اور پیر کے انگوٹھے سے زمین کھودتے ہوئے لجاتے ہوئے جواب دیا۔

"ماں مجھے گالیاں دے رہی تھی، بہت گالیاں سنانے کے بعد پھر وہ "رانڈ"، "ڈائن" بولنے لگی، اور "ران ڈا... بولتے ہی۔"

منہ آنچل میں چھپا کر، گردن پھیر اس نے اپنی ہنسی چھپالی۔

بڑھیا کی آنکھوں میں جیسے انگارے برسنے لگے۔

"کتنی دیر ہوئی؟" میں نے پوچھا

"تقریباً آدھ گھنٹہ...."

"اچھا بیٹھو تم لوگ، ابھی ٹھیک کر دیتا ہوں"۔ میں نے سوچا، بڑھیا کو اور تھوڑی دیر سزا بھگتنے دو، اتنے میں میں ذرا نپٹ لوں۔

ان دونوں کو معائنہ کے کمرے میں بٹھا کر میں اندر چلا گیا اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد لوٹا۔

آکر دونوں ہاتھوں کے دو انگوٹھے، بڑھیا کے منہ میں ڈال کر نیچے کے جبڑے کو ٹھلا نعد دیکر کھینچا کھٹ سے جبڑا ٹھیک سے بیٹھ گیا۔ جوں ہی انگوٹھا منہ سے باہر آیا بڑھیا بول اٹھی: "ڈا..... ئن"

●●

صلاح الدین پرویز

موجِ مے میں گھومتا ہو لال پیراہن کا خوف
رینگتا ہو جسم کے شیشے پہ جب سردی کا رنگ
تم بھلا ایسے میں
گلدانوں میں رکھے زرد پھول
زعم میں کھڑکی کے باہر پھینک سکتے ہو؟

تمہاری سُرخ ٹیبل پر دوائیں
تلخیوں کی پکّی پکّی بُو لئے
دوڑتی ہیں
فرش پر، دیوار پر اور جسم پر
اور تم:
اس موڑ پہ بھی
پچھلی سانسوں کی سنہری داستاں کو
صدائیں دے رہے ہو
سُرخ اور نیلی رگوں میں
پتھروں کی اونگھتی پرچھائیاں پھیلا رہے ہو

آگ اور پرچھائیں، ترچھی خامیاں؛ تنہائیاں
پھڑپھڑاتی خواہشوں کی ڈالیاں؛ تنہائیاں
سُندرم کی لمحہ لمحہ ٹوٹتی سچّائیاں؛ تنہائیاں
ایک سگرٹ!
اور پھر
آنکھیں، دَرَق: نزدیک اور نزدیک تر

جہاں تک اپنے جینے کا تعلق ہے مختصر طریقہ پر حضرتِ ذوقؔ کی زبان میں یہی کہا جاسکتا ہے ۔

لائی حیات آئے ' قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے ' نہ اپنی خوشی چلے

بات یہیں تک رہتی تو ٹھیک تھا۔ اپنے آپ کو مہمان سمجھتے وہ بھی مہمانِ خصوصی کہ ہر روز ' عمر تمام سب کچھ اپنے قدموں پر ہوتا۔ حکم چلاتے ۔ فکرِ فردا کرتے نہ ماضی کا غم ۔ وہ تو بس جنّت ہوتی کہ جہاں من و سلویٰ ہر وقت حاضر۔ دودھ اور شہد کی نہریں چل رہی ہیں۔ موسم ایسے کہ جو اپنے من کو بھائیں۔ کہیں جانے آنے کا سواری کا مسئلہ ہی نہیں۔ کوئی اُلجھن نہ کوئی تشویش' نہ کوئی حاکم نہ کوئی پوچھ تاچھ کرنے والا۔

ایسے میں تو منکر نکیر بھی بے روزگاری کے دفتر میں چکر کاٹتے دکھائی دیتے کہ جہاں عشق و آرام من بھاتا کھاجا۔ نیکی اور نیکو کاری' مذہب اور دھرم' عشق اور محبت' رقابت' رشک و حسد' مار دھاڑ نہ ہوں۔ وہاں فرشتے کس بات کا حساب کتاب رکھتے اور کیا ہوتی ان کی مصروفیت ۔

لیکن اس جنّت سے کروڑہا برس پہلے بابا آدم نکالے گئے ۔ اب تو اُس کا تصوّر بھی صحیح طور پر نظروں میں نہیں سماتا۔

زندگی کی پہلی سانس سے لے کر موت کی آخری ہچکی تک اتنی ساری اُلجھنیں اور کھٹنائیاں اور پیچیدگیاں انسان کی قسمت پر حاوی ہیں کہ لگتا ہے ۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اور پھر اس پر قادرِ مطلق کا حکم ہے کہ جیو اور جیئے جاؤ ! دانستہ نادانستہ غلطیوں کا خمیازہ بھگتو۔ کبھی بھوک پیاس کی صعوبتوں کے ساتھ ' کبھی دکھ درد تو کبھی بیماری ۔ کبھی کبھی تو اس بات کی حیرانی ہوتی ہے کہ آدمی جیتا کس طرح ہے ۔ ہر سانس نپی تُلی ، دل کی دھڑکنیں مقررہ ' اعضائے رئیسہ ایک نظام کے تحت معیّنہ حدود میں متحرک ہیں۔

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جُز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

خواجہ عبدالغفورؔ

گویا زندگی کیا ہوئی، حکمِ حاکم مرگِ مفاجات ! جیو بس جیو' نہ شکوہ نہ شکایت !

زندگی کی راہوں میں غم بھی ساتھ چلتے ہیں
کوئی غم پہ ہنستا ہے کوئی غم پہ روتا ہے

جی ہاں : زندگی عبارت ہے ہنسنے اور رونے سے رونا تو ازبس ضروری ہے ۔ پیدا ہوتے ہی اوّلین سانس کے ساتھ رونا پڑتا ہے۔ مگر نومولود کے اس رونے پر ساری دنیا ہنستی ہے ۔ عزیز و اقارب کھِل اُٹھتے ہیں۔ اور بچّے کی آئندہ زندگی کے پلان بنانے شروع کردیتے ہیں ۔ کوئی سوچتا ہے اسے انجینئر بناؤں گا' ڈاکٹر بناؤں گا' وکیل بناؤں گا۔ اور کوئی اس کو مصوّر' شاعر اور وزیر بنانے کا خواب دیکھتا ہے ۔ مگر کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اسے بڑا ہوکر خود جیو اور جینے دو پر کاربند ہونا پڑے گا ۔ یعنی اس کی زندگی سفرِ حیات میں اِنسانی اخوّت اور محبّت کا مظاہرہ کرنے والی ثابت ہو

غرض اِس نکتہ کو چھوڑ کر اور تمام پہلوؤں سے اُس کی زندگی کو سجانے کے اِرادے کیے جاتے ہیں اور بس زندگی چل پڑتی ہے۔ سائنس داں حساب لگا کر بتاتے ہیں کہ ۲۴ گھنٹے میں اتنی ہزار سانسیں اور اتنی ہزار دل کی دھڑکنیں وغیرہ وغیرہ ۔ مگر اس کا تجزیہ کوئی نہیں کرتا کہ اس جینے کے پیچھے کتنی ہزار کاوشیں لاکھوں لاکھ سعئ پیہم چھپی رہتی ہیں۔ دُکھ سُکھ' تندرستی ' بیماری' غربت' نیکی بدی' اونچ نیچ ' یہ سب زندگی کے بندھن ہیں ۔ کوئی اِدھر کھینچتا ہے' کوئی اُدھر۔ اس رسّہ کشی میں اور بھی حال پتلا ہوجاتا ہے اور جو حسّاس دِل رکھتا ہے' چلّا اُٹھتا ہے ۔

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دُنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

اور کبھی کبھی تو یہ اُلجھنیں اتنی زبردست شکل اختیار کرلیتی ہیں کہ بے اختیار یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ۔

اک معمّہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

ہر تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں ۔ میں نے کچھ یاسیت اور قنوطیت کی باتیں کی ہیں' میں نے کچھ اندھیرے دیکھے ہیں۔ مگر دنیا میں اور بھی بہت ساری باتیں ہیں۔ اکثر لوگ تو زندگی کے اُجالوں میں جیتے ہیں' اندھیروں میں جگمگاتی روشنی بکھیرتے ہیں اور کہتے ہیں :

میری فطرت کو اندھیروں سے بڑی نفرت ہے
برق ہی ڈال دو ' کچھ دیر اُجالا تو رہے

ان میں بہت سارے تو ایسے ہیں کہ جو طوفان حوادث

کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرتے ہیں اور ایسے کرتے ہیں کہ طوفانوں میں بھی ساحل اُن کے قدموں تک آجاتا ہے یہ اپنی زندگی بناتے چلتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی راستے ہموار کرتے جاتے ہیں۔

ان میں کچھ تو شیخ چلی ہوتے ہیں کہ ہوائی قلعے یا ہوا میں محل بناتے رہتے ہیں۔ ہوائی باتوں پر جیتے ہیں، لیکن وہ اپنے آپ میں بے حد خوش وخرم رہتے ہیں۔ اُن کی اپنی زندگی اُنھیں پیاری ہوتی ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں کہ اُن کی اسکیمیں کامیاب نہ ہوں۔ اُن کی یوجنائیں فیل ہوجائیں، وہ اپنے آپ میں مگن اور سرشار رہتے ہیں یہ خوب جیتے ہیں اور دوسروں کو بھی جینے دیتے ہیں، اُن کے راستے میں نہیں آتے۔ کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ خود بخوبی جیتے ہیں مگر دوسروں کی زندگی اجیرن کیے ہوتے ہیں۔ خدائی فوجدار بن بیٹھتے ہیں۔ ناصح اور صلاح کار ہوتے ہیں۔ کوئی اُن سے پوچھے نہ پوچھے، یہ ضرور اپنی ٹانگ اَڑاتے ہیں۔ ایسے مشورے دیتے ہیں کہ جن پر خود انھوں نے کبھی عمل نہیں کیا، اور نہ عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہر وقت اپنی بڑائی ہانکتے ہیں، اور اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ معقول ہوتے ہیں اور دوسروں کو دردِ سر دیتے ہیں اور 'بور' کہلاتے ہیں اور جو ماہرِ فن ہوجاتے ہیں وہ دوسروں کے لئے مصیبت بن جاتے ہیں۔ بات بات میں اپنے تجربے، اپنی حکمتِ عملی، اپنی کامرانی' ایسے لگے گا کہ بس یہی سب کچھ ہیں، کرتا دھرتا۔ اور انہی کے بل بوتے پر زندگی چل رہی ہے۔

کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں کہ جو بات بات پر دوسروں کو بڑھاوا دیں گے، اُن کی بے جا سراہنا کریں گے، اور ایسے مشورے دیں گے کہ اُن مشوروں پر عمل کرنے والے کو کھڈے میں گِرا کر چھوڑیں گے۔ برخلاف اس کے ایک اور گروہ ہے اجو ہر قدم پر آپ کے حوصلے پست کرتا ہے اور آپ کی ہمت توڑتا ہے۔ اُسے زندگی ہر موڑ پر ختم ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ آپ اگر مکان بنانا چاہتے ہیں تو یہ اتنے سارے نقصان گنائیں گے کہ اس خیال سے ہی توبہ کرلیں گے۔ آپ موٹر خرید رہے ہوں یہ پٹرول کی قیمتوں کے اضافہ کا دُکھڑا روئیں گے، ڈرائیوروں کی بُرائیاں کریں گے، آج کل کی موٹروں کے کل پُرزوں کی خرابی کی لمبی فہرست سُنا ڈالیں گے، غرضیکہ آپ کو جینے نہ دینے کا پورا سامان کریں گے۔

جینے دینے پر ایک بڑا دلچسپ واقعہ یاد آرہا ہے جب ڈاکٹر ذاکر حسین صدرِ جمہوریہ تھے۔ بہت لوگ اُن سے ملنے آیا کرتے تھے اور اپنے لئے باعثِ فخر و افتخار سمجھتے اور صاف صاف یہ بھی ظاہر کرتے کہ اس ملاقات کا اعزاز اُنھیں بہت عزیز رہے گا۔ ایسے ہی ایک صاحب وقتِ مقررہ پر ملاقات کے لئے پہنچے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے یونہی پوچھا کہ کوئی خاص بات ہے جس کے لئے آپ تشریف لائے ہیں۔ اُنھوں نے کہا "جی نہیں، کوئی خاص بات نہیں، یوں ہی سوچا آپ جیسی عظیم المرتبت ہستی سے مل لوں گا۔ کہنے کو تو رہیگا کہ آپ سے ملاقات کا شرف ملا تھا۔" ڈاکٹر صاحب اس جملے پر مسکرائے۔ اور پھر پوچھا: "تو کہئے اور کس کس سے اس دِلّی شہر میں آپ کی ملاقات رہی۔" انھوں نے کہا: "یہی کوئی ۵-۶ سال پہلے یہاں کسی کام سے آیا تھا تو سوچا کہ چلو حکیم اجمل خاں صاحب سے مل لوں، کہنے کو تو رہیگا کہ اُن سے بھی نیاز حاصل ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا، "اُن سے پھر کبھی ملاقات ہوئی کہ نہیں؟" یہ بولے: "کہاں صاحب وہ اس کے بعد ہی گذر گئے۔ البتہ ایک بار اور آیا تو سوچا، ڈاکٹر انصاری سے مل لوں، کہنے کو تو رہے گا کہ اُن سے بھی ملاقات ہوئی تھی" اور خود ہی کہنے لگے "مگر دیکھئے صاحب وہ بھی نہیں رہے اور بس کہنے کو رہ گیا کہ اُن سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔" اس پر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مسکرائے بغیر نہ رہ سکے اور بڑی خندہ پیشانی سے پوچھا" تو آپ ہمیں کتنی مہلت دیں گے جینے کے لئے؟"

تو لوگ اس طرح اوروں کے جینے کی قدریں بناتے ہیں اور کسی کو جینے دیتے ہیں اور کسی کو بالکل جینے نہیں دیتے۔ اب یہ ہمارا اپنا کام ہے کہ اپنی زندگی سنبھال کر جیئے جائیں اور دوسروں کے سہارے نہ ڈھونڈھیں، کیونکہ سہارے انسان کو زندگی کی حقیقتوں سے روگردانی سکھاتے ہیں اور سہارے تمناؤں کی کشتی کو کنارے پر لگا کر ڈبو دیتے ہیں زندگی کے بجائے سہارا ڈھونڈھنے کی بجائے غم کے طوفانوں میں دوسروں کو بچانے کیلئے دوڑ پڑتے ہیں اور یہی زندگی کا تابناک پہلو ہے۔

کشتی تلاش کر نہ تو ساحل تلاش کر
اِنساں کا پیار جس میں ہو وہ دِل تلاش کر

●●

مہاراشٹر میں

۱۰ء۳ لاکھ ٹن اناج کی خریداری

مہاراشٹر میں اجارہ داری وصولی اسکیم کے تحت ۱۶ر مارچ تک موصولہ اعداد وشمار کے مطابق ۱۰ء۳ لاکھ ٹن اناج خریدا گیا۔ اس میں دھان پیدا کرنے والے اضلاع کا حصہ تقریباً دو تہائی ہے۔ ۱۰٫۰۰۰ ٹن سے زیادہ مقدار میں دھان دینے والے اضلاع یہ ہیں:

چندرپور (۱۲۴٫۶۰ ٹن)، بھنڈارہ (۴۸٫۸۷۰ ٹن) تھانہ (۴۷٫۲۵ ٹن)، قلابہ (۲۴٫۵۷۹ ٹن) اور کولھاپور (۱۱٫۴۲۷ ٹن)۔ اس طرح کل ۱۶۹۶ لاکھ ٹن دھان وصول ہوا۔ جوار کی کل خریدی گئی مقدار ۵۱٫۸۲۶ ٹن ہے۔ بڑی مقدار میں یہ غلّہ دینے والے اضلاع یہ ہیں:

جلگاؤں (۱۰٫۲۹۵ ٹن)، سانگلی (۶٫۰۰۷ ٹن) اور دھولیہ (۵٫۲۳۳ ٹن)۔

باجرہ کے معاملہ میں کل مقدار ۶۲٫۱۵۶ ٹن تھی بڑی مقدار میں دینے والے اضلاع یہ ہیں:

احمدنگر (۱۶٫۹۷۱)، ناسک (۱۰٫۶۷۳ ٹن)، اورنگ آباد (۷٫۵۳۴ ٹن) اور بیڑ (۶٫۷۶۴ ٹن)۔

ضلع جلگاؤں کے ساوے گاؤں نے مطلوبہ لیوی سے پانچ گنا زیادہ مقدار میں اناج دیا ہے۔ ضلع شولاپور ۱۱٫۶۷۴ کوئنٹل دھان جمع کرکے اپنے ۱۰٫۰۰۰ کوئنٹل کے مقررہ نشانہ سے آگے بڑھ گیا ہے۔

ضلع جلگاؤں نے لیوی کا ۵۰ فیصدی حصہ ادا کر دیا ہے اور ضلع کے ۵۰ دیہات لیوی سے چھوٹ گئے ہیں۔ ضلع ناسک میں ۴۹۰ دیہات، ضلع تھانہ میں ۲۹۳ دیہات اور ضلع شولاپور میں ۱۴۱ دیہات لیوی سے چھوٹ چکے ہیں۔

اَضلاع میں اناج وصولی

ضلع پربھنی میں اجارہ داری وصولی اسکیم کے تحت ۲۸٫۹۳۵ کوئنٹل اناج جمع ہوچکا ہے۔ اس میں ۱۰٫۱۰۶ کوئنٹل مونگ، ۶٫۷۵۱ کوئنٹل جوار، ۶٫۹۷۴ کوئنٹل باجری، ۱٫۷۶۳ کوئنٹل دھان، ۲٫۲۷۰ کوئنٹل اُڑد اور ۳۱ کوئنٹل گیہوں شامل ہے۔

⁂

ضلع رتناگیری میں یکم مارچ تک اجارہ داری وصولی اسکیم کے تحت ۴۶٫۰۱۳ کوئنٹل دھان جمع ہوا تھا۔ یہ ضلع کے لئے ۸۰٫۰۰۰ کوئنٹل کے مقررہ نشانہ کا ۵۷ فیصد ہے۔ ضلع میں ایک سو اٹھانوے دیہات لیوی سے چھوٹ گئے ہیں۔ دیوگڑھ تعلقہ لیوی سے چھوٹ گیا ہے کیونکہ تمام موضع جات نے نشانہ سو فیصد پورا کر دیا ہے۔

⁂

ضلع احمدنگر میں ۶۹ موضع جات اجارہ داری وصولی اسکیم کے تحت مقررہ نشانہ پورا کرکے لیوی سے چھوٹ گئے ہیں۔ شیوگاؤں تعلقہ آگے جا رہا ہے اور اس میں ۳۴ گاؤں لیوی سے چھوٹ گئے ہیں۔

کل ہند گنا فصل مقابلہ

مہاراشٹر نے سلور شیلڈ حاصل کی

حکومتِ ہند کے زیر اہتمام کل ہند گنا فصل مقابلہ بابت ۱۹۷۲-۷۳ء میں اوسطاً فی ہیکٹر سب سے زیادہ پیداوار کے حساب سے ریاست مہاراشٹر نے جنوبی خطہ کیلئے رننگ سلور شیلڈ حاصل کی۔

شیلڈ کے علاوہ مہاراشٹر کے سات کسانوں نے مختلف اقسام کی فصل گنا میں سب سے زیادہ پیداوار پر انعامات حاصل کئے۔

اڑسالی فصل میں اوّل، دوئم اور سوئم تینوں انعامات ریاست کے حسب ذیل کاشتکاروں کو ملے ہیں۔ قوسین میں فی ہیکٹر پیداوار ٹن میں درج کی گئی ہے:

اوّل انعام: شری وشنو لچھمن دھنواتے، پن تمبا، تعلقہ کوپرگاؤں، ضلع احمدنگر (۴۱۸٫۹۰)

دوسرا انعام: شری بابوراؤ دادا قادر، پتھرا بزرگ، تعلقہ شری رامپور، ضلع احمدنگر (۳۹۲٫۹۶)

تیسرا انعام: شری نیورتی چنگ دیو کولپے، کولپے واڑی تعلقہ کوپرگاؤں، ضلع احمدنگر (۳۶۰٫۸۰)

مختصر مدت فصل میں اوّل انعام: وجے کمار ایس پاٹل تاسبائی، تعلقہ والوا، ضلع سانگلی (۳۱۰٫۵۰) اور دوسرا انعام: شری ابوراؤ یشونت راؤ ساونت، کوپرگاؤں مل، حویلی تعلقہ، ضلع پونا (۲۶۷٫۵۰)

ایک سالی فصل میں شری رنگ رام بھاؤ ماشی کلنے، کورہلے بزرگ، بارہ متی تعلقہ، ضلع پونا (۲۹۵٫۵۰) نے دوسرا انعام حاصل کیا۔

رتون فصل میں نرسنگھ راؤ یشونت راؤ ساونت، کوپرگاؤں، تعلقہ حویلی، ضلع پونا نے کنسولیشن انعام لیا۔

کرشی پنڈت

ضلع کولھاپور کے موضع تلاشی کے ترقی پسند کسان شری شنکر کرشنا پوار کل ہند دھان فصل مقابلہ سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء میں اوّل آئے۔ حکومتِ ہند نے انھیں کرشی پنڈت کے خطاب سے سرفراز کیا ہے۔

سرکاری فیصلے اور اعلانات

مہاراشٹر محصول عدالت میں گرمیوں کی چھٹی

مہاراشٹر محصول عدالت واقع بمبئی گرمیوں کی چھٹیوں کے سلسلہ میں ۶ رمئی سے ۵ رجون ۱۹۸۴ء تک بند رہے گی۔

ڈویزنل بنچز واقع پونا، ناگپور، اورنگ آباد اور کولہاپور بھی ۲۰ راپریل اور ۲۰ رجون کے درمیان زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کی چھٹی اپنی سہولت کے مدنظر منا سکتی ہیں چھٹی کی مدت کا فیصلہ نامزد ممبر کرے گا اور اس کا اعلان کافی قبل مقامی اخبارات میں کرنا ہوگا نیز اس دفتر کے نوٹس بورڈ پر بھی لگانا ہوگا۔

بہرحال مہاراشٹر محصول عدالت کے مختلف مقامات پر دفاتر چھٹیوں کے دوران کھلے رہیں گے جنکے اوقات کا اعلان دفتر متعلقہ نوٹس بورڈوں پر لگا دیا جائیگا۔ فوری معاملات کا چھٹیوں کے دوران فیصلہ جیسا بھی معاملہ ہو صدر یا پھر نامزد ممبر کرے گا۔

انجینیروں کا امتحان مقابلہ
عمر کی حد پر نظر ثانی

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر سروسیز آف انجینیرز درجہ اول اور درجہ دوم اور مہاراشٹر انجینیرنگ سروسیز درجہ اول و دوم میں بھرتی کے لئے مقابلے کے امتحان میں شرکت کرنے والوں کی عمروں کی حد پر نظر ثانی کی ہے۔

اس کے تحت امتحان میں داخلہ کے لئے اس تاریخ کو جو کہ کمیشن امتحان میں داخلہ کے لئے مقرر کرے گا۔ امیدوار کی عمر کے ۱۹ سال پورے ہو چکے ہوں مگر ۲۶ سال (پسماندہ طبقات کے امیدوار کے معاملے میں ۳۱ سال) پورے نہ ہوئے ہوں۔

اپیلیٹ آفیسر کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے مرکزی حکومت کی منظوری سے ڈسٹرکٹ جج، تھانہ کو ایوکیوی انٹریسٹ (سپریشن) ایکٹ، سنہ ۱۹۵۱ء کے تحت اپیلیٹ آفیسر مقرر کیا ہے جس کے حلقہ اختیار میں بمبئی عظمیٰ، تھانہ، قلابہ، رتناگیری، ناسک، دھولیہ، جلگاؤں، پونہ، احمد نگر، ستارا، کولہاپور، شولاپور، ناگپور، وردھا، چندرپور، بھنڈارہ، امراوتی، اکولہ، ایوت مال، بلڈانہ، اورنگ آباد، بیڑ، ناندیڑ، عثمان آباد اور پربھنی اضلاع آتے ہیں۔

حکومت نے مرکزی حکومت کی منظوری سے سول جج، سینئر ڈویزن، تھانہ کو بھی متذکرہ بالا ایکٹ کے تحت متعلقہ اضلاع میں جو کام انہیں سونپے جائیں گے ان کے لئے اپیلیٹ افسر مقرر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں اطلاعات حکومت کے ۲۵ فروری ۱۹۸۴ء کے غیر معمولی گزٹ کے حصہ اول میں شائع ہو چکا ہے۔

عوامی اقدام برائے ترقی ضمنی کمیٹیوں کی تشکیل

عوامی اقدام برائے ترقی (ضلع) کمیٹی (ریاست) کے فیصلہ کے مطابق حکومت مہاراشٹر نے تین ضمنی کمیٹیاں یعنی فنڈ جمع کرنے والی کمیٹی اسکیموں کی چھان بین اور پبلسٹی کمیٹیاں تشکیل دی ہیں۔

ان ضمنی کمیٹیوں کے صدر و اراکین یہ ہیں:

فنڈ جمع کرنے والی ضمنی کمیٹی کے صدر، شری ایس۔ بی چوان، وزیر زراعت ہیں اور دوسرے اراکین شری آر۔ جی۔ دیوتلے، وزیر ریاست برائے زراعت، آبپاشی اور ریاستی ٹرانسپورٹ، شری سی۔ اے۔ کیدار، صدر ضلع پریشد، ناگپور، شری رام کرشن بجاج، بمبئی، صدر مہاراشٹر اسٹیٹ وومنز کانسل، بمبئی اور صدر، ویمنز گریجین ایسوسی ایشن، بمبئی ہیں۔

شری وی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹو کانسل اسکیموں کی چھان بین ضمنی کمیٹی کے صدر ہیں۔

اس ضمنی کمیٹی کے دوسرے اراکین ہیں شری جینت پاٹل، کوسا دھل، ضلع تھانہ، وائس چانسلر مہاتما پھلے کرشی ودیا پیٹھ، راہوری، ضلع احمد نگر اور شری ایس۔ آر۔ پرپڑے، ڈائرکٹر آف اگریکلچر ریاست مہاراشٹر، پونہ شامل ہیں۔

پبلسٹی ضمنی کمیٹی کے صدر شری ایس۔ جی پوار، وزیر ریاست برائے داخلہ، انفارمیشن اور پبلسٹی ہیں۔

ضمنی کمیٹی کے دوسرے اراکین میں شری ایس۔ اے۔ دابھولکر، گرگوٹی، ضلع کولہاپور، شریمتی کرین موویک، صدر، ینگ وومنز کرسچین ایسوسی ایشن، بمبئی اور شری پی۔ جی۔ سالوی، ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز بمبئی شامل ہیں۔

شری پی۔ این۔ شیٹے، اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف پبلسٹی تینوں ضمنی کمیٹیوں کے ممبر سکریٹری نیز کنوینر ہیں۔

پرائمری مدرسین کی پروبیشنری مدت

حکومت مہاراشٹر نے وضاحت کی ہے کہ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے خصوصی روزگار پروگرام کے تحت ۱۹۷۳-۷۴ء کے دوران مقرر کئے گئے گریجویٹ یا ایس۔ ایس۔ سی غیر تربیت یافتہ پرائمری ٹیچر ایک سال کی مدت تک پروبیشن پر رہیں گے۔ اس پروبیشنری مدت کے دوران ان کو ۱۵۰ روپیہ کا مقررہ وظیفہ دیا جائیگا۔ پروبیشن کی مدت ان کی تاریخ تقرری سے جوڑی جائیگی۔

یہ وضاحت اس شرط کے مدنظر ضروری ہوگئی جو حکومت کے ایک ریزولوشن میں بیان کی گئی ہے کہ گریجویٹ اور ایس۔ ایس۔ سی۔ غیر تربیت یافتہ مدرس باقاعدہ شرح تنخواہ حاصل کرنے کے لئے مراسلت کورس کرکے خود کو اہل بنالیں۔

تفریحی کمیٹی کی دوبارہ تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے وزیر ثقافتی امور کی زیر صدارت مقررہ کمیٹی دوبارہ تشکیل کی ہے۔

کمیٹی کے دوسرے ممبران یہ ہیں سکریٹری محکمہ سوشل ویلفیر، ثقافتی امور، اسپورٹس اور سیاحت، نیز اسی محکمہ کے ڈپٹی سکریٹری (ثقافتی امور سے متعلق) اور ڈائرکٹر آف ثقافتی امور بمبئی (ممبر سکریٹری)۔

پندرہ دن کے اندر ۲۹ء۱ لاکھ روپے وصول

اترن گاؤں کے تلاٹھی شری بابوراؤ چندو پوار نے پندرہ دن کے اندر مبلغ ۲۹ء۱ لاکھ روپے کی بقایا رقم کسانوں سے وصول کی اور اس طرح وہ اپنی تیس سالہ ملازمت میں خود اپنے ریکارڈ سے بھی سبقت لے گئے۔

ضلع جلگاؤں کے تعلقہ ارنڈول میں واقع اترن گاؤں کی آبادی ۵۰۰۰ ہے اور اس پر محصول آراضی اور دیگر تقاوی قرضہ جات کے سلسلہ میں ۴ لاکھ روپے کی رقم باقی ہے۔

گذشتہ ماہ فروری میں ارنڈول تعلقہ میں وصولی پندھرواڑہ منایا گیا تھا۔ شری پوار نے سرپنچ شری عبدالظہور لال میاں دیشمکھ اور پولس پاٹل، شری بھیکا جی دھنا پاٹل کے ساتھ مہم میں سرگرمی سے حصہ لیا اور قرقی کے بغیر مذکورہ رقم وصول کرلی۔

پندھرواڑے کے دوران ۲۶ء۵ لاکھ روپے کی رقم ارنڈول تعلقہ کے ۱۴۷ دیہاتوں سے وصول کی گئی جس میں سے ایک چوتھائی رقم صرف اترن گاؤں ہی نے ادا کی ہے۔

مہاراشٹر یونیورسٹی کتب تیاری بورڈ کو مالی امداد

حکومت ہند نے مہاراشٹر یونیورسٹیز بک پروڈکشن بورڈ، ناگپور کو یونیورسٹی سطح پر استعمال کیلئے علاقائی زبان میں کتابوں کی تیاری وغیرہ کی مرکزی زیر سرپرستی اسکیم پر عمل آوری کی غرض سے مصارف پورے کرنے کیلئے ۱۹۷۳-۷۴ء کے جاریہ مالی سال کے دوران تین لاکھ روپئے کی مالی امداد منظور کی ہے۔

مرکزی حکومت کی وضع کردہ اس اسکیم کا مقصد ہے کہ ریاستی یونیورسٹیوں کو علاقائی زبانوں میں نصابی اور دوسری کتابیں تیار کرنے میں مدد دی جائے تاکہ یونیورسٹی سطح کے طالب علموں کو علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے میں سہولت ہو۔

ریاستی مشاورتی کانسل برائے صنعت کے نئے اراکین

حکومت مہاراشٹر نے ریاستی مشاورتی کانسل برائے صنعت میں آئرن، اسٹیل اور ہارڈویئر مرچنٹس اور مینوفیکچررس چیمبر آف انڈیا بمبئی کے صدر یا ان کے نمائندے اور آل انڈیا گلاس مینوفیکچررس فیڈریشن، بمبئی کے صدر یا اس کے نمائندے کو بطور غیر سرکاری اراکین مقرر کیا ہے۔

منی لاٹری ٹکٹوں کی فروخت ایجنسی کی ضرورت نہیں

حکومت مہاراشٹر نے وضاحت کی ہے کہ منی لاٹری کے ٹکٹ موجودہ ایجنٹوں کے علاوہ کسی بھی شخص یا ادارے کو براہ راست فروخت کے لئے دئے جائیں گے صرف شرط یہ ہوگی کہ وہ کم سے کم ۱۰۰ ٹکٹ خرید سے۔ کمیشن دس فیصدی ہوگا۔ کمیشن خریداری کے وقت ہی دیا جائے گا یعنی ۱۰۰ روپے قیمت کے ٹکٹ پر صرف ۹۰ روپے وصول کئے جائیں گے۔

لہٰذا افراد یا ادارے مہاراشٹر اسٹیٹ منی لاٹری کے ٹکٹ فروخت کرنے کیلئے ڈائرکٹر آف اسمال سیونگز اور اسٹیٹ لاٹری، حکومت مہاراشٹر کی خصوصی اجازت پر خرید سکتے ہیں۔ یہ ٹکٹ پے اینڈ اکاؤنٹس آفس، ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ مقابل سچیوالیہ، بمبئی ۳۲ سے خریدے جاسکتے ہیں

دلچسپی رکھنے والے افراد نیز اداروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ڈائرکٹر اسمال سیونگز اور اسٹیٹ لاٹری، حکومت مہاراشٹر، محکمہ مالیات، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲ سے ٹکٹ خریدنے کیلئے خصوصی اجازت نامہ حاصل کرنے کے لئے رابطہ قائم کریں، مزید معلومات پبلک ریلیشنز آفیسر، مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری (ٹیلی فون نمبر 296575) یا ڈائرکٹر آف اسمال سیونگز اینڈ اسٹیٹ لاٹری حکومت مہاراشٹر (ٹیلی فون نمبر 293407) سے حاصل کیجا سکتی ہے۔

شری جی۔ ایم۔ ویدیا

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ شری جی۔ ایم۔ ویدیا، سپرنٹنڈنگ انجینئر، محکمہ آبپاشی و بجلی کو ماہرین کی کمیٹی میں پورے رکن کی حیثیت سے لیا جائے جو ریاست میں حالت زراعت کے جائزے کے لئے ۱۹۷۳ء میں تشکیل دی گئی تھی۔

بمبئی کے شب و روز

ہندوستان اور مالدیپ کے درمیان رابطہ

شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے، اسپیکر مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی نے ۱۲ مارچ کو بمبئی میں ودیش سنچار بھون میں ٹیلی پرنٹر ٹرانسمیٹر کا سوئچ دبا کر ہندوستان اور مالدیپ کے درمیان پہلے "ٹیلی کمیونی کیشن" رابطہ کا افتتاح فرمایا تھا۔ اعلیٰ حضرت مسٹر احمد ذکی، وزیر اعظم جمہوریۂ مالدیپ جو ہندوستان کے سرکاری دورے پر آئے ہوئے تھے، مہمان خصوصی تھے۔

مسٹر ذکی نے فرمایا کہ دونوں ممالک میں ذاتی رابطہ مضبوط کرنا چاہئے تاکہ باہمی مفاہمت اور دوستی بڑھے۔ موصوف نے اس رابطہ کے قیام پر اطمینان کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں حکومت ہند کی دلچسپی اور اعانت کیلئے شکریہ ادا کیا۔

اس افتتاحی تقریب میں شری وانکھیڈے اور مسٹر موسیٰ علی ظہری، وزیر انصاف، حکومت مالدیپ کے درمیان ٹیلی پرنٹر مشین پر پیغامات مبارک باد کا تبادلہ ہوا۔ شری وانکھیڈے نے اپنے پیغام میں مالدیپ کے عوام کو مبارکباد دی اور یہ امید ظاہر کی کہ اس رابطہ کے ذریعہ دونوں ملکوں کے مابین اقتصادی اور ثقافتی تعلقات اور استوار ہوں گے۔

شری پی۔ جی۔ واملے، ڈائرکٹر جنرل آف اوورسیز کمیونی کیشن سروس نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور شکریہ ادا کیا۔

وزیر اعظم مالدیپ کا دورہ

۱۳ مارچ کو صبح اعلیحضرت، مسٹر احمد ذکی، وزیر اعظم جمہوریہ مالدیپ اور بیگم ذکی کو مہاراشٹر کے گورنر شری علی یاور جنگ نے سانتا کروز ہوائی اڈہ پر ان کی کوچین روانگی کے وقت الوداع کہا۔

اس موقع پر شری کلیان راؤ پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت، اور شریمتی پاٹل، شری کانتی کمار پوتدار، شریف بمبئی اور شریمتی پوتدار، اور اراکین قنصل نیز شہری اور دفاعی افسران اور دیگر اصحاب ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔

وزیر اعظم کے اعزاز میں گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔ شری خواجہ عبدالغفور، سکریٹری حکومت، جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ نے وزیر اعظم کو شہر میں ان کے دورہ سے متعلق تصاویر کا ایک البم پیش کیا۔

اس سے قبل اعلیحضرت نے مرچنٹ نیوی ٹریننگ شپ راجندر، مجگاؤں ڈاک نیز بھابھا اٹومک ریسرچ سنٹر کا معائنہ کیا۔

گورنر مہاراشٹر شری علی یاور جنگ ۱۲ مارچ ۱۹۸۱ء کو سانتا کروز ہوائی اڈہ پر مسٹر احمد ذکی، وزیر اعظم جمہوریہ مالدیپ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے بمبئی میں ۔۔ مارچ ۱۹۸۲ء کو مہاراشٹر راجیہ پولس گرہ نرمان و کلیان مہامنڈل کی پہلی نشست کا افتتاح کیا

پولس کی فلاح وبہبود

تعمیر مکانات کیلئے کارپوریشن کا قیام

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے "مہاراشٹ کو کنسٹرکشن، ہاؤس بلڈنگ، مہاراشٹرا اسٹیٹ پولیس ہاؤسنگ اینڈ ویلفیئر کارپوریشن کا افتتاح کیا۔

افتتاحی تقریر میں شری نائک نے فرمایا کہ کارپوریشن کے قیام سے پولس افراد کے لئے تعمیر مکانات کا پروگرام آگے بڑھے گا۔ اب یہ بورڈ آف ڈائرکٹرس کا کام ہے کہ وہ جلد سے جلد قابل عمل تجاویز وضع کرے نیز ان کی منظوری کے بعد تیزی سے زیر عمل لائے۔

شری ڈی۔ ڈی۔ ساٹھے، چیف سکریٹری حکومت اس موقع پر موجود تھے۔

یہ کارپوریشن حکومت مہاراشٹر کا ادارہ ہے جس کا منظورہ سرمایہ ۱۰ کروڑ روپے اور جمع سرمایہ ۶۸۵ء۲ کروڑ روپے ہے۔ کارپوریشن کا ایک مقصد یہ ہے کہ پولس اور محکمۂ جیل کے افسران اور افراد کے لئے رہائشی مکانات تعمیر کرے۔ یہ کارپوریشن جلد ہی ورلی (بمبئی) میں ۳۲۰ کوارٹروں کی تعمیر شروع کرے گا۔

آئندہ بمبئی میں گھاٹ کوپر، ناگپور اور دیگر مقامات میں ریلوے پولس کیلئے تعمیر مکانات کی اسکیمات وضع کی جائیں گی۔

مویشیوں کا علاج اور دیکھ بھال

وزیر اعلیٰ کے ہاتھوں نمائش کا افتتاح

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے حال ہی میں بمبئی ویٹرنیری کالج کے زیر اہتمام اس کے سالانہ اجتماع کے موقع پر پریل میں ویٹرنیری سائنس پر ایک نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ مہاراشٹر میں نوجوان ویٹرنیری اسٹوڈنٹس جانوروں کے علاج اور دیکھ بھال میں بڑی دلچسپی لے رہے ہیں۔ لہٰذا اس میدان میں ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

آپ نے مزید یقین دلایا کہ اس کالج کی ہر طرح سے مدد کی جائے گی جو اس معاملہ میں ۸۸ سال کا تجربہ رکھتا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ ریاستی حکومت اور ضلع پریشدوں میں ملازم ویٹرنیری افسران کو ۲۷۵ روپے کی بنیادی تنخواہ دی گئی ہے۔

شری نائک نے گائے کی افزائش نسل کے لئے منی بھائی دیسائی کے کام کو سراہا اور فرمایا کہ ریاستی حکومت نے بھی اس قسم کی کوشش کرنے کا فیصلہ کیا ہے مجھے امید ہے کہ ویٹرنیری کالج اس میدان میں تحقیقاتی کام انجام دے گا۔

وزیر اعلیٰ نے بمبئی ویٹرنیری کالج کی اسٹوڈنٹس کونسل کے لئے، جسے ہمیشہ مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مبلغ ۱۰,۰۰۰ روپے نیز مہاراشٹر ویٹرنیری گریجویٹس ایسوسی ایشن کے لئے مبلغ ۵,۰۰۰ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا۔ آپ نے طلباء سے اپیل کی کہ وہ سماج کی بھلائی کے لئے کام کریں۔

ڈاکٹر وی۔ ایس۔ کوٹ باگی، ڈائرکٹر آف اینیمل ہسبینڈری نے تقریب کی صدارت فرمائی۔ آپ نے جانوروں کی دیکھ بھال اور ڈیری سدھار کیلئے علیٰحدہ وزارت کے قیام کا مشورہ دیا۔

کالج کے ڈین ڈاکٹر شری لواس رشیر ساگر نے بتایا کہ حکومت نے کالج کو تین ہیکٹر (آٹھ ایکڑ) قابل کاشت اراضی نیز ۱۸ ہیکٹر (۲۰ ایکڑ) دیگر اراضی آرے ملک کالونی میں دی ہے۔ اسی طرح آرے کے دیگر یونٹوں میں مویشیوں کے امراض کی تشخیص وغیرہ کے لئے سہولتیں دی گئی ہیں۔

ابتدا میں شری وجے والمبے نے حاضرین کا خیر مقدم کیا۔

پولٹری مقابلہ

گذشتہ ماہ فروری میں پٹنہ میں منعقدہ "آل انڈیا پولٹری اور مویشی شو" کے موقع پر مرغبانی کے مقابلہ میں بمبئی ویٹرنیری کالج کی ٹیم نے اوّل انعام نیز چیلنجنگ شیلڈ حاصل کی۔ گذشتہ سال بھی انھوں نے ہی اوّل انعام حاصل کیا تھا۔

ہمیں عدمِ تحفظ کا کوئی احساس نہیں

بمبئی کے کیرالی باشندوں کی وزیر اعظم کو یقین دہانی !!

بمبئی میں خود برسرِ روزگار ۵۱ کیرالی باشندوں کی ایک جماعت نے جو سالہا سال سے اِس پولیٹن شہر میں رہتے ہیں، وزیر اعظم کو یقین دلایا ہے کہ ان میں عدم تحفظ کا قطعی کوئی
س نہیں ہے اور وہ اپنا کاروبار بلا رکاوٹ اور
ٹکے انجام دے رہے ہیں - ان افراد نے مزید
ہے کہ " یہ حکومتِ مہاراشٹر اور یہاں کے باشندوں
ساف پسندی اور رواداری ہے کہ ہمیں مہاراشٹرین
ا گیا ہے اور ہمیں وہ تمام سہولتیں اور آسائشیں
ی ہیں جو ریاست کے مراٹھی بولنے والے شہریوں
سل ہیں "

اس بیان پر دستخط کرنے والوں میں چھوٹے
ری، ہاکر، درزی، بیڑی شاپ مالکان وغیرہ
، ہیں - کیرالا قانون ساز اسمبلی کے ایوان میں
کے وزیر اعلیٰ نیز دیگر اراکین کی تقریروں سے یہ غلط
پیدا ہوتا ہے کہ بمبئی میں کیرالی باشندوں کو
یینک اور دیگر عناصر ستاتے ہیں اور حکومتِ
شٹر ان کی حفاظت کرنے میں ناکام رہی ہے -
" یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ کیرالا کے وزیر اعلیٰ
دیگر ممبرانِ مجلسِ قانون ساز جیسے ذمے دار اصحاب
، واقعات کے بارے میں کافی چھان بین کئے بغیر
تِ مہاراشٹر اور اس کے باشندوں کے خلاف کیچڑ
التے ہیں - ہم واضح طور سے یہ بتا دینا چاہتے ہیں
رالی باشندے نیز جنوبی ہندوستان و دیگر لسانی
ی افراد بمبئی اور مہاراشٹر کے دیگر حصوں میں بل
ر امن و چین کی زندگی گذار رہے ہیں - یہ سچ ہے
لیہ دنوں میں تشدد اور لوٹ مار کے واقعات
ے ہیں جن میں کچھ چھوٹے تاجر نشانہ بنے - لیکن
بنا ٹھیک نہیں ہے کہ یہ ہنگامے خصوصاً کیرالی
ندوں یا جنوبی ہند کے دیگر باشندوں کے خلاف
- مہاراشٹریوں نے بھی نقصان اٹھایا ہے - ہم یہ
، بتا دینا چاہتے ہیں کہ حکومت مہاراشٹر اور پولیس
نے موجودہ حالات میں جہاں تک ممکن تھا، ان نقصان اٹھانے والوں کی زیادہ سے زیادہ حفاظت کی "

" ہم کیرالا سے آنے والے باشندے سالوں سے یہاں رہتے ہیں - فی الحقیقت ہم میں سے بہت سے یہیں پیدا ہوئے ہیں - ہم اپنا کاروبار بلا رکاوٹ اور بلا کھٹکے انجام دیتے ہیں - حکومت مہاراشٹر اور یہاں کے لوگوں کی انصاف پروری اور رواداری کی خاطر ہم یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں مہاراشٹرین مان لیا گیا ہے اور ہمیں وہ تمام سہولتیں اور آسائشیں دی گئی ہیں جو ریاست کے مراٹھی بولنے والے لوگوں کو حاصل ہیں - ہم میں عدمِ تحفظ کا کوئی احساس نہیں ہے "

دستخط کنندگان نے اپنے اِس خط کی نقل کیرالا اور مہاراشٹر کے وزرائے اعلیٰ کو بھی بھیجی ہے -

چمڑے کی صنعت کی ترقی

وزیر صنعت کا اعلان

" چمڑے کی صنعت کی ترقی کے لئے ایک ' لیدر کامپلیکس ' کولہاپور میں قائم کرنے کی تجویز ہے " اس بات کا اعلان مہاراشٹر کے وزیر صنعت و محنت شری این - ایم - تیڈکے نے گذشتہ ۱۲ مارچ کو بھیوالیہ میں اسٹیٹ لیدر انڈسٹریز ڈیولپمنٹ بورڈ کے پہلے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا - آپ نے یہ بھی بتایا کہ پانچویں پلان میں اس کیلئے ۱۹۱۴ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے جس میں سے ۱۸۸ لاکھ روپے کی رقم ۱۹۷۴-۷۵ سال کے لئے مختص ہے -

شری تیڈکے نے مزید فرمایا کہ حکومت نے لیدر انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے جس کے لئے چوتھے پلان میں گنجائش رکھی گئی تھی - چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے ۱۶,۰۰۰ یونٹ اسی میدان میں کام کر رہے ہیں اور انھوں نے سالانہ تقریباً ۱۰ کروڑ روپے کا چمڑی مال برآمد کیا ہے - حکومت کا ارادہ ہے کہ پانچویں پلان کے اختتام تک یہ برآمدی تجارت ۱۵ کروڑ روپے تک بڑھا دی جائے - حکومت ریاست کے پس ماندہ علاقوں میں چمڑے کی صنعت کی ترقیاتی اسکیمات بھی شروع کرے گی -

وزیر ریاست برائے صنعت شری کے - پی - پاٹل اور انڈسٹریز کمشنر شری ایم - ابراہیم نے بھی اجلاس سے خطاب کیا - شری سی - وی - گن گل، ممبر سکریٹری نے شکریہ ادا کیا -

بمبئی بندرگاہ لانچ سروس کمیٹی

کی رپورٹ

بمبئی بندرگاہ لانچ سروس سے متعلق مسائل پر غور کرنے کے لئے مقرر کردہ کمیٹی نے گذشتہ ۱۲ مارچ کو اپنی رپورٹ ریاستی حکومت کو پیش کر دی -

یہ رپورٹ شری اے - آر - انتولے، وزیر برائے تعمیرات و مواصلات کو کونسل ہال، بمبئی میں کیپٹن ایم - آئی - گھلے، ڈائرکٹر آف اِنلینڈ واٹر ٹرانسپورٹ نے صدر کمیٹی، لیفٹننٹ کمانڈر، آر - وائی - تابیہ کی جانب سے پیش کی جو سمندر پار گئے ہوئے ہیں -

یہ کمیٹی حکومت نے اپریل ۱۹۷۲ء میں مقرر کی تھی - کمیٹی نے اپنی عبوری مدت کی رپورٹ جولائی ۷۲ء میں پیش کی تھی - اِس موقع پر کمیٹی کے دیگر ممبران بھی موجود تھے -

دوسرے ہفتہ مختصر [illegible] کے دوران وزیر مالیات شری ایم۔ ڈی۔ چودھری نے ریاستی بجٹ بابت [illegible] ایوان کے سامنے پیش کیا۔ (یہ بجٹ "قومی راج" کے یکم مارچ کے شمارہ میں صفحہ [illegible] پر پیش کیا جاچکا ہے)۔

مذکورہ ہفتہ کی قابلِ ذکر کارروائی مہاراشٹر میونسپلٹیز اور دیگر قوانین (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء کی منظوری ہے جس کا مقصد میونسپل کونسل کے صدر کے طریقۂ انتخاب میں تبدیلی اور انھیں مزید اختیارات دینا ہے۔ اپوزیشن کے اراکین ابتدائی مرحلہ ہی سے بل پر معترض تھے کیونکہ اس کا مقصد انتخابات ملتوی کرنا تھا۔ ان کا اصرار تھا کہ انتخابات ۳۱ مارچ سے قبل ہی کرائے جائیں۔

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقی نے جنھوں نے یہ بل پیش کیا تھا، اپوزیشن کے اس الزام کی تردید کی کہ یہ بل سیاسی مقصد سے پیش کیا گیا ہے۔ نیز آپ نے اس امر کی وضاحت کی کہ انتخابات کا التوا ناگزیر تھا۔ تاہم اپوزیشن کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

قانون ساز اسمبلی امور مشاورتی کمیٹی نے بھی یہ سفارش کی تھی کہ ایوان بعدازاں شام میں اجلاس کرکے اس بل پر بحث کرے۔ بہرحال اپوزیشن اراکین نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔

انوکھا واقعہ

شری این۔ ایم۔ تڑکے، وزیر برائے قانون سازی امور نے اس انوکھے واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا کیونکہ پہلے کبھی ایسی مثال نہیں ملتی جب اپوزیشن نے اس کمیٹی کی سفارشات کی مخالفت کی ہو۔ لہٰذا آپ نے اراکین سے اپیل کی کہ وہ حسب روایت اس سفارش کو متفقہ طور پر منظور کریں۔ بہرصورت اپوزیشن اپنا موقف تبدیل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئی اور کمیٹی کی رپورٹ کثرتِ رائے سے منظور کر دی گئی۔

بل کثرتِ رائے سے پاس
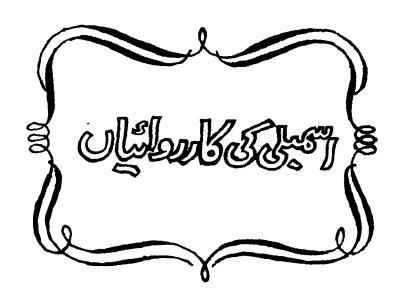
بل پر دفعہ بہ دفعہ غور کے وقت بعض ترمیمیں پیش کی گئیں۔ بہرحال شری آر۔ وی۔ بیٹ، ڈپٹی اسپیکر نے طوالت سے بچنے کے لیے بحث کا وقت معین کر دیا۔ اپوزیشن کے اراکین سروشری آر۔ کے۔ مہالگی اور ڈی۔ بی۔ پاٹل نے اس فیصلہ پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ تاہم بل کثرتِ رائے سے منظور کر دیا گیا۔ بعدازاں اپوزیشن نے گورنر کے خطاب پر "تجویزِ تشکر" پر بحث کے دوران جارحانہ رویہ اختیار کیا۔

ایوان نے گورنر کے خطبہ پر دو دن بحث کی۔ اپوزیشن کے اراکین ابتدا ہی سے خطبہ کی مخالفت کر رہے تھے۔ دو روزہ بحث کے دوران بھی انھوں نے بے اطمینانی کا اظہار کیا۔

سروشری ایس۔ ایس۔ دیگھے، آر۔ اے۔ پاٹل، اے۔ ایچ۔ ہمدانی اور دیگر کانگریسی ممبران نے خطبہ کا خیر مقدم کیا۔

جوں ہی وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک شکریہ کی تجویز پر بحث کا جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے سروشری ڈی۔ بی۔ پاٹل، آر۔ کے۔ مہالگی اور شریمتی مرنال گورے وغیرہ نے اصرار کیا کہ وزیر اعلیٰ پہلے ان کے سوالات کا جواب دیں۔

تجویزِ تشکر منظور

شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے، اسپیکر نے اس پارلیمانی طریقہ کی وضاحت کی کہ کوئی بھی فرد وزیر اعلیٰ کو کسی بھی خاص تسلسل یا ترتیب سے بولنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ بہرحال وہ بعد میں ان کا جواب دیں گے۔ لیکن اپوزیشن کا اصرار جاری رہا۔ ایوان میں غیر متوقع شور و غل برپا ہوا اور کانگریس اور اپوزیشن کے اراکین نے ایک دوسرے پر الزامات لگائے۔ اس پر شری وانکھیڈے نے وزیر اعلیٰ کو ہدایت کی کہ وہ تحریری تقریر ایوان کی میز پر رکھ دیں۔

حکومت کی پالیسی

اپنی تقریر میں وزیر اعلیٰ نے حکومت کی پالیسی اور پروگرام کو دہرایا جن کا ذکر گورنر نے اپنے خطبہ میں کیا تھا۔ آپ نے قلت راحت پروگرام، اب تک شروع کئے گئے اور پورے کئے گئے کاموں کی تعداد، اناج کی قلت پر قابو پانے کی کوششیں مثلاً اجارہ داری حصول اناج اسکیم نیز مناسب قیمت کی دکانوں سے اناج کی تقسیم اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کو روکنے کے اقدامات کے بارے میں تفصیلات پیش کیں۔

وزیر اعلیٰ نے پولس پر لگائے گئے الزامات کا بھی جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب کبھی پولس کے افراد پر اپنے اختیارات غلط طور سے استعمال کرنے کا الزام لگایا گیا، ہم نے ان کے خلاف کارروائی کی۔ تاہم

بھی حکومت کسی ایسی کوشش کو برداشت نہیں
ی جس کا مقصد پولس کی حوصلہ شکنی ہو۔

شری نائک نے بتایا کہ حکومت نے پولس عوام
ات کمیٹی قائم کی ہے تاکہ وہ پولس کے لئے ضابطہ بنائے
پولس عوام کی جانب سے ایجی ٹیشن اور مورچہ وغیرہ
قت مناسب طور سے پیش آئے۔ آپ نے یہ امید
کی کہ کمیٹی کی سفارشات مفید ہوں گی۔

وزیر اعلیٰ نے مہاراشٹر۔ کرناٹک سرحدی تنازعہ طے
کے لئے ریاستی حکومت کی کوشش نیز ریاست میں
وں کو درپیش مختلف مسائل اور ان کی مشکلات کو دور
کے لئے اقدامات کا بھی ذکر کیا۔

آپ نے فرمایا کہ ہم موجودہ کٹھن صورت حال پر
لئے قابو نہ پا سکے کہ ہم ایکدوسرے پر الزام دھرتے
۔ یہ قلت ہے جو اس صورت حال کی ذمہ دار ہے
کا حل یہی ہے کہ پیداوار بڑھائی جائے اور تقسیم
لئے کارگذار بندوبست ہو۔

آخر میں وزیر اعلیٰ نے اراکین سے اپیل کی کہ وہ
بندی " اور ہڑتال وغیرہ جیسی کوششوں کو روکنے
کومت سے تعاون کریں جس سے پیداوار میں خلل
ہے۔

اس کے بعد تحریک ووٹ کے لئے رکھی گئی اور
قرار دی گئی۔ ازاں بعد اسپیکر نے ایوان کا
اس دن شام کے ۶ بجے تک ملتوی کر دیا۔

بعد میں جب شری اے۔ اے۔ وانکھیڈے نے
خام کپاس (حصول، پروسیسنگ اور کھپت) بل
۱۹۷۴ء جس کا مقصد اصل آرڈی ننس کو
شکل دینا ہے، پیش کئے جانے پر اظہار ناراضگی
ئے ایک تجویز پیش کی تو کانگریسی ممبران نے اپوزیشن
ران کی مخالفت شروع کی۔ ان کا کہنا تھا کہ اپوزیشن
یر اعلیٰ کو تقریر کرنے کا حق استعمال کرنے کی اجازت
کر پارلیمانی روایت کی خلاف ورزی کی ہے۔ لہٰذا
بل پر بولنے کا اخلاقاً کوئی حق نہیں ہے۔
ایوان میں پھر شور و غل برپا ہوا۔ اسپیکر نے
اس پر سخت افسوس کا اظہار کیا۔ بل پر رائے لی گئی،
اور اسے پاس قرار دیا گیا۔

اراکین میں مفاہمت

ہفتہ کے چوتھے دن شری وانکھیڈے نے تمام پارٹیوں
کے قائدین کا اجلاس طلب کیا اور ان کے درمیان مفاہمت
کرائی۔ ہفتہ کے بقیہ دو دن ایوان کی کارروائی پُرسکون
ماحول میں انجام پائی۔

ان دو دنوں میں ایوان نے ضمنی مطالبات برائے
۱۹۷۴-۷۵ء منظور کئے جن کی کل رقم ۳،۳۲،۳۵،۱۳۷
روپے ہے۔

شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے محکمہ داخلہ سے متعلق
مطالبات پر ایک تحریکِ تخفیف پیش کی۔

تحریک پر بحث کے دوران شری ڈی۔ بی۔ پاٹل،
شری آر۔ کے۔ مہالگی اور شریمتی مرنال گورے نے
ورلی کے فسادات کے دوران پولس کے رویہ نیز ریاست
میں دیگر مقامات میں پولس فائرنگ پر تنقید کی۔

سرو شری وی۔ جی۔ شیودھرے اور اے۔ ایچ۔
ممانی نے تحریک کی مخالفت کی۔

پولس پر زبردست بوجھ

بحث کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری وی۔
پی۔ نائک نے فرمایا کہ گذشتہ دو سال کے دوران پولس
جمعیت پر زبردست بوجھ پڑا ہے۔ پولس کی ضرورت
سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ ہر حکومت کو خواہ اس
کی پارٹی کوئی ہو، لازمی طور سے پولس رکھنی پڑتی ہے۔
جب کبھی بھی پولس پر اپنے فرائض کی انجام دہی میں
غلطی اور کوتاہی کا الزام لگایا گیا حکومت نے خود اس کی
چھان بین کی اور خاطی کے خلاف کارروائی بھی کی۔
حکومت نے کبھی بھی عوام کو دبانے کے لئے دیدہ و
دانستہ پولس طاقت استعمال نہیں کی۔

وزیر اعلیٰ نے اراکین سے اپیل کی کہ وہ موجودہ کٹھن
صورتِ حال میں امن و ضبط کے قیام میں حکومت سے
تعاون کریں۔

ازاں بعد ایوان نے تحریکِ تخفیف کثرتِ رائے
سے رد کر دی۔

منصوبہ بندی محکمہ کے مطالبات پر بحث کے
دوران سرو شری سداشیو منڈلک، آر۔ اے۔ پاٹل، اے۔
این۔ تھوپٹے اور شری ڈی۔ ایس۔ نندیکر نے حکومت
سے اس امر کی وضاحت چاہی کہ ۸ کروڑ روپے کی دستیاب
رقم تعلیم یافتہ اشخاص کو روزگار فراہم کرنے کے پروگرام
پر پوری طرح صرف کیوں نہیں کی گئی۔

شریمتی پربھا راؤ، وزیر ریاست برائے منصوبہ
بندی نے ممبران کو یقین دلایا کہ حکومت یہ رقم اگلا سال
شروع ہونے سے قبل خرچ کر لے گی۔

بعد ازاں مقررہ وقت کے مطابق بحث روک
دی گئی۔ بقیہ مطالبات ووٹ کے لئے رکھے گئے
اور پاس کر دئے گئے۔

لسانی اقلیتوں پر
وزیر اعلیٰ کا بیان

مہاراشٹر میں لسانی اقلیتوں کی حفاظت کیلئے
ریاستی حکومت کی کوششوں سے متعلق وزیر اعلیٰ
کا مفصل بیان اس ہفتہ کے دوران ایوان کی
دوسری قابل ذکر کارروائی ہے۔

ممبران نے لسانی اقلیتوں کے بارے میں
حکومت کی پالیسی پر اطمینان کا اظہار کیا اور یہ
محسوس کیا کہ اس بیان سے اس بارے میں
غلط پروپگنڈے کا تدارک ہو سکے گا۔

بقیہ کونسل میں بحث

شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر ریاست برائے داخلہ نے فرمایا کہ
یہ معاملہ سب ہی کیلئے تشویشناک ہے۔ حکومت کو پُر امن اور جمہوری
ایجی ٹیشن پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ پولس کو ان حالات میں
گولی چلانا پڑی کیونکہ تشدد پھوٹ پڑا تھا جس میں ۱۵۰ گاڑیاں
توڑ پھوڑ دی گئیں اور دودھ کے مراکز کو آگ لگا دی گئی۔ آپ نے
ممبروں سے گذارش کی کہ وہ حالات کو سمجھیں اور پیداوار بڑھانے کی
کوشش کریں۔ وزیر موصوف کے جواب کے بعد ایوان نے یہ تحریک التوا رد کر دی۔

کونسل میں بحث اور منظوریاں

ہفتہ مختتمہ ۲۲ر فروری کے دوران کونسل کے ایوان میں مہاراشٹر میونسپلٹیز اور دیگر قوانین (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء پاس کر دیا گیا۔

بل پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقیات نے فرمایا کہ ریاستی حکومت نے مہاراشٹر میونسپلٹیز ایکٹ ۱۹۶۵ء کے قوانین پر نظرثانی کے لیۓ دسمبر ۱۹۷۲ء میں ریاستی سطح پر جو کمیٹی مقرر کی تھی اس نے اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کر دی ہے۔ کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ حکومت فوری طور سے مناسب قانون وضع کرے تاکہ اس کی پیش کردہ بعض اہم اور ضروری سفارشات زیر عمل لائی جاسکیں۔

ڈاکٹر زکریا نے مزید فرمایا کہ ان سفارشات پر غور کرنے کے بعد یہ مناسب سمجھا گیا کہ مذکورہ ایکٹ میں ترمیم کرکے اول میونسپل علاقہ جات کی درجہ بندی وغیرہ کرنے کے لیۓ نئی آبادی بنیاد' دوئم براہ راست منتخبہ صدر کی حیثیت سے صدر کو مزید اختیارات تفویض کرنے اور کونسلوں کے انتظامات کو بہتر بنانے کے لیۓ دیگر اقدامات کی گنجائش نکالی جائے۔

اس بل پر بحث میں حصہ لینے والوں میں سرو شری ڈی۔ ڈی۔ پاٹل' سی۔ آر۔ کھانولکر' ڈی۔ وی۔ دیش پانڈے' جی۔ پی۔ پردھان' وی۔ جی۔ ہنڈے' جی۔ بی۔ کانتکر' نرو بھاؤ لیماۓ' منوہر جوشی اور دتا تمہانے شامل ہیں۔

ایوان نے دو تجاویز رد کر دیں جو بل پر راۓ عامہ معلوم کرنے اور اسے سلیکٹ کمیٹی کے حوالے کرنے سے متعلق تھیں۔ یہ تجاویز بالترتیب سرو شری وی۔ جی۔ دیش پانڈے اور این۔ ڈی۔ پاٹل نے پیش کی تھیں۔

شری سی۔ آر۔ کھانولکر نے ایک غیر سرکاری بل یعنی مہاراشٹر [illegible] تعلیم [illegible] (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۳ء پیش کیا جس کا مقصد ایس۔ ایس۔ سی۔ امتحان میں شرکت کرنے والے طلبا کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مدنظر خطۂ بمبئی کے لیۓ ایک الگ حلقہ (ڈویژن) بنانا ہے۔ شری کھانولکر نے شریمتی پربھا راؤ' وزیر ریاست براۓ تعلیم کی جانب سے بل پر بحث کا جواب دینے کے بعد بل واپس لے لیا۔

ایوان نے ایک اور غیر سرکاری بل یعنی فوجداری ضابطہ (مہاراشٹر ترمیم) بل ۱۹۷۳ء بھی رد کر دیا جو شری کھانولکر ہی نے پیش کیا تھا۔ بل کا مقصد یہ تھا کہ ضابطہ کی دفعات ۱۰۷ اور ۱۰۹ حذف کر دی جائیں۔ شری کھانولکر نے الزام لگایا کہ پولس ان دو دفعات سے غلط فائدہ اٹھا کر معصوم لوگوں کو پریشان کرتی ہے۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایس۔ جی۔ پوار وزیر ریاست براۓ داخلہ نے ممبران کو یقین دلایا کہ پولس مذکورہ دفعات کا کبھی بھی غلط استعمال نہ کر سکے گی کہ امن پسند اور معصوم لوگوں کو پریشان کرے۔

شری ایس۔ بی۔ پاٹل' وزیر ریاست براۓ مالیات نے بجٹ تجاویز بابت ۱۹۷۴-۷۵ء پیش کیں نیز وزیر مالیات کی تقریر پڑھ کر سنائی۔

❖

ایوان نے ہفتہ مختتمہ یکم مارچ کے دوران مہاراشٹر خام کپاس (حصول' پروسیسنگ اور کھپت) (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء اور مہاراشٹر اپارٹمنٹ اونر شپ (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء پاس کیۓ۔

شریمتی شانتا دانی نے ۲۰ر فروری کو کونسل ہال پر آر۔ پی۔ آئی کے مورچہ کے بارے میں ایک تجویز پیش کی جس میں مقررہ جاتیوں' مقررہ قبائل اور نوبدھوں کی شکایات دور کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ نیز ان کے مطالبات پر روشنی ڈالی۔

تجویز پر بولتے ہوئے شری آر۔ ایس۔ گوائی' ڈپٹی چیرمین نے فرمایا' سماج کے کمزور طبقات کے حالات زندگی اس مدت کے دوران بہتر نہیں ہوئے جو آنجہانی ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر نے طے کی تھی۔

شری جی۔ پی۔ پردھان نے سماج کے پست طبقات کے ساتھ اقتصادی اور سماجی ناانصافی کو ایک ساتھ دور کرنے کی ضرورت واضح کی۔

شری ڈی۔ وی۔ دیش پانڈے نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اگر سماجی یکجہتی کا مسئلہ لاینحل رہا تو ہندوستان کو نہایت کٹھن صورتحال کا سامنا کرنا ہوگا۔

شری وی۔ جی۔ ہنڈے نے پسماندہ طبقات کی ترقی کے لیۓ ۵ افیصدی امداد مختص کرنے کا مشورہ دیا۔

بحث میں حصہ لینے والوں میں سرو شری سی۔ آر۔ کھانولکر' رام میگھے' دادا تمہانے' وی۔ جی۔ دیشپانڈے' منوہر جوشی' ایم۔ بی۔ منگوڈکر اور ایس۔ اے۔ پینڈسے شامل ہیں۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری دی۔ پی۔ نائک نے فرمایا حکومت نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ پسماندہ طبقات کے مسائل مختصر ترین مدت میں حل کر سکتی ہے آپ نے ممبروں سے گذارش کی کہ وہ پسماندہ طبقات کی حالت سدھارنے کیلیۓ اسکیمات وضع کرنے میں حکومت کی مساعی کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ پس ماندہ طبقات کو تعلیمی سہولتیں بہم پہنچانے میں حکومت نے فراخ دلانہ پالیسی اختیار کی ہے۔ بے زمینوں کو زمین دینے کے لیۓ ایک تدریجی پروگرام زیر عمل لایا جا رہا ہے۔ گرام پنچایتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جب بھی ضرورت پیش آۓ ترجیحی بنیاد پر صحت وصفائی اور پانی فراہمی کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ حکومت آئندہ تین سال میں ان کے مسائل حل کرنے کیلیۓ مقدور بھر کوشش کرے گی۔

۲۲ر فروری کو "سنتالی پیٹ" احتجاج [illegible] کے بعد پولس [illegible]

تحریک [illegible]

پندرہ روزہ

قومی راج

۱ :. ۱۶ / اپریل سنہ ۱۹۷۴ء شمارہ : ۶

ت فی پرچہ : ۲۵ پیسے زرِ سالانہ : ۵ روپے

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ :

لر جنرل آف اِنفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔ اے۔ ایس

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی
میں چھپوا کر شائع کیا۔

سخنہائے گفتنی

برصغیر کے تینوں ممالک کے درمیان دوستی اور مفاہمت کے حالیہ معاہدے کے ساتھ ہی اس خطۂ ارض میں امن و آشتی کے ایک نئے باب کا آغاز ہو گیا ہے۔ سیاسی سطح پر کامیابی کے بعد اب ثقافتی سطح پر پیشقدمی ہو رہی ہے چنانچہ عنقریب ماسکو میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے ادیبوں اور شاعروں کا ایک اجتماع منعقد ہوگا۔ ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے ہمیشہ دلوں کو جوڑنے اور ملانے کا کام کیا ہے اور اس کانفرنس سے ہم بجا طور پر توقع کر سکتے ہیں کہ برصغیر میں قائم ہونے والے نئے رشتوں کو یہ مزید اُستوار کرے گی۔

دوستی کے اس معاہدہ کے بعد یہ امید روشن ہو گئی ہے کہ اُردو جو ہندوستان کے مشترکہ کلچر کی سب سے خوبصورت علامت ہے، قومی یکجہتی کا اہم فریضہ تو ادا کرتی ہی رہی ہے اب بین الاقوامی سطح پر بھی اختلاط و ارتباط کا ایک مؤثر ذریعہ بن جائے گی۔

" قومی راج " کا آئندہ شمارہ مہاراشٹر نمبر ہوگا جو زائد صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اگر اس شمارے کیلئے آپ کوئی تخلیق ارسال کرنا چاہیں تو دیر نہ کریں۔

ـــــــــ خواجہ عبدالغفور

اس دور کے فنکار بھی آذر کی طرح ہیں
پیاسے ہیں مگر ایک سمندر کی طرح ہیں

لفظوں کو جلا دے کے بناتے ہیں ہمارے
خود غیر تراشیدہ سے پتھر کی طرح ہیں

کھا جائیں گے ان کو بھی ثقافت کے اندھیرے
یہ لوگ کہ جو نور کی چادر کی طرح ہیں

سوکھی ہوئی پنکھڑیوں پہ لب رکھ کے نہ سوچا
یہ بھی کبھی ٹوٹے ہوئے ساغر کی طرح ہیں

کچھ چہرے پہ موقوف نہیں روح ہے زخمی
کچھ آپ کے الفاظ ہی خنجر کی طرح ہیں

کیا ہم کو کوئی ذہن کے البم میں سجائے
ہم لوگ جو ویرانوں کے منظر کی طرح ہیں

آتے ہیں تو آنے دو ادھر طنز کے پتھر
ہم لوگ تو باظرف سمندر کی طرح ہیں

جب آنکھ کھلے گی تو یہ منظر نہ رہے گا
یہ کلیاں، یہ گل، خوابوں کے پیکر کی طرح ہیں

کچھ طرزِ عمل اپنوں کا اسی طرح ہے مہدی
ہم اپنے بنا گھر میں کسی بے گھر کی طرح ہیں

مہدی پرتاپگڑھی

جھرنا بنے ہوئے ہو کوئی تم سے کیا ملے
اترے پہاڑ سے تو سمندر سے جا ملے

اقدار کے خلا میں معلّق نہیں ہوں میں
لیکن کوئی سرا تو مری ذات کا ملے

پہچان لے جو مدِ مقابل کو واقعی
ہر آئینے سے خون اُبلتا ہوا ملے

چھوٹا سا ایک نیم کا پودا کرے تو کیا
ہر بیل چاہتی ہے اُسے آسرا ملے

پیشانیاں ٹٹول، فرشتے ملیں اگر
مٹی کا پاؤں دیکھ اگر دیوتا ملے

مظفر حنفی

قصہ داڑھ کے درد کا

مجتبیٰ حسین

اور ایک دن اچانک ہماری داڑھ میں یوں
ید شروع ہوگیا جیسے آسمان پر یکایک قوسِ قزح
ل آتی ہے ۔ اور قوسِ قزح کا نکل آنا تھا کہ ساتوں
ق روشن ہوگئے ۔ یوں تو ہم انواع و اقسام کے
ردوں' سے گذر چکے تھے ۔ پیٹ کا درد' سر کا درد'
ر کا درد' دل کا درد' قوم کا درد اور اولاد کے درد
ے لے کر خواجہ میر دردؔ تک ہم سبھی دردوں سے
شنا تھے' لیکن داڑھ کا درد ہمارے لئے بالکل
یا تھا ' اردو شاعری میں جگہ جگہ ایسے مصرعے پڑھتے
ئے تھے کہ

- آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

یا

- درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہوجانا

لیکن ہمیں ان مصرعوں کی صداقت پر کبھی یقین
یں آیا تھا کیونکہ ہم نے آج تک کبھی درد کو حد سے
رتے ہوئے نہیں دیکھا تھا ۔ مگر صاحب داڑھ کا
د ہی ہمیں وہ واحد درد نظر آیا جو حد سے گذر
نے کی بڑی زبردست صلاحیت رکھتا ہے ۔ کہنے
مطلب یہ ہے کہ اگر سیدھے جبڑے کی داڑھ میں
د ہو رہا ہو تو وہ صرف داڑھ تک محدود نہیں رہے
بلکہ یہ حد سے گذر کر آپ کے گال کو آپ کے
ڑے سے کم از کم پانچ چھ انچ دور کر دے گا
ر جبڑے اور داڑھ کے درمیان ایک "غیر جانبدار
اقہ" پیدا کر دے گا ۔ آپ کو یوں محسوس ہوگا جیسے
پ کا گال آپ کے جسم سے کافی فاصلہ پر واقع
ہ ۔ آپ سڑک پر چلنے لگیں تو یوں محسوس ہوگا
یسے آپ کا گال آپ سے آگے چل رہا ہو اور
پ صرف اسے پکڑنے کے لئے بھاگے جا رہے
ں ۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے جو
گال آپ کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے وہ آپ کا نہیں
کسی اور کا ہے ۔ جبڑے اور گال کے درمیان یہ
جو "ہجر کی کیفیت" پیدا ہو جاتی ہے وہ بڑی کربناک
ہوتی ہے اور یہی داڑھ کے درد کا نصب العین بھی
ہوتی ہے ۔ اگر یہ نہ ہو تو داڑھ کے درد میں مزہ
ہی کیا باقی رہ جائے !

جب داڑھ کا درد اپنی حدوں کو پھلانگ کر کائنات
کی وسعتوں میں پھیلنے کی کوشش کرنے لگتا ہے تو آدمی
اس درد کی وسعت کے آگے ایک ادنیٰ سا ذرہ معلوم
ہونے لگتا ہے ۔ جب پہلے پہل ہمارے سیدھے
جبڑے والی داڑھ کا درد حد سے سوا ہوگیا اور ہم
سیدھی جانب زیادہ جھکاؤ محسوس کرنے لگے تو
اس عدم توازن کے احساس نے ہم میں بڑی بے چینی
پیدا کردی ۔ آئینہ میں صورت دیکھی تو پتہ چلا کہ
آئینہ میں ہماری جگہ ایک بھوت کھڑا ہے ۔ ہم گھبرا کر
فوراً دانتوں کے ایک ڈاکٹر کے پاس بھاگے ۔ وہ ہمیں
پہلے سے جانتے تھے لیکن داڑھ کے درد کے ساتھ
انھوں نے ہمیں پہچاننے سے انکار کردیا ۔ ہم نے اس
بات کی شکایت کی تو بولے "بھائی صاحب ! داڑھ
کے درد کے بعد آدمی کی پہچان بڑی مشکل ہو جاتی ہے
مجھے تو اپنے سارے ہی مریض "ہم شکل" نظر آتے
ہیں ۔ کس کس کو کہاں تک پہچانوں ؟ یوں بھی آپ
کے سامنے اگر بہت ساری ڈبل روٹیاں ایک ساتھ
رکھ دی جائیں تو آپ ان ڈبل روٹیوں کو کیسے پہچانیں
گے کہ یہ ڈبل روٹی زید ہے اور وہ ڈبل روٹی بکر
ہے ۔ داڑھ کے درد کی خوبی یہی ہوتی ہے کہ آدمی
کے چہرے کو دیکھئے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے
آدمی کا چہرہ ڈبل روٹی بنانے کی مشین میں سے
ڈھل کر نکلا ہے ۔"

"ڈاکٹر صاحب کی اس طویل اور دلچسپ گفتگو
کے بعد جب ہم نے اپنی آمد کی غرض و غایت بتانی
چاہی تو وہ بولے "غرض و غایت بتلانے کی ضرورت
نہیں ہے کیونکہ آپ کا گال خود اس غرض و غایت
کی غمازی کر رہا ہے ۔" یہ کہہ کر انھوں نے ہمارا منھ
کھولنا چاہا تو یوں لگا جیسے منھ پر تالا لگ گیا ہے
بڑی مشکل سے انھوں نے ایک ایسا زاویہ بنایا کہ
ہماری داڑھ انھیں نظر آگئی جو ہمارے سارے وجود
کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی ۔ ڈاکٹر صاحب نے
ہمارا منھ غڑاپ سے بند کرتے ہوئے کہا : "اس وقت
تو میں اس داڑھ کو نہیں نکال سکتا ۔ چند روز اور
اس داڑھ کے ساتھ نباہ کیجئے ۔" ہم نے کہا ۔
"ڈاکٹر صاحب ! مجھے اس داڑھ کے ساتھ نباہ
کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن یہ جو میری
گردن پر ڈیڑھ چہرہ اُبھر آیا ہے کم از کم اسے تو
ٹھیک کیجئے ۔ یہ عدم توازن مجھ سے اور بالخصوص
میری بیوی سے بالکل نہ دیکھا جائے گا ۔"

وہ بولے ۔" بھیا ۔ ڈیڑھ چہرے میں توازن و تناسب
پیدا کرنے کا ایک ہی علاج ہے ۔"

ہم نے پوچھا " وہ کیا ؟"

بولے " کسی طرح آپ کے بائیں جبڑے والی داڑھ میں بھی درد کو داخل کرنا ہوگا۔ پھر یہ درد بھی پھیل کر آپ کے بائیں جبڑے کی حدوں کو پھلانگتا ہوا کائنات کی وسعتوں میں پھیل جائے گا اور اس کے بعد آپ کے دونوں جبڑے " جیومیٹری " کے اصولوں کے مطابق مساوی ہو جائیں گے۔ کہئے تو آپ کے بائیں جبڑے کی داڑھ میں درد کا افتتاح فرما دوں ؟"

ہم نے کہا " ڈاکٹر صاحب، چاہے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو، میں چاہتا ہوں کہ آپ میری داڑھ کو نکال پھینکیں۔ میں یوں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ذلت کی موت مرنا نہیں چاہتا۔ ٹیپو سلطان نے کیا خوب کہا تھا کہ " شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب بولے " قبلہ، خبردار! آپ کی داڑھ کا درد اب فلسفہ بکنے لگا ہے۔ یہ بڑا خطرناک اسٹیج ہے۔ اپنے آپ پر قابو پائیے ورنہ تاریخ میں ٹیپو سلطان کا تو کچھ بھی نہیں بگڑے گا لیکن آپ کا رہا سہا جغرافیہ بھی برباد ہو جائے گا۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ اگر میں ہر مریض کی داڑھ فوراً نکال دیا کروں تو میرا کاروبار کیسے چلے گا ؟ ایک داڑھ پر مجھے کم از کم سو روپے تو ملنے ہی چاہئیں۔ آپ اپنی داڑھ کا پہلے سو روپے کی حد تک علاج کروائیے۔ اس کے بعد میں بلا چون و چرا آپ کی داڑھ نکال دوں گا۔" یہ باتیں کہتے ہوئے اچانک ڈاکٹر صاحب کی مصنوعی بتیسی ان کے منہ سے باہر نکل آئی اور وہ اپنے پوپلے منہ سے بولے " اب آپ میری فیس مشورہ دیجئے اور چلتے بنئے۔"

ہم نے کہا " حضور آپ نے مشورہ ہی کون سا دیا ہے جو میں آپ کو اس کی فیس ادا کروں ؟"

وہ بولے " میں نے تو تمہیں ایک زریں مشورہ دیا ہے کہ داڑھ کے درد کو فلسفہ سے دور رکھو ورنہ آدمی باقی نہ رہو گے فلسفی ہو جاؤ گے۔"

ہم غصے کے مارے ڈاکٹر صاحب کے کلینک سے باہر نکل آئے۔ چند قدم ہی چل پائے تھے کہ داڑھ میں اچانک بجلی سی کوند گئی۔ برق کی ایک رو تھی جو داڑھ سے نکل کر سارے بدن میں لہرا گئی۔ ایک تجلی تھی جو آنکھوں کو چکا چوند کر گئی۔ یوں لگا جیسے ہماری داڑھ میں اچانک ایک ہرن نے کلیلیں بھرنا شروع کر دیا ہو۔ جیسے کسی نے ہماری داڑھ میں توپ داغ دی ہو۔ یا ایک ٹرین چلتے چلتے ہماری داڑھ میں پٹڑی سے اتر گئی ہو۔ جیسے ہماری داڑھ میں اچانک فوجی انقلاب آگیا ہو۔ کیفیات کا اتنا ہجوم تھا کہ ہمارے لئے یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ ہماری داڑھ میں کیا ہو رہا ہے اور کیا نہیں؟ یوں لگتا تھا جیسے ہم سراپا داڑھ بن گئے ہیں۔

ہم درد کے اس اچانک حملے سے سنبھلنے کے لئے ایک الیکٹرک پول کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور ہماری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ یوں لگا جیسے ساری کائنات ایک بہت بڑی داڑھ ہے۔ داڑھ ہی کائنات ہے۔ داڑھ کے سوا اس دنیا میں کچھ بھی نہیں۔ ہر شئے داڑھ سے شروع ہوتی ہے اور داڑھ پر ختم ہو جاتی ہے۔ عدم سے پہلے بھی داڑھ تھی اور ہستی سے پرے بھی داڑھ ہے۔ ازل داڑھ اور ابد داڑھ ... یکلخت ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے سورج ہمارے منہ میں آگیا ہو، اور ہم اسے چبا چبا کر کھا رہے ہوں۔ جی چاہتا تھا کہ سورج کو چبا کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں پھر سورج کے ان ٹکڑوں کو لوگوں میں بانٹ دیں کہ بھئی اپنے اپنے گھروں میں اُجالا کرو۔ ہر شخص کا اپنا سورج الگ ہونا چاہئے۔ ہر شخص کی صبح الگ ہونی چاہئے۔ اتنی بڑی کائنات کو ایک سورج کے تابع کر دینا مناسب نہیں ہے۔ آؤ کہ ہم سب مل کر سورج کو تقسیم کریں اور اس کے ٹکڑوں کو اپنی اپنی جیبوں میں رکھ لیں تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئیں۔

داڑھ کے درد کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ یہ درد بالاقساط ہوتا ہے یعنی درد کی ایک لہر جاتی ہے اور دوسری آتی ہے۔ جب درد کی پہلی جا چکی تو ہم پر یہ عظیم انکشاف ہوا کہ درد کی ہر لہر کے ساتھ ہم میں " جدید شاعر" بننے کی زبردست صلاحیتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ایسے پیغمبرانہ انکشافات صرف داڑھ کے درد میں ہی ممکن ہیں۔ اچانک ہم پر یہ راز کھلا کہ " جدید شاعری " اصل میں " داڑھ کے درد کی شاعری " ہے جس میں آدمی کا سارا کرب سمٹ آتا ہے اور وہ سورج کو چبا کر کھا جانے کی منزل میں پہنچ جاتا ہے۔ ہم ابتک حیران تھے کہ ہمارے اکثر جدید شاعر ایسے تکلیف دہ اور کرب انگیز خیالات کو آخر کس طرح اتنی آسانی اور روانی سے اپنی شاعری میں پیش کر دیتے ہیں، اب داڑھ کے درد سے سابقہ پڑا تو احساس ہوا کہ یہ تو بڑی آسان سی بات ہے۔ جدید شاعر بننا ہو تو پہلے اپنی داڑھ میں درد پیدا کیجئے اور دیکھئے کہ کس طرح

~ آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

آپ یقین کریں کہ درد کی پہلی لہر کے ساتھ ہی ہم نے شاعر بن جانے کی ٹھان لی تھی اور سوچا تھا کہ دوسری لہر میں ڈوب کر ایک شاہکار نظم نکال لائیں گے لیکن درد کی پہلی لہر اور دوسری لہر کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے وہ آدمی کو پھر خیال کی رفعتوں سے پستیوں میں لے آتا ہے۔ ہم نے سوچا کہ جب ہمارے پاس کوئی تخلص ہی نہیں ہے تو پھر نظم کہنے سے کیا فائدہ ؟

خیر صاحب ہم اسی طرح درد کی لہروں سے گذرتے ہوئے اپنے گھر پہنچ گئے۔ نہ جانے کیا بات

کہ اس دن گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا ۔ جو بچہ ، دیکھتے ہی لپٹ جایا کرتا تھا وہ ہمیں دیکھ کر پاؤں بھاگ گیا ۔ وہ بیوی جو ہمارے گھر میں رکھتے ہی کوئی نہ کوئی مسئلہ ہمارے سامنے رکھ تھی وہ ہمیں دیکھ کر چپ چاپ رسوئی گھر میں چلی ۔ ہم گھر کی اس بدلی بدلی فضا کو بھانپ نہ سکے ۔ بڑی دیر تک کسی نے ہمارا حال نہ پوچھا تو ہم نے سے کہا " آخر اس گھر میں سب کو سانپ کیوں گیا ہے ؟ آخر معاملہ کیا ہے ؟ "

ہمارے اس سوال کو سن کر بیوی نے کہا " مجھے سے ہمیشہ یہی شکایت رہی کہ دفتر میں اپنے یدار کی گالیاں سن کر آتے ہیں اور غصہ ہم لوگوں کالتے ہیں ۔ میں تو آپ کے گھر میں داخل ہوتے ہی گئی تھی کہ آج آپ کا " موڈ " اچھا نہیں ہے تو آپ گال پھلائے اور منہ لسورے گھر میں ل ہو رہے ہیں ۔ اب کوئی آپ کا حال پوچھے ہے ؟ آپ تو ایسی حالت میں کاٹ کھانے کو دوڑتے ۔ میں سمجھتی ہوں کہ آج آپ کے عہدیدار نے کچھ ہی ڈانٹ پلائی ہے ۔ ذرا دیکھئے تو آپ کا گال پھول گیا ہے ۔ اتنی ڈانٹ تو آپ نے پہلے کبھی کھائی تھی "

ہم نے درد سے کراہتے ہوئے کہا " اری نیک ، تمھے ہمیشہ الٹی حجت کرنے کی عادت پڑی ہوئی ۔ میں داڑھ کے درد کی وجہ سے مرا جا رہا ہوں اور اس میں میرے عہدیدار کی ڈانٹ نظر آرہی ہے "

ہمارے اس انکشاف کو سنتے ہی سارے افرادِ ان کی باچھیں کھل اٹھیں ۔ بچے دوڑ کر ہم سے گئے اور بولے " اگر سچ مچ آپ کی داڑھ میں ہے تو ہمیں اس بات کی بڑی خوشی ہے ورنہ یہ سمجھتے تھے کہ آج بھی آپ دفتر سے ڈانٹ سن ے ہیں اور اب تھوڑی ہی دیر میں ہماری پٹائی نے والی ہے "

داڑھ کے درد کے بعد آدمی خواہ مخواہ ہی مغرور نظر آنے لگتا ہے ۔ سیدھے جبڑے والی داڑھ کے درد کے زمانے میں ہی ہمارے آدھے دوست صرف اس لئے ہم سے کنارہ کش ہو گئے تھے کہ ہم صورتاً انھیں مغرور نظر آنے لگے تھے ۔ جگہ جگہ ہمارے غرور کے چرچے ہونے لگے تھے کہ صاحب ادھر جب سے دفتر میں اسے ترقی ملی ہے ' بس ہمیشہ منہ پھلائے رہتا ہے کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا بلکہ یوں کہئے کہ ٹیلیگرام کی زبان میں بات کرتا ہے ۔ سیدھے جبڑے میں اتنا غرور آگیا ہے کہ یہ ہمیشہ دو تین انچ پھولا رہتا ہے "

اب یہ محض اتفاق تھا کہ ہماری ترقی اور داڑھ کا درد دونوں ایک ساتھ شروع ہوئے تھے ورنہ کہاں غرور اور کہاں ہم ! بعد میں جب بائیں جبڑے والی داڑھ میں بھی درد شروع ہو گیا تو ہمارے بقیہ آدھے دوستوں نے بھی ہم سے کنارہ کشی اختیار کر لی ۔ نہ داڑھیں رہیں اور نہ ہی دوست ۔ اب کسے کسے سمجھاتے پھریں کہ بھائی صاحب سارا قصور داڑھ کے درد کا ہے ۔ ہم تو ازل سے معصوم آدمی ٹھہرے ۔ زندگی میں ایک ہی بار ہم نے غرور کا مظاہرہ کیا تھا ' جب ہم اپنی شادی کے موقع پر گھوڑی پر سوار ہو کر اپنی سابقہ دُلہن یعنی موجودہ بیوی کے گھر گئے تھے اور اس غرور کا جو نتیجہ برآمد ہوا ہے وہ ہمارے چھ بچوں کی صورت میں دنیا پر ظاہر ہے اس غرور کا کفر اس طرح ٹوٹا ہے کہ ہمیں خود " غرور " کے معنی معلوم کرنے کے لئے " ڈکشنری " دیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے ۔ مگر کیا کریں کہ اس داڑھ کے درد کی وجہ سے ہم دنیا والوں میں ایک مغرور آدمی کی حیثیت سے کافی شہرت رکھتے ہیں ۔

ہمارے ساتھ ایک اور ستم بھی ہوا تھا یعنی نہ صرف ہم داڑھ کے درد میں مبتلا تھے بلکہ قدرت نے ہمارے عہدیدار کو بھی اسی نعمت غیر مترقبہ سے نوازا تھا اور آپ تو جانتے ہیں کہ داڑھ کا درد رکھنے والے دو اشخاص کسی بات پر متفق نہیں ہوتے کیونکہ داڑھ کے درد کے بعد آدمی " داخلیت پسندی " کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنی ذات کی تنہائی میں بند ہو کر اپنی بساط کے مطابق داڑھ کے درد کو قبول کرتا ہے ۔ نتیجہ میں " ترسیل کا المیہ " پیدا ہو جاتا ہے ۔ اکثر یوں ہوتا کہ ہم کوئی تجویز لکھ کر اس کے پاس بھیج دیتے اور وہ اسے مسترد کر دیتا ۔ وہ کوئی آرڈر لکھ کر ہمارے پاس بھیجتے اور ہم اس میں نئی پیچیدگیاں پیدا کر دیتے ۔ " ترسیل کا المیہ " اس نوبت کو پہنچ گیا تھا جہاں ہم دونوں میں دفتری آداب کے خلاف " تو تو میں میں " کا آغاز ہو گیا تھا ۔ یہ غلط فہمی اور بھی بڑھتی مگر ایک دن جو ہم عہدیدار کے کمرے میں اچانک چلے گئے ' تو دیکھا کہ وہ اپنا گال پکڑے بیٹھا ہے ۔ ہم نے پوچھا " کیا آپ کی داڑھ میں کچھ ہو رہا ہے ؟ "

وہ بولا " ہاں ' بہت درد ہے "

اس پر ہم نے اپنا گال پکڑتے ہوئے کہا ۔

" ادھر بھی وہی حال ہے "

تب ہم نے اسے سمجھایا کہ اصل میں ہم دونوں کے اختلافات کی اصل وجہ ہم دونوں کی داڑھیں ہیں ۔ ہم دونوں کی داڑھوں میں جب ایک ساتھ درد ہوتا ہے تو اس کا لازمی انجام اختلافِ رائے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ۔ یہ آسان بات ہمارے عہدیدار کی سمجھ میں آگئی ۔ یوں بھی اس وقت تک اسکی عقل داڑھ گرنے کی منزل میں پہنچ گئی تھی ۔

بعد میں ہم دونوں نے متفقہ طور پر ایک معاہدہ کیا ۔ جب ہم کسی فائل میں کوئی تجویز پیش کرتے تو اس تجویز کے نیچے دستخط کرنے کے بعد چھوٹے حروف میں " داڑھ کا درد " بھی لکھ دیتے ۔ وہ فائیل دیکھ کر سمجھ جاتا کہ یہ تجویز داڑھ کے درد کے دوران میں لکھی گئی ہے ۔ اگر وہ اس تجویز کو مسترد کرتا تو وہ بھی دستخط کرنے کے بعد نیچے چھوٹے حروف میں " داڑھ کا درد " لکھ دیتا ۔ کچھ دن بعد اس نے یہ طریقہ بھی بنا لیا تھا کہ جب بھی کوئی فائل

اس کے سامنے پیش ہوتی تو وہ اس پر لکھ دیتا "داڑھ کے درد کے بعد پیش کی جائے"۔ اس طرح دفتر میں دو اقسام کی فائلیں بن گئی تھیں یعنی داڑھ کے درد سے پہلے کی فائلیں اور داڑھ کے درد کے بعد کی فائلیں۔

فائلوں کی بات تو چھوڑیئے۔ ہم نے اپنی پوری زندگی کو اسی طرح دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک زندگی وہ جو داڑھ کے درد سے پہلے تھی اور دوسری زندگی وہ جو داڑھ کے درد کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ اب تو ہماری ساری داڑھیں اکھڑ چکی ہیں گویا ہم بھی اب دانتوں کے ڈاکٹر بن گئے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ اب تو ہماری مصنوعی بتیسی کے دانتوں کے اکھڑنے کی بھی باری آگئی ہے۔ مصنوعی بتیسی کے دانت نہ ٹوٹیں گے تو اور کیا ہوگا کیونکہ جب ہم اپنی مصنوعی بتیسی نکال کر سو جاتے ہیں تو بچے اس بتیسی کو کھلونے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ گھنٹوں یہ اپنے ڈیڈی کے دانتوں سے کھیلتے رہتے ہیں۔ ہم پولی شکایت کرتے ہیں تو بیوی کہتی ہے: "ایسی بھی کیا جلدی ہے، کھانا تو دس بجے کھاتے ہو۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اگر بچے آپ کی مصنوعی بتیسی سے کھیل لیتے ہیں تو ایسی کونسی آفت آجاتی ہے۔ کبھی تمہیں اتنی توفیق تو نہیں ہوتی کہ بچوں کے لئے کھلونے ہی لے آؤ۔ اب بچوں نے تمہاری بتیسی میں سے اپنے لئے ایک کھلونا ایجاد کر لیا ہے تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ یوں بھی تم گھر میں ہمیشہ منہ پھلائے رہتے ہو۔ حسرت رہ گئی کہ بچے تمہارے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ دیکھیں جو دانتوں کا دیدار کرادے۔ اب اگر بچے تمہاری مسکراہٹ کے بغیر دانت دیکھ کر خوش ہو لیتے ہیں تو انھیں خوش ہو لینے دو کہ ... یہ ایک تبسم بھی کہے ملتا ہے۔

اور ادھر جب سے ہمارے بچپن کے دوست مانگے رام جی ہمارے پڑوسی بن کر آئے ہیں، ہماری مصنوعی بتیسی بے گھر ہوگئی ہے۔ مانگے رام جی کو جب بھی کچھ کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو پکار کر کہتے ہیں "بھیا تمہاری بتیسی اگر خالی ہو تو تھوڑی دیر کے لئے بھیج دینا، میں مونگ پھلی کھا کر اور سماج کے خلاف ذرا دانت پیس کر تمہاری بتیسی واپس کردوں گا"۔ مانگے رام جی ہمارے ہم پیالہ و ہم نوالہ تو تھے ہی اب "ہم دانت" بھی ہوگئے ہیں۔

مگر صاحب کبھی کبھی ہمیں اس زندگی کی یاد آتی ہے جو داڑھ کے درد سے پہلے تھی۔ کیسی ہنسی مکھ اور تر و تازہ زندگی تھی۔ ہمارے گال کتنے سڈول تھے۔ ہمارا چہرہ کتنا متناسب تھا۔ نہ جانے ہمارا وہ چہرہ کہاں کھوگیا۔ اب تو صرف چہرہ کی تہمت اپنی گردن پہ اٹھائے پھرتے ہیں۔

۔ خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

●●

تبرکات

مولانا ناطق گلاوٹھوی مرحوم

بھاگ کہ منزلِ قرار عمر کی رہ گذر نہیں
اس میں فرار کے سوا اور کوئی مفر نہیں

ہے تو بلائے زندگی، رسمِ وفا، مگر، نہیں
بات یہ ہے کہ خیر سے شر پہ مری نظر نہیں

بہرِ حصولِ مدّعا رات دن ایک کیجیے
راہِ طلب کے واسطے، شام نہیں، سحر نہیں

شیخ، جزائے کارِ خیر یہ جو بتا رہا ہے آج
بات تو خوب ہے مگر، آدمی معتبر نہیں

رہتے ہیں دور دور ہم، رسم و رواجِ زیست سے
چلتے ہیں جس پہ عام لوگ اپنی وہ رہگذر نہیں

چھوڑ بھی دیتے محتسب ہم تو یہ شغلِ مے کشی
ضد کا سوال ہے تو پھر جا اسی بات پر "نہیں"

کون ہے جو نہیں شکار اس میں خیالِ خام کا
کیا ہے یہ بزمِ زندگی؟ دامِ فریب اگر نہیں

دیکھ لیا کہ ایک ہی چلتی ہوئی رقم ہو تم
میرے حساب سے تو اب اس میں کوئی کسر نہیں

ناطقِ نیم جاں اگر ہے بھی تو صبح شام کا
کل تو خراب حال تھا آج کی کچھ خبر نہیں

بمبئی کی چالیاں

یہ بمبئی ہے ۔ عروس البلاد ' اس کی شان نرالی اور ادا متوالی ہے ۔ اس کے چہرہ مہرہ ' رنگ روپ اور سج دھج کا کیا کہنا ۔ باب الہند سے آگے لبِ ساحل ' چوپاٹی تک محراب دار میرین ڈرائیو ۔ اس پر شب میں روشن جھلملاتے برقی قمقمے ' سمندر میں ان کا عکسِ جمیل ' ایک سنہری رُوپہلی جھلملاتی مالا جو دُلہن کے حسین گلے میں پڑی ہے ۔ عقب میں عالی شان جدید بیس بیس اور بائیس بائیس منزلہ سربفلک عمارتیں ' جو لگتا ہے دور سمندر پار ترقی یافتہ ممالک سے ہمسری کا دعویٰ کر رہی ہیں ۔ چوپاٹی کے اوپر سرسبز و شاداب مالابار ہل ' یہ ہے اس دلہن کا تاج ۔ اس سے آگے سات جزیروں پر پھیلا ہوا بمبئی شہر اور مضافات ۔ اس کے وسیع دامن میں بڑی چھوٹی عالیشان عمارتیں ' چالیاں اور جہاں تہاں جھونپڑ پٹیاں بھی ۔ انہی چالیوں اور جھونپڑ پٹیوں میں بمبئی کی آبادی کا بڑا حصہ ' متوسط اور غریب طبقہ کے لوگ بھرے پڑے ہیں ' شاد اور آباد ہیں ۔ جنھیں ان میں بھی جگہ نہ ملی وہ ہنسی خوشی فٹ پاتھ پر ہی دن گذار دیتے ہیں ۔

بمبئی کی چالیاں ایک عجوبہ ہیں ۔ بمبئی چھوٹا موٹا ہندوستان کہلاتا ہے ۔ یہی نہیں یہاں تو دنیا کے ہر گوشہ کا آدمی نظر آتا ہے ۔ یہی نقشہ یہاں کی چالیوں کا ہے ۔ یہ عموماً سہ منزلہ چہار منزلہ ہوتی ہیں ان میں چھوٹی چھوٹی درجنوں کھولیاں ہیں ۔ ان میں اُتر بھارتی بھی آباد ہیں اور دکھن بھارتی بھی ۔ ایک گوشہ میں گجراتی ہیں تو دوسرے میں کونکنی اور مراٹھیوں کا بول بولا ہے ۔ تیسرے میں بوہری ' کچھی ' میمن ' پارسی اور عیسائی رہتے ہیں ۔ اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں اور اپنے اپنے حال میں مست ہیں ۔ ساتھ میں آپس میں پڑوسیوں کا رشتہ ہے ۔ یہ ایک دوسرے کے دل کی دھڑکن سُنتے ہیں ۔ آڑے وقت میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں ۔ ناوقت اور بے بات لڑتے بھی ہیں اور پھر مل بھی جاتے ہیں ۔ اللہ میاں اپنے بندوں کی شہ رگ سے قریب ہیں اور یہ بمبئی کے پڑوسی اس سے بھی قریب ۔ انھیں ایک دوسرے کی رگ رگ کا حال معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن بظاہر انجان ہی بنے رہتے ہیں ۔ یہاں تک کہ کسی چالی میں کوئی نو وارد آ کر اگر ایک پڑوسی سے اپنے عزیز یا دوست کا پتہ پوچھے جو اس کے بازو ہی کے کمرے میں رہتا ہے تو وہ پڑوسی بڑی معصومیت سے جواب دیں گے " نا بھئی ۔ اِدھر تو نہیں ۔ شاید بازو کی چالی میں رہتے ہوں " اس طرح دو چار چالیوں میں بھٹکنے کے بعد جب وہ صاحب قسمت آزمائی کرتے ہوئے پھر اسی چالی میں عین اسی جگہ پہنچتے ہیں تو ان کے عزیز اسی پڑوسی سے باتیں کرتے ہوئے مل جاتے ہیں ۔ دونوں گلے ملتے ہیں ۔ پاس کھڑے ہوئے پڑوسی سے نظریں چار ہوتی ہیں تو وہ مسکراتے ہوئے پھر گویا ہوتے ہیں " معاف کیجیے گا ' انھوں نے مجھے تاکید کر رکھی ہے ' میرا نام پتہ کسی اجنبی کو نہ بتانا "

بمبئی کتنا گنجان آباد ہے اس کا نقشہ یہاں کی چالیوں ہی میں نظر آتا ہے ۔ ایک ایک کمرہ میں دس بارہ افراد پر مشتمل خاندان آباد ہے ۔ دو چار عزیز و اقارب بھی ہیں ' جن کو کہیں جگہ نہیں ملی لہٰذا یہیں سر چھپا رکھا ہے ۔ مہمان آجائے تو اسے بھی بسر و چشم یہیں ٹھہرایا جاتا ہے ۔ جگہ تنگ ہے تو کیا ہوا دل میں تو جگہ ہے ۔ شادی بیاہ اسی میں ہوتے ہیں ۔ خوب دھوم دھام سے ' لاؤڈ اسپیکر بجتا ہے ' پورے ٹیپ پر ۔ یہ اس بات کا ڈھنڈورا ہے کہ سب چالی والے تو خوشی میں شریک ہیں ہی ' آس پاس کی بلڈنگ والے اور محلہ والے بھی اگر مزاج چاہے تو جوق در جوق قدم رنجہ فرمائیں ۔ اور کچھ نہیں تو " کوکا کولا " ضرور پیش کیا جائے گا ۔ جس سے دل کو ٹھنڈک اور آنکھوں کو سرور حاصل ہوگا ۔ اگر بیٹی کی شادی ہے تو داماد بلند اقبال کو بھی اسی کھولی میں ساتھ ہی رکھنا ہوگا کیونکہ غریب کے پاس الگ جائے رہائش نہیں ہے ۔ رہے پیارے بیٹے تو ان کا سوال ہی کیا ! اللہ رکھے ان کی چاند سی دُلہنیں چھم چھم کرتی آئیں گی ۔ اسی کھولی میں رونق افروز ہوں گی اور سال ڈیڑھ سال ہی میں چشم بددور رونق دو بالا اور سہ بالا کرنا شروع کر دیں گی ۔ بیماری ہاری اور زچگی کے دنوں میں اسی میں ایک گوشہ نرسنگ ہوم بن جائے گا ۔ غرض تمام دینی اور دنیاوی اُمور ان چالیوں میں ' ان چھوٹی چھوٹی کھولیوں میں بحسن و خوبی انجام پاتے ہیں ۔ تنگیٔ داماں کی کسی کو زیادہ پروا نہیں ہوتی ۔ یہاں کے مکینوں کا رکھ رکھاؤ ' سلیقہ اور صبر و شکر قابلِ داد ہے ' قابلِ فریاد نہیں ۔

ان چالیوں میں ' موری ' یعنی نہانے دھونے کی جگہ ' غسل خانہ اور سنڈاس عموماً مشترک ہوتے ہیں جہاں ہر روز صبح چالی کے مکینوں کو لائن لگانا پڑتا ہے کبھی کبھی آپس میں تکرار بھی ہو جاتی ہے ۔ بڑی بے چینی سے اپنے اپنے نمبر کا انتظار کرنا پڑتا ہے ۔

عبدالوحید خاں جامعی

ایسی ہی ایک چالی میں باہر کے مہمان آئے ہوئے تھے انھوں نے ایک دو دن تو صبح صبح یہ صعوبت خاموشی سے برداشت کی، تیسرے دن صبر نہ ہوسکا۔ اپنے میزبان سے پوچھ بیٹھے "جناب آپ ہر روز یہ صبر آزما آزمائش کیسے برداشت کرتے ہیں؟" میزبان نے نہایت انکساری سے جواب دیا "بھائی ہم تو اس کے عادی ہوگئے ہیں۔ روز صبح اٹھ کر یہاں سنڈاس پر لائن لگاتے ہیں اور جب اپنا نمبر آتا ہے تب ہی حاجت بھی ہوتی ہے۔"

امیر اور غریب سب ہی ان چالیوں میں آباد ہیں۔ حسب حیثیت گھر سجانے کا شوق سب ہی کو ہوتا ہے۔ کمرہ مختصر ہے تو کیا ہوا۔ اسمیں اوشا کا پنکھا بھی لگا ہے اور فلپس ریڈیو بھی۔ پلنگ، صوفہ سیٹ، گودریج کبارڈ 'الماری' شوکیس، ریفریجریٹر، گیس کا چولہا، غرضکہ ہر طرح کے جدید ساز و سامان سے اسطرح آراستہ ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں رہی۔ ہاتھ پاؤں نہیں پھیل سکتے، بلا سے دل کو تقویت تو ہے کہ اللہ کا دیا سب کچھ ہے، کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔

ان چالیوں میں رہنے والیاں بڑی ہونہار اور سلیقہ مند ہیں۔ اپنے چھوٹے چھوٹے گھر چندن کی طرح صاف رکھتی ہیں۔ البتہ گھر کا کچرا اور اپنے ننھے ننھے بچوں کا 'گوموت' بٹور کر چالی میں جہاں تہاں پاگٹر میں بے دھڑک پھینک دیتی ہیں۔ جہاں یہ سڑتا رہتا ہے اور فضا کو آلودہ کرتا رہتا ہے۔ شاید یہی سب کچھ دیکھ کر ہمارے گورنر عالی جناب علی یاور جنگ کی بیگم زہرہ کو خیال آیا۔ 'صاف ستھری بمبئی' کے نام سے مہم چلائی۔ گھر گھر چرچا ہوا۔ ان گھر والیوں کے کان تک بھی بات پہنچی بہت خوش ہوئیں۔ پھولے نہ سمائیں۔ کیوں نہ ہو آخر اندرا کا راج ہے۔ آخر ہماری بیگم صاحبہ ہی کو خیال ہوا۔ کس بدبو اور عفونت سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ اب اس سے نجات ملے گی۔ ان میں ایک ذرا زیادہ زیرک خاتون تھیں۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر دوسری عورتوں کو نصیحت فرمانے لگیں۔ "بہن ہمیں بھی چاہیے کہ کچرا اور گندگی چالی پاگٹر میں نہ پھینکیں۔" اس پر سب خواتین ہاتھ مٹکا کے بیک آواز بول اٹھیں۔ "واہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ چالی پاگٹر میں نہ ڈالیں تو پھر کہاں ڈالیں؟ سیٹھ (مالک مکان) نے جھاڑو والا رکھا ہے۔ اسے چالی صاف کرنا چاہیئے۔ آخر پگار کاہے کی لیتا ہے۔ رہے گٹر، سو ان کی صفائی میونسپل کارپوریشن کا کام ہے۔ وہ اگر نکمی ہے تو پھر یہ ہمارے میونسپل کارپوریٹر کس مرض کی دوا ہیں؟ ان خواتین کا کہنا بھی ٹھیک ہے۔ یہ گھر والیاں ہیں۔ ان کے آگے کس کی چل سکتی ہے!

مثل مشہور ہے، دو برتن بھی پاس پاس رکھے ہوں تو کبھی نہ کبھی ٹکرا جاتے ہیں۔ پھر یہ چالیاں جہاں خلق خدا اسطرح بھری پڑی ہے جیسے کابک میں کبوتر، ڈربے میں مرغیاں یا باڑے میں مویشی۔ تو قیاس کر لیجئے کیا عالم ہوگا۔ یہاں ہنگامہ برپا نہ ہو تو بڑے اچنبھے کی بات ہوگی۔ مردوں کی لڑائی تو خدا کی پناہ۔ گالم گلوچ، ہاتھا پائی، لاٹھی، پتھر اور چاقو بازی۔ بس خیریت یہی ہے کہ اس کی نوبت گاہے بگاہے ہی آتی ہے۔ ہاں ان چالیوں میں آباد ناریوں میں میل جول کے ساتھ نوک جھونک اور 'تو تو میں میں' خاصہ کی چیز ہے۔ دوپہر کا وقت ہے۔ چالی میں قدرے سناٹا ہے۔ ایک بہن کا دل گھبراتا ہے۔ بازو والی کو آواز دیتی ہے۔ "ادھر آؤ نا بہن، کیا کر رہی ہو۔" ادھر سے آواز آتی ہے، "ابھی آئی" ایک لمحہ بعد ہی آن موجود ہوتی ہیں پہلی سے گویا ہوتی ہیں۔ صبح سے پکانے ریندھنے میں لگی تھی۔ اس سے فرصت ملی ہی تھی کہ لالو کے ابا آگئے۔ اب انہیں "کھانا ڈال اور چٹنی منہ سے لگا" سیدھی ادھر آئی ہوں۔ بہن تم اچھیں! نو دس بجے تک سب کام کاج سے فارغ۔ بچے اسکول اور میاں دفتر، شام ہی کو گھر آتے ہیں اور شریف ایسے کہ ہر ماہ پوری پگار تمہارے ہاتھ پر لاکر رکھ دیتے ہیں۔ ان دونوں کی سرگوشیاں سن کر تیسری پڑوسن دروازے کی آڑ سے جھانکتی ہیں۔ پگار کے لفظ پر چوتھی پڑوسن کے بھی کان کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بڑی تیز مزاج ہیں۔ فوراً

دروازہ پھٹ سے چوپٹ کھول کر سینہ سپر ہو کر کھڑی جاتی ہیں۔ سامنا تیسری پڑوسن سے ہو جاتا ہے ناک پر انگلی رکھ کر مخاطب ہوتی ہیں "اری! پڑو پگار پگار کا رونا کیا روتی ہے۔ میرے مرد کی پگار ہے تو تیرا کلیجہ کیوں پھٹا جاتا ہے۔ ایسا ہی ہے تو حا ملنگ جا۔ منت مانگ۔ دفتر جاکر افسران کی جوتا سیدھی کر۔ تیرے مرد کی پگار بھی بڑھ جائے گی۔" حاجی کے ذکر خیر پر تو پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں بالآخر سب ہی حاضر ہو جاتی ہیں۔ ایک نصیحت ف ہیں "بہن، خدا کے لئے حاجی ملنگ بابا کا نا لڑائی میں نہ لاؤ۔ پہلے ہی کھانے کو پیٹ بھر مل رہا ہے نہ تن ڈھانکنے کو کپڑا۔ تیل، صابن، مسالہ، گھاسلیٹ، ضرورت کی ہر چیز مٹی جا رہی مہنگائی نے جینا دوبھر کر دیا ہے۔ ایسے میں حاجی بابا بھی ناراض ہوگئے تو کیا ہوگا۔ یہ سن کر پڑوسن جن کی ناک بہت لمبی ہے، بول اٹھتی ہے بس رہنے بھی دو۔ تمہیں اس مہنگائی کی کیا ایک پڑوسن کے ہاں سے کٹوری آٹا لے لیا۔ دو ہاں سے چاول، تیسری سے دال اور نمک ما یہ سب مزے سے پکایا۔ وہ بھی کیسے! روا چولہے پر ڈالی، کھچڑی دوسری بہن کے اسٹو تیسری کے ہاں بیٹھ کر کھایا پیا۔ ہضم کر گئیں تک نہ لی۔ تم کس منہ سے نصیحت کرنے چلی، اور پڑوسن ان کی حمایت میں بولیں "ہاں بہن کہہ رہی ہو۔ اس کی عادت ہے ہی ایسی۔ ابھو میرے پاس آئی۔ کہنے لگی "منے کی طبیعت خر دو چار لال مرچیں دے دو۔ نظر اتارنا ہے۔" مرچوں سے دھونی دی یا چٹنی پیس کر چٹ کر گئی بہرحال یہ مرچیں تھیں بڑی تیز۔ ایک سے دوسری سے تیسری اور یکے بعد دیگرے سب آ گئیں۔ مرچوں کی دھانس ناک میں چڑھ گئی۔ آ آنسو آنے لگے۔ روتی، بڑبڑاتی اپنی اپنی کھولی ہوئیں۔ وہاں بھی کچھ دیر اونچے نیچے (باقی صفہ

حیات وارثی

شمعِ مستقبل جلاؤ باہمی اِمداد سے
گلشنِ ہستی سجاؤ باہمی اِمداد سے
ہند کو جنّت بناؤ باہمی امداد سے
امن کی عظمت بڑھاؤ باہمی امداد سے

ہو مسرت کا حسیں پیغام سب کے واسطے
کامرانی، شادمانی عام سب کے واسطے
مے ہو سب کے واسطے اور جام سب کے واسطے
ایسا میخانہ بناؤ باہمی اِمداد سے

آنے والی نسل کی قسمت جگانے کیلئے
گردشِ ایّام کو نیچا دکھانے کے لئے
ملک سے بیروزگاری کو مٹانے کیلئے
کارخانوں کو چلاؤ باہمی امداد سے

ہو منوّر اور تابندہ عمل کا راستہ
ماہ و انجم کی طرح سے جگمگائیں نقشِ پا
جتنے رہرو ساتھ ہوں وہ سب ہوں منزل آشنا
کارواں ایسا بناؤ باہمی امداد سے

جس جگہ سے مفلسی کا چاک دامن سِل سکے
حسرت و ارماں ہوں پورے غنچۂ دل کھِل سکے
یعنی جسکو ہو ضرورت اسکو پیسہ مِل سکے
بینک ایسے خود بناؤ باہمی امداد سے

عام ہو تعلیم اور شاداب فن کا گلستاں
ختم ہو جائیں جہالت اور تعصب کے نشاں
جو بنائیں اسپتال، اسکول، رہنے کے مکاں
اُن اداروں کو چلاؤ باہمی امداد سے

امدادِ باہمی

غزل

غبار بھٹی

دَر دَر کی ٹھکرائی نظر نے، اپنے گھر کو دیکھ لیا ہے،
دَیر و حَرم کو کیا دیکھیں جب پریم نگر کو دیکھ لیا ہے
ساغر خالی، شیشے خالی — دِل میں بھی خاک اُڑتی ہے
تیرے گھر کیا آؤں ساقی، تیرے گھر کو دیکھ لیا ہے
دَیر و حَرم رہ رہ کے پکاریں، جنّت اپنے باغ دِکھائے
کیا دیکھے وہ مُڑ کر جس نے تیری ڈگر کو دیکھ لیا ہے
شام و سحر کی گردش کا اب راز سمجھ میں آنے لگا ہے
تجھ سے آنکھ مِلا کر میں نے تیری نظر کو دیکھ لیا ہے
شمع بھی ہے، پروانہ بھی ہے، ایک دل دیوانہ بھی ہے
کِس پہ اثر ہوتا ہے کتنا، میں نے اثر کو دیکھ لیا ہے
دِل جو پہلے نامحرم تھا اب ان کے ہم رازوں میں ہے
یعنی میرے آئینے نے، آئینہ گر کو دیکھ لیا ہے
سچّائی کے دیس میں کیا تھا، اُجڑے گاؤں اور اُجڑے شہر
سپنوں کی بستی میں جاکر روپ نگر کو دیکھ لیا ہے
ضِد ہے نشیمن اپنا یوں ہی جلتا جائے بنتا جائے
برق و شرر کی رہنے بھی دو، برق و شرر کو دیکھ لیا ہے
دل میں آگ لگی ہے لیکن دِل کی آگ بجھاؤں کیسے
پانی کی اِک بوند نہیں ہے، دیدۂ تر کو دیکھ لیا ہے
میرے شعورِ لذّتِ غم کو ان سے کیا تسکین ہوگی؟
سوزِ نظر کو، دل کی تپش کو، دردِ جگر کو دیکھ لیا ہے
تاریکی بھی پردہ تھی اور روشنی بھی اِک پردہ ہے
حیرت یہ ہے ان شام و سحر نے، شام و سحر کو دیکھ لیا ہے
تپتے جیٹھ اور سوکھے ساون، آگ لگی ہے گلشن گلشن
جلتی سلگتی آشاؤں کے برگ و ثمر کو دیکھ لیا ہے
تیری نشیلی آنکھ کا کھلنا، پَو پھٹنے کی علامت ہے
جھانک کے ان پلکوں کے پیچھے نورِ سحر کو دیکھ لیا ہے

تیرا غبارِ آوارہ اب دشت کا رستہ بھول گیا
یعنی اس کمبخت نے تیری راہگذر کو دیکھ لیا ہے

"رَسیا ! جاؤ نا !!"

پنڈت جواہر لال نہرو جون ۱۹۵۵ء میں روس کے سرکاری دورے پر گئے۔ پاکستان چونکہ بغداد پیکٹ میں شامل ہو چکا تھا اور پنڈت جی بہت ناراض تھے کہ پڑوسی ملک نے ایک طاقتور ملک سے معاہدہ کر کے سرد جنگ کو ہماری سرحدوں تک پہنچا دیا، تو اُن دنوں پنڈت جی کی ناراضی کا ذکر زبانوں پر عام تھا۔

اُردو اخباروں نے جہاں ان کی گرما گرم تقریریں اور بھی نمک مرچ لگی ہوئی سُرخیوں کے ساتھ شائع کیں، وہاں روس کے سفر کی اطلاع دیتے وقت پہلے دن عنوان دیا :

"پنڈت جی ہندوستان سے رُوس گئے"

میں حوض قاضی سے چوڑی والے تانگے میں بیٹھا تو اخبار میرے ہاتھ میں تھا۔ تانگے والے نے رنجیدہ ہو کر پوچھا "کیا غضب ہو گئی رائے صاحب! پنڈت جی کیوں رُوس گئے؟ پیکٹ کیا پاکستان نے امریکہ سے، اور روس گئے پنڈت جی ہم سے؟"

تب میں سمجھا کہ تانگے والا دِلّی کا نہیں، پنجاب کا ہے: پنجابی میں روٹھ جانے کو رُوس جانا کہتے ہیں۔

بھولا بھائی آڈی ٹوریم شہر کا ایک نہایت نفیس ایرکنڈیشنڈ ہال ہے۔ ایک شام سنگھ بندھو کے نام کا اعلان ہوتا ہے کہ وہ راگ "مارُو بہاگ" میں کچھ سُنائیں گے۔

دونوں گائک بھائیوں میں سے ایک، جو چھوٹے ہیں اور چھوٹی مرچ کی طرح تیز مزاج اور چٹکیلے بھی، اکثر روس سے ناراض رہتے ہیں! آنکھیں میچ کر، دانت بھینچ کر انھوں نے حلق سے راگ نکالا :

رَسیا، جاؤ نا ... !

رو ہانسی آواز، التجا کا انداز اور راگ مارُو بہاگ ... خدارا نہ جاؤ، کہیں بھی چلے جاؤ۔ مگر رَسیا نہ جاؤ ... جاؤ نا !

میں کن سُرا پہلے بول سُن کر بھڑک اٹھا۔ سوچا: اُٹھ کر فوراً پائنٹ آف آرڈر اُٹھاؤں۔ انھیں کیا حق ہے کہ سنگیت کے پردے میں "رَسیا" کے خلاف پرچار کرتے ہیں! میں خود ۱۹ بار جا چکا ہوں، ۲۰ ویں بار بھی ضرور جاؤں گا۔ آجکل تو آئے دن سرکاری ڈیلیگیشن "رَسیا" جاتے ہیں، گرمیوں میں خاص کر، جب یہاں لُو چلتی ہے اور وہاں سَرد ہوا۔

پھر خیال آیا کہ ہم پنڈت جی کی بیٹی کو شکایت لکھ بھیجیں گے کہ دیکھئے آپ کے دیش میں یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے! سردار صاحب، اُس ملک میں جانے سے روک رہے ہیں جہاں ہمارے اتنے سارے "رَسیا" بسے ہوئے ہیں۔ تب یاد آیا کہ اگرچہ آجکل "رسیا" بھی کسی رَسیا سے کم نہیں، تاہم وہ رَسیا اور ہے جسے اس راگ میں گاتے ہیں گانے والے، اور جیسے بحرِ ہند تو کیا بحرِ دل کی بندرگاہ سپرد کرنے کو تیار رہتے ہیں دل والے!

غلط فہمیاں بھی کیا چھوٹی چھوٹی باتوں سے پھیل جاتی ہیں یا پھیلائی جاتی ہیں!

کسی دیسی ریاست میں پرانے دیوان کے خلاف راجہ صاحب کے کان بھر دیئے گئے کہ بڑا جاہل ہے، سرکاری خطوں میں غلطیاں کرتا ہے۔ وہ ہٹا تو نیا، پڑھا لکھا، ہوشمند دیوان اس کی جگہ آیا۔

راجہ صاحب نے نئے دیوان سے خط لکھوانے شروع کر دیئے۔ پرانا دیوان جلا بیٹھا تھا۔ اس نے آخر نئے دیوان کی "زبردست غلطی" پکڑ لی۔

"دیکھیے، سرکار۔ جن راجہ صاحب کو خط بھیجا جا رہا ہے وہ حضور کے قدیمی دوست اور جاں نثار۔ میں جب بھی انھیں لکھتا تو بسیار مہربان لکھا کرتا تھا، بڑی ح سے، نئے دیوان کے دل میں کھوٹ ہے، آپکے تعلقات بگاڑنا چاہتا ہے، اس نے مہربان لکھا چھوٹی ہ سے"!

اب کیا تھا، راجہ صاحب بھڑک اٹھے: ہائیں نالائق، ہمارے عزیز دوستوں کو بڑی ح کے بجائے چھوٹی ہ لکھتا ہے، حفظِ مراتب کا خیال نہیں :

ظ انصاری

ں میں کھنڈت ڈالے گا' نکالو اس بے ایمان کو۔

نیا دیوان نکال دیا گیا۔ سُنا تم نے بندھو؟
ں ح کے زمانے میں بڑی ح سے مہربان لکھنا چاہیے
ر جو لوگ "رسیا" جاتے رہتے ہیں اُن کی دِلآزاری
ں کرنی چاہیے میرے بھائی!

اور سُنو!

مولویوں کی قوم میں ایک مولوی بڑا اِنقلابی نکلا۔
ہے صدرالدین عینی۔ جب وسطِ ایشیا میں روس کے
نلابی خیالات کی لہر چلی تو کشف المحجوب
سنے پڑھانے والا' پرانے طرز کا مولوی شاعر صدرالدین
ی بھی اس لہر پر رواں ہوگیا۔ امیر صدرالدین آف
را نے اسے کوڑے لگوائے' جیل میں ڈالا۔ وہ باز نہ
۔ تم جانو' انقلابی خیالات لانڈری میں دُھل کر تو آتے
، کہ کھال اُدھڑنے کے ساتھ ان کے بھی چیتھڑے ہو
ں۔ جب وہ کھال اُدھڑتی دیکھتے ہیں تو کھال کے
ر گھس جاتے ہیں۔ سو مُلّا عینی کی نرم کھال کے ساتھ
یہی ہوا۔

خیر سے اِنقلاب کامیاب رہا۔ مولوی کے دن پھرے
رس ۱۹۲۳ء میں پروفیسر مقرر کیا گیا۔ نئی حکومت نے
یکسٹ بک تیار کرنے کو کہا۔ اس نے تاجیک ادبیات
ہی نمائندہ نظم کتاب میں شامل کی۔ یہ نظم تمام ادبی
فوں میں شامل ہے:

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی
یادِ یارِ مہرباں آید ہمی

گیارہ سو برس پہلے رودکی شاعر نے امیر بخارا کے
نے ایک ناسے پڑ گائی تھی۔ اس میں آگے چل کر کہا گیا
ہ: اے بخارا' خوشی منا' تیرا بادشاہ وطن کو واپس
ہے۔ اے باغ سر بلند ہو' تیرا سرو پھر اپنے مقام
ر سجے گا۔

یہ غزل سنتے سنتے بادشاہ پر حال طاری ہوگیا اور وہ دیوانہ وار اپنے وطن کو چل دیا تھا۔ لیکن گیارہ سو برس بعد ملّا عینی کی شامت آگئی۔ انقلاب سے پہلے کے دشمنوں نے جاکر سنسر بورڈ کے کان بھر دیئے کہ صاحب یہ بڑا منافق مولوی ہے۔ دیکھیے انقلاب کے بعد کی نسل کو امیر بخارا کی واپسی کی دعائیں مانگنے پر اُکسا رہا ہے۔ مُلّا عینی پکڑے گئے۔ بڑی مشکل سے چھوٹے۔

تو سمجھے برخوردار' وہ زمانہ آن لگا ہے کہ "رسیا جاؤ نا..." کے بجائے "ساجن جاؤ نا..." گانا چاہیے' راگ مارو بہاگ میں ورنہ مارے جاؤ گے یا بھاگنا پڑے گا۔ مگر ہاں ذرا جغرافیہ دیکھ لینا کہیں "ساجن" کسی ایسے ملک کا نام نہ ہو جو ہمیں لمبی مدت کا قرضہ دیکر بھول گیا ہو۔ ایسا ہوا تو وہ اصل مع سود طلب کرلے گا میرے بھائی!

عاشقی کے آداب

رُوس کا عظیم اور جواں مرگ شاعر پوشکن ہمارے مرزا غالب کا ہم عصر ہے اور اُن سے بھی زیادہ سمجھا اور چاہا جاتا ہے۔ عمر کے چودھویں سال سے ۳۷ ویں سال تک جب پستول کی گولی نے عمر بھر کی بے قراری کو قرار دیا' وہ عاشقانہ (بلکہ "فاسقانہ") رنگ رلیوں سے باز نہیں آیا۔ کاغذات میں سے ۳۴ عورتوں کے نام اور پتے نکلے ہیں۔ مگر' یقین کیجیے! ایک آدھ گھٹیا سی شرارت کے علاوہ اُس نے کبھی عاشق کی تصویر اور عشق کے تصوّر پر آنچ نہیں آنے دی۔ جو حسین دلربا پیکر اس کی شاعری سے اُبھرتے ہیں' اُن کے ساتھ شاعر کا برتاؤ شوخی کے باوجود نہایت شریفانہ نظر آتا ہے عالی ظرفی کا سلوک' برابر کا حساب' ہمدردانہ لہجہ۔

میں چند روز پہلے "واسوخت" پڑھ رہا تھا ۱۹ ویں صدی کے لکھنؤ میں ایک سے ایک چٹ پٹا واسوخت لکھا گیا ہے۔ اس صنفِ سخن میں مرد و زن کے اَزلی رشتے کی پوری روداد بیان ہوتی ہے اور کوئی کوئی عُشّاق محبوب سے رُوٹھتا ہے یا رُوٹھے ہوئے محبوب کو منانا چاہتا ہے تو ایسے ایسے کچھ کے دیتا ہے کہ توبہ بھلی!

کوئی کہتا ہے' اچھا' میں بھی دِکھادوں گا... ناکوں چنے چبوا دوں گا' کسی اور کو لے آؤں گا۔ کوئی اس سے بڑھ کر بلیک میل کرتا ہے کہ تمہارے خط اگلے محبوب کو سونپ دوں گا' تب تماشا دیکھنا۔ اِنشاءؔ' امانتؔ اور جان صاحب کا کیا ذکر' خود غالبؔ جیسا مہذب آدمی یہ کہہ کر جی ٹھنڈا کرتا ہے:

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اِک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

یعنی جب ہم مرتے تھے تم پر' تم نے ہمارے عشق کی قدر نہ کی۔ اب خود کسی اور کے عشق میں مبتلا ہو کر پتہ چلے گا کہ ستم زدہ کسے کہتے ہیں۔

یہ ہیں جلی کٹی باتیں جو عشق پیشہ شریفوں نے ہماری شاعری میں سمیٹ کر رکھ دی ہیں۔

اب ذرا ملاحظہ ہو پُوشکن کا برتاؤ' ایک نظم میں تو اس نے باقاعدہ دعائے خیر کی ہے محبوب کے حق میں — کہ بھئی' ہم تو فیضیاب نہ ہوسکے' خیر' جسے تم نصیب ہو' خدا اسے خوشی اور کامیابی عطا کرے۔ نظم یوں تمام ہوتی ہے:

زمانہ راحت و عیشِ دوام دے اُس کو
وہ دِلنواز کسی دل کا انتخاب کرے
جو عمر بھر کی رفاقت کا جام دے' اُسکو
خوشی نصیب ہو' تقدیر کامیاب کرے

اِسی مزاج کی ایک اور نظم ہے:

میں نے چاہا تھا تمہیں' تم سے محبت کی تھی
کچھ سُلگتا ہے مری روح میں شاید اب بھی

محبت جنسی خود غرضی نہیں' ایثار اور ہمدردی کے مکتب کا اوّلین سبق بھی ہے!

خوش ہو تم کہ تمہیں درد دکھائے نہ بنے
جس سے آزردہ ہو، وہ بات سُنائے نہ بنے

•

نہ کچھ امیدِ کرم، لب پہ شکایت، نہ سوال
سوزِ الفت نے، رقابت نے کیا تھا پامال

•

جس نزاکت سے، لگن سے کبھی چاہا میں نے
یوں کوئی اور بھی چاہے تمہیں — اللہ کرے!

•

پوشکن کا ہم عصر تنقید نگار بیلنسکی اِن نظموں کا جائزہ لیتے ہوئے مشورہ دیتا ہے کہ مردوزن کی محبت کا جذبہ یہاں ایسی بلندی اور پاکیزگی پر پہنچ گیا ہے جس سے روح کو تازگی ملتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہماری آئندہ نسلیں اس کلام کو سینے سے لگائیں اور اس جذبے کی شدّت و رفعت سے محبت کرنا سیکھیں۔ کوئی پچاس برس بعد (جون سنہ ۱۸۸۰ء) دستو ئیفسکی نے پوشکن کے کلام کی داد دیتے ہوئے نوجوانوں کو جتایا کہ دیکھو محبت کوئی جنسی خود غرضی نہیں، ایثار، قربانی اور ہمدردی کے مکتب کا اوّلین سبق بھی ہے۔

••

اہلِ قلم حضرات

اپنے رشحاتِ قلم "قومی راج" میں اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔ مضامین، مقالات اور منظومات صاف و خوشخط اور کاغذ کی صرف ایک جانب لکھی ہوئی ہوں۔

تعلیقات پتہ ذیل پر ارسال کی جائیں:

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

تبصرہ:

از: ر۔ا۔خ

آثارِ محروم

ماہنامہ "پگڈنڈی" امرتسر نے کچھ عرصہ قبل اُردو کے ممتاز شاعر تلوک چند محرومؔ پر ایک خاص نمبر بعنوان "آثارِ محروم" شائع کیا تھا جو ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ خاص نمبر ایک اہم دستاویز ہے جو تلوک چند محرومؔ کی زندگی، ان کے فن اور ان کے ہمعصروں کے بارے میں مکمل حالات سے روشناس کراتا ہے۔

تلوک چند محروم نے اُردو شاعری کو ایک نیا اسلوب عطا کیا ہے۔ انھوں نے اپنے قلم سے شعروادب کی خدمت ہی نہیں کی بلکہ اپنی شاعری میں قومی احساسات اور جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دئے ہیں۔ اردو زبان پہ مٹنے والوں میں تلوک چند محروم صفِ اوّل میں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے شمالی پنجاب کے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں خاموشی سے ادب کی شمع روشن کی اور اسی لگن میں لگے رہے کہ اس ادبی شمع کے نور سے دنیا کا کونہ کونہ منوّر ہو جائے۔ محروم کی نظموں میں تاثیر ہے، کشش ہے، جاذبیت ہے، سادگی اور بے ساختہ پن ہے۔ نہ معلوم اس عظیم شاعر کے دل میں کیسے کیسے ارمان مچلتے ہوں گے اور کس طرح انھیں اشعار میں ڈھالنے کے لئے سوچتی کرنے پڑے ہوں گے۔

"آثارِ محروم" میں پنڈت جواہرلال نہرو، ڈاکٹر ذاکر حسین، سردار سورن سنگھ، ڈاکٹر سیّد محمود، نواب سعادت علی خاں اور دیگر نامور شخصیتوں کے پیغامات ہیں۔ نیاز فتح پوری، ڈاکٹر اعجاز حسین، رشید حسن خاں، ضیاء احمد بدایونی، ڈاکٹر سلامت اللہ کے ساتھ ساتھ متعدد ادیبوں کے
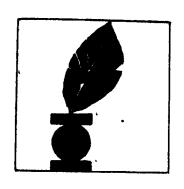
مقالات ہیں جن سے تلوک چند محرومؔ کی زندگی، ان کی شاعری اور جذبۂ حب الوطنی پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقالات کے بعد اس نمبر میں منظومات ہیں، مکتوبات ہیں، تضمینات و تقریبات ہیں، اور باون اخباروں اور جریدوں کے اقتباسات ہیں جنھوں نے محروم کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس خاص نمبر کے آخر میں سپاسنامے ہیں جو ادباء و شعرا اور ادب نواز حضرات کی جانب سے پیش کئے گئے ہیں۔

پگڈنڈی کا یہ خاص نمبر جو ۲۸۶ صفحات پر مشتمل ہے، سات روپے میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دلّی یا اسکی برانچ پرنسس بلڈنگ جے جے اسپتال بمبئی ۳ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

محرومؔ کے کلام کا نمونہ:

اگر ہے منظور سربلندی تو دورِ نظروں سے کر بلندی
کہ اوجِ شمس و قمر نے پایا ہے سر کو اپنے جھکا جھکا کر

یوں زندگی سے مل کے جوانی جُدا ہوئی
جیسے کوئی کسی سے سرِ رہگذر ملے

سفر کرتے ہوئے منزل بہ منزل جا رہے ہیں ہم
مجھے یہ ساری دنیا کارواں معلوم ہوتی ہے

تیرے جویا تھے کم ہنگامۂ بازارِ عالم میں
تجھے جنسِ وفا، ارزاں نہ کرتے ہم تو کیا کرتے

* * *

چھوٹی چھوٹی باتیں... لیکن

افتخار امام صدیقی

چھوٹی چھوٹی اور ادنیٰ باتیں لوگوں کو ان کی زندگی
ان کی حد تک پہنچا دیتی ہیں اور دنیا کی آدھی پریشانیوں
ذمہ دار ہیں ۔ میرے پاس دوسروں کی ایسی ہی بیشمار
چھوٹی باتیں ہیں جو معمولی ہیں اور دیکھا جائے تو
کوئی اہمیت بھی نہیں، بالکل دھوئیں کے بادلوں کی
... ذرا سا ذہن پر زور دینے اور یکسوئی کے ساتھ
نے پر یہی چھوٹی چھوٹی باتیں جو الجھنوں کا ایک خوفناک
نظر آتی ہیں، منٹوں اور سکنڈوں میں حل ہو سکتی
تم ہو سکتی ہیں :

چند ایک چھوٹی چھوٹی باتوں کا الجھنوں کی شکل
یہاں پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔

○

... میں بہت زیادہ سوچنے کا عادی ہوں اور خیالی
میں گم رہتا ہوں، بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے
جیسے زمین ہی پر نہیں ... ... !"

● یہ آپ کے سوچ اور فکر کی غلط پرواز کا نتیجہ
آسمانوں پر پرواز کرتے ہوئے اپنے قدم زمین ہی
ئے رکھئے ۔ اگر آپ اسی طرح تخیل کی وادیوں میں
ہوئے اپنی آرزوؤں کی تکمیل چاہتے رہے تو عملی
ناکارہ ہو جائیں گے اور آپ کی زندگی بے معنی
کر رہ جائے گی، کیونکہ صرف خواہشات کی ناز برداری
اور ہر وقت اسی کے ساتھ چپکے رہنے سے کوئی بات
ن پاتی، کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔ "مقصد" فکر کی
یں تپ کر ضرور قابلِ عمل بنتا ہے تاہم اس کی تکمیل
ئے سعیٔ پیہم اور جہدِ مسلسل کی ضرورت ہے ۔۔ اور یہ
عمل کی دنیا میں ہوتی ہے، تصورات میں نہیں ۔۔
ت پسند بنئے اور اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی
تھ نبا ہئے ۔ ایسا کرنے کیلئے اب بھی آپ کے پاس
ہے، تازہ دم سانسیں ہیں ۔

○

"... میری صورت اچھی نہیں ہے، رنگ بھی سانولا
میری شادی عنقریب ہونے والی ہے ۔ کیا میں اپنے
کے دل میں جگہ پا سکوں گی ؟ کیا میری سسرال والے
مجھ سے خوش رہ سکیں گے ... ؟"

● محترمہ : رنگ اور صورت تو عارضی چیزیں ہیں، اور ان کو اہمیت دینے والے اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں ... اب اس کو کیا کیا جائے کہ ان عارضی متوجہ کرنے والی خصوصیات کی عدم موجودگی سے کچھ نہ کچھ چہ میگوئیاں ضرور ہوتی ہیں، اور آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا ۔۔ شاید نہ بھی ہو ... پھر بھی اگر اس طرح کے حالات پیدا ہو جائیں تو ان کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ کو صبر سے کام لینا ہوگا ... رنگ اور صورت تو جلد یا بدیر فراموش کر دئے جاتے ہیں، ہاں کردار اور سیرت دِلوں پر گہرے اور ان مٹ نقوش قائم کرتے ہیں ... یہ ایسی خامیاں نہیں کہ آپ اس قدر پریشان اور آنے والی خوشگوار زندگی کے لئے شک و شبہ کے خطرناک تانے بانے بُن کر اپنے آپ کو اس میں قید کر لیں ۔ پھر بھی اپنی ان خامیوں پر (اگر یہ کوئی خامیاں ہیں تو) پردہ ڈالنے کیلئے آپکو اپنے کردار کی عظمت اور اپنی پُرکشش شخصیت کا بہترین مظاہرہ کرنا ہوگا ... اگر آپ نے اپنے حُسنِ اخلاق سے اپنے شوہر کا دل جیت لیا تو یقین جانیئے اُن کے دل میں آپ کے لئے جو جگہ بنے گی، جو محبت اور گہرا تعلق پیدا ہوگا اس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکے گا ... اپنی بہترین صلاحیتوں کو اپنے وجود کے اندر سے چُن چُن کر نکالنا ہوگا تاکہ یہ انمول جوہر آپ اپنی سسرال والوں میں تقسیم کر سکیں اور ان کی بھرپور توجہ کا مرکز اور صرف آپ ہی مرکز بن سکیں ۔

○

"... میرے شوہر تعلیمیافتہ ہیں لیکن میں نے ہائی اسکول کی چند ہی کلاسیں پاس کی ہیں ۔ میں ایک بہتر تعلیمیافتہ خاتون ہونا چاہتی ہوں جس کے لئے میں نے اپنے طور پر بہت کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، اس سلسلے میں میرے شوہر بہترین معلم ثابت ہوئے ہیں، لیکن جب کبھی میں اپنے شوہر کے ساتھ کہیں باہر جاتی ہوں اور گفتگو کے دوران میں مجھ سے زبان و بیان کی کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو میرے شوہر تمام لوگوں کی موجودگی میں اس غلطی کی اصلاح سے نہیں چوکتے لیکن ان کا ایسا کرنا میرے لئے شرم و ندامت کا باعث بن جاتا ہے اور میں تمام لوگوں کی موجودگی میں جھینپ جاتی ہوں ... اب میں لوگوں سے کتراتی ہوں یا پھر زیادہ تر خاموش ہی رہتی ہوں .... اب میں بس ڈری ڈری سی، سہمی سی رہتی ہوں کہ کہیں کوئی تلفظ یا لفظ غلط نہ ادا ہو جائے ... کیا میں بہت زیادہ حساس ہو رہی ہوں ؟"

● جی نہیں ! اسقدر بھی نہیں جتنا کہ آپ سوچ رہی ہیں ۔ اس سلسلہ میں آپ کا جو بھی ردّعمل ہے وہ عین فطری ہے ... ہم میں سے کوئی بھی شخص غلطیاں کرنا پسند نہیں کرتا اور اگر ہو بھی جائیں تو انھیں عوام میں لانے سے گریز کرتا ہے ... آپ اپنی اس جذباتی الجھن کا ذکر اپنے شوہر سے ضرور کیجئے تاکہ جو کچھ آپ ہونا چاہتی ہیں وہ آپ کے اندر گھٹ کر نہ رہ جائے، اگر ایسا ہوا تو آپ کی شخصیت کے ٹوٹنے، پھوٹنے اور پھر بکھر جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ کچھ حاصل کرنے کا جذبہ آپ میں شدید ہے ...

آپ اپنے شوہر سے اس موضوع پر کھل کر بات کیجئے کہ اس پورے معاملے میں آپ کیا محسوس کرتی ہیں ... جب کہ آپ جانتی ہیں کہ تلفظ کی اصلاح کے معاملے میں آپکے شوہر پُرخلوص ہیں لہٰذا وہ آپ کی بات سے دل برداشتہ نہیں ہوں گے ۔ اُن سے کہئے کہ اب آئندہ سے وہ تلفظ کی خامیوں اور زبان کی غلطیوں کو لوگوں کی عدم موجودگی میں آپ کو بتایا کریں ۔

مہاراشٹر سیاحوں کی جنت

ہندوستان کا چپہ چپہ قدرت کے عظیم شاہکاروں سے لبریز ہے۔ اس سرزمین میں گنگناتے ہوئے آبشار ہیں۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے ہیں۔ روح پرور نظارہ پیش کرتے ہوئے سربفلک پہاڑ ہیں۔ پہاڑوں کے ڈھلوان ہیں۔ ہمیشہ بہتی ہوئی صاف ستھرے پانی کی ندیاں ہیں اور پھر ہر موسم میں نظارے بدلتے ہیں۔ برسات میں ہر طرف سبز قالین بچھ جاتے ہیں۔ موسم بہار پھولوں کے مختلف رنگوں سے سکون بخشتا ہے، اور موسم گرما کی جھلستی ہوئی لو، بگولوں کا رقص، دھوپ کی تپش، سورج کے طلوع و غروب کے مناظر اس طرح جلوہ افروز ہوتے ہیں کہ اس موسم میں بھی خوشگوار محسوس ہوتے ہیں۔

ہندوستان کی کئی ریاستوں میں مہاراشٹر بھی ایک ایسی ہی ریاست ہے جس کی صناعی میں قدرت نے بڑی دریا دلی برتی ہے۔ یہاں پر بھی خوبصورت پہاڑیاں ہیں، خوبصورت جنگلات ہیں، ندیاں ہیں، ٹھنڈے اور گرم پانی کے چشمے ہیں، سرسبز جنگلات ہیں۔ غرضیکہ ہر وہ چیز کم و بیش مہاراشٹر کی سرزمین میں پائی جاتی ہے جو ہندوستان کی دیگر کئی ریاستوں میں نہیں ہے۔

مہاراشٹر کا صدر مقام بمبئی ہے۔ یہاں پر گیٹ وے آف انڈیا، میرین ڈرائیو ہے، پرنس آف ویلز میوزیم ہے، چوپاٹی ہے اور چوپاٹی سے اوپر ہینگنگ گارڈن ہے جس پر پہنچ کر پوری بمبئی قدموں کو چومتی نظر آتی ہے۔ میرین ڈرائیو، صبح کو ایک اور شب میں دوسرا منظر پیش کرتی ہے۔ ادھر فلورا فاؤنٹن ہے اور آگے بڑھ کر مہاتما پھولے مارکیٹ ہے جہاں پھل پھول کے علاوہ بھی کئی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔

بمبئی میں بابل ناتھ مندر ہے۔ مہالکشمی مندر ہے اور اس سے لگا ہوا حاجی علی کا مزار ہے جہاں تک پہنچنے کا راستہ ۲۴ گھنٹوں میں دو مرتبہ زیر آب ہو جاتا ہے۔ یہاں پر بے شمار فلمی اسٹوڈیوز ہیں جہاں کی رونق ہندوستان بھر میں بے نظیر ہے۔ یہاں سے صرف ۱۲۸ کلومیٹر دور پر کارلے کے غار ہیں، جنھیں دیکھ کر انسان محو حیرت رہ جاتا ہے۔

بمبئی گوآ روڈ پر بے مثال اور خوبصورت جنگلات ہیں جو بمبئی سے صرف ۸۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہیں۔ یہاں پر مختلف قسم کے پرندے دیکھے جا سکتے ہیں جس کا انتظام حکومت مہاراشٹر کے ذمہ ہے۔ سیاحوں کی رہائش کے لئے اعلیٰ ٹھیٹے کیمپس بنائے گئے ہیں جہاں ہر قسم کے آرام کا خیال

رکھا گیا ہے۔

پونہ — بمبئی سے ۱۸۴ کلومیٹر کے فاصلے پر ملکۂ دکن کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سے پنچگنی اور مہابلیشور اور پھر شیونیر اور رائے گڈھ کو راستے ہیں۔ مہابلیشور مہاراشٹر کا کشمیر ہے اور نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے سیاح یہاں کی پہاڑیوں اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے ہر وقت آتے رہتے ہیں۔ مہاراشٹر میں بے شمار قلعے ہیں جن میں قلعہ شیونیر اور رائے گڈھ بڑی عقیدت سے دیکھے جاتے ہیں کیونکہ ان دونوں قلعوں میں شیواجی نے مراٹھا سلطنت کو مستحکم کرنے کے خاکے بنائے اور رائے گڈھ قلعہ میں اپنی راجدھانی قائم کی۔

چھترپتی شیواجی کے دارالخلافہ رائے گڈھ کی پہاڑی کا ایک منظر :

گوداوری ندی کے کنارے پوتر شہر ناسک آباد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شری رام چندر جی نے اپنے بن باس کے دنوں میں کچھ عرصہ اس جگہ بھی قیام کیا تھا۔ جس طرح ہندوستان میں بنارس ایک تیرتھ استھان ہے، اسی طرح مہاراشٹر میں ناسک بھی ایک بڑا تیرتھ استھان مانا جاتا ہے۔ مشہور بمبئی آگرہ روڈ ناسک سے ہو کر گذرتا ہے۔ قریب قریب ہر بڑے شہر سے ناسک جڑا ہوا ہے۔

ناسک کے قریب ہی جلگاؤں واقع ہے اور جلگاؤں سے مشہور زمانہ اجنتا غار تک پہنچا جاسکتا ہے، جو آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ ان غاروں اور گپھاؤں کی دریافت کو زیادہ نہیں بلکہ صرف ڈیڑھ سو سال کا عرصہ ہوا ہے۔ اجنتا کے غار پہاڑی پتھر تراش تراش کر بنائے گئے ہیں۔ دو ہزار سال گذر جانے کے بعد بھی اجنتا کے غاروں کی دیواروں پر جو رنگین تصویریں بنائی گئی ہیں ان کا رنگ مدھم نہیں پڑا۔ یہاں کی بُت تراشی، محرابیں، ستون اور مورتیاں آج بھی دنیا بھر سے خراجِ عقیدت حاصل کر رہی ہیں۔ ان غاروں میں زیادہ تر بُدھ کی مورتیاں ہیں اور ہر مورتی مختلف آرٹ کا مظہر ہے۔

اورنگ آباد سے صرف ۱۸ میل دور ایلورا ہے جہاں پر ہندو اور جین مذہب کے مندر ہیں اور سب میں نمایاں کیلاش مندر ہے۔ یہاں کی سنگ تراشی اجنتا سے بالکل مختلف ہے اور اس میں فن کاری اور جانفشانی کا خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اورنگ آباد میں بی بی کا مقبرہ ہے جو آگرہ کے تاج محل کی مانند ہے۔ تصویر میں بی بی کے مقبرہ

ناسک میں گوداوری گھاٹ کا ایک دلکش منظر

اور تاج محل میں بہت کم فرق نظر آتا ہے۔ اورنگ آباد سے ۱۵ کلومیٹر دور دولت آباد کا پرانا قلعہ ہے اور اس قلعے کی پاسبانی کرتا ہوا "چاند مینار" دور ہی سے سیاحوں کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔

بمبئی سے ۸۳۷ کلومیٹر دور مہاراشٹر کا ایک اور مشہور اور اہم تاریخی شہر ناگپور آباد ہے یہاں پر سیتا بلڈی کا قلعہ ہے 'مہاراج باغ ہے اور حضرت تاج الدین باباؒ کا مزار مقدس ہے۔

حکومتِ مہاراشٹر نے سیاحوں کے لئے مختلف قسم کی مراعات پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ حکومت کی طرف سے بمبئی سے رائے گڈھ' بمبئی سے اجنٹا ایلورا' بمبئی سے مہابلیشور' بمبئی سے گوآ جانے کے لئے بسوں کا انتظام ہے۔ آرام دہ بسیں ہر مقام پر آپ کو جانے کے لئے مل سکتی ہیں۔ حکومت نے ایک پورا محکمہ" ڈائرکٹوریٹ آف ٹورزم' بمبئی ۲۰ " سیاحوں کی مدد اور رہنمائی کے لئے مقرر کیا ہے اور اس سے سب ہی فیضیاب ہو سکتے ہیں۔

ریاض احمد خان

کولہاپور کا مشہور گیسٹس مندر جس کی تعمیر میں ایک بھی کھمبا استعمال نہیں کیا گیا ہے!

بقیہ بمبئی کی چالیاں

شروں میں ریڈیو بجتا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے خاموش ہوگیا۔

یہ ہیں بمبئی کی چالیاں۔ عروس البلاد کا قلب' اس کی جان' اس کی زندگی۔ انہی کے دم قدم سے یہ سدا سہاگن بنی رہے گی۔

تندرستی کی باتیں

جہاں تک کام چلتا ہو غذا سے
وہاں تک چاہیئے بچنا دوا سے
اگر تجھ کو لگے جاڑے میں سردی
تو استعمال کر انڈے کی زردی
اگر خوں کم بنے بلغم زیادہ
تو کھا گاجر' چنے' شلغم زیادہ
جگر کے بل پہ ہے اِنسان جیتا
اگر ضعفِ جگر ہے کھا پپیتا
جگر میں ہو اگر گرمی دہی کھا
اگر آنتوں میں خشکی ہو تو گھی کھا
جو طاقت میں کمی ہوتی ہو محسوس
تو مصری کی ڈلی مُلتان کی چوس
زیادہ گر دِماغی ہے ترا کام
تو کھالے شہد کے ہمراہ بادام
جو دُکھتا ہو گلا نزلے کے مارے
تو کر نمکین پانی کے غرارے
جو بدہضمی میں تو چاہے افاقہ
تو اِک دو وقت کا کرلے تو فاقہ

قومی راج

مختصر کنبہ

• کرشن موہن

زندگی کا لطف، چاہت کا سکوں
حسن کی راحت، جوانی کا فسوں
مختصر کنبے میں ہے

مستیِ خلوت، قرارِ انجمن
عزتِ قوم و وطن، کیفِ چمن
مختصر کنبے میں ہے

نے محبت کی کمی، نے بدظنی
نے حسد، نے غیریت، نے دشمنی
مختصر کنبے میں ہے

زیست بن جاتی ہے روپہلی ہنسی
روشنی رنگِ فراغت کی بسی
مختصر کنبے میں ہے

جیسے طوفاں میں اٹل کوئی کنول
ایسے ہی دُبدھا میں دھیرج اور بَل
مختصر کنبے میں ہے

اِرتقا، نشوونما، حسنِ فروغ
مشترک احساس، بےکین و دروغ
مختصر کنبے میں ہے

حریت کا اور خودداری کا جوش
اپنا اور اپنے رفیقوں کا بھی ہوش
مختصر کنبے میں ہے

پیار میں رہتا ہے نسدن من مگن
اور جسے کہتے ہیں جیون کی لگن
مختصر کنبے میں ہے

نورِ ادراک و شعورِ امتیاز
عیشِ حال و عشرتِ فردا کا راز
مختصر کنبے میں ہے

تنگدستی بھاگتی ہے دور دور
اِنبساط و تندرستی کا وفور
مختصر کنبے میں ہے

حسن پاتا ہے محبت کا چلن
نزہتِ دل اور تزئینِ بدن
مختصر کنبے میں ہے

نکہت و نورِ معیشت کی نمود
اور تہذیب و تمدن کا وجود
مختصر کنبے میں ہے

مختصر کنبہ ہے پت جھڑ کا بھی میت
ہر زمانے میں وفاداری کی ریت
مختصر کنبے میں ہے

دلکش ہے، دھرتی سے بڑھ جاتی ہے پریت
گونجتا رہتا تمناؤں کا گیت
مختصر کنبے میں ہے

مختصر یہ، علم اور فن کی پھبن
کرشن موہن زندگی کا بانکپن
مختصر کنبے میں ہے

سرکاری فیصلے اور اعلانات

ریاستی سطح سیمینار پروگرام
ٹیچروں کی حوصلہ افزائی

ریاست میں ثانوی اسکول مدرسین اور صدر مدرسین کی حوصلہ افزائی کی غرض سے تاکہ وہ سیمینار ریڈنگ پروگرام کی اسکیم میں شرکت کر سکیں جو نیشنل کونسل فار ایجوکیشنل ریسرچ اور ٹریننگ، نئی دہلی نے شروع کی ہے، حکومت مہاراشٹر نے ریاستی سطح پر فوری طور سے ایسا ہی سیمینار ریڈنگ پروگرام شروع کیا ہے۔

اس پروگرام کے تحت اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، پونا، کل پندرہ مضامین کا انتخاب کرے گی جن میں سے اوّل ۵ مضامین پر انعام یافتگان کو حسب لیاقت ۳۰۰ روپے، ۲۵۰ روپے، ۲۰۰ روپے، ۱۵۰ روپے اور ۱۰۰ روپے کے نقد انعامات دئے جائیں گے۔ بقیہ ۱۰ مضامین پر حسب لیاقت میرٹ سرٹیفکیٹ حصہ لینے والوں کو دئے جائیں گے۔

منتخبہ مضامین نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اور ٹریننگ کو قومی مقابلہ کے لئے بھیج دئے جائیں گے۔ منتخب مضامین طلباء اور مدرسین کے فائدے کے لئے کتابچہ کی شکل میں بھی چھاپے جائیں گے۔

سنہ ۷۳-۱۹۷۲ء میں منعقدہ سیمینار ریڈنگ پروگرام کے نتیجہ کا اعلان ہو چکا ہے۔ ۱۸ انعام پانے والوں میں سے مہاراشٹر کے پانچ ٹیچروں کو انعام ملا ہے۔

تعلیمی فلموں کو چھوٹ

حکومتِ مہاراشٹر نے سینٹرل بورڈ آف فلم سنسرس کی جانب سے تصدیق شدہ ایسی ۱۶ ملی میٹر اور ۳۵ ملی میٹر کی فلموں جن کو کہ "خصوصی طور پر تعلیمی" کہا گیا ہے اور مشاورتی بورڈ کی جانب سے سائنسی فلم، تعلیمی مقاصد رکھنے والی فلم، خبروں نیز حالیہ واقعات سے متعلق فلم یا ڈاکومنٹری فلم کے طور پر منظور کردہ فلموں کی نمائش پر بمبئی سینماز (باقاعدگی) ایکٹ بابت سنہ ۱۹۵۳ء کی دفعہ ۳ کے تحت بعض شرائط پر ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء تک چھوٹ دی ہے۔

باسمت نگر کے مصیبت زدگان کی امداد

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے اُن دو افراد کے خاندان میں سے ہر خاندان کو ۲٫۵۰۰ روپے دینے کی منظوری دی ہے جو ۲۷ مارچ کو ضلع پربھنی کے مقام باسمت نگر میں پولس فائرنگ میں مارے گئے تھے۔ وزیر اعلیٰ نے ضلع پربھنی کے کلکٹر کو چیک ارسال کیا ہے اور انھیں ہدایت کی ہے کہ وہ یہ رقم خاندان کے افراد کو فوراً ادا کرنے کے انتظامات کریں۔

غذائی پروگرام کیلئے فنڈ

حکومتِ مہاراشٹر نے بچوں اور ماؤں کے لئے قوت بخش غذا کے پروگرام میں استعمال کرنے کے لئے ایک فنڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس فن[ڈ] میں رقم فراہم کرنے کی غرض سے حکومت نے [...] کیا ہے کہ بنگلہ دیش مہاجرین کے لئے جو مسافر ٹیک[س] لگایا گیا تھا اور جو سنہ ۷۴-۱۹۷۳ء میں قلّت ریلیف کے لئے جاری رکھا گیا تھا اس کو غذائی سرچار[ج] کے طور پر یکم اپریل سنہ ۷۴ء سے مزید جاری رکھا [...] جائے۔ دیہی علاقوں میں یہ سرچارج ایک رو[پیہ] سے زیادہ کے مسافر ٹرانسپورٹ ٹکٹوں پر اور شہری علاقوں میں ۴۵ پیسے کے مسافر ٹرانسپو[رٹ] ٹکٹوں پر ۵ پیسے وصول کیا جاتا ہے۔

سماج کے معاشی طور پر پسماندہ طبقات کے لاک[ھوں] خاندانوں کے بچے غذا کی کمی کے شکار ہیں۔ [...] طبقہ میں حاملہ مائیں بھی غذا کی کمی سے متاثر [...] ہیں۔ نیز ان کے پیدا ہونے والے بچے وقتِ پیدا[ئش] سے کمزور رہتے ہیں۔ اسی لئے یہ فنڈ قائم [کیا] گیا ہے۔

میونسپل کونسل کے ملازمین کو زائد مہنگائی بھتہ

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں میون[سپل] کونسلوں کو مہنگائی بھتہ امداد دینے کی من[ظوری] دے دی ہے تاکہ وہ اضافی شرح سے [...] وقتی ملازمین کو مہنگائی بھتہ دے سکیں۔ [...] کل وقتی سرکاری ملازمین کا [...] یکم [...] یکم اگست سنہ ۱۹۷[...] سے [...]۔

ایسی میونسپل کانسلوں کو جن کے ملازمین غیر نظرثانی
...مہ شرح سے تنخواہ پاتے ہیں' مصارف پر ۵۰ فیصد
...اد دی جائے گی جبکہ دیگر کانسلوں کو جن کے ملازمین
...شرح سے تنخواہ پاتے ہیں۔ حسب ذیل شرح سے
...اد دی جائے گی۔ اے کلاس میونسپل کانسل۔
...فیصدی' بی کلاس ۔ ۸۵ فیصدی' اور سی
...اس ۔ ۹۰ فیصدی۔

ماہی گیری کی ترقی کے لئے علاقائی مشاورتی کمیٹیاں

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے چار ماہی گیری خطہ جات
...لئے ڈپٹی ڈائرکٹران ماہی گیری کی کنوینر شپ کے تحت
...ر ریجنل کمیٹیاں قائم کی ہیں۔

یہ ریجنل کمیٹیاں مچھلی کی پیداوار میں اضافے سے متعلق
...ن اسکیموں کی ترقی کا جائزہ لیں گی۔ مختلف سطحات
...ان کے نفاذ میں آنے والی رکاوٹوں نیز دشواریوں
دور کرنے پر غور و خوض اور ان کی مؤثر عمل آوری
...ر توسیع کے لئے طریقہ کار تجویز کریں گی۔

ہر ریجنل کمیٹی میں علاقہ کی ضلع پریشدوں سے
...ایک نمائندہ' چیرمین فشریز کوآپریٹیو فیڈریشن
...یزنل جائنٹ رجسٹرار آف کوآپریٹیو سوسائیٹیز'
...اراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو بنک لمیٹڈ کا نمائندہ
...ل ہوگا اور دو سماجی کارکنوں کو حکومت نامزد
...ے گی۔

ریجنل فشریز ڈیولپمنٹ افسر متعلقہ ریجنل کمیٹی کا
...ر سکریٹری ہوگا۔

صنعتی تنازعہ جات

زینت ٹائلز مینوفیکچررز' پونا اور اس کے ملازمین
...ہ مابین جاری صنعتی تنازعہ کو حکومت مہاراشٹر نے
...رض تصفیہ شری ایم۔ جی۔ ..کے کی صنعتی عدالت کے
...رد کر دیا ہے۔ تنازعہ ملازمین کی ... کے سلسلہ میں ہے

وزیر اعلیٰ کے رشتہ داروں نے اپنی کپاس صرف فیڈریشن کو فروخت کی!

بعض اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ سوشلسٹ پارٹی کے سکریٹری شری پنا لال سُرانا نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ وزیر اعلیٰ' شری وی۔ پی۔ نائیک کے خاندان کے افراد نے اپنے کھیتوں میں پیدا کی ہوئی کپاس مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن کو فروخت کرنے کی بجائے دیگر ریاستوں میں فروخت کر دی۔

یہ خبر قطعی بے بنیاد ہے اور اصل صورتحال یہ ہے کہ نہ شری وی۔ پی۔ نائیک نے اور نہ ہی ان کے اہلِ خانہ یا قریبی رشتہ داروں نے ریاست میں یا ریاست کے باہر فیڈریشن کے علاوہ کسی فریق سے کپاس کا کوئی سودا کیا ہے۔

شری نائیک کے کھیتوں میں پیدا شدہ کپاس کی مقدار ۱۲ء۲۵ کوینٹل تھی۔ یہ کپاس تاخیر سے بوئی گئی تھی اسلئے اس کی کٹائی بھی دیر سے ہوئی۔ یہ کپاس صرف فیڈریشن ہی کو دی جائے گی۔

شری نائیک کے بھائی اور قریبی رشتہ داروں کے کھیتوں میں پیدا شدہ کپاس تقریباً ڈیڑھ دو ماہ قبل فیڈریشن کے ہاتھوں فروخت کی گئی تھی۔ شری نائیک کے بڑے بھائی شری بابا صاحب نے ۲۹ر نومبر ۱۹۷۳ء اور ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو ۵۷ء۳۱ کوینٹل کپاس فیڈریشن کو فروخت کی۔ اُن کے بھتیجے شری سدھاکر راؤ نے ۲۹ر نومبر ۱۹۷۳ء کو ۵۵ء۳۵ کوینٹل کپاس فیڈریشن کو بیچی' ان کے دوسرے بھتیجے شری مدھوکر راؤ نے ۱۱ر فروری ۱۹۷۴ء کو ۳۴۴ء۷۰ کوینٹل کپاس اور تیسرے بھتیجے شری منوہر راؤ نے ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو ۲۱ء۶۷ کوینٹل کپاس فیڈریشن کو فروخت کی۔

مجاہدینِ آزادی کے بچوں کو زائد نمبر

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ ایجوکیشن میں ڈپلومہ کورس میں داخل ہونے کے خواہشمند امیدواروں کے کل حاصل شدہ نمبروں کے حساب سے میرٹ کے لئے فیصلہ کرتے وقت مجاہدینِ آزادی کے لڑکوں یا لڑکیوں کے کل حاصل شدہ نمبروں میں دس نمبر زیادہ جوڑے جائیں۔ یہ ہدایت متذکرہ کورس میں داخلہ کے لئے مناسب امیدواروں کی سفارش کی غرض سے درخواستوں کی جانچ کرنیوالی مقرر کردہ کمیٹی کو دی گئی ہے۔

مدت میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے ناگپور میونسپل کارپوریشن کے موجودہ کانسلروں کی مدت کار میں ۳۰ر ستمبر ۱۹۷۴ء (بشمول ۳۰ر ستمبر کا دن) تک کی توسیع کر دی ہے۔

اوسارے آبپاشی تالاب

حکومت مہاراشٹر نے ضلع قلابہ کے تعلقہ کرجت میں واقع اوسارے کے مقام پر چھوٹی آبپاشی کیلئے ایک تالاب کی تعمیر کیلئے ۱۹،۷۷،۶۸ روپے کی لاگت کے تخمینہ کو منظوری دے دی ہے۔

پس ماندہ علاقوں میں صنعتیں قائم کیجئے!

صنعت کاروں سے وزیر اعلیٰ کی اپیل

وزیر اعلیٰ شری وی۔پی۔ نائک نے صنعت کاروں سے اپیل کی ہے کہ وہ مہاراشٹر کے صنعتی طور سے پسماندہ علاقہ جات میں زیادہ سے زیادہ صنعتیں قائم کریں۔ وزیر اعلیٰ ۲۵ر مارچ کو بمبئی میں ہندوستان لیور آڈیٹوریم میں بمبئی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے سالانہ عام اجلاس سے بحیثیت مہمان خصوصی خطاب فرما رہے تھے۔

شری نائک نے فرمایا کہ حکومت ہند نے گذشتہ سال صنعتی پروجیکٹوں کی قبل سرمایہ کاری منظوری وغیرہ کے لئے نئے قاعدے کا اعلان کیا تھا۔ ریاستی اور مرکزی سطح پر جلد سے جلد اجازت نیز اس کے ساتھ اسٹیٹ انڈسٹریل اینڈ انویسٹمنٹ کارپوریشن آف مہاراشٹر لیمیٹڈ کی جانب سے پیش کردہ سرمایہ و دیگر سہولتوں سے ماہرین صنعت اس قابل ہو جائیں گے کہ مہاراشٹر کے پس ماندہ علاقوں میں چھوٹی اور درمیانی صنعتیں قائم کر سکیں۔ آپ نے یقین دلایا کہ صنعت کاروں کو ایم۔ آئی۔ ڈی۔ سی، ایم۔ ایس۔ ایس۔ آئی۔ ڈی۔ سی، ایس۔ آئی۔ سی۔ او۔ ایم، ایم۔ ایس۔ ایف۔ سی اور ایسی ہی علاقائی کارپوریشنوں کی جانب سے بھرپور تعاون اور امداد دی جائے گی۔

کرلا اور تھانہ۔ بیلاپور پٹی کے علاقہ میں مزدوروں میں بے چینی کا ذکر کرتے ہوئے شری نائک نے فرمایا کہ حکومت اس معاملہ میں ضروری اقدامات کر رہی ہے۔ اس معاملہ میں حکومت کا کام سہل ہو جائے گا، اگر صنعتکار مزدوروں کے ساتھ جائز سلوک کریں۔

وزیر اعلیٰ نے گذشتہ سال سوکھے کے باعث ریاست میں زراعتی اور صنعتی میدان میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کی کہ زراعت کے لئے رواں سال قابل اطمینان ہوگا۔ مہاراشٹر میں کسان خصوصاً اچھے بیج استعمال کر کے بڑے پیمانے پر غذائی فصلیں اُگا رہے ہیں جس سے ریاست کی غذائی مشکلات کم ہوں گی۔

کارپوریشن اور ریاستی حکومت تعاون ضروری!

—— ڈاکٹر رفیق زکریا

بمبئی عظمیٰ میونسپل کارپوریشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی کی صد سالہ سالگرہ کی تقریبات کے ضمن میں بمبئی میونسپل کارپوریشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی نیز آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف لوکل سیلف گورنمنٹ نے مشترکہ طور پر ایک دو روزہ سیمینار چوپاٹی پر واقع برلا کریڈا کیندر میں منعقد کیا تھا جس کا اختتام ۲۴ر مارچ کو ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقی، صحت عامہ اور اوقاف کی الوداعی تقریر سے ہوا۔

ڈاکٹر رفیق زکریا نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ خود اختیاری کارپوریشن کا اولین حق ہے مگر اس کے ساتھ یہ بات بھی اشد ضروری ہے کہ کارپوریشن ریاستی حکومت کے ساتھ پوری ہم آہنگی اور تعاون کے ساتھ کام کرے۔

انہوں نے مزید فرمایا کہ ریاستی حکومت پر یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہے کہ بمبئی میونسپل کارپوریشن ملک کا ایک سب سے زیادہ ایماندار ادارہ ہے لیکن اگر یہ عظیم ادارہ بمبئی کی ترقی کے لئے ریاستی حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کرے گا تو ریاستی حکومت اس کی ترقی کے لئے بہ سُرعت کام نہ کر سکے گی۔

ڈاکٹر زکریا نے اسٹینڈنگ کمیٹی کو یہ خیال رکھنے کی ہدایت کی کہ کارپوریشن کو چنگی محصول کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ رقم حاصل ہو تاکہ بڑھتی ہوئی مشکلات پر کچھ قابو پایا جا سکے۔

بیک بے ریکلیمیشن اسکیم کا تذکرہ کرتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ یہ کوئی وقار کا سوال نہیں ہے بلکہ صرف فنڈ کے ذرائع میں اضافہ کے لئے ہے۔ جبکہ ورلڈ بنک تک نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ بمبئی کی منصوبہ بند ترقی نہایت ضروری ہے تو پھر چند لوگوں کے جذبات کی خاطر ایسی ترقی کی اسکیم کو کیوں چھوڑ دیا جائے؟ موصوف نے کارپوریشن کے اراکین سے کہا کہ اگر ان کو کسی قسم کا شک و شبہ ہے تو وہ ان کے پاس تشریف لائیں اور اس پر گفتگو کریں۔

ہافکن انسٹی ٹیوٹ کی منتقلی کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ادویہ سازی کی یونٹیں فضائی آلودگی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ یہ ادارہ شہر کے قلب میں واقع ہے۔ اس سے شہری فضائی آلودگی کے خطرہ کا اندازہ ہر کوئی لگا سکتا ہے۔ لیکن چند

لوگوں نے اس کی منتقلی کے سلسلہ میں بیکار چیخ و پکار شروع کر دی۔

اس سے قبل ڈاکٹر ذکریا نے برلا کریڈا کیندر کے ایک حصہ میں آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف لوکل سیلف گورنمنٹ کی کتابوں کی نمائش نیز بمبئی میونسپل کارپوریشن کے پانی کے پراجیکٹ، گندی بستیوں کے سدھار پروگرام اور دیونار مذبح خانہ سے متعلق آویزاں تصاویر دیکھیں۔

جے۔ ایس۔ ایم۔ کالج کو وزیر اعلیٰ کا ۲۵،۰۰۰ روپے کا عطیہ

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے علی باغ کے جے۔ ایس۔ ایم کالج کے لئے مبلغ ۲۵،۰۰۰ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا۔ وزیر اعلیٰ نے یہ اعلان کالج کے بارہ سال کی تکمیل پر بمبئی میں ۲۹ مارچ کو منعقدہ ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

کالج چلانے والے جنتا شکشن منڈل کے کارکنوں کو مبارکباد دیتے ہوئے شری نائک نے فرمایا "ادارے قائم کرنا اور چلانا مہاراشٹرین کی خاص خوبی ہے۔"

صدارت کرتے ہوئے منذیر عمارات و مواصلات، شری اے آر انتولے نے فرمایا کہ مشکلات کے باوجود اس ادارے نے تعلیم پھیلانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

قبل ازیں وزیر اعلیٰ نے ایک سوینیئر جاری کیا۔

ادیباسی جوڑے کا کارنامہ

ضلع ناسک کے تعلقہ سرگانے میں کدمنا دیہات کے ایک ادیباسی جوڑے شری دایا جی سہری واگھ مارے اور شریمتی منجولا بائی واگھ مارے نے ۲۵،۰۰۰ روپے کی رقم چھوٹی بچت میں لگائی۔ شری شرد کیلکر، کلکٹر ناسک نے سیونگ بک جوڑے کے حوالے کی۔

شری واگھ مارے اور ان کے افراد خاندان نے ابتک ۷۵،۰۰۰ روپے کی رقم چھوٹی بچت میں لگائی ہے۔ شری واگھ مارے کدمنا کے سرپنچ ہیں۔

کیرالا والوں کو متوازی فوجی جماعت کی ضرورت نہیں

ویلفیر کمیٹی کے صدر کا خط وزیر اعظم کے نام :

بمبئی میں واقع کیرالا ویلفیر کمیٹی کے صدر شری کریم شاہ نے وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو ایک خط لکھا ہے جس کے ذریعہ انہوں نے مدراس میں قائم مقامی کیرالا پارٹی (ملیالی دیسی منّانی) کے اراکین شری جے ڈی ایف۔ کوریان اور شری کے۔ این۔ راجہ شیکھرن نائر کے اخباری بیانات کی جانب وزیر اعظم کی توجہ مبذول کروائی ہے۔ اس بیان میں متذکرہ ممبران نے کہا ہے کہ وہ بمبئی کا دورہ کرنے والے ہیں جہاں وہ بمبئی میں موجود ملیالی ورکروں کو متحد کر کے ایک متوازی رضاکار جماعت بنائیں گے تاکہ شیوسینا کی دھمکیوں سے نپٹا جا سکے۔ شری کریم شاہ نے وزیر اعظم سے درخواست کی ہے کہ ان دو حضرات کے بمبئی میں داخلہ پر فوراً پابندی لگائی جائے اور اگر وہ شہر میں وارد ہو چکے ہوں تو ان سے شہر چھوڑ دینے کیلئے کہا جائے۔

شری شاہ جیفوں نے اپنے خط کی ایک ایک نقل مہاراشٹر اور کیرالا کے وزرائے اعلیٰ کو بھی روانہ کی ہے، کہتے ہیں کہ حال ہی میں شیوسینا رضاکاروں کی وجہ سے جو ناگوار واقعات رونما ہوئے انہیں چھوڑ کر ملیالی باشندے بمبئی میں سالہا سال سے مہاراشٹرین لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہیں اور "مجھے خوف صرف یہ ہے کہ مسٹر کوریان اور مسٹر راجہ شیکھرن نائر جیسے افراد ان خوشگوار تعلقات کو خراب کر دیں گے۔"

انھوں نے مزید کہا ہے کہ حکومت مہاراشٹر نے شرپسند افراد سے ملیالی نیز دوسرے اقلیتی لسانی فرقوں کے تحفظ کے لئے مناسب اقدامات کئے ہیں۔ انہوں نے ذاتی طور پر بمبئی میں مقیم کیرالا کے مختلف لوگوں سے تبادلۂ خیال کیا ہے اور سب نے یہ محسوس کیا ہے کہ شری کوریان اور شری شیکھرن کی جانب سے گڑبڑ پھیلانے کی کوشش کی جائے گی اس لئے اس کو سر اٹھانے سے قبل ہی کچل دینا ضروری ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وزیر اعظم اس معاملہ پر فوری طور سے غور کریں گی۔

ریزرو بنک کے ملازمین میں لسانی نفرت پھیلانے کی مذموم کوشش

کوریان کے بیان پر ملازمین ایسوسی ایشن کا احتجاج :

ریزرو بنک آف انڈیا اِمپلائز ایسوسی ایشن، بمبئی نے ۱۳ مارچ کو ایک خط وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کو لکھا ہے جس میں اپنی کوچین یونٹ کے صدر کے اس بیان پر سخت احتجاج کیا ہے کہ بمبئی میں واقع ریزرو بنک آف انڈیا کے تامل اور ملیالی ملازمین کو دفتر کی حدود میں خوف زدہ کیا جاتا ہے۔ اِمپلائز ایسوسی ایشن، بمبئی کے سکریٹری نے اس سلسلہ میں ۱۲ فروری کو منظور کردہ تجویز کی ایک نقل بھی بھیجی ہے۔ تجویز اس طرح ہے :

۱۲ فروری ۱۹۶۷ء کو منعقدہ ریزرو بنک آف انڈیا اِمپلائز ایسوسی ایشن، بمبئی کی غیر معمولی جنرل باڈی میٹنگ میں ڈاکٹر میتھیو کوریان، ممبر پارلیمنٹ اور صدر ریزرو بنک آف انڈیا اِمپلائز ایسوسی ایشن، کوچین، کے قطعی بے بنیاد، غلط اور گمراہ کن بیان پر احتجاج کیا گیا جو کہ ۱۴ فروری ۶۷ء کے انگریزی اخبار "ٹائمز آف انڈیا" میں اس عنوان سے شائع ہوا ہے کہ "شیوسینا آر۔ بی۔ آئی۔ کے ملازمین کو خوف زدہ کر رہی ہے"۔

یہ جلسہ ڈاکٹر میتھیو کوریان کے اس بیان کی مذمت کرتا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ "شیوسینکوں نے جو مبینہ طور پر جنوبی ہندوالوں پر ریل گاڑیوں اور سڑکوں پہ حملے کر رہے ہیں، اب دفاتر کے اندر خوف زدہ کرنے کی حرکتیں شروع کر دی ہیں ان حرکتوں کا صاف مقصد یہ ہے کہ بنک میں صرف مراٹھی لوگوں کے امیدواروں کی بھرتی یقینی ہو جائے، یہاں تک کہ گجراتی، پارسی اور مسلمان بھی الگ رکھے جائیں۔" یہ جلسہ بنک میں موجود ان مفاد پرستوں کی مذمت کرتا ہے جنہوں نے شری کوریان کو جھوٹی اطلاع دی۔

ہفتہ مختتمہ ۷ مارچ کے دوران قابل ذکر اہم کارروائی یہ ہے: ۶۶-۱۹۶۵ء کے بجٹ پر بحث اور شری ایم۔ ڈی۔ چودھری وزیر مالیات کا جواب، نیز محصول و جنگلات، دیہی ترقی، سماجی فلاح و بہبود اور سیاحت محکمہ جات سے متعلق مطالبات کی منظوری۔

بجٹ پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایم۔ ڈی۔ چودھری نے تجاویز ٹیکس میں ۲۶-۲۷ لاکھ روپے کی حد تک چھوٹ کا اعلان کیا۔ آپ نے چند ممبران کے ظاہر کردہ ان خدشات کو دور کیا کہ نئے ٹیکس سے عام آدمی پر ضرب پڑے گی۔ ٹیکس تجاویز پر تنقید غلط ہے کیونکہ ہمارا مقصد مالداروں سے زیادہ سے زیادہ رقم نکالنا ہے۔

شری چودھری نے آگے فرمایا کہ مختلف ترقیاتی سرگرمیوں پر فی فرد مصارف کے معاملہ میں مہاراشٹر (اگر چھوٹی ریاستیں مثلاً جموں اور کشمیر اور منی پور شامل نہ کی جائیں) ملک میں چوتھے درجہ پر ہے۔ ۶۵-۱۹۶۴ء میں یہ خرچ ۶۹ء۲۲ روپے تھا جبکہ ۶۶-۱۹۶۵ء میں بڑھ کر ۸۵ء۱۶ روپے ہوگیا۔ لہٰذا اپوزیشن کی یہ نکتہ چینی کہ ریاست فی فرد مصارف کے لحاظ سے پیچھے ہے، بے معنی ہے۔

الزامات کی تردید

شری چودھری نے شری ڈی۔ بی۔ پاٹل کے اس الزام کو رد کیا کہ مہاراشٹر ایک ایسی ریاست ہے جہاں بھاری ٹیکس عائد ہیں۔

وزیر مالیات نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہ ریاستی حکومت نے زراعتی ترقی پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی ریاست میں زراعتی ترقی پر چوتھے منصوبے کے دوران کئے گئے مصارف کی اعداد وار تفصیل پیش کی۔ اس مدت کے دوران چھیالیس فیصدی خرچ صرف زراعت سے متعلق مدات مثلاً سینچائی اور دیہی علاقہ میں بجلی فراہمی وغیرہ پر ہوا تھا۔ آپ نے اس امر کی بھی وضاحت کی کہ ان تمام مصارف کے باوجود ہم مہاراشٹر کی جغرافیائی اور طبعی خصوصیات کی وجہ سے حسب توقع مقصد حاصل نہ کر سکے۔

وزیر موصوف نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح ریاستی حکومت نے اپنی راہ سے ہٹ کر زراعتی پیداوار یعنی جوار اور گیہوں وغیرہ کے لئے منفعت بخش قیمتوں کے علاوہ حوصلہ افزا بونس اور "ٹرانسپورٹ چارج" مہیا کیا۔

فصل بیمہ اسکیم

اپوزیشن کے "فصل بیمہ اسکیم" مطالبہ کے بارے میں شری چودھری نے فرمایا کہ ریاستی حکومت نے مرکز کو اس تجویز پر غور کرنے کے لئے آمادہ کیا ہے اور اس پر دھیان دیتے ہوئے مرکز نے فی الحال جنرل انشورنس کارپوریشن کو ہدایت کی ہے کہ وہ رہنما بنیاد پر "فصل بیمہ اسکیم" زیر عمل لائے۔ اس اسکیم کے نتائج جلد ہی ان کے سامنے آجائیں گے۔

شری چودھری نے اعلان کیا کہ حکومت نے ایک ماہرین کمیٹی قائم کی ہے تاکہ وہ زراعت اور آبپاشی کی ترقی کے مسئلہ پر تمام پہلوؤں سے غور کرے۔ کمیٹی کی جانب سے رپورٹ ملنے کے بعد حکومت اس بارے میں فیصلہ کرے گی۔

اپوزیشن کی جانب سے استعمال کی جانے والی اصطلاحات یعنی "شہری سوشلزم" اور "دیہی سوشلزم" کا ذکر کرتے ہوئے وزیر مالیات نے کہا کہ حکومت نے ان دونوں میں کبھی کوئی امتیاز نہیں برتا۔ "وہ تو کمزور طبقات کی، خواہ وہ دیہی علاقہ میں رہتے ہوں یا شہری علاقہ میں، مدد کرنا چاہتی ہے۔" بجٹ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ حکومت نے دیہی ترقی کے لئے کتنی گنجائش رکھی ہے۔"

اس الزام کے بارے میں کہ بجٹ میں پسماندہ طبقات کے لئے کافی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، شری چودھری نے یہ وضاحت کی کہ ترقیات پر خرچ کئے جانے والے ۶۸۶ کروڑ روپے میں سے ۸۴ کروڑ روپے کی رقم سب کی بھلائی کے لئے ہے، لیکن ۱۱۷ کروڑ روپے معینہ طور پر پس ماندہ طبقات کے لئے خرچ کئے جائیں گے۔" دوسرے الفاظ میں مصارف کا ۲۱ فیصدی آبادی کے ۱۸ فیصد حصہ پر خرچ کیا جائے گا جو پسماندہ طبقات پر مشتمل ہے"

ضمانت ملازمت اسکیم

'ضمانت ملازمت اسکیم' کا ذکر کرتے ہوئے شری چودھری نے فرمایا کہ اس سے محرومین کو فائدہ پہنچے گا۔ ۳۵ء۳۰ کروڑ روپے کی رقم ۱۴ لاکھ لوگوں کو روزی فراہم کرنے کے لئے درکار ہوگی۔ حکومت نے ۲۰ کروڑ روپے صرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور ۱۰ کروڑ

ی رقم رکھی ہے۔ توقع ہے کہ مرکز بقیہ ۱۰ کروڑ
کے مصارف میں حصہ دے گا۔ آپ نے یقین
اگر مرکز سے ۱۰ کروڑ کی رقم نہ ملی تو ہم اپنے بل
یہ جمع کریں گے۔

اس بجٹ پر بحث میں ۶۵ سے زیادہ اراکین
حصہ لیا۔

محکمۂ محصول اور جنگلات کے مطالبات پر بحث
میں ریاست میں مستقل طور سے خشک سالی زدہ
جات کے مسئلہ، کسانوں کی مشکلات اور قرض وصولی
، بے زمینوں کو زمین کی تقسیم، گنوٗتھان کے مسئلہ
بیاسیوں کے سُدھار وغیرہ سے متعلق رہی۔ بہت
کین نے شکایت کی کہ قلت کے شروع کردہ کام نامکمل
ئے ہیں۔

شری ایس۔ اے۔ سولنکے، وزیر ریاست برائے
ات نے اراکین کو یقین دلایا کہ تمام قلت کام مثلاً
شن اور سینچائی تالاب، برادری کنویں اور سڑکیں
دستیاب ہوتے ہی مکمل کئے جائیں گے۔ آپ نے مزید
ضمانتِ ملازمت اسکیم کے تحت بھی ایسے ہی کاموں
یت دی جائے گی۔

شری سولنکے نے بے زمینوں کو تقسیمِ اراضی کے بارے
، اعداد وار تفصیل پیش کی۔ حکومت نے اس مقصد
۱,۴۴,۰۰۰ ہیکٹر سے زیادہ اراضی حاصل کی ہے۔
سے ۸۴,۰۰۰ ہیکٹر اراضی فارمنگ کارپوریشن
ئی ہے اور ۴۳,۰۰۰ ہیکٹر سے زیادہ اراضی
ت بے زمین اشخاص کو تقسیم کی جاچکی ہے۔

محکمۂ جنگلات کے مطالبات پر بحث کا جواب دیتے
شری کے۔ پی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے جنگلات
ن کیا کہ حکومت نے ریاست میں جانور جینتی سے
ل تک شکار پر پابندی عائد کر دی ہے۔

دیہی ترقی کے لئے مطالبات

محکمہ دیہی ترقی کے مطالبات پر بحث کے دوران
طرح پس ماندہ طبقات خصوصاً ادیباسیوں کا
صحت عامہ اور فراہمی آب کا مسئلہ تھا۔

شری پی۔ بی۔ پاٹل نے پنچایتی راج کارگذاری کے
جائزے اور ترقیاتی سرگرمیوں کے متعلق ملازمین میں اعتماد
پیدا کرنے کی ضرورت جتائی۔

چند ممبران نے یہ شکایت کی کہ ضلع پریشد پس ماندہ
طبقات کے سُدھار پر کافی رقم صرف نہیں کرتی ہیں۔

شری ایس۔ بی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے دیہی
ترقیات نے اپنے جواب میں اراکین کو یقین دلایا کہ
حکومت ان کے مختلف مشوروں پر سنجیدگی کے ساتھ
غور کرے گی۔ بجٹ سے ظاہر ہے کہ ۱۱٫۴ فیصدی
خرچ دیہی ترقی محکمہ پر کیا جائے گا۔

حکومت نے پلاننگ کمیشن سے ۱۱۰ کروڑ روپے
کی رقم طلب کی ہے تاکہ پانچویں منصوبہ کے اختتام تک
۳۵,۰۰۰ دیہاتوں میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کیا جائے
بہرحال کمیشن نے ۱۴ کروڑ روپے کی منظوری دی ہے
جس سے ۲۰۰۰ دیہاتوں میں نل سے پانی مہیا کیا جائیگا
نیز ۲۰۰۰ اور دیہاتوں میں کنویں تعمیر کئے جائیں گے۔
ریاستی حکومت ابتک اس پر مُصر ہے کہ پوری مطلوبہ رقم
دی جائے۔

ایسے دیہاتوں میں جہاں پچاس فیصدی ادیباسی
آبادی ہے بذریعہ نل پانی سپلائی اسکیم کے بارے میں
حکومت اسکیم کی صد فیصد لاگت برداشت کرے گی۔ اسکیم
میں ۱۰ فیصدی عوامی حصہ کی شرط ختم کر دی گئی ہے۔ حکومت
کو اس اسکیم کے لئے ۳۵ تا ۴۰ لاکھ روپے کے مصارف
برداشت کرنا ہوں گے۔

پس ماندہ طبقات کا سُدھار

وزیر موصوف نے اس امر کی وضاحت کی کہ ضلع پریشدوں
کو لازمی طور سے ۱۵ فیصدی رقم پس ماندہ طبقات کے
سدھار پر خرچ کرنا ہوگی۔ اگر کسی سال خرچ اس سے
کم ہوگا تو آئندہ سال زیادہ خرچ کر کے انھیں اس کمی
کو پورا کرنا ہوگا۔ حکومت ضلع پریشدوں پر سختی سے نظر
رکھے گی تاکہ وہ احکامات کی تعمیل کریں۔

اس کے علاوہ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ جنگلات
سے حاصل ہونے والی آمدنی کے دو فیصدی کے بجائے
۸ فیصدی ادیباسیوں کے سُدھار پر خرچ کیا جائے۔ اس
طرح ۵۳ لاکھ روپے کی رقم دستیاب ہوگی۔

حکومت نے بونگیروار کمیٹی کی پیشکردہ ۲۰۳ سفارشات
میں سے ۱۹۱ منظور کر لی ہیں۔ ایک سفارش کے بموجب
زراعتی گریجویٹ ۲۹۸ گرام سیوک کی اسامیوں پر مقرر
[illegible] آبادی والے دیہاتوں کو ان
زراعتی گریجویٹوں کی رہنمائی سے فائدہ پہنچے گا۔

محکمہ سماجی بھلائی کے مطالبات پر بحث کے دوران
اپوزیشن کی نکتہ چینی کا رُخ ایک مرتبہ اور ادیباسیوں
کی ترقی کے لئے حکومت کی کوششوں کی جانب تھا۔ پسماندہ
طبقات کی نمائندگی کرنے والے اراکین اس مسئلہ پر بحث
کے دوران خاص طور سے بے چین تھے۔ شریمتی پربھا
راؤ نے یہ جاننے پر اصرار کیا کہ سماج کے اس طبقہ
میں عددی نہیں بلکہ اصلاً کیا "ماہیتی تبدیلی" آئی ہے۔

شری نام دیو وہنکر نے حکومت کی توجہ خانہ بدوش
قبائل کے مسائل کی جانب مبذول کرائی۔

شری آر۔ کے۔ مہالگی نے شری وہنکر کے مطالبہ
کو اور واضح کرتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ حکومت خانہ بدوش
قبائل سے متعلق پندرہ بیس لاکھ لوگوں کے لئے مکانات
بنائے اور ان کی زندگی کو محفوظ اور پائیدار بنائے۔

شری اے۔ ٹی۔ پاٹل نے مشورہ دیا کہ جنگلات کے
علاقوں میں پودے لگانے کا کام شروع کیا جائے تاکہ
ان علاقوں میں ادیباسیوں کے مسائل حل ہوں۔

وزیر سماجی بھلائی کا جواب

بحث کا جواب دیتے ہوئے وزیر سماجی بھلائی، شریمتی
پرتبھا پاٹل نے یہ خیال ظاہر کیا کہ "پس ماندہ طبقات"
کی ماہیتی ترقی کا اندازہ ان کی معاشی خوش حالی سے لگانا
مشکل ہے۔ سماجی تبدیلی ہی اس باب میں صحیح نشان
دہی کرتی ہے۔

انہوں نے مزید فرمایا کہ تاہم اس کے لئے محض
سرکاری کوشش کافی نہیں ہے۔ اس تبدیلی کے لئے
تو پورے سماج ہی کو کوشش کرنی چاہیئے۔

وزیر موصوفہ نے اس الزام کی بھی تردید کی کہ

حکومت کی اسکیمات سوسائٹی کے کمزور طبقات کو فائدہ نہیں پہنچ سکتی ہے۔ آپ نے یہ بات جتائی کہ اگر یہ بات ٹھیک ہوتی تو پس ماندہ طبقات کے بیشمار طلبار ان تعلیمی سہولتوں سے فیضیاب نہ ہوئے ہوتے جو حکومت نے مہیا کی ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ ہر سال صرف پس ماندہ طبقات کے ایسے طلبار کی تعداد جو ایس۔ ایس۔ سی امتحان تک تعلیمی مراعات حاصل کرتے ہیں، ایک لاکھ سے زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے ان طلبا کو ہوسٹل، کتب، فیس اور لباس وغیرہ کے معاملہ میں دی جانے والی سہولتوں کی تفصیلات بھی پیش کیں۔

شریمتی پاٹل نے کہا کہ ۱۵ تا ۱۵٫۵ کروڑ روپے کی رقم مختلف پسماندہ طبقہ کی بھلائی کی اسکیمات پر صرف کی جائے گی۔ اس کے علاوہ ۱۸ کروڑ روپے صرف بھلائی پروگرام پر خرچ کئے جائیں گے۔ ضمانتِ ملازمت اسکیم اور بیادری کنوؤں وغیرہ سے بھی کمزور طبقات ہی فائدہ پہنچے گا۔ آپ نے مزید بتایا کہ ای۔ بی۔ سی۔ اسکیم بھی ایک اور ایسا ہی قدم ہے۔

پس ماندہ طبقات کے لئے فراہمی روزگار کے سلسلے میں سرکاری ملازمتوں میں ۳۴ فیصدی حصہ ان کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ نیز ان کے لئے علیٰحدہ شعبہ بھی قائم کیا گیا ہے۔ اب تک صرف شہر بمبئی ہی سے ۶۲۳۶ طلبار نے ملازمت کے لئے اپنا نام درج کرایا ہے۔ ان میں سے شعبہ نے گذشتہ سال ۱۴۰۰ طلبا کو جگہ دلائی۔

شریمتی پاٹل نے فرمایا کہ جہاں تک ادیباسیوں کا تعلق ہے، ایک الگ دفتر قائم کیا گیا ہے کیونکہ ان کے مسائل مختلف نوعیت کے ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت نے ایک علاقہ ترقیاتی پروگرام شروع کیا ہے جس کے تحت ہر سال ۴۴ آشرم شالہ کھولے جاتے ہیں جو ان کے متعلقہ علاقوں میں ادیباسیوں کی ترقی و سدھار کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ مزید برآں ادیباسی ڈیولپمنٹ کارپوریشن ان کی صنعتی ترقی کا ذمہ دار ہے۔

کونسل کی کارروائی

۱۵ مارچ کو ختم ہونے والے ہفتہ کے دوران بجٹ برائے سال ۱۹۷۵-۷۶ء پر دوبارہ بحث میں حصہ لیتے ہوئے شری ایم۔ پی۔ منگوڈکر نے فرمایا کہ مہاراشٹر پہلی ریاست ہے جس نے عالیشان فلیٹوں میں رہنے والوں پر ٹیکس لگایا ہے۔ آپ نے ایسے بچوں کو جن کے والدین کی سالانہ آمدنی ۱۲۰۰ روپے سے کم ہے، تعلیمی مراعات دینے سے متعلق قواعد و ضوابط کو مزید سخت بنانے پر زور دیا کیونکہ ان مراعات کا غلط استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر قوانین کو مزید سخت کر دیا جائے تو حکومت ایک دو کروڑ روپے بچانے کے قابل ہو جائیگی جو غریب طلبا کے لئے بخوبی استعمال کئے جا سکیں گے۔

شری جی۔ کے۔ اٹھاوڑے نے فرمایا کہ وقت آگیا ہے جبکہ حکومت کو بیروزگاری بیمہ اسکیم شروع کرنا چاہیئے۔ شری جی۔ ڈی۔ مڈگولکر نے ڈرامہ کو ٹیکس کے حلقۂ اثر سے الگ رکھنے پر حکومت کو مبارکباد دی۔ آپ نے حکومت کے اس فیصلہ کا بھی خیر مقدم کیا کہ مراٹھی فلموں سے حاصل ہونے والی آمدنی مراٹھی فلمی صنعت کی ترقی پر صرف کی جائے اور یہ مشورہ دیا کہ اس مقصد سے فلم فنانس کارپوریشن قائم کی جائے۔ آپ نے دیہی علاقوں میں سنیما ہاؤس تعمیر کرنے کا مشورہ بھی دیا۔

شری رام میگھے نے زراعت اور امداد باہمی محکمہ جات کے درمیان ربط و تعاون کا مشورہ دیا۔

شری ایس۔ کے۔ ویشمپیان نے خطہ واری نابرابری ختم کرنے پر زور دیا۔

سرو شری پی۔ ڈی۔ دلال، وی۔ پی۔ باپٹ، ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے، آر۔ ایف۔ چودھری، ڈی۔ آر۔ پاٹل، بی۔ جی۔ جادھو، شام راؤ کدم، جی۔ بی۔ کانیٹکر، پی۔ بی۔ سونکے اور ایم۔ این۔ انجیکر نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

وزیرِ مالیات کا جواب

شری ایم۔ ڈی۔ چودھری نے بحث کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ بجٹ پر تنقید کرتے وقت اراکین نے موجودہ حالات کو ذہن میں نہیں رکھا ہے۔ آپ نے دعویٰ کیا کہ بجٹ تجاویز سے عام آدمی پر اثر نہیں پڑے گا۔ حکومت راج کمیٹی کی سفارشات پر غور کر رہی ہے جو زراعتی آمدنی ٹیکس کے بارے میں ہیں اور بجٹ تجاویز میں 'ملکیت سرچارج' لگایا گیا ہے۔

یہ بتلاتے ہوئے کہ اقداماتِ کفایت شعاری پر مناسب توجہ دی گئی ہے، وزیر موصوف نے فرمایا کہ حکومت نئی بمبئی میں حصولِ اراضی پر ۲۵ کروڑ روپے کی رقم خرچ کرنے والی ہے اور یہ رقم اس اثنار میں "سڈکو" واپس کر دے گی۔ آپ نے ایوان کو یقین دلایا کہ نئی بمبئی گنجان نہ ہوگی کیونکہ وہاں صرف پروسیسنگ فیکٹریاں ہوں گی۔ آپ نے آگے فرمایا کہ حکومت کی واضح طور سے پالیسی یہ ہے کہ مالدار لوگوں سے ٹیکس کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم غریبوں کی ترقی پر صرف کی جائے۔ حکومت اپنی آمدنی کا ۱۸ فیصدی مندرج جاتیوں اور مندرج قبائل پر صرف کرتی ہے جو ریاستی آبادی کا بمشکل ۱۸ فیصدی حصہ ہیں۔

شری چودھری نے فرمایا کہ پلاننگ کا مقصد "غریبی ہٹاؤ" ہے۔ تقریباً ۲۰ کروڑ روپے کی رقم "ضمانتِ ملازمت اسکیم" کے لئے رکھی گئی ہے نیز اس مقصد کے لئے ۱۰ کروڑ روپے کی رقم مرکز سے حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آپ نے اراکین سے گذارش کی کہ وہ اضافۂ آبادی، بڑھتے ہوئے اخراجات زندگی اور سماجی سلامتی وغیرہ کے مسائل کا جرأت سے مقابلہ کرنے میں پورا پورا ساتھ دیں۔

جلد ۱ شمارہ : ۷-۸

یکم مئی ۱۹۷۴ء

قیمت فی پرچہ : ۲۵ پیسے ۔ زرِ سالانہ : ۵ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی-اے-ایس

ترسیلِ زر اور خط وکتابت کا پتہ :
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ
بمبئی ۴۰۰۰۳۲

مہاراشٹر نمبر

ترتیب

●

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا !

سخنہائے گفتنی

"قومی راج" کا خصوصی مہاراشٹر نمبر پیش خدمت ہے۔ یہ خصوصی اشاعت اس سرزمین کو ایک حقیر خراجِ عقیدت ہے جس نے بخوشی نہ صرف اردو کا مامن و مسکن بننا قبول کیا ہے بلکہ اس کے فروغ و ترویج کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

یہ خصوصی نمبر بہرحال ناکافی ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ دکن خصوصاً مہاراشٹر میں اُردو نے گذشتہ ہزار سال کے دوران میں زبردست ترقی کی اور مراٹھی اور اُردو کے درمیان صرف تبادلۂ خیالات ہی کا رشتہ نہیں بلکہ الفاظ و اصطلاحات کا بھی لین دین رہا ہے، اُردو اور اس خطۂ ارض کے تعلق کو اُجاگر کرنے کی ضرورت بے پناہ ہے۔ درحقیقت اُردو کے کسی اسکالر کا مطالعہ اور تحقیق اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتے جبتک وہ مہاراشٹر میں اردو کے اِرتقاء اور فروغ پر نظر نہ کرے۔

چنانچہ ہم اہلِ قلم بالخصوص ماہرینِ لسانیات سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ مندرجہ ذیل موضوعات پر قلم اٹھائیں:

۱۔ ایک ہزار سال کے دوران خطۂ دکن خصوصاً مہاراشٹر میں اُردو کی ترقی،
۲۔ مراٹھی اور اردو کے درمیان الفاظ، اصطلاحات اور محاوروں کا تبادلہ،
۳۔ اردو زبان و ادب میں مہاراشٹر کے اردو ادیبوں اور شاعروں کا حصّہ،
۴۔ اردو لائبریریوں اور اردو ڈرامہ کا اِرتقاء، تعلیم اور فلموں میں اردو کا عمل اور ارتقاء،
۵۔ قومی تحریکِ آزادی میں اردو مقررین کا مقام۔

یہ خصوصی شمارہ جو زائد صفحات پر مشتمل ہے، یکم مئی اور ۱۶ر مئی کی اشاعتوں کا مجموعہ ہے اسلئے قارئین کی خدمت میں آئندہ شمارہ یکم جون کا پیش کیا جائیگا جو اسی طرح یکم جون اور ۱۶ر جون کی مشترکہ اشاعت ہوگا۔ یہ نمبر چھترپتی شیواجی مہاراج کی تاجپوشی کے ۳۰۰ سالہ جشن کے سلسلہ میں شائع کیا جارہا ہے۔ تاجپوشی نمبر کے لئے آپکے رشحاتِ قلم کا انتظار ہے۔

یکم اپریل کا شمارہ بذریعہ ڈاک کافی تاخیر سے بھیجا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ہمیں متعدد شکایتی خطوط ملے جن میں شبہات کا اظہار بھی کیا گیا تھا۔ سبب یہ تھا کہ دہلی سے رسالہ کے رجسٹریشن نمبر کی آمد میں تاخیر ہورہی ہے جس کے باعث پوسٹ آفس والے رسالہ قبول کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ بہرحال ابتدائی مراحل پر یہ دشواریاں غیر معمولی نہیں ہیں۔ تاہم جب تک ان پر پوری طرح قابو نہ پالیا جائے ہمیں آپ کی جانب سے زیادہ تعاون کی ضرورت ہے۔

————— خواجہ عبدالغفور

ترانۂ مہاراشٹر

اور بھی ہو فزوں، یہ ترا بانکپن
اے بہادُر مراٹھوں کے پیارے وطن!

ارضِ کشمیر ہو یا دکن کی زمیں
بات جو تجھ میں ہے وہ کسی میں نہیں
ہے جُدا سارے صوبوں سے تیری پھَبن
اے بہادُر مراٹھوں کے پیارے وطن!

جس کی آنکھوں میں ہے صبح کی روشنی
جس کی زُلفوں میں ہے شام کی دِلکشی
تو ہے وہ نازنیں، تو ہے وہ گلبدن
اے بہادُر مراٹھوں کے پیارے وطن!

مجھ کو بُرماتی ہیں یہ تری کھاڑیاں
مجھ کو پَرچاتی ہیں یہ تری باڑیاں
مجھ کو بھاتے ہیں یہ تیرے جنگل، یہ بَن
اے بہادُر مراٹھوں کے پیارے وطن!

تیرے پربت سے نِکلی ہوئی ندیاں
تجھ کو نہلائیں، بن کر تری داسیاں
اور پہنائے سبزہ تجھے، پیرہن
اے بہادُر مراٹھوں کے پیارے وطن!

تیرے چشمے پلاتے ہیں امرت مجھے
تیری مِٹّی سے مِلتی ہے دولت مجھے
میں نے سیکھا ہے جینے کا تجھ سے چلن
اے بہادُر مراٹھوں کے پیارے وطن!

رَس اَبھنگوں کا، تیری ہواؤں میں ہے
شہد گیتوں کا، تیری فضاؤں میں ہے
رام داس اور تکارام کے اے چمن!
اے بہادُر مراٹھوں کے پیارے وطن!

تیرا شیدا مُسلماں بھی، ہندو بھی ہے
تیری بھاشا مراٹھی بھی، اُردو بھی ہے
تو حقیقت میں ہے پیار کی انجمن
اے بہادر مراٹھوں کے پیارے وطن!

تو ہے بھارت کے ماضی کی تصویر بھی
تو ہے بھارت کے فردا کی تعمیر بھی
اے مہاراشٹر، میرے نیارے چمن
اے بہادُر مراٹھوں کے پیارے وطن!

بن کے بُلبُل ترا، چہچہاتا ہوں میں
رات دن تیرے پوواڑے گاتا ہوں میں
ناز کرتے ہیں تجھ پر مِرے فکر و فن
اے بہادر مراٹھوں کے پیارے وطن!

تیرے دامن میں موتی دَمکتے رہیں
تیرے ماتھے پہ تارے چمکتے رہیں
تیرے سورج کو لگنے نہ پائے گہن
اے بہادُر مراٹھوں کے پیارے وطن!
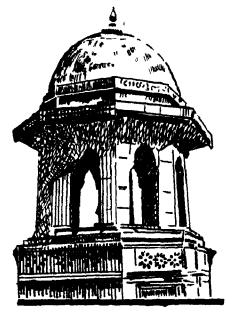
بدیع الزماں خاور

سنت گیانیشور اور گیانیشوری

یونس اگاسکر

مراٹھی شاعری کی ابتدا مہاراشٹر کے ایک قدیم
بنا پنتھ کے مبلغین کے منظوم اقوال و نصائح سے
ہے۔ اس فرقے کا نام "مہانو بھاؤ پنتھ" تھا
، کے موسس اعلیٰ شری چکر دھر سوامی (۱۱۹۴ء
۱۲۷۶ء) کو مراٹھی کا پہلا ادیب و شاعر سمجھا جاتا ہے
ری چکر دھر سوامی کے بعد مہانو بھاوی ادب میں
ردمبا (महदंबा) کی شخصیت سب سے اہم
ہے جسے مراٹھی کی اوّلین شاعرہ ہونے کا فخر حاصل ہے
س کی شاعری میں کرشن بھکتی کا رس پایا جاتا ہے۔

مہاراشٹر میں مہانو بھاؤ پنتھ کے متوازی ایک اور مذہبی تحریک بھی تھی جسے ناتھ پنتھ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مہاراشٹر میں اسے "وارکری پنتھ" بھی کہا جاتا ہے۔ ناتھ پنتھ کی داغ بیل شمالی ہند میں بارہویں صدی میں پڑی۔ اس مذہبی تحریک کے بانی گرو گورکھ ناتھ (گورکش ناتھ) ہندوستان کے عہد متوسط کی ایک غیر معمولی شخصیت تھے۔ بنیادی طور پر ناتھ پنتھ "ہٹ یوگ اصول" کا پابند تھا۔ آگے چل کر اس میں ایشور بھکتی اور کرشن بھکتی کے چشمے آ کر ملے اور ایک تیز رفتار ندی کا روپ دھارن کرتی ہوئی یہ تحریک "ادم" کے بھرے کنارے جا ملی۔

مہاراشٹر میں اس تحریک کو سنت گیانیشور یا ذنانیشور (Dnaneshwar) نے روشناس کرایا جن کا سلسلۂ تلمذ ناتھ پنتھیوں سے جا ملتا ہے۔ مہاراشٹر میں بھگتی تحریک یا بھاگوت دھرم کے بانی سنت گیانیشور (پیدائش سنہ ۱۲۷۱ء) سمجھے جاتے ہیں مراٹھی ادب کی تاریخوں میں اس تحریک کے مبلغ سنتوں کی شاعری کو سنت کاویہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سنت کاویہ کا پہلا نمونہ سنت گیانیشور کی منظوم تفسیرِ گیتا "بھاوارتھ دیپکا" (भावार्थ दीपिका) ہے جسے عرفِ عام میں "گیانیشوری" کہا جاتا ہے۔ سنت گیانیشور کے قلم سے نکلی اِسلئے گیانیشوری کہلائی۔

گیانیشوری کا سالِ تصنیف سنہ ۱۲۹۰ء قرار دیا گیا ہے جبکہ گیانیشور کی عمر صرف اُنیس برس تھی۔ آپ کا سنہ پیدائش ۱۲۷۱ء اور مولد مہاراشٹر کا ایک چھوٹا سا قصبہ "آلندی" ہے جو اب ان کا سمادھی استھان ہونے کی وجہ سے غیر معمولی شہرت و اہمیت کا حامل بن گیا ہے۔ سنت گیانیشور کی پیدائش کے وقت دکن میں یادو خاندان کی حکومت تھی اور رام دیو یادو راج کر رہا تھا۔ دیوگری اُس کی راجدھانی تھی جس پر علاء الدین خلجی نے سنہ ۱۲۹۴ء میں حملہ کر کے رام دیو رائے کو شکست دی تھی۔ اس حملے کے تین سال بعد سنت گیانیشور نے سنہ ۱۲۹۶ء میں سمادھی لی۔

ایمرسن نے کہا ہے:

"Greatest geniuses have shortest biographies."

اُس کا یہ قول سنت گیانیشور پر بھی صادق آتا ہے۔ اُن کی مدتِ حیات بہت مختصر یعنی اکیس یا بائیس سال تھی لیکن اس چھوٹی سی عمر میں اُنھوں نے جو عظیم شاعری کی اس کی مثال دُنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ محض شاعری نہ تھی، شاعری کے پردے میں علم و حکمت کی تعلیم تھی۔ اس دَور کے رسومات میں جکڑے ہوئے مذہبی عقائد کے خلاف ایک احتجاج تھا اور سماجی نابرابری اور اونچ نیچ کو مٹانے کی ایک انقلابی کوشش تھی۔ پھر سنت گیانیشور کا یہ کرشمہ بھی کم اہم نہیں کہ انھوں نے ایک ایسی زبان میں جس نے گھٹنیوں چلنا بھی نہ سیکھا تھا، حکمت و دانش کے موتی بکھیرے، ادبی فنکاری کے نمونے پیش کیے اور عوامی زبان کو اپنا میڈیم بنا کر "گیانیشوری" کے روپ میں گیتا کی تفسیر اتنے ہلکے پھلکے انداز میں پیش کی کہ علم و حکمت کا وہ پوشیدہ خزانہ جو صرف مٹھی بھر عالموں کی میراث تھا، عوام کی دسترس میں آ گیا۔ سنت گیانیشور کی اس خدمت کو مہاراشٹر کے عوام کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ گیتا کے فلسفے کو پنڈتوں کے نہاں خانوں سے نکال کر چراغِ رہ گذر بنا کر پیش کیا۔

جس وقت سنت گیانیشور کے قلم سے گیتا کی تفسیر نکلی وہ زمانہ مراٹھی شاعری کا دورِ آغاز تھا اس وقت گیانیشوری جیسی "امرت سے بازی لے جانے والی" کتاب تصنیف کرنا ایک معجزے سے کم نہیں۔ سنت گیانیشور کو اس راہ کی دشواریوں کا احساس تھا لیکن منزل سر کرنے کی دُھن اور ارادے کی پختگی نے اُن سے اپنا یہ عہد پورا کرایا کہ وہ اہلِ ذوق سے اپنے قلم کا لوہا منوا کر رہیں گے۔

ाझा मऱ्हाटाची बोलु कौतुके ।
री अमृतातेही पैंजा जिंके।
सी अक्षरे रसिके।
कवीन ॥

سنت گیانیشور کی یہ پرتگیا پوری ہوئی۔ سنت گیانیشور کی زبان نے مراٹھی کا معیار قائم کیا اور اسے صحیح معنی میں ادبی زبان کا درجہ عطا کر کے سنسکرت کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ منفرد خیالات، سلاست و اختصار اور حسین تشبیہات و استعارات کے ساتھ ساتھ روانی اور اثر انگیزی کے اعتبار سے "گیانیشوری" مراٹھی ادب کا لاثانی شاہ کار ہے۔ اس میں سنسکرت الفاظ و اظہارات کے ساتھ ساتھ خالص مقامی و دیسی امثال و تصورات اس خوبی سے سموئے گئے ہیں کہ اسے ایک مستقل لسانی کارنامہ کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ اس کی بحر بھی وہ سادہ و پُر کار بحر ہے جسے مہاراشٹر میں قبولِ عام حاصل ہے یعنی اووی ورت (Ovi metre) گیانیشوری تقریباً نو ہزار اوویوں پر مشتمل ہے۔

گیان دیو کی دیگر تصانیف "انوبھو امرت" "چانگ دیو پاسشٹی" اور متعدد "ابھنگ" ہیں۔ ان میں اول الذکر کا موضوع وہی ہے جو گیانیشوری کا ہے لیکن یہ سماج کے ذہین طبقے کے لئے لکھی گئی ہے اور طبع زاد خیالات سے بھری پڑی ہے۔ اس میں "مایا" کے فلسفے کو رد کیا گیا ہے۔ "انوبھوامرت" آٹھ سو اوویوں پر مشتمل ہے۔ "چانگ دیو پاسشٹی" میں ایک خط کی صورت میں "یوگ" سے متعلق خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ سنت گیان دیو اپنے تقریباً ایک ہزار ابھنگوں میں ایشور بھکتی کے نت نرالے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ ان میں تفکر سے زیادہ تصوف اور بھکتی کا عنصر غالب ہے۔

گیان دیو محض سنت کوی نہ تھے، ایک عظیم فلسفی اور مذہبی مصلح بھی تھے۔ وہ فطرتِ انسانی کے اچھے نباض تھے اور جانتے تھے کہ انسان دُنیا کو مکمل طور پر تج نہیں سکتا۔ اُسے دنیا میں رہ کر موہ سے بچنا ہے، دنیا والوں میں سنیاسی بن کر رہنا ہے۔ اس طرح انھوں نے دنیا کی مصروف زندگی اور ترکِ دنیا کے درمیان ایک توازن پیش کیا ہے جس کو بھکتی مارگ کہا جاتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے فرائض کو پورا کرتے ہوئے ایشور بھکتی میں لگا رہے کہ اسی میں دین و دنیا کی سُرخ روئی اور نجات کا راز پوشیدہ ہے۔ اگر بھکتی نہ ہو تو دنیا کی ساری کامیابیاں اور عظمتیں بے کار ہیں۔ گیان دیو "گیانیشوری" میں سری کرشن کی زبانی ارجن سے کہتے ہیں۔

" میرے دوست! حسب و نسب کی پاکیزگی غیر ضروری ہے۔ خاندان کی عزت کا ذکر کرنے سے بچو۔ علم پر بھی غرور نہ کرو اور نہ ہی حُسن و جوانی پر فخر کرو۔ اگر مجھ سے والہانہ محبت (بھکتی) نہ ہو تو سب بے کار ہے۔"

اسی طرح گیان دیو نے ایشور بھکت کے اوصاف بھی گنائے ہیں جن میں سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ ساری مخلوق سے محبت کرتا ہے اور سب سے یکساں سلوک رکھتا ہے۔ اپنے پرائے کا بھید بھاؤ نہیں رکھتا۔

जो सर्वां भूतांचे ठाई।
द्वेषातें नेणेचि काहीं।
आप पर जया नाहीं।
चैतन्या जैसे ॥

گیان دیو چونکہ بذاتِ خود ایک مفکر تھے اور عظیم شاعر بھی اس لئے انھوں نے محض گیتا کا ترجمہ کر کے تفسیر بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ مثالیں دے کر اور وضاحت کر کے گیتا کے فلسفے کی تفہیم کی ہے۔ اس لحاظ سے "گیانیشوری" فکر و فن کے اعتبار سے ایک طبعزاد تصنیف ہے اور بجا طور پر مراٹھی ادب کا ترشا ہوا ہیرا ہے۔

●●

ہر ایک گام پہ لغزش زندگی ہے
گنہگار ہوں مجھ کو شرمندگی ہے

عجب کشمکش میں مری زندگی ہے
کہ دل رو رہا ہے لبوں پر ہنسی ہے

پیئے زہر کے تلخ تر جام میں نے
مگر ساقی اب بھی وہی تشنگی ہے

بخیلی نہ کر مجھ کو بے خود بنا دے
ابھی ساقیا میں نے تھوڑی سی پی ہے

ملا ہے مقدر سے جس کو ترا غم
وہی زندگی حاصلِ زندگی ہے

جمع چار تنکے ہی میں نے کئے ہیں
نظر برقِ مضطر کی للچا رہی ہے

خدا کی قسم ہے عجب رنگِ عالم
مسرت گراں ہے سکوں کی کمی ہے

یونس عالم صدیقی

مہاراشٹر

اعجاز صدیقی

۱

دھرتی یہ جی داروں کی، یہ بلوانوں کا دیش
سنت، سیاست دانوں، کویوں، ودوانوں کا دیش
ناریلوں، آموں کی نگری، یہ دھانوں کا دیش
مٹی اس کی سونا اُگلے، ڈھلوانوں کا دیش
بھارت کی تقدیر رہی ہے، تقدیرِ مہاراشٹر!

۲

جب بھی ہوئے بدھی مانوں کے دھیمے سوچ بچار
سست ہوئی جس وقت سیاست کے دل کی رفتار
پانوں ہوئے جب راہبروں کے چلنے سے لاچار
ٹوٹ گئے تلووں میں سب کے موٹے موٹے خار
کام آئی ایسے وقتوں میں، تدبیرِ مہاراشٹر!

۳

ٹوٹی آشاؤں کی لڑیاں، ہمت کر کے جوڑیں
فولادی دیواریں، بڑھ کر جتھے کاروں سے پھوڑیں
پھیر دئے منہ بندوقوں کے اور تلواریں موڑیں
کھول دئے در آزادی کے، بیڑیاں ساری توڑیں
جب جب باجی، جب جب جھنکی، زنجیرِ مہاراشٹر!

۴

سب سے اونچی اس کی صنعت، سب سے الگ بیو
اسمیں ہیں مزدور بھی لاکھوں، لاکھوں ہی زر
اُجلی اُجلی اس کی سڑکیں، بارونق با
گھاٹیاں اس میں، اس میں سمندر، ندیاں اور گ
کتنی رنگیلی، کتنی سجیلی، تصویرِ مہاراشٹر!

۵

اس میں جو اک بار آجائے، اسکے ہی گن گا
تن من دھن سب اس پر وارے، اسمیں ہی رہ
اس کی ایک اک سندرتا کو دیکھ کے جی للچا
اس کا ہر نظارہ دل پر مستی سی برسا
دیکھنے والوں نے دیکھی ہے تاثیرِ مہاراشٹر!

۶

اس کے ساحل رشتہ جوڑیں دنیا بھر سے
دیشوں دیشوں اسکے ملوں سے جائے بن کر
اس کی فیکٹریوں سے ڈھل کر نکلے، تانیا
ایک نئی تہذیب کا سنگم چپہ چپہ اس
پھیلی ہے ساری دنیا میں تنویرِ مہاراشٹر!

۷

اس کے دل سے تحریکوں کی پھوٹی ہے چنگاری
اس میں جنم کچھ اور بھی لیں گی صنعتیں بھاری بھاری
اور بڑھے گی اس کے کھیتوں، باغوں کی گل کاری
دید کے قابل ہوگی اس کے شہروں کی بیداری

ہے تعمیر جہانِ نو کی، تعمیرِ مہاراشٹر!

(نوٹ بلوانوں اور ودوانوں میں ایطا کی قید سے قطع نظر۔ اعجاز)

مراٹھی کے اسمٰعیل میرٹھی

واسودیو گووند آپٹے

قیصر سرمست

اردو ادب میں ایک زمانے تک بچوں کے لئے کچھ نہیں لکھا گیا حالانکہ ان کیلئے لکھنا بیحد ضروری ہے کیونکہ آگے چل کر یہی ملک وقوم کے معمار بننے والے ہیں۔ تاہم یہ مسئلہ صرف اردو ادب ہی کا نہیں، دوسری ہندوستانی زبانوں پر بھی غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بچوں کے لئے بڑے اور مشہور ادیب لکھنا یا تو کسرِشان سمجھتے ہیں یا اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بچوں کا ادب ایک طرح کی کسوٹی ہے اور اس کسوٹی پر وہی پورا اُتر سکتا ہے جسے اپنے قلم پر پورا پورا بھروسہ اور خود پر قابو ہو۔

اُردو میں اس کمی کو مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے بڑی حد تک پورا کیا۔ اُردو زبان جاننے والے بچوں کیلئے انھوں نے ایک بیش بہا خزانہ چھوڑا اور دوسرے کئی لکھنے والوں کو اس طرف توجّہ دینے پر مجبور کردیا۔ اسی طرح مراٹھی ادب میں بھی ہمیں ایک اسمٰعیل میرٹھی ملتے ہیں جن کا نام واسُدیو گووِند آپٹے ہے، لیکن یہاں وہ صرف شاعر یا ادیب ہی کی حیثیت سے ہمارے سامنے نہیں آتے بلکہ بچوں کی نفسیات کے ماہر اور بچوں کے ایک ماہنامہ کے مدیر کی حیثیت سے بھی ہم کو ملاقات کا شرف بخشتے ہیں۔ واسُدیو گووند آپٹے کی پیدائش ضلع خاندیش کے ایک قریہ "دھرن گاؤں" میں ۱۸۷۲ء میں ایک کوکنی برہمن خاندان میں ہوئی۔ واسدیو کی ولادت کے وقت ان کے والد گووند راؤ پولس کے محکمہ میں ملازم تھے۔ تنخواہ کم اور خاندان بڑا ہونے کی وجہ سے واسُدیو کی والدہ رادھا بائی کو گھر کا خرچ چلانے میں بڑی مشکل پیش آتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ واسُدیو کی تعلیم پر وہ توجّہ مرکوز نہیں کی جا سکی جسکے وہ مستحق تھے لیکن گھریلو اور معاشی مشکلات کے باوجود رادھا بائی نے اپنے ہونہار بیٹے کو گمراہ ہونے سے بچا لیا اور ان میں رامائن اور مہابھارت جیسی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق پیدا کردیا۔ پھر انھیں ابتدائی تعلیم کیلئے دھرن گاؤں کے ایک مدرسہ میں شریک کردیا ابتدائی تعلیم ختم کرکے واسدیو مزید تعلیم کیلئے دھلیاں اور پھر وہاں سے اندور چلے گئے۔ وہیں انھوں نے ایف۔اے امتیازی حیثیت سے کامیاب کیا اور ۱۸۹۱ء میں ناگپور کے ہسلاپ کالج میں داخلہ لے لیا۔ ۱۸۹۴ء میں بی۔اے پاس کرلیا۔ آپکی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے منتظمین ہسلاپ کالج نے آپ کو اسی کالج کے "فیلو" کی حیثیت سے رکھ لیا۔ اس کالج میں آپ صرف ایک سال رہے۔ وہاں سے نکل کر پونا کے مشہور "نوتن مراٹھی ودّیالیہ" میں مدرّس ہوگئے اور صرف چار سال کے مختصر عرصہ میں اپنی خلیق، ملنسار اور حلیم فطرت کے باعث بیحد ہردلعزیز ہوگئے۔ انہی دنوں وہ ضعف معدہ کے مرض میں مبتلا ہوکر نوتن مراٹھی ودّیالیہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ چنانچہ ۱۸۹۸ء میں پونا سے بمبئی اُٹھ آئے اور یہاں آپ کو Reporter on the Native Press کی دفتری نوکری مل گئی مگر حکام بالا سے نبھ نہ سکی اور علیحدہ ہوگئے۔ اس ملازمت سے انھیں فانی اور مراٹھی زبان کو غیرفانی فائدہ یہ ہوا کہ راجہ اشوک کی زندگی پر مراٹھی میں ایک بیمثال کتاب "اشوک چرتر" منظرعام پر آئی۔ یہ مختصر سی کتاب مراٹھی میں اشوک اعظم کی پہلی سوانح عمری تھی اور اس کی قدر واسُدیو گووند آپٹے کی توقع سے زیادہ ہوئی۔ اسی کتاب سے واسُدیو کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا لیکن انھوں نے تقریباً تیس سال تک اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن نکالنے پر توجہ نہ دی۔ ۱۹۲۹ء میں ترمیم اور اضافہ سے اس کا دوسرا ایڈیشن نکالا۔ آج بھی "اشوک چرتر" کو کافی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے منظرعام پر آنے کے کچھ دن بعد اندور کے راجہ شیواجی ہولکر کی راجکماری کی آتالیقی کی پیشکش کی گئی جسے انھوں نے بخوشی قبول کرلیا اور الہ آباد کیلئے روانہ ہوگئے (اُن دنوں راجکماری الہ آباد میں تھیں) راجکماری کی تعلیم بمشکل تین گھنٹے صرف ہوتے تھے۔ دن کا باقی حصہ فرصت میں گزرتا۔ اسوقت سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے تصنیف وتالیف پر خاص توجہ دی۔ تدریس کے دوران انگریزی کے مشہور ناول نگار ہنری وُڈ کے East Lynne نامی ناول کے بارے میں راجکماری کہنے لگیں "ناول اتنا عمدہ اور معیاری ہے کہ اس کا اصل کے مطابق مراٹھی میں ترجمہ کرنا غیرممکن سا ہے"۔ یہ بات ایک طرح ٹھیک بھی تھی لیکن یہی سیدھی سی بات واسُدیو جی

کے دل میں تیر کی طرح لگی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے
کہ کیا حقیقتاً مراٹھی زبان الفاظ کے لحاظ سے اتنی تہی
دامن ہے کہ اس ناول کے محاسن جوں کے توں رکھنے
کی اس میں قابلیت نہیں؟ انھوں نے خود ہی فیصلہ
کیا کہ میں اس ناول کا ترجمہ کروں گا اور وہ راجکماری کے
علم میں لائے بغیر اپنے ارادے کی تکمیل میں لگ گئے اور
تھوڑے ہی دنوں میں ترجمہ کر بھی دیا اور اصل ناول کی
پڑھائی ختم ہوتے ہی اپنا مراٹھی مخطوطہ راجکماری کی خدمت
میں مطالعہ کی غرض سے پیش کر دیا۔ راجکماری خالی الذہن
مطالعہ میں ڈوب گئیں مگر انھیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ
'ایسٹ لین' کا ہی مراٹھی ترجمہ ہے۔ وہ واسدیو سے
شرمندہ اور ان کے طرز تحریر اور انداز بیان سے بیحد
متاثر ہوئیں اور اسے بہت سراہا۔ یہی ناول بعد میں
"مانک باغ" کے نام سے کاشی ناتھ جی کے دفتر منورنجن
سے شائع ہوا۔ اسی زمانہ میں ان کا تعارف "ماڈرن
ریویو" کے مدیر راما نند چٹرجی سے ہوا۔ راما نند چٹرجی،
واسدیو کے طرز تحریر سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ
ماڈرن ریویو کے لیے مراٹھی کتابوں پر تنقید و تبصرہ کا
کام انہی سے لینے لگے۔

آنجہانی گوکھلے کے پیہم اصرار پر وہ ۱۹۰۵ء
میں بمبئی واپس آگئے، اور "سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی"
کے ہفت روزہ "گیان پرکاش" کے مدیر ہوگئے۔ چند
ہی دن بعد گیان پرکاش کو مراٹھی کے مشہور ناول نگار
ہری نارائن آپٹے کی مساعی سے روزنامہ میں تبدیل کرنے
میں کامیاب ہوگئے۔ یہ اخبار سنجیدہ اور اعتدال پسند
حضرات میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن
واسدیو آپٹے اسکی ادارت سنبھالتے ہی بڑی بے باکی
اور بے خوفی سے وائسرائے لارڈ کرزن کی مستبدانہ سیاست
پر تبصرہ کرنے لگے۔ یہ تنقید کس قدر تند اور تیز ہوتی ہوگی
اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ گوکھلے جی
کو تنقید و نکتہ چینی کے ان نشتروں کو رد کرنے کیلئے تار
کے ذریعہ یہ کہنا پڑا کہ یہ تنقید رعایا اور سرکار کے
خیرخواہوں کے حق میں مضرت رساں ہے۔

ایک تو پرانا مرض پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا، دوسرے
سودیشی اور مقاطعی تحریکات کی وجہ سے واسدیو گووند
"گیان پرکاش" کی ادارت سے خود ہی مستعفی ہوگئے اور
پونا لوٹ گئے۔

پونا واپس آکر پھر ایک بار "نوتن مراٹھی ودیالیہ" سے
وابستہ ہوگئے۔ ایک بات انھیں زمانۂ دراز سے کھٹکتی
تھی کہ مراٹھی میں بچوں کیلئے کوئی رسالہ نہیں گو کہ "بالبودھ"
نامی رسالہ (مدیر ونایک کونڈ دیو اوک) نکلتا تھا مگر بچوں
کی تفریح طبع کے لحاظ سے قطعی ناکافی تھا۔ اس خلاء کو پُر
کرنے کی خاطر جولائی ۱۹۰۶ء میں آپ نے "آنند" کا
اجراء کیا جسے بچوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ "آنند" اسم
با مسمیٰ تھا۔ اسمیں دردناک قصے، کہانیاں یا ماتمی گیت
نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ انہی خصوصیات کی بنا پر
تھوڑے ہی عرصہ میں وہ مہاراشٹرا کے عمدہ رسائل میں
گنا جانے لگا۔ بمبئی، مدراس اور دوسری ریاستوں کے
سرکاری تعلیمی اداروں نے اسے کتب خانوں کیلئے منظور
کر لیا تھا۔ اس بات نے اسکی ترقی میں خاصہ حصہ لیا۔
"آنند" زمانہ کے سرد و گرم کا مقابلہ کرتے ہوئے عمر کی
منزلیں طے کر رہا تھا کہ اس پر ایک تازہ مصیبت آپڑی
اس کے سالانہ چندہ کی رقم (جو حق نمک رہتی تھی) کا دیوالہ نکل
گیا جسکی وجہ سے کئی ہزار روپے ہاتھ سے جاتے رہے۔
لیکن اس ناگہانی افتاد نے واسدیو کے پائے ثبات
ڈگمگائے نہیں، اور "آنند" نہ صرف ختم ہونے سے محفوظ
رہا بلکہ اس نے اپنے خاص خاص نمبر مثلاً تلوداں انک،
دشنواں انک، شیواجی انک اور دیوان انک بڑی شان
سے پیش کئے اور خوب داد حاصل کی۔

صحت تو شروع سے خراب تھی ہی لیکن ۱۹۱۳ء میں
مزید خراب ہوگئی اسلئے پونا کو خیرباد کہہ کے اندر چلے گئے
اور وہاں اپنا ذاتی پریس قائم کر کے "آنند" اسی میں
چھپوانے لگے اور آنند پریس کا انتظام گوپال بلونت جوشی
کے سپرد کر دیا اور خود کچھ عرصہ کیلئے "چندراوتی مہیلا ودیالیہ"
میں مدرسی کے فرائض انجام دینے لگے۔ واسدیو گووند
آپٹے کی مدیرانہ صلاحیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندور
گورنمنٹ نے انھیں "ملار مارتند" کی ادارت کی پیشکش کی
جسے انھوں نے قبول کر لیا اور پورے چھ سال "ملار مارتند"
کو نکھارنے سنوارنے میں لگے رہے لیکن ڈاکٹروں کے
اصرار پر اس ذمہ داری سے مستعفی ہوگئے اور ۱۹۱۹ء
میں پونا واپس آگئے اور اپنی ساری توجہ آنند پر مرکوز کر دی۔

واسدیو گووند آپٹے کا کارنامہ صرف آنند ہی نہیں،
انھوں نے بچوں کے لئے سو کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ اس
سے قبل مراٹھی میں بچوں کا ادب نہیں کے برابر تھا۔ یہی
وجہ ہے کہ انھیں مراٹھی کے "ادبیاتِ اطفال" کے موجد
کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ اہم ترین اعزاز انھیں
صرف سو کتابوں کے مصنف ہونے کی بنا پر ہی نہیں ملا
بلکہ اس لئے بھی کہ بچوں کی نفسیات، ان کے عادات و اطوار،
ان کے جذبات و خواہشات وغیرہ کا انھوں نے بڑی باریک
بینی سے مطالعہ کیا تھا۔

انھوں نے آنند کی مناسبت سے بچوں کے لئے صرف
راجہ رانی یا طوطا مینا قسم کی کہانیاں نہیں لکھیں بلکہ تاریخ،
سائنس، ڈرامے، علوم و فنون، لغات جیسے موضوعات
پر بھی قلم اٹھایا اور ان خشک موضوعات کو گل تر کی
صورت میں پیش کیا۔ اسکے علاوہ بڑوں کے لئے بھی
متعدد کتابیں لکھیں جن میں "دکھانتی سکھ" قابل ذکر ہے
یہ انگریزی ناول "مسز ہائی برنٹس ٹربلس" کا ترجمہ ہے۔

۱۹۲۰ء میں مہاتما گاندھی کی تحریک سے متاثر ہو کر
گاندھی جی کے بھگت بن گئے، اور گاندھی جی کے اصول اور
تعلیمات کے پرچار کی غرض سے آپ نے "گاندھی گیتا" لکھی۔
اس زمانہ میں پونا میں تلک مہاودیالیہ قائم ہوا تو وہاں مراٹھی کے
معلم کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ انہی مصروفیات نے ان
کے پیارے اور بچوں کے چہیتے آنند کو ان سے ۱۹۲۳ء میں
چھین لیا۔ آنند بند ہو جانے سے انھیں دلی صدمہ پہنچا
اور صحت روز بہ روز گرنے لگی۔ مجبوراً ۱۹۲۶ء میں مدرسی
کی خدمت سے خود علیحدہ ہوگئے۔ ۱۹۲۹ء میں ساہتیہ
سمیلن کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے بلگام گئے۔ یہ آپ
کی آخری شرکت تھی اسلئے کہ فروری ۱۹۳۰ء کی شام سات بجے
آپ ہر بیماری، پریشانی اور الجھن سے ہمیشہ کیلئے آزاد ہوگئے

غزل

قیہ شہر ترے واسطے سُجھاؤ ہے ایک
عمل ہی ذِلّتِ کردار سے بچاؤ ہے ایک

ل کا سینہ بکنے میں بھی رچاؤ ہے ایک
بگاڑ میں بھی بڑا پُرکشش بناؤ ہے ایک

. عالم دلِ بے اختیار ہے یارو
یہاں رُکے ہوئے پانی میں بھی بہاؤ ہی ایک

دا ہی جانے اب انجام کار کیا ہوگا
طرح طرح کے مُداوے ہیں اور گھاؤ ہے ایک

ہاں پرکھنے کی زحمت عبث ہے رہنے دو
ہمارے شہر میں کھوٹے کھرے کا بھاؤ ہے ایک

داؤ تم نے بھی شاید اُسے نہ دیکھا ہو
کراہتوں میں غضب کا حسیں لُبھاؤ ہے ایک

. زندگی ہے یہاں کِس سے جنگ کرتے ہو
یہ رزم گاہ کہاں ہے ؟ فقط پڑاؤ ہے ایک

. لوگ کس لئے دیوانہ وار پھرتے ہیں ؟
ہمیں تو خیر تری ذات سے لگاؤ ہے ایک

ہاری یاد جُھلس جائے گی بچاؤ اِسے
مرے دماغ میں جلتا ہوا الاؤ ہے ایک

ا فرو ! کوئی طوفان اُٹھنے والا ہے
طبیعتوں میں بڑی دیر سے جماؤ ہے ایک

سی کے دل میں ہیں سب راز دفن ساحل کے
بھنور کے بیچ وہ دیکھو شکستہ ناؤ ہے ایک

عجب سلیقے سے کہتا ہے اپنے دل کی بات تو
عجب قرینے کا حیرتؔ میں رکھ رکھاؤ ہے ایک

بلراج حیرت

ہماری زرعی جامعات

ایک جائزہ

• اقبال مجیداللہ
ایم۔ اے

ہماری ریاست میں ۱۸ مئی ۱۹۷۲ء کو دونئی زرعی جامعات کے قیام کے بعد مہاراشٹر ملک کی وہ پہلی ریاست ہے جہاں چار زرعی جامعات قائم کی گئیں ہیں دوسری ریاستوں میں عام طور پر ایک ہی زرعی یونیورسٹی یہ کام انجام دے رہی ہے اور ریاست کے تمام زرعی کالجوں اور زراعت سے متعلقہ تحقیقاتی اداروں کو اس یونیورسٹی سے ملحق کر دیا گیا ہے لیکن یہاں مہاراشٹر میں ریاستی حکومت کے اس اقدام کو زرعی تعلیمات اور تحقیقات کی سمت میں ایک نہایت ہی ترقی پسندانہ فیصلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ گو کے مختلف حلقوں کی جانب سے اس اقدام کو ایک سیاسی منظر میں دیکھنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ مہاراشٹر میں اِن چار زرعی یونیورسٹیوں کے قیام نے جہاں اوسطاً چھ ضلعوں کے لئے ایک زرعی یونیورسٹی کی سہولت کو فراہم کیا ہے وہیں پر زرعی ترقیات اور تحقیقات کیلئے نئی راہیں بھی کھولدی ہیں۔ چنانچہ مہاراشٹر زرعی یونیورسٹی ایکٹ ۱۹۶۷ء میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ریاست میں زرعی تعلیم کے ساتھ ساتھ زرعی ترقیات اور تعلیمات اور تحقیقات کی رفتار کو مزید بڑھایا جائے۔

ہماری ریاست میں یہ چار جامعات مہاتما پھُلے اگریکلچرل یونیورسٹی راہوری ضلع احمدنگر، پنجاب راؤ زرعی یونیورسٹی اکولہ، مرہٹواڑہ زرعی یونیورسٹی پربھنی اور کوکن زرعی یونیورسٹی داپولی ضلع رتناگری پر مشتمل ہیں۔ ابھی اپنے ابتدائی مراحل سے گذر رہی ہیں، جن میں مرہٹواڑہ اگریکلچرل یونیورسٹی پربھنی اور کوکن اگریکلچرل یونیورسٹی داپولی کا قیام ۱۸ مئی ۱۹۷۲ء کو عمل میں آیا ہے۔

ابھی حال ہی میں ملک کی موجودہ (۱۹) زرعی جامعات کی کارکردگی کے بارے میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے ان میں صرف پانچ جامعات کی ہی کارکردگی اطمینان بخش اور اِن جامعات کو متحرک (Dynamic) قرار دیا جاسکتا ہے۔ ریاست کی اِن چار جامعات کی موجودہ کارکردگی اور زرعی شعبوں میں وہ جس خطوط پر اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ اس کا ایک تنقیدی جائزہ ضروری محسوس ہوتا ہے۔ اس قسم کا جائزہ لینے سے قبل یہ جاننا ضروری ہوگا کہ مہاراشٹر میں یہ زرعی جامعات ابھی اپنے ابتدائی مدارج سے گذر رہی ہیں اُن کے مالیہ کی فراہمی کے مسائل اور اس سے وابستہ دیگر باتوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسکے ساتھ ہی اس بات کا مطالعہ بھی ضروری ہے کہ ہماری ریاست میں زرعی ترقیات کیلئے اور حکومت کے مختلف ترقیاتی منصوبوں کو روبہ عمل لانے کے لئے جو ڈھانچہ بنایا گیا ہے اس کی نوعیت کیسی ہے۔

یہاں مہاراشٹر میں اس کی شکل کچھ اس طرح سے اُبھرے گی کہ زرعی ترقیات کے منصوبے تین بڑے ذرائع سے عمل میں لائے جاتے ہیں ایک تو محکمہ زراعت جو راست ریاستی حکومت کے زیر اثر کام کرتا ہے دوسرے ضلع پریشد اور اس کے ماتحت کام کرنے والی پنچایت سمیتیاں اور گرام پنچایت جو زراعت کے ترقیاتی منصوبوں کو ضلع کی سطح سے دیہاتوں تک منتقل کرنے کے ذمہ دار ہیں اور تیسرے ریاست میں قائم چار زرعی جامعات گو کہ انکی حیثیت اپنے اندرونی معاملات میں خودمختار اداروں کی ہے لیکن ان کے مالیہ کی فراہمی کا بڑا انحصار ریاستی حکومت اور کچھ حد تک مرکزی حکومت پر ہے۔ اِن زرعی جامعات سے ہر سال زرعی تعلیم سے آراستہ گریجویٹ باہر نکلتے ہیں جن سے یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ دیگر کاشتکاروں کے مقابلہ میں ایک آئیڈیل کاشتکار کے طور پر اس پیشہ سے وابستگی اختیار کریں گے اور اِن زرعی جامعات کے تحت کام کرنیوالے تحقیقی مراکز جو سبز انقلاب کو ایک حقیقت کا روپ دینے میں خاموشی سے اپنے کاوشوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان تین بڑے ذرائع کے علاوہ اس کا چوتھا اہم پہلو وہ تمام ادارے ہیں جو راست کاشتکاروں کو کاشتکاری کے لئے مالیہ فراہم کرتے ہیں اور جس کے بغیر وہ اپنے منصوبوں کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ زراعتی ترقیات کے لئے جو موجودہ طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے اس کا ایک سرسری جائزہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ زراعتی منصوبوں کی کامیابی کا بڑا انحصار دراصل خود اس بات پر ہے کہ یہ تینوں وسائل کس طرح ایک دوسرے سے اشتراک کرکے اِن منصوبوں کی کامیابی کیلئے راہ ہموار کرسکتے ہیں۔ چنانچہ اس حقیقت کو چار زرعی جامعات کے قیام کیساتھ ہی شدید طور پر ایک اہم فیصلہ یہ بھی کیا گیا کہ ہر مہینہ ناظم زراعت اور چاروں جامعات کے وائس چانسلروں کی ایک میٹنگ پونہ میں ہوا کرے گی جس میں منصوبوں کی ترقیاتی رفتار کا جائزہ لیا جاسکے گا۔ وزیر زراعت حکومت مہاراشٹر نے گذشتہ سال دسمبر میں مرہٹواڑہ کرشی ودیاپیٹھ پربھنی کی پہلی کورٹ میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مہاراشٹر میں اِن زرعی جامعات کو زرعی پیداوار کے سلسلہ میں نئی سمتوں کا تعین کرنا ہے اور اِن زرعی جامعات کے قیام کا مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک نئی زراعتی تحقیقات کو ایک عام کاشتکار تک نہ پہنچائیں۔

ایک عام کاشتکار اور اِن جامعات میں ہونیوالے تحقیقاتی کاموں کے درمیان اس وقت جو رشتہ قائم

ہے وہ اس طرح ہے کہ ہر زرعی یونیورسٹی میں توسیع تعلیم (ایکسٹینشن ایجوکیشن) کا ایک بڑا شعبہ قائم ہے جس کے تحت کچھ عہدہ دار کام کرتے ہیں۔ یہ عام طور پر دیہاتوں میں کاشتکاروں کو پیداوار کے نئے طریقوں اور نئی تحقیقات سے واقف کراتے ہیں لیکن ان کا دائرہ کار کافی محدود ہوتا ہے اس لئے موجودہ حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو مزید بڑھایا جائے اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ زرعی تحقیقات اور نئے طریقوں سے کاشتکاروں کو واقف کرایا جا سکے گا۔ دوسرے زرعی پیداوار میں اضافہ کے نئے امکانات بھی پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ اس وقت جو ایجنسی اس کام کو انجام دے رہی ہے وہ گرام پنچایت کے سکریٹری یا گرام سیوک ہیں جو پنچایت سمتیوں اور ضلع پریشد کے تحت کام کرتے ہیں اجتماعی ترقی (Community Development) اور ضلع پریشدوں کے قیام کے پیش نظر جو مقاصد تھے ان میں ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ دیہی عوام میں پنچایتی راج اداروں کے ذریعہ ایک ذہنی تبدیلی پیدا کی جائے اور انھیں بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کیا جائے دیہی سطح پر گرام سیوک اس تبدیلی کو پیدا کرنے کے بڑی حد تک ذمہ دار ہیں یہ گرام سیوک ان زرعی تعلیمات اور تحقیقات کو دیہاتوں تک پہنچانے میں بھی ایک اہم رول ادا کر سکتے ہیں، لیکن یہاں چند بنیادی خامیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تو یہ گرام سیوک خود ان تمام تحقیقات سے ناواقف رہتے ہیں اور ان کے موجودہ تعلیمی معیار کے پیش نظر اس بات کی توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ خاطر خواہ طور پر اس کام کو انجام دیں گے، دوسرے زائد دفتری ذمہ داریاں جو انھیں گرام پنچایت کے توسط سے انجام دینی پڑتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کاموں کی طرف توجہ کچھ کم ہی دے پاتے ہیں، چنانچہ آج جو صورت حال ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان نئی زرعی تحقیقات اور نئے طریقوں سے استفادہ بڑے کاشتکاروں کا ایک مخصوص طبقہ ہی کرتا ہے۔ کاشتکاری کے جدید طریقوں کو قبول یا رد کرنے کے سلسلہ میں کافی تحقیقاتی کام بھی کیا گیا ہے جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے، ان نئے طریقوں سے استفادہ کرنے میں اُن کا رویہ کیا ہے یا اس کے بارے میں وہ کس انداز سے سوچتے ہیں ان تحقیقاتی کاموں کا فائدہ ان کو عام کرنے میں بھی لیا جا سکتا ہے۔ ابھی حال میں حکومت مہاراشٹر نے بیروزگاری دور کرنے کے سلسلہ میں ایک نئی اسکیم شروع کی ہے جس کے تحت مختلف مراکز میں اگریکلچرل گریجویٹ کو گرام سیوک کی ٹریننگ دی جا رہی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ بہتر طریقہ پر ان تحقیقاتی کاموں کو دیہی عوام میں مقبول بنانے میں معاون ثابت ہوں گے جو اس اسکیم کا عین مقصد بھی ہے۔ ریاستی حکومت نے اس جانب ایک اور قدم بھی اٹھایا ہے اور وہ یہ کہ تقریباً تمام بڑے دیہاتوں میں زرعی مددگاروں (Agricultural Assistants) کا تقرر کیا گیا ہے جن کے ذمہ صرف زراعت سے متعلق فرائض ہی تفویض کئے گئے ہیں، لیکن یہاں تک نئی زرعی ایجادات اور نئے طریقوں کو اپنانے کا سوال ہے اس کے لئے کاشتکاروں کو ذہنی طور پر تیار کرنا ضروری ہے اور یہ زیادہ صحیح ڈھنگ سے وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو خود ان تمام باتوں سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں اور جو مناسب طور پر تربیت یافتہ ہوں چونکہ یہاں کاشتکاروں کی نفسیات اور اُن کے ذہنی رویہ سے زیادہ تعلق رہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ توسیع کا کام انجام دینے والے ان تمام باتوں سے آگاہ ہوں۔

زرعی جامعات بنیادی طور پر تین بڑے مقاصد کو لئے ہوئے ہیں، وہ تعلیم، تحقیق اور توسیع تعلیم پر مبنی ہیں۔ تعلیم کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے جا سکتے ہیں وہ اچھے اساتذہ کا تقرر، جدید تعلیمی نظام اور تعلیمی مراکز میں ایک نکھرا ہوا ماحول پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ تعلیم کے معیار کو بڑھانے کے لئے ریاستی اور مرکزی حکومت اس کے لئے بھرپور مالیہ فراہم کر رہی ہے۔ اور تعلیم کے ان مقاصد کو پورا کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی، زرعی جامعات کا دوسرا بڑا اور اہم کام زرعی شعبوں میں تحقیق ہے، ہر زرعی یونیورسٹی کے تحت تحقیقاتی مراکز کام کر رہے ہیں، چنانچہ ریاست بھر میں ان کی کل تعداد پچاس سے زائد ہوگی ان تحقیقاتی مراکز میں اس علاقہ کی مخصوص فصلوں پر تحقیقاتی کام کیا جاتا ہے، اور اس کے لئے کافی تعلیم یافتہ اسٹاف فراہم کیا گیا ہے جن سے بجا طور پر اس بات کی توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ ان کاموں کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کریں گے۔ یہاں اس بات کو واضح کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ ان تحقیقاتی کاموں کے لئے مرکزی ادارہ انڈین کونسل آف اگریکلچرل ریسرچ نے مالیہ فراہم کرنے اور دیگر سہولتوں کو بہم پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے، جس میں کونسل کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر سوامی ناتھن کی مہاراشٹر کی ان چار زرعی جامعات سے ذاتی دلچسپی بھی کافی اہمیت رکھتی ہے ان تحقیقاتی کاموں کو جاری رکھنا اور اس کی موثر طریقہ پر اشاعت ایک دوسرے سے مربوط ہیں ورنہ دوسری صورت میں ان کاموں کا استفادہ پیداوار کو مجموعی طور پر بڑھانے میں کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ ان تحقیقاتی کاموں کی اشاعت کے لئے اسی نوعیت کا انتظامیہ پیدا کرنا ناگزیر ہے جو راست عام کاشتکاروں سے متعلق ہو، اور جو بغیر کسی رُکاوٹ کے ان تجربات کو اُن تک منتقل کر دے۔ یہی زرعی جامعات کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس جانب انھیں اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ موجودہ ضلع پریشد اور محکمہ زراعت سے وابستہ ایجنسیاں کسی طرح بھی خاطر خواہ طور پر ان مقاصد کو پورا نہیں کر سکتیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ریاستی حکومت اس بات کا از سر نو جائزہ لے۔ یہ مسائل زرعی یونیورسٹیوں کے تعاون ہی سے حل کئے جا سکیں گے۔

ریاست کے موجودہ حالات کے تحت اور ان زرعی جامعات سے پورا فائدہ اٹھانے اور غذائی پیداوار کو بڑھانے کے لئے یہ چند اقدامات ناگزیر ہیں۔

(۱) زرعی جامعات کے تحت کام کرنے والے تحقیقاتی

مراکز میں توسیع اور اُن کے لئے آزادانہ طور پر کام کرنے کے بھرپور مواقع فراہم کرنا۔

(۲) زرعی جامعات کے شعبہ توسیع تعلیم (ایکسٹینشن ایجوکیشن) کی نئے خطوط پر تنظیم، اور اس کے دائرہ کارکردگی میں توسیع، اور اس کا ضلع پریشد اور اس کے مختلف اداروں سے راست تعلق۔

(۳) زرعی جامعات میں کئے جانے والے تحقیقاتی کاموں کی موثر طریقہ پر اشاعت۔

(۴) جامعات کے لئے اراضیات کی فراہمی تاکہ وہ اپنے تعلیمی اور تحقیقاتی کاموں کو آگے بڑھا سکیں۔

(۵) زرعی جامعات خود کفیل اداروں میں تبدیل کرنے کے لئے اُن کے لئے ذرائع فراہم کرنا۔

(۶) جامعات میں عام کاشتکاروں کی دشواریوں کو دور کرنے، معلومات دینے کے لئے بڑے انفارمیشن سنٹر قایم کرنا۔

(۷) اِن جامعات میں انجام دیئے جانیوالے تحقیقاتی کاموں کا جائزہ اور ملک کے ممتاز زرعی سائنسدانوں سے اس کی جانچ تاکہ اس کی صحت کے بارے میں اندازہ قائم کیا جاسکے۔

جہاں تک زرعی جامعات میں تحقیقاتی سرگرمیوں کا تعلق ہے اس بات سے اِنکار ممکن نہیں کہ اِن پانچ چھ سال کے عرصے میں کافی اہم کام انجام دیا گیا ہے جس نے نہ صرف ریاستی سطح پر بلکہ ملک گیر پیمانے پر بھی شہرت حاصل کی ہے جسمیں قابلِ ذکر جوار پر زرعی تحقیقاتی مرکز پربھنی کا کام شامل ہے جہاں پیدا کی ہوئی جوار کی نئی قسم PSH_2 یا CHS_1 کافی مقبول ہو چکی ہے۔ ریاست میں قائم یہ چار جامعات اپنے مقاصد کو پورا کرنے میں کوشاں ہیں، غذائی اعتبار سے ریاست کو خود کفیل بنانے میں اِن جامعات کو ایک اہم رول ادا کرنا ہے۔

یومِ مہاراشٹر

شاطرحکیمی

۱

شہر کے گلی کوچے   کیوں سجائے جاتے ہیں
اس زمیں کے باشندے   کیوں خوشی مناتے ہیں

۲

غنچے کیوں لگے کھلنے   کیا بسنت آئی ہے
برگِ گُل لگے ہلنے   کیا پیام لائی ہے

۳

فکر کے دریچے سے   کوئی جھانک کر بولا
خیرخواہ دُنیا کے   شاعرِ وفا پیشہ

۴

لوگ اپنے صوبے کا   دِن منا رہے ہیں آج
وقت کے تقاضے کا   بوجھ اُٹھا رہے ہیں آج

۵

شیواجی کا منصوبہ   قوم کی وِراثت ہے
جو تلک نے سوچا تھا   یہ وہی حکومت ہے

۶

علم وفن کا گہوارہ   گوکھلے کا مسکن ہے
دیدنی ہے نظّارہ   شاخ شاخ گل بن ہے

۷

روشنی کا ہے پرتو   رہگذر سے منزل تک
دیکھ کر نظامِ نو   شاد شاد ہیں نائک

۸

گو وطن پرستی بھی   دِل پسند جذبہ ہے
فرضِ منصبی لیکن   ساتھ اپنے لایا ہے

۹

آؤ ایک مرکز پر   لائیں نسلِ آدم کو
مستقل کریں مِل کر   اتحادِ باہم کو

۱۰

اِمتیازِ رنگ و بُو   دور کر، مِٹا ساقی
آسماں ہے فتنہ خو   لا شرابِ آفاقی

• ریاض احمد خاں •

ہندوستان کا مغربی ساحل، جسے بحیرۂ عرب کا شفاف پانی کبھی اپنی طوفانی لہروں سے اور کبھی خاموشی سے کانپتے ہوئے پانی سے دن رات نکھارنے میں لگا ہوا ہے، مہاراشٹر کی عظیم ریاست سے آباد ہے۔ اس ریاست کی تشکیل پنڈت جواہر لال نہرو کے دست مبارک سے یکم مئی ۱۹۶۰ء میں ہوئی تھی۔ مہاراشٹر، ہندوستان کی پرانی تہذیب کا گہوارہ ہے جس کے کچھ مقامات ہزاروں برس کی کہانیاں سناتے چلے آرہے ہیں۔ مہاراشٹر ہندوستان کی تاریخ کے ہر دور میں اپنے کارناموں کی وجہ سے نمایاں رہا ہے اور آج بھی زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی جدوجہد میں مصروف ہے۔

رقبہ اور آبادی

تین لاکھ سات ہزار سات سو باسٹھ مربع کیلومیٹر کے رقبہ پر پھیلی ہوئی یہ ریاست پانچ کروڑ چار لاکھ انسانوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جنمیں ہر مذہب اور زبان والے لوگ بسے ہوئے ہیں جو ایک ایسا ملاجلا ماحول پیدا کرتے ہیں جسکی مثال ملنا مشکل ہے۔ اس ریاست کے صدر مقام بمبئی نے اپنی وہ انفرادی حیثیت پیدا کی ہے جو ہندوستان کے کسی دوسرے بڑے شہر کو حاصل نہیں۔ یہاں ستر شہر ایسے ہیں جن کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہے اور ایسے شہروں کی تعداد پچیس ہے جن کی آبادی پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک کی ہے۔ جیسا کہ ہندوستان کی زیادہ تر آبادی دیہاتوں میں ہے اسی طرح مہاراشٹر کی بھی 68.8 فیصد آبادی دیہاتوں میں بسی ہوئی ہے جس کا پیشہ کاشتکاری ہے۔ کاشتکاروں کو زراعت سے حقیقی لگاؤ ہے اور وہ رات دن خلوص اور عقیدت کے ساتھ کاشتکاری کر کے زراعت کا معیار اور پیداوار کی مقدار بڑھانے میں مصروف ہیں۔ مہاراشٹر میں جدھر جائیے لہلہاتے ہوئے سبز کھیت

مہاراشٹر کے ساحل کی بدولت

ہمیشہ نظر آئیں گے۔

ماہی گیری

زراعت کے ساتھ ہی ماہی گیری میں بھی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ یہاں ماہی گیری کا موسم ستمبر سے مئی تک رہتا ہے اور برسات کے موسم میں گہرے سمندر میں جانے کی بجائے چھوٹی چھوٹی کھاڑیوں میں مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ حکومت نے ماہی گیروں کے لئے 384 کوآپریٹیو سوسائٹیاں بنائی ہیں۔ ان سوسائٹیوں کے پاس مشین سے چلنے والی 2,320 کشتیاں ہیں جبکہ بغیر مشین سے چلنے والی کشتیوں کی تعداد تقریباً 9,677 ہے۔

مہاراشٹر ایک صنعتی ریاست ہے جہاں 9803 فیکٹریاں ہیں اور روزانہ کام کرنیوالوں کی تعداد نو لاکھ باون ہزار ہے۔

نقل و حمل

مسافروں اور تجارتی و نجی سامان کی نقل وحرکت کے لئے حکومت کی طرف سے اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن قائم کی گئی ہے جو ریاست میں کم و بیش چھ ہزار دو پینتیس مختلف راستے ہیں جن پر 5,804 بسیں چلتی ہیں اور روزانہ قریب قریب اُنتیس لاکھ مسافروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتی ہیں۔ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے کہ اُس نے مہاراشٹر کے دُور افتادہ دیہاتوں کو بڑے بڑے شہروں سے منسلک کر رکھا ہے۔ یہ اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ مہاراشٹر کے مغربی ساحل پر ریلوے اب تک نہیں پہنچ سکی اِس لئے ذرائع آمدورفت کیلئے صرف بسوں ہی کا سہارا لیا جاتا ہے۔

تعلیم
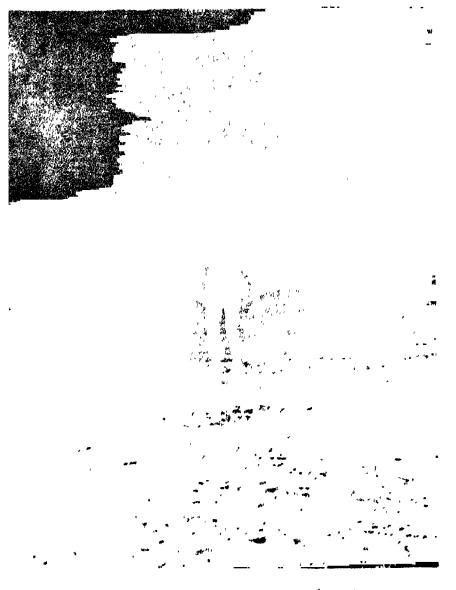
وہ ملک یا ریاست اُس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک کہ وہاں تعلیمی اِداروں پر خاص توجہ نہ دی جائے۔ مہاراشٹر نے تعلیمی اِداروں پر خاص توجہ دی ہے اور یہاں پر پرائمری اسکولوں کی تعداد 45,000 ہے۔ ان اسکولوں میں 67,00,000 طلبا، تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اسی طرح سیکنڈری اسکولوں کی تعداد 5,611 ہے جن میں قریب قریب 21,00,000 طلبا، تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مہاراشٹر میں آٹھ یونیورسٹیاں ہیں۔ ٹیکنیکل تعلیمی اداروں کی تعداد 762 ہے۔ یہاں کا تعلیمی معیار مقابلتاً بلند ہے۔

پیداوار

مہاراشٹر کی دولت علاوہ زراعت کے معدنیات، جنگلات اور سمندر سے ملنے والی قیمتی اشیاء ہیں۔ معدنیات میں پتھر کا کوئلہ، کچا لوہا، مینگنیز، سونا اور باکسائٹ وغیرہ ہیں۔ جنگلات سے ہمیں عمارتی لکڑی، شہد، موم، گوند، لاکھ، چندن وغیرہ ملتے ہیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ہماری روزمرّہ زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ جنگلات کی جڑی بوٹی سے دوائیں بھی تیار کی جاتی ہیں۔

نمک، جو ہماری زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے، مہاراشٹر میں سمندری پانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مہاراشٹر کا ساحلی علاقہ 720 کیلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ نمک بنانے کے لئے ساحل

چاندی کی طرح چمکتے ہوئے پانی میں زندہ سونے کی تلاش!

سالِ گذشتہ ریاست کے دارالخلافہ نے چھوٹی بچت کے مقررہ نشانہ سے زائد رقم جمع کرلی۔ اس سلسلے میں منعقدہ تقریب کی ایک تصویر!

پر چھوٹی چھوٹی کیاریاں (نمک سار) بنادی جاتی ہیں۔ مدوجزر کے دوران سمندری پانی ان کیاریوں میں جمع ہوجاتا ہے۔ پانی جمع ہونے کے بعد اس کی مزید آمد کا راستہ بند کرکے ان کیاریوں کو سکھالیا جاتا ہے۔ پانی، ہوا اور دھوپ سے بھاپ بن کر اُڑ جاتا ہے اور نمک ان کیاریوں میں رہ جاتا ہے۔ یہ طریقہ مہاراشٹر میں عام ہے۔

چھوٹی بچت

مہاراشٹر نے چھوٹی بچت اسکیم کے تحت بھی نمایاں کام کئے ہیں۔ اس اسکیم کا مقصد جہاں عوام میں کفایت شعاری اور بچت کی مفید عادت ڈالنا ہے وہیں قومی اور ترقیاتی مقاصد کے لئے ضروری سرمایہ مہیا کرنا بھی ہے۔ ہندوستان بھر میں اس اسکیم میں مہاراشٹر اوّل نمبر پر آتا ہے۔

اس اسکیم کے تحت اسکولوں میں بھی بچوں کے لئے بینک قائم کئے گئے ہیں تاکہ یہ نونہال چھوٹی سی عمر ہی سے بچت کرنے کی عادت ڈال سکیں۔ پانچویں پنجسالہ منصوبے میں چھوٹی بچت اسکیم سے 330 کروڑ روپئے جمع کرنے کا نشانہ ہے اور پرانے تجربوں کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ روپیہ آسانی سے جمع ہوسکے گا۔

سیاحت

سیروسیاحت کے اعتبار سے ریاست مہاراشٹر ملک کی ایک اہم ریاست ہے جو ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کے لئے اپنے اندر زبردست کشش رکھتی ہے۔ ریاست کی راجدھانی بمبئی ایک بین الاقوامی طیران گاہ ہے اور ریاست کے مختلف پُرفضا مقامات مثلاً ماتھیران، مہابلیشور، دیولالی، پنچگنی، لوناولہ، کھنڈالہ اور پونا یہاں سے بہت قریب ہیں۔ عالمی سیاحت کیلئے ریاست جدید قسم کے ہوٹلوں کی تعمیر پر خصوصی توجہ دے رہی ہے جو ملک کے لئے بیش قیمت زرمبادلہ حاصل کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ بمبئی اور اور اورنگ آباد میں متعدد نئے ہوٹل کھل رہے ہیں۔

قدرتی مناظر اور صحت افزا مقامات کے علاوہ ریاست تاریخی اہمیت کے حامل مقامات سے بھی مالامال ہے جن میں ایلورا، اجنتا اور ایلیفنٹا کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اردو، فارسی اور عربی زبان و ادب کے فروغ کے لئے

ریاستی بورڈ برائے ادب و ثقافت

کی ادبی سرگرمیاں

ریاستی بورڈ برائے ادب وثقافت نے اپنے آغاز ہی سے مراٹھی میں ریسرچ اور تصنیف و تالیف کی حوصلہ افزائی کے اہم مقصد کے تحت ایک متنوع پروگرام شروع کیا تاکہ وہ بیش قیمت ورثہ محفوظ رہے اور اس میں اضافہ ہو جو مہاراشٹر ادب، تاریخ، ثقافت اور فنونِ لطیفہ کے میدان میں رکھتا ہے۔ گو اپنے فرائضِ منصبی کے لحاظ سے ریاستی بورڈ کی ادبی سرگرمیاں مراٹھی زبان و ادب کی ترقی و توسیع تک محدود ہیں تاہم اس نے اپنی متعدد ادبی اسکیمات کے ذریعہ جہاں تک ممکن ہے یہ بھی کوشش کی کہ دیگر زبانوں خصوصاً اردو، فارسی اور عربی وغیرہ کے متعلقہ ادب سے بھی اپنا رشتہ قائم کرے۔ ریاستی بورڈ نے اب تک جو کام کیا ہے اس پر اس مضمون میں مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ اَنتر بھارتی۔ وِشو بھارتی : اس سلسلہ کا مقصد یہ ہے کہ مراٹھی قاری کو دو طرفہ ذولسانی لغات (مثلاً 'اردو۔مراٹھی' اور 'مراٹھی۔اُردو') کتب مطالعہ (ریڈرس) (مثلاً اردو ساہتیہ پریچے) اور 'معلم' (ٹیچرس) (مثلاً اُردو بھاشا پردیش) کی شکل میں مشترکہ طور پر مراٹھی پر مبنی دیگر ہندوستانی اور بعض ممتاز بیرونی زبانوں کے مطالعہ کے لیے معقول قیمت پر ذریعہ حاصل ہو اور اسے مراٹھی کے علاوہ ان زبانوں کے مطالعہ میں سہولت ہو۔

اس اسکیم کے تحت بورڈ نے "اُردو۔مراٹھی شبد کوش" شائع کی ہے جسے شری سشری پد جوشی، پونا اور ڈاکٹر این۔ ایس۔ گوریکر، کلیان نے مرتب کیا ہے۔ (صفحات ۴۸۲، قیمت ۱۴/۵۰ روپے)

"اُردو بھاشا پردیش" لکھنے کا کام بورڈ کی جانب سے ڈاکٹر این۔ ایس۔ گوریکر، کلیان کو سونپا گیا ہے۔ نیز "اُردو ساہتیہ پریچے" اور "مراٹھی۔اردو شبد کوش" مرتب کرنے کا کام اسکالروں کو دینا باقی ہے۔

عربی۔مراٹھی لغت، عربی معلم اور عربک ریڈر مرتب کرنے کا کام بھی مناسب اسکالروں کو دینا ہے پروفیسر اے۔ بی۔ دادرکر کو اس کام کے لئے آمادہ کر لیا گیا ہے۔ مزید برآں بورڈ فارسی زبان میں اسی قسم کی کتابوں کی تیاری کے لئے موزوں فارسی عالم کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش میں ہے۔

۲۔ تاریخی تحریروں کا ترجمہ اور اشاعت :

مراٹھا تاریخ سے متعلق پرتگالی، فرنچ، انگریزی، اُردو فارسی اور راجستھانی زبانوں میں "تاریخی تحریریں" (ریکارڈز) کے ترجمہ اور اشاعت کی اسکیم کے تحت ریاستی بورڈ قابل قدر کتب حوالہ شائع کر رہا ہے جن میں مراٹھوں اور مہاراشٹر کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس اسکیم کے تحت ریاستی بورڈ نے ابتک حسب ذیل کام کیا ہے۔

۱۔ مہاراشٹر کی تاریخ سے متعلق نیشنل لائبریری، کلکتہ سے حاصل کردہ آنجہانی سر جادوناتھ سرکار کے فارسی مسودات (۳۰ جلدیں) کی عکسی نقول کی تیاری۔ یہ کتابیں حوالہ کے مقصد سے تاریخ کے عالموں کو مہیا کی جا رہی ہیں۔ بورڈ کے سابق سکریٹری، شری سیتو مادھو راؤ بورڈ کی جانب سے ان کا ابتدائی جائزہ لے رہے ہیں۔

۲۔ بیکانیر اور جے پور آرکائیوز کی فارسی اور راجستھانی تحریروں کی امدادی اشاعت جس میں مہاراشٹر کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ "دربار اورنگ زیب کے خبرنامے" مرتبہ پروفیسر جی۔ ایچ۔ کھرے، پونا، جو بھارت اِتہاس سنشودھک منڈل، پونا کی شائع کردہ "ہندوستانی تاریخ کا فارسی ماخذ" سلسلۂ کتب میں چھٹی جلد ہے۔

۳۔ فرشتہ کی تصنیف "گلشنِ ابراہیمی" (یعنی ازمنۂ وسطیٰ کے مہاراشٹر کی تاریخ) کا مراٹھی ترجمہ بورڈ کی جانب سے ڈاکٹر بی۔ جی۔ کنٹے بمبئی نے کیا ہے اور یہ زیر طبع ہے۔

۳۔ کلاسیکس کا ترجمہ :

اس سلسلے کا مقصد یہ ہے کہ عام مراٹھی قاری کو دیگر زبانوں نیز غیر ملکی زبانوں کے مختلف موضوعات پر عظیم ادبی کارناموں کا سہل مراٹھی زبان میں ترجمہ

مہیا کیا جائے جن کا مختلف میدانوں میں عالمی تصورات میں نمایاں حصہ ہے ۔ اس اسکیم کے تحت ریاستی بورڈ نے ترجمہ کا حسب ذیل کام شروع کیا ہے :

نمبر	کتاب کا نام	مترجم کا نام
۱	**زیرِ طبع کتب :**	
۱	'بوستان' ... از شیخ سعدی	شری جی ۔ ڈی ۔ دیویکر' بمبئی
۲	'تاریخ اورنگ زیب' ... از سرجادوناتھ سرکار ۔ History of Aurangzeb	ڈاکٹر بی ۔ جی ۔ گنکھے' بمبئی
۳	"اسٹوریا ڈوموگر" ... از نکولاو مینوشی Storia Do Mogor	شری جے ۔ ایس ۔ چوبل' بمبئی ۔
۴	'آخری مغل' ... از اِروین Later Mughals	پروفیسر پی ۔ جی ۔ ٹومبرے' پونا ۔
۲	**پریس میں چھپائی تیار :**	
۱	'اسلام کے متعلق نیا نظریہ' ... از اے اے اے فیضی Modern Approach to Islam	شری مُنیر سیّد' کولہاپور ۔
۲	'ہندوستانی مسلمان' ... از رام گوپال Indian Muslims	شریمتی کمُد پادھے' پونا ۔
۳	'سلطنتِ مغلیہ کا زوال' ... از سرجادوناتھ سرکار Fall of the Mughal Empire	پروفیسر جی ۔ ایس ۔ دیشپانڈے' کولہاپور ۔
۳	**زیرِ تیاری کتب :**	
۱	'عربی زبان' ... از اے ۔ سی ۔ چیچنے The Arabic Language	پروفیسر اے ۔ بی ۔ دادرکر' بمبئی ۔
۲	'قران'	پروفیسر اے ۔ بی ۔ دادرکر' بمبئی
۳	'مسلم پرسنل لاء کی اصلاح' ۔ از شری اے اے اے فیضی The Reform of Muslim Personal Law	شری پنالال سورانا' ستارا ۔
۴	'اسلام کا سماجی ڈھانچہ' ... از روبن لیوی The Social Structure of Islam	شری شری پد کیسلکر ۔
۵	'تاریخ شاہجہانِ دہلی' ... از ڈاکٹر بناری پرشاد سکسینہ History of Shahjahan of Delhi	ڈاکٹر بی جی گنکھے' بمبئی ۔
۶	'تاریخ قوانین اسلام' ۔ از این جے کولسن A History of Islamic Law.	شریمتی کلامائی پادھے' پونا ۔

۴ ۔ اِمداد برائے اشاعت کتب :

ریاستی بورڈ ایسی کتابوں کی اشاعت کے لئے اِمداد بھی دیتا ہے جس قسم کی کتابیں یہ خود اپنے طور پر شائع کرتا ہے ابتک بورڈ نے اردو' عربی اور فارسی زبانوں نیز اسلامی فنون وثقافت کے ضمن میں حسب ذیل کتابوں کی اشاعت میں مدد دی ہے ۔

نمبر	کتاب کا نام	امداد پانے والے کا نام
۱	'بہمنی حکومت کی تاریخ' ... از ڈاکٹر بی ۔ جی ۔ گنکھے	پیجنگ بک اسٹال' بمبئی ۔
۲	'احمد نگر کی نظام شاہی' ... از ڈاکٹر بی ۔ جی ۔ گنکھے	"
۳	'دکنی ہندی میں تاریخ' ... از شری دیوی سنگھ چوہان	بھارت اِتہاس سنشودھک منڈل' بمبئی
۴	'تاریخ اسکندری' ... از شری دیوی سنگھ چوہان	مہاراشٹر راشٹر بھاشا سبھا پونا ۔
۵	'بیجاپور کی عادل شاہی' ... از وی ۔ ایس ۔ بیندرے	اِتہاس سنشودھن منڈل' بمبئی ۔
۶	'شاعرِ اعظم مرزا غالب'	مہاراشٹر راشٹر بھاشا سبھا' پونا
۷	'قران پاک' کی دوبارہ طباعت ... از مولانا صوفی یعقوب خانصاحب	ڈاکٹر اے ۔ یو ۔ شیخ شاد آدم شیخ ٹرسٹ' بمبئی ۔
۸	'گلستانِ شیخ سعدی' ... از شری جی ۔ ڈی ۔ دیویکر	شری جی ۔ ڈی ۔ دیویکر' بمبئی
۹	'کاشی راجرچی بکھار'	بزم احسان' انجمن کالج اندھیری
۱۰	'سیرتِ رسول' Biography of "Mohamed Paigambar"	سادھنا پرکاشن' پونا
۱۱	'مولانا آزاد ۔ ایک جائزہ' Maulana Azad- A revaluation ... از ڈاکٹر گووند داس شراف' اورنگ آباد	ڈاکٹر گووند داس شراف' اورنگ آباد ۔

(باقی صفحہ ۲۱

مولانا ناطق گلاؤٹھوی مرحوم

ترانۂ وطن
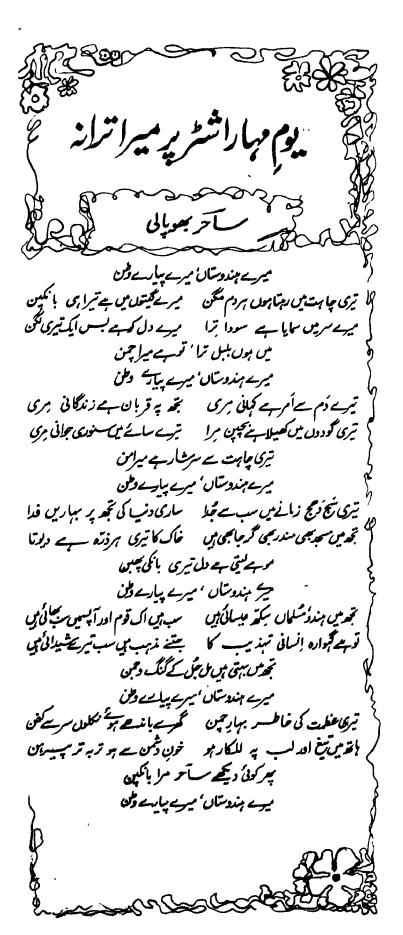
ہم جاں نثار اس کے یہ مہرباں ہمارا
ہندوستاں کے ہم ہیں' ہندوستاں ہمارا

دنیا کی نعمتیں سب ہندوستان میں ہیں
سارا جہاں ہے گویا ہندوستاں ہمارا

موسم یہاں کے اچھے ، فصلیں یہاں کی اچھی
یاور زمیں ہماری ' یار آسماں ہمارا

بارہ مہینے اس میں فصلِ بہار کے ہیں
پھولوں بھرا چمن ہے ' یہ گلستاں ہمارا

سارے جہاں سے بالا ہے اپنی سربلندی
چوٹی ہمالیہ کی ' قومی نشاں ہمارا

ہیں دلفریب منظر پہلو میں نربدا کے
روحِ رواں ہے گنگا' آبِ رواں ہمارا

پیرانِ پارسا کی دُنیا ہماری دُنیا
سہراب' گیو' رستم' ہر نوجواں ہمارا

ہندو ہیں اور مسلماں' عیسائی ' پارسی ' سکھ
مل جُل کے ہمسفر ہے یہ کارواں ہمارا

یہ سادھوؤں کی بستی' یہ صوفیوں کی بستی
کردار ہے تقدس ناطق یہاں ہمارا

یومِ مہاراشٹر پر میرا ترانہ

ساحر بھوپالی

میرے ہندوستاں' میرے پیارے وطن

تیری چاہت میں رہتا ہوں ہردم مگن　　میرے گیتوں میں ہے تیرا ہی بانکپن
میرے سر میں سمایا ہے سودا ترا　　میرے دل کو ہے بس ایک تیری لگن
میں ہوں بلبل ترا' تو ہے میرا چمن
میرے ہندوستاں' میرے پیارے وطن

تیرے دَم سے اَمر ہے کہانی مری　　تجھ پہ قربان ہے زندگانی مری
تیری گودوں میں کھیلا ہے بچپن مرا　　تیرے سائے میں سنوری جوانی مری
تیری چاہت سے سرشار ہے میرا من
میرے ہندوستاں' میرے پیارے وطن

تیری سج دھج زمانے میں سب سے جُدا　　ساری دنیا کی تجھ پر بہاریں فدا
تجھ میں مسجد بھی مندر بھی گرجا بھی ہیں　　خاک کا تیری ہر ذرّہ ہے دیوتا
موہ لیتی ہے دل تیری بانکی پھبن
میرے ہندوستاں ' میرے پیارے وطن

تجھ میں ہندو مسلماں سکھ عیسائی ہیں　　سب ہیں اک قوم اور آپس میں سب بھائی ہیں
تو ہے گہوارہ انسانی تہذیب کا　　جتنے مذہب ہیں سب تیرے شیدائی ہیں
تجھ میں بہتی ہیں مل جُل کے گنگ و جمن
میرے ہندوستاں ' میرے پیارے وطن

تیری عظمت کی خاطر بہارِ چمن　　گھر سے باندھے ہوئے نکلوں سر سے کفن
ہاتھ میں تیغ اور لب پہ للکار ہو　　خونِ دشمن سے ہو تربہ تر پیرہن
پھر کوئی دیکھے ساحر مرا بانکپن
میرے ہندوستاں' میرے پیارے وطن

یوم مئی

لاجپت رائے

آج دفتروں، کارخانوں، ملوں وغیرہ میں "۸ گھنٹے کا کام" معمول بن چکا ہے۔ ہمیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب مزدوروں کو کارخانوں میں غلاموں کی طرح کام کرنا پڑتا تھا۔ تنخواہوں کا کوئی "اسکیل" نہیں تھا۔ ایک ہی کام کے لئے مختلف مزدوروں کو مل مالک کی اپنی مرضی اور مزدور کی مجبوری کے مطابق ملازمت پر رکھتے تھے اور سبکدوش کرتے تھے۔ کام کے مقررہ اوقات کا تو کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ مزدوروں سے ۱۶ تا ۱۸ گھنٹے کام لینا معمول کی بات تھی۔

چارلس ڈکنس نے اپنے شہرۂ آفاق ناول "ڈیوڈ کوپرفیلڈ" میں مزدوروں کی اسی زندگی کی انتہائی حقیقت پسندانہ عکاسی کی ہے۔ یہ حالت صرف برطانیہ کی ہی نہیں بلکہ یورپ کے بیشتر ممالک کی بھی تھی۔ امریکہ میں بھی حالات مختلف نہیں تھے۔

یکم مئی کے ساتھ — جو دنیا بھر کے مزدور اتحاد اور یکجہتی کا دن ہے — مندرجہ بالا حالات کا ذکر ضروری ہے۔ یکم مئی 'مزدور انقلاب'، بے انصافی کے خلاف جدوجہد اور امن کے قیام کے لئے جدوجہد کی آج علامت بن چکا ہے۔ گو سوشلسٹ ممالک میں یہ دن "قومی تہوار" کی طرح منایا جاتا ہے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس دن کی تاریخ کے ساتھ ایک ایسے ملک کا نام جڑا ہوا ہے، جہاں آج بھی سرمایہ دارانہ نظام موجود ہے یعنی امریکہ۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، ماضی میں مزدوروں کے کام کے اوقات مقرر نہیں تھے اور اُن سے مالک اپنی مرضی کے مطابق کام لیتے تھے۔ امریکہ کے مزدوروں نے پہلی مرتبہ اس ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائی۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو شکاگو میں مزدوروں نے دن میں ۸ گھنٹے کام کا مطالبہ کیا اور اپنے مطالبے کی حمایت میں ہڑتال کی۔

اسی ہزار سے زائد مزدور شکاگو کی سڑکوں پر نکل آئے اور انھوں نے دن میں ۸ گھنٹے سے زائد کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا جواب انھیں پولیس کی گولیوں کی شکل میں ملا۔ درجنوں مزدور ہلاک ہوئے اور سیکڑوں زخمی۔

مزدوروں نے احتجاج میں اور جلسے کئے۔ اور ظاہر ہے کہ اور گولیاں چلیں۔ مزدوروں کے جلسے میں پولس نے خود بم پھینکوائے اور مزدور لیڈروں کو بدامنی پھیلانے اور تشدد کی راہ اختیار کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ اُن پر مقدمہ چلایا گیا اور ۴ مزدور لیڈروں کو ۱۱ رمئی ۱۸۸۷ء کو موت کی سزا دی گئی۔

۱۸۸۹ء میں پیرس میں جو اُس وقت مزدور تحریک کا ایک اہم مرکز تھا، دنیا بھر کے سوشلسٹوں کی ایک کانگریس منعقد ہوئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ دنیا بھر میں یکم مئی کو مزدور "یوم مئی" منائیں گے اور یہ دن مزدوروں کے بین الاقوامی اتحاد کا مظہر ہوگا۔

اس فیصلے کے مطابق یکم مئی ۱۸۹۰ء کو پہلی بار دنیا کے مزدوروں نے "یوم مئی" منایا اور تب سے آج تک یہ دن منایا جا رہا ہے۔

روس میں پہلا یوم مئی ۱۸۹۱ء میں سینٹ پیٹرس برگ (موجودہ لینن گراد) میں منایا گیا اور اُس دن کی یاد میں وہاں ایک مجسمہ بھی بنایا گیا ہے۔

۱۹۱۷ء میں روسی انقلاب کے بعد سوویت یونین میں یکم مئی ایک قومی تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ دوسرے سوشلسٹ ملکوں میں بھی اب یہی دستور ہے۔

ہندوستان میں بھی مزدور تحریک دوسری جنگ عظیم کے دوران اپنے قدم جما چکی تھی۔ روسی انقلاب کی گونج ہندوستان میں بھی سنائی دینے لگی تھی اور سوشلسٹ خیالات کا پرچار بھی ہونے لگا تھا۔ یہ مزدور تحریک ملک کی آزادی کی تحریک سے الگ نہیں تھی بلکہ اس کا ایک اٹوٹ اور معاون حصہ تھی۔ یہ مزدور تحریک، تحریکِ آزادی کو تقویت بھی پہنچاتی تھی اور اس سے تقویت بھی حاصل کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہندوستان میں ۱۹۲۰ء میں کل ہند ٹریڈ یونین کانگریس (AITUC) کی بنیاد رکھی گئی تو اس کے پہلے صدر ہمارے قومی رہنما لالہ لاجپت رائے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں اس مزدور تنظیم کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو تھے جو خود ہندوستان میں سوشلسٹ تحریک کی بنیاد رکھنے والوں میں سے ہیں۔

پنڈت نہرو کے عہدِ صدارت کے دوران ہی آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس کے عہدے داروں لیڈروں کو "میرٹھ سازش" کیس میں گرفتار کر لیا گیا گرفتار ہونے والوں میں کامریڈ ڈانگے، کامریڈ مظفر احمد اور شوکت عثمانی بھی تھے۔ پنڈت نہ

نے میرٹھ سازش کیس میں ملوث رہنماؤں کے لئے جو بچاؤ کمیٹی بنائی اس میں ڈاکٹر ایم۔ اے۔ انصاری بھی پیش پیش تھے۔ گاندھی جی نے خود جیل میں میرٹھ کیس کے رہنماؤں سے ملاقات کی تھی۔

بہرحال ہماری مزدور تحریک جہاں ایک طرف بین الاقوامی مزدور تحریک سے وابستہ رہی وہاں وہ قومی تحریک آزادی کا بھی حصہ رہی اور ہمارے مزدور طبقہ نے جہاں اپنے اقتصادی حقوق کے لئے جدوجہد کی وہاں بین الاقوامی سامراج اور برطانوی سامراج کے خلاف بھی جدوجہد کی۔ بین الاقوامی مزدور تنظیموں کی طرح ہندوستان کے مزدور بھی یکم مئی کو ایک تہوار کی طرح مناتے ہیں۔ اس دن وہ اپنی سابقہ کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لیتے ہیں اور مستقبل کی جدوجہد کے لئے کمربستہ ہوتے ہیں۔

یہ اتفاق کی بات نہیں ہے کہ مہاراشٹر میں یوم مئی اور یوم مہاراشٹر ایک ساتھ منایا جاتا ہے کیونکہ لسانی اصولوں کی بنیاد پر مہاراشٹر ریاست کے قیام میں مزدوروں نے سب سے آگے بڑھ کر حصہ لیا تھا۔ مہاراشٹر کے قیام کی جدوجہد میں اُردو بولنے والے مزدور بھی پیش پیش تھے۔ مدن پورہ، ناگپاڑہ کے مزدور لال باغ اور پریل کے مزدوروں کے ساتھ مل کر "مہاراشٹر چالا پاہجے" کے نعرے لگاتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ مہاراشٹر کے عوام کا یہ مطالبہ جائز مطالبہ ہے۔ انہوں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ مہاراشٹر کے قیام سے اُن کے لسانی حقوق کو کسی قسم کا خطرہ پیش آئے گا۔ اُن کا یہ خیال درست ثابت ہوا ہے اور آج مہاراشٹر میں ہندوستان کی تمام ریاستوں کے مقابلے میں اُردو کی تعلیم کا سب سے بہتر اور معقول انتظام ہے۔

آزاد ہندوستان میں مزدور تحریک کو ایک مثبت رول ادا کرنا ہے۔ ہماری مزدور تحریک بلند آدرشوں سے مبّرا نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بمبئی کے مزدوروں نے سب سے بڑی اور پہلی ہڑتال محض اپنے اقتصادی حقوق کے لئے نہیں بلکہ قومی رہنما بال گنگا دھر تلک کی گرفتاری کے خلاف بطور احتجاج کی تھی۔

بمبئی کے مزدوروں کے اس اقدام پر روسی رہنما لینن نے کہا تھا کہ یہ ہڑتال مشرق میں انقلاب کی ابتدا ہے۔ آزاد ہندوستان کی تعمیر میں بھی ہندوستانی مزدوروں کو اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ قومی مفاد کو بھی مدنظر رکھنا ہے۔

●●

ریاستی بورڈ برائے ادب و ثقافت

صفحہ ۱۸ سے جاری

۵۔ مراٹھی وشو کوش :

اُردو، فارسی اور عربی کے موضوعات پر خاص مضامین لکھنے اور ادارتی فرائض انجام دینے کے لئے حسب ذیل اسکالروں، پروفیسروں وغیرہ کی اعانت و امداد حاصل کی گئی ہے جو مقالہ نگاروں اور جانچ پڑتال کرنے والے مدیروں کی حیثیت سے کام کریں گے۔

۱۔ شری آصف اے۔ اے۔ فیضی
۲۔ا۔ بھولا بھائی دلیسائی روڈ، بمبئی ۳۶

۲۔ شری سیتو مادھوراؤ پگڑی
'وسدھا' پلاٹ ۱۰۴ اے، دیوی دیال کراس روڈ، ملنڈ، بمبئی ۸۰

۳۔ پروفیسر اے۔ بی۔ دادرکر،
۱۷۷، ڈونگری روڈ، بمبئی ۹

۴۔ پروفیسر جی۔ ڈی۔ ایس۔ شیخ،
۴۳۸ - سینٹر اسٹریٹ، پونا

۵۔ پروفیسر جی۔ ایچ۔ کھرے،
بھارت اِتہاس سنشودھک منڈل،
۱۳۲۱۔ سداشیو، پونا ۳۰

۶۔ پروفیسر آر۔ بی۔ جوشی، ۲۔ زپورجا، ساہتیہ سہواس، باندرہ ایسٹ، بمبئی ۵۱

۷۔ ڈاکٹر این۔ ایس۔ گورپکر، سینٹ زیویرس کالج بمبئی

۸۔ شری جی۔ ڈی۔ دیویکر، ۲۷/ای/ ۲۱۰ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر روڈ، ماٹونگا، بمبئی ۱۹

۹۔ شری دیوی سنگھ چوہان،
شالیمار، دوسرا مالا، ۲۱۶ میرین ڈرائیو، بمبئی ۲۰

۱۰۔ شری شری پاد جوشی،
شری راگھولتا، ڈاکٹر کیتکر روڈ، پونا ۴

۱۱۔ شری منیر محمد، راجہ رام کالج، کولہاپور۔

●●

● شام کرشن نگم

دستکاری اور روزگار

موجودہ دور میں بیروزگاری گورنمنٹ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ ہے اور عوام کا ایک بڑا طبقہ اس سے پریشان ہے کیونکہ آجکل کی مہنگائی سے مقابلہ کرنے کی طاقت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ چاہے وہ تعلیمیافتہ ہو یا ناخواندہ' اس مصیبت سے دونوں ہی پریشان ہیں اور ان کیلئے زندگی گذارنا مشکل ہو گیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اِدھر میٹرک پاس کیا یا گریجویٹ ہوئے کہ نوکری کی تلاش میں لگ گئے اور نوکری میں بھی سرکاری نوکری کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن سرکار ان لاکھوں نوجوانوں کیلئے نوکریاں کیسے مہیا کر سکتی ہے یا دوسری پسند پرائیویٹ شعبہ کی ہوتی ہے۔ تاہم پرائیویٹ کاروبار میں یا کارخانوں میں بھی ان لاکھوں نوجوانوں کو کام پر رکھنا ممکن نہیں۔ اس کے برعکس بہت کم لوگ ہیں جو نوکری کے مقابلہ میں اپنا خود کا کاروبار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ بینکوں کے نیشنلائز ہونے کے بعد خود کا کاروبار کرنے کے لئے بالخصوص دستکاری کا تجربہ رکھنے والوں کو بینک بہت کم سود پر آسان شرائط پر قرض دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں حکومت نے اسمال اسکیل انڈسٹری کے فروغ کے لئے ہندوستان کی تمام ریاستوں میں محکمے قائم کر رکھے ہیں جہاں ان لوگوں کو جو چھوٹے قسم کے کارخانے لگانا چاہتے ہیں، ریاستی حکومتیں ہر قسم کی سہولتیں مہیا کرتی ہیں۔ مذکورہ سرکاری محکموں کے پاس بہت چیزیں بنانے کی اسکیمیں ہیں۔ یہ ڈپارٹمنٹ زمین یا بنے بنائے شیڈ اور مشینیں اور کچا مال حاصل کرنے میں پوری پوری مدد کرتے ہیں اور ٹیکنیکل معلومات سے روشناس کرانے کے لئے اچھے ماہر لوگ اس دفتر میں مقرر ہوتے ہیں جو آپکو ٹیکنیکل معلومات مفت مہیا کرتے ہیں اور ایسے بھی محکمے گورنمنٹ کی طرف سے قائم ہیں جہاں آپ اپنے بنائے ہوئے مال کی نکاسی کے لئے اچھی مارکیٹوں کے متعلق ہر قسم کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں یعنی کارخانہ شروع کرنے سے تیار مال فروخت کرنے تک تمام سہولتیں آپ کو آسانی سے مل جاتی ہیں۔ لیکن اسکے لئے صرف حکومت کے قائم کردہ محکموں پر ہی قناعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ تھوڑا بہت تجربہ خود بھی حاصل کرنا چاہیے۔

اگر آپ کو خود اپنے ہاتھ سے مشین چلانے کا تجربہ ہے تو اپنے کارخانے میں مال بنوانے میں دشواری نہ ہوگی اور اگر آپ نے صرف دوسرے کاریگروں پر بھروسہ رکھا تو آپ کے کارخانے کا خدا ہی حافظ ہے۔

آپ کو اس کی واقفیت ہونا بھی ضروری ہے کہ جو مال ہم بنائیں گے اُس کی زیادہ مقدار کن جگہوں پر فروخت ہو سکتی ہے اور اس کے لئے کونسا سیزن اچھا ہوتا ہے۔ اگر آپ پہلے کچھ عرصہ نوکری کریں تو ایسے لوگوں سے واقفیت ہو سکتی ہے جو کچا مال ٹھیک داموں پر سپلائی کر سکتے ہیں اور ایسے لوگوں سے بھی تعلقات قائم ہو جائیں گے جو زیادہ مقدار میں مال لے سکتے ہیں یا کمیشن لے کر مال بیچنے میں کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ میں نے خود شروع میں نوکریاں کر کے بعد میں کارخانے لگائے ہیں اور جن لوگوں نے محنت اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کئے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ بات خاص طور سے خیال میں رکھیں کہ شروع میں کافی پریشانیاں ہوتی ہیں۔ ممکن ہے آپ کے گھر والے پریشان ہو کر کہنے لگیں کہ اتنی محنت کرنے کے بعد بھی اگر زندگی آرام سے بسر نہیں ہو سکتی تو اس سے تو نوکری اچھی ہے۔ "دو روٹی کم کھالیں گے لیکن زندگی تو آرام سے بسر ہو گی" لیکن میرا ذاتی تجربہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر ہم صرف عارضی آرام کی وجہ سے جدوجہد نہیں کرتے ہیں تو اپنی اور اپنے ملک کی ترقی کی راہیں بند کر لیتے ہیں۔ آپ کے سامنے ایک دو نہیں سیکڑوں لوگ ہیں جن کو آپ آج بہت بڑا تاجر یا کارخانے دار یا مل مالک دیکھتے ہیں۔ ان کی شروع کی زندگی کا مطالعہ کریں تو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے کن کن مصیبتوں کا سامنا کیا اور اس مقام تک پہنچے۔

میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ نئے کارخانے بجائے بڑے شہروں کے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں لگائے جائیں تو اخراجات بہت کم ہوں گے۔ مثلاً اگر بینک سے ۲۵ یا ۳۰ ہزار روپے حاصل کر لئے اور آٹھ دس ہزار روپے اپنے ذریعہ سے جمع کر لیئے تو بڑے شہر میں ایک تو جگہ ملنا ہی مشکل ہے اور اگر جگہ مل بھی گئی تو یہ تیس چالیس ہزار روپے جگہ کی ہی نذر ہو کر رہ جائیں گے اور معقول جگہ نہ ہوئی تو بینک بھی قرضہ دینے میں پس و پیش کرے گا۔ اسلئے چھوٹی جگہوں پر ہی کارخانہ لگانا سود مند ثابت ہوگا کیونکہ جگہ بھی آسانی سے مل جائے گی اور سستے کام کرنے والے بھی لیکن آپ سوچیں گے کہ کچا مال شہروں سے لانا اور تیار شدہ مال بڑے شہروں تک پہنچانے کا کیا انتظام ہوگا۔ لیکن چاہے کتنی ہی چھوٹی جگہ کیوں نہ ہو

تقریباً تمام ہندوستان میں ریاستی بسوں کا اچھا انتظام ہے اور کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی ٹرانسپورٹ کمپنی نہ ہو اسلئے بڑی جگہوں پر آنے جانے کے لیے یا کچا مال لانے اور تیار مال ہندوستان کے کسی بھی حصہ میں پہنچانے میں بالکل پریشانی نہ ہوگی۔

اسمال اسکیل انڈسٹری کے تحت جن چیزوں کے کارخانے لگائے جاسکتے ہیں اُن میں سے چند یہ بھی ہیں : کرسیاں، گھریلو فرنیچر، کاغذ کے بکس بنانے کی فیکٹری، کاپیاں بنانے کا کارخانہ، عورتوں کے سنگار کا سامان، کریم، پوڈر، لپ اسٹک، تیل، صابن وغیرہ بجلی فٹنگ، موٹر، سائیکل کے پرزہ جات، لفافے بنانے کی فیکٹری وغیرہ۔ ان چیزوں کی چھوٹے سے چھوٹے شہروں میں بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کاپیوں کی تو چھوٹے شہروں اور قصبوں میں بھی کافی کھپت ہے۔ رولنگ شٹر، لوہے کے دروازے، ٹن فیکٹری جن میں ٹن کے ڈبے، کنستر وغیرہ بنتے ہیں نیز کپڑے، لکڑی اور پلاسٹک کے کھلونوں کے کارخانے، ہاتھ کے بنے ہوئے گڈے گڑیاں، خصوصاً ہینڈلوم کے کارخانے یعنی کرگھوں پر بنایا ہوا کپڑا، ہینڈلوم کے کارخانے ہر حالت میں بڑے شہروں کی نسبت چھوٹی جگہوں پر زیادہ کامیابی حاصل کرسکتے ہیں، کیونکہ ایسے کارخانوں میں مشینوں کا زیادہ کام نہیں ہوتا اور ایسے کارخانوں کے لئے اچھی لیبر (جسمیں خاص کر گاؤں کی عورتیں اچھا تجربہ رکھتی ہیں) کم اُجرت پر مل سکتی ہے۔ ان کے بنائے ہوئے مال اور کپڑوں میں ہمارے ملک کے آرٹ کی جھلک صاف عیاں ہوتی ہے۔

ہینڈلوم کے کپڑوں کے علاوہ مختلف ریاستیں مختلف رنگ و ڈیزائن کا مال تیار کرنے میں اپنا اپنا خاص مقام رکھتی ہیں جیسے کشمیر کے قالین، اخروٹ کی لکڑی کے فرنیچر، لائٹ شیڈ، اونی کڑھے ہوئے کپڑے، دہلی کے ہاتھی دانت کا سامان، راجستھان کی تصویریں، جوتی، چھپی ہوئی ساڑیاں، مُرادآباد کے پیتل کے منقش برتن، شوپیس، ٹیبل لیمپ، آگرے کی سیل کڑی اور سنگ مرمر کے بنے ہوئے کھلونے اور خصوصاً

تاج محل وغیرہ۔ بنارس کی ساڑیاں، میسور کے ہاتھی دانت اور صندل کی لکڑی کا سامان اور اگربتی، کیرالا کے چینی کے برتن اور جوٹ کا سامان، نیز اُڑیسہ کے چاندی برتن اور زیورات بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ اِن تمام ریاستوں کے بنائے ہوئے سامان پر اُن ریاستوں کے چھوٹے شہروں اور قصبوں کے کام کرنے والوں کی خود کی ایک علیحدہ چھاپ ہوتی ہے۔ ہاتھ کی بنی ہوئی چیزوں کی ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں خاص کر اٹلی، انگلینڈ، جرمنی، فرانس اور امریکہ اور مشرقی ممالک وغیرہ میں کافی مانگ ہے۔ ہمارے ہینڈلوم و دستکاری کے سامان یعنی کپڑوں اور دوسری چیزوں کی ہندوستان سے بھی ان ملکوں میں مانگ ہے اور اس کی وجہ سے ہماری گورنمنٹ نے ہینڈلوم کے کپڑے اور دوسری بنائی ہوئی چیزوں کی ایکسپورٹ کے واسطے ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے مال کو تمام دوسرے ملکوں میں بڑے پیمانے پر آسانی سے ایکسپورٹ کرکے اپنے ملک کی شان بڑھا سکتے ہیں اور زرِمبادلہ بھی کما سکتے ہیں۔

ہمیں جوں ہی ایکسپورٹ کے آرڈر کے لئے لیٹر آف کریڈٹ (Letter of Credit) یعنی بنک کی طرف سے ہمارے ایکسپورٹ کئے ہوئے مال کے بل کی ادائیگی کی گارنٹی ملتی ہے، بنک ہمیں اس لیٹر کی بنیاد پر شروع میں ہی ۵۰ فیصد روپیہ پیشگی دے دیتا ہے جس سے کہ ہم کچا مال آرام سے خرید سکتے ہیں۔ ماسوا اس کے ایکسپورٹ کے دوسرے فوائد بھی ہیں۔ مثلاً گورنمنٹ نقد روپے سے مدد کرتی ہے، تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ مال ایکسپورٹ کریں۔ اس کے لائسنس بھی ملتے ہیں جس سے دوسرے ممالک سے ہم مال منگا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم نے ہندوستان میں کوئی ایسا کچا مال خریدا جس پر ہم کو ایکسائز ڈیوٹی دینی پڑی تو وہ ڈیوٹی بھی ڈرابیک کی صورت میں واپس مل جاتی ہے۔ یعنی اس طرح ہم دنیا کی دوسری مارکیٹوں کے بنے ہوئے مال کے مقابلے میں اپنا مال آسانی سے بیچ سکتے ہیں اور اُس کے ساتھ ساتھ زرِمبادلہ بھی حاصل کرتے ہیں جو ہمارے ملک کی خوشحالی کی کلید ہے اور اس قسم کے کارخانے لگاکر آپ اپنے خود کے لئے اور اپنے بیروزگار ساتھیوں کے لئے روزگار مہیا کرتے ہیں۔

ہینڈلوم اور دوسری چیزوں کے علاوہ ہندوستان کے سازوں مثلاً بانسری، طبلہ، ڈفلی اور ستار کی انگلینڈ اور امریکہ میں بہت بڑی مارکٹ ہے۔ امریکہ کے کافی لوگ ستار کے رسیا ہیں۔ ہندوستان سے چمڑے کے جوتوں کی بہت بڑی تعداد ایکسپورٹ ہوتی ہے۔ ہندوستان سے کروڑوں روپے کے جوتے روس، انگلینڈ اور امریکہ وغیرہ ایکسپورٹ کئے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ چمڑے اور کپڑے کے بنے ہوئے بیگ، پرس اور بٹوے وغیرہ جن پر ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویریں، اور خصوصاً اجنتا و ایلورا کی مصوری کے نمونے یا ایسی نقاشی جسمیں ہمارے ملک کی جھلک نظر آئے، بنائی جائیں تو ایسے مال کی نکاسی میں کوئی پریشانی نہ ہوگی اور ہم اپنے کارخانے لگانے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

سادہ ہے کاغذ ــــ کیا لکھیں؟
سادہ کاغذ ہے نرمل
پوِتر
صبح کا اُجیالا جیسے
بے داغ، بہت پاکیزہ
پُرانوں جیسا روپ
ایسے وَرق پر خونِ جگر سے قصۂ غم اپنا لکھیں؛
اتنے عجیب نظاروں کی جانے کیا تصویر بنے!
بیتے دَور کی یادیں
سپنوں کے چھَل
اَتی سُندر اور بہت بھیانک
کون سے خواب کی رَچنا ہوگی
جانے کیا تعبیر ہو،
کیا تقدیر بنے!
اِنہی وِچاروں کی دِبدا کلتا
بند نہ ہونے والے نینوں کی مجبوری نے
پَرلے اور بربادی
اَن گِنت زلزلے
جوار بھاٹے
مانو جیون کے چمتکار
اور پُنر جنم کی لیلاؤں کے لاکھوں جلوے دیکھے
بند نہ ہونے والے نینوں کی مجبوری نے ــــ
آج اِسی مجبوری، اِس دبدا کلتا سے
اِک ریت نرالی بن جائے
ہم اِک ایسی کویتا لکھیں
سادہ کاغذ ہے نرمل
پوِتر صبح کا اُجیالا جیسے
یہ اُجلا اَنترِکش
یہ چھوٹا سا وَرق
یہ اپنی بے اَنت کائنات
اپنی لامحدود فضا
جس میں رہ کر
اپنے یُگ کے،
اپنے جیسے مہاتماؤں، اَوتاروں، محنت کش کاریگر انسانوں نے
اپنے گیان دھیان،
اَنوبھَو، اور کرم پورن اِتہاس کے

ازحیدر

بے گنتی سورج اور چاند اُبھارے
چتر کار نے
سرلیشٹ ریکھاؤں کے بَل سے
جیون چتر کے تیکھے، اور البیلے نقش نکھارے
گیانی وِدوانوں،
کبت کتھا لکھنے والوں نے
ستیہ وچن اور امول درشن وِدّیا کے
اَدھ بُدھ سورگ سنوارے
اور جواں مَردوں نے
اپنے لہو سے، اَنمِٹ عہدِ وفا لکھا
اتنا وِشال
ایسا اننت
یہ انترکش
حیرانی سی حیرانی ہے
کیونکہ اتنا گھٹا
کہ اس کو سُود خوار ظالم نے
جھوٹی دستاویز بنا کر
اِنسانوں کو لوٹ لیا؟

جن کا دل
اِس کاغذ جیسا پاکیزہ اور سادہ ہے
سادہ ہے کاغذ کیا لکھیں
لوٹنے والے راہزنوں کا ہم کیسے گُن گان لکھیں
سچائی کی لاج بچے ہم کیوں ایسا پرمان لکھیں؟
بھوک اور ظلم کی دہکے جوالا
جس پر من کی آشا کا سُندر پنچھی منڈلائے
پورب پچھم، دِشا نہ سوجھے
کدھر بسیرا پائے
پنکھ میں اِندر دھنش کی سج دھج
اور مدھر بانی میں پریت کی جیوتی کا ہے جادو
پنچھی —!
جو اک اُڑان میں ہی چندر لوک سے اپنی نظر ملائے
بھوک اور ظلم کی جوالا پر
اب کاہے کو منڈلائے
کیا ہم یہ نظارہ لکھیں؟
کیا لکھیں!
سادہ ہے کاغذ کیا لکھیں

نیند کیوں رات بھر نہیں آتی ؟

لو، پانچ کا گجر بجا! مرغ پہلے ہی بانگ دے چکا تھا۔ اب ذرا دیر بعد دروازے کی گھنٹیاں بجنی شروع ہوں گی ـــــ اور مَیں کانٹوں بھرے بستر کو جھٹک کر شکنیں مٹا کر اگلی شام تک کے لئے رخصت ہو جاؤں گا۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزر گئی :

رات بھر کیں دلِ بے تاب نے باتیں مجھ سے
رنج و محنت کے گرفتار نے سونے نہ دیا

سارے دن تن بدن میں سوئیاں چبھتی رہیں گی ؛ آنکھیں حیادار گناہگاروں کی طرح بوجھل رہیں گی. کوئی اُس گنہگار کا گریبان نہیں پکڑنے والا، جس نے میری نیندیں اُڑادی ہیں۔ کہیں کوئی قانون نہیں اُس چور سے باز پُرس کرنے والا، جو رات کے اندھیرے میں دبے پاؤں آتا ہے اور دماغ کے مال گودام میں اُتھل پُتھل کئے جاتا ہے۔

اس اندھی کوٹھری میں ہے کیا ؟
کچھ اُلجھی سی یادیں، کچھ فکریں، کچھ وَرق، کچھ دَرد، کچھ تصویریں، کچھ پشیمانیاں، چند مُسکانیں، بکھرے ہوئے رنگ اور ایک دوسری سے گتھی ہوئی سُمسیائیں، بس ! سب مال زنگ خوردہ، بے ترتیب اُوپر تلے پڑا ہے۔

ظ۔ انصاری

پَوَن بہنا بند کرتی ہے تو سنّاٹا اور اندھیرا دیکھ کر، چور دھیرے سے اندر قدم رکھتا ہے۔ ٹارچ کا بٹن دباتا ہے۔ ایک دوُدھیا کِرَن چھت سے فرش تک تیرتی چلی جاتی ہے۔" ہاں تو مال اُم پڑا ہے "
"اب اسے ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لے کر" لسے ڈھونڈھنے میں کوئی شیشہ گر کر چھَن سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک کِرچ میرے پپوٹے پر سوئی کی طرح لگتی ہے۔ آنکھیں مَل کر اُٹھ بیٹھتا ہوں۔

ارے ابھی تو آنکھ لگی تھی !

کرن غائب- چور ناپید

پھر کروٹیں بدل کر، دماغ کی گرد جھاڑ کر آنکھیں موندلیتا ہوں۔ پھر دم کے دم میں وہی کھٹر پھٹر !
کیوں جی ہمارا مُلک اگر ایسا ہی (Passive) (بے عمل) ہے تو یہ گجرات جیسے صلح پسند خطّے میں کیا ہو رہا ہے ؟ اسکولوں، کالجوں کے بچّے! فوج کی سنگین تک سے نہیں ڈرتے یہ بچّے ! تو کیا مزدور طبقے کے بجائے اب سیاسی رہنمائی درمیانی طبقے کے ان نوجوانوں کے ہاتھ میں جانے والی ہے؟ انقلابِ فرانس سے پہلے ... مگر پیرس کمیون کے وقت تو ... گیری بالڈی نے ایک بار کہا تھا ... کارل مارکس نے اٹلی اور ہندوستان میں کیا کیا مشترک خصوصیات جتائی تھیں بھلا ؟ ؟ اِطالیہ، ہائے اطالیہ، آننا میدولینا، تم کہاں ہو ؟ اُسی چوراہے پر جہاں مسولینی نے قوم کو رومِ قدیم کی عظمت یاد دلائی تھی؟
ـــــ اسی چوراہے پر ایک لاکٹ کے پانچ ہزار لیرا بتا کر پانچ سو میں بیچتی پھرتی ہو ؟ تمہیں خبر ہے آننا ـ حضرتِ ایّوب کے صبر کا پیمانہ اُس دن چھلک گیا تھا جب اُن کی پاکباز بیوی نیم جاں شوہر کی خاطر زُلفوں کی ایک لَٹ قصّاب کے ہاتھ بیچ کر آئی تھی ... ؟

ارے وہ روم کے خوبصورت بچّے ! ذہین اور روشن آنکھوں والے پھُرتیلے بچّے، پیوند اور چیتھڑے لگے بچّے، جب ایک ننّھی سی جان نے میری طرف چاکلیٹ کے لئے ہاتھ پھیلایا تو ماں نے کس زور سے طمانچہ مارا تھا ـ حرامزادی !

حرامزادی چُپ !

چوپ : نہیں تو گلا گھونٹ دوں گا !

پانچ منزل نیچے گلی میں ڈرائیور تڑاتڑ اپنی کمسن بچّی کے دو ہنٹر رسید کرتا ہے اور وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگتی ہے۔ یہ شخص برسوں پہلے میرے ایک اینگلو انڈین ہمسائے کا ڈرائیور تھا۔ مالک چلا گیا۔ یہ ریٹائر ہوگیا۔ پنجاب کی طرف کا ہے۔ بال پک گئے، عمر ہوگئی۔ کام دھندا ملتا نہیں۔ بچّی صبح سویرے رتن سنگھ کی ڈیری کے سامنے کھڑی ہوجاتی ہے کہ ایک نہ ایک دن اُسے بھی خیرات میں دوُدھ مل جائے گا۔ یہاں صبح ہوتے ہوتے دوُدھ بِک چکتا ہے، خیرات میں نہیں بٹتا۔ بیوی کبھی کبھی رات گئے گھر لوٹتی ہے۔ دوُدھ کے لئے پیسے نہیں بچتے۔ پوڈر، لپ اسٹک میں

نکل جاتے ہیں ۔ تھکا ماندہ ڈرائیور نشے میں دُھت پڑا رہتا ہے۔ چونکتا ہے تو بیوی کی ڈانٹ سُن کر، بچی کے منھ پر طمانچے مارنے اور ہمسایوں کو سڑی ہوئی گالیاں دینے کے لئے۔

چُپ رہو ــــ کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لو۔ روئی بھر لو۔

" ارے سو گئیں کیا ؟ تم سے کتنی بار کہا بیوی کہ سونے سے پہلے میرے تکیے کے نیچے روئی رکھ دیا کرو ۔ پانی کا گلاس تک رکھنا بھول گئیں ؟ حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں ۔"

دور سمندر کنارے سے دھوبیوں کے گلے کی صدائیں گونج رہی ہیں ــ دھمے چھوٗاں ــ چھوٗ!

ایک ! دُو !! تین !!!

قلابہ گیری سُن کا گھنٹہ بجا ۔ ابھی رات باقی ہے۔

میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں، اب آنکھوں کے پردے پر تصویریں چل رہی ہیں ۔ رنگ بدل رہے ہیں ۔ دستوئیفسکی انگلی اُٹھائے بیلنسکی سے کچھ کہہ رہا ہے اور وہ مُڑ کر مجھ سے حساب طلب کرتا ہے ۔

امام جعفر صادق نے فرمایا تھا کہ سونے سے پہلے اپنے دن بھر کے اعمال کا حساب کیا کرو ۔ لو، کر لو حساب : کیا مجال جو پھر سو سکو ۔ دن بھر میں کیا کمال کر کے دکھایا، جو رات کو آرام کا حق مل جائے ؟ حساب کی پیچدار گلیوں میں بھٹکتے ہوئے دو گھنٹے اور نکل گئے : دیکھ لیا ! باہر کمرے میں جوتوں کی جو الماری رکھی ہے نا ، اس کے ایک ایک خانے میں ایک ایک فکر کی پُڑیا باندھ کر رکھ دیا کرو ــ اور پھر ہاتھ دھو کر بستر کا رُخ کیا کرو ــ تب شاید نیند آجائے !

کل سے یہی کریں گے ۔ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری ۔ افکار کی پڑیاں باندھ کر (بات تیرے کی ؛) جوتوں کی الماری میں بند کر کے آگے سے تالا ٹھونک دیا کروں گا ۔ نہ مال ہوگا ، نہ چور آئے گا ۔

سورج کو عبادت کا درجہ دینے والے ! میرے حال پر رحم کر ۔ یہ چوٹے تو مال گودام میں رات بھر کھٹر پٹر کیا کرتے ہیں ــ یہ نقاب پوش، دیدہ دلیر خیالات ! میں تفکّر سے باز آیا !

لالہ زار

خواجہ صاحب* نہیں مانے ؛ نہایت ادب سے، دبی زبان سے عرض کیا تھا کہ صاحب، اُردو ادیب ہونا کونسی عزّت کی بات ہے جو آپ جیسا نیک سیرت، بلند طینت اور معزز آدمی یہ بارِ اَمانت ڈھوتا پھرے! لاحول بھیجئے !

خواجہ صاحب اُردو والوں کو روتا بسورتا نہیں دیکھ سکتے ، سال دو سال میں ایک ظریفانہ کتاب (حرکت !) کر گزرتے ہیں ۔ اس بار میں اُن کے دفتر سے تیسری کتاب " لالہ زار" لے آیا - لایا تو پڑھی ۔ پڑھی تو

ہنسا، ہنسا تو پھنسا ۔ بیوی نے چہرے پر غیر معمولی بشاشت پائی تو اُن کے دل میں نئے وسوسے جاگے ۔ ہے رام! ہے بھگوان : آم کے بُڈھے پیڑ سے بیاہ دیا مجھے، کہ پھل آئے ، نہ آئے ، لیکن گرمیاں آتے ہی بور ضرور پڑے گا ۔ اپریل کی تپتی دوپہر میں یہ بشاشت ! ضرور کوئی شرارت سوجھی ہوگی میاں کو ۔

رات گئے ، جب کتاب اور روشنی بند کی تو خیال آیا کہ یہ لفظ چار زبانوں میں آیا ہے ، چاروں میں تلفظ ایک ، معنی الگ الگ : پشتو میں بڑے بھائی یا بھائی صاحب یا جناب ؛ فارسی میں وہ کشادہ سرخ پھول جس کے سینے میں سیاہ داغ ہوتا ہے ۔ عربی میں (لؤلؤئے لالا) بڑا دمکتا ہوا موتی ، یا دُرِ شہوار ۔ اور پراکریت میں (جس سے اُردو ہندی نے لیا) لالہ ایک طرزِ تخاطب ہے حساب کتاب لکھنے والے ، دوکاندار پیشہ کے لئے ، بچّے کے لئے ، بچّے کے خدمتگار کے لئے ۔ ابوالفضل نے چار سو برس پہلے یہ لفظ بہی کھاتہ لکھنے والے کاتب کے لئے استعمال کیا ہے (آئینِ اکبری میں) ۔ سنسکرت میں یہ لفظ موجود نہ تھا ، عجب نہیں کہ افغانوں نے وقتِ ضرورت یہاں کے دیسی دوکانداروں اور مہاجنوں کو اسی طرح خطاب کیا ہو ۔ (قرض اُدھار مانگتے وقت سپاہی بچّے کو بھی ادب سے بات کرنی پڑتی ہے) تب سے 'لالہ جی' چل پڑا ۔ اسی سے لالہ بھائی اور لالہ صاحب ! جب حاکم لوگ کسی کو لالہ جی کہہ کر پکاریں تو بچّے بھی باپ کو اسی خطاب سے نوازتے ہیں ۔ (مثال کے لئے ملاحظہ ہو لفظ " بابو جی" کی تاریخ) چنانچہ غیر مسلم والدِ بزرگوار بھی " لالہ جی" کہلائے ۔ لالہ جی تھلے پر بیٹھے بیٹھے ایسے پھولے کر موٹے اور بے ڈول آدمی کو بھی اسی خطاب سے پہچانا جانے لگا ۔ بچّے اپنی توتلی زبان میں لہک لہک کر پھبتی کستے ہیں :

لالہ جی تو پلپلے
بھوکولے کے گل پلے (گر پڑے)

انگریزوں نے اپنے یہاں کے غیر مسلم کلرکوں کو اتنا 'لالہ لالہ' کہا کہ انگریزی ادب تک یہ لفظ جا پہنچا ۔ اُنیسویں صدی کے وسط کی ایک انگریزی کتاب Society of India میں لالہ جی یوں جلوہ افروز ہیں :

"... Where there are no tigers, the lalla becomes a shikaree"...

---

* اشارہ ہے خواجہ عبدالغفور صاحب کے مجموعۂ مضامین کی طرف ، جو حال میں نفاست کے ساتھ شائع ہوا ہے ۔ (ق ا)

چنانچہ ہندوستان میں لفظ "لالہ" زیادہ تر اِنہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اُردو میں کئی محاورے لالہ جی کے کُرتے میں ٹنکے ہوئے ہیں مثلاً :

لالہ جی کا گھوڑا، کھائے بہت چلے تھوڑا

اُس آدمی کو کہتے ہیں جسے کام نہ دھام، پڑے پڑے کھائے اور محنت کے نام سے گھبرائے۔

فارسی ادب میں یہ لفظ Tulip پھول کے لئے بہت زمانے سے استعمال ہورہا تھا، اسی کے ساتھ کئی ترکیبیں بھی۔

لالہ رُو، لالہ رُخ، لالہ گوں، لالہ فام، لالہ رنگ، لالہ زار، لالۂ صحرائی، لالۂ عباسی وغیرہ۔

"لالہ زار" تہران میں ایک سڑک کا نام بھی ہے جس کے دونوں طرف رنگا رنگ یوروپین پھولوں کی ریشں چلی گئی ہے۔

ساڑھے چھ سو برس پہلے حافظ (شیرازی) نے اس لفظ سے بہت کام لیا تھا:

ساقی حدیثِ سرو و گُل و لالہ می رَوَد

حافظ کے اس مصرعے میں تو "لالہ" اُس کنیز کے نام کی طرف اشارہ ہے جو بنگال کے پٹھان بادشاہ (غیاث الدین) کے یہاں خاص خدمت پر مامور تھی۔ ویسے دوسرے درجے کی لڑکیوں کے نام "لالہ" رکھنے کا رواج وسطِ ایشیا (خصوصاً تاجیک اور اُزبک قوموں) کی طرح یہاں بھی عام ہو گیا تھا، اب نہیں رہا۔

گلاب تو رنگ برنگے ملتے ہیں، سُرخ، پیازی، آبی، زرد، سیاہ، سفید، لیکن لالہ صرف سُرخ ہوتا ہے، جس طرح بنفشہ سیاہی مائل سرخ رنگ۔

ورنہ نظامی گنجوی (۱۲ویں صدی) کیوں کہتا ؟

من کہ سرسبزیم نماند چو بید

لالہ زرد و بنفشہ گشت سفید

عمر خیام سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے:

ہر جا کہ گلے و لالہ زارے بودست

از سُرخیِ خونِ شہریارے بودست

ہر جا کہ بنفشہ از زمیں می رُوید

خالیست کہ بر رُخِ نگارے بودست

سبھی فارسی اُردو شاعروں نے لالہ کی تازگی، سُرخی یا خونیں کفن یا داغِ دل ہونے کی صفت سے رشتہ جوڑا ہے، البتہ اقبال نے اس لفظ سے ایک پیکر تراشا ہے۔ شاعرانہ پیکر :

منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی

"پیامِ مشرق" جو فارسی شاعری میں اقبال کا ایک شاہکار ہے اور افغانستان کی آزادی کے ترجمان **امان اللہ خان** سے منسوب، اس کے پہلے حصے کا عنوان ہے : "لالۂ طور" ۔ غالباً امان اللہ خاں کی نسبت سے جو پہاڑوں پر کِھلے، اور سینے پر داغ لئے ہوئے رخصت ہو گئے۔ آخری مجموعے "ارمغانِ حجاز" سے بھی اس پہلو کی تائید نکلتی ہے :

متاعِ من دلِ درد آشنائیست

نصیبِ من فغانِ نارسائیست

بخاکِ مرقدِ من لالہ خوشتر

کہ ہم خاموش و ہم خونیں نوائیست

"خاموش و خونیں نوا" ہونا لالہ کی خصوصیت ہے، میری قبر پر یہی پھول کِھلے تو بہتر۔

"لالہ" اقبال کے ہاں ایک شاداب سُرخ پھول نہیں بلکہ

کہا لالۂ آتشیں پیرہن نے

کہ اسرارِ جاں کی ہوں میں بے حجابی

یعنی پیرہن آتشیں، دل پُرسوز۔

تصویر ہمارے دلِ پُرخوں کی ہے لالہ

لالہ اور لالہ زار اقبال کی شاعری میں جا بجا پہلو بدل بدل کر آیا ہے۔ بعض مقامات پر تو اس طرح آ گیا ہے کہ اگر کسی کو اقبال کی شاعری کا مزاج نہ معلوم ہو تو وہ لالہ کو لالہ جی ہی سمجھے اور کہیں لالہ جی کو یہی سمجھا بھی دے تو آفت آجائے۔ مثلاً

مری نوا سے گریبانِ لالہ چاک ہوا

نسیمِ صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی

جس لالہ کا گریبان شاعر کی صدائے احتجاج سے چاک ہوا وہ لالہ اُدھار دینے والے نہیں، بلکہ وہ شخص ہے جو کسی بڑے مقصد پر اُدھار کھائے بیٹھا ہو، جس کے سینے میں آگ سُلگ رہی ہو، لگن ہو، جوش ہو۔ مگر اُس لالہ کی دُم میں "زار" نہیں لگتا۔ وہ خود زار و نزار ہو جاتا ہے۔

●●

پرتپال سنگھ بیتاب
قلم ادب کی زباں ہے قلم ادیب کی روح
قلم چراغِ شبِ غم ہے روشنی کے لئے
قلم کہ شیوہ ہے جس کا بیانِ عدل وحق
قلم کہ جو ہے محافظ حقوقِ مفلس کا
قلم کہ مفلس و بےکس کا ترجماں ہے جو
قلم کہ جو نہیں محتاج شہریاروں کا
قلم جو ظلم و ستم سے ہے برسرِ پیکار
قلم جو اکبر و اصغر کے فرق سے ہے دور
قلم جو مذہب و ملت کے فرق سے ہے پرے
قلم جو قوم و وطن کی حدود سے باہر ہے
قلم سے نغمے وفاؤں کے چھیننے والے
قلم سے چین نہ پائیں گے اس کی آزادی
قلم جو اٹھے گا تلوار کو جھکائے گا
قلم جو زندہ ہے وہ انقلاب لائے گا:
چپکے آئی ہو دبے پاؤں سحر آخرِ شب
بجھ گئی شمع کی مانند نظر آخرِ شب
دوسری کوئی نہ تھی راہِ مفر آخرِ شب
آنکھ تک آ ہی گیا خونِ جگر آخرِ شب
علیم مسرور

جی ہاں مجھے اس کاروبار کا بھی پورا تجربہ ہے،
ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ سوالیہ نشان والی لکڑیاں کس کام آتی ہیں؟

ماڈرن ہیئر کٹنگ سیلون

غزل

خمار بارہ بنکوی

گزرا شباب دل کو لگانے کے دن گئے — جشنِ نیاز و ناز منانے کے دن گئے

خوفِ خدا نے پاؤں میں زنجیر ڈال دی — کوئے بتاں میں ٹھوکریں کھانے کے دن گئے

نظروں کو تاک جھانک کی عادت نہیں رہی — بے اختیار جلوے چرانے کے دن گئے

دل کے معاملات پہ بحثیں ہوئیں تمام — ناصح کو ہمخیال بنانے کے دن گئے

فرصت ملی بفضلِ خدا احتیاط سے — روئے بغیر اشک بہانے کے دن گئے

افشائے رازِ عشق کا خطرہ نہیں رہا — دھمکی میں رازداروں کی آنے کے دن گئے

اب مرثیے زباں پہ ہیں انجامِ شوق کے — آغاز کے قصیدے سنانے کے دن گئے

اچھا ہوا کہ سر سے بلا ٹل گئی خمار
کمبخت دل کے ناز اٹھانے کے دن گئے

مضطر نظامی

ئی کچھ دیر میرا غم لے لے
رگی تھک گئی ہے دم لے لے

ت جب شیشۂ کرم لے لے
ئی تصویرِ رنج و غم لے لے

تراشے بصیرتوں کے چراغ
مری روشنئ غم لے لے

ریا آئیں خود بخود آنکھیں
رے غم کی کوئی قسم لے لے

ننگِ حالات کا تقاضا ہے
شہ بردوش بھی قلم لے لے

ہتا ہوں میں گفتگو کرنا
ئی خاموشئ صنم لے لے

غم ہے زندگی میری
ئی تحریرِ چشمِ نم لے لے

ل ارتقاء سے جو گذرے
احساس کم سے کم لے لے

مہاراشٹر میں اصلاحاتِ اراضی

اصلاحاتِ اراضی ہماری ترقی پذیر سوسائٹی میں بڑی معاشی اور سماجی اہمیت کی حامل ہیں جس سے زراعتی پیداوار کے لئے ضروری ڈھانچہ مہیا ہوتا ہے نیز تقسیم اراضی میں فرق دور کرنے میں مدد ملتی ہے اور آبادی کے کمزور طبقات کو انصاف ملتا ہے۔ ریاستی حکومت نے مختلف قانونی اور عملی اقدامات کے ذریعہ ریاست اور کسان کے درمیان 'بیچ کے آدمی' کو ختم کردیا ہے۔ ان اقدامات کے باعث دستیاب اراضی بے زمین مزدوروں کی بازآبادکاری میں صرف کی گئی ہے۔ ملکیت اراضی کی یکجائی سے بھی کاشتکاری کی بہتری میں مدد ملی۔

آزادی سے قبل ہمارے سماج کے زراعتی ڈھانچہ میں مختلف لگان داریاں موجود تھیں جس کے باعث ریاست اور اصل کسان کے درمیان "بچولی" پیدا ہو گئے تھے۔ کاشتکار ماتحت لگاندار تھا۔ جسے نہ کوئی ضمانت حاصل تھی نہ کھیتی باڑی کو سدھارنے کے لئے کوئی محرک تھا۔ 'بچولی' یعنی زمیندار' وطن دار اور جاگیردار وغیرہ کاشتکار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔

گذشتہ ۲۵ سال کے دوران ریاستی حکومت نے اصلاحات اراضی کے لئے' متعدد قانونی اور 'عملی' اقدامات کئے ہیں۔

درمیانی واسطے کا خاتمہ

حکومت نے بتدریج انعام کے خاتمہ کی کارروائی شروع کی۔ اب تک 'دیواستھان' انعام کے سوا تمام انعامات اور لگان داریاں ختم کی جاچکی ہیں۔ ان لگان داریوں اور انعامات کے خاتمہ کے باعث ۴۶,۷۸,۰۷۹ ہیکٹر اراضی رعیت واری بنا دی گئی۔

اراضی لگانداری خاتمہ کے قوانین کے مطابق یہ اراضی ان اشخاص کو جو مالک تھے معمولی قبضہ قیمت کی ادائیگی پر دوبارہ دی جاتی ہے۔ ان قوانین کی رُو سے ایسی اراضی جوکسی فرد کی ذاتی ملکیت نہیں ہے نیز جس پر کوئی فرد حق نہیں رکھتا ہے سرکاری قرار دی گئی ہے۔ قوانین کے تحت مقررہ مدت میں قبضہ قیمت کی عدم ادائیگی پر بھی اراضی حکومت کے قبضہ میں آجائے گی۔ ایسی اراضی صرف ان اشخاص کو دی جاتی ہے جو اصل قبضہ دار ہیں۔ حکومت کی تحویل میں اراضی اصل مالک کو اگر کوئی ہو' یا عوامی مقاصد کے لئے' دی جاتی ہے۔ ان اقدامات کے باعث تقریباً ۱۵,۰۸,۹۰۸ ہیکٹر اراضی حکومت کی تحویل میں آئی۔

لگانداری قوانین

ریاست کے تین خطہ جات میں تین مختلف قوانین لگان داری لاگو ہیں یعنی بمبئی لگان داری اور زراعتی اراضی ایکٹ، ۱۹۴۸ء مغربی مہاراشٹر کے علاقہ میں' حیدرآباد لگانداری اور زراعتی اراضی ایکٹ ۱۹۵۰ء مراٹھواڑہ علاقہ میں' اور بمبئی لگان داری اور زراعتی اراضی (خطہ ودربھ) ایکٹ ۱۹۵۸ء ودربھ علاقہ میں نافذ ہے۔ یہ قوانین کم وبیش یکساں ہیں۔

مغربی مہاراشٹر میں یہ اصلاحی قانون یکم اپریل ۱۹۵۷ء ودربھ میں یکم اپریل ۱۹۶۱ء اور یکم اپریل ۱۹۶۳ء اور مراٹھواڑہ میں ۱۹۵۶-۵۷ء اور ۱۹۶۵ء میں معینہ تاریخوں سے لاگو ہوا۔ چنانچہ ۳۰ ستمبر ۱۹۷۳ء تک ۱۲,۸۵,۵۷۷ ہیکٹر اراضی کے معاملے میں ۱۱,۰۷,۱۹۰ لگان دار مالک قرار دئے جاچکے ہیں لگان داروں کو لازمی خریداری اراضی حق دیتے وقت زمینداروں کو آخری موقع دیا گیا کہ وہ ذاتی کاشت کے لئے' اپنی اراضی لے لیں۔ دوبارہ حصول اراضی کے لئے' داخل کی گئی ۳,۶۵,۰۴۷ درخواستوں میں سے ۳,۶۴,۲۹۴ درخواستوں پر ۳۰ ستمبر ۱۹۷۳ء تک فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ ۸,۴۹,۲۶۱ زمیندار اپنی اراضی دوبارہ حاصل کرچکے ہیں جس کا رقبہ ۱,۹۲,۶۷۲ ہیکٹر ہے ان اعداد وشمار سے واضح ہو جاتا ہے کہ ریاست میں لگاندار قوانین کی عمل آوری تکمیل کے قریب ہے۔

ملکیت اراضی کی حد بندی

زراعتی ملکیت کی حد بندی قومی پالیسی قرار دی جا
لی ہے ۔ مہاراشٹر زراعتی (ملکیت حد بندی) ایکٹ
بت ۱۹۶۱ء جس میں زراعتی ملکیت کی حد بندی یا
یادہ سے زیادہ حد مقرر کی گئی ہے ۲۶ رجنوری ۱۹۶۲ء
ے نافذالعمل ہے۔ اس ایکٹ کے تحت آبپاشی
اضی دو فصلوں اور ایک فصل میں دو والی آبپاشی
منی ہے اور اس پر بالترتیب ۱۸، ۲۷ اور ۴۸
ڑ (یعنی تقریباً ۲،۷، ۸،۱۰ اور ۱۹،۲ ہیکٹر)
حد مقرر کی گئی ہے۔ خشک فصل اراضی کے معاملہ
ے مقامی علاقہ جات کے ۷ ضلع اقسام ہیں اور
بندی ۶۶، ۷۲، ۸۴، ۹۶، ۱۰۸، ۱۱۴ اور
۱۱ ایکٹر (یعنی تقریباً ۲۶،۷، ۲۸،۸، ۳۳،۶
۳۸،۴، ۴۳،۲، ۴۵،۶ اور ۵۰،۴ ہیکٹر)
ی گئی ہے۔

ایکٹ کے آغاز سے ۵۳ ، ۱۶ مالکان نے
بندی رقبہ سے زائد اراضی کے تعین کے لئے
شہ جات داخل کئے ہیں۔ ان میں سے ۱۶۵۳۲
معاملہ میں چھان بین ہو چکی ہے اور ۱۱۰،۴۴۰
کٹر اراضی زائد قرار دی گئی ہے۔ اس رقبہ میں سے
۲۴، ۰ ہیکٹر اراضی جو جائنٹ اسٹاک شکر
یوں کی اراضی میں سے فاضل قرار دی گئی ہے،
راشٹر اسٹیٹ فارمنگ کارپوریشن کو دی گئی ہے۔
۱، ۴۲ ہیکٹر اراضی ۸۲۲، ۱۴ ، ۱ بے زمین اشخاص
۵ ، ۷ سوسائٹیوں کو تقسیم کی گئی ہے۔ کچھ اراضی
امتناعی وغیرہ میں ملوث ہے اور بقیہ تقسیم کی جا
ہے۔

قومی پالیسی سے مطابقت کے تحت اس ریاست
اگست ۱۹۷۲ء میں ایک بل پاس کیا جس کا مقصد
ن کی حد میں کمی کرنا تھا۔ اس پر صدر ہند کی منظوری
نتظار کیا جا رہا ہے۔ اس بل میں کوئی تفریق نہیں
ئی چاہے وہ زمین سرکاری ذرائع سے سینچی
ہو یا نجی ذرائع سے۔ پہلے جو زمین بہاؤ کے
ذریعہ سینچی جاتی تھی اس کی حد ۱۸ ایکڑ مقرر کی گئی،
جو زمین لفٹ یا کنویں سے یا دو فصلوں میں بہاؤ
کے ذریعہ سینچی جاتی تھی اس کی حد ۲۷ ایکڑ مقرر
کی گئی اور جو زمین ایک فصل میں بہاؤ کے ذریعہ
سینچی جاتی تھی اس کی حد ۳۶ ایکڑ مقرر کی گئی۔
خشک فصل والی زمینوں کے معاملہ میں کوکن اور دوسرے
اضلاع کے دھان والے علاقوں میں حد ۳۶ ایکڑ
اور کوکن اور دوسرے اضلاع کے دوسرے خشک
علاقوں میں ۵۴ ایکڑ اور دوسری خشک فصلوں
والے علاقوں میں ۵۴ ایکڑ کی حد مقرر کی گئی ہے
امید کی جاتی ہے کہ حد بندی کے اس قانون کی رو
سے تقریباً ۵۰ء۱ لاکھ ہیکٹر اراضی فالتو قرار دی
جائے گی جو کہ بے زمین اشخاص کے درمیان تقسیم
کی جائے گی۔ ایکٹ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس
میں ایک گنجائش رکھی گئی ہے کہ اس فالتو اراضی
کا ۶۰ فیصدی حصہ مندرجہ جاتیوں، مندرجہ
قبائل ، خانہ بدوش جاتیوں، ومکت جاتی اور
دوسرے پسماندہ ذاتوں کے بے زمین لوگوں کے لئے
محفوظ کیا جائے گا۔

زمینوں کی چک بندی

زمینوں کی چک بندی کی مہم کے دوران کاشتکاروں
کی ادھر ادھر پھیلی ہوئی زمینوں کو یکجا کیا گیا اور
ایک یا زیادہ بڑے بلاک کی شکل دی گئی تاکہ بہتر
کاشتکاری ہو سکے۔ اس طرح جو بڑی رقبہ کی
زمین بنی اس نے زمین مالکان کو زمین سدھارنے
کے لئے راغب کیا۔ ریاست کے تقریباً ۳۵۰۰۰
گاؤں میں چک بندی کا کام مکمل ہو گیا ہے جس
کے تحت ۱۰۱،۷۰ لاکھ ہیکٹر اراضی آئی ہے۔ یہ
اسکیم مغربی مہاراشٹر میں پوری طرح سے یکم اپریل ۱۹۵۰ء
میں اور ودربھ اور مراٹھواڑہ علاقوں میں یکم اپریل
۱۹۵۹ء میں شروع ہوئی۔ اس اسکیم کا نفاذ ۳۰ ستمبر
۱۹۷۳ء تک ۹۲،۹ لاکھ ہیکٹر کا علاقہ رکھنے والے
۹۰۱۴ گاؤں میں ہو چکا تھا۔ بقیہ کام امید ہے کہ
آئندہ بارہ سے تیرہ سال کے دوران مکمل ہو جائے گا
اور نفاذی مشینری کو زیادہ مضبوط کرنے کے اقدامات
کئے جا رہے ہیں۔

سرکاری بیکار زمین کی تقسیم

ریاست کی تشکیل کے بعد موجودہ بیکار سرکاری
زمینوں کو کاشتکاروں کے لئے بے زمین افراد میں
تقسیم کرنے کے مناسب اقدامات کئے گئے۔ اس
مقصد کے لئے خصوصی قوانین وضع کئے گئے جس میں
زمین کے الاٹمنٹ کے لئے مناسب طریقہ کار متعین
کیا گیا۔ مقامی بے زمین آبادی کو سرکاری بے کار
زمین حاصل کرنے کے کافی مواقع فراہم کرنے کی
مدنظر اصل ترجیحات ۱۹۷۱ء میں دوبارہ شروع کی
گئیں۔ اس کے علاوہ کاشتکاری کے لئے جنگلاتی زمین
کا کافی بڑا حصہ مہیا کیا گیا۔ یکم مئی ۱۹۶۰ء سے
۳۰ ستمبر ۱۹۷۱ء کی مدت کے دوران ۸،۴۹۸ ہیکٹر
بے کار سرکاری اور جنگلاتی زمین ۱۳۰۰۴۳۱ لوگوں
میں تقسیم کی گئی۔ اس میں سے تقریباً ۲۷ فیصدی
زمین پسماندہ طبقات میں تقسیم کی گئی۔ اسکے علاوہ
دس ہزار ہیکٹر اراضی محفوظ کی گئی تاکہ ۱۹۷۱ء
میں ہندوپاک جنگ کے دوران کام آنے والے
جوانوں کے خاندانوں میں تقسیم کی جاسکے۔

بے زمین مزدوروں کی باز آبادکاری

حکومت نہ صرف بے زمین افراد کو کاشتکاری کے
لئے زمین ہی دے رہی ہے بلکہ ان کو مختلف قسم
کی امداد بھی دے رہی ہے تاکہ انکی مستقل باز آبادکاری
بھی ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے دو اسکیمیں
یعنی "جنگلاتی اراضی پر زراعتی مزدوروں کی باز
آبادکاری" اور "زراعتی مزدوروں کی آدرش
بستیاں تعمیر کرنے کی اسکیم" بھی زیر عمل لائی جا رہی
ہے۔ پہلی اسکیم کا نفاذ ۱۹۶۵-۶۶ء میں شروع ہوا۔
۱۹۷۲-۷۳ء کے مالی سال کے اختتام تک ۲۹۷۵،۷
ہیکٹر جنگلاتی اراضی پر ۵۳،۰۶۰ء۳۶ لاکھ روپے کے
صرفہ سے ۲۴،۰۴۴ خاندانوں کو بسانے میں مدد کی

گئی تھی۔ پانچویں منصوبے میں اس اسکیم کے لئے ۱۰۱.۷۶ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ ۴۴،۴۶ ہیکٹر اراضی پر کاشتکاری کے لئے ۱۶۷۰ خاندانوں کو بسایا جائے گا۔ دوسری اسکیم پر عمل آوری ۶۹-۱۹۶۸ء مالی سال سے شروع ہوئی اور ۷۲-۱۹۷۱ء کے اختتام تک ۴۲۶.۰۵ لاکھ روپے کے صرفہ سے ۲۵ آدرش بستیاں قائم کی گئیں حکومت پانچویں منصوبہ میں مزید دس آدرش بستیاں قائم کرنے کی تجویز رکھتی ہے جس سے ۵۰۰ خاندانوں کو فائدہ ہوگا۔

بے زمین دیہاتیوں کے گھروں کیلئے جگہ

حکومتِ مہاراشٹر نے دیہی علاقوں میں لوگوں کو گھروں کے لئے جگہ فراہم کرنے کی مشکلات کو مناسب اہمیت دی ہے۔ ۱۹۶۱ء سال میں ریاستی حکومت نے گاؤ ٹھانوں کی توسیع کا ایک دس سالہ پروگرام شروع کیا کیونکہ بڑھتی ہوئی آبادی سے پرانے گاؤ ٹھانوں میں گنجائش بہت کم رہ گئی تھی اور ساتھ ہی یہ بات بھی مدنظر تھی کہ خانہ بدوش قبائل کو مستقل بستیوں میں بسایا جاسکے اور سیلاب سے متاثرہ یا متاثر ہونے کے اندیشے والے گاؤں والوں کو دوسری جگہ فراہم کی جاسکے۔ اس اسکیم کی ۷۱-۱۹۶۱ء کی مدت کے دوران ۷۷.۵۷ لاکھ روپے کے صرفہ سے ۶۵۰۰ موضع جات میں کام کیا گیا۔

حال ہی میں حکومت ہند نے دیہی علاقوں میں بے زمین مزدوروں کو مکانات کے لئے جگہ فراہم کرنے کی اسکیم شروع کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت ریاستی حکومت نے پانچویں منصوبہ کے اختتام تک پانچ لاکھ خاندانوں کو مکان کے لئے جگہ فراہم کرنے کی تجویز رکھی ہے۔ ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۷۳ء تک تقریباً ۱،۸۷،۶۱۴ مکانوں کے لئے جگہ کا الاٹمنٹ ہوچکا تھا۔ ان میں ۱۳،۶۷۸ جگہیں پسماندہ طبقات کے لوگوں کو دی گئیں۔

زمین سدھار کا اثر

ہماری ریاست میں تقریباً ۲۵ سال سے زمین سدھار کے مختلف اقدامات پر عمل آوری کی جاتی رہی ہے بالکل صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ ان اقدامات کا ریاست کی زراعتی پیداوار پر کیا اثر پڑتا ہے۔ بہرحال یہ تو بلا شبہ کہا جاسکتا ہے کہ زمین سدھار اقدامات نے زراعتی پیداوار میں اضافہ کے لئے کاشتکاروں کی زبردست حوصلہ افزائی کی ہے اور اس کے نتیجہ میں سماجی انصاف میں توسیع کے مقصد کے حصول میں کافی مدد ملی ہے لگ بھگ ۶۰ لاکھ ہیکٹر اراضی زمین سدھار اقدامات کے تحت لائی گئی جو کہ کل ملکیت کا تقریباً ۲۸ فیصدی ہوتا ہے۔ زمین سدھار اقدامات کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ کاشتکاروں کو زمین کا اصل مالک بنایا جائے۔ یہ مقصد کافی حد تک حاصل کیا جاچکا ہے۔ 'زمین کاشتکار کی ہو' یہ پالیسی ریاست میں ایک حقیقت بن گئی ہے۔ ●●

ناندگاؤں اُردو اسکول میں بچت اسکیم کا کامیاب جلسہ

ناندگاؤں اُردو فل پرائمری اسکول میں ۱۴۳ طلباء تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ جنھوں نے پوسٹ آفس کے بچت بینک میں ۱۴۳ کھاتے جاری کرکے کُل چھ ہزار چالیس روپے تیس پیسے جمع کئے۔ (یعنی یہ اسکول سو فیصدی بچت اسکیم میں شامل ہوا) اس خوشی میں پنچ کردشی کے صدر صاحب معلم صاحب گھولے کی رہبری میں ایک جلسہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ منعقد کیا گیا جسکی صدارت مروڈ پنچایت سمیتی کے سبھاپتی کھیڈیکر صاحب نے کی۔

مہمان خصوصی قلابہ ضلع پریشد کے صدر جناب محمد حسین وانگاہے صاحب' سی۔او صاحب ضلع پریشد ایجوکیشنل انسپکٹر صاحب ضلع قلابہ، سبھاپتی سماجی وبہبودی قلابہ ضلع پریشد بھی تھے۔

تلک

مولانا حسرت موہانی

اے تلک اے افتخارِ جذبۂ حُبِّ وطن!   حق شناس وحق پسند وحق یقین وحق سخن

تجھ سے قائم ہے بنائے آزادیٔ بےباک کی   تجھ سے روشن اہلِ اخلاص وصفا کی انجمن

سب سے پہلے تو نے کی برداشت اے فرزندِ ہند   خدمتِ ہندوستاں میں کلفتِ قید ومحن

ذات تیری رہنمائے راہِ آزادی ہوئی   ہے گرفتارِ غلامی، ورنہ یارانِ وطن

تو نے خودداری کا پھونکا اے تلک ایسا فسوں   یک قلم جس سے خوشامد کی مٹی رسمِ کہن

ناز تیری پیروی پر حسرتِ آزاد کو
اے تجھے قائم رکھے تادیر ربِّ ذوالمنن

ساغر نظامی

آشوبِ آگہی

کشتی ہے، تلاطم ہے نہ دریا ہے گذر جا
تو آپ ہی خود اپنا کنارا ہے گذر جا

ساحل ہے نہ طوفاں ہے نہ دریا ہے گذر جا
اک وحشتِ تخلیق کا دھارا ہے گذر جا

جس طرح ہیں بکھرے ہوئے سڑکوں پہ تماشے
گھر بھی ترا ایسا ہی تماشا ہے گذر جا

سرسوں کی طرح زرد یہ لٹکے ہوئے چہرے
ہر شخص یہاں اپنا جنازا ہے گذر جا

جیسے کسی اہرام کی نایاب ممی ہو !
جو چہرہ ہے وہ چہرہ بہ چہرا ہے گذر جا

نابینا و بے نطق و گراں گوش بہ قدرت
بپتا کے رو رو کے سناتا ہے گذر جا

یہ گرگ، یہ چیتے، یہ حسیں ناگ، یہ اژدر
تنہا ہے تو اس بھیڑ میں تنہا ہے گذر جا

وہ وقفۂ عاجل کہ خوشی نام ہے جس کا
اک لہرے ہوئے خواب کا سایا ہے گذر جا

امروز ہی جنجال تمنّا کا نہیں ہے
فردا بھی تمنّا ہی تمنّا ہے گذر جا

تو کتنوں کو توڑے گا کہ حلقے تو ہیں لاکھوں
جو سانس ہے وہ دامِ تمنّا ہے گذر جا

پھولوں بھرا آنگن تو جسے جان رہا ہے
اے دوست وہ تپتا ہوا صحرا ہے گذر جا

ہر دیں نے سپر ڈال دی میدان میں تھک کر
اور وحشتِ انساں کہ دوبالا ہے گذر جا

اِک دامِ تصور ہے جو خود ہم نے بُنا ہے،
دنیا ہے، نہ برزخ ہے، نہ عقبیٰ ہے گذر جا

جنت تری سرمستی، افکار کی تصنیف
دوزخ تری آہوں کا مقالا ہے گذر جا

امواج کی زنجیر میں جکڑے ہوئے قیدی
دریا تو ترے ساتھ ہی بہتا ہے گذر جا

کیوں شورشِ سیلاب سے تو کانپ رہا ہے
طوفان تو خود تو نے اٹھایا ہے گذر جا

ہے ترکِ تمنا ہی میں تکمیلِ تمنّا
گر حسرتِ تکمیلِ تمنّا ہے گذر جا

دنیا نہیں پرچھائیوں کا ایک جہاں ہے
اِک عشق ہی کیا حُسن بھی سایا ہے گذر جا

ناکامیٔ امروز پہ دم توڑنے والے !
اک سخت قدم اس کا مداوا ہے گذر جا

جو شے نظر آتی نہیں وہ ہے تری "حسرت"
جو کچھ نظر آتا ہے وہ مایا ہے گذر جا

کچھ اور بھی دُنیائیں ہیں اُن میں بھی سفر کر
یہ دَہر تو خود تیرا ہی قریا ہے گذر جا

کیا جانئے کب جاگ اُٹھے اور بپھر جائے
ہر شخص کے سینے میں گوریلا ہے گذر جا

ہر بوالعجبی، بولہبی، بوجہلی سے
سرمستیٔ دانش کا تقاضا ہے گذر جا

پَو پھٹتے ہی کرنیں تجھے کرلیں گی گرفتار
اس وقت اندھیرا ہی اندھیرا ہے گذر جا

تو بھی فقط اک منظرِ تحلیل ہے ساغر
ساقی ہے نہ مینا ہے نہ صہبا ہے گذر جا

ہر موڑ پہ شعلہ سا بھڑکتا ہے گذر جا
یہ آبلہ پائی کا کرشما ہے گذر جا

ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں

ایک شریف انسان

حیدر پٹھان

سیاسی زندگی میں سرگرم عمل افراد کی فتح و شکست، ناکامی یا محرومی کا اندازہ عام طور پر لوگ اُسی وقت لگا لیتے ہیں اور بعد میں وقت، محتسب کا روپ دھار کر تاریخ کے خانوں میں ان کی جگہ بنا دیتا ہے۔

مگر پُرسکون و خاموش خدمت گذار، اپنی لگن میں مست، کام کے پورے اور دُھن کے پکے افراد جو عوامی ذہن پر اپنی بڑائی کا کوئی پرتو یا سایہ نہیں ڈالتے مگر اپنے فرض کو نہ صرف خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں بلکہ اس میں وہ لگن پیدا کر دیتے ہیں جس کا تعلق مذہبی تقدس سے ہے، ان کے کام کا جائزہ اور عظمت کا احساس کٹھن ہے۔

ذاکر صاحب اسی دوسرے گروہ کے ایک ممتاز فرد تھے ذاکر صاحب کی شرافتِ نفسی کا بھی اس میں دخل ہے، نام و نمود کی ہوس کبھی ان کے پاس نہیں پھٹکی۔ شہرت اور سیاسی ہردلعزیزی، بہت سے لبادے اوڑھ کر ذاکر صاحب کے سامنے آئی، مگر انہوں نے اسے اپنا ہمسفر بنانے سے انکار کر دیا۔

ان کی کہانی "آخری قدم" میں نیک آدمی جو اپنے تمام نیک کاموں کی فہرست کتابِ امانت میں قلمبند کرتا رہا... اس کی خواہش تھی کہ مرتے وقت میں یہ کتاب چھوڑ جاؤں تاکہ وہ لوگ جو اسے بغیر جانے پہچانے اُس کا دل دُکھاتے رہے اس کے نیک اعمال کا جائزہ لیں اور بعد از مرگ اُسے پہچانیں اور یاد کریں۔

اور اب وہ وقت آ پہنچا جو سب کے لئے آتا ہے اور جس سے کوئی بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایسے کہ تھمتے ہی نہیں تھے۔ کتاب کی طرف ہاتھ بڑھا کر اُٹھانا چاہا، کئی مرتبہ کی کوشش کے بعد مشکل سے اٹھا پایا، پھر کچھ سوچ میں پڑ گیا... "یہ عظیم الشان گھڑی اور یہ چھوٹا خیال... ان کو شرمندہ کر کے تجھے کیا ملے گا؟ تو اپنا کام کر چلا، اپنے کام سے کام... منزل آخری آ پہنچی آخری قدم کیوں ڈگمگائے؟"

ذاکر صاحب اپنا کام کر کے چلے گئے... نام و نمود کے چھوٹے خیال کو، دوسروں کو شرمندہ کرنے کی کوشش کو کبھی اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ آخری گھڑی کے علاوہ بھی کتنی عظیم الشان گھڑیاں ذاکر صاحب کی زندگی میں آئیں مگر 'کتابِ امانت' یا نیک کاموں کا پلندہ اپنے ساتھ نہیں رکھا یا ان کے نزدیک اس کا وجود نہ تھا۔

اس وقت مجھے سکندر علی وجد کی وہ عظیم الشان نظم یاد آئی ہے جو انھوں نے جامعہ ملیہ کی عمارت کے مکمل ہونے پر آخری مرتبہ مزدور جاتے ہوئے دیکھ کر کہی تھی۔

> ہم نے نقشِ ہوسِ خام نہیں چھوڑا ہے
> کام چھوڑا ہے، کہیں نام نہیں چھوڑا ہے

ذاکر صاحب نے اپنے پیچھے اپنا کام چھوڑا ہے۔ نام و نمود کی خواہشِ خام نہیں۔ ظاہر ہے ان حالات میں مجھ جیسا عامی ذاکر صاحب کے متعلق بہت کم معلومات رکھتا ہے۔ میں نے تو انھیں دیکھا تک نہیں۔ مگر ذاکر صاحب کی کتاب "ابو خاں کی بکری اور دوسری کہانیاں" میرے سامنے ہے، اور ان ہی کے الفاظ میں ان کی قلمی تصویر کھینچ رہا ہوں۔ بقول ذاکر صاحب "کہانی اپنے کہنے والے کی اچھائی بُرائی کو بے تکلفی سے اپنے اندر لے لیتی ہے" اور پھر متانت و انکساری کے لہجے میں آگے فرماتے ہیں۔

"یہ کہانیاں آپ کو پسند آئیں تو سچ یہ ہے کہ انکی ساری خوبی رقیہ اور ریحانہ کی دین ہے۔ اگر طبیعت کو نہ بھائیں تو سمجھیں کہ میرے بیان نے انہیں بگاڑ دیا ہے۔"

یہ انکساری، یہ متانت، یہ شرافت کس کے حصہ میں آئی۔

مصور گجرال نے اس کتاب میں تصاویر بنائی ہیں۔ ذاکر صاحب ان کے متعلق کہتے ہیں۔

"مگر انھوں نے تصویریں بنا دیں۔ سچ یہ ہے کہ گجرال صاحب کو جو درجہ مصوروں میں حاصل ہے وہ مجھ جیسے لکھنے والوں میں بھلا کیسے نصیب ہوگا... اس لئے اب ایسا لگتا ہے کہ یہ کتاب میری نہیں ان کی ہے۔"

یہاں پھر دوسروں کے محاسن کو اُبھارا ہے، نہایت انکساری سے۔ اپنے کام کو دوسروں کے مقابلہ بڑا نہیں بتلایا۔ اپنی کتاب گجرال کی کر دی۔

"عقاب"
عمل: ستیش گجرال

یہ ایثار ذاکر صاحب ہی کا حصہ ہے۔ ہم تو مصنف کی تعریف اور تصویر دونوں دیکھتے آئے ہیں۔ یہاں تو دنیا نرالی ہے خوبیاں رقیہ ریحانہ کی، کتاب گجرال صاحب کی اور کہیں بگاڑ ہے تو ان کے بیان کا۔

کتاب چاہے گجرال صاحب کی ہو، کہانی رقیہ ریحانہ کی ہو، ذاکر صاحب کو اپنے کام سے کام تھا۔ کام کی حقیقت و راز کو وہ مقدم و مقدس جانتے تھے۔ کام ان کے لئے عبادت تھا۔

صوفی ازم کی تعلیم بھی ترک تیاگ ہے۔ ان جذبات کا تیاگ، خواہشات کا ترک کرنا جو کثیف خیالات و جذبات کو پروان چڑھاتے ہیں۔ کام کرنا مگر اپنے لئے کچھ نہ چاہنا یا کم از کم اس مقام پر جا کر کھڑے ہو جانا جہاں چاہیں بھی تو کیا؟

" ہر ایک اپنی اپنی بندھی ہوئی راہ پر چپ چاپ چل رہا تھا۔ نہ چیخ نہ پکار، نہ کسی سے جھگڑا نہ کسی سے ٹنٹا، اپنے کام سے کام، ہر ایک کا اپنا اپنا دھرم اور اپنی اپنی تقدیر۔"

ذاکر صاحب کے یہ الفاظ ان کی کہانی "عقاب" سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ان الفاظ میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا عکس ہماری ہزاروں سال پرانی تہذیب کا نچوڑ اور ان کے دھرم پالن کا روپ ہمارے سامنے آتا ہے۔

ہمارے ملک کی سیاسی زندگی کسی سرکس کے مسخرے کے کرتب سے کم نہیں ہے۔ اقتدار کی ہوس یہاں سب کو قاضی دُبلا بنا رہی ہے۔ ہر ایک فقیر جنید اور رمضانی اس ہنگامۂ محشر خیز میں شامل ہے۔ سیاست اصول کی نہیں افراد کی اور اقتدار کی ہے۔ ایسے بیداد گر ماحول میں اپنی بندھی ہوئی راہ پر چپ چاپ چلنے والا، نہ چیخ نہ پکار اور نہ کسی سے جھگڑا مول لے، صرف اپنے کام سے غرض رکھے اور اپنے دھرم اور کرتویہ کو مقدس و مقدم جانے۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا... صرف اپنی تقدیر پر قانع، انتہائی شریف ترین شخص ہی ہو سکتا ہے اور اسے اس مقام پر اس کی زندگی کے اعلیٰ اقدار، شرافتِ نفس اور احساسِ لطیف ہی پہنچا سکتے ہیں جو ملک کا اعلیٰ ترین سیاسی و سماجی عہدہ ہے، بغیر مانگے و تمنا کئے صدرِ جمہوریہ ہو جائے یہ کوئی اتفاق نہیں ہو سکتا، کہ الف لیلوی کہانیوں میں شہر کا دروازہ کھلنے پر جو پہلا آدمی نظر آئے اسے بادشاہ بنا دیا جائے وغیرہ۔ یہاں زندگی بھر کا جتن، احساسِ فرض کا پاس ہی یہ عزت و افتخار عنایت کر سکتا ہے۔

ذاکر صاحب جن اخلاقی، انسانی، روحانی قدروں کے پرستار یا حامل تھے ان کی جھلک اس کتاب میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ آئیے ہم تلاش کریں۔

وہ کہانی سچی محبت میں لکھتے ہیں: " بات تو یہ ہے کہ اب آدمی سانپ کی سی محبت کرتے ہیں وہ محبت جو سب کو بگاڑ دیتی ہے، جو دلوں میں اور دلوں کے پاک جذبوں میں زہر بھر دیتی ہے۔ وہ پہلی محبت تھی سچی پاک محبت جسے سب نے چھوڑ دیا۔ اب اس کا شائبہ بھی انسانوں میں باقی نہ رہا، بس حرص ہے اور ہوس۔"

اور اس لئے اپنی کہانی آخری قدم میں وہ " حسابِ امانت" کو نیک آدمی سے دمِ مرگ اس کی آخری جسمانی طاقت صرف کرا کے انگیٹھی میں ڈلوا دیتے ہیں۔ وہ نیکزاد اپنے اچھے کارناموں کی فہرست کا نشان تک نہیں چھوڑتا یہ ہے ذاکر صاحب کی خالص محبت کا تصور جس کی انکو زندگی بھر تلاش رہی۔ وہ محبت جو بے لوث بھی ہے اور ہمدرد بھی، مونس بھی ہے اور غمخوار بھی۔ دُنیاوی شوق سے دور، دنیوی بندھنوں سے بے نیاز۔ اس محبت کا خاکہ انھوں نے " سعیدہ کی اماں" میں سعیدہ کے کردار میں پیش کیا ہے جو اپنی ماں کو دوبارہ تندرست دیکھنا چاہتی ہے اور اپنے معصوم لبوں سے توتلاتی ہے: " اماں اماں دیتو دُوپ نِکلی۔"

ذاکر صاحب اسی پُر خلوص، سچی محبت کے مالک تھے۔ ان کا پیار کائنات سے، بنی نوع انسان سے، ہر جاندار سے، سبزہ اور پھولوں سے تھا۔ بے لوث، سچا اور منعزہ وہ گلاب ہوں یا گھنے درخت، میدان ہوں یا پہاڑ، ذاکر صاحب کے لیے عظیم کشش کا باعث تھے۔

ذاکر صاحب کی یہ پُر خلوص اور سچی محبت جب انسانوں پر کرم کرتی ہے اور جب لوگ بڑے فرقے چھوٹے فرقے کی دیوار بندی میں اپنے آپ کو محبوس کرنا چاہتے ہیں، نفرتوں کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں تب ذاکر صاحب ریڈیائی تقریر میں فرماتے ہیں:

" اکثریتی فرقے کو اقلیتی فرقے پر بھروسہ کرنا چاہیئے بھروسے سے بھروسہ پیدا ہوتا ہے۔"

ذاکر صاحب نے جو بات کہانی میں کہی وہ عملی زندگی میں کس حُسن و خوبی سے چسپاں کردی۔ شاید یہی "نئی تعلیم" کی اساس ہے اور اسلام نے بھی اسے 'دینِ قیمہ' کہہ کر قرآن حکیم میں اشارہ کیا ہے۔ جہاں شر فساد ہو وہاں ہم سیدھی راہ پر چلیں۔

"چھدو" میں آسمان زمین سمندر کی تہہ تمام کا سفر چھدو میاں کرتے ہیں، عجائبات سے دوچار ہوتے ہیں مگر ماں کے دو آنسو سوئی ہوئی محبت کو جگا دیتے ہیں۔ دنیا کے عجائبات چھدو میاں کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتے۔ بس گھر چلو:

یہاں گھریلو زندگی سے محبت کا جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ بھی ذاکر صاحب کی زندگی کا تابناک پہلو ہے۔ اپنی بیٹیوں کے بچوں سے محبت، انھیں لاڈ پیار... صدر جمہوریہ کی مصروفیات کے باوجود ذاکر صاحب چھدو میاں بنے رہتے ہیں۔ بچوں سے بے لوث اور اتھاہ پیار... بیوی اور اولاد سے لگن اور انسیت۔ عشق میں یہ ادب نہیں آتا۔

یہ تو ہوئی ناتی ذاتی والوں کی بات۔ آیئے اور دیکھئے "اندھا گھوڑا" اور داد دیجئے ذاکر صاحب کے جذبۂ ہمدردی کا جو جانداروں کی طرف ہے۔ احسان مندی کی حدیث پڑھئے اور دیکھئے کہ سماجی انصاف کا تصور کتنا جامع ہے۔

" اس گھوڑے نے تمہاری جان بچائی ہے... ابھی ابھی اندھا ہوا، لنگڑا ہوا۔ اور تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ تم آدمی ہو یہ جانور ہے۔ آدمی سے اچھا تو یہ جانور ہی رہا یہاں ہر ایک کو اس کا حق ملتا ہے اور احسان کا بدلہ احسان سمجھا جاتا ہے۔"

"ابو خاں کی بکری" میں چاندنی کہتی ہے۔

" مجھے تو پہاڑ پر ہی جانے دو" اب ابو خاں پریشان ہو کر ایک چھوٹی بکری اور وہ بھی بھیڑیئے کے پیٹ میں... یا اللہ:

جب چاندنی پہاڑ پر بھاگ جاتی ہے اور اس کی نظر ابو خاں کے مکان پر پڑتی ہے تو کہتی ہے:

" یا خدا دیکھیے تو کتنا ذرا سا مکان ہے اور کیسا چھوٹا گھر... یا اللہ میں اتنے دن اس میں کیسے رہی... اس میں آخر سماتی کیسے تھی؟"

پہاڑی کی چوٹی پر سے اس ننھی سی جان کو نیچے کی ساری دنیا ہیچ نظر آتی تھی۔

ابو خاں نے زیادہ دانہ اور لمبی رسّی کی لالچ بھی دی مگر چاندنی نہ مانی۔ وہ اپنی آزاد فطرت اور آزادی کو کسی قیمت پر دینا نہیں چاہتی تھی۔ ابو خاں اسے پہاڑ سے واپس بلانے بھی آئے مگر وہ نہیں لوٹی۔ بھیڑیئے کا خطرہ اور ہر لمحہ موت کی آہٹ بھی اسے اپنی آزادی ابو خاں کے حوالے کرنے پر مجبور نہ کر سکی۔ وہ آزاد رو جب بھیڑیئے سے دوچار ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو اس کے سپرد نہیں کیا اور بھیڑیئے کے مقابلہ پر اُتر آئی۔

ذاکر صاحب کہتے ہیں: " بہادروں کا یہی شیوہ ہے کوئی یہ نہ سمجھے کہ چاندنی اپنی بساط نہیں جانتی تھی اور بھیڑیئے کی طاقت کا اسے اندازہ نہ تھا وہ خوب جانتی تھی کہ بکریاں بھیڑیئے کو نہیں مار سکتیں۔ وہ تو صرف یہ چاہتی تھی کہ اپنی بساط کے مطابق مقابلہ کرے جیت ہار پر اپنا قابو نہیں وہ اللہ کے ہاتھ ہے، مقابلہ ضروری ہے۔"

چاندنی کے روپ میں ذاکر صاحب نے انسانی زندگی کی عظیم قدروں کو کس خوش اسلوبی سے اُجاگر کیا ہے! اس پر مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ عملی زندگی کا مقصد ہو سکتا ہے... اپنی آزادی کسی قیمت پر نہ دینا چاہیئے۔ کتنے ہی ابو خاں آئیں، اس کی حفاظت کرنا چاہیئے۔ دشمن کتنا ہی قوی ہو، ہار جیت بے معنی ہے۔ مقابلہ شرط اور پھر مشیت کبریا پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ یہ ویدانت کا فلسفہ بھی ہے اور کلام پاک کی تلقین بھی۔

ذاکر صاحب کی زندگی اس کا بہترین نمونہ تھی۔ وہ جرمنی سے ڈاکٹریٹ اس وقت لائے جب ایئر انڈیا کے بوئنگ طیارے ہمیں یورپ نہ لے جاتے تھے اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اور اس کی بوجھل تجوریاں وجود میں نہیں آئی تھیں۔ انگریز سرکار ہر ایسے ذہین پڑھے لکھے کیلئے بھاری بھرکم عہدہ تیار رکھتی تھی اور ابو خاں بن کر ایسی تمام چاندنیوں کے گلے میں رسی باندھ دیتی تھی... اعلیٰ عہدہ کی۔

ذاکر صاحب اس ابو خاں کے پھیر میں نہ آئے۔ عہدہ کی شان اور کرّ و فر انھیں نہ لبھا سکا اور انھوں نے چاندنی کی آزادی، فرض اور کرتویہ پالن کو ترجیح دی جہاں بھوک اور افلاس دونوں ہمسایہ تھے۔ بقول امینا ملک جامعہ میں ایسا دور بھی گذرا جب تنخواہ تقسیم نہ ہو سکی۔ سب ایک کنبہ کی طرح سبزیاں پکا کر گذارہ کر لیتے اور کام میں لگ جاتے پھر بھی ذاکر صاحب نے کسی ابو خاں کی آواز پر لبیک نہیں کہا۔ ذاکر صاحب کی یہ قلمی تصویر شاید زیادہ واضح نہ ہو مگر ایک شائستہ، مہذب، شریف اور احساسِ جمیل سے پُر انسان کی شخصیت ہے۔

بیدار قوموں کی زندگی میں افراد کی موت ارتقاء و ترقی کا راستہ نہیں روکتی۔ سیاستدانوں کی کرسیاں خالی ہوتی ہیں اور پُر بھی۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ مگر اس دور میں جہاں آدمی مردم گزیدہ ہے، ایک شریف النفس انسان کی موت سانحۂ عظیم ہے۔ اس لئے مجھے ابو خاں کی بکری والے کا غم بھی ایک شریف انسان کی موت کا احساس دلاتا ہے۔

●●

سرکاری فیصلے اور اعلانات

مرڈی میں بھوک مری کی تردید

ضلع عثمان آباد کے تعلقہ عمرگاؤں میں واقع مرڈی کے شری شریمنت نارائن دیوکر کی ۸ر فروری ۱۹۸۴ء کو موت، سِول سرجن عثمان آباد کی طبی رپورٹ کے مطابق فاقہ سے نہیں جیساکہ الزام لگایا گیا ہے بلکہ گردن توڑ بخار کی وجہ سے ہوئی تھی۔

مرڈی کے باسیوں نے عمرگاؤں تعلقہ کے تحصیلدار کو پیش کی گئی درخواست میں بیان کیا تھا کہ متوفی شری شریمنت نارائن دیوکر کے پاس کوئی کام نہ تھا اور اس کی موت فاقہ کی وجہ سے ہوئی تھی۔

اس معاملے کی چھان بین کی گئی اور سِول سرجن، عثمان آباد کی طبی رپورٹ کے مطابق اس کی موت مذکورہ بالا گردن توڑ بخار کے باعث ہوئی تھی۔

کام نہ ہونے کی شکایت کے بارے میں یہ پتہ چلا کہ وہاں کام کے لئے کافی مواقع ہیں۔ ضمانتِ ملازمت اسکیم کے تحت وہاں آٹھ کام جاری ہیں جنہیں ۱۵۰۰ ورکر لگے ہیں۔ مذکورہ اسکیم کے تحت ۳ کلومیٹر حلقہ کے اندر کالنے گاؤں میں پرکولیشن ٹینک کا کام جاری ہے جہاں ہر روز ۱۲۵ مزدور کام کرتے ہیں۔ مزید ایک ٹینک کا کام ۵ کلومیٹر حلقہ کے اندر موگھا میں جاری ہے نیز کالنے گاؤں میں ورلڈ بینک کے قرض سے کاشتکاروں نے پانچ کنوؤں کا کام بھی شروع کیا ہے۔ یہ کام نیز ایک نجی کنوئیں کا کام ۵ کلومیٹر کے حلقہ میں ہو رہا ہے۔ فیئر پرائس شاپ نے بھی کافی اناج سپلائی کیا جیساکہ حسب ذیل اعداد سے ظاہر ہوتا ہے: ۱۷ر جنوری کو ۳ کوئنٹل اعلیٰ جوار، ۲۳ر جنوری کو ۵ کوئنٹل اعلیٰ جوار، ۶ر فروری کو ۱۰ کوئنٹل ملو اور ۱۴ر فروری کو ۱۰ کوئنٹل ملو۔ چھان بین کے دوران پتہ چلا کہ متوفی نے ۲۳ر جنوری کو فیئر پرائس شاپ سے ۴½ کلوگرام جوار اور ۲۶ر جنوری کو ۳ کلوگرام اعلیٰ جوار لی تھی۔ سرپنچ نے اس کے بھائی کے ذریعہ ۱۶ کلوگرام جوار دی تھی۔

کرناٹک کے وزیر اعلیٰ کے بیان کا جواب

کرناٹک کے وزیر اعلیٰ نے ۵ر اپریل کو اخبارات کے نام ایک بیان جاری کیا ہے جس میں مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کے بعض بیانات پر تعجب کا اظہار کیا ہے جو انہوں نے مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل میں ایک تحریک کا جواب دیتے ہوئے دئے تھے جسمیں بمبئی میں کنڑی باشندوں پر مبینہ مظالم پر کرناٹک اسمبلی کی قرارداد پر بحث کی گئی تھی۔ پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق کرناٹک کے وزیر اعلیٰ نے شری نائک کے بیانات کو بے بنیاد قرار دیا اور مزید بتایا کہ کرناٹک میں کسی بھی ذمہ دار اخبار میں اس بات کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے کہ انہوں نے اس قسم کا بیان دیا جس کا ذکر مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ نے کیا ہے۔

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ نے ریاستی کونسل میں اپنے جواب میں بعض بیانات کا ذکر کیا تھا جو کرناٹک کے وزیر اعلیٰ نے کرناٹک لیجسلیٹو اسمبلی میں دئے تھے۔ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کے مطابق "یہ انتہائی تعجب کی بات ہے کہ وزیر اعلیٰ (کرناٹک) نے بمبئی میں اقلیتوں کی رہنمائی کے لئے آمادگی ظاہر کی تاکہ ان کی حفاظت کا بندوبست کیا جاتے۔ میں نے اخبارات میں یہ بھی پڑھا ہے کہ کرناٹک کے وزیر اعلیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اُن کی ریاست میں رہنے والے مہاراشٹریوں کو یہ احساس ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہو رہا ہے تو وہ جا سکتے ہیں۔ اگر اخبارات میں شائع شدہ خبر درست ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ ایسی قیادت قومی اتحاد اور یکجہتی کے مقصد میں معاون ہو سکے گی۔"

لہٰذا یہ واضح ہے کہ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کا مذکورہ بیان اخبارات کی خبروں پر مبنی تھا۔ تاہم بقول کرناٹک کے وزیر اعلیٰ یہ خبریں "مہاراشٹر کے معمولی اخبارات کی نہ تھیں جو برابر جھوٹے بیانات شائع کرتے ہیں" بلکہ ذمے دار اخبارات، معتبر نیوز ایجنسیوں اور کرناٹک کے ممتاز انگلش ڈیلی 'دکن ہیرالڈ' کی تھیں جو بنگلور سے شائع ہوتا ہے۔

پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے مطابق کرناٹک کے وزیر اعلیٰ نے ایک سرکاری قرارداد پیش کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ "میں قیادت سنبھالنے کے لئے تیار ہوں تاکہ بمبئی میں تشدد کے خلاف، لسانی اقلیتوں کا متحدہ محاذ قائم کیا جا سکے۔ لسانی اقلیتیں متحد ہونے لگی ہیں کیونکہ ان کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ اگر وہ بٹی رہیں تو نقصان اٹھائیں گی۔ اگر تمام اقلیتیں متحد ہو جائیں تو پھر مہاراشٹریوں کا کیا حشر ہوگا۔"

پی۔ٹی۔آئی نے مزید بتایا کہ "انھوں نے کرناٹک میں مراٹھی بولنے والوں کے بارے میں کہا: ان کی پوری عزت کی جائے گی اور انھیں تمام مراعات

دی جائیں گی جو کنٹرولیں کو حاصل ہیں۔ تاہم اگر وہ بیلگام میں رہنا نہیں چاہتے تو وہ دوسری جگہ جا سکتے ہیں۔"

اسمبلی میں کرناٹک کے وزیراعلیٰ کی تقریر کی رپورٹ دیتے ہوئے بنگلور کے 'دکن ہیرالڈ' نے بیان کیا کہ انہوں نے مہاراشٹرا کی کرن سیتی سے کہا کہ اسے "ہم بیلگام چاہتے ہیں" کا نعرہ ترک کر دینا چاہیئے۔ تم بیلگام نہیں لے سکتے۔ یہ ہمارے پاس رہے گا۔ اگر تم چاہو تو بیلگام سے جا سکتے ہو۔"

ان حقائق سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مہاراشٹر کے وزیراعلیٰ نے بعض انتہائی ذمہ دار اخبارات کی خبروں کا حوالہ دیا تھا اور ان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

گیہوں وصولی پالیسی
پر نظرِ ثانی

حکومتِ مہاراشٹر نے گیہوں کی وصولی پالیسی پر نظرِ ثانی کی ہے تاکہ حال ہی میں حکومت ہند نے جاریہ ربیع فصل کے دوران گیہوں کی وصولی کی جس قومی پالیسی کا اعلان کیا ہے، اس سے مطابقت ہوجائے۔ اس کے تحت تھوک فروشوں کو پوری ریاست میں گیہوں کی تجارت کرنے کی اجازت ہوگی۔ ایسے تھوک تجار جو کہ گیہوں کی تجارت کرنے کے خواہشمند ہیں ان کو بہرحال مہاراشٹر اناج بیوپاری لائسنس حکمنامہ بابت ۱۹۶۳ء کے تحت لائسنس حاصل کرنا ہوگا۔ ریاست کے دوسرے اضلاع سے بمبئی کے راشننگ علاقہ میں گیہوں کی درآمد پر پابندی جاری رہے گی لیکن صرف ریلوں کے ذریعے فاضل ریاستوں سے بغیر پرمٹ کے گیہوں لایا جاسکے گا تھوک فروش پنجاب، ہریانہ، اُتر پردیش، مدھیہ پردیش اور راجستھان کی فاضل غلے والی پانچ ریاستوں سے گیہوں خرید سکتے ہیں اور متعلقہ فاضل ریاستوں سے پرمٹ حاصل کرنے کے بعد لیوی فری اسٹاک مہاراشٹر میں لا سکتے ہیں جس کے لئے کسی پرمٹ کی ضرورت نہ ہوگی جہاں تک گیہوں کا معاملہ ہے، مہاراشٹر 'واحد زون ریاست' رہے گی اسلئے ریاست سے باہر گیہوں برآمد نہیں کیا جاسکیگا۔

حکومت ہند کے اعلان کے مطابق گیہوں کی وصولی قیمت تمام اقسام کی ۱۰۵ روپے فی کوئنٹل مقرر کی گئی ہے اس کے علاوہ دو روپے بطور زراعتی ترقی بونس اور تین روپے ٹرانسپورٹ نیز دوسرے مصارف کے لئے اور کاشتکاروں کو زیادہ علاقہ گیہوں کی کاشت کے تحت لانے کے لئے حوصلہ افزائی کی غرض سے پندرہ روپے دیئے ہوں گے۔ اسطرح سے کاشتکاروں کو کسی بھی قسم کے گیہوں کے لئے ۲۰ر فروری ۱۹۷۴ء کی گزشتہ تاریخ سے فی کوئنٹل ۱۲۵ روپے کے حساب سے قیمت ادا کی جائے گی۔

اُردو طلباء کا مراٹھی اسکولوں میں داخلہ

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ اردو ذریعہ تعلیم کے ابتدائی اسکولوں میں درجہ اول سے درجہ چہارم تک پڑھنے والے طلباء کو پانچویں درجہ سے مراٹھی میڈیم اسکولوں میں تعلیم کی اجازت دی جائے نیز ان کے معاملہ میں زبان کا وہ ضابطہ اختیار کیا جائے جو مراٹھی میڈیم اسکولوں میں پانچویں جماعت سے دسویں جماعت تک مقرر کیا گیا ہو بشرطیکہ ایسے طلباء کے والدین یا سرپرست مراٹھی جماعت میں ان کی تعلیمی کی پورا کرنے کی ذمہ داری سنبھالیں۔

اگر اردو ذریعۂ تعلیم والے طلباء اُردو میڈیم ہائی اسکولوں میں داخلہ لینے کو ترجیح دیں تو انھیں زبان کا وہی ضابطہ اختیار کرنا ہوگا جو اردو میڈیم اسکولوں میں پانچویں جماعت سے دسویں جماعت تک کے لئے رکھا گیا ہے۔

یہ وضاحت اسلئے ضروری ہوئی ہے کہ حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی تھی کہ اُردو اقلیتی زبان طبقہ سے تعلق رکھنے والے اُردو طلباء جو پہلی سے چوتھی جماعت تک اُردو کے ذریعہ تعلیم پاتے ہیں۔ پانچویں جماعت سے مراٹھی میڈیم اسکولوں میں داخل نہیں کئے جاتے۔

نجی استعمال کے لئے
دھان کی کٹائی

حکومت مہاراشٹر نے اپنے سابقہ احکامات میں تبدیلی کرکے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قابل لیوی کھاتے داروں کو اس امر کا لحاظ کئے بغیر کہ انھوں نے لیوی کی مانگ پوری کی ہے یا نہیں 'دھان کی پوری مقدار کی جو وہ نجی استعمال کے لئے رکھ سکتے ہیں پسائی (ملنگ) کی اجازت دیجائے۔ گو لیوی کے بارے میں شرط نرم کردی گئی ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کاشتکار جب نجی استعمال کے لئے دھان پسائی کے لئے لائے تو کھاؤتی ملنگ کارڈ پیش کرے تاکہ غیر قانونی دھان کٹائی کی روک تھام ہوسکے۔

آرٹ کے طلباء کو انعامات

حکومتِ مہاراشٹر نے حسب ذیل تین شعبہ جات میں سے ہر ایک کے تین آرٹ طلباء کو گولڈ، سلور اور برونز میڈل عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے: ڈرائنگ اینڈ پینٹنگ، اپلائیڈ آرٹ اور ٹیچرس ٹریننگ ڈپارٹمنٹ چترکلا مہاودیالیہ ناگپور اور گورنمنٹ اسکول آف آرٹ، اورنگ آباد۔ یہ میڈل ان طلباء کو دیئے جائیں گے جن کی تصاویر ان ادارہ جات میں ۱۹۷۴-۷۵ء کے دوران سالانہ نمائشوں میں بہترین قرار دی گئی ہیں۔

گاؤں گاؤں ٹیلیویژن

مزید علاقوں تک ٹیلی ویژن کے فوائد پہنچانے کی غرض سے حکومتِ مہاراشٹر نے کمیونٹی ٹیلی ویونگ کی اسکیم کو یکم اپریل ۱۹۷۴ء سے 'کانٹری بیوٹری اسکیم' میں تبدیل کردیا ہے۔

اب اس تبدیل شدہ اسکیم کے تحت ٹیلی ویژن گاؤں پنچایتوں، مزدور بھلائی مراکز، پنچایت سمیتیوں ضلع پریشدوں اور میونسپل کاؤنسلوں کو بعض شرائط پر ڈائرکٹر، دیہی نشریات بمبئی کے ذریعہ تقسیم کئے جائیں گے۔

اوّل ایک سیٹ دس سال کے لئے لگایا جائے گا۔
پر ۵۰/- روپے بطور چندہ وصول کیا جائیگا اور
بٹ سالانہ ۲۰/- روپے دیکھ بھال کا وصول کیا
ے گا۔ ٹیلیویژن سیٹ اور دوسرے آلات حکومتِ
ٹر کی ہی ملکیت رہیں گے۔

رکاری اسامیوں میں تخصیص ختم

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے درجہ سوئم اور
چہارم کی مستقل اسامیاں جو کہ دفاعی خدمات
سبکدوش افراد کے لئے مختص تھیں اور اب تک
پُر نہیں کیا گیا ہے اُن کی تخصیص ختم کردی جائے
کو متعلقہ درجوں میں مستحق سرکاری ملازمین کو
ں کرنے کے لئے استعمال میں لایا جائے۔
حکومت نے یہ بھی ہدایت کی ہے کہ اگر دفاعی
ت کے افراد جنھوں نے ۱۹۶۲-۶۸ء کے قومی
ی حالات کے دوران دفاعی خدمات انجام دی
اور وہ درجۂ سوئم نیز چہارم کی کسی جگہ کیلئے
است کریں تو ان کو تقرری کے لئے اس صورت
وہ اہل پائے جائیں، دوسرے امیدواروں پر
ح دی جائے۔

مہاویر جینتی کے احترام میں
جانوروں کے شکار پر پابندی

بھگوان مہاویر کے ۲۵۰۰ ویں "نروان دِوَس"
شن کے موقع پر حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ
ت میں ۱۴ اپریل سے ایک سال کی مدت تک کسی
جنگلی جانور یا پرندے کا شکار لائسنس پر یا
س کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ضرر رساں جانور
پرندے مثلاً عام کوّا، عام لومڑی، چمگادڑ، چوہا،
، اور چھچھوندر وغیرہ اس سے مستثنٰی ہیں۔
کسی بھی شخص کو جس کو کہ شکار کا لائسنس جاری
ا چکا ہے اور اس کے لائسنس کی مدت متذکرہ
بالا تاریخ سے شروع ہونے والے پابندی کے ایک
سال کے اندر پڑتی ہے، اُس کو فوری طور پر یہ لائسنس
عہدیداروں کو واپس کر دینا چاہئے کیونکہ وہ لائسنس
متذکرہ مدت کے لئے معطل قرار دیدئے گئے ہیں۔
مذکورہ پابندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کو
قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔

شولاپور میڈیکل کالج

حکومت نے سنبھال لیا!

حکومتِ مہاراشٹر نے نیشنل میڈیکل ایجوکیشن سوسائٹی،
شولاپور کے وی۔ایم۔میڈیکل کالج اور سو بستروں کے
ہسپتال کو اس کی کل املاک و واجبات سمیت یکم
اپریل ۱۹۷۴ء سے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔
اگست ۱۹۷۲ء میں حکومت نے مذکورہ کالج کے
مالی اور انتظامی امور کی چھان بین کے لئے ڈاکٹر ٹی۔
کے۔لوٹے کی زیر صدارت جو تحقیقاتی کمیشن بٹھایا تھا
اس نے اپنی رپورٹ میں منجملہ کالج اور سوسائٹی کی تعمیر
کردہ نئی عمارت کو لے لینے کا مشورہ دیا ہے۔ اس سفارش
کے مطابق مذکورہ بالا سوسائٹی نے ۱۴ فروری ۱۹۷۴ء کو
منعقدہ ایک خاص جلسے میں ایک قرارداد منظور کرکے
کالج اور نیا اسپتال مع املاک و واجبات حکومت کے
حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔
فی الحال نئے احکامات تک اسٹاف کے بارے
میں سوسائٹی کے قواعد وضوابط کے مطابق موجودہ حالت
برقرار رہے گی۔ ڈاکٹر این۔ایس دیودھر، آفیسر
آن اسپیشل ڈیوٹی، کالج کے ڈین کے اختیارات و فرائض
بھی انجام دیں گے۔

باتنخواہ رخصت کمیٹی کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے این۔ایل۔ابھیانکر،
پریسیڈنٹ انڈسٹریل کورٹ بمبئی کی زیر صدارت ایک
کمیٹی مقرر کی ہے جو مختلف صنعتوں اور تجارتی اداروں
میں باتنخواہ اتفاقی رخصت اور دیگر باتنخواہ چھٹیوں
اور باتنخواہ تہواری چھٹیوں کے بارے میں ضابطہ بنائیگی
نیز بیماری، عارضی اور اتفاقی ورکروں اور اپرنٹیس وغیرہ
کے معاملہ پر غور کرے گی اور اس کے بارے میں مناسب
سفارشات پیش کرے گی۔
شری پی۔جے۔اُوید، ڈپٹی کمشنر آف لیبر، بمبئی
کمیٹی کے سکریٹری ہیں۔

پرائمری ہیلتھ سینٹر

حکومتِ مہاراشٹر نے حسب ذیل ۱۲ پرائمری ہیلتھ
سینٹروں میں قائم کی گئی عارضی اسامیاں یکم مارچ
۱۹۷۴ء سے ۲۸ فروری ۱۹۷۵ء تک مزید ایک سال
جاری رکھنے کی منظوری دیدی ہے۔ گڈچرولی، ضلع
چندرپور، قمر گاؤں، ضلع اکولہ۔ شیرالا، ضلع سانگلی۔
وارنیر، ضلع وردھا۔ منتھا، ضلع پربھنی۔ ورواٹ باکل، ضلع
بلڈانہ۔ نائیگاؤں ضلع ناندیڑ۔ وت ود، ضلع
کولہاپور۔ کوہی، ضلع ناگپور۔ رائے موہا، ضلع بیڑ،
مورشی، ضلع امراوتی اور سلوڈ، ضلع اورنگ آباد۔
یہ پرائمری ہیلتھ سینٹر ۲۵ بستر والے دیہی
ہسپتالوں میں ایسے مرکزوں کا درجہ بلند کرنے کی
اسکیم کے تحت قائم کئے گئے ہیں۔

ہندی اداروں کو امداد

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر ہندی پرچار سبھا،
اورنگ آباد اور مراٹھواڑہ راشٹر بھاشا پرچار سمیتی،
اورنگ آباد کو ہندی زبان کے پرچار پر ہر ایک کو پانچ
ہزار روپے کی امداد برائے سال ۱۹۷۳-۷۴ء دینے کی
منظوری دی ہے۔

وٹامن گولیوں کی تقسیم

حکومت مہاراشٹر نے خیراتی ادارہ جات
کو وٹامن کی گولیاں مہیا کرنے کی اسکیم
۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔
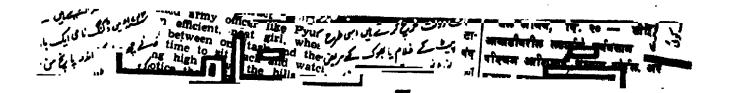
•••

عالمی یوم صحت
شری وانکھیڈے کا خطاب!

"اناج کی کمی پر قابو پانے کے لئے ہمارے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ ہم زراعت پر زیادہ سے زیادہ زور دیں" یہ بات شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے، اسپیکر مہاراشٹر ودھان سبھا نے ۷ اپریل کو تاج محل ہوٹل بمبئی میں عالمی یوم صحت (ورلڈ ہیلتھ ڈے) کے موقع پر منعقدہ ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ اس جلسہ کا اہتمام مشترکہ طور پر مہاراشٹر یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن اور ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز نے کیا تھا۔

تیل اور کھاد کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے شری وانکھیڈے نے کہا کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے ساری دنیا کو ایک ہو کر سوچنا چاہیے۔ موصوف نے مہاراشٹر یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن کے کاموں کی تعریف کی۔

اس سے قبل شری ڈی۔ آر۔ سامنت، ڈائرکٹر انفارمیشن، حکومت مہاراشٹر نے اپنی تقریر میں عوام کو غذائی عادات اور اغذیہ کی ضرورتوں سے متعلق پورے سال تعلیم دینے کی ضرورت پر زور دیا۔

ڈاکٹر جے۔ اے۔ لوبو نے فرمایا کہ غذائی کمی کے مسئلہ کا مقابلہ تین محاذوں پر یعنی بڑھتی ہوئی آبادی کی روک تھام، غذائی پیداوار میں اضافہ اور مناسب تقسیم کے ذریعہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

شری ایم۔ اے۔ ویرانے، آرگنائزیشن کے نائب صدر نے مہمانوں کا استقبال کیا اور شری ایس۔ سی۔ سکسینہ، جنرل سکریٹری، ایم۔ یو۔ این۔ اے۔ نے شکریہ ادا کیا۔

قبائل کو مزید سہولتیں
مشاورتی کونسل کا اجلاس

۹ اپریل کو سچیوالیہ بمبئی میں قبائلی مشاورتی کونسل کے جلسہ میں آدیباسیوں کے لئے بہتر سہولتوں کے مقصد سے اقدامات پر غور کیا گیا۔ وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے صدارت فرمائی۔

جلسہ میں اکثریت نے یہ خیال ظاہر کیا کہ قبائلی علاقہ جات میں 'ضمانتِ ملازمت اسکیم' کے تحت کافی تعداد میں کام دستیاب نہیں ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے کونسل کو یقین دلایا کہ مانگ کے سوا کم سے کم چار کام ہر قبائلی ترقیاتی بلاک میں مہیا کئے جائیں گے

جلسہ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ محکمہ سماجی بھلائی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ضلع منصوبہ جات میں قبائلی علاقوں کے لئے مناسب رقم رکھی جائے اور اس طرح شروع کی گئی اسکیمات مناسب طریقہ سے زیر عمل لائی جائیں۔ عام منصوبہ کے حلقہ میں قبائلی علاقہ جات کے لئے مجوزہ ذیلی منصوبہ پر بھی غور کیا گیا۔

سرکاری ملازمتوں میں قبائلی برادری کے افراد کے سوال پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ انھیں ملازمتوں میں تحفظ کی طرح سرکاری مکانات کے معاملہ میں بھی فیصد حصہ دیا جائے۔ ایک عام شکایت یہ کی گئی کہ فی الحال قبائلی برادری کے افراد کو دئے جانے والے سرکاری مکانات کا تناسب ان کی ضروریات کے لحاظ سے بہت کم ہے۔

جلسہ میں یہ سفارش کی گئی کہ علاقہ ودربھ کی طرح ریاست کے بقیہ حصہ میں بھی قبائلی ترقیاتی بلاک میں علیحدہ پنچایت سمیتیاں ہوں۔ وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ حکومت اس تجویز پر غور کرے گی۔

جلسہ میں جن دیگر معاملات پر غور کیا گیا ان میں حسب ذیل سہولتیں شامل ہیں: قبائلی طلباء کیلئے اضافی ہوسٹل سہولتیں، مشاہرہ میں اضافہ، فارسٹ لیبر سوسائٹیوں میں قبائل کیلئے کام، آشرم شالاؤں کے لئے اضافی امداد وغیرہ۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ قبائلی طلباء کے لئے دھولیہ، ضلع امراوتی میں درانی اور ضلع چندرپور میں واقع گڈچرولی میں مزید ہوسٹل کھولے جائیں۔

وزیر اعلیٰ نے محکمہ جات متعلقہ کو ہدایت کی کہ قبائل کی امداد کے لئے اسکیمات تیار کی جائیں تاکہ وہ ایسے علاقوں میں کوآپریٹو شکر فیکٹریوں کے ممبر بن سکیں جہاں ایسی فیکٹریاں شروع کی جانے والی ہیں۔

کونسل نے اس اسکیم کو عام منظوری دی جس کا مقصد مقروض قبائلی افراد کو قرض سے نجات دلانا ہے اور ان کے ناجائز استحصال کو روکنا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے متعلقہ محکمہ جات کو ہدایت کی کہ وہ اسکیم کو مکمل کریں۔

شریمتی پرتبھا پاٹل، وزیر سماجی بھلائی، شری ڈی۔ ٹی۔ روپاوتے، وزیر ریاست برائے سماجی بھلائی اور شری آر۔ ایم۔ پٹیل، نائب وزیر برائے سماجی بھلائی نے بھی جلسہ میں شرکت کی۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ریاستی سطح دستکاری مقابلہ

سب کیلئے کھلا ہے... (شری کے۔پی۔پاٹل)

"ریاستی سطح دستکاری مقابلہ تمام دستکاروں کیلئے کھلا ہے" یہ اعلان ۱۵ اپریل کو بھیوالیہ میں منعقدہ ایک تقریب میں شری کے۔پی۔پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت و محنت نے ریاستی سطح دستکاری مقابلہ میں انعام پانے والوں کو انعامات تقسیم کرتے ہوئے کیا۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ ابتک ریاستی سطح مقابلہ صرف ان دستکاروں کے لئے کھلا تھا جو حلقہ واری مقابلوں میں شریک ہوتے تھے۔ اب نئے فیصلے کے باعث تمام دستکار اس میں شریک ہوسکیں گے۔ اسطرح مہاراشٹر کے روایاتی فن کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

شری پاٹل نے مارکیٹنگ سسٹم سدھارنے کی ضرورت جتائی تاکہ ملک میں اور ملک کے باہر دستکاری اشیاء کی فروخت بڑھے۔

وزیر موصوف نے جن دستکاروں کو انعامات اور میرٹ سرٹیفکیٹ دئے ان کے نام یہ ہیں:

شری وی۔وائی۔چوان، ناگپور ـ ۱۰۰۰ روپے کا پہلا انعام برائے سلور کرافٹ۔

شری ٹی۔وی۔ویراگاڑے ـ چوبی کام پر ۷۵۰ روپے کا دوسرا انعام۔ اور

شری عزیزیہ، اورنگ آباد کو بیدری کام پر ۵۰۰ روپے کا تیسرا انعام۔

شری اے۔ایس۔نائیک، سکریٹری انڈسٹریز اینڈ لیبر ڈپارٹمنٹ نے وزیر موصوف اور انعام یافتگان کا خیرمقدم کیا۔ شری بی۔ڈی۔جوشی، جائنٹ ڈائرکٹر نے دستکاروں کی حوصلہ افزائی اسکیم کی وضاحت کی۔

۱۹۷۶-۷۷ء کا خریف پروگرام

مہاراشٹر میں ۱۹۷۵-۷۶ء کی خریف فصل کے دوران ۲۲ء۱۵ لاکھ ہیکٹر اراضی پر اعلیٰ اقسام اور اچھی پیداوار دینے والے بیجوں سے فصلیں اگائی جائیں گی۔ اس پروگرام کے تحت جو ۱۹۶۶-۶۷ء میں شروع کیا گیا تھا ۱۹۷۳-۷۴ء سال کے دوران ۱۹ء۶۵ ہیکٹر اراضی پر کاشت کی گئی تھی۔

خواندگی بالغان پر اجتماع

شری اے۔این۔ناجوشی، وزیر تعلیم نے ۹ اپریل کو ورلی (بمبئی) میں منعقدہ ایک تقریب میں بمبئی کونسل برائے بالغان خواندگی اور بالغان (سماجی) تعلیم کا افتتاح کیا نیز سماج شکشن مندر کی دوسری منزل کا سنگِ بنیاد رکھا۔

اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ سماجی تعلیم کمیٹی روشن ماضی اور شاندار روایات رکھتی ہے اور ورکروں کا مرکز ہے۔ آپ نے کارکنوں کو ایک مشن کے طور پر بالغوں کی تعلیم کا کام شروع کرنے پر مبارکباد دی نیز کمیٹی کو ممکنہ سرکاری امداد دینے کا وعدہ کیا۔

شری ایس۔ایل۔سیلم نے تقریب میں شرکت فرمائی اور اس سے خطاب فرمایا۔ شری جی۔کے۔گاڈکر سوشل ایجوکیشن افسر نے مہمانوں کا خیرمقدم کیا۔ شریمتی لیلا گھراتی نے شکریہ ادا کیا۔

فائر سروس ہفتہ

"فائر سروس ہفتہ" ۸ اپریل سے شروع ہوکر ۱۴ اپریل کو اختتام پذیر ہوا جبکہ کراس میدان بمبئی میں فائر سروسوں نیز بمبئی حلقہ کی سروسوں کی مشترکہ رسمی پریڈ ہوئی۔

شری جے۔سی۔اگروال، سکریٹری ہوم ڈپارٹمنٹ حکومتِ مہاراشٹر نے سلامی لی اور فائر سروس کے ان بہادر افراد کو خراجِ عقیدت پیش کیا جنھوں نے ۱۴ اپریل ۱۹۴۴ء کو گودی کے دھماکہ میں آگ فرو کرتے ہوئے اپنی جان قربان کردی تھی۔

شری اگروال نے شری انگلے کو گولڈ میڈل عطا کیا جو سٹیشن افسران کورس میں اول آئے ہیں نیز آپ نے "نعرہ مقابلہ" جیتنے والوں کو انعامات بھی تقسیم کئے۔

آخر میں آگ بجھانے اور آگ سے بچانے کے مظاہرے ہوئے۔

اسٹیٹ منی لاٹری

میں مزید دو انعامات

حکومتِ مہاراشٹر نے ۱۵ اپریل ۱۹۷۶ء کو نکالے جانے والے ڈرا سے موجودہ پرائز اسکیم کے علاوہ منی لاٹری کے ہر ڈرا میں دو مشترکہ عام انعامات، یعنی ایک ۴۰۰۰ روپے کا اور دوسرا ۲۰۰۰ روپے کا انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ مشترکہ انعام صرف فروخت شدہ ٹکٹوں میں سے دیا جائے گا۔

چھوٹی بچت

ناگپور ڈویژن میں مارچ ۱۹۷۴ء تک چھوٹی بچت میں مبلغ ۶,۱۶,۸۰,۰۰۰ روپے کی رقم لگائی گئی جبکہ ۱۹۷۳-۷۴ء سال کے لیے اس کا مقررہ نشانہ مبلغ ۵,۴۰,۸۰,۰۰۰ روپے کا تھا۔

ضلع اکولہ میں ۹۸ء۳۵ لاکھ روپے کی رقم لگائی گئی جبکہ اس کا نشانہ ۶۵ لاکھ روپے تھا۔ اس طرح یہ ضلع حلقہ کے دیگر اضلاع سے آگے ہے۔

چار تعلقہ جات بجلی سے روشن

تڑیا، لمٹیا، موہدلی اور اندرلی نامی چار ادیباسی موضع جات میں بجلی لگ جانے کے بعد راویر تعلقہ کے تمام ۱۱۲ موضع جات میں سو فیصدی بجلی فراہم ہوگئی ہے۔ اس کے ساتھ ضلع کے چار تعلقہ جات میں پوری طرح سے بجلی فراہم ہوگئی ہے۔ اس ضلع میں ابتک ۱۱۱۴ موضع جات اور ۳۰,۹۷۷ پمپ سیٹوں میں بجلی فراہم کی جا چکی ہے۔
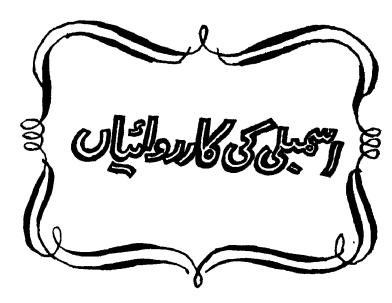
ہفتہ مختتمہ ۲۲ مارچ کے دوران ایوان نے محکمہ جات تعلیم، صنعت و محنت اور زراعت و امدادِ باہمی کے مطالبات پر بحث کی اور انھیں منظور کر دیا۔

محکمہ تعلیم کے مطالبات پر بحث کے دوران بیشتر اراکین نے پُر زور طریقے سے یہ مشورہ دیا کہ حکومت تعلیم ضلع پریشدوں سے لے لے۔

شری پی۔ بی۔ پاٹل نے یہ مشورہ دیا کہ دیہی علاقہ جات میں تعلیمی اداروں اور لائبریری تحریک کے درمیان رابطہ و تعاون قائم کیا جائے۔ اس طرح معیارِ تعلیم بہتر ہوگا

شری ڈی۔ ایس۔ نانڈیکر نے عورتوں میں تعلیم پھیلانے پر زور دیا۔ سردشری گووند راؤ شندے، رضوان حارث، کے۔ این۔ دیشمکھ اور جی۔ ایچ۔ بنات والا نے بھی تقریر کی۔

جواب دیتے ہوئے، شری اے۔ این۔ نامجوشی، وزیر تعلیم نے اراکین کو یقین دلایا کہ حکومت ان کے مشوروں پر غور کرے گی۔ ضلع پریشدوں سے تعلیم لے لینے کے مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے وزیر تعلیم نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ کیونکہ ضلع پریشدوں کے ذریعہ ابتدائی تعلیم لامرکزیت تعلیم کے اصول پر مبنی ہے اور ابتدائی تعلیم ان کے سپرد کی گئی ہے لہٰذا تعلیم ان کے ہاتھ سے لے لینا مناسب نہ ہوگا آپ نے ایوان کو یقین دلایا کہ حکومت ممبران کے مشوروں کو مدنظر رکھتے ہوئے ابتدائی تعلیم کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کرے گی۔

وزیر موصوف نے یہ انکشاف کیا کہ حکومت، پونا میں خاص کلاسیں چلانے والی ہے تاکہ آئی۔ اے۔ ایس، اور آئی۔ پی۔ ایس۔ جیسے مقابلہ کے امتحانات میں شرکت کے لئے امیدوار تیار کئے جائیں۔

دیہی علاقہ جات میں طالبات کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے بتایا کہ حکومت نے ایسی طالبات کے لئے جزوقتی کورس کی اسکیم بنائی ہے اور اس مقصد سے ۸ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی ہے۔

شری نامجوشی نے بتایا کہ ادیباسی علاقوں میں تعلیم ادیباسی بچوں کے لئے سہل بنانے کی غرض سے حکومت نے ایک اسکیم وضع کی ہے تاکہ ادیباسی جو زبان بولتے ہیں اسی میں درسی کتابیں تیار کی جائیں نیز ایسے مدرسین مقرر کئے جائیں جو اُن کی زبان جانتے ہوں۔

محکمہ داخلہ کے مطالبات پر بحث کے دوران شریمتی مری نال گورے نے اناج کی قلت اور دوبئی، کویت وغیرہ میں اناج کی اسمگلنگ پر تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے یہ الزام بھی لگایا کہ حکومت بدعنوانی اور کالے بازاری سے چشم پوشی برتتی ہے۔

شری پرمود نولکھ نے حکومت کی توجہ پولس کو درپیش مسئلہ مکانات نیز بہتر حالت ملازمت کے لئے ان کے مطالبات پر مبذول کرائی۔

سردشری رام ناتھ پانڈے، نیورتی گائے دسنی، ڈبلیو۔ ایس۔ ملکر، ڈی۔ ایس۔ نانڈیکر، جی۔ ایچ۔ بنات والا، کے۔ این۔ دیشمکھ، وی۔ سی۔ مہسکے، این۔ این۔ باشیکر اور ولاس ساونت اور شریمتی آلو چھبر اور شریمتی کملا رمن نے بھی اظہار خیال کیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر ریاست برائے داخلہ نے فرمایا کہ گذشتہ دو سال میں قلت اور حالاتِ قلت سے پیدا ہونے والے مسائل کے باعث عام آدمی کی زندگی اجیرن ہوگئی ہے۔ اس مدت میں گھیراؤ، ایجی ٹیشن اور مورچے وغیرہ کی بھی انتہا ہوگئی جس سے پولس پر زبردست بار پڑا۔ صرف جاری سال کے دوران ۴،۱۷۶ مورچے، ۳۷۶ ستیہ گرہ، ۶،۵۷۱ مظاہرے اور ۱۱،۸۵۹ جلسے منعقد ہوئے لیکن پولس نے طاقت کے استعمال سے بچنے کے لئے مقدور بھر کوشش کی اور غیر معمولی صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ ان ایجی ٹیشنوں کے باعث ۲،۱۱،۵۰۲ کام کے دن ضائع ہوئے۔ شری پوار نے یہ بات بھی جتائی کہ پولس نے کبھی بھی غیر ضروری طور سے گولی چلانے کے رجحان کا اظہار نہیں کیا۔

بڑھتی ہوئی بدعنوانی پر اراکین کی نکتہ چینی کا ذکر کرتے ہوئے شری پوار نے فرمایا کہ شعبۂ انسدادِ بدعنوانی (اینٹی کرپشن بیورو) نے بدعنوانی کے انسداد کے لئے قابلِ اطمینان کام کیا ہے۔

وزیر موصوف نے ان سہولتوں کی تفصیلات بھی بتائیں جو حکومت نے پولس کو بہم پہنچائی ہیں۔

آخر میں شری پوار نے بڑھتی ہوئی قیمتوں اور اناج کی کمی کے مدنظر پیداوار بڑھانے کی ضرورت جتائی اور اس فرض کی ادائیگی میں سب سے پولس کے ساتھ تعاون کی اپیل کی۔

قبل ازیں شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے ایک تحریک تخفیف پیش کی تھی جس میں ضلع شولاپور کے تعلقہ ملشی راس میں واقع مالی نگر کے امیر کسانوں کی

جانب سے اراضی ریکارڈ اور دستاویزات کے جلائے جانے اور نئی دستاویزات تیار کرنے کی کوشش کا ذکر کیا گیا تھا شری پاٹل نے فرمایا کہ یہ بدعنوانی کا معاملہ اینٹی کرپشن بیورو کے حوالے کیا گیا تھا اور اس کی چھان بین بھی مکمل ہوگئی تھی۔ آپ نے حکومت کی توجہ اس واقعہ کی جانب مبذول کرائی۔

شری پوار، وزیر ریاست برائے داخلہ امور نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ سماجی اہمیت کے لحاظ سے حکومت اس معاملہ کی جانچ کررہی ہے۔ آپ نے اراکین کو یقین دلایا کہ حکومت اس معاملہ میں خاطی کو کبھی نہ بخشے گی۔

اس کے بعد ایوان نے تحریک رد کردی۔

شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے ایک اور تحریک تخفیف پیش کی جس میں پنویل تعلقہ کے مقام تلوجہ میں اناج کی چوربازاری کے سلسلے میں شری اقبال عبداللہ کی گرفتاری کا ذکر تھا۔ شری پاٹل نے الزام لگایا کہ 'مفاد پرست' اس گرفتاری کے پیچھے ہیں اور اس معاملہ میں تاخیر سے کام لیا جارہا ہے۔

شری ایس۔ جی۔ پوار نے اپنے جواب میں اس الزام سے انکار کیا اور فرمایا کہ حکومت کو پوری طرح معلوم تھا کہ جس شخص کو گرفتار کیا گیا ہے وہ اناج کی چوربازاری میں ملوث ہے۔ آپ نے وضاحت کی کہ حکومت اس بارے میں کسی کے دباؤ سے متاثر نہیں ہوئی۔

تیسری تحریک تخفیف شری کے۔ ڈی۔ بھیگڑے نے پیش کی تھی جو پولس کی مبینہ بے حد مارپیٹ کی وجہ سے شری بھیکو ڈھونڈیبا گائیکواڑ کی موت کے بارے میں تھی۔ وہ کھیڈ میں پولس کی حراست میں تھا اور چاسک بان میں ڈکیتی کے سلسلے میں شبہ میں پکڑا گیا تھا۔ قبل ازیں ایوان نے اس موضوع پر ان کی تحریک التواء رد کردی تھی۔

اس کا جواب دیتے ہوئے وزیر ریاست برائے داخلہ نے اس واقعہ کے بارے میں مفصل معلومات پیش کی۔ آپ نے بتایا کہ حکومت نے اس واقعہ کے بارے میں مجسٹریٹی تحقیقات کا حکم دیا ہے۔

اس کے بعد ایوان نے اس تحریک کو بھی نامنظور کردیا۔

* * * *

ہفتہ مختتمہ ۲۹ مارچ کے دوران ایوان نے شہری ترقی و صحت عامہ، تعمیر مکانات، منصوبہ بندی اور جنرل ایڈمنسٹریشن محکمہ جات سے متعلق مطالبات پر بحث کی اور انھیں پاس کردیا۔

محکمہ صحت عامہ کے مطالبات پر بحث کے دوران سرو شری ٹی۔ ایس۔ کارخانس، جناردھن اپیر اور کے۔ ایس۔ دونگڑے نے نرسوں کے مطالبات اور ان کے مسائل پر حکومت کی توجہ مبذول کرائی۔

مسئلہ دیہی صحت کے بارے میں ڈاکٹر وی۔ اے۔ تورسکر نے دیہی آبادی کے تناسب سے ڈاکٹروں کی ناکافی تعداد پر تشویش کا اظہار کیا۔

شری آر۔ اے۔ پاٹل نے مشورہ دیا کہ حکومت ایک اصلاحی اسکیم وضع کرے تاکہ ڈاکٹر دیہی علاقوں کی جانب متوجہ ہوں۔ بڑھتی ہوئی دق کی بیماری پر اظہار تشویش کرتے ہوئے آپ نے مشورہ دیا کہ دیہی ہسپتال خصوصاً قلت زدہ اور دور دراز واقع علاقوں میں کھولے جائیں۔

شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے ضروری ادویات کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ پر تشویش ظاہر کی۔

شریمتی نرملا ٹھوکل اور شری وسنت ہوشنگ نے بھی اظہار خیال کیا۔

جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر صحت عامہ نے یہ تسلیم کیا کہ ہیلتھ سروسز کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ تاہم اس باب میں مہاراشٹر کی کارگذاری دیگر ریاستوں کے مقابلے میں قابل تعریف ہے۔ گذشتہ تین چار سال کے دوران 'خاندانی منصوبہ بندی' انسداد دق' آبادی کے لحاظ سے ڈاکٹروں' نرسوں اور بستروں وغیرہ کا تناسب نیز ملازمین بیمہ کام کے سلسلے میں اس کی کارگذاری کسی بھی دوسری ریاست کے مقابلے میں بہتر رہی۔

ادویات کی مسلسل بڑھتی ہوئی قیمتوں کے معاملے میں ریاستی حکومت نے کبھی غفلت نہیں برتی۔ تاہم ان کی قیمتوں پر کنٹرول کرنا مرکز کے ذمے ہے۔ مرکزی حکومت نے حال ہی میں ایک اعلیٰ اختیارات کی حامل کمیٹی قائم کی ہے تاکہ ادویات کی قیمتوں پر کنٹرول کے لئے اقدامات تجویز کرے۔

ڈاکٹر زکریا نے ممبران کو بتایا کہ اس باب میں ریاستی ادویہ کنٹرول ایڈمنسٹریشن کی کارگذاری بھی قابل قدر ہے۔

شریمتی مرینال گورے، شری گجانن لوکے اور دیگر اراکین نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ کیا واقعی حکومت ہافکن انسٹی ٹیوٹ، بمبئی کے احاطہ میں اراضی فروخت کرنے اور موصولہ رقم سے جدید ریسرچ مرکز کے قیام کی تجویز پر غور کررہی ہے۔ اس تنقید کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر زکریا نے وضاحت کی کہ اس قسم کی تجویز یقیناً حکومت کے زیر غور ہے۔ گو ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے بہرحال اگر صحت عامہ سے متعلق کسی اسکیم کے واسطے سرمایہ اکٹھا کرنے کے لئے اراضی کو فروخت کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو حکومت اراضی کو بیچنے سے کبھی گریز نہ کرے گی۔

نرسوں کے مطالبات کے بارے میں وزیر موصوف نے ایوان کو بتایا کہ ایک دن میں آٹھ گھنٹے کام کے لئے ان کا مطالبہ مان لیا گیا ہے۔ فیملی کوارٹروں کے بارے میں مطالبہ بھی بتدریج پورا کردیا جائے گا نیز حکومت ہاؤسنگ بورڈ سے ایک بلڈنگ لینے کی کوشش کر رہی ہے۔

ڈاکٹر زکریا نے فرمایا کہ گو حکومت ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ پانچویں منصوبہ کی مدت کے دوران کوئی نیا میڈیکل کالج نہ کھولا جائے تاہم ریاستی حکومت اسے ریاست میں مزید میڈیکل کالجوں کی مانگ نیز اولاً مراٹھواڑہ میں ایک کالج کے قیام کی تجویز پر غور کرنے کے لئے آمادہ کررہی ہے۔

تعمیر مکانات کا مسئلہ

ہاؤسنگ ڈپارٹمنٹ کے مطالبات پر ایک تحریک تخفیف پیش کرتے ہوئے شری آر۔ کے۔ مہالگی نے ہاؤسنگ بورڈ کی جانب سے بمبئی میں واقع ورلی میں "سائیکت" بلڈنگ میں مکانات کی تقسیم کے کام پر نکتہ چینی کی۔ آپ نے شکایت کی کہ حکومت نے ایل۔ آئی۔ سی کا فنڈ جو عام آدمی کی بھلائی کے مقصد سے رکھا گیا ہے" بڑے آدمیوں" کے لئے مکانات تعمیر کرنے کے لئے استعمال کیا۔ آپ نے یہ الزام بھی لگایا کہ" مارکیٹ پرائس" کے مقابلے میں ان مکانات کیلئے کم روپیہ وصول کیا گیا۔ آپ نے حکومت سے اس بات کی وضاحت چاہی۔

وزیر ہاؤسنگ، شری وائی۔ جے۔ موہیتے نے وضاحت کی کہ ہاؤسنگ بورڈ نے ورلی اور تاردیو میں اپنی تعمیر مکانات کی باقاعدہ اسکیمات کے علاوہ تین عمارتیں تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان عمارتوں میں مکانات ۵۰,۰۰۰ روپے کی مالیت سے زیادہ کے ہیں۔ لہٰذا عام آدمی ان کو خرید نہ سکے گا۔ اس کے علاوہ بورڈ کے افسران نے ان مکانات کیلئے مطالبہ کیا تھا۔ لہٰذا بورڈ نے خاص معاملہ کے طور پر یہ مکانات انھیں دیئے کیونکہ ان مکانات کی فروخت براہ راست فروخت بنیاد پر ہوئی ہے لہٰذا اس سے ۱۵ فیصدی منافع ہوگا۔

شری موہیتے نے اراکین کو یقین دلایا کہ ان تین عمارتوں کے علاوہ اور کہیں ایسی عمارت تعمیر نہ کی جائیگی۔ کیونکہ عمارت کسی اسکیم میں شامل نہ تھی لہٰذا مکانات کی تقسیم میں بدعنوانی کا سوال بھی نہیں اٹھتا۔

بعدازاں ایوان نے تحریک تخفیف رد کردی۔

اپنے محکمہ کے مطالبات پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ڈی۔ ٹی۔ روپاوتے، وزیر ریاست برائے تعمیر مکانات نے اعلان کیا کہ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ مکانات کی تقسیم کے وقت "خصوصی معاملہ" ۲۰ فیصد سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ آپ نے ایوان کو یقین دلایا کہ حکومت بڑے شہروں مثلاً بمبئی، پونا، ناگپور وغیرہ میں مکانات کی تعمیر پر خاص زور دے گی جہاں آبادی بڑھ رہی ہے۔

سرو شری نیورتی گائے دھنی، نانا پروہت، مکول پنڈت، سریمتی مرینال گورے وغیرہ نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

محکمہ منصوبہ بندی کے مطالبات

محکمہ منصوبہ بندی کے مطالبات پر بحث کے دوران شری پی۔ بی۔ پاٹل نے مشورہ دیا کہ منصوبہ جات کی عمل آوری کے بعد ان کا ضرور جائزہ لیا جائے۔

سرو شری اے۔ این۔ بھوپٹے، کے۔ ڈی۔ بھیلکے، آر۔ اے۔ پاٹل، جیانند مشکر اور دیگر ممبران نے بھی تقریر کی۔

شریمتی پربھا راؤ، وزیر ریاست برائے منصوبہ بندی نے جواب دیتے ہوئے اراکین کو یقین دلایا کہ حکومت ان کے مشوروں پر ضرور غور کرے گی۔ گزشتہ تین سال میں حالات قلت کو نظر میں رکھتے ہوئے حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ پیداوار کی بڑھوتری کے پروگرام کو ترجیح دی جائے۔

ایوان نے دو دن تک جنرل ایڈمنسٹریشن کے مطالبات پر بحث کی۔ شری آر۔ کے۔ مہالگی نے چیلنج کیا کہ شری جواہرلال دردا ایم۔ ایل۔ سی کا تقرر خلاف قانون ہے آپ نے اس بارے میں وزیر اعلیٰ سے وضاحت چاہی۔

سرو شری پرتاپ راؤ بھوسلے، صاحب راؤ بوڈے (پاٹل)، بابو راؤ کوتوال اور دیگر اراکین نے مجاہدین آزادی کے مسائل پر کارروائی میں تاخیر پر تشویش ظاہر کی۔

شری سداشیو منڈلک نے "سرحدی تنازعہ" کا ذکر کیا اور حکومت سے اپیل کی کہ وہ اس معاملہ میں لوگوں کو اعتماد میں لے۔

شری وی۔ اے۔ دیشمکھ نے نظم ونسق میں مراٹھی کے استعمال پر زور دیا۔ شری وی۔ جی۔ پربھوگاؤنکر نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے جواب دیتے ہوئے اس الزام کی تردید کی کہ نظم ونسق میں مراٹھی کو رواج دینے میں تاخیر ہورہی ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں ۱۹۶۰ء سے کی گئی کوشش کا جائزہ لیا اور بتایا کہ یہ کام بتدریج ہورہا ہے۔

سچیوالیہ کے ملازمین پر مصارف

سچیوالیہ کے ملازمین پر اخراجات کے بارے میں بعض اراکین کی جانب سے کی گئی نکتہ چینی کا جواب دیتے ہوئے شری نائک نے فرمایا کہ حکومت کم و بیش ان تمام سفارشات کو زیر عمل لارہی ہے جو "پیلے کمیشن" نے نظم ونسق کو بہتر بنانے اور ملازمین کو "عوام کا خدمت گذار" بنانے کے لئے کی ہیں۔ سرکاری مشینری کی روزمرہ کی ذمہ داریاں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ ترقیاتی کاموں کی رفتار بھی تیز ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ملازمین پر خرچ حد سے زیادہ ہے۔ بہرصورت وزیر اعلیٰ نے اراکین کو یقین دلایا کہ حکومت بیجا خرچ سے بچنے کی کوشش کرے گی۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ حکومت بدعنوانی کے مسئلہ سے پوری طرح باخبر ہے۔ آپ نے ان اقدامات کی تفصیل بتائی جو شعبۂ انسداد بدعنوانی (اینٹی کرپشن بیورو) نے بدعنوانی کے انسداد کے لئے کئے ہیں۔

شری نائک نے اس الزام کی تردید کی کہ حکومت نے مجاہدین آزادی سے غفلت برتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ملک کی خاطر ان کی قربانیوں کو کبھی کمتر نہیں سمجھا گیا۔

جواہرلال دردا کے تقرر کے بارے میں وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ گورنر الیکشن کمیشن کے ساتھ اس معاملہ پر بات کریں گے۔ متعلقہ کاغذات وغیرہ ان کو بھیج دیئے جائیں گے۔

مطالبات کی منظوری

وزیر اعلیٰ کے جواب کے بعد ایوان نے مطالبات منظور کر دیئے۔

اس ہفتہ کے دوران شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے نے بحث کے لئے ایک تحریک التوا کی اجازت دی جو شری کسان راؤ دیشمکھ نے ضلع پربھنی کے مقام باسمت میں ۲۷ مارچ کو محکمہ آبپاشی کے تحت ستّر خالی اسامیوں کے لئے انٹرویو کی غرض سے آئے ہوئے نوجوانوں پر پولس فائرنگ کے سلسلے میں پیش

کی تھی۔

ایوان نے دو گھنٹہ تک تحریک پر بحث کی۔

افسوسناک حادثہ

جواب دیتے ہوئے شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر ریاست برائے داخلہ نے ایوان کو بتایا کہ اس حادثہ میں دو اشخاص کی موت ہوئی۔ آپ نے اسے ایک انتہائی افسوسناک حادثہ قرار دیا اور اس کی مجسٹریٹی تحقیقات کا اعلان کیا۔ آپ نے مزید بتایا کہ محکمۂ آب پاشی کے متعلقہ افسران کو معطل کر دیا گیا ہے۔

سرو شری کیشوراؤ شندے پاٹل، کے۔ ڈی بھیگڈے، ڈاکٹر ایس۔ آر رکھ، دی۔ اے۔ دیشمکھ، بابو راؤ کوتوال، ولاس لونارے، جی۔ ایچ۔ نبات والا، کے۔ ایس دھونڈگے، دادا صاحب جگتاپ اور ڈی۔ بی۔ پاٹل نے بحث میں حصہ لیا۔

شری پوار نے فرمایا کہ محکمہ آب پاشی کے افسران نے ایک ہی دن ۱،۸۰۰ اُمیدواروں کو انٹرویو کیلئے بلایا تھا۔ ان کی لاپروائی اس حادثہ کی ذمہ دار تھی۔ مزید برآں یہ افسران انٹرویو کے لئے حاضر بھی نہ تھے۔ نیز یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ اسامیاں پہلے ہی پُر کی جا چکی ہیں۔ پولس نے صورتحال پر قابو پانے کی پوری کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔

شری پوار نے ایوان کو یقین دلایا کہ تحقیقات مکمل ہونے کے بعد ان افراد کے پسماندگان کو معاوضہ دینے کے بارے میں حکومت فیصلہ کرے گی جو فائرنگ میں مارے گئے ہیں۔

ازاں بعد ایوان نے تحریک کثرتِ رائے سے نامنظور کر دی۔

انوکھا ہنگامہ

۲۹ مارچ کو جب تصرف بل پیش کیا گیا تو ایوان میں انوکھا شور و غل اور ہنگامہ نظر آیا۔ ہر سال تصرف بل پیش کیا جاتا ہے تاکہ ایوان کی منظوری لی جائے اور بعد از منظوری مختلف محکمہ جات کے مطالبات پر رقم صرف کی جا سکے۔

بہرحال اس مرتبہ اپوزیشن کے اراکین ایک ہی دن میں اس بل پر بحث کرنے اور اسے پاس کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے ضابطہ کا سوال اٹھایا اور ایوان میں اَن دیکھا ہنگامہ برپا ہُوا۔

شری آر۔ وی۔ بیٹ، ڈپٹی اسپیکر نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ یہ سوالات باضابطہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ 'بزنس ایڈوائزری کمیٹی' نے طے کیا ہے۔ اس بل کو منظور کرنا ضروری ہے۔ بہرصورت اپوزیشن اس فیصلے سے مطمئن نہ ہوئی اور ضابطہ کے دیگر سوالات اُٹھا کر بل کی منظوری روکنے کی کوشش کی۔ اس شور و غل میں شری بیٹ نے بل ووٹ کیلئے رکھا اور اسے منظور قرار دیا۔ ازاں بعد آپ نے ایوان برخاست کر دیا۔

تحریکِ التوا، مُسترد

ہفتہ مختتمہ ۳ اپریل کے دوران اپوزیشن اراکین نے گذشتہ ہفتہ تصرف بل کی منظوری پر تحریکِ التوا پیش کی۔ شری آر۔ وی۔ بیٹ، ڈپٹی اسپیکر نے شور و غل کے درمیان اِس بل کی منظوری کا اعلان کیا تھا اور بعد ازاں ایوان برخاست کر دیا تھا۔ تحریکِ التوا میں اپوزیشن نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ بل قاعدے کے مطابق منظور نہیں ہوا ہے۔

شری ڈی۔ بی۔ پاٹل، شری وی۔ اے۔ دیشمکھ اور شریمتی مری نال گورے نیز دیگر اراکین نے تحریک کی تائید کی۔ بہرحال اسپیکر، شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے نے اس بنا پر تحریکِ التوا پیش کرنے کی اجازت نہ دی کیونکہ بل قاعدے کے مطابق منظور کیا گیا تھا نیز گورنر موصوف نے بھی اسے اپنی منظوری دیدی تھی۔

ایوان نے مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی کارگذاری پر بحث کی جبکہ کئی اراکین نے کارپوریشن کی مبیّنہ بدانتظامی، ایس۔ ٹی۔ کے ملازمین کا مسافروں کے ساتھ سلوک وغیرہ پر تشویش کا اظہار کیا۔

شری بابوراؤ کوتوال نے مشورہ دیا کہ حکومت مجلسِ قانون ساز کے اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کرے تاکہ وہ کارپوریشن کی کارگذاری پر تحقیقات کرے۔

شری وی۔ اے۔ دیشمکھ نے مشورہ دیا کہ ایس۔ ٹی۔ کے انتظام کو بہتر بنانے کے لئے حلقہ واری کمیٹیوں کے بجائے ضلع کمیٹیاں قائم کی جائیں۔

سرو شری ولاس لونارے، آر۔ اے۔ پاٹل، رسنوار حارث، کردو پاٹل، بامن راؤ مشکر، کے۔ ایس۔ دھونگڈے، آر۔ جی۔ میراشی، دی۔ جی۔ پربھوگاؤنکر اور نکول پاٹل اور شریمتی مری نال گورے نے تقریریں کیں۔

جواب دیتے ہوئے شری آر۔ بے۔ دیوتلے، وزیر ریاست برائے روڈ ٹرانسپورٹ نے اراکین کو یقین دلایا کہ حکومت ان کے مشوروں پر غور کرے گی۔

ملازمین اپنا فرض انجام دیں

شری دیوتلے نے فرمایا کہ ایس۔ ٹی۔ کے ملازمین کی تعداد لگ بھگ ۴۸،۰۰۰ ہے اور وہ اچھی طرح منظّم ہیں۔ لہٰذا یہ صحیح ہے کہ مسافروں کے ساتھ ناانصافی کی جاتی ہے جو منظّم نہیں ہیں۔ بہرصورت آپ نے اس امر کی وضاحت کی کہ اس بارے میں حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ملازمین اپنا واجبی حق مانگتے وقت عوام کے تئیں اپنا فرض بھی بخوبی انجام دیں۔

وزیر موصوف نے بدعنوانی کی روک تھام اور ایس ٹی کے ملازمین کے ناروا رویّہ کی اصلاح وغیرہ کے لئے حکومت کی کوشش کے بارے میں اعداد وار تفصیلات پیش کیں۔ ایسے واقعات کو روکنے کے لئے نگرانی عملہ ناکافی ہے۔ لہٰذا حکومت نگرانی عملہ بڑھانے کا ارادہ رکھتی ہے۔

ٹائروں کی قلّت

وزیر موصوف نے ٹائروں کی قلّت کا بھی ذکر کیا جس کے باعث ایس۔ ٹی کی سروس میں بے قاعدگی پیدا ہوتی ہے۔ اب حکومتِ ہند نے یہ یقین دلایا ہے کہ سری لنکا سے ۱،۰۰۰ ٹائر حاصل کئے جائیں گے۔

شری دیوتلے نے بتایا کہ اس قلّت پر قابو پانے کی غرض سے کارپوریشن یہ سوچ رہی ہے کہ چند ایسی سروسوں کو بند کر دیا جائے جن کے جاری نہ رہنے سے مسافروں کو کوئی دقّت نہ پیش آئے گی۔

شری دیوتلے نے ایوان کو بتایا کہ حکومت آئندہ

، مدت کے دوران مبلغ ۲۶٫۴۳ کروڑ روپے کی
روڈ ٹرانسپورٹ پر صرف کرے گی۔ کارپوریشن کے
مان نیز ریلوے کرایہ اور دیگر اشیاء کی قیمتوں میں
افہ کے مدنظر حکومت اگر ضرورت ہوئی تو ایس۔ ٹی۔
کرایوں میں اضافہ کردے گی۔

چار بل منظور

ایوان نے بمبئی موٹر گاڑی ٹیکس (ترمیم) بل،
بمبئی تفریحی ٹیکس (ترمیم) بل، بمبئی اسٹامپ (ڈیوٹی
میں اضافہ اور ترمیم) بل، بمبئی الیکٹریسٹی ڈیوٹی (ترمیم)
بل اور مہاراشٹر ایجوکیشن (سیس) (ترمیم) بل بحث
وتمحیص کے بعد پاس کردیے۔

کونسل کی کارروائیاں

۲۹ مارچ کو ختم ہونے والے ہفتہ کے دوران شری منوہر جوشی نے اس صورت حال پر نصف گھنٹہ کی بحث اٹھائی جو عدالت میں غیر منفصلہ مقدمات کے باعث پیدا ہوئی ہے اور جس کے مدنظر مزید عملہ اور ججوں کا تقرر ضروری ہے تاکہ مقدمات کا تصفیہ تیزی سے عمل میں آسکے۔ آپ نے جگہ کے مسئلہ کا بھی ذکر کیا جو عدالتوں کو درپیش ہے

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایے۔ آر۔ انتولے، وزیر قانون و عدلیہ نے فرمایا کہ یہ سمجھنا غلط ہے کہ مزید ججوں کے تقرر سے غیر منفصلہ مقدمات کا معاملہ طے ہو جائے گا۔ عدالتی مقدمات کے تصفیہ کا انحصار جج صاحبان کی لیاقت پر ہے۔ ہائی کورٹ کے ججوں کی تعداد بڑھانے کے مشورہ کو رد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حال ہی میں ہر سال ایک نیا ہائیکورٹ جج مقرر کرکے ان کی تعداد بڑھائی گئی ہے۔

شری انتولے نے مزید فرمایا کہ حکومت کا ارادہ ہے کہ اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔

مسنری سی۔ آر۔ کھالولکر نے ضلع پربھنی میں واقع باسمت میں کنال انسپکٹروں کی اسامی کے لئے انٹرویو کے واسطے بلائے گئے امیدواروں پر پولس فائرنگ کے بارے میں ایک تحریک التوا پیش کی، جس میں دو اشخاص کی موت واقع ہوئی تھی۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ستر دلوار، وزیر ریاست برائے داخلہ نے فرمایا کہ ایک ہی دن ۱,۸۰۰ امیدواروں کو انٹرویو کے لئے بلا لیا گیا تھا تاکہ محکمہ آبپاشی میں ۱۰۰ اسامیاں پر کی جائیں۔ انٹرویو کی منسوخی کی بابت معلوم ہونے پر امیدواروں میں بےچینی پھیل گئی اور وہ پتھر بازی اور توڑ پھوڑ پر اتر آئے۔ مجمع نے ایک مسلح کانسٹبل سے رائفل چھیننے کی بھی کوشش کی جو اسوقت وہاں ڈیوٹی پر تھا۔ چھینا جھپٹی میں رائفل سے گولیاں چل گئیں۔

آپ نے فرمایا کہ ریاستی حکومت کو اس حادثہ پر سخت تشویش ہوئی اور متعلقہ افسر کو معطل کردیا گیا ہے۔ حکومت نے اس معاملہ میں تحقیقات کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

بحث میں حصہ لینے والوں میں سرو شری وی۔ آر۔ پنڈت، جی۔ پی۔ پردھان، ڈی۔ جی۔ ہنڈے اور اُتم راؤ راٹھوڑ شامل ہیں۔

وزیر موصوف کے جواب کے بعد ایوان نے تحریک مسترد کردی۔

ایوان نے مہاراشٹر (ضمنی) تصرف بل ۱۹۷۴ء منظور کیا نیز دستور (۳۲ ویں ترمیم) بل بابت ۱۹۷۳ء کی توثیق کی جسے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے پاس کیا ہے۔

اس ہفتہ کے دوران ایوان نے مہاراشٹر اسٹیٹ انڈسٹریل اینڈ انویسٹمنٹ کارپوریشن، مہاراشٹر اسٹیٹ فائنینشل کارپوریشن، کھادی ولیج انڈسٹریز بورڈ اور مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی رپورٹوں پر بحث کی۔

کولہاپور کے مشہور و معروف مصور شری گوپال بلونت کامبلے کی بنائی ہوئی شیواجی مہاراج کی روغنی تصویر
یہ تصویر ایک ڈچ مصور کے شاہکار کی نقل ہے اور حکومتِ مہاراشٹر نے اسے مستند قرار دیا ہے۔

جلد: ۱ شمارہ: ۹، ۱۰

یکم جون ۱۹۷۴ء

قیمت فی پرچہ: ۲۵ پیسے زرسالانہ: ۵ روپے

زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی اے۔ ایس

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ:
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ
بمبئی ۴۰۰۰۳۲

چھترپتی شیواجی مہاراج کی
تاج پوشی
کی سہ صد سالہ سالگرہ پر
خصوصی نمبر

●

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا!

ترتیب

سخنہائے گفتنی

"قومی راج" کا یہ شمارہ مہاراشٹر کے عظیم اور مایۂ ناز فرزند چھترپتی شیواجی مہاراج سے معنون ہے جنہوں نے اس خطہ میں سب سے پہلے قومیت اور اتحاد کے جذبہ کو بیدار کیا اور اسے ایک طاقتور سلطنت میں منتشکل کیا۔ انتشار اور پراگندگی کے اُس عہد میں جب مہاراشٹر کے ساحلوں پر بین الاقوامی استعماریت لنگر انداز ہونے کی کوشش کر رہی تھی، شیواجی کی یہ زبردست قلعہ بندی معمولی کارگذاری نہ تھی درحقیقت وہ پورے ملک کے لئے ایک ڈھال تیار کر رہے تھے جو بیرونی عناصر کی ریشہ دوانیوں سے اہلِ ہند کا تحفّظ کر سکے۔ ان کے اس کارنامہ کے لئے اہلِ مہاراشٹر بجا طور پر ان کے احسان مند ہیں۔ یہی وہ جذبۂ امتنان ہے جو حکومت مہاراشٹر کیلئے خصوصی طور پر شری چھترپتی کی تاجپوشی کی تین سو سالہ سالگرہ بڑے پیمانے پر منانے کا محرّک بنا ہے۔

باوجودیکہ انگریزوں نے تاریخ کو مسخ کرنے کی کافی کوشش کی تاہم اس حقیقت سے وہ بھی انکار نہ کر سکے کہ چھترپتی ایک وسیع النظر اور رعایا پرور حکمراں تھے جو تمام مذاہب، فرقوں اور روایات کا احترام کرتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج کے دَور میں شیواجی جیسے تاریخی کرداروں کا سنجیدہ اور مقصدی مطالعہ قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لئے بیحد سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔

"قومی راج" کا یہ خصوصی نمبر اسی قسم کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے جو اگر بہت کچھ نہیں تو ایک حقیر ابتدا ہے اور اس راہ پر پیشقدمی سے ہم ایک بہتر ملک اور خوشگوار تر فضا کو جنم دے سکتے ہیں۔ اس ضمن میں شری گرناتھ رائے دیویکر، ڈاکٹر عبدالستّار دَلوی اور جناب عثمان غنی کے مضامین قابلِ توجّہ ہیں۔ اس بار ترتیب میں جو قدرے "بے ترتیبی" نظر آرہی ہے اسکے لئے ہم معذرت خواہ ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ بعض اہم مضامین ہمیں کافی تاخیر سے موصول ہوئے۔

زیرِنظر شمارہ میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ قارئین کو ادبی مواد کی کمی محسوس نہ ہو نیز مستقل دلچسپیاں برقرار رہیں۔ چنانچہ اس شمارے میں آپ ظ۔ صاحب کے دلچسپ سلسلہ "ورق ورق" کے علاوہ خواجہ احمد عباس کی ایک خوبصورت کہانی بھی پائیں گے اور سنت نام دیو کے ابھنگوں کا دلکش ترجمہ بھی جو نیاز حیدر کے مشاق قلم کا نتیجہ ہے۔

"قومی راج" کی یہ اشاعت بھی یکم جون اور ۱۵ر جون کی مشترکہ اشاعت ہے اس لئے آئندہ شمارہ اب یکم جولائی کو شائع ہوگا۔

آئے دن ہمیں موصول ہونے والے مکتوبات اس حقیقت کے مظہر ہیں کہ "قومی راج" ملک کے گوشہ گوشہ میں مقبول ہو رہا ہے۔ بہت سے کرمفرماؤں نے شکایت کی ہے کہ "قومی راج" ان کے ہاں دستیاب نہیں۔ فی الحال اس دشواری کا بہترین علاج یہ ہے کہ آپ پانچ روپے زرِسالانہ ارسال فرماکر "قومی راج" کے باقاعدہ خریدار بن جائیں۔

—— خواجہ عبدالغفور
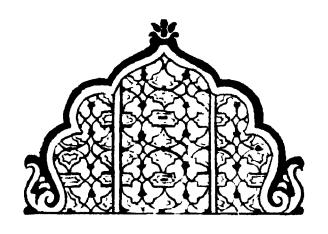
... شیواجی مہاراج کا تعلق نہ صرف مہاراشٹر بلکہ سارے ملک سے تھا۔ وہ اصول پرست بزرگوں کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے۔ انھوں نے اپنے ذاتی مفاد کیلئے شخصی حکومت قائم کرنے کی خواہش نہیں کی تھی۔ اپنے دَور کے طرزِ حکومت کی اچھائیوں اور بُرائیوں کا انھوں نے بغور مطالعہ کیا تھا اور اسی کی روشنی میں انہوں نے اپنے انتظامِ حکومت کے طریقے مقرر کئے۔ شیواجی مہاراج ایک کٹر ہندو تھے لیکن دوسرے مذہب کے لوگوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ انھوں نے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کیلئے اِنعامات دئے۔ وہ ایک عظیم فوجی سپاہی تھے۔ آزادی کی بقا کیلئے بحری بیڑے کی ضرورت اور اہمیت کو خوب سمجھتے تھے۔ انگریز اور ڈچ کے حملوں کی روک تھام کے لئے انھوں نے ایک مضبوط بحری بیڑہ قائم کیا۔ پرتاپ گڈھ کے قلعہ کی تعمیر سے اُن کی جنگی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ شیواجی مہاراج کو اپنے ملک سے بہت محبت تھی۔ وہ اِنسانی خوبیوں اور اچھائیوں کا ایک مجسم نمونہ تھے۔ ...

پنڈت جواہر لال نہرو

چھترپتی شیواجی کی طرح جرأت و ہمت سے مشکلات پر قابو پائیے

یومِ مہاراشٹر پر وزیرِ اعلیٰ کی اپیل

یومِ مہاراشٹر کے موقع پر آل انڈیا ریڈیو کے بمبئی اسٹیشن سے اپنی نشری تقریر میں مہاراشٹر کے وزیرِ اعلیٰ شری دی. پی. نائک نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ سر پر منڈلاتے ہوئے انتہائی خطرات میں چھترپتی شیواجی کی جرأت، استقلال اور دلیری کو یاد کریں جن کے ذریعہ وہ سب کے تعاون سے ان پر قابو پاتے تھے۔ انھیں چاہیے کہ وہ چھترپتی شیواجی کے سہ صد سالہ جشنِ تاجپوشی کے سال میں اس عظیم رہنما کے کردار کی اس اعلیٰ خوبی پر سدا عمل پیرا ہونے کا عزم کریں۔

وزیرِ اعلیٰ کی تقریر کا متن یہ ہے:

وزیرِ اعلیٰ نے فرمایا: " آج یومِ مہاراشٹر پر میں تمام لوگوں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ہم پچھلے سال قدرے کٹھن دور سے گذرے عالمگیر صورتِ حال اور ہمارے ملک میں بعض واقعات ان مشکلات کے ذمہ دار ہیں۔ قلت اور بڑھتی ہوئی قیمتوں نے بھی ہم سب کو متاثر کیا۔ لیکن لوگوں کی جرأت اور صبر و تحمل کی بدولت ہمیں اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے میں مدد ملی اور یہ مزید ابتر نہ ہو سکی۔ مشکلات کے وقت لوگوں کے اس مثالی رویّہ پر انھیں مبارکباد دیتا ہوں۔ مہاراشٹر نے توازن کھوئے بغیر ناساعد حالات کا مقابلہ کرنے میں ملک کے سامنے بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔

مہاراشٹر نے لوکمانیہ تلک کو پیدا کیا جنھوں نے بدیسی حکمرانوں کے خلاف لوگوں میں انقلاب برپا کیا نیز ونوبا بھاوے کو جنم دیا جو بھودان یگنہ جیسے پُرامن انقلاب کے خالق ہیں۔ مہاتما گاندھی نے بھی ملک کو طوقِ غلامی سے نجات دلانے کے لئے مہاراشٹر کو اصل مرکز بنایا۔

مختلف مقاصد کے لئے جدوجہد پر ریاستِ مہاراشٹر کی اعلیٰ روایات کی چھاپ رہی ہے۔ ملک کے دیگر حصوں کی طرح ہم بھی مسائل کا مقابلہ کرتے ہیں۔ تاہم ہم ان پر بحث کرتے ہیں جس سے ان کا حل نکلتا ہے۔ حل نہ ملنے پر ہم بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہیں۔ بے اطمینانی کا اظہار کوئی غلط بات نہیں ہے۔ اس طرح ہم اپنے جمہوری حق کا استعمال کرتے ہیں اور جمہوریت کو مضبوط کرتے ہیں۔ تاہم اس حق کا استعمال کرتے وقت ہمیں ایک حد کے اندر رہنا چاہیے۔ ہمیں بے چینی اور بے اطمینانی کا اظہار کرنے کے لئے احتیاط سے طور طریقہ کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ملک کو بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی نقصان نہ پہنچے اور صورتِ حال پیچیدہ نہ ہو۔

مہاراشٹر اپنے قیام کے چودہ سال پورے کر رہا ہے۔ ان سالوں کے دوران ریاست کی ترقی کے لئے جو کوششیں کی گئی ہیں، انھیں دہرانا ضروری نہیں ہے۔ ہم نے ریاست میں ترقی کے تمام میدانوں میں مختلف خطوں کی متوازن ترقی کے لئے جدوجہد کی۔ ہم کو سابق مدھیہ پردیش اور حیدرآباد کے ان حصوں پر خاص توجہ دینا پڑی جو ہماری ریاست میں ضم کر دئے گئے تھے نیز مالی کمی کو دور کرنے کے لئے قوانین بنانا پڑے۔ ترقی پر فی فرد خرچ کے لحاظ سے توازن برقرار رکھنے کیلئے ہم نے مخلصانہ کوشش کی۔ اقتصادی نابرابری دور کرتے وقت ہم نے اپنے پلان کے چوکھٹے میں بھی تبدیلیاں کیں تاکہ ٹھوس کامیابی ہو۔ اسی مقصد سے ضلع کو یونٹ قرار دے کر منصوبہ جات وضع کئے مہاراشٹر ملک میں پہلی ریاست ہے جس نے ضلع منصوبہ جات وضع

کئے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں نہ صرف خطہ جات بلکہ اضلاع کے مابین بھی نابرابری ختم ہو جائے گی۔

ہم سب ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے بے چین ہیں۔ لہٰذا یہ قدرتی بات ہے کہ اس معاملہ میں بے اطمینانی کا اظہار کیا جائے تاہم یہ ضروری ہے کہ اس بے اطمینانی کے پیچھے جو احساس ہے اسے سمجھا جائے۔ ہم صرف متحدہ اور تعمیری جدوجہد کے ذریعہ ہی متوقع ترقی حاصل کر سکتے ہیں، مسائل کو سمجھ سکتے ہیں اور حل کر سکتے ہیں۔ نیز ان مشکلات کو دور کر سکتے ہیں جن سے ہم ہراساں ہیں۔ ایسی تمام کوششیں جو پیداوار کو روکتی ہیں اور سماجی ضابطہ کے خلاف ہیں، ہمیں اپنے مقصد سے دور ہٹا دیں گی۔

ہم اسی سال چھترپتی شیواجی کی سہ صد سالہ تاج پوشی کا جشن منا رہے ہیں۔ ہمیں سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات میں اس عظیم لیڈر کی جرات اور ہمت نیز سب کے تعاون سے ان پر قابو پانے میں ان کی کامیابی کو یاد کرنا چاہئے اور اس مقدس موقع پر یہ عزم کرنا چاہئے کہ ہم سدا ان کے طریقۂ عمل کی پیروی کریں گے۔ اس مبارک دن پر میری یہی خواہش ہے کہ ہم سب شیواجی کی شخصیت کی اس خوبی سے متاثر ہوں گے۔

میں ایک مرتبہ اور لوگوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

شیواجی کو خراجِ عقیدت

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ نے شیو جینتی کے موقع پر ۲۴ اپریل ۱۹۷۴ء کو سچیوالیہ میں منعقدہ ایک سادہ تقریب میں چھترپتی شیواجی مہاراج کی تصویر کو ہار پہنا کر انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

خراجِ عقیدت پیش کرنے والوں میں وزرائے کابینہ، چیف سکریٹری اور دیگر افسران شامل ہیں۔

پنڈت دتاتریہ کیفی

شیواجی کی شانِ نزول
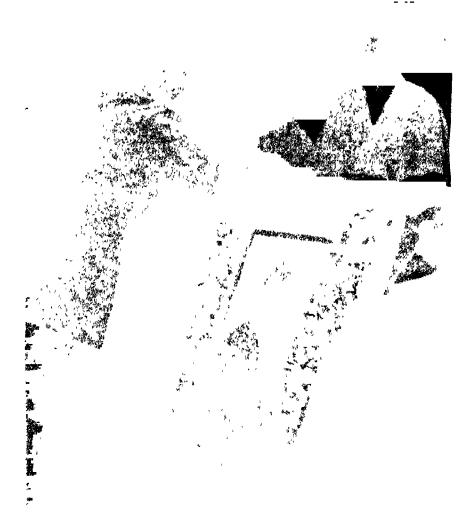
رَوندتا جوش میں دشت و کہسار سہل کرتا ہوا تیزی سے منازل دشوار
نیزہ و تیغ بدست، اشہب جولاں پہ سوار مرہٹہ دیش کا آتا ہے بہادر سردار
حَوصلے رُخ سے عیاں شیرِ نیستاں کی طرح
وَلوَلے دل میں ہیں اُمڈے ہوئے طوفاں کی طرح

تن پہ ملبوس، فقیروں کی طرح سادہ ہے ورنہ دل بولتا ہے، یہ کوئی شہزادہ ہے
دست گیری کو جو مظلوم کی آمادہ ہے خاص درگاہِ الٰہی کا فرستادہ ہے
دولتِ امن واَماں ہم کو ملے گی اِس سے
ظلم کے راج کی بنیاد ہلے گی اس سے

اوجِ اقبال غلامی کے لئے حاضر ہے — شانِ اجلال غلامی کے لئے حاضر ہے
دولت و مال غلامی کے لئے حاضر ہے — ہر قوی بال غلامی کے لئے حاضر ہے
ہیچ ہے اس کے لئے بالِ ہُما کا سایہ
اس کی تقدیر میں ہے خاص خدا کا سایہ

جنگِ[1] اعظم میں جو موجود تھا ارجن بن کر — کوروؤں پر جسے حاصل ہوئی آخر کو ظفر
اب اُسی نور کا ہے یہ تنِ اقدس مظہر — دھرم کے نام پہ مرنے کو جو ہے سینہ سپر
قرۃُ العین و جگر بندِ شہاجی ہے یہ
دیش کا چھترپتی ویر شیواجی ہے یہ

ہم اسے فخرِ دلیرانِ زمن کہتے ہیں — باعثِ عزّت و ناموسِ وطن کہتے ہیں
اہلِ فن، تیغ فگن، قلعہ شکن کہتے ہیں — ہے بجا اس کو اگر شیرِ دکن کہتے ہیں
وار جس نے بھی کیا اس کو جھپٹ کر مارا
سامنے آکے کبھی پیچھے پلٹ کر مارا

رُعب بیٹھا ہے دلیرانِ زماں پر اس کا — خندہ زن بختِ عدو پر ہے مقدّر اس کا
ایک طوفانِ قیامت ہے کہ لشکر اس کا — آئینہ جنگ کے میداں میں ہے جوہر اس کا
ہاتھ اُٹھتا نہیں بھولے سے بھی معصوموں پر
کبھی مرتا ہے تو مرتا ہے یہ مظلوموں پر

جس نے مُردوں کو جلایا ہے وہی ویر ہے وہ — جس نے بگڑوں کو بنایا ہے وہی ویر ہے وہ
جس نے گِرتوں کو اُٹھایا ہے وہی ویر ہے وہ — جس نے سوتوں کو جگایا ہے وہی ویر ہے وہ
ہاتھ آجائے گا کھویا ہوا پھر راج اپنا
کیوں نہ تسلیم کریں ہم اسے سرتاج اپنا

کلکِ شاعر میں جو شمشیر کا دَم ہو تو لکھے — سُرخیٔ خوں سے اگر شوق رقم ہو تو لکھے
رام داس ایسے گرو کا جو کرم ہو تو لکھے — وصف اس کے کوئی بھوشن[2] کا قلم ہو تو لکھے
خامہ اب نذرِ عقیدت کے لئے رُکتا ہے
مرہٹہ ویر کی تعظیم کو سر جھکتا ہے

[1] مہابھارت [2] شاعر رام جو ہا کوی بھوشن مہاراج شیواجی کے درباری شاعر تھے۔

راج ماتا جیجا بائی

سلام بن رزّاق

بھارت میں سیکڑوں عظیم انسان ہوگزرے ہیں۔ جن کے کارنامے تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے۔ مگر وہ مائیں بھی اُتنی ہی عظیم ہیں جنہوں نے ایسے سپوتوں کو جنم دیا۔ اور اُنہیں اس عظمت و توقیر کے قابل بنایا۔ اُنہیں عورتوں میں راج ماتا جیجا بائی بھی تھیں۔
جیجا بائی کی بزرگی اس میں نہیں ہے کہ وہ شیواجی مہاراج کی ماں تھیں۔ بلکہ اُن کی بڑائی کا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے ذہن و قلب کی ساری قوتیں اس عہد آفریں شخصیت کی تربیت و پرداخت میں صرف کردیں۔ جس کے عظیم الشان کارناموں کی روشنی سے نہ صرف مہاراشٹر بلکہ ایک زمانہ میں سارا بھارت درخشاں جگمگا اُٹھا تھا۔
جیجا بائی کا جنم سنہ ۱۵۹۷ء میں سندکھیڑ میں ہوا۔ جیجا بائی کے والد لکھوجی جادھو نظام شاہی دربار میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ مالوجی بھوسلے بھی نظام شاہی فوج میں ایک سردار کے عہدے پر فائز تھے۔ جب مالوجی نے اپنے بیٹے شاہ جی کے لئے لکھوجی کی دختر جیجا بائی کا ہاتھ مانگا تو لکھوجی نے اس رشتے کو فوراً منظور کرلیا۔ اس طرح سنہ ۱۶۰۵ء شاہ جی اور جیجا بائی کا عقد ہوگیا۔ شیواجی سے پہلے جیجا بائی نے چار بچوں کو جنم دیا۔ مگر یکے بعد دیگرے چاروں بچے کمسنی میں ہی انتقال کرگئے۔

نظام شاہی دربار میں شاہ جی کا اثر دن بدن بڑھتا جارہا تھا۔ یہ بات شاہ جی کے خسر لکھوجی جادھو کو پسند نہ آئی۔ اُن کے دل میں بھوسلے خاندان کے لئے کدورت پیدا ہوگئی۔ آخر لکھوجی جادھو نے مغلوں سے مل کر نظام شاہی سلطنت کا تختہ اُلٹ دینے کی سازش کی۔ شاہ جی اور جیجا بائی اُس وقت ماہلی کے قلعہ میں تھے۔ جادھو راؤ نے چاروں طرف سے قلعہ کو گھیر لیا۔ تقریباً ۶ مہینے تک شاہ جی دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ مگر جب جادھو راؤ نے خود نظام کی ماں کو شاہ جی کے خلاف بھڑکا دیا۔ تب شاہ جی کے پاس اپنی جان بچانے کے سوا کوئی راستہ نہ رہا۔
شاہ جی اپنی ۷ مہینے کی حاملہ بیوی جیجا بائی کو لیکر شیونیری قلعہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس بھاگ دوڑ میں جیجا بائی کو کافی زحمت اُٹھانی پڑی۔ بعد ازاں جیجا بائی کے اصرار پر شاہ جی انہیں شیونیری کے قلعہ میں اپنے ایک مونس شری فواس کے پاس چھوڑکر آگے روانہ ہوگئے۔
جادھو راؤ اُن کا تعاقب کرتے ہوئے شیونیری آپہنچے۔ اپنی بیٹی کو اس تکلیف دہ حالت میں دیکھ کر اُنہوں نے جیجا بائی کو سمجھانا چاہا۔
"جیجا! اس طرح اپنے آپ کو زحمت میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اپنے بھگوڑے شوہر کا خیال چھوڑ دو اور میرے ساتھ سندکھیڑ چلو۔"
اُس وقت جیجا بائی نے باپ کو جو بیباکانہ جواب دیا وہ تاریخ میں سُنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ انہوں نے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت پُرسکون لہجے میں کہا۔
"بابا! شوہر کا ساتھ دینے میں زحمت کیسی؟ میں اب بھوسلے خاندان کی بہو ہوں۔ میری شادی کے بعد جادھو خاندان سے میرا رشتہ منقطع ہوگیا۔ مجھے آپ کی آسائشوں کی بھیک نہیں چاہئے۔ اور بابا! آپ تو بھوسلے خاندان کے خون کے پیاسے ہیں نا، تو پھر اُٹھائیے تلوار اور بھونک دیجئے میرے سینے میں، کہ میری کوکھ میں اُس خاندان کا بیج پرورش پا رہا ہے۔"
بیٹی کے اس جواب سے لکھوجی جادھو بے حد نادم ہوئے۔ اور چپ چاپ گھوڑے کو آگے بڑھا دیا۔ جیجا بائی شیونیری قلعہ کی شیوائی دیوی کی بڑی معتقد تھیں۔ وہ روزانہ مندر میں دُعائیں مانگتیں۔ "اے مائی! مجھے ایک ایسا بیٹا عنایت کر جو اس پریشان قوم کا نجات دہندہ ثابت ہو۔ میں اُس کا نام تیرے نام پر رکھوں گی۔"

آخر ۱۹ فروری ۱۶۳۰ء کو جیجا بائی نے ایک ایسے بیٹے کو جنم دیا جس کا نام شیوائی دیوی کے نام پر شیواجی رکھا گیا۔ ننھے شیواجی کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری جیجا بائی پر ہی تھی۔ وہ بچپن ہی سے شیواجی کی شخصیت کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنے لگیں۔ جیجا بائی ایک فرض شناس، مستقل مزاج اور مذہب پرست عورت تھیں۔ انھوں نے شیواجی کو راماین اور مہا بھارت کی جرأت اور دلیری سے بھرپور کہانیاں سُنا سُنا کر ننھے شیواجی کے دل و دماغ کو ایک خاص مقصد کے لئے تیار کیا۔ بیٹے کی روز بروز پختہ تر ہوتی سحر انگیز شخصیت کو دیکھ کر جیجا بائی پھولے نہ سماتیں۔ شیواجی بھی اپنی ماں کے مشورے اور دُعاؤں کے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھاتے۔

ہر چند کہ درمیانی وقفہ میں جیجا بائی اور شاہ جی کے ازدواجی تعلقات میں ایک رخنہ سا پڑ گیا تھا۔ تاہم جیجا بائی میں جذبۂ شوہر پرستی کی کمی نہیں تھی۔ جب ۱۶۶۴ء میں ایک حادثہ میں شاہ جی کی موت واقع ہوگئی تو جیجا بائی پر جیسے غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ انھوں نے شوہر کے ساتھ 'ستی' ہو جانے کا عزم کر لیا۔ مگر شیورائے کی التجاؤں کے پیشِ نظر اولاد کی محبت نے اُنہیں 'اقدامِ ستی' سے باز رکھا۔

۱۶۷۴ء میں شیواجی مہاراج نے رائے گڑھ میں بڑی دھوم دھام سے رسم "تاجپوشی" کی تقریب منائی۔ اُس وقت جیجا بائی کی عمر ۸۰ برس کی تھی۔ اپنے بیٹے کو 'چھترپتی' بنا دیکھ کر جیجا بائی نہال ہوگئیں۔ اُس جشن کے صرف ۱۲ دن بعد ہی ۱۷ جون ۱۶۷۴ء کو رائے گڑھ کے 'پاچاڑ' نامی گاؤں میں اُس عظیم خاتون کا انتقال ہوگیا۔

گاگا بھٹ شیواجی کے عہد کا ایک مشہور شاعر گذرا ہے۔ اُس نے شیوراج پرشستی (شیواجی نامہ) کے عنوان سے ایک منظوم کتابچہ لکھا ہے جس میں جیجا بائی کی بہت تعریف کی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"سگھ ماؤں کی طرح لوگوں کو زندگی کی تازگی بخشنے والے، برق جہندہ کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑنے والے، راج گڑھ پر سب کو پناہ دینے والے، شاہ جی کی بیوی، جیجا بائی کی جے جے کار۔

●●

بقیہ گاندھی جی

(صفحہ ۲۲ سے آگے)

وہ خدا دونوں سے قریب کر دیں انتہائی عزیز تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ سارے مذہبوں کا احترام کرتے تھے۔ وہ فرض شناسی کو سب سے اہم عبادت سمجھتے تھے۔ اگر انسان میں فرائض کی ادائیگی کا احساس ہے تو یہی اس کی عظیم عبادت ہے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ قوم و ملک کو زوال سے بچانے کیلئے آپسی اتحاد کی ضرورت ہے۔ یہ ایسی لازوال قوت ہے جو امن و سکون کی ضامن ہے۔ ان کے فلسفہ زندگی میں انسان کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے پر حکومت کرے۔ ان کے نزدیک حکومت و راج و ملک میں سب کا برابر حصہ ہے۔ جس طرح سے پیدا کرنے والے نے کسی چیز کو بھی کسی کیلئے مخصوص نہیں کیا بلکہ ہر ایک کو عطا کیا اسی طرح ملکی حکومت میں جسے "قومی راج" کہنا چاہیئے سب کا حق ہے۔

قومی یکجہتی کے پیشِ نظر ان کا عقیدہ تھا کہ تمام بھارت کے رہنے والے ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی اپنی حکومت یعنی قومی راج ہو۔ جس حکومت میں غلام و آقا کا تصور ہی نہ ہو۔ حکومت کی پالیسی جمہوریت پر مبنی ہو نہ کہ مذہبیت یا فرقہ واریت پر۔ یہ تصورات لے کر امن و آشتی کے اس دیوتا نے شعور کی منزل میں قدم رکھتے ہی یہ محسوس کیا کہ ہندی قوم غلامی کی زنجیر میں درد و کرب سے بے چین ہے۔ لہٰذا اس قید و بند سے عوام کو چھٹکارا دلوانے کے لئے اپنی بیرسٹری چھوڑی اور عزم و استقلال کے ساتھ آزادی حاصل کرنے کے لئے کمر کسی۔ کبھی جیل میں انگریزوں کی بربریت کے شکار ہوئے کبھی اس مقصد کے لئے وطن چھوڑا۔ لیکن ہمت نہ ہاری۔

ہندوستانی عوام کی زندگی میں چار چاند لگانیوالا ہر منزل پر اپنی قربانیاں دیتا رہا۔ انھیں قربانیوں کا یہ پھل ہے کہ آج بھی ہم اس کا نام احترام کے ساتھ لیتے ہیں۔ ان کی زندگی کے یہی اصول ہندوستانی عوام کے لئے مشعل راہ ہیں۔

●●

چھترپتی شیواجی مہاراج

ایم۔ ایشورراج ماتھر

چھترپتی شیواجی مہاراج نے تاجپوشی سے پہلے ضلع رتناگیری کو پوری طرح فتح کر لیا تھا اور راجہ پور اور وینگورلا کی بندرگاہیں ان کے قبضہ میں آ چکی تھیں۔ سارا دکنی کوکن شیواجی مہاراج کو اپنا سرتاج مانتا تھا۔ ضلع مغربی کولابہ کا ساحلی حصہ بھی ان کی ریاست کا حصہ بن چکا تھا۔ سنہ ۱۶۶۵ء کے صلح نامہ پُرندا کی رو سے جو کچھ علاقہ انھوں نے مغلوں کو دے دیا تھا وہ سنہ ۱۶۷۰ء کے درمیان فتح کر لیا گیا۔ سنہ ۱۶۶۸ء سے مرہٹہ فوجیں کاروار کے ساحلی علاقہ اور ہبلی اور بیندور کے علاقوں پر حملہ کرتی رہیں اور سنہ ۱۶۷۵ء تک سارا ساحلی علاقہ شیواجی مہاراج کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ سنہ ۱۶۷۱ء میں بگلانہ جو ناسک کے شمال میں واقع تھا اور شمالی کوکن کا کوئی علاقہ جس میں جواہر اور رام نگر شامل تھے، مرہٹہ فوجوں کے تابع ہو چکے تھے۔ یہ علاقہ تھانہ اور سورت کے درمیان واقع تھا۔

شیواجی مہاراج کی حکومت کافی مضبوط ہو چکی تھی۔ سنہ ۱۶۷۳ء میں پنہالہ اور سنہ ۱۶۷۵ء میں کولہاپور ان کی ریاست میں شامل ہو چکے تھے۔ اسی طرح سنہ ۱۶۷۵ء تک ان کی سرحد کولہاپور ضلع کے اس پار مغربی کرناٹک تک پھیل چکی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیواجی مہاراج نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کی تھیں اور ان کے بحری بیڑے کی بھی بڑی دھاک تھی۔ ایک آزاد اور خود مختار تاجدار کی طرح ان کو اپنی رعایا پر حرمت و ذلیت کے سارے

چھترپتی کا وہ مجسمہ جو ان کی تاجپوشی کی ۳۰۰ سالہ سالگرہ کے جشن کے موقع پر قلعہ رائے گڑھ میں نصب کیا گیا ہے۔

اختیارات حاصل تھے پھر بھی ان کی حیثیت مغل شہنشاہ
کی رعایا، یا ماتحت زمیندار کی سی تھی اور عادل شاہ
کی نظروں میں وہ ایک ماتحت جاگیردار کا باغی لڑکا سمجھے
جاتے تھے۔ سیاسی طور پر وہ کسی بادشاہ کی برابری کا
دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ جب تک کہ ان کی حیثیت ماتحت
اور رعایا کی تھی وہ اپنے ماتحتوں اور رعایا سے وفاداری
اور جاں نثاری کی کوئی امید نہ رکھ سکتے تھے، حالانکہ وہ
ان پر حکومت کرتے تھے۔ ان کے وعدہ اور احکام کو
قانونی نوعیت حاصل نہیں تھی اور نہ وہ صدر حکومت
مانے جاتے تھے۔ کسی صلح نامہ پر وہ پورے اقتدار کے
ساتھ دستخط نہیں کر سکتے تھے اور نہ کسی کو قانونی طور پر
عطیہ دے سکتے تھے۔ اس لئے یہ ضروری ہوگیا کہ وہ
شاہی اقتدار حاصل کریں۔

بھونسلے خاندان کے عروج سے دوسرے مرہٹہ
خاندان ان سے حسد کرنے لگے اور شیواجی مہاراج کو اپنے
سے برتر ماننے سے انکار کرنے لگے۔ دیگر مرہٹہ خاندانوں
نے اپنی وفاداری یا تو شہنشاہ اورنگ زیب سے وابستہ
کی یا عادل شاہ سے اپنا رشتہ جوڑا، اور شیواجی مہاراج
کو باغی کہنے لگے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے
بے انتہا ضروری ہوگیا تھا کہ تاجپوشی کی رسم ادا کر کے ان
تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے۔ رسم تاجپوشی ادا ہوجانے
کے بعد شیواجی مہاراج اپنے آپ کو بیجاپور اور گولکنڈہ
کے حکمران سے برابری کے رتبہ سے بات چیت کر
سکتے تھے۔

شیواجی مہاراج کی رسم تاجپوشی ادا کرنے کے
سلسلے میں ایک رکاوٹ تھی۔ ہندو شاستروں کی رو سے
بادشاہ صرف کشتریہ ہو سکتا تھا اور شیواجی مہاراج
کو پنڈت لوگ کشتری ماننے سے انکار کر رہے تھے۔
اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے بنارس کے مشہور
پنڈت اور سنسکرت زبان کے ماہر گنگا بھٹ نے یہ ثابت
کر دیا کہ بھونسلہ خاندان سورج ونشی ہے اور اودے پور
کے مہارانا کے خاندان سے ان کا براہ راست قدیمی تعلق
ہے۔ گنگا بھٹ کو شیواجی مہاراج کی تاجپوشی کی رسم ادا
کرنے کے لئے خاص طور پر بنارس سے بلایا گیا۔

جشن تاجپوشی کی تیاریاں

جشن تاجپوشی کی تیاریاں کئی مہینوں تک جاری رہیں
ہندو شاستروں کی چھان بین کی گئی اور اودے پور اور امبر
کے مہاراجوں کے ہاں سے تاجپوشی کی رسموں کی تمام
تفصیلات اکٹھا کی گئیں۔ ہندوستان بھر کے عالم فاضل
پنڈتوں کو تاجپوشی کی رسم میں شرکت کی دعوت دی گئی۔
گیارہ ہزار پنڈت اور ان کے پریوار مدعو تھے جن کی
کل تعداد ۵۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ راج گڑھ میں ان تمام
لوگوں کی رہائش اور کھانے پینے کا انتظام نہایت شاندار
کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ رسم تاجپوشی میں شرکت کرنے
والے بے شمار مہمان جن میں امراء، عمائدین، مقامی معززین
دوسری ریاستوں کے نمائندے، غیر ملکی تاجر وغیرہ شامل
تھے، ان سب کا شایان شان انتظام کیا گیا تھا۔
بیان کیا جاتا ہے کہ تاجپوشی میں شرکت کرنے والے
مہمانوں کی کل تعداد ایک لاکھ سے بڑھ کر تھی لیکن انتظام
اتنا شاندار تھا کہ کسی کو شکایت کا کوئی موقع نہ تھا۔
انگریزوں کے سفیر آکسینڈن کے بموجب شیواجی
مہاراج تیاریوں میں اس قدر منہمک تھے کہ ان کو دوسرے
کاروبار سلطنت پر نظر ڈالنے کی فرصت ہی نہ تھی۔
سب سے پہلے شیواجی مہاراج نے اپنے گرو رام داس
سوامی کے چرن چھوئے اور اپنی ماں جیجا بائی کا آشیرواد
حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ تیرتھ یاترا پر نکل پڑے۔ سب
سے پہلے وہ مئی ۱۶۷۴ء میں چپلون گئے اور پرشورام
کے مندر میں خراج عقیدت پیش کیا۔ ۱۲ مئی کو راج گڑھ
واپس آئے۔ چار دن کے بعد وہ پھر راج گڑھ سے نکل
کر بھوانی ماتا کی پوجا کے لئے پرتاپ گڑھ آئے۔ بھوانی
دیوی کی مورتی شیواجی مہاراج نے خود استھاپت کی تھی
انہوں نے دیوی پر سونے کا چھتری چڑھائی جس کا وزن ۱¼
من تھا۔ وہاں سے ۲۱ مئی کو راج گڑھ واپس آنے کے
بعد وہ پھر عبادت میں مصروف ہوگئے۔ اپنے خاندانی پروہت
کے زیر نگرانی انہوں نے مہادیو، بھوانی اور دیگر دیوی دیوتاؤں
کی پرستش کی جو کئی دنوں تک جاری رہی۔

تاج پوشی کی رسم ادا ہونے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ
شیواجی مہاراج کو شدھ کشتری بنایا جائے۔ چنانچہ
۲۸ مئی کو انہوں نے اپنے اور اپنے باپ دادا کے گناہوں
کے لئے پرائشچت کیا کیونکہ وہ اتنے عرصہ تک کشتری
طرز زندگی کو پوری طرح نہیں اپنا سکے تھے۔ اس کے بعد
شری گنگا بھٹ نے ان کی جنیو کی رسم ادا کی جنیو یا یگوپوِت
شمالی ہند کے کشتریوں کی خاص نشانی ہے۔ دوسرے دن
شیواجی مہاراج کی دوبارہ شادی ان کی دونوں رانیوں سے
کشتری رسم و رواج کے مطابق کی گئی تاکہ وہ کشتری رانیوں
کی حیثیت سے رسم تاجپوشی میں شرکت کر سکیں۔ جنیو کی رسم
بڑے شاندار پیمانہ پر منائی گئی۔ برہمنوں کو ۱۶،۰۰۰ ہن
دکشنا کے طور پر تقسیم کئے گئے اور اس میں سے گنگا بھٹ
ہی کو انفرادی طور پر ۷،۰۰۰ ہن دئے گئے۔

دوسرے دن اپنی اس زندگی میں جو گناہ کئے، جانے،
جان بوجھ کر یا ان جانے طریقہ پر ان سب کے لئے
پرائشچت کیا۔ شیواجی مہاراج کو علیحدہ علیحدہ سات
دھاتوں میں تولا گیا۔ یہ دھاتیں سونے، چاندی، تانبہ،
جست، لوہا، سیسہ اور ٹن کے علاوہ انتہائی مہین کپڑے،
کافور، نمک، کیلوں، سپاری، جائفل اور دوسرے
مسالوں نیز مکھن، چینی، پھل اور ہر اقسام کی ترکاریاں
اور پان کو شیواجی کے وزن کے برابر تول کر برہمنوں، سادھوؤں
فقیروں اور پہنچے ہوئے بزرگوں کو دان کر دیا گیا۔ اس
کے علاوہ ایک لاکھ ہن نقد بھی تقسیم کئے گئے۔

اب شیواجی مہاراج کی رسم تاجپوشی کے سلسلہ میں جتنے
مرحلے تھے صاف ہو چکے تھے۔ ۵ جون یعنی رسم تاج پوشی
سے ایک دن پہلے شیواجی مہاراج نے سارا دن فاقہ کیا
اور عبادت میں صرف کیا۔ علی الصبح اٹھ کر انہوں نے گنگا
جل سے اشنان کیا۔ گنگا بھٹ کو ۵۰۰۰ ہن دکشنا
دی اور دوسرے تمام برہمنوں کو ایک ایک اشرفی دی گئی۔
۶ جون ۱۶۷۴ء کو جو تاجپوشی کا دن تھا، علی الصبح
اٹھ کر شیواجی مہاراج نے اشنان کی تیاری شروع کی اور
دوسری رسومات میں شرکت کی۔ اس کے بعد اپنے کل دیوتا

پوجا کی اور اپنے خاندانی پروہت بالم بھٹ اور گنگا بھٹ کے پیر چھوئے اور آشیرواد لیا اور ان دونوں پروہتوں کو زر اور کپڑا پیش کئے۔

ہندو راجاؤں کی تاجپوشی کی رسم کے دو اہم اجزا ہوتے ہیں۔ ایک ابھیشیک یعنی خاص غسل اور دوسرا چھتر دھرن یعنی بادشاہ کے اوپر شاہی چھتری کا پھیلایا جانا۔ شیواجی مہاراج سفید کپڑے پہنے ہوئے پھولوں کی مالا گلے میں ڈالے ہوئے عطر عنبر لگا کر اور صرف سونے کے زیورات پہن کر شاہی غسل کی خاص جگہ پہنچے۔ ان کو سونے سے مڑھی ہوئی چوکی پر بٹھایا گیا۔ یہ چوکی دو فٹ لمبی، دو فٹ چوڑی اور ڈیڑھ فٹ اونچی تھی۔ مہارانی سوئرا بائی ان کے دائیں جانب بٹھائی گئیں اور ان کی ساڑی کا آنچل شیواجی مہاراج کے لباس سے گرہ لگا کر باندھ دیا گیا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے یوراج شمبھوجی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی کابینہ کے آٹھ وزیر (اشٹ پردھان) شامیانہ کے آٹھ کونوں میں سونے کے جگ لے کر جس میں گنگا جل بھرا ہوا تھا، تیار کھڑے تھے۔ جوں ہی شیواجی مہاراج ان کی اہلیہ اور شمبھوجی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، آٹھوں وزیروں نے گنگا اور دوسری متبرک ندیوں کا پانی سونے کے جگوں سے ان کے سر پر ڈالنا شروع کیا۔ اسی وقت ویدوں کے اشلوک اور موسیقی کی دھیمی دھیمی دھن بھی شروع ہو چکی تھی۔ سولہ برہمنوں نے جو سفید بلوری کپڑے پہنے ہوئے تھے پانچ سونے کے دیئے سونے کی کشتی میں رکھ کر جلائے اور ان کی آرتی اتاری۔

اس رسم کے بعد شیواجی مہاراج نے اپنے کپڑے بدلے اور شاہی لباس پہنا۔ یہ لباس گہرے لال رنگ کا تھا اور اس کے اطراف سونے کی کناری لگی ہوئی تھی۔ اور چمکتے ہوئے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے سونے کے زیورات پہنے۔ پھولوں کی مالائیں اپنے گلے میں ڈالیں اور ایک پگڑی سر پر پہنی جس سے موتیوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ یہ شاہی لباس پہننے کے بعد انہوں نے اپنی تلوار، ڈھال، تیر اور کمان کی پوجا کی۔ برہمنوں اور بزرگوں کی دعائیں لیں۔ نجومیوں نے جو خاص وقت مقرر کیا تھا رسم تاجپوشی کا، ٹھیک اسی وقت وہ شاہی سنگھاسن کے کمرے میں پہنچے۔ دربار ہال کو بہتیں خاص نقوش سے سجایا گیا تھا جو ہندو رسم و رواج کے مطابق متبرک مانے جاتے ہیں۔ تخت کے اوپر سونے کی چادر لگائی گئی تھی اور موتیوں کی لڑیاں جھالر کے طور پر لٹک رہی تھیں۔ سارے ہال میں مخمل کا فرش کیا گیا تھا۔ ہال کے بیچوں بیچ ایک بہت ہی شاندار شاہی تخت رکھا ہوا تھا جو کئی مہینوں کی کاوشوں کے بعد تیار کیا گیا تھا۔ سبھا سد کے بیان کے مطابق اس شاہی تخت کو بنانے میں ۳۲ من سونا لگا تھا اور اس کی قیمت ۱۴ لاکھ روپے تھی۔ یہ شاہی تخت ۸ ستونوں پر ٹکا ہوا تھا اور اس پر ہیرے جواہرات لگے ہوئے تھے۔ تخت کے اوپر سونے کے تاروں سے بنائے ہوئے کپڑے کی چادر آویزاں تھی اور موتیوں کی لڑیاں اس کی شان کو دوبالا کر رہی تھیں۔ شاہی تخت پر جو گدے ڈالے گئے تھے وہ مغلیہ شان کی جھلک دکھا رہے تھے نیچے شیر کا چمڑہ تھا اور اوپر مخمل۔

تخت کے دونوں طرف اقتدار شاہی اور حکومت کے مختلف نشان اور نقشے سنہرے بھالوں کی نوکوں سے آویزاں تھے۔ دائیں جانب دو سونے کی مچھلی کے سر جن کے بڑے بڑے دانت دکھائی دے رہے تھے اور بائیں جانب کئی گھوڑوں کی دُمیں آویزاں تھیں۔ یہ ترکوں کی شان شاہی کی نشانی تھی۔ اس طرح بھالے کے ایک اور سرے پر سونے کا ترازو جس کے دونوں پلڑے برابر تھے اور جو انصاف کی نشانی ہے۔ یہ تمام شاہی نشانیاں مغلیہ دربار سے لی گئی تھیں۔ شاہی محل کے دروازے کے دونوں طرف گھڑوں میں پانی بھر کر رکھا گیا تھا جس کے اوپر آم کے پتے رکھے گئے تھے۔ دو جوان و خوبصورت ہاتھی اور دو جوان گھوڑے جن کو سونے اور چاندی سے سجایا گیا تھا کھڑے ہوئے تھے۔ یہ اہتمام ہندو رسم و رواج کے مطابق فال نیک سمجھے جاتے ہیں۔

جوں ہی شیواجی مہاراج تخت پر بیٹھے، سونے کے کنول کے پھول جس میں قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے اور دوسری قسم کے سونے اور چاندی کے پھول برسائے گئے۔ سولہ برہمن سہاگنوں نے ان کی آرتی اتاری۔ برہمنوں نے سُریلی آواز میں منتر پڑھ کر بادشاہ کو دعا دی مہاراج نے سر خم کر کے ان کی دعاؤں کا جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہاں پر بیٹھے ہوئے تمام مہمانوں نے شیواجی مہاراج کی جے کے نعرے لگائے۔ سازندوں نے بدھائیاں دیں۔ ٹھیک اسی وقت شیواجی مہاراج کے تمام قلعوں سے توپیں چلائی گئیں۔

گنگا بھٹ نے جو کہ رسم تاجپوشی کی تمام رسمات کے صدر تھے، آگے بڑھ کر شاہی تخت پر سونے کی بنی ہوئی چھتری کھول دی اور شیواجی مہاراج کے تخت پر لگا دی اور ان کو شیوا چھترپتی یعنی آزاد اور خود مختار بادشاہ کے نام سے خطاب کیا۔

اس کے بعد تمام برہمنوں نے آگے بڑھ کر شیواجی مہاراج کو دعائیں اور بدھائی دی۔ انھوں نے نہ صرف وہاں پر مدعو حاضرین کو بلکہ عوام الناس کو بیش بہا دان دئے۔ یہ دراصل مہادان تھا جس میں سولہ قسم کے دان شامل تھے جو شاستروں میں بتلائے گئے ہیں۔ اس کے بعد تمام وزراء آگے بڑھے اور بادشاہ کو سلام کیا اور مبارکباد دی۔ اس کے جواب میں شیواجی مہاراج نے ان کو مرتبہ کے لحاظ سے خلعت، خطاب، بڑے بڑے عہدوں پر تقرر اور نقد انعام کے علاوہ ہاتھی، گھوڑے، ہیرے، جواہرات وغیرہ سے نوازا۔

تاجپوشی کی رسم کے وقت یوراج شمبھوجی، صدر برہمن گنگا بھٹ اور وزیر اعظم مورو ترمبک پنگلے شاہی تخت سے نیچی چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسرے وزراء کابینہ تخت کے دائیں بائیں بازو دو قطاروں میں کھڑے ہوئے تھے۔ دوسرے مدعوئین اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق باادب باملاحظہ کھڑے تھے۔

ٹھیک آٹھ بجے انگریزی سفیر ہنری آکسنڈن کو نیراجی پنت نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ وہ تخت سے تھوڑے فاصلہ پر ادب کے ساتھ جھکا اور ایک ہیرے کی انگوٹھی انگریزوں کی جانب سے بطور تحفہ کے پیش کی۔ شیواجی مہاراج نے ان بدیشی لوگوں کے نمائندہ کو شاہی تخت تک آنے کی اجازت دی اور ان کو حسب مراتب

وہ مقام جہاں آج سے تین سو سال قبل شیواجی مہاراج کی تاج پوشی کا شاندار جشن منعقد ہوا تھا!

...عت عطا کی۔

تاجپوشی کی رسومات ادا ہو جانے کے بعد ...تر پتی جی تخت سے اُترے اور اپنے سب سے عمدہ ...گھوڑے پر سوار ہو کر جگدیشور کے مندر کی طرف روانہ ...ہوئے۔ وہاں پہنچ کر وہ اپنے سب سے پسندیدہ ...تھی پر، جسے اس موقع کے لئے خاص طور پر سجایا گیا ...تھا، سوار ہو کر ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ سارے ...شہر کی گشت کے لئے نکلے۔ اس جلوس میں سارے فوجی ...سردار، وزراء، امراء و عظام شامل تھے۔ اس جلوس ...میں سب سے پہلے جری پٹکا اور بھگوا جھنڈا جو شیواجی ...مہاراج کے شاہی اقتدار کی نشانی تھے، دو ہاتھیوں پر ...رکھ کر لے جایا گیا۔ ان دونوں ہاتھیوں کے پیچھے فوج ...کے جنرل اپنی اپنی فوجی رجمنٹوں کو لے کر اور اپنے فوجی ...جھنڈوں کے ساتھ توپ خانہ اور بینڈ کے ہمراہ جلوس ...میں چل رہے تھے۔ سارے شہر کو شاندار طریقے ...سے سجایا گیا تھا۔ شہریوں نے اپنے اپنے گھروں کو رنگ ...برنگی جھنڈیوں سے آراستہ کیا تھا۔ جیسے جیسے جلوس آگے

بڑھتا تھا، عورتیں شیواجی مہاراج کی آرتی اتارتیں، اور ان پر چاول، پھول اور دوب چڑھاتیں۔ یہ جلوس رائے گڑھ کے سارے شہر میں گھومتا ہوا تمام مندروں میں بھگوان کے درشن کرتا ہوا اور ہر مندر کو شاہی عطیوں سے مالا مال کرتا ہوا محل واپس آیا ۷ رجون کو یعنی تاجپوشی کے دوسرے دن تمام مدعو سفراء، عظام اور برہمنوں کی خاص ضیافت ترتیب دی گئی تھی اور عام رعایا کو تحائف اور دان دئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جشن تاجپوشی کا سلسلہ بارہ دن تک جاری رہا اور اس عرصہ میں سارے شہر کے لوگوں کو شاہی ضیافت میں مدعو کیا گیا تھا۔ پنڈت اور سنیاسی جو بہت اونچے درجے کے تھے ان کو اس عام ضیافت میں نہیں مدعو کیا گیا تھا۔ عام لوگوں کو تین سے لے کر پانچ ہن تک اور عورتوں بچوں کو ایک سے دو ہن تک دکشنا میں دئے گئے۔

تاج پوشی کا جشن ختم ہونے کے بعد ۱۸ رجون کو شیواجی مہاراج کی ماں جیجا بائی کا انتقال ہو گیا۔

انہوں نے اپنی شخصی جائداد جس کا اندازہ ۲۵ لاکھ ہن کیا جاتا ہے، شیواجی مہاراج کے لئے ورثہ میں چھوڑا۔ سوگ کے دن ختم ہونے کے بعد ڈچ دستاویز کی رو سے شیواجی مہاراج ۲۴ ر ستمبر ۱۶۷۴ء کو تخت پر رونق افروز ہوئے

عہد ساز تقریب

شیواجی کی تاجپوشی ۱۶۷۴ء میں عمل میں آئی اسی سال انھوں نے ایک نئے سنہ کی ابتدا کی اور وہ ایک نئے دور کی ابتدا کرنے والے راجہ بنے۔

رائے گڑھ کے اس جشن میں مختلف ملکوں کے سفیر شریک تھے جس کی وجہ سے شیواجی کی تاجپوشی کی خبر ساری دنیا میں پھیل گئی اور ان کی شہرت کا ڈنکا چاروں طرف بجنے لگا۔

ہندوی سوراج
کے تصوّر کا بانی

از عثمان غنی

تین سو برس قبل فتح کشی اور فتوحات کے اُس دور میں جب ہندوستان میں جمہوریت کا تصوّر پیدا بھی نہ ہوا تھا، ایک نوجوان ہندوستانی کے دل میں آزادی کی خواہش مچلی جس نے اسے عوامی یا مقامی حکومت کے خواب دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ اٹھارہ سالہ شیواجی کی خواہش اور خواب اُس وقت جبکہ ملک مغلوں، ترکوں، سدیوں، ڈچوں، پرتگیزوں اور انگریزوں کی سیاست کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا، بظاہر انتہائی مضحکہ خیز تھی لیکن اس کی تہہ میں جذبہ کی جو شدت اور لگن مضمر تھی اور اس محبِ وطن کو قدرت نے جو حیرت انگیز قلبی اور ذہنی خوبیاں عطا کی تھیں، ان پر بہت کم لوگوں کی نظر گئی اور ۳۵ سال بعد جب اس دلیر نوجوان نے تلوار کو ہمیشہ کے لئے میان میں رکھا تو دنیا متحیر تھی کہ چھترپتی شیواجی مہاراج نے ناممکن کو ممکن کیسے بنا دیا!

اس میں شک نہیں کہ نوجوان شیواجی اپنے زمانے کی مذہبی تحریکوں سے بیحد متاثر تھے۔ ان کی والدہ جیجابائی کی تربیت بھی انھیں ایک مذہب پرست انسان بنا رہی تھی تاہم کٹر مذہبی انسان ہونے کے باوجود شیواجی مذہبی تعصب کا شکار نہ ہوئے تھے۔ چونکہ ان کی بیشتر جھڑپیں مسلم حکمرانوں سے ہوئیں اس لئے بسا اوقات یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف دھارمک جنگ کر رہے تھے۔ لیکن ان کی جنگ کسی خاص طبقہ یا فرقہ کے خلاف نہ تھی بلکہ وہ اپنے علاقہ میں اپنے عوام کی حکومت چاہتے تھے، خواہ وہ کسی مذہب یا فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ شیواجی جتنا احترام اپنے مذہب کا کرتے تھے اتنا ہی دوسروں کے مذہب کو عزیز رکھتے تھے۔ مسلم مورخ خافی خان کے مطابق شیواجی مسجدوں، عورتوں اور قرآن شریف کی بے حرمتی کی کبھی اجازت نہ دیتے تھے۔ جب کبھی قرآن شریف کا کوئی نسخہ ان کے ہاتھ لگتا وہ بڑے احترام کے ساتھ اسے کسی مسلمان کے حوالے کر دیتے۔

وہ ایک بہادر اور فراخ دل انسان تھے جیسا کہ ایک عوامی حکمراں کو ہونا چاہیے، اور اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ان کی حکومت میں ذات پات اور مذہب کی کوئی تفریق نہ تھی۔ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو ان کی قابلیت کے مطابق خدمات دی جاتی تھیں۔ اُن کے بحریہ میں مچھیروں اور بھنڈاریوں کے علاوہ مسلمان بھی شامل تھے۔ اسی طرح فوج میں بھی مرہٹوں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی تھے۔ ان کی بحری فوج کا ایک عہدیدار دولت خاں سدی اور ایک سفیر قاضی حیدر مسلمان تھے۔

شیواجی کے ساتھ گولکنڈہ کے قطب شاہ کا طرزِ عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ شیواجی نہ تو متعصب تھے اور نہ ان کی جدوجہد کی نوعیت مذہبی تھی۔ جب شیواجی نے کرناٹک پر حملہ کا قصد کیا تو ابوالحسن قطب نے انھیں کرناٹک جاتے ہوئے گولکنڈہ آنے کی دعوت دی۔ شیواجی نے بخوشی یہ دعوت قبول کر لی۔ ابوالحسن قطب نے مہمان حکمراں کے استقبال کی بڑی تیاریاں کیں۔ ملاقات کے لئے شامیانے نصب کئے گئے۔ جب شیواجی گولکنڈہ آئے تو عوام نے سڑکوں پر دورویہ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ گھروں کی چھتوں اور جھروکوں سے ان پر پھول برسائے گئے۔ شیواجی جب دربار پہنچے تو قطب شاہ نے انھیں بڑی عزت کے ساتھ تخت پر بٹھایا جو اس موقع کے لئے خاص طور پر تیار کرایا گیا تھا۔

یہ محض اتفاق ہے کہ ان کی زیادہ جھڑپیں مسلمانوں سے ہوئیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جس خطہ میں انھوں نے جنم لیا تھا اور جس کی مٹی کی خوشبو ان کی سانسوں میں بس گئی تھی، اس پر سلطنت مغلیہ اور بیجاپور کی عادل شاہی کی عملداری تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ پڑوسی پرتگیز اور تیزی سے پیشقدمی کرنے والے انگریز اس پر دندانِ آز تیز کئے ہوئے تھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بعد میں خطۂ مہاراشٹر کے ایک ٹکڑے بمبئی کو یورپی حکمرانوں نے جہیز کے تحفہ کے طور پر استعمال کیا۔ شیواجی ان تمام عناصر کو دور رکھنا چاہتے تھے۔

شیواجی کو اِس سرزمین اور یہاں کے غریب و پسماندہ باشندوں پر ترس آتا تھا۔ انھیں وہ زندگی پسند نہیں آئی جو ان کے اکثر و بیشتر ہموطن گذار رہے تھے۔ ماسوا ان مراٹھا سرداروں کے جو عادل شاہی یا مغل سلطنت کی ملازمت میں تھے (اور اس میں خود شیواجی کے والد بھی شامل تھے)، مراٹھا عوام کی حالت ابتر تھی اور وہ بری طرح منتشر تھے۔ شیواجی کے حساس دل نے محسوس کیا کہ خطۂ مہاراشٹر کے اصل حاکم یہی لوگ ہیں جو دشوار گذار پہاڑیوں، گھاٹیوں اور جنگلوں میں مصیبتیں برداشت کرتے ہیں۔ انھوں نے انہی بکھرے ہوئے اور مضمحل لوگوں کو یکجا کیا، انھیں

جدوجہد کا سبق دیا، قیادت فراہم کی اور میدانِ عمل میں نکل آئے۔ اس طرح شیواجی نے عملی طور پر ثابت کردیا کہ وہ ذاتی جاہ وحشم کی خاطر نہیں بلکہ اپنے عوام کو منظم، طاقتور اور خود مختار بنانے کے لئے اس خطرناک راستے پر چلے تھے۔ اُس دورِ سلطانی میں عوامی راج کی یہ پہلی کوشش تھی اور شیواجی نے اسے "سوراج" کے نام سے پکارا تھا۔ ہندوی سوراج کا قیام ان کا نصب العین تھا۔ ہندوی سے ان کی مراد ہندوستان کے رہنے والے تھے خواہ وہ کسی مذہب یا ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہندوستان پر اہلِ ہند کی حکومت، جلد یا بدیر، خالقِ ارض وسما کی مرضی ہے، چنانچہ رائے ریشور کے مندر میں جہاں ماؤلوں کے ہجوم میں شیواجی نے اپنی پہلی تاریخ ساز تقریر کی تھی، انھوں نے اعلان کیا تھا — ہمارا مقصد ہے "ہندوی سوراج" کا قیام جو تمہارے، میرے اور سب کے لئے ہوگا۔ غیروں کی غلامی اب ہم برداشت نہیں کریں گے۔ آؤ ہم اس مندر میں شیوجی کو گواہ مان کر قسم کھائیں کہ سوراج کے قیام کے لئے ہم سب کچھ نچھاور کردیں گے — بھگوان کی مرضی ہے کہ ہندوی سوراج قائم ہو، آؤ ہم اسے پورا کریں۔"

جرأت وشجاعت کے امتحان کا وقت ہنوز دور تھا چنانچہ شیواجی نے ابتدا فراست وتدبر کے استعمال سے کی۔ پونا کے اطراف واقع متعدد قلعوں کا بغور معائنہ کرنے اور خفیہ راستوں، سرنگوں اور تہہ خانوں کی معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جنھیں وہ ایک آزاد اور طاقتور قوم کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ماؤلا کے دیش مکھ جاگیروں اور وطن داریوں کے لئے، آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ان لڑائیوں میں مرہٹہ قوت خواہ مخواہ ضائع ہوتی تھی۔ شیواجی ان دیشمکھوں سے ملتے اور انھیں سمجھاتے، رفتہ رفتہ انھوں نے سوراج کے تصور کو مقبول بنادیا۔ دیش مکھوں کے آپسی تنازعے ختم ہونے لگے۔ ماؤلا گھاٹیوں کے جھنجار راؤ، باجی پاسلکر، پائے گڑے، وشوجی شیو قدمے، جیدھے، باندل وغیرہ دیش مکھ "سوراج" کی تحریک کے حامی ہوگئے اور شیواجی مہاراج کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔

شیواجی کے ذہن میں سوراج کا مکمل اور واضح خاکہ تھا جس کی بنیاد وہ وطن پرستی یا قوم پرستی پر رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی شاہی مہر اس عہد کی روایات سے بغاوت کرتے ہوئے فارسی کی بجائے سنسکرت میں بنوائی۔ اس مہر کی عبارت حسب ذیل تھی:

"جس طرح پہلی کا چاند روز بروز بڑھتا جاتا ہے اسی طرح شاہی مہر کی عظمت میں اضافہ ہوگا۔ یہ مہر عوام کی بھلائی کے لئے ہے اور ساری دنیا کے لئے قابلِ احترام ہے۔"

شیواجی کو اپنی مادری زبان پر فخر تھا۔ سرکاری امور میں مراٹھی کا استعمال آسان کرنے کے لئے انھوں نے ایک لغت بھی تیار کروائی تھی۔

چھترپتی شیواجی نے تین سو سال قبل سوراج کا جو بیج بویا تھا وہ آج ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ اپنے محدود علاقہ میں شیواجی نے جو خواب دیکھا تھا وہ صرف مہاراشٹر ہی کے لئے نہیں، پورے ہندوستان کے لئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد ہندوستان میں انھیں ایک قومی ہیرو کی حیثیت دی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ شیواجی کے اصولوں اور آرزوؤں کو پورے ملک میں عام کیا جائے اور ان کے نظریات کو محدود مفہوم پہنانے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ ان کا عزیز ترین نظریہ اور مقصد "سوراج" پورے بھارت ورش کے لئے تھا۔

●●

میری وادی میں کوئی قافلہ آئے ، اُس کو
میرے کہسار سُناتے ہیں فسانہ تیرا
جگمگاتا ہے مرے قلعوں پہ ، تیرا پرچم
گنگناتے ہیں مرے بُرج ، ترانہ تیرا
تیری یادوں کے اُجالے ہیں مری محفل میں
میری تاریخ میں روشن ہے زمانہ تیرا

نازؔ راناؔ کے وطن کو ہے ترے شجرے پر
خاکِ چتوڑ کی نظروں میں ہے عزّت تیری
جیسے ہوتا ہے نمودار سحر کا تارا
یوں ہوئی دامنِ جیجاؔ میں ولادت تیری
دن کی اقلیم میں سورج کا چلن ہو جیسے
راس یوں آئی مراٹھوں کو قیادت تیری
سُرخرو ہو گئے افسانۂ حُرّیت میں
ماوَلے کر کے دل و جاں سے اطاعت تیری
رنگ اُڑتا تھا ترے فہم سے ، ہتھیاروں کا
تھی کمندوں کے لئے کاٹ ، فراست تیری
رشک آتا پٹھانوں کو ، تری جُراَت پہ
راجپوتوں کو لُبھاتی تھی شجاعت تیری

تیرے کردار نے مسحور کیا بھوشن کو
اُس کے نغموں کی محرّک ہوئی عظمت تیری
رامؔ داس اور تکارامؔ کے اُپدیشوں کا
عکس تھی عالمِ امکاں میں ، شرافت تیری
نام یعقوبؒ[1] کے چیلوں میں ترا شامل ہے
قطبِ کوکن سے ہے مشہور عقیدت تیری
کر دیا " چھترپتی " جس نے شیواجی سے تجھے
تھی وہ ہر فرقے سے بے لوث محبت تیری
تھا وہ اظہار ترے جذبۂ آزادی کا
جس کو کم ظرف سمجھتے تھے بغاوت تیری
ہے مرے عہد کا ایوان منوّر تجھ سے
اس کی بُنیاد ہے " آزاد حکومت " تیری
تین سو سال ترے عہد کو گذرے ہیں ، مگر
آج بھی تازہ ہے سینوں میں حکایت تیری
تیرے آدرش سے چلتی ہے دلوں پر ، ابتک
اے مہاراشٹر کے معمار ! حکومت تیری

حشر تک یہ مرے کہسار ، یہ میرے قلعے
کر سکیں گے نہ فراموش عنایت تیری
تیرے پوواڑوں سے گونجے گی فضا بھارت کی
اس کے نقشے میں ہے جب تک یہ ریاست تیری

● بدیع الزّماں خاؔ

[1] قطبِ کوکن حضرت یعقوب سہروردیؒ جن کا مزار اقدس کیلشی (ضلع رتناگیری) میں ہے شیواجی مہاراج کے گیارھویں روحانی گرو تھے۔

شیواجی
قلعے ــ ترقی کے زینے
از: ریاض احمد خاں

آج سے ٹھیک تین سو سال پہلے ۶ر جون ۱۶۷۴ء کو رائے گڑھ کے مشہور قلعے میں چھترپتی شیواجی مہاراج کا جشنِ تاجپوشی منعقد ہوا تھا تاج اور تخت حاصل کرنے میں شیواجی کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیسی کیسی مصیبتیں جھیلنی پڑیں، ان تمام باتوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ مورخین نے، جن میں ہندوستانی بھی ہیں اور غیر ملکی بھی، شیواجی کے بارے میں خوب لکھا ہے۔ شیواجی کی ابتدائی زندگی پر نظر ڈالنے پر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ بچہ جو شفقتِ پدری سے محروم رہا ہو، جس نے اپنا بچپن پہاڑوں، گھاٹیوں، جنگلوں اور ٹوٹے پھوٹے قلعوں میں گذارا ہو اور وہیں پروان چڑھا ہو، ایک دن تاجِ شاہی اپنے سر پر رکھے گا اور اپنی قابلیت، دور اندیشی، بہادری، چالاکی اور بلند حوصلگی سے بادشاہ بن جائیگا

شیواجی کی ولادت سے پہلے ان کے والد شاہ جی اپنی بیوی جیجا بائی کو احمد نگر چھوڑ کر بیجاپور چلے گئے۔ جیجا بائی اپنی جان اور آن بچاتی ہوئی کچھ مخلص اور وفادار خادموں کے ساتھ شونیری نامی ایک پرانے قلعے میں پہنچیں۔ یہ قلعہ پونا سے پچاس میل کی دوری پر واقع ہے۔ جیجا بائی کے وفادار خادم یہاں جیجا بائی کو اس بنجر علاقے کے جنگلی جانوروں سے محفوظ رکھتے اور قلعے کی حفاظت بھی کرتے۔ اسی قلعے میں ۱۶ر اپریل سنہ ۱۶۳۰ء کے دن جیجا بائی کا ہونہار بچہ پیدا ہوا۔ شیواجی کی ابتدائی عمر انہی گھاٹیوں میں رہتے ہوئے گذری۔

تاج حاصل کرنے میں جہاں شیواجی کی بہادری اور دور اندیشی کام آئی ہے وہیں اس حقیقت سے بھی منہ نہیں موڑا جا سکتا کہ داداجی کونڈدیو جیسے قابل، زاہد اور لائق منتظم کی اتالیقی نے اس مقصد کے حصول میں نمایاں کردار ادا کیا، جن کی تعلیم نے شیواجی کو تاج اور تخت کے بہت قریب لا کھڑا کیا۔ جیجا بائی کی ممتا کا آنچل، شفقت و نصیحت کے ساتھ شیواجی پر سایہ کئے رہا۔ ساتھ ہی ساتھ مہاراشٹر کے سنت تکارام اور رام داس جیسی عظیم شخصیتوں کی بھی رہنمائی حاصل رہی، جنھوں نے شیواجی کو روحانی تقویت بخشی۔ کوہ سہیادری کا لامتناہی سلسلہ شیواجی کے حق میں ڈھال ثابت ہوا۔ یہ پہاڑی سلسلہ کسی طرح بھی بھول بھلیاں سے کم نہیں ہے اور ہر موقعہ پر شیواجی نے انہی پہاڑوں کے قلعوں میں پناہ لی ہے۔

شونیری کا قلعہ ...... جہاں شیواجی کی پیدائش ہوئی!

شیواجی نے سب سے پہلے "تورنا" نامی قلعے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا - یہ قلعہ پونا کے جنوب مغرب میں واقع ہے جس کی دیواریں بڑے بڑے چٹانی پتھروں کی بنی ہوئی ہیں - پہاڑی سطح مرتفع پر بارکیں بنی ہوئی ہیں جن میں قلعہ کا سپہ سالار مع اپنے فوجی دستوں کے مقیم تھا - اس علاقے کی برسات کو برداشت کرنا وہیں کے باشندوں کو خوب آتا ہے - سپہ سالار اور اس کے سپاہی یہاں کی برسات سے خوف زدہ رہتے تھے - اور جب طوفانی بارش عروج پر ہوتی تو وہ لوگ پہاڑی قلعے سے اتر کر میدان میں آجاتے اور بارش ختم ہونے کے بعد ہی قلعے میں جاتے تھے - شیواجی نے ایسے ہی ایک موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی معمولی سی فوج کے ساتھ جسے وہ بذاتِ خود خفیہ طور پر فوجی تربیت دے رہے تھے، خالی قلعہ میں گھس گئے اور اس پر قبضہ کرلیا - انھوں نے سپہ سالار کے خزانے اور اسلحہ خانے پر بھی اپنا قبضہ جما لیا - شیواجی کا کامیابی کی طرف یہ پہلا قدم تھا -

اس قلعے کو فتح کرنے اور اس پر قابض ہونے کے بعد شیواجی نے تمام موسمِ برسات اپنی توجہ "راج گڑھ" نامی قلعے پر مرکوز کردی - یہ پہاڑی قلعہ "تورنا" سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے - اس کے ساتھ ہی شیواجی نے ان تمام راستوں پر بھی نظر رکھی جو بیجا پور سے آتی تھی تاکہ سلطان کی فوج کی آمدورفت پر نگاہ رکھی جاسکے -

"سنگھ گڈھ" نامی قلعہ جو مسلمانوں کے قبضہ تھا اور جو پونا سے گیارہ میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع ہے، اپنی مضبوطی کی وجہ سے ہندوستان کی تاریخ میں "شیر قلعہ" کے نام سے مشہور تھا - شیواجی نے بغیر کسی جبر و تشدد کے اس قلعہ پر قبضہ کرلیا - وہ اس وجہ سے کہ یہاں کا قلعدار لالچی تھا اور شیواجی کی طرف سے ملنے والی رشوت نے اسے قلعہ شیواجی کے حوالے کر دینے پر آمادہ کردیا -

سنگھ گڈھ قلعے کو حاصل کرنے کے بعد شیواجی نے اپنی تمام تر توجہ "پرندر" نامی قلعے کو فتح کرنے پر مرکوز کردی - "پرندر" ایک قلعہ بند پہاڑ ہے جو پونا کے جنوب مغرب میں واقع ہے - ایسی جگہ واقع ہے جو چاروں طرف سے چٹانوں سے گھری ہوئی ہے - قلعہ کی بلندی چار ہزار فٹ سے زیادہ ہے - اس پہاڑ کی دو چوٹیاں ہیں جن میں سے ایک پر قلعہ بنا ہوا ہے اور دوسری چوٹی جسے "شیوجی کی مالا" کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے لمبے عرصے سے قلعہ بند کر دیا گیا ہے - یہ پونا کی حد پر آخری قلعہ تھا اور شیواجی ہر قیمت پر اسے اپنے قبضہ میں لانا چاہتے تھے - قلعہ کا گورنر ایک ظالم شخص تھا جس کی وفات کے بعد اس کے تینوں

قلعہ رائے گڑھ جہاں سیواجی کا جشن تاجپوشی منعقد ہوا تھا :

"تورنا" کا مضبوط قلعہ - پس منظر میں "راج گڑھ" کا کچھ حصہ بھی نظر آرہا ہے -

پرتاپ گڑھ کا قلعہ ۔ جس کے قریب واقع بھوانی مندر بھی دیکھا جا سکتا ہے ۔

لڑکوں میں قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ شروع ہو چکی تھی ۔ شیواجی نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان بھائیوں کے جھگڑے طے کرنے کے لئے اپنے آپ کو ایک ثالث کی حیثیت سے پیش کیا ۔ تینوں دعوے دار کیونکہ جھگڑوں سے پریشان ہو چکے تھے اس لئے انھوں نے شیواجی کی اس پیشکش کو بخوشی منظور کر لیا ۔ شیواجی نے مزدوروں کے بھیس میں اپنی فوج کو آہستہ آہستہ قلعے میں بلانا شروع کر دیا ۔ فوجی اپنے سروں پر گھاس پھونس کے گٹھے رکھ کر قلعے میں داخل ہونا شروع ہو گئے ، اور کسی نے بھی ان پر شک و شبہ ظاہر نہیں کیا ۔ ابھی گھاس پھونس کے گٹھوں میں اپنے ہتھیار بھی پہنچانا شروع کر دئے اور تھوڑے ہی عرصے میں کافی فوج اور فوجی سامان "پُرندر" کے قلعے میں جمع ہو گیا ۔ اب شیواجی کو اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ یہی وہ وقت ہے جبکہ وہ قلعے پر اپنا جھنڈا لہرا دیں اور قبضہ کر لیں ۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو ضروری احکام دئے اور تینوں بھائیوں کو ساتھ لے کر دریا کی سیر کے بہانے قلعے سے باہر نکالا ۔ سیر و تفریح کے بعد جب ان کی قلعے میں واپسی ہوئی تو اُن بھائیوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ پھاٹک کے میناروں پر سے بیجاپور کا جھنڈا ، جس پر ہلالی نشان بنا ہوا تھا ، غائب ہو چکا تھا اور قلعے کے پہرے دار بھی اجنبی سپاہی تھے جو جنگلیوں کی طرح نظر آ رہے تھے ۔

شیواجی کی پے در پے فتوحات کی بنا پر علاقے کے بہت سے نوجوان مرہٹے اپنا آبائی پیشہ کاشتکاری چھوڑ کر اُن کی فوج میں بھرتی ہونا شروع ہو گئے اور شیواجی نے انھیں بخوشی قبول کر لیا مگر سب سے بڑا مسئلہ جو درپیش تھا وہ اس بڑھتی ہوئی فوج کی رسد اور تنخواہ مہیّا کرنے کا تھا ۔ شیواجی کے پاس دولت تو تھی نہیں کہ اس کا حل نکل آتا ۔ اس لئے سرداروں کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ کسی طرح اُس قافلے کو جو صوبہ کا گورنر سالانہ لگان کے ساتھ بیجاپور کے سلطان کی خدمت میں روانہ کر رہا ہے ، اپنے قبضے میں لے لیا جائے جس وقت یہ قافلہ پہاڑی درّوں سے گزر رہا تھا تب شیواجی کی فوج نے اس پر حملہ کر دیا اور بیجاپور لے جایا جانے والا خزانہ اُس کے قبضہ میں آ گیا ۔ اس قافلے پر تصرف جمانے کے بعد شیواجی نے "کلیان" پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا ۔ اُس وقت کلیان کا گورنر مولانا احمد تھا جو بیجاپور کے سلطان کی ماتحتی میں تھا ۔ شیواجی نے اپنی سابقہ روایات قائم رکھیں اور نہایت خاموشی کے ساتھ اُن کی فوج قلعے میں داخل ہو گئی ۔ فصیل کے محافظ خانہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے گورنر کے محل پر پہنچے اور گورنر کو قید کر لیا ۔ شیواجی کے یہ دونوں افعال ، ایک محصول لیجانے والے قافلہ پر حملہ کرنا اور دوسرے کلیان کے گورنر کو قید کرنا ایسے تھے جس سے نہ صرف حکومت بیجاپور بلکہ مغلیہ حکومت کی جبیں پر بل پڑ گئے ، اور یہ دونوں عظیم طاقتیں مل کر شیواجی کو گرفتار کرنے کے درپے ہو گئیں

مگر شیواجی نہ تو بیجاپور کے بہادر جنرل افضل خان کے قبضہ میں آئے اور نہ ہی مغلیہ سلطنت کے جنرل شائستہ خاں انھیں گرفتار کرسکے بلکہ ان فتوحات سے شیواجی کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی اور لوگ شیواجی کو ایک غیبی طاقت کا مالک سمجھنے پر مجبور ہوگئے۔ آگے چل کر یہی فتوحات شیواجی کے اقتدار کا زینہ بن گئیں۔

شیواجی نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ جب تک وہ سہیادری پہاڑ کے قلعوں پر قابض نہیں ہوتے اُس وقت تک مراٹھا سلطنت قائم نہیں کی جاسکتی۔ شیواجی نے مراٹھا حکومت قائم کرنے سے پہلے تیئیس قلعے فتح کرلئے تھے اور ہر قلعے کو اپنے انداز فکر کے مطابق محفوظ کرلیا تھا۔

شیواجی پہاڑی قلعوں کو کافی اہمیت دیتے تھے۔ قلعوں پر قبضے کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں پر حکومت کرنا بہت آسان ہوجاتا تھا۔ ایک بار قلعہ میں اناج، گولہ بارود کا ذخیرہ جمع کرنے کے بعد تھوڑی سی فوج دشمن کی بڑی سے بڑی فوج کا دو دو سال تک مقابلہ کرسکتی تھی۔ اسی لئے شیواجی نے اپنی راجدھانی میدانی علاقے کی بجائے پہلے راج گڑھ اور پھر رائے گڑھ میں قائم کی۔

چونکہ شیواجی کو سمندری لڑائیاں بھی لڑنی پڑتی تھیں اس لئے انھوں نے بحری بیڑہ کے ساتھ ساتھ سمندری قلعے بھی تعمیر کرائے تھے۔ سندھو دُرگ اور وجے دُرگ ان کے مشہور سمندری قلعے تھے۔ شیواجی کے پاس تقریباً تین سو قلعے تھے۔ قلعوں کا انتظام بڑا اچھا تھا۔ ہر قلعے میں مختلف عہدیدار مثلاً قلعدار، کارخانیس اور فردنویس وغیرہ رہا کرتے تھے۔ قلعوں کی حفاظت کی خاطر شیواجی نے مختلف ذات پات کے عہدیدار مقرر کئے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کا آپس میں ایک دوسرے پر اثر رہتا تھا اور دشمن کو کسی قسم کی سازش کا موقع نہیں ملتا تھا۔

صحیح معنوں میں مراٹھا سلطنت قائم کرنے میں شیواجی کے معاون و مددگار یہی قلعے ثابت ہوئے۔ آج بھی قلعہ رائے گڑھ ہو یا سنگھ گڑھ، تورنا ہو یا پُرندر، پرتاپ گڑھ ہو یا سجن گڑھ، شیونیری ہو یا پنہالہ، اُسکی ہر دیوار، کنگرا اور بُرج سے شیواجی کی عظمت کے نشان نمایاں ہیں۔ ●●

سجن گڑھ قلعے کا "شری چھترپتی شیواجی مہا دوار" نامی دروازہ

گاندھی جی — ایک عظیم انسان

ظ۔ رضوی

اس فانی دنیا میں پیدا ہونے والے کو ایک دن مرنا ہے! اس کی تاریخ میں آدم سے اب تک مرنے اور پیدا ہونے والوں کا شمار مشکل ہے۔ جب تک انسان زندہ رہتا ہے اس کی یاد دلوں میں باقی رہتی ہے۔ اور پھر گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ اس کی یاد ایک بجھتے ہوئے چراغ کی روشنی کی طرح مدھم پڑتے پڑتے ختم ہو جاتی اور ایسا لگتا ہے کہ یہاں کوئی روشنی ہی نہیں تھی۔ پھر وہی تاریکی۔

حال ماضی کے نقوش اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی پر کھینچا ہوا نقش ـــــ لیکن کچھ مرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو مرنے کے بعد امر ہو جاتے ہیں جن کی یاد اسی طرح تازہ رہتی ہے جیسے ان کی زندگی میں تھی۔ وہ کونسی قوت ہے جو ان کی یاد کو تازہ رکھتی ہے؟ جو عام مرنے والوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یقیناً انکی زندگی مثالی زندگی ہوگی۔ جو خلق خدا کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتی ہوگی۔ جس کو خدمت خلق اور فلاح انسانی کے لئے وقف کر دیا ہوگا۔ ان کی زندگی دوسروں کے لئے ہوگی۔ اور یہی وہ آثار ہیں جو مرنے والے کے بعد اس کے تذکرہ کو باقی رکھتے ہیں۔ کیونکہ جو صرف اپنے لئے ہی زندہ رہتے ہیں ان کی زندگی انھیں تک محدود رہتی ہے اس کے برعکس جو دوسروں کے لئے زندہ رہتے ہیں ان کی زندگی تمام انسانوں کی زندگی کا جزو ہو جاتی ہے جو مرنے والے کے کردار، عمل و قول کی روشنی میں زندگی حاصل کرتے ہیں۔ یہ آثار اس لافانی زندگی کا قبالہ بنتے ہیں جو اسے ہمیشہ تر و تازہ رکھتا ہے۔

یہ زمین رشیوں منیوں و پیغمبروں کا مسکن رہی ہے جن کے حسن اخلاق و تعلیمات سے انسان اپنے کردار و عمل میں چلا کرتا رہا۔ تاکہ اس تخریبی عنصر (جو سرشت انسان کا جزو ہے) کا غلبہ تعمیری حصہ پر نہ ہو سکے۔ چنانچہ ہدایت کا قافلہ مصلحتِ وقت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور اس وقت تک نہیں رکا جب تک ذہن انسان بلوغیت کی منزل تک نہیں پہنچا۔ جب انسان میں اتنا شعور پیدا ہو گیا کہ وہ خود حق و باطل، غلط و صحیح میں امتیاز کرنے لگا تو اب ان میں ہی سے کچھ ایسے بھی پیدا ہوئے جو ابتدا ہی سے خدا ترس تھے۔ دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے۔ اپنی ریاضت سے روحانیت کی اس منزل تک پہنچ گئے جہاں مادیت اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ دنیاوی زندگی میں بھی اس سادگی سادہ لوحی کو باقی رکھا جو دینوی زندگی کا جزِ حقیقی ہے۔ بُرے کو بُرائی سے دُور رہنے کا اُپدیش اور اچھائی اپنانے کی تلقین کرتے۔ ظلم و جور کے خلاف آواز بلند کرتے اور تحفظ آزادی و حقوق انسانی کے لئے جد و جہد کرتے۔ اگر آپ بیسویں صدی کے رہنماؤں پر نظر ڈالیں تو مہاتما گاندھی کی زندگی سرفہرست نظر آئے گی۔ جس کے اندر ایک وقت میں دونوں خصوصیتیں ملیں گی جو دنیا کا لیڈر ہوتے ہوئے مذہب کے پرستاروں کی صف میں بھی آگے ملے گا۔

گاندھی جی کی زندگی محتاج تعریف نہیں ہے۔ جس کے رہنما کے اصولوں نے صرف ہندوستانیوں کو ہی نہیں جیتا بلکہ سمندر کے پار بسنے والوں نے اسے عین زندگی تصور کیا۔ امن و آشتی کا یہ پیغامبر ابتدا سے لے کر انتہاء زندگی تک انھیں اصولوں پر کاربند رہا۔

جب تک انسان میں نفس کی پاکیزگی پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک وہ عوام سے قربت حاصل نہیں کر سکتا۔ گاندھی جی میں انسانیت کے ساتھ ساتھ نفس کی پاکی بھی تھی۔ وہ لیڈر ہونے کے باوجود ایک عظ[illegible] سنت بھی تھے۔ اگر وہ چاہتے تو دنیاوی جھنجھٹوں سے چھٹکارا حاصل کر کے کسی گوشہ عافیت میں زندگ[illegible] گذار سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے عوام سے تعلق رکھ[illegible] یہ ان کی عملی زندگی کا عظیم کارنامہ ہے کہ دولت علم [illegible] مالا مال ہوتے ہوئے اتنے سادگی پسند تھے کہ وہ غری[illegible] سے غریب انسان سے ملنے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کرتے۔ انھوں نے انسانیت کے ظاہری بھید بھاؤ پرے جا کر آواز دی کہ انسان ایک ہے وہ سب آپس [illegible] بھائی ہیں۔ نہ کوئی اونچا ہے اور نہ اچھوت، صرف انسان کا عمل اور اس کا کردار اونچا ہونا چاہئے ہر ایک کے دل میں ایک دوسرے کا احترام ہونا چا[illegible] تاکہ مساوات قائم رہے۔

وہ عدم تشدد کے حامی تھے۔ چنانچہ خود ہی [illegible] ہیں کہ "عدم تشدد میرے عقیدہ کی پہلی شرط ہے یہ میرے مسلک کی آخری شرط بھی ہے" اس اصو[illegible] گاندھی جی نے پوری زندگی گذار دی۔ اُن کی حیا[illegible] میں اکثر و بیشتر ایسے مواقع آئے کہ اگر وہ چاہتے جوابی کارروائی کر سکتے تھے مگر انھوں نے ایسا کر[illegible] سے احتراز کیا۔ اور یہ وہ حربہ تھا کہ جس سے [illegible] دل موم ہو گئے۔

گاندھی جی کے نفس کی آواز تھی جس نے ا[illegible] قومی خدمت میں محو ہو جانے پر مجبور کیا۔ اور ا[illegible] انھوں نے اپنا دین و مذہب بنا لیا۔ ان کے نز[illegible] ادیان عالم کے وہ سارے قوانین جو انسان [illegible]

(باقی صفحہ ا[illegible]

از : شری کے دیلودھر

ترجمہ : عبدالرحمٰن عبدالحمید بیکس

خبردار جو میری رعایا کو غلام بنانے کی کوشش کی ...

سنہ ۱۸۰۷ء میں انگلینڈ میں ولیم ولبرفورس نے غلاموں کی خرید و فروخت کے خلاف آواز اٹھائی اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۱۸۳۳ء میں ایک قانون جس کی رو سے غلاموں کو آزادی عطا کی گئی۔ اس کے بعد ابراہم لنکن نے ۱۸۶۳ء میں امریکہ میں غلامی کی رسم کو ختم کردیا لیکن اس سے کہیں پہلے یعنی ۱۶۸۴ء میں بھارت میں ایک دلیر انسان چھترپتی سنبھاجی مہاراج غلامی کی رسم کے خلاف آواز بلند کرچکے تھے !

چڑھتی ہوئی دھوپ کی شدت برداشت کرتے ہوئے کیپٹن گیری آگے قدم بڑھائے چلے جارہا تھا۔ انگریزی سفیر کی حیثیت سے اُس کے سر پر بہت بڑی ذمہ داری عائد تھی لہٰذا تمام تکالیف کا خاموشی سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ اپنی ذمہ داری نباہ رہا تھا۔ جہاز، کشتی، گھوڑا، بیل گاڑی غرضیکہ جو بھی ملتا استعمال کرکے منزل تک پہنچنا ہی تھا۔

اپنی اونچی ٹوپی کو سر پر پیچھے کی طرف سرکاتے ہوئے کیپٹن گیری نے رام شینوی سے پوچھا: "ابھی اور کتنا فاصلہ طے کرنا ہے؟"

"بس تھوڑا سا ہی فاصلہ رہ گیا ہے" رام شینوی نے جواب دیا "ہمارے حاکم اعلیٰ کا حکم ہے کہ سنبھاجی سے دئے ہوئے وقت کے مطابق ملاقات کی جائے اور اگر ہم وقت پر نہیں پہنچے تو راجہ کے خفا ہونے کا امکان ہے۔"

"آپ بالکل فکر مت کیجیے۔ ہم وقت پر پہنچ جائینگے۔"

یہ جواب دیکر رام شینوی نے پان کا بیڑا منہ میں رکھ لیا۔

رام شینوی اور کیپٹن گیری دونوں سنبھاجی مہاراج سے بات چیت کرنے کے لئے نکلے تھے۔

سفر کے دوران کیپٹن گیری مراٹھوں اور انگریزوں کے رشتے پر سوچنے لگا۔ مراٹھوں کے بارے میں اُسنے جس کتاب سے معلومات فراہم کی تھی اُسکے صفحے کیپٹن کے ذہن میں گردش کرنے لگے۔

"پرتگالیوں کو سنبھاجی مہاراج نے جو کمر توڑ جواب دیا تھا اُس کو مدِنظر رکھتے ہوئے انگریز مراٹھوں سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔ وہ مراٹھوں سے ذرا بھی دشمنی مول لینا نہیں چاہتے تھے لیکن سورت کے انگریز عہدیدار خود دور رہ کر بمبئی کے انگریزوں کو مراٹھوں پر چڑھائی کرنے کو کہتے تھے۔ سورت میں مغلوں کی حکومت ہونے کی وجہ سے سورت کے انگریز حاکم ہمیشہ اُنکی طرفداری کیا کرتے تھے اور بمبئی کے انگریزوں کو مشورہ دیا کرتے تھے کہ وہ جنجیرہ کے سِدی حکمراں کی مدد لیکر مراٹھوں کی حکومت کا قلع قمع کردیں۔ سدی حاکم اور مغلوں کی مدد سے انگریزوں کے حوصلے بلند ہو رہے تھے۔ لیکن اسی اثنا میں انگریزوں کے بحری جہاز "پریسیڈنٹ" اور راجاپور سے نکلے ہوئے چند مراٹھا جہازوں کے درمیان جھڑپ میں انگریزوں کے دانت کھٹے ہو گئے۔ انگریزوں کی شکست کی خبر سن کر انگریزی سفیر ہنری اِکنسو جو مراٹھوں سے بات چیت کے سلسلے

میں آیا تھا۔ بعد از گفتگو ہی بھاگ کھڑا ہوا۔

بمبئی میں سِدّی کی بالادستی روز بروز بڑھتی جارہی تھی اس لئے بمبئی کے انگریزوں کو فکر لاحق ہوگئی تھی ادھر سنبھاجی کا حکم تھا "چونکہ سِدّی ہمارا دشمن ہے اسلئے تم اُسے مدد نہیں دے سکتے" اس طرح بمبئی کے انگریز بڑی کشمکش میں مبتلا ہوگئے تھے۔ سنبھاجی نے کرنجا پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں کی صفوں میں اودانتشار برپا کردیا۔ ان حالات کے پیش نظر ہی رچرڈ کیجوین کا تقرر بحیثیت گورنر عمل میں آیا۔ کیجوین نے سورت کے انگریزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے انگلینڈ کے بادشاہ چارلس دوم کو تمام تفصیلات سے آگاہ کردیا۔ اس کے نتیجے میں مراٹھوں سے مصالحت کرنے کیلئے فوری طور پر کیپٹن گیری کو بھیجا گیا تھا۔ کیپٹن گیری کو اُمید تھی کہ اپنی چالاکی سے اِدھر اُدھر کی باتیں بناکر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ کیپٹن گیری ان خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک مندر کے گھنٹے کی آواز اُس کے کانوں میں پڑی اُس نے سوالیہ نظروں سے رام شینوی کی طرف دیکھا۔ رام شینوی نے کہا "سامنے کے مندر سے گھنٹے کی آوازیں آرہی ہیں۔ ہم منزلِ مقصود پر پہنچ چکے ہیں"

انگریزی سفیر کی آمد کی خبر سنبھاجی مہاراج تک پہنچا دی گئی اور سنبھاجی نے جواب بھجوادیا کہ دئے ہوئے وقت کے مطابق گفتگو ہوگی"

کیپٹن گیری نے تھوڑی دیر آرام کیا۔ پھر درباری لباس پہن کر نذرانہ ہاتھ میں لئے رام شینوی کے ساتھ دربار کی طرف قدم بڑھائے۔

سنبھاجی مہاراج اونچے تخت پر بیٹھے آرام فرما رہے تھے سنبھاجی کے دائیں ہاتھ کی طرف کویکلش اور بائیں جانب وزیروں کی جماعت کھڑی تھی۔

سنبھاجی مہاراج کے گلے میں موتیوں کا ہار تھا لیکن سنبھاجی کی نظریں اُن موتیوں سے زیادہ پُراثر تھیں۔ کیپٹن گیری اُن کے جُثہ اور جلال کو دیکھ کر قدرے گھبرایا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اُس کی آنکھوں کی طاقت سلب ہوگئی ہے۔

رام شینوی کے اشارہ کرنے پر کیپٹن گیری آگے بڑھا اور مہاراج کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا۔

کیپٹن گیری نے اپنے حوصلہ کو بڑھایا اور عرض کیا۔ "مراٹھا دربار میں بات چیت کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے"

سنبھاجی مہاراج نے مُسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔

کیپٹن گیری نے مزید کہا "آپ کی بھلائی کا خیال ہمیشہ ہمارے دماغ میں رہتا ہے"

"اچھا! اسی لئے آپ لوگ سِدّی کی مدد کرتے ہیں؟"

کیپٹن گیری کے قدم ڈگمگائے مگر حوصلے نے ساتھ دیا اور گلے کو صاف کرکے کہا "مجبوراً ہمیں کبھی کبھی ساتھ دینا پڑتا ہے مہاراج"

"تم لوگ بمبئی میں سِدّی کے سپاہیوں کی مدد کرتے ہو، انھیں رَسد پہنچاتے ہو، کیا یہ صحیح ہے؟" کویکلش نے بھویں چڑھاکر دریافت کیا۔

کیپٹن گیری خاموش کھڑا رہا۔ سنبھاجی مہاراج نے پوچھا۔ "اور ہماری رعایا میں سے کچھ بچوّں کو وہاں لے جاکر بیچا گیا ہے یا نہیں؟"

کیپٹن گیری نے پیشانی پر آئے ہوئے پسینے کو پونچھتے ہوئے کہا۔ "بچوں کو لے جاکر فروخت کیا گیا یہ بات صحیح ہے۔ لیکن ہم نے ان بچوں کو اُن کے گھروں پر پہنچا دیا ہے۔ سِدّی سے سمجھوتہ کرنے کے ارادے کو ترک کردیا ہے۔ ہم مراٹھوں سے سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ سِدّی کی مدد کرنا اب ہمارے بس کی بات نہیں ہے"

"ٹھیک ہے! جو ہمارا دوست وہ تمہارا دوست جو ہمارا دشمن وہ تمہارا دشمن۔ اس بات کو ہمیشہ دھیان میں رکھنا۔ سِدّی کو نیست و نابود کرنے کے لئے ہم اَنتھک کوشش کررہے ہیں۔ تم بھی کوشش کرنا، سمجھے؟"

"آپ کا کہنا میں اپنی سرکار تک ضرور پہنچادوں گا لیکن ہماری کچھ اور مانگیں ہیں"

"کہو!"

"سابق چھترپتی مہاراج کے زمانے میں ہمیں جو سہولیات حاصل تھیں وہ اب بھی ملنی چاہئیں"

"ضرور ملیں گی، اور تفصیلی معلومات کویکلش سے فراہم کرو۔ لیکن اس بات کا خیال رکھو کہ دی ہوئی زمین سے ہی کام چلایا جائے۔ انھیں زیادہ نہ بڑھایا جائے اور اس زمین پر قلعہ تعمیر نہیں کیا جاسکتا۔ زیادہ نوکر نہیں رکھے جائیں۔ سپاہیوں کی تعداد بڑھائی نہیں جائے گی"

"جی نہیں مہاراج، آپ کے دئے ہوئے قانون پر ہی ہم عمل کریں گے۔ تاہم جس جگہ پر ہم رہتے ہیں وہاں ہمیں ایک عبادت گاہ بنانے کی اجازت دی جائے"

"تم اپنی عبادت گاہ ضرور تعمیر کرو۔ ہمارے اس ہندوی سوراج میں مندر، مسجد، گرجا، سب کا احترام کیا جائے گا۔ اُن کی حفاظت کی جائے گی۔ لیکن ہمارے مذہب میں کوئی مداخلت نہ کی جائے، ورنہ ہم نے پرتگالیوں کے ساتھ جو رویّہ اختیار کیا اُسے شاید انگریزوں کے لئے بھی اختیار کرنا پڑے" کمر پہ بندھی تلوار کی مٹھی پر ہاتھ رکھتے ہوئے سنبھاجی مہاراج نے کہا۔

کیپٹن گیری نے خوف سے رام شینوی کی طرف دیکھا۔ سنبھاجی مہاراج نے اپنی گدّی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ایک بات ہمیشہ دھیان میں رکھنا"

"کہئے مہاراج"۔

"ہماری رعایا میں سے کسی کو بھی غلام بنانے کی جُرأت نہ کرنا۔ ہماری رعایا میں سے کسی کو بھی کسی بھی وجہ سے فروخت نہ کرنا۔ اس کا خیال بھی دماغ میں نہ لانا۔ خبردار ... جو ہماری رعایا کو غلام بنانے کی کوشش کی: اس قسم کی کوئی بھی حرکت قطعی برداشت نہیں کی جائیگی۔ ہم اپنی رعایا کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں"

یہ آواز کیپٹن گیری کے کانوں میں بجلی کی کڑک کی طرح گونج گئی۔ اُس نے سامنے دیکھا تو سنبھاجی مہاراج جاچکے تھے۔

"ہم اپنی رعایا کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں" چھترپتی کا یہ جملہ کیپٹن گیری کے دماغ میں رقص کرنے لگا۔

خیال اُسے بالکل نیا معلوم ہوا۔ اُس کے اپنے ملک میں بادشاہ اور رعایا کے بیچ کشاکش اُس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگی۔ جیئس کا ریس ایکٹ بننے سے پہلے رعایا کو جو تکالیف اٹھانی پڑی تھیں اُن کا خیال آتے ہی اُس کے دماغ میں اُلجھن ہونے لگی۔ رعایا کو اولاد سمجھنے والا بادشاہ آج ہی اُسے چھتر پتی کے روپ میں نظر آیا۔ غلامی کے خلاف سنبھاجی کے جذبات جان کر اس کا دل متحیر ہو اٹھا اور اسی کے ساتھ یورپ میں غلاموں کی خرید و فروخت کی غیر انسانی رسم کا خیال آتے ہی اُس کا سر شرم سے جھک گیا۔

●●

ٹیکنیکل کورس میں داخلہ

طلباء کو ھدایت

ڈائرکٹر آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، مہاراشٹر نے ٹیکنیکل ادارہ جات میں داخلہ کے خواہشمند طلباء کو اس بات کا خیال رکھنے کا مشورہ دیا ہے کہ مخصوص ادارہ اور کورس ڈائرکٹوریٹ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن مہاراشٹر اسٹیٹ کی جانب سے منظور شدہ ہیں یا نہیں۔

مختلف ڈپلوما اور ڈگری کورس چلانے والے ادارہ جات کی منظوری کے بارے میں معلومات ڈائرکٹر آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، الفنسٹن ٹیکنیکل ہائی اسکول بلڈنگ، ۳ مہاپالیکا مارگ، بمبئی ۱ اور مختلف سرٹیفیکیٹ کورس چلانے والے اداروں کی بابت معلومات ریجنل ڈپٹی ڈائرکٹر آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، ویر ساورکر مارگ، دادر، بمبئی ۲۸ ، ڈپٹی ڈائرکٹر آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، ریجنل آفس، پونا/ناگپور/ اورنگ آباد سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

●●●

روپ آنتر : نیاز حید

صفحہ ۳۹
آہنگ : ۹۲

شری پتی نے سوچا من میں
یدی میں جاؤں مدھوبن میں
گھرا رہوں، پشوں، گؤوں میں
بوجھ اٹھاؤں، بوجھ اُتاروں
پیڑا جاگے سگرے تن میں
کون پھنسے ایسی اُلجھن میں
نند نے پوچھا تو کہہ دوں گا
آج نہیں کل اُدشیہ جاؤں گا مدھوبن میں
گودھن لیتا آؤں گا
پر کیا رکھا ہے گودھن میں
بہت چتر، چالاک ہے بالک
اس جیسا دوجا نہیں کوئی
کہت ہے نامہ من ہی من میں

نامدیو گاتھا

صفحہ ۳۹
ابھنگ ۹۳

بھور بھئی اور بال گوپال نکل آ پہنچے
"جاگ اُٹھو گوپال" کہا اور جگا دیا
انگڑائی لے کر بستر سے اُٹھے بھگون
بلی رام نے چھوڑ دئے سارے گودھن
ممتا سے ماتا کی چھاتی بھر آئی
بن میں اس کے تم ہی رکشک ہو
ہے بھگون !
دیکھو تم سب یہیں آس پاس
مِل جُل کر کھیلو
دور نہ جانا
نہیں تو میں گھبراؤنگی، بڑھ جائے گی ہردے کی دھڑکن
کیا نہ ہو کیا ہو ؟
کیا جانے !
اَنتر ہوتا ہے گھر آنگن میں اور بَن میں
دیکھو سنبھل کر پگ دھرنا
اَتی سے دُکھ دائی ہے ان کانٹوں کی چُبھن
اپنے بھوجن کا وِشرام کا دھیان رہے
ہے نامدیو کے داتا کیشی راج
ہے ننھے بھگوان !

صفحہ ۲۶
ابھنگ ۹۷

بچوں سے میں نے سُنی بات ہے
میرو شری پتی ماٹی کھات ہے
ہاتھ میں لے کر چھڑی
جھلا کر ہوگئی کھڑی
دِکھا کے آنکھیں، دھمکی دے کر
کرشن سے پوچھا
" ماٹی کھانے لگا ہے تو !
منھ کھول، بتا !! "
کرودھ سے تھر تھر کانپ رہی تھی ماتا
بھنچے ہوئے اَدھروں کو دبا کر منھ جب کھولا
تین لوک 'برہمانڈ' کا درشن !
ارے ! یہ کیا ــ !!
یہ کیا دیکھ رہی ہوں میں ؟
انگ انگ سے کمپت، وِوش، یشودھا
کرودھ نہ جھلاہٹ
کیول آشچریہ رہا
نامدیو کہتے ہیں
دیکھو بھئی باوری ماتا !

صفحہ ۳۸
ابھنگ ۹۰

پھر وہی گیند !
یہی کھیل رہ گیا ہے جیسے
گیند دیکھتے ہی بگڑنے لگی ـ یشودھا ـ رادھا پر
اری رادھکے !
ہر گوالن ہوتی ہے مہا ناش کاری
تم سب ایک ہی جیسی ہو
تم سب کی سب !
تم اُس بھولے بھالے کو بہکاتی ہو
وہ جو میرا چکرپانی، برمھ چاری سپوت ہے
سُن کے یشودھا کی بانی
تُرنت چل نکلی رادھا
من ہی من میں ہنستی
موہن سچ مچ برمھ چاری اور چکر پانی ہی ہوگا !
سمجھ گئی سب کچھ، اب آگے کیا سمجھوں ؟
دیکھو، یشودھا مائی اپنے سنگ
ہری کو لے کر کہاں گئی
ہری جو رادھا کے من با سے
نامہ کہے ہری کو یشودھا
مندر ہی میں لے کے گئی !

تین عورتیں ایک ریلوے لائن کے کنارے چلی جا رہی تھیں۔ کس مقام پر؟ کس ریلوے لائن کے کنارے؟ ان کا مذہب کیا تھا؟ ان کی ذات کیا تھی؟ یہ سب تفصیل غیر ضروری ہے۔

تین عورتیں:

ایک نوجوان سُندری تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ اس کے سینے میں اُبھار، اُس کی چال میں والہانہ پن۔

ایک ماں تھی۔ اُس کی گود میں ایک بچہ تھا۔ لال بوٹی سا سات دن کا بچہ۔ بار بار ماں اپنے لال کی طرف محبت بھری نگاہ سے دیکھتی تھی اور اس کو بھینچ کر کلیجے سے لگا لیتی تھی گویا کسی آنے والے خطرے سے بچا رہی ہے۔

ایک بھکارن تھی۔ اُس کی ساڑھی کا رنگ کسی زمانے میں سفید رہا ہوگا۔ اب مٹی اور پسینہ سے اتنی میلی ہو گئی تھی کہ جیسے مدتوں کیچڑ میں پڑی رہی ہو۔ اُس کی ساڑھی کسی زمانے میں ساڑھے پانچ گز کی ہوگی۔ اب تو پَلّو پھٹتے پھٹتے وہ مشکل سے تین گز کی رہ گئی تھی۔ اور تن ڈھانکنے کے لئے بھی کافی نہ تھی۔ اُس کے بال گرد سے اَٹے ہوئے تھے اور نکیلے پتھروں نے اُس کے پاؤں زخمی کر دیئے تھے۔

تین عورتیں ایک ریلوے لائن کے کنارے چلی جا رہی تھیں۔

تین عورتیں:

دور جہاں ریلوے لائن کی دونوں چمکتی ہوئی پٹڑیاں ایک لمبی لکیر بن کر آسمان میں گم ہو گئی تھیں، ایک چھوٹا سا کالا نقطہ نظر آیا۔ ہوا کے جھونکے کے ساتھ ریلوے انجن کی سیٹی کی دھیمی آواز آئی۔

سیٹی کی آواز سنتے ہی بھکارن چوکنی ہو گئی۔ دہشت اور پریشانی کی بجائے اُس کے چہرے پر ایک خوفناک ارادے کی جھلک نظر آئی۔ ایک سیکنڈ وہ ٹکٹکی لگائے سامنے آسمان کی طرف دیکھتی رہی جہاں چھوٹا سا کالا نقطہ نظر آ رہا تھا پھر وہ جلدی سے ایک پٹڑی پھلانگ کر دونوں پٹڑیوں کے درمیان چلنے لگی۔

نوجوان سندری اور بچے کی ماں اپنی ساتھن کے چہرے پر ایک خوفناک ارادے کی جھلک دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ جیسے ہی بھکارن چھلانگ مار کر پٹڑیوں کے درمیان آئی اس کے ساتھ ہی یہ دونوں بھی آ گئیں۔

"آخر تیرا ارادہ کیا ہے؟" ماں نے بھکارن سے پوچھا۔ مگر اُس کے لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سوال غیر ضروری ہے۔

"تو خوب جانتی ہے" بھکارن نے لاپرواہی سے جواب دیا اور برابر سامنے آسمان کی طرف نظر جمائے دیکھتی رہی۔ اب وہ چھوٹا سا کالا نقطہ اتنا چھوٹا نہ رہا تھا۔

"کیا پاگل ہو گئی ہے تو؟" نوجوان سُندری نے ایسے لہجے میں کہا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ دفعتاً اس کو ایک بہت بڑے خطرے کا احساس ہوا ہے۔

بھکارن بڑے بڑے قدم بڑھائے چلی جا رہی تھی۔ اور دوسری دونوں عورتوں کو اتنا تیز چلنا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ مگر وہ بھی کسی نہ کسی طرح اس کا ساتھ دیئے جا رہی تھیں۔

"پاگل! اور میں؟" بھکارن قہقہہ مار کر اس بُری طرح ہنسی کہ نوجوان سندری اور ماں دونوں ڈر گئیں۔

"پاگل میں ہوں یا تم جو اب تک زندگی سے انصاف کی آس لگائے بیٹھی ہوئی ہو؟ آخر ہمیں زندہ رہنے کی کوئی وجہ ہی کیا ہے؟ میں تو سمجھتی ہوں کہ اس زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر ہوگی۔"

نوجوان سندری اتنی آسانی سے بازی ہارنے والی نہ تھی۔ "مگر سوچو تو۔ میری جوانی کا تو خیال کرو۔ عورت عمر میں ایک بار ہی تو جوان ہوتی ہے۔ جب بھی زندگی کا لطف نہ اُٹھایا تو..."

خواجہ احمد عباس

"جوانی !" بھکارن نے حقارت سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "جوانی ! وہی جوانی جس کی قیمت چار آنے ہے۔ وہی جوانی جس کو ایک خود غرض مرد نے اپنی میٹھی باتوں سے لوٹ کر تمہیں ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا ! وہی جوانی جس کو تم ہر روز بازار میں بیچنے پر مجبور ہو ! ہر پولیس کے سپاہی کے ہاتھ ! ہر ریل کے بابو کے ہاتھ ! ہر آوارہ شرابی کے ہاتھ جو چونی تمہارے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے ! آخ تھو ہے ایسی جوانی پر۔"

اب ماں کی باری تھی۔ اُس نے اپنے بچّے کی طرف دیکھا اور گویا اس کا سہارا پاکر بھکارن سے بحث کرنے کے لیے تیار ہوگئی۔ "مگر میرا بچہ۔ آخر اس غریب نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کو موت کے حوالے کردوں۔ اس کی خاطر تو مجھے زندہ رہنا ہی ہوگا خواہ کتنی ہی مصیبت کیوں نہ جھیلنی پڑے" اور پھر بے اختیار بچے کو چھاتی سے لگا کر "میرا بچہ !"

"میرا بچہ ! بھکارن کی آواز میں اس قدر طنز اور حقارت تھی کہ ماں بے زبان ہوگئی۔ "ارے یہ گوشت کا لوتھڑا جس کو تو گلے سے چمٹائے پھرتی ہے۔ یہ دنیا کی بے انصافی، سماج کے ظلم کا جیتا جاگتا اشتہار۔ تیری تباہی اور بربادی کا ذمہ دار۔ آخر یہ بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ لاٹ صاحب بنے گا یا کلکٹر؟ اس ملک میں بھک منگوں کی کمی نہیں ہے۔ آخر کیوں نہ پھینک دیا اس کو اس کے باپ کے دروازے پر۔ پالتا وہ بزدل کمینہ اپنے گناہ کی یادگار کو ؟"

ماں جلدی سے بولی۔ "نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ اُن کو کچھ مت کہو۔" اس ایک لفظ "اُن" میں عجیب پریم، عجیب لگاوٹ کی چاشنی تھی اور اُس کو زبان سے نکالتے وقت ماں کی نگاہ نویلی دلہن کی طرح شرم سے جھک گئی۔ "اُن کو کچھ مت کہو۔ وہ اپنے ماں باپ کے خیال سے مجبور تھے۔"

بھکارن غصّے کے مارے آپے سے باہر ہوگئی۔

چھوٹا سا کالا نقطہ اب کافی بڑا ہوگیا تھا۔ اور ہر لمحہ قریب ہوتا جارہا تھا۔ ریل کی گڑگڑاہٹ سے بھی بلند اس کی آواز سنائی دی۔ "ماں باپ کے خیال سے یا جائداد کے خیال سے ! اور تمہارے ماں باپ کی ماتا کہاں گئی تھی جب انہوں نے بھادوں کی کالی رات میں تمہیں گھر سے نکال دیا۔ اس ڈر سے کہ تمہاری حالت ظاہر ہونے پر سماج کیا کہے گی۔"

یہ کہہ کر بھکارن سامنے آنے والی ریل کی طرف بے تحاشا لپکی اور نوجوان سندری اور ماں دونوں اس کو روکنے کے لئے ساتھ ساتھ دوڑیں۔

ایک کالے دیو کی طرح ریل کا انجن پچاس میل کی رفتار سے چلا آرہا تھا۔ ایک ڈراؤنی سیٹی کی آواز گونجی۔ مگر بھکارن ذرا نہ جھجکی۔

انجن کے پہیے اس کی طرف لپک رہے تھے۔

ریل کے ایک درجے میں دو بڑی توند والے بیوپاری لاکھوں کی لین دین کا سودا کر رہے تھے۔ ان کے سامنے شراب کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں اور وہ گلاس پر گلاس چڑھا رہے تھے۔ نشہ میں دُھت ! اور دُنیا کے دُکھوں سے بے خبر۔ تیسرے درجے میں بھیڑ بکریوں کی طرح غریب اور کسان اور مزدور بھرے ہوئے تھے۔ ایک اندھا فقیر تنبورہ ہاتھ میں لئے ان کو بھجن سُنا رہا تھا۔ یہ سب بھی نشہ میں دُھت ! اور خود اپنے دُکھوں سے بے خبر ! ایک پگلا کھڑکی کے قریب بیٹھا ہوا بڑبڑا رہا تھا۔ رام رام ست ہے۔ دھت تیرے کی ! رام رام ست ہے۔ دھت تیرے کی !!

انجن کی سیٹی خوفناک طریقے سے کئی بار گونجی اس کی گونج میں خطرہ کا اعلان تھا۔

"رُک جاؤ۔ رُک جاؤ" نوجوان سندری اور ماں نے آخری بار کوشش کرتے ہوئے بھکارن سے التجا کی۔

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ اگر تمہیں جان پیاری ہے تو تم ہٹ جاؤ" بھکارن نے ان کو جھڑک دیا۔

"مگر تم جان دیدو گی تو ہم کب زندہ رہ سکتے ہیں" ان دونوں نے جواب دیا۔

انجن کی بھیانک سیٹی ایک بار پھر گونجی۔ با
قریب۔

نوجوان سندری بھاگتے بھاگتے بے دم ہوگئی تھی مگر اس نے لپک کر بھکارن کا دامن پکڑ لیا اور اُس خطرے کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ ماں ایک ہاتھ سے اپنے گود کے بچّے کو سنبھالا اور دوسرے سے بھکارن کو ریل کی پٹری سے دھکا دیکر ہٹانا چاہا مگر ان کی کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ انجن اتنا قریب آگیا تھا کہ بھکارن ڈرائیور کا وحشت زدہ چہرہ دیکھ سکتی تھی۔ اس نے پورا زور لگا کر نوجوان اور بچے کی ماں سے اپنا دامن چھڑا لیا۔

دفعتاً ریل کے ٹھیر جانے کے جھٹکے سے بیوپاریوں کا نشہ ہرن ہوگیا۔ ان کی شراب کی بوتلیں اور گلاس جھن جھن کر کے فرش پر آرہے۔ تیسرے درجے اندھے فقیر کے ہاتھ سے تنبورہ گر گیا۔ اور بھجن گانا گیا۔ ایک لمحے کے لئے اس جھٹکے نے غریبوں کسانوں اور مزدوروں کا نشہ اُتار دیا۔ مسافر اپنے درجوں سے اُتر آئے اور انجن کی طرف چلے۔

"کیا ہوا ؟ کیا ہوا ؟"

"کوئی ریل کے نیچے آگیا ہے۔"

"ارے یہ تو کوئی بھکارن ہے۔"

"مگر سندر اور نوجوان۔"

"اور بیچاری کا بچّہ بھی تو مر گیا۔"

"کیا ہوا ! کیا ہوا ! کون مر گیا ؟"

"ایک عورت ریل کے نیچے آگئی۔"

پگلا جو اب تک خاموش کھڑا تھا چیخ کر ا
"ارے پگلو۔ ایک عورت نہیں۔ تین عورتیں
اور پھر بڑبڑانے لگا۔ "رام رام ست ہے
دُھت تیرے کی !" مگر ●

ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خان منشا

گیت مانگے دلِ مضطر نہ کہانی مانگے
کوئی پیغام ان آنکھوں کی زبانی مانگے

تن میں اِک بوند لہو کی نہ رہی پھر بھی آنکھ
روز و شب مشغلۂ خونفشانی مانگے

دل کو ہر لحظہ ہے اک تازہ ستمگر کی تلاش
جان رہ رہ کے کوئی دشمنِ جانی مانگے

جس میں دل کھول کے دِکھلا سکے زخموں کی بہار
عشق ایسی کوئی تقریب سہانی مانگے

کہیں خورشیدِ جہاں تاب اگر بھولے سے
روئے تاباں کو ترے دیکھ لے پانی مانگے

مانگے ہیں لعل و گہر عارض ولب سے خیرات
موسمِ گل بھی ترا رنگِ جوانی مانگے

عقلِ چالاک تو کرتی ہے گرانی سے گریز
عزمِ بے باک گرانی پہ گرانی مانگے

میں تو اشعار میں شعلے بھی اُگل سکتا ہوں
کوئی دِل والا اگر شعلہ بیانی مانگے

اتنا اعزاز بھی کچھ کم تو نہیں ہے منشاء
موجِ طوفاں ترے خامے سے روانی مانگے

ذکیہ سلطانہ نیّر

جو اس کا ذکر کریں دِل ہی میں مدام کریں
متاعِ عشق کو کیوں بے حسوں میں عام کریں

ہمارا درد زمانہ اگر نہیں سُنتا
تو اپنے عکس ہی سے کیوں نہ ہم کلام کریں

نیازِ عشق کی یہ ضد بڑی حسین ضد ہے
کہ بزم میں کبھی وہ بھی ہمیں سلام کریں

وہ جس کنول سے کریں لمس اِک ستارہ بنے
وہ جس گلاب کو چھولیں مہِ تمام کریں

ہے آستاں پہ ترے اِک ہجومِ بے پایاں
جُھکائیں سر کو کہاں اور کسے سلام کریں

عجیب حکم ہے جانے یہ حکم ہے کس کا
کہ جب تلک جئیں مرنے کا اہتمام کریں

تمام رات نہ کیوں دردِ دل کہیں نیّر
وہ مُلتفت ہیں تو افسانہ کیوں تمام کریں

نادر شاہی یا تاناشاہی ؟

آجکل سردار خوشونت سنگھ آ،ئی، السٹریٹڈ ویکلی" ایک نیم افسانوی، نیم تاریخی مضمون لکھ کر اپنے یہاں چھاپ رہے ہیں : **نادرِ شاہ** ۔ جتنا ہیبت ناک کردار ہے، اتنا ہی چٹخارے لے لے کر لکھا اور پڑھاجا رہا ہے۔

یہ ایک قزلباش (لال ٹوپی والا) سپہ سالار تھا، باپ کی طرف سے ایرانی، ماں کی طرف سے ترکمان ۔ وہ ہزاروں ترکمان جنگجو، افغان سپاہی اور ایرانی مردانِ شمشیر لئے ہوئے کرنال تک بڑھتا ہوا چلا آیا تھا۔ دہلی میں لال قلعے سے فوارے کی طرف بڑھئے تو آج بھی وہ سُنہری مسجد بائیں طرف موجود ہے، جہاں ۱۷۳۷ء میں اس نے نمازِ شکر ادا کی تھی اور جہاں سے طیش میں آکر " بزن " یعنی دلّی والوں کے قتل عام کا حکم دیا تھا۔

لال قلعہ اور اس کا عجائب روزگار خزینہ کبھی ایسا نہ لُٹا تھا جیسا نادر شاہ دُرّانی کے آدمیوں نے لوٹا۔ اس ہولناک تاریخی واقعے نے ہماری زبان کو کئی روزمرّہ دیے ہیں، مثلاً

نادر شاہی طنطنہ
نادر شاہی حکم
نادر شاہی لوٹ

بزن
ابنِ شمشیر، ابنِ شمشیر
بیک گردشِ چرخِ نیلوفری
نہ نادر بجا ماند نے نادری

اَوروں کا تو کیا ذکر، خود اس مضمون کے مصنّف کے قلم سے ایسی ایسی اُوٹ پٹانگ باتیں نکل رہی ہیں گویا موصوف نے ہم عصر تاریخوں کے بجائے اپنی یادداشت یا تخیّل پر بھروسہ کرنا مناسب جانا ۔

نادر شاہ کے نام سے وابستہ ایک غلطی ایسی ہے کہ ۳۰، ۴۰ برس سے برابر دُہرائی جا رہی ہے اور وہ ہے ہندی کے پترکاروں کی ایک نادانی ۔ ان میں کسی نے دھاندلی، زبردستی، ظلم و ستم اور اندھے حکم کے لئے " تاناشاہی " لکھ دیا تھا ۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزے نے رنگ پکڑا ۔ ایک لائن سے سبھوں نے یہی لفظ اختیار کر لیا۔

تاناشاہ اصل میں ابوالحسن قطب شاہ کا لقب ہے ۔ یہ بڑا نازک مزاج، نفاست پسند، فیاض، بے خوف، خوش مذاق بادشاہ گزرا ہے گول کنڈے (موجودہ حیدرآباد) کا ۔ ہم عصر مؤرّخوں نے اس کی ویسی ہی تصویر کھینچی ہے جیسی بعد میں محمد شاہ رنگیلے پادشاہِ دہلی اور واجد علی شاہ، جانِ عالم پیا، شاہِ اَودھ کو نصیب ہوئیں۔

ابوالحسن قطب شاہ (تاناشاہ) نے دکن پر مغل بادشاہ اورنگ زیب کی چڑھائی سے بہت پہلے یہ خطرہ بھانپ لیا تھا اور کوشش کی تھی کہ بیجاپور کی سلطنت اور مرہٹوں کو ملا کر ایک دیوار کھڑی کر دے، مگر یہ ہو نہ سکا ۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی ۔ آخر ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب کے جرّار لشکر نے قلعہ گول کنڈہ کا

ورق ورق

محاصرہ کر لیا۔

حملے سے پہلے مغل شہنشاہ نے جو خط ابوالحسن کو لکھا تھا، اس میں گول کنڈہ دربار کی خطائیں گنا تے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم وہ بدذات ہو جس نے قطب شاہی حکومت کی باگ ڈور دو مکّار برہمنوں " دَنّا " اور " اکنّا " کے سپرد کر رکھی ہے اور خود گلچھرے اڑاتے ہو ۔ بار بار ہم وارننگ دیتے لیکن کانوں پر جوں نہیں رینگتی ۔ مرا ٹھا لیڈر سنبھا کو ایک لاکھ کی رقم بھیج دی ۔ اور دین کی بے حرمتی کرتے ہو ! جان لو کہ اب دونوں دنیاؤں میں تم نجات کی کوئی سبیل نہیں رہی ! یہ خط رقعاتِ عالمگیری میں آج بھی محفوظ ہے اور اسی کے ساتھ محفوظ ۔ یہ واقعہ کہ :

ابوالحسن تاناشاہ ادب، مصوّری اور موسیقی کی سرپرستی اس حد تک کرتا تھا کہ (بیجاپور اور) گول کنڈے کی بدولت دکنی (اردو) شاعری، کرناٹکی موسیقی اور دکنی مصوری اپنے کلاسیکی رنگ میں آج تک برقرار ہے ۔ علم، فن اور ادب کے ان دونوں گہواروں نے جھولیاں بھر بھر کے مال و زر لٹاتے وقت یہ نہیں دیکھا کہ جھولی کا رنگ کیسری ہے یا سبز، ماتھے پر

تلک ہے یا سجدوں کا نشان - اسی تانا
شاہ کے وہ فرمان میوزیم میں دیکھے جا
سکتے ہیں جن کے بموجب قطب شاہی
خاندان کے آخری تاجدار نے اپنے بزرگوں
کا چلن نباہتے ہوئے دو مندروں کو معافی
کے تین تین گاؤں وقف کئے تھے ۔

ابوالحسن تاناشاہ گرفتار کر کے جب دولت
اد کے قلعے لے جایا گیا تھا تو ہزارہا ہندو مسلمان عورتیں
ے گلیوں، کوٹھوں اور چھجوں پر کھڑے ہو کر اس کے
م میں سر پیٹتے تھے ۔ اور جب اس کے مرنے کی
بر آئی تو شہر میں کئی دن تک چولہے نہیں جلے تھے
ڈیاں ٹھنڈی ہو گئی تھیں، بازار بند ہوئے اور
نکھوں کے پرنالے کھل گئے تھے ۔

یہ تھا تانا شاہ ! اس کی نفاست پسندی
، داستانیں زبان زد ہیں ۔ بیت الخلاء میں قالین
بچھے تھے جن پر ہر شب و روز گلاب پاشی ہوا کرتی تھی
دیسی اخبار والوں کی قوم اگر اپنے چمکتے ہوئے
دشاہوں کو یاد نہ رکھ سکے، نہ رکھے ۔ ظاہر ہے
. ابھی تک وہ ہینگ کی منڈی سے نہیں نکلی، آٹے
ال کے بھاؤ میں مبتلا ہے ۔ مگر اس بے خبری کا
ھنڈورا تو نہ پیٹے کہ نادر شاہ جیسے بے دریغ لوٹنے
الے سپہ سالار اور تاناشاہ جیسے لٹانے والے گلکار
فرق نہیں معلوم ۔ ظالم اور مظلوم کی تمیز نہیں !

صُمٌّ، بُکْمٌ، عُمْیٌ...

گاندھی جی کے آگے تین بندروں کی مورتی
ھی رہتی تھی : ایک کے دونوں ہاتھ آنکھوں پر، یعنی
امت دیکھو، ایک کے کانوں پر، یعنی برامت سنو،
ایک کے دونوں ہاتھ منھ پر، یعنی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

کل شام جب چرچ گیٹ سے سمندر کی طرف
جانے والی سڑک پر روسی مسافروں کی بس آکر ٹھیری
تو یہ دیکھ کر میری جان سوکھ گئی کہ چار طرف سے
میلے چیکٹ، خستہ حال، بیمار، لاوارث بچے، لدے
پھندے خوانچہ فروش اسی بس کی جانب دوڑ پڑے ۔
۸، ۱۰ برس کی بچیوں نے اپنے ننھے ماں جایوں کو
گود میں اٹھایا اور وہ اسی سمت لپکنے لگیں، ارے
چل، کم بخت جلدی چل ــ گورے آگئے !

میں وہاں ٹھیرا تھا اس لئے کہ اگر روسی
مسافروں کو مدد کی ضرورت ہو تو اپنی زباندانی کی
سبیل لگا دوں ۔ مگر یہ لپکو جھپکو کا دردناک منظر
دیکھ کر کھسک گیا ۔ آنکھ اور کان تو دکھی ہوئے
ہی تھے، ہونٹوں پر بھی بڑے بڑے لفظ آنے لگے،
ہے رام !

ارے دنیا اپنے عیب ڈھکتی ہے، ہنر دکھاتی
ہے ۔ ایک ہم ہیں، ہمارے سارے ناسور سڑکوں
کی طرف لپکتے ہیں ۔ لو، آؤ، چاٹو ۔ آنکھوں، کانوں
اور ہونٹوں پر نشانی لیتے جاؤ ۔

جب کبھی کسی یوروپی ملک سے واپسی میں ایرپورٹ
پر اترتا ہوں اور کوچ میں سوار ہوتا ہوں، تو دل کو
یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوچ میں جو یوروپی سیاح
براجمان ہیں، اب تک میرے برابر کی سیٹ پر تھے،
یہ گاڑی شہر میں جہاں بھی ٹھیرے گی، بھکاریوں کی
یلغار کے ساتھ ہی میں، ایک ہندوستانی ان کی نظر
میں کئی زینے نیچے اتر جاؤں گا ۔ برابر بیٹھنے سے حیا
آئے گی ۔

ملک بھر میں کوئی ایسا ٹھکانا نہیں جہاں باہر
دیس کے آدمی کا گزر تو ہو، لیکن دامن پکڑ کر یا دامن
پھیلا کر، منھ بسور کر یا ناسور دکھا کر بھیک مانگنے
والوں کا ہجوم نہ ہو ۔

•

کچھ دن ہوئے مقامی اخبار میں ایک لندنی
حجام کی شاندار تصویر اور داستانِ ہنرمندی چھپی تھی
کہ اِن صاحب کو، فلاں صاحبزادی کی شادی کے
موقع پر ۵ ہزار روپے فیس دے کر دلہن کے بال
سنوارنے کے لئے بمبئی بلایا گیا ہے ۔ اس ملک کی
ساری نائنیں اور مشاطائیں غارت ہو گئیں کیا کہ
بطورِ خاص ہیئر ڈریسر سات سمندر پار سے بلائے
جاتے ہیں ۔ یہی دھرتی تو وہ بدبخت بانکی سنوریا
ہے جہاں سے سولہ سنگھار کی رسم چلی ۔ جہاں کی
خوشبوئیں اور ابٹن، عود اور لوبان، زلف و رخسار
کی آرائشیں عربوں نے سیکھیں اور یوروپ میں
پھیلائیں، یہاں تک کہ یوروپ نے شکسپیر کی زبان میں
All perfumes of Arabia کی سند
دے دی ۔

اتفاق دیکھئے کہ وہ ہیئر ڈریسر صاحب دوسری
شام کو وہیں اپنے ہوٹل کے لاؤنج میں مل گئے ۔
میں نے کہا، مجھ سے ملئے کہ آپ کے ہی پیشے کا
آدمی ہوں ۔ مالیگاؤں میں، جہاں سیٹھ اور بھکاری
دونوں بمبئی سے کم ہیں، وہاں میری دوکان ہے ۔
ایک روپے میں سر اور داڑھی سب مشین سے مونڈ
دیتا ہوں ۔ آدھی کے کڑوے تیل میں برسوں کی
خود رو گھانس گندی اور چہرے سے صاف، آدمی
اندر سے چھلا چھلایا صاحب ایمان نکل آتا ہے ۔

میں نے سوچا، اب اس خوبرو جوان کے
چہرے پر نخوت اور نفرت کی ہلکی سی پرچھائیں
ابھرے گی ــ مگر وہ نہیں ابھری ۔ وہ سناٹے
میں رہ گیا ۔

(باقی صفحہ ۴۳ پر)

پنڈت نہرو کی برسی (۲۷ مئی) کے موقع پر

گرم چپے چپے پہ اک لوٹ کا بازار تھا
اور لٹیروں کے لئے ہر راستہ ہموار تھا

رہنمائے قوم ٹھونسے جا رہے تھے جیل میں
اپنا غم مِلّت کا غم وہ کھا رہے تھے جیل میں

زندگی اُلجھن میں تھی اور راستہ پُر از خطر
پھر بھی آزادی کا نعرہ تھا زبان ہند پر

اُنگلیاں اُٹھیں وطن کی افترا انگیز پر
دیکھتے ہی دیکھتے آیا زوال انگریز پر

ابرِ تغیُّر و تبدُّل چار سو چھا ہی گیا
اِنقلاب نَو بہر اندازِ نَو آ ہی گیا

باپو جی کی ذات سے ہے آشنا سارا جہاں
جس نے اونچا کر دیا ہے پرچم امن و اماں

گاندھی جی جس روز سے پہنچے فرازِ موت پر
بن گئے پنڈت جواہر امن کے پیغامبر

آپ کی آواز بے شک قوم کی آواز ہے
اے جواہر آپ کے جوہر پہ سب کو ناز ہے

ہر قدم پر ظالموں کے ظلم ہی سہتے رہے
کہنے والے آپ کے حق میں یہی کہتے رہے

دیش بھگتوں کا چہیتا لال موتی لال کا
درس دیتا پھر رہا ہے صبر و استقلال کا

بھولنے پاتا نہیں اِک پل سجانے کا خیال
سرزمینِ ہند کو جنّت بنانے کا خیال

روس اور اٹلی گئے، امریکہ اور جاوا گئے
لیکن اپنے ساتھ لے کر امن کا جھنڈا گئے

ہیرا کُنڈ اور بھاکرا ننگل کی یکتا آن ہے
آپ ہی کے دَم قدم سے کُل وطن کی شان ہے

آپ کے باعث لگے ہندوستاں کو چار چاند
روشنی مشکل سے بھی جس کی نہیں پڑ سکتی ماند

ہر قدم پر عظمتِ گنگ و جمن سینے میں ہے
بات یہ ہے، جذبۂ قوم و وطن سینے میں ہے

جس کے آگے ہندو، مُسلم، پارسی سب ایک ہوں
کیوں نہ پھر اس کے ارادے پاک تر اور نیک ہوں

آپ کو خوش ہو کے دیتے ہیں دعا اہلِ سخن
بس یہی گُن گا رہے ہیں عندلیبانِ چمن

گھیر رکھا تھا زمینِ ہند کو دجّال نے
لاج رکھ لی دیش کی پنڈت جواہر لال نے

میکش ناگپوری

یہ نظم پنڈت جواہر لال نہرو کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔
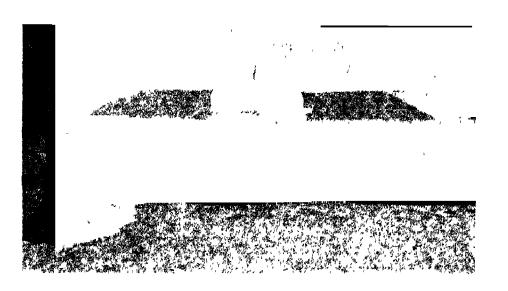
شیواجی مہاراج کے تخت کے نشانات

شیولنگ : جس کی شیواجی روز پرستش
کرتے تھے۔

پرتاپ گڑھ کے قریب پرگاؤں میں شیواجی
مہاراج کا تعمیر کردہ پل

شیونیری میں جیجا بائی اور شیواجی (لڑکپن) کا مجسمہ

شیونیری ؛ دو ستونوں کے پس منظر میں نظر آنے والی عمارت جہاں چھترپتی شیواجی مہاراج کی پیدائش ہوئی تھی۔

بھوانی دیوی : پرتاپ گڈھ

گرناتھ رائے دیویکر (ریٹائرڈ اکزامنر آف بکس اینڈ پبلیکیشنز)

عہدِ شیوا کے ہندو مسلم تعلقات کا پس منظر

سترھویں صدی میں ہندوستان کے مذہبی اور سیاسی حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں ہوگا کہ شیواجی مہاراج نے ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں ایک خیا خوشگوار طرزِ عمل اختیار کیا۔ یہ سچ ہے کہ وہ "گو۔ براہمن پرتی پالک" (گو اور برہمنوں کے یعنی ہندوؤں کے محافظ) اور "ہندو پد پادشاہ" (اہلِ ہنود کے بادشاہ) کہلائے مگر مذہبی اعتبار سے غیر ہندوؤں کے متعلق اُن کا نظریہ متعصبانہ نہیں تھا۔ مسلمانوں کے بارے میں من حیث القوم اُن کا رویہ بالکل وہی تھا جو اُن کا ہندوؤں کے بارے میں تھا۔ یعنی مسلمانوں کو عبادت اور رسوم اور رواج کی پابندی کی اسی قدر آزادی تھی جتنی ہندوؤں کو میسّر تھی۔ اس کے علاوہ خود شیواجی کے نانا ایک مسلمان شیخ (شری گوندھوالے) کے مُرید تھے۔ عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کسی قوم پر حملہ کیا جاتا ہے تو حملہ آور کی فتح ہوجانے پر محکوم قوم کو خون اور غارت گری کا شکار ہونا پڑتا ہے اور دینی اعتبار سے اُسے ظلم اور ذلّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں محکوم قوم اپنے ہم مذہب والیان ریاست کو دُہائی دیتی ہے، اُن سے سازباز کرتی ہے اور اگر بن پڑے تو بغاوت پر بھی اُتر آتی ہے۔ مگر شیواجی نے جب اپنی ۱۹ ویں سال کی عمر میں قلعہ "تورنا" (۱۶۴۶ء) فتح کرکے اپنے "سوراج" کی بنیاد ڈالی اور ۱۶۶۵ء تک ۳۰ قلعے اُن کے اقتدار کے ماتحت آئے۔ اس مدّت کے اندر انہوں نے ہندو دھرم کا نام لے کر اور اسلام کو نشانہ بنا کر خونریزی نہیں کی اور مسلمانوں پر ظلم نہیں ڈھائے۔ اِس طویل عرصے کے دوران میں مسلم قوم نے جو "سوراج" میں مقیم تھی شیواجی کے خلاف دین کی بنا پر نہ آہ وزاری کی آواز بلند کی نہ مظلوم ہونے کا دعویٰ کیا۔ مسلمانوں نے شیواجی کو صرف ہندو دھرم کا ترجمان تصوّر نہیں کیا۔ اس کی خاص وجہ ہے کہ شیواجی کے زمانے تک دکن میں ۴۰۰ سال سے بھی زیادہ دیرینہ اور مضبوط اسلامی اقتدار وجود میں آچکا تھا اور سولہویں صدی میں "وجے نگر" کی ہندو ریاست کے زوال کے بعد پورے ہندوستان میں کوئی ہندو طاقت باقی نہیں رہی تھی اور اسلام کو کسی سمت سے کوئی خطرہ نہیں تھا، اس لیے مسلمانوں نے شیواجی کی چھوٹی سی ریاست کے قیام سے کوئی خاص تشویش محسوس نہیں کی۔

شمالی ہندوستان کے مقابلے میں دکن میں ہندو مسلم کشیدگی نہیں کے برابر تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی سے ہندوستان پر درّہ خیبر سے آنے والے ترکوں کے جارحانہ حملے شروع ہوئے اور ۱۱۹۹ء تک پنجاب سے لیکر بہار اور بنگال تک ایک سلطنت قائم ہوئی وہ غیر ہندوستانی مسلمانوں کی ریاست کہلائی۔ مگر دکن میں تیرھویں صدی تک عرب مسلمان لاکھوں کی تعداد میں معمولی اور عام باشندوں کی طرح شانتی سے رہتے تھے۔ تھانہ، چیمبور (چولا)، سوپارہ، قم قم (کوکن)، کولم (کیرلا)، منڈل، اِن مقامات پر عرب مسلمانوں کی نو آبادیاں تھیں۔ عرب مسلمان ہندوستان اور ہندوؤں کے مدّاح تھے اور اسی طرح ہندوستان کے راجہ بھی عربوں کو اُن کا مذہب الگ ہونے کے باوجود، اپنی رعایا کا مایۂ ناز جزو مانتے تھے۔ جاحظ (المتوفی ۲۵۰ھ مطابق ۸۶۴ء) سے لیکر المسعودی (المتوفی ۳۴۶ھ مطابق ۹۵۷ء) تک کے سبھی عرب سیاحوں نے جو دکن پر اسلام کا ظہور ہونے سے قبل ہندوستان آئے تھے، ہندوؤں کی مذہبی رواداری کی داد دی ہے۔ اس زمانے میں "مانکیر" (ملکھیڑ۔ آندھرا پردیش) کے راشٹر کوٹ راجہ اموگھورش ولبھ رائے (۸۱۴-۸۷۷ء) جنکو عرب "بلہرا" کے نام سے یاد کرتے تھے، پورے مغربی اور جنوبی ہند کا بادشاہ تھا اور عرب اسی کو ہندوستان کا بڑا راجہ سمجھتے تھے۔ اس کے متعلق مسعودی نے یہ کہا ہے۔

"سندھ اور ہندوستان کے راجاؤں میں راجہ بلہرا کی طرح مسلمانوں کو اور کسی کی حکومت میں عزت حاصل نہیں ہے۔ اسلام اس راجہ کی سلطنت میں محفوظ اور معزز ہے۔ اس کے ملک میں مسلمانوں کی نمازِ پنجگانہ کی مسجدیں اور جامع مسجدیں جو آباد ہیں۔"

"میں ۳۰۴ھ میں ہندوستان کے شہر چیمور میں جو راجہ بلہرا کی مملکت لار (حالیہ گجرات) کا علاقہ ہے موجود تھا اور اس زمانے میں جو راجہ تھا اُس کا نام جانج تھا اور اُس وقت تقریباً دس ہزار مسلمان وہاں آباد تھے جو اصل میں بیاسرہ، سیراف، عمان، بصرہ اور بغداد اور دوسرے ملکوں کے تھے لیکن اُن علاقوں میں بودوباش اختیار

کیا ہے۔ اُن میں سے بہت سے بڑے معزز
اور بڑے تاجر ہیں ... ...

... ... راجہ کا قاعدہ تھا کہ وہ کسی مسلمان رئیس ہی
کو اُن کا سردار بنا دیتا تھا اور مسلمانوں کے تمام
معاملات اُس کے سپرد ہوتے تھے۔ بیآسرہ سے
وہ مسلمان مراد ہیں جو ہندوستان میں پیدا ہوئے۔
اسی نام سے وہ مشہور ہیں۔ اِس کا واحد "بے سر" ہے
(یعنی عربی اور ہندی مخلوط نسل کا مسلمان[1])۔ غرضیکہ
شیواجی مہاراج نے دکن کی چھ سو سالہ دیرینہ روایتی
رواداری کو اپنا نصب العین قرار دے کر مسلمانوں کے
ساتھ عدل و انصاف کا رویہ اختیار کرلیا تھا۔

بہرحال اُن کی جو لڑائیاں ہوئیں وہ مسلمان
فرمانرواؤں سے ضرور ہوئیں مگر اس سے اسلام کا
کوئی تعلق نہیں تھا۔ مہاراشٹر میں مسلمانوں سے
سیاسی نوعیت کے تعلقات ۱۲۹۴ء سے شروع
ہوئے جب علاءالدین خلجی نے دیوگڑھ فتح کیا اور
اس کے بعد تین سو سال میں پورے دکن پر مسلمانوں
کا اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ اگرچہ فاتح بادشاہوں
نے ہندوؤں پر مذہبی قسم کی سختیاں کیں تاہم
ہندوؤں کی مخالفت اُن بادشاہوں سے تھی نہ
کہ اسلام سے۔ اِس کے برعکس اسلامی نوعیت
کی رسمیں، پیر پرستی وغیرہ ہندوؤں میں رائج
ہوئیں۔ ہندوؤں میں ایسا بھی ایک فرقہ وجود
میں آیا جو "بھانو بھاؤ" کے نام سے مشہور ہے۔
پہلے بھانو بھاؤ جوگی گیروی رنگ کے کپڑے پہنتے
تھے جو سب ہندو جوگی پہنتے ہیں۔ مگر جب ہندوؤں
پر "جزیہ" عائد کیا گیا تو اُس سے بچنے کے لئے
"مہانو بھاؤ" جوگی کالا لباس پہننے لگے جو مسلمان
درویشوں کا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہندوؤں نے
مسلمانوں کے خلاف اپنی جدوجہد صرف سیاسی معاملات
تک محدود رکھی اور یہی شیواجی مہاراج کی پالیسی تھی۔

سترھویں صدی میں ہندوستان کے اور خاص
طور سے دکن کے سیاسی حالات میں نمایاں تبدیلی
رونما ہوئی۔ جس طرح مغل بادشاہوں نے
راجپوتوں کو شیشے میں اُتار کر اپنی سلطنت کو
تقویت پہنچائی، اِسی طرح دکن میں قطب شاہی،
عادل شاہی اور نظام شاہی سلاطین نے ہندوؤں
کی مدد سے ہی اپنا ملکی اور فوجی نظام مضبوط بنا
لیا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظام شاہی جس کے اندر
موجودہ مہاراشٹر کا بیشتر رقبہ شامل تھی، مرہٹہ
سرداروں کے بل بوتہ پر کھڑی تھی۔ مرہٹہ سرداروں

ہندوؤں نے اپنی مسلمانوں کے خلاف جدوجہد صرف سیاسی معاملات تک محدود رکھی - اور یہی شیواجی مہاراج کی پالیسی تھی :

کے درمیان کسی ایک "شاہی" کی بنا پر ہی دشمنی
پیدا ہو جاتی تھی۔ مثلاً شیواجی کے نانا مالوجی، جو
نظام شاہی کے روحِ رواں تھے اور اُن کے پتاجی
یعنی شاہ جی جو بیجاپور کی عادل شاہی کے سپہ سالار
تھے، کے مابین پیڑھیوں کی خصومت تھی۔ اس
امر پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ شیواجی
مہاراج کی "سوراج" کی جدوجہد سیاسی اہمیت
رکھتی تھی نہ کہ مذہبی۔ اس اعتبار سے اُن کی
سلطنت کی نوعیت اُن سلطنتوں سے علیحدہ
نہیں تھی جو بہمنی ریاست کے زوال کے بعد
وجود میں آئی تھیں۔

جہاں تک شیواجی کے مسلمانوں
ذاتی رویّہ کا تعلق ہے، تاریخ گواہ
تعصب سے پاک تھا بلکہ وہ نہایت عا
عادل بھی تھا جیسا کہ کسی دور اندیش فر
کو ہونا بھی چاہیے۔ شیخ سعدی نے "گ
میں سکندر کی دانائی کا ذکر کرتے ہو
کہ وہ محکوم قوم کے بزرگوں کی عزت ک
اسی طرح شیواجی نے بھی مسلمان رؤ
علماء کی جاگیریں نہ صرف برقرار رکھیں
فوج اور بحریہ میں بڑے بڑے عہدو
مسلمانوں کو مامور کیا۔ مسلم خواتین کے
اُن کے اعزاز کے بارے میں ایک رو
ہے کہ انھوں نے کلیان کے صوبہ دار
جو اُن کا سپہ سالار بالاجی آوجی سـ
ارپن کرنے کے لئے لے آیا تھا، بڑ
کے ساتھ کلیان کے صوبہ دار کے پاس
اِسی طرح مسلمانوں پر اُن کے اعتماد
میں بھی یہ روایت ہے کہ وہ آگرہ
اپنے "باڈی گارڈ" کے طور پر ایک
مداری کو اپنے ساتھ لے گئے تھے اور
مغلوں کی حراست سے اُن کی گلوخلاص

---

[1] "ہندوستان — عربوں کی نظر میں" دارالمصنفین، اعظم گڑھ

ڈاکٹر عبدالستار دلوی

شیواجی اور مسلمان

کثیرالمذاہب ملکوں میں مذہبی رواداری آئینِ حکومت کا زرین اصول ہے۔ بادشاہت ہو یا نظامِ جمہوریت، حکومت کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف اُس کا انتظامیہ اچھا ہو بلکہ رعایا کے لئے زندگی کی ساری بنیادی ضرورتیں سہولت کے ساتھ میسر آئیں۔ اسی کے ساتھ تحریر و تقریر کی آزادی، اپنے اپنے مذاہب کی پابندی اور بلا تفریق مذہب و ملت زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کے منصفانہ مواقع دینا اچھی حکومت کی علامت ہے۔ ایسی حکومتیں جن میں بہت سے مذاہب کے ماننے والے بستے ہوں اور جن کا کوئی سرکاری مذہب نہ ہو، مثالی حکومتیں ہوتی ہیں۔ ان میں سارے مذاہب کے ماننے والوں کو ذہنی آسودگی اور سکون و اطمینان محسوس ہوتا ہے۔ وہ اپنے مذہب کو اپنے وطن کی سرزمین سے وابستہ کر دیتے ہیں اور حکومتِ وقت کے اُن کے مذہب کے احترام سے خود اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں حکومت کی رواداری، وسیع النظری اور اقلیت کی زبان، مذہب اور تہذیبی قدروں کا احترام نہ صرف حکومت کی برگزیدگی کو ثابت کرتا ہے بلکہ اس سے خود حاکم و محکوم میں مثبت رشتہ قائم ہوتا ہے جو کسی بھی حکومت کے لئے فالِ نیک ہے۔

اگرچہ لامذہبیت (secularism) کی سیاسی اِصطلاح ایک نئی اِصطلاح ہے مگر عملاً ہندوستان سے اس کا تقریباً ایک ہزار سال پرانا رشتہ ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد سے ہندوستان کی سرزمین میں سیکولر نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ سندھ میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر اورنگ زیب بلکہ بہادر شاہ تک حکومت کا انداز ہمیشہ لامذہبی رہا ہے۔ محمد بن قاسم اپنی ہندو رعایا میں اس قدر مقبول تھا کہ جب وہ عراق واپس لوٹا تو یہاں کی رعایا زار و قطار رو رہی تھی اور محمد بن قاسم کی غیر موجودگی میں اس کا بُت بنا کر اس کی پرستش کرنے لگی۔ محمد غوری نے اپنے سکّے پر ایک طرف سنسکرت میں کلمۂ طیبہ لکھوایا تو دوسری طرف سرسوتی کی تصویر بنوائی۔ ہندوستانی حکومت کا یہ لامذہبی اندازِ فکر مسلمان بادشاہوں اور ہندو راجاؤں، دونوں کے یہاں یکساں طور پر پایا جاتا ہے جس کی ایک عمدہ مثال چھترپتی شیواجی کا عہدِ حکومت بھی ہے۔

شیواجی اگرچہ مراٹھا سلطنت (ہندوی راج) قائم کرنا چاہتا تھا اور ہندوؤں کی تاریخ اور روایات میں بھرپور اعتقاد رکھتا تھا، تاہم دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لئے اس کے دل میں محبّت، احترام اور رواداری بھی اعتقاد اور ایمان کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ مسلمانوں کے سلسلے میں شیواجی کی رواداری، وسیع النظری اور خصوصاً عبادت گاہوں اور بزرگوں کے لئے احترام کو مہاراشٹر کی تاریخ میں مثالی درجہ حاصل ہے۔ کرشناجی اننت سبھاسد کے بیان کے مطابق جس نے مراٹھی میں "شیو چھترپتی چرتر"[1] کے نام سے شیواجی کی سوانح لکھی، افضل خاں کی شکست کے بعد شیواجی نے اپنے انتظامیہ پر نظرِ ثانی کی اور ایسا کرتے ہوئے اُس نے مسجدوں اور درگاہوں میں چراغ جلانے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے حکومت کی طرف سے دل کھول کر مالی امداد منظور کی۔

سیاسی اعتبار سے شیواجی اگرچہ مغلوں کو زک پہنچا کر اپنی سلطنت کو وسیع کرنا چاہتا تھا لیکن ابتدا میں دکن کی مسلم سلطنتوں سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ جب شہنشاہ اورنگ زیب نے دکن پر چڑھائی کی تو حملہ کی خبر ملتے ہی دکن کی سلطنتوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ ان باہم مشوروں میں شیواجی کے نمائندے بھی شریک تھے۔ طے یہ ہوا کہ قلعہ دھلوا پر جو کاردھنڈل کا ایک مضبوط قلعہ تھا قبضہ کیا جائے تاکہ اسے جائے پناہ کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ اس اہم فوجی کارروائی کے لئے شیواجی کا انتخاب عمل میں لایا گیا اور گولکنڈہ اور بیجاپور وغیرہ بہمنی سلاطین نے روپیہ، اسلحہ اور فوج سے مدد کی۔ اس معرکہ کو سامنے رکھ کر پنڈت کیفی نے "معرکۂ کرناٹک" کے زیرِ عنوان ایک طویل نظم کہی۔ اس نظم کے ابتدائی حصہ میں مراٹھا سرداروں کی بہادری اور

---

[1] مرتبہ کے۔ این۔ سانے ۱۹۲۳ء، صفحہ ۴۷

قلعہ دھلوا کی جنگ کو پیش کیا ہے جس میں شیواجی بہ نفسِ نفیس شریک تھا۔
اس نظم کے ابتدائی بند خالی از دلچسپی نہ ہوں گے ۔

ٹاپ سے گھوڑوں کی کانپ اٹھا کارو منڈل   دھلوا والوں کے تھے ہوش دہل سے مختل
پہنچے جب چھترپتی کے وہاں افواج کے دَل   شیر خاں کی تھیں جو فوجیں پڑی ان میں ہلچل
جب سنا لشکر پورش میں ہے خود شیواجی
کون کرناٹکی تھا جس کا نہیں چھوٹا جی
چڑھ گئے مرہٹے ٹوٹی ہوئی دیواروں پر   تھے جو محصور لگے لوٹنے انگاروں پر
رکھ لیا فاتحوں نے بس انہیں تلواروں پر   بجلیاں ٹھنڈی برسنے لگیں بیچاروں پر
توڑ کر قلعے کے در ہو گیا لشکر داخل
جو چڑھا ہتھے ہوا تیغ اجل کا بسمل
ان کی خونخواری سے شیروں کا بدن کانپ اٹھا   کیا برن جنگ کے بیروں کا بھی من کانپ اٹھا
اس کے گھمسان سے خوں ریزی کا رن کانپ اٹھا   کیا زمیں کانپ اٹھی چرخ کہن کانپ اٹھا
بجر تھا اندر کا یا چھترپتی کی تلوار
سامنے اس کے ٹھہرتا کوئی یہ تھا دشوار

ہندوستان کی تاریخ میں شیواجی کی شخصیت اور بہادری ایک اختلافی بحث ہے۔ شیواجی کے بارے میں مختلف مورخین مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ ان رایوں میں کبھی کبھی ذاتی تاثرات اور تعصبات کو بھی دخل رہا ہے، جو تاریخی اور سیاسی شخصیتوں کے بارے میں خاص طور سے خطرناک ہوتے ہوئے مختلف قسم کی غلط فہمیوں کو رواج دیتے ہیں۔ بادشاہوں اور راجاؤں کی شخصیتوں کو سیاست کے خارزار سے الگ کر کے ان کے مطالعے ہمیں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کرنے دیتے اور تاریخ میں جب کبھی ایسا ہوتا ہے تو شخصیتیں کبھی ولی بن جاتی ہیں تو کبھی ہماری تاریخوں میں سفاک اور خوں خوار کے نام سے یاد کی جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ ان شخصیتوں کے بارے میں یہ اور اس قسم کے دیگر القاب علامت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہی کچھ اورنگ زیب اور شیواجی کے ساتھ بھی ہوا۔ ایک گروہ اگر اورنگ زیب کو سفاک اور خوں خوار سمجھتا ہے تو دوسرا شیواجی کو، اور اگر ایک کے لیے شیواجی چھترپتی ہے تو دوسرے کے لیے اورنگ زیب ہندوستان کی تاریخ میں سب سے بلند و اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ ہندوستان کی تاریخ اسی جذباتی انداز میں مختلف العقیدہ مورخوں کے ہاتھوں ترتیب پائی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں شخصیتیں اپنے اوصاف کے لحاظ سے مشکوک اور اپنے اخلاق کے لحاظ سے غیر یقینی بن جاتی ہیں۔ حالانکہ اپنی اپنی جگہ تاریخ کی ان دونوں شخصیتوں نے موقع کی مناسبت سے اگر کہیں جبر اور استبداد سے کام لیا تو ہنگامی حالات کے ختم ہونے اور حالات کا پانسہ اپنی طرف پلٹنے پر بہتر سے بہتر سلوک اور رحم دلی سے بھی کام لیا۔ اگر کبھی جبر و استبداد سے کام لیا تو اس میں ملک گیری اور اسی کے ساتھ استحکام سلطنت ان کے پیش نظر رہا۔ بادشاہوں میں استحکامِ سلطنت اور ملک گیری کا یہ وصف ان کی شجاعت اور دلیری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ وصف تاریخ کے گنے چنے چند بادشاہوں کو چھوڑ کر عالمگیر وصف ہے۔ لہٰذا اسے بنیاد بنا کر ایک کی تضحیک اور دوسرے کی شجاعت کے گُن گانا حقائق اور انصاف کا خون کرنا ہے۔ تاریخی شخصیتوں کو اپنے تاریخی پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ جب بھی کسی بادشاہ نے شجاعت دِکھائی دادِ شجاعت پائی اور جب بھی انصاف، اخلاق اور محبت کا سلوک کیا تو جذباتِ تحسین سے ان کا استقبال کیا گیا۔ انسان بنیادی طور پر نہ شیطان ہے نہ ولی۔ اگر حالات موافق ہوئے تو شیطان ولی بن جاتا ہے اور اگر ناموافق ہوئے تو ولی شیطان بن جاتا ہے؛ بادشاہ اور فاتحین کے اوصاف یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات متضاد نظر آتے ہیں اور اس تضاد کو مورخ اُس کے پس منظر میں نہ دیکھ کر ایک سے عقیدت اور دوسرے سے نفرت کے باعث وہ آگ لگاتے ہیں کہ بجھانے سے مشکل سے بجھتی ہے۔ شیواجی کی تاریخی شخصیت اسی آگ کے بلند شعلوں میں جلتی رہی۔ تاہم تاریخ نے جہاں اس کے جَری ہونے پر مہر ثبت کی وہیں پر اس کی انسان دوستی، رحم دلی، اخلاق، وسیع القلبی اور پاک طینتی کو بھی اپنے دامن میں محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ خافی خان اپنی مشہور تصنیف "منتخب اللباب" میں "مرہٹہ فوج کے اصول و ضابطے" کے تحت شیواجی کے رحم و کرم اور احترام مذہب کے بارے میں لکھتا ہے کہ "لوٹ مار اور غارت گری کے باوجود اس نے یہ قاعدہ مقرر کر لیا تھا کہ جہاں بھی لشکر حملہ آور ہو وہ مسجد اور کلام اللہ کی بے حُرمتی نہ کرے اور کسی کے گھرانے کی بے آبروئی نہ کرے۔ قرآن پاک وغیرہ ہاتھ میں آجائے تو وہ ان کو بڑی حرمت کے ساتھ محفوظ کرا دیتا اور اپنی فوج کے مسلمان سپاہیوں کو دے دیتا اور جو بھی ہندو یا مسلمان عورتیں گرفتار ہو کر آتیں، کسی فوجی کی مجال نہیں تھی کہ اُن پر نظرِ بد ڈالے۔ ان کی حفاظت اور نگہبانی کا معقول انتظام کرا دیتا تاکہ ان کے وارث آکر عوضانہ کی رقم دے کر چھڑا لیں۔" (منتخب اللباب۔ حصہ سوم اردو ترجمہ ص ۱۲۱، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی ۱)

مندرجہ بالا صفات کے پیش نظر مذکورہ نظم میں پنڈت کیفی نے بھی شیواجی کو جی کھول کر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے ؎

ہوا اس جنگ کا جو آپ نے دیکھا انجام   قابلِ ذکر خصوصی تو اب آیا ہے مقام
سب سنیں غور سے اس بات کو حضار کرام   اس کی سچائی میں ہوگا نہ کسی کو بھی کلام
خافی خاں جیسے مورخ کو ہے اس کا اقبال
حرمت مذہب و عورت تھی شیواجی میں کمال

ۂیں مالِ غنیمت میں جو آئے قرآن   "مسجدوں میں انھیں پہنچادو" ہوا یہ فرمان
رشاد ہوا جو ہیں عبادت کے مکان   ان کو حملے سے جو پہنچا ہو ہمارے نقصان

صرف سے خاص کے ہوان کی مرمت فوراً
ہم عدو کے ہیں، نہیں دینِ عدو کے دشمن

احکام یہ سب کر چکے، جب شیواجی   قیدیوں کے کسی جرگے پہ نظر ان کی پڑی
نے کیا ہیں کہ سہمی، دبی، گھبرائی، جھجکی   ہے کھڑی ایک مسلمان پری رو لڑکی

تھا جری ایسا جری آنکھ اٹھائی نہ گئی
اس گل اندام کو انگلی بھی لگائی نہ گئی

یں فاتحوں نے گرچہ بہت زن بچے   پکڑے اور لونڈی غلاموں کی طرح بیچ دیئے
نہ یہ بربریت خلق میں شیواجی کے   لے کے اس لڑکی کے گھر دکا پتا لوگوں سے

جو دیا حکم، ہدایت جو وہاں فرمائی
غور سے سن لیں جو تہذیب کے ہیں شیدائی

ی ماں باپ کے گھر اپنے یہ لڑکی جائے   فرق عزت میں نہ ناموس میں اس کے آئے
ھر کوئی اسے ہرگز نہ لگانے پائے"   پھر دیا حکم قماش اور زر و زیور لائے

دئے لڑکی کو۔ سپاہی کئے اس کے ہمراہ
کہئے تاریخ میں ایسا کوئی گذرا ہے شاہ

اداری یہ عصمت کی پرستش، یہ سبھاؤ   شفقت اور رحم کا بے مثل یہ ستھرا برتاؤ
ر دشمن کے بھی ہوتا نہ تعصب کا لگاؤ   جو بہادر ہیں چلے نفس کا ان پر نہ دباؤ

مالک ان وصفوں کے تھے چھترپتی شیواجی
شاہ ظاہر میں تھے، باطن میں ولی شیواجی

عورتوں کی عزت اور احترام کے بارے میں پنڈت کیفی کی نظم میں منقول واقعہ تاریخی روایت پر مبنی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کوکن کے علاقہ کلیان کے گورنر ...مد نائطی کی بہو کو شیواجی کے سپاہی گرفتار کر کے شیواجی کی خدمت میں ...ئے اور اس حسین و جمیل خاتون کو تحفہ کے طور پر پیش کیا۔ شیواجی نے ...سے پہلے یہ حکم دیا کہ اسے پردے کی آڑ میں رکھا جائے تاکہ لوگ اسے ...گھور کے نہ دیکھ سکیں، پھر اس نے اس خاتون سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر ...ی (شیواجی کی) ماں بھی ایسی ہی حسین و جمیل ہوتی تو وہ بھی خوبصورت ہوتا، ...پاہیوں کو حکم دیا کہ زر و زیور کے ساتھ فوری طور پر اسے اس کے ماں باپ کے ...ے کیا جائے اور اس کی عزت و ناموس میں فرق نہ آئے۔

شیواجی کو سنتوں سے بڑی عقیدت تھی اور وہ ان کی تعلیمات سے ...ی حاصل کرتا تھا۔ اس سلسلے میں اس کے گیارہ سنت گرو مشہور ہیں جن میں ...میں گرو کوکن کے ایک مسلم صوفی بابا یعقوب سروری ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ

شیواجی یعقوب سروریؒ کا اس حد تک معتقد تھا کہ جنگ پر روانہ ہونے سے پہلے وہ ان کی حضور میں پہنچتا اور جنگ کے سلسلے میں ان سے اجازت طلب کرتا۔ تُکا رام اور رام داس کی طرح وہ ان کا بھی والہ و شیدا تھا اور ان کی تعلیمات سے متاثر ہوتا رہا۔ شیواجی اور یعقوب سروریؒ کے اس تعلق کو کوکن کے نوجوان شاعر فروغ تمکنت نے بہت خوبصورت انداز میں ذیل کی نظم "شیواجی ۔۔ یعقوب سروریؒ کے حضور میں" میں پیش کیا ہے ؎

حضور! جنگ کے میداں میں جا رہا ہوں میں
یہ جنگ، زن کے لئے ہے نہ زرگری کے لئے
نہ ذوقِ سپہ گری کے لئے
یہ خاکِ پاکِ مہاراشٹر، یہ میری جنت
میں چاہتا ہوں کوئی اجنبی نہ آئے یہاں
فتنہ پروری کے لئے
یہ شورِ طوق و سلاسل مجھے پسند نہیں
یہ تیغ و زخم کے قصے ہیں ناگوار مجھے
مگر میں وقت کی آواز سن کے اٹھا ہوں
میں چاہتا ہوں کہ زندہ رہے وطن کا سہاگ
میں چاہتا ہوں کہ مہاراشٹر کی کوئی عورت
اسیرِ درد نہ ہو قاتلوں کے سایے میں
میں چاہتا ہوں مرے دیش کا کوئی بچہ
یتیم ہو کے بھٹکتا پھرے نہ راہوں میں
میں چاہتا ہوں کہ ماؤں کے دل نہ ہوں زخمی
میں چاہتا ہوں کہ بہنوں کی آبرو نہ لٹے
مرا لہو مرے اسلاف کی امانت ہے
مرے لہو کے شراروں کو جاوداں کر دیں
حضور! آپ دعا دیں کہ یہ لہو جو بہے
اگر یہ تیغ اٹھے
تو صرف اپنے وطن کے بچاؤ کی خاطر
اس کی بہتری کے لئے
یہ جنگ زن کیلئے ہے نہ زرگری کے لئے

شیواجی کی حکومت ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کیلئے تھی۔ اس لئے اپنی حکومت میں مذہبی بھائی چارے اور رواداری کو حتی الامکان عام کرنے

کی کوشش کی اور بلاتفریق مذہب وملت اپنی فوج میں مسلمان سپاہی اور افسر مقرر کیے۔ شیواجی کی رواداری اور انسانی برتاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف طبقات کے لوگوں کی نظریں شیواجی کی طرف اٹھنے لگیں۔ مراٹھا مورخ بی۔ ڈبلیو۔ بھٹ نے اپنی کتاب "مراٹھوں کی سیاست" (مراٹھیانچی راج نیتی) میں لکھا ہے کہ عادل شاہ کی ملازمت ترک کرکے پانچ سو پٹھان شیواجی کی فوج میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ اگرچہ ابتدا میں شیواجی اس کے لیے راضی نہ ہوا تاہم بعد میں اس کے ایک درباری گوما جی نائک پنساببل کے مشورے سے اس نے ان پٹھانوں کو اپنی فوج میں شامل کیا۔ پنساببل کا شیواجی کو مشورہ اس بنیاد پر تھا کہ اگر انھیں فوج میں شامل کیا گیا تو اس سے مزید بیرونی اعلیٰ اور تجربہ کار افسر مراٹھا فوج کو حاصل ہوں گے۔

اگرچہ شیواجی نے کوئی باقاعدہ مسلم دستہ اپنی فوج میں قائم نہیں کیا تاہم اس نے متعدد اعلیٰ فوجی مسلمان افسروں کا اپنی فوج میں تقرر کیا۔ اس سلسلے میں سیدی ہلال، دولت خاں، قاضی حیدر، ابراہیم خان، دریا خان اور نور خاں کے نام شیواجی کی بحری اور بری فوج کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں جو اپنی ایمانداری، خلوص اور جاں نثاری کے باعث مراٹھا حکومت کی آبرو تھے۔

مندرجہ بالا افسروں میں سیدی ہلال کا تعلق مغلیہ فوج سے تھا جس نے اورنگ زیب کی ملازمت ترک کرکے شیواجی کی فوجی طاقت کو استقامت بخشی۔ سورت فیکٹری کی دستاویزات میں محفوظ ایک خط کے مطابق جو ۱۸ر اکتوبر ۱۶۷۲ء کا نوشتہ ہے "شیواجی ۱۶,۰۰۰ فوجیوں کی مدد سے بڑی بھاری تیاریاں کر رہا ہے۔ اس کی بری فوج میں چار رجمنٹوں کا اضافہ ہے جنھوں نے مغل ملازمت ترک کرکے سیدی ہلال کی سرکردگی میں اس کے (شیواجی کے) تحت کام کرنا منظور کیا۔" سیدی ہلال ایک بہادر سپاہی تھا جس نے بیجاپوری سپہ سالاروں رستم زماں اور فضل خاں کو کولھاپور کے قریب رائے باغ کے مقام پر ۱۶۶۰ء میں شکست دی۔ اس نے دوسری بڑی جنگ بیجاپوری سردار سدی جوہر کے خلاف لڑی جب شیواجی قلعۂ پنہالہ کے محاصرہ میں گھرا ہوا تھا۔ اسی طرح اس نے امرانی کی جنگ میں بہلول خاں کو بھی شکستِ فاش دی۔

قاضی حیدر کو سیاسی مذاکرات کے سلسلے میں بیجاپور کے عادل شاہی دربار میں سفارت کا اعزاز حاصل ہے جسے گفتگو ناکام ہونے پر بہادر خاں اور دلیر خاں نے پرنڈا کے قلعہ میں مقید رکھا۔ شیواجی کے انتقال کے بعد سنبھاجی سے اختلاف کی وجہ سے بعد میں مغلوں کی ملازمت قبول کی اور دلی میں چیف قاضی کا عہدہ سنبھالا۔ شیواجی کو قاضی حیدر پر اور اسی طرح دیگر مسلم افسر اور رعایا پر کامل اعتماد تھا۔ امن کے سلسلے کے انتہائی نازک کام میں مذاکرات کے لیے قاضی حیدر کو روانہ کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے۔ شیواجی نہ صرف مسلمان افسروں کو چاہتا تھا بلکہ ہندو اور مسلمان بلاتفریق مذہب وملت خود شیواجی کو بھی بہت چاہتے تھے۔ شیواجی نے مندرجہ بالا امن مذاکرات میں ناکامی کے بعد اپنی آزادانہ حیثیت کا اعلان کرکے تاجپوشی کی رسم ادا کی۔[1]

شیواجی کے مسلم افسروں میں دولت خاں کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی۔ یہ شیواجی کے بحریہ کا افسر اعلیٰ تھا۔ شیواجی بہت دوراندیش حکمراں تھا۔ اس نے پرتگیزوں اور انگریزوں کی طاقت کا اندازہ کرکے یہ محسوس کیا کہ جب تک مراٹھوں کے پاس اپنی نیوی نہ ہوگی اس وقت تک وہ مغربی کنارے پر اپنی سلطنت قائم نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے دو سو جہازوں اور کشتیوں پر مشتمل بیڑہ تیار کیا جن میں سے اکثر یورپی اسلحہ سے لیس تھے۔ بمبئی میں انگریز اور جنجیرہ میں سیدی اس کے سب سے بڑے مخالف تھے جن سے جنگ ناگزیر تھی۔ اس بحری جنگ کی ذمہ داری اس نے دولت خاں کے سپرد کی۔ اگرچہ دولت خاں کے بارے میں تفصیلی معلومات نہیں ملتیں تاہم سبھاسد بکھر اور انگلش فیکٹری دستاویزات میں اس کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔ اس نے کئی علاقے شیواجی کے لیے فتح کیے۔ دولت خاں کی طرح ایک اور مسلم افسر دریا سارنگ بھی شیواجی کے بحریہ سے متعلق تھا۔

جب شیواجی کرناٹک میں مصروف تھا، پٹھان سردار بہلول خاں کا بیجاپور میں ۲۳ر دسمبر ۱۶۷۷ء کو انتقال ہوگیا اور سیدی مسعود نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ دلیر خاں نے جو مغلوں کا سپہ سالار تھا بیجاپور پر حملہ کی ٹھانی۔ اس وقت سیدی مسعود نے ایک خط میں شیواجی سے مدد کی التجا کی۔ شیواجی کے نام سیدی مسعود اپنے خط میں لکھتا ہے "ہم پڑوسی ایک ہی برتن میں کھاتے ہیں۔ آپ بھی بلاشبہ اپنی ریاست کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں جس طرح کہ میں۔ لہٰذا آئیے ہم آپس میں مل کر اپنے مشترکہ دشمن مغلوں کو ختم کریں۔"[2] اس واقعہ سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مذہباً شیواجی اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات تھے جو اکثر اوقات بدیسی حملوں سے بچنے کے لیے سیاسی تعلقات میں بھی تبدیل ہوجایا کرتے تھے۔ مغلوں سے شیواجی کی جنگیں صرف سیاسی جنگیں تھیں اور ان جنگوں سے ہندوی (ملکی) سوراج کی تعمیر اس کا مقصد تھا۔

شیواجی اور مسلمانوں کے تعلق سے یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ شیواجی کی معتبر ترین تصویر مہاراشٹر کی تاریخ وتہذیب کو ایک مسلمان مصور پیر محمد کی دین ہے جو اس نے اطالوی سیاح منوچی کے لیے تیار کی تھی۔ جب وہ راجہ جے سنگھ کے قلعہ میں شیواجی سے ملنے میں کامیاب ہوا تھا۔[3]

●●

---

[1] G.S. Sardesai : New History of the Marathas Vol I P.290

[2] Ibid - P. 259

[3] Bal Krishna : Shivaji the Great. Vol.IV, P. 2.

یونس آغاسکر

شواجی کی فوج

مراٹھا حکومت کے بانی چھترپتی شواجی مہاراج لے کر پیشواؤں کے آخری دور تک اور شواجی کے جاں نثار ساتھی ماؤلوں کی ٹکڑیوں سے لے کر باجی راؤ اوّل کے زمانے میں عادل شاہوں اور مغلوں کی طرح مکمل فوج رکھنے تک مراٹھا حکمرانوں نے جن منتظمانہ اور قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے' ان کا مطالعہ دنیا کے بہترین جنرلوں اور کمانڈروں کے لئے آج بھی دلچسپی کا باعث ہوسکتا ہے لیکن بروقت ہمیں صرف شواجی کی فوج اور اس کی جنگی صلاحیتوں کا جائزہ لینا ہے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ شواجی نے ابتدا میں ماؤلوں کے گروہ بناکر شاہی چوکیوں اور تھانوں پر حملے شروع کیے تھے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس زمانے میں بھی شواجی کے زیر اختیار اُس کے والد کے نمک خواروں کا ایک ایسا جتھا ضرور ہوگا جو فنونِ جنگ سے مکمل واقفیت رکھتا ہو۔ دراصل ایسے سپاہیوں ہی کی مدد سے شواجی نے سنہ ۱۶۵۶ء میں اپنے سوتیلے ماموں سنبھاجی موہیتے کو قید کرواکر اس کی جاگیر اور دستے کے تین سو گھوڑے اپنے قبضے میں کرلئے تھے۔ اسی واقعے کے بعد شواجی کے گروہ میں فوجی تنظیم کی بنیاد پڑی۔ مراٹھوں کے قدیم ترین مورخ سبھاسد کی تحریر کردہ "بکھر" (बखर) کے مطابق اسی وقت مراٹھا فوج کے پہلے سرنوبت یا سپہ سالار کی حیثیت سے تکوجی بھود کا تقرر ہوا ایس مہم کے اگلے سال سنہ ۱۶۵۷ء میں شواجی نے اپنی بیشتر نا تربیت یافتہ لیکن تمام تر وفادار فوج کی مدد سے عادل شاہی سلطنت میں شامل جُنیر شہر پر قبضہ کرلیا۔ یہاں پر متعینہ سپاہیوں کے تقریباً دو سو گھوڑے شواجی کے ہاتھ لگے۔ اسی طرح احمدنگر کے قریب مغل فوج کو چکمہ دے کر اور چھاپہ مار کر مراٹھوں نے ستّو گھوڑے اور چند ہاتھی ہتھیا لئے۔ ان اضافوں کی وجہ سے شواجی کی فوج وسیع ہوتی چلی گئی۔ سبھاسد (सभासद) کے بیان کے مطابق جب تقریباً بارہ سو مستقل سوار یا پاگے اور دو ہزار اسلحہ دار (शिलेदार) یعنی وہ سپاہی جو ذاتی گھوڑا اور ہتھیار رکھتے ہوں' اس طرح کُل ملاکر تین ہزار سے اوپر سوار فوج ہوگئی تو شواجی مہاراج نے مانکوجی دھاتونڈے کو لشکر کا سپہ سالار بنادیا۔

اسی سبھاسد کی بکھر کے مطابق سنہ ۱۶۶۱ء میں شواجی نے بڑھتی ہوئی فوج کے انتظام کے پیشِ نظر سواروں اور پیادوں کے لئے الگ الگ سرنوبت مقرر کیے۔ اُس وقت فوج میں ماؤلوں کی تعداد دس ہزار تھی اور سواروں کی تعداد چھے ہزار سے متجاوز۔ افضل خاں کے قتل کے بعد شواجی کے اصطبل میں تقریباً چار ہزار گھوڑوں کا اضافہ ہوا اور جس وقت تل کوکن اور گھاٹ کا کچھ علاقہ شواجی نے عادل شاہی صوبے دار سے چھینا (سنہ ۱۶۶۱ء) اُس وقت اُس کی فوج میں پندرہ ہزار گھڑسوار اور بارہ ہزار پیادے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شواجی گھوڑوں کی اہمیت و ضرورت کو پہچان گیا تھا۔

مذکورہ بالا فوج کی تنظیم شواجی نے کس نہج پر کی تھی اس کا جائزہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ شواجی نے اپنی تنظیم میں مغلوں کی فوج کو سامنے رکھا تھا اور اکثر اصطلاحیں بھی فارسی ہی استعمال کی تھیں۔ چنانچہ پچیس بارگیروں پر ایک حوالدار' پانچ حوالداروں پر ایک جملہ دار' دس جملہ داروں پر ایک ہزاری یعنی کمان دار ہوا کرتا تھا جس کے ماتحت تقریباً ۶,۲۵۰ (چھے ہزار دو سو پچاس) گھڑسوار ہوا کرتے تھے۔ پیادوں میں دس پائیک پر ایک نائیک' پچاس نائیک پر ایک حوالدار' دو یا تین حوالداروں پر ایک جملہ دار' دس جملہ داروں پر ایک ہزاری اور سات ہزاریوں پر ایک کمان دار ہوا کرتا تھا جس کے حکم پر سات سے ساڑھے سات ہزار

تک پیادے چلا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ ایک خاص راج رکشک دَل یا محافظ دستہ ہوا کرتا تھا جو شواجی مہاراج کی سیوا میں رہا کرتا تھا۔ اس گروہ کو بھی مختلف ٹکڑیوں میں بانٹ دیا گیا تھا جنھیں اُن کی تعداد کے مطابق نام دئے گئے تھے مثلاً سو نفری، چالیس نفری، بیس نفری وغیرہ۔ ان میں سب سے کم تعداد کی ٹکڑی آن جاں باز اور جان نثار ماؤلوں پر مشتمل تھی جو ہر وقت کیل کانٹے سے لیس شواجی کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ اس رکشک دَل یا محافظ دستہ کا لباس یا یونی فارم بھی اوروں سے مختلف ہوا کرتا تھا۔ سر پہ رومال و مندیل، جسم پر زرہ نما صدری، دونوں ہاتھوں میں سونے کے (بعض کے ہاتھوں میں چاندی کے) کڑے ہوا کرتے تھے۔ تلواروں کی موٹھوں پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھا ہوتا تھا بندوقوں اور بھالوں کو سونے یا چاندی کے تاروں سے مڑھتے تھے۔ کانوں میں بالے ہوا کرتے تھے۔ ان سپاہیوں کی کُل تعداد دو ہزار تھی اور سب کے سب پالکی کے ساتھ چلا کرتے تھے۔

سبھاسد نے بکھر کے آخر میں شواجی کے عروج کے زمانے کی فوج کے جو اعداد و شمار بتائے ہیں، ان کے مطابق مستقل سواروں کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار اور اسلحہ داروں کی گنتی پینتالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ پیادہ فوج ایک لاکھ کے قریب تھی۔ لیکن یہ اعداد قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتے۔

شواجی نے اپنے لشکر میں ڈسپلن قائم رکھنے کے لئے چند قوانین و ضوابط نافذ کئے تھے جن پر عمل کرنا انتہائی ضروری ہوتا تھا۔ خلاف ورزی کرنے والے کو کڑی سزا دی جاتی تھی۔ شواجی نے مختلف فرمانوں کے ذریعے یہ ضابطۂ عمل مقرر کر دیا تھا کہ برسات میں لشکر ملکی چھاؤنیوں میں واپس آئے گا۔ اس کے لئے اشیائے خوردنی، دانا و راتب، ادویات نیز مکانات و اصطبل گھاس پھوس کے چھپر ڈال کر تیار رکھے جائیں۔ دسہرا ہوتے ہی لشکر چھاؤنیوں سے کوچ کر جائے۔ کوچ کرنے سے پہلے ہر چھوٹے بڑے فوجی کے سامان و آلاتِ جنگ کی فہرست بنا کر اسے جانے کی اجازت دی جائے۔ آٹھ مہینے تک لشکر مراٹھا علاقے سے باہر خراج و تاوان، چوتھ و سردیشمکھی وصول کر کے اپنا خرچ چلائے۔ لشکر میں بیوی، بیسوا یا رقاصہ نہ ہو۔ جو رکھے اُس کی گردن مار دی جائے۔ غیر علاقوں کی مہم پر بیوی بچوں کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ گھوڑا مل جائے تو پکڑ لیا جائے لیکن گائیں نہ پکڑی جائیں۔ البتہ بیلوں کو بار برداری کے لئے دھر لیا جائے۔ برہمنوں کو تکلیف نہ دی جائے۔ خراج یا ٹیکس کے سلسلے میں جو معاملہ طے ہو اُس پر عمل کیا جائے۔ بدعملی نہ کی جائے۔ آٹھ مہینے تک لڑائی بھڑائی کرنے کے بعد بیساکھ میں واپس لوٹتے ہی سارے لشکر کے ساز و سامان کی مکمل جانچ پڑتال کی جائے۔ لوٹ میں حاصل کی ہوئی قیمتی اشیاء مثلاً زر و جواہر سرکاری خزانے میں داخل کریں اور کم قیمت چیزیں سپاہیوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ مالِ غنیمت چھپانے والے کو سخت سزا دی جائے۔ جن لوگوں نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہوں انھیں انعام و اکرام سے نوازا جائے۔ بھگوڑے اور قانون شکن سپاہیوں کو تحقیق کے بعد سزا دی جائے اور ملازمت سے برطرف کر دیا جائے۔ چار مہینے کی ملکی چھاؤنی میں مہاراج سے ملنے بڑے بڑے افسر جائیں اور مختلف علاقوں پر چڑھائی کرنے کے احکامات لے کر مہم پر روانہ ہوں وغیرہ۔

مختلف مغربی مصنفین کے بیانات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شواجی ڈسپلن کے معاملے میں بہت سخت انسان تھا۔ وہ اگرچہ اپنے سپاہیوں سے محبت کرتا تھا لیکن حکم کی خلاف ورزی کو ہرگز معاف نہ کرتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے سپاہیوں کو لوٹنے پر آما[دہ] کرنے کے لیے اس نے لوٹ میں اُن کا حصّہ بھی [مقرر] کر دیا تھا نیز اُن کو تنخواہ بھی باقاعدگی سے دیتا[تھا]۔ ہیرے جواہر اور سونے چاندی کے علاوہ باقی سارا [مالِ] غنیمت لشکر ہی پر خرچ کر دیا جاتا تھا۔

کاسماں دِ گاروا کے الفاظ میں "شواجی کو اپنے لشکر کی ٹکڑیوں میں گشت لگا کر ان کی گ[زارشات] سُنتا اور ان کی شکایتیں دور کرنے کی کوشش [کرتا تھا]۔ رشوت خوری سے بچنے کے لئے جن بڑے عہد[یداروں] کو وہ بھاری مشاہرے ادا کرتا اُن کے معمولا[ت کی] پوری خبر رکھتا تھا اور فوج بھی اس سے وا[قف] تھی کہ شواجی کے کانوں تک ہر بات پہنچ جاتی [ہے۔] قصور وار کو وہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ س[زا دیتا] تھا۔ شواجی کے نزدیک اگر کوئی حکمران اپنے ما[تحتوں] کے بُرے اعمال سے چشم پوشی کرتا ہے تو عوام ان کاموں سے متفق سمجھ لیں گے جب کہ بدعمل ا[فراد] کو سزا دینے سے اس کی انصاف پسندی کے چ[رچے] ہوں گے اور اس کی حکومت بُرے نتائج سے م[حفوظ] رہے گی۔"

مہاراشٹر میں ماہی گیری کی ترقی

خوش قسمتی سے مہاراشٹر کے پاس وسیع حصہ آب ہے جو مختلف اقسام کی مچھلیوں سے مالامال ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ۸۷,۰۰۰ مربع کلومیٹر ہوتا ہے جس میں سے صرف ۱۲,۰۰۰ مربع کلومیٹر میں ابتک دستیاب ذرائع سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ ریاست کے پانچویں پانچ سالہ منصوبہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مچھلی کے ان ذخیروں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے، نیز اندرونی تالابوں، جھیلوں اور ندیوں میں مچھلی کی پیداوار بڑھائی جائے۔

حال ہی میں بمبئی کے قریب سمندر میں تیل کی کھوج کے باعث یہ امیدیں بڑھ گئی ہیں کہ ملک کو سمندر سے قیمتی ایندھن مل سکے گا۔ سمندر کی بیش بہا دولت میں مچھلی دوسرا گرانقدر عطیہ ہے۔ مہاراشٹر کا ساحل تقریباً ۷۲۰ کلومیٹر ہے۔ بہرصورت کیرالا کے مقابلہ میں جس کا ساحل تقریباً ۶۰۰ کلومیٹر ہے اور جہاں سالانہ ۶۸ء۳ لاکھ میٹرک ٹن مچھلی پکڑی جاتی ہے اور مہاراشٹر میں سالانہ ۲ء۵۰ لاکھ ٹن مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ مچھلی ایک قوت بخش امدادی غذا ہے نیز قیمتی بیرونی سکہ کمانے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس لحاظ سے حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے پانچویں پانچ سالہ منصوبہ میں ماہی گیری کی ہمہ گیر ترقی کا فیصلہ کیا۔

مہاراشٹر میں سمندر اور اندرونی حصّوں میں ماہی گیری نے کس حد تک ترقی کی ہے اس کا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے ہوسکتا ہے۔

سمندری ماھی گیری

۱۔ ساحل کی لمبائی	۷۲۰ کلومیٹر
۲۔ موضع جات ماہی گیری	۳۴۶
۳۔ ماہی گیر کنبہ کی تعداد	۳۳۸۸۱
۴۔ ماہی گیروں کے افراد خاندان کی تعداد	۲,۰۱,۴۲۳
۵۔ ماہی گیری تجارت میں لگے اشخاص کی تعداد	۸۶,۸۷۶
۶۔ کل وقتی ماہی گیر مزدور	۳۶,۳۴۱
۷۔ جزوقتی ماہی گیر مزدور	۵,۱۹۸
۸۔ مشینی ٹرالروں کی تعداد	۲,۵۴۵
۹۔ غیر مشینی ٹرالروں کی تعداد	۸,۴۷۱
۱۰۔ ایک ٹن سے زیادہ گنجائش رکھنے والے ٹرالر	۶,۱۴۵
۱۱۔ ایک ٹن سے کم گنجائش رکھنے والے ٹرالر	۴,۸۷۰
۱۲۔ ۱۹۷۲-۷۳ء میں پکڑی گئی مچھلی کی تعداد	۲,۹۲۴ ایم۔ ٹی
۱۳۔ ۱۹۷۲-۷۳ء میں کل پیداوار میں ماہی گیروں کا حصہ	۲۸۸۸ء۱۶ لاکھ روپے

اندرونی حصہ میں ماھی گیری

۱۔ ندیوں کی کل لمبائی	۳,۲۰۰ کلومیٹر
۲۔ ماہی گیری کیلئے موزوں رقبہ (تالاب۔ نہریں)	۱,۶۶,۳۷۱ ہیکٹر
۳۔ مچھلی پیداوار کیلئے کام میں لایا گیا علاقہ	۱,۳۶,۱۲۹ ہیکٹر
۴۔ ماہی گیروں کی تعداد	۱۳,۴۶۹
۵۔ ۱۹۷۲-۷۳ء میں پکڑی گئی مچھلیوں کی کل مقدار	۱۵,۵۰۰ میٹرک ٹن
۶۔ ۱۹۷۲-۷۳ء کے دوران کل پیداوار میں ماہی گیروں کا حصہ	۴۴۹ء۵۰ لاکھ روپے

ماہی گیروں کو مالی امداد

ماہی گیروں کو مالی امداد مہیا کرنے کی ایک اسکیم کے تحت تاکہ وہ مشینی کشتیوں پر اصل مصارف اٹھا سکیں ۱۹۷۲-۷۳ء تک ۲,۲۸,۸۳,۵۳۴ روپے کی رقم کے قرضہ جات اور ۱,۲۱,۸۹,۹۶۴ روپے کی رقم کی امداد مہیا کی گئی۔ اس کے علاوہ ۶۶,۶۶,۹۳۱ روپے کی رقم کا خاص حصہ سرمایہ بطور بلاواسطہ امداد انہیں فراہم کیا گیا۔ اس کے باعث ۱۹۷۲-۷۳ء کے اختتام پر مشینی ٹرالروں کی تعداد ۲,۵۴۴ ہوگئی تھی جو پورے ملک میں سب سے زیادہ ہے۔ ماہی گیری کے جال کے لئے سوتی ڈوری کے مقابلہ میں نائیلون کی ڈوری کی مضبوطی اور پائداری کے مدنظر اس کے لئے بھی امداد دینے کی اسکیم شروع کی گئی نیز اسی طرح ماہی گیروں کو ہک اور ٹیرل آئل کے لئے بھی امداد دی گئی۔ ٹرال جالوں سے ماہی گیری میں

اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۸ء میں ضلع رتناگیری میں ٹرالنگ ماہی گیری شروع کی گئی تھی۔ اس ضلع میں مشینی ٹرالروں کی تعداد ۵۵۰ سے زیادہ ہے۔ ان میں سے ۵۰۰ سے زیادہ کے ذریعہ ماہی گیری ہوتی ہے۔ اس سے گہرے سمندر میں ماہی گیری میں مدد ملتی ہے۔

۱۹۶۲ء میں چار مشینی ٹرالروں سے سمندر کے سروے کا کام شروع کیا گیا تھا۔ چھ سال کی مدت میں اضلاع قلابہ اور رتناگیری سے متصل ساحل سمندر ۳۰ دفیتھم تک اور ضلع رتناگیری میں ۲۰ تا ۲۵ فیتھم گہرائی تک یعنی ۱۲,۱۰۰ مربع کلومیٹر رقبہ میں جائزہ لیا گیا۔ ماہی گیروں کو حاصل ہونے والی معلومات سے روشناس کیا گیا جس کے باعث کوکن کے ساحل پر ماہی گیری میں زبردست اضافہ ہوا۔

پیشہ ورانہ تربیت

پیشہ ورانہ تربیت کی اہمیت کے پیش نظر ماہی گیروں کی باقاعدہ تربیت کے لئے کئی اسکیمات شروع کی گئیں۔ آٹھ ماہی گیری ابتدائی اسکول ان اسکیمات کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے چار ضلع رتناگیری اور دو دو اضلاع قلابہ اور تھانہ میں ہیں۔ سات سالہ تربیت کے ابتدائی اسکول سرٹیفکیٹ معیار میں ریاضی، زبان، تاریخ جغرافیہ جیسے مضامین کے علاوہ پیشہ ورانہ مضامین مثلاً ماہی گیری، نجاری اور جال بنائی وغیرہ شامل ہیں۔ لڑکیوں کو نجاری کے بجائے ہوم سائنس پڑھائی جاتی ہے۔ ماہی گیری پر خاص طور سے کتابیں تیار کی گئی ہیں جو طلباء کو مفت تقسیم کی جاتی ہیں ضلع پریشدوں کی جانب سے چلائے جانے والے ایسے ۱۲ اسکولوں میں ماہی گیری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایس۔ ایس۔ سی۔ امتحان کے لئے ماہی گیری ایک اختیاری مضمون ہے۔ ضلع تھانہ میں واقع مقام ستپتی میں ۱۹۶۳ء میں ماہی گیری سے متعلق ایک ثانوی اسکول قائم کیا گیا تھا۔ ریاست میں دیگر نو سیکنڈری اسکولوں میں ماہی گیری مضامین پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ چار ساحلی اضلاع بشمول بمبئی عظمیٰ میں چار تربیتی مراکز قائم کئے گئے ہیں تاکہ ۱۸ اور ۲۵ سال کے درمیان عمر کے خواندہ ماہی گیروں کو انجن اور ماہی گیری کے نئے آلات اور طریقہ کے بارے میں تربیت دی جاسکے۔ چھ ماہی تربیتی کورس میں ماہی گیری کے پوری طرح ساز و سامان سے لیس ٹرالر پر عملی تربیت بھی شامل ہے۔ ہر سال ہر ایک سینٹر میں ۴۴ اشخاص کو تربیت دی جاتی ہے۔ نیز ہر ایک تربیت پانے والے فرد کو ۷۰ روپے ماہانہ مشاہرہ دیا جاتا ہے۔

اندرونی حصہ میں ماہی گیری کی تربیت

حکومت نے اندرونی حصوں میں ماہی گیر نوجوانوں کو ماہی گیری کی تربیت دینے کے انتظامات بھی کئے ہیں۔ چنانچہ ناگپور اور اورنگ آباد کے تربیتی مرکزوں پر ہر سال ۲۰ اشخاص کو تربیت دی جاتی ہے۔ نیز امیدواروں کو آگرہ اور حیدرآباد کے ایسے ہی مراکز پر بھیجا جاتا ہے۔ مزید برآں امیدواروں کو منتخب کرکے تربیت دی جاتی ہے تاکہ انہیں سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف فشریز کوآپریٹیوز بھیجا جائے جو حکومت ہند کا ایک ادارہ ہے اور جہاں انجن ڈرائیور، ساحلی میکانک، ماسٹر فشرمین، کشتی سازی اور ریڈیو ٹیلیفون آپریٹر کی تربیت دی جاتی ہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں ماہی گیری سائنس کی نئی شاخ قرار دی گئی ہے۔ اسی نہج پر ورسوا (بمبئی) میں قائم حکومت ہند کے ادارہ، سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف فشریز ایجوکیشن میں ماہی گیری کے لئے ایک دو سالہ وسیع کورس رکھا گیا ہے اور اس میں سائنس گریجویٹوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ ریاستی حکومت اضلاع میں محکمہ ماہی گیری کے افسران کو اس ادارے میں تربیت کے لئے بھیجتی ہے۔

امداد باہمی ادارے

مغربی ممالک میں ماہی گیروں کی ترقی زیادہ تر امداد باہمی کوششوں سے ہوئی ہے۔ مہاراشٹر میں ماہی گیری کے میدان میں امداد باہمی ۱۹۱۳ء سے شروع کی گئی تھی۔ قبل منصوبہ بندی مدت میں ۶۶ ماہی گیری امداد باہمی ادارہ جات تھے۔ دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں مالی امداد بہم پہنچاکر امداد باہمی ماہی گیری سوسائٹیوں پر زور دیا گیا۔ اس کے باعث امداد باہمی ادارہ جات اور ان کے اراکین کی تعداد نیز حصص اور سرمایہ میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں پروگرام کو اور وسعت دی گئی۔ چنانچہ اراکین کی تعداد بڑھ کر ۱۵۰۰۰ ہوگئی اور کام چلاؤ سرمایہ ۵۰۔۱۱ لاکھ روپے ہوگیا ہے۔ ۱۹۶۷ء سے کشتیوں میں مشین لگانے، مچھلی اسٹوریج، ٹرانسپورٹ اور فروخت وغیرہ کے لئے سرکاری امداد ماہی گیری، امداد باہمی اداروں کے توسط ہی سے دی جاتی ہے۔ ماہی گیری کے امداد باہمی ادارہ جات کی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کے پیش نظر حکومت نے انہیں ۱۹۶۹ء سے مختلف مقاصد کے لئے زیادہ مالی امداد دینا شروع کی ہے۔

وسیع ماہی گیری پروجیکٹ

تین ساحلی اضلاع میں متعلقہ ڈسٹرکٹ کوآپریٹو فیڈریشن کے تحت وسیع ماہی گیری پروجیکٹ شروع کئے گئے ہیں۔ ان پروجیکٹوں میں اسکیمات مثلاً ماہی گیری وغیرہ میں جدید طریقہ کا استعمال، بکفایت مچھلیوں کی فروخت برآمد اور ممبران کی پیشہ ورانہ ضروریات کی تکمیل وغیرہ شامل ہیں۔ یہ پروجیکٹ ریاستی حکومت اور اگریکلچرل ری فائننس کارپوریشن کی مشترکہ سرپرستی میں جاری کیا ہے۔ موخرالذکر نے سرمایہ کا ۷۵ فیصدی حصہ مہیا کیا۔ توقع ہے کہ اس پروجیکٹ کے تحت تین ساحلی اضلاع میں ایک سال میں پکڑی جانے والی مچھلی کی مقدار ۴۰۰۰ میٹرک ٹن ہوجائے گی جس سے تقریباً ۶ء۹ لاکھ روپے بیرونی سکہ حاصل ہوسکے گا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ۷۲۰ کلومیٹر لمبے ساحل پر ۳۶۴ ماہی گیری موضع جات ہیں جس کا مطلب ہے ۲ کلومیٹر پر ایک ماہی گیری موضع ہے۔ ریاست کے پانچویں منصوبہ میں بڑی بندرگاہوں کی ترقی کو ترجیح دی ہے۔ ۹۴۰ لاکھ روپے خرچ کئے جائیں گے اور حکومت ہند برداشت کرے گی۔ بندرگاہوں پر

مچھلیاں اتارنے اور حفاظت وغیرہ کی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔ سنہ ۱۹۷۲ء میں علیحدہ مشینری یعنی مہاراشٹر اسٹیٹ پورٹ اتھارٹی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ بندرگاہ سُدھار کے لئے اخراجات کی تقسیم یوں ہے: ۱۸۰ لاکھ روپے برائے میرکرواڑہ (رتناگیری)۔ ۵۹ لاکھ روپے برائے دیگھی (قلابہ) ۱۲۳ لاکھ روپے ست پتی (تھانہ) ۶۵ لاکھ روپے برائے دھانو (تھانہ) اور ۶۰ لاکھ روپے برائے چھوٹی بندرگاہ۔ بمبئی میں سیسون ڈاک کی توسیع کا کام بھی شروع کیا گیا ہے۔

ریسرچ

ترقی سرگرمیوں کے لئے ریسرچ ناگزیر ہے۔ بمبئی اور رتناگیری میں سازوسامان سے پوری طرح لیس دو ریسرچ مراکز سنہ ۱۹۷۱ء میں زراعتی یونیورسٹیوں کے حوالے کئے گئے تھے۔ سمندر اور اندرونی حصہ آب میں ماہی گیری بڑھانے کے لئے ان مراکز نے ضروری ریسرچ کی۔ جھینگے پر ریسرچ سے مغربی مہاراشٹر میں ماہی گیری تجارت میں زبردست انقلاب آیا نیز یہ ماہی گیری کی ترقی میں بھی بڑی مددگار ہوئی۔

اندرونی حصہ میں ماہی گیری

مہاراشٹر میں اندرونی حصوں میں ماہی گیری کو فروغ دینے کے مدنظر حکومت نے سنہ ۱۹۴۶ء میں بنگال سے بڑی کارپ مچھلی کے بیج کے نمونے منگائے تھے۔ یہ تجربہ بڑا کامیاب رہا تھا۔ چنانچہ مچھلی کے ایسے بیج (سیڈ) جن کی تعداد سنہ ۱۹۵۵ء میں پانچ لاکھ تھی سنہ ۱۹۷۳ء میں بڑھ کر ۳۲۹ لاکھ ہو گئی۔ روہو، قتلہ اور مرگل مچھلیوں کے نمونے بذریعہ ہوائی جہاز منگائے جاتے ہیں۔ حکومت نے کئی مچھلی پالن مراکز نیز مچھلی فارم قائم کئے تھے جن میں ۲ کروڑ مچھلی بیج، سنہ ۱۹۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ اکثر نئے تجربات کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں عام کارپ، چینی گراس کارپ اور سلور کارپ اقسام کا ذکر ضروری ہے جو بمبئی میں پوائی اور ودربھ اور مراٹھواڑہ میں پائی جاتی ہیں۔ مچھلی بیج پیداوار کے کام میں لگے ہوئے امداد باہمی اداروں کی تعداد سنہ ۱۹۵۵ء میں ۱۵ سے بڑھ کر سنہ ۱۹۷۳ء میں ۲۳۷ ہو گئی تھی۔

ماہی گیری ترقی کارپوریشن

ریاستی حکومت نے سنہ ۱۹۷۳ء میں ایک خود مختار ادارہ قائم کیا جس کا نام مہاراشٹر فشریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن ہے تاکہ ماہی گیری کی ہمہ جہتی ترقی عمل میں آئے

خوش قسمتی سے مہاراشٹر میں حصہ آب ۸۷،۰۰۰ مربع کلومیٹر ہے جس میں سے ۱۲،۰۰۰ مربع کلومیٹر میں دستیاب ذرائع سے استفادہ کیا جا چکا ہے۔ کارپوریشن اس سے پورا استفادہ کرنے میں مدد دے گی۔ حکومت نے اپنے تمام کمرشیل فشنگ پروجیکٹ کارپوریشن کے حوالے کر دیے ہیں جن کو محکمہ ماہی گیری چلاتا ہے۔ ان پروجیکٹوں میں برف فیکٹریاں، کولڈ اسٹوریج اور لیور آئل کی فیکٹریاں وغیرہ شامل ہیں۔

حکومت نے سنہ ۱۹۷۳ء میں محکمہ ماہی گیری کیلئے ایک ماسٹر پلان کمیٹی مقرر کی تھی۔ یہ کمیٹی ماہی گیری تجارت کی موجودہ حالت اس کی خامیوں کو فوری اور طویل المدت ضروریات اور آئندہ کی ترقی وغیرہ کے بارے میں غور کر رہی ہے۔ اور اپنی رپورٹ میں ماہی گیری کی آئندہ ترقی کے لئے مشورہ دے گی۔

پانچویں منصوبہ کی ابتداء پر ہم ابتک اپنی کامیابیوں پر بجا طور سے فخر کر سکتے ہیں۔ تاہم ہمیں گہرے سمندر میں ماہی گیری اور جدید ساز و سامان سے لیس ٹرالروں کی تیاری وغیرہ کے آگے بہت کچھ کام کرنا ہے۔ اندرونی حصہ آب میں ماہی گیری، مچھلی بیج پیداوار پروجیکٹ کی توسیع ہی سے بڑھ سکتی ہے۔ ماہی گیری کی معلومات اور جدید طریقوں سے ہمارے ماہی گیروں کو بڑے پیمانے پر روشناس کرنے کی ضرورت ہے۔ ماہی گیر بہت سے مواقع پر قدرتی آفات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے متاثر لوگوں کو مالی امداد دینے کی ایک الگ اسکیم وضع کی جا رہی ہے۔ نیز ماہی گیروں کے لئے فراہمی مکانات کے مسئلہ پر موثر طریقہ سے کارروائی کی جا رہی ہے۔

بقیہ ورق ورق

(صفحہ ۳۱ سے آگے)

اُس نے میرے سراپا پر نظر دوڑائی، کچھ سوچا اور زیرلب کہا: "واقعی یہ ایک افسانوی ملک ہے۔ میں اپنے ہوٹل سے باہر قدم رکھتے گھبراتا ہوں۔ ایک شخص نے اتنی دور سے حجامت کرانے (صحیح لفظ "ہیئر ڈریسنگ") کے لئے بلایا ہے اور دس آدمی باہر کھڑے ہیں میری حجامت بنانے کے لئے۔ آپ لوگ ایسے "شریف" پیشے میں ہو کر کس طرح زندگی سے نباہتے ہوں گے!

کیا واقعی ہندوستان میں کان، آنکھیں اور لب سلامت ہیں؟ مجھے تو یقین نہیں آتا۔ اس نے نجانے کیا کہا ہوگا، میں اسی سوچ میں غرق رہا کہ:

اندھے، گونگے اور بہرے بنے بغیر اس بستی میں بھلا ہم کیسے جی سکتے تھے: اچھا ہوا کہ ہم میں سے ہر ایک بندر نے اپنے اندر تین تین بندر بسا رکھے ہیں۔ رہے نام سائیں کا!

●●

ترانۂ اتحاد

شباب میناؔئی

اپنا جہاں بھی ایک ہے　　اپنا وطن بھی ایک ہے
اپنی زمیں بھی ایک ہے　　اپنا گگن بھی ایک ہے

ہم کو عقیدت رام سے　　نانک سے اور گھنشام سے
گوتم، مہابیر اپنے ہیں　　چشتی بھی اک میر اپنے ہیں
گاتے ہیں تلسی کا بھجن　　خسرو سے ہے ہم کو لگن
گاندھی، جواہر اپنے ہیں　　آزاد و جوہر اپنے ہیں
سپنے ہمارے ایک ہیں　　دُکھ درد سارے ایک ہیں
اپنی ادا بھی ایک ہے　　اپنا چلن بھی ایک ہے
اپنا وطن بھی ایک ہے

ٹیپو کی ہم میں آن ہے　　ٹوپے کی ہم میں شان ہے
ہم میں امر سنگھ کا جنوں　　ہے لکشمی بائی کا خوں
بس بھگت سنگھ کی قسم　　ہیں دیش پہ قربان ہم
نوروز جی کا ناز ہیں　　حسرت کا ہم انداز ہیں
ہم ویر ہیں، بلوان ہیں　　ہندوستاں کی جان ہیں
ہے ایک اپنی دیرتا　　اور بانکپن بھی ایک ہے
اپنا وطن بھی ایک ہے

ہم سورما جے پور کے　　ہم ویر ہیں میسور کے
پنجاب کے ہم پہلواں　　کشمیر کے ہم باغباں
گجرات کی ہم آس ہیں　　ہم عظمتِ مدراس ہیں
ملبار کی ہم روشنی　　بنگال کی ہم زندگی
دِلّی کے متوالے ہیں ہم　　بھارت کے رکھوالے ہیں ہم
اِک شاخ کے ہم پھول ہیں　　اپنا چمن بھی ایک ہے
اپنا وطن بھی ایک ہے

شانِ ہمالہ ہم سے ہے　　ہر سو اُجالا ہم سے ہے
مہکی ہوئی آبادیاں　　گنگ و جمن کی وادیاں
یہ تاج سا شہکار بھی　　اور یہ قطب مینار بھی
حُسنِ ایلورا کی قسم　　شانِ اجنتا کی قسم
جنت نشاں یہ راستے　　سب ہیں ہمارے واسطے
دامن بھی اپنا ایک ہے　　اور اپنا دھن بھی ایک ہے
اپنا وطن بھی ایک ہے

ہم ایک ہیں!
ہم ایک ہیں!!

شاداب رتناگیروی

غزل

سام اہلِ نظر کھو گئے کہاں جانے — کوئی نہیں جو ہماری نظر کو پہچانے

ن کے ہاتھوں میں چارہ گری کے دستانے — کیا ہے خوں مرے جذبات کا مسیحا نے

وا تھا صرف بدستِ نظر اُنھیں پھر بھی — جبیں پہ آگئے بل وہ بہت بُرا مانے

رے دم سے ہے قائم یہ شانِ میخانہ — جو ہم نہ ہوں تو ترستے رہیں گے پیمانے

لم کی آگ بجھانے کے واسطے کچھ لوگ — تلاش کرتے ہیں مٹی میں گیہوں کے دانے

م میں، دَیر میں یا تیری بزمِ عشرت میں — سکونِ قلب ملے گا کہاں خدا جانے

بصد نیاز تری بزمِ ناز میں شاداب
لُٹانے آیا ہے قلب و جگر کے نذرانے

بقیہ

کونسل کی کارروائیاں

چیرمین شری وی۔ ایس۔ پاگے، ڈپٹی چیرمین شری آر۔ ایس۔ گوائی، وزیرِ اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک شری این۔ ڈی۔ پاٹل، پروفیسر جی۔ بی۔ کانشکر، شری این۔ ڈبلو۔ لیماے، شری ایم۔ این مانجیکر، شری وی۔ جی۔ دلیش پانڈے، شری ڈی۔ بی۔ تھہانے، شری جے۔ جی۔ بھاوے، شری پی۔ ڈی۔ دلال، شری زیڈ۔ ایم۔ کالستری اور شریمتی منی بین ڈیسائی نے بھی اس موقع پر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

شری پاگے نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ سبکدوش ہونے والے اراکین بدستور سوسائٹی کی خدمت کرتے رہیں گے

شری نائک نے امید ظاہر کی کہ سبکدوش ہونے والے ان امیدواروں کے تجربات سے ریاست کے مختلف حصے فیضیاب ہوں گے۔

کونسل کا آئندہ اجلاس ستمبر میں دو اگست سے منعقد ہوگا۔

...نے کتنی ترقی کرلی ہے: ہمارا باپ دادا انھیں کھایا کرتے تھے۔

جی ہاں! میں نے اپنا پرانا دھندہ بالکل چھوڑ دیا ہے!

ایک خاموش صحافی کی موت

یعقوب راہی

مکتبۂ جامعہ بمبئی، جہاں اردو کی علمی، ادبی اور مذہبی کتابوں کا ایک اہم مرکز ہے وہیں اردو کے نئے پرانے ادبا و شعراء اور ادب نواز حضرات کی نشست گاہ بھی ہے یہاں تقریباً ہر سنیچر کی شام کو ادیبوں اور ادب نواز حضرات کا ایک گروہ جمع ہوتا ہے۔ حاضرین ایک دوسرے کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ادبی، سیاسی اور تہذیبی موضوعات پر تبادلۂ خیال کرتے ہیں، اپنی اپنی ادبی یادیں تازہ کرتے ہیں اور آخر میں ایک ایک عدد کپ چائے پی کر آئندہ سنیچر کو ملنے کی خواہش میں جدا ہو جاتے ہیں۔ مکتبہ جامعہ کی ان نشستوں میں تصدیق بھائی (تصدیق سہاروی) سے باقاعدہ ملاقاتیں رہی ہیں۔ سنیچر کی ان باقاعدہ ملاقاتوں کے علاوہ بھی میں ان سے ملتا رہتا تھا، کبھی مکتبۂ جامعہ ہی میں، کبھی ان کے مکان پر اور کبھی ادبی جلسوں میں — میں نے محسوس کیا کہ تصدیق بھائی بہت ہی مخلص اور انسان دوست واقع ہوئے تھے۔

تصدیق بھائی کو بمبئی اور اس کے اردو ادبی ماحول سے گہرا لگاؤ تھا۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ انجمن ترقی پسند مصنفین اور انجمن نوجوان مصنفین کے ختم ہونے کے بعد بمبئی کی ادبی فضا پر جو ایک جمود طاری تھا وہ کسی طرح ٹوٹے اور یہاں باقاعدگی سے ادبی نشستیں منعقد ہوں اور ان نشستوں میں نہ صرف ادبا و شعراء اپنی تخلیقات پڑھیں بلکہ مختلف موضوعات پر مباحث بھی ہوں۔ وہ بہت خوش تھے کہ ان کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی تھی اور بمبئی میں پچھلے چند برسوں سے ادبی جلسے منعقد ہونے لگے تھے۔ تصدیق بھائی ان نشستوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ وہ خود تو ادبی مباحثوں میں حصہ نہیں لیتے تھے لیکن اپنے عزیزوں اور دوستوں کو ان میں حصہ لیتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ وہ ان نشستوں کے رپورتاژ لکھا کرتے تھے۔ ان رپورتاژ کے ذریعہ جہاں ان ادبی جلسوں کی سنجیدہ فضا اور بحث و مباحث کی گرمی اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ ابھر کر سامنے آتی ہے وہیں تصدیق بھائی کے اندازِ تحریر کی شگفتگی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

تصدیق بھائی کی طبیعت میں سادگی اور مزاج میں انکسار تھا۔ میں نہیں جانتا کہ انھوں نے کبھی کسی کو ناراض کیا ہو۔ ہاں! ان کی باتوں سے یہ احساس ضرور ہوتا تھا کہ وہ اندر سے frustrated تھے ان کی ادبی اور صحافتی خدمات کی نہ قدر ہوئی اور نہ حوصلہ افزائی۔

تصدیق بھائی کے تعلقات بھی متضاد شخصیتوں کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک طرف اختر الایمان بھی ان کے دوست تھے جو نہ صرف کم سخن واقع ہوئے ہیں بلکہ جو پرانے ترقی پسند مصنفین کے ساتھ ساتھ نئے ادبا و شعراء کو بھی اپنے قریب رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اور جن کی فطرت میں مصلحت پسندی شامل ہے۔ دوسری طرف باقر مہدی بھی ان کو عزیز تھے جو ہر وقت مصلحت پسندی اور establishment کے خلاف احتجاج کرنے کو تیار، بحث و تنقید کے لئے آمادہ اور بات سے بات نکالنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ لیکن تصدیق بھائی کی یہ خوبی تھی کہ وہ عمر بھر اپنے تعلقات بڑی خوش اسلوبی سے نباہتے رہے۔

بمبئی کی ادبی نشستوں میں مختلف موضوعات اور مسائل پر جو مباحثے ہوتے تھے، تصدیق بھائی نے ان کے رپورتاژ لکھے تھے اور اکثر وہ ان تمام رپورتاژ کو کتابی شکل میں ("بحث و تکرار" کے نام سے) شائع کرنے کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ تصدیق بھائی جب بھی اس کتاب کا ذکر کرتے، باقر مہدی مذاقاً کہتے: "آپ کی زندگی میں یہ کتاب شائع نہیں ہوگی۔" اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ باقر مہدی کا مذاق سچ ثابت ہوا۔ "بحث و تکرار" کے شائع ہونے سے پہلے ہی تصدیق بھائی ہم سے بچھڑ گئے۔ خدا کرے اب تو "بحث و تکرار" شائع ہو۔

۲۶ رفروری ۷۴ء کو مجھے پروفیسر عالی جعفری اور باقر مہدی کو ایک کام کے سلسلے میں پونا جانا تھا۔ صبح وی۔ٹی۔ اسٹیشن پر جب باقر مہدی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے تصدیق بھائی کے انتقال کی خبر سنائی۔ سخت صدمہ ہوا اور ذہن میں طرح طرح کے خیالات ابھرنے لگے۔ تصدیق بھائی جسمانی طور پر کمزور ضرور ہو گئے تھے لیکن یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ اتنے جلد بچھڑ جائیں گے۔

●

تصدیق بھائی کی یاد میں جب ۱۴ مارچ کو ایک تعزیتی جلسہ برہانی کالج میں منعقد ہوا تو اس میں کافی تعداد میں لوگ جمع تھے ۔ مولانا شہاب مالیر کوٹلوی، جاں نثار اختر، اخترالایمان اور ان کی بیگم، مسز تصدیق سہاروی، ظ۔ انصاری، باقر مہدی، قاضی سلیم، بلراج مینرا، مرزا عزیز جاوید، پروفیسر عالی جعفری، فضیل جعفری، سید مجی رضا، سید مجاہد حسین، یوسف ناظم، ندا فاضلی، محمود چھاپرا، مرچنٹ زکریا شریف، انور خاں، سلام بن رزاق، نور احمد وغیرہ۔ اس جلسے میں مرزا عزیز جاوید نے اپنی نظم اور انور خاں، یوسف ناظم، پروفیسر عالی جعفری، قاضی سلیم، ظ انصاری، جاں نثار اختر، معین الدین حارث اور صدر جلسہ مولانا شہاب نے اپنے مضامین اور تقاریر کے ذریعہ تصدیق بھائی سے متعلق اپنے تاثرات پیش کئے، اور اخترالایمان نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی اپنے آنسوؤں کے ذریعہ اپنے گہرے دکھ کا اظہار کیا۔

معین الدین حارث :

"میرے مرحوم سے دیرینہ تعلقات تھے ۔ ایک زمانے میں انھوں نے کئی سال "اجمل" میں میرے ساتھ کام کیا تھا میں نے انھیں ایک شریف النفس اور صاف ستھرا انسان پایا۔ احساس فرض اور اپنے فرائض کی ٹھیک ادائیگی کے علاوہ، وہ اپنے ساتھیوں کا خواہ وہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے، احترام کرنا اور ان کے ساتھ خلوص و محبت سے پیش آنا بھی جانتے تھے اور انھیں خوبیوں کی وجہ سے ان کے ہمیشہ مجھ سے اور میرے شریک کار جناب عثمان خاں صاحب سے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات رہے۔ ان کی بہت سی خوبیاں اب اور زیادہ یاد آئیں گی کیونکہ موجودہ زوال پذیر دور میں ان خوبیوں کی کمی محسوس ہونے لگی ہے۔" (خط کا اقتباس)

انور خاں :

"ان کی شخصیت میں جو ایک غیر متلاطم تبسم کے ساتھ دھیمے دھیمے سلگنے کی کیفیت تھی اُسے الفاظ کی گرفت میں کیسے لایا جائے ! کوئی اچھا خیال سوجھے، کسی سے گفتگو کرنے کو جی چاہے، دل کی بھڑاس نکالنی ہو، ذہن تھک گیا ہو، طبیعت پریشان ہو، تصدیق صاحب سے مل لیتے تھے ۔ اب ایسا کوئی دوسرا نہیں ۔ ایسا لگتا ہے اپنے وجود کا ایک حصہ اکھڑ کر علیحدہ ہو گیا ہو۔"

یوسف ناظم :

"تصدیق بھائی خاموش آدمی تھے ۔ ہنگاموں میں رہ کر بھی ہنگاموں سے دور رہتے تھے ۔ وہ کسی کا دل نہیں دکھا سکتے تھے ۔ عمر، سماجی رتبہ، ادبی حیثیت، یہ چیزیں ان کی دوستی کی راہ میں حائل نہیں رہیں ۔ جتنے قریبی دوست وہ مولانا شہاب جیسے بزرگ کے تھے اتنے ہی عزیز دوست وہ انور خاں اور سلام بن رزاق جیسے نوجوانوں کے بھی تھے ۔ ذی مرتبہ لوگوں سے بھی ان کا یارانہ تھا اور مکتبہ جامعہ کے رام چندر سے بھی ان کی گاڑھی چھنتی تھی ۔ کم سخن لوگ بھی انھیں پسند تھے اور کسی کی یاوہ گوئی سے بھی وہ مکدر نہیں ہوتے تھے ۔ دوستوں کی محفل میں وہ چہکتے نہیں تھے، قہقہے نہیں لگاتے تھے، اونچی آواز سے بحث نہیں کرتے تھے، لیکن ان کے وجود کی خوشبو پوری محفل میں بکھری رہتی تھی ۔ وہ خود اچھے مترجم، اچھے افسانہ نگار اور اچھے تبصرہ نگار تھے ۔"

پروفیسر عالی جعفری :

"میں نے تصدیق کو ایک اچھے انسان اور ایک اچھے ادیب کی حیثیت سے دیکھا اور پرکھا ہے ۔ جب وہ "اجمل" میں کام کر رہے تھے اُس وقت سے میری ان کی ملاقات تھی ۔ "اجمل" کا بمبئی کی اردو صحافت میں ایک اونچا مقام رہا ہے ۔ جب بھی بمبئی کی صحت مند صحافت کا ذکر آئیگا اجمل اور اس کے ساتھ ساتھ تصدیق سہاروی کا ذکر بھی ضرور آئے گا ۔ اجمل کی خبریں ہوں یا اس کا ادبی حصہ، تصدیق بھائی کی نظر ایک ایک کالم ہی پر نہیں بلکہ ایک ایک سطر پر رہتی تھیں ۔ وہ نہ صرف اچھے صحافی تھے بلکہ اچھے مترجم بھی تھے ۔ باقر مہدی نے جب ان کے انتقال کی خبر سنائی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری زندگی کا ایک اچھا حصہ ختم ہو گیا ۔"

قاضی سلیم

"آج مجھے دکھ ہے کہ تصدیق سہاروی جو ہماری ادبی برادری کے لئے، تصدیق بھائی تھے آج ہم میں نہیں ہیں ۔ یہ دکھ عجیب دکھ ہے جو ہر تھوڑے دنوں سے کسی عزیز کی موت پر جاگتا ہے اور ایک زخم کا اضافہ کر جاتا ہے ۔ زندگی بھر یہ زخم بڑھتے پھیلتے ہیں ۔ جب ہمارے دل میں مزید زخموں کی جگہ باقی نہیں رہتی، اسی دن ہم کسی تازہ دل کو زخم دے کر خود بھی موت کی راہ پر چل پڑتے ہیں ۔ زخموں کا یہ سلسلہ ہی ایک ایسا مقدر ہے جس کے آگے سب کچھ ہیچ ہے ۔

تصدیق بھائی کبھی کبھی افسانوی تخلیقات، غزلوں، ناولوں اور ترجموں (ترغیب، سیاہ پھول، رخسانہ وغیرہ) میں اور سیکڑوں رسالوں اخباروں کے اداریوں میں اپنی تلاش کرتے رہے ۔ یہ تلاش ہمیشہ ہی ادھوری رہی ۔ لگتا ہے جیسے جان بوجھ کر اپنی شخصیت کو آدھا کر دیا ہو اور آدھا اپنوں میں بانٹ دیا ہو ۔ اس بٹوارے میں ایک بیوی، اور دو بچوں کے علاوہ وہ تمام ادیب و شاعر ہیں جن کا ان سے تعلق رہا

تصدیق بھائی نے دراصل ادیب و شاعر بننے کی خواہش کو ادیبوں اور شاعروں کی محبت میں تبدیل کر دیا تھا ۔ دوسروں کی کامیابیوں پر یوں خوش ہوتے جیسے انھیں کی کامیابی ہو ۔ نظمیں سن کر یوں خوش ہوتے جیسے یہ سب انھیں کا لکھا ہوا ہو ۔ یہاں تک کہ آپس میں مباحثے کے دوران جب کسی کی زبان سے کوئی چمکتا ہوا جملہ نکلتا تو فوراً اسے نوٹ کر لیتے ۔ یہ سب باتیں زندہ ہیں ہماری زندگی تک زندہ رہیں گی ۔

زندگی نے انھیں کچھ دیا تو ایک ٹوٹی پھوٹی ہوئی خستہ مشین جو رہن تھی ۔ مقدمہ بازی میں برسوں پھنس کر بیوی بچوں کی آسائشوں کے لئے وہ گھٹتے ہی رہے ۔ بہرحال ایسی زندگی جو صرف ادیبوں کے لئے تھی آج

دوسروں ہی میں ختم ہوگئی جس کے ماتم کے لئے ہم آج جمع ہیں۔ مگر ماتم کیسا! کیا ہم اپنی موت کو بھول گئے ہیں! کیا ہم نہیں جانتے کہ مرنے والے کا ماتم کرنے کا حق اسی کو ہوتا ہے جو سمجھتا ہے کہ اسے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔"

قل - (الف ا رد)

"میں جانتا ہوں کہ وہ شریف اور ہمدرد تھے۔ اور ایک آدمی کا شریف اور ہمدرد ہونا ہی کافی ہے۔ ہمارے سماج میں ایک پیشہ ہے اور بہت ہی ظالم پیشہ ہے اس کا نام جرنلزم ہے۔ تصدیق صاحب اسی ظالم پیشے سے وابستہ تھے۔ جرنلسٹ حضرات نہیں جانتے کہ وہ جس کشتی میں سوار ہیں اس میں چھید ہے۔ جہاں تک بمبئی میں اُردو جرنلزم کا تعلق ہے، یہاں سے اُردو جرنلسٹ بن کر کوئی نہیں ابھرا۔ نہ یہاں کوئی بنا اور ٹھہرا۔ جو یہاں سے گئے وہ کچھ بنے۔ جرنلزم کا المیہ یہ ہے کہ جب ہمارا کوئی صحافی مرتا ہے تو اس کے انتقال کی خبر تین سطروں میں آتی ہے۔ زیادہ تر حصہ میں گھوڑا ریس اور فلموں کی خبریں پھیلی رہتی ہیں۔

ہمیں چاہیئے کہ اُردو جرنلزم کے پیشے سے وابستہ قابل اور لائق حضرات کے لئے کچھ کریں۔ ایک اخبار تو جرنلسٹ کے پاس ہو۔ صرف ایڈیٹر بن کے رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہر زبان میں اخبارات تو ان کے ایڈیٹروں سے پہچانے جاتے ہیں۔

پچھلے پچیس برسوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اُردو ایڈیٹر کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ تصدیق صاحب جرنلزم کے بجائے اگر بیڑی کی دکان کھولتے تو ان کا اب تک بڑا کارخانہ ہوتا۔ ہم سب اس کارخانے کی بیڑیاں پیتے۔ اس سلیقے سے جو اُن میں تھا، کام کرتے تو کچھ بنتے اور ان کے بچے بھی امریکہ میں پڑھتے ہوتے۔ اُردو صحافت نے انھیں کچھ نہیں دیا۔ خدا کرے اُردو کے صحافی اور اردو اخباروں کے ایڈیٹر بامعنی بن جائیں۔"

جاں نثار اختر

"جب میں آرکیڈیا بلڈنگ میں رہتا تھا، ہم روزانہ ملتے تھے مکتبہ جامعہ ہماری نشست گاہ تھی۔ جب قلابہ چلا گیا تو ہفتے میں ایکبار ملاقات ہوتی تھی۔ لیکن جب باندرہ چلا گیا تو مہینے میں ایک آدھ بار ملنے لگے تھے۔ رفتہ رفتہ ملاقات کا عرصہ بڑھتا گیا۔ میں وہ زمانہ نہیں بھولتا جب میں آرکیڈیا بلڈنگ میں رہتا تھا، ان دنوں میں بُرے حالات سے گذر رہا تھا۔ اُس وقت تصدیق صاحب نے بڑا ساتھ دیا تھا۔ ان ہی کے مشورے سے میں نے "حرفِ آشنا" (صفیہ مرحومہ کے خطوط کا مجموعہ) شائع کیا۔ انھوں نے "حرفِ آشنا" کی اشاعت کی پوری ذمہ داری لی تھی اور مجھے یہاں جمے رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے جو خلوص، محبت اور شرافت ان میں پائی تھی وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔"

مولانا شہاب مالیرکوٹلوی

"تصدیق صاحب سے میرا تعلق بھی ان کی "اجمل" کی ملازمت کے زمانے سے ہے۔ تصدیق صاحب جرنلسٹ تھے، علیگڈھ کے پڑھے ہوئے تھے، پٹھان تھے، خوددار تھے، انسان دوست تھے۔

میں کسی انسان کو دولت اور شہرت کی وجہ سے بڑا نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس لئے بڑا سمجھتا ہوں کہ جو بات اور اصول وہ نثر و نظم اور تقریر کی صورت میں پیش کرتا ہے وہ اپنی زندگی میں کس قدر برت سکا ہے۔ اس قسم کا آدمی شہرت اور نام کے پیچھے نہیں پڑتا۔ تصدیق صاحب ایسے ہی آدمی تھے۔ قول و عمل کے سچے تھے اور سب معاملات میں کھرے تھے۔"

●●

مرزا شہزاد زاہد زیدی

کبھی اُس نے کہا تھا
میں جب کل تم سے بچھڑوں
شرارِ بے اماں بن کر خلا کی وسعتوں میں محو ہو جاؤں
کبھی فرصت ملے تم کو
تو تم
اُن کوچوں، اُن گلیوں میں یا اُن چائے خانوں میں
جہاں ہم سب
خیالوں کے مہکتے خارزاروں میں
تھکی ماندی فضائے ذہن کی یکسانیت کو چھوڑ آتے ہیں
ٹھہر کر عمرِ رفتہ کو ذرا آواز دے دینا!

تصدیق بھائی تھی یاد میں

ہاں! تصدیق بھائی کو یاد کرنے والے ضرور یاد کریں گے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح اخبار کی تازہ خبر کل ردی کا غذ بن جاتی ہے، اُسی طرح اب تک بھارت میں ایک اُردو صحافی کا مقدّر بھی ردی کا غذ بننا ہے!

چھترپتی شیواجی

کنول پرشاد کنول

جب ترا نام لب پہ آجائے — لیکھنی جھوم جھوم جاتی ہے
تیرا نغمہ سُناتے وقت زباں — جیسے رس کُنڈ میں نہاتی ہے
جیسے بے درد، صاف، نیل گگن — ویسا ستھرا وشال من تیرا
جیسے گنگا کی نرملا لہریں — ویسا سنسار میں چلن تیرا

تیری پوجا کو بحرِ فکر سے میں — رتن انمول ڈوب کر لاؤں
شکتی دے تیری شان کے انوروپ — آج وِردَاولی تیری گاؤں
تیرا کردار وہ پوتر ندی — جس میں پاپی بھی پاپ دھوتے ہیں
تیرے چرنوں کی گرد کو چھو کر — پاپ خود ہی پوتر ہوتے تھے

لکھ رہا ہوں تری امر گاتھا — کوئی اس کاویہ کو امرتا دے
تجھ پہ اُٹھتا ہے یہ قلم، اس کو — تیری تلوار کی پرکھرتا دے
تیری جرأت کا آسماں پہ نشاں — دھاک شیروں پہ تھی شجاعت کی
تیرے دشمن بھی کھاتے تھے سوگند — تیری نیکی تیری شرافت کی

گُل عقیدت کے تیرے چرنوں پہ — آج بھارت تمام دھرتا ہے
جی جی بائی کے پوت آج تجھے — دیش تیرا سلام کرتا ہے
آن ویروں کی، شان ویروں کی — مان ویروں کا، پران ویروں کا
شان سورج کی تیرے آگے مند — تو مکُٹ تھا مہان ویروں کا

تیرا تپ، تیاگ، شوریہ، ساہس، ہم — کون سا روپ لے کے رنگ بھریں
تو تھا برسے گُنوں کا اک بھنڈار — تیرے کن کن گُنوں کی یاد کریں
دھرتی رن کھیت کی دہلتی تھی — سنگھ جیسی تری دہاڑوں سے
لے کے تیرا نشان بڑھتے تھے — ویر تیرے اڈگ پہاڑوں سے

دھیرتا کی تری مہا ساگر — ڈوب کر بھی نہ تھاہ پاتا ہے
سربلندی کو تیری پربت راج — سر سدا شوق سے جھکاتا ہے
وقت سے پہلے جان لیتا تھا — مُفسِدوں کی ہر ایک چال کا راز
سُن کے دشمن لرزنے لگتے تھے — تیرے گھوڑے کی ٹاپ کی آواز

ہم بھی تاریخ کے کلیجے پر
ایک جلتا ہوا نشاں ہوتے
ڈوب جاتا ستارہ بھارت کا
تو نہ ہوتا تو ہم کہاں ہوتے

شہرِ خوباں

از: شیوراج سنگھ کشتریہ ایم اے

تھانہ کھاڑی پر تعمیر کئے گئے تقریباً دو ہزار میٹر طویل پُل کے اُس پار کچھ نئی بات ہو رہی ہے ' کچھ نیا بن رہا ہے۔ اُس پار رہنے والوں کی زندگی کو ایک نیا روپ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ ایک سماجی کہانی ہے ' مشترکہ فلاح و بہبود کی داستان ' نے 'خوابوں کی' نئے عزائم کی داستان ...... اُس پار نئی بمبئی کا جنم ہو رہا ہے۔

گذشتہ چند برسوں سے ' آبادی کے گنجان جنگل ' شہر بمبئی میں ' اُسکے ساٹھ لاکھ باشندوں کی شہری زندگی کی معذرتہ ضروریات مثلاً رہائش ' پانی ' آمدورفت کے ذرائع وغیرہ میں دن بدن مایوس کن تنزلی ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ ان اہم مسائل کو سلجھانے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۶۷ء میں بھارت کے مشہور و معروف ماہرِ اقتصادیات جناب دھنن جے راؤ گاڈگل کی زیرِ صدارت ایک کمیٹی قائم کی۔ اس کمیٹی نے حکومت سے سفارش کی کہ ان پیچیدہ مسائل کا واحد حل یہ ہوگا کہ تھانہ کھاڑی کے پار ایک نئے شہر کی تشکیل ہو۔ ساتھ ہی ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ یہ نیا شہر چھوٹے چھوٹے نگروں کی ایک کڑی ہو۔ ہر نگر شہری زندگی کی بنیادی سہولتوں سے آراستہ ہو۔ ان سفارشوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے حکومت نے ۱۷ر مارچ ۱۹۷۰ء کو سٹی اینڈ انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن آف مہاراشٹر (جسکو مختصراً سڈکو کہتے ہیں) نامی ادارہ قائم کیا۔

نئی بمبئی کا کُل رقبہ تقریباً ۳۴۴ مربع کلومیٹر ہوگا - آج اس علاقہ میں ۸۶ دیہات ہیں اور آبادی ایک لاکھ سولہ ہزار ہے۔ یہ دیہات بھی بھارت کے

تھانہ کھاڑی پر تعمیر شدہ دو ہزار فٹ لمبا پُل جو پرانی بمبئی کو نئی بمبئی سے جوڑتا ہے!
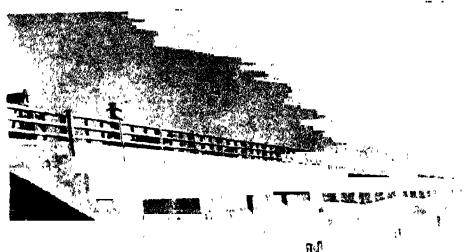
دیگر دیہاتوں کی ہی تصویر ہیں۔ اِن سادہ لوح باشندوں کی خوشیاں اور دُکھ درد بھی وہی ہیں جو ہمارے ملک کے پانچ لاکھ دیہاتوں میں رہنے والوں کے ہیں۔

منصوبہ کی بنیاد

سِڈکو نے تشکیلِ شہر کی منصوبہ بندی کے جو اصول پیش نظر رکھے ہیں اُن میں اہم ترین یہ ہے کہ مذکورہ ۸۶ دیہاتوں کے باشندوں کو کسی دیگر مقام پر منتقل نہیں کیا جائے گا۔ ساتھ ہی یہ کاوش ہوگی کہ صدیوں کے رسم و رواج سے گھرے سماج میں شہری زندگی کے نئے ماحول کے چیلنج کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کی ضد اور ہمت پیدا ہو، خود اعتمادی بڑھے اور زندگی کو ایک نئی کروٹ دینے کا حوصلہ بیدار ہو۔

سارے عالم کے ماہرینِ شہری منصوبہ بندی کی نظریں اس نئے شہر کی تشکیل و تعمیر پر لگی ہوئی ہیں۔ برِّاعظم ایشیا میں یہ اپنی نوعیت کا سب سے عظیم کارنامہ ہے۔ اس کا ایک اور قابلِ ذکر اور بے نظیر پہلو یہ ہے کہ یہاں کے مقامی باشندوں کو از سرِ نو بسانے کا کام نئے شہر کی تعمیر سے پہلے ہی کیا جا رہا ہے۔

کچھ اقتصادی پہلو

نئی بمبئی کا علاقہ ریاستِ مہاراشٹر کے قطعۂ کوکن کا ایک حصّہ ہے۔ یہاں صرف دھان کی کھیتی ہوتی ہے اور وہ بھی سالانہ ایک ہی فصل: ایک کنبہ کی اوسط ملکیت آدھا ایکڑ کھیتی ہے اور یہی اُن کی آمدنی کا واحد ذریعہ ہے۔ یہ آمدنی سالانہ مبلغ ۳۰ روپے ہوتی ہے۔ کچھ دیہات ساگر کے کنارے واقع ہیں اور وہاں کے باشندوں کا ذریعۂ معاش ماہی گیری ہے۔ نیز کچھ دیہات تھانہ، بیلا پور قطعہ میں واقع ہیں جہاں بڑے بڑے کارخانے ہیں چنانچہ اس مخصوص قطعہ نے سماجی تغیّر کی جھلک دیکھی ہے، "مگر وں کی ہے۔ قدیم روایات یہاں جدیدیت کے مجمے کے روبرو کھڑی ہیں۔

نئی بستی واشی میں تعمیر کی جانے والی کئی منزلہ عمارتوں میں سے ایک کا منظر۔ اِن عمارتوں میں ہر فلیٹ کا رہائشی رقبہ ۷۰ تا ۷۵ مربع میٹر ہے اور قیمت ۴۳ تا ۴۸ ہزار روپے ہے۔

مِلاپ یا اِنقلاب ؟

مذکورہ بالا پہلوؤں کے مدنظر سِڈکو نے اس علاقہ کے باشندوں کی اجتماعی فلاح و بہبود کا خاکہ تیار کیا ہے جس پر سنجیدگی سے عمل کیا جا رہا ہے۔ اس کے چند اہم عناصر حسب ذیل ہیں:

۱۔ سردست اتنی ہی زمین حاصل کی جائے گی جتنی کہ کسی خاص مقصد کے لئے درکار ہو۔ مثلاً راستہ بنانا، پُل تعمیر کرنا وغیرہ۔ چنانچہ تین سال کے اس عرصہ میں صرف ۱۸۰۰ ایکڑ زمین حاصل کی گئی۔ اس قسم کی انفرادی ملکیت کی زمین جب حاصل کی جاتی ہے تو حکومت کی جانب سے مالکِ ملکیت کو ضابطۂ معمول کے مطابق معاوضہ کی رقم دی جاتی ہے۔ اُس وقت تک ہر مالکِ زمین کو اپنی زمین کی کاشت کرنے فصل اُگانے اور اُگائے گئے اناج کو فروخت کرنے کا پورا حق ہوتا ہے۔

۲۔ اس بات کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ

واشی (نئی بمبئی) میں کم آمدنی والوں کے لئے بنائے گئے مکانات

سڈکو کی جانب سے مختلف مقامات پر تیکنیکی ادارے کھولے گئے ہیں جہاں دیہی نوجوانوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے ۔ یہ تصویر ٹھانہ میں واقع ایسے ہی ایک ٹریننگ سینٹر کا منظر پیش کرتی ہے :

مالکِ زمین کو کم از کم اتنی آمدنی حقوقِ ملکیت سے محرومی کے بعد بھی ملتی رہے جتنی آسے ہرسال زراعت سے ملا کرتی تھی ۔ اس مقصد کے حصول کیلئے مختلف اقسام کے پروگرام بنائے گئے ہیں ۔

۳۔ روزگار کے ذرائع گرد و نواح کے علاقہ میں ہی ہوں ، بالخصوص مقام رہائش سے قریب تر ہوں ، اس کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے ۔

۴۔ مقامی نوجوانوں کے لئے مختلف ہنروں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا ہے جس کے ذریعہ یہ نوجوان ہنرمند کاریگر بن جائیں گے ۔

۵۔ دیہات میں رہنے والوں کو شہری زندگی کی بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے "گرام سدھار" منصوبہ بنایا گیا ہے ۔ اس کے تحت دیہات میں کشادہ سڑکیں ، پانی کے نل ، مریضوں کے علاج کا انتظام وغیرہ شامل ہیں ۔

جہاں منصوبہ کا مرکز انسان ہے

جس طرح زمین کو قابلِ کاشت بنانے کیلئے محنت ، صبر و تحمل اور ضد کی ضرورت ہوتی ہے اُسی طرح سماج کو ترقی کی راہ پر لے جانے کے لئے انہی صفات کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ایک اہم فرق ضرور ہے اور وہ یہ کہ سماجی انقلاب کا مرکز انسان ہوتا ہے جو سوچ سکتا ہے ' جسکے اپنے خیالات ہوتے ہیں ۔ زندگی کو سمجھنے کا ایک انفرادی طور و طریقہ ہوتا ہے ' دنیا کو دیکھنے کی اُس کی اپنی نظر ہوتی ہے ۔ چنانچہ سڈکو نے اس اہم ترین پہلو کو شہری تعمیر کی سنگِ بنیاد قرار دیا ہے ۔

مالکِ زمین کو معاوضہ کی جو رقم ملتی ہے اگر وہ اسے اپنی خوشی اور رضامندی سے سڈکو کے پاس بطور امانت جمع کرے ، تو اس رقم پر سڈکو کی جانب سے سالانہ سود دیا جاتا ہے جو بنکوں سے ملنے والے سود سے کچھ زائد ہی ہے ۔ جو لوگ کسی ہُنر کی تربیت پانے کے قابل نہ ہوں یا جو مزدوری یا دیگر قسم کی نوکری کے قابل نہ ہوں ان کے لئے سڈکو نے (Petty trade) چھوٹے پیمانہ پر بیوپار کی خاطر مالی امداد دی ہے جو کہ بطور قرضہ ہوتی ہے ۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے اسی قرضہ کے ذریعہ ہوٹل ' اناج کی دوکان وغیرہ شروع کی ہیں ۔

لیکن سڈکو نے مقامی نوجوان طبقہ کے لئے جو کام کیا ہے وہ سماجی تعمیر کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے ۔ نئی پیڑھی سے بہت امیدیں وابستہ ہیں اور نہ صرف نئی بمبئی بلکہ سارے ملک کا مستقبل انہی ہونہار فرزندوں کے کردار ' جوش اور جذبہ حب الوطنی پر مبنی ہے ۔ یہ ایک ذخیرہ ہے اور سڈکو نے اسی نقطۂ نظر سے اس طبقہ کو مضبوط ' طاقتور گردہ بنانے کی کوشش کی ہے ۔ جگہ جگہ ان کی تربیت کے لئے ادارے کھولے گئے ہیں ۔ انھیں ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے ۔ ایسے ہُنر جن کی گرد و نواح میں واقع کارخانوں میں ضرورت ہوتی ہے ' اُن کی معقول تعلیم و تربیت دی جاتی ہے ۔ تین سال کے اس مختصر عرصہ میں سڈکو نے تقریباً ایک ہزار نوجوانوں کو ہنرمند کاریگر بنایا اور آج یہ مختلف کارخانوں میں کام کرتے ہیں ۔ ان کی زندگی نے ایک نئی کروٹ لی ہے ۔

تو یہ ہے شہرِ خوباں ...
نئے خوابوں کا ' نئے حوصلوں کا ... جہاں ماضی ' حال اور مستقبل کی تین دھارائیں ایک سنگم بن گئی ہیں ۔

●●

مہاراشٹر کو کروے انعام

فیملی پلاننگ میں بہترین کارگذاری

... نیتی زکریا، وزیر شہری ترقی اور صحت عامہ ۱۹۷۲-۷۳ سال کے دوران خاندانی منصوبہ بندی میں بہترین کارگذاری پر مرکزی وزیر صحت اور خاندانی منصوبہ بندی ڈاکٹر کرن سنگھ کے دست مبارک سے "... وے انعام" حاصل کر رہے ہیں۔

مہاراشٹر نے ۱۹۷۲-۷۳ء کے دوران فیملی پلاننگ کے میدان میں مجموعی طور سے بہترین کارگذاری پر اوّل انعام یعنی "کروے ایوارڈ" حاصل کیا۔ ریاست نے ۱۹۷۲-۷۳ء کے دوران مانع تولید عمل (اسٹیری لائزیشن) میں زبردست ریکارڈ قائم کیا۔ اسٹیری لائزیشن کی تعداد ۶۶.۹ لاکھ تھی جب کہ اس کا نشانہ ۵،۱۲۰ لاکھ رکھا گیا تھا۔ یہ تعداد سب سے زیادہ ہے جو کسی ریاست نے ابتک پوری کی ہے۔

یہ انعام مرکزی وزیر صحت، ڈاکٹر کرن سنگھ نے گذشتہ ۵ را پریل کو نئی دہلی میں سینٹرل کونسل آف ہیلتھ اور فیملی پلاننگ کے مشترکہ اجلاس کے افتتاح پر پیش کیا تھا۔

اس طرح ریاست نے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۲-۷۳ء تک تیرہ سال کی مدت کے دوران فیملی پلاننگ میں بہترین کارکردگی پر دس سال قومی انعامات حاصل کئے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے قومی پروگرام کو فروغ دینے میں مہاراشٹر پیش پیش ہے۔ ریاست میں نومبر ۱۹۵۷ء میں فیملی پلاننگ پروگرام کے آغاز سے مارچ ۱۹۷۴ء کے اختتام تک ۲۶ لاکھ سے زیادہ اشخاص پر اسٹیری لائزیشن کیا جا چکا تھا۔ اس ریاست میں نومبر ۱۹۷۳ء کے اختتام تک فی ہزار آبادی پر مجموعی تناسب ۴۸،۸ تھا جبکہ سارے ہندوستان کیلئے یہ ۲۵ ہے۔

ریاست میں اولاد پیدا کرنے کے قابل عمر کے کل ۹،۷ ملین جوڑوں میں سے تقریباً ۲،۲۳ ملین (۲۳،۱ فیصدی) جوڑوں کو حال ہی میں خاندانی منصوبہ بندی کے مختلف طریقوں کے ذریعہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں حال میں محفوظ کئے گئے جوڑوں میں یہ فیصد تناسب کل ۱۰۳ ملین جوڑوں میں صرف ۱۵ فیصدی ہے۔

ماہرین کے مطابق دس سال سے زیادہ عرصہ میں ہر ایک اسٹیری لائزیشن کے ذریعہ تقریباً ڈیڑھ پیدائش روک دی گئی۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مہاراشٹر میں جہاں ۲۶ لاکھ سے زیادہ اسٹیری لائزیشن کئے گئے ہیں اس طرح تقریباً ۳۹ لاکھ بچوں کی پیدائش روک دی گئی۔ حکومت کو صحت، تعلیم اور روزگار وغیرہ کی سہولتیں بہم پہنچانے کی غرض سے ہر نومولود کے لئے کم سے کم ۳،۵۰۰ روپے خرچ کرنا پڑتے ہیں۔ لہذا فیملی پلاننگ پروگرام کے ذریعہ بڑی تعداد میں پیدائش اطفال روک کر کافی بچت ہوئی ہے۔

یکم اپریل ۱۹۷۲ء سے طبی اسقاط حمل ایکٹ کے نفاذ کے بعد ریاست میں فروری ۱۹۷۴ء کے اختتام تک منظور شدہ ۲۱۹ مرکزوں کے ذریعہ ۱۸،۷۷۷ حمل ساقط کئے گئے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ طبی اسقاط حمل کے لئے آنے والے خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں کو بھی پسند کرتے ہیں۔

جیسا کہ پلاننگ کمیشن نے طے کیا ہے "فیملی پلاننگ پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ ۱۹۷۸-۷۹ء کے اختتام تک شرح پیدائش گھٹا کر فی ہزار ۳۰ کر دی جائے"۔ ریاستی حکومت اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ ابتک کی پیشقدمی کے باوجود حصول مقصد کے لئے کافی کام کرنا باقی ہے۔ لہٰذا حکومت پروگرام کو آگے بڑھانے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔

●●

مہاراشٹر

ترقی کے آئینے میں

سماجی و معاشی ارتقا کی ایک دہائی

صرف ۲ ماہ قبل تمام ملک کے ساتھ مہاراشٹر بھی چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کو مکمل کر کے پانچویں پانچ سالہ منصوبہ میں داخل ہوا ۔ مختلف قسم کی زبردست مشکلات مثلاً تین سال کی مسلسل خشک سالی اور جنگ جیسی قومی مصیبت کے باوجود گذشتہ دہائی کے دوران ہماری معیشت کے بعض اہم شعبوں میں مہاراشٹر نے جو ترقی کی ہے ہم اس پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں ۔

زراعتی پیداوار

ریاست کے بیشتر حصوں میں کمیابی اور خشک سالی کے جو حالات رہے اس سے اناج کی پیداوار کافی متاثر ہوئی ۔ جس کے نتیجہ میں ۷۰-۱۹۶۹ء میں اناج کی پیداوار کی سطح جو تقریباً ۶۵ لاکھ ٹن تھی ، وہ اس کے بعد کے سالوں میں حاصل نہ ہو سکی ۔ وہ ۷۳-۱۹۷۲ء میں کافی گھٹ کر ۳۱ لاکھ ٹن رہ گئی ۔ بہرحال فیاض قدرت ، نہ تھکنے والے کاشتکاروں اور پُرزرائع سرکاری انتظامیہ کی وجہ سے اناج کی پیداوار نہ صرف ۷۰-۱۹۶۹ء کی سطح پر لائی گئی بلکہ ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران بڑھ کر ۷۶٫۴ لاکھ ٹن ہو گئی ۔

حکومت نے پیداوار میں اضافہ کے لئے کئی اقدامات کئے جیسے مقامی اقسام کی جگہ پر زیادہ پیداواری صلاحیت کے بیج کا استعمال ، کھاد وغیرہ کے استعمال میں اضافہ ، تحفظ مٹی اور زمین میں بہتری لانے کے اقدامات وغیرہ ۔ حالانکہ حالاتِ قلت کے سبب یہ اندازہ لگانا تو ممکن نہیں کہ ان اقدامات سے پیداوار میں دراصل کتنا اضافہ ہوا مگر اس میں شک نہیں کہ ان اقدامات کی وجہ سے پیداواری صلاحیت میں مزید بہتری پیدا ہوئی ہے ۔ زیادہ پیداواری بیجوں کے تحت جوار ، باجری اور گیہوں کا علاقہ ۶۳-۱۹۶۲ء میں صفر تھا ۔ امید ہے کہ ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران ان اقسام کے تحت علاقہ تقریباً ۲۲٫۱۵ لاکھ ہیکٹر ہوگا ۔ اسی طرح ۶۳-۱۹۶۲ء میں کل ۱۳ لاکھ ہیکٹر علاقہ کی باندھ بندی کی گئی تھی جو کہ اندازے کے مطابق ۷۵-۱۹۷۴ء میں بڑھ کر ۱۷ لاکھ ہیکٹر ہو جائے گی ۔

آبپاشی

اس حقیقت کے باوجود کہ آبپاشی کے میدان میں مہاراشٹر قدرتی حدود سے متاثر ہے اور ریاست آبپاشی کی سہولتوں میں توسیع کو بعض حدود سے آگے نہیں لے جا سکتی ۔ مگر منصوبے کے شروعات سے ہی آبپاشی کی سہولتوں میں برابر توسیع ہو رہی ہے ۔ بار بار کی خشک سالی نے زیادہ سے زیادہ آبپاشی کی سہولتیں فراہم

کرنے کی ضرورت کو اہم بنادیا ہے۔ مختلف آبپاشی اسکیمات کے باعث کل سینچائی ذرائع جیسے زمین کے اوپر اور زیر زمین پانی سے سینچا جانے والا علاقہ جو ۱۹۶۲-۶۳ء میں ۱۲٫۶۸ لاکھ ہیکٹر تھا ۱۹۷۰-۷۱ء میں بڑھ کر ۱۶٫۱ لاکھ ہیکٹر ہوگیا یعنی ۲۶ فیصدی بڑھ گیا اور اسی وقت یہ تجویز کیا گیا تھا کہ ۱۹۷۳-۷۴ء تک اس کے تحت ۲۲٫۳ لاکھ ہیکٹر اراضی لائی جائے گی جس کا مطلب ہوا ۳۸٫۴ فیصدی اضافہ اور یہ نشانہ غالباً حاصل ہوچکا ہے۔ خاص طور پر ۱۹۶۲-۶۳ء کے بعد سے کافی بڑی تعداد میں بڑے اور درمیانی آبپاشی پراجیکٹ زیر عمل لائے گئے۔ ۱۹۶۳ء کے اختتام پر چھوٹے اور درمیانی پراجیکٹ کے تحت آبپاشی کی صلاحیت صرف تقریباً ایک لاکھ ہیکٹر اراضی تھی۔ اب اندازہ ہے کہ جون ۱۹۷۴ء کے اختتام تک یہ ۹ لاکھ ہیکٹر تک پہنچ جائے گی۔

زراعتی سدھار

زراعتی سدھار کے معاملے میں مہاراشٹر ہمیشہ سب سے آگے رہا ہے۔ حق ملکیت کا درمیانی نظام مثلاً انعام داری، کھوتی، مالگذاری اور جاگیرداری قصۂ پارینہ ہوچکی ہے۔ غیر حاضر زمینداریت کو ختم کیا جاچکا ہے اور کاشتکاروں کے حق ملکیت کو تحفظ بخشا جاچکا ہے۔ لگان داری ایکٹ کے تحت ۹ لاکھ سے زیادہ لگان دار کاشتکار اب تقریباً ۱۱ لاکھ ہیکٹر اراضی کے مالک بن چکے ہیں جس پر وہ کبھی بہ حیثیت لگان دار کاشتکاری کیا کرتے تھے۔

زراعتی سدھار کا ایک دوسرا اہم اقدام ۱۹۶۲ء میں زراعتی ملکیت کی حدبندی کا نفاذ ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ زمین ملکیت کے میدان میں غیر یکسانیت کو کم کیا جائے۔ جو گھرانے ۱۹۶۱ء میں ۱۲ ہیکٹر فی کس سے زیادہ زمین کے مالک تھے ان کا اوسط ۸٫۵ فیصدی تھا جو کہ ۱۹۷۱ء میں گھٹ کر ۸٫۲ فیصدی رہ گیا۔ اس طرح ۱۲ ہیکٹر تک فی کس زمین رکھنے والے ۱۹۶۱ء میں کل زمین کا ۲۹ فیصدی رکھتے تھے ۱۹۷۱ء میں اس طرح کی ملکیت کم ہوکر ۲۷ فیصدی رہ گئی۔

صنعت کی ترقی

ریاست کے زیر ترقی علاقہ جات میں صنعتوں کو بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ابتدا میں صنعتی سرگرمی کپڑے اور شکر کی صنعت تک محدود تھی لیکن اب جدید صنعتیں مثلاً کیمیکل، فارمیسیٹیکل، عام اور الیکٹریکل انجینئرنگ وغیرہ قائم ہوگئی ہیں۔ چھوٹے، درمیانی اور بڑے جاری کارخانوں کی تعداد جو ۱۹۶۲ء میں ۸٫۷۰۰ تھی ۱۹۷۳ء کے اختتام تک بڑھ کر ۱۴،۴۳۶ ہوگئی تھی۔

بجلی کی فراہمی

بجلی کی ترقی کے میدان میں ریاست مہاراشٹر کافی شہرت رکھتی ہے۔ مہاراشٹر میں ۱۹۷۰ء میں بجلی کا فی کس صرفہ ۱۵۳ کلوواٹ تھا جبکہ کل ہند صرفہ کل ۹۰ کلوواٹ تھا۔ ریاست میں فی کس صنعتی صرفہ ۹۹ و ۱۰۵ کلوواٹ کا ہے جبکہ پورے ملک میں یہ فیصد ۵۴٫۶۹ کلوواٹ ہے۔ بہرحال پانچویں منصوبہ کے اختتام تک شاید یہ ممکن ہوجائے گا کہ فی کس بجلی کا صرفہ ۳۰۰ کلوواٹ تک ہوجائے۔

ریاست میں بجلی کی پیداوار جو کہ ۱۹۵۱ء میں ۱٫۵۴۱ ملین کلوواٹ تھی وہ ۱۹۷۲-۷۳ء میں بڑھ کر

۱۱،۳۵ ملین کلوواٹ ہو گئی یعنی گذشتہ ۱۲ سال میں سات گنا کا اضافہ ہوا۔ بجلی کا صنعتی استعمال بھی کافی بڑھا ہے۔

پانچویں منصوبہ میں دیہی بجلی فراہمی کی جو زبردست تجویز ہے اسکو مدنظر رکھتے ہوئے اور ساتھ ہی پسماندہ علاقوں میں تیزی سے بڑھتی ہوئی صنعت کاری کا بوجھ برداشت کرنے کے لئے مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ نے اندازہ لگایا ہے کہ پانچویں منصوبہ کے آخری سال میں یعنی سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں بجلی کی مانگ تقریباً ۳۶۰۰ ملین واٹ ہوگی جس کے لئے پیداواری صلاحیت ۴،۳۰ ملین واٹ ہونی چاہیئے۔

سنہ ۱۹۶۲ء میں صرف ۱۷۰۰ گاؤں میں بجلی فراہم تھی۔ اس کے مقابلے میں ریاست کے کل ۳۵،۶۰۰ مواضع جات میں سے دسمبر سنہ ۱۹۷۳ء کے اختتام تک ۱۷،۴۲۰ مواضع جات میں بجلی فراہم کی جا چکی تھی۔ سنہ ۱۹۶۳ء میں جبکہ صرف ۱۱،۰۰۰ زراعتی پمپ بجلی کے ذریعہ چلائے جاتے تھے ان کی تعداد دسمبر سنہ ۱۹۷۳ء تک ۳،۱۰،۰۰۰ ہو گئی تھی۔

تعلیم

مردم شماری کے مطابق سنہ ۱۹۷۱ء میں خواندگی ۳۹،۲ فیصدی تھی جبکہ سنہ ۱۹۶۱ء میں ۲۹،۸ فیصدی تھی۔ سنہ ۶۳-۱۹۶۲ء میں پرائمری اسکولوں میں بچوں کی تعداد ۳۴،۶ لاکھ تھی جو کہ سنہ ۱۹۷۴ء میں بڑھ کر ۶۸،۰۵ لاکھ ہو گئی ہے۔ ثانوی اسکولوں میں بھی طالب علموں کی تعداد جو کہ سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ۷،۴۲ لاکھ تھی اب بڑھ کر ۲۲،۴۵ لاکھ ہو گئی ہے۔ اعلیٰ اور ٹیکنیکل تعلیم میں زبردست ترقی ہوئی ہے۔ ریاست میں اعلیٰ تعلیم کے ۶۰۰ ادارے ہیں اور دس یونیورسٹیاں ہیں جن میں چار زراعتی یونیورسٹیاں بھی شامل ہیں۔

امدادِ باہمی

زراعت اور زراعتی صنعت کی ترقی میں امداد باہمی ایک کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اس لئے گذشتہ ۲۵ سال سے یہ جدوجہد جاری ہے کہ ایک مضبوط امداد باہمی سیکٹر تعمیر کیا جائے۔ دیہی کریڈٹ سے شروع ہو کر امداد باہمی تحریک میں کافی وسعت آئی ہے۔ امداد باہمی نے مختلف قسم کے کاموں جیسے زراعتی کریڈٹ، آلات کی تقسیم، زراعتی خرید و فروخت، زراعتی پروسیسنگ، زراعتی صنعت نیز درمیانی طرز کی صنعتوں، تعمیر مکانات اور صیادی یا ندی پیداوار اور دوسری ضروری اشیاء کی تقسیم کو اپنے ہاتھوں میں لیا ہے۔ ۹۹ فیصدی سے زیادہ آباد مواضع جات امداد باہمی کے حلقہ میں لائے جا چکے ہیں۔

چوتھے منصوبے کا مقصد تھا کریڈٹ اور مارکیٹنگ اداروں کو قوت بخشنا، پروسیسنگ صنعت کی بنیاد میں توسیع اور کوآپریٹیو بنکوں کی مالی حالت میں مضبوطی لانا۔ یہ مقصد پانچویں منصوبہ میں جاری رہے گا۔

صحتِ عامہ

صحتِ عامہ کے میدان میں جو نمایاں ترقی ہوئی ہے اس کا اندازہ شرح اموات میں کمی سے لگایا جا سکتا ہے جو کہ سنہ ۱۹۶۲ء میں فی ہزار پندرہ تھی جبکہ سنہ ۱۹۷۱ء میں یہ اوسط دس رہ گیا ہے۔ زندہ رہنے کی امید اب ۵۸ سال کے قریب تک پہنچ گئی ہے۔ سرکاری ہسپتالوں اور سرکار سے امداد یافتہ ادارہ جات جیسے میونسپلٹیوں وغیرہ کی تعداد جو کہ سنہ ۱۹۶۲ء میں ۲۸۴ تھی وہ سنہ ۱۹۷۲ء میں ۶۰۹ ہو گئی تھی اور ان میں بستروں کی تعداد ۲۷ ہزار سے بڑھ کر ۴۸ ہزار ہو گئی ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی

اس وقت بھی مہاراشٹر خاندانی منصوبہ بندی پروگرام میں آگے ہے۔ سنہ ۱۹۵۷ء میں جب یہ پروگرام شروع کیا گیا مارچ سنہ ۱۹۷۴ء کے اختتام تک ریاست میں ۲۶ لاکھ سے زائد 'اسٹیریلائزیشن' کئے جا چکے ہیں۔ فی ہزار کی آبادی پر یہ عمل ۴۸،۸ فیصدی ہے جو کہ پورے ملک میں ہر ریاست سے زیادہ ہے۔ ریاست میں بچہ کو پیدا کر سکنے کی صلاحیت کی عمر والے (۱۵ سے ۴۴ سال تک کے) ۹،۷ ملین جوڑوں میں سے تقریباً ۲۳،۱ فیصدی مختلف خاندانی منصوبہ بندی طریقوں سے تحفظ حاصل کر رہے ہیں۔ پورے ملک میں یہ اوسط صرف ۱۵ کا ہی ہے۔

سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء سے سنہ ۷۳-۱۹۷۲ء تک تیرہ سالوں کے دوران ریاست نے سات قومی انعامات (کروسے انعام) ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی میں بہترین کارگذاری پر حاصل کئے۔ نیز دو دوم اور سوم انعام حاصل کیا۔

"مقامی افراد" کے لئے ملازمت
حکومت کی وضاحت

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں واقع صنعتی یونٹوں
ں مقامی افراد کو ملازمت دینے کے مقصد کے تحت
مقامی شخص' کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ مہاراشٹر میں
زشتہ ۱۵ سال سے زیادہ عرصہ سے قیام پذیر ہو۔
ستمبر ۱۹۷۳ء میں ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز کی
انب سے جاری کردہ ایک سرکیولر میں "مقامی شخص"
، تعریف یوں کی گئی تھی کہ جو شخص مہاراشٹر میں کم ازکم
ا سال سے سکونت پذیر ہو۔ یا پھر وہ ہے جس کی
دری زبان مراٹھی ہے۔ چونکہ حکومت کی اعلان شدہ
لیسی سے یہ تعریف مطابقت نہیں رکھتی اسی لئے حکومت
ے "مقامی شخص" کی صحیح تعریف متذکرہ طور پر کی ہے۔
حکومت نے حال ہی میں تمام صنعتی یونٹوں کو ایک
رکیولر روانہ کیا ہے جس میں مقامی ملازمت کی پالیسی
ے متعلق "مقامی شخص" کی صحیح تعریف کی ہے۔ سرکیولر
یں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نان مینیجریل اسامیوں ۔
۸ فیصدی تک اور مینیجریل اسامیوں پر ۵۰ فیصدی
لک مقامی افراد کو ملازم رکھنے کی کوشش کی جائے۔

ریاستی بورڈ برائے ثانوی تعلیم
ورنگ آباد حلقہ کے بورڈ کی دوبارہ تشکیل

حکومتِ مہاراشٹر نے مہاراشٹرا اسٹیٹ بورڈ آف
سیکنڈری ایجوکیشن کے اورنگ آباد ڈویژنل بورڈ کی
نری این۔ ڈی۔ ونتک کی زیرِ صدارت دوبارہ تشکیل کی ہے۔

دیگر ممبران بورڈ کے نام یہ ہیں:
کل علاقائی ڈپٹی ڈائرکٹران تعلیم حلقہ ۔ ریجنل ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن، اورنگ آباد ڈویژن۔ شریمتی قمر النساء ایس۔اے۔علی، انسپکٹریس آف گرلز اسکولس، اورنگ آباد۔ شری ڈی۔بی۔گنورکر، ایجوکیشن آفیسر عثمان آباد ضلع پریشد، عثمان آباد۔ مراٹھواڑہ یونیورسٹی کی جانب سے منتخب کیا جانے والا رکن ۔ شری ایس۔وی۔جادھو لاتور، ضلع عثمان آباد۔ شری ہریش چندر باپوراؤ دلوی پربھنی۔ شری ڈی۔ایل۔ہولیکر، اودگیر ضلع عثمان آباد۔ شری دنایک دتاتریہ سرجے، ناندیڑ۔ شری وٹھل نرائن پوری، بھوکردان، ضلع اورنگ آباد۔ شری راجہ بھاؤ اودگیر، لاتور۔ شری پربھاکر ہنشے، جالنہ ۔ شریمتی شکنتلا واگھمارے، پرنسپل، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن اورنگ آباد۔ شری سنگرام ماک نیکر، صدر ضلع پریشد، عثمان آباد۔ ڈاکٹر ایم۔بی۔ سونلکے، بیڑ۔ شری آر۔ جی۔ پرچھے لمبے جوگائی، ضلع بیڑ۔ شری گووندرام چندر میسنیکر، ناندیڑ، شری وی۔جی۔ بیراجدر۔ چیرمین ایجوکیشن کمیٹی، عثمان آباد ضلع پریشد۔

قرض کی ضمانت

حکومتِ مہاراشٹر نے اورنگ آباد ڈسٹرکٹ کاٹن گروارس کوآپریٹیو اسپننگ مل لمیٹیڈ کو مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو بنک سے ۱۰ لاکھ روپے کا عارضی قرض اٹھانے کی ضمانت بعض شرائط کے تحت دے دی ہے۔

بکری ٹیکس قوانین میں ترمیم

حکومتِ مہاراشٹر نے بمبئی بکری ٹیکس قوانین بابت ۱۹۵۹ء کے قانون ۴۱ الف، میں ترمیم کی ہے اور مذکورہ ترمیم حکومتِ مہاراشٹر کے گزٹ (غیر معمولی) حصہ ۴ ب مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۷۴ء میں شائع کردی گئی ہے۔

شری جی۔ڈی۔ مڈگلکر

حکومتِ مہاراشٹر نے شری چھترپتی شیواجی مہاراج کی رسم تاجپوشی کی ۳۰۰ ویں سالگرہ جشن کے سلسلہ میں مختلف ثقافتی پروگرام مثلاً ڈرامے، گانے، کیرتن اور بلاڈ وغیرہ تیار کرنے کی غرض سے تشکیل شدہ گروپ کے چیرمین کے طور پر شری جی۔ ڈی۔ مڈگلکر کا تقرر کیا ہے۔ شری مڈگلکر کا تقرر کولہاپور کے شری بھالجی پینڈھارکر کی جگہ پر کیا گیا ہے کیونکہ انھوں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔

تحریکِ خلافت
کے مجاہدینِ آزادی کو پنشن

حکومتِ ہند کی وزارتِ داخلہ امور کی جانب سے جاری کردہ ایک وضاحت کے مطابق مجاہدینِ آزادی کو پنشن اور "تامرپتر" عطا کرنے کی حکومتِ ہند کی اسکیم کی غرض سے خلافت تحریک جدوجہدِ آزادی کے ضمن میں دیگر تحریکوں کے مساوی سمجھی گئی ہے۔

چھوت چھات کا خاتمہ

[illegible]

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ چھوت چھات دور کرنے کے لیے ضلع سطح کی متعلقہ نگراں کمیٹیوں میں ریاستی قانون ساز اسمبلی اور کونسل کے مندرج فہرست جاتیوں کے ممبران کو مقرر کیا جائے۔

منتخب نمائندوں کو ضلع کمیٹیوں میں شامل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کا دائرہ وسیع ہو اور کمیٹیوں اور لوگوں کے درمیان قریبی رابطہ قائم ہو۔

بے زمین مزدوروں کو
تعمیرِ مکانات کے لیے اراضی

حکومت مہاراشٹر نے دیہات وار ایک فہرست تیار کر کے شائع کی ہے جس میں ہر گاؤں میں ان مستحق بے زمین مزدوروں کے نام درج ہیں جنھیں مرکز کی زیر سرپرستی اس اسکیم کے تحت تعمیر مکانات کے لئے اراضی دی جائے گی جسے حکومت مہاراشٹر زیر عمل لا رہی ہے۔ اس خیال سے کہ کوئی مستحق فرد محروم نہ رہ جائے حکومت نے ضلع کلکٹران کو ہدایت کی ہے کہ وہ ان فہرستوں پر نظر ثانی کریں۔

حکومت نے متعلقہ تحصیلداروں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ خانہ بدوش اور دیگر جاتیوں کے مستحق افراد سے ہمدردی کے ساتھ دریافت کریں اور مناسب دیہاتوں میں انھیں اراضی دینے کے بارے میں فیصلہ کریں نیز تحصیلداروں کو یہ بھی کہا گیا کہ وہ ان کے نام مناسب فہرستوں میں شامل کریں تاکہ انھیں اراضی یقیناً مل سکے۔

فرموں کے رجسٹریشن کی فیس میں اضافہ
عوام کو اطلاع

رجسٹرار آف فرمز، بمبئی نے عوام کو مطلع کیا ہے کہ انڈین پارٹنرشپ (مہاراشٹر ترمیم) ایکٹ بابت سنہ ۱۹۷۳ء کے تحت رجسٹریشن فیس کی نئی اضافی شرح اب حسب ذیل ہے۔

۱۵ روپے (پہلا شرح ۳ روپے)، پانچ روپے (ایک روپیہ)، دو روپے پچاس پیسے (آٹھ آنے) اور پچاس پیسے (چار آنے)

چندرپور اور وردھا ڈسٹرکٹ گزیٹیئر
کی اشاعت

ریاستی حکومت کے محکمۂ گزیٹیئر نے چندرپور اور وردھا ڈسٹرکٹ گزیٹیئر شائع کر دیا ہے۔ ان دونوں گزیٹیئروں کے نظر ثانی شدہ ایڈیشنوں میں اضلاع چندرپور اور وردھا کی زندگی کے مختلف موضوع پر مفید معلومات درج ہیں۔ چندرپور گزیٹیئر کی قیمت ۲۸ روپے ہے اور وردھا گزیٹیئر کی قیمت ۱۵ روپے ہے جو کہ ڈائرکٹوریٹ آف گورنمنٹ پرنٹنگ، اسٹیشنری اینڈ پبلیکیشنز، چرنی روڈ گارڈنز، بمبئی ۴ سے نیز حکومت کے دوسرے بک ڈپوؤں واقع ناگپور، پونا، اورنگ آباد وغیرہ سے خریدے جا سکتے ہیں۔

موٹر گاڑی ٹیکس
بقایا کی ادائیگی
آخری تاریخ میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ گو موٹر گاڑی ٹیکس میں "باقی" رقم کی ادائیگی فوری طور پر ضروری ہے تاہم اسے کسی جرمانہ کے بغیر اس وقت جبکہ ٹیکس کی اگلی ادائیگی واجب ہو یا ۳۰ ستمبر سنہ ۱۹۷۴ء تک جو بھی تاریخ اوّل آئے، ادا کرنے کی اجازت دیدی جائے۔

ریاستی حکومت نے یکم اپریل سنہ ۱۹۷۴ء سے موٹر گاڑی ٹیکس کی شرح تبدیل کی ہے جس میں موٹر گاڑی ٹیکس میں وہ عارضی اضافہ ضم کر دیا گیا ہے جو مہاراشٹر ایکٹ نمبر ۱۱ بابت سنہ ۱۹۷۲ء کے تحت بنگلہ دیش کے پناہ گزینوں کے لئے لگایا گیا تھا اور جسے ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۷۴ء تک قلت امدادی کے واسطے جاری رکھا گیا تھا۔ اسی طرح مہاراشٹر ایکٹ نمبر ۱۴ بابت سنہ ۱۹۷۴ء کی رو سے بعض اقسام گاڑیوں پر حسب قاعدہ موٹر گاڑی ٹیکس کی شرح یکم اپریل سنہ ۱۹۷۴ء سے اضافہ کیا گیا ہے۔

جن مالکانِ موٹر نے ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۷۴ء سے کسی بھی مدت کے لئے موٹر گاڑی ٹیکس ادا کر[illegible] نیز جو مذکورہ بالا لاگو اضافی شرح کے تحت آ[illegible] انھیں یکم اپریل سنہ ۱۹۷۴ء سے شرح پر نظر ثانی کے ٹیکس میں نکلنے والی باقی رقم ادا کرنا چاہیئے۔ تفصیلات کے لئے مالکانِ موٹر کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے حکام ٹیکس سے رجوع کریں۔

●●

پانچ اردو کتابوں پر
ریاستی انعامات

اُردو ادیبوں کی حوصلہ افزائی کی اسکیم کے تحت حکومتِ مہاراشٹر نے سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء کے دوران موصول ہونے والی مندرجہ ذیل پانچ اردو کتابوں پر انعامات دینے کا اعلان کیا ہے جنھیں بہترین قرار دیا گیا ہے۔

(۱) فکر پیما (نثر) از: ڈاکٹر آئی۔ اے۔ بی۔ شیخ ساکن اورنگ آباد۔ مبلغ ایک ہزار روپے

(۲) الف: آئینہ اقبال (نظم)۔ از: ڈاکٹر منصور رحمان خاں، ساکن ناگپور، مبلغ پانچ سو روپے

ب: میرا وطن (نظم)۔ از: شری بدیع الزماں خاور، ساکن بانکوٹ، ضلع رتناگیری، مبلغ پانچ سو روپے۔

ادبِ اطفال

(۳) الف: جادوگر سے انتقام، از: شری آفتاب حسین مظفری بمبئی، مبلغ پانچ سو روپے، اور

ب: نگینے، از: شری امین حنزا[illegible] پونہ، مبلغ پانچ سو روپے۔

نائب صدر ہند نے
تصاویر کی نمائش کا افتتاح کیا

نائب صدر ہند شری جی ایس پاٹھک نے ۲ مئی کو نئی دہلی میں مہاراشٹر کے فن کاروں کی جو دہلی میں مقیم ہیں تصاویر و نقاشی کے نمونوں کی نمائش کا افتتاح فرمایا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری پاٹھک نے فن کاروں کو ان کی اعلیٰ فن کاری پر مبارک باد دی اور فرمایا کہ آرٹ لامحدود ہے۔ قومی یک جہتی کے حصول میں اسے نہایت اہم کردار ادا کرنا ہے۔

شری پاٹھک نے فرمایا کہ مہاراشٹر میں غار ہائے اجنتا اور ایلیفنٹا قومی ورثہ ہیں جن کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنا چاہیئے۔

قبل ازیں شری بی۔ کے ہلوے اسپیشل کمشنر نے مہمانوں کا سواگت کیا۔

یہ نمائش ریاست مہاراشٹر کی چودھویں سالگرہ منانے کے سلسلے میں مہاراشٹر انفارمیشن سنٹر کے زیر اہتمام ہوئی تھی جس میں روندر بھون میں ۵۰ تصاویر اور ۲۰ نقاشی کے نمونے آویزاں تھے۔

ضلع تھانہ میں خریف مہم
پیداوار بڑھانے کیلئے وزیر اعلیٰ کی اپیل

آج وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم دستیاب زمین سے زیادہ سے زیادہ غذائی پیداوار حاصل کریں۔ اس مقصد سے ہمیں کاشت کے نئے طریقے، زیادہ پیداوار دینے والے اعلیٰ اقسام کے بیج اور کھاد استعمال کرنا چاہیئے۔ ان الفاظ کیساتھ وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے ۳ مئی کو ضلع تھانہ کی خریف مہم کا افتتاح کیا۔

کھاد کی قلت کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے مزارعین کو مشورہ دیا کہ وہ ہری کھاد وغیرہ کا استعمال کریں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ کسانوں کو امدادی پیشہ کے طور پر ریاست میں آئندہ پانچ سال میں ۱۰ لاکھ گائیں دیجائیں گی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری ایچ۔ جی ورتک، وزیر محصول، غذا اور سول سپلائی نے یہ امید ظاہر کی کہ زمین کی قوت محدود ہونے کے باوجود ضلع کے کسان چیلنج قبول کرتے ہوئے فصل خریف میں مقررہ کئے گئے نشانہ سے زیادہ پیدا کریں گے۔

شری نائک نے شری گاڈگے مہاراج ادیباسی آشرم اسکول کی عمارت کا افتتاح کیا۔ نیز اسکول کیلئے چیف منسٹرس فنڈ سے .... ا روپے کا عطیہ دینے کا اعلان کیا۔ آپ نے بھٹ سائی میں اس ادارہ کی ایک اور عمارت کا سنگ بنیاد بھی رکھا۔

ابتدا میں شریمتی تارا بائی ورتک، صدر ضلع پریشد نے وزیر اعلیٰ اور دیگر مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ شری مورلیشور پاٹل نے شکریہ ادا کیا۔

پس ماندہ طبقات کے لئے
تیار مکانات

حکومت ایک ہاؤسنگ تجویز پر غور کر رہی ہے تاکہ پس ماندہ سماجی نابرابری کے مدنظر پس ماندہ طبقات مزدوروں کی طرح تیار مکانات مہیا کئے جائیں" یہ انکشاف شری ڈی۔ ٹی روپاوتے نے یکم مئی کو اندھیری کے قریب امبیولی میں پس ماندہ طبقات کی مجوزہ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے کیا۔

حکومت نے تقریباً ۲۰ ہیکٹر (۱۸ ایکڑ) کا ایک پلاٹ پس ماندہ طبقات کی ۹۲ کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو دیا ہے۔ ان میں سے ۱۳ ہاؤسنگ سوسائٹیوں کا اندراج ہوچکا ہے اور ۶۰ لاکھ روپے کی لاگت سے ۳۴۸ مکانات مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ تعمیر کرے گا۔

شری روپاوتے نے فرمایا کہ ہمارے دیس میں سماجی نابرابری کے مدنظر مزید فرمایا کہ پس ماندہ طبقات کی بستیوں میں ملی جلی آبادی ہوگی۔ مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ کے سامنے ایک اسکیم رکھی گئی ہے تاکہ پس ماندہ طبقات کے افراد کے لئے "نہ نفع نہ نقصان" کی بنیاد پر مکانات تعمیر کئے جائیں۔

شری پی جی کھیر، چیرمین مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ اور شری نرائن چوان چیرمین بیک ورڈ کلاسیز کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی نے بھی اس موقع پر اظہار خیال فرمایا۔

شری ایچ ایل ناگاؤنکر نائب صدر سوسائٹی نے شکریہ ادا کیا۔

۶۵ خون معطیین
گورنر نے سرٹیفکیٹ دیئے

شری علی یاور جنگ، گورنر مہاراشٹر نے ۸ مئی کو بمبئی میں ورلڈ ریڈ کراس ڈے کے ساتھ 'بلڈ ڈونیشن ڈے' منانے کیلئے منعقدہ تقریب میں اُن ۶۵ خون معطیین کو توصیفی سرٹیفکیٹ عطا کئے جنہوں نے جنوری ۱۹۶۸ء اور دسمبر ۱۹۷۳ء کے دوران ۱۰ سے زیادہ مواقع پر بخوشی خون عطا کیا تھا۔ اس دن کا موضوع تھا "خون دے کر ایک جان بچایئے"۔

گھاٹ کوپر کی لائنس کلب نے سال ۱۹۷۳ء کے دوران سب سے زیادہ خون جمع کرکے شیلڈ حاصل کی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے گورنر موصوف نے

خون عطیین کو بخوشی خون عطا کرنے اور اس طرح انسانی جان بچانے پر مبارکباد دی ۔ آپ نے یہ امید ظاہر کی کر وہ اپنے دوست اور احباب پر بھی خون دینے کی اہمیت واضح کریں گے ۔

قبل ازیں شریمتی لیلا مول گاؤنکر، آنریری بلڈ بنک آرگنائزر نے ریاست میں بلڈ بنک کی سرگرمیوں پر مختصر روشنی ڈالی ۔

ڈاکٹر این ۔ کے ۔ پاریکھ، چیرمین آف دی انڈین ریڈ کراس سوسائٹی (مہاراشٹر برانچ) نے خصوصاً بلڈ بنک کے میدان میں ریڈ کراس سوسائٹی کی سرگرمیوں کی وضاحت کی ۔

ڈاکٹر وی ۔ این ۔ راؤ، ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروسیز نے شکریہ ادا کیا ۔

تھانہ کے نوجوان انجینئر کا کارنامہ

ایم ۔ آئی ۔ ڈی ۔ سی سے 'شیڈ' ایم ۔ ایس ۔ ایس ۔ آئی ۔ ڈی ۔ سی سے مشینیں اور کوکن کی ڈیولپمنٹ کارپوریشن نیز اسٹیٹ بنک آف انڈیا سے مالی امداد پاکر تھانہ کے ایک نوجوان انجینئر نے خود اپنی فیکٹری قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی ۔

برلا انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی اینڈ سائنس، پلانی (راجستھان) سے بی ۔ ای (آنرز) میکانیکل کی تکمیل کے بعد شری اے ۔ این سرنائک نے اسمال انڈسٹریز سروس انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لیا اور صنعتی انٹرپرینرشپ میں کورس پورا کیا ۔ بعد ازاں انہوں نے مینشل مشینری مینوفیکچرس' کلوا (تھانہ) میں ۱۶ ماہ کام کیا تاکہ انھیں صنعت چلانے کے سلسلے میں بھرپور تجربہ ہو جائے ۔

اس دوران وہ کوئی مناسب چیز تیار کرنے کی سوچتے رہے انھیں 'گیسر' تیار کرنے کا خیال آیا جو ایک ضروری چیز ہے اور بیوپاریوں کے ذریعہ فروخت کی جا سکتی ہے ۔ یہ عمارتی صنعت میں کام آتی ہے اور ہاؤسنگ سوسائٹیوں اور الیکٹریکل کنٹریکٹروں کو اکٹھا فروخت کیجا سکتی ہے ۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے ایک 'نمونہ' تیار کیا اور اپنے تجربہ کی بنیاد پر رپورٹ تیار کر کے مختلف سرکاری ایجنسیوں سے امداد کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی ۔

شری سرنائک کو ضروری امداد مل گئی اور انہوں نے خود اپنی فیکٹری "سنجوش انجنیئرس" آگرہ روڈ کے قریب تھانہ میں جاری کر دی ۔ فی الحال پانچ اشخاص ان کے ماتحت کام کرتے ہیں اور ماہانہ بکری تقریباً ۱۰،۰۰۰ روپے ہے ۔ شری سرنائک کو اپنی فیکٹری پر فخر ہے جو انہوں نے حکام کی اعانت سے قائم کی ہے ۔ نیز انہیں یہ بھی طمانیت حاصل ہے کہ وہ کم سے کم پانچ آدمیوں کی مدد بھی کر رہے ہیں ۔

۲۴،۴ کروڑ روپے کے ترقیاتی منصوبہ جات

ایوت مل پلاننگ بورڈ کی منظوری

ایوت مل ڈسٹرکٹ پلاننگ بورڈ نے حال ہی میں ایوت مل میں منعقدہ اجلاس میں سال ۷۳-۱۹۷۲ء کے لئے ترقیاتی اسکیمات منظور کیں ۔ جن پر ۲۴،۴ کروڑ روپے سے زیادہ رقم صرف ہوگی ۔

شری این ۔ ایم تڈکے وزیر صنعت و محنت نے اجلاس کی صدارت کی ۔ بورڈ نے سال ۷۵-۱۹۷۴ء کیلئے منظور کردہ ترقیاتی منصوبہ جات میں چھوٹی سینچائی پروگرام کو اولیت دی ہے تاکہ زراعتی پیداوار بڑھانے کے لئے سہولتوں میں اضافہ ہو ۔

چھوٹی سینچائی پروگرام کے لئے ۳۳،۱ کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم رکھی گئی ہے ۔

اسٹیج پرفارمنسز اسکروٹنی بورڈ

حکومت مہاراشٹر نے پوری ریاست کے لئے شری وسنت شانتارام دیسائی، پونا کی زیر صدارت اسٹیج پرفارمنسز اسکروٹنی بورڈ قائم کیا ہے ۔ بورڈ کے دوسرے اراکین یہ ہیں : شری پرشوتم دارو ھیکر، بمبئی، ڈاکٹر والی ایم پٹھان، اورنگ آباد، شری وینکٹیش ڈگلکر، پونا، شری اشوک جی پرانجپے، بمبئی اور شریمتی جیوتسنا تری بھون، احمد نگر ۔

اس بورڈ کو بمبئی پولس ایکٹ، بابت ۱۹۵۱ء کے تحت یکم مئی ۱۹۸۲ء سے تین سال کے لئے مقرر کیا گیا ہے ۔

سائنس داں کو نقد انعام

شری وی ۔ پی ۔ بشندے کو جو کہ ہافکن انسٹی ٹیوٹ کے شعبۂ بایوکیمسٹری میں جونیئر سائینٹفک آفیسر ہیں "دیسی پینٹ پروٹین" (جو کہ کیسین ہائیڈرولائی سیٹ کا بدل ہے اور اب تک درآمد کیا جاتا تھا) تیار کرنے پر انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ۵۰۰ روپے کا نقد انعام دیا گیا ۔ یہ انعام ڈاکٹر دی ۔ ٹی ۔ ایچ ۔ گن رتنے، ریجنل ڈائرکٹر، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن، نئی دہلی نے اپنے دست مبارک سے انھیں دیا ۔

ڈاکٹر گن رتنے حال ہی میں بمبئی میں ہافکن انسٹی ٹیوٹ کے سائنسی اسٹاف سے خطاب کرنے آئے تھے ۔ اس موقعہ پر منعقدہ جلسہ کی صدارت ڈاکٹر بی ۔ بی ۔ گائتونڈے، ڈائرکٹر ہافکن انسٹی ٹیوٹ نے کی ۔

بمبئی ایک شب روز

خشک سالی سے متاثرین کی امداد

شری بین وی مہتا، مینیجنگ ڈائرکٹر، سارا باجی ملز
بنڈ، بمبئی نے مبلغ ...۰۱,۰ا روپے کا ایک چیک
، مئی کو بمبئی میں شری وی پی نائک وزیر اعلیٰ مہاراشٹر
ی خدمت میں ان کے قیام گاہ ورشا میں چیف منسٹرس
یلیف فنڈ کے لئے پیش کیا۔

ہاراشٹر کی خوشحالی میں سندھی برادری کا حصہ
اکٹر پوپٹ کا اظہار خیال

ڈاکٹر ایم۔ بی پوپٹ، وزیر شراب بندی نے مہاراشٹر
، خوشحالی اور اس کی فلاح بہبود میں سندھی برادری
کے کردار کو سراہا اور اس کی حوصلہ مندی کی داد دی۔

وزیر موصوف ۴ مئی کو بمبئی میں سیوا منڈلی کی
یک تقریب کی صدارت فرما رہے تھے جو ایک انسان
دست جماعت ہے اور شہر بمبئی اور الہاس نگر میں
لئی خیراتی ادارے چلاتی ہے۔

ڈاکٹر پوپٹ نے فرمایا کہ تقسیم ملک کے باعث ہمارے
ندھی بھائی بالکل اجڑ گئے تھے لیکن وہ اپنی سخت محنت،
ہانت اور استقلال کی بدولت پھر آباد ہو گئے۔ ہمارے
سندھی بھائی مہاراشٹر کی زندگی میں پوری طرح سما گئے
یں اور انہوں نے تعلیمی اور سماجی میدانوں میں
ابل قدر حصہ لیا ہے۔

آج ملک کو جس کٹھن صورت حال کا سامنا ہے
س کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر پوپٹ نے لوگوں سے اپیل
کی کہ وہ اس کا مقابلہ کرنے میں حکومت سے بھرپور
تعاون کریں۔

شری لال۔ ایچ وی گوکلا نے صدر سیوا منڈلی
نے منڈلی کی بھلائی کے مختلف کاموں پر مختصراً روشنی
ڈالی۔ آپ نے بتایا کہ سیوا منڈلی ایک قطعی سیکولر
جماعت ہے اور ہر فرقہ کے لوگ اس میں شریک ہیں۔
اس موقع پر عطیات کے ذریعہ تقریباً ...,۶۰ روپے
کی رقم جمع ہوئی۔

شریمتی دیوی بین دلال نے شکریہ ادا کیا۔

چوپاٹی پر ٹھنڈے پانی کا چشمہ
شری ورتک نے سنگِ بنیاد رکھا

شری ایچ۔ جی ورتک، وزیر محصول نے ۶ مئی کو
گرگام چوپاٹی، بمبئی میں منعقدہ ایک تقریب میں ایک
ٹھنڈے پانی کے مجوزہ چشمہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

میئر شری بی۔ کے بومن بہرام نے تقریب کی صدارت
فرمائی۔ والکیشور کی لائن کلب نے یہ اجتماعی پروجیکٹ
شروع کیا ہے جس سے چوپاٹی پر آنے والے لوگوں
کے لئے پینے کا پانی مہیا کرنے میں سہولت ہوگی۔ اس
پروجیکٹ پر ایک لاکھ روپے کی لاگت آئے گی اور یہ
اس ماہ کے آخر تک مکمل ہو جائے گا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری ورتک نے
لائنس کلب کو ایسے سماجی کاموں پر مبارک باد دی اور
فرمایا کہ لائنس کلب جیسے سماجی اداروں کو پسماندہ اور
دیہی علاقے کے لوگوں کی سماجی بھلائی کے کاموں میں
حکومت کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔

میئر شری بی۔ کے بومن بہرام نے ایسے کارآمد
سماجی کام کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ سماجی بھلائی کے
میدان میں کلب کے ایسے کاموں سے حکومت اور
کارپوریشن کا بوجھ ہلکا ہوگا۔

ابتدا میں لائنس کلب، والکیشور کے صدر
ڈاکٹر آر۔ ڈی پنڈت نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

گھاٹ کوپر ڈپو
وزیر اعلیٰ نے افتتاح فرمایا

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی نائک نے ۲ مئی کو گھاٹ کوپر
میں بی۔ ای۔ ایس۔ ٹی کے نئے ڈپو کا افتتاح فرمایا۔

حاضرین سے خطاب فرماتے ہوئے شری نائک نے
ورکروں سے اپیل کی کہ وہ مطالبات پر زور دیتے وقت
حکومت اور کمپنی کی مالی حالت کا بھی خیال رکھیں۔

وزیر اعلیٰ نے بی۔ ای۔ ایس۔ ٹی کو جدید طرز کا
ڈپو تعمیر کرنے پر مبارک باد دی۔

شری بومن بہرام میئر بمبئی نے حکومت سے
درخواست کی کہ وہ بی۔ ای۔ ایس۔ ٹی کے لئے
اراضی مہیا کرے۔ نیز حکومت کو سرمایہ بھی فراہم کرنا
چاہئے کیوں کہ یہ ادارہ نقصان اٹھا رہا ہے۔

شری ششر د اچاریہ چیئرمین بیسٹ کمیٹی نے
حکومت سے درخواست کی کہ وہ بیرونی زرتبادلہ مہیا
کرے تاکہ 'ڈبل ڈیکرس' درآمد کئے جاسکیں۔

شری کیرکر جنرل منیجر بیسٹ نے شکریہ ادا کیا۔

بُدھ جینتی

بھگونت بدھ جینتی ۶ مئی کو امبیڈکر میلن بمبئی میں ورلی
شاختا سمیتی کے زیر اہتمام منائی گئی۔ شری علی یاور جنگ گورنر
مہاراشٹر نے تقریب کی صدارت فرمائی۔

شری ڈی۔ ٹی روپاوتے، وزیر ریاست برائے
سماجی بھلائی بھی اس موقع پر حاضر تھے۔ پروفیسر
این۔ این کامبلے نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ شری
کیر جیکر نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

شری اے. این. نامجوشی، وزیر تعلیم نے یونیورسٹی بلوں کو جو قبل ازیں سلیکٹ کمیٹی میں پیش کئے گئے تھے سماجی آسودگی کا حامل قرار دیا۔

لیجسلیٹیو اسمبلی کے آخری ہفتہ مختتمہ ۱۲ اپریل کے دوران بلوں کو آگے بڑھاتے ہوئے شری نامجوشی نے فرمایا کہ سلیکٹ کمیٹی بلوں کے تعلیمی اور سماجی پہلوؤں پر غور کرتی ہے۔ دیگر یونیورسٹی قوانین کے مقابلے میں یہ بل بنیادی اقدار رکھتے ہیں جن سے بدلتے ہوئے سماج کی اُمنگ اور آرزوؤں کا اظہار ہوتا ہے۔ کمیٹی نے تعلیمی ادارہ جات اور پروفیسروں کے مسائل کا کافی خیال رکھا ہے اور تعلیم وغیرہ کو نیا رُخ دیا ہے۔

سروشری آر. کے. مہالگی، پی. بی. پاٹل، ایس. ایس. مالی اور شریمتی کملا رامن نے پہلی خواندگی کے دوران بلوں کا خیر مقدم کیا۔

شری مہالگی نے اس بات پر اصرار کیا کہ وائس چانسلر کی نامزدگی کے سوال پر گورنر کو بالادستی نہ دی جائے نیز طلبا کو 'ایکزیکیٹیو کونسل' میں نمائندگی دی جائے۔ بہر صورت وزیر موصوف نے ان کے مشوروں کو رد کر دیا اور بل میں قوانین کو برقرار رکھا۔

طلبا کی نمائندگی

شری نامجوشی نے آگے فرمایا کہ بلوں میں یونیورسٹیوں کی کارگزاری میں طلبا کی نمائندگی کے لئے گنجائش رکھی گئی ہے۔ ہندوستان میں صرف مہاراشٹر ایسی ریاست ہے جہاں یونیورسٹیوں کو چلانے میں تقریباً ۲۰۰ طلباء حصہ لیں گے؛

بعد ازاں ایوان نے چند ترمیموں کے ساتھ بل پاس کر دیا۔

اس ہفتہ کے دوران اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کی سالانہ رپورٹ برائے سال ۱۹۷۲-۷۳ء پر بھی بحث ہوئی۔ ممبران نے دیہی بجلی پروگرام کے بارے میں نکتہ چینی کی۔

شری وی. کے. ٹیمبے نے دیہی بجلی پروگرام کی توسیع کی ضرورت جتائی تاکہ معاشی نابرابری کم ہو۔

شری وی. جی. پربھوگاؤنکر نے فرمایا کہ دیہی بجلی پروگرام میں معاونت کی ضرورت ہے۔

سروشری ڈی. بی. پاٹل، ایکناتھ سالوی، ڈلاجی پاٹل، ایس. ایس. مالی، ڈاکٹر ایس. ڈی. ناتو، گنپت راؤ دیشمکھ، جناردھن اہیر، بی. ایس. پاٹل اور آر. جی. میراشی اور شریمتی مری نال گورے، شریمتی کملا رامن اور دیگر ممبران نے بحث میں حصہ لیا۔

دیہاتوں میں بجلی

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری کے. بی. پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت اور بجلی نے یہ تسلیم کیا کہ صنعتوں کو پاور سپلائی کے مقابلہ میں زراعت کے لئے پاور کی سپلائی کافی کم ہے۔ بہرصورت گذشتہ پانچ سال کے دوران زراعت کے لئے پاور سپلائی کی غرض سے دیہی بجلی پروگرام بسرعت عمل میں لایا گیا جس کے باعث اضلاع یعنی جلگاؤں اور کولہاپور میں سو فیصدی بجلی پہنچ گئی۔

وزیر موصوف نے ایوان کو یہ یقین بھی دلایا کہ حکومت اضلاع بھنڈارہ، چندرپور، رتناگیری اور قلابہ میں بجلی کی بہم رسانی کے لئے زیادہ سے زیادہ ممکنہ امداد دے گی

مندرج جاتیوں کیلئے معاشی آزادی

مندرج جاتیوں اور مندرج قبائل کمشنر کی رپورٹ پر بحث میں حصہ لینے والے اراکین میں سروشری ڈی. بی. پاٹل، دھونڈگے، پی. بی. پاٹل، نامدیو راؤ وہنکر، ارجن وانکھیڈے، ڈبلیو. اے. کھیرے، ڈلاجی پاٹل، جناردھن اہیر، آر. پی. والوی، جی. آر. شنڈے، بن راؤ منکر وغیرہ شامل ہیں

انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جب تک ہریجن اور دیگر پس ماندہ طبقات کے لوگوں کو معاشی آزادی حاصل نہ ہوگی اس وقت تک سماجی مساوات کا محبوب مقصد پورا نہ ہو سکے گا۔

شری دھونڈگے نے اس بات پر زور دیا کہ پچھڑی جاتیوں کے سدھار کے لیے علیحدہ پروگرام ہونا چاہئے آپ نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ گذشتہ ۲۵ سال کے دوران پس ماندہ لوگوں کو دی گئی امداد کا جائزہ لیا جائے۔ شری دلوی نے اراضی محصول ضابطہ اور لگان داری ایکٹ میں ترمیم کرنے کی ضرورت جتائی۔

پسماندہ طبقہ کے لوگوں کے ساتھ انصاف ہو۔

شریمتی پرتیبھا پاٹل، وزیر سماجی بھلائی نے بحث کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حکومت وضع قانون کی تجویز پر غور کر رہی ہے تاکہ قبائلی لوگوں کا استحصال بند ہو اور انھیں قرض داری سے نجات ملے۔ جبتک معاشرہ کو سماجی انصاف کا پوری طرح سے احساس نہ ہوگا، پس ماندہ لوگوں کے ساتھ کی جانے والی زیادتیاں ختم نہ ہوں گی۔ محض قانون بنانے سے مقصد پورا نہ ہوگا۔

وزیر موصوفہ نے سماجی کارکنوں سے گذارش کی کہ وہ اس مسئلہ کو سیاسی نقطۂ نظر سے نہ دیکھیں۔ گزشتہ چند سالوں کے دوران جبکہ پسماندہ طبقات کے لوگوں میں اپنے حقوق کا احساس پیدا ہوگیا ہے، ان کے ساتھ ناانصافی بھی بڑھ گئی ہے۔ ایسے واقعات کو روکنے کے لئے حکومت نے ضلع سطح پر نگران کمیٹیاں مقرر کی ہیں۔ ان سے کہا گیا ہے کہ اگر اپنے کام کے مقصد سے پورے ضلع کو لینا ممکن نہ ہو تو ضلع کمیٹی ضلع میں ایک مخصوص تعلقہ یا علاقہ پر توجہ مرکوز کرے۔

پسماندہ طبقہ کے لوگوں کے لئے روزگار کے مواقع کا ذکر کرتے ہوئے شریمتی پاٹل نے بتایا کہ ۱۴ فیصدی کی حد تک پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لئے مختص ہے۔ کابینہ نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ ترقی کی سہولت کے معاملہ میں بھی یہ تحفظ دیا جائے۔

پسماندہ طبقات کیلئے خاص اسکیم

آپ نے مزید فرمایا کہ حکومت کا ارادہ ہے کہ پس ماندہ طبقات کے درمیان ان لوگوں کے سدھار کے لئے جو نسبتاً زیادہ پسماندہ ہیں، خاص اسکیم وضع کی جائے۔ یہ پس ماندہ طبقات کے لئے ایک کارپوریشن کے قیام پر بھی غور کر رہی ہے۔ اپنی صنعتیں قائم کرنے کے لئے پسماندہ طبقات کے لوگوں کو یہ کارپوریشن ضروری مدد دے سکے گا۔

کونسل کی کارروائیاں

ہفتہ مختتمہ ۳ اپریل کے دوران ایوان نے بمبئی موٹر گاڑیاں (ترمیمی) بل بابت ۱۹۷۲ء پاس کیا۔ نیز بمبئی تفریحات محصول (ترمیم) بل ۱۹۷۲ء، بمبئی اسٹامپ (اضافہ محصول اور ترمیم) بل ۱۹۷۲ء اور بمبئی الیکٹریسٹی ڈیوٹی بل ۱۹۷۲ء پر بھی غور کیا گیا جنھیں اسمبلی نے پاس کر دیا ہے۔

یکم اپریل کو شری ڈی۔ بی۔ تہانے نے ایک غیر سرکاری قرارداد پیش کی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ شہری ملکیت کی حدبندی کے بارے میں کونسل کی پیشتر تجویز کو پارلیمنٹ کی جانب سے اس پر کارروائی کرنے میں تاخیر کے خلاف احتجاجاً منسوخ کر دیا جائے۔ کونسل نے یہ تجویز ۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو منظور کی تھی۔

شہری ملکیت کی حدبندی

اس قرارداد پر بحث کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقی نے فرمایا کہ وزیراعظم اندرا گاندھی نے ۱۹۶۹ء میں ہندوستان میں سماجی انقلاب لانے کی تحریک شروع کی تھی۔ شہری جائداد و املاک کے بارے میں جلد بازی سے فیصلہ بمبئی کی صنعتی پٹی کے لئے نقصان دہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ معاملہ مہاراشٹر کی اقتصادی زندگی سے وابستہ ہے اور اس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ روزی سے محروم ہو سکتے ہیں۔ ان حالات میں انتظار کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ مرکزی حکومت کی جانب سے اس معاملہ میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھایا جائے۔

آخر میں آپ نے شری تہانے سے قرارداد واپس لینے کی درخواست کی کیونکہ اس باب میں مرکز کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

ایوان نے قرارداد رد کردی۔

سروشری ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے، اپا صاحب جادھو، این۔ ڈبلیو۔ لیمئے، سی۔ آر۔ کھانولکر، وی۔ جی۔ دیشپانڈے، وی۔ جی۔ ہنڈے اور شری پی۔ بی۔ سونکے نے بحث میں حصہ لیا۔

غیر سرکاری قرارداد

سروشری منوہر جوشی، وی۔ جی۔ ہنڈے، ایس۔ اے۔ بٹ نرے، جی۔ پی۔ پردھان، ایل۔ پی۔ پجاری، این۔ ڈی۔ پاٹل اور لیون ڈیلسوزا، ممبران حکمراں پارٹی نیز اپوزیشن نے ۲ اپریل کو ایک غیر سرکاری قرارداد پیش کی جس میں ریاستی حکومت سے یہ گذارش کی گئی تھی کہ وہ اس قسم کے خیالات کے سدباب کے لئے ضروری قدم اٹھائے جن کا اظہار کرناٹک اور کیرالا

اس بحث سے قبل شری ایم۔ ڈی۔ چودھری وزیر مالیات نے ان اقدامات کے بارے میں وزیراعلیٰ کا بیان پڑھ کر سنایا جو حکومت نے پس ماندہ طبقات کے سدھار کے لئے کئے ہیں۔

اسپیکر، شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے نے ایوان میں اعلان کیا کہ اسمبلی کا آئندہ اجلاس ۵ راگست کو بمبئی میں منعقد ہوگا۔

کی قانون ساز اسمبلیوں میں مہاراشٹر میں مقیم لسانی اقلیتوں کے معاملہ پر کیا گیا ہے۔ دونوں اسمبلیوں میں ایک قرارداد پاس کی گئی تھی جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ مہاراشٹر خصوصاً بمبئی میں جنوبی ہند کے باشندوں کی جان وہاں محفوظ نہیں ہے۔ مزید کہا گیا تھا کہ ان دونوں اسمبلیوں کی قرارداد سے لوگوں کے تعلقات کشیدہ ہوں گے اور بالآخر قومی یکجہتی پر بُرا اثر پڑے گا۔

اس قرارداد پر اظہار خیال کرتے ہوئے شری اُتم راؤ پاٹل نے دریافت کیا کہ ایک قانون ساز اسمبلی کا دوسری کے خلاف قرارداد پاس کرنا کہاں تک قاعدے کے مطابق درست اور جائز ہے۔ لہٰذا آپ نے یہ مشورہ دیا کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ جس پر اسپیکروں اور وزرائے اعلیٰ کے اجلاس میں غور ہونا چاہیے۔

شری منوہر جوشی نے فرمایا کہ مہاراشٹر کو بدنام کرنے اور اس کے خلاف جذبات کو ابھارنے کی باقاعدہ کوشش ہو رہی ہے۔

شری ایس ٹی۔ شندے نے فرمایا کہ انگریزی اخبارات نے مہاراشٹر کو رسوا کرنے کی کوشش کی ہے۔

شری ٹی۔ پی۔ پردھان نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مہاراشٹر میں لسانی اقلیتیں باوقار زندگی گزار رہی ہیں غلط منصوبہ بندی کے باعث لوگ بمبئی جیسے بڑے شہروں میں جمع ہوئے ہیں۔

سرو شری پجاری اور پیرن ڈیسوزا نے اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ لسانی اقلیتیں مہاراشٹر میں آسودہ زندگی گزار رہی ہیں۔

لسانی اقلیتیں خوش ہیں

جواب دیتے ہوئے وزیراعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے فرمایا یہ حقیقت ہے کہ یہاں صنعتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے نیز بڑی تعداد میں لوگوں کی آمد جاری ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ مہاراشٹر میں لسانی اقلیتیں خود کو محفوظ اور مامون سمجھتی ہیں۔ ایوان کے سامنے مفصل بیان پیش کر کے حکومت نے لسانی اقلیتوں کے بارے میں اپنی پالیسی کی وضاحت کر دی ہے بعض اخبارات نے پیش آنے والے معمولی واقعات کے بارے میں مسخ شدہ خبریں جاری کر کے مہاراشٹر کے بارے میں غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے ایوان کو یقین دلایا کہ مہاراشٹر سدا قومی یکجہتی کا حامی اور علمبردار رہے گا۔

یونیورسٹی بل منظور

اجلاس کے آخری ہفتہ میں چھ یونیورسٹی بلوں پر زوردار بحث ہوئی۔

بلوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے شری وی۔ جی۔ دیشپانڈے نے فرمایا کہ حکومت کی تعلیمی پالیسی پیداواری رخ نہیں رکھتی۔ یونیورسٹی کی خودمختاری برقرار رکھنے پر وزیر موصوف کو مبارکباد دیتے ہوئے آپ نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ چھ یونیورسٹیوں کے لیے ایک ہی وائس چانسلر کے قاعدے سے یونیورسٹی کے چلانے میں کہاں تک مدد ملے گی۔

شری ایم۔ این۔ انجیکر نے فرمایا کہ بلوں میں ان قاعدوں سے مدرس عملہ میں بے چینی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

شری ایم۔ پی۔ منگوڑکر نے فرمایا کہ عدالت کی طرح یونیورسٹی کی کارگزاری بھی آزاد ہونی چاہیے۔

شری وی۔ جی۔ ہنڈے نے فرمایا کہ یونیورسٹیاں سماجی اور اقتصادی انقلاب کا مرکز ہونی چاہئیں نیز مراٹھی کو یونیورسٹیوں میں شایان شان جگہ ملنی چاہیے۔

سرو شری جی۔ بی۔ کانٹکر، ایس۔ کے۔ ویشمپائن رام سنگھ، وی۔ پی۔ باپٹ، پی۔ ڈی۔ دلال، جی۔ پی۔ پردھان، ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے، جے۔ جی۔ بھاوے، ایس۔ اے۔ شندے، جی۔ کے۔ آٹھولے اور ایم۔ ٹی۔ کالکرنی نے بحث میں حصہ لیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری اے۔ این۔ نامجوشی وزیر تعلیم نے فرمایا کہ بل سماجی اہمیت رکھتے ہیں۔ نیز ان کے ذریعہ یونیورسٹیوں میں موافق فضا پیدا ہوگی اور استاد اور شاگرد کے درمیان رشتہ بہتر ہوگا۔

بعد ازاں ایوان نے بل منظور کر دیا۔

ایوان نے مہاراشٹر ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیاں (دوسری ترمیم) بل، سنہ ۱۹۷۴ء، ضلع رجسٹریشن (مہاراشٹر ترمیم) بل، سنہ ۱۹۷۱ء اور بمبئی میونسپل کارپوریشن و بمبئی پولس (ترمیم) بل سنہ ۱۹۷۴ء پاس کر دئے۔ نیز ایوان نے مہاراشٹر ایجوکیشن (دوسری ترمیم) بل، مہاراشٹر (ہوٹل اور لاجنگ) بل سنہ ۱۹۷۴ء مہاراشٹر رہائشی جگہ بل بابت سنہ ۱۹۷۴ء، مہاراشٹر سیلز ٹیکس (ترمیم) بل، سنہ ۱۹۷۴ء اور مہاراشٹر محصول اراضی (خاص لیوی میں اضافہ) بل سنہ ۱۹۷۴ء پر بھی بحث کی۔

ایوان میں مہاراشٹر اسٹیٹ فارمنگ کارپوریشن کی کارگزاری پر بھی بحث ہوئی۔ وزیراعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے ان اقدامات کے بارے میں بیان دیا جو حکومت نے پس ماندہ طبقات یعنی مندرج جاتیوں مندرج قبائل، ویمکت جاتیوں اور خانہ بدوش قبائل کی حالت سدھارنے کے لئے اٹھائے ہیں۔

۹ اپریل کو سرو شری وی۔ آر۔ پنڈت، آر۔ ایف۔ چودھری، لہانے، وی۔ جی۔ دیشپانڈے، جے۔ بھاوے، ایم۔ ٹی۔ کالکرنی اور سی آر کھانولکر نے ریاستی سرکاری ملازمین کی علامتی ہڑتال پر تحریک التوا پیش کی۔ چیرمین نے اعلان کیا کہ اسٹرائک تحریک التوا موضوع نہیں بن سکتی۔ بہرصورت کئی ممبران نے اصرار کیا کہ حکومت اسٹرائک کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت کرے۔

شری این۔ ایم۔ تڑکے، وزیر برائے قانونی امور نے فرمایا کہ اسٹرائک کے بارے میں ایک بیان دیا جا چکا ہے اور حکومت اس میں کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہتی۔

نتیجتاً اپوزیشن نے بطور احتجاج 'واک آؤٹ' کیا۔

سبکدوش ہونے والے اراکین کو الوداع

ایوان نے سبکدوش ہونے والے ۲۶ اراکین کو الوداع کہا اور کونسل کی رکنیت کے دوران ان کی کارگزاری کو سراہا۔ (باقی صفحہ ۳۵)

پندرہ روزہ

قومی راج

جلد : ۱ — یکم جولائی سنہ ۱۹۷۴ء — شمارہ : ۱۱

قیمت : فی پرچہ : ۲۵ پیسے — سالانہ : ۵ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخنہائے گفتنی

شیواجی مہاراج کی تاجپوشی نمبر کی تعریف میں ہمیں متعدد خطوط موصول ہوئے ہیں تاہم اسی کے ساتھ بہت سے کرمفرماؤں نے قیمت میں اضافہ کے سلسلہ میں شکایت بھی کی ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خاص نمبر کی قیمت میں اضافہ کیا گیا۔ اس سے قبل یوم جمہوریہ نمبر اور مہاراشٹر نمبر عام شماروں کی قیمت میں ہی پیش کئے گئے تھے۔

معزز قارئین کی شکایت سر آنکھوں پر، لیکن کاغذ کے داموں میں بے پناہ اضافہ اور رنگین طباعت کے اخراجات کے پیشِ نظر یہ اقدام ناگزیر تھا۔ پھر بھی قومی راج کی قیمت انگریزی اور مراٹھی لوک راج کی قیمت کے نصف سے بھی کم رکھی گئی تھی، اور سالانہ خریداروں کو یہ نمبر بھی اسی قیمت میں دیا گیا ہے۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ اردو داں قومی راج کے خریدار بن جائیں۔ اس طرح ان کی کئی شکایتیں دور ہو جائیں گی۔

زیرِ نظر شمارہ میں صفحات کی کمی کے باوجود تنوع کے ساتھ ساتھ بھرپور مواد دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم بیک وقت اپنے قارئین اور مقتدر وزیر اعلیٰ شری وی۔پی۔ نائک کے شکرگزار ہیں کہ ان کے مسلسل تعاون اور دلچسپی کے باعث یہ رسالہ ترقی اور مقبولیت کی منازل طے کرتا جا رہا ہے۔

——— خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

امن کا پھول

[ہمارا پہلا نیوکلیائی تجربہ]

سکندر علی وجد

ایک ہیبت سی فضا پر طاری
سخت ہیجان زمیں کے دل میں
اور سورج کی شعاعیں لرزاں
حرفِ حق
گونج اُٹھا :

ریگ زاروں سے صبا خوش خبری لائی ہے :
اک نئے دَور کا آغاز ہوا
امن کا پھول کھِلا
دور پہنچی ہے چٹکنے کی صدا پر خوشبو

آج خوشیوں کا، امیدوں کا سہانا دن ہے
یہ غریبی کے اندھیرے میں سنہرا دن ہے
یوں تو ہر دن ہے نیا دن، یہ نرالا دن ہے

جن کے ماتھے سے بہا خون، پسینا بن کر
جن کی آنکھوں نے سویرے کو اجالا بخشا
جن کی محنت نے جگر چیر دئے ذرّوں کے
اور یہ فتحِ مُبیں
جس کے اِشارے سے ہوئی ہے ...
سب کو
تہنیت اور سلام

خوشنما خواب، جو آہر نے جو دیکھا تھا کبھی
اُس کی تعبیر سے روشن ہے گلستانِ وطن
سارے ہمسایوں سے کہہ دو کہ یہاں
دوستی اور مروّت کی بہار آئی ہے
خوف و نفرت کے غلط نقش مٹا دو تم بھی
زندگی، مہر و محبّت کے سوا کچھ بھی نہیں

ہم سب اکٹھے ہی بیٹھے تھے اور بہت بےچینی
وس کر رہے تھے ۔ سوشیلا نے ابھی یہ کہہ کر ہم
ب کو ایک اجنبی سے ملایا تھا کہ " ان سے مل کر
سب بہت خوش ہوں گی "۔

پتہ نہیں اردنا ، ریٹا اور کادبری کا کیا حال
ا لیکن بینا تو جیسے یہ جاننے کے لئے بے تاب
ی کہ یہ کون صاحب ہیں اور سوشیلا سے ان کی
اقات کب ہوئی ۔

موٹر تیز چلانے میں راج کا جواب نہیں ۔ وہ
ب کے جذبات سے بے نیاز انتہائی رفتار سے کار
ا رہا تھا ۔ اردنا نے پیچھے سے چلّا کر کہا ۔

" ہمیں مارنا مت ! ابھی ہم نے زندگی میں
نہیں دیکھا ۔"

اجنبی نے شرارتی نظروں نے اردنا کی جانب
ھا ۔ اردنا نے بینا کے چٹکی بھری ۔ " ان کے خوش
نے کی وجہ ؟ "

" ششش " بینا بولی " چپ رہو " اُس نے اسکارف سے اپنے بکھرتے ہوئے بالوں کو باندھ لیا اور کادبری نے اپنی نیلی آنکھیں اٹھا کر بڑی شوخی سے اردنا کی جانب دیکھا ۔ بینا اُس ہاتھ کو دیکھتی رہی جو موٹر کی سیٹ کے پچھلے حصے پر بڑے ردم سے لولی بیتھوون بجا رہا تھا ۔ پھر سفر تمام ہوا اور پکنک شروع ہوئی ۔ " بھئی سب کو مہذب رہنا ہے " راج نے یاد دلایا ۔ کادبری فوراً فوارے تلے بیٹھ گئی ۔ " رم جھم رم جھم بدریا برسے ..." حالانکہ بدریا کا کوسوں پتہ نہ تھا پھر بھی سب پل بھر کیلئے کادبری کی آواز کے سحر میں ڈوب گئے ۔ کادبری نے پائینچے پنڈلیوں سے اوپر تک چڑھا رکھے تھے اور یہ جاننا بے حد مشکل تھا کہ اُس کی آنکھوں میں موجوں کا تلاطم ہے یا پانی میں اُس کی آنکھوں کی جھلک ۔ دفعتاً کادبری نے پائینچے چھوڑ دئے کیونکہ اُسے محسوس ہونے لگا اجنبی اُبھرتے سورج جیسی مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھ رہا تھا ۔ فوارے کے گیت کی طرح اس مسکراہٹ میں بھی بڑی نرمی اور بے قراری تھی ۔ بڑی زندگی ۔

" کون کون تیرنا جانتا ہے ؟ " پھر اجنبی نے یکایک قریب آکر پوچھا ۔

کسی نے جواب نہیں دیا ۔

" سوشیلا نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ سب تیرنا جانتی ہیں ۔" وہ اپنی جگہ رُک کر سب کی طرف دیکھنے لگا ۔

" کمبخت سوشیلا " سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ۔

" مقابلہ کرنا چاہتے ہیں آپ ؟ " کادبری نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں ۔ اس کی آواز میں ارتعاش تھا ' ساتھ ساتھ ارادہ بھی ۔ اردنا وحشت سے چلّائی ۔ " تم اپنی آنکھیں یوں نہ اٹھاؤ کادبری ' نہیں تو کوئی بھی فیصلہ نہیں کر سکے گا کہ پہلے کسے تسخیر کیا جائے ۔ پانی کو یا تمہاری آنکھوں کو "

اجنبی نے آگے بڑھ کر اردنا کا ہاتھ تھام لیا ۔

" بڑی خوبصورت باتیں کرتی ہو ۔ شاعرہ ہو ؟ "

" نہیں ۔ سائنس کی طالب علم ہوں "۔

" کامیاب ڈاکٹر بنو گی " وہ پہرے گھاٹ کی منڈیر پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا ۔ " تو کوئی بھی مقابلے کے لئے تیار نہیں ؟ " اُس نے پوچھا ۔ اُس کی آواز میں چیلنج تھا ۔

کادبری نے اپنا کاسٹیوم اٹھا لیا ۔ اردنا چلّائی

" ہارنا مت " اور دونوں مچھلیوں کی طرح موجوں

آمنہ ابوالحسن

کی زد میں دو بتے ابھرتے چلے گئے جیسے دو پھول، دو ستارے یا دو کنول۔

"پانی کا پاٹ بہت چوڑا ہے۔" ریٹا نے ستون کا سہارا لے لیا۔ واپسی میں کادمبری ہانپ رہی تھی۔

"میں نے انھیں سہارا دینا چاہا مگر انھوں نے سہارا قبول نہیں کیا۔" اجنبی نے اعتراف کیا۔ ارونا نے کادمبری کو لپٹا لیا۔ "شاباش۔" سب اس کے اطراف جمع ہو گئے۔ پانی میں بھیگا ہوا اس کا بدن اوس میں نہائے پھول کی طرح ہلکورے لے رہا تھا۔ ریٹا نے تھرماس سے کافی انڈیلی۔ "سوشیلا کہاں ہے؟" کسی نے پوچھا۔

"کاگا سب تن کھائیو، چن چن کھائیو ماس
یہ دو نیناں مت کھائیو کہ پیا ملن کی آس ..."

سوشیلا نے تان پورہ سنبھال لیا تھا۔ میرا بائی اس کا لائف موٹو تھی۔ ذرا سی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔ گھاٹ پر سرستی نے اپنا آنچل پھیلا دیا۔ راج اور اجنبی ساکت رہ گئے۔ سوشیلا کی آواز میں اتنا درد کہاں سے آیا۔ بن میں کوکتی کوئل کی طرح۔ اُسے کس کا انتظار ہے۔ کس کی تلاش؟

پھر گیت نے پینترا بدلا اور اپنا مزاج بھی۔

"پھر اب کی بار امریاں جانا ......"

"ہے ہے" ارونا نے اپنا دل تھام لیا۔ "کتنی تیزی سے دھڑک رہا ہے کمبخت۔" پھر اُس نے اجنبی سے پوچھا۔ "آپ کا نام۔؟"

"شیام" اجنبی بولا۔

"مُرلی منوہر۔"

"نہیں" شیام ہنس پڑا۔ "تم سائنس مت پڑھو، شاعری کرو۔" اُس نے ارونا کو مشورہ دیا۔

"شکریہ" ارونا بولی اور گھاٹ کے کنارے سے ہٹ کر سب اوپر چبوترے کی اونچی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔

"یہاں ایک مہان آتما نے قدم رکھا تھا اور اسی جگہ اشنان بھی کیا تھا۔ یہ گھاٹ اُسی کی یادگار ہے اور وہ آگے کانووکیشن ہال ہے اور یونیورسٹی کے کھنڈرات۔" راج کی آواز گونجتی رہی۔

"کیا دنیا پہلے بھی اتنی مہذب تھی راج؟" ارونا نے کھدائیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ عبادت گاہ اور وہ طلبا کا ہوسٹل۔"

مہاتما بدھ کا سنگی مجسمہ سربلند کھڑا تھا۔

"بدھ جی کیا دیکھ رہے ہیں راج؟" بینا نے پوچھا۔

"بھگوان کا جلوہ۔" راج نے اپنا سر عقیدت سے جھکا دیا۔

سوشیلا کی آواز پھر جادو کی طرح سب کے احساسات پر حاوی ہو گئی۔

"کون گلی گیو شیام ...."

بینا کی آنکھیں خود بخود جھک گئیں۔ دنیا کا وہ عقلمند سے عقلمند انسان کو عقل سے دور لے جاتا ہے لیکن بُدھ جی؟ وہ حیرت سے مجسمے کی طرف گھورنے لگی۔

"پرماتما۔ ہمیں بھی تھوڑا گیان دے دو۔" بینا نے بچوں کی سی معصومیت سے کہا۔ اُس کے چہرے پر نرمل جل کی سی پاکیزگی پھیل گئی۔

"گیان کیا ہوتا ہے جی؟" شیام نے سگریٹ پرے اُچھال کر پوچھا۔ بینا سٹپٹا گئی۔

"علم۔ وہ علم جو انسان کو آتما سے قریب کرے" ارونا نے بڑی خود اعتمادی سے کہا۔

"اچھا تو ہم یہاں گیان حاصل کرنے آئے ہیں؟" شیام ہنسا۔

کادمبری نے دوپٹہ کانوں کے گرد لپیٹ لیا۔

"مانجھی تیری نیّا ..." اُسے گیان کی مطلق فکر نہ تھی۔ شیام کادمبری کے پاس جا بیٹھا۔ "جب تم کسی کی طرف دیکھتی ہو تو وہ یقیناً اپنے آپ کو بھول جاتا ہے کادمبری۔" کادمبری مسکرائی مگر اُس نے اپنی نگاہیں نہیں اُٹھائیں۔

نیّا ... ...
تیرا کون کھِویا ......

وہ پُرسوز آواز میں گنگناتی رہی۔

"اور خود کو بھول جانا کتنا پُرلطف ہوتا ہے کادمبری۔" شیام بولا۔ دفعتاً روشنی کے پس منظر میں ریٹا کا بدصورت چہرہ اس چٹان کی طرح سُرخ محسوس ہونے لگا جس کا سینہ فگار کر دیا گیا ہو۔

"آگہی۔ آگہی۔ بغیر آگہی کے انسان کتنا ناکارہ ہوتا ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔ پھر اس نے اپنا رُخ سب کی طرف سے موڑ لیا اور دور گھاٹ سے پرے دیکھنے لگی۔

سرخ و سفید ریت۔ دھوپ چھاؤں۔ پرچھائیاں

کادمبری۔ ارونا۔ بینا!

کادمبری کی بے نیازی سے اُکتا کر شیام بینا کے قریب کھسک آیا۔

"آپ کا نام؟"

"بینا"

"حُسن، گیان، شوخی اور نظر۔ جب انسان ان سب سے ٹکراتا ہے تو کیا ہوتا ہے بینا؟"

"فتح حُسن کی ہوتی ہے۔" بینا بولی۔

"نہیں گیان کی۔" ارونا بڑبڑائی۔

شیام ہنسا۔

"نوجوانوں کے پاس صرف دل ہوتے ہیں، اس لئے نوجوانوں کو بہت دیر اکیلے نہیں رہنا چاہئے" ٹھیک اُسی وقت راج نے سب کو جتلایا۔

"راج کو اپنی عمر کے ڈھل جانے کا کتنا احساس اور افسوس ہے۔" ارونا نے دانتوں تلے انگلی دبائی سب ہنس پڑے۔ پھر گھاٹ سے اُٹھ کر درختوں کی چھاؤں میں زمین پر لیٹ گئے۔ دھرتی کا لمس انسان کو کتنا سوز و گداز عطا کرتا ہے۔ کتنی قوت۔

سوشیلا نے تان پورہ رکھ دیا۔ ریٹا اودے اودے جامن اپنے آنچل میں سمیٹ لائی۔ کھانے پینے کا دور چل پڑا۔

یہ کتنی عمدہ جگہ ہے۔ یہاں کتنا سکون ہے کتنی مکتی۔ راج نے تالیاں بجائیں۔ شیام ناچنے لگا۔ کبھی یہاں کے بن باسیوں نے بھی اسی طرح والہانہ

رقص کیا ہوگا مگر کل اور آج میں کتنا فرق ہوتا ہے۔

اور اگلے روز اپنے گھر میں شیام کا دل نہیں لگا۔ تمام مانوس مصروفیتیں اسے منہ چڑاتی نظر آئیں۔

زندگی اور کتاب میں کتنا فرق ہوتا ہے۔

اُس نے کتابیں بند کردیں اور کھلی ہوئی کھڑکیوں سے پُروائیاں اس کے دل کو چھونے لگیں۔ اُس نے گھبرا کر سوچا۔ ہواؤں میں اڑنے کا انجام کیا ہوگا۔ میرے پنکھ نہیں۔ میں کبھی نہ کبھی ضرور گر پڑوں گا اور گھائل ہوجاؤں گا۔ تبھی کسی نے کہا۔

" زخم زندگی کی قیمت بڑھا دیتے ہیں نادان۔ جو ڈرتے ہیں وہ مسرت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں" اور شیام کی ڈھارس بندھی۔ وہ جھٹ پٹ تیار ہوکر سوشیلا کے ہاں پہنچا۔

" مجھے ایک بات بتاؤ سوشیلا" مگر سوشیلا میوزک پارٹی میں جارہی تھی لہٰذا بولی " آج نہیں پھر کبھی " کچھ دیر تک خاموشی سے سگریٹیں پھونکنے کے بعد شیام کا دل رکھنے کو راج نے کہا " کادمبری آنے والی ہے شیام۔ ہمارے ساتھ پارٹی میں چلو یا اُسے ریسیو کرو "

اُداس شیام مسکرایا اور صوفے پر لیٹ کر اوٹ پٹانگ گیت گنگنانے لگا۔ اپنی مسرت میں اُسے راج اور سوشیلا کے جانے تک کی خبر نہ ہوئی مگر جب ملازم نے کادمبری کے لئے دروازہ کھولا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور بڑی ملائمت سے بولا " آؤ، آؤ۔ آجاؤ کادمبری۔ سوشیلا اور راج تو چلے گئے مگر تمہارے استقبال کو مجھے چھوڑ گئے ہیں "

" مجھے آنے میں ذرا دیر ہوگئی۔ سوری " کادمبری بولی۔ پھر ذرا سی دیر دونوں نے کوئی بات نہیں کی مگر شیام کو یہ سکوت بھی پیارا لگا۔ وہ سوچتا رہا۔ پل اور لمحے زندگی میں کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ دو اجنبیوں کو ملاتے، انھیں قریب کرنے میں کتنا عجیب اور خاموش حصہ ادا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ سنبھل کر کادمبری خود بولی " پھر ملیں گے شیام۔ اب اس وقت بائی بائی "

شیام کا جواب سنے بغیر وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ ویرانیوں نے شیام کے دل کو گھیر لیا۔ حُسن اتنا مغرور کیوں ہوتا ہے۔ وہ سوچ سوچ کر تھک گیا تب نہ جانے کیوں یوں ہی ارونا کے پاس چلا گیا۔

" لوگ ایک دوسرے سے کیوں ملتے ہیں ارونا ؟ "

" آپ بہک تو نہیں رہے ہیں ؟ " ارونا ہنس پڑی۔

" تمہیں گیان پسند ہے نا ارونا ؟ "

" ہاں لیکن آپ تو گیانی نہیں "

" اگر بن جاؤں تو ؟ "

" ناممکن۔ گیانی پیدا ہوتے ہیں بن نہیں سکتے "

وہ قہقہے لگانے لگی اور ان قہقہوں کی طنزیہ کھنک تیز نشتروں کی طرح شیام کے احساس میں چبھ گئی۔ اس کے تمام وجود میں کھب گئی۔ اُسے تندرست ماحول سے دور لے گئی۔ اس مریض ماحول میں جہاں محرومیاں تھیں اور ناکامیاں۔ دکھ اور درد۔ ان قہقہوں نے شیام کے ہاتھ میں ایک خنجر دے دیا۔ اب وہ یہ خنجر کس پر چلائے مگر پھر کسی گمبھیر آواز نے اُسے سہارا دیا، سمجھایا " درد کو متاع جاننے والے خنجروں سے کام نہیں لیتے پگلے۔ پھینک دے خنجر پھینک دے "

اور وہ درد کو بہلانے ریتا کے پاس پہنچا۔

" تمہیں حُسن پسند ہے نا شیام ؟ " ریتا نے خود اس سے پوچھا۔

" ہاں ریتا "

" حُسن بے شک دیوتاؤں کی دین ہے لیکن۔۔ "

" لیکن کیا ؟ "

" صرف نظر کی چیز پگلے " ریتا تلخی سے مسکرائی۔

" کیا مطلب ؟ " شیام تڑپ گیا۔

" شاید دھوکا " ریتا کا بجھا بجھا چہرہ اچانک چراغ کی طرح لَو دینے لگا۔

" جب تم اسے دیکھتے ہو خوش ہوتے ہو، اُسے چھو کر مسرت محسوس کرتے ہو، لیکن جب تم اُسے پانا چاہتے ہو تو اپنا آپ ہار دیتے ہو۔۔۔ "

اور ریتا کی اس بات کو سُن کر شیام کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

" تو پھر ایک انسان کیا کرے ریتا ؟ "

" دنیا کو صرف نظر سے ہی نہیں دماغ سے بھی دیکھے اور خود کو ہمیشہ آئینہ سمجھے جہاں عکس بنتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ لیکن عکس بنانے اور مٹانے کے باوجود آئینہ ہمیشہ شفاف رہتا ہے "

" ریتا ! " شیام بچے کی طرح اُس کی گود میں گر گیا اور آنسو بہانے لگا۔ جو خود میں چھپے ہوتے ہیں اور کسی کو نظر نہیں آتے وہ کیسے عجیب اور گمبھیر آدمی ہوتے ہیں۔ اُس نے سوچا اور نگاہ اٹھا کر ریتا کی طرف دیکھنے لگا۔

زندگی کشمکش کا نام ہے، سکون خاتمے کا۔ لوگ دُنیا میں آتے اور چلے جاتے ہیں لیکن ختم ہوجانے سے پہلے زندگی کو گنوا دینا کتنی احمقانہ حرکت ہے۔ تب وہ یکایک مُسکرانے لگا۔ پھر ہواؤں میں فرحت پیدا ہوگئی۔ نیلے آسمان میں کشش۔ شانت ساگر کے سکون اور وسعت کی طرح کوئی چیز اُسے مضبوط کرنے لگی۔

اور ریتا کے پاس شیام کو یوں دیکھ کر آنے والی ارونا، بینا اور کادمبری حیران رہ گئیں۔ بدصورتی سے چاہ۔ کیسی ناممکن بات۔ لیکن ارونا نے دونوں کے چہرے پڑھ لئے۔

" خوبصورتی کی تصویر شیام کے ذہن سے مٹ گئی کادمبری " وہ پورے یقین سے بولی۔

اور بینا کے قہقہے فکر میں تبدیل ہوگئے۔

جب سورج ڈوب جاتا ہے تو تاریکی چھا جاتی ہے۔

(باقی صفحہ ۸ پر)

بلاتبصرہ

ہیرڈریسر: "کام ختم میڈم!"

گنجے ہوتے کے باوجود آپ کنگھا لئے کیوں پھرتے ہیں ؟

بلاتبصرہ

نئے سال کے موقع پر آنکھوں کی جانچ

نئی سرحدیں

از: سید شہاب الدین دسنوی

آج سے تین سال قبل ریاستِ مہاراشٹر میں جس نئے تعلیمی دَور کی ابتدا ہوئی تھی وہ اب ایک ایسی منزل پر پہنچ چکا ہے جہاں بڑی اہم تبدیلیاں رونما ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔

جس زمانے میں محمد علی چھاگلا مرکزی حکومت کے وزیرِ تعلیمات تھے، انھوں نے ایک ایجوکیشن کمیشن مقرر کیا اس کے سربراہ ڈاکٹر کوٹھاری تھے۔ اس کمیشن کی اہمیت اس لحاظ سے بہت تھی کہ ہنٹر کمیشن (۱۸۸۰ء) کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ جب کہ ملک کے پورے نظامِ تعلیم یعنی پرائمری درجوں سے اعلیٰ ترین منزل کی تعلیم تک کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا اور اس بارے میں کمیشن نے اپنی سفارشات پیش کی تھیں۔ تعلیمی نظام کے ڈھانچے کے بارے میں کمیشن نے چار بنیادی سفارشات پیش کیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اسکول کی تعلیم کی مدت دس سال ہو جس کے اخیر میں ہائی اسکول کا امتحان لیا جائے۔ اس کے بعد دو سال کا ہائر سیکنڈری کورس ہو جس کی تکمیل کر کے طلبا تین سال کے ڈگری کورس میں داخل ہوں۔ دوسرے الفاظ میں ۱۰ + ۲ + ۳ = ۱۵ سال کی تعلیم کے بعد یونیورسٹی کی پہلی ڈگری حاصل ہو سکے۔

(۲) مضامین کے اعتبار سے پہلے دس (۱۰-۱) کلاسوں کا کورس، ہر ایک کے لئے تقریباً یکساں ہو یعنی اس دوران میں طلبا کو خصوصی مضامین کے اسپیشل اسکولوں میں تقسیم نہ کیا جائے۔

(۳) ہائر سیکنڈری تک یعنی ۱۰ + ۲ سال کے کورس میں موجودہ انٹرمیڈیٹ کا کورس سمو دیا جائے۔

(۴) اسکول اور ہائر سیکنڈری کورس کے دوران میں یا اس کے اختتام پر تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دینے والے طلبا کے لئے زیادہ تعداد میں معاشی (ووکیشنل) درسگاہیں کھولی جائیں۔

کمیشن کی ان سفارشوں پر کافی دنوں تک غور ہوتا رہا ہر ریاست کا اپنا اپنا تعلیمی نظام تھا اور ان سبھوں کے لیے نئے ڈھانچے کو قبول کر کے اس پر عمل درآمد کرنا آسان کام نہ تھا۔ دلّی میں ریاستوں کے وزرائے تعلیم کی کانفرنسیں ہوئیں۔ ماہرینِ تعلیم سر جوڑ کر بیٹھے۔ وزرائے اعلیٰ کی کانفرنسیں ہوئیں اور بالآخر فیصلہ ہوا کہ سارے ملک میں ایک مشترکہ تعلیمی ڈھانچہ ہو اور وہ ڈھانچہ کمیشن کی سفارشات کے مطابق ہو۔ چنانچہ مہاراشٹر کے سابق وزیرِ تعلیم شری مدھوکر راؤ چودھری نے اسمبلی میں "قرطاسِ ابیض" کی شکل میں تجویزیں پیش کیں، مختلف موقعوں پر اسمبلی کے اندر اور اسمبلی سے باہر، تعلیمی حلقوں میں، اخباروں اور رسالوں میں ان تجویزوں کا خوب چرچا ہوا، خوب بحثیں ہوئیں اس کے بعد حکومت نے اپنی نئی تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا اور اب اس پر موجودہ وزیرِ تعلیم شری ناموشی اور ان کا محکمۂ تعلیم پوری تندہی سے عمل پیرا ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

کوٹھاری کمیشن کی رپورٹ اپنے ماقبل رپورٹوں سے جن معاملات کی بنا پر خصوصی حیثیت رکھتی ہے ان میں ایک تو یہی ہے کہ اس نے قومی تعلیم کا مکمل نقشہ پیش کیا۔ دوم یہ کہ ہر سفارش پر عمل درآمد ہونے پر اخراجات کہاں کہاں اور کس قدر بڑھیں گے، اس کا تخمینہ بھی تیار کیا۔ تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اس کمیشن کی سفارشات میں شاید پہلی بار ملک کی معیشت کے اقتصادی پہلو تعلیم پر اثرانداز ہونے اور ماہرینِ اقتصادیات نے تعلیم سے پیدا ہونے والے نتائج میں دلچسپی کا اظہار کیا اور اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اسے اپنا مسئلہ بنا لیا۔

ہندوستان جیسے ملک میں تعلیم کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ بلکہ لاینحل یوں بن جاتا ہے کہ ایک طرف ملک کی زیرِ تعلیم لائی جانے والی آبادی کثیر ہے اور دوسری طرف ملک کے وسائل محدود ہیں۔ چنانچہ ماہرینِ اقتصادیات نے اس مسئلہ پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ ان دونوں کے تفاوت کو دور کرنے کی واحد صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ملک کے وسائل کو بڑھانے کی خاطر پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ خواہ وہ زراعتی پیداوار ہو یا صنعتی۔ پھر یہ کہ، صرف افزائش ہی کافی نہیں ہے، پیداوار کی کوالیٹی بھی بہتر ہونی چاہئے اب جس طرح زراعت میں پیداوار بڑھانے اور اسے بہتر

بنانے کی خاطر تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے، عمدہ بیج عمدہ زمین اور عمدہ طریقۂ کار، اسی طرح صنعت ہو یا تجارت، دفتر ہو یا کاروبار، اسے فروغ دینے اور بہتر نتائج کے حصول کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوگی، ہنر، علم اور تنظیم کاروبار۔ یہ تینوں الفاظ اصطلاحی معنوں میں لیے گئے ہیں۔ "ہنر" سے مراد کام کو خوش اسلوبی اور ڈھنگ سے کرنے کی صلاحیت ہے خواہ وہ اسپتال میں ایک نازک آپریشن کرنے کی صلاحیت ہو یا کسی الیکٹرونک مشین میں پیچیدہ بجلی کا سرکٹ جانے کی یا کسی دفتر میں صحیح صحیح اور تیز ٹائپ کرنے یا کسی موٹر گیریج میں گاڑیوں کی سروسنگ کرنے کی۔

ان میں سے ہر کام اپنی جگہ ہنرمندی چاہتا ہے۔ اور اس کام کو قدر و قیمت کے لحاظ سے بڑھانے میں اس "ہنر" کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ جب کوٹھاری کمیشن تعلیمی ضروریات اور اقتصادی تقاضوں پر غور کر رہا تھا تو ماہرین کے ذہن میں بجا طور پر یہ سوال اٹھا کہ ہمارے نظام تعلیم میں اعلیٰ سطح کے پیشہ ورانہ تعلیم کے اداروں کو چھوڑ کر، اس "ہنر" کی تربیت کے ادارے کتنے اور کہاں اور کیسے کیسے ہیں جن سے ہم اپنی پیداوار کی قدر و قیمت میں اضافہ کرنے میں مدد لے سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب مایوس کن تو تھا ہی مگر اس انکشاف نے سب کو چونکا دیا کہ جتنے بچے ہمارے ملک میں زیر تعلیم لائے جاتے ہیں اُن کی بہت بڑی تعداد میعادِ تعلیم پوری ہوئے بغیر ہی اپنا سلسلہ منقطع کر دیتی ہے۔ یہ بہت بڑا قومی نقصان بھی ہے اور سماجی پسماندگی کا سبب بھی بنتا ہے۔ ریاست مہاراشٹر کی نئی تعلیمی پالیسی چند کلاسوں کے گھٹانے بڑھانے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی پُشت پر وہ دور رس اقتصادی اور سماجی تصورات ہیں جن کی طرف اوپر اشارے کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ صحیح ہے کہ اگر مہاراشٹر میں ۱۹½ لاکھ بچے اور بچیاں صرف جماعت اوّل میں داخل ہیں تو یہ تعداد لازمی تعلیم کے تحت لائی جانے والی طلبا کی تعداد کی ۹۵ فیصدی ہوگی لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ چوتھی جماعت پہنچ کر ان میں سے ۱۲½ لاکھ یعنی تقریباً ۶۵ فی صدی اپنی تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیتے ہیں اور باقی ۷ لاکھ طلبا میں سے گھٹتے گھٹتے ایس۔ایس۔سی کلاس میں صرف ایک لاکھ ترانوے ہزار رہ جاتے ہیں، گویا جماعت اوّل سے کل ۹ فیصدی طلبا ہائی اسکول کی آخری کلاس تک پہنچ پائے۔ اب ان میں اگر ۵۰ فیصد ایس۔ایس۔سی امتحان میں کامیاب ہوئے تو گویا پہلی جماعت میں داخل ہونے والے طلبہ میں سے صرف ۳½ لاکھ نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ۹۶½ فی صدی طلبا جو اسکول چھوڑ کر چلے گئے اُن کا کیا ہوا؟ ظاہر ہے کہ وہ کسی نہ کسی پیشے یا دھندے سے متعلق ہو کر حصولِ معاش میں مصروف ہو گئے ہوں گے۔ مگر "حصولِ معاش" کے لئے جس تربیت کی انھیں ضرورت تھی وہ کہاں میسر ہوئی؟ انھوں نے یقیناً وہی طریقۂ کار استعمال کیا ہوگا جو پشتہا پُشت سے چلا آتا ہے، ایسی صورت میں جو کام بھی وہ کر رہے ہیں اس میں بہتری اور اضافہ کی امید کیسے کی جا سکتی ہے؟

یہی وہ خیالات اور سوالات تھے جن کو بنیاد بنا کر مہاراشٹر کی نئی تعلیمی پالیسی میں معاشی (ووکیشنل) تعلیم کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

نئے نظام کا خصوصی پہلو یہ ہوگا کہ اسکول کی تعلیم کے دوران میں مختلف درجوں پر اپنی تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنے والے طلبا کے لئے ان کی دلچسپی اور صلاحیت کے اختلاف کے لحاظ سے متنوع کورس ہوں گے جن کی مدت چھ مہینوں سے لے کر تین سال تک ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ہائی اسکول کا امتحان پاس کر لینے پر اس وقت ہمارے طلبا کی بڑی تعداد بلاوجہ کالج میں داخلہ لیتی ہے یا شاید اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی اور راستہ بھی نہیں۔ مگر اب بے شمار پیشہ ورانہ تعلیم کے کورس کی مدد سے وہ اپنے مستقبل کو زیادہ متعین اور واضح بنا سکیں گے۔ اس سلسلے میں جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں طرح طرح کے کورس کی طویل فہرستیں موجود ہیں۔ ایسے کورس جو دیہاتوں اور قصبوں کے لئے بھی موزوں ہو سکتے ہیں اور ایسے کورس جو صنعتی شہروں میں مفید ثابت ہوں گے۔ ان میں لڑکوں اور لڑکیوں کی جداگانہ صلاحیتوں اور ضرورتوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس پوری اسکیم پر عمل ہوا تو تربیت کا ایک نیا باب کھل جائے گا اور ہماری تعلیمی زندگی کے ساتھ اقتصادی زندگی میں بھی ایک بڑی خوشگوار تبدیلی واقع ہو جائے گی اور جو خواب ہمارے ماہرین نے دیکھا ہے وہ حقیقت بن کر سامنے آئے گا۔

●●

بقیہ رات

تیز ہوا پتیاں بکھیر دیتی ہے۔
کم قوت پودے گر جاتے، مرجاتے ہیں۔
حُسن محض تمازت ہوتا ہے اور گیان ٹھنڈی چھاؤں۔
کیا نظر عارضی چیزوں سے پرے نہیں رکھنا چاہیے؟
اور بینا نے کادمبری کے شانے پر اپنا تھرتھراتا ہاتھ رکھ دیا
کادمبری کی آنکھوں میں حسد کے بادل گھر آئے۔
"پگلی نیر بہائے ..." سوشیلا اُسی وقت گنگناتی ہوئی آئی۔
"بیوٹی فل" راج سوشیلا کے پیچھے سے اُبھرا۔
ارونا متفکر سی کھڑی رہی مگر ریٹا سکون و اطمینان سے بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے پر بہاراں اور آنکھوں میں چراغاں کی سی کیفیت تھی۔
"جو اپنے آپ کو فتح نہیں کر سکتے وہ کبھی دنیا کو نہیں جیت سکتے۔"
اور رات ریٹا اور شیام کے سوا ہر ایک کے وجود میں در آئی۔ پتہ نہیں کیوں۔
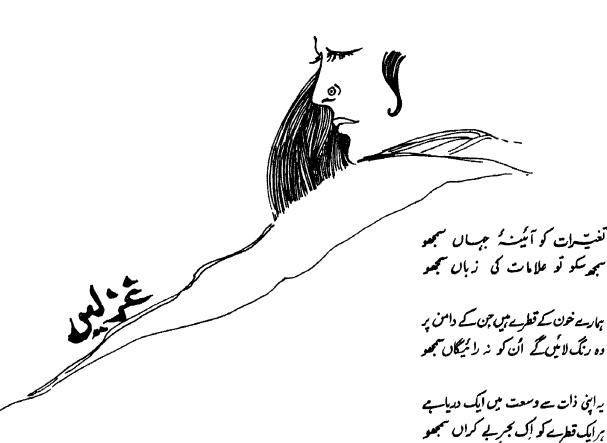
●●

تغیرات کو آئینۂ جہاں سمجھو
سمجھ سکو تو علامات کی زباں سمجھو

ہمارے خون کے قطرے ہیں جن کے دامن پر
وہ رنگ لائیں گے اُن کو نہ رائیگاں سمجھو

یہ اپنی ذات سے وسعت میں ایک دریا ہے
ہر ایک قطرے کو اِک بحرِ بے کراں سمجھو

لہولہان ہے چہرہ مرے تفکر کا
اِس آئینہ کو مرے غم کا ترجماں سمجھو

جہاں پہنچ کے فضا دفعتاً مہک اُٹھے
قریب تر ہے بہت کوئے دلبراں سمجھو

ہر ایک شخص کے چہرے پہ ہے نیا چہرہ
کسے حریف کہو کس کو رازداں سمجھو

مجھے سمجھنے سے پہلے بہت ضروری ہے
مرا کلام، مرا فن، مری زباں سمجھو

سمٹ کے رہ گیا لفظوں میں سیفؔ حسنِ بہار
"شگفتِ گُل" کے تبسم کو جاوداں سمجھو

■ سیفؔ بھساولی

سکوت ٹوٹا ہے اِک ایسے دیدہ ور کیلئے
ترس رہا تھا جو برسوں سے اِک نظر کیلئے

کسے خبر تھی کہ کٹ جائیں گے ہمارے ہاتھ
دعائیں مانگی تھیں کیا ایسی ہی سحر کے لئے

چراغِ زخمِ تمنا نہ شمعِ سوزِ فراق
کوئی چراغ تو روشن ہو اپنے گھر کے لئے

مجھے بچھڑنے کا احساس کیوں دلاتے ہو
نظر کی چوٹ ہی کافی ہے عمر بھر کے لئے

بساطِ دل پہ اندھیروں کا جال پھیلا ہے
یہ اہتمام ہے اِک جنبشِ نظر کے لئے

پتہ کہیں نہ چلا جرمِ بے گناہی کا
دعائیں راس نہیں آئیں چشمِ تر کے لئے

کہاں تلک یوں ہی بکھرے گی روشنی نیّرؔ
بچائے رکھنا ذرا اپنی بھی نظر کے لئے

■ صلاح الدین نیّرؔ

مہا کوی کالیداس

سید مصطفیٰ کمال
مدیر شگوفہ حیدرآباد

مہاکوی کالیداس ہمارے وطن کی وہ عظیم ہستی ہے، جس کی تخلیقات نے سارے عالم کو متاثر کیا اور جس نے عالمی ادب کے خزانہ میں منفرد اور بیش بہا اضافہ کرکے شہرتِ دوام حاصل کی۔ اُس زمانے میں جبکہ دنیا فکروخیال کی دہلیز پر ابھی پوری طرح قدم بھی نہ رکھ پائی تھی، کالیداس نے نظم نگاری کا ایسا انوکھا نمونہ پیش کیا، جس کی قدیم ادب میں مثال نہیں ملتی۔ کالیداس کی عظمت اور ان کی تخلیقات کی اہمیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کہر میں لپٹے اس عہد کی تاریخ کو تو زمانے نے بڑی حد تک فراموش کردیا، لیکن کالیداس کی تحریریں، سیکڑوں برس گزرنے کے باوجود آج بھی ذہن و دل کے ایوانوں کو روشن رکھتی ہیں۔ ہر دور اور ہر زمانے میں دنیا کے ہر خطہ میں کالیداس کو قدیم ادب کا مینارۂ نور سمجھا گیا۔ دنیائے ادب کی اکثریت کالیداس کی زبان سمجھنے سے قاصر رہی لیکن کالیداس کی زبان میں ایسی تاثیر اور خیالات میں اس قدر فرحت و تازگی ہے کہ ترجمہ کے دبیز پردے بھی اس کی خوبیوں کو کم نہ کرسکے، اور اس نے دنیائے ادب کے شیدائیوں کا دل موہ لیا۔ دنیا کی اہم ترین زبانوں میں کالیداس کی تخلیقات کے ترجمے ہوچکے ہیں اور عالمی شہرت یافتہ ادیبوں نے کالیداس کی اہمیت کا بڑے عقیدتمندانہ انداز میں اعتراف کیا ہے۔

کالیداس کے حالاتِ زندگی اب تک بھی پورے طور پر دریافت نہیں ہوسکے ہیں۔ ان کی تخلیقات کی داخلی شہادتوں کی روشنی میں مختلف محققین نے اپنے اپنے انداز میں ان کا عہد متعین کرنے کی کوشش کی ہے کسی نے ان کی پیدائش کا سن ۲۳ سال قبل مسیح قرار دیا ہے تو کسی نے ۵۵۰ء۔ برطانوی انسائیکلوپیڈیا کے مرتبین نے لکھا ہے کہ کالیداس کا زمانہ ۵۵۰ء کا ہے۔ فرگوسن ۵۴۴ قبل مسیح مانتا ہے اور میکس مولر انھیں چھٹی صدی عیسوی کی شخصیت بتاتا ہے۔ اروند گھوش کا اندازہ ہے کہ

" وہ قدیم ہندوستانی تمدن کے تیسرے دور میں تھے اس دور کے غالب رجحانات مادی تھے۔ اس دور کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہوگا۔ پہلے دور میں اخلاقیات کا غلبہ تھا جس کی نمائندہ والمیکی کی رامائن ہے۔ دوسرے دور میں عقلیات کا غلبہ تھا جس کی مثال ویاس کی مہابھارت ہے۔ قدیم ہندوستانی تمدن، اس اخلاقی اور عقلی دور کی کئی صدیاں گزار چکا تھا کہ کالیداس کا وجود ہوا جو قومی بیداری کے تیسرے دور کے نمائندے ہیں"

دراصل یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ہندوستان مہذب قوم کی تمام تر خوبیوں سے آراستہ ہوچکا تھا۔ درباروں میں فنونِ لطیفہ کے چرچے تھے۔ فنکاروں، ادیبوں، شاعروں اور تخلیق کاروں کی خاطر خواہ سرپرستی کی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے موسیقی، تصویرکشی، نقاشی، فنِ تعمیر اور رقص و سرود کے میدان میں یکتائے روزگار پیدا ہورہے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ فلسفہ، منطق، قانون، سائنس اور دوسرے علوم پر مہارت حاصل کی جارہی تھی۔ ایسے دور میں کالیداس جیسی شخصیت کا پیدا ہونا باعثِ حیرت تو نہیں لیکن اس جاگیردارانہ تعیش پسند ماحول میں جبکہ مذہبی تحریریات ہر قدم پر حقیقت پسندانہ جذبات کے اظہار میں مانع تھیں، ایسی چیزیں پیش کرنا جو نہ صرف شہرتِ عامہ حاصل کریں بلکہ زندہ و تابندہ ادب میں اعلیٰ مقام حاصل کرلیں، بڑا مشکل کام ہے۔

اکثر ہندوستانی محققین کالیداس کو اُجین کا متوطن بتاتے ہیں۔ کالیداس کی ناٹک "وکرم موروشیم" کے حوالے سے یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ کالیداس اجین کے راجہ وکرمادتیہ کے درباری شاعر تھے۔ بعض کمزور روایتوں کے بموجب کالیداس بچپن میں پڑھ نہ سکے۔ ایک راجکماری ودیاوتی سے ان کی شادی ہوئی اور اسی کی سرپرستی میں انھوں نے تمام علوم میں دستگاہ حاصل کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ برہمن تھے اور کالی دیوی کی برکت سے ان میں عالمانہ نگاہ اور شاعرانہ ذہانت پیدا ہوئی، مگر بعض راویوں نے انھیں معمولی ذات کا بتایا ہے۔ ان کی تصانیف کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں زندگی کی راحتیں میسّر تھیں، وہ امیر آدمی تھے سوسائٹی میں انھیں اعلیٰ مقام حاصل تھا لیکن اس امارت اور بےفکر زندگی نے ان کے احساسات کو مُردہ ہونے نہ دیا۔ انسانی زندگی کی ہر کیفیت کو انھوں نے لفظوں کی صورت دی ہے۔ خوشی و غم،

عیش و عشرت و بے سروسامانی ، کامیابی و ناکامی ، امارت و غربت ، محنت و آرام طلبی ، ہر حالت اور ہر جذبہ کے وہ ترجمان ہیں لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ انھیں اپنی دھرتی سے پیار تھا ۔ اس دھرتی سے جسے ان کے پیش کردہ ایک کردار سے منسوب کرکے ہم بھارت ورش کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ بھارت کے چپہ چپہ سے انھیں عشق تھا ، ان کی تخلیق " میگھ دوت " اور جستہ جستہ اشعار اس عشق کا ثبوت ہیں ۔ ایسے زمانہ میں جب کہ آمد و رفت کے وسائل محدود تھے ، کالیداس نے سرزمینِ ہند کے ہر حصہ کا جس انداز میں ذکر کیا ہے ، اس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ان علاقوں کا تفصیلی دورہ کیا تھا ۔ آسام ، بنگال ، اڑیسہ ، ملابار کے ساحل اور ملایا کے پہاڑ سے ہمالہ کی برفانی چوٹیوں تک وہ پہنچے تھے ۔ یہی نہیں بلکہ ان علاقوں میں پیدا ہونے والے پھل پھول ، پتوں ، پوجے جانے والے بتوں ، قدرتی مناظر ، آم و ٹلکے کی رُت ، رسموں ریتوں اور تہواروں کا وہ تفصیلی تذکرہ کرتے ہیں ۔ دھرتی ماتا پر پھیلا حسن ، قدم قدم جوانیاں ، روش روش کہانیاں ، بل کل میں ملبوس کومل کومل بدن کی گوری چٹی نازک اندام لڑکیاں ، لچکتی کمر پر گاگریں ، پیڑوں میں کنول کی بنی جھانجھنیں ، کانوں میں سرس کے پھول ، ماحول پر شفق سے نکلی دھول ، ان کی آپسی چھیڑ چھاڑ ، رنج و غم ، ان کے تلوؤں میں کشا کے کانٹوں کا چبھ جانا ، ان کی آنکھوں کے من مندر میں کسی چندر کرن کی جوت جیسے سندر بانکے البیلا دیوتا کا کھپ جانا ۔۔۔ مرقع نگاری اور انسانی جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے کہ ان کی شاعری میں رچ بس گیا ہے ۔ قدیم ہندوستان کا دل ان کی نظموں میں دھڑکتا نظر آتا ہے ۔ ماضی کے وہ دن جبکہ انسان کا ظاہر و باطن ایک تھا ، چہرے تصنع سے عاری ، بد اور بدی کے خلاف انسان ہی نہیں دیوتا بھی برسرِپیکار رہتے ۔ خرابیاں اس سماج میں بھی تھیں لیکن کم کم ۔ ان برائیوں کے خاتمہ کے لئے ہر کوئی تیار نظر آتا ہے ۔ صرف ایک برائی ایسی ہے جس کے خلاف لب کشائی کی جرأت بہت کم کسی نے کی ۔ وہ ہے ذات پات کی تفریق ۔ کالیداس بھی اس معاملہ میں مجبور نظر آتے ہیں اور اس خاردار مسئلہ سے وہ بھی دامن بچا گئے ۔

مہاکوی کالیداس نے تین ڈرامے " ابھیگیان شکنتلم " " وکرم مورو شیم " " مالویکا اگنی مترم " اور چار طویل نظمیں میگھ دوت ، رتو سنہار ، کمار سمبھو اور رگھوونش لکھی ہیں ۔ ان کے علاوہ بھی بعض دوسری نظمیں ان سے منسوب کی جاتی ہیں لیکن قطعیت کے ساتھ اس بارے میں تحقیقی ثبوت نہیں مل سکا ہے ۔

انھیں اپنی دھرتی سے پیار تھا ۔ اس دھرتی سے جسے ان کے پیش کردہ ایک کردار سے منسوب کرکے ہم بھارت ورش کے نام سے یاد کرتے ھیں !

کالیداس کی طویل نظموں میں سب سے زیادہ شہرت " میگھ دوت " کو حاصل ہوئی ۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ کالی داس کی " میگھ دوت " کسی خاص شہر ، خطہ یا ملک کی میراث نہیں بلکہ ہر انسان ، چاہے وہ کسی علاقہ کا باشندہ ہو اور کوئی بھی زبان بولتا ہو ، اس کی حقیقت پسندانہ عکاسی سے محظوظ ہوسکتا ہے ۔ ڈراموں میں یوں تو تینوں مقبول ہیں لیکن " ابھیگیان شکنتلم " ایک لافانی شاہکار ہے جس کے مرکزی کردار کے بارے میں گوئٹے جیسا جرمنی کا مشہور شاعر رطب اللسان نظر آتا ہے ۔

" شکنتلا " انجم کا روپ ، شہر سما کا حسن ، ایک بجلی ۔۔۔ ایک شعلہ ہے جس کا راجہ سے عشق ، وواہ اور مہجوری کی داستان اس ڈرامے میں نظم کی گئی ہے ۔ سنسکرت کے قدیم اہم ڈرامہ نگاروں میں کالی داس کو ممتاز مقام حاصل ہے ۔ دوسرے ڈرامہ نگاروں کی طرح وہ بھی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے ڈراموں میں رومانی کیفیات پیدا کرتے ہیں اور ڈرامائی عناصر کو برتتے ہیں ۔ ان کے ناٹک خود ان کی زبان میں ۔۔۔ " انسان کی بدیوں ، خوبیوں ، حرکات ، احساسات ، جذبات ، توقعات ، خواہشات اور ہر قسم کے افعال کے پیش کرنے اور مختلف طبائع مذاق اور فطرت کے انسانوں کو مسرور کرنے کے مقصد کی تکمیل کرتے ہیں ۔"

کالی داس کی تخلیقات میں زندگی اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے ۔ لطف یہ ہے کہ سیکڑوں برس قبل انھوں نے ہر طرح کے جذبات و احساسات کو پوری کامیابی کے ساتھ نظم کیا ہے ۔ ان کی نظموں کے مناظر اور انکی پیش کردہ تصویروں میں زندگی کا حقیقی رنگ ملتا ہے ۔ اسی وجہ سے ہم کالی داس کو مہاکوی کہتے ہیں اور یہی خوبی انھیں ادبی تاریخ میں اہم مقام دلاتی ہے ۔

●●

تصویر کے دو رُخ

نشاط ہندی

پہلا رُخ

راستہ پُرخطر، منزلیں بے ثمر، بڑھ رہے ہیں قدم جانبِ رنج و غم
اک عجب شور سا زندگی میں بپا، لے کے انگڑائیاں خواب ہیں منتشر
آئینہ دیر کا پا سکا نہ ابھی نقشِ آدم لئے، عکسِ انسان کا
مدتوں سے مچلتے ہیں ارمانِ دل، اور ٹھوکر لگاتے رہے سنگدل
ہوش آتا نہیں پھر بھی انسان کو، دوش دیتا رہا ہے وہ شیطان کو

خود خودی سے پرے، بیخودی میں گھرے، چل رہے قافلے، کوئی منزل نہیں
کشتیٔ نوح تو آج بھی ہے جہاں، دور تک اس کی نظروں میں ساحل نہیں
الغرض ہر طرف شورِ طوفان ہے اور حوادث میں غرقاب انسان ہے
کوششیں کر رہا ہے ازل سے مگر، زلفِ گیتی سنوارے سنورتی نہیں
خواب کے دوش پر ریت کے کچھ محل دیکھتی ہے نظر، پر ٹھہرتی نہیں
ذہن و ادراک میں فتنے پایاب ہیں اور خموشی ہے ظلمت کا سایہ لئے
فکرِ تیرہ میں تدبیر کی اک کرن سے ہزاروں محل ہم بنایا کئے
سطحِ دہر سے جھاگ اُٹھتے رہے اور فضائیں مکدر بھی ہوتی رہیں
غفلتوں کے جزیروں میں اہلِ خرد کی خرد روز و شب یوں ہی سوتی رہیں
سیکڑوں پرچمِ فتح مندی لئے سیکڑوں صبح جلوے نئے لائی ہے
ہر سحر اپنے پیچھے ہے ظلمت لئے ہر ظفر ساتھ میں ہار بھی لائی ہے
جب خیالاتِ شاعر بہکنے لگے، چشمِ انساں میں شعلے دہکنے لگے
آزمائے گئے پھر تو دار و رسن، کتنے منصور کے سر ڈھلکنے لگے
خواب دیکھا تو کتنی زلیخاؤں نے پر ملی نہ انھیں کوئی تعبیر بھی
مصر ہی کی طرح کتنے بازار میں کتنے یوسف بکے بلکہ تقدیر بھی
ہر طرف ابنِ فرعون گاتے رہے اور شدّاد جنّت بناتے رہے
قتلِ عیسیٰ بھی ہوتا رہا دہر میں اور خدائی کے دعوے بھی ہوتے رہے
معرکِ رود ملبے، نقشِ بابل گرے، طور جلتے رہے، ہوشِ موسیٰ اُڑے
شورِ مجنوں سے ہیں گونجتی وادیاں، نجد کی آج بھی کوئی لیلیٰ نہیں
کتنے فرہاد ہیں آبلہ پا مگر، کوئی شیریں نہیں، کوئی سلمیٰ نہیں
دل دھڑکتے رہے، سیج سجتی رہیں، کتنے ارماں تڑپتے رہے ہجر میں
کتنے ویرانے آباد ہوتے رہے اور مٹتی رہیں بستیاں دہر میں
خشک سالی ہوئی کھیت جلتے گئے، جسم پلتی رہیں کتنی سیتائیں بھی
بندرابن میں گوکل کا چندا گیا اور نچائی گئیں کتنی رادھائیں بھی
چند ہیرے بٹے لٹنے عصمتیں کتنے راجاؤں نے رانیاں ہار دیں
تو مقابل کھڑے پانچ لڑتے رہے اور سیاست میں سب بانیاں ہار دیں

دوسرا رخ

نقرئی پائلوں کی کھنک کے سوا کان کچھ اور سننے کے عادی نہ تھے
کچھ ستم آج توڑے گئے اس طرح دل تو روتا رہا اشک خاموش تھے
بات بڑھتی رہی، رات گھٹتی رہی، شمع جلتی رہی، غم سلگتا رہا
صبح ہونے تلک، آنکھ سوئے فلک، ہاتھ اٹھا رہا، دل دھڑکتا رہا
دیکھ پہلی کرن، دل کی ٹوٹی لگن، کچھ بڑھا کے جلن جا کے خود سو گئی
میری قسمت پہ جاتی ہوئی تیرگی دیکھ پہلی کرن اس طرح رو گئی
اس کے آنسو بہے، بہہ کے شبنم بنے، دھل گیا گلستاں، بند کلیاں کھلیں
جستجو میں بڑھی جو نسیمِ سحر ڈالیاں جھوم کر یوں گلے سے ملیں
جیسے روٹھے ہوئے کو منائے کوئی جھوٹے قصّے گڑھے اور سنائے کوئی
میرے گیتوں کو خلوت کدے میں کبھی بے خیالی میں جوں گنگنائے کوئی
ہاتھ میں لے کے ساحر کی پرچھائیاں، میری غزلوں کو جو گنگناتے رہے
نام آیا مرا تو پلک جھک گئی، ٹھیک آنچل کیا، شعر گاتے رہے

اس طرف کچھ نشاطِ جنوں بڑھ گیا، خارِ دوراں کو سینے لگانے بڑھے
خارِ گلشن بنے، باغباں جل گیا، پاؤں میرے کسی کو بلانے بڑھے

خواجہ عبدالغفور

دولتِ مشترکہ

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بہت پرانی بات نہیں ہے جبکہ ہندوستان کے ابتدائی مدارس میں برطانوی قومی ترانے کی دُھن پر ہندوستانی بچے برطانوی سامراج کی اقبال مندی کے ترانے گایا کرتے تھے۔ برطانیہ کا موثر اقتدار اعلیٰ مشرق سے مغرب تک ایسا پھیلا ہوا تھا کہ کہا جاتا تھا "برطانوی راج میں سورج غروب نہیں ہوتا۔"

آزادی کی لہر چلی۔ ماتحت ممالک جو برٹش راج سے وابستہ تھے رفتہ رفتہ آزاد ہوتے چلے گئے اور غلامی کا جُوا اپنے کاندھوں سے اتار پھینکا۔ لیکن باہمی تعلقات کو منقطع کرنا آزاد ہونے والے کئی ممالک نے بھی گوارہ نہیں کیا۔ تعلقات کئی قسم کے تھے۔ اقتصادی، تمدّنی، علمی، سیاسی۔ ان روابط کو بحال رکھنے کے لئے ایک انجمن بنی جسے کامن ویلتھ یا دولتِ مشترکہ کہتے ہیں۔ دستور ویسٹ منسٹر ۱۹۳۱ء کے الفاظ میں کامن ویلتھ ایک "آزاد انجمن" (فری ایسوسی ایشن) ہے جس کے فی الوقت ۳۱ آزاد خودمختار ارکان ہیں اور ان کے علاوہ برطانیہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے ماتحت ممالک بھی کامن ویلتھ کے ممبر ہیں۔ فی جی، ٹونگا اور مغربی ساموا (Somoa) ۱۹۷۰ء میں ممبر بنے۔ برطانوی غلامی کا جُوا اتار پھینکنے کے بعد جن ملکوں نے کامن ویلتھ کی رکنیت سے انکار کیا وہ حسب ذیل ہیں:

برما، آئرلینڈ، سوڈان، جنوبی افریقہ اور جنوبی یمن۔

کامن ویلتھ کوئی وفاقی حکومت نہیں ہے۔ اس کی نہ تو کوئی مرکزی حکومت ہے اور نہ ہی دفاع اور عدلیہ کے محکمہ جات ہیں۔ یہ آزاد اور خودمختار ممالک کی برادری ہے جس میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں قسم کے ممالک شامل ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوتے ہیں اور فنی انجمنوں، علمی اداروں تہذیبی و ثقافتی تبادلوں کے ذریعے ایک غیر مرئی بندھن قائم رکھتے ہیں۔ کولمبو پلان کے وظائف وغیرہ بھی اس کے تحت آتے ہیں۔ اس میں برطانیہ، آسٹریلیا نیوزی لینڈ اور کینیڈا جیسے پرانے ڈومینین (Dominion) کے علاوہ جنوب مشرقی ایشیا (ہندوستان، پاکستان اور سری لنکا) بھی ہیں جن کی آبادی تمام دنیا کی آبادی کا ایک چوتھائی ہے اور سابق برطانوی افریقہ کے وہ ممالک بھی شامل ہیں جنھوں نے حصولِ آزادی کے بعد کامن ویلتھ سے ترکِ تعلق نہیں کیا۔

دولتِ مشترکہ کے ممالک کی پارلیمانوں میں قانون سازی کی حد تک برطانیہ کی ملکہ کا اقتدار برائے نام ہے۔ ویسے ملکہ کو برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، سیلون، جمائیکا، ترینی داد (Trinidad) ٹوباگو، سیرالیون، مالٹا، فیجی، بارباڈوز اور ماریشس کی ملکہ کہتے ہیں۔ یہ تمام ممالک ملکہ سے وفاداری کا دم بھرتے ہیں اور اسے اس انجمن کی آزاد برادری کا سمبل (Symbol) سمجھتے ہیں۔

ان کے علاوہ کامن ویلتھ کے دوسرے ممبران بھی ہیں جو ملکہ کو آزاد برادری کا سمبل تو مانتے ہیں لیکن ملکہ کی وفاداری کا دم نہیں بھرتے۔ وہ ممالک ہیں: ہندوستان، پاکستان، گھانا، سائپرس، نائیجیریا، تنزانیہ، زمبیا، ملاوی، بوٹسوانہ، اوگانڈا، سنگا پور، کینیا، گیمبیا اور گوانہ جہاں صدر سربراہِ مملکت ہے اور لیسوتھو، سوازی لینڈ اور ٹونگا جن کے اپنے اپنے بادشاہ ہیں۔ یہ تمام ممالک ملکہ برطانیہ کو کامن ویلتھ کی سربراہ تصور کرتے ہیں لیکن اپنے داخلی، خارجی یا دفاعی معاملات میں کسی قسم کی بھی مداخلت کے روادار نہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، برطانیہ کے ماتحت ممالک بھی دولتِ مشترکہ کے ممبر ہیں۔ ان ماتحت ممالک میں نوآبادیات، کراؤن کالونی ٹرسٹ مری ٹوریز پروٹیکٹوریٹ، پروٹیکٹیڈ اسٹیٹس (تولیتی علاقے) کنڈومینیم (Condominium) اور لیز کے علاقے شامل ہیں، جو نہ خراج گذار ہیں اور نہ کوئی نذرانے ادا کرتے ہیں۔ یہ سب محض ایک

اعزازی رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں۔

نوآبادیات سے مراد مملکتِ برطانیہ کے وہ علاقے ہیں جو نوآبادکاری، فتح یا الحاق کی وجہ سے اس کے زیرِ اقتدار ہیں۔

پروٹیکٹوریٹ سے مراد وہ علاقہ ہے جو ازروئے معاہدہ، روایت قدیم، قانون یا خاموش رضامندی، تاجِ برطانیہ کے تصرف و اختیار میں ہے۔

زیرِ تحفظ مملکت وہ علاقہ جات ہیں جو اپنے فرامین کے تحت آزاد و خود مختار ہیں لیکن جن کی خارجی پالیسی پر حکومتِ برطانیہ اقتدار رکھتی ہے۔

۱۸۹۸ء میں چین کا کچھ حصہ حکومتِ برطانیہ نے ۹۹ سالہ lease پر حاصل کیا تھا اور جواب بھی ہانگ کانگ کے نام سے برطانیہ کے زیرِ اقتدار ہے، دولتِ مشترکہ میں شامل ہے اور Leased Territory کہلاتا ہے۔ کچھ علاقے ایسوسی ایٹیڈ اسٹیٹ (Associated State) کہلاتے ہیں۔ یہ پہلے کالونی ہوا کرتے تھے اور اب خود حکمراں ہیں لیکن اپنا دفاع اور خارجی پالیسی برطانیہ کو سونپے ہوئے ہیں۔ آپس کے ان بندھنوں کو جو کہ کسی بندش کے بغیر قائم ہیں ہر طرح قائم و دائم رکھنے کے لئے ۱۹۶۵ء میں دولتِ مشترکہ کی سکریٹریٹ قائم کی گئی جس کا مستقر لندن ہے۔ یہ آپس میں ایک دوسری مملکتوں کے درمیان رابطہ قائم رکھتا ہے اور ہر سال دولتِ مشترکہ کے وزراء کی کانفرنس کے انتظامات کرتا ہے۔

اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اس سکریٹریٹ نے چند ہی مسائل کو سُلجھانے کی کوشش کی ہے وہ بھی بہ احتیاط تمام ہوشیاری اور دانش مندی کے ساتھ۔ دولتِ مشترکہ کے اہم مسائل میں نائیجیریا کی سِول وار، رہوڈیشیا کی جنگِ آزادی اور جنوبی افریقہ کو اسلحہ کی فروخت، یہ بڑے پیچیدہ مسائل اُٹھ کھڑے ہوئے تھے جنہیں سلجھایا تو نہ جا سکا مگر یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ انھیں زیادہ اُلجھنے سے روکا ضرور گیا۔ دولتِ مشترکہ کے جملہ مسائل میں جنوبی افریقہ کافی پیچیدگی کا حامل رہا اور اسی مسئلہ پر اراکین میں اختلافِ رائے قائم ہے۔ اسی طرح رہوڈیشیا کے باغیانہ ردِّ عمل نے بھی کافی تشویشناک صورت اختیار کر لی تھی۔ سنہ ۱۹۶۳ء میں نیاسالینڈ اور رھوڈیشین فیڈریشن ٹوٹ گیا اور مملکت ہائے زیمبیا اور مالاوی الگ قائم ہو گئیں۔ رھوڈیشیا کے مٹھی بھر برطانوی نژاد لوگوں نے اپنی آزاد حکومت قائم کرنے پر زور دیا۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ یہی ہوگا کہ پچاس لاکھ افریقی ڈھائی لاکھ انگریزوں کے زیرِ حکومت رہیں گے۔ اس تحریک کو بڑھاوا دینے کی وجہ سے افریقہ والے دولتِ مشترکہ کے مخالف ہو گئے ہیں اور اس تنظیم کو زبردست دھکّا لگا ہے۔ سنہ ۱۹۶۶ء کی دولتِ مشترکہ کی کانفرنس میں اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی گئی۔ بحرِ جبرالٹر میں ایچ۔ایم۔ایس ٹائگر پر جو راز کی میٹنگیں ہوئیں وہ Ride on the Tiger اور ایچ۔ایم۔ایس فیرلیس پر اسی طرح کی جو میٹنگیں ہوئیں وہ Fearless Talk کہلائیں۔ جنوری سنہ ۱۹۶۹ء میں دولتِ مشترکہ کے وزرائے اعظم کی جو کانفرنس لندن میں ہوئی وہ بھی کوئی دور رس نتائج کی ذمّہ دار نہ ہوسکی۔ البتہ ایک نیا Constitution تیار کیا گیا اور حکومت کے لئے ایک نیا فریم ورک، جس میں یہ توقع رکھی گئی کہ رھوڈیشیا 'ایک فرد ایک رائے' کے اصول کو اپنائے گا۔ اور اس وقت یہ کہا گیا کہ اب "گفتگو کے بارے میں گفتگو" کی جائیگی۔ جنوبی افریقہ کو اسلحہ کی فروخت پر پابندیوں کے خلاف بھی کافی شور پکار مچا لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔

سنہ ۱۹۷۱ء میں دولتِ مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس جو ماہ جنوری سنہ ۱۹۷۱ء میں سنگاپور میں منعقد ہوئی اس میں بھی یہی سوال زیرِ بحث رہا کہ جنوبی افریقی ممالک کو اسلحہ کی فروخت پر پابندیاں لگائی جائیں۔ زیمبیا کے صدر کاؤنڈا نے کانفرنس کو جو عرضداشت پیش کی تھی اس پر سے یہ الزام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ دولتِ مشترکہ کے کرتا دھرتا نسلی امتیاز اور بُرے برتاؤ کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کرنے کو تیار نہیں جس پر یہ وضاحت کی گئی کہ دولتِ مشترکہ محض دوستی اور خیر سگالی کے بندھنوں کے تحت کارفرما ہے اس لئے ہٹ کر اس کے پاس نہ کوئی طاقت ہے نہ کوئی حربہ یا آلۂ کار۔

بہرحال برطانیہ نے فروختِ اسلحہ کی اپنی حکمتِ عملی کو قانونی طور پر جائز قرار دیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر سنہ ۱۹۷۱ء کی کانفرنس کی یاد کچھ ناخوشگوار تھی اور اکثریت کا خیال ہے کہ آئندہ اس قسم کی کسی کانفرنس کے انعقاد کا امکان اور جواز باقی نہیں۔

آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوب مشرقی ایشیا کے مسائل کچھ اور رنگ رکھتے ہیں اور آپس میں ایکدوسرے کو محض دولتِ مشترکہ کے بندھن کے تحت جنگی یا مدافعتی امداد دینے سے انکار کر دیا گیا۔ دولتِ مشترکہ کی اہم ترین مملکت کنیڈا کا بڑا ہی کٹھن مسئلہ ہے۔ انگریزی بولنے والے اور فرنچ بولنے والوں کے آپس کے تعلقات جو کسی قدر ناخوشگوار ہوتے جاتے ہیں، سرکاری زبان بنیادی حقوق، علاقہ واری غیر مساوات وغیرہ کے جھگڑے اور مسائل دولتِ مشترکہ کے نام کو دھکّا لگا رہے ہیں۔

دولتِ مشترکہ کے ارکان ایکدوسرے سے اپنی دیرینہ روایات، رشتے اور بندھن کی وجہ سے بہت زیادہ قریب ہیں۔ ان ممالک کی سوچ اور حکمتِ عملی ایکدوسرے کے لئے مفید اور سودمند ہیں۔ انہیں اصولوں کے پیشِ نظر دیگر ممالک نے کامن مارکیٹ، اکنامک کمیشن، اکنامک کوآپریشن اینڈ ڈیولپمنٹ، کونسلِ آف یورپ، مغربی یورپ کی یونین وغیرہ جیسی تنظیمیں تیار کی ہیں لیکن جو اہمیت دولتِ مشترکہ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں، اور ہماری خوش آئند توقعات اس سے بہرحال وابستہ ہیں۔

●●

ایم۔ ڈی۔ چودھری

خوشحالی درختوں سے وابستہ ہے

شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیرِ جنگلات نے طلباء اور ان کے سرپرستوں سے اپیل کی ہے کہ وہ یکم جولائی ۱۹۷۴ء سے شروع ہونے والے "وَن مہوتسو" کے دوران شہری اور دیہی علاقہ جات میں زیادہ سے زیادہ درخت بونے کی کوشش کریں۔ وزیرِ موصوف کی اپیل کا متن یہ ہے:

"چودہ سال ہوئے، وَن مہوتسو اس مقصد سے شروع کیا گیا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں درختوں سے محبت اور لگاؤ پیدا کیا جائے جس میں بالآخر قومی بھلائی مضمر ہے۔ گو اس مقصد کے حصول میں جزوی طور سے کامیابی حاصل ہوئی ہے تاہم میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ لوگوں پر قومی معیشت میں درختوں کی اہمیت واضح کرنے کے لئے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ وَن مہوتسو کے باعث اب تک جو دلچسپی اور جوش پیدا ہوا ہے اسے بڑھانے اور برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔ میں یہ بھی جتا دینا چاہتا ہوں کہ درخت بونے کے بعد اس کی دیکھ بھال نہایت ضروری ہے۔ اس کی غور و پرداخت نہ کی گئی تو وہ ضائع ہو جائے گا اور یہ قومی نقصان بھی ہوگا۔

درختوں سے ہمارا گہرا رشتہ ہے۔ درخت کئی طرح سے انسان کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان سے ہمیں عمارتی لکڑی، ایندھن، چارہ اور دیگر بیش قیمت اشیاء حاصل ہوتی ہیں۔ ان سے صنعت کو بڑی حد تک خام مال ملتا ہے۔ زراعت اور جنگلات تو ہر طرح سے ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ یہ درختوں سے حاصل ہونے والے نمایاں تحفے ہیں۔ ان سے ہوا پاک و صاف ہوتی ہے جس میں ہم سانس لیتے ہیں۔ موسم معتدل رہتا ہے۔ یہ زمین کو سیلاب کی تباہ کاری سے بچاتے ہیں اور ندیوں کے بہاؤ کو ٹھیک رکھتے ہیں۔

یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہم نے درختوں سے اپنے رشتہ کو توڑ دیا ہے اور اس ہری بھری دولت کو لٹا رہے ہیں۔ دیہی علاقہ جات میں لکڑی، چارہ اور خصوصاً ایندھن کی بڑی مانگ ہے۔ گوبر ایک بیش قیمت کھاد ہے جس سے کھیت کی زرخیزی بڑھتی ہے۔ لیکن اسے آج بھی ایندھن کے طور پر استعمال کر کے برباد کیا جا رہا ہے۔

اندازہ ہے کہ آئندہ ایندھن کی لکڑی کی مانگ بے انتہا بڑھ جائے گی اور طلب اور رسد کے مابین فرق بہت وسیع ہو جائے گا۔ یہ کمی کافی حد تک گاؤں کے چاروں طرف درخت لگا کر پوری کی جا سکتی ہے جہاں خاص طور پر کھپت زیادہ ہے۔ ایسے درخت گاؤں کی بے کار زمینوں پر، چراگاہوں پر اور سڑکوں نیز نہروں کے کنارے لگائے جا سکتے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک گاؤں جس کی آبادی ۵۰۰ نفوس پر مشتمل ہے اس کو ایندھن کی لکڑی کے لئے خود کفیل ہونے کے لئے تقریباً ۱۸ ہیکٹر زمین کی ضرورت ہوگی۔ موجودہ حالت ایک منفی تصویر پیش کرتی ہے۔ جنگلات کے باہر کی ایندھن کی لکڑی بغیر اس کا متبادل پیدا کئے تیزی سے صرف کی جا رہی ہے۔ اس لئے ہم نے حالات کی نزاکت کا اندازہ لگایا ہے اور مستقبل کے لئے بامقصد منصوبہ بنایا ہے تاکہ ایک خطرناک صورتحال سے نمٹا جا سکے۔

خاص طور پر تعلیمی ادارے اپنی سمجھدار برادری کے ساتھ وَن مہوتسو کو حقیقی بڑھاوا دے سکتے ہیں۔ اس تحریک کو دوبارہ حوصلہ فراہم کرنے کی غرض سے حکومت نے ۱۹۷۱ء میں ایک نظرثانی شدہ اسکیم شروع کی تھی جس کے تحت چند ضروری قسم کے درختوں کے لگانے کو تسلیم کیا گیا جس میں عملی پہلو اور مؤثر درخت کاری کا خیال رکھا گیا تھا۔ ان اقسام میں یہ شامل ہیں: اجتماعی درخت لگانا تاکہ موضع جات کی بے کار زمینوں نیز سرکاری زمینوں پر معاشی طور پر مناسب ترقی ہو سکے جو کہ اس مقصد کے لئے خصوصی طور پر مختص کی گئی ہیں۔ تعلیمی اداروں کی جانب سے درخت کاری، سڑکوں پر دو رویہ درخت کاری اور نہروں کے دونوں جانب درخت

یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہم نے درختوں سے اپنے رشتہ کو توڑ دیا ہے اور اس ہری بھری دولت کو لٹا رہے ہیں !!؟

لگانا جو کہ گاؤں والوں یا تعلیمی اداروں کی جانب سے کیا جائے گا، مقامی باڈیوں اور اداروں اور افراد کی جانب سے درخت کا لگایا جانا۔

اسکیم بیج اور قلمیں رعایتی شرح پر فراہم کر کے نیز نقد انعامات اور رولنگ شیلڈ برائے بہترین کام کے ذریعے حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ مزید حوصلہ افزائی کے طور پر حکومت نے یکم جون ۱۹۷۴ء سے تعلیمی اداروں اور دوسرے شہری اداروں کو درج ذیل سہولتیں فراہم کی ہیں جو یہ ہیں: جنگلاتی اور سرکاری زمین ۴- ایچ اے تک الاٹ کی جائے گی جو کہ مستقبل میں اور بڑھائی جا سکتی ہے۔ ذان ہو تسو میں بہترین کارگذاری کیلئے گڑھوں اور ٹیلوں کے ذریعہ باڑھ باندھنے کیلئے خرچ حکومت برداشت کرے گی۔ بشرطیکہ اس کی حد ۱۲۵ روپے فی ہیکٹر تک ہو۔ محکمۂ جنگلات باڑھ باندھنے کے کام میں مدد کرے گا۔ پودے موجودہ نرخ کے نصف پر فراہم کئے جائیں گے۔ تعلیمی ادارے اور دوسرے سیوک ادارے کل کا ۲۵ فیصدی استعمال کرنے کے حق دار ہوں گے۔ باقی سرکار کی ملکیت ہوگی۔

درخت لگانے کے لئے جو علاقہ الاٹ کیا جائیگا وہ دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی ۷۵ فیصدی معاشی طور پر اہم درختوں کے لیے اور ۲۵ فیصدی آرائشی درختوں کے لئے، سایہ دار درختوں کے لئے ایک ہیکٹر الگ رکھا گیا ہے جو کہ جڑی بوٹیوں کے لئے ہوگا۔ ان میں کا ایک حصہ درختوں کی نرسری اور بچوں کے کھیل کے لئے محفوظ کیا جائے گا۔

ان کاموں کی عمل آوری کے لئے محکمۂ جنگلات تمام ممکن مدد اور ٹیکنیکل ہدایات دے گا۔ چیف کنزرویٹر آف فاریسٹ ان اداروں کو الاٹ کردہ علاقہ برائے درخت کاری کی تفصیلات کو آخری شکل دے گا اور ضروری مدد اور رہنمائی فراہم کرے گا۔ درخت لگائے گئے علاقہ کو منظور شدہ اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کے مطالعہ کے لئے کھلا رکھا جائے گا۔ بہرحال اگر اس علاقہ پر تین سال کے عرصہ میں مناسب طور پر درخت نہ لگائے گئے یا ان کو ترقی نہ دی گئی تو حکومت واپس لے لیگی۔

ہمارے ملک کی ترقی جس طرح زیادہ اناج اگانے پر منحصر ہے اسی طرح زیادہ سے زیادہ درخت اگانے پر بھی ہے۔ اس بڑے کام کے لئے صرف تھوڑی سی محنت کی ضرورت ہے۔ درخت لگانے کے لئے تھوڑی سی کوشش اور بعد میں تھوڑی سی دیکھ بھال کے نتیجے میں ہمیں وہ درخت اس کا کئی گنا فائدہ پہنچاتا ہے۔

"اسی لئے عوام سے میں دلی گذارش کرتا ہوں، خاص طور پر طالب علموں سے کہ وہ ان سطور پر منظم کوشش کریں جو بہترین نتائج کا حامل ہوگا اور نہ صرف ہماری بعض معاشی مشکلات کو دور کرنے بلکہ اطراف کی خوبصورتی کو بڑھانے میں زبردست مددگار ہوگا۔"

کرشن موہن

نیند کی تتلیاں اُڑ گئیں

میں اُداس اور تنہا کھنڈر
جاگنا ہے مقدر مرا
سارا سنسار سوئے مگر
جاگے ہر ایک پتھر مرا

سوچنا، ذہن کا نوچنا
زندگی کا چلن بن گیا
پیار کے پھول مرجھا گئے
نیند کی تتلیاں اُڑ گئیں

زندگی

بے ہمتوں کو راس کب آئی ہے زندگی
زندہ وہ ہیں جنھوں نے بنائی ہے زندگی

کرنی پڑی ہے جنگ اک اک پل کے واسطے
کب آدمی نے بھیک میں پائی ہے زندگی

اِنساں کی جُراتوں نے پکارا ہے جس گھڑی
پردے سے موت کے نکل آئی ہے زندگی

تاریخ ساز ٹھہرا ہے وہ لمحۂ حیات
جب زندگی کی راہ میں آئی ہے زندگی

کچھ دردِ دل کا حق ہے تو کچھ دردِ دہر کا
اپنی ہے صرف اور نہ پرائی ہے زندگی

اے نامرادِ زیست! نہ کر موت کی دُعا
یوں ہے کہ آپ اپنی دُہائی ہے زندگی

زندانِ غم ہو، زہر کا پیالہ ہو یا صلیب
بے شرط کس کے سامنے آئی ہے زندگی

جاں دے کے حق کے واسطے دیکھو تو دوستو
کیوں فرض کر لیا کہ پرائی ہے زندگی

کچھ مخلصانِ عصر کو پرکھا ہے بار بار
کچھ اس طرح بھی ہم نے گنوائی ہے زندگی

ہم سے بھی رنگ مانگ رہا ہے رُخِ حیات
ہم کو بھی قتل گاہ میں لائی ہے زندگی

فانیؔ کا دور ہو کہ وہ نازشؔ کا عصر ہو
اِنسان کی سمجھ میں کب آئی ہے زندگی

□ نازش پرتاپ گڑھی

پرچھائیوں کی زنجیر

رات بھر نیند ستاروں کو نہ آئی ہوگی
زُلفِ دَوراں کی گرہ کھولتے زخموں کی تپش
کتنے سینوں کی خلش، کتنے غموں کی کاہش
جانے کس کس طرح آفاق پہ چھائی ہوگی!
رات بھر نیند ستاروں کو نہ آئی ہوگی

سخت جاں وقت کی آغوش میں پلتی ناگن
زیست کو ڈسنے کی تدبیر کیے جاتی ہے
چوٹ کھاتی ہے، تڑپتی ہے، بُجھے جاتی ہے
نیند سے چونکتے لمحات کے چہرے کی تھکن
لوحِ تاریخ پہ انگاروں کی تحریر لیے
صورتِ مہر اُبھرتی ہی چلی جاتی ہے
کتنی پرچھائیوں کی پھیلتی زنجیر لیے
راہ در راہ بکھرتی ہی چلی جاتی ہے

دردِ شب اور زیادہ مچل اُٹھے بھی تو کیا!
موم سا خواب کا جادو پگھل اُٹھے بھی تو کیا!
نیند سے چونکتے لمحات کے چہرے کی تھکن
جانے کس کس طرح آفاق پہ چھائی ہوگی

روشنی کتنے چراغوں نے گنوائی ہوگی!

حرمت الاکرام

رائے گڑھ میں چھترپتی شیواجی کا سہ صد سالہ جشن تاج پوشی

شیواجی کو شری وائی۔بی۔ چوان کا خراجِ عقیدت

"چھترپتی شیواجی صرف مہاراشٹر کے لیڈر نہ تھے۔ انھوں نے ان سب لوگوں کو متاثر کیا جو ناانصافی کے خلاف لڑتے ہیں۔ گوریلا طرز کی جنگ میں ان کا کارنامہ بے مثال ہے، جسکی زبردست دشمن کے خلاف لڑنے والوں نے ہمیشہ پیروی کی جیسا کہ ہم ویتنام میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔" ان الفاظ میں شری وائی۔ بی۔ چوان، مرکزی وزیر مالیات نے ۲ رجون کو رائے گڑھ میں چھترپتی شیواجی مہاراج کے سہ صد سالہ جشنِ تاجپوشی کی تقریب میں انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

اس تقریب کی صدارت کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے فرمایا۔ "شیواجی نے قوم میں خود اعتمادی کی فضا پیدا کی۔ ان کے اصول آج بھی ملک کی رہنمائی کے قابل ہیں۔"

قبل ازیں شری چوان نے تین سو سالہ جشنِ تاجپوشی کے سلسلے میں شیواجی مہاراج کے ایک مجسمہ کی نقاب کشائی کی۔ یہ مجسمہ مشہور سنگ تراش شری وی۔ جی۔ سہسر بودھے نے تیار کیا ہے۔ اس کا قد تقریباً ۳۴۳ ۶۲ میٹر اور وزن ۸۰۰ کلوگرام ہے۔

شری چوان نے آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا کے زیر اہتمام ایک نمائش "رائے گڑھ کے آثارِ قدیمہ" کا بھی افتتاح کیا جس میں شیواجی کی زندگی اور ان کے دور سے متعلق تصاویر اور جنگی ساز و سامان وغیرہ رکھا گیا تھا۔ آپ نے ایک سووینیر "شیوراج مُدرا" بھی جاری فرمایا جو ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔

مرکزی وزیر ریاست شری موہن دھاریہ نے سہ صد سالہ جشنِ تاجپوشی یادگار ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔

وزیر تعلیم شری اے۔ این۔ نامجوشی نے صدرِ جمہوریہ شری وی۔ وی۔ گری، وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی اور دیگر حضرات کی جانب سے موصولہ پیغامات پڑھ کر سنائے۔

ناگپور میں جشنِ تاجپوشی

شری این۔ ایم۔ تِڈکے، وزیر صنعت و محنت نے ۲ رجون کو ناگپور میں چھترپتی شیواجی مہاراج کے

۲ رجون کو،
میں منعقدہ
موقع پر گ
شری وی۔
وزیر اعلیٰ مہا
شری چوان
این نامجوشی
اور شری مو
مرکزی وز
برائے منص

سہ صد سالہ جشنِ تاجپوشی کے موقع پر عظیم
روشن خیال اور ہندوی سوراجیہ کے بانی چھ
شیواجی مہاراج کو دلی خراجِ عقیدت پیش
آپ نے فرمایا کہ شیواجی مہاراج کی
سہرا اُن کی ماں کے سر ہے جو ان کی م
نہیں بلکہ "گرو" بھی تھیں۔ سہ صد سالہ جش
کا مقصد تب ہی پورا ہوگا جب کہ ہم ش
تعلیمات کی پیروی اور ان پر عمل کریں۔

اس موقع پر شری تیج سنگھ نے افواج کی بہادری پر انعام یا فتہ
پتر" عطا کئے۔

قوم کے استحکام کے لئے شیواجی کے اصولوں پر عمل .... جگجیون رام

وزیر دفاع شری جگجیون رام، ۲ر جون کو شیواجی پارک بمبئی میں منعقدہ جلسہ میں تقریر فرما رہے ہیں ۔ تصویر میں ان کی دائیں جانب شری ڈی ۔ ایس۔ دلیسائی، صدر سمارک سمیتی اور ان کی بائیں جانب شری بھانو شنکر یاگنک بھی نظر آ رہے ہیں :

شری جگجیون رام، وزیر دفاع نے ۲ر جون کو شیواجی پارک بمبئی میں شری چھترپتی شیواجی مہاراج سمارک سمیتی کے زیر اہتمام چھترپتی شیواجی مہاراج کے تین سو سالہ جشن تاجپوشی کی تقریب میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے خطاب کرتے ہوئے چھترپتی شری شیواجی مہاراج کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت جتائی جنھوں نے زندگی بھر ایک سیکولر آزاد قوم بنانے کی جدوجہد کی تھی ۔

آپ نے فرمایا کہ شیواجی صرف ایک راجہ ہی نہیں بلکہ ایک رہنما بھی تھے جو ناانصافی کے خلاف لڑتا ہے ۔

ہندوستان کے 'نیوکلیر ٹیسٹ' پر تبصروں کا ذکر کرتے ہوئے شری رام نے بتایا کہ ہندوستان نے حملہ آور کی حیثیت سے کبھی سرحدوں کو پار نہیں کیا۔

سمارک سمیتی کے صدر، شری ڈی ۔ ایس ۔ دلیسائی نے بھی اس موقعہ پر خطاب فرمایا۔

شری بابو راؤ شیٹے، سکریٹری سمارک سمیتی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور شری تاناجی موہے دوسرے سکریٹری نے شکریہ ادا کیا ۔

جشن تاج پوشی پر قیدیوں کو عام معافی

چھترپتی شیواجی مہاراج کے سہ صد سالہ جشن تاجپوشی کے موقع پر حکومت مہاراشٹر نے بعض درجوں کے قیدیوں کو عام معافی نیز دیگر درجوں کے قیدیوں کو ریاستی معافی دے دی ہے ۔ ان عام معافی پانے والے قیدیوں میں عمر قید پانے والے ۶۵ سال کی عمر کے ضعیف قیدی، نابینا قیدی، ٹی۔بی، کوڑھ نیز کینسر وغیرہ جیسے ناقابلِ علاج امراض میں مبتلا قیدی، خواتین قیدی وغیرہ شامل ہیں ۔
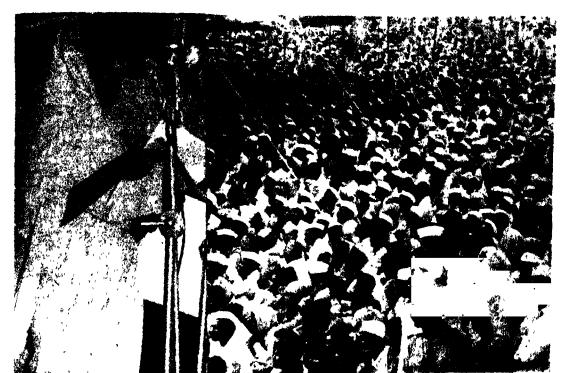
شریمتی نندنی ست پتھی، وزیر اعلیٰ اڑیسہ، ۱۴ار جون کو سندکھیڑ راجہ (ضلع بلڈانہ) میں ایک زبردست اجتماع کے سامنے جیجا بائی کو خراجِ عقیدت پیش کر رہی ہیں!

جیجا بائی کی زندگی سے خود اعتمادی کا سبق

شریمتی نندنی ست پتھی

" جیجا بائی کی زندگی سے خود اعتمادی کا سبق لے کر ہمیں قومی مقاصد کے حصول میں تمام رکاوٹوں کو دور کرنا چاہیے " اس خیال کا اظہار وزیر اعلیٰ اڑیسہ شریمتی نندنی ست پتھی نے جیجا بائی کی ۳۱ ویں برسی کے موقع پر ۱۴ار جون کو ان کی جائے پیدائش سندکھیڑ راجہ میں منعقدہ ایک تقریب میں بہ حیثیت مہمانِ خصوصی تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

شری اے۔ این۔ ناموشی، وزیر تعلیم نے اس تقریب کی صدارت فرمائی۔

شریمتی ست پتھی نے آگے فرمایا کہ قوم چھترپتی شیواجی مہاراج کی ممنونِ احسان ہے کیونکہ انہوں نے سب سے اول قومیت کا جذبہ پیدا کیا۔ ان کی فتوحات سے لوگوں کے دلوں میں امید اور اعتماد بحال ہوا۔ شیواجی کی کامیابی میدانِ جنگ تک محدود نہ تھیں بلکہ انہوں نے ان اقدار کو مستحکم کیا جو روایاتی ہندوستانی کلچر کا جزو ہیں۔

آپ نے مزید فرمایا کہ جیجا بائی اعلیٰ نسوانی خوبیوں کی مالک تھیں۔ انہوں نے شیواجی کے کردار کو بڑی لیاقت سے ڈھالا اور ان کو اعلیٰ تربیت دی جس سے وہ ایک مثالی انقلابی بن گئے جیجا بائی کا اثر نہ ہوتا تو شیواجی کی زندگی کچھ اور ہی رُخ اختیار کرتی۔

شریمتی ست پتھی نے آخر میں فرمایا کہ جیجا بائی کی عظیم زندگی کی یہی خوبیاں اور اہمیت ہے جو مجھے آج اڑیسہ سے مہاراشٹر لے آئی ہے۔ ہم اس عظیم خاتون کو صرف اسی طرح خراجِ عقیدت پیش کر سکتے ہیں کہ ہم ہمیشہ متحد رہیں اور مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے یکجہتی کے ساتھ کام کریں۔

شری اے۔ این۔ ناموشی، وزیر تعلیم نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ راج ماتا جیجا بائی نے اپنی تمام زندگی شیواجی کے جیسے عظیم لیڈر پیدا کرنے میں لگادی تاکہ درماندہ لوگوں کی مشکلات دور ہوں۔ وزیر موصوف نے یہ بھی اعلان کیا کہ سندکھیڑ راجہ میں ایک پبلک انسٹی ٹیوٹ قائم کیا

مشہور فلمی اداکارہ شریمتی نرگس دت نے 'سود[illegible] جاری کیا جو ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن پبلک ریلیشنز نے اس موقع پر خصوصی طور سے تیا[illegible]

قبل ازیں شریمتی نندنی ست پتھی، وزیر اع[illegible] نے 'سندکھیڑ راجہ تا پاچاڑ' نمائش کا افتتا[illegible] اس پروگرام سے پہلے 'منگلاچرن اور جیجا ماتا' شری وسنت دلیبائی، اعزازی میوزک ڈائرکٹ[illegible] مہاراشٹر نے پیش کئے۔ نیز شریمتی سومن دھ[illegible] نے ایک دیہی ناٹک 'جیجاؤ' پیش کیا۔

شری کلیان راؤ پاٹل، وزیر ریاست [illegible] نے بھی اس موقع پر خطاب فرمایا۔

شریمتی پربھا راؤ، وزیر ریاست بر[illegible] نے حاضرین کا خیر مقدم کیا اور شری جی سرنائک، وزیر ریاست برائے شہری صحت، عمارات و مواصلات نے شکریہ ادا[illegible]

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر ۱۴ر جون کو پاچاڑ میں جیجا بائی کی ۳۰۰ ویں برسی کے موقع پر ان کی یاد میں منعقدہ جلسے سے خطاب فرما رہے ہیں۔ شری اے۔ آر انتولے، وزیر عمارات و مواصلات، شریمتی کاکوڈکر، وزیر اعلیٰ گوا، شریمتی وتسلا بائی نائک اور شری سیتو مادھو راؤ پگڑی بھی تصویر میں نظر آ رہے ہیں۔

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

...ئیں جیجا بائی کے نقشِ قدم پر چلیں... شریمتی کاکوڈکر

"ہندوستانی مائیں جیجا بائی ماتا کے اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنے بچوں کی تربیت کریں، تاکہ ...ندوستان کا مستقبل روشن ہو۔ یہی ان کی یاد کو سچا خراجِ عقیدت ہوگا۔" یہ نصیحت شریمتی ششی کلا ...کوڈکر، وزیر اعلیٰ گوا نے راج ماتا جیجا بائی کی ۳۰۰ ویں برسی منانے کے موقع پر بحیثیت مہمانِ خصوصی ...زیر کرتے ہوئے فرمائی۔

آپ نے فرمایا کہ چھترپتی شیواجی مہاراج ...، گوا اور مہاراشٹر کے درمیان رشتہ قائم کیا ...ا۔ اسی لئے میں اس جلسے میں شرکت کرنے اور اپنے ...ر گوا کے لوگوں کی جانب سے جیجا ماتا کو خراجِ ...یدت ادا کرنے آئی ہوں۔

اس جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے شری ...، پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے فرمایا کہ "یہ ...ا مناسب ہوگا کہ ریاست مہاراشٹر کا قیام

سنہ ۱۹۶۰ء میں نہیں بلکہ ۳۵۰ سال قبل راج ماتا جیجا بائی کے حسنِ عمل میں آیا تھا۔ وہ وِدربھ میں

پیدا ہوئی تھیں، مراٹھواڑہ میں ان کی شادی ہوئی اور مغربی مہاراشٹر میں انہوں نے بڑی لیاقت سے کام کیا۔ ان کی زندگی مہاراشٹر کی یکسانیت اور یکجہتی کا مظہر ہے۔" آپ نے اعلان فرمایا کہ جیجا ماتا کی یاد میں ایک ادارہ پاچاڑ میں قائم کیا جائے گا۔

مشہور و معروف تاریخ داں شری سیتو مادھو راؤ پگڑی نے سووینیر 'راج ماتا جیجا بائی' جاری کیا جو ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز نے تیار کیا ہے۔

شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر عمارات و مواصلات نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

شری حسین محمد مانگارے، صدر ضلع پریشد نے شکریہ ادا کیا۔

شریمتی کاکوڈکر، وزیر اعلیٰ گوا، پاچاڑ میں راج ماتا ...بائی کی سمادھی پر پھول چڑھا رہی ہیں۔

تصاویر کی نمائش

گورنر نے افتتاح فرمایا

شری علی یاور جنگ، گورنر مہاراشٹر نے ۱۱ رجون کو جہانگیر آرٹ گیلری، بمبئی میں مہاراشٹر سے متعلق اسکیچ تصاویر کی ایک نمائش کا افتتاح فرمایا جو حیدرآباد کے ماہر معمار فنکار شری میر عظمت علی خان نے بنائی تھیں۔ شری کے۔ پی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت و محنت مہمان خصوصی تھے۔

شری خان نے ناسک، پونا اور اورنگ آباد میں قدیم یادگاروں اور مندروں کی دلکش تصاویر نیز بمبئی میں واقع اعلیٰ فنِ عمارت کا نمونہ جدید عمارتوں کی تصاویر پیش کی تھیں۔ تاریخی شہروں مثلاً نئی دہلی، بنارس، حیدرآباد، بنگلور اور چنڈی گڑھ سے متعلق اسکیچز کی بھی نمائش کی گئی تھی۔

۲۵ ویں بار عطیۂ خون

ریاستی ملازم کا ایثار

شری آنند گوڈبولے نے جو سچیوالیہ میں ریاستی حکومت کے ملازم ہیں۔ ۷ رجون کو بمبئی میں "عطیۂ خون مہم" کے دوران ۲۵ ویں بار خون کا عطیہ دیا۔ یہ مہم سکریٹریٹ اسسٹنٹس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام چلائی گئی تھی اور سینٹ جارج ہسپتال بلڈ بنک نے اس کا انتظام کیا تھا۔

شری گوڈبولے کو ایسوسی ایشن کی جانب سے حکومت مہاراشٹر کے چیف سکریٹری شری ڈی۔ ڈی۔ ساٹھے نے ایک شیلڈ انعام میں دی۔

۴ رجون سے ۷ رجون تک چلائی گئی اس مہم میں کل ۱۸۰ ریاستی ملازمین نے خون کا عطیہ دیا۔

آئی۔ اے۔ ایف۔ افسران کا عطیۂ خون

دیولالی کے انڈین ایئر فورس ونگ کے اشارہ افسران نے ناسک سول ہسپتال میں مریضوں کے واسطے خون کا عطیہ دیا۔ سول ہسپتال میں بلڈ بنک مریضوں کے لئے خون جمع کرتا ہے اور غریب مریضوں کو مفت دیتا ہے۔ اس سال بلڈ بنک نے اب تک ۵۷ مریضوں کے لئے خون دیا ہے۔

پندرہ فیصدی خاص تنخواہ

چتالی ڈسٹیلری ملازمین کو دی جائے گی

شری کلیان راؤ پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت نے حال ہی میں سچیوالیہ بمبئی میں منعقدہ گورنمنٹ ڈسٹیلری، چتالی کے مینجمنٹ بورڈ کے اجلاس میں یہ اعلان کیا کہ حکومت نے چتالی ڈسٹیلری کے تمام غیر نگراں ملازمین کو پندرہ فی صدی خاص تنخواہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلہ کے باعث ناسک ڈسٹیلری کی منتقلی کے وقت چتالی آنیوالے ورکروں نیز ایسے ورکروں کی تنخواہ کے مابین نابرابری دور ہو جائے گی جنھوں نے چتالی میں ڈسٹیلری جاری ہونے کے بعد شرکت کی تھی۔

شری آر۔ ایل۔ تلنگ، رکن مینجمنٹ بورڈ اور صدر لیبر یونین، چتالی نے ورکروں کی جانب سے اس فیصلہ پر شکریہ ادا کیا۔

شریمتی مالتی تانبے ویدیا

شریمتی مالتی تانبے ویدیا، کمشنر برائے سیاحت کا حال ہی میں قائم کئے گئے نئے عہدہ یعنی سکریٹری حکومت محکمہ سوشل ویلفیئر، کلچرل افیئرز، اسپورٹس اور ٹورزم پر تقرر کیا گیا ہے۔ اب ان کا عہدہ یہ ہوگا: سکریٹری برائے حکومت، محکمہ سماج سدھار، ثقافتی امور، اسپورٹس اور سیاحت۔

دوسری ریاستوں سے مہاراشٹر میں چاول کی درآمد

اختیارات واپس لے لئے گئے

حکومت مہاراشٹر نے ضلع کلکٹران اور کنٹرولر آف راشننگ بمبئی کو سنہ ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران تجارت کی غرض سے دوسری ریاستوں سے مہاراشٹر میں دھان، چاول اور ٹوٹے چاول درآمد کرنے کے لئے پرمٹ جاری کرنے کے واسطے دئے ہوئے اختیارات فوری طور سے واپس لے لئے ہیں۔ اس لئے اب سے یہ افسران انکے متعلقہ حلقہ اختیار میں مقررہ ایجنسیوں کو دھان، چاول اور ٹوٹے چاول درآمد کرنے کیلئے پرمٹ دینے سے متعلق اپنی تجاویز حکومت کو پیش کریں گے تاکہ حکومت اس پر مزید غور کرے اور جہاں مناسب ہو یا ضروری ہو وہاں پر پرمٹ جاری کرے۔

متعلقہ عہدیداروں کو یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ وہ صرف امداد باہمی اداروں کو ہی درآمدی پرمٹ جاری کرنے کی سفارش کریں۔ ایسے اداروں کی مالی حالت، انکی اہمیت اور ماضی کے تجربہ وغیرہ پر بھی غور کیا جانا چاہئے۔

سرکاری اعلانات اور فیصلے

اری ملازمتوں میں پسماندہ طبقات کی بھرتی
صورت حال پر نظر ثانی

حکومت مہاراشٹر نے حال ہی میں سرکاری ملازمتوں
پسماندہ طبقات کی بھرتی کی حالت پر نظر ثانی کی ہے
ض اقدامات شروع کئے ہیں تاکہ ضروری فیصد تناسب
ین سال میں پورا کرلیا جائے۔

اس مقصد کے تحت ہدایت جاری کی گئی ہے کہ
ے درجوں کے پسماندہ طبقات کے لئے محفوظ اسامیاں
نہ جائے تا آنکہ اس اسامی کے لئے مقرر کردہ
ت کا امیدوار نہ مل جائے اور جس کے لئے پوری
ش کرنی چاہیئے۔

حکومت نے اب یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ جن جگہوں
ہ براہ راست بھرتی ۵۰ فیصدی سے بڑھتی نہیں
ن کے لئے ترقی دینے کی سطح پر بھی نشستیں محفوظ
ں۔ اس طرح سے کل ۲۴ فیصدی اسامیاں
طبقات کے لوگوں کو ترقی دینے کے لئے محفوظ
ں۔ یعنی ۱۳ فیصدی مندرجہ جاتیوں اور مندرج
ں کے بدھ مت اختیار کرنے والے افراد، ے
مندرج قبائل اور چار فیصدی خانہ بدوش اور
جاتی کے لئے ہیں۔

حکومت نے ہدایت جاری کی ہے کہ پسماندہ طبقات
زمین کو ترقی دینے کے معاملات پر خاص ہمدردی
لیا جائے۔ اس خیال سے کہ ان ہدایتوں پر
بطور پر عمل ہو، حکومت نے چیف سکریٹری کی
زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس نے کام شروع
کردیا ہے اور جلد ہی اپنی سفارش حکومت کو پیش
کردے گی۔

حکومت نے سرکاری دفاتر میں درجہ تین اور چار
کی اسامیوں میں ان کے علاوہ جو مہاراشٹر پبلک سروس
کمیشن کے حلقۂ اختیار میں آتی ہے نیز دفاتر ضلع پریشد
اور بعض مقامی ادارہ جات میں بھرتی کیلئے چھ ریجنل سلکشن بورڈ
قائم کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ ہر بورڈ کے کم سے کم
دو ممبران پسماندہ طبقات کے ہوں گے اور یہ امید کی
جاتی ہے کہ پسماندہ طبقات کے امیدواروں کی بھرتی
کا کام سرعت کے ساتھ روبہ عمل لایا جائے گا جبکہ
بورڈ اپنا کام آئندہ دو تین ماہ میں شروع کردیں گے۔

خاص مجسٹریٹوں کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے یکم جون سنہ ۱۹۷۴ء سے بمبئی عظمیٰ
کے میٹرو پولیٹن علاقے کے لئے ضابطۂ فوجداری بابت
سنہ ۱۹۷۳ء کی دفعہ ۲۱ کے تحت ۱٫۵۲۳ اسپیشل
ایگزیکیٹیو مجسٹریٹ مقرر کئے ہیں۔ اس فہرست میں کم و بیش
وہ تمام نام معمولی ردوبدل کے بعد شامل کئے گئے
ہیں جو جے پی حضرات کی پرانی فہرست میں تھے۔

ان خاص مجسٹریٹوں کو وہی اختیارات مثلاً
دستاویزات وغیرہ کی تصدیق، جانچ و توثیق، پسماندہ
طبقات کے لئے آمدنی سرٹیفکیٹ اور جات سرٹیفکیٹ
کی اجرائی اور شناختی پریڈ کا انعقاد، دیئے گئے ہیں
جو سابق جے پی حضرات کو حاصل تھے۔ ربر کی مہریں اور سرٹیفکیٹ متعلقہ اشخاص
کو دیئے گئے ہیں۔

مزید وظائف

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے کالجوں میں سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء
تعلیمی سال کے آغاز سے ریاضی اور فزکس مضامین میں
قابلیت کی ترقی کی اسکیم کے تحت ۴۰ روپئے ماہانہ کی
شرح سے مزید ۵۰ جوڑی وظائف منظور کئے ہیں۔

یہ اسکیم سب سے پہلے سنہ ۱۹۷۱-۷۲ء میں ۴۰ روپئے
ماہانہ کی شرح سے ۵۰ جوڑی وظائف کے ساتھ تین
سال کی مدت کے لئے شروع کی گئی تھی تاکہ ذہین طلبا
کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ ان مضامین میں تعلیم
جاری رکھتے ہوئے سائنس میں ڈگری حاصل کرسکیں۔

علاقہ ودربھ میں
چیچک کی روک تھام کے اقدامات

حکومت مہاراشٹر نے فوری طور سے قوانین یعنی
مہاراشٹر (علاقہ ودربھ) ہنگامی چیچک قوانین بابت سنہ ۱۹۷۴ء
علاقہ ودربھ کے آٹھ اضلاع یعنی، بلڈانہ، اکولہ، امراؤتی،
ایوت مال، وردھا، ناگپور، بھنڈارہ اور چندرپور میں نافذ
کردئے ہیں کیونکہ حکومت کے خیال میں اس علاقہ میں
چیچک کی وبا پھوٹ پڑی ہے اور فی الوقت وہاں نافذ العمل
قوانین اس وبائی بیماری کے انسداد کے لئے ناکافی ہیں۔

یہ قوانین ۲۰ مئی سنہ ۱۹۷۴ء سے چھ ماہ تک لاگو رہیں گے نیز آئندہ
جاری رکھے جاسکیں گے جنکی مدت ایک وقت میں چھ ماہ سے زیادہ نہ ہوگی

بی۔ڈی۔ڈی۔چال تحقیقاتی کمیشن کا دفتر

ورلی اور نائیگام بی۔ڈی۔ڈی۔چال کے فسادات سے متعلق تحقیقاتی کمیشن کے دفتر نے ہائی کورٹ انیکس بلڈنگ، دوسرامالا، لفٹ کے سامنے، بمبئی ۳۲ میں کام شروع کردیا ہے لہٰذا کمیشن کے نام تمام مراسلات مذکورہ بالا پتہ پر سکریٹری کے پاس ارسال کئے جائیں۔

ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم

دس لاکھ سے زیادہ صنعتی ملازمین مستفید

مہاراشٹر کے ۱۰۶۳۸ لاکھ سے زائد صنعتی ملازمین کو ماہ اپریل سنہ ۱۹۷۴ء کے دوران ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت طبی اور نقد امداد فراہم کی گئی۔

اس وقت یہ اسکیم ریاست کے ۲۰ صنعتی مراکز یعنی بمبئی عظمیٰ (ضلع تھانہ کے کچھ تعلقہ جات شامل)، ناگپور، اکولہ، ہنگن گھاٹ، شولاپور، پونا، ناندیڑ، کولہاپور، سانگلی، اورنگ آباد، پلگاؤں، جلگاؤں، ناسک، اچل کرنجی، بلارپور، امل نیر، دھولیہ، میرج، بارسی اور چالیس گاؤں میں نافذ ہے۔

کل ۵۹۶۸ حادثات کی اطلاع ملی۔ نیز ۳۴۷۵ ملازمین کو عارضی معذوری امداد کے طور پر ۲،۸۲،۹۵۵ روپے ادا کئے گئے۔ مستقل معذوری کی مد میں ۲۰۱ نئے کیس داخل کئے گئے اور اس کے تحت ۶،۱۶،۰۸۸ روپے ادا کئے گئے۔ اسی ماہ کے دوران ۱۰۸۵۲۲ روپے کی رقم لواحقین کو امداد کے طور پر ادا کی گئی۔

مقابلتاً کچھ افراد ہی کو بیماری کی صورت میں خاص امداد کی ضرورت پیش آئی۔ اس ماہ کے دوران ۴۲،۰۸۷ نئے کلیم داخل کئے گئے اور بیماری معاوضہ کے طور پر ۱۵،۴۰،۰۸۶ روپے کی رقم ادا کی گئی۔

کچھ بیمہ شدہ ملازمین جو تپ دق، کینسر اور دوسرے مہلک امراض میں مبتلا ہیں ان کو زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کو زائد امداد یعنی طویل بیماری امداد کے طور پر رقم دی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں اس ماہ کے دوران اس مد میں ۲،۵۳،۹۵۰ روپے کی رقم ادا کی گئی۔

اس ماہ زچگی امداد کے ۲۱۶ نئے کیس داخل کئے گئے اور اس مد میں ۱،۴۲،۳۷۷ روپے کی رقم ادا کی گئی۔ بیمہ شدہ ملازم کی اہلیہ اور بیمہ شدہ خاتون ملازمین کو زمانۂ حمل کے مصارف کے سلسلے میں ۶۶،۳۳۰ روپے کی رقم ادا کی گئی۔

۱۳۴ معاملات میں کفن دفن کے لئے ۱۳۳۹۹ روپے ادا کئے گئے۔

مفادِ عامّہ خدمات

حکومت مہاراشٹر نے ہوائی جہاز' اور ان کے پرزے جوڑنے اور بنانے والی صنعتوں کو صنعتی تنازعہ ایکٹ بابت سنہ ۱۹۴۷ء کے مقاصد کے تحت چھ ماہ کے لئے مفادِ عامّہ خدمات قرار دیا ہے۔

دیگر ممالک سے تصادم حکومتِ ہند کی اِصطلاحات

حکومتِ ہند نے سنہ ۱۹۴۷ء سے دیگر ممالک کے ساتھ دشمنی و عداوت کے ضمن میں اِصطلاحات اختیار کی ہیں۔ مختلف قسم کی دشمنی و عداوت کے لئے سرکاری اِصطلاحات یہ ہیں: جموں اور کشمیر میں پاکستان کا جارحانہ حملہ سنہ ۱۹۴۷ء۔ گوا آپریشن، سنہ ۱۹۶۱ء۔ چین کا جارحانہ حملہ، سنہ ۱۹۶۲ء۔ کچھ میں پاکستان کا جارحانہ حملہ، سنہ ۱۹۶۵ء۔ ہندوپاک تصادم، سنہ ۱۹۶۵ء اور ہندوپاک تصادم سنہ ۱۹۷۱ء۔

سنہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے ساتھ لڑائی نیز ماقبل تصادم کے سلسلے میں مناسب سرکاری اصطلاحات وضع کرنے کا سوال حکومتِ ہند کے زیرِ غور تھا۔

مذکورہ بالا اِصطلاحات وزیرِ اعظم کی منظوری کے بعد اختیار کی گئی ہیں۔

÷ ÷ ÷ ÷ ÷

فروری سنہ ۱۹۷۵ء کا اِسکالرشپ امتحان

قبل ثانوی اور ثانوی اسکول وظائف امتحانات بالترتیب ۳ر اور ۴ر فروری سنہ ۱۹۷۵ء کو گیارہ بجے دن اور چار بجے شام کے درمیان منعقد ہوں گے۔

داخلہ فارم تمام ڈسٹرکٹ ایجوکیشن افسران سے ۳۰ر جولائی سنہ ۱۹۷۴ء کے بعد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ امیدوار اپنے داخلہ فارم متعلقہ اسکولوں کے نگرانوں کے توسط سے ۱۵ر ستمبر سنہ ۱۹۷۴ء تک متعلقہ ایجوکیشن افسران کو بھیجدیں۔

کتابوں کی دوکانوں کیلئے رعایت

حکومتِ مہاراشٹر نے کتابیں فروخت کرنے والی دوکانوں کے لئے بمبئی دوکانات و ادارہ جات ایکٹ، بابت سنہ ۱۹۴۸ء سے متعلق بعض دفعات میں ۳۰ر جولائی سنہ ۱۹۷۴ء تک نرمی کردی ہے۔

اس کے تحت دوکان دس بجے رات تک کھلی رکھی جاسکتی ہے اور دوکان مالکان کو اس ایکٹ سے متعلق دوسری تمام باتوں پر عمل کرنا ہوگا۔

پاسپورٹ آفس کی منتقلی

حکومتِ مہاراشٹر کا ہندوپاکستان اور ہندوبنگلہ دیش پاسپورٹ آفس بیرک ۳، "عقب یوگاک شیما" کاما روڈ، میرین لائنس، بمبئی ۲۰ سے نئی ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، پانچواں مالا، مادام کاما روڈ، بالمقابل سچیوالیہ، بمبئی ۳۲ پر منتقل ہوگیا ہے۔

اردھاپور پانی فراہمی اِسکیم

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع ناندیڑ کے تعلقہ ناندیڑ میں واقع اردھاپور دیہی نل پانی فراہمی اسکیم کو انتظامی منظوری عطا کردی ہے۔ اسکیم پر صرفہ کا تخمینہ ۱۰،۸۸،۱۷۰ روپے ہے جن میں ۹۰ فیصدی سرکاری اور بقیہ ۱۰ فیصدی عوامی حصہ ہے۔ مکمل ہونے پر تقریباً ۶۵۰۷ کی آبادی کی تشنگی دور ہوگی۔

پندرہ روزہ

قومی راج

جلد : ۱ — ۱۶ر جولائی سنہ ۱۹۷۴ء — شمارہ : ۱۲

قیمت فی پرچہ : ۲۵ پیسے — زرِ سالانہ : ۵ روپے

توسیلِ زر اور خط وکتابت کا پتہ :
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲۔۴۰۰

فہرست

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔ اے۔ ایس

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

سخنہائے گفتنی

"قومی راج" نے اپنی اشاعت کے چھ ماہ مکمل کر لئے ہیں۔ گو یہ مدت کسی رسالہ کی ترقی کا جائزہ لینے کے لئے ناکافی ہے لیکن ہمیں کم از کم اس قدر اطمینان ہے کہ اس مختصر مدت کے دوران میں "قومی راج" نے اردو داں طبقہ کے ایک وسیع حلقے کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ تاہم رسالہ کو بہتر اور مفید تر بنانے کے لئے ہماری مساعی مسلسل جاری رہیں گی۔

حالیہ کچھ عرصہ میں کاغذ کی بے پناہ مہنگائی کے باعث تمام جرائد و رسائل کو اپنی قیمت بڑھانی پڑی۔ ظاہر ہے کہ اس کا اثر ان کی فروخت پر بھی پڑا ہے۔ اُردو کے رسائل اور اخبارات جو عموماً پہلے ہی اردو داں طبقہ کی محدود قوتِ خرید کی بناء پر کم فروخت ہوتے تھے، کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئے ہیں۔ یہ وقت نہ صرف اخبارات و جرائد کے لئے بلکہ اردو نوازوں کے لئے بھی آزمائش کا وقت ہے۔ اگر اردو دوستوں نے ان مشکل حالات میں تعاون نہ کیا تو ممکن ہے کہ بہت سے جرائد داستانِ پارینہ بن جائیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمہ گیر مہنگائی کی وجہ سے عوام بیحد پریشان ہیں اور کفایت شعاری کی ہر مہم کا پہلا شکار شوقیہ پڑھے جانے والے رسالے، کتب اور اخبارات ہی ہوتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا، ایسے ہی مواقع ایثار کے متقاضی ہوتے ہیں۔

مہنگائی اور افراطِ زر کی لعنت سے عوام کو بچانے کیلئے حکومتِ ہند نے وسیع اور شدید اقدامات شروع کر دئے ہیں جن کے نتائج بہت جلد نمودار ہونے کی توقع ہے۔ آغاز تنخواہوں اور اُجرتوں کو پوری طرح چلن میں لانے پر پابندی سے کیا گیا ہے جسے بہت سے لوگوں نے اُجرتوں کے انجماد یا "ویج فریز" سے تعبیر کیا ہے۔ اس قدم پر کافی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ بعض حلقوں نے شکایت کی کہ اسطرح مزدوروں اور تنخواہ دار ملازموں کی مشکلات میں اور اضافہ کیا گیا ہے لیکن مرکزی وزیر مالیات شری چوان نے یقین دلایا ہے کہ مزید اقدامات راہ میں ہیں جن کا مقصد غلط کار سرمایہ داروں اور کالے دھندے والوں پر گرفت مضبوط کرنا ہے۔ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا یہ اعلان امید کی نئی کرن ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اقتصادی خرابیوں کے خاتمہ کی جانب شدید قدم اٹھائے جائیں خواہ اس کی وجہ سے ہم نامقبول کیوں نہ ہوں !

——— خواجہ عبدالغفور

محمد نظام الدین وحید ہنگولوی
اورنگ آباد

ریاستِ مہاراشٹر کے تاریخی شہر اورنگ آباد سے تقریباً ۱۴ میل دور شمال مغرب میں دکن کا سب سے پُر فضا پہاڑی مقام خُلدآباد واقع ہے۔ صدیوں سے یہ ایک مذہبی، تاریخی اور فنی مرکز رہا ہے۔ بہت سے اولیاء اور بادشاہ یہاں مدفون ہیں۔ الیورہ کے عجوبۂ روزگار غار بھی یہاں سے تھوڑی دور پر ہیں۔ ایک طرف اس کے قدرتی نظارے دل ودماغ کو تازگی بخشتے ہیں تو دوسری طرف تقدّس اور روحانیات کا فیض بھی جاری ہے۔

یہ نظم یہاں کے بلند ترین مقام کوہِ شارخ کی مسجد میں بیٹھ کر موسمِ باراں میں ایسے وقت لکھی گئی جب کہ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی ::

فرحت افزا ہے دکن کی سرزمیں پر یہ مقام　　آسماں کرتا ہے ہردم اس کی رفعت کو سلام
پُرسکوں اس کی فضا پرکیف اسکے صبح وشام　　خوب رکھا ہے کسی نے اس کا خلدآباد نام

ہر قدم پر حُسن لیتا ہے یہاں انگڑائیاں
دِل لبھا لیتی ہیں اس کی روح پرور وادیاں

دیدنی ہے کوہِ شارخ پر سے حُسنِ کوہسار　　عطر میں ڈوبی ہوائیں، دلستاں ہیں سبزہ زار
ہیں ترنم ریز جھرنے اور رقصاں جوئبار　　ہے نمایاں اِن مناظر میں تقدّس کی بہار

یہ زمین و آسماں کا کیا نرالا طور ہے
درحقیقت اس جگہ لُطفِ نظر کچھ اور ہے

ہر طرف چھائی ہوئی رعنائیاں جادو اثر — رونقِ خلدِ بریں کا لطف تا حدِ نظر
دستِ قدرت کے کرشمے ہیں یہاں ہر گام پر — اس حسیں ماحول میں ہرگز نہیں شر کا گذر

ہو گئے ہیں کس قدر رنگیں نظارے منچلے
مل رہے ہیں ابر اور کہسار آپس میں گلے

قابلِ صد فخر ہے رشکِ ارم ملکِ دکن — مسکنِ اربابِ حق، اہلِ کمال اور اہلِ فن
ان کی عظمت کا یہاں پر کیا بیاں ہو بانکپن — جن سے بارونق ہوئیں آبادیاں، کہسار و بن

یہ زمیں صدیوں رہی ہے مرکزِ روحانیات
اس جگہ لاکھوں نے پایا اپنا سامانِ حیات

غارِ ایلورہ میں فن کاروں کی زندہ داستاں — قابلِ رشکِ جہاں ہے ورثۂ ہندوستاں
زندگی کا ہے یہاں، ہر شعبہ ہر پہلو عیاں — فن کا یہ دیوانہ پن رکھتا ہے کیا کیا خوبیاں

بولتا ہے بے زباں پتھر کے سینے میں جمال
عقل حیراں آج بھی ہے دیکھ کر فن کا کمال

دفن ہے اس جا پہ شاہنشاہی اور جاگیر بھی — دبدبہ، رعب و جلال و عظمت و توقیر بھی
ملک گیری کی ہوس اور عدل کی زنجیر بھی — یعنی آصف جاہ، تانا شاہ عالمگیر بھی

دیکھیے گر چشمِ بینا ہو تو یہ شانِ خدا
ہو گئیں ہیں کیسی کیسی ہستیاں نذرِ فنا

اولیاء کی سرزمیں یہ اصفیاء کی سرزمیں — مرکزِ تبلیغِ حق اور مرجعِ اہلِ یقیں،
اس جگہ لٹتی رہی ہے دولتِ دنیا و دیں — آج بھی ہے محوِ حیرت دیدہ ہائے نکتہ چیں

حشر تک جاری رہے گا خیر کا فیضانِ عام
ہر زمانے میں رہے گا خلد جیسا یہ مقام

دنیا کی پہلی انسائیکلوپیڈیا کا مُصنّف

البیرونی

از: ثریّا جبیں حیدرآباد

البیرونی کا اصل نام ابوریحان محمد بن احمد خوارزمی تھا۔ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں لکھا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ تحقیق و کسب علوم کے سلسلہ میں خوارزم سے باہر گرگنج، سمرقند، بخارا اور مرو میں بسر کیا تھا اسلئے اسے "البیرونی" کہا جانے لگا اور اسی نام سے اسے عالمگیر شہرت ملی۔ سیاحت کے دوران اس نے ہر چیز کا مطالعہ بڑی باریک بینی سے کیا اور جب تک خاطر خواہ نتیجہ پر خود نہ پہنچ گیا کسی غیر کے نظریہ کو نہیں اپنایا۔ غیر ممالک میں اس کا زیادہ تر وقت مسجدوں، کتب خانوں اور علماء کی صحبت میں گزرا۔ قدرت نے اسے بے مثل دماغ اور لاجواب حافظہ سے سرفراز کیا تھا اس لئے ساری باتیں ذہن میں محفوظ رہتی تھیں۔ چنانچہ اس نے دوران سیاحت تاریخ، جغرافیہ، طبیعیات، معدنیات، حکمت، ادب اور فلسفہ میں کافی دسترس حاصل کرلی اور اس کے بعد ہر ایک صنف پر اس نے ایسی حکیمانہ اور محققانہ کتب چھوڑی کہ اسے آج بھی reference کے طور پر کام میں لایا جاتا ہے۔ البیرونی شہر خوارزم میں ۳ ذی الحجہ ۳۶۲ھ کو بروز جمعرات پیدا ہوا تھا۔ چونکہ وہ خوارزم میں پیدا ہوا اس لئے اس کے نام کے ساتھ 'خوارزمی' بھی شریک کردیا گیا۔

خوارزم دریائے آمو کے کنارے ۸۰۰،۳۲ کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ اسے ایران کے مجوسی دورِ حکومت میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ عربوں کے حملہ کے بعد ایران کے دوسرے شہروں کی طرح خوارزم بھی ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ یہاں ایرانی قبائل اس لئے زیادہ پناہ لیا کرتے تھے کہ یہ مرکزِ خلافت سے بہت دور تھا۔ چنگیز اور ہلاکو نے اپنے خونی حملوں سے خوارزم پر بڑے ستم ڈھائے تھے مگر صفوی عہدِ حکومت سے ناصرالدین شاہ کے عہدِ حکومت تک یہ ایران ہی میں شامل رہا۔ لیکن سنہ ۱۲۷۱ھ میں محمد امین حاکم خوارزم نے بغاوت کر دی۔ اس کی سرکوبی کے لئے حکومتِ ایران نے محمد حسین خاں کو بھیجا۔ محمد حسین خاں نے محمد امین اور اس کے جاں نثاروں کو قتل کر کے ان کے سر تہران بھیج دئے۔ خوارزم پر ایران کی یہ آخری فتح ثابت ہوئی اس لئے کہ بعد میں روس، فرانس اور انگلستان میں خوارزم کی حصولیابی کے لئے رسّہ کشی ہونے لگی لیکن کامیابی روس کے قدم چوم رہی تھی۔ اس کے بعد انقلاب کا دَور آیا جس نے خوارزم کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ ایک حصہ جمہوریۂ ازبکستان میں شامل ہوگیا اور دوسرا جمہوریۂ ترکمنستان میں۔

البیرونی کا بچپن عسرت و تنگدستی میں بسر ہوا۔ اس کے والد کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ اسے اعلیٰ تعلیم دلا سکتا لیکن ایک ہونہار اور حسّاس بچے کو معاشی بدحالی علم و ہُنر کے حصول سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ البیرونی کے شوق اور طلب علم نے اُسے نچلا نہ بیٹھنے دیا اور اس نے ذاتی جدوجہد سے اپنی علم کی پیاس بجھائی۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اسے امام الشیخ، استادالرئیس، حکیم برہان الحق وغیرہ جیسے اَلقاب سے نوازا جانے لگا۔

ابوریحان البیرونی علم ریاضی، الٰہیات، فلسفہ، ہئیت، تاریخ اور طبیعیات کا زبردست ماہر اور حکیم بوعلی سینا، رودکی، اسماعیل بن نوح سامانی اور فارابی کا ہمعصر تھا۔ اس نے متذکرہ بالا علوم مادرِ وطن کی آغوش ہی میں حاصل کئے۔ عنفوانِ شباب ہی میں البیرونی کی شہرت خوارزم سے باہر پہنچ چکی تھی چنانچہ محمود غزنوی نے حسَن بن بیگال کو یہ پیغام دیکر خوارزم شاہ کے دربار میں بھیجا کہ البیرونی کو غزنی بھیج دیا جائے۔ چونکہ خوارزم شاہ محمود غزنوی کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا تھا اس لئے طوعاً و کرہاً البیرونی کو غزنی بھیج دیا۔ حالانکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایسا صاحب کمال اس کے دربار سے چلا جائے بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ محمود غزنوی کے حملہ میں ملک تباہ و تاراج ہوگیا اور بادشاہ قتل ہوگیا۔ محمود نے سارا ملک لوٹ لیا اور اسی لوٹ میں البیرونی بھی ہاتھ لگا جسے محمود مالِ غنیمت کے طور پر غزنی لے گیا۔

البیرونی کی غزنی میں طلبی نے اس کے ہمعصر علماء کو ہراساں کردیا اور وہ اس خوف سے کہ کہیں انھیں بھی طلب نہ کرلیا جائے ایران فرار ہوگئے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے غزنی جانا پسند کیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ غزنی ہی میں اس کی ملاقات چند ہندو پنڈتوں سے ہوئی تھی جن کی علمیت نے اسے متاثر کیا تھا۔

عجیب بات تو یہ تھی کہ محمود غزنوی اور البیرونی کے فرقوں اور اعتقادات میں فرق کے باوجود اُن کے تعلقات بڑے اچھے تھے۔ البیرونی بڑا غالی شیعہ تھا اور محمود غزنوی کٹر سُنی۔

سلطان محمود البیرونی کو اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو البیرونی کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ البیرونی نے ہندوستان آکر اپنا وقت صرف تعیّشات اور بادشاہ کی مصاحبی میں برباد نہیں کیا بلکہ یہاں اس نے سنسکرت پڑھی اور اس میں کافی دستگاہ حاصل کی۔ اس کے بعد اس نے ہندوستانی علوم اور عقائد کا بحد 'خورد بینی' انداز میں مطالعہ و مشاہدہ کیا اور ایک بڑی مبسوط کتاب "کتاب الہند" کے نام سے لکھی اور اس درجہ بے تعصبی سے کہ اسے جن ہندو عقائد اور فلسفیانہ نظریوں نے متاثر کیا ان کی بڑی فراخدلی سے تعریف کی۔ "کتاب الہند" اس بات کی شاہد ہے کہ البیرونی نہ صرف ہمہ داں بلکہ زبردست تاریخ داں بھی تھا لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ البیرونی، محمود غزنوی کے ساتھ ہی غزنی کیوں نہیں چلا گیا اور محمود نے اسے ہندوستان میں رہنے کی اجازت کس طرح دے دی۔ شاید تکمیل علم کی غرض سے وہ رُک گیا ہو۔ البیرونی جب غزنی لوٹا تو وہاں محمود کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کے بھائی مسعود سبکتگین کے ہاتھوں میں عنانِ حکومت آچکی تھی۔ مسعود نے البیرونی کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ البیرونی نے مسعود کے عہد حکومت میں جو کتاب لکھی وہ اسی کے نام معنون کردی اور یہی کتاب غالباً پہلی Encyclopaedia ہے جس کا نام القانون المسعودی ہے۔

البیرونی کے جودتِ ذہن کی داد یورپ کے علماء بھی دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ مستشرق مالی نو کہتا ہے: "البیرونی تمام علماء و حکمائے اسلام میں سب سے زیادہ ذہین، طبّاع اور علمِ طبیعی و ہندسہ میں سب سے بڑا محقق و مدقق تھا۔"

اور ریمنڈ بیرلے البیرونی سے اپنی عقیدت کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے: "مسلمانوں کی شاہراہِ علم و حکمت کو البیرونی سے بڑھ کر شاید ہی کسی کے روشن، قوی اور نکتہ رس دماغ نے منوّر کیا ہے۔" اور ایک جگہ کہتا ہے: "البیرونی شاید تاریخِ اسلام کے ہر عہد اور ہر قوم میں سب سے بڑا نام ہے۔"

نیلنگ کا خیال ہے کہ "البیرونی علوم ریاضی و طبیعی کے میدان میں اسلام کا سب سے زیادہ ذہین باجدّت اور عمیق النظر حکیم تھا۔"

جارج سارٹن جیسا مورخ البیرونی کے تعلق سے لکھتا ہے کہ "البیرونی مُسلم سائنسدانوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھا اور یہی نہیں بلکہ اس کا مرتبہ دنیا کے تمام سائنسدانوں میں اب بھی یکتا ہے۔"

شہرزوری کا بیان ہے کہ وہ ایران کے رسوم و عادات کا بڑا پابند تھا اور حصولِ علم کے لئے اس کے شغف کا یہ عالم تھا کہ جب ابوالحسن علی بن عیسیٰ، البیرونی کے مرضِ موت میں اس کی عیادت کے لئے گیا تو البیرونی نے سوال کیا کہ "اے حکیم، جداتِ فاسدہ کی وراثت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟" ابوالحسن نے یہ دیکھ کر کہ وہ سانس بھی اچھی طرح نہ لے سکتا تھا، تعجب کیا اور کہا کہ اس سوال کا کیا موقع ہے؟ البیرونی نے کہا کہ "اگر میں کوئی جان لوں اور پھر مروں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے جانے بغیر جان دیدوں۔"

البیرونی ایک انتہائی وسیع النظر اور تیز دماغ رکھنے والی شخصیت کا نام ہے۔ اس نے ایسے وقت میں جب کہ انسانی شعور گھٹنوں چل رہا تھا، جبکہ ذہنیتیں پست اور حاکم و رعایا کے درمیان ناقابلِ عبور خلیجیں حائل تھیں، حاکم ظل اللہ اور رعایا زر خرید غلام سے بدتر سمجھی جاتی تھی، مذہبی تعصب بامِ عروج پر تھا اور ملّاؤں کے خود ساختہ مذہبی اصولوں کے خلاف آواز اٹھانے والے کو نہ صرف مرتد بلکہ قابلِ گردن زدنی سمجھا جاتا تھا۔ ایسے پُر آشوب وقت میں البیرونی ہی ایک ایسا شخص تھا جس نے کسی دقت کو خاطر میں لائے بغیر بہ بانگِ دہل کہا کہ یہ دونوں چیزیں ہر ملک کا اپنا سرمایہ ہیں اور کسی ملک کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان قومی اثاث میں جبراً کسی قسم کی تبدیلی واقع کریں۔ غالباً یہ اشارہ سلطان محمود غزنوی کی طرف تھا۔

مورخین نے البیرونی کی تقریباً ۱۲۷ کتابوں کا حوالہ دیا ہے لیکن صد حیف کہ ان میں سے بیشتر تلف ہوگئیں اور کم و بیش ۲۷ کتابیں رہ گئیں جن میں سے زیادہ تر مسودہ کی صورت میں ہیں، دو ایک عربی کتابوں کا ترجمہ اس نے سنسکرت میں بھی کیا ہے۔

البیرونی کی بعض خصوصیات ایسی تھیں جو اسے اس کے ہمعصروں میں امتیاز بخشتی ہیں۔ وہ سال بھر مسلسل کام کرنے کے باوجود کبھی اکتاتا نہ تھا۔ اس نے اَن گنت کتابیں تصنیف کیں لیکن بغیر مشاہدہ و تجربہ کے ایک حرف بھی لکھنا اسے گوارہ نہ تھا۔ چنانچہ وہ جب تک کسی بھی چیز کی حقیقت اور ماہیت سے مطمئن نہیں ہوجاتا اس وقت تک اس واقعہ یا مشاہدہ کو سپردِ قلم نہ کرتا تھا۔

●●

۱۵ اگست کو شائع ہونے والے خصوصی نمبر کے لئے اپنے مضامین و منظومات آج ہی ارسال فرمائیے!

دھرتی ماں کی فریاد

اے باسیو دھرتی کے، دھرتی ماتا کی ذرا فریاد سنو — مہنگائی کے مارے اِنسانو! کیوں تم پہ ہے یہ بیداد سنو
گر ہوش میں اب بھی آئے نہ تم ہوجاؤگے برباد سنو — سُننے کی تمہارے بات ہے یہ لے میری جواں اولاد سنو
بس دِن بڑھتی آبادی کے بوجھے سے میں دَبتی جاتی ہوں
کل آنے والی بپتا کے انجام سے میں تھرّاتی ہوں

چادر ہے جتنی اس سے سوا تم پاؤں اگر پھیلاؤگے — یہ یاد رہے تم پوری طرح اپنے کو نہ ڈھکنے پاؤگے
چادر تو بڑھانا بس میں نہیں البتہ تم گھٹ جاؤگے — انجام تمھارے سامنے ہے اب ہوش میں کب تم آؤگے
آبادی بڑھے گی تو غلّہ، باہر سے کہاں تک آئے گا،
غیروں کی مدد سے کتنے دن بھوکوں کو کھلایا جائے گا

بچوں کا زیادہ جنم نہ ہو تب بھیڑ ہو کم اِنسانوں کی — اِنسانوں کے رہنے سہنے کو حاجت ہوتی ہے مکانوں کی
بڑھتی ہے ضرورت فیکٹریوں کی دفتر کی دوکانوں کی — اسکول، ہوائی اڈّوں کی اور کھیل کے بھی میدانوں کی
بلڈنگیں تو بڑھتی جاتی ہیں، بڑھتا نہیں دھرتی کا آنگن
کھیتی کی زمیں گھٹ جائے جب مہنگا نہ پڑے کیسے راشن

جب مہنگا راشن ہوتا ہے تو چور بزاری بڑھتی ہے — چوپٹ دھندے ہوجاتے ہیں سب میں بےکاری بڑھتی ہے
بھر پیٹ نہ کھانا ملنے کے کارن بیماری بڑھتی ہے — آتم ہتھیائیں، چوری ڈاکہ، مارا ماری بڑھتی ہے
ننگی بھوکی مریم سیتا بازاروں میں بک جاتی ہیں
یا بھیک کے ٹکڑے مانگنے کو در در دامن پھیلاتی ہیں

آبادی کے بڑھ جانے سے کیا سب کو نہیں آتا ہے نظر — لاکھوں کنبے جھونپڑوں میں رہتے ہیں یا فٹ پاتھوں پر
گرمی جاڑا برساتیں یا کوئی بھی موسم ہو مگر — یہ تپتے ٹھٹھرتے بھیگتے ہی طے کرتے ہیں جیون کا سفر
اِنسانوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے پہ مصیبت ڈھائی ہے
آبادی بڑھنے ہی سے بڑھی یہ تنگی یہ مہنگائی ہے

کم بچے اگر ہوں تو ان کا اچھا ہوگا پالن پوسن — سکھ چین سے سارا کنبہ رہے بھر پیٹ ملے سب کو راشن
جتنے زیادہ بچے ہوں گے اتنی ہی بڑھے گی اور اُلجھن — گھر گھر میں نیوجن کرنے سے سکھ چین سے ہوگا سارا وطن
تم سے ہے سمے کی یہ بنتی اب فیملی پلاننگ اپناؤ
چھوٹا پریوار سکھی ہوگا خود سمجھو، سبھوں کو سمجھاؤ

مظفر شاہجہانپوری

اُردو شعر و ادب میں سائنس

• اِندرجیت لال

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

قدرت کے کارخانے میں آسمانی عجائبات سے عجیب تر اور کوئی چیز نہیں۔ اور فلکیاتی نظاروں ے شاندار کوئی دوسرا نظارہ نہیں۔ یہی سبب ہے کہ انسان آسمان کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہوا۔ اور آسمان کے اندر جو کچھ موجود ہے اُسے جاننے پہچاننے کی سعی کرتا رہا۔ آسمان کے اسرار کو انسان بہت زیادہ سمجھ نہ سکا کیونکہ سو ڈیڑھ سو برس پہلے یہ بہت ہی مشکل بات تھی۔ اس کے باوجود شاعر کا مذکورہ بالا شعر اردو ادب میں اس زمانہ کی یاد لاتا ہے۔

غالبؔ کے زمانے میں سائنس کسی معیاری منزل پر نہ تھی۔ مغل سلطنت کا شیرازہ بکھرتا جا رہا تھا۔ انگریزوں کے پاؤں ہندوستان میں مضبوط ہو رہے تھے۔ سیاسی افراتفری اور ۱۸۵۷ء کے غدر نے سارے ملک کو ہلا دیا تھا۔ ہندوستانی سائنس کی روشنی سے اُن دنوں کوسوں دور تھے۔ محکوم بیچارے تحقیق و انکشافات اور تجربات کا کام کیا جانتے! ایسے حالات کے باوجود غالبؔ کے اشعار میں کہیں کہیں سائنسی معاملات کی طرف دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے ؎

سبزہ و گُل کہاں سے آئے ہیں
اَبر کیا چیز ہے ہَوا کیا ہے

ظاہر ہے غالب سائنس کے اس نظریہ سے پوری طرح واقف نہ تھے کہ اَبر و ہوا کی یہ ماہیت کیا ہے، کیونکہ اگر واقف ہوتے تو اس بات کو کسی اور پیرائے میں بیان کرتے۔

سیّاروں کے مطالعہ و مشاہدہ کا ذوق اُن دِنوں اتنا عام نہ تھا جتنا آج کل بین الاقوامی سطح پر ہے۔ پھر بھی مشتری، زہرہ، چاند یا چھوٹے چھوٹے ٹمٹماتے تارے اُن دنوں لکھے پڑھے لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچتے تھے۔ "کیا" اور "کیوں" کے کئی سوالات لوگوں کے دِلوں میں اُٹھتے تھے۔ مرزا غالبؔ نے غلط نہیں کہا ہے ؎

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھُلا

غالبؔ سائنسداں نہیں تھے لیکن ان کا یہ مُشاہدہ تھا کہ پانی گرم ہو جانے کے بعد بھاپ بن کر اُڑ جاتا ہے۔ سائنسداں اس عمل کو آسان الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ پانی دو حصہ ہائیڈروجن اور ایک حصّہ آکسیجن گیس ملنے پر بنتا ہے اور جب پانی کو گرم کیا جاتا ہے تو ایک خاص درجۂ حرارت پر پہنچ کر ہائیڈروجن اور آکسیجن کے سالمے ٹوٹنے لگتے ہیں اور دونوں گیسیں الگ الگ ہو کر بھاپ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ ایک سائنسی حقیقت تھی جسے غالبؔ نے اس شعر میں خوبصورتی سے سمو دیا ؎

رنج سے گریہ مُبدّل بہ دمِ سرد ہُوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہَوا ہو جانا

غالبؔ انگریزی زبان سے واقف نہ تھے اس لئے سائنس کے علم سے بھی نابلد رہے۔ مگر تھے بلا کے ذہین اور ان کی قوتِ مشاہدہ بہت تیز تھی۔ ذہن متجسّس تھا اس لئے علم الفلکیات سے واقف نہ ہونے کے باوجود یہ شعر کہہ گئے ؎

تھیں بَنات النّعشِ گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

بنات النعشِ گردوں دراصل سات ستاروں کے جھرمٹ کا نام ہے جسے "گریٹ بیئر" بھی کہا جاتا ہے۔ اس جھرمٹ کی خوبی یہ ہے کہ اس کے دو ستارے ہمیشہ قطب تارے کی طرف اشارہ کرتے

ہیں۔ غالب نے مشاہدہ کیا کہ یہ سات ستارے آسمان پر سب سے زیادہ عجیب انداز میں حرکت کرتے ہیں اس لیے ان سات ستاروں نے ان کے ذہن کو متاثر کیا اور یہی تاثر شعر میں نمودار ہوا۔

علامہ اقبال مشرقی و مغربی ادب کے سنجیدہ اور ذہین عالم تھے۔ ان کے فکر و نظر میں بڑی وسعت تھی جس سے انسان اور کائنات کے راز ہائے سربستہ منکشف ہوتے تھے۔ جہاں ان کا اندازِ فکر ایک طرف خالص مذہبی تھا تو دوسری طرف سائنسی و تکنیکی، جس نے ان کے کلام میں معنویت اور افادیت پیدا کردی۔ اقبال کہا کرتے تھے " میں نے دل کو عقل کے نور سے روشن کیا اور عقل کو دل کے معیار پر پرکھا" اقبال کا زاویۂ نگاہ سائنسی رہا۔ وہ اس بات کے حامی تھے کہ دلفریبیوں و انکشافات سے بھری ہوئی کائنات میں انسان کو قدرت کے بھیدوں تک پہنچنا چاہیے۔ نئی روشنی، تحقیق و تجسس اور انہماک کا جذبہ اقبال کے ان اشعار میں بخوبی ملتا ہے ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

اکبر الہ آبادی نئی روشنی کے قدرداں تھے اور اسے ہندوستان کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ سمونے کے خواہاں۔ ان کے کئی اشعار ان کے ترقی پسند ہونے کے مظہر ہیں ؎

کہتے ہیں راہِ ترقی میں ہمارے نوجواں
خضر کی حاجت نہیں ہم کو جہانتک ریل ہے

اکبر ایک دور اندیش اور روشن خیال اور نئے شعور کے شاعر تھے اور اس بات کا انہیں اطمینان تھا کہ سائنس کی روشنی ہندوستان کو دن بدن منور کرتی جائے گی۔ پرانے تصورات کی جگہ جدید سائنسی علم مقبول ہوگا۔ کیونکہ سائنسی علم ہی سے انفرادی و اجتماعی تعمیر و ترقی ہو سکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا ؎

یہ موجودہ طریقے راہیٔ ملکِ عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے

سائنس کی برکات نے تہذیب و تمدن کے فروغ میں بڑی مدد پہنچائی ہے۔ زندگی کی اندھیری راتوں کو روشن تر بنانے کیلئے جھاڑ فانوس سے زیادہ رنگا رنگ برقی قمقموں نے سامانِ روشنی فراہم کیا ہے گوناگوں نئے طور طریقوں اور وسیلوں نے انسان کو بڑی سہولتیں و آرام بخشے ہیں۔ سائنس کی برکت ایٹمی توانائی ہی کو لیجیے۔ یہ توانائی کتنی زبردست ثابت ہوئی ہے اس کا ذکر پروفیسر جاوید وششٹ کے اس شعر میں ملاحظہ ہو۔

سمجھا ہے تو جِنّہ کو فقط ذرّۂ ناچیز!
چھوٹی سی یہ دنیا ہے جو سورج سے بڑی ہے

ایٹم ایک حقیر ذرہ ہے لیکن جب اس کا جگر چیرا جاتا ہے تو اس میں سے ایک آفتاب نکلتا ہے۔ ایک قدیم سائنسداں ابوالہشیم نے ایک جگہ لکھا ہے۔ " تم ایک ذرہ کا جگر چیر کر دیکھو، تمہیں اس میں آفتاب نظر آئے گا" جدید شاعر نعیم اس نظریہ کو یوں شعر میں باندھتا ہے ؎

اسیرِ چرخ کا احساں نہیں ہے مجھ پہ نعیم
مجھے ہے ناز کہ ذرہ سے آفتاب بنا

آج کا نوجوان شاعر ہمارے معاشرے پر سائنس کے اثر کو اپنی شاعری میں مضمون کے طور پر باندھتا ہے اور خوبصورت الفاظ میں بڑی بے باکی سے یوں کہتا ہے ؎

یہ کارخانوں کے دل کی دھڑکن
یہ گنگناتی ہوئی مشینیں
میرے تصرف میں سیلِ دریا
ہیں بجلیاں میری دسترس میں
ہوا کی زلفیں ہیں میرے ہاتھوں میں
میرا بازیچہ عرشِ اعظم
فضا میں پرواز کر رہے ہیں
مرے تدبر کے نقشِ محکم
سمندروں کی حسین دنیا سے
میں چن کے لایا حسین موتی
حقیر ایٹم کا راز پا کر
جبینِ تعمیر کو جلا دی

بسمل سعیدی اس دور کے ایک حساس شاعر ہیں۔ ان کی کچھ غزلیں ایسی بھی ہیں جو اندھیرے میں قندیل کا کام انجام دیتی ہیں۔ غزلیں کیا ہیں آج کے سائنسی دور میں نئی روشنی و ترقی کا پیغام جان پڑتی ہیں۔ ان اشعار میں امتحانی نلیوں اور تھرمامیٹر کا ذکر تو نہیں ہاں ترقی پذیر زندگی کی باتیں ضرور ہیں ؎

نیا سماں ہے، نیا اک جہاں ہے اور ہم ہیں
نئی زمین، نیا آسماں ہے اور ہم ہیں
نئے مقام، نئے مرحلے، نئی راہیں
نئے ارادے، نیا کارواں ہے اور ہم ہیں
ہمارے نقشِ قدم ہیں یہ مہر و ماہ و نجوم
ہماری راہ سرِ کہکشاں ہے اور ہم ہیں

آج کا انسان چاند پر کمند ڈالنے پر کمربستہ ہے مہم باز پے درپے چاند کی کنواری دھرتی کا دور کرکے قدرے کامیاب لوٹ آئے ہیں۔ تسخیرِ قمر کا خواب آج حقیقت میں تبدیل ہو چکا ہے فضائی سفر اب قصہ نہیں رہا۔ اس لئے کہ ہر مہم اپنے ساتھ کچھ معلومات لائی ہے، کچھ خوشی بھی شاعر (پروفیسر اے۔ سی۔ بہار) اس خوشی کا اظہار ان رباعیوں میں یوں کرتے ہیں ؎

اک خاک کے پتلے نے غضب ڈھایا ہے
آکاش سے دھرتی پہ خبر لایا ہے
یہ عزم، یہ جذبہ، یہ ارادہ، یہ جنوں،
انسان کے حصے میں فقط آیا ہے

اب چاند پہ انساں نے پھینکی ہے کمند
دیکھے تو کوئی اس کا ذرا عزم بلند
بیٹھا تھا کبھی فرش پہ جس آدم کو
پھر عرش نشیں ہے وہ خدا کا فرزند

باقی مہ و خورشید کی دوری نہ رہی
کچھ رفعتِ افلاک ضروری نہ رہی
بے تاب تھا کونین پہ چھا جانے کو
انساں کی یہ خواہش بھی ادھوری نہ رہی

اُردو کے کئی شاعروں نے اِنسان کی عظمت پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اتنی فہم و فراست انسان ہی کو قدرت نے عطا کی ہے جس کی بدولت وہ ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ تخلیق و تحقیق کی منازل طے کرتا ہوا ترقی کا زینہ چڑھ سکتا ہے۔ اِس کیفیت کو ذہن میں رکھ کر علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

ایک جدید شاعر تسخیرِ قمر کے مضمون سے جلا لے کر انسان کے جذبۂ تحقیق اور اس کی صحیح خواہش کی یوں ترجمانی کرتا ہے ؎

تمام تاروں کو چھوتا ہوا گذر جاؤں
کمان بن کے مجھے تیر سا رواں کر دے

تنقید و تاریخ میں اُردو کے جن نقادوں نے سائنس کو سوچا سمجھا ہے، اُسے اپنایا ہے، اُن کی تحریر میں منطق کا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ اُن کا استدلال قوی ہو گیا ہے بلکہ یوں کہئے اُن کا زاویۂ نظر ہی سائنٹیفک بن گیا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور سائنس کے متعلق یوں فرماتے ہیں "سائنس نے مجھے ایک خاص عینک سے دیکھنے کی بجائے اس کے اپنے رنگ میں دیکھنا سکھایا سائنس نے اس سوال کو پس پُشت ڈال دیا کہ میں کیا جانتا ہوں یا کیا پسند کرتا ہوں بلکہ یہ سکھایا ہے کہ یہ کیا ہے اور کیسا ہے۔ سائنس نے مجھے خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنا سکھایا۔ سائنس نے بنیادی اور جُزوی باتوں میں فرق کرنا سکھایا۔"

یورپ و امریکہ میں سائنس کو عام معلومات کی سطح پر لکھنے کا رواج بڑے زوروں پر ہے۔ مگر ہندوستان میں اور خصوصاً اردو میں اس تناسب سے معلوماتی سائنس پر نہیں لکھا جا رہا جس تناسب سے شعر و ادب اور دوسری اصناف پر لکھا جاتا ہے۔ سائنسی معلومات کی اہمیت پر راقم الحروف کی کتاب "آج کی سائنس" سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"بچپن میں ہم سائنس کے کرشموں کا ذکر پڑھتے تھے۔ اِن کرشموں میں ریل گاڑی، ہوائی جہاز، وائرلیس وغیرہ شامل تھے۔ اُن دنوں لوگ سائنس کو کرشموں یا معجزوں کا دوسرا نام سمجھتے تھے۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا، سائنس کے کرشمے زیادہ سے زیادہ سامنے آنے لگے۔ یہاں تک کہ آج سائنس اِنسانی زندگی کا ایک حصّہ بن چکی ہے۔ آج سائنس کی ایجادوں کی طرف نظر ضرور اٹھتی ہے لیکن کرشموں کے دن بدن بڑھنے پر کوئی حیران نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ آج سائنس اِنسانی زندگی سے الگ نہیں رہی۔ کھیتی باڑی ہو یا دستکاری، ڈاکٹری ہو یا انجینرنگ، ہر پیشہ اور زندگی کے ہر کاروبار میں سائنس کی اہمیت سے ہم واقف ہیں۔"

اردو ادب میں جدید سائنس پر کہیں کہیں قابلِ قدر ٹکڑے ملتے ہیں جو معلوماتی بھی ہیں اور دلکش بھی۔ آئین اسٹائن کے نظریۂ اضافت پر پروفیسر محمد رضی الدین صدیقی لکھتے ہیں:

"آئین اسٹائن نے نظریۂ اضافت کی بنا پر یہ ثابت کیا کہ توانائی بھی ایک وجود رکھتی ہے جسکو عرفِ عام میں وزن کہا جاتا ہے۔ مادّہ اور توانائی دو مختلف اشیاء نہیں، بلکہ ایک ہی شئے کے دو مختلف روپ ہیں۔ روشنی کی شعاع صرف اس وقت سیدھے خط میں جاتی ہے جب کہ فضا میں کوئی مادّہ نہ ہو۔ لیکن اگر یہی شعاع کسی مادّی جسم کے قریب سے گذرے تو اپنے سیدھے راستے سے مڑ جائے گی۔"

"اس سائنس داں نے ایک فارمولا بھی معلوم کیا ہے جو بتاتا ہے کہ کس مادّی شے سے کس قدر توانائی اور کس توانائی سے کس قدر مادّہ حاصل ہوتا ہے۔ مادّہ اور توانائی میں کوئی اساسی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک ہی شے کبھی ذرّہ کے خواص کا اظہار کرتی ہے اور کبھی موج کے خواص کا۔ آئین اسٹائن کے خیال میں کائنات متناہی ہے اور اس کے کسی دو نقطوں کا درمیانی فاصلہ معین ہے۔ لیکن چونکہ کائنات کرّہ یا گولہ کی شکل کی ہے اس لئے اس پر کہیں کوئی حد یا کنارہ نہیں ہے اور جب تک چاہیں اس کے گرد سفر کر سکتے ہیں۔ اسی لئے کائنات کو متناہی مگر غیر محدود کہتے ہیں۔ یہ نتیجہ فضا کے مڑی ہوئی ہونے کا ایک معمولی نتیجہ ہے۔"

(مذہب اور سائنس)

جب آئین اسٹائن کہتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز اضافی ہے یعنی آپ کسی شے کو دیکھ کر یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ جو کچھ آپ دیکھ اور سمجھ رہے ہیں وہی درست ہے۔ وہ شے اس سے مختلف بھی ہو سکتی ہے جو کچھ آپ کو نظر آ رہی ہے مثلاً ہمیں روزانہ سورج آسمان پر چڑھتا اور اترتا نظر آتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ہمیں سورج کی یہ حرکت اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ ہماری زمین اپنے محور پر گھوم رہی ہے۔ آئین اسٹائن کے اس خیال کو حسن نعیم کے اس شعر میں ملاحظہ ہو ؎

میں بگولوں کی طرح پھولا پھلا ہوں دشت میں
ابر آئے یا نہ آئے میں سدا شاداب ہوں

مری مژہ پہ جو قطرہ دکھائی دیتا ہے
تری پلک پہ ستارہ دکھائی دیتا ہے

اُردو میں متفرق مضامین بھی ان برسوں میں شائع ہوئے جن میں قدرت' کائنات اور سائنس کا ذکر ملتا ہے۔ سائنس کے حق اور مخالفت میں مواد بھی' اور کہیں کہیں ایسا مواد خوبصورت نثر میں۔ وحیدالدین خاں لکھتے ہیں

" سائنس کی ترقی اور علم کے پھیلاؤ نے اب انسان کو وہ کچھ دکھا دیا ہے جس کو پہلے اس نے دیکھا نہیں تھا۔ واقعات کی جن کڑیوں کو نہ جاننے کی وجہ سے ہم سمجھ نہیں سکتے تھے کہ یہ واقعہ کیوں ہوا۔ وہ اب واقعات کی تمام کڑیوں کے سامنے آجانے کی وجہ سے ایک جانی بوجھی چیز بن گیا ہے۔ مثلاً پہلے آدمی یہ نہیں جانتا تھا کہ سورج کیسے نکلتا اور ڈوبتا ہے۔ اس لئے اس نے سمجھ لیا کہ کوئی خدا ہے جو سورج کو نکالتا اور غروب کرتا ہے۔ اس طرح ایک مافوق الفطرت طاقت کا خیال پیدا ہوا' اور جس چیز کو آدمی نہیں جانتا تھا اس کے متعلق یہ کہہ دیا کہ یہ اس طاقت کا کرشمہ ہے۔ مگر اب جب کہ ہم جانتے ہیں کہ سورج کا نکلنا اور ڈوبنا اس کے گرد زمین کے گھومنے کی وجہ سے ہوتا ہے تو سورج کو نکالنے اور غروب کرنے کے لیے' خدا کو ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ اس طرح وہ تمام چیزیں جن کے متعلق پہلے سمجھا جاتا تھا کہ ان کے پیچھے کوئی ان دیکھی طاقت کام کر رہی ہے وہ سب جدید مطالعہ کے بعد ہماری جانی پہچانی فطری طاقتوں کے عمل اور ردّعمل کا نتیجہ نظر آیا۔ گویا واقعہ کے فطری اسباب معلوم ہونے کے بعد وہ ضرورت آپ سے آپ ختم ہوگئی جس کے لئے پہلے لوگوں نے ایک خدا یا مافوق الفطرت طاقت کا وجود فرض کر لیا تھا۔"

سائنسی تحقیقات اور انکشافات کے انہماک میں روحانیت ایک حد تک قربان ہوگئی۔ اور ہندوستان چونکہ فلسفہ و دھرم کا گہوارہ رہا ہے اس لئے کئی شعراء و ادباء کو اس سے قلبی بے اطمینانی ہوگئی۔ طنز و مزاح اور اعتراضات کے ٹکڑے بہت ملتے ہیں جن میں انفرادیت اور حُسن ہے اور سائنسی نظریات پر ایک ہلکا پھلکا طنز و مزاح ہے

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے
جنابِ ڈارون کو حضرتِ آدم سے کیا مطلب

کچھ خدا سے ہے شکایت کچھ فرشتوں سے گلہ
اس سے کیا شکوہ کروں میں جو کبھی بندر بھی تھا

پیامِ فخر ہے ذرات کی توانائی مگر یہ فخر ہے بنیادِ انتشارِ حیات
ہوائے تند کا جھونکا ہے وقت کا رجحان
اور اس کی زد پہ ہے گیسوئے تابدارِ حیات

اِنسان نے مشینوں' ایجادوں اور نئے نئے سائنسی نظریات کی بدولت ترقی کی شاہراہ پر قدم بڑھایا ہے اور اب اس سے پیچھے جانا نہیں چاہتا۔ اور پیچھے جانا کوئی عقل کی بات بھی نہیں۔ آج کا انسان سائنس کی برکات سے مُنحرف نہیں ہو سکتا اسے وقت کے دھارے کے ساتھ چلنا ہے اور یہ دھارا سائنس کا دھارا ہے۔ اسی طرح چونکہ کسی بھی ترقی پسند اور ترقی پذیر زبان کا ادب اس دھارے سے علیحدہ نہیں رہ سکتا اس لئے اُردو کا دامن بھی اس سے خالی نہیں ہے۔

اُنھیں ہندوستانیوں سے محبّت تھی
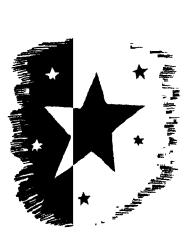
مہاتما گاندھی ایک بار جنوبی افریقہ میں ہندوستانی بستیوں کا دورہ کر رہے تھے۔ وہ اور ان کے ساتھی نئی تنظیم نٹال انڈین کانگریس کے ممبر بھرتی کر رہے تھے اور چندہ اکٹھا کر رہے تھے اس موقع ہندوستانیوں کے کوارٹروں کے درمیان باپو کو ایک جنگلی علاقے سے گذرنا پڑا۔ وہاں باپو کی نظر چند افراد پر پڑی جو درختوں کے پیچھے چھپ کر گاندھی جی کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

باپو نے مڑ کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔
" یہ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوستانی ہی ہیں۔"

ساتھیوں نے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان میں سے کچھ افراد کو اس علاقے سے واقفیت تھی۔ آخر کار ان میں سے ایک شخص نے کہا۔" اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ ہم ہی میں سے ہیں لیکن کوڑھ کے مریض ہیں اور انھیں شہر کی حدود سے باہر رہنا پڑتا ہے۔"

دوسرے شخص نے کہا۔" بھائی انھوں نے سُنا ہوگا کہ آپ ادھر سے گزرنے والے ہیں اس لئے آپ کو دیکھنے آئے ہوں گے۔"

تیسرے نے کہا۔" جلد چلو' یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ ان میں سے بہت سے مریضوں کا مرض خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے۔"

باپو نے سر ہلایا اور کہا۔" ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ بچارے نہ جانے کب سے میرا انتظار کر رہے ہیں میں ان سے ملے بغیر نہیں جا سکتا۔" اور یہ کہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے احتجاج کے باوجود باپو اُن کے پاس چلے گئے اور ان سے بات چیت کرکے انھیں خوش اور مطمئن کرکے وہاں سے روانہ ہوئے۔

بدیع الزماں خاور

سنت بانی

تکارام مہاراج کے

ایک مشہور ابھنگ کا

منظوم ترجمہ

جو دُکھ درد سے تنگ آئے ہوئے ہیں
جو دُنیا جہاں کے ستائے ہوئے ہیں
اُنہیں دِل سے اپنا، جو اِنساں کہے گا
خُدا مہرباں اُس پہ ہر دَم رہے گا

جو مجبور ہیں، بے کس و غم زدہ ہیں
جو تکلیف اور رنج میں مبتلا ہیں
جو اِنسان اُن کا مددگار ہوگا
خدا کے کرم کا وہ حقدار ہوگا

رہے جس میں سختی نہ اندر، نہ باہر
گداز اور نرمی ہو جس کو میسّر
ملائم ہو مکھن سا دِل جس کِسی کا
اُسے نام دیجئے بھلے آدمی کا

غلاموں کو چاہے جو بیٹوں سے بڑھکر
رکھے دستِ شفقت کنیزوں کے سر پر
سہارا بنے جو کِسی بے نوا کا
وہ انساں ہے محبوب بندہ، خدا کا

جو بے آسروں کو گلے سے لگائے
مصیبت کے ماروں پر جو رحم کھائے
تکا بولے : کیونکر بتاؤں وہ کیا ہے
خدا خود اُس اِنساں کے اندر چھپا ہے

شہرت کا چکر

• پرویز یداللہ مہدی

کچھ عقل مند شہرت کو ایک ایسی چڑیا سے تعبیر کرتے ہیں جسے تدبیر کے جال سے پھانسا جاسکتا ہے، گویا اس کے لئے چڑی مار بننا ضروری ہے اور بعض دانشور کہتے ہیں کہ شہرت ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنے کے کئی راستے ہیں۔ ہم ان دانشوروں سے ایک حد تک متفق بھی ہیں لیکن جس طرح ترقی کرنے کے کئی راستے ہیں اسی طرح شہرت کے بھی کئی میدان اور اکھاڑے ہیں۔ جس طرح اکھاڑے میں اُترنے سے پہلے ایک پہلوان کو اپنی قوت کا صحیح اندازہ لگا لینا ضروری ہوتا ہے اسی طرح شہرت کے کسی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی صلاحیتوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا لینا ضروری ہے۔ مثلاً لیڈری کے ذریعہ شہرت حاصل کرنا ہو تو ایک آدمی کو چرب زبان، موقع شناس، چلتا پرزہ، ڈھیٹ اور چکنا گھڑا بننا ضروری ہوجاتا ہے۔ اگر کھیل کود کے میدان میں نام کمانا ہو تو بات بات پر ریفری پر پلٹ پڑنے اور مخالف کھلاڑیوں کے ہاتھ پاؤں توڑنے کی صلاحیت کا پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ اگر شاعری کے میدان میں شہرت کے جھنڈے گاڑنا ہو تو ترکہ میں داداجان مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام، تخلص کی ہیراپھیری کے ساتھ حاصل کرنا ضروری ہے۔

اس عالم آب وگِل میں شاید ہی کوئی ایسا فرد ہوگا جس کے سینہ میں شہرت حاصل کرنے کی خواہش نہ پلتی ہو۔ بلکہ کسی کا سینہ اگر اس خواہش سے خالی ہو تو بلاشبہ اس کی صحیح الدماغی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ ہم چونکہ ماضی میں بھی صحیح الدماغ تھے اور اب بھی ہیں اس لئے شہرت کی دیوی کو رام کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنی صلاحیتوں کو اچھی طرح جانچا پرکھا، بالفاظ دیگر خود کو خوب ٹھونک بجا کر دیکھا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ لیڈری اور کھیل کود اپنے بس کا روگ نہیں۔

جہاں تک لیڈری کا تعلق ہے اس سلسلے میں نہ صرف ہم بلکہ سارا محلہ بفضلہ تعالیٰ ان جرثوموں سے محفوظ ہے جو ایک اچھے بھلے انسان کو لیڈری جیسی مہلک بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں جس کا صرف ایک ہی علاج ہے: قوم کے غم میں ڈنر کھانا

ویسے ہمارے مُحلّے میں اکثر سیاسی، نیم سیاسی ادبی، غیرادبی قسم کے جلسوں کا اِنعقاد ہوتا رہتا ہے لیکن ہم نے اپنے مُحلّے کے کسی فرد کو اسٹیج پر اُچھلتا کودتا ہوا کبھی نہیں دیکھا۔ اب رہا کھیل کود کا میدان، تو ہماری جسمانی حالت اور ساخت کو دیکھتے ہوئے ہمارے کھلاڑی ساتھیوں نے ہمیں کبھی اس قابل نہیں سمجھا۔ ویسے دِل کے ہاتھوں مجبور ہوکر بچپن میں کئی بار اپنی ہی گلی میں گلّی ڈنڈا کھیلنے کی کوشش کرچکے ہیں لیکن ہر بار ہمارے دوست یہ کہہ کر ہمارے حوصلے پست کر دیتے کہ گلّی کے ہاتھ میں ڈنڈا!

کالج کے زمانے میں اپنی ہم جماعت لڑکیوں پر اپنی مردانگی کا سِکّہ جمانے کے لئے ہم نے دو ایک بار دوڑ کے مقابلوں میں شرکت ضرور کی تھی اور اس قدر ہزیمت اُٹھائی کہ وہ سماں یاد کرکے آج بھی شرم سے پانی پانی ہوتے ہی بھاپ بن کر اُڑ جاتے ہیں اور اس طرح باور آیا ہمیں پانی کا ہَوا ہو جانا — بلکہ اپنی ایک ہم جماعت لڑکی کا وہ طنزیہ جملہ ہمیں آج تک یاد ہے: "غالباً آپ غلطی سے دوڑ کے مقابلے میں شریک ہوگئے حالانکہ آپ کو اصولاً ... کے مقابلے میں شریک ہونا تھا۔"

خیر کھیل کود، اور لیڈری ان دونوں میدانوں میں چونکہ ہماری دال گلنی مشکل تھی اس لئے ... نے اپنے "اَڑیل ٹٹو" کی باگ شاعری اور اَدب کے میدان کی طرف موڑ دی۔ یہ میدان ہمارے ... نسبتاً آسان تھا۔ ہمیں لکھنے لکھانے کا شوق بچپن ہی سے تھا اسکول کے زمانے میں کورس کی کتابوں سے نظمیں وغیرہ بڑی صفائی سے نقل کر... اس شان سے گھر کے نوکروں چاکروں کو سُنا... جیسے وہ ہماری ذہنی اُپج کا نتیجہ ہوں۔ لیکن ... کے ہنڈولے سے جیسے ہی جوانی کے آنگن میں ... رکھا چھپنے کی خواہش نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ... ہی شفقت میں متعدد انگڑائیاں لے کر اپنے وجود کا اعلان کر دیا۔ جس طرح ایک مفلس وکنگال

کثیرالعیال کلرک اپنی بیٹی کے اچانک جوان ہونے کی خبر سُن کر بوکھلا جاتا ہے ہم بھی کچھ اسی طرح بوکھلا گئے بے سوچے سمجھے برسوں پہلے جو قلم اٹھالیا تھا اب اُسے سنبھالنا دشوار معلوم ہورہا تھا - اب نقل سے نہیں بلکہ عقل سے کام لینا تھا - چنانچہ جب عقل سے کام لیا تو پتہ چلا کہ لکھنا لکھانا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں جو سر اُٹھائے ہوئے چلے گئے اور خالہ جی کی اکلوتی صاحبزادی سے رومانس لڑالیا' بلکہ لکھنا لکھانا تو لوہے کے چنے چبانا ہے - چنانچہ لوہے کے چنے کی تلاش شروع کردی - لیکن اس سے پہلے کہ ہم مکمل چوکڑے شریف سے ہاتھ بلکہ منہ دھو کر پھر سے شیرخوار کہلاتے ' ایک دوست کے والدِ بزرگوار نے جو اپنے مرحوم والد صاحب کا غیر مطبوعہ بلکہ مطبوعہ کلام بھی اپنے نام سے شائع کرواتے ہیں ' فرمایا کہ لوہے کے چنے چبانا تو صرف ایک محاورہ ہے اور اُردو ادب ایسے ہی دنداں شکن محاوروں کی وجہ سے دنیا کے ہر ادب کے دانت کھٹے کرسکتا ہے - پھر انھوں نے ہمیں ہر قسم کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کا مخلصانہ مشورہ دیا - ان کا کہنا ہے کہ بعض اوقات مطالعہ اس قدر سودمند ثابت ہوتا ہے کہ خود کچھ لکھنے لکھانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی - مطالعہ کے دوران ایسے ایسے بیش بہا مضامین ہاتھ لگتے ہیں جو بلا کھٹکے عنوان بدل کر اپنے نام کے ساتھ شائع کروائے جاسکتے ہیں - چنانچہ انہی کے زرّیں مشورے پر عمل کرکے ہم نے ادبی ' جاسوسی ' جنسی ' تاریخی ' جغرافیائی ' سائنسی ہر قسم کے لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا اور معروف ' غیر معروف ' گمنام ' بدنام ' ہر قسم اور ہر گریڈ کے شاعروں کے دیوان دیوانہ وار پڑھ ڈالے ' اور پھر خود کو ہر فن مولیٰ تصور کرکے ادب کی ہر صنف سے چھیڑ خانیاں شروع کردیں - نتیجتاً ایک قلیل مدت میں اتنے کاغذ کالے کر ڈالے کہ خود پر ردّی کے کسی تھوک بیوپاری کا گمان ہونے لگا - اگر اسی وقت ہم ردّی کا بیوپار شروع کردیتے تو آج کم از کم ایک عدد دوکان اور دو عدد مکان کے بلا شرکتِ غیرے مالک ہوتے -

خیر اُسی ردّی کے ڈھیر میں سے چُن کر ایک غزل نما چیز اُس مقامی جریدے کو بذریعہ رجسٹری (جوابی لفافہ سمیت) بھیج دی جو تھا تو ماہنامہ لیکن سال میں دو چار بار ہی آسمانِ ادب پر طلوع ہوتا تھا - کہتے ہیں نئے فقیر کو بھیک کی جلدی ہوتی ہے - ہم بھی آہٹ پہ کان' در پہ نظر اور دل میں اشتیاق کے دیئے جلائے جواب کے منتظر بیٹھے تھے لیکن جواب تھا کہ لاجواب ثابت ہورہا تھا اور جب آنکھیں سچ مچ پتھرا گئیں ' کان سُن ہوگئے اور دل نہ صرف بیٹھ گیا بلکہ اچھا خاصا لیٹ گیا تب کہیں جواب موصول ہوا - وہ بھی ایڈیٹر صاحب کے آداب و معذرت کے ساتھ - غزل بے رنگ بلکہ بدرنگ لوٹا دی گئی - مُدیر موصوف نے لکھا تھا -

محترم : آپ نے غزل کا ڈھانچہ تو کسی نہ کسی طرح تیار کرڈالا جو کسی میڈیکل کالج کے تجربہ گاہ والے ڈھانچے سے بے حد ملتا جلتا ہے لیکن لاکھ ڈھونڈنے پر بھی اس کی کمر کا کچھ پتہ نہیں چل سکا - کسی لکھنوی شاعر کا یہ شعر آپ کی غزل پر پوری طرح صادق آتا ہے ؎

نہ جانے وہ ناڑا کہاں باندھتے ہیں
سُنا ہے کہ ان کی کمر ہی نہیں ہے

خط پڑھنے کے بعد ہماری جو حالت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے - وہ تو غنیمت کہ گھر کو دیکھ کر دشت یاد آگیا ورنہ دشت پیمائی کے لئے نکل گئے ہوتے - ایک کرم فرما نے مشورہ دیا کہ آج کے بیشتر خود ساختہ مدیرانِ کرام مضمون وغیرہ پڑھتے نہیں - بس لکھنے والے کے نام کے ساتھ ڈگریوں کا دُم چھلا تلاش کرتے ہیں - لہٰذا میری مانیئے تو اپنے نام کے ساتھ کے - جی سے لے کر ایم - اے تک کی ڈگریاں جلی حرفوں میں لکھا کیجیے - مشورہ حالانکہ نامعقول تھا لیکن ہم چونکہ چھپنے کی خواہش ناتمام کے ہاتھوں کھلونا بن چکے تھے اور معقول و نامعقول کی تمام حدیں پھلانگ چکے تھے اس لئے نہ صرف ڈگریوں کا دُم چھلا بلکہ ان کی "ٹرو کاپیاں" بھی ایک گزیٹیڈ آفیسر کے دستخط و مہر سمیت اپنے مضامین کے ساتھ منسلک کرکے بھیجنے لگے - لیکن پھر بھی کسی نے گھاس نہیں ڈالی - گویا ادبی میدان میں ہم گدھے سے بھی گئے گذرے تھے - اس سے پہلے کہ یہ احساس ہمیں زندہ درگور کردیتا ایک اور کرم فرما کو ہمارے حالِ زار پر رحم آگیا - (نہ جانے کیوں صرف ایسے حضرات کو ہم پر رحم نہیں آتا جو مدیرانِ کرام کے زمرے میں آتے ہیں -)

ہمارے ان کرم فرما نے ہمیں اِدھر اُدھر دوڑاکر خوب تھکا دینے کے بعد ایک روز یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ اُن کے ایک قریبی شناسا جو دراصل اُن کے سُسر کے سمدھی کے پڑوسی ہیں اور خواتین کے مقبولِ عام ماہنامے "چراغ خانہ" کے نہ صرف پرنٹر' پبلشر' ایڈیٹر ہیں بلکہ کاتب' نقل نویس' چپراسی وغیرہ بھی خود ہی ہیں' ان سے ہمارا باضابطہ و باقاعدہ تعارف کروادیں گے - یہ مژدۂ جانفزا تو ہمارے حق میں مژدۂ جان لیوا ثابت ہوتے ہوتے رہ گیا - چونکہ مارے خوشی کے ہمارے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں - ہاتھ پاؤں میں رعشہ طاری ہوگیا تھا اس لئے ہم ایک عدد ڈبل بس' دو عدد آٹو اور تین عدد رکشاؤں کی زد میں آنے سے بال بال بچ گئے اور حواس چونکہ پوری طرح بجا نہیں ہوسکے تھے اس لئے اپنی سسرال کے دھوکے میں بھائی کی سسرال پہنچ گئے - پھر وہاں سے اپنے گھر کے بجائے پڑوسی کے گھر میں گھس گئے - جب پردہ دار خواتین نے ہلڑ مچایا اور ہمارے پڑوسی بڑے خان پہلوان نے ہمارا ٹینٹوا دبایا تب کہیں ہوش ٹھکانے آئے - غالباً ایسی ہی خوشی کو شادیٔ مرگ کہتے ہیں !

خدا خدا کرکے وہ دن بھی آگیا جب ہم

نہا دھوکر ایک مدت کے بعد دربارِ الٰہی میں سر بہ سجود ہوکر بڑی آرزوؤں اور امیدوں کے ساتھ اپنے کرمفرما کے ہمراہ "چراغ خانہ" کے دفتر پہنچے۔ جیسے ہی اندر داخل ہوئے، لرز اٹھے۔ کمرہ اس قدر تنگ و تاریک تھا کہ ہماری نگاہوں کے آگے کسی نہایت ہی پرانی اور بوسیدہ قبر کا نقشہ گھوم گیا۔ دل نے فی الفور کہا۔ مقامِ عبرت ہے غافل، اپنے گناہوں سے توبہ کرلے۔ عذابِ قبر بھی اس کے آگے کوئی چیز نہیں۔ اور پھر جیسے ہی بوسیدہ فائلوں کے انبار کے پیچھے سے جھانکنے والے چہرے پر نظر پڑی ہماری گھگھی بندھ گئی۔ آنکھوں کی جگہ صرف دو سیاہ حلقے نظر آرہے تھے۔ اسی عالمِ ہیبت میں ہمارے کرم فرمانے اُس قبر نما دفتر کے زندہ بدست مُردہ مدیر سے ہماری آمد کا مقصد بیان کیا جس کے فوراً بعد موصوف نے حسبِ توقع یہی سوال کیا۔ "آپ اب تک کہیں چھپے بھی ہیں؟"

جواب میں ہمارا گڑبڑانا لازمی تھا۔ ہمارے کرم فرمانے ہماری متغیر حالت دیکھ کر وار سنبھال لیا اور بولے۔" قبلہ دراصل یہ ایک ناتراشیدہ ہیرا ہیں۔ بس ایک بار ان کی انگلی تھام لیجئے پھر یہ آپ کی کلائی خود بخود پکڑ لیں گے۔"

"بہت خوب" وہ ہنسے اور ان کا چوکھٹا یوں تھرتھرایا جیسے کوئی بوسیدہ عمارت زلزلے کے جھٹکے سے تھرتھراتی ہے۔ پھر بولے۔" ان کی تخلیقات دیکھے بغیر نہ میں ان کی انگلی پکڑوں گا اور نہ ہی یہ میری کلائی تھام سکیں گے۔"

جواب میں ہم نے اپنی بغل میں دبی فائل ان کی خدمت میں پیش کردی جسے وہ کچھ دیر تک تولتے رہے جیسے وہ ردّی کے بیوپاری رہے ہوں پھر ہفتہ بھر بعد ملنے کو کہہ کر، ہمیں باہر کا راستہ دکھائے بغیر خود فائلوں کے انبار کے پیچھے غائب ہوگئے۔

ہفتہ بھر تک ہم لیٹے لیٹے، بیٹھے بیٹھے، کھڑے کھڑے، الغرض سوتے جاگتے طرح طرح کے خواب دیکھتے رہے۔ کبھی ہمیں اپنا نام آسمانِ ادب پہ دُمدار ستارے کی طرح چمکتا نظر آیا تو کبھی جھاڑو تارے کی طرح لٹکتا۔ کبھی اپنے دروازے پر ان تمام مدیرانِ کرام کا جمِ غفیر نظر آتا جو ہمارے مضامین بے رنگ لوٹا چکے ہیں۔ خواب میں وہ سب لوٹائے ہوئے مضامین حاصل کرنے کے لئے فری اسٹائل کشتیوں میں مصروف نظر آتے۔

ایک خواب تو بڑا ہی دھواں دھار دیکھ ڈالا۔ آسمانِ ادب کے وہ درخشندہ ستارے جو بقیدِ حیات ہیں اور وہ جو ڈوب چکے ہیں، سب کے سب اپنی اپنی آٹوگراف بک سنبھالے ہم سے آٹوگراف لیتے ہوئے نظر آئے، لیکن ہمارے یہ خواب اُس وقت چور چور ہوگئے جب ہفتہ بھر بعد ملاقات کے دوران مدیر 'چراغِ خانہ' نے یہ کہہ کر ہمارے 'دماغ خانہ' کی روشنی گل کردی کہ ہماری نگارشات کسی بھی زاویہ سے نہ تو ادبی کہلائی جاسکتی ہیں نہ نیم ادبی، اور نہ ہی فحش۔ ہماری تخلیقات کم از کم فحش ہی ہوتیں تو وہ ضرور اپنے جریدے میں شائع کرتے کیونکہ خواتین کے پرچوں میں فحش ادب آج کل زور پکڑتا جارہا ہے۔ ہماری تخلیقات چونکہ موصوف کی نظر میں بوجھل قسم کی تھیں اس لئے ایسی چیزیں شائع کرکے وہ خواتین کے تھکے ہوئے ذہنوں پر اور بار ڈالنا نہیں چاہتے تھے، انہیں دراصل یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ ہماری تحریروں کی شمولیت ان کے ماہنامے چراغِ خانہ کو کہیں 'شمعِ محفل' نہ بنادے۔

اِدھر ہمارے احساسات پر اوس بلکہ اولے پڑگئے اور ہمیں یقین ہوگیا کہ ہمارا یہ ادبی اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھ سکتا۔ چنانچہ اپنی تحریروں کا پلندہ وہیں پٹک کر یہ عہد کرکے وہاں سے لوٹ آئے کہ اب نہ تو کبھی انہیں اپنی شکل دکھائیں گے اور نہ ہی ان کی شکل دیکھیں گے۔

لیکن چند روز بعد ہمارے وہی کرم فرما دوڑے دوڑے آئے اور ہمیں گھسیٹ کر پھر موصوف کے قبر نما دفتر میں پہنچادیا۔ ہم اس اچانک اور غیر متوقع طلبی پر حیران تھے۔ موصوف نے ہمیں دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔ "برخوردار! تم تو چھپے رستم نکلے۔ ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ تمہارا ڈھائی روپے والا معمولی قلم ایسے معلوماتی مضامین بھی صفحۂ قرطاس پر بکھیر سکتا ہے، واللہ کیا بیش بہا قسم کے مضامین ہیں۔ شوہروں کو قابو میں رکھنے کے گُر، گھریلو آزمودہ ٹوٹکے۔"

ہم برداشت کی تمام حدیں پھلانگ چکے تھے۔ جھپٹ کر کاغذوں کا پلندہ، موصوف سے چھین لیا۔ دیکھا تحریر واقعی ہماری تھی لیکن وہ سارے گُر، سارے ٹوٹکے ہم نے طلسمِ ہفت رنگ قسم کے نسخوں سے نقل کئے تھے جو ردّی میں ہمارے ہاتھ آئے تھے اور کچھ ہمارے پڑوسی گنڈے شاہ صاحب کی تھوڑی بہت صحبتِ بافیض کی دین تھے۔ بہرحال ہمارا 'چھومنتر' قسم کا مضمون اگلے ہی شمارے میں چھپ گیا لیکن واہ ری بدنصیبی، مضمون ہمارا اور نام "سامری" کا ۔ ہمارے نام کی جگہ 'سامری کے قلم سے' لکھا تھا۔ ہمارے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور اس سے پہلے کہ اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ہم موصوف کی پھٹیچر سائیکل کا کچومر نکال دیتے ان کی بوسیدہ چھتری کی مزید دھجیاں اُڑا دیتے، موصوف نے انتہائی دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے یہ کہہ کر ہمارا سارا غصہ ٹھنڈا کردیا کہ انہوں نے ہمیں اپنی مجلسِ ادارت میں شامل کر لیا ہے اور یہی نہیں بلکہ اب ہم ہر ماہ سامری کے قلمی نام سے مستقلاً ان کے جریدے کے لئے لکھا کریں گے۔
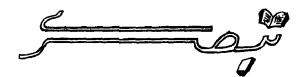
بس حضور وہ دن اور آج کا دن ہے، ہمارے غیر شادی شدہ قلم سے صرف شادی شدہ خواتین کے لئے نت نئے گُر اور الٹے ٹوٹکے نکل رہے ہیں اور قلم ہمارا اور نام سامری کا چل رہا ہے۔

• ریاض احمد خاں

دینِ الٰہی اور اُسکا پس منظر

" دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر" ایک تحقیقی مقالہ ہے جو مولانا مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے تاریخ کے پروفیسر محمد اسلم کی کتاب " دینِ الٰہی " پر لکھا ہے اور اسے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی نے کتابی صورت دی ہے۔ پیش لفظ جناب ضیاء الحسن فاروقی صاحب پرنسپل جامعہ کالج، جامعہ نگر، نئی دہلی کا ہے۔

فاروقی صاحب نے پیش لفظ ہی میں اس خدشہ کا اعلان کردیا ہے کہ ہند۔ بنگلہ۔ پاک برصغیر میں دو پارٹیاں بن گئی ہیں۔ ایک اکبر کی طرفدار اور دوسری اورنگ زیب کی۔ اکبر کے خلاف سب سے زیادہ غلط فہمی ملّا عبدالقادر بدایونی کے بے لچک اور تنگ نظریہ کی وجہ سے پھیلی۔ انہی ملّا عبدالقادر بدایونی کی " منتخب التواریخ " کے حوالے دیتے ہوئے پروفیسر محمد اسلم نے نہ صرف ابوالفضل اور فیضی کو بے دین اور ملحد گردانا بلکہ عظیم شہنشاہ اکبر کو بھی ملحد اور بے دین قرار دیا ہے۔ یہاں پر اس بات سے بھی منہ نہیں موڑا جا سکتا کہ اکبر کو تحصیلِ علم کا موقع نہیں ملا۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ اکبر جیسا ذہین حکمراں بھی مغلیہ سلطنت کو نہیں مل پایا۔ اکبر کی طبیعت میں تلاش و جستجو کا مادہ تھا اور اسی وجہ سے اس کی طبیعت حقیقت کی متلاشی رہی۔ اکبر نے کبھی کٹّر مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کیا مگر اپنے مذہب سے خوب اچھی طرح وابستہ تھا اور مذہب کے بارے میں خوب معلومات رکھتا تھا۔ اپنی مذہبی سوجھ بوجھ ہی کی وجہ سے اکبر اس دور کے علماء کی تنگ نظری سے واقف ہوگیا تھا۔

اکبر کے عہدِ حکومت کا اگر سیاسی جائزہ لیا جائے تو اکبر کی ہر لغزش قابلِ معافی سمجھی جائیگی۔ سلطنت قائم کرنے اور اسے مستحکم اور مضبوط بنانے کے لئے کچھ قربانی بھی دینا پڑتی ہے جو اکبر نے دی۔ مگر ان قربانیوں کو ملّا عبدالقادر بدایونی نے اُلٹے پیمانے سے ناپنے کی کوشش کی جس کی تقلید اب پروفیسر محمد اسلم اپنی تصنیف 'دینِ الٰہی' میں کر رہے ہیں۔

مولانا مہر محمد خاں صاحب نے اپنے اس سیر حاصل تبصرے میں متعدد حقیقتوں پر سے پردہ اٹھایا ہے اور اپنی وسیع النظری، گہرے مطالعے اور تحقیق سے یہ ظاہر کیا ہے کہ پروفیسر محمد اسلم نے 'دینِ الٰہی' لکھتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ ہمیں شہاب صاحب کے قلم کی صداقت پر اس لئے بھی یقین ہے کہ موصوف نے نہ تو یہ مقالہ جذبات کی رو میں بہہ کر لکھا ہے اور نہ کوئی جانبداری برتی ہے۔

'دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر' مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ، نزد جے جے اسپتال، بمبئی ۳ سے چار روپلے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔

کڑوی خوشبو

کڑوی خوشبو سلیمان اریب کا مجموعۂ کلام ہے جو آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی نے اریب کی وفات کے تین سال بعد شائع کیا ہے۔

سلیمان اریب یوں تو ہندوستان بھر میں ایک کامیاب جدید شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے مگر خاص طور سے حیدرآباد میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ساہتیہ اکیڈمی کا یہ قدم قابلِ ستائش ہے کہ اریب کے ان بکھرے ہوئے پھولوں کو ایک گلدستہ کی شکل میں عوام کے ذوقِ سخن کی تسکین کے لئے پیش کیا اور اس طرح مرحوم شاعر کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا۔

" کڑوی خوشبو " کی ہر غزل اور نظم میں خواہ وہ روایتی ہو یا جدید، اچھوتے نکتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں جو موڑ ملتے ہیں ان کی عکاسی بڑی خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ شاعر نے زندگی کے ہر شعبہ کا گہرا جائزہ لیا، زمانے کی اُلجھنیں دیکھیں اور سمجھیں اور پھر انھیں شعر کے قالب میں ڈھال دیا۔ یہی وہ جذبات ہیں جو اریب کی شاعری کو جاوداں کرنے میں مددگار ثابت ہونگے۔

جناب عابد علی خاں صاحب، رکن ادود کمیٹی، ساہتیہ اکیڈمی نے ' شاعر کے بارے میں ' کے زیرِ عنوان اریب کی زندگی کا مختصر خاکہ کھینچا ہے۔

اس مجموعے میں اریب کی نظمیں، غزلیں، قطعات اور رباعیات شامل ہیں۔ یوں تو ہر غزل اور ہر نظم مکمل اور مرصع ہے مگر " نیا پرچم " کا تیکھاپن بیمثال ہے۔ کہتے ہیں ؎

حجابوں سے نکل آ اور میری ہم قدم ہو جا
کہ تیرے ساتھ مل کر اک نئی دنیا بسانا ہے
ٹپکتا ہے پرانے پرچموں سے خون انساں کا
ترے گلنار آنچل سے نیا پرچم بنانا ہے

اریب کے یہ جگر پارے صاف ستھرے مجموعہ کے ۱۶۲ صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں جو ساڑھے تین روپے میں ساہتیہ اکیڈمی حیدرآباد سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ●●

غازی معین الدین ایڈوکیٹ

قدرت کی ارضی کائناتی تخلیقات میں حیوانات، نباتات، جمادات اور مائعات ہیں اور اس کی فضائی تخلیقات میں ابر و باد اور مہ و خورشید و انجم ہیں۔ حیوانات میں ناطق و مطلق کی تمیز و تقسیم کر دی گئی ہے۔ عقل و شعور انسانی مخلوق کو عطا ہوا ہے۔ نطق کو صفت گویائی سے نوازا گیا ہے۔ کائنات کو ارض و سما کو قوت انسانی میں مسخر کر دیا گیا اور سیروفی الارض کی رہنمائی اور اجازت بھی دے دی گئی۔ فضائی کائنات کی تسخیر کے لئے قوت پرواز بھی دی گئی۔ ابتدائے آفرینش میں آدم و حوا میں باہمی تفہیم کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اشارات کی ایجاد عقل و شعور سے ہوئی۔ " ضرورت ایجاد کی ماں ہے " کی اساس پر اشارات کی جگہ نقوش نے لی جن کو گلی، حجری و شجری مادیات پر ظاہر و نمایاں کیا گیا۔ نقوش کی جگہ تحریر نے لی جو برگ شجر اور حجر پر لکھی گئی۔ ان کا تحفظ اور منتقلی ناممکن ہوئی تو ہستی، برنجی، آہن اور چرم پر آلات کے ذریعہ کندہ کی گئیں۔ بالآخر قرطاس کی ایجاد ہوئی۔ اسی طرح ضروریات میں اضافہ نوع بنوع ہوتا گیا۔

ان ضروریات کی تکمیل کیلئے انسانی تجسس نے ریسرچ اور تحقیقات کے ذریعہ مختلف النوع ایجادات کو جنم دیا۔ نطق میں گویائی پیدا ہوئی۔ صُمٌّ، بُکمٌ، عُمیٌ سے ماورا ہو کر لسانیات کا آغاز ہوا۔ تکلم و تخاطب کا سلسلہ ایجاد ہوگیا۔ ریسرچ میں علوم داخل ہوئے اور کیمیائی و فنی تحقیقات کا آغاز ہوا۔ دُخانی آبی مشینوں کی ایجاد کی گئی اور بحری جہاز تیار ہوئے۔ ریسرچ کا سلسلہ جاری رہا۔ بری مشینوں کی ایجاد ہوئی اور تیز رفتار سواریاں بنائی گئیں۔ فضائی سفر کے لئے طیارے ایجاد ہوئے۔ پانی اور کوئلہ کی بجائے تیل، پیٹرول اور ڈیزل سے کام لیا گیا۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ برقی قوت نے تمام روغنیات سے بے نیاز کر دیا۔ انسان کی بجائے خودکار مشینیں ایجاد ہو گئیں۔ جنگ عظیم کے دوران جرمنی کی حیرت انگیز معجز نما ایجادات نے سپاہیوں کو بخت و بُزے سے بے نیاز کر دینے والے غذائی قرص عطا کئے۔ بغیر پائلٹ کے جنگی طیارے بنائے گئے۔ وقت اور رفتار کا تعین کر کے ایسے آلات نصب کئے گئے جو ٹھیک نشانہ پر بمباری کر کے دشمن کو زیر کر لیں اور فتح پر فتح لمحات کے اندر حاصل کی گئی۔

ضرورت معاشرہ نے ایجادات کی ترقیاتی منازل طے کر کے کائنات ارضی - آبی و سماوی کو انسان کے دست و بازو میں مسخر کر دیا اور سفری سہولیات [illegible] پیدا کر دیں اور فضائی سفر کے لئے قوت پرواز کے ذریعہ چاند تک رسائی بھی دے دی۔ ارضی و سماوی اور آبی تمام خزائن انسانی تصرف کے لئے کھول دئے۔

یہ ماضی اور حال کی ضروریات تھیں جنکی تکمیل کے لئے مختلف ایجادات وجود میں آگئیں باقی اجرام فلکیات ہیں جن کے سلسلے میں ریسرچ جاری ہے۔ انسانی فکر و شعور مستقبل قریب میں ان کا بھی حل تلاش کر لیں گے۔

ریسرچ کا یہ سلسلہ ابد سے شروع ہوا اور ازل تک جاری رہے گا۔ ہمارے ملک کے سائنسدانوں میں بھی تحقیقاتی قوت اور علمی مادہ بڑھ رہا ہے جس کی تازہ مثال ہندوستان کا ایٹمی دھماکہ اور بنگلور میں بغیر پائلٹ والے طیاروں کا تجربہ ہے۔ ان کی تعداد میں ہر ممکن اضافہ کی ضرورت ہے تاکہ ملک کی بے روزگاری دور ہو اور عام خوشحالی پیدا ہو جائے۔ نیز ملک اور اس کے سائنس دانوں کا نام دنیا بھر میں روشن ہو جائے۔

●●

حسان ندوی چل بسے

دہلی، اردو داں طبقہ میں یہ خبر انتہائی رنج اور افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی کہ پیام تعلیم کے ایڈیٹر جناب محمد حسین حسان ندوی جامعی ۱۴ر جولائی ۱۹۷۴ء کی صبح ۶ بجے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم پیام تعلیم سے ۱۹۳۱ء سے وابستہ تھے اور بچوں کے ادب میں ان کا ایک اہم مقام تھا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۹ سال کی تھی۔

غزل

اب میرے تجسّس کو مٹا کیوں نہیں دیتے
تم دل میں چھپے ہو تو صدا کیوں نہیں دیتے

یہ بات تو ثابت ہے میں بندہ ہوں تمہارا
تم کس کے خدا ہو، یہ بتا کیوں نہیں دیتے

سنجیدگی اب باعثِ آزار ہوئی ہے
تم ہنس کے ذرا مجھ کو ہنسا کیوں نہیں دیتے

الزام ہے کیوں مجھ پہ، مری مُردہ دلی کا
مُردہ ہے مرا دل تو جِلا کیوں نہیں دیتے

یہ میری تباہی پہ تو انگشت نما ہیں
اربابِ خرد دادِ وفا کیوں نہیں دیتے

دشوار ہے اِس عرصۂ فرقت سے گذرنا
تم وقت کی رفتار بڑھا کیوں نہیں دیتے

جو عابد و معبود کی تفریق مٹا دے
وہ نغمۂ توحید سُنا کیوں نہیں دیتے

تم بھی ہو مقابل مرے بیتاب نظر بھی
پردہ مری آنکھوں سے ہٹا کیوں نہیں دیتے

تاثیرِ دوا ہو تمہیں اعجازِ دعا ہو
پھر اپنے شفاؔ کو بھی شفا کیوں نہیں دیتے

پریم لال شفاؔ دہلوی

میں

یعقوب ساقی نا گپوری

میں فہیمِ رازِ فطرت ترجمانِ کن فکاں
حاملِ درجِ امانت نائبِ پروردگار

میں ہوں مسجودِ ملائک افتخارِ کائنات
میری ہستی صنعتِ خالق کا محکم شاہکار

ہے حدیثِ عشق میری منبعِ علم و عمل
میرے ہر انداز پر الہام کا دار و مدار

میں مزاج و نبضِ عالم کا شناسا و حکیم
میرے نقشِ پا سے ہے رشد و ہدایت آشکار

میری گردِ رہگذر رفتارِ انجم سے پرے
میرے بال و پَر کے نیچے جبرئیلِ دلفگار

میرے انفاسِ گزشتہ وقت کی تاریخ ہیں
سرگذشتِ ابنِ آدم ہیں مرے لیل و نہار

نوح کا طوفان تھا میرے لئے جائے پناہ
آگ تھی نمرود کی میرے لئے باغ و بہار

اک جہاں کو فیض پہونچاتا رہا ہے بیگماں
میرے اخلاق و کرم کا نیّرِ نصف النہار

امتدادِ موسمی کے ناروا حملوں سے دور
آج تک محفوظ و تابندہ ہیں میرے روزگار

میرے گن گاتے رہے ہیں انفس و آفاق بھی
آنے والے دور کو میرا رہے گا انتظار

کِس نے یوں ماضی کے نقشوں میں بھرے ہیں رنگ و آب
کون کرتا ہے متاعِ زندگی کو یوں نثار

بادو نکہت کیا نہیں میرے تجسّس میں اسیر
کون ہے جو کہ نہیں میری محبّت کا شکار

چاکداماں زرد چہرہ، ہر گلاب و نسترن
بادلوں کے کارواں گُم کردہ راہ و اشکبار

شمعِ اختر کی تنک تابی بہ ہنگامِ سحر
میری بیچینی پہ شاہد میرے دل کی رازدار

سینۂ لالہ مرے داغِ محبّت کا امیں
بلبلوں کے نوحے میری غیر فانی یادگار

میری خاطر مبتلائے غم عروسِ کائنات
شبنموں سے تر نگاہِ مہر و مہ کا تار تار

بجلیاں کرتی رہیں گی میری تربت کا طواف
آہ میں ہوں کشتۂ برقِ شبابِ سوگوار

چھترپتی شاہو مہاراج
ایک سماجی مصلح

چھترپتی شاہو مہاراج کو تعلیمی، سماجی اور سیاسی اصلاحات کے میدان میں ان کے کارناموں کے باعث نہ صرف مہاراشٹر بلکہ ہندوستان کی جدید تاریخ میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس زمانے کے راجہ اور حکمراں خود پسندی میں مبتلا تھے۔ ایسے زمانے میں راج رشی شاہو مہاراج نے انسانیت کی قدر کی۔ انھوں نے تعلیم کی اہمیت جانی اور ذات پات سے پاک سماجی ڈھانچے پر زور دیا۔

شاہو مہاراج نے ایک یورپین اُستاد ایس۔ ایم۔ فریزر کی نگرانی میں خانگی طور پر تعلیم کا آغاز کرکے اس کی تکمیل راج کمار کالج راجکوٹ میں کی۔ انھوں نے ۲/اپریل ۱۸۹۴ء سے اٹھارہ سال تک بڑی کامیابی اور امن وسکون کے ساتھ ریاست کولہاپور پر حکومت کی۔

شری شاہو مہاراج کو تعلیم سے گہری دلچسپی تھی۔ پسماندہ طبقات کے سدھار اور تعلیم کا پرچار کرنے والوں میں وہ پیش پیش تھے۔ وہ دکن ایجوکیشن سوسائٹی نیز دیگر تعلیمی ادارہ جات کے صدر تھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے ستیہ شودھک سماج کے قیام کے لئے سماجی کارکنوں کی حوصلہ افزائی کی۔

سچے سوشلسٹ لیڈر

موجودہ زمانے میں سوشلزم ایک ضرب المثل بن گئی ہے۔ راج رشی شاہو مہاراج ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے مہاراشٹر میں سب سے پہلے سچی سوشلزم قبول کی اور اس پر عمل کیا۔ انھوں نے سب سے اوّل یہ ضرورت جتائی کہ سب کو مساوی مواقع حاصل ہونا چاہئیں۔ انھوں نے اپنی طاقت کو اپنی ترقی پسند پالیسیوں کے زیرِعمل لانے میں صرف کیا۔ انھوں نے اوّلاً عام لوگوں کی بھلائی کے لئے ستیہ شودھک تحریک کی حمایت کی۔ ہمیشہ ذات پات اور فرقہ واریت کو مٹانے کی جدوجہد کی۔ بعد میں آریہ سماج کی تحریک کی جانب بھی وہ مائل ہوئے۔ یہ جان لینے کے بعد کہ مذہبی اجارہ داری توڑے بغیر عام آدمی کی بھلائی ناممکن ہے، انھوں نے مساوات قائم کرنے کی جدوجہد کی۔

مساوات اور انسانیت

راج رشی شاہو مہاراج نے آدمی کو آدمی سمجھا۔ اس سے حقارت آمیز سلوک کی مذمّت کی۔ بادشاہ ہونے کے باوجود وہ ایک عام آدمی کی طرح رہتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ جمہوریت مساوات پر مبنی ہے۔ شاہو مہاراج صحیح معنوں میں ایک انقلابی سماجی مصلح تھے۔ وہ ذات پات کو نہیں مانتے تھے بلکہ ہمیشہ

انسان کی خوبیوں کی قدر کرتے تھے۔ اسی لئے
ان کے زمانے میں فنکاروں کی سرپرستی کی گئی۔
شاہو مہاراج ایک ایسے بادشاہ کی حیثیت سے
ہمیشہ یاد رہیں گے جس نے سماج میں نابرابری
ختم کرنے کی سخت جدوجہد کی۔

اپنی حکمرانی کے ۱۸ سال کے دوران انہوں
نے درماندہ اور پامال لوگوں کی خدمت کی۔ ان کی
ایک تقریر کے حسب ذیل اقتباس سے واضح ہوتا
ہے کہ ان کے لئے ذات پات کی تفریق نہایت
افسوسناک بات تھی:

" میں تمام جاتیوں کے لیڈروں
سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ روشن
خیال بنیں، خود غرض نہ بنیں۔ ذات
پات کو مٹانا اشد ضروری ہے۔ ذات
پات کو ماننا گناہ ہے۔ یہ ملک کی
ترقی کی راہ میں زبردست رکاوٹ بنتی
ہے"

شاہو مہاراج کی سماج سدھار تحریکوں میں
اچھوتوں کو معزز جگہ حاصل تھی۔ ان کی لائی ہوئی
سماجی اصلاحات پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا
ہے کہ وہ غریب اور مظلوم لوگوں کے قائد تھے۔

عظیم سماجی مصلح

بلاشبہ شاہو مہاراج ایک عظیم اور عالی
مرتبت شخصیت کے مالک تھے۔ وہ صرف ریاست
کولہاپور کے حکمراں نہ تھے بلکہ پورے ملک کے
سماجی مسائل پر ان کی نظر تھی۔ اُنیسویں صدی
کے عیش و عشرت کے دلدادہ، قدامت پسند اور
متلون مزاج حکمرانوں کے مقابلے میں شاہو مہاراج
ایک روشن خیال اور ہمدرد حکمراں، عظیم ماہر تعلیم
اور سرگرم سماج سدھارک تھے۔ اس صدی کے
اوائل میں انھوں نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا
وہ آج بھی ہمارے دلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

جب شاہو مہاراج کولہاپور ریاست کے
حکمراں تھے، وہ کٹر مذہبیت کا زمانہ تھا۔
اس کٹھن زمانے میں انھوں نے ذات پات کے
بندھن توڑے۔ وہ شیر کی طرح بہادر، زبردست
قوتِ ارادی کے مالک اور زیرک انسان تھے۔
انھوں نے بدلتے ہوئے زمانے اور تجربات کے
مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا۔ ہماری نئی نسل
اُن کی زبردست شخصیت سے بہت کچھ سیکھ
سکتی ہے۔

اپنی موت سے دو سال قبل ان کی ایک
تقریر سے ان کے اغراض و مقاصد بخوبی واضح
ہوجاتے ہیں جس میں انھوں نے فرمایا تھا:

" میری یہ دلی خواہش ہے اور
مسلسل یہی کوشش رہی ہے کہ اپنی
قوت و استعداد کے مطابق عام
لوگوں کو تعلیم دوں تاکہ ان میں
بلند معیار زندگی کا جذبہ پیدا
ہو، توہمات اور ان کے اسباب
کو مٹادوں جس سے سماج کی
حالت خالص مصنوعی ہوگئی
ہے۔ پرانے طور طریقے کو بدلنا
انتہائی ضروری ہے۔"

شاہو مہاراج کی زندگی بلاشبہ آنیوالی
نسلوں کے لئے روشنی کا مینار ہے۔

••

سید محبوب علی برق

غزل

جو بخشش مشیتِ پروردگار ہے
وہ غم مری نظر میں بڑا خوشگوار ہے

ماحول سازگار بناؤں تو کس طرح
میرا وجود سارے زمانے پہ بار ہے

میں اپنی حق پسند طبیعت کو کیا کروں
ہر بے اصول بات مجھے ناگوار ہے

کیونکر نہ ہو قبول مجھے رنجِ کائنات
یہ بھی تو ایک رحمتِ پروردگار ہے

اے دل وہاں نہ ڈھونڈ کوئی دردآشنا
ماحول زندگی کا جہاں خوشگوار ہے

کچھ کم نہیں یہ میرے لئے اس جہان میں
دو دن کی زندگی ہے مگر پائیدار ہے

جس دورِ انقلاب میں ہم جی رہے ہیں برق
یہ دورِ انقلاب بھی اِک یادگار ہے!

نائب صدر متحدہ عرب امارات کا دورہ
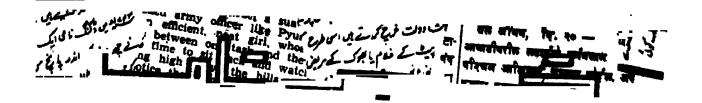
ایچ۔ ایچ۔ شیخ رشید بن سعید المکتوم، نائب صدر متحدہ عرب امارات ہمراہ ایچ۔ ای۔ شیخ محمد بن رشید المکتوم، وزیر دفاع، ایچ۔ ای۔ مسٹر احمد بن سلطان بن سلیمان، وزیر مملکت متحدہ عرب امارات اور جمیعت گذشتہ ۲۲ر جون کو بذریعہ خصوصی طیارہ بمبئی سے دوبئی رخصت ہوئے۔

سانتا کروز ہوائی اڈے پر شری کے۔پی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت نے نائب صدر موصوف کو الوداع کہا۔ انھوں نے شیخ کی خدمت میں معزز اصحاب کے دورے سے متعلق سرگزشت بھی پیش کی۔

قبل ازیں ایک بحری دستہ نے نائب صدر موصوف کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔

نائب صدر نے چار روزہ دورہ میں بھابھا اٹومک ریسرچ سنٹر، ٹرامبے فرٹیلائزر فیکٹری، مجگاؤں ڈوک اور راج کمل اسٹوڈیو کا معائنہ کیا۔ انڈو عرب سوسائٹی نے نائب صدر کو ۲۱ر جون کو استقبالیہ دیا تھا۔

اس موقع پر شری کے۔ وی۔ موگھے، سکریٹری محکمہ تعلیم نیز دیگر سول اور فوجی عہدیداران اور سفارتی جماعتوں کے اراکین ہوائی اڈے پر موجود تھے۔

* * * * *

ایک عظیم مفکر و رہنما کی رحلت

وزیر اعلیٰ کی جانب سے اظہار تعزیت

وزیر اعلیٰ شری وی۔پی۔ نائک نے سیٹھ گووند داس کے انتقال پُر ملال پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔

۱۸ر جون کو اپنے تعزیتی پیغام میں انہوں نے فرمایا۔ "سیٹھ گووند داس کی رحلت پر مجھے دلی دکھ ہوا جو ہندی کے زبردست پرچارک تھے۔ وہ ایک بڑے مفکر، عالم، نیک انسان اور رہنما تھے۔ انھیں گاندھی جی کے اصولوں پر پکا وشواس تھا۔ گو وہ ہندی کے زبردست پرچارک تھے تاہم ان کا طرز عمل روادارانہ تھا۔ اپنی زندگی کے ۷۷ سالوں میں سے ۵۰ سال انہوں نے پارلیمنٹ میں صرف کئے اور بحث و مباحثہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کی موت سے ہم ایک عظیم پارلیمانی شخصیت اور ان تھک لیڈر سے محروم ہو گئے۔"

ہر میدان میں پیداوار بڑھائیے! یہی وقت کی ضرورت ہے۔ وزیر اعلیٰ

"آج وقت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر میدان میں خاص طور سے زراعت اور صنعت میں پیداوار میں اضافہ کیا جائے۔ اسی طرح سے ہم ضروری اشیاء کی قلت سے چھٹکارا حاصل کر سکیں گے۔"

مذکورہ بالا خیال کا اظہار شری وی۔ نائک نے گذشتہ ۱۶ر جون کو پال گھر تعلقہ میں تاراپور میں تاراپور انڈسٹریل علاقہ میں پہلی اسٹیل فیکٹری کا افتتاح کرتے ہوئے فر[مایا]۔ شری ایچ۔جی۔ ورتک، وزیر محصول نے ج[لسہ کی] صدارت کی تھی۔

شری نائک نے مزید فرمایا کہ حکومت ضروری اشیاء کی قلت دور کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے ہیں۔ اب یہ عوام کا ہے کہ وہ پیداوار میں اضافہ کے لئے ا[پنا] تعاون پیش کریں۔ انھوں نے بتایا کہ ... پیداوار آئندہ پانچ سال میں دوگنی ... انہوں نے تجویز کیا کہ مالکان کو اپنے ملا[زمین کی] رہائشی مسئلے کو حل کرنے میں مدد کرنی چا[ہئے]۔

شری نائک نے اس علاقہ کے صنـ[ـعتکاروں] کو مشورہ دیا کہ وہ ادیباسی نوجوانوں کو نو[کریاں] اور روزگار فراہم کریں۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ش[ری ...] نے اس انڈسٹریل اسٹیٹ کے صنعتکار[وں سے] اپیل کی کہ وہ ادیباسی نوجوانوں کو ر[وزگار فراہم] کر کے دوسرے صنعت کاروں کیلئے مثال قا[ئم کریں]۔

شری کے۔پی۔ پاٹل، وزیر مملکت بر[ائے صنعت] نے بتایا کہ ریاست میں صنعتی ترقی کے ...

انڈسٹریل اسٹیٹ قائم کی جائیں گی۔ اِس انڈسٹریل اسٹیٹ میں یہ پہلی منی اسٹیل فیکٹری ہے جو کہ ۱۰۵ ہزار ایکڑ پر قائم کی گئی ہے۔ مزید ۲۰۰ ایسے کارخانے قائم کرنے کی سمت کام جاری ہے۔

فصلِ ربیع کے تحت اراضی ریاست مقررہ نشانے سے آگے

جوار، گیہوں، مکئی اور دھان کی اعلیٰ اور زیادہ پیداوار دینے والے بیجوں سے ۷.۰۶۰۴ ہیکٹر پر کاشت کرکے مہاراشٹر فصل ربیع بابت ۱۹۷۳-۷۴ء کے دوران اپنے مقررہ نشانے ۳۶.۹۸ ہیکٹر سے تقریباً ایک لاکھ ہیکٹر آگے بڑھ گیا ہے۔ اس امر کا اشارہ گذشتہ ماہ ۱۹ر جون کو بمبئی میں منعقدہ ایک اجلاس میں کیا گیا جو اگلی فصل خریف کی تیاری پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی نائک نے صدارت فرمائی تھی۔

شرکائے اجلاس میں وزیر زراعت شری ایس۔ بی۔ چوان، وزیر امداد باہمی شری وائی۔ جی۔ موہیتے، افسرانِ محکمۂ زراعت، امدادِ باہمی اور صنعت نیز چیرمین الیکٹریسٹی بورڈ شامل ہیں۔

ریاست نے اب ۱۹۷۴-۷۵ء کی فصل ربیع کیلئے ۹،۴۵ لاکھ ہیکٹر کا نشانہ مقرر کیا ہے جس میں سے ۴ لاکھ ہیکٹر اعلیٰ جوار، ۶ لاکھ ہیکٹر اچھی پیداوار والے گیہوں، ۵.۶ لاکھ ہیکٹر اعلیٰ مکئی اور ۲،۴۶ لاکھ ہیکٹر دھان کی اعلیٰ اقسام کے لئے مختص ہے۔

۱۹۷۴ء کی فصل خریف کے دوران تجویز یہ ہے کہ اعلیٰ اور اچھی پیداوار دینے والے جوار، باجرہ، مکئی اور دھان اور کپاس کے بیجوں سے ۲۲،۶۵ لاکھ ہیکٹر اراضی پر کاشت کی جائے۔ اِن فصلوں کے تحت تقریباً ۸۶،۷۵ لاکھ ہیکٹر رقبہ ہے۔

اجلاس میں ایم۔ ایس۔ ای۔ بی کی تجویز پر بھی غور کیا گیا جو ۹۳،۹۰۵ بذریعہ ڈیزل چلائے جانے والے پمپوں کو بجلی سے چلائے جانے والے پمپوں میں تبدیل کرنے کے لئے ہے۔ ڈیزل کی کمی کے باعث اس تبدیلی کی ضرورت پیش آئی ہے جس پر ۴۵ کروڑ روپے کے مصارف کا اندازہ ہے۔ لہٰذا یہ تجویز کی گئی تھی کہ مناسب مالی امداد کے لئے مرکز نیز مرکز کی زیر سرپرستی دیگر ایجنسیوں سے درخواست کی جائے۔

اجلاس میں ان اقدامات کا بھی ذکر کیا گیا جو موجودہ سینچائی پروجیکٹوں سے فصل خریف کا رقبہ بڑھانے کے لئے کئے گئے ہیں۔

ہالی ڈے کیمپوں میں رِزرویشن

ڈائرکٹوریٹ آف ٹورزم، مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ مہابلیشور، پنچ گنی، کارلہ اور ماتھیران کے ہالی ڈے کیمپوں کے لئے رِزرویشن کی مدت ماہ اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے دوران سات دن تک محدود کردی جائے۔

ابتک یہ پابندی صرف ماہ اپریل اور مئی کیلئے تھی۔ مذکورہ ماہ یعنی اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے دوران رِزرویشن زیادہ سے زیادہ اتوار تا سنیچر سات دن کے لئے کیا جائے گا۔ یہ طریقہ اسی لئے رکھا گیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہالی ڈے کیمپوں سے مستفید ہوسکیں۔ بہرصورت دیگر ہالیڈے کیمپوں میں سیاحوں کے لئے ماہ اپریل اور مئی کے سوا حسب سابق جگہ رِزرو کرانے پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔

دھراوی میں ٹینری کی ترقی ضمنی کمیٹی کا قیام

دھراوی میں ٹینری صنعت کی ترقی پر غور کرنے کے لئے گذشتہ ۱۸ر جون کو بمبئی میں ایک خصوصی بیٹھک زیر صدارت شری کے۔ پی۔ پاٹل، وزیر مملکت برائے صنعت ہوئی تھی۔ بیٹھک میں ایک ضمنی کمیٹی تشکیل دی گئی تاکہ وہ دھراوی میں پانی، بجلی اور نالیوں وغیرہ جیسی سہولتیں ٹینری صنعتی یونٹوں کو فراہم کرنے کے معاملات پر غور کرے۔ ریاستی وِدھان سبھا میں حکومت نے اس سلسلے میں یقین دِلایا تھا۔ بیٹھک میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ نئی تشکیل شدہ مہاراشٹر ٹینری ڈیولپمنٹ کارپوریشن اس سوال پر مزید دھیان دے۔

بیٹھک میں سر دشری آر۔ اے۔ کھیرے، نامدیو ڈھکہ پرسھاکر کینٹے (جملہ ایم۔ ایل۔ اے)، انڈسٹریز کمشنر اور دھراوی کے ممتاز شہریوں نے شرکت کی۔

ناسِک۔بمبئی ٹیکسی سروِس

گذشتہ ۱۹ر جون کو ناسک میں شری کے پدمنا بھیا، ضلع کلکٹر ناسک نے ناسِک بمبئی ڈیلی ٹیکسی سروِس کا افتتاح کیا۔ پاسنجر ٹیکسی سروس ناسِک سنٹرل بس اسٹیشن اور دادر کے درمیان بیس ٹیکسیوں کے ذریعہ (یعنی دس ناسک سے اور اتنی ہی بمبئی سے) چلائی جائیگی۔ کرایہ فی بالغ ۲۲ روپے ہوگا۔ ناسک ڈسٹرکٹ ٹیکسی، ایسوسی ایشن نے لمبے فاصلوں کے لئے روزانہ ٹیکسی سروس ناسِک سے پونا، ناگپور، اورنگ آباد، اندور، سورت، بلساڑ اور احمد آباد تک چلانے کا منصوبہ بنایا ہے۔

مہاراشٹر میں موسلا دھار بارش سے نقصان

اِمداد کیلئے وزیرِاعظم کا ایک لاکھ روپے کا عطیہ

ریاست میں حالیہ مسلسل اور موسلا دھار بارش کے باعث بہت سے مقامات میں خصوصاً بمبئی شہر اور چپلون میں جان و مال کو کافی نقصان پہنچا ہے۔

وزیر اعظم نے نقصان اٹھانے والے ایسے تمام اشخاص کی امداد کے لئے ایک لاکھ روپے کی رقم وزیر اعلیٰ کو ارسال کی ہے۔ حکومت نے جان و مال کے نقصان کے بارے میں مختلف اضلاع کے کلکٹران نیز میونسپل کمشنران سے رپورٹ طلب کی ہے۔

وزیر اعظم کی بھیجی ہوئی رقم میں سے تمام ضرورتمندوں کو امداد دی جائے گی نیز بصورت ضرورت وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ میں سے بھی اسمیں اضافہ کردیا جائے گا۔ ●●

سرکاری فیصلے اور اعلانات

اناج کی پسائی میں صرف تین فیصدی چھوٹ

صارفین کو آگاہی

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں صارفین کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ تمام آٹا چکیوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اتنی مقدار میں اناج کا آٹا صارفین کو واپس کریں جس کا وزن پسائی کے لئے دئے ہوئے اناج کی ۹۷ فیصدی مقدار سے کم نہ ہو۔ تین فیصدی کی یہ کمی ناگزیر ہے اور آٹا چکیوں کے معاملے میں اسے چھوڑ دینے کا معاملہ حکومت ہند کی مقرر کردہ کمیٹی کے زیر غور ہے۔

آٹا چکیوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ تمام اناج پسائی سے پہلے باقاعدہ تولا جائے اور پسا ہوا آٹا واپس کرنے سے پہلے تولا جائے۔

اس معاملے میں تمام شکایات جائنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز، اولڈ کسٹم ہاؤس یارڈ، بمبئی ۱ نیز جائنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز پونا، ناگپور اور اورنگ آباد کے پاس بھیجی جائیں۔

غیر تسلیم شدہ انسٹی ٹیوٹ

جو طالب علم گورنمنٹ کمرشیل ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ امتحان میں شرکت کے خواہشمند ہوں ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے نام "رائل کمرشیل انسٹی ٹیوٹ" واقع بھیونڈی (مغربی) میں درج نہ کرائیں کیونکہ یہ انسٹی ٹیوٹ حکومت مہاراشٹر کی جانب سے تسلیم شدہ نہیں ہے۔

بمبئی میں چیچک کے ٹیکے لگانا لازمی!

حکومت مہاراشٹر نے بمبئی عظمیٰ کو مہاراشٹر ویکسی نیشن ایکٹ بابت ۱۹۷۴ء کے تحت چیچک سے لازمی طور پر تحفظ کا علاقہ یکم جولائی سے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۴ء تک کی مدت کیلئے قرار دیدیا ہے۔

معاشی پالیسی کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے وزیر مالیات کی زیر صدارت ایک معاشی پالیسی کمیٹی تشکیل دی ہے جو کہ اہم معاملات مثلاً قیمت پالیسی، ملازمت اور اُجرت پالیسی، اناج کی پیداوار اور تقسیم سے متعلق پالیسی، ذرائع کا حصول اور سماجی و معاشی معاملات پر مرکزی حکومت کے فیصلوں کے باعث پیدا ہونے والے معاملات کے متعلق پالیسیوں وغیرہ پر برابر نظرثانی کرتی رہے گی۔ کمیٹی کابینہ کو مشورہ دے گی تاکہ وہ ضروری فیصلے کرسکے۔

کمیٹی کے دوسرے اراکین میں چیف سکریٹری، ممبر اسٹیٹ پلاننگ بورڈ، شری ڈی۔ ایس۔ ساوکر، سکریٹری محکمۂ مالیات اور سکریٹری پلاننگ ڈپارٹمنٹ (ممبر/سکریٹری) شامل ہیں۔

کمیٹی چیف سکریٹری کی جانب سے پیش کی گئی تجویزوں پر بھی حکومت کو مشورے دیگی۔

یہ کمیٹی وزیروں، عہدیداروں اور دوسرے اشخاص کو جب بھی ضرورت ہوگی دعوت دے گی تاکہ کسی خصوصی معاملے پر ان کی رائے جان سکے اور مشورے حاصل کرسکے۔

ہوٹلوں میں مہیا کردہ سامانِ تعیش پر ٹیکس

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ ریاست میں واقع ہوٹلوں اور قیام گاہوں میں فراہم کردہ سامانِ تعیش پر "مہاراشٹر ٹیکس آن لکژریز (ان ہوٹلز اینڈ لاجنگ ہاؤسز) ایکٹ بابت ۱۹۷۴ء" کے تحت ٹیکس عائد کیا جائے۔ اس ایکٹ کا نفاذ یکم جولائی ۱۹۷۴ء سے ہوگا۔ اس ایکٹ کو حال ہی میں مہاراشٹر ودھان سبھا نے پاس کیا ہے جو کہ حکومت کے ۲۹ اپریل ۱۹۷۴ء کے غیر معمولی گزٹ کے حصہ چہارم میں شائع کردیا گیا ہے۔

میڈیکل کالجوں میں داخلے

ضلع تھانہ اور قلابہ کے وہ طالب علم جنھوں نے اپنا ضروری لیاقتی امتحان جون ۱۹۷۴ء تک پونہ یونیورسٹی سے پاس کیا ہے وہ بی۔ جے۔ میڈیکل کالج، پونہ میں داخلہ کے اہل ہوں گے۔ اسی طرح ضلع رتناگیری کے جن طالب علموں نے امتحان پاس کرلیا ہے وہ شیواجی یونیورسٹی کے حلقۂ اختیار میں واقع میرج میڈیکل کالج اور ڈاکٹر وی۔ ایم۔ میڈیکل کالج شولاپور میں داخلے کے اہل ہوں گے۔

چونکہ متذکرہ تینوں کالج حال ہی میں بمبئی

یونیورسٹی کے حلقۂ اختیار میں آ گئے ہیں اس لئے جو طالب علم اپنا ضروری لیاقتی امتحان ۱۹۷۵ء میں پاس کریں گے وہ گورنمنٹ میڈیکل کالج، بمبئی میں داخلے کے اہل ہوں گے۔

پسماندہ طبقات کو رعایت

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں ضلع پریشدوں کے چیف ایگزیکیوٹیو افسران کو ہدایت کی ہے کہ وہ مندرج جاتیوں، مندرج قبائل اور نو بدھوں کے علاقوں میں مکمل علاقائی ترقیاتی پروگرام کی زبردست تشہیر دیں تاکہ ان کے اراکین متذکرہ پروگرام کے تحت فراہم کردہ رعایتوں سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔

کارخانہ جات ایکٹ کے تحت "اہل افراد"

حکومتِ مہاراشٹر نے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی ہے تاکہ فیکٹری ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء کے قوانین کے تحت لفٹنگ بلاکس، روپس، لفٹنگ ٹیکلز، ہائسٹس ور لفٹس، پریشر ویسلز، واٹر سیلڈ گیس، ہولڈرس بر سالوینٹ ایکسٹریکشن پلانٹس وغیرہ کی جانچ امتحان کی غرض سے 'اہل افراد' فہرست تیار کرے اور فیکٹری انسپکشن ڈپارٹمنٹ سے ایکٹ اور قوانین کے تحت 'اہل افراد' کی حیثیت سے تسلیمی کی درخواستوں پر غور کرے۔

جو لوگ اپنے خاص میدانِ مہارت میں اپنی تعلیم اور قابلیت نیز تجربہ کی بناء پر اپنے آپ کو مذکورہ فہرستوں میں شمولیت کا اہل سمجھتے ہوں اُن سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ چیف انسپکٹر آف فیکٹریز (مہاراشٹر اسٹیٹ) کامرس سینٹر، تاردیو، بمبئی ۴۰۰۰۳۴ سے رجوع کریں اور اپنے بارے میں تمام ضروری تفصیل فراہم کریں۔

مہاراشٹر میں کنٹرول کپڑوں کی فروخت

حکومتِ ہند نے کنٹرول شدہ کپڑوں سے متعلق اپنی نظرثانی شدہ ٹیکسٹائل پالیسی کا اعلان کیا ہے جس کے نتیجہ میں اعلیٰ درمیانی قسم بھی کنٹرول کپڑا اسکیم میں شامل کرلی گئی ہے اور ایکس مِل قیمت اور خوردہ قیمت کے بیچ نفع کی حد ساڑھے بارہ فیصد سے بڑھا کر ۲۰ فیصد کردی ہے۔ بہرحال حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ کنٹرول کا کپڑا پوری ریاست میں مقررہ مناسب قیمت کی کپڑا دوکانوں سے راشن کارڈ یا ہاؤس ہولڈ کارڈ پر ایکس مِل قیمت پر اور ۱۶ فیصد، نیز آبکاری محصول یا چنگی محصول، اگر کوئی ہو، ملاکر فروخت کیا جائے۔

صارفین کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے فیصلہ کیا گیا ہے کہ کپڑے پر چھپی ہوئی قیمت سے چار فیصدی کم پر کپڑا فروخت کیا جائے۔ یعنی مہاراشٹر میں جو کنٹرول کپڑا مقررہ دوکانوں سے فروخت کیا جائے گا اس کی قیمت حکومت ہند کی مقرر کردہ قیمت سے چار فیصدی کم ہوگی۔ ایسی دکانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کم کردہ خوردہ قیمت کو مناسب طور پر دوکانوں میں ظاہر کریں اور چھپی ہوئی قیمت سے چار فیصدی کم خریدار سے وصول کریں یہ حکمنامہ یکم جولائی ۱۹۷۴ء سے سختی سے نافذالعمل ہوگا۔

خریف دھان اور جوار فصل کا ریاستی سطح مقابلہ نتیجے کا اعلان

ریاستی سطح کے خریف دھان اور جوار فصل مقابلہ برائے سال ۷۴-۱۹۷۳ء کے نتیجہ کا اعلان کردیا گیا ہے۔ مقابلے میں جیتنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں،

خریف دھان: شری چندرکانت شنکر نکھے ساکن سروڈے، تعلقہ رادھانگری ضلع کولہاپور نے ۲,۵۰۰ روپے کا پہلا انعام ایک ہیکٹر میں ۱۵۱ کوئنٹل سے زیادہ دھان پیدا کر کے حاصل کیا۔

شری آنند راؤ دتاتریہ چونگلے ساکن ساگاؤں، تعلقہ شرالا، ضلع سانگلی اور شری وامن راؤ گرم وار ساکن پوتھالی تعلقہ، برہم پوری، ضلع چندرپور نے بالترتیب ۱۵۰۰ روپے اور ۱۰۰۰ روپے کا دوسرا اور تیسرا انعام حاصل کیا۔ انہوں نے فی ہیکٹر ۱۴۲ کوئنٹل اور ۱۳۲ کوئنٹل سے زیادہ فصل پیدا کی تھی۔

خریف جوار: شری گرولنگپا سمبپا نوجناور ساکن پاترنی، تعلقہ گدھنگلج، ضلع کولہاپور کو خریف جوار ایک ہیکٹر میں ۹۸ کوئنٹل پیدا کرنے پر ۲۵۰۰ روپے کا اوّل انعام ملا۔

شری مادھو پرشاد کنہیا لال پیپٹے ساکن بھیوکھیڑی تعلقہ مورشی، ضلع امراوتی اور شری دیویداس کیشوراؤ دیشمکھ ساکن مگرولی تعلقہ بلولی ضلع ناندیڑ کو بالترتیب ۹۳ کوئنٹل اور ۹۱ کوئنٹل فی ہیکٹر جوار پیدا کرنے پر ۱۵۰۰ اور ۱۰۰۰ روپے کا دوسرا اور تیسرا انعام ملا۔

اِس مقابلے میں ۳۹ کاشتکاروں نے خریف دھان اور ۴۴ کاشتکاروں نے خریف جوار مقابلہ میں حصّہ لیا تھا۔

پسماندہ طبقات ہوسٹل

حکومتِ مہاراشٹر نے منظور شدہ امداد پانے والے پس ماندہ طبقات کے ہوسٹلوں کے منتظمین کو یہ اجازت دیدی ہے کہ وہ مقیمان کے والدین یا سرپرستوں سے بخوشی عطیات جن کی شرح ۱۰ روپے ماہانہ برائے ۱۰ ماہ سے زیادہ نہ ہو، لے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ دینے کے قابل ہیں۔

قبل ازیں منتظمین کو عطیات جن کی شرح ۵ روپے ماہانہ برائے ۱۰ ماہ سے زیادہ نہ ہو، لینے کی اجازت تھی۔ اس فیصلہ کو اس امر کے مدنظر کیا گیا کہ ایسے ہوسٹل چلانے والے نجی اداروں کو منظور شدہ رقم کے اندر مقیمان کی غذا وغیرہ کا خرچ پورا کرنے میں دقت پیش آتی تھی۔

بہرصورت نائدٔ عطیات یا لازمی عطیات منتظمین کو ادا کی جانے والی امداد میں سے وضع کئے جائیں گے۔

شریمتی کملا بائی اجمیرا

مہاراشٹر کے گورنر نے شریمتی کملا بائی اجمیرا ایم۔ ایل۔اے، دھولیہ، کو مہاراشٹر اسٹیٹ پاور لومز کارپوریشن لمٹیڈ کے بورڈ آف ڈائرکٹران میں بہ حیثیت ڈائرکٹر مقرر کیا ہے۔ یہ تقرر شری ایس۔کے۔ شرما کی جگہ پر کیا گیا جنہوں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔

تحقیقاتی کمیشن کیلئے عوامی چھٹیاں

ذیل میں بمبئی میں واقع محل اور نائیگاؤں بی ڈی۔ڈی۔ چالوں میں فسادات کی تحقیقات کرنیوالے کمیشن کیلئے جولائی۔ دسمبر ۱۹۷۴ء کی مدّت کے دوران چھٹیوں کا تعین کیا گیا ہے۔

نارلی پورنیما - ۲؍اگست، یوم آزادی - ۱۵؍اگست، پارسی نیاسال - ۲۸؍اگست، گنیش چترتھی - ۱۹؍ستمبر، رمضان عید (عیدالفطر) - ۱۸؍اکتوبر، دسہرہ - ۲۵؍اکتوبر، دیوالی - ۱۳؍نومبر، دیوالی (بالی پرتیپا رتھم) - ۱۴؍نومبر، بھاؤ بیج - ۱۵؍نومبر اور کرسمس - ۲۵؍دسمبر

اکتوبر کی چھٹیاں کمیشن کے لئے ۴؍نومبر سے ۱۴؍نومبر تک ہوں گی - اکتوبر چھٹیوں کے دوران دفتر دن کے گیارہ بجے سے شام سوا چار بجے تک کھلا رہے گا سوائے سینچر، اتوار اور چھٹیوں کے دن کے۔

کمیشن کے لئے کرسمس کی چھٹیاں ۲۳؍دسمبر سے ۵؍جنوری ۱۹۷۵ء تک رہیں گی - ان چھٹیوں کے دوران کمیشن کا دفتر سینچر، اتوار اور عوامی چھٹیوں کے دنوں کے علاوہ دن کے گیارہ بجے سے دن کے دو بجے تک کھلا رہے گا۔

چھوٹی بچت میں حلقہ ناگپور آگے

وزیر مالیات، شری ایم۔ڈی۔ چودھری نے حلقہ ناگپور کو چھوٹی بچت میں ۷۴-۱۹۷۳ء سال کے مقررہ نشانے سے آگے بڑھ جانے پر مبارکباد پیش کی۔

اس حلقہ میں کل ۱۱۵ء۴۰ لاکھ روپے کی رقم جمع ہوئی جبکہ نشانہ ۵۴ء۸۰ لاکھ روپے کا تھا - اس طرح نشانہ سے ۱۱۴ فیصدی زیادہ رقم جمع ہوئی۔

بسمت نگر پولس فائرنگ کی تحقیقات کمیشن کا قیام

حکومت مہاراشٹر نے ضلع پربھنی کے مقام بسمت نگر میں گذشتہ ۲۷؍مارچ ۱۹۷۴ء کو ہونے والے فسادات کے اسباب وعلل کی تحقیقات نیز اس کے بارے میں رپورٹ پیش کرنے کے لئے جسٹس شری این۔ڈی۔ کامت، جج ہائی کورٹ بمبئی پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا ہے - یہ فساد اس وقت ہوا تھا جبکہ کنال انسپکٹروں وغیرہ کی اسامیوں کے لئے ٹرینیز کے انتخاب کے واسطے امیدواروں کو انٹرویو کے لئے طلب کیا گیا تھا۔

کمیشن اس سوال کی جانچ کرے گا کہ آیا جتنی جگہیں تھیں اس کی نسبت سے زیادہ امیدوار انٹرویو کے لئے بلائے گئے تھے یا بھیجے گئے تھے، یا جان بوجھ کر سب کا انٹرویو ایک ہی دن رکھا گیا تھا اور اگر ایسا ہوا تو پھر اس کی ذمہ داری کس پر تھی - یہ کمیشن ضلع ملازمت افسر کی طرف سے اس غیر ذمہ داری اور کوتاہی کا بھی تجزیہ کرے گا کہ اس نے ایگزیکیوٹیو انجنیئر، پورنا آبپاشی ڈیویژن کو بروقت اس کی اطلاع نہیں دی کہ کتنی تعداد میں امیدوار انٹرویو کیلئے بلائے گئے ہیں اور متذکرہ ایگزیکیوٹیو انجنیئر اور اس کے اسٹاف نے اس انٹرویو کا ٹھیک طور پر انتظام نہیں کیا اور اس کی ذمہ داری کس پر ہے جس سے ایسی کوتاہی سرزد ہوئی۔

کمیشن یہ رپورٹ دے گا کہ پولس فائرنگ جان بوجھ کر کی گئی یا حادثتاً ہوگئی - اور اگر قصداً کی گئی تو کیا وہ حق بجانب تھی یا نہیں۔ وہ ان الزامات کی بھی تحقیقات کرے گا جو کہ ڈسٹرکٹ ایمپلائمنٹ افیسر، پربھنی پر لگایا گیا ہے کہ اس نے امیدوار بھیجنے میں گڑ بڑ کی تھی اور ایگزیکیوٹیو انجنیئر پورنا آبپاشی ڈیویژن، بسمت نگر نے ان کے انتخاب میں گڑ بڑ کی تھی اور دوسرے معاملات جو کہ متعلقہ معاملے کی تحقیقات کے دوران سامنے آئیں گے۔

یہ کمیشن جو کہ کمیشن آف انکوائری ایکٹ بابت ۱۹۵۲ء کے تحت مقرر کیا گیا ہے، اپنی رپورٹ ریاستی حکومت کو چار ماہ کی مدّت کے دوران داخل کر دیگا۔

اورنگ آباد پولس فائرنگ کی تحقیقات کمیشن کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے جسٹس شری این۔ڈی۔ کامت جج ہائی کورٹ بمبئی پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا ہے جو گذشتہ ۲۰؍اور ۲۱؍اپریل ۱۹۷۴ء کو اورنگ آباد میونسپل ایریا میں تشدد، گڑبڑ، آتش زدگی اور دکانوں کو لوٹنے کے واقعات نیز ان سے نپٹنے کیلئے پولس کی جانب سے کی گئی فائرنگ کے بارے میں تحقیقات کرکے یہ طے کرے گا کہ آیا یہ فائرنگ جائز تھی یا نہیں۔ بعد ازاں حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کرے گا - اس کمیشن کو جو تحقیقاتی کمیشن ایکٹ بابت ۱۹۵۲ء کے تحت مقرر کیا گیا ہے چار ماہ کے اندر اپنی رپورٹ ریاستی حکومت کو پیش کردینا ہوگی۔

پندرہ روزہ

قومی راج

جلد : ۱ — یکم اگست ۱۹۷۴ء — شمارہ : ۱۳

قیمت فی پرچہ : ۲۵ پیسے — سالانہ : ۵ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیل زر اور مراسلت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخنہائے گفتنی

ہندوستان ہمیشہ سے ایک امن پسند ملک رہا ہے لیکن حالیہ چند برسوں سے ہمارے معاشرہ میں تشدد کا رجحان زور پکڑنے لگا ہے جس کی بنا پر ملک و قوم کا وسیع اور ہمہ گیر نقصان ہوا ہے۔ گجرات کے بعد اب بہار میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ملک کے جمہوری نظام اور سماجی و معاشی خوشحالی کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے۔ بہار میں عوامی نمائندوں کے خلاف تحریک چلانے والوں کی شکایات کتنی ہی جائز اور درست کیوں نہ ہوں، ان کے مقاصد مبہم ہیں اور ان کے حصول کے طریقے قابلِ اعتراض۔ کیونکہ اس قسم کی تحریکوں سے نہ صرف حکومت بلکہ عوام کی قوت بھی غیر ضروری تصادموں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور ترقی و خوشحالی کیلئے صرف ہونے کی بجائے ضائع ہو جاتی ہے۔ ملک کو درپیش گوناگوں مسائل کا حل احتجاج، نعرے بازی اور "بند" نہیں بلکہ ٹھوس اقدام اور صحیح سمت میں عمل ہے اور یہ کام باہمی مفاہمت اور اشتراک کے ذریعہ ہی انجام دیا جا سکتا ہے۔

باوجودیکہ 'قومی راج' کی سالانہ قیمت بہت کم ہے تاہم ہمیں پتہ چلا ہے کہ بہت سے ادارے، لائبریریاں اور اسکول مالی مشکلات کی بنا پر اتنی رقم بھی خرچ نہیں کر سکتے۔ ایسے تمام ادارے فوری طور پر اپنے نام اور پتے ہمیں ارسال کر دیں۔ قارئین ایسے اردو نواز دوستوں کے نام بھی تجویز کر سکتے ہیں جو اردو زبان و ادب سے واقعی دلچسپی رکھنے کے باوجود رسالہ خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ایک خصوصی اسکیم کے تحت ایسے زیادہ سے زیادہ اداروں اور افراد کو قومی راج بہم پہنچائیں۔

.... خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا!!

غزل

اب بھی یہ عالم ہے یاد اُن کی اگر آجائے ہے
اِک جوانی سی دلِ افسردہ پر چھا جائے ہے

رنگ فق، آہیں لبوں پر، آنکھ سے آنسو رواں
ہم تو ہم ہیں کس سے اب یہ حال دیکھا جائے ہے

سوچتا ہوں تو سمجھ ہی میں نہیں آتا یہ راز
کیوں ہر آنسو آپکے دامن پہ مچلا جائے ہے

ہر فریبِ حُسن پر کہتے تھے ہم یادش بخیر
دِل اگر جاتا ہے جائے، ہاتھ سے کیا جائے ہے

دِل کی اے بڑھتی ہوئی افسردگی سُن تو یہ بات
پھر وہ کھِل سکتا نہیں جو پھول کمُھلا جائے ہے

مسکرانے میں بھی پلکوں پر جھلک آتے ہیں اشک
حالِ دل جتنا چھپاتا ہوں وہ کھلتا جائے ہے

اے زمانے کی ہوائے تند! جھونکا ایک اور
شوق ہر ساحل سے، ہر منزل سے بڑھتا جائے ہے

کاش آغازِ محبت ہی میں کھُل جاتا یہ راز
زندگی وہ پھول ہے جو دکھ سے کمھلا جائے ہے

اپنا غم خانہ ہو یا محویؔ کسی کی بزمِ عیش
دل نہ ٹھہرے تو کہاں پھر ہم سے ٹھہرا جائے ہے

علامہ محوی صدیقی

کے۔ صلاح الدین (حیدرآباد)

"شروعات" ایک ایسا لفظ ہے جو شروع ہی سے تنازعہ کا باعث بنا ہوا ہے۔ یہ لفظ شروع، ابتدا اور آغاز کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک زمانہ قبل بھی اس کی صحت پر مولانا آرا احسنی مرحوم اور اعجاز صدیقی صاحب کے درمیان ٹھن گئی تھی۔ مولانا مرحوم شروعات کی موافقت میں تھے اور اعجاز صدیقی صاحب مخالفت میں۔ چنانچہ تمام چوٹی کے ادبا اور علما سے اس لفظ کے بارے میں آرا حاصل کی گئی تھیں۔ جن اکتیس[۳۱] حضرات نے رائے دی ان میں سے صرف آٹھ حضرات نے لفظ شروعات کو صحیح گردانا تھا اور تیئیس[۲۳] حضرات نے مخالفت کی تھی ان میں چند قابلِ ذکر ہستیاں یہ ہیں: علامہ نیاز فتحپوری، علامہ سیماب اکبرآبادی، فصاحت جنگ جلیل، دل شاہجہانپوری، رضا علی وحشت، مولانا حسرت موہانی، جوش ملیح آبادی، آرزو لکھنوی، صفی لکھنوی، عبدالباری آسی، نوح ناروی، بیخود دہلوی، مولانا ناطق گلاوٹھی، مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ڈاکٹر عندلیب شادانی وغیرہم، اور موافقین میں مرزا یاس یگانہ چنگیزی، نوح ناروی، سائل دہلوی، جوش ملسیانی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ میں اسی ترتیب سے موافقین اور مخالفین کی آرا تحریر کرتا ہوں۔ اسکے بعد میں یہی کہوں گا کہ "شروعات" کا استعمال نہ کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ نئی پود اردو جیسی میٹھی اور پیاری زبان سے بڑی حد تک ناواقف آرہی ہے اور جو جانتے ہیں انھیں غلط الفاظ کے استعمال سے گمراہ نہیں کرنا چاہئے۔

جن حضرات نے موافقت میں رائیں دی ہیں اُن میں سرِفہرست ہیں غالب شکن مرزا یاس یگانہ چنگیزی۔ یاس صاحب لکھتے ہیں:

"شروعات اور اوّلیات فصحائے اردو کے حلقہ میں رواج پا چکے ہیں۔ ہم لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر لفظ گرامر کے کس قاعدہ کے تحت میں صحیح یا غلط ہے۔ جو لفظ جس طرح فصحا کے یہاں رواج پاگیا وہی صحیح ہے۔"

اب نوح صاحب کیا فرماتے ہیں یہ بھی سنئے:

"فی الحقیقت بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو اپنی جگہ پر کچھ اصلیت کے لحاظ سے اور کچھ معنی کے سبب سے غلط ہیں مگر کثرتِ استعمال نے ان میں صحیح اور غلط کا امتیاز نہ رکھا۔ یہ ضرور ہے کہ جن کی معلومات وسیع ہیں وہ ان کو استعمال کرنا اچھا نہیں جانتے۔ مگر اس کے باوجود اگر کوئی شخص استعمال کرے تو باوجود محقق ہونے کے کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہ ہوگا۔ غلط العام فصیح اسی صورت کے لئے ہے۔ شروعات کے متعلق مجھ سے پوچھا گیا میں نے بغیر کسی خیال کے کہہ دیا غلط ہے مگر اب غور کرتا ہوں تو معلوم ہوا کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگوں کی زبانوں پر یہ لفظ تو عام طور سے ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بقول حضرت سائل دہلوی اس لفظ کو لکھے تو کوئی برائی نہیں۔"

سائل دہلوی: لفظ شروعات میرے نزدیک برا نہیں۔ زبان زد عام ہونے کی وجہ سے غلط العام کے تحت میں آگیا ہے۔ میں اسے کراہت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ بطور سند میں نے ایک شعر موزوں کیا ہے ؎

کیا ملے اس کو جو ایسے میں کوئی بات کرے
بدکلامی سے جو پاسخ کی شروعات کرے

جوش ملسیانی: شروعات کسی زمانے میں جہلا کی زبان ہوگا مگر اب فصحا کی زبان میں شامل ہو چکا ہے۔

مہر گوالیاری: شروعات کے متعلق میری وہی رائے ہے جو بھائی سائل صاحب کی ہے۔ میں اس لفظ کو بالکل جائز اور درست سمجھتا ہوں۔

اختر نگینوی: (۱) شروعات جب ہیں بحالت

---

(۱) اس مضمون کا اصل محرک "اقبال ناتھ صاحب کے مضمون کا عنوان" کشمیر میں اردو زبان کی شروعات" ہے۔ یہ مضمون شیرازہ کے جلد ۱۱ شمارہ ۴ میں شائع ہوا تھا۔ اور ابوالفیض سحر صاحب نے اپنی تازہ کتاب "تیشۂ نظر" میں ص۱۱ اور سطر ۸ پر لفظ شروعات کا استعمال کیا ہے۔ عبارت کچھ اس طرح ہے: "امیر خسرو کی شروعات کو قلی قطب شاہ نے اسقدر بڑھاوا دیا ...."

استعمال' الف - ت' بڑھا دئے گئے ہیں اور جس کے معنی شروع' آغاز' ابتدا کے ہیں عام طور پر بولا جاتا ہے۔

(ب) اس لفظ کے استعمال کے متعلق یہ ہے کہ میں نے اساتذہ مسلم الثبوت کے کلام میں نہیں دیکھا - چونکہ میں خود حقِ اجتہاد نہیں رکھتا اسلئے خود استعمال نہیں کیا - اگر کہیں دیکھ لیتا تو ضرور استعمال کرتا - میں اس لفظ کو مستعمل کرتا تو اس طرح کرتا ؎

پڑتی ہیں ہر آغازِ جوانی پہ نگاہیں
کچھ اور ہی ہوتا ہے شروعات کا عالم

دلگیر مارہروی : لفظ شروعات اگرچہ بروئے قواعد وضوابط غلط ہے' اس کی اصل شروع ہے اور کسی قاعدے سے شروعات نہیں بنتا مگر یہ لفظ بہت مدت سے زبان پر جاری ہے اس لئے میرے نزدیک کسی کو یہ حق نہیں کہ اس پر اعتراض وارد کرے - اپنا ایک شعر بھی لکھتا ہوں ؎

وہ افسانہ جو تم سے کہنے کو تھا
اب اس کی شروعات کرتا ہوں میں

طیش مارہروی : " اس لفظ کو عام طور پر لوگ بولتے ہیں اور لکھتے ہیں پھر یہ غلط العام فصیح کیوں نہ سمجھا جائے گا ؟ "

اب آئیے یہ دیکھیں کہ " شروعات " کے مخالفین کیا کہتے ہیں اور اس لفظ کے استعمال سے اجتناب کیوں برتتے ہیں' اور اس سلسلہ میں ان کے دلائل کیا ہیں - اس لفظ کے مخالفین میں سرفہرست ہیں علامہ نیاز فتحپوری مرحوم (مدیر ماہنامہ نگار) :

پہلا خط : " شروعات بالکل غلط ہے "

دوسرا خط : " شروعات کے متعلق میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں یہ جاہلوں کی زبان ہے اور کوئی پڑھا لکھا آدمی نہ بولتا ہے نہ لکھتا ہے - غلط العام فصیح سے اسے کیا واسطہ ؟ "

علامہ سیماب اکبرآبادی : لفظ شروعات عام اہلِ زبان کی زبان سے کبھی نہیں سنا گیا - البتہ جہلا کی زبان سے شاذو نادر سنا گیا ہے - لفظ شروعات نہ صحیح ہے نہ فصیح' اس لئے کہ فصحائے قدیم و جدید نے اسے کبھی استعمال نہیں کیا - میر سے داغ تک اور داغ سے سیماب تک کسی شاعر نے اپنے کلام میں اس لفظ کا استعمال جائز نہیں سمجھا - یہ لفظ شروع سے بنایا گیا ہے - عربی الفاظ کے آخر میں ا' ت جمع کے لئے لاتے ہیں جیسے حالات' کیفیات وغیرہ بنا - علیٰ ہذا - اس لفظ کے معنی ابتدائیں ہو سکتے ہیں - لیکن یہ لفظ جہلا میں بالاتفاق مفرد مونث مستعمل ہے - جب شروعات کی جگہ ہماری زبان میں ابتدا' آغاز' پہل' بسم اللہ اور شروع پانچ الفاظ مذکر و مونث موجود ہیں تو پھر ا' ت کے فضول اضافہ کے ساتھ انھیں معنوں میں شروعات لکھنا بےجا نہیں تو اور کیا ہے -

فصاحت جنگ جلیل : غلط العام فصیح سے مراد وہ الفاظ ہیں جو باوجود غلط ہونے کے خاص و عام کے استعمال میں آ گئے ہوں - مثلاً سمجھدار' دلدار' قاعدے سے غلط ہیں مگر فصحا کے یہاں بھی مستعمل ہیں چنانچہ ناسخ کا ایک شعر ہے ؎

حسن سے خالی نہیں گر ہیں بھرے رخسارِ یار
واقعی خوبی ہے جس درجہ ہو دلدار آئینہ

شروعات کا لفظ فصحا کی زبان سے میں نے نہیں سنا اور ان کے کلام میں نہیں دیکھا - لہٰذا میری رائے میں اس سے احتراز اولیٰ ہے -

دل شاہجہانپوری : غلط العام فصیح سے مراد مجرد عوام کی بول چال میں مستعمل ہونا سند نہیں ہے بلکہ نظم میں شعرا کا استعمال ہے کیونکہ بعض شعرا تک اپنے یہاں بول چال کے اعتبار سے بعض لفظ بولتے ہیں - مگر اس کا استعمال جائز نہیں سمجھتے - مجرد شعرا کا نظم میں استعمال کرنا بھی مستند نہیں ہے بلکہ وہ شعرا جو محقق ہیں ان کا نظم کرنا سند ہو سکتا ہے لہٰذا میری رائے میں لفظ شروعات کا استعمال جائز نہیں -

رضا علی وحشت : جو لفظ غلط العام فصیح کے ذیل میں آتے ہیں یہ ضروری ہے کہ مستند اساتذۂ سخن اور فصحا نے ان کا استعمال بکثرت کیا ہو - لفظ شروعات پر غلط العام فصیح کا اطلاق نہیں ہو سکتا - میں نے کبھی اس لفظ کا استعمال نہیں کیا ہے اور نہ کسی مستند شاعر کے کلام میں دیکھا ہے - مولوی نذیر احمد' مولانا حالی' مولانا شبلی' کسی کی نثر میں بھی میں نے یہ لفظ نہیں دیکھا - یہ عوام کی زبان کا لفظ ہے اور بے ڈھنگا ہے -

مولانا حسرت موہانی : لفظ شروعات نہ میں نے خود کبھی استعمال کیا ہے اور نہ کسی مستند شاعر کے کلام میں دیکھا - میرے نزدیک اس لفظ پر غلط العوام کا اطلاق ہو سکتا ہے' غلط العام کا نہیں

جوش ملیح آبادی : شروعات غلط العام نہیں بلکہ غلط العوام کی تعریف میں آتا ہے - عربی قواعد کی رو سے محض غلط ہے اور فارسی میں بھی کسی ایرانی کیا معنی کسی باخبر فارسی داں کے کلام میں میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ میں نے کہیں استعمال کیا ہے -

آرزو لکھنوی : شروعات ان لفظوں میں سے ایک ہے جو لوگوں نے اپنے زمانۂ عروج میں مثل نور چشمی وغیرہ رائج کر دئے تھے جن کو پڑھے لکھے لوگ بولتے اور لکھتے رہے مگر ادبا نے ہمیشہ ایسے لفظوں سے احتراز کیا - میں تو مدت العمر میں ایک بار بھی اس لفظ کو نہ بولا ہوں گا چہ جائیکہ لکھنا -

صفی لکھنوی : الفاظ غلط العام فصیح کے لئے یہ ضروری ہے کہ انھیں مستند ادباء نے استعمال کیا ہو - لفظ شروعات پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے کسی مستند شاعر کے کلام میں اس کا استعمال نہیں دیکھا اور خود کبھی اس کا استعمال نہیں کیا اس لئے میری رائے میں یہ غلط العوام ہے' غلط العام نہیں -

مولانا عبدالباری آسی: شروعات غلط العام میں نہیں ہے بلکہ غلط العوام میں سے ہے اور غلط العوام پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ میں نے اساتذۂ قدیم کے کلام میں یہ لفظ نہیں دیکھا اور خود بھی استعمال نہیں کیا۔ شروع موجود ہے تو شروعات کے کیا معنی؟ کیا یہ مصدر ہے؟ مصدر کی جمع کیا ہے؟ اگر صحیح ہے تو کسی لُغت سے اس کا ثبوت نہ ملنا کیا معنی؟

نوح ناروی: شروعات غلط ہے۔ میں نے اس کو کسی لُغت میں دیکھا نہ کسی مستند شاعر کے کلام میں دیکھا۔

بیخود دہلوی: شروعات کوئی لُغت نہیں۔ دلّی والے جاہل مرد اور عورتیں لڑائی کے وقت یہ کہا کرتے ہیں کہ شروعات تم نے کی تھی۔ میں نے پہلے نہیں کی۔

ناطق گلاوٹھی: لفظ شروعات کو جس طرح محض ابتدا کے معنی میں جہلا اور عوام استعمال کرتے ہیں یہ ابھی غلط العام نہیں ہوا۔ غلط العام کے معنی یہ ہیں کہ اسی طرح فصحا اور اہلِ علم بھی بولتے ہوں اور میں نے کبھی کسی اہلِ علم کو اس معنی میں یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے نہیں سُنا ہے

سندِ اہلِ فصاحت نہیں اندازِ عوام
آپ سمجھے نہیں ناطق غلط العام ابھی

اس لئے شروعات کو بمعنی واحد لکھنا بولنا نہ صرف یہ کہ غیر فصیح بلکہ غلط ہوگا۔ میں نے ایسا استعمال بھی بمعنی واحد نہ خود کبھی کیا ہے نہ کسی مستند استادِ ماضی و حال کے کلام میں دیکھا۔ البتہ افسانچی حضرات ایسا ضرور لکھ جاتے ہیں

سید سُلیمان ندوی: غلط العام فصیح کا مقصد یہ ہے کہ لفظ قواعد کے لحاظ سے غلط ہو لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے مستند ادیبوں اور شاعروں نے بھی اس کو قبول کرلیا ہو۔ تنہا قبولِ عام سے کوئی غلط لفظ زمرۂ فصاحت میں نہیں آتا۔ شروعات عامی لفظ ہے۔ کسی سنجیدہ صاحب قلم اور اہلِ علم کی تحریر میں نہیں بلا ممکن ہے کبھی کسی نے اس کا استعمال کیا ہو لیکن اب متروک ہے۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق: لفظ شروعات ایک بدعت ہے۔ اکثر اسے شروع کی جمع سمجھ کر استعمال کیا جا رہا ہے تو غلط اور اگر شروع کی جمع سمجھ کر تو غلط تر۔

ڈاکٹر عندلیب شادانی: غلط العام اور غلط العوام دو مختلف چیزیں ہیں۔ غلط العام وہ ہے جسے خواص اور عام سب استعمال کرتے ہوں جیسے "مشکور" بمعنی متشکر و ممنون۔ مولانا شبلی اور بعض دوسرے فضلا نے بھی مشکور بمعنی متشکر لکھا ہے۔ اس لئے اب مشکور اردو میں غلط العام کے تحت میں آسکتا ہے لیکن شروعات غلط العوام ہے۔

اتنے اہلِ قلم حضرات کی آرا کے بعد میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اور بھی کسی کی رائے دوں۔ اس لئے کہ اب جس کسی صاحب کی رائے دوں گا وہ اِس پایہ کے نہیں جن کی آرا میں نے اوپر دی ہیں یا پھر اس زمانہ کے ہوں گے جن میں نئے اور عجیب و غریب الفاظ استعمال کرنا یا تو فیشن بن گیا ہے یا پھر جسے جدیدیت کا نام دے کر اپنی کم علمی پر خوبصورت سا پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

●●

---

۱۵ اگست کے موقع پر شائع ہونے والے 'امدادی نمبر' کے لئے اپنے مضامین و منظومات آج ہی ارسال فرمائیے:

بقیہ: سگریٹ نوشی ایک مہلک مرض

اور دوم سگریٹ کا دھواں عام طور پر سانس کیساتھ پھیپھڑوں کے اندر کھینچا جاتا ہے جب کہ سگار اور پائپ کا دھواں پھیپھڑوں تک نہیں پہنچتا۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ تمباکو نوشی کرنے والے لوگ اکثر کھانسی اور بلغم میں مبتلا رہتے ہیں اور تمباکو نوشی سے پرہیز کرنے والے اس سے عموماً محفوظ رہتے ہیں۔

تمباکو میں دو خاص مُضرِ صحت اجزار پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک ٹار' یا گندہ بروزہ کی قسم کا ایک کیمیاوی جزو ہے اور دوسرا نکوٹین جسے عرفِ عام میں تمباکو کا زہر بھی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں اجزار میں سرطان اور سانس کی دوسری کئی بیماریاں پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ اگر کسی طرح سے تمباکو کو ان دونوں مضرِ صحت اجزار سے پاک کردیا جائے تو کم از کم پھیپھڑے کے سرطان کا خطرہ بہت حد تک دور ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں کافی تحقیقات کے باوجود کوئی سگریٹ فلٹر ایسا نہیں ایجاد کیا جاسکا ہے جو ان دونوں اجزاء کو بھی علیحدہ کردے اور تمباکو کے مزے میں بھی فرق نہ آنے دے۔ عام فلٹر والے سگریٹوں میں جو فلٹر استعمال ہوتا ہے اس سے ٹار اور نکوٹین بہت ہی تھوڑی مقدار میں دھوئیں سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ اسلئے فلٹر والے اور بغیر فلٹر والے سگریٹ تقریباً ایک جتنے ہی مُضرِ صحت ہیں۔ البتہ حقے کا دھواں جس میں سے ٹار اور نکوٹین کی کافی مقدار پانی میں حل ہوجاتی ہے نسبتاً محفوظ ہے۔

ہمسایہ

تالی
ایک ہاتھ سے نہیں بجتی ،
اسی طرح جب تک دو ہستیاں آپس
میں نہیں ملتی ہیں دوستی بھی نہیں ہو سکتی۔ کہتے تو ہیں
محبت ہو جاتی ہے کی نہیں جاتی۔ لیکن آج کل کے
زمانے میں کیا نہیں ہوتا ؟ دوستی کی بھی جاتی ہے
دوستی بنائی جاتی ہے، نبھائی جاتی ہے، دوستی کا
دم بھرا جاتا ہے۔ ایثار و قربانی سے کام لیا جاتا ہے
اور پھر غرض و غایت کیلئے دوستی کی نمائش بھی ہو
سکتی ہے۔ اور تو اور دوستی خریدی بھی جا سکتی ہے
دوستی توڑی بھی جا سکتی ہے۔ کچھ ایسے جذباتی شاعر
بھی گذرے ہیں جن کے نزدیک بغیر دوستی اور محبت
کے گذارا ممکن ہی نہیں۔ کہتے ہیں ؎

حریفِ غم ہوں محبت نباہ لیتا ہوں
ملے نہ دوست تو دشمن کو چاہ لیتا ہوں

تو یہ دوستی کی ساری باتیں محض میل ملاپ سے شروع
ہوتی ہیں۔ اب آپ ہی سوچئے کہ جگری دوست سے
بھی زیادہ میل ملاپ اور ربط ضبط کس سے ہو سکتا
ہے، جی ہاں وہ تو پڑوسی سے ہی ہو سکتا ہے کہ
جس سے اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، آتے جاتے
مڈبھیڑ ضروری ہے۔ اس کا وجود ہی ہمہ وقتی
ہوتا ہے، اور وہ سایہ کی طرح
ہمیشہ موجود رہتا
ہے اسی
لئے تو اس کے لئے
ہمسایہ کا لفظ زیادہ ہی موزوں لگتا
ہے۔ وہ تو ہمزاد، ہمدرد، ہمراز، ہمدم، ہمجنس،
ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوتا ہے۔ اور جو ہمارے ساتھ
رختِ سفر باندھے تو ہم سفر اور اگر ایک ہی
گھر کی دو لڑکیوں کے ساتھ ساتھ بیاہ ہو جائے
تو ہم زُلف سمجھئے۔ یہ ہمسایہ کہاں تک پہنچ سکتا ہے!
مگر حقیقتِ احوال بیان کریں، یہ ہماری
اچھائیوں سے کم بُرائیوں سے زیادہ واقف ہو جاتا
ہے۔ اپنے آپ کو ہر حال میں رکھوالا سمجھتا ہے۔
اُنگلیاں اُٹھا اُٹھا کر عیب جوئی کرتا ہے اور ہم کو
محلّے میں صورت نہ دکھانے کے موقف میں ڈال
دیتا ہے۔ وقت بے وقت ہم سے قرض لینا، چیزیں
مستعار لینا اور واپس نہ کرنا اس کا شعار ہے۔
ہمارے اچھے بھلے وفادار نوکر کو لالچ دلا کر ہم سے
تُڑا دینا، بچوں کی لڑائی میں اپنے ہی بچوں کی حمایت
کرنا اور ہمارے بچوں کی شکایت کرنا، اپنی گندی
نالیوں کا رُخ ہمارے صحن کی طرف موڑ دینا، یہ سب
کچھ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا ہے۔ سایہ
کیا پڑا کہ ہمسایہ ہو گیا۔ اسی لئے تو
لوگ پناہ مانگتے
ہیں کہ کہیں
سایہ بھی نہ پڑے اور یہ تو
معلوم ہی ہے کہ پڑوسی کے حقوق بے حساب
ہیں۔ اس کے فرائض اور ذمہ داریوں کا ذکر کہیں نہیں
اخلاقاً و شرعاً جو ہو سو ہو، قانوناً بھی تو حق رکھتا ہے
ہم اپنی جائداد بیچنے کی سوچیں تو ہمارا پڑوسی
اوّلین حق داری چاہتا ہے۔ یہ ایک ایسی الجھن
ہے کہ بالکل نہیں سوجھتا کہ اس کا حق نباہیں یا
اپنے منافع کی سوچیں۔ کون مدّعی، کون مدعا علیہ
کس کا حق کس پر ؟

پڑوسی سے زیادہ دلچسپ پڑوسن کی ہوتی
ہے کہ اس کو فرصت زیادہ ہی نصیب ہوتی ہے
اور اس کا دلچسپ ترین مشغلہ یہی ہوتا ہے کہ
کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ کر بلا اشتعال، بنا
محرکات لڑائی چھیڑ دے۔ اس کے لئے نہ تو
کسی خاص موڈ کی ضرورت ہے، نہ موقع، نہ
محل کی۔ اگر کوئی اس چھیڑ چھاڑ سے گریز کرنا
بھی چاہے تو اُلٹا یہی کہ کس کی جوتی کو غرض
پڑی ہے کہ لڑائی مول لیوے اور اسی جملہ
ابتدائیہ سے انتہا تک معاملہ چل

خواجہ عبدالغفور

پڑتا ہے، اُس وقت تک کہ جب تک گھر والوں کی واپسی کا وقت نہ ہوجائے یا بچے مدرسوں سے بھوکے پیاسے لوٹ کر روٹی کے لئے ضد کرنا شروع نہ کردیں۔

اس کے علاوہ بھی تو پڑوسن ایک مستقل آزار ہوتی ہے۔ بیوی کو زیور یا نیا کپڑا بنانا ہو تو پڑوسن کا حوالہ ازبس کارگر ہوتا ہے۔ اس کے لئے مشین، اس کے گھر کا اسٹوو، ریڈیو، ٹیلیویژن، نئی موٹر، غرضیکہ ہر نئی چیز ایک بہانہ ہوتی ہے، ایک محرک ہوتی ہے۔

ایک بار ہمارے پڑوسی نے شکایت کی کہ وہ محض اس لئے دیوالیہ ہوتے جا رہے ہیں کہ ہماری برابری کے لئے ان کی بیگم دن رات نئی نئی فرمائشیں کرتی رہتی ہیں اور اب ان کی تکمیل ان کے ضبط و امکان سے باہر ہوتی جارہی ہے۔ اس پر ہم نے اپنا سر پیٹ کر انھیں بتایا کہ ہم خود بھی اسی مارے دیوالیہ ہوئے جارہے ہیں۔ اکثر تو ہم کو یہ بھی پتہ چلا ہے کہ پڑوسن اپنی ضرورت کی چیزوں کے لئے سیلزمین کو ہمارے گھر بھجوا دیتی ہیں کہ وہ کسی طرح ساری چیزیں ہم کو بیچ جائے، جو بعد میں حسب ضرورت اور موقعہ موقعہ سے ہم سے مستعار لے جا سکیں۔ وہ تو یہ بھی کرتی ہیں کہ سیلزمین کو کچھ ایسی پٹی پڑھا کر بھیجتی ہیں کہ ذرا دیکھئے تو میں نے آپ کی پڑوسن کو کیسی کیسی عمدہ چیزیں بیچی ہیں۔ کیا آپ ان کو دیکھنا بھی پسند نہ کریں گی۔

ویسے بھی کہتے ہیں کہ پڑوسن وہ ہستی ہے کہ جس کو ہمارے گھر پہنچنے کیلئے کچھ ہی منٹ لگتے ہیں، لیکن خود اس کے گھر واپس جانے کے لئے گھنٹوں۔ یہ بھی مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ شادی کے فوراً بعد میاں کی باتیں بیوی سنتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد بیوی باتیں کرتی ہے اور میاں سنتا ہے۔ لیکن بالآخر میاں بیوی دونوں ہی باتیں کرتے ہیں اور سنتے ہیں پڑوسی!

اس سے تو ہم متفق الرائے ہیں کہ قابلِ بھروسہ پڑوسی میسر ہونا ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن ایسا پڑوسی کہ جو ہم پر پورا پورا بھروسہ کرے، اس سے کہیں زیادہ نعمت ہے۔ ہم جب کبھی کسی مشکل میں پھنسے ہیں تو ہم نے دیکھا کہ ہمارے پڑوسی صد فیصد ہمارے ساتھ ہیں۔ نصیحت یا لعنت ملامت کیلئے۔

ان ہی سب باتوں کے تجربوں سے ہم نے یہ پالیسی بنائی ہے کہ پڑوسی کو بہت سوچ سمجھ کر وہی مشورہ دیتے ہیں کہ جو ہم یقین سے جانتے ہیں کہ وہ قبول نہیں کرینگے اور جب نہ مان کر وہ نقصان اُٹھاتا ہے تو ہم اُس کو یہ جتاتے ہیں کہ "دیکھا ہماری بات نہ ماننے کا نتیجہ" اور وہ کامیاب ہوجاتا ہے تو پھر ہمکو شرمساری سے یہ سُننا پڑتا ہے کہ ہماری بات کتنی غلط تھی۔

پڑوسی آدمی ہی نہیں، مملکتیں بھی اسی چکر میں ہیں کبھی سرحدی تنازعے کبھی تجارتی معاہدوں کی خلاف ورزیاں ہیں، کبھی دریاؤں کے پانی کے جھگڑے ہیں کبھی ادھر کے ناپسندیدہ لوگ ادھر آ رہے ہیں۔ پڑوسیوں کی دوستی نباہنا وبالِ جان ہوا جاتا ہے اور ہر بار یہی خیال ہوتا ہے کہ اس سے تو بھلا یہی ہوتا کہ سرے سے پڑوسی ہی نہ ہو، اور جو کوئی ہو بھی تو اس سے دوستی تو کجا صاحب سلامت بھی نہ ہو۔ اسی لئے اب بڑے بڑے شہروں میں گھر ہی ایسے بننے لگے ہیں کہ کون کس کا پڑوسی! صرف آنہو بازو گھر ہوں تو ضرور پڑوسی کا رشتہ قائم ہوجائے گا۔ لیکن اب تو ادھر بھی گھر ہے، نیچے قدموں تلے بھی۔ دائیں بھی بائیں بھی۔ اب بتائیے کہ کون کس کا پڑوسی، کس کا سایہ کس کے اوپر، اور جہاں سورج کی روشنی کا گذر ہی نہ ہو تو وہاں سایہ کہاں اور ہمسایہ کون؟

جی چاہتا ہے کہ اپنے پڑوسی سے کہیں ؎

چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں
نہ میں تم سے کوئی امید رکھوں دل نوازی کی
نہ تم میری طرف دیکھو غلط انداز نظروں سے
اور پھر ان کو بتا دوں
تعارف روگ ہو جائے تو اس کو بھولنا بہتر
تعلق بوجھ بن جائے تو اس کو توڑنا اچھا

اور جو اس قسم کے اعلان اور اس پیشکش سے کام نہ بنے تو پھر حضرتِ غالبؔ کی طرح یہ تصفیہ قطعی طور پر کرنا ہی ہوگا کہ ؎

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

اور جو ایسی کوئی جگہ مل جائے تو اس انداز سے رہنا چاہیئے کہ ؎

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑوسی اور محلہ داری سے تو ہم بھاگنے کی سوچتے ہیں لیکن حضرت غالبؔ نے تو شاید اپنی ساری مصیبتوں کے مارے یہ بھی تصفیہ کیا تھا کہ وہ ایسی جگہ ہونی چاہیئے کہ ؎

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

بیزارگی اور پریشانی کی یہ انتہا کوئی سو برس پہلے کی بات ہے جب کہ آبادی اتنی گھنی اور گنجان نہ تھی، وسیع صحن والی کوٹھیاں اور حویلیاں ہوا کرتی تھیں۔ گھروں کے بیچ بیچ کافی کھلی جگہ ہوا کرتی تھی اور اب اس کے مقابلے میں سوچئے بھی تو ایسا کوئی رُخ نہیں کہ جہاں پڑوسی نہ ہو اور جو پڑوسی ہو تو اس سے میل ملاپ ناگزیر اور اس کی دوستی بے انتہا پریشانیوں کا باعث۔ قدم قدم پر پچھتاوا۔ آئے دن کی کرکری۔ شاید پڑوسی کے ڈر سے ہی یہ محاورہ گڑھا گیا ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ اسی لئے اور سب پریشانیوں سے بڑھ چڑھ کر یہ پریشانی کہ کہیں ہمارے پڑوسی ہماری یہ ساری باتیں نہ سُن رہے ہوں۔

سگریٹ نوشی - ایک مہلک مرض

امریکہ کے عظیم الشان شہر نیویارک کا ایک بہت بڑا حصہ جس جزیرہ مین ہٹن پر آباد ہے اُسے سفید فام لوگوں نے ایک ریڈ انڈین قبیلے سے پندرہ ڈالر یعنی تقریباً ۷۲ روپے اور شراب کی چند بوتلوں کے عوض حاصل کیا تھا۔ امریکہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس کے ان اصلی باشندوں کے ساتھ یورپ سے آئے ہوئے سفید فام لوگوں نے اکثر دھوکہ بازی اور بے ایمانی سے کام لیا۔ کچھ عرصہ ہوا ایک مشہور ریڈ انڈین قبیلے کے سردار نے غالباً مذاق میں یہ کہا کہ سفید فام لوگوں کو شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ تمباکو نوشی کی جو عادت انھوں نے ہم سے سیکھی ہے وہ بہت جلد سرطان کی بیماری سے ان کی نسل کا خاتمہ کر دے گی اور ہمارا وطن اور ہماری زمین ایک مرتبہ پھر ہمیں واپس مل جائے گی۔

ریڈ انڈین سردار نے یہ بات تفریحاً ہی کہی ہوگی کیونکہ نہ تو امریکہ کا ہر مرد، عورت، بوڑھا اور بچہ سگریٹ نوشی کا عادی ہے اور نہ سگریٹ نوشی کرنے والے تمام افراد سرطان ہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ بہر حال حقیقت ہے کہ تمباکو نوشی اور خاص طور سے سگریٹ نوشی صحت کے لئے بیحد مضر ہے اور مندرجہ ذیل اعداد و شمار اس حقیقت کے شاہد ہیں۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں امریکہ میں پھیپھڑے کے سرطان سے ۱۸,۳۱۳ اموات ہوئیں۔ یہ تعداد بڑھتے بڑھتے سنہ ۱۹۶۴ء تک ۴۵,۸۴۸ ہوگئی تھی اور اس میں ہر سال اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی طرح برطانیہ میں پھیپھڑے کے سرطان سے مرنے والوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں یہ تعداد آٹھ ہزار تھی۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں اٹھارہ ہزار تک پہنچ گئی اور سنہ ۱۹۶۶ء میں ۲۷,۰۰۰ سے بھی زیادہ افراد اس موذی مرض کے باعث راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ سرطان کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ پھیپھڑے کے سرطان میں اضافہ کی ایک بڑی وجہ تمباکو نوشی میں اضافہ ہے۔

آج سے کوئی بیس سال قبل کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تمباکو نوشی اس قدر مضرِ صحت ہے۔ گو سنہ ۱۹۱۲ء میں ڈاکٹر آئی۔ ایڈلر نے اعضائے تنفس کی بیماریوں کے بارے میں اپنی کتاب میں اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ ممکن ہے کہ پھیپھڑے کے سرطان کا تمباکو نوشی سے کوئی تعلق ہو۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر ایف۔ ٹائیلکوٹ نے انگلینڈ کے مشہور طبی رسالے 'لین سیٹ' میں ایک مضمون شائع کرایا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ پھیپھڑے کے سرطان میں اچانک اضافے کا باعث بڑھتی ہوئی سگریٹ نوشی ہی ہوسکتی ہے۔ جرمنی کے ڈاکٹر اے۔ ایچ۔ روفو نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

امریکہ میں دس سگریٹ روزانہ پینے والے افراد کی شرحِ اموات سگریٹ نوشی سے پرہیز کرنے والوں کے مقابلے میں چالیس فیصدی زیادہ ہے!

دوسری جنگ عظیم کے دوران تمباکو نوشی اور سرطان کے باہمی تعلق کے بارے میں کوئی خاص تحقیق نہیں کی گئی۔ شاید اس زمانے میں ہمارے نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کے سائنسدانوں کی ساری توجہ زیادہ سے زیادہ مہلک ہتھیاروں کی ایجاد اور زہریلی گیسوں اور جراثیم کی طرف ہی رہی تاکہ کسی نہ کسی طرح دشمن کا صفایا جلد از جلد کیا جاسکے۔

تمباکو نوشی کا پھیپھڑے کے سرطان کے ساتھ تعلق صاف اور واضح طور پر ثابت کرنے والوں میں ڈاکٹر ای۔ ایل۔ وائنڈر اور ڈاکٹر ای۔ اے۔ گراہم کے نام سرفہرست ہیں۔ واشنگٹن یونیورسٹی کے ان دو ڈاکٹروں نے امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کے جریدے میں ایک تحقیقی مقالہ شائع کرایا جسمیں انھوں نے پھیپھڑے کے سرطان میں مبتلا چھ سو چوراسی مریضوں کا جائزہ لے کر یہ ثابت کیا کہ تمباکو نوشی کی سب سے زیادہ خطرناک قسم سگریٹ نوشی ہے۔ اور سگار اور پائپ نسبتاً محفوظ ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ سگریٹ پینے والے اوّل تو سگریٹ کے سستا ہونے کی وجہ سے زیادہ تمباکو نوشی کرتے ہیں (باقی صفحہ ۵ پر)

غزلیں

کیا قیامت ہے کہ یوں قصرِ تمنا ٹوٹے
کوئی جس طرح سے مٹی کا گھروندا ٹوٹے

ایسے وعدوں پہ یقیں آئے تو کیونکر آئے
ایک اک لمحہ جہاں وعدے پہ وعدا ٹوٹے

زلف ایسی کہ اُلجھ جائے دلِ کون و مکاں
آنکھ بھی وہ کہ غرورِ مے و مینا ٹوٹے

دل پہ جب چوٹ پڑی کوئی تو احساس ہوا
اتنا پتھر بنے جتنا کہ یہ شیشا ٹوٹے

ہمسفر بن کے تری یاد بھی کیوں آئی ہے؟
سب جہاں ٹوٹتے ہیں اک یہ بھی سہارا ٹوٹے

اُس نے یوں توڑا محبت کا حسیں شیش محل
طفل کے ہاتھ سے جس طرح کھلونا ٹوٹے

غم اٹھائے ہوئے احساس زمانہ گذرا
دل پہ پھر چوٹ پڑے آنکھ سے تارا ٹوٹے

◉ احساس گونڈوی

آہن ہے یہ کبھی، کبھی مثلِ زجاج ہے
یہ زندگی بھی کتنی تلوّن مزاج ہے!

مدّت کے بعد جا کے کھُلا ہے کہ تیرا غم
غم ہائے روزگار کا واحد علاج ہے

سر جس کا ہو قلم وہی ہوتا ہے سرفراز
کتنا عجب جہانِ وفا کا رواج ہے

رنگِ بہارِ نو ابھی پورا کھُلا نہیں
خونِ جگر کی اس کو ابھی احتیاج ہے

جس آدمی کو خاک سے ہے نسبتِ دوام
اس آدمی کا آج فلک پر مزاج ہے

جینا مجاہدہ ہے حقیقت میں اِن دِنوں
دو دِن کی زندگی بھی بڑی چیز آج ہے

ق

دراصل مہاراشٹر کے حسن و جمال کا
آئینہ دار ہر صفحۂ "قومی راج" ہے

اس میں "نظر" کے ساتھ "خبر" کا ہے اہتمام
فکر و خیال کا یہ حسین امتزاج ہے

● ڈاکٹر محمد منشاء الرحمٰن خان منشاء

علاءالدین جینابڑے

کوئی مذہب ظلم کی حمایت نہیں کرتا لیکن ملتیں جب مٹ جاتی ہیں اور اُن کی فرسودہ رسومات اجزائے ایمان بن جاتی ہیں تو اُن جھوٹے عقائد کا سہارا لے کر انسان انسان پر وہ مظالم ڈھاتا ہے کر انسانیت کانپ اٹھتی ہے۔

ستی کی رسم ایسے ہی ایک غلط عقیدے پر قائم تھی۔ کہتے ہیں شک جیسے قبیلوں نے اسے رائج کیا تھا۔ شاستروں میں اس کے لئے کوئی صریح احکام نہیں تھے۔ پھر بھی ودھواؤں کو اُن کے رشتہ دار چتا میں جل کر مرجانے پر مجبور کرتے تھے لیکن اس انسانیت سوز رسم کے خلاف آواز اٹھانے کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔

راجہ رام موہن رائے کو دُنیا آج عزت و احترام کے ساتھ یاد کرتی ہے اس لئے کہ انھوں نے ہمت و استقلال سے اس ظلم کے خلاف احتجاج کیا۔ اور یہ اُنہیں کی کوشش تھی کہ عورت چتا کی آگ سے بچائی گئی۔ جب یہ ہوا تو سماج سدھارکوں کو عورت کے دوسرے ادھیکاروں کا بھی خیال آیا۔ ایشور چند ودیا ساگر نے بیواؤں کی شادی کا مسئلہ اٹھایا اور مہارشی کروے نے بذاتِ خود ایک بیوہ سے شادی کرکے دنیا کو بتا دیا کہ سماج سدھار کے میدان میں مجاہد اپنا جھنڈا یوں بلند کرتے ہیں۔

خواتین کے لئے تعلیم کے دروازے کھلتے گئے۔ عورتیں سماجی اور سیاسی امور میں حصہ لینے لگیں، یہاں تک کہ آج دفتروں میں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں عورتیں مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں اور ایک محترم خاتون ملک کی وزیراعظم ہیں۔

یہ سب کچھ ہے۔ لیکن کیا ایک عام بیاہتا عورت کی زندگی محض اس لئے خوشگوار ہو سکتی ہے کہ سماج نے اسے مرد کے برابر رتبہ دیا ہے؟ سُکھ چین تو روزمرّہ زندگی کی بات ہے۔ اگر وہ اپنی روزمرّہ زندگی میں خوش نہیں ہے تو سُکھی نہیں کہلائے گی۔

روزانہ زندگی میں سکھ چین محسوس کرنے کیلئے اسے کچھ آرام چاہیئے، ذہنی فراغت چاہئے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اُس کا پریوار چھوٹا ہو۔ آدھا درجن بچوں کی ماں کے لئے یہ ممکن نہیں۔ کم کام، ضروری آرام اور ذہنی فراغت کے پیمانوں سے کسی سماج کی خوشحالی کو ناپا جاتا ہے۔ عورت گھر کی مزدور تو نہیں ہوتی، رانی ہوتی ہے، لیکن خیال کیجیئے ایک غریب یا متوسط طبقے کی اس رانی کو دن بھر کیا کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اگر زیادہ نہیں وہ صرف چھوٹے بڑے چار بچوں کی ماں ہے تب بھی عام طور پر اور خصوصیت کے ساتھ بمبئی جیسے شہر میں وہ صبح پانچ بجے اُٹھتی ہے اور گھر کی رسوئی میں جٹ جاتی ہے۔

کوئی بچہ صبح سات بجے اسکول جانے والا ہوتا ہے، کوئی نو بجے، کوئی دس بجے اور کوئی بارہ بجے۔ اُسے ایک ایک کی ضرورت اور مطالبات کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ صبح ہی صبح شوہر کو بھی کام پر جانا ہوتا ہے۔ عورت جب ان سب سے فارغ ہوتی ہے تو پہلا بچہ واپس آتا ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا اور پھر چوتھا۔ اس طرح شام کے چار بج جاتے ہیں۔ ابھی اُسے شام کی رسوئی کرنا باقی ہے اور شوہر کے سواگت کی تیاری کرنا بھی ضروری ہے شوہر چاہتا ہے جب وہ گھر آئے تو بیوی کے

ہونٹوں پر کلیاں چٹکتی ہوں اور آنکھوں میں تارے چمکتے ہوں اور اس کا دل و دماغ شوہر کی نت نئی کاروباری اُلجھنوں کو سمجھنے اور اُس کا حوصلہ بڑھانے اور مشورہ دینے کے لئے تیار رہے۔ وہ اپنے شوہر کی جیون ساتھی جو ہے۔ رات کے دس بجے تک بچوں کو کھلا پلا کر اور اُن کے جھگڑے نپٹا کر جب وہ خود بستر پر گرنے کو ہوتی ہے تو اس کے جوڑ جوڑ میں درد ہوتا ہے اور کمر دوہری ہوئی جاتی ہے۔ ایک غریب یا متوسط طبقے کی عورت کو چار بچوں کی ماں بننا ہی جسمانی طور پر نڈھال کر دیتا ہے اور پھر اُن کی پرورش! بچے قوم کی امانت ہوتے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال، صحت، تندرستی اور تعلیم و تربیت کا خیال باپ سے زیادہ ماں کو کرنا ہوتا ہے اگر وہ ان فرائض کو بخوبی انجام دیتی ہے تو یہی بچے آگے چل کر قوم کے معمار بنتے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا حالی جیسے مفکروں نے قوم کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو مخاطب کر کے انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا ہے لیکن ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ایک عورت پر ذمہ داری کا کتنا بوجھ لادا جا سکتا ہے۔ وہ کوئی مشین نہیں ہے، آخر مشین کے بھی کل پُرزے ٹوٹ جاتے ہیں!

دوپہر میں تھوڑا سا آرام، کسی دل پسند رسالے کی ورق گردانی، شام میں شوہر اور بچوں کے ساتھ کسی گارڈن تک کی چہل قدمی یا کبھی کبھار ایک آدھ سنیما یا اسی قسم کی کوئی اور تفریح، ہر عورت کے لئے ضروری ہے۔ یہ کوئی عیاشی نہیں ہے۔ یہ معمولی سی باتیں ہیں لیکن ضروری ہیں عورت کی جسمانی اور نفسیاتی صحت کے لئے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ذہنی فراغت کی نشاندہی کرتی ہیں اور خوشحالی کی ضمانت ہوتی ہیں۔

لیکن ایک بڑے پریوار میں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مرد نہیں سمجھتے کہ گھر کا کام فل ٹائم جاب ہے، پارٹ ٹائم نہیں۔ دفتری کام ختم ہو سکتا ہے، گھر کا کام کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستان کی اکثر عورتوں کی زندگی خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتی ہوں مسلمان ہوں، ہندو ہوں، کرسچین ہوں یا سکھ ہوں، بنیادی طور پر پریشانی اور الجھنوں کی زندگی ہے۔ ایسی عورتیں کیا قوم کی معمار ہو سکتی ہیں؟ وہ عورتیں جن کے آنچل میں دودھ اور آنکھوں میں پانی ہے کیا ان کی گود میں پلنے والی سنتان ایسی ہوگی کہ ہندوستان اُن پر فخر کر سکے؟

عورت کو تھوڑی سی فرصت، تھوڑا سا آرام اور تھوڑی سی ذہنی فراغت دیجئے اور پھر دیکھئے ہوا کے رُخ کیسے بدل جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے اگر آپ کا پریوار چھوٹا ہو۔ راجہ رام موہن رائے جیسے مہان سماج سُدھارکوں نے ہماری ہی خوشحالی کے لئے جدوجہد کی تھی۔ اُن کے سپنوں کو ساکار روپ اُسی وقت مل سکتا ہے جبکہ ہمارے پریوار سُکھی ہوں، اسی لئے تو کہتے ہیں:

چھوٹا پریوار، سُکھی پریوار

●●

چھوٹی چھوٹی باتیں

سیواگرام آشرم میں کھانا کھانے کے کمرے میں ایک بورڈ لٹکا ہوا تھا جس پر یہ لکھا تھا، "میں توقع کرتا ہوں کہ سب لوگ آشرم کی جائداد کو اپنی جائداد اور ملک کے غریب ترین انسانوں کی جائداد سمجھیں گے۔ کسی شخص کو نمک ایسی چیز بھی اس کی ضرورت سے زیادہ نہیں دی جانی چاہیئے۔ پانی تک ضائع نہیں کیا جانا چاہیئے۔"

باپو اس مقولے پر اعتقاد رکھتے تھے: "کوئی چیز ضائع نہ کرو تاکہ بعد ازاں اسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو۔" وہ کفایت پر بہت زور دیتے تھے۔

باپو کاغذ تک ضائع نہیں کرتے تھے بمثال کے طور پر وہ اس کاغذ کو پھینکتے نہیں تھے جس کی ایک طرف لکھا ہوتا تھا، وہ دوسری طرف کو لکھنے کے کام میں لاتے تھے۔ چٹھیوں کے آدھے خالی کاغذوں کو بھی وہ استعمال میں لانے کے لئے سنبھال کر رکھ دیتے تھے اور کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بھی وہ چھوٹے چھوٹے نوٹ لکھنے کے لئے یا کسی مسودے کا خاکہ تیار کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ استعمال شدہ لفافوں کو کھول کر وہ کاغذ کی دوسری طرف کچھ نہ کچھ لکھ لیتے تھے۔ وہ جب کبھی باہر سے آشرم میں رہنے والے لوگوں کو کوئی چٹھی لکھتے تھے تو تمام نوٹ ایک ہی لفافے میں رکھ کر ڈاک میں ڈال دیتے تھے۔ وہ ایک پن تک ضائع نہیں کرتے تھے۔

وہ کہا کرتے تھے: "یہ سب چھوٹی چھوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن سب چیزیں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے ملنے سے ہی بنتی ہیں۔ میری تمام زندگی کی تعمیر چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہوئی ہے۔"

------- باپو کی زندگی کا ایک ورق

شہر تا صحرا چٹانوں پر گل افشانی ہوئی
پتھروں پر جب سے شیشے کی نگہبانی ہوئی

اس طرح نظریں ملیں دنیا کو حیرانی ہوئی
چوک کچھ ہم سے ہوئی کچھ اُن سے نادانی ہوئی

جام ٹوٹے، تشنہ کامی لٹ گئی، شمعیں بجھیں
آگ جب اتنی لگی تب جا کے مے' پانی ہوئی

مشکلیں عیش و طرب کی تھیں تو 'کورا' ذہن تھا
زندگی کو غم نے 'افوانسا' تو آسانی ہوئی

پھر ہوا کرنوں کا کاروبار شب کے شہر میں
پھر چراغوں کو چراغوں سے پریشانی ہوئی

آئینہ حیراں تھا کل اُن کے سنور جانے کے بعد
آج ہر چہرے کو آئینے پہ حیرانی ہوئی

موت کہتے ہیں جسے سب اصطلاحِ عام میں
وہ بلائے زندگی ہے میری پہچانی ہوئی

ہنس رہی ہے آج تک دنیا ہمارے حال پر
کہہ کے رازِ دل ہمیں کتنی پشیمانی ہوئی

جھلملا کے کہہ اٹھے شہرِ خموشاں کے چراغ
جتنی آبادی بڑھی اتنی ہی ویرانی ہوئی

اے فصیحِ وقت، اے اہلِ تلفظ ہوشیار
مہربانی عام ہو کر اب مہر بانی ہوئی

حضرت بیکل بہاروں سے بغاوت کیجیے
پھر گلوں پر بارِ قیدِ چاک دامانی ہوئی

بیکل اتساہی

لاحاصل

مُنہ کے ساتھ منہ، کندھے کے ساتھ کندھا اور پیٹھ کے ساتھ پیٹھ جوڑ کر بیٹھے ہوئے اونچے مکانوں کے چہروں پر ڈھلتے سورج کی زرد دھوپ ابھی باقی تھی لیکن بغل جیسی تنگ گلیوں میں روشنی اندھی ہونے لگی تھی ۔

بالشت بھر صحن کے کونے میں چارپائی کے ساتھ جڑا ہوا وہ خالی خالی نظروں سے چھجی پر بنی ہوئی دھوپ کی تکون کو دیکھ رہا تھا جو رفتہ رفتہ مِٹ رہی تھی ۔

اکتوبر کے آخری دن تھے ۔ ہلکی سردی تھی لیکن وہ اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ دھوپ کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ کانپنے لگتا اور وہ کپکپی تب تک جاری رہتی جب تک اس کا چھوٹا بھائی کمار دفتر سے لوٹ کر اُسے کمرے میں پہنچا نہ تھا۔ اُسے لحاف میں لپیٹ کر، سگڑی جلا کر چارپائی کے قریب نہ رکھ دیتا تھا۔

چھجی سے دھوپ اُڑ گئی ۔ کُمار کی پتنی دو تین بار گھونگھٹ نکالے اس کے نزدیک سے ہو کر رسوئی کی طرف گئی ۔ چھاتی تک کمبل کو اوڑھتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں سرسراہٹ ہونے لگی۔ مشکل سے اس نے کمبل کو پیروں تلے دبایا۔ ساتھ ہی اس کے خشک ہونٹوں پر مُردہ سی مسکراہٹ آنے سے جبڑے تن گئے ۔ ایک بات چھاتی سے اُٹھ کر حلق میں پھنس گئی ۔ کمار نے اسے کئی بار کہا ہے اگر اُسے دیر ہو جائے تو مجھے اندر پہنچا دیا کرے۔ لیکن یہ میرے نزدیک نہیں آتی ۔ آئے بھی کیسے؟ اس کے سامنے ہی تو میں نندی کو بُرا بھلا کہہ دیتا تھا۔ اس کے دیکھتے دیکھتے اس پر ہاتھ بھی اُٹھا دیتا تھا۔ اِسے مجھ سے نفرت ہے ۔ نہیں میرا خوف ہے ۔ یہ مجھ سے ڈرتی ہے کیونکہ میں نے اپنی بیوی نندی کو کبھی عورت نہیں سمجھا۔ اسے بیوی نہیں سمجھا۔

وہ عرصے سے بیمار تھا ۔ چند مہینے تو اُسنے ہَٹ سے گذار دئے تھے اور بیماری کے علاج کی طرف توجہ نہیں دی تھی ۔ ہٹ اور لاپروائی کا انجام یہ ہوا کہ وہ کمزور ہوتا گیا ۔ صحت گرتی گئی۔ وہ چارپائی کے ساتھ جُڑتا گیا اور چارپائی کا ہو کر رہ گیا ۔ اس حالت کو پہنچ کر اسے اپنا حشر دکھائی دینے لگا تھا ۔

’ وہ وقت ٹالنے سے ٹلتا نہیں ۔ کبھی کا ندد ... نہیں ۔ لیکن جیتے جی میں نے کیا کیا ؟‘ یہ سوال بگولے کی مانند اس کی چھاتی میں گھوم گیا۔

’ہاں ... نہیں ٹلتا!‘ اس بڑبڑاہٹ نے سردی کے ساتھ گھل کر اس کے رونگٹے جنگلی سیہے کی مانند کھڑے کر دئے ۔ ٹھنڈے پسینے کے ساتھ ہی اُسے پیاس لگی۔ خشک ہونٹوں کو تر کرنے کیلئے اس نے زبان ہونٹوں پر پھیری لیکن زبان بھی خشک تھی جو تالو کے ساتھ چپک گئی ۔

کمار آگیا ۔ سیدھا اس کے پاس آنے کی

بجائے وہ پہلے رسوئی گھر میں گیا۔ اس کا سانس [illegible] تھا۔ جی چاہا کہ آتے ہی کمار سے کہہ دے کہ [illegible] ٹھیک ہوں۔ سردی میں ٹھٹھرتا ہوا۔ میں [illegible] جاؤں گا۔ اگر میں خود کمرے میں [illegible] تو تمہارا انتظار کیوں کرتا۔ لیکن [illegible] اس نے خود سے سوال کیا۔ "لیکن [illegible] جان سے میری دیکھ بھال کر رہا ہے، [illegible] کہا ہے؟ اسے میں نے کبھی پیار سے پکارا [illegible]۔ اس نے مجھے ہاتھوں پر اُٹھا رکھا ہے [illegible] رشتہ ہے!" یک بیک اُس کا [illegible] پیار میں بدل گیا۔ گردن کو جنبش دے کر سر [illegible] کر اُس نے دیکھا۔ کمار اسکی طرف آرہا تھا۔

"بیٹا۔ مجھے دیر ہوگئی۔ لیکن میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ میں نہ ہوں تو آپ پربتی سے کہہ دیا کریں۔" کمار نے اُسے سہارا دیا۔ اس نے ٹانگیں [illegible] سے اُتار کر جوتا پہنا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ کمار کے گلے میں ڈالا اور کمار نے اس کی کمر میں۔

"بیٹا۔ آپ کی کمر تھی کہ چیتے کی کمر کیا ہوگی۔ لیکن اب تو چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ جیسے روئی [illegible]!"

کمار اُسے اندر لے جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ "کمار کو میرے ساتھ بھائیوں والی کوئی بات کرنے کو نہیں ملی۔ اسے میری کمر کا تو کیا، البتہ [illegible] کا پتہ ہے۔ اس وقت یہ میری گرتی ہوئی حالت کو سنبھالنے کے لئے آسرا دے رہا ہے۔"

بڑی مشکل سے، کانپتی ٹانگوں سے کمار کے سہارے وہ کمرے میں چارپائی تک پہنچا۔ اس کا دم پھول گیا تھا اور رگ رگ کانپ رہی تھی۔ چارپائی پر بیٹھنے میں، تکیے پر ٹکنے اور دراز ہونے میں اُسے کچھ وقت لگا۔ پھر کمار نے اُسے لحاف میں یوں لپیٹا جیسے کسی بڑے زخم کو لپیٹا ہو۔ لحاف کو ہر طرف سے دبا کر کمار اس کے چہرے کو [illegible] لگا۔ کمار جانتا تھا کہ سات آٹھ دنوں سے اُس کی حالت نازک تھی۔ اُس نے ایک آدھ بار ٹھوڑی دائیں بائیں گھمائی۔ کمار نے لحاف کے کنارے کو نیچے کی طرف کھسکا دیا اور برساتی نالے میں اجڑی ہوئی گھاس کی مانند بالوں اور بجھتی ہوئی آنکھوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں سامنے، دیوار کی چھاتی میں لگی تصویر پر مرکوز تھیں۔

"آپ کہیں تو تصویر کو یہاں سے ہٹا دوں۔" کمار نے کہا۔ کمار کو اس کی نظر ہاں اور نہ کے درمیان لٹکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"نہیں۔" نحیف آواز میں وہ کہنے لگا۔ "اسے میرا تماشہ دیکھنے دو۔ میں نے زندگی بھر اسکو سولی پر لٹکائے رکھا۔ شاید اسی کی ہائے لگی ہے مجھے۔ میں اسے اب سندیسہ بھی نہیں بھجوا سکتا۔" یہ بہت کچھ تھا جو وہ کہہ گیا۔ وہ زبان سے تالو کو چاٹنے لگا۔

"پانی ... دو گھونٹ پانی!"

دو گھونٹ پانی پی کر پتلیوں کو پنڈولم کی طرح گھما کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

کمار دودھ لانے چلا گیا۔ جاتے جاتے وہ بلب جلا گیا۔ بلب اس کے منہ کے سامنے تھا۔ اسکی روشنی اُسے چبھتی تھی۔ اُس نے کمار کو بلب کسی دوسری جگہ لگانے کو کہا بھی تھا لیکن کمار شاید بھول گیا تھا۔

"یاد آسے رہے بھی کیسے! سبھی کچھ تو اُسے دیکھنا پڑتا ہے۔ گھربار، دودھ سبزی، میری دوا دارو۔ اور مجھے بھی۔ لیکن۔ اگر میری دیکھ بھال کرنا ہے تو پورے طور پر کرے۔ کتنے دنوں سے بلب کو جگہ بدل کر نہیں لگا سکا!"

ہونٹوں کو کس کر وہ ہنسا۔ ان باتوں میں کمار مجھ پر گیا ہے۔ نندی نے مجھے ایک بار کہا تھا۔ شہر تو ہے پھر بھی ایک لالٹین گھر میں ہونی چاہیئے۔ آڑے وقت کام آتی ہے۔ ہمارے جھگڑے ہوئے۔ میں کئی بار باہر رہ کر گھر آیا لیکن لالٹین گھر نہ آسکی۔ لیکن ... نندی کے جانے کے بعد لالٹین لا کر بھی کیا کرتا۔ جب روشنی کرنے والی ہی روٹھ کر چلی گئی۔

'اُس کے روٹھ کر جانے میں میں ہی قصوروار تھا یا وہ بھی؟' اُس نے خود سے پوچھا۔ اُسے جلد ہی جواب مل گیا۔

'وہ بہت دیوی عورت تھی۔ برداشت والی۔ میری ہر ناکارہ حرکت اور ہر ناجائز بات وہ سہتی رہی۔ میں نے اس کو جہاں بٹھایا وہ بیٹھ گئی۔ چلنے کو کہا چل پڑی۔ میرے لئے اس نے لوگوں کی باتیں اور طعنے برداشت کئے لیکن منہ کبھی نہیں کھولا۔ کبھی کبھی جانے کیوں مجھے محسوس ہوتا تھا کہ جس دن وہ منہ کھولے گی تو مجھے چپ کروا دے گی۔ اور شاید میں اس دن کا انتظار بھی کرنے لگا۔ وہ دن آیا اور گذر گیا۔ وہ چپ، گم، کچھ اُداس رہنے لگی۔ ایک دن اُس نے مجھے اتنا کہا۔ "آپ مجھے بیاہ کر لائے ہیں۔ لوگ مجھے آپ کی پتنی اور آپ کو میرا پتی کہتے ہیں لیکن میری قسم کھائیے۔ میرے بدن پر ہاتھ رکھ کر کہئے کہ آپ نے مجھے کبھی اپنا سمجھا ہے۔ اپنایا ہے؟ کبھی پیار سے چھاتی سے لگایا ہے؟ ٹھوڑی اُٹھا کر کبھی میرے آنسو پونچھے ہیں؟

نندی کی تصویر اُسے گھور کر دیکھتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ اُس نے آہستہ سے گردن دوسری طرف گھمائی۔ کمار کی پتنی پربتی دوا کی پڑیا اور گرم پانی لئے کھڑی تھی۔ اُسے دیکھ کر اُس نے خوشی محسوس کی۔ 'اس کو کمار سے ضرور سب کچھ ملا ہے۔ لاڈ پیار بھی، ہنسی بھی، آنسو بھی ... اور لالٹین بھی!'

کمار کی پتنی نے گھونگھٹ ٹھوڑی کے نیچے دبایا۔ پڑیا اس کے منہ میں جھاڑی۔ پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے جوڑا۔ کہنیوں کے بل کر کراہتا کر اس نے پانی کا گھونٹ پیا۔ اور وہ تکیے پر گر گیا۔

"تم نے مجھے دیکھ لیا ہوتا۔ بیٹا میں اتنی تھا نہیں ہے کہ خود دوا کھا سکے۔" کمار دروازے میں سے کہتا ہوا آیا۔ پربتی چلی گئی۔ کمار اس کے

قریب چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"کمار! میں تیرا بڑا بھائی ہوں" اس نے اتنا ہی کہا کہ کمار نے حلیمی سے بات کے ساتھ بات جوڑ دی "بھیا! میرے لئے اتنا ہی بہت ہے کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ لینے دینے کے تقاضے تو تقدیر سے ہوتے ہیں۔ ایک بار آپ ٹھیک ہو جائیں مجھے سب کچھ مل جائے گا۔ میں تو آپ کو بابوجی کی جگہ دیکھتا ہوں۔"

سن کر اس کی آنکھوں میں جانے کب کے رکھے روکے دو آنسو آگئے۔ یہ سوچ کر کہ کمار اس کا دل رکھ رہا ہے، اس کا مان رکھ رہا ہے ایک میں ہوں کہ کمار برس تک بیمار رہا تھا اور میں نے کمار کی بات تک نہیں پوچھی تھی۔

رات تھی۔ خاموشی تھی۔ صرف اندھیرے کی ہلکی ہلکی سائیں سائیں تھی لیکن وہ آواز اُس آواز سے کہیں کم تھی جو اس کے باطن سے اُٹھ کر کانوں کے پردوں سے ٹکرا رہی تھی۔ اُسے محسوس ہونے لگا کہ اس کا سارا وجود سونے لگا ہے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرے کا پردہ لٹکنے لگا ہے۔ اس کے سانس کا آنا جانا سست ہو رہا ہے۔ وہ کراہنے لگا۔

"کیا بات ہے بھیا؟" کمار جاگ پڑا تھا اور اُس نے اسکی نبض اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔

اس کی آنکھیں بلب کو ایک ٹک گھور رہی تھیں۔ لب کانپ رہے تھے۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔

"آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں بھیا" کمار نے پوچھا۔ کمار کا گلا بھرایا ہوا تھا۔

اس نے ہاں میں گردن ہلائی۔ پھر تھوک نگل کر کہنے لگا "کمار! وہ وقت ٹلتا نہیں ہے۔ وہ گھڑی میرے سامنے ہے۔ زیادہ کچھ کہنے کا وقت شاید نہ ملے۔ اگر نندی تک پہنچا سکو تو میرا پیغام پہنچا دینا کہ اُس گھڑی تمہارا پتہ چل گیا تھا کہ عورت کو عورت بھی بغیر جان کے کیسے رہ جاتی ہے۔"

کمار گھبرا گیا۔ ٹھنڈی ہوا کا بگولا جیسے اس کی چھاتی میں گھوم گیا۔ اُس نے دو تین بار پوچھا "بھیا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" لیکن جواب میں اُس نے کچھ کہا نہیں۔ شاید وہ کچھ کہہ ہی نہ سکا۔

●●

صدا بصحرا

ساحر لدھیانوی کے نام

پرتپال سنگھ بیتاب

بارڈر مجھ کو لوگ کہتے ہیں

میں وہ دھرتی ہوں بدنصیب جہاں

ٹینک چلتے ہیں توپ چلتی ہے

ہَل کو مدت سے میں ترستی ہوں

میں تو سونا اُگلنے والی تھی

آج آتش مگر اگلتی ہوں

قدرتاً میری کوئی بانٹ نہیں

ایک مصنوعی بانٹ ہے لیکن

آدھی اُس پار آدھی میں اِس پار

جنگ کا جب شکار ہوتی ہوں

اُس طرف بھی شکار ہوتی ہوں

اِس طرف بھی شکار ہوتی ہوں

ایک ہی ماں کے بیٹے جنگ کے وقت

بانٹ لیتے ہیں ماں کو دونوں طرف

آدھی ماں اِس طرف سے جلتی ہے

آدھی ماں اُس طرف سے جلتی ہے

[راقم کا آبائی وطن سرزمین پونچھ کی وہ عظیم دھرتی ہے جہاں [illegible]، [illegible] اور ۱۹۷۱ء کی جنگیں لڑی گئی ہیں۔ جنگوں کی وجہ سے یہ زمین جو سونا اگلنے والی تھی آگ اگل رہی ہے۔ پچھلے سال (پونچھ میں) گاؤں گئے تو آنسوؤں کے درمیان یہ نظم بنی۔]

بیتاب

طیب انصاری - ایم اے عثمانیہ

دنیا ایک اکائی

میری نسل کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُسنے چاند کو مسخر کرلیا ہے اور چاند کی تسخیر کا یہ کارنامہ آدم کی ازلی تمنا کی تکمیل ہے۔ اور میری نسل کا بڑا المیہ یہ ہے کہ اس نے اخلاقی قدروں کو خیرباد کہہ دیا ہے اور اخلاقی قدروں سے انحراف کا یہ المیہ آدم کی ازلی تمنا کے عین خلاف ہے۔ ان دونوں کارناموں کے تضاد نے دنیا میں، انسانی زندگی میں ایک عجیب قسم کی کیفیت پیدا کردی ہے جسے ہم خوشحالی کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی بدحالی۔ ہم بہت ترقی یافتہ ہی کہلائے جا سکتے ہیں اور نہ ہی غیر ترقی یافتہ — وحشی، جنگلی! اور آخر ہم کیا ہیں ؟! اور ہم آخر کدھر جا رہے ہیں ؟ !! اور کیا واقعی ہم خوشحال ہیں اور ترقی یافتہ کہلائے جانے کے مستحق بھی ہیں ؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو آج کے دانشوروں، مفکروں، مُدبّروں اور فنکاروں کو پریشان کئے ہوئے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ یہی سوالات ہم عام آدمیوں کے سوچنے کے بھی ہیں۔ ہمیں بھی سوچنا ہے کہ آخر ہماری منزل کیا ہے ؟ یہ اسلئے بھی ضروری ہے کہ آج کا عام آدمی افلاطون و سقراط سے کہیں زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ افلاطون اور سقراط پڑھے لکھے ہونے کے ساتھ ساتھ اِن سوالات پر غور و فکر بھی کیا کرتے تھے جو آج ہم نہیں کر رہے ہیں۔

مادی و سائنسی دنیا میں ہمارے کارنامے ہر طرح قابلِ ستائش و آفریں ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم روحانی و اخلاقی نقطۂ نظر سے بہت پست ہیں۔ تاریخِ عالم کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ سماجی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی نقطۂ نگاہ سے ہم پچھلی نسلوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ یزیدیت، فرعونیت، چنگیزیت اور ہٹلریت کے چاہنے والے آج کتنے ہیں؟ ہم میں کوئی راون نہیں ہے اور اگر کہیں ایسا فرد سر اٹھانے کی کوشش کرتا بھی ہے تو اسے کچل دیا جاتا ہے۔ شاہی کا خاتمہ خود سماجی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے نئے زمانہ کی بڑی کامیابی ہے۔ میری نسل کی یہ بھی خوش بختی ہے کہ دنیا کے بیشتر ممالک خود مختار و آزاد ہیں۔ اور اپنے طور پر آزادی، انصاف، مساوات اور صداقت کے اصولوں پر کاربند بھی ہیں۔ بلاشبہ یہ ہماری پچھلی نسلوں کی بے مثال قربانیوں کا نتیجہ ہے اور ان عظیم انسانوں کی کوششوں کا حاصل جنھیں آپ پیغمبر و رسول مانتے اور جنھیں آپ دانشور اور مفکر کہتے ہیں اور یقیناً انہیں کے فیضان کا صدقہ ہے کہ ہم آج بھی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں نا کہ ہم اخلاقی و روحانی اعتبار سے پست ہوگئے ہیں یہ محض ان کا سوئے ظن ہے۔ یا پھر یہ ایک روایت ہے کہ ہمیشہ اگلے وقتوں کے لوگ نئی نسل کو کمتر ہی سمجھتے ہیں! حالانکہ زندگی کا کارواں رواں دواں اور ہر دم جواں ہے۔ رخشِ عمر کہاں جا کے تھمے گا یہ کوئی نہیں جانتا۔

ہاں! ایک بات ضرور ہے۔ ایک کمی آپ بھی محسوس کرتے ہیں اور میں بھی۔ ایک کسک ہے، جو بے چین کئے ہوئے ہے۔ اور وہ کمی کیا ہے ؟! اُسے آپ اور میں — اور ہر وہ شخص جو سماجی و اخلاقی اِرتقاء پر نظر رکھتا ہے۔ آج ہم اخلاقی اعتبار سے خود کو بَونا محسوس کر رہے ہیں جبکہ سائنسی و ٹیکنیکی اعتبار سے ہم بلند قامت ہیں۔ اسی تضاد نے ہماری زندگی میں ایک قسم کی بے چینی، بے اطمینانی اور بے خیالی پیدا کردی ہے۔ سارے عالم پر افسردگی کی فضا طاری ہے۔ جنگ، استحصال، عصمت ریزی، فحاشی، بے ایمانی، دروغ بیانی اور اِنتشار — یہ سب ناگ ہیں جو پھَن پھیلائے بستی بستی، شہر شہر آزادی سے گھوم رہے ہیں اور ہم سب خاموش ہیں — دَم بخود: کیا ہم سب زہر پھیلا رہے ہیں ؟ اور کیا واقعی ہم سب اِنسانیت کے دشمن ہیں ؟ اور اگر واقعی ایسا ہے تو کیوں ہے؟

اس کی بُنیادی وجہ یہی ہے کہ جہاں ہم نے مادی اور سائنسی اعتبار سے بہت ترقی کرلی ہے وہیں سماجی اور اخلاقی لحاظ سے اُتنی ہی تیز رفتاری سے ترقی نہیں کی۔ اس کے نتیجہ میں خلا پیدا ہوگیا!

اَلمیہ !! اس موقع پر میرا کہنا صرف اسی قدر ہے کہ جس چیز کو ہم جانتے اور مانتے ہیں اس پر توجہ دیں اور ایسے اقدامات کریں کہ جن کی وجہ سے خلا پُر ہو جائے۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم سائنسی اور تیکنیکی ترقی کو روک دیں۔ ایک لکیر کو دوسری بڑی لکیر کے برابر کرنے کے لئے بڑی لکیر کا کاٹ دینا دانشمندی نہیں ہے بلکہ ذہانت و ذکاوت کا تقاضہ ہے کہ چھوٹی لکیر کو بڑی لکیر کے برابر کھینچ دیا جائے اور یہ عمل کچھ اس طرح ہو کہ بڑی لکیر کا اِرتقا برابر جاری رہے۔ ہاں اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ چھوٹی لکیر کو بڑی لکیر کے برابر کھینچنے کا یہ عمل تیز تر ہونا چاہیے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام کس طرح، کون انجام دے؟

میں ایک سنجیدہ اور ذمہ دار نوجوان کی حیثیت سے اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہوں اور اس ایقان کے ساتھ کہ میری نسل کے تمام افراد بھی اِسی خوشدلی اور روشن خیالی کا ثبوت دیں گے اور اگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں تو پھر وہ دوسرا کون ہوگا؟ وہ جو زندگی کا طویل سفر طے کرکے تھک گئے ہیں۔ ضعیف ولاچار! یا پھر وہ نسل جو ابھی نوخیز و نوعمر ہے اور جو یہ نہیں جانتی کہ شب و روز کیا ہوتے ہیں؟ میرے نوجوان ساتھیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ماضی میں جتنے بھی انقلابات آئے ہیں وہ ان ہی جیسے جواں فکر و جواں ہمت افراد کی جہدِ پیہم کا حاصل ہیں اور مستقبل میں بھی جتنے انقلابات آئیں گے وہ انہی کے جذبۂ ایثار اور جذبۂ خدمت کا ثمرہ ہوں گے۔ اور حال؟! حال آپ سے مخاطب ہے ؎

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

اور اگر آپ حال کی اس دعوتِ عمل پر لبیک کہہ رہے ہیں، واقعی آپ گردشِ پیہم سے جامِ زندگی کو پختہ تر بنانا چاہتے ہیں اور اگر آپ نے دوامی زندگی کا راز پالیا ہے تو ایک باخبر انسان کی صورت برسرِپیکار ہونا چاہیے ان لعنتوں اور مصیبتوں کے خلاف جو اِنسانوں ہی کی پیدا کردہ ہیں۔ یہاں زندگی آپ سے ایثار و قربانی کی بھیک مانگتی ہے۔

زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جہاں گندگی نہیں ہے؟ اسلئے زندگی کے ہر شعبے میں برسرِپیکار رہنے کی ضرورت ہے تاکہ مجموعی حیثیت سے ایک ایسا معاشرہ تشکیل پاسکے جو صحیح معنوں میں پُرامن اور صحت مند کہلائے اور جو مادی و سائنسی اعتبار سے ترقی یافتہ ہو۔ یہ خیال انتہائی قسم کا بہکاوا ہے کہ روحانی اور اخلاقی قدریں، سائنسی اور مادی ترقی میں مانع ہوتی ہیں حالانکہ مادی اور سائنسی ترقی کا دار و مدار اخلاق و روحانیت ہی پر ہے۔ یہ کہنا بھی سفید جھوٹ ہے کہ سائنسی اور تیکنیکی ترقیاں صحت منداور پُرامن معاشرہ میں انتشار پیدا کرتی ہیں۔ یہ ایسے مفروضے ہیں جو جھوٹ اور فریب پر مبنی ہیں۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ایک معاشرہ صحیح معنوں میں ترقی یافتہ نہیں کہلایا جاسکتا تا وقتیکہ وہ روحانی اور مادی — دونوں لحاظ سے ترقی یافتہ نہ ہو۔ اور یہ بات صرف "مشرق" یا صرف "مغرب" کے لئے نہیں ہے پوری دنیا کے لئے ہے، سارے انسانی معاشرے کے لئے ہے۔ ہاں! یہ بات ہوسکتی ہے کہ مشرق روحانی قدروں کے لحاظ سے اور مغرب مادی اصولوں کے اعتبار سے زیادہ ترقی یافتہ ہوں۔ اس تفاوت کو مٹانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم "مشرق" و "مغرب" کے فرق کو مٹادیں اور ان دونوں حصّوں کو ایک کُل سمجھیں۔ مشرق، مشرق ہے اور نہ مغرب، مغرب — بلکہ

ہیں جذب باہمی سے نظام سارے

[کم ازکم ہندوستان میں تو اس سلسلہ میں قدم اٹھایا گیا —— مضبوط اور پائیدار۔ نئے ہندوستان کے معمارِ اولین نہرو نے کسی موقع پر کہا تھا نئے پروجکٹس اور نئی صنعتوں کے قیام کے موقع پر کہ "نئے ہندوستان کے یہ مندر ہیں" پروجکٹس اور صنعتوں کے مراکز کو "مندر" کہہ کر اس عظیم دانشور نے روحانیت سے انکار نہیں کیا بلکہ روح سے اپنی ذہنی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔]

عصرِ حاضر اس وجہ سے بھی اخلاقی قدروں کا زیادہ محتاج ہے کہ کل تک روئے زمین کا جو علاقہ جسے آپ مشرق کہتے ہیں روحانی و مذہبی قدروں کا علمبردار تھا، آج وہاں مادیت اپنا گھر بنا چکی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ مشرق اخلاق و مذہب کا پابند ہوتے ہوئے بھی مادی خوشحالی کی طرف قدم بڑھائے اور نہرو جی کے تصور کو عملاً اپنائے۔ اور ساتھ ہی مغرب مادی برتری کی دوڑ کو جاری رکھتے ہوئے اخلاقی اور روحانی اعتبار سے ترقی یافتہ ہو۔ اب تک ایسا نہیں ہوا ہے لیکن اب ایسا ہونا ضروری ہے، اور تا وقتیکہ ایسا نہیں ہوگا دُنیا اِکائی میں بدل نہیں سکتی! یہ کام نوجوانوں ہی کے کرنے کا ہے۔ اُن نوجوانوں کا جو تعلیمی، سماجی اور ثقافتی سفیروں کی صورت ممالکِ غیر کا دورہ کرتے رہتے ہیں۔

اہلِ قلم حضرات

اپنے رشحاتِ قلم "قومی راج" میں اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔ مضامین، مقالات اور منظومات صاف و خوشخط اور کاغذ کی صرف ایک طرف لکھی ہوئی ہوں۔

تخلیقات پتۂ ذیل پر ارسال کی جائیں:

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
سچیوالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

تبصرہ ——————— ریاض احمد خان

اقبال اور انسان

شاعرِ مشرق علامہ اقبال اور ان کے کلام پر آج تک بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ بھی لکھا جائیگا۔ تحریروں کے اس ہجوم میں جو چند قابل قدر تخلیقات نظر آتی ہیں ان میں "اقبال اور انسان" اپنی انفرادیت کی وجہ سے ہمیشہ مقبول رہے گی۔ "اقبال اور انسان" جناب اشفاق حسین صاحب کی بھرپور کاوشوں اور ریسرچ کا نچوڑ ہے جس میں اقبال کے فلسفۂ حیات و کائنات پر حقائق کی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اقبال کی رائے میں قرآن کا حقیقی منشا یہ ہے کہ ذہنِ انسانی میں' اس تعلق کا جو اسے کائنات اور خالقِ کائنات سے ہے' اعلیٰ اور بہتر شعور پیدا کر سکے اور انھوں نے یہی فلسفہ اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔ اسلام میں انسان کی فضیلت اور بزرگی کا معیار ذات' نسل یا قوم نہیں بلکہ قلب کی پاکیزگی اور قول و عمل ہے اور یہی اخلاقِ فاضلہ کا منبع ہے۔

اقبال کی شاعری پر جنید بغدادی کے تصوّف کا گہرا اثر ہے۔ اسی طرح ابنِ عربی کے فلسفے" وحدت الوجود" نے بھی اقبال پر گہرا اثر ڈالا۔ اقبال اپنی فکر میں سب سے زیادہ مولانا جلال الدین رومی سے متاثر ہیں کیونکہ مولانا رومی نے زندگی کا وہ فلسفہ پیش کیا ہے جس نے بے یقینی کی جگہ یقین اور یاس و نا امیدی کی جگہ امید کو مقام دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رومی کی شاعری نے اقبال کی فکر کے کئی گوشوں کو منوّر کر دیا۔

اقبال کی شاعری کو عبد القادر بیدل اور غالب کی تخلیقات نے بھی بہت متاثر کیا ہے۔ بیدل نے انسانی زندگی اور تصورِ آدم کو انقلابی معنی پہنائے۔ اور غالب نے عام روش سے ہٹ کر روایات سے بغاوت کی اور اپنی شاعری میں حیات و کائنات کا تصور پیش کیا۔

اشفاق حسین صاحب نے اس کتاب میں یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ جہاں اقبال بھگوت گیتا کے اُپنشدوں سے متاثر ہوئے ہیں وہیں کرشن' رام' گوتم' وشوامتر اور بھرتری ہری نے بھی اقبال کی شاعرانہ فکر کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ سنسکرت کے عظیم شاعروں میں اقبال سب سے زیادہ بھرتری ہری سے متاثر ہوئے ہیں اور ان کو اپنی شاعری میں بلند ترین جگہ دی ہے۔ مثلاً اقبال کا مشہور شعر ؎

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

بھرتری ہری کے ایک شعر کا اردو روپ ہے۔

اقبال کی شاعری میں ہندوستان کے کئی عظیم مفکروں کے خیالات کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے اور ٹیگور' رادھا کرشنن اور سری اروبندو گھوش کے فکر میں جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے وہ اقبال کے کلام میں بھی ظاہر ہے۔

اشفاق حسین صاحب نے یہ ظاہر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ " مغربی فکر نے اقبال کی شاعری پر گہرا اثر نافذ کیا۔ اقبال نے خود کہا ہے کہ مغربی اقوام اپنی قوتِ عمل کی وجہ سے تمام اقوامِ عالم میں ممتاز ہیں اور اہلِ مشرق کو بھی اپنی قوتِ عمل بروئے کار لانا چاہیئے۔

' اقبال اور انسان' میں اقبال کی فکر کا مرکز انسان اور اسکی شخصیت ہی ہے۔ اقبال کے ذہن میں انسان کا جو تصور ابھرتا ہے وہ انسان کا مذہب اور اخلاق ہے جس کے ذریعہ انسان زندگی کی معراج حاصل کر سکتا ہے۔ اقبال نے انسان کو مذہبی اور اخلاقی اقدار کا محافظ اور امین بتایا ہے۔ ان تمام حقائق اور فلسفیانہ نکتوں پر اشفاق حسین صاحب نے ۱۶۰ صفحوں میں بحث کی ہے۔ صفحہ ۱۶۱ سے صفحہ ۲۰۸ تک " انتخابِ کلام" پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اقبال سے متعلق ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے جسے ہر لائبریری میں جگہ ملنا چاہیئے۔ اس کی طباعت سیاست آفسیٹ پریس حیدرآباد نے کی ہے۔ دوسو آٹھ صفحات کی ضخامت لئے ہوئے یہ کتاب آٹھ روپے میں ساہتیہ اکیڈمی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

کتاب کا تعارف عزت مآب ڈاکٹر بی گوپال ریڈی نے کرایا ہے۔ انہوں نے اقبال کی دیش بھگتی پر روشنی ڈالی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ یہ کتاب اقبال کے صد سالہ جشن کے موقع پر شائع کی جا رہی ہے۔

آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی' حیدرآباد' مبارکباد کی مستحق ہے کہ اس نے ایک اہم اور عمدہ کتاب' جسکی کمی موجودہ دور میں محسوس کی جا رہی تھی' بڑی اچھی طرح سے شائع کی۔

●●

خام مال کی برآمد روکی جائے

وزیراعلیٰ وی پی نائک کا مشورہ

شری وی۔پی۔نائک، وزیراعلیٰ مہاراشٹر نے یہ مشورہ دیا ہے کہ "خام مال کی برآمد کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے"، بلکہ اس خام مال سے ہمارے دیس میں مکمل مال تیار کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے۔

وزیراعلیٰ گذشتہ ۱۱ر جولائی کو بمبئی میں تاج محل ہوٹل میں ایسوسی ایشن آف انڈین انجنیئرنگ انڈسٹریز (ویسٹرن زون) کے پہلے اجلاس سے خطاب فرمارہے تھے۔

وزیراعلیٰ نے "انجمادِ سرمایہ" کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومتِ ہند تمام ضروری اقدامات کررہی ہے۔ سب لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس ملک اور اس ریاست میں خوداعتمادی پیدا کرنے میں تعاون کریں۔

شری نائک نے ریاست کی صنعتی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ 'مڈک' (MIDC) اور 'سکوم' (CICOM) جیسی ایجنسیاں ریاست کے صنعتی طور سے پسماندہ علاقہ جات میں صنعتی بستیوں کے قیام کی غرض سے ہر ممکن کوشش کررہی ہیں۔ وہ ایسے صنعتکاروں کو سہولتیں فراہم کرتی ہیں جو پس ماندہ خطوں میں صنعتیں قائم کرنے کے خواہشمند ہیں۔ وزیراعلیٰ نے یقین دلایا کہ صدر نے ایسوسی ایشن کی جن مشکلات کا ذکر کیا ہے ان پر ہمدردی کے ساتھ غور کیا جائے گا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری این۔ ایم۔تڑکے، وزیر صنعت نے بتایا کہ ریاست میں پاور سپلائی بڑھانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے نیز ایک کوئلہ گیس پلانٹ کی تجویز بھی زیر غور ہے۔ آپ نے ایندھن کے موجودہ استعمال کے طریقہ کو تبدیل کرنے کی ضرورت جتائی اور فرمایا کہ یہ مقصد بمبئی کے گردونواح میں 'کاربونائزیشن پلانٹ' قائم کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس موقع پر شری کے۔پی۔پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت بھی موجود تھے۔

اجلاس کے آغاز پر ایسوسی ایشن کے چیرمین شری سبھرت۔جی۔دوشی نے مہمانوں کا خیرمقدم کرتے ہوئے بتایا کہ یہ جماعت واحد صنعتی تنظیم ہے جو ملک میں انجنیئرنگ کی صنعت کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کے ممبران کی تعداد ایک ہزار ہے۔ اس نے دس لاکھ ورکروں کو روزی سے لگایا ہے۔ اس کی سرمایہ کاری ۳۰۰۰ کروڑ روپے ہے۔

شری پی۔ایل۔ٹانڈے صدر ایسوسی ایشن نے بھی خطاب فرمایا۔

اسٹیٹ آرٹ نمائش

اسٹیٹ آرٹ کمیٹی نے گذشتہ ۱۸ر جولائی کو بمبئی میں وزیر تعلیم شری اے۔این۔نامجوشی کی زیر صدارت اپنے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا کہ اس سال بمبئی میں ایک اسٹیٹ آرٹ نمائش منعقد کی جائے۔

طالبعلم آرٹسٹوں کی مصوری کی نمائش ۸ر سے ۱۴ر نومبر تک جے۔جے۔ اسکول آف آرٹ میں ہوگی جبکہ پیشہ ور آرٹسٹوں کے فن کی نمائش ۲۴ر سے ۳۰ر دسمبر تک جہانگیر آرٹ گیلری میں منعقد ہوگی۔

کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ پیشہ ور آرٹسٹوں کو ان کے بہترین قرار دیئے گئے کام پر چاندی اور برونز کے تمغے دیئے جانے چاہئیں۔ اس کے علاوہ مختلف شعبوں میں ایک ایک ہزار روپے کے نو انعامات بھی ہوں گے۔

ایوت مال میں طبی کیمپ

ایوت مال ضلع پریشد کی زیر سرپرستی ایک دس روزہ تشخیص و سرجری کیمپ ایوت مال میں ماہ اکتوبر میں لگایا جائے گا جہاں ۱۰۰۰ آپریشن مفت انجام دیئے جائیں گے۔ مفت سرجری کے علاوہ ضلع پریشد کی جانب سے کیمپ میں آپریشن کرانے والے مریضوں کے لئے مفت علاج اور مفت قیام وطعام کا انتظام کیا جائے گا۔

ڈاکٹروں کی جماعت ۲۴ر جولائی سے ۴ر ستمبر تک ضلع میں پرائمری ہیلتھ سنٹروں کا دورہ کریگی تاکہ دیہی علاقوں سے آنے والے مریضوں کا ابتدائی معائنہ اور کیمپ میں ان کے نام کا اندراج کیا جائے۔

ابتدائی معائنہ کا کام ڈاکٹر آر۔جی۔پھاٹکے، سول سرجن، ایوت مال کی براہ راست نگرانی میں انجام دیا جا رہا ہے۔

فضائی آلودگی کی روک تھام

فرٹیلائزر کارپوریشن آف انڈیا لمیٹڈ، ٹرامبے نے حکومت مہاراشٹر کی درخواست پر اپنا سلفیورک ایسڈ پلانٹ عارضی طور سے بند کر دیا ہے تاکہ اکونومائزر (Economiser) کے ناکارہ ہوجانے کے باعث ہونے والی فضائی آلودگی روکی جاسکے۔

سرکاری صنعتی تربیتی ورکشاپ سے متعلق رپورٹ

پروفیسر ایچ۔ سی۔ پٹیل، صدر کمیٹی نے گذشتہ ۹ر جولائی کو سچیوالیہ میں کمیٹی کی رپورٹ شری این۔ ایم تڈکے، وزیر صنعت ومحنت کو پیش کی۔ یہ کمیٹی ریاستی حکومت نے اس مقصد سے مقرر کی تھی تاکہ وہ گورنمنٹ انڈسٹریل ٹریننگ ورک شاپس کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے حکومت کو مشورے دے نیز صنعت کی علاقائی ضروریات کے مطابق نئے تربیتی کورس کی سفارش کرے۔

تین گرام پنچایتوں کو ریاستی سطح کے انعامات

حکومت ہند نے انعامی مقابلہ اسکیم برائے گرام پنچایت کے تحت بہتر کارگزاری پر ریاستی سطح کے انعامات دینے کے لئے ریاست مہاراشٹر میں تین گرام پنچایتوں کو چنا ہے۔

اکولہ پنچایت سمیتی (ضلع احمد نگر) میں برہمن واڑہ گرام پنچایت نے مبلغ ۱۰۰۰ روپے کا اوّل انعام حاصل کیا ہے جبکہ موہادی پنچایت سمیتی (ضلع بھنڈارا) میں ورٹھی گرام پنچایت نے مبلغ ۵۰۰ روپے کا دوسرا انعام حاصل کیا۔ مبلغ ۲۵۰ روپے کا تیسرا انعام پال گھر پنچایت سمیتی (ضلع تھانہ) میں اگروالی گرام پنچایت نے حاصل کیا ہے۔

متعلقہ ضلع پریشدوں کے توسط سے یہ انعامات تقسیم کئے جائیں گے۔

ضلع جلگاؤں میں وراول گرام پنچایت قومی سطح پر اوّل انعام حاصل کرچکی ہے۔

مجاہدینِ آزادی کو تامر پتر

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے ۱۵ر جولائی کو بمبئی میں منعقدہ ایک تقریب میں تامر پتر، سمّان پتر اور گلاب کا پھول مجاہدینِ آزادی اور عوامی نمائندوں کی خدمت میں پیش کیا۔

تامر پتر پانے والے ممتاز اشخاص میں شری وی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین ریاستی قانون ساز کونسل اور شری وی۔ بی۔ پاٹل، وزیر آب پاشی اور پاور شامل ہیں۔

شری نائک نے جدوجہد آزادی میں مجاہدین آزادی کو ان کی قربانیوں پر خراج عقیدت پیش کیا۔ آپ نے مزید فرمایا ان میں سے بعض نے آزادی کے بعد قوم کی رہنمائی کی جس سے جمہوریت کی بنیاد مضبوط ہوئی۔

شری رتنپا کمبھار، ایم۔ ایل۔ اے نے مجاہدین کی جانب سے شکریہ ادا کیا۔

جنگلاتی ترقیاتی کارپوریشن کا افتتاح

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وی۔ پی۔ نائک نے گذشتہ ۱۵ر جولائی کو بمبئی میں مہاراشٹر اسٹیٹ فارسٹ ڈیولپمنٹ کارپوریشن کا افتتاح فرمایا۔

شری نائک نے یہ امید ظاہر کی کہ اسکیم کے تحت ریاست میں غریب ادیباسیوں کو روزی اور کارخانوں کو کچا مال وغیرہ مہیا کیا جاسکے گا۔ آپ نے کارپوریشن کے اچھی پیداوار دینے والے درختوں کے پودے بونے کے منصوبہ کی تعریف کی۔

ابتدا میں مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر جنگلات اور صدر کارپوریشن نے کارپوریشن کی مجوزہ سرگرمیوں کا خاکہ پیش کیا۔

شری کے۔ پی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے جنگلات اور نائب صدر کارپوریشن نے شکریہ ادا کیا۔

شری آر۔ ایم۔ پٹیل، نائب وزیر جنگلات، شری ایم۔ وی۔ دیو، سکریٹری محکمۂ جنگلات اور شری آر۔ بی۔ مزمدار، مینیجنگ ڈائرکٹر آف کارپوریشن اس موقع پر موجود تھے۔

ضلع رتناگیری کے مصیبت زدگان کی امداد

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے ضلع رتناگیری میں جولائی کے پہلے ہفتہ میں موسلا دھار بارش نیز زمین دھنسنے کے حادثات میں متاثر ہونے والے لوگوں کی امداد کے لئے وزیر اعلیٰ کے ریلیف فنڈ سے ۱۳،۸۰۰ روپے کی رقم منظور کی تھی۔ اس رقم کا چیک رتناگیری کے کلکٹر کو بھیج دیا گیا ہے۔

ملاوٹ پر دوکاندار کو سزائے قید

کندن لال فیرومل چھابڑیا، مالک گردری شنکر دال اور فلور ملز، گھاٹ روڈ کے خلاف ملاوٹ دار بیسن بیچنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ ملزم کو چھ ماہ کی قید بامشقت نیز ۱۰۰۰ روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مزید دو ماہ قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔

چھوٹی بچت

ریاست میں ماہ جون کے اختتام تک کل ۱۶۹۰ کروڑ روپے کی رقم جمع ہوچکی ہے جب کہ سال ۱۹۷۶-۷۷ء کے لئے ۵۰ کروڑ روپے کا نشانہ رکھا گیا ہے۔

سرکاری فیصلے اور اعلانات

غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کے مدرسین پنشن اسکیم قبول کرنیکی اجازت

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ جن مدرسین نے ابھی تک پنشن قواعد قبول کرنے کی سہولت حاصل نہیں کی ہے یا جنہوں نے عطیاتی پراویڈنٹ فنڈ اسکیم کو قبول کیا ہے لیکن اب اسے بدل کر پنشن اسکیم قبول کرنا چاہتے ہیں انھیں اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ ۳۰ ستمبر ۱۹۷۴ء سے قبل پنشن اسکیم حسبِ خواہش قبول کرلیں یا عطیاتی پراویڈنٹ فنڈ اسکیم کی جگہ پنشن اسکیم میں آجائیں۔ یہ احکامات ان مدرسین پر بھی لاگو ہوتے ہیں جو سبکدوش ہو چکے ہیں اور جن کے پنشن کے معاملات کو اس بنیاد پر نامنظور کردیا گیا تھا کہ انھوں نے ۳۱ مئی ۱۹۷۰ء تک کی مقررہ مدت کے اندر اسے قبول نہ کیا تھا۔

اس معاملہ میں حکومت سے نمائندگی کی گئی تھی جس پر مذکورہ رعایت دی گئی ہے۔

ان احکامات کے تحت قبولیت آخری ہوگی نیز آئندہ اس میں تبدیلی کے لئے کوئی درخواست قبول نہ کی جائے گی۔

تعلیمی مراعات جاری

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ ۲۶ اگست ۱۹۶۶ء کو جاری کردہ احکامات کی رو سے دوسری عالمگیر جنگ میں حصہ لینے والے سپاہیوں کے بچوں کے لئے منظور کردہ تعلیمی مراعات آئندہ تعلیمی سال ۷۵-۱۹۷۴ء میں جاری رکھی جائیں۔

مارچ ۱۹۷۵ء ایس۔ایس۔سی۔امتحان پرائیویٹ امیدواروں کو اطلاع

جو امیدوار مارچ ۱۹۷۵ء کے ایس۔ایس سی امتحان میں بطور پرائیویٹ امیدوار شرکت کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ متعلقہ اسکولوں کو ۱۶ اگست ۱۹۷۴ء سے قبل فارم نمبر ۱۷ میں درخواستیں پیش کردیں۔ اسکول ایسی درخواستیں پونہ ڈویژنل بورڈ کے دفتر اور بمبئی سب آفس میں یکم ستمبر ۱۹۷۴ء تک داخل کردیں گے۔

مہاراشٹر سیکنڈری ایجوکیشن بورڈز ریگولیشنز ۱۹۶۶ء کے قاعدہ ۴۴ (۱) تحریر (الف) کے تحت پرائیویٹ امیدواروں کیلئے عمر کی حد ۲۳ سال سے کم کرکے ۲۱ سال کردی گئی ہے۔ فارم نمبر ۱۷ کی نقول پونہ اور بمبئی کے دفاتر سے فی فارم دو روپے کے عوض مل سکتی ہے۔

میونسپل کانسلروں کی مدتِ کار میں توسیع

حکومتِ مہاراشٹر نے شولاپور میونسپل کارپوریشن کے کانسلروں کی مدتِ کار میں ۲۲ دسمبر ۱۹۷۴ء تک کی توسیع کردی ہے۔

÷ ÷ ÷

گائیڈس کی خریداری ضروری نہیں طلبا کو آگاہی

ریاستی حکومت نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ طالب علموں کے لئے مہاراشٹر اسٹیٹ بیورو آف ٹیکسٹ بک پروڈکشن اینڈ کریکلم ریسرچ کی جانب سے چھاپی اور شائع کی گئی نصابی کتابوں کے ساتھ نجی پبلشروں کے ذریعہ تیار کردہ گائیڈس خریدنا ضروری نہیں ہے۔

اس وضاحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کیونکہ حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ جب سے ایس۔ایس۔سی۔ بورڈ نے درجہ دہم کی ساری نصابی کتابوں کی اشاعت اپنے تحت کرلی ہے اور سارا کام ٹیکسٹ بک بیورو کی مدد سے کیا جارہا ہے، نجی پبلشروں نے کتب شائع کرنے کی ایک نئی ترکیب نکالی ہے یعنی وہ بیورو کی مطبوعہ اور شائع کردہ کتابوں سے کافی ملتے جلتے دیدہ زیب سرورق کے ساتھ گائیڈس شائع کرنے لگے ہیں۔

حکومت کو اس سلسلے میں کئی دیگر شکایتیں موصول ہوئی ہیں کہ بعض بک ڈپو والے طالبعلموں اور ان کے کم تعلیمیافتہ والدین کو یہ گائیڈس دکھاتے ہیں اور ناجائز فائدہ اٹھانے کی غرض سے ان سے کہتے ہیں کہ نصابی کتابوں کے ساتھ ان کو بھی پڑھنا بہت ضروری ہے لہٰذا ان کا خریدنا

لازمی ہے - ان کمائیڈوں کے اوپر بیورو کی شائع کردہ بعض کتابوں کے سامنے کے ورق کا رنگین چربہ جان بوجھ کر اُتارا گیا ہے ۔

اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ ایسی کتابیں خریدنا آپ کی مرضی پر ہے اور اگر کوئی کتب فروش اخلاقی ضابطہ کی خلاف ورزی کریگا تو اس سے سختی سے نبٹا جائے گا ۔

سندھ پاکستان سے آئے ہوئے مدرسین پنشن کیلئے وہاں کی ملازمت شمار کی جائیگی

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ سابق صوبہ سندھ اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں واقع تسلیم شدہ اور امدادی ثانوی اسکولوں کے مدرسین کی وہاں کی ملازمت کی مدت پنشن کے مقاصد سے بعض شرائط پر شمار کی جائے گی ۔

ویمنس یونیورسٹی کی وائس چانسلر عہدے پر برقراری کی توثیق

گورنر مہاراشٹر نے ایک آرڈیننس لاگو کرکے شریمتی نتھی بائی دامودر ٹھاکرسی ویمنس یونیورسٹی کی وائس چانسلر شریمتی شاردا دیوان کی عہدہ پر برقراری اور ان کی کارروائی کی توثیق کردی ہے ۔

وائس چانسلر شریمتی شاردا دیوان کی میعاد کار یکم دسمبر ۱۹۷۱ء کو ختم ہوگئی تھی اور سنیٹ نے نیا وائس چانسلر منتخب کرلیا تھا ۔ تاہم چونکہ یونیورسٹی ایکٹ میں تبدیلی کا سوال حکومت کے زیر غور تھا لہٰذا چانسلر نے نئے وائس چانسلر کے انتخاب کی توثیق نہیں کی تھی اور شریمتی شاردا دیوان کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے عہدے پر کام کرتی رہیں ۔

پرانا یونیورسٹی ایکٹ بابت ۱۹۴۹ء منسوخ کرکے اس کی جگہ شریمتی نتھی بائی دامودر ٹھاکرسی ویمنس یونیورسٹی ایکٹ بابت ۱۹۷۲ء ۱۲ مئی ۱۹۷۲ء سے لاگو کیا گیا ہے ۔ چونکہ شریمتی دیوان کی عہدے پر برقراری اور ان کے فرائض اور اختیارات کی باضابطگی کی توثیق ضروری تھی لہٰذا یہ آرڈیننس لاگو کیا گیا ہے ۔

کیونکہ ریاستی مجلس قانون ساز کے دونوں ایوانات کا اجلاس نہیں ہو رہا ہے اور اس معاملہ میں فوری کارروائی کی ضرورت تھی لہٰذا یہ آرڈیننس جاری کیا گیا ہے جو ۱۲ جولائی ۱۹۷۲ء سے لاگو ہے ۔

ڈاکٹروں کے لئے روزگار اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے سیلف ایمپلائمنٹ پروگرام کے تحت میڈیکل گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ بشمول ڈینٹل سرجنوں کو وظیفہ اور قرضے دینے کی ایک اسکیم تیار کی ہے ۔

اسکیم کے تحت ۲۰۰ گریجویٹوں اور پوسٹ گریجویٹوں کو چھ ماہ کی مدت تک ۳۰۰ روپے ماہانہ کا وظیفہ دیا جائے گا اور کسی بھی قومیائے گئے بنک سے قرض کی امداد ملے گی ۔

ڈاکٹروں اور ڈینٹسٹوں کو چاہئے کہ وہ کسی بھی بنک سے رجوع کریں جو کہ ان کو مناسب شرائط پر قرض دے سکے ۔ گریجویٹ ڈاکٹروں کو ۵۰،۰۰۰ سے کم آبادی والے مقامات پر اور پوسٹ گریجویٹوں کو ایک لاکھ سے کم آبادی والے مقامات پر اپنے دواخانے کھولنے پڑینگے ۔ یہ دواخانے ان مقامات پر کم از کم پانچ سال جاری رہنے چاہئیں جس کے لئے ڈاکٹروں کو درخواستوں کے ساتھ مقررہ فارم پر ایک بانڈ بھرنا پڑے گا ۔

مقررہ درخواست فارم اور بانڈ ڈسٹرکٹ ہیلتھ افسر ضلع پریشد یا متعلقہ ضلع کے سول سرجن یا ڈپٹی ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروسز ، بمبئی ، پونہ ، ناگپور ، اورنگ آباد ، ناسک ، کولھاپور اور اکولہ سے حاصل کئے جاسکتے ہیں ۔

درخواستیں ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروسز ، سینٹ جارج ہسپتال کمپاؤنڈ ، گورنمنٹ ڈینٹل کالج بلڈنگ ، تیسری منزل ، بمبئی ۱ کو بھیجی جائیں ۔

بہترین نرسوں کو ریاستی انعامات

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے میڈیکل ڈپارٹمنٹ میں کام کرنے والی پانچ بہترین نرسوں کو فی کس ایک ہزار روپے اور پانچ طالب علم نرسوں کو پانچسو روپے فی کس کے "چیف منسٹرز میرٹ ایوارڈس" ۱۹۶۹-۷۰ء سال سے نرسنگ کے میدان میں انکے بہترین کاموں کے سلسلہ میں دینے کا فیصلہ کیا ہے ۔

۱۹۷۱-۷۲ء میں بہترین نرس کا انعام پانے والیوں کے نام یہ ہیں : (۱) کماری شالینی جے شیٹے سسٹر ، کاما اینڈ البلیس ہسپتال ، بمبئی ڈویژن (۲) کماری جے ۔ بی ۔ شنگارے ، اسٹاف نرس ، جنرل ہسپتال جلگاؤں اور کماری شالینی این کرکٹے پبلک ہیلتھ نرس ، جنرل ہسپتال ، ناسک (بمبئی ڈویژن) (دونوں میں مساوی تقسیم ہوگا) ۔ (۳) شریمتی سندرا بائی جیسو داس ٹائیٹس ، سسٹر ، جنرل ہسپتال ، ستارا (پونہ ڈویژن) ۔ (۴) کماری مارتھا سندرم ، اسٹاف نرس اور کماری بھانوتی وی ۔ ڈی ۔ دی ، اسٹاف نرس ، میڈیکل کالج ہسپتال اورنگ آباد (اورنگ آباد ڈویژن) (دونوں میں مساوی طور پر تقسیم ہوگا) اور (۵) کماری ڈوروتھی پریمیا ، سسٹر ، میڈیکل کالج ہسپتال ، ناگپور (ناگپور ڈویژن) ۔

بہترین طالب علم نرس انعام یافتگان برائے سال ۱۹۷۱-۷۲ء : کماری ایم ۔ ایلزبیتھ میتھیو ، طالب علم نرس ، جی ٹی ہسپتال ، بمبئی (بمبئی عظمیٰ) کماری پی ۔ ایس ناڈو ، طالب علم نرس ، جنرل ہسپتال جلگاؤں (بمبئی ڈویژن) کماری ایلیس گوڈرا ، طالب علم نرس ، سیسون جنرل ہسپتال ، پونہ (پونہ ڈویژن) ، کماری بریگیٹ چکو ، طالب علم نرس ، میڈیکل کالج ہسپتال ، اورنگ آباد (اورنگ آباد ڈویژن) اور مسز منداکنی این ۔ دلیشپانڈے ، طالب علم نرس ،

ڈسٹرکٹ ہسپتال، اکولہ (ناگپور ڈویژن)

قانونی امداد کیلئے وکلاء کی جماعت

حکومتِ مہاراشٹر نے ایک ضلع کے ہر سب ڈویژن صدر مقام پر چار وکلاء پر مشتمل ایک جماعت قائم کی ہے تاکہ غریب زمینداروں / لگان داروں (بشمول مندرج قبائل) کو لگان داری عدالتوں میں مقدمہ دائر کرنے یا مقدمہ لڑنے کے لئے مفت قانونی امداد فراہم کی جاسکے۔

ہندوستانی حدود میں غیر شناختی پرواز

عوام سے اطلاع دینے کی درخواست

حکومتِ ہند نے عوام کو آگاہ کیا ہے کہ اگر وہ ہندوستانی حدود میں کسی غیر شناخت شدہ ہوائی جہاز کو پرواز کرتے دیکھیں تو قومی تحفظ کی خاطر اس کی اطلاع زیادہ سے زیادہ ممکنہ تفصیلات کے ساتھ جیسے ہوائی جہاز پر درج نشان، جہاز کی قسم، خلاف ورزی کی تاریخ، وقت نیز مقام اور کسی مشہور جگہ سے اس کی قربت، اڑان کی مدت اور اندازاً اونچائی وغیرہ آرمی / پولس / سرحدی حفاظتی دستہ، سرحدی چوکی کو دیں۔

مراٹھواڑہ کے سرکاری ملازمین کی شکایات

حکومتِ مہاراشٹر نے علاقہ مراٹھواڑہ کے سرکاری ملازمین کی شکایات سے نمٹنے کی غرض سے ایک آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی (بہ لحاظ عہدہ سکریٹری برائے حکومت، محکمہ جنرل ایڈمنسٹریشن) مقرر کیا ہے۔

اس سے قبل حکومت نے سکریٹریوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی تاکہ وہ ایسے ملازمین کی جانب سے موصولہ نمائندگیوں پر غور کرے۔ اس کمیٹی کی مدد کے لئے حکومت نے ۲۷ مئی ۱۹۷۴ء کو ایک خصوصی شعبہ بھی قائم کیا ہے۔

مراٹھواڑہ کیلئے شرح پانی قوانین کی اشاعت

مہاراشٹر پانی شرح (علاقہ حیدرآباد) قوانین بابت ۱۹۷۴ء حکومتِ مہاراشٹر کے یکم جولائی ۱۹۷۴ء کے گزٹ میں شائع کردئے گئے ہیں۔ یہ قوانین یکم جولائی ۱۹۷۴ء سے ہی نافذ العمل ہیں۔

مراٹھواڑہ میں نیا میڈیکل کالج

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ ۱۹۷۵ء کے تعلیمی سال کے آغاز سے مراٹھواڑہ کے ضلع بیڑ کے مقام امبے جوگئی میں ایک میڈیکل کالج شروع کیا جائے۔ حکومت نے اوّلاً مجوزہ کالج کیلئے ۲۸ فروری ۱۹۷۵ء تک کی مدت کے لئے ضروری اسٹاف منظور کیا ہے۔ ۴۴ء۳۶ لاکھ روپے سے زیادہ کی مالیت کے آلات خریدنے کے لئے بھی منظوری دے دی گئی ہے۔

الہاس ندی میں آلودگی کی روک تھام

حکومتِ مہاراشٹر نے الہاس ندی وادی میں مہاراشٹر انسداد پانی آلودگی ایکٹ بابت ۱۹۶۹ء کی دفعہ ۲۳ (۱) کے نفاذ کی غرض سے ۱۵ جولائی ۱۹۷۴ء کی تاریخ مقرر کی ہے۔ اس دن یا اس کے بعد سے کوئی بھی شخص الہاس ندی وادی کی کسی ندی میں کسی بھی قسم کی گندگی اور فضلہ مہاراشٹر انسداد پانی آلودگی بورڈ کی مرضی کے بغیر نہیں گرا سکے گا۔ فی الحال اس علاقہ کو "انسداد پانی آلودگی علاقہ" قرار دیا گیا ہے۔

دفتر کی منتقلی

ڈائرکٹر آف انشورنس، ریاست مہاراشٹر، بمبئی کا دفتر ۱۶ جولائی ۱۹۷۴ء سے سچیوالیہ، بمبئی کے سامنے نئی تعمیر شدہ ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ کی سولہویں اور سترھویں منزل پر منتقل ہو گیا ہے۔

معاشی پالیسی کمیٹی

حکومتِ مہاراشٹر نے وزیر مالیات کی زیر صدارت معاشی پالیسی کمیٹی تشکیل دی ہے تاکہ اہم معاملات جیسے قیمت پالیسی، ملازمت اور اجرت پالیسی، اناج کی پیداوار اور تقسیم پالیسی، ذرائع کی ترتیب، سماجی معاشی معاملات وغیرہ پر مرکزی حکومت کے فیصلوں سے پیدا ہونے والی پالیسی پر نظرثانی کرے۔

چیف سکریٹری اور شری ڈی۔ ایس۔ ساؤکر، رکن اسٹیٹ پلاننگ بورڈ، کمیٹی کے اراکین ہیں۔ سکریٹری محکمہ مالیات اور سکریٹری محکمہ پلاننگ کمیٹی کے ممبر۔سکریٹری ہیں۔

برما سے وطن واپس آنے والوں کو معاوضہ

قومی اور غیر ملکی ملکیت کے کاروبار کے، جنھیں حکومتِ برما نے ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۵ء میں قومیا لیا تھا، مالکان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اسکے معاوضہ کیلئے فوری طور پر درخواستیں دیں۔

درخواستیں برمی سفارت خانے واقع ۵۰/۳ الف، نیائے مارگ، چانکیہ پوری، نئی دہلی میں داخل کی جائیں گی۔

درخواست کا پروفارما قبل جیسا ہی ہوگا۔ ان درخواستوں کی تصدیق برمی قونصل یا ان کی غیر حاضری میں نوٹری پبلک یا مجسٹریٹ کے ذریعہ ہونا چاہئے اور ان پر انڈر سکریٹری (کانسلر) وزارت امور خارجہ نئی دہلی کی بھی تصدیقی دستخط ہونا چاہئیں تاکہ اس کو برما میں مقررہ عہدیدار تک بھیجا جاسکے۔

اگر کسی کلینٹ نے اس سے قبل بغیر مناسب تصدیقی دستخط کے درخواست بھیجی ہو تو اس کو

دوبارہ مناسب تصدیق کے ساتھ درخواست بھیجنا چاہیئے۔

امید ہے کہ گورنمنٹ آف یونین آف برما ان درخواستوں پر ہمدردی سے غور کرے گی چاہے درخواستیں داخل کرنے کی آخری تاریخ بھی نکل جائے۔

مجاہدِ آزادی کو مالی امداد

وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری دی-پی-نائک نے ضلع چندرپور کے مقام چمور کے باسی مجاہدِ آزادی شری مارورتی کشن کھوبرے کے لئے ۲۵۰ روپے کی مالی امداد منظور کی ہے۔ اس طرح کی مالی امداد ان کو گذشتہ ماہ اپریل میں بھی دی گئی تھی۔ حکومت مہاراشٹر نے ان کی پنشن کے لئے حکومتِ ہند سے بھی رجوع کیا ہے۔

مہنگائی بھتہ - میونسپل کونسلوں کو امداد

گذشتہ ۱۹ر مارچ ۱۹۷۴ء کو جاری کردہ احکامات میں جزوی ترمیم کے بعد میونسپل کونسلوں کو مہنگائی بھتہ امداد کی ادائیگی یکم مارچ ۱۹۷۴ء سے حسب ذیل شرح سے منظور کی گئی ہے: (۱) اے کلاس میونسپل کونسل - ۸۰ فیصدی - (۲) بی کلاس - ۸۵ فیصدی اور (۳) سی کلاس - ۹۰ فیصدی

اس شرح سے امداد میونسپل کانسلوں کے ان کل وقتی ملازمین کو مہنگائی بھتہ دینے کے باعث اخراجات پر دی جائیگی جن کو نئی شرح تنخواہ پر لایا گیا ہے۔

جہاں تک ان مصارف کا تعلق ہے جو میونسپل کانسل ایسے کل وقتی ملازمین کو مہنگائی بھتہ دینے پر کرے گی جو نئی شرح تنخواہ میں داخل نہیں کئے گئے ہیں اور جو غیر نظر ثانی شدہ شرح تنخواہ پر تنخواہ پاتے ہیں۔ سرکاری امداد مصارف کے پچاس فیصدی کے برابر دی جائے گی۔

شہر پونہ میں ہاؤسنگ سوسائٹیوں کو سرکاری زمین صورتِ حال کی وضاحت

حکومتِ مہاراشٹر نے کارپوریشن علاقوں میں سرکاری اراضی دینے کے معاملات میں لاگو ضوابط کے مطابق شہر پونہ میں ۵۸ مختلف کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹیوں کو اپنی زمین منظور کرنے کی تجویز رکھی تھی۔ گنجانیت کے لحاظ سے ضابطہ یہ ہے کہ فی ایکڑ مکانات کی تعداد ۸۰ ہو۔ بہرحال پونہ میونسپل کارپوریشن کے عمارتی ضمنی قوانین کے تحت صرف ۴۰ مکانات ایک ایکڑ میں تعمیر کرنے کی اجازت ہے۔

تاہم پونہ میونسپل کارپوریشن نے پاروتی کے سروے نمبر ۲۲۹ میں تین سوسائٹیوں کے نقشے منظور کئے ہیں۔ سروے نمبر ۱۰۸ اور ۱۰۹، ہڈپسر کی ۲۰ کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے معاملے میں ایک ۱۴ انچ قطر کی پائپ لائن ڈالنا ضروری ہے جس کی تجویز زیر غور ہے۔ دوسری صورت میں مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ سے بھی کہا گیا ہے کہ وہ پونہ میونسپل کارپوریشن کے مشورے سے پانی فراہمی کا انتظام کرے کیونکہ اس علاقے کو پسماندہ طبقات کی ہاؤسنگ سوسائٹی کیلئے بورڈ کو ترقی دینا ہوگی۔

کٹراج کے سروے نمبر ۲۷/۲۶ اور دھنک واڑی کے نمبر ۱۳۰ تا ۱۳۳ میں پانچ سوسائٹ[illegible] کے بارے میں کلکٹر کو ہدایت کی گئی ہے کہ و[illegible] سوسائٹیوں سے دریافت کریں کہ آیا وہ اپنی [illegible] پر کنوؤں کے ذریعہ پانی فراہمی کا انتظام کر[illegible] ہیں کیونکہ وہ علاقہ پونہ میونسپل کارپوریشن [illegible] سپلائی زون کے باہر پڑتا ہے۔

ایرنداونا کے سروے نمبر ۱۰۱ اور [illegible] بھمبردا کے ۱۰۱ اور کھوپڑی کے ۷۰ بی واقع ۲۰ سوسائٹیوں کے سلسلہ میں سٹی انجنیئر میونسپل کارپوریشن نے نقشوں کو منظور ک[illegible] کی رضامندی دیدی ہے۔ نقشوں کی منظوری [illegible] حکومت کو زمین کے دوبارہ الاٹمنٹ کی تجو[illegible] کریں گے۔

متذکرہ حالات کے مدنظر ان سوسائٹیوں [illegible] سے ہر ایک کو از سر نو زمین اسوقت الاٹ ک[illegible] جبکہ اس کی جانچ مکمل ہو جائے گی کہ ان کو [illegible] کردہ پلاٹ پر کتنے ممبران کو جگہ دی جاسکتی [illegible] پونہ کے کلکٹر اس سلسلہ میں ضروری اقدامات [illegible] سے کر رہے ہیں۔

آئی-این-اے کے سابق افراد کو سنمان

حکومتِ مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ سابق آ[illegible] اے افراد کو فوجی حکام سے حاصل کردہ آرمی [illegible] سرٹیفکیٹ نیز ضروری تحریر پیش کرنے پر سنمان [illegible] جاری کیا جائے۔ یہ سنمان پتر ضلع کلکٹران جاری [illegible]

دفاعی فنڈ

ریاست مہاراشٹر کے عوام نے ۲۹ر جون کو ختم ہونے [illegible] ہفتہ کے دوران قومی دفاعی فنڈ کی مد میں ۳۵۰۱ کی رقم کا عطیہ دیا۔

پندرہ روزہ
قومی راج
شمارہ: ۱۳، ۱۴
۱۵؍ اگست سنہ ۱۹۷۶ء
سالانہ: ۱۰ روپے
جلد: ۱
قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے
زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس
ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ:
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

آزادی نمبر

فہرست

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

شذراتِ گفتنی

آزاد ہندوستان آج ۲۷ سال کا ہے۔ قوموں کی عمر میں ۲۷ سال یوں تو بہت کم ہوتے ہیں لیکن اتنی مدت میں کوئی بھی قوم جسے آزادی جیسی نعمت میسر ہو، اپنی بنیادیں استوار اور اپنا شعور پختہ کر سکتی ہے۔ آزادی کی سالگرہ کے موقع پر یہ جائزہ لینا بے محل نہ ہوگا کہ آیا ہم اس معیار پر پورے اُترے ہیں۔

بلاشبہ آج ہندوستانی عوام کو جتنی پریشانیاں لاحق ہیں اور ان کی روزمرّہ زندگی جتنی دشوار ہو گئی ہے اتنی شاید ہی گذشتہ رُبع صدی میں کبھی ہوئی ہو۔ حکومت کے مخالفین سیاسی اغراض کی بنا پر بآسانی یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ یہ سب حکومت یا برسراقتدار پارٹی کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے لیکن صد شکر کہ ہندوستانی عوام اب ذہنی طور پر ناپختہ نہیں رہے۔ وہ نتائج سے پریشان ضرور ہیں لیکن اسباب و علل سے صرفِ نظر نہیں کرتے۔ انھیں اچھی طرح علم ہے کہ موجودہ پریشانیوں کا آغاز ایسے حالات اور عوامل سے ہوا جو برسراقتدار پارٹی یا حکومت کے قابو سے باہر تھے اور اگر اس جگہ حزبِ مخالف یا دیگر ناقدین کا کوئی گروہ ہوتا تو اس صورتحال کے آگے بے بس ہوتا۔ ان میں سب سے پہلی وجہ لاکھوں بنگالی پناہ گزینوں کی ہندوستان میں آمد اور اس کے بعد پاکستان کے ساتھ جنگ تھی۔ ان دونوں پر ملک و قوم کا بیش قیمت سرمایہ صَرف ہوا اور جنگ کے نتیجہ میں افراطِ زر کی لعنت نے اپنا منحوس چہرہ اُبھارنا شروع کیا۔ پھر ملک کے مختلف حصّوں میں بارش کی کمی اور اس کے نتیجہ میں قحط کی سی صورت حال نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ عالمی پیمانے پر تیل کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ نے بڑے بڑے ملکوں کی کمر توڑ دی۔ ہماری ترقی پذیر معیشت پر اس کا اور بھی بُرا اثر پڑا۔ حکومت کو عوام کا پیٹ بھرنے کے لئے مہنگے داموں اناج درآمد کرنا پڑا اور مہنگائی کو ایک اور ایڑ لگی۔ گیہوں کی تھوک تجارت کو حکومت نے اس لئے ہاتھ میں لیا تھا کہ تاجر طبقہ اور درمیانی لوگ صارفین کا استحصال نہ کر سکیں لیکن بڑے مزارعین اور تاجر طبقہ نے جو کافی طاقتور اور منظم ہے حکومت کے کام میں زبردست رکاوٹ ڈالی اور حکومت نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اسے وقار کا سوال بنانے کی بجائے دست کشی کی جائے تاکہ عوام کو بہرصورت غذا جیسی ضروری اور بنیادی شے ملتی رہے۔

حکومت سے غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوئی ہیں لیکن اس میں اتنی جرأت ہے کہ وہ ان کی اصلاح اور تلافی کے لئے میدانِ عمل میں آ گئی ہے۔ مہنگائی اور افراطِ زر کے مقابلہ کے لئے حالیہ دو صدارتی فرامین جن کے ذریعہ زائد اُجرتوں، تنخواہوں اور مہنگائی بھتہ کو لازمی طور پر ڈپازٹ کرانے نیز کمپنیوں کے منافع کی تقسیم کو ایک حد میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، کئی کروڑ روپوں کو چلن میں آنے سے روک سکیں گے۔ علاوہ ازیں تازہ فنانس بل بینکوں سے دیئے جانے والے قرضوں کو اور مہنگا کر دے گا جبکہ بینکوں کی شرحِ قرض میں پہلے ہی کافی اضافہ ہو چکا تھا اس طرح معیشت میں روپے کی ریل پیل کم ہوگی۔ اسی کے ساتھ فنانس بل جسے "معاون بجٹ" بھی کہا جا رہا ہے سرکاری خزانہ میں کئی کروڑ روپے کا اضافہ کرے گا اور یہ رقم پیداوار بڑھانے پر صرف کی جائے گی جس کے نتیجہ میں مہنگائی کم ہوگی۔

یہ درست ہے کہ آبادی میں معاشی خلیج اور وسیع ہوئی ہے اور خصوصاً شہروں میں فلک بوس عمارتیں آسمانوں کی

طرف اور گندی جھونپڑیاں زمین کے سینے پر پھیلتی جا رہی ہیں لیکن رفتہ رفتہ جھونپڑیوں کی جگہ بلند و بالا عمارتوں کو لینا ہی ہے جھونپڑیوں کو ہمیشہ کیلئے برداشت کرنا اعترافِ شکست ہوگا۔ شہری علاقوں میں ہاؤسنگ کی سرگرمی تیز کی جا رہی ہے اور عارضی طور پر حکومت اور کارپوریشن گندی بستیوں کو انسانی رہائش کے قابل بنانے کیلئے مصروف ہیں۔ یہ روز افزوں تضاد جمہوری نظام کی خصوصیت ہے۔ جمہوریت میں فرد کی آزادی اہمیت رکھتی ہے اور کبھی کبھی اس آزادی سے لوگ خصوصاً سماج دشمن طبقہ ناجائز فائدہ بھی اٹھاتا ہے تاہم حالیہ کچھ عرصہ میں حکومت نے اسمگلروں، ٹیکس چوروں اور ذخیرہ اندوزوں کے خلاف جو جرأت مندانہ اقدامات کئے ہیں اُنکی روشنی میں کٹر سے کٹر ناقد بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حکومت اپنے ارادوں میں مخلص نہیں ہے

حکومت نے داخلی اور خارجی سطح پر ایک زبردست جنگ چھیڑ رکھی ہے، خواہ اس کی نوعیت سابقہ جنگوں سے مختلف ہو۔ داخلی پیمانے پر یہ جنگ ملک میں امن و امان اور استحکام پیدا کرنے کیلئے ہے۔ حالیہ ریلوے ہڑتال کے دوران حکومت نے مضبوط رویّہ اختیار کر کے ثابت کر دیا کہ وہ مزدوروں کے جائز مطالبات کا احترام کرنے کے باوجود انھیں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ ملک کی معیشت کو تہس نہس کر دیں۔ وہ کالا بازاریوں، ذخیرہ اندوزوں اور اسمگلروں سے بھی برسرِ پیکار رہے جنھوں نے کالے دھن کے ذریعہ ایک متوازی معیشت کھڑی کر رکھی ہے۔ زرعی شعبہ کو ٹیکس کے جال میں لانے کا فیصلہ حکومت کے اس عزم کا مظہر ہے کہ اب اسے رعایت اور ڈھیل کی پالیسی ترک کر دینی چاہیئے۔

خارجی سطح پر یہ جنگ اعتماد کی جنگ ہے۔ ہمارے ملک نے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ وہ ایک مضبوط اور بالغ ملک ہے۔ ایٹم کے پُرامن استعمال کے ذریعہ وہ اپنی تقدیر بدلنے کا اہل ہے۔ پُرامن مقاصد کیلئے کئے جانے والے ایٹمی تجربہ کے بعد اس کا احترام دنیا کی نظروں میں یقیناً بلند ہوا ہے۔ خارجی سطح پر ہندوستان کی ایک اور کامیابی عرب دنیا کی دوستی ہے جس نے اپنے معاشی حربہ تیل کے ذریعہ بڑی طاقتوں کے ہوش ٹھکانے لگا دئے ہیں۔

حالیہ چند سال اپنی تمامتر پریشانیوں کے باوجود اقلیتوں کے لئے نسبتاً بہتر ثابت ہوئے ہیں۔ ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو ان چند برسوں کے دوران خوف و ہراس سے نجات ملی اور اس نے مستقبل کیلئے کچھ سوچا۔ مثال کے طور پر مسلم تعلیمی کانفرنس کا یہ منصوبہ کہ مسلم نوجوانوں کی اعلیٰ تعلیم کیلئے دس لاکھ روپے کا سرمایہ مختص کیا جائے، ایک ایسا نسخہ ہے جس کی اس پسماندہ طبقہ کو عرصہ سے ضرورت تھی۔ اردو زبان جو نہ صرف مسلم اقلیت کی چہیتی زبان ہے بلکہ ہندوستان کے مشترکہ کلچر کی زندہ علامت ہے، انہی چند سالوں میں خوب پھلی پھولی اور آزادی کے بعد ابتدائی دور میں اسکے ساتھ ہونیوالی کئی بے انصافیوں کی تلافی ہوئی۔

نفع و نقصان کے اس گوشوارہ پر نظر ڈالتے ہوئے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کسی متحرک اور زندہ قوم کو فوائد حاصل کرنے کیلئے نقصان بھی اُٹھانے پڑتے ہیں اور وہ ہم نے اُٹھائے لیکن ان کی حیثیت صرف قربانیوں کی سی ہے جو ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لائیں گی۔ فی الوقت ہمیں ضرورت ہے خلوصِ نیت اور اعتماد کی۔ یہ اعتماد ایک طرف تو عوام کو خود پر ہونا چاہیئے کیونکہ عوام ہی سب سے بڑی طاقت ہیں اور دوسری طرف ملک کی اس ہوشمند اور دلیر قیادت پر جس نے ہر مشکل اور ہر رکاوٹ کا مقابلہ ڈٹ کر کیا۔ بلاشبہ اندرا گاندھی ہی دنیا کی وہ واحد خاتون ہیں جو اتنی زبردست ذمّہ داری اور اتنے بڑے بوجھ کو اپنے شانوں پر سنبھالے ہوئے ہیں اور مسائل سے گھرے ہوئے اس خطۂ ارض کو بادِ سموم کے جھونکوں سے بچا سکتی ہیں۔

قوم مسائل کا سامنا کرنے کی قوت رکھتی ہے!

یومِ آزادی پر وزیر اعلیٰ کا پیغام

بمبئی۔ ۱۴ اگست: شری دی۔ پی۔ نائک وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے آج شب کو یومِ آزادی کے موقع پر آل انڈیا ریڈیو کے بمبئی اسٹیشن سے اہلِ مہاراشٹر کے نام اپنے نشری پیغام میں فرمایا کہ "قوم ان مسائل پر قابو پانے کیلئے ضروری طاقت رکھتی ہے جن میں وہ آج گھری ہوئی ہے"۔

آپ نے فرمایا کہ گذشتہ ۲۷ سال کے دوران ایک نہ ایک شکل میں قوم کو کئی مسائل پیش آئے لیکن قوم نے ان مسائل کا پوری طاقت، عزم اور خود اعتمادی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مجھے امید ہے کہ یومِ آزادی سے متاثر ہو کر لوگوں میں پھر اعتماد کی وہی فضا پیدا ہوگی۔

وزیر اعلیٰ کی تقریر کا متن یہ ہے:

"یومِ آزادی کی ۲۷ ویں سالگرہ کے موقع پر میں لوگوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

گذشتہ سال اس موقع پر ہم مسرور تھے کیوں کہ لگاتار تین سال کی خشک سالی کے بعد ریاست رحمتِ الٰہی سے فیضیاب ہوئی اور اسکے تقریباً تمام حصوں میں بروقت کافی بارش ہوگئی تھی۔ لہٰذا گذشتہ سال ہم لگ بھگ ۱۳۷ لاکھ ٹن اناج پیدا کر سکے۔ یہ پیداوار ریاست میں سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء کے دوران اناج کی انتہائی پیداوار کے مقابلے میں خاصی تھی۔

بہرحال اس سال بارش بعض اوقات تشویش کا باعث رہی۔ ریاست کے تقریباً تمام حصوں میں بارش کے درمیان طویل وقفہ رہا۔ اس کے باعث بعض حصوں میں بوائی نہ ہوسکی اور بعض حصوں میں بوئے ہوئے پودے مرجھا گئے۔ بہر صورت ہم نے اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنی مشینری کو پیش کیا۔ قلت کے دوران ہم نے ۴۸۰۰ پرکولیشن تالابوں کا کام شروع کیا تھا۔ ان میں سے تقریباً ۲۰۰۰ تالابوں کے کام مکمل ہوگئے تھے۔ ہم نے باقی کاموں پر لوگوں کو لگانے کے انتظامات کئے نیز کسانوں کو بیج کی شکل میں تقاوی دینے کا بندوبست کیا گیا تاکہ وہ بارش میں تاخیر کی صورت میں بھی بوائی کر سکیں۔ گذشتہ چند دنوں میں ریاست کے تقریباً تمام حصوں میں بارش ہوجانے سے کسانوں کی تشویش دور ہوئی اور انھوں نے بڑے پیمانے پر [illegible] بوائی شروع کر دی۔ لہٰذا اس سال

یومِ آزادی [illegible] امن اور خوشی ہے۔

غذائی مسئلہ نے عالمگیر صورت اختیار کرلی ہے۔ بعض بڑے ممالک فراہمی اناج کے مسئلہ پر ترقی پذیر اقوام کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وزیر اعظم ہمارے دیش میں اناج کی پیداوار کے مسئلہ پر ذاتی توجہ دے رہی ہیں تاکہ ہم غیرت اور وقار کے ساتھ رہیں۔ ان کی اس فکر اور پریشانی کے مدنظر میں نے آپ سب کی طرف سے یقین دلایا ہے کہ اناج کی پیداوار زیادہ سے زیادہ بڑھانے کے لئے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی جائے گی۔ مسائل کو سمجھنے کی ہماری روایاتی اہلیت، ان تھک جدوجہد اور عزم نے ہی مجھے انھیں یہ یقین دلانے کا حوصلہ اور ہمت دی۔

زراعتی پیداوار بڑھانے کے سلسلے میں ہم اس سال بڑے پیمانے پر 'حفاظتِ فصل مہم' چلا رہے ہیں۔ گذشتہ سال ہمیں 'چھوٹی مکھی' کے باعث جوار کی تقریباً پانچ لاکھ ٹن پیداوار کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس سے زراعتی پیداوار زیادہ سے زیادہ بڑھانے کیلئے ہماری کوششوں پر بھی بُرا اثر پڑا۔ لہٰذا ہمارے دیہاتوں میں چھوٹی مکھی اور چوہوں وغیرہ کے خطرہ کو ختم کرنے کے لئے باہمی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اگر ضرورت ہو تو اس مقصد کے لئے گاؤں والوں کو 'شرم دان' کرنا چاہیئے۔

اب ہم نے کپاس کی اجارہ دارانہ خریداری اسکیم شروع کی ہے۔ مختلف سطح پر مزارعین کے نمائندوں سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد ہم نے اس اسکیم میں ضروری اصلاح کی ہے۔ ہم نے قیمت خریداری بھی بڑھادی ہے۔ گذشتہ سال کے تلخ تجربہ کے بعد کسانوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ کپاس خریداری اسکیم ان کے لئے سودمند ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس سال کسان اس اسکیم کے معاملہ میں دلی تعاون کریں گے۔

اشیاء کی قلت اور بڑھتی ہوئی قیمتوں وغیرہ کے مسائل نے ہمیں یقیناً دِق کر رکھا ہے۔ تاہم یہ مسائل چند ریاستوں تک محدود نہیں ہیں۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے قومی جدوجہد کی جارہی ہے۔ مرکز ہماری ضرورتوں سے باخبر ہے اور اس بات کی پوری پوری کوشش کر رہا ہے کہ دستیاب ذرائع سے ہمیں ہر ممکن مدد دے۔ مرکز کی جانب سے

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

یہ سال جہاں اور کئی اعتبار سے تاریخی حیثیت رکھتا ہے وہاں اس کی ایک خصوصی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ سال کولہاپور کے راج رشی، چھترپتی شاہو مہاراج کی پیدائش کا سال بھی ہے۔ راج رشی شاہو مہاراج نے اپنی زندگی میں چھوت چھات کو ختم کرنے کے لئے بے انتہا کوشش کی تھی اور بڑی حد تک انھیں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

ایک گاؤں - ایک پنگھٹ

مشترکہ کنوؤں کے ذریعہ سماجی ہم آہنگی

کولہاپور ضلع کے سوناگے دیہات کے ایک چھوٹے سے کمرے میں پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والے تقریباً ساٹھ "دلیت" افراد بیٹھے ہوئے ایک کالج کے طالب علم شری سیتارام کامبلے کی تقریر بڑے انہماک سے سن رہے تھے۔ کامبلے کہہ رہا تھا...

"یہ ہیں میرے دوست۔ ہم دونوں نے ساتھ ہی کالج میں تعلیم پائی اور ہم اپنے طبقہ کے لوگوں کی حالت سدھارنے اور ان کے مسائل کے حل تلاش کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ حالانکہ گاؤں کے دوسرے افراد اس کے مخالف ہیں۔ ایک مرتبہ میرے دوست آم کے پیڑ کے سایہ تلے سستا رہے تھے۔ گاؤں والوں نے اُن پر آم چرانے کا الزام تراشا جس کے نتیجہ میں ان کی خوب پٹائی ہوئی۔

اس میٹنگ میں شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر ریاست برائے داخلہ جو مشترکہ کنوؤں سے سماجی ہم آہنگی" کی سب کمیٹی کے چیرمین بھی ہیں، شری یادوناتھ تھتے، شریمتی کملا بائی وچارے، شری وینکٹ راؤ دھوبی اور شری نام دیو ڈھکر بھی حاضر تھے ان تمام ممبران نے دلیت لوگوں کے مسائل کو سمجھنے کے لئے حاضرین سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

سوناگے دیہات میں تین کنویں ہیں جس میں سے ایک شری موہلے کا، دوسرا شری ڈھوبلے پاٹل کا اور تیسرا شری وڈیر کا ہے۔ شری وڈیر ایک برہمن ہیں۔ دلیت لوگوں کو شری موہلے کے کنوئیں سے پانی لینے کی اجازت ہے۔ بقیہ دونوں کنوئیں دلیت لوگوں کیلئے بند ہیں۔ دلیت اس قدر خوفزدہ تھے کہ انھوں نے کبھی بھی ان دونوں کنوؤں سے پانی لینے کا خیال تک نہیں کیا۔ ان کنوؤں کا پانی دوسرے کاموں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے پیا نہیں جاتا۔ پینے کے لئے ندی کا پانی استعمال کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ دلیت اور دیہاتیوں کے درمیان تعلقات کی کشیدگی کی بنا پر ہندوؤں نے دلیتوں پر حملہ کیا اور انھیں زدوکوب کیا۔ بعد ازاں پولس
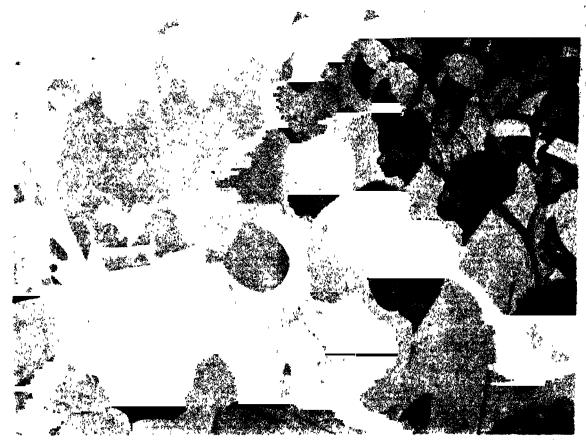
سب کیٹی کے اراکین سوناگے میں منعقدہ ایک میٹنگ میں ایک دلیت طالب علم شری سیتارام کا مبلے کا بیان بڑی توجہ سے سن رہے ہیں۔

نے ۲- آدمیوں کو گرفتار کرکے ان پر مقدمہ چلایا۔ دیہات سے فتنہ عناصر کو نکال باہر کرنے کے بعد دونوں طبقوں میں اتحاد و ہم آہنگی کے آثار پائے گئے۔ اس موقعہ پر سب کیٹی کے ممبران نے دیہات کا معائنہ کیا۔

سب کیٹی کے ممبران کی آمد پر دیہات کو جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ اس موقع پر ایک چھوٹا سا جلسہ دیہات سے چھوت چھات ختم کرنے کے مسئلہ کو حل کرنے کیلئے کیا گیا۔ دونوں کنوؤں کے مالکان کو بھی وہاں طلب کیا گیا۔ شری شرد پوار نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ تم دلیت لوگوں کو اپنے کنوئیں سے پانی بھرنے سے روکتے ہو؟ کیا تمہیں ان لوگوں کے پانی بھرنے پر اعتراض ہے؟

اس سوال سے کنوئیں کے مالکان کو غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ سروتری ڈھولے پاٹل اور وڈیر نے مائیک پر اعلان کیا کہ ہر شخص آزادی کے ساتھ کنوئیں کا پانی استعمال کرسکتا ہے۔

دیہات کے سرپنچ نے، جو اس جلسہ میں موجود تھے حاضرین کو یقین دلایا کہ پنچایت جلدی ایک ریزولیوشن پاس کرے گی جس کی رو سے تقریباً چھ سے آٹھ ہیکٹر زمین دلیت لوگوں کو دیجائیگی تاکہ وہ اس زمین پر مشترکہ طریقہ پر کاشتکاری کرسکیں۔ اس وقت شری شرد پوار نے محکمۂ محصول کے افسران سے کہا کہ وہ ایک ماہ کے اندر اس سلسلہ میں ضروری کارروائی مکمل کرلیں۔

اس میٹنگ کے بعد دیہاتیوں نے شری شرد پوار کو یقین دلایا کہ آئندہ وہ دلیت لوگوں کو کسی بھی وجہ سے ان کے خلاف شکایت کا موقعہ نہیں دیں گے۔ وزیر داخلہ نے اعلان کیا کہ حکومت غلطی کرنے والوں کے خلاف چارہ جوئی کرنے میں پس و پیش نہیں کرے گی چاہے وہ کسی پوزیشن کے [illegible] ہوں۔

سوناگے سے ممبران سولانکور دیہات گئے اور سب سے پہلے دلیت بستی کا معائنہ کیا اور اُنکے ساتھ دیہات کے مسائل پر گفتگو کی۔ دوران گفتگو پتہ چلا کہ مقامی سماجی تعلقات کے کئی سیاسی پہلو بھی ہیں۔

یہاں کے دیہاتی چالاک قسم کے آدمی تھے۔ وزیر اور ممبران کیٹی کی آمد پر بہت سے ہندو، دلیت بستی میں گئے اور اُن سے کہا کہ ہر شخص آزادی سے ایک کنوئیں سے پانی بھر سکتا ہے۔ لیکن اس کنوئیں کا پانی پینے کے لائق نہیں تھا۔ ممبران کیٹی کو ان کی اس چالاکی کا پتہ چل گیا۔ انہوں نے ایک میٹنگ طلب

کی اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں سے پوچھا کہ دوسرے کنویں دلیت لوگوں کو آزادی سے استعمال کرنے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ اس پر ہندوؤں نے جواب دیا کہ "ان کنوؤں سے دلیتوں کے پانی بھرنے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن جب وہ خود ہی پس وپیش کریں تو ہم کیا کر سکتے ہیں"۔ بعدازاں شری وینکٹ راؤ دھوبی اعلیٰ ذات کے چند ممتاز ہندوؤں کے ہمراہ دلیت بستی میں گئے اور اُن سے شری گلگوانی کے کنویں سے پانی بھرنے کو کہا جو پہلے دلیت لوگوں کے لئے بند تھا۔ ان کی لڑکیاں شری دھوبی کے ساتھ کنویں پر گئیں اور سب کمیٹی کے ممبران اور ہندوؤں کی موجودگی میں کنویں سے پانی بھرا۔ اس طرح یہ کنواں بھی دلیت لوگوں کے لئے کھل گیا۔ اس کے بعد تمام لوگوں نے مل جل کر کھانا کھایا۔

دیہاتی، شری دھوبی کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے شری دھوبی نے کبیر کے دوہے پڑھے اور کہا کہ انسان سے اچھا سلوک ہی خداترسی کی نشانی ہے۔ شری شرد پوار نے اعلیٰ ذات کے ہندو[illegible] کنویں اب ہمیشہ دلیت طبقے کیلئے کھلے رہنے چاہئیں۔

سب کمیٹی کے ممبران نے تیسرے دیہات "نیم شرگاؤں" کا معائنہ کیا۔ انھوں نے دلیت لوگوں سے رابطہ قائم کیا۔ دلیتوں نے بتایا کہ یہ گاؤں چھوت چھات کی بیماری سے پاک ہے۔ ممبران نے متعدد بار اُن سے دریافت کیا کہ آیا انھیں کوئی سماجی مسئلہ درپیش ہے اس سوال کا جواب ممبران کو نفی میں ملا۔

بعدازاں شیو مندر میں ایک جلسہ منعقد ہوا اور شری رتنپا کمبھار نے اطمینان کا اظہار کیا کہ اُن کا دیہات اوّل الذکر دو دیہاتوں کی طرح "قصوردار" نہیں ہے۔ انہوں نے حاضرین کو مشورہ دیا کہ چھوت چھات کو دور کرنے کے لئے پائیدار تحریک چلائی جائے۔

اسکیم کا اِفتتاح

۲۷ر جولائی کو کولہاپور کے کامرس کالج آڈیٹوریم میں راجرشی شاہو مہاراج کی صد سالہ سالگرہ منانے کیلئے ریاستی سطح پر قائم شدہ کمیٹی کی سب کمیٹی کے زیراہتمام سماجی کارکنوں، عوامی نمائندوں، پروفیسروں اور طلبا کے ایک جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے ریاستی وزیرِ داخلہ اور سب کمیٹی کے چیرمین شری ایس۔ جی۔ پوار نے فرمایا کہ یہ فالِ نیک ہے کہ "ایک گاؤں ایک پنگھٹ" کی اسکیم کو جو چھوت چھات کے صدیوں پرانے ناسور کا خاتمہ کر دے گی، ریاستی حکومت راجرشی شاہو مہاراج کی صد سالہ سالگرہ والے سال کے دوران شروع کر رہی ہے اور اس کا آغاز کولہاپور سے ہو رہا ہے۔

آپ نے طلبہ کو مشورہ دیا کہ وہ ایک ایک گاؤں چن لیں اور اس اسکیم پر عملدرآمد کرتے ہوئے اپنے پروفیسروں کی رہنمائی میں کنوؤں کی تعمیر کا کام شروع کردیں۔

ریاستی وزیر مملکت برائے داخلہ و پبلسٹی شری شرد پوار کولہاپور میں پرنسپلوں، پروفیسروں اور کارکنوں کے ایک اجتماع سے خطاب کر رہے ہیں۔ یہ اجتماع ۲۷ جولائی کو راجرشی شاہو چھترپتی صد سالہ سالگرہ کمیٹی کی اُس سب کمیٹی نے منعقد کیا تھا جو "مشترکہ کنوؤں کے ذریعہ چھوت چھات کے خاتمہ" کے لئے قائم کی گئی ہے۔

مظہر امام

زندگی بن کے دُلہن، کرکے سنگار آئی ہے   چھیڑتی عشرتِ فردا کا ستار آئی ہے
دل کی خوابیدہ اُمنگوں پہ بہار آئی ہے   ہائے کیا شان ہے! کیا رنگِ خود آرائی ہے

جیسے دوشیزۂ تخئیل کا آنچل ڈھلکے
جس طرح ساقیٔ جذبات کا ساغر چھلکے

زندگی حسنِ فراواں کا پتہ دیتی ہے   سرخیٔ رنگِ بہاراں کا پتہ دیتی ہے
مستیٔ رقصِ غزالاں کا پتہ دیتی ہے   سرفرازیٔ گلستاں کا پتہ دیتی ہے

جشنِ آزادیٔ بھارت کے کنول کھلتے ہیں
وقت وہ ہے کہ مہ و مہر گلے ملتے ہیں

عارضِ وقت پہ ہے غازۂ رنگینیٔ حال   حسنِ امروز میں پوشیدہ ہے فردا کا جلال
میری نظموں کی جوانی، مری غزلوں کا جمال   تم پہ قرباں، مرے پیارے وطن کے مہ و سال

مہرِ آزادیٔ بھارت کی ضیا اور بڑھے
عزمِ جمہور کی بے باک ادا اور بڑھے

زندگی خواب بھی ہے، عالمِ بیدار بھی ہے   قد و گیسو بھی ہے اور رسن و دار بھی ہے
نغمۂ ناز بھی ہے، روح کی للکار بھی ہے   بزم میں ساز بھی ہے، رزم میں تلوار بھی ہے

روپ بھی ہے یہی دنیا، یہی بہروپ بھی ہے
یہ گھنا سایہ بھی ہے اور کڑی دھوپ بھی ہے

اپنے کردار کی قندیل جلانا ہے ہمیں   نقش ٹھہری ہوئی ظلمت کا مٹانا ہے ہمیں
اپنے اس ملک کو فردوس بنانا ہے ہمیں   دور منزل سہی، لیکن وہیں جانا ہے ہمیں

عزمِ منزل بھی، شعورِ رہِ منزل بھی ہے
عقل تنہا نہیں، اب ساتھ یہاں دل بھی ہے!

ہو مبارک ہمیں یہ جوششِ جوانی کا سفر   اپنی راہوں میں بچھیں انجم و خورشید و قمر
سرخ کچھ اور ہوئے نخلِ تمنا کے ثمر   اے زمیں! اور اُگل، اور اُگل، لعل و گہر

اے وطن! ہے تری عظمت کا نشاں آزادی
جشن کا دن ہے کہ ہے آج جواں آزادی

آزادی کی جدوجہد

چند یادیں

پریم رتن ووہرہ

یہ زمانہ بڑی سیاسی بے چینی کا زمانہ تھا
وستانی عوام برطانوی سامراج کے خلاف پوری
صف آرا ہو چکے تھے اور بڑی سے بڑی
نی دے کر بھی بغاوت کا عَلم بلند کئے ہوئے
ے بڑھ رہے تھے۔ لیکن ابھی تک فوج، پولس
یوی انگریز بادشاہ کی وفادار تھی۔ لیکن یہ پہلا
ح تھا کہ بمبئی میں ہندوستانی نیوی نے اپنے
ں طبقہ کے خلاف ہڑتال کر دی تھی اور یہ حادثہ
راجی حکومت کے لئے بڑا حوصلہ شکن ثابت ہوا تھا
م بڑے زور و شور سے اس ہڑتال کی حمایت
ہے تھے۔ چنانچہ جب حکومت کی جانب سے
ں ختم کرنے کیلئے دباؤ ڈالا جانے لگا تو لوگوں
وڑ پھوڑ کی پالیسی اختیار کر لی اور نیوی کے لوگوں
ساتھ مل کر عوام نے ماہم پوسٹ آفس کو آگ
ی۔ حکومت نے فوراً پولس اور گورا فوج طلب
، اور اس بلڈنگ کو گھیر لیا جہاں یہ ہنگامہ
تھا۔ اس وقت میں اور بہت سارے نوجوان
بلڈنگ کے بالائی حصہ پر چڑھے فوجی ٹینکوں پر
ف پتھراؤ کر رہے تھے بلکہ دستی بم بھی پھینک
ے تھے۔

جب پولس نے ہمیں پکڑ لیا تو ہمارے جذبات اور بھی شدید ہو گئے۔ میں نے انسپکٹر پولس کو گالیاں دینی شروع کیں کہ وہ لوگ بزدل اور کمینے ہیں جو سامراج کے غلام بن کر اپنے ہم وطنوں کو قید کرتے ہیں۔ اس پر ان کو شبہ ہوا کہ میں ہی اس ساری کارروائی کا سرغنہ ہوں۔ اسلئے پولس اسٹیشن پہنچتے پہنچتے مجھے اتنا مارا گیا کہ میرا سارا جسم سوج گیا اور خون کی قے شروع ہو گئی۔ لیکن عدالت نے مجھے بَری کر دیا کیونکہ مجھکو مجرم ثابت کرنے میں پولس ناکام رہی تھی۔

جب میں اپنے کمرے پر واپس پہنچا تو دیکھا دوست احباب بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں پولس کے ہاتھوں بُری طرح پٹ کر آیا تھا لیکن کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ میری روح خوشی سے ناچ رہی تھی اور اپنے ہر زخم کو عقیدت سے چومنے کو جی چاہتا تھا۔

◎

اُن دِنوں جنگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس میں ہر شئے جل کر راکھ ہو جائے گی۔ ایک طرف سے جاپان اور دوسری طرف سے جرمنی فتح کے جھنڈے لہراتا آگے بڑھ رہا تھا۔ برطانوی حکومت کی ناؤ سیاسی اور جنگی حالات کے بیچ ڈولتی ہوئی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ جاپان نے پرل ہاربر پر حملہ کر دیا تھا امریکہ الگ پریشان تھا۔

جنگ کے ابتدائی زمانے سے ہی امریکی عوام کی رائے یہ تھی کہ جب تک ہندوستان کے سیاسی حالات کا کوئی حل تلاش نہیں کیا جاتا اُس وقت تک ہندوستان جنگ کے سلسلے میں پوری طرح تعاون نہیں کرے گا۔ چنانچہ پریسیڈنٹ روزولٹ نے مسٹر چرچل کے ساتھ اس مسئلہ پر بات چیت بھی کی تھی۔ امریکہ جاپان کی شکست کو جرمنی کی شکست سے زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام سیاسی و نظریاتی اختلافات کو پس پشت ڈال کر امریکہ روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا تاکہ روس جاپان پر حملہ کر دے۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ اگر ہندوستان پوری تندہی کے ساتھ میدان میں اُتر آئے تو جاپان کو شکست دینا بہت آسان ہو جائے گا۔ جاپان، برما، سنگاپور اور انڈونیشیا تک بڑھ آیا تھا۔ یورپ میں ہٹلر کا سر کچل دیا گیا

تھا لیکن جاپان کو شکست دینے کیلئے ہندوستان کی قوت کو استعمال کرنا بہت ضروری تھا۔ اس موقع پر مولانا آزاد کی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" سے یہ چند سطریں پیش کی جارہی ہیں تاکہ یہ مسئلہ واضح ہوجائے۔

"کلکتہ اس وقت مشرق میں امریکی افواج کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ یہ امریکی اخبار نویسوں اور فوجی افسروں سے بھی بھرا پڑا تھا۔ میری رہائی کے بعد وہ مجھ سے ملنے کے مشتاق تھے اور کلکتہ پہنچنے کے ایک روز بعد میں نے ان میں سے چند سے ملاقات کی۔ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کئے بغیر وہ براہِ راست مطلب کی بات پر آ گئے۔ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ وائسرائے کی لائی ہوئی پیشکش پر کانگریس کا ردّعمل کیا ہوگا۔ میں نے جواب دیا کہ تاوقتیکہ میں پیشکش کی تفصیلات نہ جان لوں کوئی قطعی جواب نہیں دے سکتا۔ جب تک ہندوستان برطانیہ کے سیاسی تسلط کے دبا ہوا ہے، یہ بالکل واضح ہے کہ جنگ کے بارے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ کوئی شخص جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں، اپنے باندھنے والے کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے بھلا کیسے دلچسپی لے سکتا ہے؟"

اس کے بعد بات صاف ہوجاتی ہے کہ امریکہ کیوں اس خلوص کا مظاہرہ کررہا تھا۔

•

اب جنگ ختم ہونے کے امکانات پیدا ہو چلے تھے۔ ادھر برطانوی سامراج کی یہ خواہش بھی شدید ہوگئی تھی کہ ہندوستان جنگ میں اس کا ساتھ دے تاکہ وہ کامیابی کے ساتھ جنگ کی کارروائی کو اختتام تک پہنچا سکے۔ ان حالات میں شملہ کانفرنس کا آغاز ہوتا ہے۔

اس کانفرنس سے عوام بڑی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ ملک کے حالات دن بدن خراب ہوتے جارہے تھے۔ اس لئے کانگریس چاہتی تھی کہ شملہ کانفرنس میں جو اسکیم پیش کی گئی تھی اس کو قبول کرلے تاکہ حالات کو درست کرنے میں کچھ مدد مل سکے اور وائسرائے کی ایکزیکٹیو کونسل کو ایک نہج سے قومی حکومت کا روپ دینا بھی قرار پایا تھا۔ لیکن مسلم لیگ اپنے رویّہ میں نہایت شدید ہوگئی۔ یوں تو کانفرنس کے آغاز کے فوراً بعد ہی لیگ اور کانگریس کے درمیان اختلافات کی جو بنیادیں تھیں وہ پوری طرح نمایاں ہوگئی تھیں مسلم لیگ اپنے آپ کو تمام مسلمانوں کا نمائندہ خیال کرتی تھی لیکن کانگریس کے سامنے کبھی قسم کی مذہبی اساس نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو عوامی

"کوئی شخص جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں اپنے باندھنے والے کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے بھلا کیسے دلچسپی لے سکتا ہے؟"

اور قومی نمائندہ سمجھتی تھی۔ جب ایکزیکیٹو کونسل میں نمائندوں کے انتخاب کا سوال اٹھا تو مسٹر جناح اس بات پر اڑ گئے کہ کانگریس صرف ہندوؤں کے نام دے اور مسلم لیگ مسلمانوں کے نام پیش کرے گی۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا کہ کانگریس اس سے سراسر اختلاف کرتی ہے کیونکہ کانگریس تمام سیاسی مسائل کو قومی نقطۂ نگاہ سے حل کرنا چاہتی ہے۔ یہ کوئی مذہبی ادارہ نہیں ہے کہ وہ صرف ہندوؤں کے نام پیش کرے اسلئے اسے پوری آزادی ہے کہ وہ ہندو، مسلم، کرسچین، پارسی، سکھ، جو بھی ہندوستانی قومیت رکھتا ہو اس کو چن کر کونسل میں بھیجے۔ لیکن مسلم لیگ کو پوری آزادی ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کا انتخاب کرے

یہ عجیب لطف کی بات ہے کہ جو فہرست تیار ہوئی تھی اس میں دونوں طرف کے نمائندوں کو ملاکر مسلمانوں کے سات نام ہوجاتے تھے۔ اس طرح مسلمان نمائندوں کی تعداد پچاس فیصدی ہوجاتی حالانکہ کل ہندوستان کی آبادی کا مسلمان پچیس فیصدی تھے۔ لیکن لیگ ان مسلمانوں کو جنھیں کانگریس نے اپنا نمائندہ چنا تھا 'مسلمان' سمجھنے ہی سے انکار کررہی تھی۔ اس ذہنیت پر سوائے افسوس کرنے کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

آخر کانفرنس ناکام ہوگئی۔ اس کو ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا اہم موڑ کہا جاسکتا ہے۔ آزادی کی ساری جدوجہد میں یہ پہلا موقع تھا جب حکمراں طبقہ سے بات چیت اس لئے ناکام نہیں ہوئی کہ اس کی بنیاد سیاسی مسائل پر تھی بلکہ اس لئے ناکام ہوئی تھی کہ اس کی بنیاد فرقہ وارانہ تھی۔

(زیرطبع کتاب "یادیں" کا ایک ورق)

• • • • • • • • • • • • • •

ٹورسٹ اور سپیرا

ایک فرانسیسی کارٹون
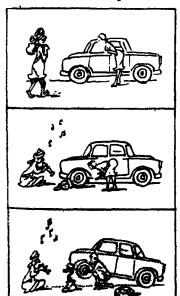
تمام عمر عذابوں کا سلسلہ تو رہا
یہ کم نہیں، ہمیں جینے کا حوصلہ تو رہا

میں تیری ذات میں گم ہو سکا نہ تو مجھ میں
بہت قریب تھے ہم، پھر بھی فاصلہ تو رہا

چلو نہ عشق ہی جیتا، نہ عقل ہار سکی
تمام وقت مزے کا مقابلہ تو رہا

گزر ہی آئے کسی طرح تیرے دیوانے
قدم قدم پہ کوئی سخت مرحلہ تو رہا

روش روش پہ جو کانٹے مہک اٹھے ہیں تو کیا
چمن سے دور گلابوں کا قافلہ تو رہا

بہت حسین سہی وضعِ احتیاط تری
مری ہوس کو ترے پیار سے گلہ تو رہا

جاں نثار اختر

اردو صحافت اور جنگ آزادی

مولانا عبدالماجد دریابادی

حسرت موہانی کسی روزنامہ یا ہفت روزہ کے باقاعدہ ایڈیٹر نہ تھے' البتہ اس صدی کے شروع میں ایک ماہنامہ "اردوئے معلیٰ" کے نام سے علی گڑھ سے نکالتے تھے' یہ پرچہ اپنے نام اور کام دونوں کے لحاظ سے ادبی و شعری تھا' سیاسی نہ تھا' لیکن حسرت موہانی اپنی نوجوانی میں بھی دھن کے پکے تھے جہاں ذرا بھی موقع مل جاتا اپنی آنی بانی سے نہ چوکتے' اس ماہنامہ میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر گنجائش نکال ہی لیتے۔ چنانچہ صدی کا پہلا دَہا ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ حسرت موہانی جیل کے پھاٹک کے اندر تھے۔ جیل آج کا نہیں' اُس وقت کا جیل! اُس زمانہ کا جیل مینول (Manual) اٹھا کر دیکھ لیجئے' قید بند میں اتنی سختی ہوتی کہ اصلاحی قید "محض" بھی "قید سخت" ہی بن کر رہتی۔ اور سیاسی قیدیوں کیلئے رعایتوں' سہولتوں کا اُس وقت کیا سوال تھا! حسرت بیچارے شاعر آدمی کو جیل کی بھاری چکی بیٹھ کر نہیں کھڑے ہو کر پیسنا پڑتی' گویا وہ بھی ڈاکوؤں' رہزنوں کے بھائی بند ہیں! خود کہہ گئے ہیں کہ ؎

ہے مشقِ سخن جاری' چکی کی مشقت بھی
اِک طرفہ تماشا ہے' حسرت کی طبیعت بھی

برطانیہ کے آفتاب اقبال کا اس وقت نصف النہار تھا۔ حسرت غریب کا غم گسار کوئی نہ تھا' اعتراض کرنے والے اور طعنہ دینے والے سب ہی تھے۔ اپنی ہی ذات برادری میں حسرت نکو بن کر رہ گئے۔

آزادی اور دین کا پہلا زبردست علم بردار مولانا ابوالکلام آزاد کا 'الہلال' تھا۔ کلکتہ کے اُفق سے طلوع ہوا' اور ملک بھر کو اس نے اپنی خطیبانہ انشاد سے چونکا دیا لیکن الہلال کا بھی اصل موضوع سیاسی آزادی نہ تھا' اسے اصلاً جہاد تجدد و فرنگیت کے خلاف کرنا تھا اور اس لپیٹ میں انگریزی حکومت بھی آگئی تھی۔ ہاں' لکھنؤ سے مسلم گزٹ (ہفتہ وار) وحیدالدین سلیم کی ایڈیٹری میں نکلنا اس سے بھی پہلے شروع ہو چکا تھا۔ یہ کھلا ہوا سیاسی و آزادی خواہ پرچہ تھا۔ مولانا شبلی نے اس میں اپنے نام سے مضمون مسلمانوں کی پولیٹیکل کروٹ کے عنوان سے تین نمبروں میں لکھے' اور اس مضمون کی دھوم مچ گئی۔

اور اکثر وہ اپنے کو "کشاف" کے نقاب میں چھپا کر اپنی نظمیں الہلال کے مطلعِ صحافت سے چمکا دینے اور اس رنگ کو اور زیادہ شوخ اور چوکھا کر دیا کرتے' یا یوں کہئے کہ اس دبی ہوئی آگ کو اور زیادہ بھڑکا دیا کرتے۔

ادھر تو یہ سب کچھ ہو رہا تھا' ادھر دہلی جو نئی نئی راجدھانی بنی تھی' وہاں سے ہمدرد روزنامہ پوری آب و تاب کے ساتھ مولانا محمد علی کی ادارت و سرپرستی میں نکلنا شروع ہو گیا اور اس نے اپنی مہذب روش اور نستعلیق اداؤں سے اُردو والوں کے طبقہ خواص کے دِلوں پر قبضہ جما لیا' اور اب کہنا چاہئے کہ اُردو کے آزادی خواہوں کو ایک مستقل نقیب یا منادی ہاتھ آگیا۔ محمد علی کی زندگی ایک عاشقِ صادق کی زندگی تھی اور عاشق کی صداؤں میں سوز و گداز کے ساتھ کشش اور جاذبیت بھی غضب کی ہوتی ہے ؎

عشقِ معشوقاں نہاں ست و ستیر
عشقِ عاشق با دو صد طبل و نفیر

یہاں تو قلم کی شوخیٔ خوش طبعی تک محدود رہی مگر پنجاب میں دہلی کی نزاکتوں اور لکھنؤ کی نفاستوں کی برداشت کہاں تھی۔

لاہور سے مولوی ظفر علی خاں کا روزنامہ زمیندار شمشیر برہنہ ہو کر نکلا' اس نے صحافت کے نقارہ پر اس زور کی ضرب لگائی کہ در و دیوار تک ایک چنگھاڑ کی آواز کے ساتھ حرکت میں آگئے۔ عوام کا

طبقہ اب تک الہلال اور ہمدرد کی دسترس سے باہر رہا تھا۔ زمیندار کی زلفِ گرہ گیر کا وہ بھی اسیر ہوکر رہا۔ بجنور، روہیلکھنڈ میں کوئی مرکزی شہر کی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن وہاں سے بھی ایک سہ روزہ مجید حسن صاحب کی ملکیت میں مدینہ کے نام سے خوب نکلا اور دیہات تک میں مقبول ہوگیا۔ بعض ایڈیٹر اچھے اچھے اس کو خوب مل گئے اور یہ ملک کی مشہور آزادی خواہ جماعت، جمعیۃ العلماء کی ترجمانی کرتا رہا۔ جمعیۃ علماء کی بنیاد رکھنے میں بڑا ہاتھ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا تھا اور بعد کو مفتی کفایت اللہ مرحوم نے اسے بامِ شہرت پر پہنچایا۔ یہ جماعت شروع ہی سے آزادی خواہ اور آزادی طلب تھی، اور اب اس کا اپنا نقیب سیاسی الجمعیۃ کے نام سے نکلنے لگا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی شروع صحافی زندگی میں اس کے ایڈیٹر رہے۔ یہ ہفت روزہ تھا کئی برس کے بعد روزانہ ہوگیا۔

یہ ذکر اب تک مسلمانوں ہی کی صحافت کا رہا۔ ہندوؤں میں ان کی ہم نوائی لکھنؤ کا سہ روزہ ہندستان کرتا رہا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر لکھنؤ کے مشہور شہری بابو گنگا پرشاد ورما تھے۔ ان کی یاد کو ان کا بنوایا ہوا امین آباد پارک اور گھنٹہ گھر قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ مقامی کانگریس کے لیڈر تھے اور ایک انگریزی سہ روزہ بھی ایڈوکیٹ کے نام سے نکالتے تھے۔

لکھنؤ ہی کے سلسلہ میں ایک معروف نام برج نرائن چکبست کا بھی بحیثیت شاعر کے ہے۔ یہ کسی روزنامہ یا ہفت روزہ کے تو نہیں، البتہ ایک ماہنامہ صبح امید کے ایڈیٹر تھے۔ اس کے سیاسی نوٹوں میں یہ کانگریس کی نمائندگی کرتے تھے اور انھیں تقویت ایک دوسرے کشمیری پنڈت کشن پرشاد کول سے پہونچتی رہتی تھی۔

یہ سارے نام سنجیدہ اصحابِ صحافت کے تھے لکھنؤ میں ایک نامور پرچہ اودھ پنچ کے نام سے تھا۔ بیسویں صدی کے اوائل کا نہیں، انیسویں صدی کی آخری چوتھائی سے نکلا۔ اور چونکہ لکھنؤ کے رنگ کا تھا، سالہا سال اس کی خوب شہرت رہی، اس کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین کاکوروی تھے اس کا رنگ کھلا ہوا پھبتی بازانہ تھا، لیکن جہاں تک ملکی سیاست کا تعلق ہے، منشی سجاد حسین آزادی خواہوں میں تھے اور اخبار کے مضمون میں ظاہر ہے کہ ان کی شخصیت جھلکتی رہتی تھی۔

ایک عرصہ تک لکھنؤ سے ہفتہ وار آزاد بھی نکلتا رہا۔ منشی احمد علی شوق قدوائی کی ادارت میں اور اس کا بھی گوشۂ چشم آزادی ہی کی جانب رہا۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں حقیقت انیس احمد عباسی کاکوروی کی ایڈیٹری میں لکھنؤ سے ہفت روزہ نکلا۔ اور بعد کو کئی برس تک روزانہ بھی رہا۔ اس وقت تک "نیشنلسٹ" پرچہ کی اصطلاح چل چکی تھی اور حقیقت بھی اپنے کو نیشنلسٹ ہی لکھتا رہا۔

لیجیے، ایک خادمِ اردو منشی دیانرائن نگم کا نام رہا ہی جاتا ہے۔ کان پور سے ان کا مشہور زمانہ ماہنامہ زمانہ کے نام سے نکلتا رہا اور اردو کا ایک معلوم و معروف خادم رہا۔ اسی کے ساتھ اس کا ہفتہ وار آزاد بھی کئی برس تک نکلا اور یہ ماہنامہ اور ہفتہ وار دونوں سیاسی حیثیت سے آزادی خواہ ہی تھے۔

سنہ ۱۹۱۲ء سے لکھنؤ کا مشہور روزنامہ ہمدم سید جالب دہلوی کی ادارت میں نکلا اور ۱۰، ۱۲ سال تک بڑی سنجیدگی و وقار کے ساتھ اردو صحافت کا نام بلند کیے رہا۔ سید جالبؔ اپنی طبیعت کے لحاظ سے بڑے معتدل، متوازن اور مرنجان مرنج قسم کے آدمی تھے، سخت و درشت لکھنا جانتے ہی نہ تھے، لیکن بہرحال مولانا محمد علی کے تربیت یافتہ تھے اور لکھنؤ آکر مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے مرید بھی ہوگئے۔ جو کچھ بھی لکھتے اس میں آزادی، خودداری کا ساز بجتا برابر سنائی دیتا رہا اور جب ہمدم سے میر صاحب کا تعلق ختم ہوگیا تو اپنا ذاتی روزنامہ ہمت کر کے ہمت کے نام سے نکالا، یہاں تک کہ خود ہی وقتِ موعود تک پہنچ گئے۔

لکھنؤ میں ان ہی دنوں ایک اور اخبار نکلا، اخوت کے نام سے، یہ نواب عبداللہ خاں کسمنڈوی کا نقیب تھا۔ یہ کسمنڈوی صاحب بھی ایک عجیب و غریب معجون مرکب تھے۔ ذاتی طور پر ہر چھوٹے بڑے انگریز حکام سے گہرا خلا ملا، لیکن پرچہ میں ایسا کچھ لکھ گئے کہ پرچہ پر مقدمہ چل گیا اور پرچہ کے جو باضابطہ ایڈیٹر تھے، فضل الرحمٰن بہاری مرحوم انھیں جیل کی ہوا کھانی پڑی اور اکبر الٰہ آبادی نے کہا۔

خبر آئی اسلامیہ میل میں
'اخوت' کو جانا پڑا جیل میں

(پہلے مصرعہ میں اسلامیہ میل کی جو تلمیح ہے اس سے اشارہ کسمنڈوی صاحب کے سابق انگریزی پرچہ کی جانب ہے۔) بیچ بیچ میں، خصوصاً پہلی جنگ عظیم کے دوران میں جو پرچے بھی محض چٹپٹی خبروں کے لئے ابھی ابھرے اور ابھی ڈوبے ان کا تذکرہ قصداً نظر انداز کر رہا ہوں۔

خلافت و ترکِ موالات کی تحریک میں اردو پریس نے جتنا حصہ لیا، وہ کسی کے بھولنے والا نہیں، اور انقلاب زندہ باد کے فلک شگاف نعرے جو اردو پریس ہی نے چلائے، ان کی گونج تو آج تک کانوں میں آرہی ہوگی۔ اردو والوں ہی نے اس نعرہ کو زندہ رکھا، تحریکِ آزادی کو بڑھانے میں، پھیلانے میں، مؤثر بنانے میں، جتنا کام اس ایک نعرہ نے دیا اسے اگر کرامت سے تعبیر نہ کیجئے تو اور کیا کہیے؟

تحریکِ خلافت کے سلسلہ میں شروع شروع بمبئی سے ہفت روزہ خلافتِ عثمانیہ نکلا، کچھ ہی روز بعد پھر یہ روزنامہ ہوگیا اور اس کا نام محض خلافت رہ گیا اور اس نے ملکی آزادی کا مسئلہ مذہبی فریضہ سے ملا کر کچھ اس طرح پھونک دیا کہ تحریکِ آزادی سے کسی کا الگ رہنا اپنے کو نکو بنا دینا تھا۔

●●

زندگی کے لئے

نیاز حمید

بن گئے ہار میرے گلے کا —
ساری دنیا پہ طاری تھی ایسی خوشی
جیسے انسانیت کا جہاں
اِس مسرت کا روزِ ازل سے طلبگار تھا
اور پہلے پہل اُس نے پائی مُراد ۔ اوّلین آرزو!
اوّلین آرزو جان سے بھی زیادہ ہے ہر آدمی کے لئے
نذر ہے زندگی
زندگی کے لئے

بھائی سے بھائی کی دشمنی !
قتل، غارتگری، رہزنی !
آج مٹنے لگی

وہ فرنگی دغاباز ہیں سرنگوں
شہریارانِ غمّاز ہیں سرنگوں
تاشقند آج ہے کعبۂ اہلِ دِل
ہے صنم خانۂ حیرتِ مستقل
فاتحِ ماہ و مریخ و حُسنِ فضا
عاشقِ اِرتقاء
معتبر مونس و ہمدمِ باوفا
مرکزِ اتحاد و محبّت ہے وہ
مرجعِ خلق و شہرِ شرافت ہے وہ
ایشیا کی امیدِ جہاں تاب ہے
ایک جلا نگہ سازو مضراب ہے
زندگانی کی اُس سرزمیں نے کہا
بھائی کے خون کا بھائی پیاسا نہ ہو
رازِ آپس کا غیر پہ افشا نہ ہو
بھول جاؤ تعصب، کدورت، نفاق اور کینہ وری
بھول جاؤ کہ مذہب کی تفریق سے ابنِ آدم نے پائی کوئی برتری
بھول جاؤ کہ اوہام کی سرحدیں

اور زمیں پہ بنائی ہوئی سانپ جیسی لکیریں
کبھی عاقبت کو سنواریں گی
یا سلطنت کی محافظ رہیں گی
گونج اُٹھیں اُزبکستان کی وادیاں
روٹھے بچھڑے ہوئے دور اُفتادہ لوگو
زندگی —
انقلاب، اتحاد، امن اور زندگی
زندگی — زندگی — زندگی —!
ہم نے ہو کر بغلگیر وعدہ کیا
جنگ ہونے نہیں دیں گے ہم آج سے
آج سے جنگ ہونے نہیں دیں گے ہم
کوئی جھگڑا نہ ہو جیتے جی کے لئے
اور یہ کہتے ہوئے میں جو رخصت ہوا
مجھ سے سرگوشیوں میں اجل نے کہا
آخری فرضِ آدم ادا ہو چکا
آج کی رات بس،
آخری خواب کی رات ہے !
سیج پھولوں کی وہ گُل بداماں زمیں
مجھ کو نیند آ گئی ۔ آن کی آن میں
یک بیک
ناگہاں ،
خواب اور آسماں !
روشنی اور تاریکیاں !
اتنے سارے کفن کم نہیں اس خوشی کے لئے
نذر ہے زندگی
زندگی کے لئے
امن کے واسطے دوستی کیلئے

آسماں، وسعتِ غم ہو، یا بحرِ زہراب ہو
یا، ستاروں سے مہتاب سے، جگمگاتا ہوا خواب ہو
خواب اور آسماں
روشنی اور تاریکیاں
اتنے سارے کفن کم نہیں اس خوشی کے لئے
نذر ہے زندگی
زندگی کے لئے

ظلم کے آہنی مرحلے
اور دیوارِ زنداں کے سنگین سائے
فلک سے زمیں تک
ستم اور بیداد کے دیو پیکر ہیولے
رقصِ برقِ تپاں
روز و شب
میری دلبستگی کے لئے

نذر ہے زندگی
زندگی کے لئے
نفرت و قہر و جور و جفا ہو کہیں
تیرہ و تار کوئی فضا ہو کہیں
میرے بے جان ہونٹوں سے لے جاؤ
یہ منجمد سی ضیائے تبسم
اور پتھرائی آنکھوں سے ذوقِ نظر کی تجلّی
اور وہ آخری قطرۂ خونِ دل
آرزو کی درخشندگی کا جو طوفان ہے
ہر اندھیرے میں دہکاؤ اُس آخری قطرۂ خونِ دل کی چتا،
آگ سے آگ روشن کرو
روشنی چاہیے روشنی کے لئے

نذر ہے زندگی
زندگی کے لئے
میری خاکِ جہاں تاب میں جتنے ذرات ہیں
سب ہیں میری محبت کے سورج
پیار کی کہکشاں کے ستارے
جھلملاتے رہیں گے ہمیشہ
اِن ستاروں میں سپنے تمہارے
اور یہی خاک ہے خاکِ آسودگی
اور یہی خاک، دریاؤں کا زورِ سیلاب ہے
خاک جوئندۂ جادۂ نو بہ نو
مست و محوِ خرام — ایک آزادہ رو
یہ سفر ختم ہوتا نہیں ہے کبھی
یہ سفر امن کے واسطے

دوستی کے لئے
نذر ہے زندگی
زندگی کے لئے
سیج پھولوں کی وہ گُل بداماں زمیں
تاشقند، اک دیارِ بہار آفریں
وہ رفاقت، خلوص اور وفاؤں کا گھر
وہ مساوات و انسانیت کا نگر
مخزنِ علم و آماجگاہِ ہنر
میری آمد کے لمحات کا منتظر
میرے سواگت میں رنگین لمحے
پھول بن کر برسنے لگے
وہ چہکتے ہوئے گُل
شگفتہ دلوں کی طرح کھلکھلا کر ہنسے

اردو ادب اور پہلی جنگِ آزادی

اے-وی-پاشا

ہر ادب ایک ٹھوس ماحول میں پھلتا پھولتا ہے اور ترقی کی منزل پر پہنچتا ہے۔ جن حالات میں انسانی تاریخ بنتی ہے اور اس کی معاشی و تہذیبی ترقی کے راستے کا تعین ہوتا ہے۔ اس کا اثر خاص طور سے ہر ادب پر ضرور پڑتا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے اختتام سے فارسی کا اثر کم ہونے لگا اور اردو ترقی کی منزل کی جانب بسرعت بڑھتی ہوئی سماج کو ایک نئی زندگی سے روشناس کرانے لگی۔ اس زمانے میں 'مسافروں کے شام سے بجھے ہوئے چراغوں' کی باتیں تو غزلوں تک میں آنے لگیں۔ اسی طرح کے کتنے ہی 'سیاسی اشعار' غزل کی گہرائیوں میں ڈوب گئے۔ پھر بھی راجہ رام نرائن موزوں کے اس شعر کے بارے میں کسے معلوم نہیں کہ یہ سراج الدولہ کی شہادت سے متاثر ہوکر لکھا گیا تھا۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مرگیا آخر کو' ویرانے پہ کیا گذری

کہیں کہیں کھلے نیز صاف اشارے بھی ملتے ہیں جیسے عبدالحیٔ تاباں کا یہ کہنا کہ ؎

'نہیں مقدور کہ جا چھین لوں تختِ طاؤس'

یا میرؔ کا اپنے وقت کے امیروں کے بارے میں یہ کہنا کہ ؎

'ٹکڑوں پہ جان دیتے تھے سارے فقیر تھے'

اردو میں قومی ادب کی کمی نہیں، بلکہ اس سلسلہ میں جوکچھ بھی ہمارے پاس ہے اس پر ہم فخر کرسکتے ہیں۔

انیسویں صدی میں قومی خیالات نے قدم قدم پر اُردو کا سہارا لیا۔ اس وقت تک اخبارات بھی شائع ہونے لگے تھے جن میں سے کئی اردو میں تھے۔ ماہر لسانیات 'گارساں دتاسی' نے کہا کہ سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ذمّہ داری زیادہ تر انہیں اخبارات پر تھی۔ اسی وجہ سے "صادق الاخبار" اور "دلّی اردو اخبار" کے مالک نیز مدیر کو سنہ ۵۷ء کے انقلاب میں مدد کرنے کے جرم میں قید اور پھانسی کی راہوں سے گذرنا پڑا۔ منیرؔ شکوہ آبادی کو کالے پانی کی سزا ملی۔ مولوی محمد حسن آزاد کے خلاف بھی وارنٹ نکل گیا تھا لیکن وہ کسی طرح بچ نکلے۔ صہبائی کو بھی شہید کیا گیا نیز قید و بند، لوٹ مار اور بے عزتی کے شکار تو سیکڑوں شاعر ہوئے۔ اس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اردو ادب نے ہماری تاریخ کے ایک اہم موڑ پر کتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور انگریزوں کے خلاف بغاوت کو اُبھارنے اور سنہ ۵۷ء کے اِنقلاب کو بڑھانے اور پھیلانے میں پورا قومی

کردار ادا کیا ہے۔

اردو ہمارے درمیانی طبقہ کی معشوق اور عوام کی آنکھوں کا تارا تھی۔ کوئی میرؔ، مصحفیؔ، انیسؔ، نظیرؔ، اکبر یا کوئی چکبست اسے ہمیشہ ملتے رہے اور پھر ہمارے مشاعروں نے شاعروں کو درباروں سے زیادہ عوامی بنادیا ہے۔ اسی لئے جب اُنیسویں صدی کے آغاز میں ہمارے درمیانی طبقہ میں خیالِ نو پیدا ہوا تو اُردو شاعری نے بھی سب سے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا۔

جنگِ آزادی میں ہمارے شاعروں نے دل و جان سے اپنا فرض نبھایا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس زمانے میں سیاسی شاعری کا عام رواج نہیں تھا لیکن کئی سیاسی نظمیں اس دور میں بھی لکھی گئیں اور شائع ہوئیں۔

اُس دَور کے اُردو ادب میں ایک خاص انقلاب نظر آتا ہے جس کے بارے میں حالیؔ نے "مقدمۂ شعروشاعری" میں اور آزادؔ نے 'آبحیات' و 'نظمِ آزاد' کے مقدمے میں تحریر کیا ہے۔ آزادؔ نے قومی بیداری کا گیت گایا۔ ان نظموں میں اِنقلابی للکار نیز جوش بغاوت نہیں ملتا لیکن زندگی کی اُمیدؔ اپنی مشکلات کو حل کرنے کا راستہ ضرور دکھائی دے گا۔ وطن دوستی کا جذبہ صاف طور پر اس دور میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ 'حُبِّ وطن' پر حالیؔ نیز آزادؔ دونوں کی نظمیں موجود ہیں۔ لیکن حالیؔ کے 'حُبِّ وطن' کا تصوّر محدود ہے وہ وطن سے صرف جغرافیائی رشتہ رکھتے ہیں۔ لیکن آزادؔ نے 'حُبِّ وطن' کو ملک کی ترقی کیلئے سخت محنت اور وقت پڑجانے پر جان کی بازی لگادینے کے لئے بڑھاوا دیا ہے۔

اِس دَور کے شاعروں میں جن لوگوں نے شہرت حاصل کی ان میں اکثر یا تو حکومت کے دامن سے مستقل بندھے تھے، جیسے اکبر الٰہ آبادیؔ، مولوی محمد حسین آزادؔ نیز اسمٰعیل میرٹھیؔ یا پھر شبلیؔ نعمانی اور حالیؔ کی طرح خطاب پانے سے گویا نیم سرکاری تھے۔ حالیؔ تو کچھ وقت کیلئے سرکاری ملازمت کرتے بھی رہے لیکن شبلیؔ نے یہ وزنی پتھر ایک بار چوم کر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں تلخی کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔

۱۸۷۷ء میں 'اودھ پنچ' اخبار منشی سجاد حسین نے نکالا۔ یہ پہلا اخبار ہے جو کہ اپنی زندگی کے تقریباً ستر سالہ دور میں آغاز سے اختتام تک ملک اور عوام کے خیالات کا ترجمان رہا نیز حکومت کی تنقید میں سب سے آگے رہا۔ اس اخبار میں لکھنے والے ادیبوں اور شاعروں میں مرزا مچھو بیگ، سجاد حسین، رتن ناتھ سرشارؔ، اکبر الٰہ آبادیؔ، تربھون ناتھ ہجرؔ نیز برج نرائن چکبستؔ وغیرہ خاص ہیں۔

۱۹۱۱ء میں دلی دربار ہوا جس نے غلامی کے خلاف جذبات کو اور تیز کردیا۔ اکبر جیسے سرکاری ملازم نے بھی یہ خیال ظاہر کیا کہ 'آنکھیں میری باقی اُن کا'۔ اسی سال بنگال کی تقسیم کے معاملے کو ختم کردیا گیا۔ یہ دور قومی گیتوں کی بہتات کا رہا ہے۔ 'مخزن' اور 'زمانہ' وغیرہ پرچوں میں قومی نظمیں تیزی سے شائع ہونے لگیں۔

اس دور کے شاعروں میں چکبستؔ، سرورؔ جہان آبادی، برقؔ دہلوی، حسرتؔ موہانی، تلوک چند محرومؔ نیز ظفر علی خاں نے نوجوانوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور بیداریٔ نَو کا احساس پیدا کیا۔

ایک اور شخص ہے جس کے دل کی رنگا رنگی نیز خیالات کی دورنگی افسانے کی شکل پاگئی۔ وہ ہے علامہ اقبالؔ پہلی جنگ عظیم سے قبل اقبالؔ 'ترانۂ ہندی'، 'نیا شوالہ'، 'ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'، وغیرہ کے ذریعہ حبِ وطن کا پیغام لے کر سامنے آتے ہیں۔ ان میں اپنے ماضی کی عظمت کا جذبہ، قومی یکجہتی کی ضرورت اور حقیقی سیاسی جذبات کا بھرپور اور مکمل خزانہ ملتا ہے۔

۱۹۴۷ء کے بعد آزادی اور مادرِ وطن کے لئے دکھوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنے نیز دار و رسن کو برداشت کرنے کی مکمل آرزو اُجاگر ہو کر اُردو شاعری میں بھر گئی۔ اسی دور میں فرقہ وارانہ فساد بھی شروع ہوگئے لیکن ہمارے شاعروں نے نہ صرف ان زہریلے جذبات سے خود کو دور رکھا بلکہ ہمیشہ اس کو پاگل پن اور غیر انسانیت سے تعبیر کرتے رہے نیز اس کو آزادی اور ترقی کے راستے کی سب سے خطرناک رکاوٹ سمجھ کر اس کے خلاف ایک نئی تحریک چلاتے رہے۔

بیسویں صدی کی تیسری دھائی میں سرمایہ داری و جاگیرداری کے خلاف اردو ادب میں بہت کچھ لکھا گیا، لیکن اس سے کچھ پہلے سے ہی کچھ لوگ 'شکستِ زنداں' کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان میں جوشؔ، فراقؔ، ساغرؔ، جمیلؔ مظہری، روشؔ، احسانؔ دانش، آنند نرائن ملاؔ وغیرہ خاص طور سے اردو ادب کے میدان میں ہمارے سامنے جنگِ آزادی کی پوری تصویر لے کر آئے اور اس میں رنگ بھرا مجروحؔ سلطانپوری، علی سردار جعفری، ساحرؔ لدھیانوی، کیفیؔ اعظمی، اختر الایمان، نیازؔ حیدر، سلامؔ مچھلی شہری، جگن ناتھ آزادؔ وغیرہ نے۔

آج اردو شاعری میں ایک دوسری جنگ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں جو کہ انسانی زندگی کو پُرامن ارتقا کی منزلوں کی جانب لے جا رہی ہیں اور اس کارواں میں کچھ نئے نام سنائی پڑ رہے ہیں جیسے نشاطؔ ہندی، ندا فاضلی، حسن کمال، بشیر بدر، بشیر فاروقی وغیرہ۔

اپنی دھرتی اللہ رکھے، ایشور رکھے، نام ہے ہندوستان

۱

آزادی پر داغ نہ آئے
دھرتی کا گیت سنائے
ماں کی خاطر ہم نے دیکھو
اپنے کتنے لال گنوائے
اپنا یہ ایمان
نام ہے ہندوستان

۲

بھاگ گئے انگریز لٹیرے
کرتے تھے جو سو سو پھیرے
لال جواہر کی بیٹیا نے
ڈال دئے ہیں اپنے ڈیرے
یہ ناری کی شان
نام ہے ہندوستان

۳

نر ناری اب پریم نبھائیں
مل جل کر سنسار بسائیں
اس دھرتی کی گود نہ اُجڑے
دل سے دل کے ساز ملائیں
یہ مرلی کی تان
نام ہے ہندوستان

۴

کبھی نہ آئے رینا کالی
ہر رینا ہو ایک دوالی
سجا رہے دھرتی کا آنچل
بنی رہے دلہن متوالی
اپنی تو یہ آن
نام ہے ہندوستان

۵

نانک، چشتی اس دھرتی پر
غالب، تلسی اس دھرتی پر
گنگا، جمنا، تاج، اجنتا
ساری مستی اس دھرتی پر
پریمی ہر انسان
نام ہے ہندوستان

۶

ہر دل میں سچائی جھومے
گیتا اور قرآن کو چومے
پیار مذہب پیار ہی بھاشا
اک اک دل میں چاہت گھومے
سب کا یہ ارمان
نام ہے ہندوستان

۷

جنگباز سے ڈرتے کب ہیں
آجائے تو ہٹتے کب ہیں
ہم ہندی ہیں خون بھی ہندی
طوفانوں سے دبتے کب ہیں
ہر بچہ بلوان
نام ہے ہندوستان

۸

اس دھرتی کا رنگ نرالا
پھول پھول ہے مدھ کا پیالہ
رہیں ہمیشہ بجے بجے کاریں
ہے مہرباں اوپر والا
ہر مشکل آسان
نام ہے ہندوستان

۹

یاروں میں موجود ہے یاری
ہم تو سب ہیں امن پجاری
دیش میں اپنے کیا کیا جلوے
ہر صورت ہے پیاری پیاری
حسرت کی یہ جان
نام ہے ہندوستان

حسرت جے پوری

یومِ آزادی ہی نہیں یومِ احتساب بھی!

راشد اختر

جس وقت یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا اُس وقت ملک میں یومِ آزادی کی خوشیاں منائی جا رہی ہوں گی۔ سارا ہندوستان ہنس رہا ہوگا' لوگ خوشی خوشی ایک دوسرے کو یومِ آزادی کی مبارکباد دے رہے ہوں گے۔ اسکولوں میں بچے رنگ برنگے کپڑے پہنے چہک رہے ہوں گے اور آزادی کے ترانے گا رہے ہوں گے۔ کالجوں میں یومِ آزادی پر بحث و مباحثے جاری ہوں گے۔ شہر کے سماجی اداروں کی جانب سے مختلف پروگرام منعقد کئے جا رہے ہوں گے۔ رات کے وقت سرکاری عمارتوں اور دوسرے بڑے بڑے اداروں میں چراغاں ہونے والا ہوگا۔ اسکاؤٹ اور این۔سی۔سی کے کیڈٹ سڑکوں پر مارچ کرتے پھر رہے ہوں گے۔ جگہ جگہ خوشی میں مٹھائیاں تقسیم کی جا رہی ہوں گی۔ ہندوستان کو دنیا کے تمام سربراہوں کی طرف سے یومِ آزادی کی مبارکباد کے پیغامات موصول ہو رہے ہونگے جس میں ہندوستان اور ہندوستانی عوام کی ترقی اور خوشحالی کے لئے نیک تمنائیں ہوں گی۔ راج بھون میں لوگوں کو سرکاری اعزازات سے نوازا جا رہا ہوگا۔ ہندوستانی عوام کے لئے ہندوستانی لیڈروں کی طرف سے یومِ آزادی کے موقع پر پیغامات نشر ہو رہے ہوں گے۔ اپنے ان پیغاموں میں ہمارے کچھ لیڈران ہمیں یہ مخلصانہ مشورہ دے رہے ہونگے کہ محنت سے کام کرو۔ صرف ضرورت کی چیزیں خرید ملکی وقار خطرے میں ہے۔ ہر وقت اور ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہو۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا "یومِ آزادی" ہر سال صرف خوشیاں منانے کے لئے آتا ہے! کیا پندرہ اگست کا دن اسی لئے مخصوص ہے کہ ہم توپوں کی سلامی لیں اور قوم کے نام پیغامات نشر کریں۔ ہم یہ سب کچھ ضرور کریں' خوشیاں ضرور منائیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ضروری ہے کہ اپنی ماضی کی طرف بھی دیکھیں۔ آج کے دن ہمیں خوشیاں منانے کے علاوہ اپنے ستائیس برسوں کے اعمال کا احتساب بھی کرنا چاہیئے کہ ہم نے آزادی کے ستائیس سالوں بعد کس میدان میں کتنی ترقی کی ہے ہم نے زراعتی میدان میں کیا کارنامہ انجام دیا ہے صنعتی ترقی میں ہمارے قدم کہاں تک بڑھے ہیں۔ ہم ملک سے فرقہ واریت جیسے مہلک مرض کو ختم کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ آیا ہم ترقی کر رہے ہیں یا تنزلی کی طرف جا رہے ہیں۔ اگر ہم ترقی پر ہیں تو ۲۷ برس میں جو کہ کسی بھی قوم کی ترقی کے لئے کافی عرصہ ہے' ہم نے کہاں تک ترقی کی ہے اور اگر تنزلی ہے تو اسکی وجہ کیا ہے؟ ہم اپنے ملک سے چھوت چھات' امیری غریبی' اونچی ذات اور نیچی ذات کے درمیان فرق کو مٹانے میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں؟ ہمارا اخلاقی معیار پہلے کے مقابلے میں کہاں تک بلند ہوا ہے؟ ہمارے کسان ساہوکاروں کے ظلم سے کہاں تک چھٹکارا پا سکے ہیں؟ ہمارے سرمایہ داروں نے مزدوروں پر ظلم کرنا کتنا کم کیا ہے؟ ہم نے کنبہ پروری' چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی جیسی لعنت میں کہاں تک کمی کی ہے۔ ہمارے بعد جن ملکوں نے آزادی حاصل کی اُن کی ترقی کی رفتار کیا ہے۔ کیا وہ ہم سے زیادہ ترقی کر چکے ہیں اور اگر ایسا ہے تو کیوں؟ ان تمام چیزوں کا تجزیہ ہمیں ضرور کرنا چاہیئے کیونکہ آزادی ہمیں کسی نے تحفے میں نہیں دی ہے۔ اسے ہم نے آسانی سے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ اس آزادی کی ہم نے بڑی بھاری قیمت چکائی ہے اس آزادی کے پیچھے ہماری لاکھوں مائیں اور بہنیں اپنی عزت جیسے قیمتی موتی کھو بیٹھی ہیں۔ ماؤں نے اپنے لختِ جگر کو اپنی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھا ہے۔ بہنوں نے اپنے سامنے بھائیوں کو گولی کا نشانہ بنتے دیکھا ہے۔ اس آزادی نے نہ معلوم بھارت کے کتنے جیالے سپوتوں کو پھانسی پر چڑھا دیا ہے۔ اس آزادی کے لئے ہم نے وہ تمام ظلم سہے جن کا تصور کیا جا سکتا ہے اور یہ ظلم ہم نے کوئی ایک دو برس نہیں پورے سو سال سہے ہیں۔ آزادی کی سب سے بڑی قیمت جو ہم نے ادا کی وہ یہ کہ ہمیں اپنے ملک کو دو حصّوں میں تقسیم کر دینا پڑا' ایک جسم کے دو ٹکڑے کر دینے پڑے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرنے سے پہلے ہی لاکھوں خاندان ایکدوسرے کے لئے اجنبی ہوگئے، باپ بیٹی سے چھوٹ گیا، بھائی بہن کے لئے مر گیا۔

لیکن کیا ہم اپنے بزرگوں کی ان بے مثال قربانیوں کو صحیح طور پر استعمال کر رہے ہیں؟ کیا جس مقصد کے لئے ہمارے بزرگوں نے پشت در پشت مصیبتیں جھیلیں ہم اس مقصد کی طرف ایمانداری سے بڑھ رہے ہیں؟ کیا ہم اقربا پروری ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کے مکمل خاتمے کے لیے کوئی مثبت قدم اٹھا رہے ہیں؟ کیا ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہم نے آزادی کیوں حاصل کی؟ اس آزادی کا مقصد کیا تھا؟ ہمارے بزرگ آزادی کے بعد کیسے معاشرے کو پیدا کرنا چاہتے تھے؟

یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب چھپن کروڑ ہندوستانیوں کو خود اپنے آپ سے طلب کرنا ہے۔

میرے ذہن پر ایک بوڑھے آدمی کا، جسنے انگریزوں کا دور دیکھا تھا، یہ جملہ ہمیشہ ٹھوکر لگاتا رہتا ہے کہ اس سے اچھی حکومت تو انگریزوں کی تھی جس میں کھانے کو روٹی، پہننے کو کپڑا اور رہنے کو مکان تو مل جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس بوڑھے نے غریبی سے تنگ آکر یہ بات کہہ دی ہو لیکن ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اس بوڑھے کے دماغ میں یہ بات سمائی کیوں کہ آزادی سے بہتر غلامی تھی۔ اور پھر یہ بات صرف ایک ہی ذہن میں نہیں، نہ جانے ملک بھر میں کتنے ہی ذہن ایسے ہوں گے جو اس قسم کی باتیں سوچتے ہوں گے۔ کیا ہم ایسی فضا قائم نہیں کر سکتے، کیا ہم ایک ایسے معاشرے کی تشکیل نہیں کر سکتے جس سے لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات جگہ نہ پائیں؟

> عدم تشدد نظم و ضبط کی روح ہے اور اس سے کوئی مجنونانہ حرکت سرزد نہیں ہو سکتی ..... مہاتما گاندھی

گر یہی جوشِ بہاراں ہے تو بس اب کے برس
لے کے اُڑ جاؤں گا میں اپنا قفس اب کے برس

مست و سرشار ہے ہر ایک نفس اب کے برس
کوئی سُنتا ہی نہیں بانگِ جرس اب کے برس

اُن کا چلتا نہیں تقدیر پہ بس اب کے برس
ہیں پشیمان بہت اہلِ ہوس اب کے برس

جس سے وابستہ تھیں امیدیں غمِ فرقت کی
بعد مدّت کے وہ آیا ہے برس اب کے برس

غرق ہو جائیں یہ سب دَیر و کلیسا و حَرَم
اے گھٹا جھوم کے اتنی تو برس اب کے برس

بڑھ کے میخانۂ امروز پہ قبضہ کر لے
ایک اِک بوند کو ہرگز نہ ترس اب کے برس

جشنِ آزادی منانے کا ہمیں بھی حق ہے
ہم بھی کانٹوں سے سجا لیں گے قفس اب کے برس

جھوم کر اُٹھیں گے جب رِند ترے اے ساقی
میکدوں پر بھی چڑھا دیں گے کلس اب کے برس

عین ہنگامِ جنوں کھُل گیا رازِ اُلفت
آخر آہی گیا قسمت کو ترس اب کے برس

خوش نوایانِ چمن جھوم اُٹھے ہیں ساحر
کس قدر ہے ترے نغمات میں رس اب کے برس

ساحر بھوپالی

مہاتما

خاص پیغمبرِ امن و رحمت
عاجزی سے دلوں پر حکومت
جانِ بے تاب، نایاب دولت
خدمتِ خلق، سچی عبادت
صبر و ایثار کی سختیوں سے
مٹ گیا جذبۂ خوف و نفرت
ظلم کی خوں فشاں آندھیوں میں
موجزن رُخ پہ نورِ محبت
سارے دُکھ درد انسانیت کے
قلب دریا صفت کی امانت
اجرِ پُرسوز عزم و عمل کا
راہِ حق میں پیامِ شہادت

آج دُنیا کو سب سے زیادہ
تیرے پیغام کی ہے ضرورت

پیغام

چاہتا تھا کسی آنکھ میں بھی
غم کا آنسو جھلکنے نہ پائے
مفلسی نے اُجاڑے ہیں جو گھر
اُن میں آسودگی مُسکرائے
شمعِ صدق و صفا، زندگی کو
مہر و اُلفت کا رستا دکھائے
دین و ایمان کی روشنی سے
ہر مصیبت کدہ جگمگائے
آدمی، جان لینا بھلا کر
جان دینے کا گُر سیکھ جائے

اہنسا

یہ تب و تابِ موجِ اہنسا
اس میں شامل ہے خونِ مسیحا
دشت و در میں رواں ہے دواں ہے
حاصلِ فکرِ ہندوستان ہے
ہر زمانے میں زندہ رہے گا
اب یہ دریا ہمیشہ بہے گا

عصمت چغتائی

نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

نیند رات بھر بھلا کیونکر آسکتی ہے! بمبئی سوتے جاگتے ابوالحسن کی طرح ایک کروٹ سوتا ہے ایک کروٹ جاگتا ہے۔ نیند پر بھی ایسا لگتا ہے بمبئی میں راشن ہے۔ کچھ لوگ رات کو سوتے ہیں اور دن کو ڈیوٹی پر جاتے ہیں۔ کچھ دن بھر سوتے ہیں اور رات کا دھندا سنبھالتے ہیں۔ اس طرح یہاں بڑی آسانی سے ایک پلنگ پر دو کرائے دار سو لیتے ہیں۔ میں نے بھی بمبئی میں اتنے سال کے بعد سونے اور جاگنے کے تمام گر سیکھ لئے ہیں۔

میں جس جگہ رہتی ہوں وہ باہر سے دیکھنے میں خاصا پوش (Posh) مقام ہے۔ آس پاس سب ہی جغادری سیٹھ بسے ہوئے ہیں، یا بسے ہوئے تھے اور اب اپنے فلیٹ چھوٹے سیٹھیوں کے ہاتھ وزن دار پگڑی پر اُٹھا کر اور بھی زیادہ پوش فلیٹوں میں جا بسے ہیں کتنے ہی چھوٹے سیٹھ اس بائیس سال کے عرصہ میں بڑے ہو کر مالابار ہل اور نیپئن سی روڈ پہنچ گئے ہیں۔

فلیٹوں کے درمیان جو پیسج ہیں وہ ایک طرح سے عمارت کی بنیادیں ہیں۔ یہاں سیٹھوں کی بالکل اُلٹ مخلوق بستی ہے۔ دن بھر یہ صاف ستھرے بڑے اجنبی سے رہتے ہیں۔ مگر رات پڑتے ہی ان میں بیل بوٹے کھلنے لگتے ہیں۔ یہاں سے لے کے وہاں تک ٹاٹ بورے کے بستر بچھ جاتے ہیں۔ ڈرائیور، خان ساماں، بیرے، اوپر کے کام کے چھوکرے، ان کے دوست احباب، رشتہ دار، کنبہ دار اور کرایہ دار معہ اپنی ماں بہنوں، بیویوں، بیٹوں، چاچیوں، ماسیوں اور ان کی سہیلیوں کے جمع ہو جاتے ہیں۔ تاش کے پتے نکل پڑتے ہیں، کچھ منچلے دھندلے بلب کی روشنی میں بیتال پچیسی، آلہ اودل وغیرہ نکال لیتے ہیں۔ کوئی شوقین ڈالڈا کے ڈبہ کی تال پر کوئی پھڑکتا ہوا فلمی گیت گنگنانے

لگتا ہے۔

اگر بھولے سے آپ بارہ بجے کے بعد اپنے فلیٹ سے نکل پڑیں یا داخل ہونے پر مجبور ہو جائیں تو آپ کو ایک گنجان بازار میں سے گذرنے کا لطف آجائے گا۔ آپ کا اپنا نوکر تو آپ کے پیروں کی چاپ پہچان کر یا مخبر کی مہربانی سے اُٹھ چھو ہوجائے گا۔ باقی کے لوگ آپ کی اس دخل درمعقولات پر ناک بھوں چڑھا کے آپ کو بمشکل چلا نکلنے کی جگہ دیں گے۔ کبھی غلطی سے انہیں ڈانٹ نہ دیجئے گا۔ یہ لوگ بڑی ناک والے ہیں۔ دُم بھر میں کمر سے چاقو کھینچ لیتے ہیں۔ چپ چاپ سر جھکائے چہرے پر ندامت اور شرمندگی کے آثار لئے اپنی راہ چلتے جائیے۔ سب خیریت رہے گی۔

جوں جوں رات جوان ہوتی جاتی ہے سرور بڑھتا جاتا ہے۔ تاش کے پتوں کے چٹاخے گونجنے لگتے ہیں۔ المونیم کے گلاسوں میں لال پری ناچنے لگتی ہے۔ پاپڑ بیچنے کی پڑیاں کھڑکھڑانے لگتی ہیں۔

ان مخلوط محفلوں میں خواتین برابر کی شریک رہتی ہیں۔ بغل میں بچہ، ہاتھ میں المونیم کا گلاس چٹاچٹ پتہ پہ پتہ مارتی ہیں۔ کبھی یہ محفل جھنگڑخانہ کا رنگ پکڑ لیتی ہے۔ المونیم کے جام تیر و تلوار بن جاتے ہیں۔ ایک آدھ چاقو بھی نکل پڑتا ہے۔ اکثر پولیس آکر دو چار کو گھیر جاتی ہے۔ یہ دو چار گرفتار ہونے والے عموماً بالکل معصوم ثابت ہوجاتے ہیں اور دوسری شب پہلے سے زیادہ زور شور سے داد عیش دیتے ہیں۔

ان راہ داریوں میں رنگ رلیاں منانے والوں کے سرغنہ عموماً سیٹھ لوگ کے ڈرائیور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بمبئی کی بڑی چنی ہوئی مخلوق ہیں۔ بچپن میں نہ جانے کس ریلے میں رل کر بمبئی پہونچے۔ موٹریں دھونے کے کام سے ڈرائیور بننے کا شوق چرایا۔ پرانے ڈرائیوروں کے ہاتھ پیر داب کے موٹر چلانا سیکھ لی۔ گرد و کثافت بس خدمت گذاری۔ پھر موٹروں کے چھوٹے موٹے پرزے 'ہب کیپ' اسکرین وائپر اُڑا کر تین چار سو بھر کے اُلٹا سیدھا لائسنس لے لیا اور کسی کے ہاں بیرا یا خانساماں کے کام پر لگ گئے۔ آہستہ آہستہ ڈرائیوری بھی سنبھال لی یہی وجہ ہے کہ ڈرائیور لوگ بڑے گرگ باراں دیدہ سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے چاروں طرف ڈرائیور بننے کے شوقین منڈلاتے رہتے ہیں۔ لوگ بمبئی فلم اسٹار بننے آتے ہیں تو ڈرائیور یقیناً بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ پیسیج میں رہتے بستے ہیں۔ گنتی کی دو چار گیرج ہیں۔ وہ یار لوگوں نے کبھی کی پگڑی پر دے دیں۔ اب ان میں لانڈری یا کتب خانہ قایم ہے یا ناجائز شراب کا دھندا چلتا ہے۔ بمبئی کے دوسرے بیوپاریوں کی طرح یہ بھی ہفتہ بھرتے ہیں اور چین سے رہتے ہیں۔ کسی بازپرس کی گنجائش نہیں۔ اس لئے سارے نوکر چاکر یہیں رہتے ہیں، رومان لڑاتے ہیں، دُلھنیں بیاہ کر لاتے ہیں اور ملک کی آبادی بڑھاتے ہیں۔

باقاعدہ ایک بستی بسی ہوئی ہے۔ یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ یہ اسی بلڈنگ میں نوکر ہیں یا صرف رہتے ہیں۔ یا کسی پرانے نوکر کے رشتہ دار یا جان پہچان ہیں جنھیں وہ پگڑی پر یہ جگہ سونپ کر خود کہیں اور چلا گیا ہے۔ جب بھی کسی نے کچھ پوچھ گچھ کی تو یہی معلوم ہوا کہ فلاں سیٹھ بہنوئی کے ڈرائیور کے سالے کی موسی کا نواسہ ہے

ڈیڑھ دو بجے کے بعد پیسیج کی یہ بستی اونگھنے لگتی ہے۔ پتے سمٹ جاتے ہیں، گلاس کونوں میں اوندھا دئے جاتے ہیں اور وہیں سب گتھم گتھا ایک دوسرے سے اُلجھے ہوئے کچے تاگے کے ڈھیر کی طرح پھنس کر سو جاتے ہیں۔

ایکدم سناٹا چھا جاتا ہے جیسے کوئی مشین چلتے چلتے زنگھیا کر بند ہو گئی ہو۔ کتنا بوجھل سناٹا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگتے ہیں مگر ان لوگوں کے سوتے ہی قیامت جاگ اُٹھتی ہے اور میری نیند جو لجائی شرمائی نئی دلھن کی طرح میری آنکھوں کی طرف بڑھ رہی تھی ایک دم سہم کر بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔

میری نیند کو بھگانے والی مقدس ہستی کا نام ہے شنکر کی ماں۔ نہایت سوکھی کھپچی سی، گنجی سی لنگڑاتی ہوئی بڑھیا، ایک دم ہڑبڑا کر جاگ اٹھتی ہے۔ وہ آٹھ نو بجے سو جاتی ہے اور دو ڈیڑھ بجے گھڑی کی پابندی سے اس کی نیند کا پہلا دور پورا ہوجاتا ہے۔ وہ اُٹھتے ہی کھانسنا، چھینکنا اور بہ آواز بلند تھوکنا شروع کر دیتی ہے۔ اس وقت سناٹے میں اس کی ہر چھینک توپ کی طرح پھٹتی ہے۔ ساتھ ہی جو گالیاں کوسنے وہ منہ میں دبا کر سوئی تھی، جاگ اٹھتے ہیں اور ہر چھینک اور کھانسی کے جھٹکے کے ساتھ اچھل اچھل کر ٹھپے کھاتے میرے کانوں میں گھسنے لگتے ہیں۔ شروع شروع میں شنکر کی ماں بڑی اوچھی قسم کی زبان میں گالیاں بکتی تھی جو مشکل سے پلے پڑتی تھیں۔ اب اس کی گالیاں نہایت نتھری اور آسان ہندوستانی میں ہوتی ہیں۔

بائیس برس پہلے جب یہ عمارت بن رہی تھی تو گنپت اپنی بیوی، دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے

ساتھ اُس عارضی جھونپڑی میں رہتا تھا جو عموماً ادھوری عمارت کے گرد اُگ آتی ہیں۔ شنکر بڑا بیٹا بارہ تیرہ برس کا تھا، اس سے چھوٹا کالیا کوئی دس گیارہ کا اور چھوٹی لونڈیا رنگو نو برس کی تھی۔ گنپت دن بھر جٹ کے کام کرتا تھا، رات کو ٹھرّہ پی کے شنکر کی ماں کی ٹھکائی کیا کرتا تھا۔ جب بلڈنگ ختم ہوگئی اور کرائے دار اور مالک فلیٹ آکر بسنے لگے تو مزدور دوسری عمارت پر جٹ گئے مگر گنپت کو کام سے نکال دیا گیا۔

مسلسل کئی دن وہ اپنی بیوی اور بچّوں کو بات بے بات پیٹتا رہا۔ پھر ایک دن اُٹھ کے نہ جانے کدھر چلدیا آج تک لاپتہ ہے۔

شنکر کی ماں جو اس وقت گنپت کی بہو کہلاتی تھی اس جھونپڑی کی ٹٹی سے لگی گنپت کی جان کو کوستی رہی اور بچّوں کو پیٹتی رہی۔ ساری جھونپڑیاں اکھڑ گئیں مگر شنکر کی ماں ڈٹی رہی۔ وہ گنپت کا انتظار کرتی رہی جو لوٹ کر پھر نہ آیا۔

اب اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ کوئی مسز گنپت کو بطور خادمہ کے رکھ لے۔ اس لئے وہ پوری بلڈنگ کے فلیٹوں میں برتن کپڑا دھونے پر لگالی گئی۔ رنگو بھی اس کا ساتھ دیتی۔ شنکر کو بوائے کا چھوٹا سا جاب مل گیا اور روٹی کپڑے کا انتظام ہوگیا۔ رہ گیا کالیا سو اُسے ڈرائیوروں نے گود لے لیا۔ وہ ان کے اردگرد منڈلاتا۔ ان کے لئے پان بیڑی اور ٹھرّا لاتا۔ دو چار سال میں وہ یہ مال خود بھی چکھنے لگا اور سولہ سترہ کی عمر میں دارو پیکر چاقو نکال بیٹھا۔ گھبرا کر شنکر کی ماں نے دونوں بیٹوں کا بیاہ کر دیا اور نمبر تین گیرج کے سامنے ٹاٹ تان کے خاندان لبا لیا۔ شنکر چلا گیا، رنگو بیاہ کر پونا چلی گئی اور کالیا نے دارو کے چنگل میں پھنس کر اپنی اور اپنی بیوی اور ننھے بچّوں کی مٹی پلید کرنی شروع کردی۔ روز دارو چڑھا کر سڑک پر چاقو نکال کے گالیاں دیتا۔ پھر جا کے بیوی بچّوں اور ماں کی ٹھکائی کرتا۔ تنگ آکے اسے بمبئی باہر کردیا گیا اور اب شنکر کی ماں اس کے دو بچّوں کے ساتھ پہلے مالے کے زینے کے موڑ پر رہتی ہے۔ کالیا کے جانے کے ساتھ ہی اس کی بہو بھی بھاگ گئی۔

اِن بائیس سالوں میں شنکر کی ماں بڑی تیزی سے بوڑھی ہوئی ہے۔ اس کا نمکین چہرہ من کے زہر سے کجلا گیا ہے۔ بال جھڑ گئے اور ہاتھ پیروں پھنسیوں سے لدے رہتے ہیں۔ دو تین سال سے وہ کوئی کام جم کے نہیں کرپاتی یہی وجہ ہے کہ اس کے منہ میں گالیوں، کوسنوں کے بِس کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی سانس میں کڑوی کڑوی گالیاں پروئی ہوئی ہیں۔

ڈھائی تین بجے تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس سنّاٹے میں اس کی گالیاں فولادی جھنکار کے ساتھ چھنچھنتی رہتی ہیں۔ پھر وہ تھکنے لگتی ہے، ٹوٹنے لگتی ہے۔ حلق میں بلغم ختم ہو جاتا ہے۔ گالیوں کا ذخیرہ چک جاتا ہے۔ چھینک اور کھانسی کے ٹھسکے وقفہ دینے لگتے ہیں تب اس کا موڈ کچھ ٹھیک ہوجاتا ہے اور وہ کوئی پوارا یا لاوُنی چھیڑ دیتی ہے۔ پھٹے بانس جیسی آواز میں ہانپ ہانپ کر وہ تال دیتی جاتی ہے۔ اسکی یہ نغمہ سرائی اس کی گالیوں سے کسی طرح بھی کم تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ تین سوا تین بجے اس کی لے اونگھ جاتی ہے۔

لوگ کہتے ہیں شنکر کی ماں اس وقت لوٹاک مارتی ہے۔ پھر مزے سے سوجاتی ہے۔ تب میری نیند ڈرتی جھجکتی کونوں کھدروں سے جھانکتی ہے۔ پانچ بجنے لگتے ہیں۔ ایکدم بمبئی لمبی سی سائیں سائیں کرتی جماہی لیتا ہے، اور پھر فضا گنگنانے لگتی ہے۔ سمندر کی لہروں کے چھپاکے، دور کوئی کتّا اونگھتی ہوئی آواز میں بڑے تکلف سے بھونکتا ہے۔ چھُن چھُن چھُن ... کہیں اپسرائیں رقص کرنے لگتی ہیں یا شاید پنہارنیں بچھوے اٹیرو بجاتی کڑے کنگن جھنکاتی گھاٹ کی اور پانی بھرنے جارہی ہیں۔ یا شاید بادرچی لوگ دودھ کی بوتلیں لوہے کے تاروں کے جھولے میں جھلاتے جل ترنگ بجاتے بِلک بوتھ کی طرف جا رہے ہیں۔

بالکنی میں رکھے ہوئے گملوں پر گوریوں نے بھیرویں کا الاپ شروع کر دیا ہے۔ میرے دائیں بازو آسمان اُجلا پڑنے لگا ہے۔ ہوا میں اپسراؤں کے آنچل سرسرا رہے ہیں۔ لوکل ٹرین دھیمی لے سے شروع ہو کر چوتالا پکڑ لیتی ہے۔

دور کہیں کسی فلیٹ میں الارم کلاک کھلکھلا اٹھتی ہے۔ پورا بمبئی ہولے ہولے دھیمے دھیمے ایک لوری کے سُروں کی طرح آنکھیں کھول رہا ہے میں ابوالحسن سوتے جاگتے کی طرح اس کی نبضوں پر کان لگائے آنکھیں موند رہی ہوں۔ نیند شرمائی لجائی کسمساتی دبے پاؤں شہنائیوں کے سُروں پر میری آنکھوں میں سما جاتی ہے۔

●●

قطعہ

مسرّتوں کی ہوا جا بجا پکار آئی
چمن میں اب کے نئے رنگ سے بہار آئی
چھڑا ہے نغمۂ آزادئ وطن ہر سو
فدائیانِ وطن عید خوشگوار آئی

صبا نظامی

ہاتھ اپنے ہیں، زمین اپنی ہے، قبضہ اپنا
وادیاں اپنی ہیں، باغ اپنے ہیں، بَن اپنے ہیں
آبشاروں کے مدھر راگ ہیں اپنے ہی لئے
گنگناتے ہوئے یہ گنگ وجمن اپنے ہیں
ڈالی ڈالی پہ ہیں اپنی ہی بہاریں رقصاں
اپنے ہیں غنچہ وگل، سرو سمن اپنے ہیں
اب کسی کی ہمیں تقلید گوارا کیوں ہو؟
ریت اپنی ہے، ڈگر اپنی، چلن اپنے ہیں
کوئی پہرا بھی نہیں نطق وبیاں پر اب تو
قلم اپنے ہیں، زبان اپنی، سخن اپنے ہیں
میکدے اپنے ہیں، جام اپنے، صراحی اپنی
اور سب بادہ گسارانِ وطن اپنے ہیں
ہم کی قوم ہے سرشارِ مئے آزادی

پھول کی چاہ میں، کانٹوں پہ زبانیں رکھدیں
باغ کے عشق میں زنداں سے نہ گھبرائے ہم
اپنی دھرتی سے دیا ہے وہ محبت کا ثبوت
سینہ چاکانِ وفا، دہر میں ہم کہلائے
مسکراتے ہوئے، ہم دار ورسن تک پہنچے
تیر زہراب میں ڈوبے ہوئے ہم نے کھائے
موڑ کر پنجۂ شاہی کو رہے بالآخر
ظلم ہوتے ہی رہے، اور ستم لہرائے
نہ کسی جبر سے خوابوں کا تسلسل ٹوٹا
نہ تشدد نے ارادوں کے قدم پلٹائے
پتھروں پر جو پڑیں آکے، تو پس کر رہ جائیں
آسماں جن کو اٹھالے تو زمیں بن جائے
سختیاں ہم نے وہ جھیلی ہیں پئے آزادی

یہ وطن، جس کو غلامی سے دلائی تھی نجات
آج اسی کیلئے مصروفِ تگ وتاز ہیں ہم
اختلافات کے باوصف، زہے یکجہتی!
ایک ہی ساز سے نکلی ہوئی آواز ہیں ہم
ہر اندھیرے کو اُجالے سے بدل ڈالیں گے
ہم ہیں وہ نور کے خالق، وہ سحر ساز ہیں ہم
وجہِ نازش ہے ہمارے لئے یہ ارضِ وطن
اور اس کیلئے خود باعثِ صد ناز ہیں ہم
یہ نہ سمجھے کوئی، پیچھے ہیں کسی سے ہم لوگ
ارتقا کی ہے خبر، مائلِ پرواز ہیں ہم
کل بھی حریت قومی کا صلہ پائیں گے
آج بھی اس سے اثر گیر وسرافراز ہیں ہم
لے کر آئی تھی جو انعام نئے، آزادی

ورق ورق

ظ۔ انصاری

میرے اور ۱۸ ویں صدی کے درمیان اگر کوئی چیز حائل ہے تو بجلی کا یہ قمقمہ، ۶۰ پاور کا، جو سر کے اوپر گردن لٹکائے ٹمٹما رہا ہے۔
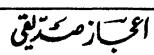
۱۸ صدی اُدھر بھی یہ ہو کا مقام، پرنگ کا یہ سندھ نالہ، بگوان کی دراز قامت سبز پوش پہاڑیاں، سامنے کی برف پوش چوٹیاں — اور ان میں کہیں کہیں ساکت و صامت جگنوؤں جیسی کھڑکیاں، چنار کے گھنے، پُروقار درخت ... اور ... اور ... یہ سارے کا سارا منظر ایسا ہی رہا ہوگا تو وہ جو یہاں اپنی عمریں تمام کر گئے، اُن میں، مجھ میں کیا فرق ہے، کتنا فاصلہ ہے پروردگار؟

بوند پانی

دو ہزار کلو میٹر دور اپنا مانوس بستر چھوڑ کر جو یہاں پاؤں پسارے بیٹھا ہوں، کس لئے؟ آدمی، نہ آدم زاد، نہ سڑک، نہ بستی۔ صبح بلبلیں آئی تھیں، میں نے انھیں اپنے ہاتھ پر ناشتے کے چنے کھلائے، مکئی کے دانے دیئے تو بڑے بلبل نے سینہ تان کر، قدم بڑھا کر ایک دانہ چونچ میں تھاما، ذرا دور جا کر بی بلبل کو صدا دی، دونوں نے چونچ کے زور سے چھلکا توڑا، گودا نکالا، بچوں کو پکارا، انھیں یہ نرم چارہ کھلایا اور میں سوچتا رہ گیا کہ: اِنھی میں کہیں ہم ہیں۔ ہم جو بچے پالتے ہیں، چونچیں ہلاتے ہیں، چونچیں لڑاتے ہیں۔ خیال کا سخت چھلکا اُتارتے ہیں، گودا اگلی نسل کو کھلاتے ہیں — پھر وہ نسل ہمارا بھیجا چاٹتی ہے۔

ایک شکستہ سا پُل ہے جو ۲۰ ویں صدی کے تمام کرتبوں، کرتوتوں اور کارناموں سے پرنگ کو جوڑتا ہے، ورنہ یہ گمنام مقام نجانے کب سے اِسی طرح سائیں سائیں کرتے درختوں کی سمادھی میں چھپا ہوا سندھ کی روانی میں سانس لے رہا ہے، جیئے جا رہا ہے اور میرے خوابوں میں یوں بس گیا ہے کہ میں یہاں پہنچ کر پرانی گرد آلود کتابوں کا بکس کھولتا ہوں، میز سجاتا ہوں تو مفروضہ جنت کی تمنا باقی نہیں رہتی؛

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

ایسا سکون، ایسی راحت، ایسی بے فکری کہ جی ڈرنے لگے۔

کہتے ہیں مہاراجہ ہری سنگھ نے خاص اپنے لئے بنوایا تھا یہ بنگلہ۔ اچھا کیا: ایک رتجگے کا ثواب ان کی روح کو پہنچے: مہاراجائی تمام ہوئی۔ شیخ صاحب یہاں آکر ٹھیرے۔ اُن کی وزارت گئی: بخشی غلام محمد مرحوم کو یہ ٹھکانا جی جان سے پسند تھا، لاؤ لشکر لے کر آیا کرتے تھے، وہ عبادت، جسے خاموش تفکر کہتے ہیں، اُس سے انھیں کچھ علاقہ نہ تھا، آتے تو "بجز نغمہ" لئے ہوئے آتے، گانا بجانا، کھلانا پلانا کر کے چلے جاتے۔ صادق صاحب مرحوم، ڈی۔ پی دھر اور پیر غیاث الدین البتہ کتابوں سمیت یہاں کئی کئی راتیں بتا چکے ہیں۔ انھوں نے فطرت کے آہنگ میں کبھی رخنہ نہیں ڈالا۔ اور اس کا انعام بھی پایا۔ ہوا کی سنگت میں موجوں کا سنگیت، بقول شخصے "دل کے رخسار پہ" اس پیار سے ہاتھ رکھتا ہے، ایسے نرمی سے سہلاتا ہے کہ تن من کی بیقراری کافور ہونے لگتی ہے جسم کی بھوک پیاس کا بوجھ اُتر جاتا ہے، عالمِ ناسوت و عالمِ لاہوت کی درمیانی دیوار برف

کی طرح پگھل جاتی ہے۔ شاخیں جھوم جھوم کر ایک دوسرے کے گلے لگتی ہیں تو میں سوچتا ہوں : انھی میں کہیں ہم بھی ہیں۔ پتے تالیاں بجاتے ہیں، بکری کے بچے اُچھل اُچھل کر، اٹھلا کر ایک دوسرے کی طرف لپکتے ہیں، شوخی کرتے ہیں اور کوئی رواں دواں سی گھٹا مٹر جیسے ننھے اولے ٹپکا کر، پودوں کے چٹکی بھر کے، چھیڑ کر کے گزر جاتی ہے؛ خنک سے جھونکے فرشتوں کی آنکھ بچا کر سرگوشی کرنے لگتے ہیں : ہم تم — ہم تم۔

۱۸۲۴-۲۵ء میں روس کے نوجوان دانش وروں اور اہلِ قلم میں بحث چھڑی ہوئی تھی کہ سوچنے اور لکھنے کے کام کو آج کی حالت میں شہروں سے فرار درکار ہے یا شہری زندگی میں اُتر کر ظلم و جبر سے پیکار۔ اُنھی دنوں شہنشاہ کے دل و دماغ پر مسیحی تصوف کا غلبہ ہوگیا اور وہ اہلِ علم و اہلِ قلم کی سرپرستی پر اُتر آیا۔ کسی کو پنشن، کسی کو اعزاز - خطاب؛ خلعت - کسی کو وزارت اور امارت "ذوقِ آرائشِ سر و دستار" میں بہتیرے بہہ گئے؛ "پیر و مرشد" کی نوازشوں کی بارش میں کئی قلم سیل گئے؛ جو لوہے کے تھے، زنگ کھا کر لچکنے لگے۔ اِس پر، سال بھر کے ادب کا جائزہ لیتے ہوئے، ایک انقلابی تنقید نگار نے لکھا:

خدا کا شکر، ہم لوگ خیریت سے ہیں!

آگے یہ تھا کہ آجکل یا تو ادب سے چنگاری نہیں اُڑ رہی ہے، یا خود ادب ہی نہیں لکھا جا رہا، خیریت ہی خیریت ہے، جائزہ لوں، تو کس بات کا! دوسرے آتشیں شاعر نے ٹوکا :

تو کیا بھوک، برہمی اور بدحالی میں ہی قلم کی دھار تیز رہتی ہے ؟

جواب ملا کہ :

یہ سوال اونچی آواز میں مت کرو، "خونخوار بلا" سن لے گا تو جاگ اُٹھے گا۔

ابھی تو کچھ برہم و بدحال باقی بھی ہیں، پھر سبھی کے ڈنک نکال لئے جائیں گے۔

تو بحث اِس نکتے پر آ کر ٹھیری کہ :

حکومت یا اہلِ اقتدار کی طرف سے اہلِ قلم "باغیوں" کی سرپرستی نہ ہو تو کوئی بڑا نقصان نہیں، البتہ ہو تو وہ اس حد کو نہ پہنچے کہ "مردانِ جفا کوش" بالکل ہی تن آسان ہو کر رہ جائیں اور تن آسانی اُن میں نام و نمود کی خواہش یا کوشش اتنی بھر دے کہ زیادہ سے زیادہ گھنی چھاؤں گھیر لینے کے لئے ایک دوسرے میں رسہ کشی ہونے لگے۔ اور پھر اُنجانے میں سرکاری سنسر یا شاہی خوشنودی پر نظر رکھ کر قلم گھسیٹتے پھریں۔

یہ حد کہاں ختم، اور وہ حد کہاں شروع ہوتی ہے، کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ادب کی تاریخ تو جتاتی ہے کہ دنیا کے بعض شاہکار بدذوق اہلِ اقتدار کی سرپرستی میں مکمل ہوئے ہیں۔ نظامی گنجوی درویش آدمی تھے مگر جب ایک نظم (مثنوی) تمام کرتے اُسے صاحبِ تاج و تخت کے دربار کا راستہ دکھلاتے کہ جاؤ، کچھ وہاں سے لاؤ۔ ان کے سَو برس بعد امیر خسرو جیسا جی نی یس صوفی، پیٹی میں تلوار لٹکائے دن دن بھر دربار میں کھڑا رہتا تھا، اصیل گھوڑے اور زرّیں طشت اِنعام لے کر گھر لوٹتا تھا۔ مُلّا جامی کو امیر علی شیر نوائی مل گیا تو اتنا کچھ لکھ گئے کہ آج تک دریافت ہو رہا ہے۔ ہزار برس پہلے، عجب نہیں، کہ فردوسی کا شاہنامہ نامکمل ہی رہ جاتا اگر محمود بن سبکتگین نے فی شعر ایک اشرفی کا وعدہ نہ کیا ہوتا۔ خیر یہ پرانی باتیں ہیں۔ بالزاک، گوئٹے اور پوشکن کو لے لیجئے۔ پچھلی صدی کے لوگ ہیں۔ دَو دَو روپ میں جیتے تھے کہ برہمی بھی سنبھالے ہوئے ہیں، درہم بھی طلب کرتے جا رہے ہیں۔ غالبؔ تو گردن اُٹھا اُٹھا کر خاص باغ کے آم تکا کرتے تھے کہ کب ٹپکا لگے، کب یہ جھولی بھریں۔ میرؔ کو اپنی بددماغی پر غالباً خود بھی ناز تھا — مگر دیکھو آج راجہ ناگر مل پال رہے ہیں تو کل آصف الدولہ۔ پھر اس کے خلاف سیّد انشا جیسی عبرت ناک مثالیں بھی کچھ کم نہیں کہ دری سے قالین پر قدم رکھا تو پھسل پڑے اور قالین کے ہی رنگوں میں رنگ گئے۔

ہمارے دوست شہاب جعفری کا کہنا ہے :

اِس دھوپ سے کیا گلا ہے مجھ کو
سائے نے جلا دیا ہے مجھ کو

سوچنے کی بات ہے؛ کسی کو دھوپ جلاتی ہے، کسی کو سایہ - آدمی اگر بے مایہ ہو تو پھر سایہ ہی جلاتا ہے۔

●●

بقیہ وزیرِ اعلیٰ کا پیغام

گھاسلیٹ کے مزید ۵,۰۰۰ لیٹر کوٹہ کی اجرائی اس کا ٹھوس ثبوت ہے۔

ہماری راہ میں مشکلات ہیں، رکاوٹیں ہیں۔ ان کو سمجھ کر ہی ہمیں صورتِ حال کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم اس پر کیسے قابو پائیں - اگر ہمارا عمل ٹھیک نہ ہو تو مشکلات میں اضافہ ہوگا اور صورت حال ابتر ہوگی۔

درپیش مشکلات پر قابو پانے کے لئے ہم ضروری طاقت اور اہلیت رکھتے ہیں۔ گذشتہ ستائیس سال کے دوران ایسے مسائل کسی نہ کسی شکل میں قوم کے سامنے آئے۔ ہم نے اپنی طاقت، عزم اور اعتماد کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ یوم آزادی ہم میں اعتماد کا وہی جذبہ اور فضا پیدا کرے گا۔ میں ایک مرتبہ اور اس مبارک دن مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

●●

عزمِ نو

کس مبارک گھڑی کی ہے آمد
رہگزاروں پہ پھر اہلِ دل کی

دل میں شہنائیاں بج رہی ہیں
جھومتی محفلیں سج رہی ہیں

تھاپ پڑنے لگی چنگ پر پھر
مئے برسنے لگی بدلیوں سے

آگیا روزِ جشنِ بہاراں
دیکھئے عالمِ بادہ خواراں

ہم بھی ساغر بکف کیوں نہ اٹھیں
آج کے دن کا ہے یہ تقاضہ

سازِ دل پر نہ کیوں گیت گائیں
زیست کی تلخیاں بھول جائیں

بھول جائیں، پہ یہ یاد رکھیں
یوں نہ بہہ جائیں مستی میں، مہنگی

ہیں ابھی سر پہ طوفان بھاری
ہم کو پڑ جائے یہ مئے گساری

ناگ لاکھوں نئی بانبیوں سے
خون رگِ دِل کا جن کو دیا ہے

دوستو! پھر اُبلنے لگے ہیں
زہر وہ پھر اُگلنے لگے ہیں

ان سے کہہ دو کہ اب کوئی ان سے
ناؤ اِن کی لگے جس پہ آکر

سارے گلشن میں غافل نہیں ہے
اب کہیں ایسا ساحل نہیں ہے

لاکھ پردوں میں چہرے چھپے ہوں
زہر کس گل میں ہے، کس میں امرت

پھر بھی نظروں میں ہیں دوست دشمن
سب سمجھتے ہیں اب اہلِ گلشن

ڈال دیں یہ نہ یارو! سنبھلنا
نام اپنا مٹے غم نہیں ہے

پھر سے گردن میں طوقِ غلامی
ہو امر دیش کی نیک نامی

شر پسندوں کو اس سرزمیں پر
ہو ضرورت تو خود جل مریں گے

جال ہم پھر بچھانے نہ دیں گے
آگ گھر میں لگانے نہ دیں گے

خوں بہا دیں گے سب اہلِ گلشن
لاج رکھنے کو اپنے چمن کی
جان دے کر حفاظت کریں گے
اپنے پیارے مقدس وطن کی

کنول پرشاد کنول

• شیوراج سنگھ روحی

دیدار

گردشِ ایام سے متاثر ہوکر
مکدر فضا سے متاثر ہوکر
ایک باشعور انسان نے
رات ایک خواب دیکھا
ہندوستان کی تصویر تھی
عظمت کی تصویر تھی
شوکت کی تصویر تھی
عظیم ہمالہ، سات پوڑہ
اراولی، سہیادری
مقدس گنگ و جمن
کرشن، گودا، تاپتی، نرملا
پوتر کاشی، پراگ، مدری
مقدس گلبرگ، مزارِ چشتی
گوتم، اشوک، اکبر، موہن
نہرو، ابو[1]، گوپال، ذاکر[2]
لالہ[3]، تلک، ولبھ، سُبھاش
ولی، حالی، غالب، اقبال
امرتا[4]، رگھو، رام[5]، ربیندر
پریم[6]، حبہ[7]، کروپ[8]، بھارتی[9]
سیرِ گلفروشاں
بختیار کاکی کا مزار
جوگ مایا کا مندر
پربت نے آواز دی
ندیوں نے آواز دی
شاعر نے آواز دی
جنتا نے آواز دی
"جتنے میرے روپ
اُتنے میرے سپوت"

---

[1] ابوالکلام آزاد [2] ڈاکٹر ذاکر حسین [3] لالہ لاجپت رائے
[4] امرت پریتم گل [5] رام گنیش گڈکری، مراٹھی کے مشہور ادیب
[6] منشی پریم چند [7] حبہ خاتون، کشمیری شاعرہ [8] شنکر کروپ،
کیرالا کے مشہور شاعر [9] تلگو کے مشہور شاعر

خواجہ عبدالغفور

ہنسنے ہنسانے کی باتیں تو ہر دم ہر جگہ ہوتی ہی رہتی ہیں - کچھ باتیں ہم لوگ نظرانداز کر جاتے ہیں، کچھ کو ہم اپنے معیار سے ہنسی کے قابل نہ سمجھ کر ٹال جاتے ہیں. کبھی وہ ہماری سمجھ سے باہر ہوتی ہیں اسلئے کہ ان کے پس منظر سے ہم ناواقف رہتے ہیں مگر یہ بالکلیہ ہمارے موڈ اور ہمارے مزاج پر منحصر ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی بات میں ہنسی کا پہلو ڈھونڈھ نکالیں - بیشک کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کسی کے لئے تکلیف دہ یا ندامت کا باعث ہوتی ہیں تو اوروں کے لئے خندہ آور - کبھی کوئی سفید پوش اکڑا ہوا سا آدمی راستہ چلتے سڑک پر پھسل کر گرتا ہے تو دیکھنے والے ضرور ہنسیں گے لیکن اگر گرنے والا سنجیدہ قسم کا عمر رسیدہ، سیدھا سادہ آدمی ہو تو لوگ اسکو اٹھانے کے لئے دوڑیں گے، اس سے ہمدردی کریں گے اور اس پر بالکل نہیں ہنسیں گے۔

ایک ہنسی تو ہم خود اپنے نفس کے لئے یا اپنی انا کو بڑھاوا دینے کے لئے ہنستے ہیں. یہ دوسروں کی ہنسی اڑانے کے لئے ہوتی ہے تاکہ ہم اپنی کھوئی ہوئی خود اعتمادی کو حاصل کر سکیں اور دوسرے کی گری ہوئی حالت سے اپنے آپ کو اوپر اٹھا سکیں۔

بے موقعہ ہنسنا اور بے سمجھے ہنسنا بھی خود اعتمادی کے فقدان کی علامات ہیں کہ جب آدمی اپنی سمجھ بوجھ کی کمی کو چھپا کر دوسروں کے سامنے یہ اعلان کرنا چاہتا ہے کہ وہ تو سب کچھ جانتا بوجھتا ہے - ایسے میں وہ منہ پھاڑ کر ہنستا ہے اور قہقہوں سے فضا کو مکدر کرتا ہے - یہ سراسر بدتہذیبی کی علامت ہے۔

دوسری ہنسی وہ ہے جو طنزیہ یا استہزائیہ ہوتی ہے اور جو زہرخند بھی کہلاتی ہے - یہ کسی کو زہر دینے سے کم نہیں ہوتی اس لئے کہ زہر کھا لینے پر تو آدمی ایک ہی بار ختم ہو جاتا ہے لیکن اس قسم کی ہنسی سے وہ خود تو نہیں مرتا لیکن اس کی خود اعتمادی، اس کی انفرادیت، اس کی ذات اور حس، سب ہی مر جاتے ہیں۔

ایک اور ہنسی جگ ہنسائی ہوتی ہے کہ جس میں سب ہی ایک شخص پر ہنسی کا وار اس طرح کرتے ہیں کہ وہ اپنا منہ چھپا کر راہ فرار اختیار کرتا ہے - یہ چونکہ ایک پورے سماج کا وار ہوتا ہے، لہٰذا اس کا شکار بے موت مر جاتا ہے اور پھر اس کی اچھی صلاحیتیں بھی یکلخت فنا ہو جاتی ہیں - جگ ہنسائی کے نام سے لوگوں کو اسی طرح ڈرایا جا سکتا ہے جیسے کم عمر لڑکوں کو شیطان یا بھوت پریت سے ڈرایا جاتا ہے۔ جگ ہنسائی جگ اور جیون دونوں میں مصیبتوں کا طوفان کھڑا کرتی ہے۔

شاعر شکایت کرتا ہے ؎

ہنسے تو مجھ پہ ہنسے اور وہ بھی برسر عام
سنا ہے آپ تو ڈرتے ہیں جگ ہنسائی سے

ہنسی کا نہ آنا بھی زندگی کا ایک ایسا موڑ

کو بھی شریکِ گریہ کر لینا بہت آسان ہے لیکن محفل کو ماتم کدہ بنا دینے کے بجائے خوش مذاق سے خوشی کا سماں پیدا کرنا بڑا ہی شاندار کارنامہ ہے۔

کہاوت ہے کہ ہنسئے تو سارا جگ آپ کے ساتھ ہنستا ہے اور جو روئیے تو آپ تن تنہا روتے ہیں۔ خوشی بکھیرنا ایک ثواب جاریہ ہے اور اس کے لئے ہمیشہ داد و دہش، خیر خیرات ہی ضروری نہیں بلکہ اپنی فطری خوش مزاجی کو کچھ متعدی سا بنا کر دوسروں کو شریکِ حال کر لینا بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری کا سہرا اپنے سر لینا ہے۔ اس کے لئے اپنی خود کی چھٹی حس یعنی مزاح کی حس کو تازہ رکھنا پڑتا ہے کہ

خزاں کے دور میں جو مسکرا نہیں سکتے
وہ لطفِ فصلِ بہاراں اٹھا نہیں سکتے

ہے کہ جہاں آدمی تھک تھکا کر بیٹھ جاتا ہے۔ حضرتِ غالب فرماتے ہیں ؎

پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

ہنسی کبھی ایک بہترین ہتھیار ہوتی ہے تو کبھی مدافعت اور بچاؤ کے لئے ڈھال کا بھی کام کرتی ہے۔ کسی ناگوار بات کو ہنس کر ٹال دینا بہت ساری زحمتوں اور بہت ساری مصیبتوں سے بچنے کا آسان طریقہ ہوتا ہے۔

اگر یہ کارگر نہ ہو تو کھسیانی ہنسی بن کر رہ جاتی ہے جو صورتِ حال سے بچاتی تو نہیں بلکہ اُلٹا مجبورِ محض انسان کی مجبوری کا ماتم بپا کر دیتی ہے۔

اس دور میں ضرورت تو اس بات کی ہے کہ ہر شخص اس شعر پر عمل پیرا ہو ؎

ہر مصیبت کا دیا ایک تبسم سے جواب
اس طرح گردشِ دوراں کو رُلایا میں نے

مصیبت میں رو لینا، آنسو بہا لینا، دوسروں

باپو نے ایک بار لکھا تھا: "اگر مجھ میں ہنسی مذاق کا مادّہ نہ ہوتا تو زندگی میں جس قدر تلخیوں کا سامنا مجھے کرنا پڑا ہے، وہ میری جان لینے کے لئے کافی تھے۔ لیکن مجھے خدا پر پختہ بھروسہ ہے اور جب تک وہ میری رہنمائی کر رہا ہے مجھے اس امر کی کوئی پروا نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ میں اُسے طبیعت پر بوجھ نہیں بننے دیتا اور جو لوگ میری ہنسی اڑاتے ہیں، میں خود اُن کے ساتھ مل کر ہنس سکتا ہوں۔ یہ رویہ مجھے زندہ رہنے کے قابل بناتا ہے۔"

باپو کے ایک امریکی دوست ڈاکٹر جان ہینس نے کہا تھا: "اُن کی ہنسی بالکل قدرتی تھی اور دوسرے لوگ فوراً ان سے متاثر ہوتے تھے۔ اُن کی آنکھیں خوشی سے اس طرح چمکتی تھیں کہ دوسرے لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔"

●●

قومی یکجہتی

شاطر حکیمی کامٹی

فضا ایک نظم کہن ایک ہے
روایاتِ دشت و چمن ایک ہے
نوائے سروشِ سخن ایک ہے
گل و خار کا بانکپن ایک ہے
مہک ایک سی ہے چبھن ایک ہے
طلب ایک سب کا وطن ایک ہے

کمربستہ ہیں کارواں مختلف
جماعت کے نام و نشاں مختلف
زباں مختلف ہے بیاں مختلف
خیالاتِ پیر و جواں مختلف
دلوں کی مگر انجمن ایک ہے
طلب ایک سب کی وطن ایک ہے

وہ ہو شیخ چشتی کا شیدا کوئی
کہ نانک کا ہو نام لیوا کوئی
وہ قرآں کا ہو پڑھنے والا کوئی
کہ جپتا ہو دن رات گیتا کوئی
مگر روح بے پیرہن ایک ہے
طلب ایک سب کا وطن ایک ہے

نہ ایوانِ شاہی نہ وہ تخت و تاج
جدھر دیکھئے بس ہے جنتا کا راج
جدا ساری رسمیں جدا ہر سماج
تمدن کا بدلا ہوا ہے مزاج
ترقی کی لیکن لگن ایک ہے
طلب ایک سب کا وطن ایک ہے

جو صبحِ بنارس ہے زہد آفریں
تو شامِ اودھ ہے جمیل و حسیں
شوالے کہیں ہیں تو مسجد کہیں
مقدس معطر یہاں کی زمیں
ستارے کئی ہیں گگن ایک ہے
طلب ایک سب کا وطن ایک ہے

خطیب و مقرر ہم آواز ہیں
ادیب و مفکر ہم آواز ہیں
حکیم و مدبر ہم آواز ہیں
مقیم و مسافر ہم آواز ہیں
یقین ایک تخمینِ وطن ایک ہے
طلب ایک سب کا وطن ایک ہے

مقاماتِ سیر و سیاحت کئی
ادارے کئی دین و ملت کئی
نظام ایک طرزِ ریاست کئی
بشر ایک ہے شکل و صورت کئی
عمل میں تغیر ہے فن ایک ہے
طلب ایک سب کا وطن ایک ہے

غریبی ہٹے قحط سالی مٹے
عدالت میں انصاف ہوتا رہے
مناسب اگر حقِ محنت ملے
نہ مزدور کوئی بغاوت کرے
رواداریٔ مرد و زن ایک ہے
طلب ایک سب کا وطن ایک ہے

یہ مانا ہے فرقہ پرستی یہاں
یہ مانا کہ ہے فاقہ مستی یہاں
یہ مانا نہیں قدرِ ہستی یہاں
یہ مانا کہ ہے موت سستی یہاں
مگر قومیت کا چلن ایک ہے طلب ایک سب کا وطن ایک ہے

مہاراشٹر میں اُردو

کا تاریخی پس منظر

دولت آباد پر علاءالدین خلجی کا حملہ کیا تھا، ایک ملی جلی گنگا جمنی تہذیب کا ہراول دستہ تھا جو بندیل کھنڈ اور وسط ہند کے گھنے جنگلوں اور بندھیاچل کے دشوار گذار پیچ در پیچ کوہستانی راستوں سے ہوتا ہوا سرزمینِ مہاراشٹر پر وارد ہوا تھا۔ دیوگری (دولت آباد) کے راجہ نے اطاعت قبول کی۔ لیکن کچھ دنوں بعد اسی راجہ کے بیٹے نے باپ کے اقراروں کو پس پشت ڈال دیا اور ایک بڑا لشکر جمع کرکے علاءالدین کا مقابلہ کیا۔ علاءالدین نے اسوقت اپنی شرائطِ صلح سخت کردیں اور تاوانِ جنگ میں بے شمار زروجواہر کے علاوہ ایلچپور (ضلع امراؤتی، مہاراشٹر) کا علاقہ بھی اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس سرزمین پر اپنے تمامتر لشکر کے ساتھ ایک مہینہ قیام کے بعد خاندیس اور مالوہ سے ہوتا ہوا اپنے شہر "کڑہ مانک پور" کو واپس ہوا

اس طرح نئی اُبھرتی ہوئی تہذیب کا پہلا قافلہ دکن میں سب سے پہلے مہاراشٹر میں وارد ہوا اور اس کے ساتھ وہ نئی زبان بھی آئی جو ابھی تشکیل کے مراحل سے گذر رہی تھی۔ سیاسی اعتبار سے نووارد توسیع پسندوں اور مقامی حاکموں کے درمیان تنازع للبقاء کے جو بھی نتائج برآمد ہوئے ہوں، یقینی طور پر اتنا تو ہوا کہ یہاں کی دیہاتی زندگی میں جو سیاسی اُتھل پتھل سے صرف معمولی طور پر متاثر ہوتی تھی اور ہمیشہ پُرامن تھی، اُس میں نیز شہروں کے تجارتی دکاروباری امور میں ایک نئی زبان کا عمل دخل شروع ہوا۔

ویسے تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان کے مالابار اور کارومنڈل کے ساحلی علاقوں سے عربوں کے تجارتی تعلقات بہت پرانے چلے آرہے تھے۔ عرب کے اسلام قبول کرلینے کے بعد بھی یہ تعلقات قائم رہے۔ دکن میں اورخصوصیت کے ساتھ مہاراشٹر کے علاقہ کوکن میں عرب نسل کے مسلمان آج بھی آباد ہیں اور ساحلی علاقوں کی زبانوں میں عربی الفاظ اس شان کے ساتھ ہیں کہ اب وہ بالکل یہیں کے ہوگئے ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو کی بنیاد کھڑی بولی ہے جو دہلی اور اس کے نواح میں بولی جاتی تھی نیز یہ کہ یہ زبان جو ابھی پاؤں پاؤں چل رہی تھی، علاءالدین خلجی اور اس کے بعد ہونے والے حملوں کے بہانے دور دراز کی مسافت طے کرکے دکن پہنچی اور اس خطۂ ہند میں مہاراشٹر کو اپنا سب سے پہلا مسکن بنالیا۔

۲

مہاراشٹر پر اس تہذیبی و لسانی یلغار کا دوسرا سیلاب ۱۳۲۶ء میں آیا جب محمد بن تغلق کے دل میں یہ خیال آیا کہ دارالسلطنت کو

علاءُالدین جینابڑے ایم۔اے، ایل ایل بی

مرکزی مقام کو منتقل کر دیا جائے لہٰذا اس نے دہلی کے باشندوں کو حکم دیا کہ دولت آباد بسائیں اس غرض سے دہلی سے دولت آباد تک عمدہ سڑک اور جابجا سرائیں بنوائی گئیں تاکہ آمدورفت میں آسانی ہو اور عمائدین و امرائے دہلی کے مکانات قیمت دے کر خرید لئے تاکہ انھیں دولت آباد پہنچ کر نئے مکانات بنوانے میں دقت نہ ہو۔ اہالیٔ دہلی ہزاروں کوسوں کی مسافت طے کر کے دولت آباد پہنچے۔ گویا دہلی، جس سے بقول حالیؔ غرناطہ و بغداد کا نام روشن تھا، بحیثیت ایک تہذیبی یونٹ کے، مہاراشٹر کو منتقل ہوگیا اور اس طرح دولت آباد (دیوگری) جو پہلے یادوؤں کی سلطنت کا صدر مقام تھا، ایک نئی تہذیبی زندگی کے ہنگاموں سے گونجنے لگا۔ دہلی کی ساری آبادی، تمام رونقیں، چہل پہل، تفریح کے سامان اور علم و ادب کی مجلسیں، غرضیکہ پوری کی پوری دہلی، دولت آباد منتقل ہوگئی تھی اور اُس کے ساتھ وہ زبان بھی جس میں طوطیٔ ہند حضرت امیر خسروؒ چہچہاتے تھے۔

۳

دولت آباد زیادہ دنوں تک پایہ تخت نہ رہ سکا لیکن دہلی سے آنے والے خاصی تعداد میں ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے۔ ان کی زبان میں جو دہلی کی کھڑی بولی تھی، مقامی زبان کے میل جول سے کچھ تبدیلیاں ہوئیں، الفاظ کے ذخیرہ میں اضافہ ہوا، بیان میں مقامی رنگ آیا اور اردو کی وہ شکل اُبھری جو دکنی کے نام سے مشہور ہوئی۔

۴

سیاسی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ دکن نے تغلق حکومت کا جوا آتار کر پھینک دیا اور ۱۳۴۷ء میں آزاد بہمنی سلطنت قائم ہوئی جو تقریباً دوسو سال تک قائم رہی۔ اس کا بانی حسن گانگو بہمنی ایک غیر متعصب اور رعایا پرور شخص تھا۔ مہاراشٹر کا ایک وسیع علاقہ اس سلطنت کا حصّہ تھا جو ایلچپور سے دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا تک اور بحیرۂ عرب سے ورنگل تک پھیلی ہوئی تھی۔ احمد شاہ بہمنی نے کوکن کے علاقہ کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کرلیا تھا۔ چونکہ بانیٔ سلطنت حَسن سیاسی عروج پانے سے پہلے ایک شریف برہمن کا نوکر رہ چکا تھا اُس نے ازروئے احسان شناسی برہمن آقا کے نام کو اپنا لقب بنالیا اور اسطرح اُسے تاریخ میں امر کردیا۔ نیز یہی وجہ تھی کہ ہندو اور خصوصیت کے ساتھ برہمن اس سلطنت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، جن کی سہولت کیلئے دفتر مالِ ملکی زبان میں کر دیا گیا۔

اُردو کی توسیع و ترقی کے لئے یہ دور فالِ نیک ثابت ہوا۔ بلکہ اس دَور میں حضرت گنج العلم، حضرت سیّد محمد گیسو دراز، سیّد عبداللہ حسینی، شاہ میراں جی اور برہان الدین جانم جیسے روحانی بزرگوں کی سرپرستی اس زبان کو حاصل رہی۔

۵

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد مسلمان حکمرانوں کی پانچ ریاستیں دکن میں اُبھریں۔ وہ تھیں:

(۱) بیدر کی بریدشاہی (۲) برار کی عمادشاہی
(۳) احمد نگر کی نظام شاہی (۴) گولکنڈہ کی قطب شاہی
(۵) بیجاپور کی عادل شاہی۔

برار کی عمادشاہی حکومت موجودہ مہاراشٹر کے ایک علاقے پر قابض تھی لیکن بہت کمزور تھی اور سو سال کے اندر ہی اپنے قوی ہمسایہ کا شکار ہوگئی۔ البتہ اس دور میں یہاں اردو اور فارسی کا چلن رہا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے عام مسلمان، حتیٰ کہ دیہاتی بھی، با محاورہ اردو بولتے ہیں جو دکن کے اور علاقوں کے مقابلے میں فصیح معلوم ہوتی ہے۔

۶

اسی طرح احمد نگر کی نظام شاہی حکومت بھی کلیتہً مہاراشٹر کی مسلم حکومت تھی جسکی بنیاد ایک نومسلم برہمن زادہ احمد نظام شاہ بن نظام الملک بحری نے ڈالی جو محمود شاہ بہمنی کے ایّام حکومت میں یہاں کا حاکم تھا۔ اس نے اپنی سلطنت میں خاندیس کا بہت سا حصّہ شامل کرلیا تھا۔ یہ عادل شاہ، والیٔ بیجاپور سے بھی لڑائیاں لڑتا رہا مگر بالآخر صلح کرنے پر مجبور ہوا۔ اس خاندان کی ایک بہادر خاتون چاند بی بی یا چاند سلطانہ علی عادل شاہ والیٔ بیجاپور سے بیاہی گئی تھی۔ شوہر کی وفات کے بعد وہ اپنے وطن واپس آگئی اور یہاں کے اُلجھے ہوئے معاملات کو اس نے جس فہم و فراست سے سلجھانے کی کوشش کی اور جس بہادری اور حوصلہ مندی سے اُس نے اکبر کے بیٹے مراد کو نامراد کیا وہ تاریخِ ہند کی ایک قابلِ قدر و مشہور داستان ہے۔ ملک احمد شاہ نے جس خاندیس کا بہت سا حصّہ فتح کرلیا وہ بھی مہاراشٹر کی ایک مسلم ریاست تھی جو فیروز تغلق کے آخری زمانے میں مَلک راجہ کی خودمختاری سے وجود میں آئی تھی اور "فاروق شاہی" حکومت کہلاتی تھی۔

شیواجی کے آباؤ اجداد بھی احمد نگر کی نظام شاہی ریاست میں بڑے عہدوں پر مامور

دہلی جس سے بقولِ حالیؔ غرناطہ و بغداد کا نام روشن تھا بحیثیت ایک تہذیبی یونٹ کے مہاراشٹر کو منتقل ہو گیا!

تھے ۔ شیواجی کا دادا مالوجی مدت سے لاولد تھا ۔ آخرش شاہ شریف احمد نگر کے حضور میں ایک بیٹے کے لئے منت مانگی ۔ اس کے بعد مالوجی کے دو بیٹے ہوئے ۔ اس خوش عقیدت نے ان دونوں کے نام اظہار تشکر وعقیدت میں شاہ جی اور شریف جی ' شاہ شریف کے نام پر رکھے شیواجی کے باپ شاہ جی یا " ساہوجی " سلطان نظام شاہ کی خدمت ترک کرکے شاہ جہاں کے دربار میں حاضر ہوکر انعام واکرام سے مالا مال ہوا ' لیکن چند دنوں بعد وہاں سے بھی ترک ملازمت کرکے بیجاپور پہنچا ۔ محمد عادل شاہ نے اُسے پونہ اور سوپا جاگیریں دیکر اپنے دربار میں معزز مرتبہ دیا ۔

۷

ان مسلم سلطنتوں میں اردو برابر پنپتی رہی اور فارسی کی اصطلاحات سرکاری امور کی بجا آوری میں استعمال ہوتی رہیں ۔ خصوصیت کے ساتھ بیجاپور کی عادل شاہی حکومت جس میں موجودہ ریاست مہاراشٹر کا بہت بڑا حصہ شامل تھا ' اردو کی ترویج و ترقی کے لئے ایک فال نیک ثابت ہوئی ۔ عادل شاہی سلطنت میں جو ۱۴۸۹ء سے ۱۶۸۶ء تک قائم رہی ' دکنی اردو کے شاعر کثرت سے پیدا ہوئے ۔ حکمران ان پر دل کھول کر نوازشیں کرتے تھے ۔ خصوصاً علی عادل شاہ ثانی کو زبان اردو سے کافی شغف تھا ۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے فن موسیقی پر ہندی میں ایک کتاب لکھی جس کا نام " کتاب نورس " ہے ۔ مشہور شاعر نصرتی ' علی عادل شاہ ثانی کا درباری شاعر تھا ۔ اس کے علاوہ رستمی ' ملک خوشنود ' امین ' سیوا ' ہاشمی ' عبدالمومن مومن جیسے مشہور شاعر اس دور میں پیدا ہوئے ۔

۸

خاندان بہمنی کے ابتدائی دور سے لے کر دور عادل شاہی کے اختتام تک مہاراشٹر کی سرکاری زبان گو مراٹھی رہی لیکن اس تین سو سال کے عرصے میں فارسی کا رواج انتظامی امور میں اس قدر عام ہوگیا تھا کہ راجواڑے کی تحقیق کے مطابق سرکاری دستاویزات میں مرہٹی کے الفاظ صرف ۴۴ و ۱۴ فیصد مستعمل تھے ۔ تعجب نہیں ہونا چاہئے اگر مرہٹی لغات کے مؤلفین نے اس صورت حال کو لسانی جارحیت سے تعبیر کیا ہے ۔ چنانچہ چھترپتی شیواجی نے بھی اس بات کو محسوس کرتے ہوئے ایک ڈکشنری " راجیہ ویوہار کوش " تیار کروائی جس میں فارسی اصطلاحات کیلئے سنسکرت مترادفات دئے گئے ہیں ۔

رفتہ رفتہ سرکاری دستاویزات میں جو زبان کے اعتبار سے مراٹھی اور کثرت الفاظ کے اعتبار سے فارسی تھے ' فارسی الفاظ کا استعمال گھٹتا گیا اور مرہٹی الفاظ کا استعمال بڑھتا گیا حتیٰ کہ سنہ ۱۶۲۸ء سے سنہ ۱۶۷۷ء تک یعنی تقریباً ۵۰ سال کے عرصے میں مرہٹی الفاظ کا استعمال ۶۲ ۶۲ تک بڑھ گیا تھا ۔

۹

یہاں اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ یہ صورت حال صرف سرکاری دستاویزات کی حد تک محدود تھی ۔ سرکاری کام کاج میں فارسی الفاظ کی کثرت کو ضرورتاً گوارا کرلیا گیا بلکہ مراٹھی میں کئی فارسی الفاظ ایسے گھل مل گئے کہ وہ آج تک موجود ہیں لیکن ادبی و مذہبی کتابوں میں مرہٹی نے اپنی انفرادیت کو قائم رکھا اور فارسی الفاظ کے غلبہ کو روکے رکھا ۔ یہی بات اُردو پر بھی صادق آتی ہے ۔ وہ اُردو جسے آج ہم دکنی اردو کے نام سے یاد کرتے ہیں جب مہاراشٹر میں پروان چڑھ رہی تھی تو وہ فارسی کی ترکیبوں اور عربی کے اُدق الفاظ سے بوجھل نہیں تھی ۔ ہندی الفاظ اور مقامی محاورے عادل شاہی دور کے شعراء کے کلام میں بکثرت ملتے ہیں ۔ اردو سے ان الفاظ کی چھٹنی اُس وقت ہونی شروع ہوئی جب ولی اورنگ آبادی دلّی ہوکر آئے ۔ یہ عمل زیادہ تر دلّی اور لکھنؤ میں ہوا ۔ تاہم مہاراشٹر کا وہ حصہ جسے آج ہم مرہٹواڑہ کہتے ہیں اور خصوصیت کیساتھ اورنگ آباد دہلوی اثرات کو قبول کرتا رہا اور اورنگ زیب کے قیام کے عرصے میں ان اثرات کو مزید تقویت پہنچی ۔ یہی وجہ ہے کہ بالفاظ مصنفین گل رعنا " اب تک اورنگ آباد اور اس کے نواح کے قصبات کی زبان وشائستگی حیدرآباد و نواح حیدرآباد سے اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس میں دہلویت زیادہ محسوس ہوتی ہے ۔ "

۱۰

غرض اردو جب اپنی جنم بھومی سے آگے بڑھی اور ایک نئے علاقے کا رُخ کیا تو مہاراشٹر کی سرزمین نے سب سے پہلے اس کی پذیرائی کی ۔ شمال کے توسیع پسند جارحانہ اقدامات کا مہاراشٹر ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا ۔ لیکن ایک بھولی بھالی پیاری زبان کو نہ روکا ' نہ ٹوکا ' نہ دھتکارا ۔ قومی یکجہتی کا پیغام لے کر یہ زبان بڑھتی گئی ' پھیلتی گئی ' پنپتی گئی ' حسین وادیوں میں ' سنگلاخ پہاڑوں میں اور وسیع میدانوں میں :

اس کی لطافت ' حلاوت اور مٹھاس کو پسند کیا گیا اور اس کی شان وشوکت اور عظمت کو سراہا گیا ۔ اس نے مقامی رنگوں کو بھی ایک حد تک قبول کرلیا اور مقامی زبانوں کو بھی بہت کچھ دیا ۔ یہ ایک کُل ہند زبان ہے ۔ اسکی حکمرانی کسی ایک علاقے کی سرحدوں تک محدود نہیں ہے یہ ہندوستان بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور پورے ہندوستان کی اعلیٰ قدروں کو اور نمایاں خصوصیات کو اس نے اپنے اندر جذب کرلیا ہے ' اور مہاراشٹر کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ اس ریاست نے اس زبان کو نہ صرف اس کے ابتدائی دور میں پھلنے پھولنے کا موقع دیا بلکہ آج بھی یہ زبان اس ریاست میں برابر ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے ۔

میرا وطن

نظر برنی

کوئی دیکھے مرے گلستاں کی پھبن ہر روش پر لہکتا ہوا بانکپن
ڈالی ڈالی ہے اپنی ادا میں دلہن لہلہائے بہاروں سے سرو سمن
سارا گلشن ستاروں بھری انجمن
یہ ہے میرا وطن، یہ ہے میرا وطن

کوہ و صحرا میں بجتی ہیں شہنائیاں دور تک ہیں ہمالہ کی پرچھائیاں
انجمن خود ایلورا کی تنہائیاں نیلے ساگر میں بہتی ہیں رعنائیاں
پھوٹ نکلا اجنتا سے اک بانکپن
یہ ہے میرا وطن، یہ ہے میرا وطن

ہے مسرت کا ہر موڑ پر اک نشاں کونپلیں ہیں مگن، ڈالیاں نغمہ خواں
میرے کھیتوں کی بالوں کا رنگیں سماں جیسے بالک کوئی ہو رہا ہے جواں
اک حسیں نرم و نازک ہے سیمیں بدن
یہ ہے میرا وطن، یہ ہے میرا وطن

میرے گلشن میں جنت کی سوغات ہے اس میں کشمیر، بنگال، گجرات ہے
جو نہیں ہے زمانے میں وہ بات ہے ہر گھڑی اس میں خوشیوں کی برسات ہے
اس کی ہر اک ادا نازِ گنگ و جمن
یہ ہے میرا وطن، یہ ہے میرا وطن

صاحبِ ہوش و ادراک بالغ نظر میری دھرتی نے اگلے ہیں لعل و گہر
شانتی اور اہنسا کا دیکھو ثمر کچھ شہیدوں کی قربانیوں کا اثر
یہ ہے گہوارۂ نازشِ علم و فن
یہ ہے میرا وطن، یہ ہے میرا وطن

مہاراشٹر میں جیلخانوں کی اصلاح

ریاض احمد خاں

ایک زمانہ تھا جب "قید" "کال کوٹھری" "بیڑیاں" "چکی" کا نام سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ وہ سزائیں تھیں جو اس زمانے میں عام طور سے مجرموں کو دی جاتی تھیں۔ کسی کو عمر قید کی سزا سُنا کر "کال کوٹھری" میں قید کر دیا جاتا تھا کال کوٹھری جو روشنی کو ترستی ہے۔ حشرات الارض کا مرکز ہے۔ تعفن کی جگہ، بغیر چٹائی و بستر کا ٹھنڈا فرش۔ ایسی جگہ سزا یافتہ قیدی کو اپنی باقیماندہ عمر گذارنا پڑتی۔ ایک ہی برتن میں اَدھ کچرا کھانا اسی میں پانی اور دونوں مقدار میں کم، جس سے شاید زندہ تو رہ سکے مگر ہر وقت بھوک کا شکار بنے رہے کچھ قیدی ایک بڑے ہال میں پاؤں میں بیڑیاں ڈالے قدم قدم چلنے کو ترستے، سزائیں کاٹتے تھے تو کچھ چکی پیسنے کی مصیبت میں مبتلا رہتے تھے۔ چکی کی پسائی ایسی کہ ہاتھوں میں چھالے۔ پیٹھ اور کندھوں میں درد کی ٹیسیں۔ اور جب ذرا ہاتھ سُست ہوا تو سپاہی یا جیلر کا تازیانہ۔ ایسی سخت سزائیں قیدیوں کو زندہ درگور کر دیتی تھیں اور قیدی ایسی حالت میں موت کی دعا مانگتے مگر قید سے نجات کہاں؟ قید کی محنت و مشقت سے چھٹکارا کیسے؟ ان میں سخت ترین سزا تھی 'پھانسی'۔ پھانسی کی ۔ا ن کر مجرم کی دِلی کیفیت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ عام آدمی رسی کے پھندے، سر سے

روڈہ جیل کے چند قیدی جو موسیقی سے دلچسپی رکھتے ہیں' ایک بھجن پیش کرنے کی تیاری کر رہے ہیں!

لندھے تک کالی ٹوپی ' اسلوں نیلے ستون جلاد اور جیلر کا تصور کرتے ہی پسینے میں شرابور ہو سکتا ہے۔ مگر اب یہ ایک گذری ہوئی حقیقت ہے۔

امن و امان قائم رکھنا ہی ہر حکومت کا اولین فرض ہے اور جب تک کسی ملک یا کسی شہر میں تحفظ امن نہ ہوگا سوسائٹی میں بے اطمینانی رہے گی۔ مال کے تحفظ سے زیادہ جان کی خیر منائی جائے گی۔ اسلئے ہر ملک اور ہر شہر میں نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے حکومت فوری اور مؤثر اقدامات لیتی ہے اور اس انتظام کو بخوبی انجام دینے کے لئے پولس کا محکمہ قائم کیا گیا ہے جو ایک طرف تو جرائم کی روک تھام کرتا ہے اور دوسری طرف قانون شکنوں' مجرموں اور قاتلوں کو عدالت میں پیش کرکے اُن کے الزامات ثابت کراکے سزاؤں کا مستحق قرار دیتا ہے۔

آزادی ملنے کے بعد ہی "قید" اور "قیدی" کے بارے میں کئی اچھے اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ سب سے پہلا تو یہ کہ قیدی یا مجرم کو بھی انسانوں کی فہرست میں شمار کیا جانے لگا ہے۔ جیل کی سختیاں کم کر دی گئی ہیں اور سخت سزاؤں میں بھی احتیاط برتی جا رہی ہے۔

ہندوستان کی اور ریاستوں کی طرح مہاراشٹر میں جیلخانوں کے سدھار کی طرف بہت توجہ دی جا رہی ہے۔ قیدیوں کو قید میں رکھ کر ایسے ہُنر سکھلائے جا رہے ہیں کہ وہ اپنی قید کے دن پورے کرکے اچھے شہریوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں۔

جیل خانوں کا نظام مؤثر طریقہ پر انجام دینے کے لئے حکومتِ مہاراشٹر نے پوری ریاست کو دو حصوں (مغربی اور مشرقی) میں منقسم کر دیا ہے۔ ان دونوں حصوں کی ذمّہ داری دو ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پریزن کو سونپ دی گئی ہے۔ اپنے علاقوں کی ایک سنٹرل جیل کے سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ بھی انہیں ڈپٹی انسپکٹرز جنرل آف پریزن کو سونپا گیا ہے۔ مہاراشٹر میں پانچ سنٹرل پریزن (قید خانے) ہیں۔ اسی طرح درجہ اوّل کے ڈسٹرکٹ جیل خانے آٹھ' درجہ دوم کے چھ اور درجہ سوم کے بیس جیل خانے ہیں۔ قریب قریب ۱۸۰ تعلقہ سب جیل خانے ہیں۔ کم عمر مجرموں کیلئے ایک اصلاحی اسکول (Borstal)' جیلروں کی ٹریننگ کے لئے ایک اسکول اور ایک سونترا پور کالونی بھی بنائی گئی ہے۔

قیدیوں کی حالت سدھارنے میں سب سے بڑا ہاتھ جیلر کا ہوتا ہے۔ اس لئے جیلروں کو تربیت دینے کے لئے یروڈا میں ایک اسکول قائم کیا گیا ہے جہاں پر انھیں یہ سکھایا جاتا ہے کہ قیدیوں کے ساتھ کس طرح سلوک کیا جائے تاکہ وہ اپنی آئندہ زندگی جیل خانے کے باہر آرام سے گذار سکیں۔ اسی طرح قید خانے کے پہرہ داروں کو بھی ٹریننگ دی جاتی ہے کہ وہ قید خانوں کی نگہداشت خوش اسلو[illegible]

یروڈہ کا جیل کا وہ شعبہ جہاں قیدیوں کو جوتے اور دیگر چرمی اشیاء بنانے کا کام سکھایا جاتا ہے!

جیل کے احاطے کے اندر قیدی اسپورٹس میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ والی بال کے کھیل کا ایک منظر

سے کس طرح کر سکتے ہیں۔ مہاراشٹر میں کچھ قیدخانے ایسے ہیں جہاں پر صرف طویل مدت کی سزا پانے والے مجرموں کو رکھا جاتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جہاں پر صرف عادی مجرم رکھے جاتے ہیں۔

قیدیوں کی صحت کا بھی خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے۔ بمبئی کے سینٹ جارج اسپتال میں قیدیوں کے لئے ایک خاص اسپتال قائم کیا گیا ہے جہاں ان کا معائنہ ہوتا ہے اور پھر علاج۔ امراؤتی میں "شری جگدمبا کشٹا لواس" میں اُن قیدیوں کا علاج ہوتا ہے جو کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ٹی۔بی۔ کے مریض قیدیوں کا علاج یروڈا سینٹرل جیل، ناسک روڈ سینٹرل جیل، ناگپور سینٹرل جیل اور امراؤتی ڈسٹرکٹ جیل میں ہوتا ہے۔

کم عمر مجرموں کے لئے کولہاپور میں ایک اصلاحی اسکول قائم کیا گیا ہے جہاں پر انھیں تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیتی باڑی کے کام سکھائے جاتے ہیں۔ ان کم عمر مجرموں کو دوسرے امتحانات بھی دینے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اگر ایسے مجرموں کو پڑھنے لکھنے کا شوق ہو تو انھیں چھٹی کلاس سے آگے بھی تعلیم جاری رکھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ہندی، اردو سکھانے اور سماجی تعلیم دینے کے بھی انتظامات کئے گئے ہیں۔ ان پڑھے لکھے کم عمر مجرموں میں سے ہر سال چار اچھے لڑکوں کو منتخب کیا جاتا ہے جنھیں گورنمنٹ پالی ٹیکنیک میں تعلیم دی جاتی ہے۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ ورزش اور جسمانی تربیت پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔

مہاراشٹر میں کھلے جیلخانے (Open Jails) ۱۹۵۵ء میں قائم ہوئے۔ ان قیدخانوں میں وہی قیدی رکھے جاتے ہیں جن کا چال چلن دوران قید قابل اطمینان ہوتا ہے۔ اس قسم کے جیل خانوں میں جو قیدی رکھے جاتے ہیں ان کے ذمہ زیادہ تر کام کاشتکاری کا ہوتا ہے جسے وہ بڑے انہماک سے انجام دیتے ہیں۔ اس قسم کے قیدخانے کا انتظام ایک جیلر اور دو پہرے دار کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ قریب ۱۷ سال کے دوران ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا کہ اس طرح کی جیل سے کوئی قیدی فرار ہوا ہو۔ سانگلی ضلع میں ایک مقام "اٹپاڈی" ہے۔ یہاں پر قیدیوں کی ایک کالونی بنائی گئی ہے۔ اس کالونی میں قابل بھروسہ قیدی رکھے جاتے ہیں۔ کالونی کے اطراف کھلے میدان ہیں۔ کالونی کو تاروں کے احاطے سے بھی نہیں گھیرا گیا ہے۔ قیدخانوں سے لگے ہوئے بڑے کھیت ہیں جہاں قیدی کھیتی باڑی کر کے اپنے لئے اناج اور سبزیاں پیدا کرتے ہیں۔

موجودہ نظام کے تحت قیدخانوں میں کئی قسم کے کام سکھائے جاتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ سے کپڑا بُننا، مشین سے کپڑا بُننا، دری بنانا، سوتی کپڑوں کی رنگائی کرنا، اس کے علاوہ نجاری، لوہاری، ٹیلرنگ، لانڈری وغیرہ کے

یروڈہ جیل میں قیدیوں کو ہینڈلوم کے ذریعہ کپڑا بُننا بھی سکھایا جاتا ہے ؛

کام بھی سکھائے جاتے ہیں۔ بیڑی بنانا، اینٹ بنانا، چٹائی بنانا، جلدسازی کا کام کرنا اور پرنٹنگ پریس کا کام بھی بڑی خوش اسلوبی سے سکھایا جاتا ہے۔ قیدیوں کے ہاتھوں سے بنے ہوئے چمڑے کے جوتے بڑی حد تک اپنی مضبوطی کی وجہ سے پسند کئے جاتے ہیں۔ قیدیوں کے کام سے سنہ ۱۹۶۵ء میں ۴۴۶،۰۹،۳۹ روپیہ حاصل ہوا تھا جبکہ سنہ ۱۹۷۱ء میں ۳۸۶،۴۸،۵۴ روپیہ حاصل ہوا ہے۔ ایک تخمینہ کے مطابق جیل خانوں میں چار ہزار پانچ سو قیدی روزانہ کام کر رہے ہیں۔

قیدخانوں میں اور قیدخانوں کے باہر کام کرنے کے بعد یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ ان کے لئے کچھ تفریح کا بھی انتظام کیا جائے۔ اس سلسلے میں قیدیوں کو ناٹک اور ڈرامے کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ تہذیبی اور اصلاحی فلمیں دکھائی
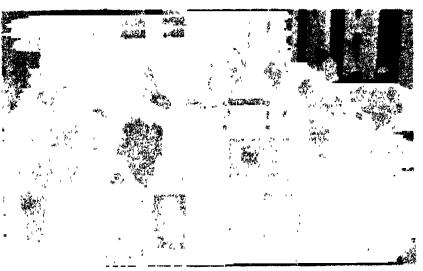
قیدیوں کو نجاری کا کام سکھایا جا رہا ہے!

جاتی ہیں اور کسی کسی جگہ بینڈ باجے بجانا بھی سکھایا جاتا ہے۔ قومی تہواروں پر جیسے یوم جمہوریہ یا یوم آزادی پر گانے بجانے کے پروگرام ہوتے ہیں۔ قیدخانوں میں مختلف کھیل مثلاً کبڈی، والی بال وغیرہ بھی کھیلے جاتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے کچھ اخبارات منظور کئے جاتے ہیں جو کہ قیدیوں کو پڑھنے کے لئے مہیا کئے جاتے ہیں۔

حکومت کا نظریہ یہ رہا ہے کہ قیدی اپنی سزا پوری کرنے کے بعد جب جیل سے رہا ہو کر اپنے گاؤں یا شہر واپس جائے تو اسے کام کرنے کی عادت ہو اور جیل میں سیکھے ہوئے ہنر کی بدولت اپنی روزی آسانی سے کما سکے۔ اور اس طرح سماج میں باعزت زندگی گذارنے کا اہل ہو جائے۔

کھلی جیل کے قیدی
کاشتکاری کے کام میں مصروف ہیں۔

• پروفیسر اننت نامجوشی
وزیر تعلیم و اسپورٹس، ریاست مہاراشٹر

تعلیم فرد کی مختلف جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو ابھارنے اور بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ تعلیم کے اسی اہم پہلو کے مدنظر تمام ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ نے سنہ ۱۹۷۳ء میں نئی دہلی میں منعقدہ کانفرنس میں اس موضوع پر آخری طور سے غور کیا تھا، نیز سینٹرل ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن نے بھی اس موضوع پر بحث کی تھی۔ دونوں ارباب اختیار متفقہ طور سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ پورے ملک کے لئے تعلیم کا ایک مشترکہ ڈھانچہ ہو جو عام فارمولا یعنی ۱۰+۲+۳ کے مطابق ہو۔ اس فیصلہ کے مطابق حکومت مہاراشٹر نے ضروری قدم اٹھائے اور خصوصاً نصاب تعلیم میں تبدیلی کی تاکہ نئے تعلیمی سال یعنی جون سنہ ۱۹۷۵ء سے اس نئے نظام تعلیم کو عمل میں لایا جاسکے۔

مختلف اقدامات

سنہ ۱۹۷۰ء میں تعلیمی پالیسی کے اعلان کے بعد سے گذشتہ چار سال کے دوران مختلف اقدامات کئے گئے ہیں۔
- پانچویں، چھٹی اور ساتویں جماعتوں کے لئے خواہ وہ پرائمری اسکول میں ہوں یا ثانوی اسکول میں، فی کلاس ۱۰۳ مدرس کے تناسب سے سبجیکٹ ٹیچرس مہیا کئے گئے ہیں۔ پانچویں جماعت سے انگریزی کو پھر سے لازمی قرار دیا گیا اور ثانوی اسکولوں میں سوشل سروس، اسکاؤٹنگ اور کام تجربہ کے ساتھ ساتھ نیا ریاضی اور تازہ بہ تازہ سائنس نصاب رائج کیا گیا۔ مدرسین کو وائع تعلیم و تربیت دی گئی۔ ٹریننگ کالج سرگرم رہے تاکہ تمام اسکولوں کو تربیت یافتہ مدرس مل سکیں۔ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن نیز مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن جدت اور نئی تکنیک پیدا کرنے اور مدرسین کی صلاحیت، نصابی کتب اور تعلیمی طریقوں کو سدھارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ سبجیکٹ ٹیچرس ایسوسی ایشن، کالج اور اسکول مراکز وغیرہ ہمارے پیش نظر سدھار کے لئے بروقت ضروری خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان اقدامات کے ذریعہ زمین ہموار کرلی گئی ہے تاکہ یکساں نظام تعلیم شروع کیا جاسکے۔ مہاراشٹر نے سب سے اول ماہرین تعلیم کی ریاستی سطح کمیٹی اور ضمنی کمیٹیاں قائم کیں تاکہ وہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض اور اس کی عمل آوری کے لئے تفصیلات طے کریں۔ تمام مراحل پر تعلیم کی نئی تنظیم اور سدھار کے لئے یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں اور کالج کے پرنسپل صاحبان سے رائے حاصل کی گئی ہے۔

نئی تعلیم

حکومت مہاراشٹر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ریاست میں تقریباً ۶۰۰۰ ثانوی اسکولوں میں نئی طرز تعلیم،

رائج کی جائے، جہاں ۲۴ لاکھ طلبا اور ۸۰،۰۰۰ مدرسین ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ ثانوی کورس برائے جماعت یازدہم اور دوازدہم جون ۱۹۷۵ء سے بتدریج یعنی جون ۱۹۷۵ء میں جماعت یازدہم اور جماعت دوازدہم کیلئے جون ۱۹۷۶ء میں رائج کیا جائے گا۔ یہ جماعتیں ثانوی اسکولوں اور آرٹس، سائنس اور کامرس کے کالجوں میں جہاں اس مقصد کیلئے سہولت ہو، کھولی جائیں گی۔

اِدارہ جات کا انتخاب

اعلیٰ ثانوی کورس پڑھانے کے لئے موزوں ثانوی اسکولوں کا انتخاب حکومت ان کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد کرے گی۔ اس مقصد کے لئے ادارہ جات میں ٹکنیکل، اگریکلچرل اور کامرس ہائی اسکول نیز آرٹس، سائنس اور کامرس کے کالج شامل ہیں۔ ثانوی اسکولوں کا انتخاب اس طرح کیا جائے گا تاکہ دیہی آبادی کو اعلیٰ ثانوی تعلیم پانے میں سہولت ہو۔

اعلیٰ ثانوی تعلیم بالآخر ثانوی اسکولوں کی ذمہ داری ہوگی۔ اس مقصد سے ثانوی اسکولوں کے انتخاب کیلئے ایک تدریجی پروگرام وضع کیا جائے گا جنھیں درجہ بڑھا کر ہائی سیکنڈری اسکول بنا دیا جائے گا۔ کالجوں کو اجازت دی جائے گی کہ وہ ابتدا میں صرف چار سال کے لئے اعلیٰ ثانوی جماعتیں چلائیں۔ حکومت وقتاً فوقتاً اس فیصلہ پر نظر ثانی کرے گی اور اگر ضرورت ہوئی تو یہ مدت مزید چار سال کے لئے بڑھا دی جائے گی۔ جاریہ تعلیمی سال (۱۹۷۴-۷۵ء) سے جاری ہونے والے نئے کالجوں کو ہائر سیکنڈری کورس چلانے کی اجازت نہ ہوگی۔ حکومت کی جانب سے نامزد ثانوی اسکولوں کے صدر مدرسین اور پرنسپل یا پروفیسر یا لکچرار اعلیٰ ثانوی کورس چلانے والے ادارہ جات کے نگراں ہوں گے۔

نصاب اور امتحانات پر نگراں

مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن اختتام پر اعلیٰ ثانوی تعلیم معیار کے امتحانات کرائے گا۔ ان جماعتوں کے لیے حکومت نصاب معین کرے گی۔ نصاب کی کتابیں ثانوی تعلیم کا ریاستی بورڈ منتخب کرے گا۔

لازمی اور اختیاری مضامین

گیارھویں اور بارہویں جماعتوں میں طلبا کو زبان انگریزی (اعلیٰ معیار) یا انگریزی (ادنیٰ معیار) اور جدید ہندوستانی یا جدید بدیسی زبان (اعلیٰ معیار) یا جدید ہندوستانی یا جدید بدیسی زبان (ادنیٰ معیار) میں سے لازمی طور سے دو زبانیں لینا ہوں گی۔

انگریزی، مراٹھی، ہندی اور گجراتی۔ ان چار زبانوں میں سے کوئی ایک زبان ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے اختیار کی جا سکتی ہے۔ بہرصورت ذریعۂ تعلیم زبان اعلیٰ معیار پر دو لازمی زبانوں میں سے ایک کی حیثیت سے پڑھی جائے۔ دوسری زبان ادنیٰ معیار پڑھی جا سکتی ہے۔

دو لازمی زبانوں کے علاوہ طلبا کو چار اختیاری مضامین لینا ہوں گے۔ اختیاری مضامین یہ ہیں: کوئی جدید ہندوستانی زبان، جدید بدیسی زبان، (لازمی زبانوں کے تحت لی گئی زبان کے علاوہ) سنسکرت، پراکرت، پالی، عربی (منظور شدہ میں سے کوئی ایک زبان) تاریخ، جغرافیہ، ریاضی و اعداد و شمار، جیالوجی، پولیٹیکل سائنس، ہوم مینجمنٹ، غذائی سائنس، پرورش اطفال، ٹیکسٹائل، لانڈری اور کلوتھنگ، سوشیالوجی، فلسفہ، منطق، نفسیات، معاشیات، بک کیپنگ اور اکاؤنٹنسی، آرگنائزیشن آف کامرس، سکریٹریل پریکٹس، کوآپریشن، فزکس، کیمسٹری، بائیلوجی (علم نباتات و علم حیوانات) ڈرائنگ، ڈیزائن اینڈ کلر، کمپوزیشن، تاریخ فنون و تنقید، ہندوستانی موسیقی، یورپین میوزک، رقص، ورک شاپ اور انجینئرنگ ڈرائنگ، ایلیمنٹس آف میکانیکل انجینئرنگ، ایلیمنٹس آف الیکٹریکل انجینئرنگ، ایلیمنٹس آف سول انجینئرنگ، ماہی گیری، مٹی اور زرخیزی، پودوں کی افزائش، پودوں کی حفاظت۔

کامیابی کا معیار

ہر مضمون میں پاس ہونے کا معیار ۳۵ ہوگا اور طالب علم کو ہر مضمون میں پاس ہونا لازمی ہوگا۔ رعایت کے بارے میں قواعد مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن وضع کرے گا۔

تعلیمی عملہ

تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے میں مدرسین کا بڑا دخل ہے۔ لہٰذا ٹیچروں کی لیاقت معین کرنے میں بڑی احتیاط کی جا رہی ہے۔ حکومت مدرسین کے لئے مختصر المدت تعلیمی اور پیشہ ورانہ کورس تجویز کرے گی جس کا پورا کرنا ہر منتخب مدرس کے لئے لازمی ہوگا۔

ایم۔اے، ایم۔ایس۔سی، ایم۔کام، ایم۔ایس سی (زراعت) درجہ دوم اور بی۔ایڈ یا ڈپلوما یا سرٹیفکیٹ ان ٹیچنگ جو محکمہ کی جانب سے منظور شدہ ہیں، رکھنے والے افراد جنھیں کسی کالج میں متعلقہ مضامین پڑھانے کا تجربہ ہے، اعلیٰ ثانوی کورس پڑھانے کے لئے انتخاب کے مستحق ہیں۔ اگر ایم۔اے سیکنڈ کلاس و ٹیچر ٹریننگ کوالیفکیشن رکھتے ہوں تو انھیں اپنے تقرر کے بعد دو سال کے اندر مذکورہ لیاقت حاصل کر لینا ہوگی۔ تکمیلی کورسوں کے معاملہ میں ایسے مدرسین جو انجینئرنگ میں ڈپلوما نیز تین سالہ معلمی یا پروفیشنل تجربہ

٭ ٭ ٭

یا انجینئرنگ ٹکنالوجی میں ڈگری رکھتے ہیں، ان جماعتوں
کو پڑھانے کے مستحق ہوں گے۔ بہرصورت عارضی
اقدام کے طور پر ایسے سیکنڈ کلاس گریجویٹ بھی
اعلیٰ ثانوی جماعتیں پڑھانے کا مستحق قرار دیا گیا ہے
جن کے پاس ٹیچنگ ڈگری ہے اور آٹھویں سے گیارہویں
جماعت تک متعلقہ مضامین میں معلمی کا دس سالہ تجربہ
رکھتے ہیں۔

ہر ادارہ میں ایک لائق لائبریرین کے زیرنگرانی
ایک بھرپور لائبریری اور ریڈنگ روم نیز فزکس،
کیمسٹری اور بائیلوجی کے لئے لیباریٹریاں ہوں گی
جن میں سے ہر ایک میں بیس بیس طلبا کی ٹولیاں
تجرباتی کام کرسکیں گی۔ اس کے علاوہ اس صورت
میں کہ ہوم سائنس ایک اختیاری مضمون کی حیثیت
سے رکھا گیا ہو اس کے لئے علیحدہ لیباریٹری ہوگی۔
جسمانی تعلیم کے لئے کھلی جگہ یا کھیل کا میدان ہوگا۔
تعلیمی فیس ۲۸۰ روپے سالانہ گیارھویں اور
بارھویں جماعت میں مساوی طور سے وصول کی جائیگی
کالجوں کے معاملہ میں حسب حال ایسے طلبا جن کے
والدین یا سرپرستوں کی سالانہ آمدنی پچھلے سال کے
دوران ۱۲۰۰ روپے یا اس سے کم تھی معاشی طور
سے پس ماندہ طبقات کے واسطے مقررہ مراعات کے
مستحق ہوں گے۔ ثانوی جماعتوں اور اعلیٰ ثانوی
درجات یازدہم اور دوازدہم میں ٹکنیکل کورس
لینے والے طلبا کو علی الترتیب انجینئرنگ میں ڈپلوما
کورس میں داخلے کے لئے دس نمبروں کی اور انجینئرنگ
میں ڈگری کورس کے واسطے داخلہ کے لئے ۲۰ نمبروں
کی رعایت دی جائے گی۔

حکومت نے اسکول عمارات کے لئے زیادہ سے
زیادہ دو لاکھ روپے کی حد تک بنک گارنٹی بھی دی ہے
جو اعلیٰ ثانوی جماعتوں کیلئے تعمیر کی جائیں گی۔

فوائد

اس طرز کی ثانوی تعلیم کا اولین فائدہ یہ ہے
کہ ثانوی سطح تک تعلیم میں یکسانیت رہے گی نیز دیس
بھر میں کسی بھی ریاست کے طلبا کو مختلف کورسوں
کے لئے مساوی موقع ملے گا۔

تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ اسے کام کا رُخ دیا
جائے۔ اس طرز کی ثانوی تعلیم کے تحت پری ایس
ایس سی اور پوسٹ ایس۔ ایس۔ سی ٹریننگ کورس
سے یہ مقصد پورا ہوجاتا ہے۔

طلبا کو پیشہ ورانہ تعلیم کی جانب لگانے سے
اعلیٰ تعلیم کیلئے کالجوں پر دباؤ بھی کم ہوسکے گا۔

کالج میں داخل ہونے سے قبل طالب علم میں
کافی پختگی آجائے گی کیونکہ وہ عمر کے سترہ سال نیز
ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجات میں تعلیم کے بارہ سال
پورے کرچکا ہوگا۔

خدشات کا ازالہ

نئے طرز تعلیم کی افادیت کے بارے میں
استاد اور طلبا میں دو رائیں نہیں ہیں۔ بہرصورت
کچھ ثانوی اور کالج استادوں کی تخفیف کا خدشہ
ظاہر کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ خدشہ غلط فہمی
پر مبنی ہے۔ مرہٹواڑہ اور ودربھ میں فی الحال
دس سالہ نظام ثانوی تعلیم رائج ہے۔ لہٰذا وہاں ثانوی
اسکولوں میں چھٹنی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مغربی
مہاراشٹر میں جہاں گیارہویں جماعت بند کرنے کا
سوال اٹھتا ہے، تقریباً ۳۰۰۰ مکمل ثانوی اسکول
ہیں جن میں گیارھویں جماعت کے تقریباً ۵۰۰۰
ڈویژن ہیں۔ ان ڈویژنوں کے بند کردینے کے
باعث ۵۰۰۰ جونیئر اور عارضی مدرسین فاضل ہو
جائیں گے۔ ان میں سے تقریباً ۱۵۰۰ مدرسین
جماعت ہشتم تا دہم کے لئے اضافی ڈویژن کھولنے
کی منظوری دے کر کھپائے جائیں گے۔ ثانوی
اسکولوں میں جماعت پنجم تا ہفتم بڑھانے کی اجازت
دے کر تقریباً ۲۰۰۰ زائد مدرسین کھپائے جائینگے
تقریباً ۱۰۰۰ پوسٹ گریجویٹ یا تربیت یافتہ گریجویٹ
مدرسین جنھیں دس سال کا تعلیم کا تجربہ ہے اعلیٰ
ثانوی جماعتوں میں کھپائے جائیں گے جو اسکولوں
نیز کالجوں میں کھل جائیں گی۔ بڑے اسکولوں کو جہاں
کلاسیں بڑی ہوں گی یہ اجازت دی جائے گی کہ وہ
کلاسوں کو دو ڈویژنوں میں تقسیم کردیں جن میں طلبا
کی تعداد پچاس یا اس سے زیادہ ہو۔ اس سہولت
سے مزید ۱۰۰۰ مدرسین کی ملازمت محفوظ ہوجائیگی
حکومت نے اسکولوں کو یہ اجازت بھی دیدی ہے کہ
وہ جماعت پنجم تا ہفتم کے لئے تربیت یافتہ گریجویٹ
مدرسین ان کلاسوں کے لئے تربیت یافتہ گریجویٹوں
کے مقررہ ۲۵ فیصدی تناسب بڑھ جانے پر بھی
برقرار رکھیں۔ یہ زائد تعداد برقرار رہے گی تا آنکہ عہدیدار
سبکدوش یا مستعفی ہوجائے۔ ان اقدامات کے باعث
زیادہ تر فاضل مدرسین اسی اسکول میں یا قریب ترین
ہائی اسکول میں کھپ جائیں گے۔ ایسی اہم اسکیم کے
آغاز پر مہاراشٹر کے ۸۰،۰۰۰ مدرسین میں سے ڈیڑھ
دو ہزار مدرسین کی مختصر تعداد کی تخفیف ہوگی جن میں
سے بیشتر غیر تربیت یافتہ میٹرک پاس یا غیر تربیت
یافتہ گریجویٹ ہیں اور کچھ محض عارضی ملازمت پر ہیں
بڑے پالیسی فیصلہ جات کو زیرعمل لاتے وقت ایسا
ناگزیر ہے۔

کالج مدرسین

مہاراشٹر کالج مدرسین ایکٹ ۱۹۷۳ء کے
تحت منتظمین کو مدرسین کو مستقل کرنے سے روک
دیا گیا تھا نیز انھیں یہ اجازت دی گئی تھی کہ عارضی
مدرسین کی ملازمت ایک ماہ کا نوٹس یا اس کے بدلے
ایک ماہ کی تنخواہ دیکر ختم کردی جائے۔ ایسے

مدرسین کے معاملے میں جن کی مستقل ملتوی کردی گئی ہے یا ملازمت ختم کردی گئی ہے، انھیں کالج میں یا اعلیٰ ثانوی تعلیم کیلئے، انھیں منتظمین کے ماتحت، ٹیچر کی مساوی یا ادنیٰ جگہ پُر کرتے وقت اول ترجیح دی جائیگی تقرر کی صورت میں ایسے مدرس کو وہی تنخواہ دی جائیگی جو اسے اس پابندی لگانے کے وقت مل رہی تھی۔ بہرصورت انھیں شرح تنخواہ اور دیگر شرائط ملازمت قبول کرنا ہونگی۔ اسی طرح کالج مدرسین کو ضمانت دی گئی ہے کہ کالجوں میں جہاں سے انھیں علیٰحدہ کیا گیا ہے اعلیٰ ثانوی جماعتیں کھولنے پر انھیں اول ترجیح دیجائیگی۔

مزید برآں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گذشتہ ۷۶-۱۹۷۵ء سال میں سابقہ گیارہویں جماعت پاس کرنے والے طلبا حسب معمول کالج میں آئیں گے اور وہاں ان کیلئے حسب معمول کلاسیں جاری رہیں گی لہٰذا تخفیف نیز اعلیٰ ثانوی تعلیم کے رواج کے باعث کالج مدرسین کی شرح تنخواہ میں تبدیلی کا کوئی خدشہ نہیں ہے۔ اسکے برعکس کالجوں کو موجودہ کلاسوں کے علاوہ اعلیٰ ثانوی جماعتیں پڑھانے کی اجازت دی جائے گی۔ اسطرح ان اعلیٰ ثانوی جماعتوں کے لئے کچھ اور مدرسین مقرر کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اور ثانوی مدرسین کے لئے ملازمت کی ایک اور راہ پیدا ہوجائے گی۔

اپنی مدد آپ

مہاتما گاندھی اپنی مدد آپ کرنے کے اصول میں گہرا یقین رکھتے تھے۔ جب وہ انگلستان میں قانون کی تعلیم پا رہے تھے تو اپنا کھانا خود پکایا کرتے تھے۔

باپو نے جنوبی افریقہ میں سادگی کی زندگی گذارنا چاہی۔ انھوں نے محسوس کیا کہ تمام اخراجات گھٹانے کے لیے انھیں کئی کام خود آپ کرنے ہوں گے۔ ابتداً انھوں نے اپنے کپڑے خود دھونے کا فیصلہ کیا۔

انہوں نے کپڑے دھونے کیلئے درکار سامان خریدا اور کپڑے دھونے کے موضوع پر ایک کتاب بھی حاصل کی۔ انہوں نے اس کتاب کی مدد سے کپڑے دھونے کا فن نہ صرف خود سیکھا بلکہ کستوربا کو بھی سکھایا۔

اسی طرح باپو اپنے بال بھی خود بنانے لگے ایک بار یوں ہوا کہ پری ٹوریہ کے ایک حجام نے اُن کے بال بنانے سے انکار کردیا۔ حجام کے اس انکار سے باپو کو بڑی اُلجھن ہوئی۔ انھوں نے فوراً ہی ایک قینچی خریدی اور اپنی حجامت خود بنالی۔ آگے سے بال کچھ درست بن گئے لیکن پیچھے سے بالکل بگڑ گئے۔ اُن کی یہ صورت دیکھ کر عدالت میں اُن کے ساتھی وکیل اُن پر بے حد ہنسے۔ اس پر باپو بولے "گورے حجام چونکہ کالے گاہکوں کی حجامت بنانے سے انکار کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے اپنی حجامت خود بنانے کا فیصلہ کیا ہے"

اپنا کام آپ کرنے کی عادت باپو نے اوائل عمر ہی میں ڈالنی شروع کردی تھی۔

ملواں کھاد مقابلہ
کولھاپور کا گاؤں اول

ضلع کولھاپور کے تعلقہ ہتکنگلے میں واقع ہیرلے گاؤں نے کل ہند ملواں کھاد مقابلہ برائے ۷۱-۱۹۷۰ء میں مبلغ پانچ ہزار روپے کا اوّل انعام حاصل کیا ہے مرکزی وزارت زراعت نے بہترین قسم کی کھاد تیار کرنے پر ہیرلے گرام پنچایت کو یہ انعام عطا کیا۔

سیچوالیہ میں ٹورسٹ انفارمیشن سینٹر

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے گذشتہ ۳۱ جولائی کو سیچوالیہ میں ڈائرکٹوریٹ آف ٹورزم کے ٹورسٹ انفارمیشن سینٹر کا افتتاح فرمایا۔ یہ انفارمیشن سینٹر سیاحت سے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے علاوہ ڈائرکٹوریٹ کے تیار کردہ سووینیئر نیز باقیمت کتابچے فروخت کرے گا۔

اس موقع پر دیگر اشخاص کے علاوہ شری وسنت راؤ پاٹل، وزیر سینچائی اور پاور، شری این۔ ایم۔ تیڈکے، وزیر صنعت اور محنت، شری ایم۔ بی۔ پوپٹ، وزیر شراب بندی، شریمتی پربھا راؤ، وزیر ریاست برائے تعلیم اور منصوبہ بندی، شری کے۔ پی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے سیاحت اور شری ڈی۔ ڈی۔ساٹھے، چیف سکریٹری بھی موجود تھے۔

لوکمانیہ تلک کو خراج عقیدت

یکم اگست کو سیچوالیہ میں منعقدہ ایک تقریب میں لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک کو ان کی ۵۴ ویں برسی کے موقع پر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

شری وی پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ نے لوکمانیہ تلک کی تصویر کی گلپوشی کی۔

ریاستی کابینہ کے اراکین نے بھی اسی طرح ان کی تصویر کے سامنے گلدستہ رکھ کر انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔

سوناگے میں ہریجنوں کا بائیکاٹ نہیں ہوا!

صورتِ حال کی وضاحت

حکومتِ مہاراشٹر نے وضاحت کی ہے کہ ضلع کولہاپور کے تعلقہ کاگل میں سوناگے نامی دیہات میں ہریجنوں کا بائیکاٹ نہیں کیا گیا ہے جس کی بعض اخبارات نے حال ہی میں خبر دی تھی۔ اس بارے میں تحقیقات سے پتہ چلا ہے گذشتہ ۵ر جون کی شب کو سوناگے کے اونچی ذات کے ایک ہندو دیہاتی اور چند ہریجنوں کے درمیان کچھ نجی وجوہات پر جھگڑے کے بعد وہاں اس قسم کا کوئی بائیکاٹ نہیں ہوا اسی واقعہ سے متعلق معاملہ زیرِ تحقیقات ہے۔ بہرحال ہریجنوں کو کسی ضرورت سے محروم نہیں کیا گیا ہے۔ وہ مقامی بنیوں، درزیوں، نائیوں اور ہوٹل والوں وغیرہ کے ساتھ روزمرہ کا لین دین حسبِ معمول کر رہے ہیں۔

وہاں صرف ایک 'فیر پرائس شاپ' ہے جسے چوندیشوری کوآپریٹو سوسائٹی چلاتی ہے۔ سوسائٹی یکم اپریل ۱۹۷۴ء سے اپنی اقتصادی حالت کی بنا پر اناج نہیں لا سکی۔ لہٰذا تمام گاؤں والوں کو جن میں ہریجن بھی شامل ہیں تقسیم کی گئی۔ انہوں نے اس صورتحال کو تسلیم کر لیا ہے۔

اس الزام کے بارے میں کہ ہریجنوں کو کھیت پر مزدوری کرنے نہیں دی جاتی کوئی ثبوت نہ مل سکا کیونکہ چند دن کے دوران خصوصاً اس علاقے میں شدید بارش کے باعث زراعتی کھیتوں میں کوئی کام نہیں ہے لیکن اس ہمہ وقت واقعے کو ۲۷ اونچی ذات کے ہندوؤں کی گرفتاری کا ردعمل بتایا جا رہا ہے۔ ہریجنوں نے تحقیقاتی افسروں کے سامنے کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں کیا جبکہ ہریجن کھیت پر کام کرنے کیلئے آرہے ہوں اور انہیں کام سے منع کر دیا گیا ہو۔ مزید برآں کئی مثالیں ایسی ہیں جہاں کے ہریجن آج بھی اونچی ذات کے ہندو مزارعین کے کھیتوں پر کام کر رہے ہیں۔

تحقیقات سے یہ بھی پتہ چلا کہ ہریجنوں کو چوندیشوری دیوی کے مندر میں داخل ہونے سے نہیں روکا گیا۔ نیز انہیں پاس ہی ایک کنویں سے پانی لینے سے بھی نہیں منع کیا گیا جو ایک اونچی ذات کے ہندو کا ہے۔ وید گنگا ندی سے تمام ہی فرقوں کے افراد کو پینے کا پانی ملتا ہے جو گاؤں کی شمالی سمت میں بہتی ہے اور گرو تھان سے تقریباً ایک فرلانگ دور ہے۔

فی الحال گاؤں میں صورتِ حال معمول پر آگئی ہے اور فرقہ وارانہ اتحاد ہے۔ بہر صورت ریوینیو افسران اور پولیس افسران کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ صورتحال پر نظر رکھیں

مہاراشٹر میں اسمبلی حلقہ جات کی حد بندی

حد بندی کمیشن ہند نے گزٹ آف انڈیا غیر معمولی نیز مہاراشٹر اسٹیٹ گزٹ مورخہ ۳۱ر جولائی ۱۹۷۴ء میں حلقہ جات کی حد بندی کیلئے اپنی تجاویز شائع کی ہیں جن میں ریاست مہاراشٹر، ہاؤس آف پیپل اور ریاست کی لیجسلیٹیو اسمبلی کے انتخابات کی غرض سے تقسیم کی جائے گی۔ کمیشن نے اس کے بارے میں اعتراض اور تجاویز طلب کی ہیں۔

گزٹ کی کاپیاں بغرض حوالہ چیف الیکٹورل افیسر، مہاراشٹر، بمبئی نیز ریاست مہاراشٹر کے تمام اضلاع میں الیکشن افسران سے مل سکتی ہیں۔

ان تجاویز کے بارے میں اعتراضات و تجاویز سکریٹری، ڈی لمیٹیشن کمیشن، "نرواچن سدن" اشوک روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱ کو ۳۰ر اگست ۱۹۷۴ء سے قبل بھیج دی جائیں۔

بمبئی میٹروپولیٹن علاقہ کے مسائل ترقی کمیٹی کا تقرر

حکومت ہند نے بمبئی میٹروپولیٹن علاقے کی ترقی کے مسائل پر غور کرنے کیلئے سینئر سکریٹریوں پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی ہے۔

شری اے۔ این۔ بنرجی، سکریٹری حکومت ہند منسٹری آف ورکس اینڈ ہاؤسنگ اسکے چیرمین ہیں۔

حکومت ہند نے کمیٹی سے درخواست کی ہے کہ اپنی سفارشات دوماہ کے اندر پیش کردے۔
۔رٹ کی پیشی کیلئے اسی مختصر مدت کے مدنظر کمیٹی ، تمام افسرانِ متعلقہ سے درخواست کی ہے کہ وہ ننگ ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے کمیٹی کو پیش نے کیلئے طلب کردہ تمام معلومات اولین سمجھ کر ش کردیں۔

ریخی قلعوں اور مقامات کی ترقی

کمیٹی پر مزید اراکین کا تقرر

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں واقع قلعوں تاریخی مقامات کی ترقیاتی کمیٹی پر مزید سات اراکین تقرر کیا ہے۔

جو کہ یہ ہیں: ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ ک ریلیشنز، بمبئی؛ چیف انجنیئر (بلڈنگز) بلڈنگ ڈ کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ؛ ڈپٹی سکریٹری (جنگلات) حول اور جنگلات ڈیپارٹمنٹ؛ شری جی۔این۔ ڈیکر، تلے گاؤں دھابڈے (ضلع پونہ)؛ شری ۔آر۔ ٹوپلے، ایم۔ایل۔اے، اورنگ آباد؛ شری ایس۔ کارخانیس، ایم۔ایل۔اے، کولھاپور اور ز برائے سیاحت، کمیٹی میں بطور ممبر سکریٹری ہونگے۔

ڈاکٹروں کا رجسٹریشن

وہ تمام رجسٹرڈ ڈاکٹر جن کے نام مہاراشٹر یکل رجسٹر میں ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو درج تھے انکے ضروری ہے کہ وہ اپنے نام کو اس رجسٹر میں جاری نے کے لئے مہاراشٹر میڈیکل کانسل ایکٹ، بابت ۱۹۶۵ء کے تحت درخواستیں دیں۔ اس سلسلہ میں ی اطلاعنامہ حکومت مہاراشٹر کے ۱۱ر جولائی ۱۹۷۴ء ایک گزٹ کے حصہ چہارم (سی) میں شائع ہو ہے۔

دستکاری پر قومی انعامات

آل انڈیا ہینڈی کرافٹ بورڈ، نئی دہلی ہر سال ماہر دستکاروں سے ان کی دستی مصنوعات قومی انعامات کیلئے طلب کرتا ہے۔

بورڈ نے ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز، مہاراشٹر سے درخواست کی ہے کہ وہ مہاراشٹر کے ممتاز ماہر دستکاروں کی اشیاء قومی انعامات بابت ۱۹۷۴-۷۵ء کے حصول کیلئے بھیجے۔

لہٰذا بمبئی میں دلچسپی رکھنے والے ماہر دستکاروں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ڈپٹی ڈائرکٹر آف انڈسٹریز، ہینڈی کرافٹ اینڈ کاٹیج انڈسٹریز سیکشن، تیرھویں منزل، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، بالمقابل سچیوالیہ، مادام کاما روڈ، بمبئی ۲۱ سے فارم پُر کرنے اور اشیاء بھیجنے کے لئے رجوع کریں مقررہ فارم پر درخواست کے ساتھ اشیاء افسر کے پاس ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء تک بھیج دی جائیں۔

اضلاع میں ماہر دستکار اپنی مصنوعات کے ساتھ مقررہ فارم پر درخواستیں ڈائرکٹوریٹ کے ضلع افسران کے پاس بھیج دیں۔

صنعتی تنازعہ

میسرز آر۔ڈی۔ گاندھی اینڈ کمپنی، بمبئی اور اس کے ورکروں کے درمیان صنعتی تنازعہ حکومت مہاراشٹر نے بغرض تصفیہ شری ڈی۔ایل۔ بھوجوانی کی صنعتی عدالت کے سپرد کردیا ہے۔

یہ تنازعہ عام مطالبات سے متعلق ہے۔

ایمپلائمنٹ گارنٹی اسکیم

نامکمل کاموں کی تکمیل کیلئے

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ "ایمپلائمنٹ گارنٹی اسکیم" کے تحت اجرت سامان تناسب ۴۰۔ ۶۰ میں تخفیف کرکے فوراً نامکمل کام تکمیل کے لئے انجام دئے جائیں۔ بہرصورت اجرت کی ادائیگی سے متعلق مذکورہ اسکیم کی دیگر تمام شرائط بدستور لاگو ہوں گی۔

نامکمل کاموں کی تکمیل کے سلسلہ میں پیش آنے والی بعض مشکلات اور رکاوٹ کو دور کرنے اور تیزی سے کام پورے کرانے کی غرض سے یہ رعایت کی گئی ہے۔

دفتر کی منتقلی

آفس آف دی انڈسٹریز کمشنر اور سکریٹری حکومت محکمہ صنعت و محنت جو ابتک دوسرے مالہ، سچیوالیہ انیکس بمبئی ۳۲ میں تھا، یکم اگست ۱۹۷۴ء سے گیارہواں مالہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، بالمقابل سچیوالیہ، مادام کاما روڈ، پر منتقل ہوگیا ہے۔

دودھ کی قسم ایک ہے

سرکاری وضاحت

بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم کی جانب سے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ سفید اور دھاری دار المونیم کے ہرے ڈھکن والی بوتلوں میں دیا جانے والا دودھ ایک ہی قسم کا ہے یعنی یہ ۵ فیصدی مکھن چربی والا دودھ ہے۔

اسکیم کے تحت سفید اور دھاری دار المونیم کے ڈھکن والی بوتلوں میں دئے جانے والے دودھ کی قسم کے بارے میں صارفین کے درمیان پائی جانے والی غلط فہمی کے مدنظر یہ وضاحت کی جا رہی ہے۔

کپاس حصول ایکٹ میں ترمیم

آرڈی نینس جاری

گورنر مہاراشٹر نے ایک آرڈی نینس جاری کرکے مہاراشٹر خام کپاس (حصول، پروسیسنگ اور فروخت) ایکٹ میں دوسری ترمیم کی ہے تاکہ ایکٹ کے نفاذ میں پیش آنے والی مشکلات کو دور کیا جاسکے نیز کپاس پیدا کرنے والوں کو اپنی واجبی رقم جلد حاصل کرنے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں انھیں کم سے

کم کیا جا سکے۔

کیونکہ ریاستی مجلس قانون ساز کے دونوں ایوانات کا اجلاس نہیں ہو رہا ہے اور ایکٹ میں ضروری ترمیم کیلئے فوری کارروائی ضروری تھی لہٰذا یہ آرڈیننس جاری کیا گیا ہے۔

یہ آرڈیننس جو فوری طور پر لاگو ہو گیا ہے، حکومت مہاراشٹر کے غیر معمولی گزٹ، مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۷۴ء کے حصہ ۴ میں شائع کر دیا گیا ہے۔

بمبئی میں جج اور مجسٹریٹوں کی تنخواہ میں اضافہ

حکومت مہاراشٹر نے سٹی سول اور سیشن کورٹ، بمبئی عظمیٰ اور کورٹ آف اسمال کازز، بمبئی نیز میٹروپولیٹن (پریسیڈنسی) مجسٹریٹس، بمبئی میں جج صاحبان کے لئے حسب ذیل نظر ثانی شدہ شرح تنخواہ یکم جنوری ۱۹۷۳ء سے مقرر کی ہے (سابقہ شرح تنخواہ سامنے قوسین میں درج ہے)؛

پرنسپل جج، سٹی سول کورٹ اور سیشن جج، بمبئی عظمیٰ۔ ۲٫۷۵۰ روپے (۲٫۵۰۰ روپے)؛ ایڈیشنل پرنسپل جج، سٹی سول کورٹ اور ایڈیشنل سیشن جج، بمبئی عظمیٰ۔ ۲٫۵۰۰ روپے (۲٫۳۰۰ روپے)؛ جج صاحبان، سٹی سول کورٹ اور ایڈیشنل سیشن جج صاحبان، بمبئی۔ ۲٫۲۵۰ روپے (۲٫۰۰۰ روپے)؛ چیف جج، کورٹ آف اسمال کازز، بمبئی۔ ۲٫۰۰۰ روپے (۱۸۰۰-۱۰۰-۱۶۰۰)؛ ایڈیشنل چیف جج صاحبان، کورٹ آف اسمال کازز، بمبئی (۱۶۰۰-۶۰-۱۳۰۰-۵۰-۱۱۰۰) نیز ۲۰۰ روپے ماہانہ خصوصی تنخواہ (۱۳۵۰-۵۰-۱۰۰۰ روپے نیز خصوصی تنخواہ ۲۰۰ روپے ماہانہ)؛ جج صاحبان، کورٹ آف اسمال کازز، بمبئی۔ ۵۰-۱۱۰۰-۱۶۰۰-۶۰-۱۳۰۰ (۱۳۵۰-۵۰-۱۰۰۰ روپے)؛ چیف میٹروپولیٹن (پریذیڈنسی) مجسٹریٹ، بمبئی۔ ۲٫۰۰۰ روپے نیز ۲۰۰ روپے خصوصی تنخواہ ماہانہ نیز ۱۵۰ روپے ماہانہ سواری بھتہ (۱۸۰۰-۱۰۰-۱۶۰۰) ایڈیشنل چیف میٹروپولیٹن (پریذیڈنسی) مجسٹریٹس بمبئی ۱۳۰۰-۵۰-۱۱۰۰ ۱۶۰۰-۶۰ روپے نیز ۲۰۰ روپے ماہانہ خاص تنخواہ (۱۳۵۰-۵۰-۱۰۰۰ نیز ۲۰۰ روپے ماہانہ بطور خاص تنخواہ) اور میٹروپولیٹن (پریذیڈنسی) مجسٹریٹس بمبئی - ۱۶۰۰-۶۰-۱۳۰۰-۵۰-۱۱۰۰ (۱۳۵۰-۵۰-۱۰۰۰) روپے۔

ٹھیکہ مزدور ایکٹ بحال
ادارہ جات کا اندراج ضروری

سپریم کورٹ آف انڈیا نے میسرز گیمن انڈیا لمیٹڈ کے معاملے میں صادر کردہ فیصلہ میں ٹھیکہ مزدور (باقاعدگی اور خاتمہ) قوانین بابت ۱۹۷۰ء نیز مہاراشٹر ٹھیکہ مزدور (باقاعدگی اور خاتمہ) قوانین بابت ۱۹۷۱ء کو جائز قرار دیا ہے جو ۱۵ اگست ۱۹۷۳ء سے مہاراشٹر میں نافذ العمل ہیں۔

لہٰذا مالکان اور ٹھیکہ دار جنھوں نے رجسٹریشن اور لائسنس کے لئے سپریم کورٹ کے متوقع فیصلہ کے مدنظر درخواستیں نہیں دی تھیں، فوراً اس مقصد سے رجسٹرنگ/لائسنسنگ افسران کو درخواستیں دے دیں۔ مالکان، ٹھیکہ دار اور مزدور جو معلومات حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں، دفتر، کمشنر آف لیبر، کامرس سینٹر، تاردیو، بمبئی ۴۰۰۰۳۴ یا ریاست میں اس کے قریب ترین ماتحت دفتر سے اس معاملے میں مشورے اور رہنمائی کے لئے رجوع کر سکتے ہیں۔

یہ ایکٹ ہر اُس ادارہ نیز ٹھیکہ دار پر لاگو ہوتا ہے جس نے ۲۰ یا اس سے زیادہ آدمی ٹھیکہ مزدور کی حیثیت سے ملازم رکھے ہوں نیز جن کی شرائطِ ملازمت کمشنر آف لیبر طے کرتے ہیں۔

ایکٹ کے لاگو ہونے کے بعد فوراً ہی بعض مالکان نے سپریم کورٹ میں اس ایکٹ کے جواز اور اس کے قوانین کو چیلنج کیا تھا جس پر سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ یہ ایکٹ قانوناً جائز ہے۔

❋ ❋ ❋

شری پی۔ جے۔ اوود

حکومت مہاراشٹر نے شری پی۔ جے۔ اوود، ... کمشنر آف لیبر اور چیف گورنمنٹ لیبر آفیسر، کامرس ... چھٹی اور ساتویں منزل، تاردیو، بمبئی ۳۴ کو ریاست مہاراشٹر کے لئے بحیثیت افسر نفاذ و جائزہ (ایمپلیمنٹیشن اور ایویلوایشن آفیسر) مقرر کیا ہے تاکہ وہ لیبر قوانین، فیصلہ جات اور معاہدوں کے عدم نفاذ نیز ضابطہ خلاف ورزیوں کے معاملات پر غور کریں۔

لہٰذا تمام متعلقہ لوگوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ آئندہ اس سلسلہ میں تمام خط و کتابت شری ... کے متذکرہ بالا پتہ پر کی جائے۔

پانی فراہمی اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے ضلع اورنگ آباد کے ... جعفر آباد میں واقع بورگاؤں (بزرگ) دیہی نل فراہمی اسکیم کو انتظامی منظوری عطا کر دی ہے۔ اسکیم پر صرفہ کا تخمینہ ۱۹۰٫۰۰۰ روپے ہے۔ ... ہونے پر تقریباً ۱۲۰۰ کی آبادی کی ضرورتِ آب پوری ہو سکے گی۔

مونگ اور اُڑد کی دال

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ فصل ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران مونگ اور اُڑد بذریعہ لیوی حاصل نہ کی ... اور مہاراشٹر دال حصول (لیوی) حکمنامہ بابت ۱۹۷۳ء یکم اگست ۱۹۷۴ء سے منسوخ کر دیا جائے۔

اس کے باعث ریاست میں دالوں کی خرید فروخت پر لیوی اور کوئی پابندی عائد نہ ہوگی۔

شری ایل۔ آر۔ عباد

حکومت مہاراشٹر نے شری ایل۔ آر۔ عباد، ایڈ... کو ضلع ناسک کی ڈسٹرکٹ ترقیاتی مشاورتی کونسل میں غیر سرکاری رکن مقرر کیا ہے۔

شری ایل۔ سری نواس

حکومتِ مہاراشٹر نے شری ایل۔ سری نواس، ڈین، فیکلٹی آف ایگریکلچر، مراٹھواڑہ کرشی ودیا پیٹھ کو پربھنی ڈسٹرکٹ پلاننگ بورڈ پر شری ایم۔ ایس۔ سُندراجن کی جگہ بحیثیت غیر سرکاری رکن مقرر کیا ہے۔

۱۳ دودھ اسکیم ملازمین برطرف

بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم کے ماتحت تیرہ ملازمین کی خدمات ۳۰ رجون ۱۹۷۴ء کو ختم ہونیوالی سہ ماہی کے دوران بے قاعدگیوں یعنی کارڈ کے بغیر دودھ کی فراہمی، مشترکہ ٹوکروں کو اکٹھا سپلائی اور سفید ڈھکن والی بوتلیں ناجائز طور سے فروخت کرنے پر ختم کردی گئیں۔

صنعتی تنازعہ

ھسمان انڈسٹریز، بمبئی اور اس کے ورکروں کے درمیان صنعتی تنازعہ حکومت مہاراشٹر نے تصفیہ کی غرض سے شری ڈی۔ ایل۔ بھوجوانی کی صنعتی عدالت کے سپرد کردیا ہے۔

یہ تنازعہ عام مطالبات سے متعلق ہیں۔

مفادِ عامّہ سروس

حکومت مہاراشٹر نے آکسیجن اور اسٹی لین انڈسٹری کو صنعتی تنازعہ جات ایکٹ ۱۹۴۷ء کی غرض سے ۹ راگست ۱۹۷۴ء سے مزید چھ ماہ کے لئے مفادِ عامّہ سروس قرار دیا ہے۔

سِوِل جج کو اختیارات

حکومت مہاراشٹر نے شری ایس۔ جی۔ جوشی، سول جج (جونیئر ڈویژن) اور جوڈیشیل مجسٹریٹ، فرسٹ کلاس، راجورہ، ضلع، چندر پور کو لازمی اشیاء ایکٹ ۱۹۵۵ء کی غرض سے ان کے حلقۂ اختیارات میں مختار بنایا ہے۔

تمباکو کارخانہ جات میں اقل ترین اُجرت

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں تمباکو (بشمول بیڑی ساز) کارخانہ جات میں بعض درجات کے ملازمین کیلئے ۱۵ راکتوبر ۱۹۷۴ء سے اقل ترین شرح اجرت مقرر کرنے کی تجویز رکھی ہے۔

اس سلسلہ میں اظہارِ خیال کے لئے درخواست وکمشنر آف لیبر، کامرس سینٹر، تاردیو بمبئی ۳۴ کو مذکورہ بالا تاریخ سے قبل بھیجی جاسکتی ہے۔

ضروری اطلاع نامہ غیر معمولی سرکاری گزٹ مورخہ ۲۶ رجولائی ۱۹۷۴ء کے حصہ ا۔ ایل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

مہاراشٹر یونیورسٹی آرڈیننس

گورنر مہاراشٹر نے مہاراشٹر یونیورسٹیز (ترمیم) آرڈیننس بابت ۱۹۷۴ء جاری کیا ہے تاکہ مہاراشٹر میں یونیورسٹیوں کے بورڈ آف اسٹڈیز میں ماہرینِ علوم کا تقرر ہوسکے۔

ریاستی مجلسِ قانون ساز کا اجلاس نہیں ہو رہا تھا اور مذکورہ مقصد سے چھ یونیورسٹیوں کے قوانین میں ترمیم کے لئے فوری کارروائی کرنا ضروری تھی لہٰذا یہ آرڈیننس جاری کیا گیا ہے۔ یہ آرڈیننس مہاراشٹر گورنمنٹ گزٹ غیر معمولی مورخہ ۲۶ رجولائی ۱۹۷۴ء میں شائع کردیا گیا ہے۔

کلم ترقیاتی منصوبہ

حکومت مہاراشٹر نے کلم ترقیاتی منصوبہ کو بعض تبدیلیوں کے ساتھ منظور کرلیا ہے اور یکم اگست ۱۹۷۴ء کی تاریخ مقرر کردی ہے جس دن سے یہ منصوبہ نافذ العمل ہوگا۔

متذکرہ ترقیاتی منصوبہ کلم میونسپل کانسل کے دفتر میں بغرض معائنہ مل سکتا ہے۔

بمبئی دھواں ایکٹ کے تحت سزائیں

۳۰ رجون کو ختم ہونے والی سہ ماہی کے دوران بمبئی اسموک نیوسنسز ایکٹ بابت ۱۹۱۲ء کے تحت ۱۴ اشخاص کو سزا دی گئی اور دس روپے سے ۵۰ روپے تک جرمانہ کیا گیا۔

قوانین کی اشاعت

اعتراضات وتجاویز پر غور کرنے کے بعد مجوزہ مہاراشٹر میونسپلیٹیز (چنگی) (دوسری ترمیم) قوانین بابت ۱۹۷۴ء آخری طور پر حکومت کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۱۳ رجون ۱۹۷۴ء میں شائع کر دئے گئے ہیں۔

مدت میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں سنیما اگزیبیشن انڈسٹری میں ملازمت سے متعلق اقل ترین اجرت کمیٹی کے لئے اپنی رپورٹ پیش کرنے کی تاریخ ۳۱ راکتوبر ۱۹۷۴ء تک بڑھادی ہے۔

مدتِ کار میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے ضلع ناسک میں واقع ایولہ میونسپل کونسل کے منتظم کی مدت کار میں ۳۱ دسمبر ۱۹۷۴ء تک کی توسیع کردی ہے۔
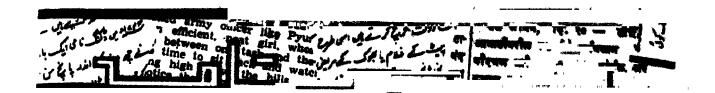
مرحوم فدا حسین کی تصنیف

صدر، شری وی وی گری کو پیش کی گئی

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ نے گزشتہ ۲۴ر جولائی کو راج بھون، بمبئی میں سابق صدرِ ہند، ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کے والد بزرگوار شری فدا حسین مرحوم کی تصنیف صدر ہند، شری وی۔ وی۔ گری کی خدمت میں پیش کی۔

یہ کتاب انگریزی میں بعض قانون سازی ایکٹوں کا اُردو ترجمہ ہے۔ مرحوم شری فدا حسین خان تقریباً ۱۸۸۰ء میں اورنگ آباد آئے تھے۔ آپ نے وہاں اوّل درجہ کے وکیل کی حیثیت سے وکالت شروع کی۔ آپ بار ایسوسی ایشن کے رکن بھی تھے۔ بعد ازاں آپ کو سکریٹری چنا گیا۔ شری فدا حسین نے بار ایسوسی ایشن کا دستور مرتب کیا نیز کئی کتابیں تصنیف کیں۔ اس زمانہ میں انھوں نے ریاست حیدر آباد کی عدالت العالیہ کے فیصلہ جات کا ترجمہ کیا۔ مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین، صدر ہند کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہے۔

مرحوم شری فدا حسین نے اورنگ آباد چھوڑ دیا اور حیدر آباد میں پریکٹس شروع کی۔ ان کی بعض کتب اور تحریریں شری منالال ہیرالال اگروال نے سابق صدر ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کی خدمت میں پیش کی تھیں جو انہوں نے محفوظ رکھی تھیں۔ بقیہ کتب وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے صدر وی۔ وی۔ گری کے حوالے کیں۔

✤ ✤ ✤

نوجوان نابینا کا کارنامہ

تیس سال کے نوجوان شری چندر کانت قدم نے جو چند سال قبل بدقسمتی سے بینائی سے محروم ہوگئے تھے، بمبئی میں اپنا پرسکل فائل ورکس قائم کرلیا ہے۔

۱۴ر اگست کو اس یونٹ کا افتتاح کرتے ہوئے شری اے۔ این۔ نامجوشی، وزیر تعلیم نے شری قدم کو مبارکباد دی اور ان کی ہمت و حوصلہ کو سراہا۔ آپ نے نابینا اور معذور اشخاص میں اعتماد پیدا کرنے کی ضرورت جتائی جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہیں۔

شری قدم نے ضلع رتناگیری کے سماجی ادارے 'رتناگیری فورم' کی رہنمائی اور اعانت و امداد سے مذکورہ یونٹ جاری کیا ہے۔ انھیں ورلی میں واقع نابینا اشخاص کے ورکشاپ میں تربیت دی گئی تھی۔ ایم۔ ایس۔ آئی۔ ڈی۔ سی۔ نے "خود روزگار اسکیم" کے تحت مشینری کی خریداری کے لئے چار دن کے اندر ۵،۰۰۰ روپے کے قرض کی منظوری دیدی۔

شری منوہر شیٹے، چیرمین رتناگیری فورم نے مہمانوں کا سواگت کیا۔ شری شرد وِچارے نے شکریہ ادا کیا۔ فورم کے سرود شری دادا صاحب مورے، اِندرنیل تاوڑے، ششی کانت پوار اور ایس۔ ایم۔ بھوگٹے بھی اس موقع پر حاضر تھے۔

یوم سنسکرت

شری اننت نامجوشی، وزیر تعلیم کی زیر صدارت

۳۰ر اگست کو [illegible] ہال بمبئی میں یوم سنسکرت منایا گیا۔ شری وی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹیو کاونسل، مہمانِ خصوصی تھے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری نامجوشی نے فرمایا کہ تمام ہندوستانی زبانیں سیکھنا آسان ہے کیونکہ سب ہی زبانوں میں سنسکرت سے الفاظ لئے گئے ہیں۔ تمام ہندوستانی زبانوں کے عالموں کو چاہیئے کہ وہ سنسکرت زبان کو رواج دینے کی کوشش کریں۔

شری پاگے نے فرمایا کہ قومی زبان کے لئے ہماری جستجو ابھی تک نامکمل ہے۔ سنسکرت کی ترقی کو ایک عوامی تحریک بنا دینا چاہیئے۔

ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ کاترے، ڈاکٹر مینکر، پنڈت گوپال اچاریہ اور ڈاکٹر ٹی۔ کے۔ ٹوپلے نے بھی اظہارِ خیال فرمایا۔

چار ممبران کونسل

حکومتِ مہاراشٹر نے شری دولت ماروتی بھوسلے، شریمتی پرمیلا بھانوشنکر یاگنک، شری وسنت کرشنا ڈیسائی اور شری پی۔ این۔ راج بھوج کو مہاراشٹر لیجسلیٹیو کونسل کے رکن کی حیثیت سے نامزد کیا ہے تاکہ وہ ان چار نامزد ممبران کی جگہ پُر کرسکیں جو ۹ر مئی ۱۹۷۲ء کو اپنی میعاد ختم ہونے پر سبکدوش ہوگئے ہیں۔

✤ ✤ ✤

پندرہ روزہ

قومی راج

جلد : ۱ | یکم ستمبر ۱۹۷۴ء | شمارہ : ۱۵

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے ○ سالانہ ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔ اے۔ ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲۔ ۴۰۰

فہرست

●

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا!

سخنہائے گفتنی

ہندوستان کو آزاد ہوئے ستائیس سال ہوگئے ہیں اور اس مدت کے دوران ایک پوری نسل، ایک نئی نسل تیار ہوگئی ہے۔ یہ نسل خصوصی معنی میں "نئی" اس لئے ہے کہ اس نے غلامی کے دور کی صرف کہانیاں سُنی ہیں۔ اُسے اس تاریک عہد کا تجربہ نہیں۔ آزاد اور جمہوری ہندوستان میں جنم لینے والی اس نسل میں بہت قوت ہے، بہت توانائی ہے اور بے پناہ جذبہ بھی ہے جو اگر صحیح خطوط پر گامزن نہ ہوا تو تخریب کا باعث بن سکتا ہے یا محض اس کا ضائع ہو جانا ہی ایک زبردست قومی نقصان ہوگا۔ ۲۷ سال بعد اس آزمائشی موڑ پر پرانی نسل جو اپنے فرائض کم و بیش ادا کر چکی ہے یہ عظیم ذمہ داری نئی نسل کو سونپ رہی ہے کہ وہ قومی اور ملکی مسائل اور امور کا بوجھ اٹھانے کو تیار ہو جائے۔ جمہوری ہندوستان کی زندگی کا یہ موڑ ایک ایسی شخصیت کو برسرِ صدارت لایا ہے جو پرانی اور نئی نسل کے درمیان ایک سنگم کا کام انجام دے سکتی ہے۔ یہ شخصیت ہے عالیجناب فخر الدین علی احمد کی جو ایک تجربہ کار اور پرانے مجاہدِ آزادی ہونے کے ساتھ ساتھ آزاد ہندوستان کے سب سے کم عمر صدر ہیں۔

جمہوریہ ہند کے اعلیٰ ترین عہدہ پر عالیجناب فخر الدین علی احمد کا جلوہ افروز ہونا جہاں ایک طرف اقلیتوں کے لئے باعثِ افتخار ہے وہیں یہ ملک کے عوام اور ہمارے جمہوری نظام کی رواداری اور سیکولر نقطۂ نظر کا ایک عمدہ ثبوت ہے۔ صدرِ ہند ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں جنھیں دیگر متعدد دلچسپیوں کے علاوہ اردو زبان و ادب سے بھی گہرا شغف ہے۔ غالب صدی کے دوران انھوں نے جشنِ غالب کو کامیاب بنانے کے لئے جس تندہی اور سرگرمی سے کام کیا تھا وہ ہنوز ذہنوں میں تازہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کی سرپرستی اور قیادت میں جمہوریہ ہند عدل و انصاف، رواداری اور ترقی کی نئی منازل طے کرے گا۔

رواداری اور وسیع النظری صدیوں سے ہندوستانی تہذیب کی اہم ترین خصوصیات رہی ہیں۔ یہ تہذیب ایک ایسا بحرِ ذخار ثابت ہوئی ہے جس میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے چھوٹی چھوٹی ندیاں آن ملیں۔ ارتباط و اختلاط کے اس تاریخی عمل میں جن ہستیوں نے نمایاں حصہ لیا ان میں ایک اہم نام حضرت امیر خسروؒ کا ہے جن کے ہندی دوہے، گیت اور راگ ہندوستانی فنونِ لطیفہ کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ علم و حکمت اور شعر و موسیقی کے اس امام کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے "قومی راج" نومبر میں اپنا خصوصی نمبر شائع کر رہا ہے۔ اس نمبر کے لئے اپنی تخلیقات سے ہمیں نوازیئے۔

گذشتہ شمارہ آپ تک پہنچنے میں کافی تاخیر ہوئی جس کا ہمیں احساس ہے تاہم "یومِ آزادی نمبر" دیکھ کر آپ نے اس تاخیر کو ضرور معاف کر دیا ہوگا۔ اب اس بات کی پوری کوشش کی جا رہی ہے کہ آئندہ قارئین کو غیر ضروری زحمتِ انتظار نہ اٹھانی پڑے۔

خواجہ عبدالغفور

نئی منزل

ساحر ہوشیارپوری

زندگی کتنی دل آویز و دل آرا ہے یہاں
شاید اپنی یہی منزل ہے یہ ہوتا ہے گماں

چمپئی دھوپ میں ہر ذرّہ چمکتا سورج
چاندنی رات میں ہر قطرۂ شبنم مہتاب
نور ہی نور زمیں سے ہے فلک تک رقصاں
شاید اپنی یہی منزل ہے یہ ہوتا ہے گماں

وَلوَلے دل میں ہیں، آنکھوں میں اُمنگوں کا سرور
اِک نئے دَور کی ترتیب میں مصروف ہیں سب
عظمتِ محنت و ایثار جبینوں سے عیاں
شاید اپنی یہی منزل ہے یہ ہوتا ہے گماں

وادیٔ گنگ و جمن جنّت نظّارا ہے
سونے چاندی کے دفینے ہیں زمینیں اپنی
اپنے دریاؤں کی ہر لہر میں بجلی ہے رواں
شاید اپنی یہی منزل ہے یہ ہوتا ہے گماں

نغمۂ جہد ہے کھیتوں میں ٹریکٹر کا یہ شور
گھڑگھڑاہٹ ہے مشینوں کی نئے عزم کا راگ
'زلفِ محبوب' ہے چمنی کا یہ بل کھاتا دھواں
شاید اپنی یہی منزل ہے یہ ہوتا ہے گماں

آشتی، امن، مروّت کے پرستار سبھی
جذبۂ لطف و محبت سے سبھی ہیں سرشار
سانجھے تیوہار ہیں ہولی ہو کہ عیدِ قرباں
شاید اپنی یہی منزل ہے یہ ہوتا ہے گماں

ترجمانِ دلِ جمہور ادیب و شاعر
ان کے افکار توانا ہیں، تخیّل بیدار
نکھرا ستھرا نئی سج دھج کا ہے اندازِ بیاں
شاید اپنی یہی منزل ہے یہ ہوتا ہے گماں

ہاں یہ منزل ہے دل آویز و دل آرا، لیکن
حسن و خوبی و ترقی کی یہ معراج کہاں؟
راہ رو جب کسی منزل پہ پہنچ جاتے ہیں
اُن کو آتا ہے نظر اک نئی منزل کا نشاں

ہم کو جانا ہے بہت دور اُفق سے آگے
پرچمِ امن اب افلاک پہ لہرانا ہے
ساتھیو، تیز قدم، تیز قدم، تیز قدم
دو قدم پر نئی منزل کا صنم خانہ ہے

دکھنی اردو

خواجہ عبدالغفور

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہند آریائی دور یعنی بارھویں صدی عیسوی میں شمال مغربی سرحدی صوبہ اور دہلی کے اطراف دوآبہ گنگ و جمن میں بولی جانیوالی زبان سے اُردو کی بنیاد قائم ہوچکی تھی لیکن اُس کو مستقل زبان کی حیثیت اسوقت حاصل ہوئی کہ جب دہلی مسلم فرماں رواؤں کی راجدھانی بنی۔

حضرت امیر خسرو کے زمانہ سے اسکو مختلف نام دئے جاتے رہے جیسے ہندی، ہندوی، زبانِ دہلی، گوجری (گجری، گوجری) ہندوستانی، اندوستانی، زبانِ ہندوستان، زبانِ اردوئے معلّی، زبانِ اردوئے شاہی، زبان اُردو، محاورۂ شاہجہان آباد، ریختہ وغیرہ حتیٰ کہ غالب اور سرسید نے بھی کہیں کہیں اس کو ہندی نام سے پکارا لیکن مصحفی نے اسکو محکم طریق پر اردو کا نام دیا اور وہی چل پڑا۔

دریائے نربدا اور کوہِ بندھیاچل کے جنوب کے سطح مرتفع والے علاقہ کو دکن کہا جاتا ہے، عہدِ بہمنی کے کسی مصنف نے مقامی رنگ میں اپنے آپ کو گہرے طریقہ پر رنگ کر اسی زبان کو دکنی کے نام سے یاد کیا اور پھر قطب شاہی اور عادل شاہی ریاستوں میں اسکو سرکاری طور پر قبول کیا گیا؛ سید میراں ہاشمی، مُلّا وجہی، ابن نشاطی نصرتی وغیرہ نے اسکو معیاری ادب کا درجہ عطا کیا۔ قدیم دکنی چند الفاظ کے استثنا اور کہیں کہیں تلفظ کے اختلاف کے سوا وہی اُردو ہے جو شمال و جنوب میں رائج تھی لیکن کچھ رنگ و آہنگ، مزاج و منہاج اور انفرادیت قائم رہی۔ دکنی نہ تو اردو کی بگڑی ہوئی شکل ہے نہ اردو دکنی۔ دکنی سے ملتی جلتی زبان آج بھی دلی کے نواح اور دیہات میں اور دلی کے اندر بھی مخصوص طبقات جیسے کرخنداروں وغیرہ کی بولی ہے۔

اورنگ زیب نے جب اورنگ آباد کو مستقر بنایا تو جنوب اور شمال ایک ہوگئے اور آپس میں مل جل گئے۔ میل ملاپ بڑھا اور جو زبان شمالی ہند میں صرف بول چال کی حد تک مخصوص تھی وہ شعر و شاعری کی زبان بن گئی۔ ولیؔ کا دکنی کلام جس کو مقامی طور پر کوئی سرپرستی نہ مل سکی، دلی پہنچا اور دلی کی زبان پر اثر انداز ہوا اور جو زبان بہمنی، عادل شاہی، قطب شاہی عہد میں دکنی تھی، اُس کو کل ہند پیمانہ پر عروج ملا۔

اس زمانہ کی شاعری ملاحظہ فرمائیے۔

سید میراں ہاشمی (علی عادل شاہ ثانی کے عہد کے نامور شاعر):

سجن آویں تو پردے سے نکل کر بھار بیٹھوں گی
بہانا کرکے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھوں گی
اُونو یاں آؤ کئیں گے تو کھو نگی کام کرتی ہوں
اُٹھلتی ہور مٹھلتی چپ گھڑی دو چار بیٹھوں گی

اِسی دور میں اسداللہ وجہیؔ نے مُلّا وجہی کے نام سے شہرت پائی اور قطب شاہی دور کے ممتاز شاعر اور ادیب مانے گئے۔

طاقت نہیں دوری کی اب تو بیگی آمل رے پیا
تج بن منجے جینا بہوت ہوتا ہے مشکل رے پیا

دکنی کو اپنے سنہرے دور میں مرہٹی، تلگو اور کنڑی سے سابقہ رہا جن کا اثر اس نے قبول کیا اور اپنے گہرے نقوش ان پر ڈالے۔ چونکہ جس علاقہ میں دکنی نے جنم لیا اور نشو و نما پائی وہ مرہٹی بولنے والوں کا وطن تھا اسلئے مرہٹی زبان اور ادب سے دکنی کا بڑا گہرا تعلق رہا اور سنسکرت کے اکثر الفاظ مرہٹی کے توسط سے دکنی میں داخل ہوئے جو اسی صوتی روپ میں آتے ہیں کہ جو مرہٹی میں رائج ہیں۔ خود مرہٹی نے بھی فارسی اور عربی کے اثرات اور الفاظ دکنی سے اور دکنی کے توسط سے قبول کئے۔ چنانچہ ایسے الفاظ کی صوتی شکلیں اور ان کے معنی و مطالب بھی آج تک بعینہٖ قائم ہیں۔ اسی لئے دکنی اور مرہٹی کا باہمی تعلق بہت واضح اور نمایاں ہے اکثر مرہٹی شاعر بھی دکنی زبان میں شاعری کرنے لگے۔

۱۶۹۸ء اور ۱۷۵۳ء میں امرت رائے مرہٹی کے بڑے مقبول شاعر تھے لیکن بعد میں یہ دکھنی کے شاعر کی حیثیت سے بھی بڑے ہر دلعزیز ہوئے چنانچہ دکھنی مثنوی "سدام چرتر" بھگوان کرشن کے بچپن کے ساتھی سدام کی زندگی کا خاکہ ہے۔ یہ مثنوی حمد سے شروع ہوتی ہے جو بھگوان کرشن کی تعریف ہے۔

عجب ہے گرو جی توہی کارساج
خلق بیچ میانے وہی کارساج
وہی ہے کرم بخش صاحب دھنی
اسی کو کہے کل عالم غنی
اسی نے بنایا زمین آسمان
پون آب و آتش بنایا مکان
کدھر دین دنیا کدھر ہے خدا

پیٹ کی مانگتا ہے گدا
اگر اس خدا کی کرے بندگی
تو ہر روز نیامت، کٹے گندگی

ڈاکٹر ایس۔ آر۔ ککلانی، صدر شعبۂ مرہٹی، عثمانیہ یونیورسٹی نے اس خصوص میں کافی ریسرچ کیا ہے۔ یہ کچھ مرہٹی کا مزاج تھا کہ جو اس طرح پر دکھنی میں یعنی اردو میں رس بس گیا اور اس کو خود اپنے میں بھی سمیٹ سمیٹ کر سمو لیا۔ کلاسیکی دکھنی نے تلگو والے علاقہ میں نشو ونما پانے کے باوجود اس کا ایک بھی لفظ نہیں اپنایا۔ یہ مرہٹی کی گہرائی اور گیرائی ہے کہ جو اس طرح اثر انداز ہوئی ہے۔ بالخصوص سرکاری نظم و نسق میں آج تک اردو ہی چھائی ہوئی ہے جیسے اول کارکن، بندوبست، جمع بندی، تحصیل، تحصیلدار، معاملتدار، چٹ نویس، خضر نویس، آنہ واری وغیرہ۔

دکھنی کسی فرقہ اور کسی خاص مذہب والوں کی ایجاد نہیں، یہ تو آپس میں ملے جلے تمدن اور تہذیبی ورثہ کی برقراری اور نشو ونما کا ایک ذریعہ رہی جس کو اب اردو زبان اسی طرح انجام دے رہی ہے۔

دکن میں کلاسیکی دکنی نے ترقی کرتے کرتے وہ مقام اور درجہ حاصل کر لیا کہ نہ صرف سرکاری زبان قرار دی گئی بلکہ اعلیٰ تعلیم اور فنی تعلیم جیسے ڈاکٹری اور انجنیئری کیلئے بھی ذریعۂ تعلیم قرار دی گئی۔ ان تمام مراحل میں جو بات قائم رہی وہ اس کی انفرادیت ہے۔ آج بھی اس کی جو امتیازی خصوصیات ہیں ان میں سب سے زیادہ دلچسپ تخفیفِ صوت ہے جیسے آسمان کے بجائے اَسمان، چونا (چُنّا)، ہاتھی (ہتّی)، میٹھا (مِٹھّا)، کتنے (کِتّے)، اتنا (اِتّا)۔ اسی طرح ہائے ہوز کی تخفیف ہے جیسے یہاں کے بجائے یاں، وہاں (واں)، نہیں (نئیں)، ہاں (ہو)۔ ہائے ہوز کو ہائے مخلوط میں بدل دینے کا بھی رجحان کافی نمایاں ہے جیسے باہر کو بھار، بہت کو بھوت، لہو کو لھو وغیرہ۔

دکنی بول چال میں ایک اور بہت زیادہ نمایاں اور واضح چیز ہے وہ جمع کا قاعدہ ہے جو 'اں' لگا کر بنائی جاتی ہے جیسے کتاب کی جمع کتاباں، کھیت کی جمع کھیتاں، دکان سے دکاناں۔ ویسے یہ رجحان پنجابی ہریانی دوآبہ کی کھڑی بولی میں بہت عام ہے۔

ایسے ہی کر کو 'کو' میں بدل دیا جاتا ہے جیسے کھا کر کے بجائے کھاکو، آکر کے بجائے آکو۔

دکنی پر مرہٹی کا جو بہت زیادہ مضبوط اثر ہے وہ فعل، حرف، اسم، صفت ہر جگہ تاکیداً اور حکماً 'چ' کا اضافہ ہے۔ یہ میواتی اور راجستھانی بولیوں میں بھی رائج ہے جیسے یہ کرناچ پڑے گا، تم کوچ کرنا ہوگا۔ صرف ہری داسچ آیا۔ تجھے چاکری کیا تو اپنچ بول۔ تیرا شعر دکنی ہے دکنیچ بول۔

دکنی تلفظ کی سب سے زیادہ نمایاں اور گرفت میں آنے والی خصوصیت ق اور خ کی تقلیبِ صوت ہے۔ اس کی تمثیل مرہٹی کی زادرچ ہے کہ بولنے والوں کو دونوں کے اظہار پر قدرت ہے لیکن ایک کو دوسرے سے الٹ پلٹ دیا جاتا ہے جیسے وقت کے بجائے وخت، بندوق کو بندوخ، تقریب کو تخریب کہتے ہیں۔ کسی حیدرآبادی نے کہا "میرے لڑکے کی سالگرہ کی تخریب میں ضرور شرکت کیجیے"۔ سننے والے نے چونک کر کہا "معاف کیجیے میں کسی تخریبی کام میں کیسے شرکت کر سکتا ہوں"۔ دراصل یہ محض دکنی خصوصیت نہیں ہے۔ یہ مشرقی ایرانی کی عام خصوصیت ہے اور شمالی ہند کے عوام کی بولی میں کچھ اس طرح کی تقلیبِ صوتی نظر آتی ہے کہ اگالدان کو اغالدان، فکر کو فِقر، تڑکنے کو تڑخنا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے پنجاب میں اقبال کو اِکبال، حقہ کو حُکہ کہا جاتا ہے۔ اکثر لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ اردو کبھی ایک علاقہ کی زبان ہے نہ یہ علاقہ واریت کی قید و بند کو برداشت کر سکتی ہے۔ بہرحال اکثر استہزائیہ انداز میں اعتراض ہوتے ہیں۔ چونکہ اکثر معترضین کا لہجہ توہین آمیز ہوتا ہے ایک دکھنی شاعر گنفار دکنی نے اپنی بھڑاس اس طرح نکالی ہے۔

قاف اور خے میں ہے کیا فرق ہمیں کیا معلوم
ہم زبان اپنی چلانے کو زباں جانتے ہیں
ہے لغت حلقہ بگوشش اور قواعد ہے کنیز
خانہ زاد آپ کا ہے صرف تو ہے نحو غلام
شین قاف آپ کا اللہ سلامت رکھے
آپ کچھ بھی ہوں مگر اگلی صفوں میں ہی رہیں

سرزمین دکن کی یہی خصوصیات ہیں کہ جن کو وجہی نے سب سے پہلے اس طرح پر لکھا تھا۔

دکھن سا نہیں ٹھار سنسار میں
پنج فاضلاں کا ہے اس ٹھار میں
دکھن ہے نگینہ انگوٹھی ہے جگ
انگوٹھی کوں حرمت نگینہ ہی لگ
دکھن ملک کس دھن عجب ساج ہے
کہ سب ملک سر اور دکھن تاج ہے

اسی طرح نصرتی کی زبان میں اسکی تعریف سنئے:

ہر ایک دیپ تجھ دیپ آنا ضرور
کہ سب ملک اندھارا دکھن پر ہے نور

وجہی، نصرتی، طبعی کے بعد آصف جاہ ثانی کے دور تک بھی نوازش علی خاں شیدا وغیرہ مقبول رہے لیکن ادبی معیار کو اونچا کرنے کے رجحان نے اس دکنی کو تقریباً نیست و نابود کر دیا لیکن پچھلے ۲۰ سال میں پھر سے اس زبان میں شاعری کی جانے لگی۔ لیکن اِن کاوشوں نے طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کا روپ دھارا جس کی وجہ سے یہ زبان بالکلیہ مزاحیہ ادب کے لیے مختص ہوگئی اور اسی انداز سے بتدریج ترقی پذیر ہے جب کہ بحیثیت مجموعی اردو کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری نے کوئی خاص ترقی نہیں کی۔ اس شاعری میں ٹھیٹھ دکنی الفاظ اور ان کے مختلف الرواج تلفظ سننے والے کو کچھ دیر تو شش و پنج میں ڈال دیتے ہیں لیکن متذکرہ بالا خصوصیات کو دھیان میں رکھا جائے تو وہ بڑی آسانی سے سمجھ میں آتی ہے اور اس کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔

رحیم کی شاعری صوتیاتی حد بندی پر منحصر ہے۔

انہوں نے مزاج کی خاطر جانوروں کی بولیوں کا بھی سہارا لیا ہے چونکہ یہ وقتیہ مخول پر مبنی ہے اور اس میں طنز استہزاء وغیرہ بالکل نہیں اسلئے ان کا کلام بھلا دیا گیا۔

لیجئے اب زمانہ حال کے دکنی شعراء اور ان کے کلام کا تعارف پیش خدمت ہے۔

نذیر احمد دہقانی دکنی مزاحیہ شاعری کے امام ہیں۔ ان کی شاعری کے تین دور ہیں۔ انہوں نے دیہات کی سادہ زندگی میں شاعری کی ابتدا کی جہاں موٹ کا گیت، لمباڑن دیہاتن پر قلم فرسائی کی۔ دوسرا دور شہر کا ہے جہاں تکلف و تصنع دیکھ کر یہ چیک اٹھے اور تیسرا دور سیاسی ہے۔ جس میں تمہاری کی ٹچ چپ، روتی صورت، خالہ ماں، رس تو کیا نہیں رس تو کیا، مزدور، موسی ندی کی کہانی، زبان کی خوبی کو برقرار رکھتے ہوئے یہ دکھنی کی انفرادیت کو قائم رکھنے میں تشبیہہ و استعارہ سے بھی کام لیتے ہیں۔ زبان کے حسن کو نکھارتے ہیں۔

موٹ کا گیت

جب لوگاں رہتیں نینداں میں، میں ہاتھ میں لمبا لٹ لے کو
میں موٹ چلانے جاتا ہوں تو کھاندے پو کمل سٹھ لے کو
میں موٹ چلاتے رہتا ہوں جب ہو کر مست قبالاں میں
شبنم نئے کے موتیاں پڑتی ٹھنڈے تو میرے سر کے بالاں میں
جب ڈول ڈباتوں بوڑی میں ہر رگ رگ جنبش کرتی ہے
تو دیکھو کو بہت ٹھنڈی ہوئے رک رک کو ہش ہش کرتی ہے
جب چٹل پینے دم لیتوں جب پاداں میرے تھکتے ہیں
تو میرے بلایاں لینے کو جھاڑاں کے ڈغالاں جھکتے ہیں

●

بیٹھے بیٹھے ظالم سے آنکھ لڑ گئی ناجی
ہور بی مصیبت میں جان پڑ گئی ناجی
خالی باتاں باتاں میں بات بڑھ گئی ناجی
بات بنتے آئی تھی یوں بگڑ گئی ناجی
لگ کو میٹھا بولے تو منڈ کو کھڑ گئی ناجی
یوں مرے منانے پر حد بگڑ گئی ناجی
ایک دم نجر رخ پو اُس کے پڑ گئی ناجی
اب ہٹائے سے ہٹتیج نین واںچ گڑ گئی ناجی
وہ نقاب رخ پو کا اک ادا سے سرکا تیچ
روشنی چراغاں کی ماند پڑ گئی ناجی
ہستے بستے محفل میں ناؤں اُسکا پوچھا تھا
ہات دھو کو اُس دن سے پیچھے پڑ گئی ناجی
ایک وہ بھی عالم تھا پاداں دھو کو پیتی تھی
پیار سے بلایا تو سر پو چڑھ گئی ناجی
آخری وقت مجھے دیکھنے بلائی تھی
سن کو پوچھے پوچھے لگ سانس اکھڑ گئی ناجی
ڈھیلے ڈھالے کرتے کو تنگ سلا کو پہنتی ہے
ہلو ہلو فیشن میں خود جکڑ گئی ناجی
روج روج کی شاپنگ، روج روج کے تحفے
عاشقی میں دہقانی کھال ادھڑ گئی ناجی

ڈنڈا - غلام سرور خان ڈنڈا

دکن کی دیہاتی زبان میں غزل، نظم، گیت، سب ہی طرح خامہ فرسائی کی ہے۔ ہر انداز سے ہنسی مذاق کے پیرائے میں عوام الناس کے جذبات کی بڑے دلچسپ اور اچھوتے رنگ میں ترجمانی کی ہے۔ ان کے گیت محبت سے بھرپور ہیں اور اداس دلوں کو شگفتگی بخشتے ہیں۔ انہوں نے ہر ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور لوگوں کو اپنے شستہ طنز سے امید دلائی ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا مسکراہٹ کے پردے میں غم و اندوہ، ہنسی کے پیچھے درد و الم اور ہر موقعہ پر لوگوں کی حمیت کو للکارا ہے، اپنے ماضی پر فخر سکھایا ہے، انہوں نے محبت بھرے گیت بھی لکھے ہیں۔

گیت

قلی قطب بادشاہ تھے رنگ رنگیلے
رنگ رنگیلے بڑے چھبیلے
بھاگیہ رتی سے لے کر بھاگ متی تک
ممتا کے چاؤں سے دھرتی تک
مست مراداں الوے تلوے
قلی قطب بادشاہ تھے رنگ رنگیلے
رنگ رنگیلے بڑے چھبیلے
جنتا کی سیوا میں تن من دھن سے
کبھی چھن چھن سے کبھی کھن کھن سے
جنتا کی سیوا میں پاپڑ بھی بیلے
قلی قطب بادشاہ تھے رنگ رنگیلے
رنگ رنگیلے بڑے چھبیلے
اکھاڑے میں رستم اکھاڑے میں اندر
اپنے وقت کا تھا بانکا سکندر
گن اس کے دنیا سے نئے نویلے
قلی قطب بادشاہ تھے رنگ رنگیلے
رنگ رنگیلے بڑے چھبیلے
اردو زبان کا تھا پہلا وہ شاعر
تھا اپنے فن میں بھی یکتا وہ ماہر
غزل گیت اسکے رسیلے سریلے
قلی قطب بادشاہ تھے رنگ رنگیلے
رنگ رنگیلے بڑے چھبیلے

غزل

ان کی وہ اوندھی چال ہے سو ہے — جینا اپنا محال ہے سو ہے
گاڑی اپنی اُلال ہے سو ہے — دل کو اپنے ملال ہے سو ہے
تھپڑ ایسا اُنو رسید کریں — اب تلک سرخ گال ہے سو ہے
ایسے روشن زمانہ میں ڈنڈے — ایو الفت کا کال ہے سو ہے

●

دلِ ناداں سو یا مچلتے مچلتے
کریا ناک میں دم تھلتے تھلتے
میرے امیداں کی میرے ارماناں کی
پتنگ تھا پہ کھاگئی سلکتے سلکتے
کبھی دم پو رکھ کبھی دھونساں دیکر
میری جان لے رہیں سلتے مسلتے
رہ عاشقی میں یہ آفت تو دیکھو
میرے ساتھ چل رہیں تھلتے تھلتے

●

اعجاز حسین خاں کھٹّا : تخلّص سے ہی ان کا دکھنی ہونا ثابت ہے کہ اہلِ دکن کھٹّے کے بغیر جی نہیں سکتے۔ انھوں نے بھی عوام کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا۔ ان کو طعنے دیئے، ان کی حمیّت کو جگایا۔ کلام میں ایک خاص بانکپن ہے۔

سائیں کی صدا

جاگ رے بابا جاگ رے بابا، گھر کو لگی ہے آگ رے بابا
لختِ جگر سب تک رہے منہ کو، دودھ کو پی رہیں ناگ رے بابا
گوکھرو پائے بوکر جوکو، پھوٹیں تیرے بھاگ رے بابا
اپنچ نیا آپ ہی پیاسے، جینا ہے دیتا گ رے بابا
کھا پیچ دیں گے سیئس ادھڑے، چھین لے ان سے باگ رے بابا
بھیک نہیں آزادی حق ہے، سمجھا نئیں بیراگ رے بابا

نکوچ نکو

املی کے جھاڑ کی مجھے بس بس ہے چھاؤں یہ
غیروں کے آنگنے مصیل یہ چھپتر نکوچ نکو
صغرا ہو تو دھڑی کی ادرک مجھے ہے بس
نکو میاں فرنگی کا جنجر نکوچ نکو
میٹھے کو جی سنکے تو ذرا گڑ کتر کو کھا
کڑوی رہتی پڑوسی کی شکر نکوچ نکو
کھیتے کی لاش کھڈے میں ننگیچ گاڑ دیو
اس کے کفن کو غیر کی چادر نکوچ نکو

سلیمان خطیب : تقریباً ۲۰ سال سے دکن میں شاعری کر رہے ہیں۔ دکن کے عوام کے سماجی اور معاشرتی مسائل کو اس رنگ میں خوب نکھار دے کر سلجھانے کی خاطر سجایا ہے۔ لگتا ہے کہ یہ باتیں کر رہے ہیں لیکن ان ہی میں کام کی باتیں نکھر آتی ہیں۔ دکھنی شاعری کے بڑے ہی کامیاب اور مقبول شاعر ہیں۔ ان کو بمبئی جیسے شہر میں بھی بہت پسند کیا جاتا ہے کہ جہاں خالص دکھنی سمجھنے والے بہت کم ملیں گے اچھوتی اور انوکھی تشبیہات سے ان کا کلام بھرا ہوا ہوتا ہے۔ وہ ہنستے ہنستے رُلاتے ہیں اور رُلاتے رُلاتے ہنساتے ہیں۔

دکنی عورت کا انتظار ملاحظہ فرمایئے۔

کچّے کلیاں کے سیجاں پھاکو رکھیوں،
کچّے پاناں کے بیڑے بناکو رکھیوں تو
سوندھے گھی کے چراغاں جلاکو رکھیوں
میں تو چوکھٹ پو دیدے لگاکو رکھیوں
دیکھو برکھا کے بادل ستانے لگے
ہور تمے یاد بھوتیچ آنے لگے
پھولاں بیلاں کے زلفاں سجانے لگے
پتّے ہریالے گھونگھٹ اُٹھانے لگے
جگنو رستے میں دیپک جلانے لگے
رستے اُڈّہ اُڈّہ کو رستہ دکھانے لگے
دیکھو برکھا کے بادل ستانے لگے
ہور تمے یاد بھوتیچ آنے لگے

علی صاحب میاں : ان کا کلام طنز سے بھرپور ہے اور گوکھرو کے کانٹے کی طرح چبھتا ہے لیکن صرف پاؤں میں ہی نہیں بلکہ جسم و جاں میں پیوست ہو جاتا ہے جس کی خلش مٹتی ہی نہیں، ان کا رنگ عوامی ہے اور عوام میں بے حد ہر دلعزیز ہیں۔

گڑبڑی میں آئے تھے اور گڑبڑا کر چل دیئے
ہوش میرے ان کے پیچھے پھڑپھڑا کر چل دیئے
ووٹ ملنا تھا کی بس ہلو چکانی دے کو چل دیئے
کیوں بھی جی گھٹ کر کو پوچھیا تھا میں اُن سے دل کی بات
منہ میں منہ میں کیا کی کیا کی بڑبڑا کر چل دیئے

مرنا ہے ایک روز تو ہر روز کیوں مرو
کرنے کا کام چھوڑ کے چپ ہائے کیوں بھرو
دنیا میں رہ کے کیوں بی ڈھکیلنا ہے زندگی
ڈکلی میں سر دیئے ہیں تو مسلوں سے کیوں ڈرو
ہڈیاں ٹوٹے تلک تو وہ ایٹیاں کرتے رہے
گنڈوں کی بات آئی تو پھرکیاں پھراتے رہے
عمر تمام یونچ کٹی علی صاحب کی
اماں کا کھائے ماموں کے بکریاں چراتے رہے

گلی نلگنڈوی کے کلام سے انتخاب پیش ہے۔

آنکھ رکھ کو بھی میں اندھا اور دیوانہ کہتے
ان کی تڑپٹ انکھیاں نرگس اور پیمانہ کہتے
کیا بتاؤں مل گئے کیسے قدردانان مجھے
شعر بھی پڑھنا کہتے، مطلب بھی سمجھانا کہتے
دیکھ کو فلماں نوے اب دور سے وہ بول رئیں
بن کو میں راجیش کھنہ خواب میں آنا کہتے

ڈھکن رائچوری :

محبت کے کیا کیا ہیں ناماں نہ پوچھو
منجے یاد آتیں سو شاماں نہ پوچھو
امیراں کی محفل کے باتاں نہ پوچھو
پلاتیں شراباں کے جاماں نہ پوچھو

یوسف یکتا :

زخم جو دل پو لگے ہیں وہ دکھانا نئیں کہتے
داستانِ درد و غم سب کو سُنانا نئیں کہتے
میرے باوا رہ وقت تو انوں آتیں بے دھڑک
ان کے باوا رہ وقت میں گھر کو آنا نئیں کہتے

حمایت علی کا رنگ بھی طنز و استہزا میں نرالا :

دیدہ تو کرئیں پن کی آتیں کی نئیں آتیں کی
جھاڑیوں کو غم کے ڈھیر ڈھاتیں کی نئیں ڈھاتیں کی
اُنوں جلدی آنا کر کو رکشا تو بھجایا ہوں
رکشا ہے ذرا چھوٹا ماتیں کی نئیں ماتیں کی
میں ننگے پاؤں سے بھاگا باوا سے ڈر کے اُنے
سنگات میرا جوتا لاتیں کی نئیں لاتیں کی

بگڑ رائچوری :

کھٹے کی کڑی میں مکھی پڑی گئے
لگے اماں اب کیا
گھر والے آ کو دیں گئے تڑی گئے
اگے میری اماں اب کیا
بن گئی مصیبت کھٹے کی کڑی گئے
اگے میری اماں اب کیا

یہ ڈھولک کا گیت ہے جس میں "اگے اماں" تکیہ کلام ہے۔

شادی بیاہ کے موقعہ پر میراثنوں کے گیت :

کدو خاں بھائی کی شادی، کرو سارے جگ میں منادی
بھینڈی خالہ کو بلانا، سانجھ کے ٹھلیاں بھرانا
کدو خاں بھائی کی شادی
آلو خالہ کو بلانا ، بڑی کے خواناں سجانا
کریلا کڑوا کسالا، کدو خاں بھائی کا سالا، پاداں پڑپڑ کو بلانا
کدو خاں بھائی کی شادی

سالی اور سیلج پر چسپاں میراثنوں کے ہنسی کے گیت :

شہزادے بنے سالی کو جھانکو نکو
وزیرزادے بنے سالی کو جھانکو نکو
سالی تماری رنگ رنگیلی - سالی تماری بانکی چھبیلی
شہزادے بنے ساڑھو کو دھوکا نہ دو
سالے کو دھوکا نہ دو

•

طنز وطعنہ، آوازے توازے، تعلّی و ڈینگ بھی ان کے گانوں کی خصوصیت ہے۔

دولھے کے نا قدرے لوگ، اَلّو ماں،
دولے کے نا قدرے لوگ
یہ لوگاں آتیں بول کو میں فرش کرائی،
سوزنی بچھائی، مسند لگائی
الّو ماں ٹاٹوں پو بیٹھنے کے لوگ،
الّو ماں بوریوں پہ بیٹھنے کے لوگ
یہ لوگاں آتیں بول کو میں خاصہ پکائی،
دستر بچھائی، خاصہ چُنائی
الّو ماں ٹکڑوں کے چابنے کے لوگ،
الّو ماں چھتّوں میں کھانے کے لوگ
یہ لوگاں آتیں بول کو میں پلنگاں کسائی
بستر بچھائی، سیج بچھائی
الّو ماں ٹھنتوں پو لوٹنے کے لوگ،
الّو ماں دولے کے نا قدرے لوگ

٭ ٭ ٭

بقیہ : شری فخرالدین علی احمد

(صفحہ ۱۷ سے آگے)

صنعتی ترقی اور کمپنی امور مقرر کیا گیا۔

وزیر صنعتی ترقی اور کمپنی امور کی حیثیت سے آپ نے ایک نئی صنعتی پالیسی وضع کی جس کا مقصد تیزی سے بڑھوتری، چھوٹی اور ضمنی صنعتوں کیلئے وسیع بُنیاد، پس ماندہ علاقوں پر خاص توجہ اور خاص بیرونی تعاون حاصل کرنا تھا۔ آپ نے اول اجارہ داری بل نیز پیٹنٹس بل پیش کیا۔

۲۷ جون ۱۹۷۰ء کو شری احمد نے وزیر زراعت کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا ۱۹۷۲ء کے عام انتخابات میں آسام کے سابقہ حلقے سے لوک سبھا کے لئے منتخب ہونے کے بعد وہی عہدہ آپ کے سپرد کیا گیا۔ آپ ستمبر ۱۹۷۰ء میں 'ایف اے او' کانفرنس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کے لئے آسٹریلیا تشریف لے گئے تھے آپ نے نومبر ۱۹۷۱ء نیز نومبر ۱۹۷۳ء میں روم میں منعقدہ 'ایف اے او' کی کونسل کے اجلاس میں ہندوستانی وفد کی قیادت کی۔

شری احمد کابینہ کی 'سیاسی امور کمیٹی' کے سب سے سینئر ممبر تھے۔ اس لحاظ سے تمام سیاسی فیصلوں سے آپ کا تعلق رہا۔

شری احمد کو کھیل کود سے بڑی دلچسپی ہے۔ آپ کئی سال تک آسام فٹ بال ایسوسی ایشن اور آسام کرکٹ ایسوسی ایشن کے صدر رہے اور آسام اسپورٹس کونسل کے نائب صدر رہے۔ نیز آپ ریاست کے کئی دیگر سماجی ادارہ جات سے منسلک رہے۔ حال ہی میں آپ کو آل انڈیا لان ٹینس ایسوسی ایشن کا صدر منتخب کیا گیا ہے۔

آپ نے ۱۹۴۵ء میں بیگم عابدہ سے شادی کی۔ آپ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔ ■

آہ ٹھاکر پونچھی!

نہایت افسوس کے ساتھ یہ خبر دی جاتی ہے کہ اردو اور ڈوگری زبان کے مشہور ادیب ٹھاکر جگن ناتھ پونچھی ۱۶ اگست ۱۹۷۵ء کو ایک حادثہ کا شکار ہو کر اپنے متعلقین اور ہزاروں چاہنے والوں کے علاوہ اردو اور ڈوگری ادب کو داغِ مفارقت دے گئے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۵۰ سال تھی۔ آپ آل انڈیا ریڈیو کے جموں اسٹیشن پر نیوز ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔

قومی راج کا امیر خسرو نمبر

عظیم شاعر، صوفی و ماہر موسیقی حضرت امیر خسروؒ کی ساتویں صد سالہ سالگرہ کے موقع پر "قومی راج" کا خصوصی شمارہ نومبر ۱۹۷۵ء میں شائع کیا جائے گا۔

اہلِ قلم حضرات سے گذارش ہے کہ اپنے رشحاتِ قلم ۱۵ اکتوبر تک ارسال فرمائیں۔ مضامین، مقالات اور منظومات صاف وخوشخط اور ورق کی صرف ایک طرف لکھی ہوئی ہوں۔

وقار خلیل

سفر کی انا

ظلمت سے انوارِ سحر تک
ڈرتے ڈرتے، رکتے رکتے اور ذرا تیزی سے چل کر
ہم جس منزل پر پہنچے ہیں
اُس کا نام ہے چاندی جیسا
نظروں میں ہیروں کی چمک ہے
پیشانی پر جگمگ کرتے، یاقوت اور الماس کے جھومر
بازو بند ہیں نیلم، سونا اور جواہر
قدم قدم پر چاند ستارے
دیکھو، دنیا والو! دیکھو
کتنے تونگر، کیسے فرخ بخت ہیں ہم بھی
ظلمت سے انوارِ سحر تک
کتنا مبارک اور مستحسن اپنا سفر ہے

بشیر بدر

جدید غزل

[illegible]
[illegible] پہ تھی سیب جیسے گالوں پر

[illegible] محفوظ رکھنے سینے میں
[illegible] جمنے لگی ہے بالوں پر

[illegible] کس نے لیپ دی ہیں
[illegible] موسم کے شوخ گالوں پر

[illegible] تو کتنا تیتا کہاں ہوں گے
[illegible] تیتلے جبت سے تھے ڈالوں پر

تم بھی بک جاؤ گے ہماری طرح
[illegible] دان [illegible] چار [illegible] پر

[illegible] کی اڑکیوں نے جنگل میں
پھول دے رکھے ہیں سر تالوں پر

[illegible] میں پھول [illegible] ران میں مچھلی
تتلیاں سو رہی ہیں گالوں پر

صرف اِک خواب تھی جدید غزل
ناز کر ہم سے بے کمالوں پر

اقبال اور فلسفۂ مغرب

جگن ناتھ آزاد

مغرب کے تعلق سے کلامِ اقبال کا
ئے اس قدر افراط و تفریط سے کام
حقیقت اسی افراط و تفریط میں گم
ہے ۔ اہلِ قلم کی ایک جماعت نے مذہبی
ثابت کرنے کے لئے پورا زور لگا
مہ اقبال نے قدم قدم پر مختلف مغربی
ریات کی تردید اور تغلیط کی ہے ۔
ت اُن حضرات پر مشتمل ہے جن کے
، اقبال کے افکار مغربی مفکرین کے
ہیں ۔ یہ حضرات اس ضمن میں نطشے
ا ذکر خاص طور سے کرتے ہیں۔
ن طرح کے خیالات کے لوگ
. بات چیت کرتے وقت غالباً اس
موش کر دیتے ہیں کہ ادب العالیہ یا
ی فلسفیانہ نظریئے کی تردید یا تائید
، ۔ ایک بڑا اور وسیع المطالعہ شاعر
ریات کو پسند بھی کرسکتا ہے ناپسند
بڑے بڑے شعراء اور فلسفیوں کے
ذیر ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔
نہیں ہوتا کہ زندگی کے رستے میں
کے پڑا رہے بلکہ اس میں دوسروں
بھنے کی ، انھیں قبول یا رد کرنے کی
، پر غور و خوض کرنے کی بڑی صلاحیتیں
، کی ماحول پر بڑی گہری نظر ہوتی
ہے ۔ اسی ماحول سے وہ متاثر بھی ہوتا ہے اور
اسے متاثر بھی کرتا ہے ۔ وہ دنیا کے چھوٹے
بڑے واقعات کو آفاقی کینوس کے پس منظر میں
دیکھتا ہے ۔ کائنات اور کتاب کا مطالعہ ہر لمحہ
اُس کے فکر و نظر پر نئی راہیں کھولتا ہے اور اس
کے نتیجے کے طور پر وہ ہر وقت اپنے نظریات کو
اپنے خلوص کی کسوٹی پر پرکھتا ہے ۔

اقبال ایک ایسے ہی بڑے فن کار ہیں انہیں کسی محدود اور تنگ نظریئے کی چار دیواری میں مقید کرنا اقبال کے ساتھ ہی نہیں ہندوستان بلکہ سارے مشرق کے ادب کے ساتھ بے انصافی کرنے کے مترادف ہے۔

علوم مغرب سے متعلق علامہ اقبال کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر تاثیر مرحوم نے نہایت عمدہ بات کہی ہے ۔ مقالاتِ یومِ اقبال کے دیباچے میں آپ لکھتے ہیں : " اقبال نے یورپی تہذیب کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی اور اسلام کو جدید یورپی خیالات کی روشنی میں پیش کیا۔" ڈاکٹر تاثیر کے یہ چند الفاظ اقبال کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ایک چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو کچھ تاثیر مرحوم نے کہا ہے وہ خود علامہ کے اپنے افکار ہی کا پرتو ہے ۔ اقبال اپنی تصنیف " اسلام میں افکارِ الٰہیہ کی تشکیلِ جدید" میں لکھتے ہیں ، " تاریخِ جدید کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ آج دنیائے اسلام بڑی تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف گامزن ہے ۔ مغرب کی طرف اس جادہ پیمائی میں کوئی خرابی نہیں ہے ..... اندیشہ صرف یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو ہم مغرب کی ظاہری چمک دمک ہی سے مسحور ہو جائیں اور مغربی تہذیب کی گہرائی تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہ جائیں ۔" اس کے ساتھ ہی علامہ فرماتے ہیں : " ہمارے لئے واحد رستہ یہی ہے کہ ہم علومِ جدید کی جانب ایک مودبانہ اور آزادانہ رویّہ اختیار کریں اور انہی علوم کی روشنی میں تعلیم اسلام کو سمجھیں خواہ اپنی اس کوشش میں ہمیں اپنے پیش رووُں سے اختلاف ہی کیوں نہ کرنا پڑے ۔"

علامہ اقبال نے یہ نظریہ ۱۹۲۸ء میں پیش کیا لیکن وہ دراصل شروع ہی سے مغرب کے متعلق اسی ترقی پسند خیال کے حامی رہے ۔ اقبال ایک وسیع النظر فلسفی شاعر تھے ۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر پرستارانِ کلامِ اقبال نے شعوری یا غیر شعوری طور پر انہیں ایک محدود انداز میں پیش کرکے دنیا بھر کے لئے غلط فہمیوں کا سامان مہیا کر دیا ہے ۔ اقبال نے بڑے ذوق و شوق سے یورپی فکر و نظر کے سرچشموں سے اپنی پیاس بجھائی ہے

۱۹۰۵ء میں جب آپ تحصیل علم کیلئے یورپ
روانہ ہو رہے تھے تو حضرت محبوب الٰہی کے
آستانے پر پہنچ کر انہوں نے یہ دعا مانگی تھی ۔

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحرا ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

دل سے نکلی ہوئی یہ دعا قبول ہوئی اور اقبال
نے قیام یورپ کے دوران میں بیکن ، ڈیکارٹ ،
اسپینوزا ، لیبنز ، لاک ، برکلے ، ہیوم ، کانٹ ،
فشٹے ، نیٹشے ، شوپن ہائر ، ملٹن ، گوئٹے ، جیمز وارڈ
اور برگساں وغیرہ کے خیالات کا اور زیادہ گہری نظر
سے مطالعہ کیا ۔ ان کے علاوہ میکڈوگل ، ڈبلیو جیمز ،
کارلائل ، براؤننگ اور برنارڈ شا کے افکار کو بھی
جانچا اور پرکھا اور اس کے ساتھ ہی سقراط ، افلاطون
اور ارسطو ایسے متقدمین کی تحریروں کو اپنے فکر و نظر
میں سمویا ۔ اقبال ان مفکرین کے اکثر نظریات سے
متاثر بھی ہوئے اور ان کے افکار کہیں کہیں ان کی
شاعری میں اس طرح در آئے ہیں کہ بعض سطح بینوں
کو وہ اغیار کی فکر کے عکس یا چربے معلوم ہوتے
ہیں حالانکہ ایک وسیع المطالعہ انسان کے لئے یہ
ممکن ہی نہیں کہ وہ دوسروں کے افکار سے متاثر
نہ ہو اور پتھر کی طرح جامد رہے ۔ دوسروں کے
افکار سے متاثر ہونے کے بارے میں اقبال نے ایک
بڑی اہم بات کہی ہے ۔ مجھے اس وقت ان کے الفاظ
تو یاد نہیں لیکن وہ لکھتے ہیں کہ انسانی ذہن ہر وقت
ارتقا پذیر رہتا ہے ۔ ہاں پتھر تبدیل نہیں ہوتا
اور انسانی ذہن پتھر نہیں ہے ۔

پروفیسر ایم ۔ ایم ۔ شریف نے جناب
بشیر احمد ڈار کی کتاب Iqbal and
Post-Kantian Voluntarium
کے پیش لفظ میں اس نکتے کی خاص طور سے وضاحت
کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں : " یہ کہنا کہ ایک مفکر دوسروں
کے انداز فکر سے متاثر ہوتا ہے اس کی اہمیت کو
کم کرنے کی کوشش نہیں ہے ۔ ایک نابغہ جب
ایک شاہکار پیش کرتا ہے تو اس شاہکار کا تانا بانا
وہ ماضی کے اُس سرمائے سے مستعار لیتا ہے جو
اُسے اپنے دور کی زندگی اور ادب میں نظر آتا ہے
اور کسی بھی نابغہ کی پوری شخصیت کا مطالعہ اُس وقت
تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک ہم ماضی کے اُس
سرمائے کا مطالعہ نہ کرلیں جس کی بنیادوں پر اُس
نابغہ نے اپنے فن کی عمارت تعمیر کی ہے ۔" لیکن خود
مصنف جناب بشیر احمد ڈار دیباچے میں اقبال کا
ذکر کرتے ہوئے پروفیسر شریف کے اس بنیادی نکتے
کو فراموش کر گئے ہیں ۔ بشیر احمد ڈار کے الفاظ میں
" مغربی فکر اُس تاثر کا محض ایک حصہ ہے جس کی
مدد سے اقبال نے اپنا ایک واضح نظریۂ حیات
پیش کیا ۔ اس تاثر کا بیشتر اور زیادہ اہم حصہ
اقبال نے اسلامی تفکر کی قدیم روایات سے حاصل
کیا اور یہ وہ تمدنی سرمایہ ہے جس کی تشکیل و تکمیل
میں بڑے بڑے فلسفیوں ، صوفیوں اور شاعروں
نے حصہ لیا ہے ۔" جناب بشیر احمد ڈار یہاں دو اہم
باتوں کو نظر انداز کر گئے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اقبال
کی شخصیت اور اُن کے فن کی تعمیر میں صرف مغربی
اندازِ فکر اور اسلامی تفکر ہی شامل نہیں بلکہ ایک
اور اہم سبک فکر بھی شامل ہے اور وہ ہے قدیم
ہندوستانی اندازِ فکر ۔ اس اندازِ فکر کی چھاپ
کلامِ اقبال پر اوّل سے آخر تک موجود ہے اور
چونکہ کلامِ اقبال کے اس پہلو پر میں اپنی کتاب
" اقبال اور اس کا عہد " میں مختصر سی بحث
کر چکا ہوں اس لئے اُسے یہاں نہیں دہراؤں
گا اور صرف یہی کہنے پر اکتفا کروں گا کہ کسی
بھی نابغۂ عصر کا تعلق اُس روایت سے توڑنا
جس سے وہ زندگی کے ہر دور میں متاثر ہوا ہو
اُس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش ہے ۔ خواہ
یہ کوشش شعوری ہو یا غیر شعوری ۔

اقبال کے فکر پر اس وقت تک جو کچھ بھی
کام ہوا ہے وہ اس قطعیت کے پس منظر میں ہوا
ہے کہ اقبال محض اسلامی اور مغربی تفکر سے متاثر
ہوئے ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ فکرِ اقبال اور کلامِ
اقبال کے ساتھ اس سے بڑی بے انصافی اور
کوئی نہیں ہو سکتی بالخصوص جب کہ اقبال خود یہ
کہتے ہیں کہ فلسفے میں قطعیت نام کی کوئی چیز
نہیں ہے ۔

فکرِ اقبال کی مکمل تصویر اس وقت تک
ہمارے سامنے نہیں آسکتی جب تک ہم اپنے
اس خود ساختہ محدود دائرے سے باہر نہیں
آتے اور اگر ہم تخلیقاتِ اقبال سے قدیم
ہندوستانی تفکر کے عناصر خارج کر دیتے ہیں تو
اُن کی نظم و نثر کا اکثر حصہ مفہوم سے عاری
ہو کے رہ جاتا ہے اور فکرِ اقبال کی محض ایک
ادھوری اور نامکمل تصویر ہمارے سامنے آتی ہے ۔

●●

تراشہ

بنارس ہندو یونیورسٹی کے بانی پنڈت
مدن موہن مالویہ کی فرمائش پر اکبر الٰہ آبادی
نے یہ قطعہ کہا تھا :

محرّم اور دسہرا ساتھ ہوگا
نباہ اس کا ہمارے ہاتھ ہوگا
خدا ہی کی طرف سے ہے یہ سنجوگ
تو کیوں رکھیں نہ باہم میل ہم لوگ

یہ اِک نشاں ہے نئے دَور کے مسائل کا
یہ اِک نشان ہے محرومیٔ وسائل کا
یہ اِک نشان ہے ہر آدمی کی اُلجھن کا
یہ اِک نشاں ہے غریبی کے تنگ دامن کا
یہ اِک نشان ہے چہروں کی بے شماری کا
یہ اِک نشان ہے بحران روزگاری کا
یہ اِک نشان ضرورت ہے آدمی کے لئے
یہ اِک نشان علامت ہے آدمی کے لئے
یہ اِک نشان ہے موجودہ اِضطراری کا
یہ اِک نشان ہے نسلوں کی بے قراری کا
یہ اِک نشان ہے تولید کی کمی کے لئے
یہ اِک نشان ہے خوش حال زندگی کے لئے

رہِ حیات میں ہنس کر اگر گذرنا ہے
تو اِس نشاں کے مقاصد پہ غور کرنا ہے

• تسنیم فاروقی

بقیہ : کونسل کی کارروائی

قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ اپوزیشن کے ممبران کارروائی انجام دینے کے حق میں نہیں ہیں آپ نے ۱۸ ممبروں کو ۱۲ اگست تک کے لئے معطل کر دیا اور ایوان کو دن بھر کے لئے برخاست کر دیا۔

۷ اگست کو ایوان نے مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کی کارگذاری پر غور کیا۔ بحث شروع کرتے ہوئے شری ایس۔ اے پشنڈے نے فرمایا کہ گو بورڈ نے قلت کے زمانے میں قابل تعریف کام انجام دیا تھا فی الوقت اس کی خدمات قابل اطمینان نہیں ہیں۔ شری رام میگھے نے ایوان کی توجہ بورڈ کی بدعنوانیوں کی جانب مبذول کرائی۔

بحث میں حصہ لینے والوں میں سروشری این۔ ڈی۔ آگاٹے، پی۔ این۔ راج بھوج، ایم پی منگوڈکر اور ڈی۔ بی۔ جادھو شامل ہیں۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری کے۔ پی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت نے فرمایا کہ زیادہ منافع کا خیال کئے بغیر بورڈ دیہی علاقوں میں بجلی کی بہم رسانی کے پروگرام کو زیر عمل لا رہا ہے۔ زراعت اور صنعت کے لئے بجلی کی سپلائی کے لئے مخلصانہ کوشش کی جا رہی ہے۔ مبینہ بدعنوانیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر حکام کے علم میں مثبت کیس لائے گئے تو بدعنوانی کے مرتکب عملہ کے خلاف سخت ترین کارروائی کی جائے گی۔

مراٹھی عورت مراٹھی مرد اور مراٹھی لوک گیت

بدیع الزّماں خاور

ہمارے ملک کے عوام ہر دَور میں اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار، اپنی عوامی بولی میں کرتے آئے ہیں اور ہر عہد میں یہاں عوامی اَدب تخلیق ہوتا رہا ہے۔

مہاراشٹر میں عوامی ادب کی تاریخ نہایت پُرانی ہے۔ جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عیسوی سنہ کے آغاز سے بھی پانچ سو سال قبل، پیٹھن کی راجکماری کو اُس زمانے کے ایک عالم نے کچھ لوک کہانیاں سُنائی تھیں جن میں سے "چندرہاسا" سے متعلق ایک لوک کہانی کا مختلف مغربی زبانوں میں ترجمہ بھی کیا جا چکا ہے۔ لوک کہانیوں کی طرح ہی، مہاراشٹر کے لوک گیتوں کے ڈانڈے بھی قدیم ترین عہد سے جا ملتے ہیں۔

مہاراشٹر میں "جھما" نامی ایک لوک گیت کافی مشہور ہے جسے مراٹھی دوشیزائیں اکثر گایا کرتی ہیں:

झिम्मा खेळतो झिम्मा खेळतो,

कोंकणचा राजा झिम्मा खेळतो

["جھما" کھیل رہا ہے۔ "جھما" کھیل رہا ہے۔ کوکن کا راجہ "جھما" کھیل رہا ہے۔]

اِس لوک گیت میں کوکن کے راجہ کا ذکر، مراٹھی لوک گیت کی تاریخ کو سمجھنے کے سلسلے میں ایک ماٰخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مہاراشٹر کے ساحلی علاقہ، کوکن میں کسی راجہ کے راج کی بات، صدیوں پرانی ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہاراشٹر میں لوک گیت گانے کا سلسلہ بھی سالہا سال سے چلا آرہا ہے۔ اِس صدی کے شروع سے، قدیم لوک گیتوں کی فراہمی کی طرف توجہ دی جانے لگی ہے اور اب تک بے شمار پرانے لوک گیت جمع کئے جا چکے ہیں۔ مہاراشٹر میں آج کے مشینی دور میں بھی، وہ لوک گیت جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے آئے ہیں بڑی رغبت سے گائے جاتے ہیں۔ اور یہ لوک گیت، جو کان لگا کر سُننے اور دل لگا کر پڑھنے کی چیز ہیں، مہاراشٹر کی عوامی زندگی اور عوامی تہذیب کے حقیقی معنوں میں آئینہ دار ہیں۔

بھوانی ماتا کے آشیرواد سے پھلی پھولی اِس سرزمین پر، آج بھی دیوی دیوتاؤں کی پوجا بڑی عقیدت کے ساتھ کی جاتی ہے اور بھگتی رس میں پوجا کے گیت چھیڑے جاتے ہیں۔ اوویاں گنگنائی جاتی ہیں اور آرتیاں گائی جاتی ہیں۔ اور اس قسم کے لوک گیت سُن لینے کے بعد، یہ مان لینے کے لئے کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی کہ آج بھی مراٹھی لوگ دھرم اور دھارمک کلپناؤں سے اپنا سمبندھ جوڑے ہوئے ہیں۔ اور مادیت کے اِس دور میں بھی ان کے مذہبی عقائد میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ وہ اپنے پُرکھوں کی طرح آج بھی روحانیت میں یقین رکھتے ہیں۔ مراٹھی لوگ کسی ایک خاص دیوی یا دیوتا کے اُپاسک نہیں ہیں۔ ان کے دھارمک لوک گیتوں میں رام اور کرشن، سیتا اور رُکمنی کے ساتھ ساتھ، وِٹھل، بھوانی، مہادیو، مہالکشمی، پاربتی، رینوکا، کھنڈوبا اور ایسے ہی دوسرے بہت سے دیوی دیوتاؤں کے نام مل جاتے ہیں۔ ان کے مذہبی تصورات بڑے متنوع ہیں مگر اِن تصورات کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یہ سب ایک ہی بھگوان (کے مختلف پیکروں) کے پُجاری ہیں۔ بالکل اُسی طرح، جیسے یہ سب کوکن، وِدربھ، خاندیش، مراٹھواڑہ اور دیش کے جُدا جُدا علاقوں سے تعلق رکھنے کے باوجود یا تو مراٹھی مرد ہیں یا مراٹھی عورتیں!!

پوجا تو پوجا کے اوقات میں ہوتی ہے اور پوجا کے گیت، پوجا کے اوقات میں ہی گائے جاتے ہیں۔ مراٹھی لوگوں کے گھروں میں، پوجا کی مقررہ شُبھ گھڑیوں کے علاوہ بھی دیوی دیوتاؤں سے متعلق میٹھے میٹھے بول سُنائی دیتے ہیں۔ مراٹھی سُہاگن صبح کو اٹھتی ہے تو سورج دیوتا کو پرنام کرنا بھولتی نہیں۔ اور یہ پرنام کرکے وہ سورج دیوتا سے مانگتی بھی ہے تو کیا؟

ذرا دیکھئے تو:

---

۱ مراٹھی عورتوں اور مراٹھی مردوں کا ایک عوامی رقص جسے خصوصیت کے ساتھ عورتیں مختلف تہواروں کے موقع پر پیش کرتی ہیں۔

उगवले नारायण । अवघ्या पृथिवीचा राजा
त्याहीला नमस्कार । दोही हातांनी माझा
नारायन बाप्पा । मागत नाही काही
माझ्या जन्माला यावो । चुडा चोळी मायबाई

[سورج دیوتا طلوع ہو گئے۔ وہ ساری دھرتی کے راجہ ہیں۔ میں ان کو دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتی ہوں اے سورج دیوتا! میں (آپ سے) اس کے سوا کچھ اور نہیں چاہتی کہ میری چولی اور میری چوڑیوں سے میرا جو سہاگ وابستہ ہے وہ زندگی بھر قائم رہے۔ اور میرے سر پر میری ماں کا سایہ برقرار رہے۔]

جن مراٹھی گھروں میں صبح اٹھتے ہی پابندی کے ساتھ سورج دیوتا کو پرنام کیا جاتا ہے اُن گھروں میں پلنے والے بچے بھی یقیناً اپنے بڑے بوڑھوں کی تقلید کرتے ہوں گے۔ معصوم مراٹھی بالکوں کو شروع سے ہی، بالکل غیر شعوری طور پر اپنے دھرم کے طور طریقوں سے روشناس کرانے کا یہ مراٹھی انداز بھی کتنا نیارا ہے۔

•

دھرم اور تہوار ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مراٹھی عورتوں کی تو بات ہی اور ہے، عام مراٹھی مرد بھی تہواروں کے بڑے رسیا ہوتے ہیں۔ اشٹمی ہو، گوری گنپتی ہو، دیوالی ہو یا شمگا ہو، مراٹھی مرد بمبئی کے کارخانوں، دفتروں، ہوٹلوں اور ملوں سے جہاں بھی وہ نوکری کرتے ہیں، چھٹیاں لے کر تہوار منانے کے لئے اپنے گاؤں ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ اور جن تہواروں کے لئے وہ شہر سے آتے ہیں اُن میں سے کوئی تہوار نغموں سے خالی نہیں ہوتا۔ ان تہواروں پر ہلکے پھلکے رقص کے ساتھ، اور بغیر رقص کے بھی لوک گیت ضرور گائے جاتے ہیں۔ یہ گیت مراٹھی مرد بھی گاتے ہیں مگر زیادہ تر مراٹھی عورتیں ہی گاتی ہیں۔ ناگ پنچمی کے دن مراٹھی عورتیں بانبی کی پوجا کرتی ہیں۔ ان کے معمول کے کہیں جانے میں اور ناگ پنچمی کے دن بانبی کی طرف جانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اور دنوں میں وہ کہیں اکیلی بھی جاتی ہیں مگر اس تہوار پر بانبی کی طرف جاتے وقت مل کر جاتی ہیں اور گیت گاتی ہوئی جاتی ہیں۔ اس دن مراٹھی عورتیں ناچتی بھی ہیں۔ جب گوری کا تہوار آتا ہے تو مراٹھی عورتیں "گوری پوجا" کا اہتمام کرتی ہیں۔ گوری کے گیت گاتی ہیں۔ "پھگڑی" کھیلتی ہیں اور "پھگڑی" کے گیت گاتی ہیں سوکنوں سوکنوں کے جھگڑوں کا سوانگ رچاتی ہیں۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، دائرہ بنا کر ایک خاص ڈھنگ سے گول گول پھرتی ہیں اور "پھیر" کے گیت گاتی ہیں۔ بیلنوں کا کھیل کھیلتی ہیں۔ جھما کھیلتی ہیں اور جھما کے گیت گاتی ہیں۔ ناچ اور گیتوں سے بھرا ہوا یہ گوری کا تہوار مراٹھی عورتوں کا بڑا رنگین تہوار ہوتا ہے۔ جب دیوالی آتی ہے تو مراٹھی عورتیں دیوالی کے گیت گاتی ہیں۔ تلسی کا بیاہ رچاتی ہیں اور تلسی کے گیت گاتی ہیں مراٹھی عورتیں مختلف تہواروں کے موقع پر اور "بسنت" "ہلدی کُم کُم" "لوزاتر" وغیرہ کے سلسلے میں جو لوک گیت گاتی ہیں وہ بڑے پیارے اور کانوں میں شہد گھولنے والے ہوتے ہیں۔ مگر جب وہ گیت، جو خود اِن مراٹھی عورتوں کی زندگی کے نسوانی پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں، ان مراٹھی عورتوں کے منہ سے نکلتے ہیں، تو ان گیتوں کے الفاظ میں، اُن کے جذبات، اُن کے خیالات اور ان کے احساسات کی سچی اور نمایاں تصویر اُبھرنے لگتی ہے اور محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ گیت گانے والی مراٹھی عورتیں بھی کتنی پوتر اور کتنی عظیم عورتیں ہیں۔!!

مراٹھی عورتوں کو اپنی اور اپنے خاندان کی عزت اور ناموری کا بڑا خیال رہتا ہے۔ وہ خواہ کتنی ہی غریب کیوں نہ ہوں، یہ ضرور چاہتی ہیں کہ ان کے گھرانے کی شہرت دور دور تک پہنچے۔ ان کے دلوں میں مہمان نوازی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے اور وہ کسی پیاسے کو دو گھونٹ پانی پلانے کو بھی بڑی سعادت سمجھتی ہیں۔ اسی لئے ان کے لوک گیتوں میں یہ بول بھی ملتے ہیں،

वाटच्या वाटसरा । पाणी पेरे माझ्या घरी
मायबाई हरनीचं । नांव जात दूर वरी

[اے راستہ چلتے ہوئے مسافر! ذرا رُک کر میرے گھر کا پانی تو پی لے۔ تجھے پانی پلانے سے (تیرے ذریعے) میری ماں کا نام دور دور تک پہنچ جائیگا۔]

•

دیکھنے میں نہایت غریب صورت اور بھولی بھالی نظر آنے والی مراٹھی عورتوں کا دل، نازک مرحلوں میں بھی کتنا مضبوط اور کیسا سخت ہوتا ہے یہ جاننے کے لئے ان کے لوک گیتوں کی یہ دو اوویاں دیکھ لینا ہی کافی ہے۔

(۱)

आम्ही माय लेकी । तलवारीच्या आन्या
वाट च्यारे वाटसरा । दुरून बोलतू शहान्या

[ہم ماں بیٹیاں دونوں تلوار کی اَنی ہیں۔ اے راستہ چلتے ہوئے مسافر! دانائی کا تقاضہ تو یہی ہے کہ تو ہم سے دور کھڑا رہ کر بات کر۔]

(۲)

गोरीचं गोरेपन । चेडया तुला काय व्हावं
ठेस लागल पायाला । खाले पाहून चालावं

[ارے پگلے! گوری کی گوری رنگت پر کیوں للچا رہا ہے؟ (یہ منہ اور مسور کی دال)۔ ٹھوکر سے بچنے کے لئے اچھا یہی ہے کہ نیچے دیکھ کر چلا جائے۔]

•

مراٹھی عورتوں کو پُتر جنم سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ بیٹا بڑا ہو کر گھر کا وارث بنے گا۔ اور بیٹی پرایا دھن بن جائے گی اسی لئے

مراٹھی عورتیں بھگوان سے پرارتھنا کرتی رہتی ہیں کہ:

लेकीचा जलम । नको घालूं देवराया
लेकदेऊन पायापया । केले काष्ट गेले वाया

[اے بھگوان ! مجھے بیٹی نہ دیجیے (بیٹا عنایت کیجیے) ۔ بیٹی کے لئے تو دوسروں کی خوشامد کرنی پڑتی ہے ۔ اور پاؤں پڑنے تک کی نوبت آتی ہے اور ساری محنت پر پانی پھر جاتا ہے۔]

•

مگر بھگوان مراٹھی عورتوں کو بھی بیٹیاں دے ہی دیتے ہیں۔ مراٹھی عورتیں اپنی ان بیٹیوں کی بڑی دیکھ بھال کرتی ہیں ۔ بڑے پیار سے ان کو پالتی پوستی ہیں ۔ اور جب بیٹی بڑی ہو جاتی ہے تو مراٹھی ماں کی یہی تمنّا ہوتی ہے کہ اُس کی مَینا کو ایسی ساس ملے جس کا دل سمندر کی طرح وِشال ہو۔ اور جو اس کی بیٹی کی بھول چوک کو اپنے اندر سمو کر اسے ماں کی طرح پیار کر سکے ۔ ایک لوک گیت کے ان الفاظ میں، اپنی بیٹی کے تئیں کسی مراٹھی ماں کے دل میں اُمڈنے والے اس جذبہ کی کتنی اچھی عکاسی ہوتی ہے :

आधी पहा घरदार । मग पहावा वर
माझ्या सावळ्या मैनेला । सासू पहा समिंदर

[بَر کو دیکھنے سے پہلے اس کا گھر بار دیکھنا چاہیئے ۔ میری سانولی مینا کے لیے کوئی ایسی ساس ڈھونڈو جو سمندر (کی طرح) ہو۔

•

ماں کی مامتا کے اسی مقدس اور عظیم جذبہ کا نتیجہ ہے کہ مراٹھی عورتوں کے گیتوں میں مراٹھی ماں کا ذکر جابجا ملتا ہے ۔ کوئی مراٹھی عورت خواہ اپنی ماں کو "مائی ڈیر مدر" کہہ نہ سکے، چاہے وہ اپنی ماں کو "تیرتھ روپ آئی" لکھ نہ سکے، مگر اس کے دل میں اپنی ماں کے لئے احترام اور عقیدت کا وہی جذبہ ہوتا ہے، جس نے کسی گمنام مراٹھی عورت سے یہ اووی کہلوائی ہے:

मांडीचा पाळणा । डोळ्या चाग केला देवा
मायबाई चागमाझ्या । उपकार फेडू केव्हां

[میری ماں نے میرے لئے اپنے زانوؤں کو جھولا بنایا ۔ اور اپنی آنکھوں کے چراغ جلائے۔ میں اس کے احسانوں کو کس طرح فراموش کر سکتی ہوں ۔!!]

•

ماں اور بیٹی کے سوا، مراٹھی لوک گیتوں میں مراٹھی عورتوں کے دوسرے تمام روپ بھی مل جاتے ہیں۔ مراٹھی عورت چاہے ساس ہو، بہو ہو، بہن ہو، نند ہو، بھاوج ہو یا بیوی ہو، مراٹھی لوک گیتوں کے آئینے میں وہ اپنے ہر روپ میں انتہائی خلیق، ملنسار، شریف، نیک، اطاعت گزار، وفادار اور فرض شناس عورت نظر آتی ہے ۔

اور دِنوں میں پوجا کے گیت، جھولے کے گیت، شادی بیاہ کے گیت یا اَوویاں گنگنانے والی مراٹھی عورتیں تہوار کے دن جب رادھا بن کر ناچتی ہیں اور اس قسم کا کوئی "گولن" گیت گاتی ہیں تو کتنی پیاری لگتی ہیں:

बाई मी झाडीत होते अंगण
कृष्ण मागीत होता कंगन
कुणी धावा ग धावा
कृष्ण मंदिरी वाजवी पावा

[میں صحن میں جھاڑو دے رہی تھی ۔ کرشن کنگن مانگ رہا تھا ۔ ارے کوئی دوڑ کر آؤ تو ۔ کرشن مندر میں مُرلی بجا رہا ہے ۔]

•

مراٹھی عورتوں کا رُوپ رادھا کا ہی رُوپ نہیں ہے ۔ وہ گرہنیوں کے اِس دَور میں بھی کبھی کبھی آٹا پیسنے بیٹھ جاتی ہیں اور چکّی کے گیت گاتی ہیں ۔ وہ ٹریکٹروں کے اس زمانے میں بھی کہیں کہیں اپنے کھیتوں میں کام کرتی ہیں اور مست ہو کر لاؤنیاں گاتی ہیں ۔ وہ گیس اور بجلی کے اِس دَور میں بھی جنگل سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لاتی ہیں ۔ جنگل کی بات آئی ہے تو کیوں نہ جنگل کی شہزادیوں کے اس پیارے لوک گیت سے بھی محظوظ ہُوا جائے :

डोई ठेवल्या भाकरी
गेले डोंगर परवाडी
खांदी घातल्या कुऱ्हाडी
गेले डोंगर परवाडी
चंदन चांगला तोडला
चदन रथावर घातला
चंदन दुधाने धुतला
चंदन तुपाने धुतला
चदन नेला सुताराच्या दारी

[سر پر روٹیوں کی پوٹلی رکھی اور پہاڑوں میں چلی گئی ۔ ٹہنیوں پر کلہاڑی چلائی ۔ پہاڑوں میں گئی اور چندن کی بہت سی لکڑیاں توڑ لیں ۔ چندن کو رتھ پر لادا ۔ چندن کو دودھ سے دھویا ۔ چندن کو گھی سے دھویا ۔ اور چندن بڑھئی کے ہاں دے آئی]

•

دنیا جہان کے مردوں کی طرح، مراٹھی مردوں کی دنیا بھی گھر سے باہر کی دُنیا ہے مگر مراٹھی مرد گھر سے باہر کی اِس دنیا میں، وہ صرف کارخانوں اور ملوں کے مزدور نہیں ہوتے، وہ صرف ہوٹلوں کے بیرے نہیں ہوتے یا صرف دفتروں کے چپراسی نہیں ہوتے ۔ وہ کِسان بھی ہوتے ہیں، گڈریے بھی ہوتے ہیں، گوالے بھی ہوتے ہیں اور مچھیرے بھی ہوتے ہیں ۔ اور مراٹھی عورتوں کی طرح، ان مراٹھی کسانوں مراٹھی گڈریوں، مراٹھی گوالوں، اور مراٹھی مچھیروں کی زندگی بھی لوک گیتوں کے رس سے خالی نہیں ہے ۔

وہ مراٹھی کسان جن کو آج بھی پائپ اور پمپ کی سہولتیں میسّر نہیں ہیں، جب پانی دینے کے لئے اپنے کھیتوں میں جاتے ہیں، اور ایک نظر کھیتوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کا سینہ بھی پھول جاتا ہے

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

مرزا محمد زمان آزردہ
لیکچرر شعبۂ اردو۔ کشمیر یونیورسٹی

شرافت کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ اگر مجھے کسی آدمی کے بارے میں ذرا سا بھی شک ہو جاتا ہے کہ یہ شریف ہے مجھے ہنسی ضرور آتی ہے۔ دراصل اس 'قدر' پر اتنے پردے چڑھے ہیں کہ اس کا اصلی چہرہ ہی نظروں سے مفقود ہو کے رہ گیا ہے۔ جب سے ہندوستان میں شریف آدمی 'جنٹلمین' ہو گیا ہے اُس زمانے سے اس کا مفہوم اور بھی بدل گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا شریف آدمی اگر آپ کے سامنے کھڑا ہو، سامنے کیا، چپکے سے تصور میں بھی آجائے تو آپ ضرور ہنسیں گے۔ اُس کے ایک گال پر تھپڑ مار کر آپ دل ہی دل میں لطف اندوز ہوں گے اور جب وہ دوسرا گال پیش کرے گا تو آپ ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ دوسرا تھپڑ بھی ضرور رسید کریں گے۔ اور یہ آپ کا اُس پر احسان ہوگا کہ آپ نے اُس کی ضرورت پوری کر دی ورنہ کون آج کل کے زمانے میں بغیر فیس لئے ہاتھ اٹھاتا ہے۔

کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جب اپنا سب کچھ دے کر فقط کچھ گالیاں' یا اپنے خلاف دو چار مضامین یا دو چار جوتے لے لیتے ہیں تو اوروں کی نظروں میں شریف ہو جاتے ہیں۔ گالیوں کا جواب کوئی کیا دے، مگر مضامین سے شہرت ہو جاتی ہے اور جوتوں کے بوجھ سے تو سر واقعی جھکا رہتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اور شرافت آگئی۔

شرافت کو جو ایک ہی لفظ سمجھا جاتا ہے یہ بہت بڑا دھوکا ہے۔ اصل میں یہ دو الفاظ 'شر' اور 'آفت' کا مرکب ہے۔ ممکن ہے یہ ایک دوسرے کو نیوٹرلائز کرتے ہوں یا ایک دوسرے کے انٹی ڈوٹ (Antidote) ہوں۔ پرانی کہاوت ہے کہ ہیرے کو ہیرا کاٹتا ہے 'Diamond cuts diamond' اسی لئے اب بھی اس اصطلاح کے ساتھ ہی ایک حسین تصور ذہن میں اُبھرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ 'شر' اور 'آفت' اپنے لئے ہوتا ہے یا دوسروں پر اس انداز سے نازل ہوتا ہے۔

بھلا ہو پریم چند کا جس نے گدھے کی نشاندہی کر کے شرافت کے ایک خاص پہلو سے لوگوں کو واقف کرایا تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ شریف پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔ پھر یہ کیا عجیب ہے کہ اُس پر لوگوں کی پھٹکار ہوتی ہے! خدا کے پیاروں پر لوگ کب مہربان ہوتے ہیں۔ اُنھیں تو اسی سے پیار ہوتا ہے جس پر خدا کی پھٹکار ہو۔ مثلاً شیطان پر لوگ دل و جان سے فریفتہ ہیں لیکن خدا نے اُسے اپنے سے دور کر دیا۔ باعزت عہدے سے ہٹا دیا۔ اُس دربار کا سزا یافتہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ خدا دل میں رہتا ہے تو یہ بھی جھوٹ نہیں کہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کے ساتھ دوڑتا پھرتا ہے۔ ہمارے ڈاکٹر بیچارے کیا جانیں! انھیں تو خوردبین میں صرف ریڈ سیلز (R.B.C.) اور وائٹ سیلز (W.B.C.) نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں اتنا پاورفل میگنفائنگ گلاس کہاں سے آئے جو اسکو دیکھ سکے۔ شیطانی سیل تو ہمارے اس معمولی میگنفائنگ گلاس کو دھوکا دے جاتے ہیں۔ کبھی سُرخ لبادہ اوڑھے رہتے ہیں اور کبھی سفید۔۔۔ بُرا ہو اس شیطان کا 'دیکھئے' چپکے سے حملہ کر دیا اور میں شرافت سے دور ہونے لگا۔ اچھا ہوا کہ جلدی یاد آگیا ورنہ یہ کہاں چھوڑتا۔

کچھ لوگ شریف آدمی اس کو سمجھتے ہیں جو خواہ مخواہ اُن کی تعریف کرتا رہے۔ اُن کی خشک بحث میں اُلجھے اور بعد میں یوں ہی ہار مان لے۔ ہمارے اکثر پروفیسر صرف اُس طالب علم کو شریف سمجھتے ہیں جو اُن سے کلاس میں سوال نہ کرے اور اگر سوال کرے بھی تو اُسی جواب پر اطمینان کا اظہار کرے جو وہ پروفیسر دے سکے۔ آفیسر کے سامنے وہی ماتحت شریف ہوتا ہے جو چھٹی کم لے اور آفیسر کی ہر بات مان لے۔ کبھی بحث نہ کرے صبح سویرے آئے اور رات کو دیر سے گھر جائے۔ دن بھر کام کرتا رہے اور اپنے آفیسر کی شریفانہ افسری کی قسمیں کھاتا رہے۔ آجکل تو جمہوریت کا زمانہ ہے۔ جس کے ساتھ جتنے زیادہ لوگ

ہوں وہ اُسی قدر شریف اور عقلمند ہوتے ہیں۔ اب اگر [illegible] جوان طالب علم اُن کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، وزارت کی فکر میں رہتے ہیں، وزیرادہ ٹھاٹ چاہتے ہیں تو یہ کوئی غیر شریفانہ حرکت نہیں۔

شاعروں کے نزدیک تو شریف وہی ہے جو اُن کے ہر مصرعے کی داد دے۔ اُس کی انھیں پَروا نہیں کہ وہ بعد میں اُن سے شعر کا مفہوم کیوں پوچھتا ہے۔ لڑکیوں کے آگے شریف آدمی کا تصوّر کچھ اور ہی ہے۔ جو آدمی محفل میں آنکھیں نیچی کئے رہے۔ باتیں کم کرے اور اداکاری زیادہ اور پھر بھری بزم میں کبھی کبھی کنکھیوں سے دوسروں کی نظر بچاکر کسی ایک کی طرف دیکھے اور بعد میں موقع پاکر علیحدہ سے اُس کے حُسن کی تعریف کرے، وہ شریف ہے۔ وہ دوسری لڑکیوں سے بھی ایسی ہی باتیں کیوں نہ کرتا ہو مگر یہاں شرافت کا معیار یہ ہے کہ وہ لڑکیاں ایک دوسرے کی باتوں سے بے خبر ہوں۔ پھر شرافت کا بھرم اور وقار قائم رہے اور جب یہ راز کبھی فاش ہو تو یہی آدمی شر اور آفت بن کر کسی اور شہر کا رُخ کرتا ہے۔

بیگمات کی Vocabulary میں تو یہ موصوف ایک اور ہی انداز میں بسا ہوتا ہے۔ جو آدمی آپ کو راستے میں گود میں ایک بچّہ لئے ہوئے اور دوسرے کی انگلی پکڑ کر چلتا نظر آئے اور آگے آگے اُس کی بیگم ایک رنگین ساڑی میں ملبوس، قلوپطرہ کا خیالی روپ دھار کر چل رہی ہو اور کبھی کبھی مُڑ کر تبسّم فرما رہی ہو تو جان لیجئے یہ اُس کی شرافت کا خراجِ تحسین پیش کیا جا رہا ہے اور وہ اس پر دل و جان سے فریفتہ ہے۔

نوجوان لڑکے تو خیر کافی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں، اُنھیں ہر جوان لڑکی شریف نظر آتی ہے لیکن جس سے ان میں سے کسی ایک کی شادی ہو جاتی ہے وہ فوراً غیر شریف سی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ دوسروں کی بیویاں اُس کو پھر بھی شریف محسوس ہوتی ہیں۔ مگر گھر کی مُرغی تو دال برابر ہوتی ہے۔ دال مزیدار ہوسکتی ہے مرغوب ہوسکتی ہے، ہندوستانیوں کے لئے تو خاص طور پر بھوک پیدا کرنے والی ایک ایجنٹ ہوسکتی ہے، مگر اُس کے گلنے میں جو دیر لگتی ہے پھر شریف کیسے ہوسکتی ہے۔

مولویوں اور برہمنوں کی کچھ نہ پوچھئے۔ اُن کے سامنے شرافت اور بیوقوفی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جس آدمی میں ذرا ایک عقل ہوئی وہ اُن کے علم میں غیر شریف ہوگیا۔

اُمراء اور وزراء کے نزدیک تو شریف وہ ہیں جو کبھی اپنے مطلب کی بات نہ کریں مگر ووٹ دے دیکر اُن کی مطلب برآری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں۔ پیسے والوں کو اسی لئے آدمیوں سے زیادہ مشینیں پسند ہیں جو بٹن پر چلتی ہیں۔ کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اگر کہیں کوئی پُرزہ ٹوٹ گیا تو وہ بھی کسی آدمی کی کوئی غیر شریفانہ حرکت ہوتی ہے انسان تو ہڑتال کرتے ہیں، انھیں بھوک لگتی ہے، بازار کی مہنگائی انھیں متاثر کرتی ہے، وہ آبادی بڑھاتے ہیں۔ مشینوں کے لئے ایسا کوئی مسئلہ نہیں اور جس روز کام کرنے والے مزدور بھی لوہے کی مشینیں بن جائیں گے، اُس دن سب شریف ہوں گے اور مالک انھیں بھی پسند کریں گے۔

میرے خیال میں جتنا Exploit شرافت کو کیا گیا ہے شاید اتنا کسی اور قدر کو نہیں کیا گیا ہے۔ خیر ایک بات تو اچھی ہے کہ اس طرح عقلمندوں کی تفریح کا سامان بن گیا ہے۔ وہ ہر شریف آدمی میں ایک Comic Character دیکھ لیتے ہیں۔

....●✿●....

بقیہ

مراٹھی عورت، مراٹھی مرد ...

اور وہ پانی دیتے دیتے بے اختیار ہوکر موٹ کے گیت گاکر، اپنی طویل للکاروں سے اطراف کی ساکت فضاؤں کو متحرک کرنے لگتے ہیں۔ یہ مراٹھی کسان جب کھیتوں میں کام کرتے ہیں تو "بھلری گیت" گاتے ہیں۔ مراٹھی گڈریوں کو بھی بے شمار اودیاں یاد ہیں اور وہ بھی لوک گیت گاتے ہیں۔ یہ گڈریے جب اپنے دریشور دیوتا کی بھگتی کے جذبہ سے سرشار ہوکر، لوک گیتوں کے روپ میں لمبی لمبی منظوم کتھائیں گانے لگتے ہیں تو سُننے میں بڑا لُطف آتا ہے۔ مراٹھی گوالے دیوالی کے دِنوں میں، خوش ہو ہوکر دیوالی کے گیت گاتے ہیں۔ ان کے گیتوں میں ان کے مویشیوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہوتا ہے، اور ساحلی علاقے کے مچھیرے جب مچھلیوں کے شکار کے لئے سمندر میں جاتے ہیں تو ناخوا گیت گاتے ہیں۔ دریا گیت گاتے ہیں یا چکوے گاتے ہیں۔ ان کے سوا دوسرے عام مراٹھی مرد بھی کام کاج سے فارغ کر جب ذرا سستانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں تو نہیں تو "جَڑاوُ" کا کوئی گیت تو ضرور گنگنانے لگتے ہیں۔

لوک گیت گانے والے مراٹھی مردوں کے کچھ پُرانے پیشہ ورانہ روپ بھی ہیں۔ یہ مراٹھی مرد، شادی بیاہ کے بعد کی کچھ رسومات میں، یا تہواروں کے موقع پر آج بھی کہیں "گوندھلی" کے روپ میں، کہیں "واسدیو" کے روپ میں، کہیں "واگھیا مُرلی" کے روپ میں، کہیں "پوت راج" کے روپ میں تو کہیں "جوگتی" کے روپ میں طرح طرح کے لوک گیت گاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہ کتنی بڑی بات ہے کہ مراٹھی لوگ اس ڈوبتے ہوئے عہد میں بھی، اپنی مراٹھی تہذیب کی دلنشیں روایات کو سینے سے لگائے ہوئے اور مراٹھی کے عوامی ادب کی خوبصورت پُرانی قدروں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

شری فخرالدین علی احمد

صدرِ ہند منتخب

شری فخرالدین علی احمد ۲۰ اگست کو صدر ہند کے
لیٰ ترین عہدہ پر منتخب ہوئے۔ آپ کو ۲ء ۸۰ فیصدی
ٹ ملے۔

ووٹوں کی قدر کے لحاظ سے ریاستوں میں نیز
براِن پارلیمنٹ نے ان کی حمایت میں ۷ ۵۸ ,۶۵ ,۷
ٹ ڈالے جبکہ ان کے حریف شری تری دیب چودھری
حمایت میں ۱۹۶ ,۸۹ ,۱ ووٹ ڈالے گئے۔

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ، شری وی۔ پی۔ نائک نے
اگست کو شری فخرالدین علی احمد کو تار بھیجا جس میں
یں اس زبردست فتح پر مبارکباد دی۔

شری فخرالدین علی احمد ۱۳ مئی ۱۹۰۵ء کو دہلی میں
ا ہوئے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مرحوم کرنل
ر علی احمد آسامی تھے۔ ان کا تعلق آسام کے
لگھاٹ سب ڈویزن میں واقع کھاکھری ہاٹ سے تھا

شری احمد نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول
ڈہ (یوپی) اور گورنمنٹ ہائی اسکول، دہلی میں حاصل
یہاں سے انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کا میٹرک امتحان
۱۹ء میں پاس کیا۔ بعدازاں آپ سینٹ اسٹیفن
ج، دہلی میں داخل ہوئے، لیکن جلد ہی انگلستان
گئے اور وہاں سینٹ کیتھرائن کالج آف کیمبرج
رسٹی میں آپ کا داخلہ ہوا۔ آپ ۱۹۲۷ء میں کیمبرج
تاریخ امتیازی میں گریجویٹ ہوئے۔ لاء کورس
یل کے بعد آپ نے ۱۹۲۸ء میں انرٹمپل،
ن میں وکالت شروع کی۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد شری احمد نے
ب ہائیکورٹ کے وکیل کی حیثیت سے اپنا نام درج
۱۹۲۸ء میں اپنے والد کے ساتھ آسام چلے گئے

اور ایک مختصر مدت کے سوا جبکہ آپ کلکتہ میں وکالت کرنے لگے تھے، بیشتر مدت وہیں رہے۔ ۱۹۳۱ء میں آپ انڈین نیشنل کانگریس میں ابتدائی ممبر کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں آپ نے ایک محفوظ مسلم نشست کیلئے، اسمبلی کا انتخاب اسوقت آسام میں برسراقتدار سر محمد سعداللہ کی سخت مخالفت کے باوجود کامیابی سے لڑا۔

۱۹۳۶ء سے آپ آسام پردیش کانگریس کمیٹی، اس کی ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی (اے۔ آئی۔ سی۔ سی) کے ایک مختصر وقفہ کے سوا مسلسل ممبر رہے۔ آپ اول کانگریس کابینہ (باردولی کابینہ) میں ۱۹۳۸-۳۹ء میں بحیثیت وزیر مالیات و محصول شامل ہوئے۔ باردولی کابینہ میں آپ کا دورِ وزارت بعض انقلابی اقدامات کے باعث یادگار بن گیا۔ آپ نے محصولِ اراضی میں ۵۰ فیصدی معافی دی، زراعتی آمدنی پر ٹیکس لگایا اور آمدنی کے دیگر ذرائع نکالے جس سے ریاست کے ذرائع دوگنا سے بھی زیادہ ہوگئے۔

۱۹۴۰ء میں آپ آنجہانی شری گوپی ناتھ باردولی کے ساتھ حکومت سے مستعفی ہوئے اور مہاتما گاندھی کی تحریک میں انفرادی ستیہ گرہ کی۔ آپ کو ایک سال کی سزائے قید ہوئی۔ رہائی کے فوراً بعد آپ کو پھر قید کرلیا گیا اور آپ ۱۹۴۵ء میں رہائی سے قبل ۳½ سال تک مسلسل نظربند رہے۔

۱۹۴۵ء کے انتخابات میں آپ ریاستی اسمبلی کی ایک سیٹ کے لئے کھڑے ہوئے۔ مسلم لیگ نے اسوقت آپ کے خلاف اپنی پوری طاقت لگادی اور آپ مسلم لیگ کے امیدوار سے ہار گئے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ آسام کے ایڈوکیٹ جنرل کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

بعدازاں جلد ہی آپ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے رکن بنے اور ۱۹۵۲-۵۳ء میں راجیہ سبھا کے کانگریسی ممبر چنے گئے۔ ۱۹۵۷ء میں آپ ہندوستانی مندوب کی حیثیت سے ادارہ متحدہ اقوام میں شریک ہوئے۔

۱۹۵۷ء میں آپ پھر آسام اسمبلی کیلئے بھاری اکثریت سے منتخب ہوئے اور اگلے سال ریاستی کابینہ میں شامل ہوئے اور مالیات، قانون اجتماعی سدھار پنچایت اور لوکل سیلف گورنمنٹ امور سنبھالے۔

۱۹۶۲ء میں آپ پھر ریاستی مجلس قانون ساز کے لئے منتخب ہوئے اور بدستور لوکل سیلف گورنمنٹ کے ماسوا پچھلے تمام امور کے وزیر رہے۔ آپ آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی نیز پارلیمنٹری بورڈ کے ۱۹۶۴ء سے ممبر رہے۔

۱۹۶۶ء میں آپ راجیہ سبھا کے لئے منتخب ہوئے۔ ۲۹ جنوری ۱۹۶۶ء کو آپ نے مرکزی کابینہ میں وزیر آبپاشی و پاور کی حیثیت سے حلف لیا اور ۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء میں آپ مرکزی وزیر تعلیم بنادئے گئے۔

۱۹۶۷ء کے عام انتخابات میں آپ آسام کے بارپیٹا حلقہ سے لوک سبھا کے لئے منتخب ہوئے۔ ۱۳ مارچ ۱۹۶۷ء کو آپ کو کابینہ وزیر برائے

(باقی صفحہ ۷ پر)

شاخِ گل
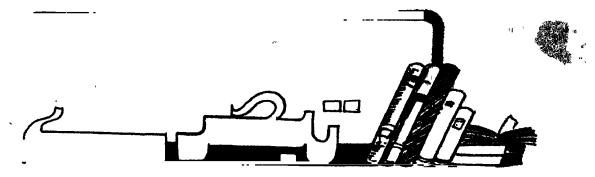
شاعری فکر سے ہے۔ جب دل میں جذبات موجزن ہوں، دوسرے کے درد کو اپنا درد سمجھا جائے، کائناتِ قدرت سے محبت ہو اُس وقت شاعر کے دل سے نکلے ہوئے اشعار نہ صرف دلوں پر اثر کرتے ہیں بلکہ انسانی دماغ میں نئی جوت جگاتے ہیں۔ شاعر قدرت کے عطا کردہ مناظر میں کھو جاتا ہے، ڈوب جاتا ہے اور جب اُبھرتا ہے تو اپنے تجربات اشعار میں ڈھال کر قدرت کے پوشیدہ رازوں کو آشکار کرتا ہے۔ اس کی ہر بات میں وسعت ہوتی ہے، گہرائی ہوتی ہے جو سوچنے سمجھنے پر مجبور کرتی ہے۔ ایسے ہی بھرپور جذبات سے کالیداس گپتا رضاؔ نے اپنی "شاخِ گل" کو مہکایا ہے۔ رضاؔ کا یہ تیسرا مجموعۂ کلام ہے۔ پچھلے دو مجموعے "شورشِ پنہاں" اور "شعلۂ خاموشش" ادبی دنیا میں مقبول ہو چکے ہیں۔

مجموعے میں سب سے پہلی نظم حمد و ثنا کے بجائے "شکست و فتح" ہے جسمیں رگ وید کے منڈل ۷ سوکت ۳۲ کے تاثرات کو رضاؔ نے بڑی خوش اسلوبی سے شاعری کا جامہ پہنایا ہے۔ یہ ایک تاریخی نظم ہے جسمیں شاعر نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ بہت سے ہندی الفاظ کو اردو ادب میں سمونے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ دوسرے نمبر پر "ترکِ دنیا کیوں؟" کے عنوان سے نظم ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ مہاراشٹر کے عظیم سنت گیانیشور اپنے والد وٹھوبا کو، جو دنیا کے مایا جال سے نکل کر بن باس اختیار کر چکے ہیں تاکہ قلب کو تسکین ملے اور عبادت اطمینان سے ہو، گھر واپس لانے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک بیمثال جذباتی نظم ہے۔ گیانیشور اور وٹھوبا کے سوال جواب بڑے اچھے طریقے سے پیش کئے گئے ہیں۔ وٹھوبا بن باس اختیار کرنے کی وجہ اسطرح بیان کرتے ہیں ؎

دل نہ جب تک فکر سے آزاد ہو
کس طرح وہ بندگی سے شاد ہو

اس نظریہ کا جواب گیانیشور اس طرح دیتے ہیں ؎

محض اپنے نفس کی پہچان ہی
ہے خدائے بحر و بر کی بندگی

اسی طرح تیسری نظم "بھگوان بدھ کا تیاگ" ہے۔ چند اشعار میں گوتم بدھ کے گھر کو خیرباد کہنے کا منظر بڑی خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ نظم "امرت منتھن" سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ ہندو دیو مالا کی ایک اہم کتھا ہے۔ "امرت" حاصل کرنے کے لئے سمندر کو پہاڑ سے بلویا جاتا ہے اور رسّی کا کام شیش ناگ سے لیا جاتا ہے۔ اس نظم میں بھی ہندی کے الفاظ بڑی مہارت سے استعمال کئے گئے ہیں۔

"یادِ کربلا" میں رضاؔ نے شہدائے کربلا سے اپنی عقیدت مندی ظاہر کی ہے۔ نظم زیادہ طویل نہیں ہے مگر جذبات سے بھرپور ہے۔ واقعات کربلا بڑی روانی اور سلاست سے بیان

ان گنت فوج یزیدی تیر برسانے لگی
دشتِ کربل سے شہادت کی صدا آنے لگی

+

حفظِ ایماں کے لئے پیر و جواں سب کٹ
اس شہادت پر فرشتوں تک کے سینے ہم

"شاخِ گل" جذباتی نظموں، غزلوں اور عمدہ رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ جاذبِ نظر ہے۔ اندرونی صفحات دودھ اور خوبصورت طباعت سے مرصّع ہیں۔ خوبیوں کو دیکھتے ہوئے چھ روپے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ "شاخِ گل" پر "صبحِ امید پبلی کیشنز بمبئی ۸" مبارکبا ہے جس نے بڑی دلچسپی اور لگن کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ یہ کتاب دفتر صبحِ امید، بلاسس روڈ، بمبئی ۸ - جامعہ لمیٹڈ، پرنسیز بلڈنگ، نزد اسپتال، بمبئی ۳ سے بھی حاصل کی جا

• ریاض لح

اسمبلی کی کارروائی

ستی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس باراں
ار اگست سے شروع ہوا۔
ہی دن اپوزیشن کے اراکین نے یہ اصرار
ت ایوان کو یہ یقین دلائے کہ وہ اناج اور
قلت کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے خاص
گی نیز وہ مدت بھی معین کی جائے جس میں
ام دے گی۔
یکر، شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے نے
رٹیوں کے لیڈران سے درخواست کی کہ
ملہ میں اپنے موقف کی وضاحت کریں۔
رروں نے بتایا کہ ان کی پارٹیاں ایوان
بلانے کی ہم نوا نہیں ہیں۔ لہٰذا اسپیکر
دن بھر کے لئے ملتوی کر دیا۔

نرہ ممبران معطل

بھی اپوزیشن کے رویہ میں کوئی تبدیلی
ایوان میں شور ہنگامہ برپا رہا۔ اسپیکر
ن کو ۱۲ر اگست تک کیلئے معطل کر دیا
لتوی کر دیا۔
دن پانچ ممبران نے جن کو معطل نہیں کیا
روائی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی
نے انھیں بھی ۱۲ر اگست تک معطل
شری اے۔ ٹی۔ پاٹل کی پارٹی (لوک شاہی
گیارہ ممبران اور مسلم لیگ کے دو
ممبروں نے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش نہیں کی اور ایوان کی کارروائی میں حصہ لیا۔ ان ۱۳ ممبران نے قلت اناج اور لازمی اشیاء، چوربازاری، ذخیرہ اندوزی، اناج وصولی، کسانوں کو ان کی پیداوار پر دی جانے والی قیمت اور نظام تقسیم وغیرہ جیسے مسائل پر تفصیل سے بحث کی۔ بہر صورت ان میں گھاسلیٹ کی قلت کا موضوع نمایاں رہا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایچ۔ جی۔ ورتک، وزیر خوراک اور سول سپلائز نے گھاسلیٹ کی قلت تسلیم کی۔ بہر حال آپ نے ایوان کو یقین دلایا کہ آئندہ چند دنوں میں یہ مسئلہ بڑی حد تک حل ہو جائے گا۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ گھاسلیٹ اور ایندھن کی عالمگیر قلت ہے۔ یہ مسئلہ کٹھن اس لئے بن گیا کیوں کہ ماہ جولائی میں بمبئی میں موسلا دھار بارش کے سبب گیس کی تیاری کم ہو گئی اور حکومت کو گھاسلیٹ کی راشن بندی کرنا پڑی۔

یہ بتاتے ہوئے کہ حکومت اور وزیر اعلیٰ نے مزید گھاسلیٹ کے حصول کے لئے کیا کچھ کوشش کی ہے شری ورتک نے اراکین کو یقین دلایا کہ آئندہ چند دنوں میں راشن کی دکانوں کے ذریعہ گھاسلیٹ کی تقسیم قابلِ اطمینان ہو جائے گی۔ مرکز سے مزید کوٹہ ملتے ہی گھاسلیٹ کی مقررہ مقدار بھی بڑھا دی جائیگی۔

وزیر موصوف نے اس الزام کو رد کیا کہ گیہوں کی قلت اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ حکومت نے کھلے بازار میں گیہوں کا انتہائی بھاؤ مقرر کر دیا تھا۔ آپ نے ایوان کو یہ بھی بتایا کہ حکومت نے ان کسانوں کے خلاف مقدمات دائر کئے ہیں جن کے پاس چار ہیکٹر سے زیادہ اراضی ہے اور وہ 'لیوی' نہیں دیتے ہیں۔

شری ورتک نے ممبران کو یہ یقین بھی دلایا کہ حکومت ماہ ستمبر۔ اکتوبر کے دوران اناج کا مزید کوٹہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ دیہی علاقہ جات میں راشن کی مقدار بڑھائی جا سکے۔ آپ نے ممبروں سے اپیل کی کہ وہ کٹھن صورت حال پر قابو پانے کی کوشش میں حکومت سے تعاون کریں۔

قبل ازیں شری اے۔ ٹی۔ پاٹل نے اناج اور گھاسلیٹ کی قلت کے مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے قرارداد پیش کی تھی۔ آپ نے مطالبہ کیا حکومت دیہی اور شہری علاقہ جات میں علی الترتیب ۱۲ اور ۱۰ اکلو فی شخص کے حساب سے راشن دے۔ آپ نے شکایت کی کہ حکومت نے گذشتہ چھ ماہ کی مدت میں گھاسلیٹ کی قلت کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے دور اندیشی سے کام نہیں لیا۔

سرو شری جی۔ ایچ۔ بنات والا، ایف۔ ایم۔ پنٹو، پربھاکر کنٹے اور ایس۔ ایس۔ دیگھے نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

کانگریسی ممبران نے بھی متفقہ طور سے ریاستی حکومت سے گذارش کی کہ وہ مرکز کو گھاسلیٹ کا مزید کوٹہ دینے پر آمادہ کرے۔ نیز انھوں نے حکومت کے صورت حال سے نپٹنے کے طریقہ پر نکتہ چینی کی۔

سرو سری جی۔ ایچ۔ بنات والا، ایف۔ ایم۔ پنٹو، پربھاکر کنٹے، ایس۔ ایس۔ دیگھے، اے۔ این۔ بھتپے، جی۔ ایس۔ لوکے، ایس۔ ڈی۔ منڈلک، دلاجی پاٹل، جے۔ کے۔ اجیر، بی۔ آر۔ کوتوال، ڈی۔ ایس۔ تانڈیکر، ایس۔ ایس۔ مالی نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

ایوان نے مندرجہ ذیل پانچ ترمیمی بل پاس کئے۔

صنعتی ملازمت (مستقل احکامات) (مہاراشٹر ترمیم) بل بابت ۱۹۷۳ء، مہاراشٹر اپارٹمنٹ اونرشپ (دوسری ترمیم) بل بابت ۱۹۷۳ء، بمبئی ہومیو پیتھک اور بایوکیمک طبی معالجین (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۳ء، مہاراشٹر زراعتی پیداوار فروخت (باضابطگی) (ترمیم) بل ۱۹۷۳ء اور بمبئی ریس کورس لائسنسنگ اور بمبئی بیٹنگ ٹیکس (ترمیم) بل ۱۹۷۳ء۔

شریمتی کملا اجمیرا کی پیش کردہ اول قرارداد کا جسمیں باغایت داروں سے مزید وصولی چاہی گئی ہے، شری ایچ۔ جی۔ ورتک، وزیر غذا اور سول سپلائز نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حکومت ایسے کاشتکاروں سے 'لیوی' نہیں لیتی جن کے پاس دو ہیکٹر سے کم خشک اراضی ہے، جیسا کہ قرارداد میں بیان کیا گیا ہے۔ جہاں تک اس مشورہ کا تعلق ہے کہ حکومت باغایت داروں پر مزید لیوی عائد کرے وزیر موصوف نے فرمایا کہ ایسا ان کسانوں کے معاملہ میں کیا جاتا ہے جو باغایتی اراضی پر اناج کی کاشت کرتے ہیں۔ تاہم حکومت ایسے باغایت داروں پر کافی لیوی عائد کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہے جو محض باغبان ہیں۔

آپ نے ایوان کو یہ بھی بتایا کہ حکومت موجودہ ناقص نظام انیواری کی جگہ تعلقہ واری یا حلقہ واری انیواری کی تجویز پر بھی غور کر رہی ہے۔ نیز حکومت یہ بھی سوچ رہی ہے کہ لیوی 'تناسب' اوسط فصل کے اصول پر مقرر کیا جائے۔

بعد ازاں شریمتی اجمیرا نے اپنی تجویز واپس لے لی۔

قبل ازیں سروشری پی۔ بی۔ پاٹل، سداشیو منڈلک، کے۔ بی۔ جھکے، اے۔ ایچ۔ ہمدانی، راجہ میراشی اور شنکر راؤ کولھے نے تجویز کی تائید کی تھی۔

'اسٹیٹ لا کمیشن' کے قیام کے سلسلے میں شری ایس۔ این۔ دلیسائی کی پیش کردہ دوسری قرارداد کے جواب میں شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر قانون و عدالت نے فرمایا کہ حکومت اس تجویز پر غور کر رہی ہے تاہم حکومت دیگر ریاستوں میں موجودہ ایسے قانونی کمیشنوں کی کارگزاری دیکھنا چاہتی ہے تاکہ ہماری ریاست میں قانونی کمیشن کے قیام کے وقت کوئی خامی نہ رہے۔ آپ نے یہ بھی اعلان کیا کہ حکومت اس مسئلہ میں چھان بین کے لئے ایک اسٹڈی کمیٹی مقرر کرے گی۔

وزیر موصوف کے جواب کے بعد شری دلیسائی نے اپنی تجویز واپس لے لی۔

سروشری ایس۔ ایس۔ دیگھے اور آر۔ اے۔ کھیرے نے تجویز کی تائید کی تھی۔

تیسری تجویز کے جواب میں جو شری ڈی۔ کے۔ ٹھمبے نے پیش کی تھی، شری این۔ ایم۔ تڈکے، وزیر صنعت اور صنعت نے فرمایا کہ حکومت کے لئے بمبئی گیس کمپنی کو لینے اور اسے بڑی بمبئی میونسپل کارپوریشن کے حوالے کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں ہے۔ کارپوریشن روپیہ اکٹھا کر کے کمپنی کو معاوضہ ادا کر سکتی ہے۔ لہٰذا حکومت پوری طرح سے کارپوریشن کی مدد کرے گی۔

بعد ازاں شری ٹھمبے نے بھی تجویز واپس لے لی۔

سروشری جگیش دلیسائی، ڈاکٹر ڈی۔ اے۔ تورسکر، وسنت ہوشنگ، ایس۔ ایس۔ دیگھے، جی۔ ایس۔ لوکے اور دیگر ممبران نے تجویز کی تائید کی تھی۔

••

کونسل کی کارروائی

چیئرمین شری ڈی۔ ایس۔ پاگے کو لیجسلیٹیو کونسل کے موسم باراں اجلاس کے پہلے ہی دن یعنی ۵ اگست کو اجلاس ملتوی کرنا پڑا کیونکہ ایوان میں شور و غل برپا رہا۔

ایوان میں سوالات کا وقت شروع ہوتے ہی اپوزیشن کے لیڈر، شری اُتم راؤ پاٹل نے گھاسلیٹ کی شدید قلت کا سوال اُٹھایا۔ آپ نے کہا کہ ریاست میں دیہی علاقوں میں اناج کی ناکافی فراہمی اور شہر بمبئی میں گھاسلیٹ کی شدید قلت کے باعث انتہائی نازک صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ مزید بحث تمحیص سے مسئلہ حل نہ ہوگا۔ ایوان میں ممبران کارروائی چلانے کے حق میں نہیں ہیں۔ یہ مطالبہ کرتے ہوئے کہ حکومت حرکت میں آئے، آپ نے اصرار کیا کہ ۵ لیٹر کی بجائے ۲۰ لیٹر گھاسلیٹ سپلائی کیا جائے۔

بحث میں دخل دیتے ہوئے شری ایس۔ اے۔ شنڈے (کانگریس) نے پوچھا کہ شری پاٹل کے دلائل کہاں تک معقول ہیں۔ اس کے بعد شور و غل برپا ہو گیا۔ بعد ازاں شری پاگے نے دن بھر کے لئے اجلاس برخاست کر دیا۔

دوسرے دن بھی پہلے دن ہی کی طرح صورت حال رہی۔ سوالات کا وقت شروع ہوتے ہی شری اتم راؤ پاٹل اور شری این۔ ڈی۔ پاٹل نے کمپنی مزدوروں کی نوکری کا نیز گھاسلیٹ اور اناج کی قلت کا سوال اٹھایا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ حکومت نے اس صورت حال میں کیا اقدام کیا ہے۔

شری ڈی۔ ایس۔ پاگے نے فرمایا کہ اس معاملہ پر توجہ طلب نوٹس مل چکا ہے اور حکومت اس کے بارے میں بیان دے گی۔ لیکن اپوزیشن کے ممبران حکومت سے برابر یہ مطالبہ کرتے رہے کہ وہ قدم اٹھائے کیونکہ انھیں بیانات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

••

سچیوالیہ پر پرچم کشائی

آزادی کی ۲۷ ویں سالگرہ پر وزیر اعلیٰ، شری وی۔پی۔ نائک نے بمبئی میں سچیوالیہ پر قومی پرچم لہرایا۔

اس موقع پر حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا " دیس نے تین حملوں اور قلت اور سیلاب جیسے قومی مصائب کا اعتماد و عزم کے ساتھ مقابلہ کیا۔ موجودہ کٹھن حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اسی خود اعتمادی اور حبّ وطن کے جذبہ کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔"

پرچم کشائی کی تقریب میں شری ڈی۔ایس۔ پاگے، چیرمین لیجسلیٹو کونسل، شری ایس۔کے۔ وانکھیڈے، اسپیکر لیجسلیٹو اسمبلی، وزراء، میئر اور شریف بمبئی نیز اعلیٰ سول اور فوجی افسران حاضر تھے۔

مہاراشٹر میں ۵ لاکھ کنوؤں کی تعمیر

وزیر اعلیٰ کا اعلان

شری وی۔پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے گذشتہ ۱۱ راگست کو اورنگ آباد میں ضلع پریشد کے تعمیر کردہ 'شیتکری بھون' کا افتتاح کرتے ہوئے بتایا کہ 'گراؤنڈ واٹر سروے آرگنائزیشن' کے جائزہ کے مطابق مہاراشٹر میں ۵,۰۰,۰۰۰ کنوؤں کی تعمیر کا امکان ہے۔ ورلڈ بنک نے بھی اس پروگرام کو منظور کرلیا ہے تاہم یہ شرط رکھی ہے کہ کسانوں سے مطلوبہ رقم کا ۵ فیصد وصول کیا جائے۔ لہٰذا کسانوں کو چاہیے کہ اپنی واجب رقم ادا کرکے اس عظیم پروگرام کو زیر عمل لانے کی پوری کوشش کریں۔

وزیر اعلیٰ نے رام چندر پاٹل مراٹھواڑہ سیڈ پروڈیوسرس کو آپریٹیو سوسائٹی کا بھی افتتاح فرمایا۔

شری کے۔پی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت نے صدارتی تقریر میں کسانوں سے گذارش کی کہ جائیک واڑی پروجیکٹ سے حاصل ہونے والے پانی سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

اس موقع پر ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر صحتِ عامہ اور اوقاف نے بھی تقریر کی۔

ابتدا میں شری نام دیو پاٹل، صدر ضلع پریشد نے حاضرین کا سواگت کیا۔ شری پنڈت راؤ ہرشے، صدر زراعتی و امداد باہمی کمیٹی نے شکریہ ادا کیا۔

بعدازاں وزیر اعلیٰ نے مجوزہ "رامونافیکٹری" کی 'بھومی پوجن' ادا کی۔

اس دورے میں وزیر اعلیٰ نے بلونت واچنالیہ کی نئی عمارت کا بھی افتتاح فرمایا جو ۱,۲۷,۰۰۰ روپے کی لاگت سے تعمیر کی گئی ہے۔

وزیر اعلیٰ نے اپنے اختیاری فنڈ سے ۲۵,۰۰۰ روپے کے عطیہ کا بھی اعلان کیا۔

اجارہ داری حصول کپاس اسکیم

وزیر اعلیٰ شری وی۔پی۔ نائک نے گذشتہ ۱۳ راگست کو اکلوج میں منعقدہ ایک تقریب میں اجارہ داری حصول کپاس اسکیم کا افتتاح فرمایا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر غربت کے خلاف جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنا ہے تو ہمیں یہ خیال رکھنا ہوگا کہ کسان کو پیداوار کی مناسب قیمت ملے۔ بیچ کے آدمیوں کے ہاتھوں مزارعین کا استحصال بند ہو جانا چاہیے۔ مذکورہ اسکیم کا اولین مقصد یہی ہے۔

شری [illegible] نے آگے [illegible] اسکیم کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کی ضرورت جتائی۔

تقریب کی صدارت کرتے ہوئے شری وائی۔جے۔ موہتے، وزیر امداد باہمی نے فرمایا کہ یہ اسکیم بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ایک نیا سماجی اور اقتصادی انقلاب رونما ہوگا۔

شری گت راؤ بھونٹے، چیرمین مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکٹنگ فیڈریشن نے بھی خطاب فرمایا۔

شری جے سنگھ موہتے، صدر شولاپور ضلع پریشد نے شکریہ ادا کیا۔

سیلاب زدہ ریاستوں کی امداد

وزیر اعلیٰ کا عطیہ

آسام، بہار، کیرالا اور اترپردیش میں سیلاب زدگان نیز مغربی بنگال میں سیلاب اور طوفان سے

متاثرین کے ساتھ ریاست مہاراشٹر کی جانب سے اظہارِ ہمدردی اور امداد کی غرض سے مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وی پی۔ نائک نے مذکورہ ہر ایک ریاست کے لئے ۲۵,۰۰۰ روپے کی رقم بھیجی ہے۔

یہ رقم متعلقہ ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کو ارسال کی جا چکی ہے۔

'ایک گاؤں ایک پنگھٹ'

شری پوار نے سمینار کا افتتاح فرمایا

شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر ریاست برائے صنعت، غذا و سول سپلائز اور پبلسٹی نے گزشتہ ۱۱ اگست کو اکولہ میں نوجوانوں سے پُرزور اپیل کی کہ وہ سالہا سال سے سماج کے کمزور طبقات کے ساتھ کی جانے والی نا انصافی کو مٹانے کی جدوجہد کریں۔

شری پوار "ایک گاؤں ایک پنگھٹ" کے موضوع پر ایک سمینار کا افتتاح فرما رہے تھے جو راج رشی شاہو مہاراج کی جنم شتابدی کے سلسلے میں منعقد کیا گیا تھا۔ شری ایس۔ جی۔ بیرنائک، وزیر ریاست برائے صحت عامہ و شہری ترقیات نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔

شری پوار نے مزید فرمایا کہ راج رشی شاہو مہاراج نے پسماندہ لوگوں کے سدھار میں بڑی دلچسپی لی۔ انھوں نے ہوسٹل تعمیر کرائے اور انھیں اسکولوں اور کالجوں میں داخل کرانے میں رکاوٹیں دور کیں۔ یہ بات مہاراشٹر کے شایانِ شان نہیں ہے کہ ابھی تک چھوت چھات کا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے۔ سماج کا یہ فرض ہے کہ وہ کمزور طبقات کو تمام ضروری سہولتیں بہم پہنچائے۔

مدرسین کا بھلائی فنڈ

ایوت محل ضلع پریشد کے ماتحت مدرسین نے خود اپنا "ٹیچرس ویلفیر فنڈ" قائم کیا ہے۔ اس فنڈ میں سے ۱۵,۰۰۰ روپے کی رقم مالی امداد کے طور پر سبکدوش مدرسین نیز ان مدرسین کے افرادِ خاندان کو تقسیم کی گئی ہے جو رواں سال کے دوران گذر گئے ہیں۔

اس فنڈ سے مالی امداد کے طور پر ۵۰۰ روپے فی فرد کے حساب سے ۳۲ اشخاص کو رقم دی گئی ہے۔

مالی امداد ۱۳ اگست کو ایوت محل ضلع پریشد میں منعقدہ تقریب میں تقسیم کی گئی۔ شری سدھاکر راؤ نائک، صدر ضلع پریشد نے مدرسین کو رقم تقسیم کی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری نائک نے 'اپنی مدد آپ' کے اصول پر اس اقدام پر مدرسین کی برادری کو مبارکباد دی۔ آپ نے فرمایا کہ ضلع پریشد بھی اس فنڈ میں اپنا حصہ دے گی۔

شری این۔ ایس۔ دیشمکھ، سکریٹری ایوت محل ضلع پریشد پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن نے اس اسکیم کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ریاست بھر میں اپنی نوعیت کا پہلا فنڈ ہے۔ پانچ ہزار ضلع پریشد مدرسین ہر سال اس فنڈ میں ۳۰,۰۰۰ روپے جمع کریں گے۔

قومی مفاد میں آپسی اختلافات بھول جائیے!

وزیر اعلیٰ کی شہریوں سے گذارش

۱۵ اگست کو ورلی (بمبئی) میں سٹی زن کمیٹی کی جانب سے منعقدہ ایک جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے عوام سے گزارش کی کہ وہ ذات پات، مذہب وغیرہ کے اختلافات کو بھلا دیں اور مل جل کر کام کریں تاکہ ملک کو ترقی کی راہ پر آگے بڑھا سکیں۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ موجودہ حالات میں ہمیں اس کی ازبس ضرورت ہے۔

شری نائک نے ورلی علاقہ کے شہریوں کے درمیان دوستی، محبت اور بھائی چارے کی فضا پیدا کرنے پر سماجی کارکنوں کو مبارکباد دی۔

اس سے قبل شری نائک نے ڈاکٹر بی۔ آر امبیڈکر کے مجسمہ کو ہار پہنایا اور علاقہ کے طالبعلموں کو انعامات تقسیم کئے۔ وزیر اعلیٰ نے شہریوں کو یقین دلایا کہ وہ بمبئی میونسپل کارپوریشن اور دیگر متعلقہ حکام سے ڈاکٹر امبیڈکر کے مجسمہ کے سامنے پڑی کھلی اراضی دلانے کی کوشش کریں گے تاکہ وہاں باغ لگایا جائے۔

شری سداشیو شرکے نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ ایک بارہ سالہ طالبعلم ماسٹر بدرالدین درا سدار نے وزیر اعلیٰ کا استقبال سنسکرت زبان میں کیا۔

محکمۂ پولیس کا رسالہ 'دکشتا'

گورنر کے ہاتھوں اجراء

مہاراشٹر کے گورنر شری علی یاور جنگ نے گزشتہ ۱۶ اگست کو بمبئی میں آل انڈیا ریڈیو آڈیٹوریم میں ریاستی محکمہ پولس کی جانب سے شائع کردہ ماہنامہ 'دکشتا' کے پہلے شمارے کی رسم اجراء ادا کی۔

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے جلسہ کی صدارت کی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے گورنر موصوف نے عوام اور پولس کے درمیان خلیج پُر کرنے کی ضرورت پر زور دیا جو کہ آج کے مشکل دور میں لازمی ہے۔ گورنر نے محکمہ پولس کے اس اقدام کی تعریف کی جس کے ذریعہ سے عوام کو اپنی کارگذاریوں سے روشناس کرانے کا بہتر موقع میسر ہوگا۔

شری شرد پوار، وزیر مملکت برائے داخلہ نے اپنی تعارفی تقریر میں اس رسالہ کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔

اس سے قبل انسپکٹر جنرل آف پولس، شری ایس۔ جی۔ راج ادھیکش نے گورنر اور مہمانوں کا استقبال کیا۔

●●

سرکاری فیصلے اور اعلانات

ریاستی ملازمین بیمہ اسکیم

دس لاکھ سے زیادہ ملازمین فیضیاب

ریاستی ملازمین بیمہ اسکیم کے تحت برسرِ ملازمت جراحت، بیماری اور زچگی کی صورت میں ۱۰,۱۵,۹۹۳ صنعتی مزدوروں کو مدد بہم پہنچائی جاتی ہے۔ گذشتہ ماہ جون ۱۹۷۴ء کے دوران ۵,۹۷۶ حادثات کی اطلاع ملی اور مبلغ ۲,۶۶,۲۴۵ روپے کی رقم ۳۳۱۱ اشخاص کو عارضی معذوری امداد کے طور پر دی گئی۔ اس کے علاوہ ۲۱۶ نئے کیس مستقل معذوری کے معاملات میں درج کئے گئے، نیز ۵,۶۵,۲۰۷ روپے کی رقم اس زمرہ میں ادا کی گئی۔ اسی طرح ۱,۱۵,۹۲۴ روپے کی رقم امدادِ لواحقین کے لئے دی گئی۔

ماہِ جون کے دوران ۴۱۸۰۳ نئے مطالبات قبول کئے گئے اور ۱۵,۴۴,۱۷۲ روپے کی رقم بطور بیماری امداد ادا کی گئی۔ تپ دق، کینسر، دماغی امراض اور دیگر امراضِ خبیثہ میں مبتلا مریضوں کو زیادہ دیکھ بھال اور امداد کی ضرورت ہے۔ لہٰذا انھیں طویل بیماری امداد کے نام سے اضافی امداد دی جاتی ہے۔ ماہ مذکور کے دوران اس مد میں ۴۴ افراد کو ۲,۶۴۴ روپے کی رقم دی گئی۔

اس ماہ کے دوران زچگی امداد کے لئے ۲۲۹ نئے مطالبات درج کئے گئے اور ۱,۸۶,۰۴۵ روپے کی رقم امداد زچگی کے طور پر ادا کی گئی۔ بیمہ شدہ عورتوں اور بیمہ شدہ اشخاص کی بیویوں کو اخراجات زمانۂ حمل کے لئے ۷۸,۹۶۱ روپے کی رقم ادا کی گئی۔ تجہیز و تکفین کیلئے ۱۱۵ معاملات میں ۱,۱۱,۵۰۰ روپے کی رقم دی گئی۔

تاخیر سے حسابات پیش کرنے پر ۱۵ معاملات میں سزا دی گئی۔ ۵ معاملات میں حصہ ملازمین کی ۴,۵۳۳ روپے کی رقم وصول کی گئی۔

انسٹی ٹیوٹ آف سائنس

خود مختار ادارہ

حکومتِ مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ بمبئی میں انسٹی ٹیوٹ آف سائنس کو خود مختار ادارہ بنا دیا جائے۔

یہ فیصلہ اس کمیٹی کی سفارش کے مطابق کیا گیا جو حکومت نے ڈاکٹر وی۔ وی۔ نارلیکر کی زیرِ صدارت مقرر کی تھی تاکہ وہ ادارہ کی تنظیم نو اور اس کی توسیع کے لئے مفصل منصوبہ کے بارے میں مشورہ دے۔

میعاد میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے گاؤں میں کاشت کے لئے چرائی اراضی دینے کے سوال پر غور کرنے کے لئے مقررہ کمیٹی کی میعاد ۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۴ء تک بڑھا دی تاکہ وہ اپنی سفارشات پیش کر سکے۔

پسماندہ اقوام کو قانونی امداد جاری

حکومت مہاراشٹر نے پس ماندہ اقوام کے افراد کو جن کی سالانہ آمدنی ۱,۸۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے، دیوانی مقدمات یا فوجداری مقدمات یا معاملات دار کورٹ ایکٹ بابت ۱۹۰۶ء کے تحت مقدمات میں قانونی امداد دینے کے سلسلے میں اسکیم مہاراشٹر کے تمام اضلاع میں مزید ایک سال یعنی ۳۱ر مارچ ۱۹۷۵ء تک جاری رکھی ہے۔

چتر نگری

حکومتِ مہاراشٹر نے شری رام گبالے، ڈائرکٹر آف فلمز، ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو اس مقصد سے مقرر کیا ہے کہ وہ بمبئی میں آرے کالونی کے پاس "فلم سٹی" میں سرکاری اسٹوڈیو کی تعمیر کے بارے میں مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کو صلاح مشورہ دیں۔

'مڈک' نے فلم سٹی میں اسٹوڈیو کی تعمیر کے سلسلے میں ابتک کافی کام انجام دیا ہے اور توقع ہے کہ ایک بڑے اور چھوٹے اسٹوڈیو کی تعمیر کا کام جاری مالیاتی سال کے اختتام سے قبل پورا ہوجائے گا۔

شری گبالے خصوصاً 'مڈک' کو فلموں کی تیاری کے لئے جدید سہولتوں کی فراہمی کے بارے میں مشورہ دیں گے۔

شری گبالے اس کمیٹی کے ممبر ہیں جو اعلیٰ اختیارات کمیٹی نے فلم سٹی میں پلاٹ کی فروخت کے لئے مقرر کی ہے نیز دیگر تمام کمیٹیوں کے بھی رکن ہوں گے جو آئندہ مذکورہ اعلیٰ اختیارات کمیٹی کی جانب سے مقرر کی جائیں گی۔

جنگی بہادر کی بیوہ کو نقد انعام

حکومت مہاراشٹر نے آنجہانی فلائٹ لفٹننٹ کے۔ ایس۔ نندہ جنھوں نے ۱۹۷۱ء کی ہند پاک جنگ میں حصہ لیا تھا، کی بیوہ کے لئے پانچ ہزار روپے کی نقد امداد منظور کی ہے۔ ان کو یہ رقم شری اے۔ ایم۔ دیتھے کلکٹر بمبئی اور صدر سٹی سولجرز، سیلرز وایئرمینز بورڈ بمبئی نے ۱۴ اگست کو ادا کی۔

فلائٹ لفٹننٹ کے۔ ایس۔ نندہ اُس وقت پونہ میں تعینات تھے۔ اور وہ ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مغربی کمانڈ زون میں ایک ہوائی حادثہ کا شکار ہو گئے تھے وہ ایک جہاز تین دوسرے کینبرا جہازوں کے ساتھ اڑا رہے تھے اسوقت ان کا جہاز دشمن کی فائرنگ کا شکار ہو گیا اور دوسرے ساتھی جہازوں کے ہوابازوں کے چشم دید بیان کے مطابق ان کا جہاز سمندر میں گر گیا تھا۔

دفتر کی منتقلی

جائنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز، بمبئی ریجن کا دفتر اب گولڈ کوائن پریمائسز کوآپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ تاڑدیو (نزد حاجی علی) بمبئی ۴۰۰۰۳۴ میں منتقل ہو گیا ہے۔

چھوٹی مکھی کا انسداد

چونکہ ریاست کے بعض علاقوں میں چھوٹی (مچ) مکھی نظر آئی ہے اس لئے حکومتِ مہاراشٹر نے خاص طور پر اعلیٰ جوار کی فصل کو نقصان سے بچانے کیلئے اس مکھی کی روک تھام کی غرض سے ریاست کے ۲۱ اضلاع میں مہم شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سال کی مخصوص بارشوں نے بوائی کے کام میں رکاوٹ ڈالی ہے جس سے کہ چھوٹی مکھی کے حملے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔

حکومت کی جانب سے جو جراثیم کش دوا ان اضلاع کو دی جائے گی اس کی مقدار (ٹن میں) مندرجہ ذیل ہے: ناسک (۸۰)، دھولیہ (۱۴۰)، جلگاؤں (۶۰۰)، احمد نگر (۹۰)، پونہ (۱۶۰)، شولاپور (۴۰)، سانگلی (۵۰۰)، ستارا (۵۰۰)، کولہاپور (۴۰۰)، اورنگ آباد (۳۰)، پربھنی (۲۷۰)، بیڑ (۵۷۰)، ناندیڑ (۴۸۰)، عثمان آباد (۵۰۰)، بلڈانہ (۶۵۰)، اکولہ (۲۷۰)، امراوتی (۳۸۰)، ایوت مل (۳۱۰)، وردھا (۱۱۰)، ناگپور (۱۱۰) اور چندر پور (۲۰)۔

جراثیم کش ادویہ فراہم کرنے کے علاوہ دوسرے مختلف اقدامات بھی کئے جائیں گے۔

شیواجی کی تصویر

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ مُصوّر شری جی۔ کامبلے، ساکن کولہاپور نے چھترپتی شیواجی کی جو تصویر بنائی ہے وہ تمام سرکاری دفاتر اور سرکاری تعلیمی اداروں میں لگائی جائے۔ اس نئی تصویر کی نقول منیجر گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی ۴، منیجر گورنمنٹ فوٹو زنکو پریس، پونہ، منیجر گورنمنٹ پریس، ناگپور اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر گورنمنٹ بک ڈپو، اورنگ آباد سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

حکومت نے یہ بھی ہدایت کی ہے کہ ابتک شیواجی مہاراج کی جو تصویر لگائی جاتی رہی ہے اس کو ریکارڈ کے طور پر محفوظ رکھا جائے۔

ڈبے بنانے والی صنعت

کیلئے کم ازکم اجرت کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے شری مہیش جوشی کی زیرصدارت ریاست میں کاغذ، پٹھے اور اسٹرا بورڈ سے ڈبے اور بکس بنانے والی صنعت میں موجودہ ملازمت کی حالت کی تحقیقات کرنے نیز کم ازکم اجرت کے تعین کے لئے حکومت کو مشورہ دینے کی غرض سے کم ازکم اُجرت کمیٹی مقرر کی ہے۔

کمیٹی میں مالکان اور ملازمین کی انجمنوں کے نمائندے ہیں۔ شری ایس۔ بی۔ پاٹل، اسسٹنٹ کمشنر آف لیبر، ناگپور کمیٹی کے ممبر اور سکریٹری ہیں۔

فنکاروں کے لئے وظائف

درخواستیں مطلوب

رقص، موسیقی، مصوری اور نقاشی کے میدان میں بہترین فنکاروں کی تلاش کی اسکیم کے تحت امیدواروں کو وظائف دینے کے لئے درخواستیں طلب کی گئی ہیں۔ یکم جولائی ۱۹۷۴ء کو ۱۰ سے ۱۴ سال کے درمیان عمر والے امیدوار جو تسلیم شدہ اسکولوں میں زیرتعلیم ہیں درخواستیں دینے کے مستحق ہیں۔

مہاراشٹر کے لئے تین وظائف ہیں۔

وظیفے دو قسم کے ہیں۔ ایک چھ سو روپے سالانہ اور دوسرا بارہ سو روپے سالانہ۔

درخواست فارم اور دوسری تفصیلات کمشنر، بیورو آف گورنمنٹ، اکزامینیشن، ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن، مہاراشٹر اسٹیٹ، سینٹرل بلڈنگ پونہ ۱ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

درخواستیں داخل کرنے کی آخری تاریخ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۴ء ہے۔

دفاعی فنڈ

ہفتہ مختتمہ ۲۷ جولائی کے دوران ریاست مہاراشٹر سے قومی دفاعی فنڈ کیلئے ۵۵۴ روپے کی رقم جمع ہوئی۔

درج فہرست نرسیں

مہاراشٹر نرسنگ کونسل کے پاس ۳۱ دسمبر ۱۹۷۲ء تک درج شدہ نرسوں کے رجسٹر کی چھپی نقول کونسل کے نوٹس بورڈ پر لگادی گئی ہیں نیز معائنہ اور فروخت کے لئے دستیاب ہیں۔

قومی راج

جلد : ۱ — ۱۶ ستمبر ۱۹۷۴ء — شمارہ : ۱۶

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے — سالانہ ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی، خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲-۰۰۰-۴۰۰

فہرست

سرورق

کپاس کی اجارہ دارانہ خرید کی اسکیم کا افتتاح وزیر اعلیٰ، شری وی پی۔ نائک کے ہاتھوں ۱۳ر اگست ۱۹۷۲ء کو بمقام اکلوج، ضلع شولاپور عمل میں آیا۔ یہ اسکیم ایک سماجی و معاشی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی :

سخنہائے گفتنی

آٹھ ماہ کی مختصر مدت میں آپ کے محبوب رسالہ " قومی راج " نے نہ صرف اردو رسائل و جرائد کی دنیا میں اپنا منفرد مقام بنالیا ہے بلکہ اس نے صحافت میں ایک نئی ہنج کو فروغ دیا ہے۔ اب تک سرکاری رسائل یا تو مکمل طور پر ادبی ہوا کرتے تھے یا محض دستاویزی، اور اگر کبھی ان دونوں کے امتزاج کی کوشش بھی کی گئی تو وہ زیادہ کامیاب نہ رہی۔ " قومی راج " نے ایک متوازن اور اعتدال پسندانہ راہ اختیار کرکے ثابت کر دیا کہ عموماً خشک یا بے کیف سمجھے جانے والے موضوعات کو اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ عام قاری انہیں خندہ پیشانی سے قبول کرلے۔ اس تجربہ کی کامیابی سے دیگر ریاستوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی ہے اور انھوں نے اپنے ترجمان رسائل کو نیا روپ دیا ہے۔ حال ہی میں چند ریاستوں سے جو نئے رسائل اردو میں جاری ہوئے ہیں انھوں نے " قومی راج " ہی کی پالیسی اختیار کی ہے۔

بہرحال اپنی کامیابی پر ہم نہ خوش فہمی کا شکار ہیں اور نہ ہنوز مطمئن ہیں۔ ہماری تو یہ خواہش ہے کہ " قومی راج " کے محدود صفحات میں آپ کیلئے دلچسپی اور افادیت کا زیادہ سے زیادہ مواد بھر دیں اور اسے ایک ایسا رسالہ بنا دیں جس پر اردو زبان فخر کر سکے۔

ہمیں خوشی ہے کہ " قومی راج " کی قیمت میں اضافہ پر ہمارے قارئین نے کسی شدید ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ طباعت و اشاعت کی دنیا میں پیش آنے والے حالات کے مدِ نظر ہماری مجبوریوں کو پوری طرح محسوس کیا ہے۔ اس صورت میں " قومی راج " کی یہ پوری کوشش ہوگی کہ وہ قارئین کی امیدوں پر پورا اترے اور اُن کے اعتماد کو مجروح نہ کرے۔

خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

غزل

ہوش زدہ نادان سے ڈر
بات سمجھ انسان سے ڈر

ترکِ محبت بھی ہے فریب
ٹھہرے ہوئے طوفان سے ڈر

دوری و قربت کچھ بھی نہیں
عشق میں اطمینان سے ڈر

موت بھی اتنی تلخ نہیں
دوستوں کے احسان سے ڈر

دل میں کسک ہونٹوں پہ ہنسی
عشق کی جھوٹی شان سے ڈر

راہِ جنوں ہے راہِ نجات
کفر سے بھاگ ایمان سے ڈر

ایک ہنسی بھی کم نہ سمجھ
آنسوؤں کے طوفان سے ڈر

ترکِ مئے ناب اور خمار
بہکے ہوئے انسان سے ڈر

•

خمار بارہ بنکوی

اے مکاں! اِن کو سمجھنا نہ مکینوں کی طرح
اِس خرابے میں ہیں کچھ لوگ دفینوں کی طرح

نگہِ وقت اگر ڈھونڈ سکے ڈھونڈ ہمیں
ہم ہیں اِس دَور کے گُم گشتہ خزینوں کی طرح

کیا سزا کیسی جزا آج، کہ یارب ہم لوگ
نہ شریفوں کی طرح تھے نہ کمینوں کی طرح

اے نئے دَور تجھے اس کی خبر ہے کہ نہیں
تو جو خاتم ہے تو ہم تیرے نگینوں کی طرح

وقتِ فرقت کا جو تھا کٹ تو گیا وہ لیکن
دن جو گذرے تو کچھ ایسے کہ مہینوں کی طرح

دوستو! آج کے طوفان سے بچنا ہو اگر
میرے افکار کے دھارے ہیں سفینوں کی طرح

آزا
جگن نا

فراق

"گلِ نغمہ" کے آئینے میں

فراق اب اٹھہتر برس کے ہو رہے ہیں۔ جب اُن کا مشہور و معروف مجموعۂ کلام "گلِ نغمہ" پہلی بار ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا اُس وقت بھی فراق جوان رعنا نہیں تھے بلکہ ترسٹھ برس کی پختہ منزل سے گزر رہے تھے۔ اِسی مجموعے پر گیان ودیا پیٹھ کا ایک لاکھ روپے کا گرانقدر انعام تو ابھی کل ہی کی بات ہے۔

ظاہر ہے کہ "گلِ نغمہ" کا کلام وہ کلام ہے جس کے آئینے میں فراقؔ صاحب کی زندگی اور شاعری کے بیشتر رُخوں کا پوری طرح نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

میر تقی میر کو اردو کے شعراء میں خدائے سخن کا مرتبہ حاصل ہے مگر انھیں تمام و کمال پڑھ جایئے ہمارا جانا پہچانا میر اُن کے ایک تہائی کلام سے زیادہ میں نہیں ہے۔ دو تہائی کلام رطب و یابس سے بھرا پڑا ہے۔ اِسی طرح فراق کا تمام کلام صحیح فراق کو ابھارنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ "گلِ نغمہ" کے تیسرے ایڈیشن میں وہ خود فرماتے ہیں:

"میرا سارا کلام ہرگز انتخاب نہیں ہے بلکہ اِسے ایک طرح کا خودرو جنگل سمجھنا چاہیے جس میں ٹیڑھے سیدھے ہر طرح کے درخت مِل جاتے ہیں..."

اپنے کلام پر ایسا تبصرہ وہی شاعر کر سکتا ہے جو اعلیٰ اور ارفع شاعری کی روح کو پہچانتا ہو۔

فراق کا اصل میدان غزل ہے اور غزل پر اُن کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے اُس میں نئے سماجی رجحانات داخل کیے اور غزل کے قدیم اسلوب کو جدید نفسیاتِ غزل سے ہم آہنگ کیا اور اس کام میں ان کا کوئی مدِ مقابل نہیں ہے فرماتے ہیں ؎

اساتذہ کے بس کے جو تھے مجھے دکھا دئے
سکوتِ سرمدی نے وہ، نکات شعریات کے
ہزارہا اشارے پائیں گے، تلاش شرط ہے
قدیم فکریات میں، جدید فکریات کے

اِس امتزاجِ قدیم و جدید سے ایک ایسا اسلوب پیدا ہو گیا ہے جسے سو فی صد اُن کا اپنا کہنا چاہیے۔ دورِ حاضر کے اندازِ سخن کو اُن کی اِس دین نے وہ وسعت دی ہے کہ دامنِ غزل گوئی تنگ ہو کے رہ گیا ہے اور اِس پر فراق کو ناز بھی ہے ؎

ختم ہے مجھ پر غزل گوئی دورِ حاضر
دینے والے نے وہ اندازِ سخن مجھکو دیا

جی چاہتا ہے کہ ہاتھوں اِسی زمین میں اُن کے چند اشعار اور بھی سُنا دوں جو اُن کی خاص طرز کے اور داخلی شاعری کے آئینہ دار ہیں ؎

ہم نوا کوئی نہیں ہے وہ چمن مجھ کو دیا
ہم وطن بات نہ سمجھیں وہ وطن مجھ کو دیا

ڈھک لئے تاروں بھری راتنے ہستی کے عیوب
آنسوؤں نے شبِ غربت میں کفن مجھ کو دیا

ارضِ جنت کے بھی بس میں نہیں جس کا دینا
ہند کی خاک نے وہ سوزِ کفن مجھ کو دیا

"گلِ نغمہ" بیشتر وارداتِ قلب کی شاعری ہے اور یہی لوگوں کو مرغوب ہے ؎

زمانہ واردات قلب سننے کو ترستا ہے
اِسی سے تو سر آنکھوں پر مرا دیوان لیتے ہیں

اِس غزل کا مطلع بھی خاص طور پر سننے کے قابل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کے قدموں کی جانی پہچانی چاپ صاف سنائی دے رہی ہے ؎

بہت پہلے سے اِن قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دُور سے پہچان لیتے ہیں

بقول فراق اُن کے بچپن ہی سے اُن پر انسانی حُسن کا اثر تو یہ ہوتا تھا کہ بیک وقت موت اور زندگی کا گویا سامنا ہو جاتا تھا۔ یہ احساس اُن کے کلام میں اس شدت سے موجود ہے کہ ہر ہر غزل میں اسکی جلوہ سامانیاں نظر آتی ہیں۔ اُنہیں کے لفظوں میں اس کی ایک وجہ اُن کی زندگی کا ایک المیہ بھی ہے جہاں وہ اپنے خوابوں کی ملکہ کے ساتھ اپنا گھر بسانا چاہتے تھے وہاں انھیں ایک ایسے زنگی سے نباہ کرنا پڑا جس سے وہ ملاقات کی بھی تاب نہ لا سکتے تھے آج تک باوجود کئی معاشقوں کے اُن کے محبوب کی یاد رہ رہ کے اُن سے اشعار کہلواتی ہے۔ یہ

کالیداس گپتا رضا

تیر چبھے بیٹھے اور یہ زخم بڑے گہرے ہوتے ہیں"

وہ قطرے قطرے میں سمندر وہ ذرّے ذرّے میں
یاد تری کیسے نہ تھی درد ترا کہاں نہ تھا

ہر آن وہ رنگ رنگ میں چٹکتی ہوئی کلیاں
اُس شوخ کی ایک ایک ادا بول رہی ہے

دردِ دل کیا ہے کھلا آج ترے لڑنے پر
تجھ سے اتنی تھی محبت مجھے معلوم نہ تھا

طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تیری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

فراق کی زبان بعض اوقات اُکھڑی اُکھڑی اور غیر ٹکسالی سی معلوم ہوتی ہے اور رنگِ سخن پامال سا دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی اُن کی طرزِ خاص ہے جس میں پامال زمینیں سرسبز ہوئی جاتی ہیں اور اکھڑی اکھڑی راہیں خرامِ ناز کا سامان پیدا کئے دیتی ہیں جیسے

پڑتی ہے آسمانِ محبت پہ چھوٹ سی
بل بے جبینِ ناز تری جگمگاہٹیں
چشمِ سیہ تبسّمِ پنہاں لئے ہوئے
پو پھٹنے سے قبل اُفق کی اداہٹیں
ہو سامنا اگر تو خجل ہو نگاہِ برق
دیکھی ہیں عضو عضو میں وہ اُچپلاہٹیں
سازِ جمال کی یہ نواہائے سرمدی
جوبن تو وہ، فرشتے سنیں گنگناہٹیں

میری غزل کی جان سمجھنا انھیں فراق
شمعِ خیالِ یار کی یہ تھرتھراہٹیں

اس کا مطلب یہ نہیں کہ فراق کی زبان و بیان میں کھردرے پن کی بھرمار ہے۔ ہرگز نہیں۔ اُن کے ہاں ایک خاص قسم کا ترنّم ہے۔ اُن کی بعض غزلوں میں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ

سطحِ آب کی ہمواریت پر کوئی سفینہ کشاں کشاں "کوئے یار" کی طرف بڑھ رہا ہے اور لہریں رقیب کی چالوں کی طرح پیچھے رہی جا رہی ہیں ؎

یہ صباحت کی ضو مہ چکاں مہ چکاں
یہ پسینے کی رو کہکشاں کہکشاں
عشق تھا ایک دن داستاں داستاں
آج کیوں ہے وہی بے زباں بے زباں
عشق بھی شادماں شادماں اِن دِنوں
حُسن بھی اِن دنوں مہرباں مہرباں
بیٹھنا ناز سے انجمن انجمن
دیکھنا ناز سے داستاں داستاں
بُو زمیں سے مجھے آرہی ہے تری
تجھ کو کیوں ڈھونڈھئے آسماں آسماں
ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ڈھونڈھ لینگے تجھے
گو نشاں ہے ترا بے نشاں بے نشاں
ہم کو سُننا بہرحال تیری خبر
ماجرا ماجرا داستاں داستاں
جی میں آتا ہے تجھ کو پکارا کروں
رہگزر رہگزر آستاں آستاں
عشق کی زندگی بھی غرض کٹ گئی
غمزدہ غمزدہ شادماں شادماں
اب پڑے اب پڑے اس کے ماتھے پہ بَل
الحذر الحذر الاماں الاماں

"گلِ نغمہ" کو دیکھ کر فراق کے اس شعر کی تصدیق کرنی پڑتی ہے ؎

میری گھُٹّی میں پڑی تھی ہو کے حل اُردو زباں
جو بھی میں کہتا گیا حُسنِ بیاں بنتا گیا

بقیہ: بے زبان

اور دبا دے اِس کھیت میں۔"

"گلنارو گلنارو — تو باؤلی ہوئی ہے۔ تجھ پر چھری چلاؤں۔ تجھ پر تو چھری بھی پھِسل پھِسل جائے اتنی ...
ہے تو؟"

"اہوں۔ اگر چھری نہیں چلاتا تو چل اُدھر "کماد" کے کھیت میں چل!"

"ارے کوئی دیکھ لے گا تو قیامت آجائیگی؟" اُس کی آنکھوں میں شرارت کے ڈورے شربتی بن کر رقص کرنے لگے۔

"دیکھتا نہیں کیا ... میں تجھے اپنی مرضی سے کہہ رہی ہوں۔ چل "کماد" کے کھیت میں، اس بے زبان کو ادھر چھوڑ دے تجھے دعائیں دے گا۔"

نہ جانے رجبے قصائی پر گلنارو کا کونسا سحر چل گیا تھا جو وہ ایک بھیڑ کی طرح گلنارو کے پیچھے پیچھے "کماد" کے کھیت کی طرف ہولیا تھا۔ رجبے کے ہونٹوں پر دل میں عجیب سے سرشار "لہریئے" لہریں مارنے لگے تھے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر کھیت میں گھستا چلا گیا۔ صرف رجبے کی دو آنکھیں، ہوس زدہ، حریص آنکھیں شاید اُس "بزبز" دیکھتے بکرے سے ضرور ملی تھیں جو کیکر کے نیچے کھڑا اس کو "کماد" کے کھیت میں گھستے ہوئے بڑی حسرت اور یاس بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

صبح تک جب سب لوگ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تھک گئے اور انہیں ان دونوں کا کہیں نشان تک نہ ملا تو گاؤں کے تھانے کا تھانے دار اپنی بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بند کر دے اِس چھوکری کو حوالات میں یہ رجب قصائی کا خون کر کے آرہی ہے۔"

حُسنِ معصوم، شوخ، تخلیق
کیا تفسیریں سلام بدلے ہیں
کیا قیامت کے نام بدلے ہیں

مراٹھ واڑہ!

• جاوید وِششٹ

یہ مراٹھ واڑہ ہے
پریت کا اکھاڑہ ہے
ہے مراٹھ واڑے کی جھوم پیار کی دھرتی
سانولی سلونی سی
مُشک فام ، البیلی
سانجھ کی ملن بیلا
سانولی معانی کی
آرزو کی بانہوں میں جھُول جھُول جاتی ہے
یہ مراٹھ واڑہ ہے
روپ کا اکھاڑہ ہے

آسماں پہ لہراتی سُرمئی گھٹائیں ہیں
مے پیئے ہوائیں ہیں
مَست سی فضائیں ہیں
جھومتی گھٹاؤں سے مستیاں برستی ہیں
میکدے چھلکتے ہیں
اور ہوا کا ہر جھونکا
کامروپ کا جادو
نغمگی ہواؤں کی لوک گیت گاتی ہے
جانے کون پردیسی کس کو یاد کرتا ہے
بوندیوں کی رِم جھِم میں
مرگ سال آیا ہے
دُھن ملار لایا ہے
یہ مراٹھ واڑہ ہے
گیت کا اکھاڑہ ہے

یہ گپھا ایلورا کی ، غار وہ اجنتا کے
سب کلا کے مندر ہیں
جانے کون تیشہ زن ، کوہکن جیالے تھے
چترکار البیلے ، رنگ کے اُجالے تھے
فن کے وہ پجاری تھے ، وہ کلا کے پالے تھے
اُن کی فکر کے آگے
لوگ سر جُھکاتے ہیں
ہم کلا کے عاشق ہیں
ہم کلا کے پیاسے ہیں
اُن عظیم لوگوں کو
ہم سلام کہتے ہیں
یہ مراٹھ واڑہ ہے
جیت کا اکھاڑہ ہے

میاں کی دیکھ بھال

شیام کشن نگم

ڈاکٹر بشیر کی بیگم بڑی شکی المزاج تھیں۔ ہر وقت ان کو یہی خیال لگا رہتا تھا کہ کہیں میاں اِدھر اُدھر تفریح کرنے تو نہیں جاتے! ڈاکٹر صاحب کسی دن ذرا بھی دیر سے گھر آتے کہ بیوی نے سب سے پہلے سوالات کی بوچھار شروع کر دی کہ آپ اب تک کہاں تھے؟ اتنی دیر سے کیوں آئے ہیں؟ اور ڈاکٹر صاحب جس قدر صفائی پیش کرتے بیوی کا شک اور بڑھتا جاتا۔ آخر بیوی نے کافی سوچ بچار کے بعد ڈاکٹر صاحب سے کہا: "ڈاکٹر صاحب! آپ کی ڈسپنسری کے سامنے اچھے فلیٹ بن رہے ہیں ان میں سے ایک لے لیا جائے۔ ڈسپنسری دور ہے آنے جانے کی دِقت ہی ختم ہو جائے گی۔" ڈاکٹر صاحب نے سوچا، چلو مکان دوکان کے سامنے لے لینے سے یہ روز روز کی تکرار ہی ختم ہو جائیگی۔ لہٰذا ڈسپنسری کے سامنے ایک فلیٹ لے لیا گیا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب بیوی بھی پوری طرح سے مطمئن رہیں گی کیونکہ میری ساری حرکات و سکنات بیوی کی نظر میں ہوں گی۔

لیکن ڈاکٹر صاحب کو کیا معلوم تھا کہ شک کی نگاہ ہر چیز کو ٹیڑھا کر کے دکھاتی ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد بیوی کی شک کی رگ پھر پھڑکنے لگی اور بیوی نے سوچا کہ میاں کیوں رات کو ڈسپنسری سے باہر چلے جاتے ہیں اور گھنٹوں غائب رہتے ہیں؟ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ ڈاکٹر صاحب سے جب بھی پوچھتی ہوں ایک ہی جواب ملتا ہے کہ مریضوں کو دیکھنے گیا تھا۔ بیوی سوچنے لگیں کہ یا اللہ! ایسا بھی کیا غضب ہے کہ روزانہ ہی ڈاکٹر صاحب کو مریضوں کے گھر جانا پڑتا ہے کیا کوئی روز روز اتنا بیمار ہو جاتا ہے؟ پھر بیوی نے میاں کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے کافی سمجھایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کے لئے تم اس قدر پریشان ہو لیکن بیوی کے من کو یقین ہی نہ آتا تھا۔

آخر بیوی نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی پڑوسن بی نصیرن سے رائے لی جائے، کیونکہ بی نصیرن دیکھنے میں کافی سمجھدار معلوم ہوتی تھیں۔ لہٰذا ایک دن بی نصیرن کے مکان پر گئیں اور کہا "بہن! میں کافی روز سے سوچ رہی تھی کہ اپنے متعلق آپ سے کچھ صلاح مشورہ کروں۔ لیکن میں جو کچھ بھی آپ سے پوچھوں وہ اپنے ہی تک رکھنا۔ کسی سے ذکر نہ کرنا" بی نصیرن بھی بڑی "بھس میں آگ لگاؤ" تھیں۔ ان کے پیٹ میں تو اسی دن سے درد شروع ہو گیا تھا جس دن بیگم ڈاکٹر پڑوس میں آئی تھیں اور وہ اسی فکر میں تھیں کہ بیگم ڈاکٹر کے گھر میں کیسے تماشہ شروع کرایا جائے۔ لہٰذا ہاتھ آئے ہوئے موقع کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا اور بڑے چاؤ سے بیگم ڈاکٹر سے کرید کرید کر پوچھنے لگیں کہ بہن! کیا بات ہے پوچھو نا؟ بیگم ڈاکٹر نے کہا "بات کچھ راز داری کی ہے۔ آپ تو بالکل ہمارے ہی گھر کے لوگوں کی طرح سے ہیں اور اسی لئے میری اتنی ہمت بھی ہوئی کہ میں اپنے گھر کے معاملے میں آپ سے رائے لوں۔ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب رات کو اکثر دیر سے گھر آتے ہیں اور جب پوچھو ایک ہی جواب کہ "مریضوں کو دیکھنے گیا تھا" بی نصیرن جھٹ پھڑک کر بولیں: "خدا خیر کرے بہن۔ یہ مردوئے ہوتے ہی ایسے ہیں۔ ان سے جب کبھی بھی دیر سے آنے کا سبب پوچھو تو ایسے بہانے تراشتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ بہن! مرد کی ذات ہی ایسی ہوتی ہے۔ یہ چاہے چار چار شادیاں کر لیں لیکن پانچویں پر نظر لگائے رہیں گے۔ اے بہن تم سے پہلے تمہارے مکان میں جو لوگ رہتے تھے نا، ان کی بیوی بھی مجھے بڑی بہن سے زیادہ چاہتی تھیں۔ روز آپا آپا کہتے اُن کا منہ نہ تھکتا تھا۔ ان کے میاں بھی بس تمہارے میاں کی طرح اکثر رات کو دیر سے گھر آتے تھے اور جب بھی ان کی بیوی سبب پوچھتیں تو وکیل صاحب کہتے کہ موکلوں سے مقدمے کی

اوہ! یہ تمہارا بچہ نہیں، ڈاکٹر ہے، جو ابھی ابھی بے ہوش ہوگیا ہے!

بات چیت کرتے ہوئے دیر ہوگئی ہے۔ آخر ایک دن بی وکیلن نے مجھ سے بالکل تمہاری طرح ذکر کیا۔ کیونکہ مجھے بھی بی وکیلن سے ایسی ہی محبت تھی جیسی تم سے۔ میں نے بی وکیلن سے کہا کہ بی بی! ان مردوں کا کیا بھروسہ۔ تمہیں اچھی طرح خیال رکھنا چاہیے اور اس کے بعد بی وکیلن نے وکیل صاحب کی ہر طرح کی ٹوہ رکھی۔ لیکن خدا جانے وکیل صاحب کو یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ ان کی بیوی مجھے اپنی بڑی بہن سے بھی زیادہ مانتی ہیں اور خدا جانے وکیل صاحب کو کیا سوجھا کہ انھوں نے مکان ہی خالی کردیا۔ حالانکہ کسی کے گھریلو معاملات میں دخل دینے یا جھگڑے کرانے میں میرا کیا فائدہ؟ بات اصل میں یہ ہے کہ مرد ہوتے ہی ایسے ہیں۔ اگر ان کی بیوی کسی بھی پڑوسن سے ذرا ملنا جلنا شروع کردے، بس لو غضب ہی ہوگیا۔ پھر میاں اپنی بیوی کو تو کچھ کہتے نہیں اور پڑوسنوں کی برائیوں پر اُتر آتے ہیں۔ اے بہن! ہمیں کیا ہماری پیزار سے۔ کوئی ہم پر شک کرے تو کرتا رہے۔

اب جو بیگم ڈاکٹر نے بی پڑوسن کی ہمدردانہ باتیں سنیں تو سوچا کہ انھیں بھی ڈاکٹر صاحب کا خاصا خیال رکھنا پڑے گا۔ اگر ایک دفعہ ہاتھ سے نکل گئے تو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ اب جو ڈاکٹر صاحب دیر سے آتے بیگم صاحبہ کہتیں: "کہیے آج کون سی مریضہ کو دیکھنے گئے تھے؟" بس پھر کیا تھا۔ اچھا خاصا ہنگامہ شروع ہوجاتا۔ ڈاکٹر صاحب لاکھ سمجھاتے کہ "بیگم! ڈاکٹری کا پیشہ صرف روپے کمانے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ انسانی فرض ہے کہ اگر مریض کو رات کو بھی دیکھنے جانا پڑے تو ہمیں اپنی نیند اور آرام کی پروا نہ کرتے ہوئے جانا ہی چاہیے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ دوسری صبح تک مریض ہی ملک عدم چلا جائے۔ خدا کے لئے ذرا تو سوچو، سمجھو۔" اور ادھر بیگم جھٹ تڑپ کر کہتیں "ہاں جی ہاں، کیوں نہیں۔ اب آپ رات کو نہ جائیں گے تو بھلا کون جائے گا، میں تو پہلے ہی کہہ رہی ہوں۔ چاہے بیوی گھر میں لاوارث مُردے کی طرح پڑی رہے لیکن آپ اپنے عیش میں کوئی کمی نہ آنے دینگے ہائے اللہ! آخر کون سا قصور سرزد ہوگیا تھا مجھ سے جو میرے والدین نے آپ جیسے کے ہاتھ میں میرا ہاتھ دے دیا۔ میں تو اُس دن کو روتی ہوں جس دن میرا تمہارے ساتھ نکاح ہوا تھا۔"

بے چارے ڈاکٹر صاحب خون کا سا گھونٹ پی کر چپ ہوجاتے۔ بیگم کو بھلا چین کہاں، بگڑ کر کہتیں "اب سچی بات کہی تو جواب نہ دے سکے اور چپ سادھ لی؟"

ڈاکٹر صاحب کے دوستوں کو بیگم ڈاکٹر کی شکی عادت کا پتہ تھا۔ ایک دفعہ کچھ دوستوں کو شرارت سوجھی اور انھوں نے پلان بنایا کہ ذرا ڈاکٹر کا مزہ لینا چاہیے۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ چند دوست ایک عورت کو ساتھ لئے ان کے گھر چلے آئے۔ اور آتے ہی ڈاکٹر سے کہا "واہ ڈاکٹر صاحب واہ۔ خوب رہی کہ ادھر تو نسیم بانو کو میرٹھ میں بلاوا دے آئے کہ کل دہلی آجاؤ، ہوٹل میں کھانا کھائیں گے، پھر سیر تفریح ہوگی اور خود گھر میں آکر کھانا کھانے لگے۔ میاں! یہ بھی کوئی شرافت ہے کہ اس بے چاری کو بلاوا دیا اور گھر کا پتہ بھی نہ بتایا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ اتفاق سے انھیں ہمارے گھر کا پتہ معلوم تھا۔ نہیں تو یہ میرٹھ کی رہنے والی اتنے بڑے شہر دہلی میں کہاں بھٹکتی پھرتی۔ اگر ایسی ہی حرکت کرنی تھی تو ہمیں بتایا ہوتا۔ ہم لوگ ہی ان کا کچھ انتظام کرتے۔" اور پھر کہنے لگے "چلو اب ہم کھانا

کھالو۔ ہم باہر بیٹھک میں بیٹھتے ہیں۔ اور تم نسیم بانو کے کھانے کا انتظام کر کے ہمیں خبر دو۔ یا اگر انھیں کہیں باہر کھانا کھلانا ہو تو ویسا ہی کریں گے۔" بس ڈاکٹر صاحب کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے۔ اور سوچنے لگے۔ یا خدا! یہ کن گناہوں کی سزا ہے؟ یار لوگوں نے یہ کیا تماشہ کھڑا کر دیا؟ اور بیگم ڈاکٹر نے جو نسیم بانو کو دیکھا تو ان کا شک یقین میں بدل گیا۔ اور وہ آگ بگولہ ہو کر بولیں۔" لو' اور کرو اپنی شرافت کی صفائیاں میں نہ کہتی تھی؟ اب بتاؤ، یہ حرافہ کون ہے اور ہمارے گھر کیسے آئی؟" بے چارے ڈاکٹر بولے: "بندیٔ خدا! ذرا تو عقل سے کام لو۔ یہ سب تمہاری شکی المزاجی کی مہربانی ہے۔ یار لوگوں نے مزہ لینے کے لئے یہ شگوفہ کھلایا ہے۔ دیکھتی نہیں اس آفت کی پرکالہ نے پاؤ انچ کریم پوڈر کا تو تو بڑا ہی منہ پر چڑھا رکھا ہے اور تم کہتی ہو کہ یہ کون ہے۔ اسے بندیٔ خدا' ذرا تو عقل کے ناخن لو۔" لیکن بیگم چلا کے بولیں۔" ہاں ہاں، تم نے تو زندگی بھر مجھے ایسے ہی جھانسے دئے ہیں۔ اور اگر آج بھی میں اس کلموہی کو نہ دیکھتی تو شک کی بات ہو سکتی تھی۔ لیکن آنکھوں دیکھی مکھی تو نگلی نہیں جاتی۔ ڈاکٹر منہ لٹکائے خاموشی سے گھر سے باہر چلے گئے۔

دوسرے دن بیگم ڈاکٹر نے اپنی پڑوسن بی نصیرن کو جب نسیم بانو والا قصہ سنایا تو آپا نصیرن بولیں: "کہو بہو بنو! ہم کہتے نہ تھے؟ اب تو تم نے اپنی آنکھوں سے ان موئے مردوں کے کرشمے دیکھ لئے نا؟"

آخر ڈاکٹر صاحب کو مکان تبدیل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ :

نائب صدر ہند

شری باسپّا دانپّا جتّی

شری باسپّا دانپّا جتّی ۱۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کو ساولگی، ضلع بیجاپور، میسور میں پیدا ہوئے آپ نے بیجاپور گورنمنٹ ہائی اسکول اور راجہ رام کالج، کولہاپور میں تعلیم پائی اور وہاں سے بیچلر آف آرٹس، ڈگری حاصل کی۔ بعدازاں سائیکس لا کالج، کولہاپور سے ایل ایل۔ بی۔ کی ڈگری لی۔

بعدازاں شری جتّی نے جم کھنڈی میں وکالت شروع کی۔ آپ ریاست جم کھنڈی میں وزیر مقرر ہوئے اور آگے چل کر ریاست کے وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ آپ بمبئی لیجسلیٹو اسمبلی کے لئے ممبر نامزد کئے گئے جہاں آپ ریاست میسور (جسے اب ریاست کرناٹک کہا جاتا ہے) کے ضم شدہ علاقوں کے نمائندے تھے۔ آپ اس وقت بمبئی کے وزیر اعلیٰ، شری بی۔ جی۔ کھیر کے پارلیمانی سکریٹری مقرر ہوئے۔ بعد ازاں ۱۹۵۲ء میں ان کی وزارت میں نائب وزیر صحت و محنت کی حیثیت سے لے لئے گئے۔

ریاستوں کی ازسرنو تنظیم کے بعد شری جتّی میسور لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن بنے۔ آپ 'اصلاحات اراضی کمیٹی' کے صدر تھے۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۲ء تک آپ ریاست میسور کے وزیر اعلیٰ رہے۔ آپ جم کھنڈی حلقہ سے میسور لیجسلیٹو اسمبلی کے ۱۹۶۲ تا ۶۷ء کی مدت کے لئے دوبارہ رکن منتخب ہوئے۔ بعدازاں آپ ۱۹۶۲ تا ۶۵ء وزیر مالیات اور ۱۹۶۵ تا ۶۷ء وزیر خوراک رہے۔

شری بی۔ ڈی۔ جتّی نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو پانڈیچری کے لفٹننٹ گورنر کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا۔ اس کے بعد ۸ نومبر ۱۹۷۲ء کو گورنر اڑیسہ کے عہدہ پر فائز ہوئے جہاں سے آپ ۲۰ اگست ۱۹۷۴ء کو مستعفی ہو گئے۔

اپنی ہی ذات کے ساگر میں اُترنے کے لئے
عمر بھر ترسے ہیں ہم، ڈوب کے مرنے کے لئے

دشتِ تنہائی میں اِک بار بُلائے تو کوئی
خود کو یکجا کئے پھرتے ہیں بکھرنے کے لئے

اِک تری چُپ نے جُدا خود سے کیا ہے ہم کو
حادثے اور بھی باقی ہیں گزرنے کے لئے

کون اِس شہرِ طلسمات میں ڈھونڈے خود کو
زندگی کم ہے، بہت کام ہیں کرنے کے لئے

یہ زمیں سب کو گھمائے لئے پھرتی ہے، مگر
خود بھٹکتی ہے یہ صدیوں سے ٹھہرنے کے لئے

آئینے میں ہمیں ملتا ہے کسی کا چہرہ
خود کو یوں ہم نے بگاڑا ہے سنورنے کے لئے

اِک اسی بات پہ لوگوں نے جلایا آزاد
ہم تو ڈوبے تھے کہیں اور اُبھرنے کے لئے

آزاد گلاٹی

غزل
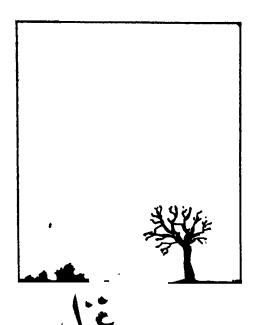
تاروں کی سانس اکھڑ گئی مہتاب اُداس ہے
ہم کو ابھی تک آپ کے آنے کی آس ہے

جلوے پیئے ہزار طبیعت نہ بھر سکی
لگتا ہے اپنی آنکھوں میں صدیوں کی پیاس ہے

سمجھا تھا جن کو پھول وہ ٹکڑے تھے آگ کے
گر تاب ہو تو دیکھ کہ سچ بے لباس ہے

کلیوں کا حُسن، گیت ہواؤں کے کھو گئے
روٹھے ہو تم تو لگتا ہے عالم اُداس ہے

یونس عالم صدیقی

از: غلام احمد محمد، پرنسپل برہانی کالج

ہندوستان میں زرعی اصلاحات کے بیس سال

ایک جائزہ وتبصرہ

زرعی اصلاحات کے عموماً دو مقاصد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ زیر کاشت زمین اور کسان کے درمیان بلاواسطہ تعلق قائم کیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ ریاست اور کسان کے درمیان کسی قسم کا کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو۔ پہلے مقصد کا خوش آئند نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب کسان خود زمین کا مالک ہو۔ اور کاشتکار بھی ہو تو لازماً ایک خاص طرح کا جذباتی رشتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں زمین کی پیداوار میں اضافہ ہونا یقینی ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ جب ریاست اور کسان کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو تو اگر کسان خود اپنی زائد پیداوار کا ایک حصہ زمین میں واپس مشغول نہ کر سکے تو ریاست کم از کم ٹیکس کے ذریعہ اس کو وصول کر کے زمین کی ترقی اور پیداوار کے اضافہ کے لئے استعمال کر سکتی ہے دراصل ہمارے ملک میں آزادی سے قبل ہی دو موضوعات بحث کا موضوع رہے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے زراعت کے ارتقاء پر منفی اثرات پڑتے رہے ہیں۔ معاشی استحصال کا ایک تاریک پہلو یہ بھی ہے کہ زمین داری جاگیر داری اور انعام داری کی سماجی ناہمواریوں نے کسان اور ریاست کے درمیان غیر منصفانہ ذاتی مفاد کی دیوار کھڑی کر دیا۔ دوسری قابل غور حقیقت یہ ہے کہ برٹش سامراج نے شرح لگان بھی زیادہ رکھی اور دیگر ذرائع آمدنی کے وسائل بھی مسدود کر دیئے۔ مثلاً گھریلو صنعتوں پر صنعتی انقلاب نے ضرب کاری لگائی۔ اس دوطرفہ کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ یا تو باشندگانِ دیہی علاقہجات ہجرت کر کے خانہ بدوشوں کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو [illegible] کاشتکاری شروع ہوئی جیسے جیسے بڑھتی

ہوئی آبادی کے پیش نظر بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کیلئے برصغیر کی محدود جغرافیائی خطہ زمین میں دیہی خانہ زادوں نے اس معرکہ کی خانہ جنگی تیز کی کہ زمین کی زرخیزی بھی خاک پا کی طرح ارزاں ہو گئی ان تمام معاشی استحصال کے پیش نظر ہمارے ملک میں ۱۹۵۰ء کے بعد ایک تو یہ کہ جمہوری دستور کا نفاذ عمل میں آیا۔ اور دوسرے معاشی منصوبہ بندی کے تحت سماجی وتہذیبی، اور تعمیر وترقی کے صحت مند عناصر زیر بحث آئے اور بالآخر روبکار لائے گئے۔ جنہیں حسب ذیل سطور میں یوں پیش کیا جا سکتا ہے :

(۱) ملک میں ذاتی مفادات کے تمام خودساختہ وسیلے ختم کر دیئے جائیں جو کسان اور ریاست کے درمیان صدیوں سے مسلط کر دیئے گئے تھے۔ مثلاً زمینداری وجاگیرداری کا خاتمہ۔

(۲) ان تمام مشکل مسائل کا حل تلاش کیا جائے جو کسان کو بحثیت کاشتکار پیش آتے ہیں۔

(۳) زمین اور کسان کے درمیان براہ راست قانونی تعلق قائم کیا جائے۔ مثلاً مالکانہ حقوق کی بحالی۔

سب سے پہلے زمین داری وجاگیرداری کے خاتمہ کیلئے اقدام کیا گیا۔ مثال کے طور پر یوپی، بہار، مغربی بنگال اور دیگر ریاستوں میں جہاں بھی زمینداری کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط پیوست تھیں انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ اس قانونی ترمیم کا حتی الامکان فائدہ کسانوں کو ہوا۔

۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیان ان اصلاحات پر حکومت نے پوری توجہ کی۔ کچھ سال پہلے شری پی ایس اپو

کی صدارت میں ٹاسک فورس آن اگریرین ریلیشنز قائم کیا گیا تھا۔ یہ ادارہ اپنے جائزہ میں یوں رقمطراز ہے ــ " مفادات عاملہ (درمیانی مفادات) کے خاتمہ کی وجہ سے تقریباً ۲۰ ملین (۲ کروڑ) کسان ایسے ہے جو ریاست سے بالراست تعلق قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ جنگلات اور چراگاہیں جو زمین داروں کی ملکیت کا ایک بہت بڑا حصہ رہ چکی تھیں۔ اب ریاست کی زیر نگرانی آگئی ہیں۔ اس وجہ سے جو معاوضہ زمین دار وجاگیردار وغیرہم کو دیا گیا اس کی لاگت تقریباً چھ سو کروڑ روپیہ ہوئی۔ اس رقم میں سے ۲۵۷ کروڑ روپیہ زر نقد کی صورت میں ادا کیا گیا اور باقی ماندہ رقم تمسکات (Bonds) کی شکل میں ادا کی گئی۔

اسی طرح سے کسان کو جب زمین لگان پر حاصل کرنا ہو تو بہت سی مشکلیں لاحق ہوتی ہیں۔ ان مشکلوں کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے جیسے (۱) شرح لگان کی زیادتی (۲) مدت کاشت کی کمی یعنی زیادہ سے زیادہ واقعات میں زمین صرف ایک سال کیلئے کاشت کی خاطر دی جاتی ہے اور مالکانِ اراضی وقت بوقت زیادہ لگان یا کسی اور وجہ سے کسان کو بے دخل کر دیتے ہیں (۳) زیر کاشت اراضی میں فنی وسائل کی کیابی۔ بہتر کھاد کی کمی۔ صنعتی آلات کا فقدان وغیرہ۔ ان تمام مشکلات کو حل کرنے کی حکومت ہند نے مقدور بھر کوشش کی۔

زرعی اصلاحات سے پہلے لگان وصول کرنے کے طریقے بہت عجیب تھے۔ کہیں تو صرف پیسوں کی شکل یا اور کہیں پیداوار کے ایک حصہ کی صورت میں کچھ ایسے علاقوں میں جہاں صرف ایک فصل ہوئی اور کاٹی جاتی تھی بالخصوص

ساحلی علاقے جہاں فصل کا ایک خاص حصہ لگان کی شکل میں وصول کرلیا جاتا تھا۔ ان تمام طریقوں میں ہر فصل کا ایک حصہ جو ۱/۲ اور کہیں کہیں ۲/۳ تک تھا کسان سے وصول کیا جاتا تھا۔ آزادی سے پہلے اس قسم کی شہادتیں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے دستیاب ہوئی ہیں۔ اب share - cropping یا لگان ہر فصل کے ایک خاص حصہ کے تحت وصول کیا جانے والا عمل مغربی بنگال میں کل قابل کاشت زمین کے ۲۰٪ سے ۲۵٪ تک تھا۔ بعد میں یہ علاقہ ۳۵٪ تک پہنچ گیا۔ پنجاب میں یہ علاقہ تقریباً ۱/۲ تک تھا۔ مدراس میں بھی اس قسم کے لگان کا چلن کافی حد تک تھا۔ مہاراشٹر میں جہاں رعیت داری سسٹم تھا وہاں بھی اس طریقۂ لگان کو کافی دخل رہا ہے۔ چونکہ شرح لگان جب اس قدر زیادہ ہوگئی ہو تو اس کی بنا پر یقیناً کسان کی معاشی حالت دن بدن گرتی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر مدت کاشت صرف ایک یا دو سال تک ہے تو غیر یقینی حالات میں کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس لئے بہتر طریقہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسان کو اراضی کے مالکانہ حقوق دیئے جائیں تو یقیناً اس کی معاشی پوزیشن بہتر ہوسکتی ہے۔ دراصل کل ہند اساس پر طے کیا گیا کہ شرح لگان پر پابندی عائد کی جائے اور اسی طرح سے مدت کاشت کے تعین کی یقین دہانی کرائی جائے۔

زیر کاشت اراضی پر مالکانہ حقوق کی بحالی کے سلسلے میں گجرات اور مہاراشٹر اسٹیٹ میں ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۸ء کے دوران ایسے قوانین نافذ کئے گئے جن کی بنا پر مالکانہ حقوق کی بحالی ممکن ہوسکی۔ دوسری اہم ترین ترمیم یہ تھی کہ ۱۹۵۶ء میں حکومت مہاراشٹر و گجرات نے یہ قانون پاس کردیا کہ ایسا کاشتکار جو ۳۱ مارچ ۱۹۵۷ء تک بذریعہ لگان زمین زیر کاشت رکھتا ہو ایسا کسان یکم اپریل ۱۹۵۷ء کو مالکانہ حقوق زمین حاصل کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ یہ ثابت کردے کہ عہد گذشتہ میں زمین اس کے زیر کاشت رہی اور پٹواری کے ۷/۱۲ کے گوشوارے میں اس کا نام درج رہا۔ اس ضمن میں ریاستی حکومت کے شعبۂ مالیات نے بھی خصوصی طور پر کسانوں کی کافی مدد کی اور پوری استعانت بہم پہنچائی۔

زمین پر کسان کے مالکانہ حقوق کے استحقاق کے بعد "درمیانی مفادات" کے علمبرداروں کی ایک دلچسپ حقیقت سامنے آتی ہے جیسے ٹاسک فورس نے ان الفاظ میں بیان کیا "درمیانی مفادات کے خاتمہ کے بعد کسانوں کو کس حد تک معاشی فائدے پہونچے اس سلسلے میں اب چپ ہی رہا جائے تو بہتر ہے۔"

زیر کاشت زمین کے مالکانہ حقوق کی بحالی کے سلسلے میں یوپی ریاست کی اصلاحات زیادہ ہمت افزا نہیں رہیں۔ کیونکہ زمیندار طبقہ کو اس بات کی، اجازت دی گئی تھی کہ وہ اگر چاہے تو کسانوں کو عارضی طور پر کاشت کے لئے مشغول رکھے یا بذات خود اگر کاشت کرنا چاہے تو زمین عارضی کاشتکاروں کے قبضہ سے نکالی جاسکتی ہے۔ اس لئے زمین دار طبقہ تو یوں بھی بہت گھاگ اور چالاک ہوتا ہے۔ انہوں نے قانونی رعائت سے فائدہ اٹھایا اور غریب کسانوں کو بیدخل کردیا۔ لیکن معاشی افراتفری اور جاگیردارانہ نظام کو بہر حال سدباب ہونا ضروری تھا۔ اس لئے بعد کی اصلاحات میں یوپی کی اس رعائت کو بھی ختم کردیا گیا۔ اور زمین داروں کو معاوضہ حکومت نے اپنی مرضی کی مطابق دینا منظور کیا۔ کہیں یہ بھی نہ ہوسکا اور غریب کسانوں کا جو کچھ فائدہ حکومت سے ممکن تھا حکومت نے بحال کیا۔ اس کشمکش کے بعد اور قانونی اصلاحات کی وجہ سے تقریباً دو کروڑ کسانوں کا فائدہ ہوا۔ اور حکومت نے مالکانہ حقوق بحال کئے

اب لگان داری کی شرح میں ترمیم و تناسب پر بھی غور کرلیں کہ آخر حکومت نے اس سلسلہ میں کیا اہم اقدامات کئے؟ آج سے دس سال پیشتر والف لیڈ جینسکی نے ایک رپورٹ مرتب کی تھی۔ اسی رپورٹ کی رو سے تامل ناڈو کے سروے کے مطابق ۵ میں سے ۴ اضلاع کے دیہاتی دفاتر تمام تر نقائص سے پر تھے۔ اکثر اندراجات مشکوک اور غیر معتبر تھے۔ مختصر مدت کی زیر کاشت قطعیں زمین دار اور کسانوں کے درمیان زبانی معاہدوں کی بنیاد پر طے پاتی تھیں۔ اس لئے صرف تحریری کا اگر ریکارڈ پیش کیا جائے تو ایسی اراضیات تقریباً ۵۰٪ تک گنی جاسکتی ہیں۔ اسی لئے کاشتکار آپسی ناچاقی کی وجہ سے اکثر بدل دیئے جاتے تھے یا ایک خطۂ زمین سے دوسرے خطۂ زمین پر تبادلہ کردیا جاتا تھا۔ اور شرح فیصد کی پیداوار ۴۰ سے ۶۵ تک وصول کیا جاتا تھا۔ گو کہ حکومت تامل ناڈو نے اس رپورٹ کی تردید کی لیکن اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ جو بھی اراضیات معاہدوں کی صورت میں کاشتکاروں کو دی جاتی ہیں۔ وہاں زمیندار صرف ۴۰٪ تک آمدنی اراضیات وصول کرتے ہیں اور زبانی معاہدوں کے سبب یہ شرح فیصد ۴۰ سے ۵۰ تک ہوجاتا ہے۔ زبانی معاہدوں کا بہت ہی برا اثر کاشتکار پر یہ بھی پڑتا ہے کہ اسے حکومت کی طرف سے یا کوآپریٹیو سوسائٹی کی طرف سے ملنے والے زرعی قرضے نہیں مل پاتے۔ اور اس وجہ سے کاشتکار ہمیشہ مالی بحران میں مبتلا رہتا ہے۔ اور ہر وقت ایک کربناک زندگی گذارنے پر مجبور بھی۔

یہی حالات تقریباً دیگر ریاستوں میں بھی پائے جاتے ہیں جہاں تک سماجی حالات کا تعلق ہے کسانوں کی ناخواندگی جہالت و پس ماندگی نے حکومت کی تمام زرعی اصلاحات کا جو کچھ بھی پیغام سنایا۔ چاہے وہ کسی بھی ذریعہ سے کاشتکاروں تک پہونچا ہو کوئی خاص فائدہ نہ ہوسکا۔ اور سماجی انقلاب کی صورتحال اکثر مخدوش و مجہول رہی ضرورت اس بات کی ہے کہ کسانوں کو ذہنی طور پر اتنا اونچا کیا جائے کہ وہ اصلاحات کا پس منظر سمجھ سکیں اور شرپسند ذہنیت کی ہر شاطرانہ چال کا توڑ بھی کرسکیں اس لئے ضرورت ہے ایسے شہری سماجی کارکنوں کی جو اپنی زندگی دیہی رفاہ عام کے کاموں میں بلاغرض پرخلوص بنیادوں پر گذارنے کا تہیہ کرلیں۔

جہاں تک حکومت نے قانونی تدابیر کیں اس کا تو ہم تذکرہ کرچکے۔ اب آئیے یہ دیکھیں کہ کہاں تک ان قانونی مراعات کا فائدہ اٹھایا گیا۔ امیر رضا کا یہ انکشاف ہے کہ مہاراشٹر میں مالکانہ حقوق کی بحالی ۳۲٪ سے زائد نہ ہوسکی اور گجرات میں یہ شرح فیصد ۵۰ سے زائد نہیں رہی۔ لیکن بمبئی یونیورسٹی کی ریسرچ

رپورٹ کے حوالے سے یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ تمام تر قانونی، اصلاحات کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس کے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ اس رپورٹ کو ذرا تفصیل کے ساتھ پیش کیا جانا ضروری ہے۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ ملک کا قابلِ کاشت رقبہ جو کاشتکار لگان داری کے تحت زیر کاشت رہا ہے۔ اس میں بہت بڑی حد تک کمی ہوئی ہے۔ تقریباً مہاراشٹر اور گجرات کے چھ تعلقوں کے زرعی حالات کا معائنہ کیا گیا اور تحقیق کے جو نتائج برآمد ہوئے حسب ذیل پیش کئے جاتے ہیں۔

لگان داری کے زیر کاشت زمین	ماتر	ٹنڈیاڈ	ستارا	وائی	کرجت	پنیول
۱۹۵۶ - ۵۷	۳۲٪	۲۳٪	۲۱٪	۲۳٪	۳۱٪	۴۰٪
۱۹۶۴ - ۶۵	۱۴٪	۱۱٪	۶٪	۵٪	۱۰٪	۸٪

اِن فیصدی اعداد و شمار سے یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تقریباً تمام تعلقہ جات میں لگان داری کے تحت زیر کاشت رقبہ میں بہت بڑی کمی واقع ہوئی ہے۔ گجرات کے تعلقوں میں یہ کمی ۶۰٪ سے بھی زیادہ ہے اور مہاراشٹر کے تعلقوں میں یہ کمی دُگنی اور تگنی ہے۔ اس طرح سے اس میں شک نہیں کہ قانونی اعتبار سے موثر اور غیر موثر کیسیس (cases) کا تناسب چاہے کچھ بھی ہو لیکن لگان داری کے علاقہ میں بہر صورت معتد بہ کمی واقع ہوئی ہے۔ اب اس امر کی وضاحت کی جائے کہ زرعی اصلاحات نے کس حد تک کاشتکاروں کو فائدہ پہنچایا ہے۔ اگر مالکانِ زمین اور کاشتکاروں کی تقسیم یوں کی جائے کہ جن افراد کے پاس بہ حقِ ملکیت ۵۰ ایکڑ یا اس سے زائد زمین ہے۔ ہم ان کو زیادہ بڑے مالکانِ اراضی مانتے ہیں اور جن کے پاس ۳۰ ایکڑ اور پچاس ایکڑ کے مابین زمین ہے انھیں بڑے مالکانِ زمین تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح اوسط مالکانِ اراضی وہ ہیں جن کے پاس ۱۵ اور ۳۰ ایکڑ کے بیچ زمین ہے اور چھوٹے مالکانِ زمین انھیں سمجھا جائے جن کے پاس ۵ اور ۱۵ ایکڑ کے درمیان زمین ہے۔ اور آخر میں وہ کاشتکار بچ رہتے ہیں جو بلا زمین کے ہیں۔ان حقائق کے پیشِ نظر اس بات کا آسانی سے تجزیہ کیا جاسکتا ہے کہ مہاراشٹر اور گجرات میں کس طرح سے ان مختلف حصّوں میں بٹے ہوئے مالکان اور کاشتکارانِ اراضی کو فائدہ یا نقصان ہوا۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل جدول ملاحظہ ہو۔

مالکان و کاشتکارانِ اراضی کی تقسیم	فائدہ عدد میں	نقصان عدد میں	حصہ زمین میں تخمینہ
۱۹۵۶ - ۵۷ بہت بڑے مالکان	۱۸	۶۲	۱۶۶۳-
بڑے مالکان	۸۳	۹۱	۵۳۷-
اوسط مالکان	۳۰۵	۲۱۱	۱۲۵-
چھوٹے مالکان	۵۹۷	۵۰۲	۸۷۳+
بلا زمین کاشتکار	۳۹۴	صفر	۱۲۱۱+

مندرجہ بالا اعداد شمار سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے مالکانِ اراضی اور بہت بڑے مالکانِ اراضی کو فائدہ کم ہوا، اور ساتھ ہی ساتھ کم و بیش ۲۰۰۰ ایکڑ سے اوپر زمین ان افراد کے پاس سے نکل گئی۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ چھوٹے مالکانِ زمین اور بغیر زمین کے کاشتکاروں کو یقیناً فائدہ پہنچا اور اندازاً ۲۰۰۰ ایکڑ زمین ان افراد کو ملی جنھیں بڑے اور بہت بڑے مالکان اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھے۔ لیکن اوسط مالکانِ اراضی کو کچھ نقصان ہوا ہے۔ یہ نقصان ۱۲۵ ایکڑ تک محدود ہے دوسری طرف ہم اگر افراد کا تجزیہ کرتے ہیں تو ۳۰۵ اوسط مالکان کے گھرانوں کو فائدہ پہنچا ہے اور اس کے مقابلے میں ۲۱۱ گھرانوں کا نقصان ہوا ہے یا اسی بات کو یوں پیش کیا جاسکتا ہے کہ ۹۴ افراد نے ۱۲۵ ایکڑ زمین کھو دی۔ اس اعتبار سے فی کس زمین کا اوسط ایک ایکڑ اور کچھ گنٹے ہوتا ہے۔ ہم نے اوسط مالکان کی جو تعریف کی اگر وہ قابلِ قبول ہے تو فی کس اگر ۱½ ایکڑ زمین ایک گھرانے کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو اس کا ناقابلِ تلافی نقصان ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اب آیئے ہم آپ کو اب تک زمین داروں کی معاشیات ہی دکھلاتے رہے اب ذرا جغرافیہ بھی سمجھادیں۔ زمین دار بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کی رہائش گاؤں میں ہو اور وہ کھیتی باڑی کی براہِ راست نگرانی کرتے ہوں اور دوسرے وہ جن کا محلِ وقوع بدلا ہوا ہو۔ اور جو گاؤں سے دور کہیں شہر میں قیام پذیر ہوں لہٰذا اب یہ ضروری ہے کہ گاؤں میں رہنے والے بہت بڑے مالکانِ اراضی اور گاؤں سے باہر رہنے والے بہت بڑے مالکانِ اراضی پر ان زرعی اصلاحات کا کس قدر اثر پڑا یہ بھی دیکھ لیا جائے۔

لگان دار اور کاشتکار کو دی ہوئی زمین ۶۵-۱۹۶۴ء

	کرجیت		پنیول		ستارا		وائی		ٹنڈیاڈ		ماتر	
زیر کاشت زمین کا فیصد حصہ جو گاؤں میں رہنے والے بڑے مالکانِ اراضی نے لگان پر دیا	۴۲	۴	۶۹	۱۳	۱۳	۲	۳۹	۱۴	صفر	صفر	۲۸	۸
زیر کاشت زمین کا فیصد حصہ جو گاؤں کے باہر رہنے والے مالکانِ اراضی نے لگان پر دیا	۸۲	۳۳	۷۷	۳۶	۴۲	۲۷	۶۴	۱۸	۴۹	۴۶	۴۱	صفر

یہاں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ جہاں تک گاؤں میں رہنے والے بہت بڑے مالکانِ اراضی کا تعلق ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ وہ اپنے خاندانی کے افراد سے پوری زمین پر کاشت کرنے کے قابل نہ تھے اس لئے زمین کا کچھ حصہ لگان پر دے دیتے ہوں۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ بہت بڑے مالکانِ اراضی کا تعلق، آمدنی کے دیگر شعبہ جات سے ہو۔ مثلاً ساہوکاری کرنا۔ وغیرہ۔ ان حضرات کے پیشِ نظر یہ بھی رہتا ہے کہ رئیس زادے بھی ہیں اور زمین دار بھی۔ لیکن بہت بڑے مالکانِ زمین جو گاؤں سے باہر رہتے ہیں ان کا زیرِ کاشت زمین سے ظاہر ہے دُور کا بھی تعلق نہیں رہتا۔ محض پرکھوں کی جائداد کا گھر بیٹھے فائدہ حاصل کرنا ان کا بالآخر مفاد ہوتا ہے۔ اس لئے کسانوں کے خون پسینے کی محنت کو بقول شخصے "ٹھنگوا ٹھینگ لے جائے رے" حاصل کرتے رہتے ہیں۔ یہ سراسر سماجی اخلاقی و انسانی ناانصافی ہے کہ لگان دار کاشتکار کا حقِ محنت اس طرح رعیت لسپندوں کے ہاتھوں میں چلا جائے۔ ایسے تمام مالکانِ اراضی جنہیں زمین کی ساخت پرداخت کا علم نہیں، جنہوں نے کبھی بادوباراں نہ دیکھا، اندھیاری راتوں میں فصلوں اور کھلیان کی حفاظت نہ کی انھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ محض آبا و اجداد کے نام پر زمینوں کے مالک بنے رہیں۔ اور کاشتکاروں کا استحصال کرتے رہیں۔ اس سماجی ظلم و تشدد کا بہرحال خاتمہ ہونا چاہئے۔ ان اعداد و شمار سے اتنا تو ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ بہت بڑے زمین دار جو گاؤں سے باہر رہتے ہیں ان کا اپنی زمین پر سے قبضہ بڑی حد تک ختم ہو چکا ہے۔ اب صرف گاؤں کے بہت بڑے زمین دار باقی ہیں جن کے قبضۂ املاک سے ابھی بہت کچھ نکلنا باقی ہے۔

پنوئیں اور کرجت علاقوں کا اگر معائنہ کیا جائے تو یہاں کے زمین داروں کا ذاتی مشغلہ زمین کی کاشت کے علاوہ صرف ساہوکاری سے تھا۔ اس لئے زمین داروں کے قبضہ سے اگر قانونی معاونت نہ ہوتی تو زمین کا نکال لے جانا مشکل تھا۔ ایک اعداد و شمار کے مطابق واڈی تعلقہ میں ۱۹۵۶-۵۷ میں حق ملکیت ۴۳٪ سے گھٹ کر صرف ۱۸٪ رہ گیا ہے اس بہت بڑی تخفیف کی وجہ یہ ہوئی کہ مالکانِ زمین خطۂ بمبئی سے ہم آہنگ تھے اور مختلف پیشوں سے منسلک ہونے کی وجہ سے یہ بہت بڑی تبدیلی عمل میں آئی۔

ان تمام دلائل و شواہد کی بنا پر جو یکے بعد دیگرے بیان کی گئی ہیں ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ زرعی اصلاحات کی وجہ سے دیہات میں رہنے والے کچھ، کسانوں کو فائدے ضرور پہونچے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہوا ہے کہ جو نظریہ ان اصلاحات کے پیچھے کام کر رہا تھا یعنی یہ کہ زمین کی تقسیم جس قدر بھی بہتر بنیاد پر ہو جائے اور ایک ایسے دیہی معاشرہ کی بنیاد قائم کی جائے جس کی وجہ سے زرعی پیدائش دولت کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہوں۔ آیا ان مواقع کی برابر تقسیم ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ ایک قابلِ بحث امر ہے۔ ہم اس سے پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ task force on Agrarian Relations نے ان اصلاحات کا تذکرہ ہمت افزائی کے طور پر نہیں کیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مالکانِ اراضی جو گاؤں میں رہتے ہیں اور جن کی زمینات اصلاح اراضی کے قوانین کی وجہ سے مختلف طبقات میں بٹ گئیں ہیں۔ اس لئے غالباً یہی وجہ ہے کہ دیہی معیشت میں طبقاتی کش مکش کا ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے۔ task force کی رپورٹ کے الفاظ میں ابھی تک جس قدر بھی زرعی اصلاحات نافذ کئے گئے ہیں وہ دراصل حکومت کا چند طبقات کے لئے ایک تحفہ ہے اور یہ تحفہ دراصل سماجی اور معاشی پیچیدگیوں کو جنم دینے والا ٹھہرایا گیا ہے۔ دراصل ان اصلاحات کی وجہ سے دیہات میں غربت کا کتنا خاتمہ ہوا ہے اس کا ابھی تک صحیح تصور ہمارے سامنے نہیں آیا۔ اگر ہم ٹاسک فورس کی رپورٹ پر بھروسہ کریں تو اس کا خیال ہے کہ غریب کسانوں میں ایک ایسا سیاسی شعور پیدا کیا جائے جو عسکری ذہنیت کا حامل ہو اور جس کی وجہ سے غریب کسانوں کو حقوق کے حصول میں مدد مل سکے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے شعور کو کس طرح بیدار کیا جائے اور کونسے ذرائع اور وسائل استعمال کئے جائیں جن سے شعور کی بیداری میں مدد مل سکے task force کی رپورٹ اس سلسلے میں خاموش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری زرعی معیشت آج بھی قدیم روایات کے انبار میں دبی ہوئی ہے اور ایک مخصوص سیاسی بازیگری کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہے۔ مسائل اس لئے پیدا کئے جاتے ہیں کہ ان سے مزید مسائل کو جنم دیا جا سکے۔ اس لئے اس وقت فکری اعتبار سے ایک راہ متعین کرنی ہوگی۔ جس کا مقصد مسائل کا حل تلاش کرنا ہوگا نہ کہ مزید مسائل پیدا کرنا۔ اور اس کے لئے معاشی، سیاسی اور سماجی اعتبار سے ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ ورنہ زرعی اصلاحات کا تصور کچھ اس طرح سے ہو جائے گا کہ جیسا کہ کسی کارٹونسٹ نے ایک تصویر ایسی کھینچی کہ جہاں انسانی سروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہو اور انسانی سروں پر ایک کشتی چند وزراء کو لئے چل رہی ہو اور یہ معزز حضرات دوربین سے سمندر کی طرف دیکھ رہے ہوں اور منزل کا عنوان ہو۔ "فی الوقت کوئی بھی زمین زرعی اصلاحات کیلئے دکھائی نہیں دے رہی ہے"۔

علاءالدین تجینا بٹس

سائنس کی دُنیا

[سہ ماہی]

اُردو شعر و ادب میں کہیں کہیں سائنٹفک اندازِ فکر کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً غالب نے کہا:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

یا پھر غالب کا یہ سوال:

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
اَبر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

لیکن سچ تو یہ ہے کہ غالب اس سوال کا کوئی سائنٹفک جواب نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کی صوفیانہ توجیہ چاہتے تھے۔ البتہ ایک ترقی پسند شاعر کا یہ شعر:

یہ زمیں' یہ خلا کی رقاصہ
آدمِ نو کے انتظار میں ہے

ایک سائنٹفک اندازِ فکر کا مظہر ہے۔ تاہم اردو داں طبقہ عام طور پر افسانوی ادب اور شعر و شاعری کا دلدادہ ہے باوجود اس کے کہ سرسید احمد خاں کے سائنٹفک جرنل سے لیکر آج تک "جامعہ" و "تحریر" جیسے متعدد رسائل و جرائد نکلتے رہے ہیں جن میں ٹھوس علمی موضوعات پر قابلِ قدر مضامین چھپتے رہے ہیں۔

لہٰذا اِن دِلدادگانِ شعر و اَدب کو ایک سائنٹفک اپروچ سے روشناس کرانے اور سائنسی اندازِ فکر سے دلچسپی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اِنڈین لینگویج یونٹ، کاؤنسل آف سائنٹفک و انڈسٹریل ریسرچ نئی دہلی کی ایک تازہ پیش کش" سائنس کی دُنیا" (سہ ماہی) بہت جلد منظرِ عام پر آرہی ہے۔ یہ اقدام یقیناً قابلِ تعریف اور اُردو داں طبقے کی ممنونیت کا باعث ہوگا۔

یہ اور بھی خوشی کی بات ہے کہ اِس کے مُدیر سکریٹری شری آنند موہن زتشی گلزار دہلوی ہوں گے جو اردو ادب میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ "سائنس کی دنیا" کے اُردو ایڈوائزری بورڈ میں عظیم سائنسداں، صنعت کار، ماہرینِ تعلیم اور دانشور شریک ہیں۔ پنڈت آنند نرائن مُلّا (ایم۔پی) صدر اور شری اے۔ رحمٰن نگراں ہیں۔

ان بلند پایہ ادیب و شاعر بزرگوں کے تعلق سے یقین ہے کہ یہ رسالہ بہت جلد مقبولِ خاص و عام ہوگا، اور سائنسی ادب اردو شعر و ادب کی ڈھنگ سے رنگ پاکر رنگین و دلچسپ ہوگا۔

اِسمیں لکھنے والے ملک کے بہترین سائنس داں، دانشور، ماہرِ تعلیم اور صنعت کار بھی ہونگے اور اُردو ریسرچ اسکالر بھی، چھوٹے صنعتکار بھی اور معمولی مکینک بھی۔ پرنٹنگ آفسیٹ پر، سائز ڈیمائی کوارٹر، اعلیٰ کتابت و طباعت، خوشنما کوَر، دیدہ زیب تصاویر۔ قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے، سالانہ ڈیڑھ روپے۔

مُدیر سکریٹری زتشی گلزار نے اردو داں طبقہ سے اپیل کی ہے کہ آج ہی بحیثیت خریدار، قلم کار اور مشتہر رابطہ قائم کریں۔ خط و کتابت کے لئے پتہ حسب ذیل ہے:

شری آنند موہن زتشی گلزار دہلوی، مُدیر، معتمد "سائنس کی دُنیا" (اُردو جرنل)، سی۔ایس۔آئی۔آر۔ رفیع مارگ، نئی دہلی۔ • فون نمبر: 384249

قومی راج کا امیر خسرو نمبر

عظیم شاعر، صوفی و ماہر موسیقی حضرت امیر خسروؒ کی ساتویں صد سالہ سالگرہ کے موقع پر "قومی راج" کا خصوصی شمارہ نومبر ۱۹۷۵ء میں شائع کیا جائے گا۔ اہلِ قلم حضرات سے گذارش ہے کہ اپنے رشحاتِ قلم ۱۵ر اکتوبر تک ارسال فرمائیں۔ مضامین، مقالات اور منظومات صاف و خوشخط اور ورق کی صرف ایک طرف لکھی ہوئی ہوں!

مالک رام آنند

بے زبان

" سجری فجر کی گول چکنی روٹی باسی رات کی پرات میں ابھی نہیں لگتی " رجب کی پھڑپھڑاتی مونچھوں تلے بنھناتے ہونٹوں پر بار بار یہ الفاظ آتے اور وہ بکرے کی گردن پر ہاتھ پھیر پھیر کر، اُسکی کھرچاٹ چاٹ کر کھردری ہوئی جیب کو لپکتے دیکھ دیکھ کر اُس کی منمناہٹ کی وجہ سے پھڑپھڑاتے "نتھنے" کو دبا دبا کر شاید اپنی خفت مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

آج مُشتاقے کی بہن گلنارو کی بارات جو آنے والی تھی۔

" کدو پکے تے چکھے لوکاں "

سویرے اُس کی آنکھوں کی اوس اس کے گلاب جیسے گالوں پر اور بھی نکھار پیدا کر رہی تھی۔

" روندیاں چڑن موتی تے ہسدیاں چڑن پھل —

رجب دین جی لے دنیا اک پُل "

مٹے منہ تے 'لخ لعنت — بیتی بکری بھی کوئی بڈھے بکرے کے پلے باندھتا ہے۔ اُس کے "ہڈ" میں تو جوانی کا "گودا" ہی نہیں، اُنھوں مت ماری گئی ہے اس مشتاقی کی، گلنارو فضلے کے "بیج" سے کیا اپنی کھیتی لہرائے گی۔ اُس کے "سٹوں" سے تو آج تک کوئی تو کجا "دودھا" بھی نہیں پھوٹا، "بھوکے" بسٹوں سے بھی کبھی پیٹ بھرا ہے، کیا سارے گاؤں میں اسے اور کوئی گبرو نہیں دکھائی دیا؟

رجب نے اپنی چپلی چھاتی میں چھتیس انچ کی "پھوک" بھرتے ہوئے اور بکرے کو کیکر کے سوکھے پیڑ کے اور قریب لے جاتے ہوئے سوچتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

'سامنے تھینٹ سے سوندھے سوندھے باسمتی کے چاولوں کی خوشبو نے اس کے نتھنوں میں گھسنے کی کوشش کی۔

" اچھل حرامی جانے کتنے بکرے کھائیں گے صبح کا چوتھا بے زبان کاٹنے جا رہا ہوں "

" ارے ہاں پچھلے سال رحیمے کمہار کی لڑکی نے تو کمال کر دکھایا تھا۔ نہ جانے وہ وہاں کیسے پہنچ گئی تھی اُس دن بھی میرا چوتھا بکرا کٹا تھا۔ بیگاں نے جہاں میں "آوے" کے پاس شیشم کے پیڑ تلے بے زبان کاٹ رہا تھا اُدھر آکر آہستہ سے چپ چاپ بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے بے زبانوں کا تازہ تازہ خون اٹھا اٹھا کر اپنے کپڑوں پر ملنا شروع کر دیا تھا، میں آوے کی اوٹ میں چپ چاپ بیٹھا یہ تماشہ دیکھتا رہا تھا پھر وہ پلک جھپکتے ہی تمام لباس کو سرخ سرخ چھینٹوں سے داغدار بنا کر پچھواڑے کی طرف چلی گئی تھی۔ اس وقت تو یہ سارا کھیل میری سمجھ میں نہ آسکا تھا لیکن جب نکاح پڑھانے کیلئے مولوی غفارا اپنی سیاہ چھدری داڑھی اور مونچھوں میں سونے کے دو دانت چھپائے اور اپنے کانوں پر پٹے نما عجیب قسم کے بالوں کے گچھے سنوارتا "ویڑھے" میں وارد ہوا تو سب کی باچھیں کھل گئی تھیں اور پھر جب اس نے نکاح پڑھاتے پڑھاتے یوں ہی بیگاں پر اچٹتی نظر ڈالی تو اُس کی داڑھی میں کھجلی سی ہونے لگی اور مشتاق آنکھیں "بگٹٹ" اس کے سارے "پنڈے" پر بھاگنے لگیں۔ " تو بس تھا " اِس لڑکی پر تو کسی آسیب کا سایہ ہے دیکھو تو اس کے سارے جوڑے پر خون کے چھینٹے ڈال کر کسی آسیب نے اپنی ہیئت منوائی ہے۔ یہ نکاح شرع کے حساب سے ناجائز ہوگا، جب تک اس لڑکی پر سے آسیب کا سایہ نہ ہٹایا جائے میں اس کا نکاح پڑھانے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں۔ اگر یہ آسیب زدہ سائے کے ہوتے بیاہ دی گئی تو ساری عمر یہ سایہ اس کے ساتھ چپکا رہے گا اور ہوسکتا ہے غضبناک دولہا کو بیا سکتہ پنڈ کرم داد کا اس جہاں سے ہی کوچ کر جائے، اس لئے میں یہ ناپاک اور جان لیوا کام کرنے سے باز آیا " اتنا کہہ کر وہ استغفراللہ ' استغفراللہ کا ورد کرتا ہوا سب کو پریشانی اور فکر کی "ڈول" میں حیران اور ششدر چھوڑ کر "ڈوڈا" نائی کے چھجے کی سیدھ میں بڑھتا چلا گیا تھا۔ گاؤں کا مولوی جو کہے وہ پتھر پر لیک ہوتی ہے اور پھر پانچویں روز بیگاں نے مولوی غفار سے نکاح کر لیا تھا۔ تب میں سمجھا یہ پٹی کس پیر و مرشد کی پڑھائی ہوئی تھی۔

لیکن رجب کی سوچ بکرے کی آخری "میں" کی طرح نکلی اور "کیکر" کی شاخیں آنتوں اور "بکوں" کی طرح اس کی آنکھوں میں لہرا اٹھیں جن کے نیم مُردہ چھدرے سایوں میں ایک سایہ لپٹا ہوا شاید اسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

" ارے یہ کیا ؟؟ یہ تو گلنارو ہے، مشتاقے کی بہن، یہ یہاں کیا کر رہی ہے " رجبے کی تو سٹی گم ہوگئی اپنے نتھنے کو دو "پوٹوں" سے پکڑتے ہوئے اُس نے تھوک حلق سے اندر نگلتے ہوئے کھنکھارنے کی ناکام کوشش کی تاکہ گلنارو اس کی طرف متوجہ ہوسکے لیکن وہ کیکر کی اوٹ میں چلی گئی۔

" گلنارو — گلنارو — تو یہاں کیا کر رہی ہے " اُس نے آہستہ سے اپنے ہونٹوں پر ہاتھوں کی اوٹ بنا کر کہا۔

" رجبے میں تیرا ہی انتظار کر رہی تھی، کیا ایسا نہیں ہوسکتا — رجبے ...."

" جلدی بول — نہیں تو کوئی آجائے گا — اور میری ..." اس نے گلنارو کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

" دیکھ رجبے اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا قصائی مجھے آکے لے جائے تو میری گردن ہی اڑا دے۔ مجھے اس عذاب سے نجات دلا دے رجبے " گلنارو نے التجا بھری دبی دبی زبان میں کہا۔

" تیرا مغز تو ٹھیک ہے نا؟ ادھر "ویڑھے" میں تیری "جنج" (برات) آئی ہے اور تو —"

" تیرے کیڑے پڑیں مجھے مار کے ثواب کما لے۔ تیرے پر کسی کو شک بھی نہیں ہوگا۔ لوگ سمجھیں گے قربانی کا بکرا بننے سے پہلے ہی کہیں بھاگ گئی۔ لے نکال چھری اور کر دے کام تمام (باقی صفحہ ۴۳ پر)

پانچواں قومی اجتماعی سُدھار ہفتہ

بقیہ ملک کے ساتھ ریاست مہاراشٹر بھی ۲ سے ۸ اکتوبر ۱۹۷۴ء تک 'پانچواں قومی اجتماعی سدھار ہفتہ' منائے گی۔

ہفتہ کے دوران مختلف پروگرام مثلاً نئے ابتدائی صحت مراکز کا قیام، موجودہ مراکز کی صفائی، دواؤں کی تقسیم، خاندانی منصوبہ بندی پر تربیتی کورسس، انسدادِ ملیریا، تقریری اور تحریری مقابلہ وغیرہ کا اہتمام کیا جائے گا۔

دیہی علاقوں میں رسم و رواج سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل، کمزور اور پسماندہ طبقات کی فلاح و بہبود اور شرم دان کے ذریعہ صفائی وغیرہ پر زور دیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ ربیع پروگرام بھی جاری رہے گا جس میں مختلف اقسام کے بیج، کھاد وغیرہ تقسیم کی جائے گی۔

ٹنان وظیفہ

حکومتِ مہاراشٹر نے سڈنہم کالج آف کامرس اینڈ اکنامکس، بمبئی کے ایک طالب علم کو ایم۔ ایل۔ ٹنان وظیفہ دینے کا فیصلہ کیا ہے جو کہ کامرس میں انٹرمیڈیٹ امتحان میں لا، اور پریکٹیز آف بنکنگ بطور خاص مضمون لے کر سب سے زیادہ نمبر حاصل کرے گا۔

اس وظیفہ کے لئے آنجہانی شری ایم۔ ایل۔ ٹنان کی وصیت کے مطابق ٹرسٹیوں نے حکومت کو دس ہزار روپے کے عطیہ کی پیشکش کی ہے۔

اوپن میرٹ اسکالرشپ

حکومتِ مہاراشٹر نے ۲۰۸ جوڑے اوپن میرٹ اسکالرشپ ماہانہ تیس روپے کی شرح سے آرٹس، کامرس، سائنس اور لاء کالجوں کے طالب علموں کو کالج کی تعلیم مکمل کرنے کیلئے حوصلہ افزائی کی غرض سے دینے کی منظوری دی ہے۔

تعلیمی کورس میں ڈپلوما

عمر میں رعایت

حکومتِ مہاراشٹر نے ڈپلوما اِن ایجوکیشن (پرائمری) اور ڈپلوما اِن ایجوکیشن (پری پرائمری) بشمول ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس) میں شرکت کی غرض سے عمر کی حد پر نظرثانی کی ہے۔

لہٰذا داخلہ کے وقت ایک نجی سرکاری مرد امیدوار کی عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ بہر صورت مندرج جاتیوں، مندرج قبائل اور خانہ بدوش قبائل اور دیگر پس ماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے امیدواروں کے معاملے میں اگر ضروری ہو تو عمر کی حد میں پانچ سال کی اور رعایت دی جائے گی۔

نجی خاتون امیدوار کی عمر داخلہ کے وقت ۳۵ سال سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ خاتون امیدوار کے معاملے میں عموماً خواہ وہ پسماندہ طبقات ہی سے تعلق رکھتی ہوں، مزید رعایت نہ کی جائے گی خاص حالات میں عمر کی حد ۴۰ سال ہو سکتی ہے

بھوئی جاتی کیلئے مراعات

حکومتِ مہاراشٹر نے بھوئی جاتی کو خانہ بدوش قبیلہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا بھوئی جاتی ان تمام سرکاری مراعات کی مستحق ہوگی جو خانہ بدوش قبائل کو دی جاتی ہیں۔

کاغذ کی تقسیم کیلئے

ریاستی سطح کی کمیٹی

نصابی کتابوں اور کاپیوں کے لئے کاغذ کی بڑھتی ہوئی کمی کے مدِنظر حکومتِ ہند نے ریاستی حکومتوں کو کاغذ کا خصوصی کوٹہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ لہٰذا اس طرح ملنے والے کاغذ کی منصفانہ تقسیم کی غرض سے حکومتِ مہاراشٹر نے وزیر تعلیم کی زیر صدارت ایک ریاستی سطح کی کمیٹی تشکیل دی ہے۔ دوسرے اراکین کے علاوہ شری ایس۔ د تیتے، انڈر سکریٹری، محکمہ تعلیم اس کمیٹی کے ممبر و سکریٹری ہیں۔

تفریحی ڈیوٹی ایکٹ
کا مزید علاقوں پر نفاذ

حکومتِ مہاراشٹر کی ہدایت کے بموجب بمبئی تفریحی ڈیوٹی ایکٹ، بابت ۱۹۲۳ء، یکم ستمبر ۱۹۷۴ء سے اکولہ، بھنڈارہ، وردھا، تھانہ، رتناگیری، ناسک، احمدنگر، پونہ، شولاپور، ستارا اور سانگلی اضلاع میں واقع موضع جات کے مقامی علاقوں میں نافذ ہوجائے گا۔

ضروری اطلاعنامہ حکومتِ مہاراشٹر کے گزٹ مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۷۴ء کے حصہ چہارم ب میں شائع ہوا ہے۔

پونہ ترقیاتی منصوبہ

حکومتِ مہاراشٹر نے پونہ ترقیاتی منصوبہ میں تبدیلیاں کی ہیں جو کہ عوام کے معائنہ کے لئے پونہ میونسپل کارپوریشن کے سٹی انجینئر کے دفتر میں رکھا گیا ہے۔

چاول، آٹا اور دال مل
ملازمین کیلئے اقل ترین اجرت

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں چاول، آٹا اور دال ملوں میں ملازم کارکنوں کیلئے یکم ستمبر ۱۹۷۴ء سے اقل ترین شرح اجرت مقرر کی ہے۔

ماہر ورکروں کیلئے شرح یہ ہے: ۲۴۰.۵۰ روپے، زون ۱ میں؛ ۲۱۴.۵۰ روپے، زون ۲ میں؛ ۱۸۸.۵۰ روپے، زون ۳ میں؛ اور ۱۵۶ روپے زون ۴ میں۔

نیم ماہر: ۲۲۱ روپے، زون ۱ میں؛ ۱۹۵ روپے زون ۲ میں؛ ۱۶۹ روپے، زون ۳ میں اور ۱۴۳ روپے، زون ۴ میں۔

غیر ماہر (بھاری): ۱۹۵ روپے، زون ۱ میں؛ ۱۶۹ روپے، زون ۲ میں؛ ۱۳۶.۵۰ روپے زون ۳ میں، اور ۱۱۷ روپے زون ۴ میں؛ غیر ماہر (ہلکا): ۱۸۲ روپے، زون ۱ میں؛ ۱۵۶ روپے زون ۲ میں؛ ۱۳۰ روپے زون ۳ میں، اور ۱۰۶.۵۰ روپے زون ۴ میں؛

کلیریکل اسٹاف: ۲۴۰.۵۰ روپے زون ۱ میں؛ ۲۱۴.۵۰ روپے زون ۲ میں؛ ۱۸۸.۵۰ روپے زون ۳ میں اور ۱۵۶ روپے زون ۴ میں۔

کسی بھی درجہ میں نوجوان ملازمین کے معاملے میں اسی درجہ میں بڑوں کے لئے مقررہ شرح کا ۷۵ فیصدی۔ نیز بچوں کے معاملہ میں اسی درجہ میں بالغوں کے لئے مقررہ شرح کا ۶۰ فیصد۔ زون ۱، میونسپل کارپوریشن بمبئی عظمیٰ کی حدود میں آنے والے علاقہ پر مشتمل ہے۔

شری آر۔ ایچ۔ راؤ

حکومتِ مہاراشٹر نے شری آر۔ ایچ۔ راؤ، اسپیشل لینڈ ایکویزیشن آفیسر ۱، ہتنور پراجیکٹ، جلگاؤں کو مالیگاؤں میونسپل کانسل کا ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک کی مدت کے لئے ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا ہے۔

پنویل ترقیاتی منصوبہ

حکومتِ مہاراشٹر نے پنویل ترقیاتی منصوبہ منظور کر دیا ہے۔ یہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۴ء سے نافذ العمل ہوگا۔ یہ منصوبہ عام معائنہ کے لئے ایک سال تک پنویل میونسپل دفتر میں رکھا رہیگا۔

پوسٹ پارٹم پروگرام

حکومتِ مہاراشٹر نے پوسٹ پارٹم پروگرام مندرجہ ذیل طبی اداروں میں بھی جاری کر دیا ہے۔ ڈسٹرکٹ ہسپتال، ناسک، ڈسٹرکٹ ہسپتال کولہاپور، ڈسٹرکٹ ہسپتال چندرپور، ڈسٹرکٹ ہسپتال، ایوت محل، کے۔ای۔ایم۔ ہسپتال، پونا (والنٹری آرگنائزیشن)، ڈسٹرکٹ ہسپتال، تھانہ، ڈسٹرکٹ ہسپتال، ناندیڑ، ڈسٹرکٹ ہسپتال، احمدنگر، ڈسٹرکٹ ہسپتال، بھنڈارہ، ڈسٹرکٹ ہسپتال بلڈانہ، ڈسٹرکٹ ہسپتال، دھولیہ، ڈسٹرکٹ ہسپتال جلگاؤں اور ڈسٹرکٹ ہسپتال، پربھنی۔

صلاح کار کمیٹی

حکومتِ مہاراشٹر نے کوکن ساحلی جہاز خدمات (کوکن کوسٹل شپنگ سروسیز) سے متعلق معاملات پر مہاراشٹر اسٹیٹ پورٹس اتھارٹی کو مشورہ دینے کی غرض سے شری ایس۔ ایم۔ سٹاکے، ایم۔ایل۔اے (راجہ پور) کی زیر صدارت ایک صلاح کار کمیٹی تشکیل دی ہے۔

کمیٹی کے دوسرے اراکین یہ ہیں: شری جے۔ ایل۔ ڈانڈیکر، مروڈ، ضلع قلابہ، شری ونائک ماپسکر، شریوردھن ضلع قلابہ، شری آر۔ وی۔ بالوسے، ایم۔ایل۔اے، داپولی ضلع رتناگیری، شری ایس۔ این۔ دیسائی، ایم۔ایل۔اے، دیوگڑھ ضلع رتناگیری اور چیف پورٹس آفیسر، مہاراشٹر اسٹیٹ بطور ممبر سکریٹری۔

ضلع بیڑ میں علاقائی تبدیلی

حکومتِ مہاراشٹر نے ۱۶ اگست ۱۹۷۴ء سے ضلع بیڑ کے تعلقہ کیج سے مندرجہ ذیل موضع جات کو اس ضلع کے تعلقہ بینائے گاؤں میں منتقل کر دیا ہے۔ موکھیڈ، ہنگانی خورد، ہنگانی کلاں، کاری، وادوانی، بھیے گاؤں، کساری، بوڈکھا اور ادھنگانی۔

گوکی پراجیکٹ

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع ایوت محل میں واقع گوکی ندی پراجیکٹ کو انتظامی منظوری دے دی

ہے جس کی لاگت کا تخمینہ ۱۵۳، ۲۶، ۴ روپے ہے۔ اس کے مکمل ہونے پر ورواھا اور ایوت محل تحصیل میں تقریباً ۴۴۹۲ ہیکٹر اراضی زیر آبپاشی آجائے گی۔

امراوتی ڈسٹرکٹ پلاننگ بورڈ

حکومتِ مہاراشٹر نے کوآپریٹیو لینڈ ڈیولپمنٹ بنک کے مفاد کی نمائندگی کی غرض سے امراوتی ڈسٹرکٹ پلاننگ بورڈ میں بطور ممبران شری این۔ ایس۔ دیشمکھ اور شری بی۔ ایم۔ کلبندے، ڈائرکٹران، مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو لینڈ ڈیولپمنٹ بنک کا تقرر کیا ہے۔

شری این۔ ایل۔ ٹیکیکر

حکومتِ مہاراشٹر نے مہاراشٹر ریجنل اور ٹاؤن پلاننگ ایکٹ بابت ۱۹۶۶ء کے مقاصد کے تحت شری این۔ ایل۔ ٹیکیکر، ڈپٹی ڈائرکٹر آف ٹاؤن پلاننگ، ریجنل پلان اورنگ آباد کو بطور افسر مقرر کیا ہے اور ان کو ہدایت کی ہے کہ وہ کسی فرد یا افراد کی جانب سے داخل کردہ اعتراض یا تجویز کی سماعت کریں جو کہ اورنگ آباد میونسپل کانسل کی حدود میں واقع علاقہ کے مجوزہ ترقیاتی منصوبہ کیلئے ریاستی حکومت کی جانب سے مجوزہ تبدیلیوں کے ضمن میں آئیں۔

صنعتی تنازعہ

گجرات ووڈ ورکس، بمبئی اور اس کے ملازمین کے مابین جاری صنعتی تنازعہ حکومتِ مہاراشٹر نے بغرض تصفیہ شری جی۔ کے۔ پاٹنکر کی صنعتی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ تنازعہ ۷۲-۱۹۷۱ء کے بونس کے متعلق ہے۔

کیمکن انڈسٹریز، سانگلی اور انجنیئرنگ اینڈ میٹل کامگار یونین، سانگلی کے مابین جاری صنعتی تنازعہ کو بغرض تصفیہ حکومتِ مہاراشٹر نے شری ایم۔ جی۔ چٹلے کی صنعتی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔ تنازعہ ۷۲-۱۹۷۱ء کے بونس کے متعلق ہے۔

دریاپور ترقیاتی منصوبہ

حکومتِ مہاراشٹر نے دریاپور میونسپل کانسل علاقہ کے سروے، موجودہ استعمال اراضی، نقشہ کی تیاری نیز مجوزہ ترقیاتی منصوبہ شائع کرنے اور حکومت کو بغرض منظوری داخل کرنے کی تاریخ ۳۱ ر دسمبر ۱۹۷۵ء تک بڑھادی ہے۔

مدت میں توسیع

حکومتِ مہاراشٹر نے غیر امدادی تسلیم شدہ غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کے مسائل پر غور کرنے کی غرض سے مقررہ کیمٹی کی مدت میں ۳۰ ر نومبر ۱۹۷۴ء تک (یا جب وہ حکومت کو اپنی رپورٹ داخل کرے جو بھی پہلے ہو) توسیع کردی ہے۔

تعلیمی امتحان میں ڈپلوما

مہاراشٹر اسٹیٹ اگزامنیشن بورڈ کے زیر اہتمام ڈپلوما ان ایجوکیشن اگزامنیشن (اول، دوم، خاص اور ایڈہاک امتحان) ۱۴ ر تا ۲۰ ر اکتوبر کے دوران منعقد ہوں گے۔

نظام اوقات اور امتحانی مراکز کی اطلاع متعلقہ تعلیمی ادارہ جات کو دی جا چکی ہے۔

کونسلروں کی معیاد میں توسیع

حکومتِ مہاراشٹر نے ناگپور میونسپل کارپوریشن کے موجودہ کانسلروں کی مدت کار ۳۱ ر مارچ ۱۹۷۵ء تک بڑھادی ہے۔

اس ضمن میں ضروری اطلاعنامہ حکومتِ مہاراشٹر کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۱۴ ر اگست ۱۹۷۴ء کے حصہ اول اے، ناگپور ملحقہ ضمیمہ میں شائع کردیا گیا ہے۔

نمک اور انجنیئرنگ صنعت

رپورٹیں پیش کردی گئیں

نمک کی صنعت سے متعلق کم از کم اجرت کیمٹی کے صدر شری کے۔ آر۔ واڈکر نے کیمٹی کی رپورٹ گذشتہ ۲۹ ر اگست کو سچیوالیہ میں شری این۔ ایم۔ تڈکے، وزیر صنعت و محنت کی خدمت میں پیش کردی۔

کیمٹی میں مالکان کی نمائندگی شری جینتی لال تربھون داس اور شری وسنت پٹیل نے کی جبکہ ملازمین کی نمائندگی شری ایس۔ جی۔ کرنک اور شری سی۔ آر۔ گھرات نے کی تھی۔

شری ڈی۔ جی۔ کالے، سابق کمشنر برائے لیبر کی زیر صدارت انجنیئرنگ صنعت میں ملازمت سے متعلق کم از کم اجرت کیمٹی نے اپنی رپورٹ منگل ۲۷ ر اگست کو شری این۔ ایم۔ تڈکے، وزیر محنت و صنعت کی خدمت میں پیش کردی۔ کیمٹی کی رپورٹ متفقہ ہے اور اس نے اس صنعت کے ایک لاکھ سے زائد ملازمین کی اجرت میں مناسب اضافہ کی سفارش کی ہے۔

تعمیری ٹکنالاجی کی جانچ کیلئے

ماہرین کی کیمٹی

حکومتِ مہاراشٹر نے مہاراشٹر میں واقع انجنیئرز نیز افراد کی جانب سے حکومت ہند کی نیشنل بلڈنگز آرگنائزیشن کو نئی ترقی پذیر تعمیراتی ٹکنالاجی یا سامان جسکے استعمال سے تعمیرات میں بچت کی جاسکتی ہے، کے بارے میں پیش کردہ مختلف کلیموں کی جانچ کے لئے ماہرین کی ایک کیمٹی تشکیل دی ہے۔ کیمٹی گہرائی سے ان تمام اسکیموں کا جائزہ

...گی اور اپنی سفارشات حکومت کو پیش کریگی۔
ماہرین کی جماعت میں یہ افراد شامل ہیں: شری ...ٹی۔ اتھرے، ایڈیشنل چیف انجنیئر، محکمۂ ...ات و مواصلات، بمبئی ممبر و کنوینر، اور شری ...۔ ڈی۔ کرپیکر، ہاؤسنگ کمشنر، مہاراشٹر ...سنگ بورڈ، بمبئی، شری جے۔ آر۔ پٹوردھن، ...انجنیئر، میونسپل کارپوریشن، بمبئی عظمیٰ، شری ...۔ ایم۔ قادری، اعزازی آرکیٹکٹ اور حکومت ...ملاح کار انجنیئر نیز مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ ...یکنیکل رکن، شری جی۔ ڈی۔ تسکر، کنسلٹنگ ...یئر، ممبر آف سلم امپروومنٹ بورڈ (تمام ممبران) ...شری جے۔ ڈی۔ کالے، ڈپٹی سکریٹری، محکمۂ ...ی ترقی و صحت عامہ اور ہاؤسنگ، کمیٹی کے سکریٹری ...ہوں گے۔

...طبی معالجین سے متعلق رپورٹ

...انشورنس میڈیکل پریکٹیشنرس کی ملازمت کی ...د و ضوابط پر نظر ثانی کے لئے ایمپلائیز اسٹیٹ ...رنس کارپوریشن کے مہاراشٹر علاقائی بورڈ نے جو ...کمیٹی مقرر کی تھی اس نے گذشتہ ۲۸ اگست کو ...رپورٹ چیرمین شری این۔ ایم۔ تدکے، وزیر صنعت ...ت کو پیش کردی۔ رپورٹ ضمنی کمیٹی کے چیرمین ...ی۔ ایس۔ آئی۔ کارپوریشن نیز اسٹینڈنگ کمیٹی کے ...پروفیسر ڈی بی۔ کامتھ نے پیش کی۔
اس کمیٹی میں جو گذشتہ دسمبر میں مقرر کی گئی ...مزدوروں کے دو نمائندے (مسٹر جی۔ ڈی۔ ...ن اور مس ای۔ ڈیسوزا)، ڈاکٹروں کے دو ...ے (ڈاکٹر ڈی۔ ایس۔ منگیکر اور ڈاکٹر ...لے۔ پان والا)، لیجسلیٹو کاؤنسل کا ایک نمائندہ ...یسر ایم بی۔ منگوڈکر) کے علاوہ ای۔ ایس۔ ...اسکیم کے ڈائرکٹر (ڈاکٹر آر۔ سی۔ دیگھے) اور ...ڈائرکٹر (مسٹر ڈی۔ سیوارامن) شامل تھے۔
...ضمنی کمیٹی کی رپورٹ میں، صحت کے لئے

انسدادی اقدامات، پینل پریکٹس کے تبادلہ، دواؤں کی دستیابی وغیرہ کے بارے میں سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

چرائی اراضی کا حصول

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ ایسے دیہاتوں میں چرائی اراضی کے طور پر دینے کے واسطے جہاں یہ ناکافی ہے حصولِ اراضی کا معاملہ اس کمیٹی کے حوالہ کیا جائے جو شری ایس۔ اے۔ سونکے، وزیر ریاست برائے محصول کی زیرِ صدارت مقرر کی گئی ہے۔

قانون کی اشاعت

مہاراشٹر زراعتی پیداوار فروخت (باقاعدگی) (ترمیم) ایکٹ بابت سنہ ۱۹۷۴ء گورنر کی منظوری کے بعد حکومتِ مہاراشٹر کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۳۱ اگست سنہ ۱۹۷۴ء کے حصہ۔۴ میں شائع کردیا گیا ہے۔

ایم۔ این۔ کنوجیا

حکومتِ مہاراشٹر نے شری موہن لال مالو لال کنوجیا کو شری نرائن کے۔ مدلیار کی جگہ اس کمیٹی میں مالکان کے نمائندہ کی حیثیت سے مقرر کیا ہے جو مہاراشٹر ریاست میں لانڈری صنعت میں حالاتِ ملازمت کے بارے میں چھان بین کرکے اقل ترین شرحِ اجرت کے تعین کے بارے میں حکومت کو مشورہ دے گی۔

تھیٹر ملازمین کی اُجرت

حکومتِ مہاراشٹر نے سنیما نمائش صنعت میں اقل ترین شرحِ اُجرت پر نظر ثانی کیلئے مقررہ کمیٹی کے مشورہ پر غور کرنے کے بعد نئی اقل ترین شرح اجرت مقرر کی ہے جو مذکورہ صنعت کے ملازمین کو یکم اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء سے ادا کی جائے گی۔

قوانین کی اشاعت

مہاراشٹر پرلیشد ملازمین (شرائط ملازمت بوقت تقرر برائے درجہ ۲ ملازمت یا جنرل اسٹیٹ سروس آف اسٹیٹ گورنمنٹ) قوانین بابت سنہ ۱۹۷۴ء حکومتِ مہاراشٹر کے غیر معمولی گزٹ مورخہ یکم اگست سنہ ۱۹۷۴ء کے حصہ ۴۔الف میں شائع کردئے گئے ہیں۔

ہندی نہ بولنے والی ریاستوں کے طلباء کے لئے وظیفے

بھارت سرکار نے ہندی نہ بولنے والی ریاستوں کے طلباء کو میٹرک کے بعد ہندی پڑھنے کے واسطے وظیفے دینے کی اسکیم کے تحت سال سنہ ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران ۱۸۵۰ وظیفے دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ یعنی ۲۶۶ وظیفے آندھرا پردیش کے طلباء کو دئے جائیں گے۔
مذکورہ وظیفے کے لئے درخواست دینے والے طلباء کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہندی نہ بولنے والی کسی ریاست کے رہنے والے ہوں اور ان کی مادری زبان ہندی نہ ہو نیز انھوں نے یونیورسٹی یا بورڈ کا فائنل امتحان پچھلے سال سے قبل نہ پاس کیا ہو۔ مذکورہ وظیفے کے لئے درخواست کے فارم متعلقہ ریاستوں یا مرکز کے زیرِ انتظام علاقوں کی تعلیم سے متعلق ڈائرکٹوریٹ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

اسمبلی کی کارروائی

ہفتہ مختتمہ ۱۶ اراگست کے دوران اسپیکر شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے نے ۱۳ اپوزیشن ممبران کو جنہوں نے کارروائی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تھی، موجودہ اجلاس کے اختتام تک معطل کردیا۔

گذشتہ ہفتہ ایوان میں گھاسلیٹ اور اناج کی قلت نیز روزگار ضمانت اسکیم کے مسئلہ پر اپوزیشن کی جانب سے جارحانہ رویّہ اور خلل اندازی کے باعث فضا کشیدہ ہوگئی تھی۔ اس ہفتہ کے پہلے ہی دن شری این۔ ایم۔ تیڈکے، وزیر برائے قانون سازی امور نے حکمراں اور اپوزیشن پارٹیوں کے درمیان بات چیت کی تحریک کی اور یہ کوشش کی کہ ان کے درمیان مفاہمت ہو جائے۔ بہرصورت چونکہ ایوان نے مابعد جلد ہی کارروائی شروع کردی لہٰذا یہ بات چیت غیر فیصلہ کن رہی۔

ایوان کی کارروائی دوبارہ شروع ہوتے ہی اپوزیشن لیڈر شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے مطالبہ کیا کہ ایوان ملتوی کیا جائے تاکہ فی الحال شروع کی گئی بات چیت میں سہولت ہو۔

اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے شری اے۔ ٹی۔ پاٹل نے یہ مشورہ دیا کہ بات چیت اور کارروائی ایک ساتھ جاری رکھی جائیں۔ شری این۔ ایم۔ تیڈکے، وزیر برائے قانون سازی امور نے بھی التوا کی تجویز کی مخالفت کی۔

وقار کا مسئلہ

[illegible] کا لحاظ کرتے ہوئے اسپیکر نے ایوان دن بھر کے لئے ملتوی کردیا۔ یہ فیصلہ دیتے ہوئے آپ نے ممبران کو یاد دلایا کہ ماضی میں اپوزیشن اور حکمراں پارٹی کے مابین مفاہمت کراکے وزیر امور قانون سازی نے ایک اعلیٰ روایت قائم کی تھی۔ اب دونوں لیڈروں کو چاہیئے کہ وہ اس روایت کو قائم رکھیں اور اسے وقار کا مسئلہ نہ بنائیں اور اس طرح ناگوار صورت حال نہ پیدا ہونے دیں جو سخت بداخلاقی کے مترادف ہوگی۔ آپ نے مزید فرمایا کہ "میں خود یہ فیصلہ دے کر بڑا خطرہ مول لے رہا ہوں۔" آپ نے متنبہ کیا کہ آئندہ سے رکاوٹ ڈالنے والے ممبران کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

بہرصورت چونکہ اپوزیشن کا رویّہ غیر لچکدار تھا، لہٰذا بات چیت بارآور نہ ہوئی۔ اگلے دن سوالات کا وقت شروع ہونے پر اپوزیشن کے ممبران نے اسپیکر سے اجازت چاہی کہ وہ انھیں بولنے دیں۔ اسپیکر نے یہ بات واضح کردی کہ وہ اُن کی بات نہ سنیں گے۔ یہ دیکھ کر کہ کوئی کارروائی جاری رکھنا ممکن نہیں ہے، آپ نے اپوزیشن کے ممبران کو معطل کردیا جن میں سر دشری ڈی۔ بی۔ پاٹل، آر۔ کے۔ مہالگی، وی۔ اے۔ دیشمکھ، اے۔ اے۔ وانکھیڈے، جیانند مشکر، ٹی۔ ڈی۔ پرڈی، ایس۔ جے۔ جادھوراؤ، کے۔ ڈی۔ بھیگڈے اور شریمتی مرینال گورے وغیرہ شامل ہیں۔ بعد ازاں پورے ہفتہ ایوان کی کارروائی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی گئی۔

ادیباسیوں کے استحصال کی روک تھام

اس ہفتہ کے دوران شری ایم۔ ڈی۔ چودھری وزیر مالیات و جنگلات نے مہاراشٹر فروخت درخت بذریعہ قبضہ داران مندرج قبائل (باقاعدگی) (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء پیش کیا جس کا مقصد گورنر کے قبل ازیں جاری کردہ فرمان (آرڈیننس) کو ایکٹ کی شکل دینا ہے۔ اس بل میں مندرج قبائل کے افراد کی ملکیت اراضی پر ضلع کلکٹر کی اعانت سے درختوں کی فروخت کا قاعدہ وضع کیا گیا ہے تاکہ ان کا مفاد محفوظ رہے۔ شری چودھری نے فرمایا کہ یہ بل بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کا مقصد جنگلاتی ٹھیکیداروں کی جانب سے ادیباسیوں کے استحصال کو روکنا ہے جو ادیباسیوں کو درختوں کی فروخت پر معقول قیمت ادا نہیں کرتے۔

خصوصاً ادیباسی علاقہ جات کے ممبران نے بل پر اپنے خیالات کے اظہار میں بڑی دلچسپی لی۔ ایوان کے بیشتر ممبران نے بل کا خیر مقدم کیا۔

سر دشری وشولیشور راؤ اوترام، آر۔ پی۔ والوی، آر۔ جی۔ بھوئے، کچرو بھاؤ راؤت، بی۔ این۔ مڈلوی، ایم۔ جی۔ کدو، اے۔ ٹی۔ پاٹل اور دیگر ممبران نے بل پر بحث میں حصہ لیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری چودھری نے ممبران کو یقین دلایا کہ حکومت اس بات کی پوری احتیاط برتے گی کہ کوئی شخص بل میں کسی

جھول سے فائدہ اٹھا کر بے قاعدہ طور پر درخت فروخت نہ کرسکے اور اس طرح ادیباسیوں سے ناجائز فائدہ اٹھائے۔

بعدازاں ایوان نے بل پاس کردیا۔

ناجائز منتقلیٔ اراضی کی تنسیخ

ادیباسیوں کے نقطۂ نظر سے اہمیت کا حامل ایک دوسرا بل یعنی مہاراشٹر محصولِ اراضی ضابطہ اور لگان داری قانون (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء پیش کرتے ہوئے شری ایچ۔ جی۔ ورتک، وزیرِ محصول نے فرمایا کہ بل کا مقصد یہ ہے کہ خصوصاً دھولیہ، تھانہ اور دیگر اضلاع میں ادیباسیوں کی اراضی کی غیر ادیباسیوں کو ناجائز منتقلی منسوخ کی جائے اور متعلقہ ادیباسیوں کو واپس دلائی جائے۔

اس بل پر بحث ناتمام رہی۔

ایوان نے دیگر سات بل منظور کردئے جو یہ ہیں: مہاراشٹر ضلع پریشد اور پنچایت سمیتی (تیسری ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء، مہاراشٹر زراعتی یونیورسٹی (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء، مہاراشٹر خصوصی قوانین برائے ادائیگی اسٹامپ ڈیوٹی بل ۱۹۷۴ء، مہاراشٹر میونسپلٹی (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء، آب پاشی ایکٹ (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء، بمبئی پراونشل میونسپل کارپوریشن (ترمیم و توثیق قوانین) اور دیگر میونسپل کارپوریشنز (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء اور مہاراشٹر ریجنل اور ٹاؤن پلاننگ (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء۔

سروشری اے۔ این۔ بھتوپٹے، ایس۔ ڈی۔ منڈلک اور دیگر ممبران نے ایک تجویز پیش کی تاکہ بڑھتی ہوئی قیمتوں نیز قلتِ بیج، کھاد اور کیڑا مار ادویات کے باعث زراعت پر پڑنے والے اثرات پر بحث کی جائے۔ اسپیکر نے اپوزیشن نیز حکمراں پارٹی دونوں کی جانب سے اس مطالبہ کو مان لیا کہ اس مسئلہ پر بحث کے لئے زیادہ وقت دیا جائے۔

کونسل کی کارروائی

پہلے ہفتہ کی طرح ۱۲ راگست سے شروع ہونے والے دوسرے ہفتہ کے پہلے دن بھی گڑبڑ اور ہنگامہ برپا رہا اور چیرمین شری وی۔ ایس۔ پاگے کو ایوان بلا کارروائی برخاست کرنا پڑا۔ جیسے ہی چیرمین نے دو بجے دوپہر کو اپنی کرسی سنبھالی، اپوزیشن کے لیڈر شری اتم راؤ پاٹل نے بیان کیا کہ پچھلے ہفتہ کے دوران اپوزیشن نے مسلسل حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ اس بات کا اعلان کرے کہ وہ بمبئی میں گھاسلیٹ کی قلت، ریاست میں اناج کی کمی دور کرنے اور ضمانتِ روزگار اسکیم کی عمل آوری کے لئے کیا ٹھوس اقدامات کرے گی۔ آپ نے گذارش کی کہ ایوان دن بھر کے لئے ملتوی کردیا جائے تاکہ ان مسائل پر بحث کرنے میں سہولت ہو۔

سروشری این۔ ڈی۔ پاٹل، جی۔ پی۔ پردھان اور وی۔ آر۔ پنڈت نے شری پاٹل کے خیالات کی تائید کی اور اصرار پر زوردیا۔

کانگریس کے ممبران سروشری رام میگھے اور جواہرلال دردا نے ضابطہ کا سوال اٹھایا۔ بہر صورت شری وی۔ ایس۔ پاگے نے اپوزیشن کا مطالبہ مان لیا اور ایوان ڈھائی گھنٹہ کے لئے ملتوی کردیا۔

شام کو ۴½ بجے جب کونسل کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا تو سروشری اتم راؤ پاٹل اور این ڈی۔ پاٹل وغیرہ نے ایک تجویز پیش کرکے چیرمین سے درخواست کی کہ [illegible] اجلاس ملتوی کردیا جائے [illegible]

اور شری میگھے نے اصرار کیا کہ کارروائی جاری رکھی جائے۔ بالآخر شری آر۔ ایس۔ گوائی، ڈپٹی چیرمین نے اگلے دن تک کے لئے ایوان برخاست کردیا۔

گیارہ ممبران معطل

اگلے روز جب ۲ بجے دوپہر کو سوالات کے وقت کونسل کی کارروائی پھر شروع ہوئی تو اپوزیشن کے لیڈر شری اتم راؤ پاٹل نے بولنا شروع کردیا۔ سروشری رام میگھے اور آپا صاحب جادھو نے پھر ضابطہ کا سوال اٹھایا۔ اس پر گیارہ اپوزیشن کے ممبران اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ساتھ بولنا شروع کردیا جس سے ایوان میں ایک ہنگامہ سا برپا ہوگیا۔

شری پاگے نے ان گیارہ ممبران کے نام لے کر ان سے ایوان سے باہر جانے کے لئے کہا۔ چونکہ انھوں نے اس کی تعمیل نہ کی لہٰذا چیرمین نے ۲½ بجے دوپہر تک اجلاس ملتوی کر دیا۔

۲½ بجے جب اجلاس پھر شروع ہوا تو گیارہ ممبران اس وقت تک [illegible] [illegible]

بعد ازاں چیرمین نے ان ممبران سے بار بار درخواست کی کہ وہ ایوان سے باہر چلے جائیں، مگر اسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے یہ ممبران ایوان میں بیٹھے رہے۔ بالآخر چیرمین نے نصف گھنٹہ کے لئے ایوان برخاست کردیا اور اس وقفہ کے دوران یہ ممبران ایوان سے چلے گئے۔

جب ایوان کا اجلاس پھر شروع ہوا تو پانچ آزاد ممبران نے اس واقعہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے واک آؤٹ کیا۔ شری سی۔ آر۔ کھانولکر نے بیان کیا کہ وہ آئندہ جاری اجلاس میں شرکت نہ کریں گے۔

غیر معقول رویہ، ضد اور ایوان کی کارروائی میں دیدہ و دانستہ رکاوٹ ڈالنے نیز چیرمین کے فرمان کی تعمیل نہ کرنے پر جن ممبران کو معطل کیا گیا ان کے نام یہ ہیں، سروشری اتم راؤ پاٹل، وی۔ آر۔ پنڈت، موتی رام جی لہانے، آر۔ ایف۔ چودھری، جی۔ بی۔ کانبکر، ایل۔ وی۔ مانکر، این۔ ڈی۔ پاٹل، جی۔ پی۔ پردھان، انا صاحب گواہنے اور مول چند گوپتی اور شریمتی پرمیلا ٹوپالے۔

ستمبر میں مزید گھاسلیٹ

اس دن شری اپا صاحب جادھو اور دیگر اراکین کی جانب سے بمبئی اور ریاست کے دیگر حصوں میں گھاسلیٹ اور اناج کی قلت اور غیر اطمینان بخش تقسیم وغیرہ کے بارے میں پیش کی گئی بے ضابطہ قرار داد کا جواب دیتے ہوئے شری ایچ۔ جی۔ ورتک، وزیر غذا اور سول سپلائی نے اعلان کیا کہ حکومت کچھ اقدامات کرنے والی ہے تاکہ کھلے بازار میں گھاسلیٹ کی فروخت بند کردی جائے اور راشن کارڈ پر اس کا کوٹہ بڑھادیا جائے۔ آپ نے ایوان کو یقین دلایا کہ ماہ اگست میں بمبئی میں ہر راشن کارڈ پر ۱۰ لیٹر گھاسلیٹ ضرور سپلائی کیا جائے گا۔ یہ کوٹہ آئندہ ماہ اور بڑھا دیا جائے گا۔ آپ نے ممبران کو یہ بھی بتایا کہ ریاستی حکومت مرکز سے گھاسلیٹ اور اناج کا مزید کوٹہ حاصل کرنے کی کوشش کررہی ہے جسے مساوی طور سے تقسیم کیا جائے گا۔

دیہی علاقوں میں پانچ کلو اناج

وزیر موصوف نے بتایا کہ ریاستی حکومت نے مرکز سے دو لاکھ ٹن اناج کا کوٹہ مانگا تھا۔ نیز ریاستی حکومت نے مرکز کو پیشگی آگاہ کردیا تھا کہ اگر ماہانہ کم سے کم ۱½ لاکھ ٹن اناج نہ دیا گیا تو غذائی صورت حال کٹھن ہوجائے گی۔ آپ نے اعلان کیا کہ اگست سے دیہی علاقوں میں ۵ کلوگرام اناج فی فرد کے حساب سے فراہم کیا جائے گا۔ اناج کی فراہمی کی صورت حال آئندہ بہتر ہوجائے گی۔ آپ نے تمام ممبران سے گذارش کی کہ وہ لوگوں میں خوف وہراس پیدا نہ کریں۔

شری ورتک نے بتایا کہ مہاراشٹر ملک بھر میں وہ واحد ریاست ہے جس نے گیہوں کی قیمت پر حدبندی کی ہے۔ اگر دیگر تمام ریاستیں ایسی ہی کوشش کرتیں تو اناج کی صورت حال ایسی کٹھن نہ ہوتی۔ آپ نے ممبران کو یقین دلایا کہ حکومت ذخیرہ اندوزوں اور منافع خوروں کو نہ بخشے گی۔

سروشری اپا صاحب جادھو، دولت راؤ بھوسلے، این۔ ڈی۔ اُگالے اور ایل۔ پی۔ پجاری نے بحث میں حصّہ لیا۔ ان سب نے گھاسلیٹ اور اناج کی تقسیم کے طریقے پر نکتہ چینی کی۔

اپوزیشن کے پانچ آزاد ممبران نے جو ایوان میں موجود تھے، اعلان کیا کہ وہ ایوان کی کارروائی میں حصّہ نہ لیں گے۔

ہومیوپیتھی طریقِ علاج سے متعلق مرکزی کونسل کی تشکیل

مرکزی سرکار نے ہومیوپیتھی طریق علاج سے متعلق ایک مرکزی کونسل تشکیل دی ہے۔ یہ کونسل اس کی تعلیم کے طریق کار میں یکسانیت لانے کے لئے لائحہ عمل تیار کرے گی۔ اس کونسل کے ارکان کی تعداد ۳۴ ہے۔ صحت اور خاندانی منصوبہ بندی کے نائب وزیر پروفیسر اے۔ کے۔ کسکو اس کے صدر ہیں۔ وزارت امور صحت میں ہومیوپیتھی طریق علاج کے مُشیر ڈاکٹر جگل کشور اس کے نائب صدر ہیں۔ اس طریق علاج کے ڈاکٹروں کا ایک مرکزی رجسٹر بنانے سے اس بات کو یقینی بنایا جاسکے گا کہ صرف کوالیفائیڈ ڈاکٹر ہی اس کی پریکٹس کرتے ہیں۔

قلمی معاونین سے

"قومی راج" کے لئے غیر طلبیدہ مضامین و مقالات میں سے جو ناقابلِ اشاعت سمجھے جاتے ہیں انھیں واپس نہیں کیا جاتا لہٰذا مضامین و منظومات بھیجتے وقت ان کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔ تخلیقات صاف و خوشخط اور ورق کی ایک طرف لکھی ہوئی ہوں اور پتۂ ذیل پر ارسال کی جائیں:

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

دس منٹ کے اندر پولس امداد

وزیراعلیٰ کی تاجروں کو یقین دہانی

شری وی-پی-نائک، وزیراعلیٰ نے بمبئی میں
جروں کو یقین دلایا کہ " اُن کی جانب سے شکایت
یتہ ہی کہ کوئی منظم ٹولی طاقت اور جبر سے کام لے
ہی ہے دس منٹ کے اندر اندر پولس امداد پہنچ
ئے گی۔ عین موقع پر پہنچنے والی پولس جمعیت
نگراں سب انسپکٹر کے درجہ کا کوئی ذمہ دار افسر
گا۔ تاجروں کو چاہیئے کہ وہ ڈائیل نمبر 100
ائیں جہاں اِس قسم کی شکایات لینے کیلئے خاص
رسے افسر تعینات ہوگا۔ یہ افسر نہ صرف شکایت
ول کرے گا بلکہ فوری ہدایات جاری کرے گا تاکہ
جگہ جہاں سے اطلاع آئی ہے پہنچ کران حرکتوں
روکا جائے۔"

وزیراعلیٰ نائک گذشتہ ۳۰ اگست کو سچیوالیہ
تجارتی اور کاروباری تنظیموں کے اراکین سے
اب فرما رہے تھے۔ انہوں نے انڈین مرچنٹس
بر کے صدر کی جانب سے شکایت پر اس اجلاس
تحریک کی تھی۔

شری نائک نے بعض جگہ آویزاں کئے گئے
ڈوں کا ذکر کیا جن میں تاجروں کو یہ دھمکی دی
ہے کہ وہ مقررہ تاریخ سے قبل اپنے بورڈ تبدیل
یں۔ آپ نے حاضرین کو یقین دلایا کہ ایسی صورتوں
مناسب قانونی کارروائی کی جائے گی۔

اس اجلاس میں عموماً اس بات کی شکایت
ئی تھی کہ مختلف ٹولیوں خصوصاً شیوسینا کی
جانب سے بیوپاریوں کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ وزیراعلیٰ نے کاروباری لوگوں
سے اپیل کی کہ وہ لوگوں کی مشکلات کو سمجھیں اور
ایسی حرکتیں نہ کریں جن سے صورت حال ابتر ہو۔
حکومت کا یقیناً فرض ہے کہ نظم وضبط برقرار
رکھے۔ اسی کے ساتھ بیوپاریوں کا بھی فرض ہے
کہ وہ قلت کے باعث لوگوں کو پیش آنے والی
مشکلات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔
فضا، ذخیرہ اندوزی، چوربازاری، اسمگلنگ کے
خلاف گونج رہی ہے، اسے نظر انداز کرنا تاجر
طبقہ ہی کے حق میں بُرا ہوگا۔ بمبئی کے بیوپاریوں
نے گذشتہ سال قیمتوں میں اضافہ کو روکنے میں مدد
دی تھی۔ مجھے امید ہے کہ اب بھی وہ اسی طرح
تعاون کریں گے۔ بیوپاریوں کو چاہیئے کہ لازمی
اشیاء کی فراہمی کا یقین دلائیں اور قلت کے
حالات پیدا نہ کریں۔

وزیراعلیٰ نے بیوپاریوں کو ہدایت کی کہ وہ اگر
چاہیں تو اپنی جماعتوں کی معرفت شکایات پیش
کریں۔ شری ایس-جی-پوار، وزیرمملکت برائے
داخلہ نے بھی بات چیت میں حصہ لیا۔

وزیراعلیٰ نے ہوم سکریٹری اور پولس کمشنر
سے بھی اس اجلاس میں حاضر رہنے کے لئے
کہا تھا جنھیں تاجر طبقہ کے احساسات سے
باخبر رہنا نہایت ضروری ہے۔

شری جی-این-پوتدار، صدر انڈین مرچنٹس
چیمبر نے اس اجلاس کے لئے تحریک کرنے پر
وزیراعلیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

مالک اور ملازم کے درمیان بہتر تعلقات

مہاراشٹر مزدور بہبود بورڈ کی کوشش قابل تعریف

گذشتہ ۳۰ اگست کو سچیوالیہ میں نئے تشکیل شدہ
مہاراشٹر لیبر ویلفیئر بورڈ کے اولین اجلاس کا افتتاح
کرتے ہوئے شری این-ایم-تِڈکے، وزیر صنعت
اور محنت نے بورڈ کے اراکین کی کوششوں کو سراہا
جو انھوں نے صحت مند ماحول پیدا کرنے کے لئے
کیں تاکہ مہاراشٹر میں صنعت کو فروغ حاصل ہو اور
آجر اور مزدور کے درمیان دوستانہ تعلقات بڑھیں
اس عظیم کام کا ذکر کرتے ہوئے جو ریاست
نے بسرعت سماجی اور اقتصادی انقلاب لانے کی
غرض سے شروع کیا ہے۔ وزیر موصوف نے فرمایا
کہ اس کام میں صنعت کار، ماہر فنکار، سائنس
داں، سرمایہ دار اور مزدور سبھی کو اپنا اپنا فرض
انجام دینا ہوگا تاکہ سماجی و اقتصادی انقلاب
کی رفتار تیز ہو۔

اس اجلاس میں شری ایس-بی-پاٹل
وزیر مملکت برائے مالیات اور محنت کو مذکورہ
بورڈ کا چیرمین چُنا گیا۔ قبل ازیں شری ایس-جی-
مان گاؤکر، ایکٹنگ ویلفیئر کمشنر نے مہمانوں کا
خیرمقدم کیا۔

یو-پی- کے سیبوں کی نمائش

وزیراعلیٰ نے افتتاح فرمایا

وزیراعلیٰ شری وی-پی-نائک نے ۲۶ اگست
کو گمار سوامی ہال، بمبئی میں ڈائرکٹوریٹ آف

ہورٹی کلچر اینڈ فروٹ یوٹیلائزیشن، اتر پردیش گورنمنٹ کے زیر اہتمام پہلی سیب نمائش کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے پھلوں کی پیداوار زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی ضرورت جتائی کہ ایک عام آدمی کو بھی یہ وٹامن سے بھرپور اور قوت بخش غذا میسر آسکے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ پیداوار بڑھانے کے ساتھ ساتھ سائنٹفک طریقے سے پھلوں کو محفوظ رکھنے پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ حکومت مہاراشٹر پھلوں کا ذخیرہ محفوظ رکھنے کے لئے حکومت یوپی کو کولڈ اسٹوریج کی سہولتیں بہم پہنچائے گی جیسا کہ حکومت ہماچل پردیش کو بہم پہنچائی گئی ہیں۔

ابتدا میں شری این۔ ڈی۔ تیواری، وزیر مالیات بھاری صنعت اور پارلیمانی امور، اتر پردیش نے حاضرین کا سواگت کیا۔ ڈاکٹر ایس ایس۔ ٹیوٹیا ڈائرکٹر آف ہورٹی کلچر اینڈ فروٹ یوٹیلائزیشن اتر پردیش نے شکریہ ادا کیا۔

چلڈرنس ایڈ سوسائٹی فنڈ

فراخ دلی سے چندہ دینے کیلئے شریف کی اپیل

شری کانتی کمار آر۔ پوتدار، شریف بمبئی نیز چلڈرنس ایڈ سوسائٹی کی فنڈ جمع کرنے والی کمیٹی کے نائب صدر نے بمبئی کے شہریوں سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ چلڈرنس ایڈ سوسائٹی کے فنڈ میں فراخ دلی سے چندہ دیں جس نے چیمبور میں نوعمر بچوں کے لئے "بال نگری" قائم کرنے کے لئے زبردست پروگرام بنایا ہے۔

شری پوتدار نے فرمایا کہ ریاستی حکومت نے چلڈرنس ٹاؤن شپ پراجیکٹ کیلئے ۲۸ ہیکٹر خطہ اراضی دیا ہے جہاں ایک ریمانڈ ہوم اور دماغی طور سے معذور بچوں کے گھر کے علاوہ، اسکول، ورکشاپ، کلینک نیز مرغی پالن اور کھیتی باڑی وغیرہ کی سہولتیں ہوں گی۔

بچوں کا شہر چیمبور میں پُرفضا ماحول میں آباد کیا جائے گا جس میں کھیل کود وغیرہ کے لئے میدان ہوں گے۔ اس میں زراعتی اراضی بھی ہوگی۔ سوسائٹی کے اس منصوبہ میں سماج کے تمام طبقات کا تعاون ضروری ہے۔ اس اہم کام میں لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی غرض سے سوسائٹی نے مختلف ادارہ جات، اسکول اور کالجوں میں فلم شو کا انتظام کیا ہے۔ اس موقع پر ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کی نوعمر بچوں سے متعلق تیار کردہ فلم دکھائی جائے گی۔

یہ فلم شہر کے تمام سینما ہالوں نیز ۲،۴۰۰ اسکولوں میں ۱۰ لاکھ بچوں اور ۴۷ کالجوں میں ۱،۶۵ لاکھ طلباء نیز بڑے صنعتی کارخانوں میں ورکروں کو دکھائی جائے گی۔

شری پوتدار نے فرمایا کہ فنڈ کے لئے خاص مہم کے طور پر چلڈرنس ایڈ سوسائٹی ۲ر تا ۷ر اکتوبر ۱۹۷۴ء فلیگ ڈے بھی منائے گی۔

مدرسین بھلائی فنڈ

میں دل کھول کر چندہ دیجیے!

وزیر تعلیم شری فاموشی کی اپیل

"ہم مدرس کا احترام کرتے ہیں کیونکہ وہ ایک معمار ہے جو ملک کی تقدیر کو بناتا ہے۔ ہمارا اوّلین فرض ہے کہ معلّم کو اطمینان و مسرت کی زندگی گذارنے میں مدد دیں۔ لہٰذا تمام جماعتیں پورے جوش و خروش کے ساتھ ریاست بھر میں تقریب منانے کا اہتمام کریں اور ٹیچرس ویلفیر فنڈ میں زیادہ سے زیادہ رقم جمع کرنے میں مدد دیں۔"

۵ر ستمبر کو منائے جانے والے "ٹیچرس ڈے" کے موقع پر شری اے۔ این۔ نامجوشی وزیر تعلیم نے مذکورہ اپیل کی تھی۔

آپ نے فرمایا کہ "ٹیچرس ڈے" منانے کی ذمہ داری صرف مدرسین پر نہیں بلکہ سماج کے تمام عناصر مثلاً سرکاری، نیم سرکاری اور دیگر ادارہ جات کے کارکنوں، سماجی کارکنوں، والدین اور سرپرستوں پر عائد ہوتی ہے۔ ان سب کا فرض ہے کہ فنڈ میں چندہ دے کر مدرسین اور ان کے اہل و عیال کی مصیبت میں امداد بہم پہنچائیں۔

آپ نے مزید فرمایا کہ ریاست مہاراشٹر کی ٹیچرس ویلفیر فنڈ کمیٹی نے اب تک ۴،۹۹۳ مدرسین اور ان کے بال بچوں کو ۲۶،۱۲،۹۹۰ روپے کی مالی امداد بہم پہنچائی ہے۔ آل انڈیا ٹیچرس ویلفیر فنڈ بھی قائم کیا گیا ہے تاکہ شدید مشکلات کے وقت انھیں فوراً مالی امداد دی جا سکے۔

وزیر موصوف نے آخر میں فرمایا کہ ٹیچرس ڈے ایک مبارک دن ہے جبکہ ہمیں موقع ملتا ہے کہ مدرسین کے تئیں اپنا فرض ادا کریں۔

مہاراشٹر کو خاندانی منصوبہ بندی انعامات

سنہ ۱۹۷۱-۷۲ء کے دوران پورے ملک میں تمام پرائمری ہیلتھ سینٹروں کے درمیان خاندانی منصوبہ بندی میں بہترین کارگذاری پر پرائمری ہیلتھ سینٹر، لوہی، ضلع پربھنی کو مبلغ ۱۰،۰۰۰ روپے کا اول انعام ملا اور ویزاپور پرائمری ہیلتھ سینٹر، ضلع اورنگ آباد کو ۳،۰۰۰ روپے کا تیسرا انعام ملا۔

ریاست مہاراشٹر کے اداروں اور اشخاص کو کل ۱۴ انعامات میں سے جن کا اعلان حکومت ہند نے پورے ملک کیلئے کیا تھا نو انعامات دیے گئے ہیں۔

پونا کے ڈاکٹر اے۔ بی۔ تلک کو سنہ ۱۹۷۰-۷۱ء کے دوران سب سے زیادہ تعداد میں مانع حمل آپریشن وغیرہ کرنے پر ۱،۰۰۰ روپے کا نقد انعام دیا گیا۔

قومی راج

جلد : ۱ یکم اکتوبر ۱۹۷۴ء شمارہ : ۱۷

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے سالانہ : ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخنہائے گفتنی

خواجہ عبدالغفور

حکومتِ مہاراشٹر نے اردو ذریعہ تعلیم والے طلبہ کے لئے ہائر سکنڈری میں اردو ہی کو ذریعۂ تعلیم بنانا منظور کر لیا ہے اور اس طرح اردو کی بقا و ترقی کے لئے اپنی دلچسپی اور خلوص کا ایک اور عمدہ ثبوت پیش کیا ہے۔

سکنڈری اسکولوں میں ذریعہ تعلیم کا سوال ایک عرصہ سے اُردو داں طبقہ میں بحث کا موضوع بنا ہوا تھا۔ جبکہ اکثریت اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی حامی تھی، ایک طبقہ اس کا مخالف تھا۔ اس کی وجہ اُردو دشمنی نہیں بلکہ چند مخلصانہ شبہات تھے جن میں سب سے اہم یہ تھا کہ ہائر سکنڈری تک اردو سے تعلیم پانے کے بعد طلبہ کالج میں بے پناہ دشواریوں سے دوچار ہوں گے اور ذریعہ تعلیم میں یکلخت تبدیلی اُن کے تعلیمی کیریر کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔

تاہم اِس استدلال کی بنیاد میں یہ مفروضہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم صرف انگریزی یا دیگر زبانوں ہی میں ممکن ہے جبکہ ہمارے سامنے عثمانیہ یونیورسٹی کی مثال ہے جس نے اُردو زبان میں فنی اور تکنیکی تعلیم مروّج کی اور جس کے فارغ التحصیل طلبہ آج بھی ملک اور بیرونِ ملک میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہیں۔

محبانِ اردو کیلئے یہ لمحۂ فکریہ ہے۔ اگر وہ آج اپنی نئی پود کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر اُردو سے منہ موڑیں گے تو یہ ان کی بڑی کمزوری ہوگی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اردو کی ترقی کیلئے موجودہ سازگار فضا سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور احساسِ کمتری سے نجات پا کر اپنی زبان کی اہمیت محسوس کریں نیز اسے مالا مال اور مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ اس کیلئے اردو ادب کا مزاج بدلنے اور اسمیں وسعت و ہمہ گیری پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اردو محض تفریح کی زبان نہ رہے بلکہ عصرِ جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ایک موثر زبان بن سکے۔ اُردو کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے برقرار رکھنے کیلئے عشقیہ شاعری اور سستے افسانوں کی نہیں بلکہ اُس ٹھوس کام کی ضرورت ہے جو ترقی اردو بورڈ، علیگڑھ یونیورسٹی اور حکومتِ مہاراشٹر انجام دے رہی ہے۔

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا ؛

عقیدت کے پھول

یاس کے بادل چھائے ہوئے تھے چاروں اور فضاؤں میں
سوچ سے خالی ذہن تھے سارے زور نہیں تھا باہوں میں
خوف زدہ سرکار سے رہتے تھے سب محلوں کے باسی
سہمے سہمے مفلس دہقاں، رہتے تھے کٹیاؤں میں
دھیان نہ کرتا کوئی اپنا اپنے دیش کی حالت کا
مُلّا پنڈت بیچارے تھے کھوئے ہوئے مالاؤں میں
غیروں کے انداز میں سوچو بولی غیروں کی بولو
طور یہ سکھلایا جاتا تھا بچوں کو شالاؤں میں
بھٹکے بھٹکے مارے مارے گھوم رہے تھے سب راہی
کیسے کوئی رستہ پاتا، اندھیارا تھا راہوں میں
اُجیالوں کا دیوتا بن کر آخر آئے باپو تم
اُمیدوں کی کرنیں پائیں ہم نے اپنی راہوں میں
بھول کے فرضی جھگڑے سارے دیش کے باسی ایک ہوئے
بٹے ہوئے تھے اب تک مندر، مسجد اور گرجاؤں میں
سچائی اور بے خوفی کا پاٹھ پڑھایا تم نے پھر
ذہن ہوئے بیدار ہمارے آئی قوت باہوں میں
دور سمندر پار گئے پھر آقائی کے دعوے دار
آزادی کے نغمے گونجے سڑکوں پر، شالاؤں میں
تیرے ہی کرموں سے باپو دور ہوا اِک اندھیارا
آشاؤں کے دیپ جلے پھر بنگلوں میں کٹیاؤں میں

اُجیالوں کے دیوتا تجھ کو اَرپن کرنے لائے ہم
شردھا کے یہ پھول پرو کر شعروں کی مالاؤں میں

گاندھی درشن

وقار خلیل

آدمی:
اتنا بڑا، اتنا جیالا، منحنی، نازک بدن
خواب تھا وہ یا حقیقت، داستاں یا کہہ مکرنی
صبح کی خاطر کئی راتوں سے جو لڑتا رہا
پَو پھٹی اور آفتاب اُبھرا، اُجالا ہو گیا
اور پھر ایسا ہوا
نور کا پیکر اُجالے کی لکیروں میں کہیں گم ہو گیا

وہ آدمی
وہ روشنی
وہ آگہی
اب سے پہلے بھی یہیں تھی، اب بھی ہم میں ہے
نظر والو!
اُدھر دیکھو، وہ کس سج دھج سے روشن ہے:

صدرِ جمہوریۂ ہند فخرالدین علی احمد کا دورۂ مہاراشٹر

صدرِ جمہوریۂ ہند عالی مرتبت جناب فخرالدین علی احمد کے عہدۂ صدارت پر فائز ہونے کے بعد پہلی مرتبہ بمبئی آمد پر ۱۷ ستمبر کو برلا ہال میں بمبئی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے صدرِ جمہوریہ کے اعزاز میں ایک شہری استقبالیہ دیا گیا۔ اِس موقع پر تقریر کرتے ہوئے جناب فخرالدین علی احمد نے فرمایا: "عروس البلاد بمبئی نے میری جو عزت افزائی کی وہ میرے لئے باعثِ صد افتخار ہے۔" آپ نے فرمایا کہ ملک کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی زندگی میں بمبئی کو فخر کا مقام حاصل ہے۔ بمبئی ہندوستان کا تجارتی دارالخلافہ ہے۔ ہندوستان کے اس عظیم شہر کے شہری ہونے کے ناطے آپ کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ شہری زندگی میں اونچے سے اونچا معیار قائم کریں تاکہ یہ دوسرے شہروں کے لئے ایک مثال بن سکے۔

اس سے پہلے صدرِ ہند نے حاجی علی پر واقع معذور بچوں کے ہسپتال کا معائنہ کیا اور وہاں ۴۰ منٹ صَرف کئے۔ معذور بچے صدرِ ہند کی بات چیت اور برتاؤ سے بہت خوش ہوئے۔

جشنِ خسرو

دوسرے روز راج بھون میں ممتاز ادیبوں، شاعروں، دانشوروں اور صنعتکاروں کے اجتماع میں صدرِ جمہوریہ جناب فخرالدین علی احمد نے فرمایا کہ امیر خسرو ہندوستان کی یکجہتی کی علامت ہیں اور آئندہ ماہ ان کی سات سو سالہ سالگرہ پورے ملک میں منائی جا رہی ہے۔ صدر نے کہا کہ انھیں یقین ہے کہ بمبئی میں مختلف تقریبات کے ذریعہ امیر خسرو جیسے عظیم شاعر، صوفی اور موسیقار کو عوام سے اس طرح روشناس کرایا جائے گا کہ وہ اُنکی تعلیمات بالخصوص قومی یکجہتی کے لئے سرگرم ہو سکیں۔ قومی یکجہتی کے ان کے پیغام کو عام کیا جانا چاہئے۔

گورنر مہاراشٹر جناب علی یاور جنگ نے صدرِ جمہوریہ اور حاضرین کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ امیر خسرو کا جشن نہ صرف بمبئی بلکہ پوری ریاستِ مہاراشٹر میں اس عظیم شخصیت کے شایانِ شان منایا جائیگا۔ انھوں نے کہا کہ امیر خسرو کے کارناموں اور شخصیت سے عوام کو روشناس کرانے کے لئے مختلف پروگرام کئے جائیں گے جن میں اسکالر، ادیب اور رائٹرز حصہ لیں گے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ بمبئی اور مہاراشٹر کے لوگ اس جشن کی کامیابی کیلئے ہر ممکن تعاون کریں گے۔

اس کے بعد ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیرِ شہری ترقیات، صحت عامہ و اوقاف نے انکشاف کیا کہ صدرِ جمہوریہ فخرالدین علی احمد ہی کے ایماء پر پورے ملک نے جشنِ غالب منایا تھا۔ جشنِ خسرو کی مرکزی کمیٹی کے صدر بھی وہ تھے لیکن صدرِ جمہوریہ بن جانے کے بعد اب یہ عہدہ نواب صاحب (گورنر مہاراشٹر) کے حصہ میں آیا ہے۔ آپ نے کہا کہ جشنِ غالب کی طرح خسرو کی یاد میں تقریبات بھی پورے ملک میں منائی جائیں گی اور بمبئی اس معاملے میں پیش پیش رہے گا۔

ڈاکٹر زکریا نے کہا کہ بمبئی کو ملک کا مالیاتی مرکز تو سمجھا جاتا ہے لیکن اس حقیقت کے باوجود کہ یہاں چوٹی کے ادیب، شاعر، دانشور موجود ہیں جو اس محفل کی رونق ہیں، اسے ملک کا تہذیبی مرکز نہیں سمجھا جاتا۔

ڈاکٹر زکریا نے یہ اعلان کرتے ہوئے کہ خسرو کی یاد میں پروگرام کیلئے مدراس نے پچاس ہزار روپے کا چندہ دیا ہے' یہ امید ظاہر کی کہ بمبئی مدراس سے بہت آگے رہے گا۔ آپ نے بتایا کہ بمبئی میں اُردو کے ایک پرستار اور شیدائی شام کشن نگم ہیں جنھیں محسنِ اردو کہا جاتا ہے۔ جب اس پروگرام کی اطلاع انھیں ملی تو انھوں نے خود میرے پاس آکر کہا کہ اس سلسلے میں رقم جمع کرنا چاہیۓ اور اپنی اور اپنے دوستوں کی جانب سے دس ہزار روپے کے عطیہ کا اعلان کر دیا۔

تالیوں کی گونج میں ڈاکٹر زکریا نے فرمایا کہ اسی اجتماع میں مختلف لوگوں نے جن میں شریف آف بمبئی مسٹر پولدار، مسٹر خوراکی والا، مسٹر حافظکا شامل ہیں، پچاس ہزار روپے سے زائد کے عطیات کا اعلان کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ خسرو کے ایک شیدائی پروفیسر حسینی (برہانی کالج) نے اپنی دو ماہ کی تنخواہ عطیہ میں دی ہے جو تقریباً پندرہ سو روپے ہوتی ہے۔

ڈاکٹر ظ-انصاری نے صدرِ جمہوریہ اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

حج کمیٹی کا استقبالیہ

اُسی روز شام کو صدرِ جمہوریہ نے حج کمیٹی کی جانب سے دئے جانے والے ایک استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمان بھارت کے شہری ہیں۔ اِس حیثیت سے وہ اپنے حقوق منوائیں اور اپنی شکایتیں پیش کریں۔ اگر یہ شکایتیں جائز ہوں گی تو ان کا حل ضرور نکالا جائے گا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ہندوستان کے آئین کی بنیاد سیکولرزم پر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم مذہب سے بے تعلق ہو جائیں بلکہ ہر مذہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کے حقوق حاصل ہیں۔

صدرِ جمہوریہ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ ایک اچھے شہری کے ناطے اپنے فرائض ادا کریں اور ملک کی تعمیرِ نو میں حصہ بٹائیں۔ آپ نے فرمایا کہ مذہبی اختلافات کے باوجود ہمیں اکائی

بن کر ملک میں رہنا ہے' اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا مذہب دوسرے مذاہب کا احترام کرنا سکھاتا ہے مذہب کے مطابق ہر علاقہ میں پیغمبر آئے اور مذہب اسلام ان سب کے احترام کا درس دیتا ہے۔

صدرِ ہند نے حاجیوں کی دشواریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی دشواریاں دور کرنا ہمارا فرض ہے اور ہندوستان بھر سے بمبئی پہنچنے والے حاجیوں کی بڑی ذمہ داری بمبئی کے شہریوں پر عائد ہوتی ہے۔

حاجیوں کی تعداد میں اضافہ پر تبصرہ کرتے ہوئے صدر ہند نے فرمایا کہ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی بھی حج کا خواہشمند شخص اس فریضہ سے محروم رہے، لیکن اس سلسلے میں حکومت کے سامنے دشواریاں ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اول تو غیر ممالک میں ان افراد کے لئے رہائش وغیرہ کا بندوبست ایک بڑا مسئلہ ہے اور دوسرے ہمیں اپنی ترقی اور زرِ مبادلہ کے مسائل بھی مدِ نظر رکھنا پڑتے ہیں۔ صدرِ جمہوریہ نے یقین دلایا کہ جوں ہی حالات بہتر ہوں گے، حاجیوں کی تعداد میں اضافہ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوگا۔ انہوں نے حج کمیٹی کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اُن کا استقبال کیا۔

بمبئی میں حج ہاؤس کی تعمیر کے سلسلے میں صدرِ ہند نے فرمایا کہ جب میرے دوست احمد زکریا صاحب نے اس سلسلے میں مجھ سے گفتگو کی تھی تو میں نے وزیر اعلیٰ مسٹر نائک سے مناسب جگہ دینے کے لئے کہا تھا اور مسٹر نائک نے حج ہاؤس کے قیام کے لئے جگہ دینے کا کام بہت جلد انجام دے دیا ہے۔

صدر ہند نے فرمایا کہ اُنھیں ہندوستان کے

ہر علاقے اور ہر زبان بولنے والوں کا خلوص اور پیار حاصل ہے اور اسی کی بدولت وہ اتنے عرصے سے عوامی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اسی پیار نے اُنھیں آج عہدے پر پہنچایا ہے اور خدمت کا ایک اور موقع عطا کیا ہے۔

مہاراشٹر کی جانب سے خیر مقدم

وزیر اعلیٰ نائک نے اپنی تقریر میں اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ صدارتی چناؤ میں کامیابی کے بعد صدر جمہوریہ سب سے پہلے بمبئی تشریف لائے۔ بمبئی کی کاسموپولیٹن حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حج جیسے اہم فریضہ کی ادائگی کے لئے ہندوستان

بھر کے شہری یہیں سے
نے فرمایا کہ میں سا
صدرِ ہند کا خیر مقدم
قبل ازیں اپنی
احمد زکریا نے حجاز
اور ریاست کے
مہاراشٹر کے تعاو
اس نے چھتر پتی
تا جپوشی کے مو
کر کے مسلمانوں
مہاراشٹر
کو برقرار رکھ
حج کمیٹ
گرمجوشی ا
ہی حج کمیٹی
رہے ہیں
ہوئی ہے
شہ

شری رضوان حارث اور اراکینِ حج کمیٹی ک
سے صدر جمہوریہ کا خیر مقدم کیا اور چا
کشتی میں انھیں سپاسنامہ پیش کیا۔ اس
پر وزیر شہری ترقیات' صحت عامہ و او
ڈاکٹر رفیق زکریا بھی موجود تھے۔

جمیعتہ العلمائے کے سکریٹری مولانا ہاشمی
شکریہ ادا کیا۔ مصر کے ایک ممتاز قاری کی
سے جلسے کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد انجمن ا
گرلس ہائی اسکول کی طالبات نے خیر مقدم
سُنائی۔

پونہ میں مصروفیات

صدرِ جمہوریہ ۱۹ر ستمبر کو ۱۰ بجکر ۲۷ م
شہ کے ... دورہ پونہ پہنچے۔ ا
[illegible]

ہندوستان اولیاء اللہ، سادھو سنتوں اور رشی منیوں کا ملک ہے۔ یہاں سیکڑوں ایسے لوگوں نے روحانیت میں اپنی اقلیم عظیم قائم کی اور لوگوں کے قلوب پر حکمرانی کی۔ لیکن یہاں ایک ایسا شخص بھی ہو گزرا ہے جس نے سیاسی اور سماجی میدان میں وہ کارنامے انجام دئے کہ رشی منیوں کے درجہ تک پہنچ گیا اور لوگوں کے دلوں کو مثل روحانی پیشوا کے مسخر کرلیا۔

اِس شخص کا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا، جو ہندوستان کے ایک علاقہ گجرات کے ایک معمولی ہندو گھرانے میں پیدا ہوا تھا مگر بعد میں اس نے اپنی صدق دلی، سچائی اور اخلاص سے ہندوستانی قوم میں وہ نام پیدا کیا کہ مہاتما کہلایا اور اُسے راشٹر پتا یا بابائے قوم کا لقب دیا گیا۔ ظاہر ہے ایک معمولی آدمی اتنے بڑے درجہ تک بغیر محنت اور ریاضت کے تو نہیں پہنچ گیا ہوگا۔ مگر جو چیز گاندھی جی کی زندگی میں سب سے زیادہ قابلِ غور و قابلِ تقلید ہے، وہ خلوص ہے۔ جس مقصد کو انھوں نے اپنی زندگی کا حاصل بنالیا تھا اُس پر وہ زندگی بھر خلوصِ دل سے کاربند رہے۔

گاندھی جی بلاشبہ اپنے وقت کی اہم پیداوار تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت انگریز سامراج سے ٹکر لی اور بغیر خون خرابے تشدد اور طاقت کے استعمال کے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ یعنی ہندوستان کو دو سو سال کی غلامی سے آزادی دلائی۔ ایسے شخص کی بڑائی میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ مگر گاندھی جی کی بڑائی، انکساری، تحمل، عفو و درگزر اور تزکیۂ نفس سے عبارت تھی اور سیاسی و سماجی میدان میں آپ کو آج تک مادی دنیا میں ایسا ایک آدمی بھی نظر نہیں آتا۔

گاندھی جی کی زندگی ایک طویل جدوجہد، آزمائش اور قربانی کی کہانی ہے۔ جدوجہد انھیں برطانوی سامراج کے خلاف کرنی پڑی تھی۔ آزمائش میں وہ اپنے ہم وطنوں کے لئے ہندو مسلم اتحاد کا مشن شروع کرکے مبتلا ہوئے تھے اور بعد میں اسی کے لئے انھیں اپنی جان کی قربانی بھی دینی پڑی تھی۔ جدوجہد، آزمائش اور قربانی کے اس تثلیثی فریم میں ان کی شخصیت کے کئی ضمنی پہلو چھپے ہوئے ہیں جن میں سے ایک ادب کا ذوق بھی ہے۔

گاندھی جی نے ادب کا اچھا ذوق پایا تھا۔ وہ سوچ بچار اور خود خوض کے عادی تھے اور اس عادت نے انھیں بے حد باشعور بنادیا تھا۔ ہر پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی کی طرح گاندھی جی نے بھی علم سے مشعل کا کام لیا اور کتابوں سے اثر قبول کیا۔ زندگی میں انھیں بہت سی کتابوں اور شخصیتوں سے سابقہ پڑا جن میں سے بعض نے ان کی شخصیت سازی اور کردار بنانے میں نمایاں حصہ لیا اور ان کے اثرات تادیر ان کے ذہن میں مرتسم رہے اور بعض اوقات ان کی شخصیت میں رچ بس گئے۔

رشید الدین

اس سلسلہ میں ہمیں سب سے پہلا نام شیام لال بھٹ کا ملتا ہے جو ایک گجراتی شاعر ہے۔ گاندھی جی کی مادری زبان گجراتی ہی تھی اِس طرح سب سے پہلے وہ ادب کے ذوقِ لطیف سے گجراتی کے ذریعہ متعارف ہوئے۔ شیام لال بھٹ کی نظموں سے گاندھی جی اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں متاثر ہوئے۔ "بدی کا بدلہ نیکی سے چکاؤ" اور نفرت کا جواب محبت سے دو۔" یہ پیغام گاندھی جی کو سب سے پہلے بھٹ ہی کی شاعری سے ملا تھا جسے بعد میں انھوں نے ہمیشہ کے لئے اپنالیا۔ اپنے بچپن میں گاندھی جی رکشا بھٹ کی نظمیں گنگنایا کرتے تھے۔ بعد میں انھوں نے اپنے قیام انگلستان کے دوران جب "انجیل" کا مطالعہ کیا تو بھٹ کے خیالات انھیں ایک وسیع کینوس پر پھیلے ہوئے ملے۔

شعور کی پختگی کے بعد سب سے پہلے گاندھی جی جس کتاب سے متاثر ہوئے وہ عیسائیوں کی مذہبی کتاب "انجیل" ہی تھی جو اُن کے ایک انگریز

دوست نے انھیں پڑھنے کے لئے دی تھی۔ انجیل مقدس کا انگریزی ترجمہ پڑھنے کے بعد گاندھی جی بہت زیادہ متاثر ہوئے اور اس کی ایک جلد ہمیشہ کے لئے ان کی جیون ساتھی بن گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات نے ان کے بند ذہنی دریچوں کو کھول دیا: "اگر کوئی تمہارے ایک رخسار پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا بھی پیش کردو۔" اور "اگر کوئی تمہارا کوٹ اتارے تو تم اپنی قمیص بھی اس کے حوالے کردو۔" جیسے نکات نے بعد میں گاندھی جی کو دنیا میں اہنسا یا عدم تشدد کا سب سے بڑا علمبردار بنا دیا۔

قدیم ہندوستان کی ایک شخصیت اور اس کی تعلیمات ہمیشہ گاندھی جی کے پیش نظر رہی اور وہ شخصیت تھی گوتم بدھ کی۔ انگلستان میں انھوں نے جب گوتم بدھ پر سر میتھیو آرنالڈ کی نظم "لائٹ آف ایشیا" پڑھی تو اس کا بیحد اثر قبول کیا۔ گاندھی جی نے عدم تشدد کے جس فلسفہ کو جدید ہندوستان میں برتا، قدیم ہندوستان میں گوتم بدھ اس پر عامل رہ چکے ہیں۔ اسطرح ان کی شخصیت اور تعلیمات سے گاندھی جی کا متاثر ہونا فطری ہے۔

صحرائے عرب کی ایک شخصیت سے بھی گاندھی جی بہت متاثر تھے اور اس کی پیش کردہ تعلیمات کو وہ زندگی بھر بہ نظر استحسان دیکھتے رہے۔ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ وہ شخصیت کون تھی۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقناطیسی شخصیت سے کون ہے جو متاثر نہیں ہوا ہے۔ آپؐ کی انسان دوستی، انکساری، بھائی چارگی اور سادگی سے گاندھی جی بہت متاثر ہوئے۔ گاندھی جی سب سے پہلے آپؐ کی شخصیت سے کارلائل کی ایک انگریزی کتاب "مشاہیر پرستی" کے ذریعہ متعارف ہوئے۔ بعد ازاں انھوں نے "قرآن شریف" کا انگریزی ترجمہ پڑھا اور آنحضرتؐ کی زندگی کا واشنگٹن ارونگ کی انگریزی کتاب کے ذریعہ تفصیلی مطالعہ کیا۔ اسلام میں مساوات، بھائی چارگی، سادگی اور خدا ترسی کی جو تعلیم ہے گاندھی جی اس سے بہت زیادہ متاثر تھے اور ہمیشہ اس کی ستائش کرتے تھے۔

گاندھی جی روسی ادیب ٹالسٹائی سے بھی متاثر تھے۔ ٹالسٹائی کی کتاب "مملکت یزداں" سے گاندھی جی نے خاصہ اثر قبول کیا تھا اور اسی کے نتیجہ میں وہ خدائی خدمتگار بن گئے تھے۔ مغربی مصنفین

● حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات نے اُن کے بند ذہنی دریچوں کو کھول دیا!

● گاندھی جی نے عدم تشدّد کے جس فلسفہ کو جدید ہندوستان میں برتا، قدیم ہندوستان میں گوتم بدھ اس پر عامل رہ چکے ہیں!!

● پیغمبر اسلام کی انسان دوستی، انکساری بھائی چارگی اور سادگی سے گاندھی جی بہت متاثر ہوئے!!!

میں رسکن ان کا پسندیدہ ادیب تھا۔ اس کی کتاب "آخری حد تک" گاندھی جی کو اتنی پسند آئی کہ اس کا انھوں نے گجراتی میں "سرودیہ" (بہبودیٔ کل) کے نام سے ترجمہ کر ڈالا۔ اس کتاب نے گاندھی جی پر جو تاثر چھوڑا اس کے بارے میں وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات "Unto the Truth"[1] میں لکھتے ہیں کہ "اس کتاب کو شروع کرنے کے بعد ختم کئے بنا رکھنا میرے لئے ناممکن ہوگیا۔ اس نے پوری طرح مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں نے اپنی زندگی کو اس کتاب کی تعلیمات کے مطابق ڈھال لینے کا فیصلہ کرلیا یعنی بہبودیٔ کل یا سب کی بھلائی کے لئے خود کو وقف کرنے کا تہیہ کرلیا۔"

ابھی تک میں نے ایسی متعدد کتابوں اور مصنفین کا ذکر کیا ہے جن سے گاندھی جی اپنی زندگی میں متاثر ہوئے اور اپنا کیریر بنایا لیکن ان میں وہ کتاب شامل نہیں ہے جس سے گاندھی جی سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے اور جسے انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ سوتے جاگتے جس کی تعلیمات ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی تھی اور جس سے انھیں ایک قلبی سکون، دماغی چین اور روحانی سرشاری میسر آتی تھی۔ گاندھی جی ایک مذہبی آدمی تھے اور اُن کا مذہب ہندو مت تھا۔ اس لحاظ سے یہ کتاب یقیناً ان کی کوئی مذہبی کتاب ہونی چاہئے۔ جی ہاں! یہ ایک مذہبی کتاب ہی تھی —— "بھگوت گیتا"!

گو "گیتا" اُن کی مذہبی کتاب تھی لیکن انگلستان جانے تک اسے انھوں نے نہیں پڑھا تھا کیونکہ یہ سنسکرت میں تھی اور وہ سنسکرت بس شُد بُد ہی جانتے تھے۔ لیکن انگلستان میں اُن کے ایک انگریز دوست نے انھیں سر میتھیو آرنالڈ کا انگریزی میں ترجمہ شدہ "گیتا" کا ایک نسخہ پیش کیا اور وہ اپنی شہرہ آفاق مذہبی کتاب (جو بعد میں اُن کی سب کچھ بن جانے والی تھی) سے انگریزی کے ذریعہ روشناس ہوئے۔ بعد میں انھوں نے انگریزی ہی کے ذریعہ "گیتا" کے بارے میں اپنے اخبار "ینگ انڈیا" کے ۶ اگست ۱۹۲۵ء کے شمارہ میں لکھا کہ "جب بھی شکوک و شبہے میرا پیچھا کرتے ہیں۔ جب بھی نا امیدیوں کی پرچھائیاں میرے سامنے نمودار ہوتی ہیں اور جب بھی مجھے امید کی کوئی کرن نظر

(باقی صفحہ ۹ پر)

---

[1] بہت عرصہ ہوا ڈاکٹر عابد حسین نے "تلاش حق" کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جسے مکتبہ جامعہ دہلی نے شائع کیا تھا۔ افسوس کہ یہ اب نایاب ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر مکتبہ جامعہ اس کا جدید ایڈیشن شائع کرتا۔ گاندھی جی نے اپنی سوانح حیات گجراتی زبان میں قلمبند کی تھی جس کا انگریزی ترجمہ ان کے پرائیوٹ سکریٹری مہادیو دیسائی نے کیا تھا۔ (رشید)

انشائیہ

نُطق کو سو ناز ہیں ...

علاء الدین جینابڑے ایم۔اے۔ایل ایل بی

علم حیاتیات کے ماہرین نے حیوانات کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ یا کہا جا سکتا ہے کہ حیوانات کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ وہ آپس میں ٹکرا کر امنِ عالم میں خلل انداز نہ ہو سکیں۔ یہ کام مخصوص لوگوں کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے جو نوعِ حیوان کی دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

تقسیم و تجزیہ ویسے ہر علم کے ماہرین کا مشغلہ ہے۔ وہ اس مشغلہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ یہ ایسا محبوب ہے جو کبھی روٹھتا نہیں۔ ورنہ اکثر ماہرین کے وہ محبوب جو گوشت و پوست کے ہوتے ہیں خواہ وہ لحیم شحیم ہوں یا محض ہڈیوں کے ڈھانچے، اُن سے روٹھ جایا کرتے ہیں اور ماہرین کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ انھیں منا سکیں وہ غیر شعوری طور پر ایسے محبوب کا بدلہ اس طرح لیتے ہیں کہ گوشت و پوست کی چیر پھاڑ کرتے ہیں۔ اُدھیڑ بُن کرتے ہیں اور اُسے تقسیم و تجزیہ کے کام میں لاتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور دوسروں کو سمجھاتے ہیں کہ اس طرح وہ بنی نوعِ انسان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اُن کے لئے سمجھنے سے زیادہ سمجھانا ضروری ہے ورنہ لوگ اُن پر انگلیاں اٹھاتے ہیں اور انگلیوں کا اشارہ پاکر اگر وہ اپنے ہونٹوں پر انگلی نہیں رکھتے تو اُن ہونٹوں کو زہر کا پیالہ دیا جاتا ہے جیسے سُقراط کو دیا گیا تھا۔ وہ عوام کو اپنے خیالات سمجھانے میں ناکام رہا تھا۔ سمجھایا جانا عوام کا پیدائشی حق ہے، اور اُن سے یہ حق کوئی چھین نہیں سکتا۔ جیسے بھی ہو انھیں سمجھا بجھا کر رکھنا چاہیئے۔ عقلمند آدمی عوام کو سمجھا بجھا کر اپنا اُلّو سیدھا کر لیتا ہے۔ ہر مہذب سوسائٹی میں اسی لئے تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ لوگ سمجھدار ہوں گے تو نہ انگلیاں اُٹھائیں گے اور نہ ماہرین کو زہر کے پیالے پلائیں گے۔

ہاں! تو حیوانات کی دو قسمیں ہوتی ہیں (۱) حیوانِ مطلق اور (۲) حیوانِ ناطق۔ حیوانِ مطلق محض حیوان ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ بیچارہ! اسی لئے تو حیوانات کی دوسری قسم اُن کا شکار کرتی ہے، اُنھیں مغلوب کرتی ہے اور اُن پر سوار ہوتی ہے۔ حیوانِ مطلق اکثر جنگل میں رہتا ہے، اس لئے محفوظ رہتا ہے۔ وہ شہری زندگی سے اور انسانوں سے ڈرتا ہے۔ اور اللہ کی پناہ مانگتا ہے۔ قدرت اس پر مہربان ہوتی ہے اور اُسے پناہ مل جاتی ہے۔ ہاں! اگر کسی کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رُخ کرتا ہے۔ اور جو ایک بار انسان کے نرغے میں آتا ہے وہ جنگل کے قابل نہیں رہتا۔ انسان اُسے "ناحیوان" سا بنا دیتا ہے۔ اُس کی حیوانیت ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور اُس کی انفرادیت مٹی میں مل جاتی ہے۔ انسان نہیں چاہتا کہ اپنی انفرادیت کے سامنے کسی اور کی انفرادیت کا چراغ جلے۔ اپنی اپنی انفرادیت کا سر بلند رکھنے کے لئے انسانوں میں بھی ہمیشہ مُسابقت رہتی ہے جس میں جیت اکثر شاعر یا ادیب کی ہوتی ہے اور وہ جیتنے کے بعد ہمیشہ نقّاد زندہ باد کا نعرہ لگاتا ہے!

ناطق کے معنی بولنے والا اور اُس کے ساتھ ہی صاحبِ عقل کے ہوتے ہیں، لیکن اکثر انسان اپنی بولنے کی صلاحیت اور عقل سے ایک ساتھ کام نہیں لیتے۔ ایسے لوگ کفایت شعار ہوتے ہیں۔ وہ جب عقل سے کام لیتے ہیں تو خاموش رہتے ہیں اور جب بولتے ہیں تو بس بولتے ہیں!!

حیوانِ ناطق کا سب سے بڑا ہتھیار جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اُس کا نُطق ہے، جو خصوصیت کے ساتھ دوسروں کا ناطقہ بند کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جب کبھی اُس نیک کام میں وہ ناکام رہتا ہے تو خود اُسی کا ناطقہ سر بگریباں ہو جاتا ہے۔ وہ پھر بھی خاموش نہیں رہتا، فی البدیہہ کہتا ہے، بدیہیات سے کام لیتا ہے اور اپنی انفرادیت کے جھنڈے گاڑ کر رہتا ہے۔ آپ جانتے ہیں مرزا غالب نے ایک چکنی ڈلی اُچکنے کے لئے اسی ترکیب پر عمل کیا تھا۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ انسانوں میں مرد زیادہ ناطق ہے یا عورت۔ عورتوں کو زیادہ باتونی بتایا جاتا ہے۔ ٹھیک بھی ہے۔ مرد اگر کسی پر کچھ الزام رکھنا چاہے تو عورت کے سوا اور کس پر رکھ سکتا ہے؟ الزام ہوا میں معلق رہ نہیں سکتا! مرد بھی مجبور ہے۔ غریب بے چارہ!

عورت بولتی ہے تو گھر کی چار دیواری کے اندر۔ اس سے آگے بڑھتی ہے تو پڑوسن سے جھگڑتی ہے یا عورتوں کی کسی مجلس میں ڈینگیں مارتی ہے۔ مرد کے لئے یہ میدان بہت وسیع ہے گلی کے نکڑ یا شہر کے چوراہے سے لیکر اقوامِ متحدہ کے اجلاس تک پھیلا ہوا ہے۔ عورت جب بولتی ہے تو مرد پناہ مانگتا ہے۔ مرد جب خاموش رہتا ہے تو دنیا پناہ مانگتی ہے! اچھا ہے مرد بولتا رہے اور اُس کی جارحیت الفاظ میں تحلیل ہوکر ختم ہوتی رہے۔ مبارک ہیں یہ تقریریں، یہ تحریریں، یہ اجلاس، جہاں الفاظ شعلے ہیں، اسلحہ نہیں! ایک دن وہ بھی آئے گا کہ انسان کی جارحیت اس طرح مدھم پڑ جائے گی اور مقررین کے ہونٹوں سے من و سلویٰ کی بارش ہوگی، ستارے جھوم اٹھیں گے اور انسان کی رطب اللسانی پر حیوانِ مطلق کی بے زبانی نثار ہوگی۔!!

اِنتظار

قلب پُر اشتیاق کی سوگند
ایک پل بھی نہیں قرار مجھے
تیرے جانے کے بعد ہی سے ہے
تیرے آنے کا انتظار مجھے

عصمت جاوید

بقیہ کتابیں جنھوں نے گاندھی جی کو متاثر کیا

نہیں آتی تو میں "گیتا" کی طرف رجوع ہوتا ہوں اور ایک گونہ سکون پاتا ہوں اور پھر مُسکرا دیتا ہوں۔"

شر کا مقابلہ ہر حال میں کرنا چاہئے اور کبھی اس کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالنا چاہئے۔ یہ پیغام گاندھی جی نے "بھگوت گیتا" ہی سے حاصل کیا تھا اور وہ تمام عمر اس پر عمل پیرا رہے۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں اپنی جان کی بھی پروا نہیں کی اور اسے "نذرِ خیر" کر دیا۔ اپنی خود نوشت سوانح حیات میں وہ "بھگوت گیتا" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "میری زندگی میں بے شمار سانحات آئے مگر ان کے جو ماورائی یا غیر ماورائی نقوش قائم نہ رہ سکے اس کی وجہ محض "گیتا" کی تعلیمات ہی ہیں۔" اس اقتباس سے بآسانی پتہ چلتا ہے کہ "بھگوت گیتا" کا اُن کی زندگی پر کتنا اثر تھا۔ تزکیۂ نفس کے لئے برت رکھنے کا طریقہ انھوں نے اس کے مطالعہ کے بعد ہی شروع کیا تھا۔ بقول مہادیو ڈیسائی "گاندھی جی کا ہر سانس گیتا کی تعلیمات پر عمل پیرائی کی شعوری کوشش تھا۔"

اگر میں یہاں ایک ڈرامہ کا تذکرہ نہ کروں تو یہ موضوع تشنہ ہی رہ جائے گا۔ یہ ایک ایسا ڈرامہ ہے جس نے گاندھی جی کی زندگی پر گہرے اثرات مُرتب کئے اور ان کی عملی زندگی میں نمایاں رول ادا کیا۔ یہ ڈرامہ "شراون پتر بھگتی" ہے جو ہندو دیومالا کے ایک قصہ پر مبنی ہے جس میں شراون نامی ایک لڑکا اپنے نابینا والدین کی بہت زیادہ خدمت کرتا ہے اور انھیں کندھے پر بٹھا کر یاترا کے لئے لے جاتا ہے۔ یہ ڈرامہ جو خدمت، خلوص اور قربانی کی بے مثال کہانی پیش کرتا ہے، گاندھی جی نے اپنے اوائلِ عمر میں گجراتی زبان میں پڑھا تھا اور یہ انھیں اپنے والد کی کتابوں میں دستیاب ہوا تھا۔ اُن ہی دِنوں اُن کے گاؤں میں ایک ڈرامہ کمپنی آئی تھی اور اس نے یہی ڈرامہ اسٹیج پر بھی پیش کیا تھا جس کا ایک ایک منظر گاندھی جی کے ذہن پر نقش ہوگیا تھا۔ اس کے بارے میں وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں: "میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ تمہاری تقلید کے لئے ایک مثال ہے۔" بعد میں انھوں نے ہندوستانی عوام کی اسی طرح خدمت کی جس طرح شراون نے اپنے ماں باپ کی کی تھی۔ اس طرح ایک لحاظ سے وہ شراون سے بھی بڑھ گئے کیونکہ اس نے تو صرف اپنے والدین کی خدمت کی تھی لیکن انھوں نے ساری قوم کی خدمت کی۔

یہ تھیں وہ کتابیں جنھوں نے گاندھی جی کو متاثر کیا۔ آخر میں یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اگر گاندھی جی کا سابقہ ان کتابوں سے نہ پڑتا تو وہ آج چاہے کچھ بھی ہوتے مگر گاندھی جی ہرگز نہ ہوتے۔ یہی وہ کتابیں ہیں جنھوں نے انھیں موہن داس کرم چند گاندھی سے بابائے قوم مہاتما گاندھی بنا دیا!

ایک ہی نسل

... ایک بار ایک بچے نے گاندھی جی سے پوچھا: "باپو' آپ کی زبان کون سی ہے؟" جواب میں باپو نے بچوں کو ہندوستانی اور انگریزی زبانوں کے عام الفاظ کے ماخذ بتلائے۔ اس سے ان کا مدعا یہ بتانا تھا کہ زبانیں ایک باپ کی اولاد ہیں۔

ایک لڑکا لفظوں کی یکسانیت سے بےحد متاثر ہوا اور کہہ اٹھا: "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم سب ایک ہی نسل سے ہیں۔" اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا اور باپو بولے: "تب ہم ایک ہی خاندان کے فرد ٹھہرے اور ہمارے درمیان دوستی ہونی چاہئے"

لاؤنی جو روحانیت اور ماورائیت کے خلاف صدائے احتجاج بن کر عالمِ وجود میں آئی تھی، اس میں دھڑکتی، تھرکتی، مچلتی ہوئی زندگی تھی، عیش و عشرت کے میلے تھے، اس میں ساغر کی کھنک تھی اور پائل کی جھنکار، لیکن مجرد روحانیت کی طرح زندگی کا یہ خالص مادی نظریہ بھی منفی تھا!

مراٹھی شاعری - پوواڑے اور لاونیاں

ڈاکٹر عصمت جاوید

اپنی مایۂ ناز تالیف "مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر" میں مولوی عبدالحق مراٹھی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "مرہٹی شعرا اکثر درویش اور صوفی منش تھے ... یہ لوگ دُنیا سے بے تعلق یا دنیوی واقعات سے بے خبر تھے۔ ان شعرا کی ساری شاعری اپنے اپنے دیوتاؤں کی صفت و ثنا یا پند و موعظت پر مشتمل تھی۔ مرہٹی شاعری میں عشق و محبت، شراب و کباب، گُل و بلبل نام کو نہیں۔ یہ مہاپُرش عورت کو راہِ نجات میں حائل اور اپنی بھگتی کا ہارج سمجھتے تھے۔ حالانکہ عشق و محبت سنسکرت اور ہندی شاعری کی جان ہے ... مرہٹی شاعری کا سب سے بڑا مقصود دیوتا یا خدا کی پرستش اور عبادت ہے۔"

اگر یہ گرانقدر رائے مراٹھی شاعری کے صرف ایک دور تک محدود ہوتی تو ہم یقیناً اسے جچی تُلی رائے کہتے مگر افسوس ہے کہ اس کا انطباق مراٹھی شاعری پر من حیث الکل نہیں کیا جا سکتا۔ مولوی عبدالحق کے پیشِ نظر مراٹھی شاعری کا وہ دور تھا جس میں بقولِ خود ویدانتی شعرا، بھگتی شعرا اور رامائن اور مہابھارت کے قصّوں کو بیان کرنے والے شاعر تھے اسی لئے ان کی رائے اپنے مشاہدے کے دائرے سے باہر نکل کر extrapolation کا شکار ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دور میں جو گیانیشور سے تُکارام تک پھیلا ہوا ہے، روحانیت کا غلبہ تھا۔ اس پر نہ تو سیاسی انقلابات کا اثر ہے اور نہ معاشرتی اور معاشی انتشار کی پرچھائیں۔ رام داس کی شاعری یقیناً ایک حد تک اس سے مستثنیٰ ہے لیکن اس کی نظموں میں بھی فنا فی الذات ہونے کی لَے اس قدر بلند ہے کہ اسے بھی صرف بھگتی شعرا ہی کی صف میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ مکتیشور سے لیکر مورو پنت تک جتنے شاعر گذرے ہیں، اگر ان کی نظموں کا جائزہ لیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا میدانِ شاعری صرف مہابھارت، رامائن اور بھگوت گیتا کے ترجموں تک محدود ہے اور ان میں عصری میلانات کا دور دور تک پتہ نہیں۔

لیکن اس جمودی دور کی کوکھ سے ایک نیا دور جنما۔ اس دور نے جس شاعری کی تخلیق کی، اس میں زندگی تھی، زندگی سے رس کا آخری قطرہ نچوڑ لینے کی اُمنگ تھی۔ زندگی کے چھوٹے موٹے واقعات سے بے پناہ پیار تھا۔ سچ پوچھا جائے تو یہ دور اپنے ماقبل دور کا شدید ردِّعمل تھا، جس نے سازگار ماحول پاکر ایسے ادب پارے پیش کئے جس پر آج بھی مراٹھی زبان و ادب کو ناز ہے۔

مراٹھی ادب میں اس دور کو "شاہری" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہمارے لفظ 'شاعری' کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ چونکہ یہ نئی شاعری اپنے موضوع، منہاج و مزاج اور اسلوب کے اعتبار سے ویدانتی اور بھگتی شاعری سے متضاد ہے اور چونکہ مُغلوں کی نفاست پسندی، خوش سلیقگی، زندگی سے بے پناہ محبت اور عیش و عشرت کی داستانیں مراٹھوں میں مقبول ہوں گی اس لئے اس نوع کی شاعری کو 'شاہری' کہا جانے لگا ہوگا۔ یا یہ ممکن ہے کہ اس طرز کی شاعری کو اجلاف میں مقبول ہوتا دیکھ کر اشراف نے اسے یہ حقارت آمیز نام دے دیا ہو۔ بہرحال یہ محض قیاس آرائی ہے۔ اس شاعری پر فارسی کا اثر ضرور ہے لیکن اس کی مثال فارسی یا اُردو میں نہیں ملتی۔ چونکہ مراٹھی ادب میں 'شاہری' ایک مخصوص اصطلاح ہے اور اس قسم کی شاعری کرنے والے کو کَوی کی بجائے "شاہر" کہتے ہیں، اس مضمون میں بھی یہی اصطلاحیں قائم رکھی گئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس طرزِ سخن کی ابتدا

عہدِ سیوا سے ہوئی لیکن صحیح معنوں میں اس نے پیشواؤں کے دور میں پَر پُرزے نکالے اور معراج کمال تک پہنچی۔ مراٹھی کے ایک مشہور نقّاد بلونت کولہاٹکر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "مراٹھی نظم کی صبح شاہری ادب سے شروع ہوتی ہے"۔ اس بیان میں اگر تھوڑی سی ترمیم کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مراٹھی نظم کی صبح صادق شاہری ادب سے طلوع ہوتی ہے اور دورِ ماقبل کی شاعری کو مراٹھی نظم کی صبح کاذب کہا جا سکتا ہے۔

شاہری میں مراٹھوں کے رسم و رواج، اُن کے مذہبی عقائد، رزمیہ و بزمیہ رجحانات، اُن کا دُکھ سُکھ، اُن کے دلوں کی دھڑکنیں، اُن کے عزائم، اُن کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات، ان کی ثقافت، اُن کی مادّی زندگی سے بے پناہ محبت، اُن کی حکومت کا عروج و زوال، اُن کے معائب و محاسن سبھی کچھ مل جاتا ہے۔ چونکہ شاہری میں ترکِ دنیا کی تعلیم کا شائبہ تک نہیں اس لئے اس میں مراٹھوں کی زندگی کا بھرپور عکس ملتا ہے۔ اس میں جہاں محبت کی رنگینی اور جانبازی کی مستی ہے وہیں زندگی کو سنوارنے اور نکھارنے کا جذبہ بھی ہے۔ 'شاہری' کی جڑیں عوام کے دلوں میں پیوست ہیں۔ اس کی خوبیاں اور خامیاں مراٹھوں کی خوبیاں اور خامیاں ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر مراٹھی کی ابتدائی دور کی متصوفانہ شاعری مہاراشٹر کی روحانی زندگی کو پیش کرتی ہے تو شاہری مہاراشٹر کی مادّی زندگی کی مظہر ہے۔

شاہری دو اصنافِ سخن پر مشتمل ہے۔ پوواڑے اور لاونیاں۔ یہ دونوں اصنافِ سخن "تماشوں" میں گانے کی چیزیں ہیں۔ 'تماشا' ایک عوامی ادارہ ہے جس کے افراد بھاٹ، بھانڈ، کسبیاں اور سازندے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جگہ جگہ "تماشا" منعقد کرکے اپنے عوامی فن کا مظاہرہ کرتے ہیں اور پوواڑے۔ بالخصوص لاونیاں گاکر عوام سے خراجِ تحسین وصول کرتے ہیں۔ اگر پوواڑوں میں عہدِ ماضی کے مہاراشٹر میں مراٹھا راج کی شاہی زندگی کا پرتو ملتا ہے تو لاونیاں اس عہد کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی کے جیتے جاگتے مرقعے پیش کرتی ہیں۔ اگر پوواڑوں میں رزم آرائیاں ہیں تو لاونیوں میں بزم آرائیاں۔ اس طرح دونوں اصنافِ سخن ایک ہی حقیقت کے دو پہلو پیش کرتی ہیں۔

پوواڑے رزمیہ گیت ہیں۔ یہ گیت ممدوح راجا کے جنگی کارناموں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اُن کا بنیادی مقصد ممدوح کی اور مراٹھا فوج کی فتوحات کا تذکرہ کرنا اور لوگوں میں جوش و خروش پیدا کرنا تھا۔ میدانِ جنگ کے یہ واقعات داستانِ پاستاں کے فراموش شدہ اوراق اور فرضی قصّوں سے ماخوذ نہیں ہوتے تھے بلکہ معاصرانہ لڑائیوں کے واقعات کو شاعرانہ مبالغہ آرائیوں کے ساتھ منظوم کیا جاتا تھا اور انھیں دَف اور 'تُنتُنی' ساز پر شاہر مخصوص لَے اور پُرجوش لہجے میں گایا کرتے تھے۔ اِن گیتوں میں شاہر کبھی کبھی محاکاتی شان پیدا کرنے کے لئے "آوازیے" (onomatopoeia) استعمال کرتا تھا مثلاً پربھاکر نے جنگِ کھرڈا پر جو پوواڑا لکھا ہے اس میں توپ کی آواز کے لئے 'دَنادَن'، گولوں کی آواز کے لئے 'چھناچھن' تیر کے لئے 'سَناسَن'، گھوڑوں کی جولانی کیلئے 'ٹھناٹھن'، اور بجتی ہوئی نوبت کے لئے 'جھناجھن' جیسے آوازیے استعمال کئے ہیں۔ پوواڑوں کے بارے میں د۔ک۔ راج واڑے لکھتے ہیں:

"پوواڑے صرف سماعی گیت نہیں بلکہ عینی نظمیں بھی ہیں۔ پوواڑا ایک قسم کا ناٹک ہے جس میں کئی کردار ہوتے ہیں۔ مرکزی کردار خود شاہر ہوتا ہے۔ شاہر اور اس کے ساتھی مل کر پوواڑوں میں جن جن افراد کا ذکر کیا گیا ہ[...] رہتے ہیں۔ شاہر بیچ بیچ میں [...] کے لئے نثر کا بھی سہارا لیتا ہے [...] میں یکایک چھلانگ لگا دیتا ہے۔"

[...] میں جنگ کا بیان، فوجوں کی نقل[...] آرائی، گولہ باری، تیر اندازی، شمش[...] مقابلہ وغیرہ قسم کے مضامین باند[...] لیکن کچھ پوواڑے ایسے بھی ہی[...] غالب ہے مثلاً لہری مکندا کے "[...] قتل پر" اور پربھاکر کے "سوائی [...] موت پر" لکھے ہوئے پوواڑوں [...] شکستگی اور دُکھ کے جذبات نمای[...] دوم کی خستہ حالی پر جو پوواڑے [...] بھی درد انگیز جذبات کی عکاسی [...] کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا [...] کی منظوم تاریخ کا درجہ رکھتے [...] نہیں کیونکہ ان پوواڑوں سے تا[...] واقعات کا اندازہ نہیں لگایا ج[...] آرائی، تخیّل کی بلند پروازی، جا[...] روایتیں اِن نظموں کے عناصر [...] مورخ نہیں ہوتا اور پھر جب ا[...] غیر جانبداری کے الزام سے بڑی [...] ہے تو شاعر بہرحال شاعر ہے۔ [...] پوواڑوں کی اہمیت تاریخی اع[...] تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ [...] پوواڑے دریافت ہوئے ہیں [...] کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ [...] عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن نف[...] بالکل عجیب نہیں کہ جس زمانے [...] عسکری قوت کی دھاک قائم تھ[...] معرکے سر ہوئے تھے اُس وق[...] چند پوواڑے لکھے گئے لیکن ج[...] ان کی فوجی طاقت رو بہ زوا[...]

کثیر تعداد میں لکھے اور گائے گئے۔ شیواجی سے
لے کر ساہو اوّل تک، جن میں شیواجی، سنبھاجی
راجہ رام اور ساہو کے گن گائے گئے ہیں۔ کل سات
پوواڑے لکھے گئے لیکن پیشواؤں کے دورِ حکومت
میں لکھے ہوئے پوواڑوں کی تعداد ڈیڑھ سو تک
پہنچتی ہے۔ اس زمانے میں سب سے زیادہ
پوواڑے سوائی مادھو راؤ اور باجی راؤ دوم کے
عہد میں لکھے گئے۔ اس عہد میں جنگ کھرڈا اور
جنگ پانی پت پر جو پوواڑے لکھے گئے ان میں 'ویر
رس' نمایاں ہے۔ قتلِ افضل خاں پر لکھا ہوا پوواڑا
اور تاناجی کا پوواڑا مراٹھی ادب میں کافی مقبول ہیں۔
خود مختاری سے لے کر جنگ پانی پت تک
مراٹھوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ یہاں یہ بات
قابلِ ذکر ہے کہ اس عہد میں شمشیر و سناں کو طاؤس
و رباب پر اولیت حاصل رہی اور ایک بھی لاؤنی
نہیں لکھی گئی۔ دوسرا دور جنگ پانی پت سے
انتزاعِ سلطنت تک ہے۔ یہ مراٹھوں کے
عیش و عشرت اور فارغ البالی کا زمانہ اور
طاؤس و رباب کی منزل تھی۔ اس عہد میں کسی
طاقتور غنیم سے مقابلہ نہیں تھا۔ راوی چین ہی
چین لکھتا تھا۔ اس دور میں لگ بھگ ڈیڑھ سو
پوواڑے اور کئی لاؤنیاں لکھی گئیں۔ در اصل یہ
نور و نکہت میں رچی ہوئی فضا صرف لاؤنی کے لئے
سازگار تھی جس کی ابتدا عہدِ پیشوا کے اوائل میں
ہوئی۔ اس عہد میں روپوں کی ریل پیل تھی۔ پھر
مغلوں کی فضا میں پرورش پانے والا ساہو جیسا
عیش پسند راجہ اور نانا صاحب جیسا رنگیلا پیشوا
تھا۔ شاعروں، بھاٹوں اور بھانڈوں کی دل
کھول کر سرپرستی کی گئی لیکن لاؤنی پہ بہار
صحیح معنوں میں پیشواؤں کے دورِ متاخر میں آئی
باجی راؤ دوم نے "مالمتی" وغیرہ بیچ کر پانچ کروڑ
روپیہ جمع کیا تھا۔ نانا فرد نویس نے نذرانوں کے
ذریعے تقریباً نو کروڑ روپیہ اکٹھا کر لیا تھا۔ باجی

لاؤنی دراصل شرنگار رس میں ڈوبا ہوا گیت ہے۔ غنائیت اس کی روح ہے!

راؤ دوم نے رام جوشی، اننت پھندی، ہوناجی بال
اور پربھاکر کی سرپرستی کی اور انھیں انعام و اکرام
سے مالا مال کر دیا۔ اس فضا میں 'تماشوں' کو
فروغ ہوا۔ اس میں کسبیوں اور پیشہ ور شاعروں
کے علاوہ درزی، گوالے اور صیقل گر بھی شاعر
کی حیثیت سے شریک ہونے لگے اور برہمن گوالے،
تیلی، نائی، درزی، تنبولی، سُنار، قصار، عطّار،
قصائی، شودر، نورباف، بنجارے، جین حتیٰ
کہ مارواڑی سبھی ان تماشوں میں دلچسپی لینے لگے۔
لاؤنی دراصل شرنگار رس میں ڈوبا ہوا گیت
ہے۔ غنائیت اس کی روح ہے۔ لیکن شرنگار
رس کے علاوہ بھی لاؤنی میں بہت کچھ ہے۔ اس
میں جہاں معاملہ بندی ہے وہیں گنیش، شنکر وغیرہ
دیوتاؤں کی حمد بھی ہے۔ تلجاپور اور پنڈھرپور
کی جاتراؤں کا رواں دواں بیان بھی ہے، پورانک
کتھائیں بھی ہیں۔ لکشمی، پاروتی یا رادھا کرشن
کے سوال جواب بھی ہیں۔ کرشن اور گوپیوں
کی رنگ رلیوں کا تذکرہ بھی ہے اور کرشن کی
بال لیلا بھی ہے۔ ان گیتوں میں عقیدت مندی،
سکون پسندی، دُکھ، مامتا، خوف، محبت،
خرامِ ناز دکھانے والی "گل چمن" ناری کے
ناز و انداز، شادی بیاہ کی رسوم، بیوی کا غسل،
وصال، لڑائی پر جانے والے شوہر کو روکنے کے

لسانی اعتبار سے لاؤنی کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی فارسی کے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں!

جتن، لڑائی سے بھاگ کر آئے ہوئے بزدل سپاہی
کی ڈینگیں، بانجھ عورتوں کا دُکھ، بچوں کی ولادت،
اُن کی بیماری، عاشق کا روٹھنا، کرشن کے لئے
گوپیوں کا نالۂ فراق، سوت کی باہمی جنگ، سادہ
لوح شوہر کی قربت میں بیوی کے دل کی ناقابلِ
برداشت بیقراری حتیٰ کہ قحط سالی کی شکایت،
سبھی کچھ ہے۔ یہ گیت دیہی نہیں ہوتے بلکہ
ان میں شہری زندگی، شہری زبان اور شہری
معاشرت کی رنگا رنگ تصویریں ملتی ہیں۔ یہ گیت
عوام کے تفننِ طبع کے لئے لکھے جاتے تھے اور
انھیں تماشوں میں گایا جاتا تھا۔

لسانی اعتبار سے لاؤنی کی ایک قابلِ ذکر
خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی فارسی الفاظ
کثرت سے ملتے ہیں۔ مولوی عبدالحق نے
"مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر" نامی کتاب میں
ان فارسی الفاظ سے متعلق فاضلانہ بحث کی
ہے جو مراٹھی میں راہ پا چکے ہیں لیکن انھوں نے
زیادہ تر وہی الفاظ پیش کئے ہیں جو یا تو بول
چال کی زبان یا سرکاری زبان، سرکاری خط و کتابت
یا قانونی اصطلاحوں کی شکل میں یا پھر خطابات
کی صورت میں مراٹھی میں مستعمل ہیں لیکن لاؤنیوں
میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جن کی نوعیت ادبی یا
شاعرانہ ہے۔ محض سرسری مطالعہ کے بعد راقم
نے اس قسم کے جو دخیل الفاظ لاؤنیوں میں
پائے ہیں اُن میں سے چند یہ ہیں: کلگی (کلغی)،
ترا (طرّہ)، گل پری، گل چمن، گل انار (فکِ
اضافت کے ساتھ)، ناجک (نازک)، عشق،
کشتی، پوشاکھ (پوشاک)، آجب (عجب)،
اروبرو (روبرو)، پانجب (پازیب)، گل داؤدی
(گلِ داؤدی)، گلدار، گمجا (غمزہ)، ابلکھ (ابلق)،
اَلم (علَم)، سمشیر (یائے مجہول کے ساتھ)، پاک،
نادہ ('د' مفتوح)، انار، گنیم (غنیم۔ یہ لفظ پوواڑوں
میں ملا)، باجی (بازی)، ماجوم (معجون)، ماہر

(اُ، مفتوح)، سُکھت (سخت)، مکھمل (مخمل)، پیجار (بیزار)، سپھیکا (سفیدی)، کمانا (کمان) وغیرہ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزل کی طرح لاؤنی کے بھی بعض بندھے ٹکے مضامین ہیں جن پر اکثر لاؤنی گویوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً مرد کا روٹھنا اور عورت کا اُسے منانا، چتر سواد (عاشق و معشوق کا مکالمہ)، سنجوگ شرنگار (بیانِ وصل)، دردِ فراق، اکرور (अक्रूर) کے، کرشن کو متھرا لے جانے کے بعد گوکل باسیوں کی بیقراری، لاولد عورت کا کرب اور اولاد کیلئے اُس کی دوڑ دھوپ، اِن موضوعات پر مختلف لاونی گویوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے علاوہ پوواڑوں اور لاونیوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ شاہر نظم کے آخر میں اپنا نام ضرور لاتا ہے، گویہ اس کا تخلص نہیں ہوتا۔

چونکہ لاؤنیاں تماشوں میں گائی جاتی تھیں، اس لئے رقص، موسیقی اور نقل بھی اس کے اجزائے ترکیبی میں داخل ہو گئے۔ سوانگ اور رقص لاؤنی میں اسلئے شامل کئے گئے کہ وہ فردوس گوش ہونے کے ساتھ ساتھ جنت نگاہ بھی بن جائے۔ یہ تبدیلی غالباً باجی راؤ دوم کے عہد میں ہوئی۔ لاؤنی میں طنبورہ، ڈھولک اور تُنتُنی جیسے ساز استعمال کئے جانے لگے۔ راگ کے ساتھ ساتھ تال کو بھی شامل کیا گیا اور صرف دھمال تال میں گائی جانے والی لاؤنیاں آگے چل کر 'آدی تال'، کیروا وغیرہ مختلف النوع تالوں میں لکھی اور گائی جانے لگیں۔

کچھ لاؤنیوں میں قحط سالی کا رونا اور افلاس سے پیدا ہونے والی اخلاقی پستیوں کا ذکر ضرور ہے لیکن شاہری ادب کی یہ نظمیں بقول دھونڈ "مفلسوں کے لئے نہیں تھیں بلکہ ان میں ایسے مالداروں کا ذکر ہے جو طرحدار ہیں، جو (دستار میں) موتی، کلغی، سرپیچ اور جیغہ لگاتے اور کانوں میں بالے پہنتے ہیں" اور "جن کے گلوں میں ایک سے ایک بڑھ کر، پاچو کے ہار ہوتے ہیں" یا پھر یہ لاؤنیاں ان لوگوں کے لئے تھیں جو "سنجاف دار چیناؤں، کنگنی دار پگڑیاں، کامدار جوتوں، کلی دار انگرکھوں، تہہ دار دھوتیوں، تاؤ دی ہوئی مونچھوں، خمدار بھوؤں، زنجیردار قشقوں اور چوڑی چکلی چھاتی پھلا کر ٹھاٹ سے گھومنے والے رنگیلے جوان تھے۔ اِن گیتوں میں سبز ساری اور سبز انگیا پہن کر، گلے میں سبز پاچو کا ہار ڈالے، سبز محل میں، سبز مسند پر بیٹھ کر اپنے عاشق کا انتظار کرنے والی محبوبہ کا ذکر ہے"۔ چونکہ باجی راؤ دوم کے عہد میں عورتوں کا بول بالا تھا، دربار کا سارا کاروبار عورتوں کے ہاتھ میں آگیا تھا بلکہ اردا بیگنی فوج بھی قائم ہوئی تھی اس لئے اگر لاؤنیوں میں رنگیلی، ہوس کار اور عیش پرست عورتوں کا ذکر بار بار آتا ہے تو تعجب کی بات نہیں۔ ہمارے ادب میں ریختی اس کی بہترین مثال ہے۔ جس طرح ریختی ایک دم توڑتی ہوئی زوال پذیر عہد کی کہانی سُناتی ہے بالکل اسی طرح لاؤنیاں پیشوائی عہد کی گھسی پٹی لیکن ملمع چڑھی زندگی کا عکس پیش کرتی ہیں جیسا راجا ویسی پرجا۔ عوام نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک ایسا وقت بھی آیا جب لاؤنی گویوں میں مسابقت شروع ہوئی۔ فی البدیہہ اشعار کہے جانے لگے، شاعرانہ نوک جھونک ہونے لگی۔ اگر ایک لاؤنی گو نے اپنی لاؤنیوں میں ۳۲ بالیوں کے نام گنائے تو دوسرے نے اس کے جواب میں ۳۳ بالیوں کی فہرست پیش کردی۔ اگر ایک نے سبز رنگ محل کی تصویر کھینچی تو دوسرے نے جواب میں زرد رنگ محل کا نقشہ کھینچ کر سماں باندھ دیا۔

رام جوشی (المتوفی ۱۸۰۳ء)، اننت پھندی (۱۷۴۴ء تا ۱۸۱۹ء)، ہوناجی بال (سوائی مادھوراؤ اور باجی راؤ دوم کے عہد کا شاعر)، پرشرام (۱۷۵۴ء تا ۱۸۴۴ء)، پربھاکر (۱۷۵۵ء تا ۱۸۴۳ء) اور پیشوائی عہد کا ایک مسلمان شاعر سگن بھاؤ (۱۷۷۸ء تا ۱۸۴۰ء) پیشوائی عہد کے مشہور پوواڑا نویس اور لاؤنی گو شاعر ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ شعرا جن کا تعلق تماشا جیسے عوامی ادارے سے تھا اور جنھیں پیشواؤں نے انعام و اکرام سے مالامال بھی کیا، آسمانِ شاعری کے چھ درخشندہ ستارے تھے۔

شاہری ادب کا مزاج جمہوری تھا۔ شاہر پڑھے لکھے عالم فاضل نہیں تھے۔ وہ عوام ہی میں سے تھے، عوام ہی میں پرورش پائی اور انہوں نے عوام ہی کے لئے تفننِ طبع کا سامان بہم پہنچایا۔ ان کے ذہنوں میں اخلاق کا بلند و پاکیزہ تصور نہیں تھا اور نہ انھوں نے اسرارِ حیات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اگر انہوں نے اپنے کلام میں محبت کا افلاطونی تصور پیش نہیں کیا ہے اور کہیں کہیں اُن کے کلام میں ابتذال آگیا ہے تو یہ ان کا نہیں بلکہ ان کے عہد کا تصور تھا۔ شری اودنت نے اپنی تالیف 'پینجن' میں بالکل صحیح کہا ہے کہ "پوواڑے اور لاؤنیاں کتابوں میں پڑھنے کی چیزیں نہیں۔ ان سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان تماشوں میں بہ نفسِ نفیس شرکت کی جائے جن میں یہ گیت لہک لہک کر گائے جاتے ہیں۔ انہوں نے کیا خوب کہا ہے کہ "ادھر شاہر دف پر تھاپ دے، ادھر تُن تُنی کی سامعہ نواز صدا فضاؤں میں لہرانے لگے اور ٹھیک ایسے وقت پر سارنگی جیسی آواز میں

"گھڑی گھڑی ارے من موہنا ہا سون گا
جنال دیکھتاں نکو رے بولو مشیں"

(گھڑی گھڑی ارے من موہن ہنستے ہوئے اس وقت جب شریف لوگ دیکھ رہے ہوں مجھ سے بات مت کر)

گاتی ہوئی مُطربہ داخل ہو اور اُس کی پازیب کی جھنکار اس کی سُریلی آواز سے ہم آہنگ ہو، اُسی وقت طائفے کے افراد واہ واہ کہہ کر بڑھاوا دے رہے ہوں اور تماشبینوں کی طرف سے مُطربہ پر دُوانیوں اور چونیوں کی بارش ہو رہی ہو تو ایسی فضا میں لاؤنی سننے کا اصل مزہ ہے۔"

عہد حاضر میں لاؤنی کے مضامین میں بنیادی انقلاب آیا ہے۔ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور ترقی پسند رجحانات نے لاؤنی کی قلب ماہیت کر دی ہے۔ اب اس سے اصلاح بلکہ انقلاب کا بھی کام لیا جانے لگا ہے۔ لاؤنی جو روحانیت اور ماورائیت کے خلاف صدائے احتجاج بن کر عالم وجود میں آئی تھی، اس میں دھڑکتی، تھرکتی، مچلتی ہوئی زندگی تھی، عیش و عشرت کے میلے تھے، اس میں ساغر کی کھنک تھی اور پازیب کی جھنکار لیکن مجسّد روحانیت کی طرح زندگی کا یہ خالص مادی نظریہ بھی منفی تھا۔ اس نے زوال آمادہ پیشوائی عہد کی دیانت دارانہ عکاسی کی، عورت کو عیش و عشرت کا کھلونا بنا کر پیش کیا اور اس عہد کی پست اخلاقی حالت کی دستاویز بن گئی لیکن چونکہ لاؤنی صرف عوام کی ملکیت ہے اسلئے اس کی مقبولیت کے پیش نظر اب اس سے سائنٹفک اور ترقی پسندانہ خیالات کی ترویج کا بھی کام لیا جانے لگا ہے۔ اس سلسلے میں امر شیخ کے سیاسی پوواڑے اور ویراُتم راؤ موہیتے کی جدید لاؤنیاں قابل ذکر ہیں۔ مثلاً ایک لاؤنی میں لاؤنی ہی کو مخاطب کرتے ہوئے موہیتے جی کہتے ہیں :

لاؤنی

اے میری چاندنی

تیری ڈھولک سے

انقلاب کے بول

نہایت انمول نکل رہے ہیں

اے مطربہ! تیرے گھنگھروؤں کی چھن چھن

قدموں کی جلت پھرت

بدن کے پیچ و خم

لوگوں کو مست و بیخود بناتے ہیں

تو نے شیریں موضوعات میں

زندگی کی محبت آنڈیل دی ہے :

شاہ حسین نہری

اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو

اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو
ہندوستاں کی آن بڑھاتے ہوئے چلو
سکھ شانتی کا گیان بڑھاتے ہوئے چلو
غربت کا ہر نشان مٹاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو

علم و عمل کی راہ دکھاتے چلے چلو
فکر و نظر کے گیت سناتے چلے چلو
ذروں کو آفتاب بناتے چلے چلو
سوئے ہوئے نصیب جگاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو

چشتیؒ کی زندگی ہے اخوت کی روشنی
وحدانیت کا ساز، محبت کی روشنی
کافی ہے دل میں ہے جو صداقت کی روشنی
تاریکیوں سے بچتے بچاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو

گاندھی کا یہ وطن ہے اجالوں کی سرزمیں
نہرو کا یہ چمن ہے بہاروں کی سرزمیں
ٹیپو کا بانکپن ہے جیالوں کی سرزمیں
ہمت کے ساتھ جان لڑاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو

گوکل کا بن ہے، پریم کے ماروں کا دیش ہے
سیتا صفت حسین غزالوں کا دیش ہے
یہ چاند بیبیوں کی وفاؤں کا دیش ہے
آنچل پریم پرا کو نبھاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو

کھیل آرزو

محمد طارق کھولاپوری

جب بھی رامو کی جیب گرم رہتی اُس کا سینہ گرم رہتا ــــــ اور جب اُس کا سینہ گرم رہتا تو اُس کی اُمنگوں کا پارہ بھی چڑھا رہتا وہ پھر... ٹھرّا نہیں پیتا، بلکہ اصلی شراب...

آج مہینے کی پہلی تاریخ تھی۔ اُس کی جیب گرم تھی اس لئے وہ بنسی دھر کے گھر ٹھرّا پینے نہیں گیا۔ بلکہ اُس کے قدم شہر کی اچھی شراب کی دوکان کی طرف اُٹھ گئے، جو کارپوریشن کے ممبر سیٹھ گوپی ناتھ صاحب نے ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا کھولی تھی۔

اُس نے دوکان کے پائیدان پر قدم رکھا، کانچ کی الماریوں سے جھانکتی ہوئی شراب کی خوشنما بوتلوں کو دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور فوراً... ایک بوتل خریدلی... اور تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑا۔ اُس نے گھر میں قدم رکھا۔ حسب معمول اُس کی بیوی نے اُسے نفرت آمیز نگاہوں سے گھورا ـ لیکن....

دوسرے ہی لمحہ اُس کی آنکھوں میں محبت کی کرنیں پھوٹ پڑیں۔

رامو نے بنیائن کی جیب سے شراب کی بوتل نکالی اور اُس کا جائزہ لینے لگا...

شانتی کے تیور بدلنے لگے۔ محبت کی کرنوں پر نفرت کے سیاہ بادل چھا گئے۔ "کیا لائے ہو؟"

اُس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"شراب" رامو نے سنجیدگی سے جواب دیا "آج تنخواہ ملی ہے اس لئے اصلی خریدی ہے"۔ اُس نے بوتل کا کارک کھول کر اُسے لبوں سے لگالیا اور ایک ہی سانس میں پوری بوتل خالی کردی۔

"شرم نہیں آتی بولتے وقت...!"

"شرم دم نکالتی ہے میری، روز مار کھاتی ہو پھر بھی تیوری چڑھا کر بات کرتی ہے حرام زادی"۔ رامو کا چہرہ کانوں تک سُرخ ہوگیا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

"ہاں ہاں، کروں گی تیوری چڑھا کر بات، تم اسی لائق ہو، چاہے تم مجھے کتنا ہی مارو"

"تو یہ بات ہے!" اُس نے ایک زنّاٹے دار تھپڑ شانتی کے گال پر رسید کی۔ وہ فرش پر گر پڑی۔ "میں تجھے آج جان سے مار ڈالوں گا"

"ایسا کیوں مارتے ہو جلا کر مار ڈالو مجھے ــ ایسی زندگی سے میرا مرنا بہتر ہے۔ جلا ڈالو مجھے، فضول مار کر اپنے ہاتھوں کو روز روز کیوں تکلیف دیتے ہو"

"جل کر مرنا چاہتی ہے ــ ٹھہر جلا کر ہی مار ڈالتا ہوں تجھے" وہ مٹی کے تیل کی بوتل کی طرف لپکا، جو دیوار پر ٹنگی ہوئی تھی۔ اور دوسرے ہی لمحہ... ...

وہ خاموش کھڑی تھی ـ اُس کی بھیگی پلکیں بند تھیں۔ لیکن وہ دیکھ رہی تھی دور اُس رامو کو جو خوبصورت لباس پہنے اُس کی بغل میں بیٹھا پنڈت جی کے اشلوک خاموش سر جھکائے سُن رہا تھا... اور وہ رامو کے جسم کی عجیب و غریب خوشبو سونگھ رہی تھی۔ رامو کے جسم کی اجنبی خوشبو گراموفون کی سوئی کی طرح اُس کے دل کو لگی اور اس کا دل مدہوش دھڑکنوں کا سریلا گیت گانے لگا۔

اس کے دل کی دھڑکنوں کی آواز پنڈت جی کی آواز پر اس طرح حاوی ہوگئی تھی جیسے پُرانے ساز پر نیا ساز!

آخری اشلوک پنڈت جی نے اس زور سے پڑھا کہ سُریلے گیت کی آواز مدھم ہوگئی۔ شانتی نے کنکھیوں سے رامو کو دیکھا۔

رامو اس طرح خاموش بیٹھا تھا جیسے پتھر کا بُت...

اُس کی ماں تھالی لے کر آگے بڑھی اور رامو کے ماتھے پر زعفران، چندن، جل اور چاول سیندور اور گلاب کا ٹیکا لگا دیا۔ پھر...

وہ آہستہ سے اُٹھا... وہ بھی اُس کے ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔ دونوں ایک بندھن میں بندھے

آگ کے گرد آہستہ آہستہ قدموں سے گھومنے لگے۔
کس قدر خوبصورت تھا وہ راموـ کتنا اچھا
تھا وہ ... راموؔ!

شانتی پیار بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔
اُس وقت کتنے پُرکیف خواب دیکھ ڈالے تھے
اُس نے آگ کے گرد گھومتے گھومتے ... ساری زندگی
کے خواب ... لیکن یہ آگ اُس کے خوابوں کو، اُسکی
زندگی کی اُمنگوں، آرزوؤں کو جلا کر راکھ بنانے
والی تھی۔ اور وہ اس کے گرد گھوم رہی تھی۔ آگ
کے مستقبل سے بے خبر۔ اُس کی خاصیت کو جانتے
ہوئے بھی عقیدت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی
اُس آگ کو ـ وہ ـ جو آج اُسے زندہ جلائے گی۔

اُس نے گھبرا کر پلکیں کھول دیں۔

راموؔ اُس کے بالوں میں مٹّی کا تیل اُنڈیل رہا
تھا۔ اُس کی آنکھوں سے سفّاکی جھانک رہی تھی۔

اُس نے پلکیں بند کرلیں ـ اور وہ راموؔ کو
دیکھنے لگی... جس نے کبھی اُس کی مانگ میں
سیندور بھرا تھا۔ اُس کی زُلفوں میں اپنے ہاتھ
سے کنگھی کی تھی۔ اور جس کی آنکھوں میں خمار تھا۔
عجیب خمار ـ وہ خمار اور یہ خمار! کتنا فرق تھا!!
زمین آسمان ایسا فرق ـ وہ سوچنے لگی وہ خمار
میری اپنی اور راموؔ کی زندگی کی مسرّتوں اور خوشیوں
کی تعبیر تھی، اور یہ خمار میری موت ـ اُس کی بھی
خوشیوں اور مسرّتوں کی موت!! وہ خمار زندگی کا
نور اور یہ خمار زندگی کی تاریکی ـ وہ خمار محبّت
اور پیار، یہ خمار نفرت ـ وہ خمار بہار تھی اور
یہ خمار خزاں کے سوا کچھ نہیں ... !!

اُس نے آنکھیں کھولیں۔ راموؔ اب اُس کے
لباس پر تیل چھڑک رہا تھا۔

اُس نے پھر آنکھیں بند کرلیں اور اُس راموؔ
کو دیکھنے لگی

جو شراب کی بوتل لے کر نہیں، شربت لے کر
گھر آتا تھا ـ شانتی کو باندی نہیں "شانو" کہہ کر
پکارتا تھا۔ پیار بھری آواز میں "شانو" !! اُسے
جانوروں کی طرح مارتا نہیں تھا ـ باہوں میں بھینچ
کر پیار کیا کرتا تھا۔

کتنا خیال رکھتا تھا اُس کا ـ جب کبھی اُسکے
کپڑے میلے ہوجاتے تو پیچھے لگ جاتا۔

"تم کپڑے بدلو ـ کب بدلوگی کپڑے ـ !
تم آج ہی کپڑے بدلو ـ بدل ہی ڈالو !! کتنے میلے
ہوگئے ہیں تمہارے کپڑے ـ بدل لو نا کپڑے !!!"

اُس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے گرم
آنسو اُس کے رُخساروں پر لڑھک گئے۔

"پٹاخ ـ !" تیل کی بوتل پھوٹنے کی آواز
اُس کے کانوں میں گونجی ـ اُس نے آنکھیں کھولیں
راموؔ نشہ میں جھوم رہا تھا۔ اُس نے جیب سے
ماچس نکالی ـ

"ہاں جلا ڈالو مجھے ـ ایسی زندگی سے موت
بہتر ہے" شانتی کے ہونٹ کانپے۔

"جلاتا ہوں چڑیل! جلدی مت کر !!"
راموؔ نے ماچس اِسطرح سُلگائی جیسے سگریٹ
پیتے وقت سلگاتا تھا ... ! پھر چشم زدن میں شانتی
کو شعلوں نے اپنی آغوش میں لے لیا۔

راموؔ اُسے خاموش جلتا ہوا دیکھ رہا تھا اُس
اِنسان کی طرح جو اپنے دشمن کی چِتا کو دیکھتا ہے..
درد و کرب سے شانتی کے مُنہ سے ایک چیخ بلند
ہوئی ـ دلدوز چیخ!

پھر دوسری چیخ
تیسری چیخ
چوتھی چیخ !!!
باہر شور مچ گیا ـ
پڑوسی دوڑے آئے
دروازہ پیٹنے لگے ـ

راموؔ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں ـ وہ
رضائی سے شانتی کے جسم کو ڈھانپ کر آگ بجھانے
کی کوشش کرنے لگا۔

باہر لوگ دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخ رہے تھے
راموؔ ـ !
راموؔ ـ !!
راموؔ ـ !!!
کیا ہوگیا ؟!
دروازہ کھولنا !!
کیا ہوگیا !!!
راموؔ ـ !! ـ !!

اُس نے شانتی کے جسم سے آگ بجھا کر دروا
کھولا ـ "کیا ہوگیا ـ ؟" ....."

"راموؔ کیا ہوگیا ـ ؟؟ ... ..." ہر کوئی یہ
سوال راموؔ سے کر رہا تھا اور وہ خاموش
سر جھکائے کھڑا تھا ـ لوگوں کی نظریں فرش پر پڑ
ـ اور شانتی کے جسم پر ساکت ہوگئیں ـ

شانتی جسکے بال جل چکے تھے ـ شانتی جِ
کا جسم جل چکا تھا ـ شانتی ایک مجبور ... ! جِ
جسم کی چمڑی سے چربی اور سُرخ جلا ہوا گوشت نظ
آرہا تھا ...

"کیسے جلی ـ ؟"
"... ... ..."
"کیسے جلی راموؔ!" اب ہر کوئی یہ سوال راموؔ سے
پوچھ رہا تھا۔
"... ... ..." اور اُس کے لب ساکت تھے۔
"اس نے ہی جلایا ہوگا !" ایک آدمی بیچ میں
بول پڑا۔
"جبھی تو خاموش ہے !" دوسرے نے پہلے
کی تصدیق کی۔
"ارے اس کے مُنہ سے تو شراب کی بو آرہی
ہے، ضرور کسی بات پر جھگڑا ہوا ہوگا !"
"ہاں ـ ہاں" اور نشہ میں اس نے جلا دیا
ہوگا بیچاری کو !"
"چلو پولس میں رپورٹ دے دیں !"
"نہیں بھئی ـ اس کو اسپتال میں ایڈمٹ کردیں

چلے" ایک معمر شخص نے رائے دی۔
"ہاں — ہاں" تمام لوگوں نے اُسکی رائے سے اتفاق کیا۔
شانتی کو اسپتال لے جایا گیا۔ رامو بھی اُس کے ساتھ گیا۔ اسپتال میں فوراً اُسے داخل کر لیا گیا۔
ایک شخص نے چپکے سے پولس کو رپورٹ کر دی پولس والے اسپتال آئے — اور شانتی کا بیان لینے لگے۔
آدھا گھنٹہ کس قدر بے چینی کا تھا اُس کیلئے — وہ اسپتال کے دالان میں ٹہل رہا تھا اور اندر شانتی سے پولس بیان قلمبند کر رہی تھی۔
رامو کے دماغ میں ہیجان برپا تھا۔
"شانتی مجھے جیل بھجوا دے گی۔؟؟"
نہیں۔ نہیں !!'
نہیں بھجوا دے گی —'
میں نے اُسے گالیاں دی ہیں ...
میں نے اُسے مارا ہے .....
میں نے اُسے جلایا ہے ... پھر کیوں وہ مجھے بچائے گی۔ وہ مجھے ضرور جیل بھجوا دے گی — مجھ سے نفرت کرتی ہے وہ — اب تو سب سچ سچ بتا دے گی ... وہ ... پھر...
قید ———
جیل ———
جیلر کی مار ... !!! وہ کانپ گیا !!
پولس کے آدمی کمرے کے باہر نکلے ———
رامو انہیں دیکھتے ہی اُن کی طرف بڑھا ———
"کیسی ہے شانتی ؟!"
"بے ہوش ہو گئی ہے !"
"کیوں — بیان نہیں دیا اُس نے ؟"
"دے دیا ہے — بیان دینے کے بعد بیہوش ہو گئی —"
"جاؤ تیمارداری کرو اُس کی جاکر — وہ دیوی ہے — اُسکی پوجا کرو جاکر" ایک پولس والے نے حقارت آمیز نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا — رامو اندر گیا ... ...اُسکے سرہانے بیٹھ گیا اور اُسے دیکھنے لگا۔
شانتی کا سارا جسم پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا — پیر سے سر تک — صرف دونوں ہاتھوں، دونوں آنکھوں، ہونٹ اور ناک کے سرے پر پٹیاں نہیں تھیں۔
رامو کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہو گئیں۔
شانتی —! شانتی— !! شانتی—!!! اُس نے شانتی کے کان کے قریب مُنہ لے جاکر کہا۔
شانتی کے لب آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ رامو نے اپنا دایاں کان اُس کے ہونٹوں کے نزدیک کیا شانتی کہہ رہی تھی —" پولس ... کو ... تم ... بھی ... کہہ ... دے ... نا ... کہ ... مے ... ری ... شان ... تی ... اِس .. ٹو و ... سے جلی ... "
رامو کی پلکوں سے دو آنسو ٹوٹ کر شانتی کے ماتھے کی بے داغ پٹی میں جذب ہو گئے۔
شانتی کے ہونٹ ساکت ہو گئے۔
شانتی !
شانتی !!
شانتی !!!
لیکن وہ اب بیہوش ہو چکی تھی۔
وہ رات بھر بے ہوش رہی۔ علی الصبح رامو شانتی کو دیکھنے اسپتال گیا۔ سورج کی پہلی کرن نکلتے ہی اُسے ہوش آیا تھا... لیکن اُس کی حالت بیحد کمزور تھی۔ مخدوش تھی — اب مری کہ تب مری۔
رامو وارڈ میں داخل ہوا اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے شانتی کے پلنگ کی طرف بڑھنے لگا۔
شانتی اُسے دیکھ رہی تھی — ٹکٹکی باندھے۔
رامو اُس کے سرہانے بیٹھ گیا — دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھنے لگے۔ خاموش ... شانتی کی پتلیوں سے محبت کی اسقدر تیز کرنیں پھوٹیں کہ رامو کی آنکھیں چُندھیا گئیں — اُس نے اپنی نظریں جُھکا لیں ...
شانتی کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
رامو اُسے وہ رامو نظر آنے لگا جو خوبصورت لباس پہنے — اُس کی بغل میں بیٹھا — پنڈت جی کے اشلوک خاموش سر جھکائے سُن رہا تھا۔
.... وہ دیر تک اُس رامو کو دیکھتی رہی جسے دیکھنے کے لئے اُس کی آنکھیں بہت عرصے سے ترس رہی تھیں ... لیکن اُس کی پلکیں جو اب بیحد تھک چکی تھیں — آپ ہی آپ آہستہ آہستہ بند ہو گئیں ... !!

●●

اسمبلی کی کارروائیاں

ہفتہ مختتمہ ۲۳ راگست کے دوران شری ایم - ڈی - چودھری، وزیر مالیات نے ۶۳ء۱۱ کروڑ روپے کے ضمنی مطالبات برائے سال ۷۵-۱۹۷۴ء ایوان کے سامنے پیش کئے۔

اس ہفتہ کے دوران ایوان نے تین اہم موضوعات یعنی بمبئی میں اسمگلنگ، ریاست میں امداد باہمی تحریک اور زراعتی یونیورسٹیوں کی کارگذاری پر بحث کی۔

اوّل موضوع پر سردشری ایف - ایم - پنٹو، جگیش دیسائی، اور جی - ایم - بنات والا وغیرہ نے ایک قرارداد پیش کی جس میں قلابہ علاقہ میں پچھلے ہفتہ چلائی گئی مہم اور بعد ازیں بمبئی میں مسافرخانہ پر اسمگل کیا ہوا مال فروخت کرنے والوں، شیوسینا اور پولس کے درمیان تصادم پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ اس بارے میں حکومت کی پالیسی کیا ہے۔

اس سے قبل اسپیکر، شری ایس کے - وانکھیڈے نے اس موضوع پر شری بنات والا کی جانب سے پیش کی گئی تحریک التواء کی اجازت نہ دی تھی۔

۴ لاکھ روپے کا مال ضبط

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایس - جی - پوار، وزیر ریاست برائے امور داخلہ نے مسافرخانہ اور قلابہ پر ہونے والے حادثات کی تفصیلات پیش کیں - آپ نے فرمایا کہ پولیس کی مدد سے کسٹم حکام نے دونوں جگہ پر چھاپہ مارنے کا انتظام کیا تھا جہاں اسمگلنگ ہوتی تھی۔ ان دونوں مقامات پر شیوسینا نے ان چھاپوں کے دوران مداخلت نہیں کی تھی - مسافرخانہ پر تو اسمگل شدہ مال فروخت کرنے والوں نے پولس پر بھی حملہ کیا تھا - آپ نے مزید فرمایا کہ اس جگہ اسٹالوں سے ۴ لاکھ روپے کا مال حکام نے پکڑا۔

شیوسینا کی مہم کے بارے میں حکومت کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے شری پوار نے فرمایا کہ یہ مہم ہمارے قومی لیڈران خصوصاً وزیراعظم کی اپیل سے متاثر ہو کر چلائی گئی تھی - لہٰذا کوئی وجہ نہ تھی کہ ریاستی حکومت اس کی مخالفت کرتی۔ آپ نے یقین دلایا کہ بہرصورت حکومت کو چوکس رہنا پڑے گا تاکہ کوئی بھی قانون اپنے ہاتھ میں نہ لے سکے۔

ایک مہلک بیماری

آپ نے آگے فرمایا کہ اسمگلنگ ایک مہلک بیماری ہے جو ملک کی معیشت کو تباہ کر رہی ہے۔ اس نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے اور صرف بمبئی ہی میں اس کی مالی حد ۴۰۰ ـــ ۵۰۰ کروڑ روپے تک پہنچ گئی ہے - اس میں ہزاروں لوگ ملوث ہیں اور اب یہ عام زندگی کے لئے ایک زبردست خطرہ بن گئی ہے - حکومت کو ایسے لوگوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی جن کی سرگرمیاں ہماری معیشت کے لئے خطرناک ہیں۔ لہٰذا تمام لوگوں سے میری درخواست ہے کہ وہ اس برائی کو ختم کرنے میں حکومت سے تعاون کریں۔

شری پوار نے اعلان کیا کہ سینٹرل ایکسائز اور انسداد بدعنوانی محکمہ جات پر مشتمل ایک علیحدہ دفتر قائم کیا گیا ہے تاکہ بمبئی میں اسمگلنگ کی روک تھام کی جائے - آپ نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اسمگلنگ کے واقعات سے دفتر مذکور کو آگاہ کریں۔

بحث میں حصّہ لیتے ہوئے شری بنات والا نے شیوسینا کی مہم پر سخت تنقید کی اور کہا کہ یہ لوگوں کے خلاف چلائی گئی ہے - آپ نے یہ الزام بھی لگایا کہ پولس نے مسافرخانہ پر معصوم اور بے ضرر دکان داروں کے معاملے میں جانبدارانہ رویّہ اختیار کیا ہے۔

شری جگیش دیسائی نے فرمایا کہ ہر شخص کو یہ عہد کرنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی اسمگل شدہ مال استعمال نہ کرے گا - شری رضوان حارث نے بھی اس خیال کی تائید کی۔

سردشری ایف - ایم - پنٹو، ڈاکٹر ڈبلیو ایس - ٹھکر، ایس - ایس - دیگھے، رام ناتھ پانڈے، ایس - سی - ایرانی، ڈی - جی - پالکر، ڈی - کے - ٹھیجے 'عرفانی'، پرمود نولکر، شریمتی کملا رمن اور شریمتی آلو چھبر نے بحث میں حصّہ لیا۔ اسپیکر نے شری نولکر کو یہ اجازت دی کہ

دہ بحث کے دوران شیوسینا پر کی گئی نکتہ چینی کا جواب دیں۔ اپنے جواب میں شری ڈونگر نے شری بنات والا کی تقریر پر حملہ کیا اور یہ الزام لگایا کہ مسافر خانہ پر نہ صرف اسمگلنگ بلکہ دیگر قوم دشمن سرگرمیاں بھی جاری ہیں۔ آپ نے یہ وضاحت بھی کی کہ شیوسینا نے مہم کے دوران قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کی۔ یہ مہم شیوسینا تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ کوئی بھی شہری اس میں اپنا تعاون دے سکتا ہے۔

امداد باہمی تحریک

ریاست میں امداد باہمی تحریک پر غور کرنے کی غرض سے سروشری ایس۔ ڈی۔ منڈلک، اے۔ این۔ تھوپٹے، اے۔ ٹی۔ پاٹل اور دیگر اراکین کی جانب سے پیش کی گئی قرارداد پر بحث کے دوران سب ہی اراکین نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس تحریک سے لوگوں کی توقعات پوری نہیں ہوئیں۔ انھوں نے اس شعبہ میں بڑھتی ہوئی بدعنوانی پر بھی تشویش کا اظہار کیا۔ ممبران نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اس تحریک کو عوامی تحریک دیا جائے اور یہ صرف ملازمین سرکاری تحریک بن کر رہ جائے۔ نیز اس تحریک کے بارے میں ریزرو بنک کا رویہ بھی تبدیل ہونا چاہئے۔

بعض ممبران نے یہ الزام بھی لگایا کہ اس تحریک سے دیہی علاقوں میں جہاں زراعت کو نقصان پہنچا ہے کسانوں کو مالی سہولتیں بہم پہنچانے کا مقصد بھی پورا نہیں ہوا ہے۔

شری این۔ ایس۔ مالی نے فرمایا کہ اس تحریک نے اپنے اصول، سادگی و کفایت کو بھی توڑا۔ آپ نے کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے انتخابات پر اندھادھند مصارف پر تشویش کا اظہار کیا۔

سروشری آر۔ اے۔ پاٹل، ایس۔ ڈی۔ منڈلک، بی۔ ایس۔ پاٹل، تاصیدو ہنکر، جے۔ کے۔ ابیر، ڈولامی پاٹل، اور دیگر اراکین نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری وائی۔ جے۔ موہتے، وزیر امداد باہمی نے فرمایا کہ خاص طور سے کوآپریٹیو بنک، مارکٹنگ سوسائٹیوں، کریڈٹ سوسائٹیوں اور صارفین کی سوسائٹیوں کے لحاظ سے یہ تحریک یقیناً پھیلی ہے۔ اس عددی توسیع کے باعث ہو سکتا ہے کہ خوبی کے لحاظ سے کچھ خامیاں رہ گئی ہوں۔ لیکن ان خامیوں کے رہ جانے پر یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ اس کا مقصد ہی فوت ہو گیا ہے۔ بہرصورت آپ نے یہ تسلیم کیا کہ اس تحریک نے حسب توقع ترقی نہیں کی۔

پیداوار بڑھانے کے لئے فراہمی سرمایہ سہولتوں پر اپوزیشن کی نکتہ چینی کا ذکر کرتے ہوئے شری موہتے نے فرمایا کہ دو تین سال میں اس مقصد کے لئے فراہم کیا گیا سرمایہ اس سرمایہ سے دوگنا تھا جو عموماً اس کے لئے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح سے اراضی سُدھار بنکوں کی جانب سے دیا جانے والا سرمایہ بھی کافی تھا۔

قرض کی وصولی کے بارے میں شری موہتے نے فرمایا کہ گذشتہ دو تین سال کے دوران حالات قلت کے باعث کسانوں پر زیادہ رقم باقی رہی۔ بہرصورت اراضی سُدھار بنکوں اور مرکزی بنکوں نے بالترتیب ۷۵ اور ۶۵ فیصدی قرض کی رقم وصول کی۔

وزیر موصوف نے پُرزور طریقہ سے اس الزام کی تردید کی کہ چھوٹے مالکان اراضی کے لئے فراہمی سرمایہ کی سہولتیں ناکافی ہیں۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ تحریک کے تحت یہ کوشش کی گئی کہ عام آدمی کو اس کے حلقۂ اثر میں لایا جائے۔ نیز ۹۰ فیصدی کی حد تک قرض بہم پہنچانے کا مقصد بھی پورا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ زیادہ تر خاطی بڑے کسان یا باغات دار ہیں۔ آپ نے عددی تفصیلات پیش کرکے یہ ثابت کیا کہ وصولی

قرض کی پالیسی سختی کے ساتھ زیر
نیز بتایا کہ حکومت کی پالیسی یہ ہے
کسانوں کے خلاف سخت کارروائی
سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں
امداد باہمی حلقہ میں بدعنوانی
تنقید کا ذکر کرتے ہوئے وزیر مو
کہ ایسے ۶۰۰۰ واقعات جن میں
افراد ملوث ہیں حکومت کے علم
اور اس بارے میں قانونی کار

مارکٹنگ سوسائٹ

مارکٹنگ سوسائٹیوں کے قابل
تفصیلات پیش کرتے ہوئے شری
کہ سوسائٹیوں نے ریاست میں اناج
۱۵۰۰ دکانیں کھولیں۔ پروسیسنگ
کام بھی اچھا رہا۔

آپ نے آگے فرمایا کہ اس
کروڑوں روپے کی رقم مہیا کی جا
اناج وصولی، اجارہ داری کپاس وصو
پیداوار کی اسکیمیں شروع کی جا سک
نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا
سوسائٹیاں پروان نہ چڑھ سکیں
سے عام آدمی کو راحت نہ ملی کیونکہ
روکنے اور دستیاب اشیا کی تقس
میں اپنی ذمہ داری پوری کرنے
تاہم مجھے امید ہے کہ اگر صارفین
کا جال ریاست کے طول و عرض
تو یہ مسائل کسی نہ کسی حد تک حل

بحث کے وقت ممبران نے مہا
یونیورسٹی اور پنجاب راؤ زراعتی یو
پر نکتہ چینی کی۔ انہوں نے یہ دعویٰ
یونیورسٹیاں ریسرچ سے مزاحمی
سے قاصر رہی ہیں۔

شری ایس۔ ڈی۔ منڈلک نے فرمایا کہ ایک خاص کمیٹی قائم کی جائے جو یونیورسٹیوں کے زیر اہتمام کئے گئے ریسرچ کے کام کا جائزہ لے۔

سروشری وی۔ کے۔ تیمبے اور بی۔ ایس۔ پاٹل نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ان دو یونیورسٹیوں کی کارگذاری قابل اطمینان ہے۔

بحث میں حصہ لینے والوں میں سروشری ڈلاجی پاٹل، اے۔ این۔ دھوپٹے کے۔ ٹی۔ پاٹل، دی۔ جی۔ پربھوگاؤنکر، این۔ ایس۔ دیشمکھ، دسنت کارلیکر اور ای۔ پی۔ سالوے شامل ہیں۔

میدان عمل

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایس بی چوان وزیر زراعت نے فرمایا کہ زراعتی یونیورسٹیوں کے کام کا جائزہ لیتے وقت ممبران کے ذہن میں کچھ بہ بات پیدا ہو گئے ہیں۔ زراعتی یونیورسٹیوں کا میدان زراعت، تعلیم اور توسیع تعلیم تک محدود ہے۔ توسیعی خدمت سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہے کیونکہ یہ ریاستی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

یونیورسٹیوں کے ریسرچ کام پر تنقید کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ بھاری خرچ کے باوجود کاشتکار ریسرچ کے کام سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکے کیونکہ بنیادی ریسرچ کے معاملے میں وقت کی کوئی حد معین نہیں کی جا سکتی۔ اگر یونیورسٹیاں ریسرچ کے میدان میں نئی راہ بھی نکال لیں تو بھی اس کی ملک گیر مقبولیت کے لئے پانچ چھ سال لگ جائیں گے۔

غیر سرکاری قرارداد

شری وی۔ جی۔ پربھوگاؤنکر نے ایک غیر سرکاری قرارداد پیش کی جس میں حکومت سے گذارش کی گئی ہے کہ مہاراشٹر کے غیر ترقی یافتہ خطوں میں پبلک سیکٹر میں صنعتیں قائم کی جائیں۔ صنعتوں کے بغیر ان خطوں میں روزگار کا مسئلہ سب ہی کے لئے باعث تشویش بنا رہے گا۔

شری پی۔ بی۔ پاٹل نے فرمایا کہ اب بھی وقت ہے کہ ہم "شہری صنعتیانے" کو روکیں، اس معاملہ میں چین کی مثال اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری کے۔ پی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت نے فرمایا کہ سرمایہ کی کمی کے باعث حکومت پبلک سیکٹر میں نئی صنعتیں قائم کرنے سے قاصر رہی۔ آپ نے تفصیل سے ان کوششوں پر روشنی ڈالی جو "مڈک"، "سِڈکو" اور دیگر ایجنسیوں کی جانب سے پس ماندہ علاقوں میں صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے کی جا رہی ہیں۔

قبل ازیں سروشری ایس۔ ڈی۔ منڈلک، ڈی۔ این۔ مشکر، وسنت کارلیکر، نامدیو دہٹکر، جگدیش دلیسائی، شیواجی پاٹل اور آر۔ اے سکھیرے نے قرارداد کی تائید کی تھی۔

۱۶۰۰ بے روزگار برسرکار

اس غیر سرکاری قرارداد پر بحث کا جو شری ایف۔ ایم۔ پنٹو نے ریاست میں بے روزگاری کے اہم مسئلہ پر حکومت کی توجہ مبذول کرانے کی غرض سے پیش کی تھی، جواب دیتے ہوئے شری کے۔ پی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے صنعت نے ایوان کو بتایا کہ ۱۶۰۰ بے روزگار افراد قومیائے بینکوں کی امداد سے خود برسرکار ہو گئے ہیں۔

سروشری نقل پاٹل، ایس۔ ڈی۔ منڈلک، شیودرے اور رام منوہر تریپاٹھی نے قرارداد کی تائید کی تھی۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ گذشتہ سال مرکزی حکومت کی خاتمہ بے روزگاری اسکیم کے تحت ۳۰۰۰ اشخاص کو روزی مہیا کی گئی۔ مرکز اس بات کے لئے رضامند ہو گیا ہے کہ ریاست میں قائم اپنے دفاتر نیز صنعتی اداروں میں ایسی اسامیاں مقامی افراد کو دے جہاں ماہانہ تنخواہ ۵۰۰ روپے سے کم ہو۔

شری پاٹل نے بتایا کہ ہر ضلع میں مقامی روزگار کمیٹیاں بنائی گئی ہیں تاکہ ایسے خاندانوں کے افراد کو ملازمت دلوائی جائے جن میں ایک بھی فرد کمانے والا نہیں ہے۔

○

ہفتہ مختتمہ ۲۰ر اگست کے دوران ایوان نے ضمنی مطالبات دوروزہ بحث کے بعد منظور کر دیئے۔ بحث خصوصاً جنگلات، داخلہ اور جنرل ایڈمنسٹریشن محکمہ جات کے مطالبات سے متعلق رہی۔

محکمۂ جنگلات کے مطالبات پر بحث کے دوران شری ایس۔ ڈی۔ منڈلک نے ضلع چندرپور کے مقام مانک گڑھ میں پیش آنے والے واقعات کی جانب وزیر مالیات کی توجہ مبذول کرائی۔

اپنے جواب میں شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے ایوان کو بتایا کہ مانک گڑھ میں کسانوں نے بڑے پیمانے پر جنگلاتی اراضی پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے، دھولیہ، ناسک، جلگاؤں اور دیگر اضلاع میں بھی کسانوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے ۲۸۰۰۰ ہیکٹر سے زیادہ جنگلاتی اراضی پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے۔ لہٰذا حکومت نے مانک گڑھ میں اس غاصبانہ قبضہ کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ پالیسی بالکل جائز ہے کیونکہ قومی ملکیت کا تحفظ اشد ضروری ہے۔

کسانوں کی بحالی

بہرصورت حکومت غاصبانہ قبضہ ختم کرنے کے بعد زمین سے محروم ہو جانے والے کسانوں میں ۱۰,۰۰۰ ہیکٹر اراضی تقسیم کرے گی اور انہیں پھر آباد کرے گی نیز روزگار ضمانت اسکیم کے تحت ان کے لئے روزگار مہیا کیا جائے گا۔

ترقیٔ جنگلات کے بارے میں مددی تفصیلات بتلاتے ہوئے شری چودھری نے فرمایا کہ جنگلات ترقیاتی بورڈ نے ابتک ۱۳۰۰۰ ہیکٹر اراضی پر جنگل لگایا ہے نیز حکومت نے بورڈ کو درخت لگانے کیلئے ۴۰۰۰ مربع کلومیٹر اراضی دی ہے۔ پندرہ پروجیکٹ شروع کئے جائیں گے جن کے تحت ۱۲,۰۰۰ ہیکٹر اراضی پر ہر سال گھنا جنگل لگایا جائے گا۔ جنگلات سے سالانہ آمدنی میں بھی اضافہ ہوگا اور تیس سال کے بعد یہ لگ بھگ ۳۵۶ء۵۴ کروڑ روپے ہوجائے گی۔

سروشری بی۔این۔ مدادی اور آر۔ بی۔ دالوی نے بھی جو ادیباسی علاقہ جات سے تعلق رکھتے ہیں حکومت کے اقدام کو جائز قرار دیا۔ انھوں نے بتایا کہ غصب کرنے والے تمام ہی کسان ادیباسی نہیں ہیں۔ اسکے برعکس ان میں اکثریت امیر کسانوں کی ہے جب تک ان کو اراضی سے نہ ہٹایا جائے حکومت ادیباسی کسانوں کی حفاظت نہ کرسکے گی۔

شری آر۔ اے۔ پاٹل نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

تمام ممبران نے محکمۂ جنگلات کے مطالبات کی حمایت کی۔

محکمۂ داخلہ کے مطالبات پر بحث کے دوران شری جی۔ این۔ بنات والا نے شکایت کی کہ بھیمڑی، مالیگاؤں اور جلگاؤں کے فسادات کی تحقیقات کیلئے مقررہ مدان کمیشن نے چار سال کے بعد بھی اپنی رپورٹ پیش نہیں کی ہے۔

شری ایس۔ ڈی۔ منڈلک نے جنگلاتی اراضی پر غاصبانہ قبضہ ختم کرنے کیلئے پولیس جمعیت میں اضافہ پر تشویش کا اظہار کیا۔

سروشری آر۔ اے۔ پاٹل، پرمود نولکر اور شریمتی نرملا ٹھوکل اور شریمتی ویمل رانگنیکر نے بھی اظہارِ خیال فرمایا۔

مدان کمیشن رپورٹ

شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر ریاست برائے امورِ داخلہ نے یہ تسلیم کیا کہ مدان کمیشن نے رپورٹ کے معاملے میں تاخیر کی۔ آپ نے فرمایا کہ تاہم چونکہ تحقیقات کا کام بہت وسیع تھا لہٰذا تاخیر ناگزیر تھی۔ اب تک کمیشن کی ۳۸۰ دن بیٹھک ہوئی۔ اس نے تقریباً ۶۳۰ اشخاص کے بیانات قلمبند کئے جو ۵۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ رپورٹ جو ابتک ۴۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے ۳۰ ستمبر تک پیش ہو جائے گی۔

ادیباسیوں کی حفاظت

ادیباسی علاقہ میں مزید ریاستی حفاظتی پولس (ایس۔ آر۔ پی) کی بابت شری پوار نے یہ وضاحت کی کہ پولس جمعیت اس لئے بڑھائی گئی ہے تاکہ ادیباسیوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ حکومت ادیباسیوں کی حفاظت اُس وقت تک کرے گی جبتک کہ ان کی جدوجہد منصفانہ رہے۔ بہرصورت بعض سیاسی پارٹیوں نے ضلع دھولیہ میں ادیباسیوں کو اُکسایا تھا تاکہ وہ ۱۵,۰۰۰ ہیکٹر اراضی ناجائز طور سے دبالیں۔ لہٰذا حکومت اس قسم کے غاصبانہ قبضہ کو ختم کرنے کے لئے سخت کارروائی کرے گی۔

جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ سے متعلق مطالبات پر بحث کے دوران شری جی۔ این۔ بنات والا نے ایک تحریکِ تخفیف پیش کی جس میں حکومت کے اس فیصلہ پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا کہ ایسے سرکاری ملازمین کو جنھوں نے سنہ ۱۹۷۰ء کی اسٹرائک میں حصہ نہیں لیا تھا، دو اضافے دئے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ حکومت کی مزدور دشمن پالیسی کا مظہر ہے۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری دی۔ پی۔ نائک، وزیر اعلیٰ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ سرکاری مشینری میں مزدور اور مالک کے نام سے کوئی طبقہ نہیں ہے چھوٹے سے گاؤں کے ایک معمولی سے کارکن سے لے کر وزیر اعلیٰ کے رتبہ تک سب ہی ملازمین انتظامیہ مشینری کا جُز ہیں۔ لہٰذا ملازمین کا انتظامیہ کو ٹھپ کرنے کا فیصلہ جمہوریت دشمنی کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ کابینہ نے اضافہ دینے کا فیصلہ ہڑتال سے قبل ہی کیا تھا۔ اسطرح حکومت نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ اسے مزدور دشمنی نہیں کہا جاسکتا۔

اس کے بعد ایوان نے تحریکِ تخفیف کثرتِ رائے سے رد کردی۔

ایوان نے مہاراشٹر متاڈی، حمال اور دیگر محنتی کارکن (باقاعدگی ملازمت اور بھلائی) (ترمیم اور توثیق) بل بابت سنہ ۱۹۷۴ء پاس کردیا جو شری ایس۔ بی۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے مالیات نے پیش کیا تھا۔ یہ ایکٹ سنہ ۱۹۶۹ء میں لاگو کیا گیا تھا بہرحال بعض صنعتوں کے مالکان نے ایکٹ کے خلاف عدالت سے اپیل کی تھی اور درخواستِ امتناعی داخل کی تھی۔ لہٰذا ایکٹ کے نفاذ میں تاخیر ہوئی۔ اصل ایکٹ میں ترمیم ضروری تھی۔ لہٰذا اس بل کے ذریعہ ایکٹ میں ترمیم کی گئی جن سے بڑی تعداد میں مزدوروں کی حفاظت ہوسکے گی۔

سروشری جی۔ این۔ بنات والا، ایچ۔ این۔ ترویدی اور اے۔ ٹی۔ پاٹل وغیرہ نے اس بل پر بحث میں حصہ لیا۔

اپنے جواب میں شری ایس۔ بی۔ پاٹل نے بتایا کہ فی الحال ۱۳ مندرجہ ملازمتوں کے مذکر بل کے ماتحت آتے ہیں۔ اس کے نفاذ عمل پر غور کرنے کے بعد اسے دوسری صنعتوں پر بھی لاگو کردیا جائیگا۔

ایوان نے بمبئی بلڈنگ مرمت اور تعمیر بورڈ (ترمیم) بل سنہ ۱۹۷۴ء بھی پاس کردیا جو شری ڈی۔ ٹی۔ روپاوتے وزیر ریاست برائے تعمیر مکانات، نے پیش کیا تھا۔ اس بل کے ذریعہ بمبئی میں بوسیدہ عمارتوں کی مرمت کی لاگت ۷۵ روپے سے بڑھاکر ۱۲۰ روپے فی مربع میٹر کردی گئی ہے۔

سروشری ایس۔ ایس۔ دیگھے، جی۔ این۔ بنات والا، جی۔ ایس۔ لوکے، عمر قاضی، ایچ۔ این۔

ویدی، ڈبلو-ایس-منکر، ایف-این-پنٹو، لے۔
- پاٹل اور شریمتی آلوچبر اور شریمتی کملا رمن نے
کا خیر مقدم کیا۔

تیسرا بل جو ایوان نے منظور کیا یہ ہے: مہاراشٹر
م کپاس (وصولی، پروسیسنگ اور فروخت) (دوسری
یم) بل بابت ۱۹۷۴ء۔ یہ بل شری وائی۔ جے۔
ہیتے، وزیر امداد باہمی نے پیش کیا تھا۔ اس بل
رو سے اجارہ داری کپاس وصولی اسکیم دوبارہ
ری کی گئی ہے جو گذشتہ سال موقوف کردی گئی
۔ آپ نے فرمایا کہ گذشتہ جنوری میں حکومت
لازمی وصولی کی شرط ختم کردی تھی۔ حکومت نے
ن ان کسانوں سے کپاس حاصل کی تھی جنھوں
بخوشی دی تھی۔ لیکن اب بہت سے لوگوں نے
ومت سے درخواست کی ہے کہ اسکیم دوبارہ جاری
جائے۔ آئندہ بل کی رو سے ریاست کے باہر کپاس
خت کرنے کی ممانعت ہوگی نیز کپاس برآمد کرنے
وشش جرم قرار دی جائے گی۔

شری موہیتے نے فرمایا کہ بل کا اصل مقصد یہ
کہ اس کاروبار میں 'بیچ کے آدمی' کے ایجنٹ
تم کردیا جائے' اور پورا بیوپار کپاس کے کاشتکاروں
ذریعہ انجام دیا جائے۔

ضمانتی قیمت

کسانوں کو ادا کی جانیوالی ضمانتی قیمت پر اپوزیشن
جانب سے کی گئی تنقید کا ذکر کرتے ہوئے شری موہیتے
فرمایا کہ یہ قیمتیں آخری نہیں ہیں کیونکہ ان کا تعلق
ی میں گرتی ہوئی قیمتوں سے ہے۔ گذشتہ سال ادا
قیمتوں کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اسکیم کے تحت
کاشتکار کو ادا کی جانیوالی ضمانتی قیمت ۲۵۰
ٹل ہے لیکن ادا کی گئی قیمت ۳۵۰ روپے تا
کوینٹل رہی۔ اس مرتبہ ادا کی جانے والی
یمتی کو چھوڑ کر) بین الاقوامی قیمتوں کے
بیوپاری اس اسکیم کے خلاف ہیں کیونکہ
وہ سالانہ ۷۰ تا ۸۰ کروڑ روپے کے منافع سے محروم
ہوجاتے ہیں۔

ایوان نے مندرج قبائل کو بازیابی اراضی بل بابت
۱۹۷۴ء، مہاراشٹر یونیورسٹیاں (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء،
شریمتی نتھی بائی دامودر ٹھاکرسی ویمنس یونیورسٹی (توثیقی
قاعدہ) بل ۱۹۷۴ء، مہاراشٹر خریداری ٹیکس برائے گنا
(ترمیم) بل ۱۹۷۴ء، بمبئی کورٹ فیس (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء اور
صنعتی تنازعہ جات (مہاراشٹر ترمیم) بل ۱۹۷۴ء بھی پاس کردیا۔

کونسل کی کارروائی

۲۳ر اگست کو ختم ہونے والے ہفتہ کے دوران
ایوان کی کارروائی سکون سے جاری رہی۔ پہلے دن
چیرمین، شری وی۔ ایس۔ پاگے نے کچھ وقت کے لئے
اجلاس ملتوی کردیا، جبکہ اپوزیشن کے آزاد ممبران نے
کھڑے ہوکر خاموشی کے ساتھ معطل شدہ ممبران کے
ساتھ اظہار ہمدردی کیا تھا۔

وقفہ سوالات شروع ہوتے ہی یہ ممبران اپنی
جگہ پر کھڑے ہوگئے۔ شری پاگے نے اُن سے کہا کہ
وہ اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں یا ایوان سے چلے جائیں کیونکہ
اُن کا رویّہ ضابطہ کے خلاف ہے۔ بعض ممبران نے
ان کی درخواست پر دھیان نہ دیا لہٰذا شری پاگے
نے ۱۵ منٹ کیلئے اجلاس ملتوی کردیا۔

ایوان کے پھر اکٹھا ہونے پر ایک آزاد ممبر
شری جی۔ کے۔ اتھاوُلے نے ایک تحریکِ التواپیش
کرنے کی کوشش کی مگر چیرمین نے اس کی اجازت نہ
دی۔ بعدازاں شری اتھاوُلے نے 'واک آؤٹ' کیا۔

ادیباسی علاقوں کا سُدھار

مندرج جاتیوں اور قبائل کے کمشنر کی رپورٹ
برائے سال ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۱ء پر بحث کا جواب دیتے
ہوئے وزیرِ سماجی بھلائی شریمتی پرتبھا پاٹل نے فرمایا کہ
حکومت نے ادیباسی علاقوں کی ترقی کے لئے ایک خاص
اسکیم وضع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس مقصد سے
وزیرِ مالیات، شری ایم۔ ڈی۔ چودھری کی زیرِ صدارت
ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے۔

شریمتی پاٹل نے فرمایا کہ ایک سوالنامہ پارلیمنٹ
اور اسمبلی کے ممبران کو بھیجا گیا ہے تاکہ ادیباسی علاقوں
کی ترقی کے لئے اُن کی صلاح لی جائے۔ آپ نے ممبران
سے اپیل کی کہ وہ ادیباسیوں کے معاشی، سماجی اور
معاشرتی مسائل حل کرنے کی مل کر کوشش کریں۔

چھوت چھات کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے شریمتی
پاٹل نے فرمایا کہ چونکہ یہ مسئلہ خاص نفسیاتی نوعیت کا ہے
لہٰذا اس سے نمٹنے کے لئے متفقہ طور سے کوشش
کرنا ہوگی۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کی ذمہ داری صرف
حکومت پر ڈال دینا مناسب نہ ہوگا۔

وزیرِ موصوفہ نے اپوزیشن کے اس خیال سے
اتفاق نہیں کیا کہ ادیباسیوں کے سدھار کے لئے کچھ
نہیں کیا گیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ حکومت ادیباسی علاقوں
کی ترقی کے لئے حتی المقدور کوشش کر رہی ہے تاہم ان
کے سدھار کیلئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

آپ نے بتایا کہ حکومت نے شری وی۔ ایس۔ پاگے
چیرمین، لیجسلیٹو کونسل کی زیرِ صدارت ایک کمیٹی مقرر کی
ہے تاکہ وہ اس امر پر غور کرے کہ پسماندہ طبقات مختلف
محکمہ جات کی اسکیموں کے تحت کس طرح زیادہ سے
زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ کمیٹی جلد ہی اپنی رپورٹ
پیش کردے گی۔

وزیرِ موصوفہ نے مزید انکشاف کیا کہ اب تک تقریباً
تین لاکھ ہیکٹر اراضی پس ماندہ طبقات کے ۹۸,۸۵۲
لوگوں کو تقسیم کی جاچکی ہے۔ تعلیمی سہولتوں سے پسماندہ
طبقہ کے ایک لاکھ طلبا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے
لئے سہولتیں دینے کا سوال حکومت کے زیرِ غور ہے۔

آپ نے آگے فرمایا کہ وظائف کی رقم بڑھانے کی کوشش بھی کامیاب ہوئی ہے، چنانچہ مرکز نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ رقم پچاس فیصدی بڑھا دی جائے گی۔ حکومت آشرم شالاؤں کی امداد بڑھانے کے سوال پر بھی غور کر رہی ہے۔ عام ہوسٹل کھولنے کا معاملہ بھی حکومت کے زیر غور ہے تاکہ نوجوان نسل کے دماغ سے چھوت چھات کا مذموم خیال محو ہو جائے۔

شریمتی پاٹل نے فرمایا کہ ضلع امراؤتی کے دھارنی علاقہ میں قائم کئے گئے ادیباسی سدھار بورڈ نے چارہ کے بیوپار میں ۷۷,۰۰۰ روپے کا منافع کمایا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ریاستی حکومت نے مرکز سے یہ سفارش کی ہے کہ چھوت چھات کو قابلِ سزا جرم قرار دیا جائے اور انسداد چھوت چھات ایکٹ کے تحت سزا میں اضافہ کیا جائے۔ آپ نے ممبران سے گذارش کی کہ وہ چھوت چھات کو مٹانے میں حکومت کے ہاتھ مضبوط کریں۔

بحث میں حصہ لینے والوں میں سرو شری پی۔این راج بھوج، ایم۔پی۔منگوڈکر، دولت بھوسلے گنپت کولی، کاکا پاٹل اور رام میگھے شامل ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ پر حکومت کے مبینہ طرز عمل پر نکتہ چینی کی اور کچھ قابلِ لحاظ مشورے دئے۔

شری ایم۔پی۔منگوڈکر نے مشورہ دیا کہ پسماندہ طبقات کے طلبا کو کالج اور اعلیٰ تعلیم کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع بہم پہنچائے جائیں۔

شری دولت بھوسلے نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہریجنوں اور گریجنوں کے لئے علیحدہ دفتر قائم کیا جائے۔

شری پی۔این۔راج بھوج نے ادیباسیوں کے لئے الگ پانچ سالہ منصوبہ کی ضرورت جتائی۔

زراعتی یونیورسٹیوں کی کارگذاری

۲۰ اگست کو ایوان نے مہاتما پھولے زراعتی یونیورسٹی اور پنجاب راؤ زراعتی یونیورسٹی کی کارگذاری پر بحث کی۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری آر۔جے۔دیوتلے وزیر ریاست برائے زراعت نے فرمایا کہ فی الحال ریاست میں چار زراعتی یونیورسٹیوں کی افادیت کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ بہرحال یہ خیال غلط ہے کہ یہ یونیورسٹیاں کوئی ٹھوس کام انجام نہیں دے رہی ہیں۔ ریسرچ ایک طویل کام ہے لہٰذا فوری نتائج کی توقع کرنا بے سود ہے۔

آپ نے فرمایا کہ پنجاب راؤ زراعتی یونیورسٹی نے دھان اور کپاس کی نئی اقسام نکالی ہیں۔ اس نے 'مچھ مکھی' کے بارے میں بھی چھان بین کی ہے۔ یونیورسٹی نے کاشتکاروں کو ان کے مقام پر ماہرانہ رہنمائی بہم پہنچائی ہے نیز اس نے اسکیمیں وضع کی ہیں تاکہ دیہی علاقوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے۔

شری این۔ڈی۔اُگالے نے یہ مشورہ دیا کہ زیر آبپاشی علاقہ جات کے مقابلے میں خشک کاشت علاقوں میں ریسرچ کی سخت ضرورت ہے۔ شری میگھے نے فرمایا کہ ان یونیورسٹیوں کو اپنے کھیتوں میں پیداوار کے ذریعہ اپنے اخراجات خود پورے کرنے چاہئیں۔

شری وٹھل راؤ جگتاپ نے فرمایا کہ چار یونیورسٹیوں کے قیام کے بعد بھی مزارعین کے مسائل حل نہیں ہوئے ہیں۔ آپ نے کسانوں کے اجتماعات منعقد کرنے کی ضرورت جتائی تاکہ انھیں زراعت کے جدید طریقوں سے روشناس کیا جائے۔

یونیورسٹیوں کی 'توسیعی خدمت' پر نکتہ چینی کرتے ہوئے شری ایم۔پی۔منگوڈکر نے فرمایا کہ اس کی استعداد بڑھانا چاہئے۔ یونیورسٹیاں زراعت کے مسائل سے باخبر نہیں ہیں۔

سرو شری پی۔این۔راج بھوج، صاحب راؤ ہنگر گیکر اور ڈی۔اے۔چودھری نے بھی بحث میں حصہ لیا

ضمنی مطالبات

۱۹ اگست کو وزیر مالیات، شری ایم۔ڈی۔چودھری نے ایوان میں مختلف محکمہ جات کے کل ۱۱,۶۰,۴۴,۰۰۰ روپے کے ضمنی مطالبات پیش کئے۔

گیارہ بل منظور

اس ہفتہ کے دوران ایوان نے حسب ذیل گیارہ بل پاس کئے: مہاراشٹر ضلع پریشد اور پنچایت سمیتی (تیسری ترمیم) بل ۱۹۷۴ء۔ آبپاشی ایکٹ (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء۔ مہاراشٹر زراعتی یونیورسٹیاں (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء۔ مہاراشٹر میونسپلٹی (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء۔ مہاراشٹر ریجنل اور ٹاؤن پلاننگ (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء۔ مہاراشٹر خاص قاعدہ برائے ادائیگی اسٹامپ ڈیوٹی بل، ۱۹۷۴ء۔ مہاراشٹر فروخت اشجار بذریعہ قبضہ داران مندرج قبائل (باقاعدگی) (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء۔ صنعتی تنازعہ جات (مہاراشٹر ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء۔ مہاراشٹر اراضی محصول ایکٹ اور لگان داری قوانین (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء۔ مہاراشٹر ٹیکس برائے فروخت بجلی (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء۔ بمبئی پراونشل میونسپل کارپوریشن (ترمیم و توثیق قوانین) اور دیگر میونسپل کارپوریشنز (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء۔

سرکاری اراضی پر ناجائز قبضہ

وزیر ریاست برائے محصول، شری ایس۔ٹی۔سولنکے نے بتایا کہ ایک 'خاص دستہ' مقرر کیا گیا ہے تاکہ بمبئی عظمیٰ میں سرکاری اراضی پر ناجائز قبضہ کی روک تھام کی جائے۔ ایڈیشنل کلکٹر کے درجہ کا افسر اس دستہ کا نگراں ہوگا۔

آپ نصف گھنٹہ کی بحث کا جواب دے رہے تھے جو شری ایل۔پی۔پجاری نے اٹھائی تھی۔ انہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ کرلا۔چیمبور علاقہ میں غیر مجاز لوگوں نے بڑے پیمانہ پر سرکاری اراضی پر ناجائز طور سے قبضہ کیا ہے۔

شری سولنکے نے فرمایا کہ یہ دستہ سلم یعنی گندی بستیوں کی صفائی کا کام بھی شروع کرے گا۔ ان کے باسیوں کو کاندیولی اور درسوا کے علاقہ میں متبادل جگہ دی جائے گی۔

ماں سے سلسلۂ نسب

بل کی گزٹ میں اشاعت

فرد کا سلسلۂ نسب ماں سے ظاہر کرنے کا حق دینے
غرض سے ایک بل جو پارلیمنٹ میں شری مدھولیمائے
پیش کیا تھا' عوام کی آگاہی اور ان کی رائے جاننے
غرض سے حکومت مہاراشٹر کے گزٹ ضمیمہ مورخہ
اگست ۱۹۷۲ء میں شائع کر دیا گیا ہے۔

اس کے اغراض و مقاصد کی رو سے آج بنی نوع
ان کی تقدیر بنانے والے انقلابات میں مرد و زن
رشتہ اور ان کے مابین مساوات کے قیام کو بڑی
ت حاصل ہے۔ مرد و زن میں مساوات کو حقیقت کا
دینے کیلئے انسانی دماغ کو ان دقیانوسی خیالات
پاک کرنا ہوگا جو مرد کے زیر تسلط سماج کے مالکانہ
سے وابستہ ہیں۔

'ناجائز اولاد' اور ایک فرد کے سلسلہ نسب کو
باپ سے وابستہ کرنا ایک دقیانوسی اور کٹھور خیال
۔ اس دقیانوسی روایت کو جو موجودہ سرکاری اور
کاری کارروائیوں اور عدالتی فیصلوں کی ناقابل فہم
بنی ہوئی ہے' قطعی ترک کرنا ہوگا تاکہ دستور کے
اصولوں کے مطابق سماجی زندگی کا رتبہ بلند ہو۔

ہندوستان میں گذشتہ تین ہزار سال سے آزاد
اکثر دقیانوسی خیالات کے درمیان کشمکش جاری ہے
ارینیا جبالی کا قصہ مشہور ہے۔ جب ان سے جو اپنی
کی ناجائز اولاد تھے' باپ کی نسبت دریافت کیا
تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور اپنی ماں کے
دریافت کرنے گئے۔ ان کی ماں انہیں ٹھیک
یہ نہ بتا سکیں کہ ان کا باپ کون تھا تو انہوں نے

واپس آکر سچ سچ بتا دیا جو ان کی ماں نے ان سے کہا
تھا۔ ان کی اس بے باکی اور صداقت پر قدیم ہندوستان
کے لوگوں نے انہیں نہ صرف عزت دی بلکہ ایک ولی
قرار دیا۔

آج ہمارے ملک میں اس سنگدلی اور کٹھور پن
کی وجہ سے ہزاروں لوگوں اور ان کی ماؤں کی زندگی
تباہ ہو رہی ہے۔ لہٰذا اس بل کا مقصد یہ ہے کہ ان
ہزاروں ماؤں کے ناجائز بیٹوں اور بیٹیوں کے معاملے میں
جنھیں ناکردہ گناہ پر سماج سزا دے رہا ہے' ناجائز
اولاد کے اس داغ کو مٹا دیا جائے۔

آبادی اور پیداوار میں توازن ضروری

—— شریمتی پربھا راؤ

شریمتی پربھا راؤ' وزیر مملکت برائے تعلیم اور
منصوبہ بندی نے گذشتہ ۱۱ ستمبر کو دیولی میں فرمایا
کہ پیداوار میں جو اضافہ ہوا ہے' تیزی سے بڑھتی
ہوئی آبادی نے اس کی اہمیت ختم کر دی ہے اسلئے
یہ بہت ضروری ہے کہ پیداوار اور آبادی میں توازن
برقرار رکھا جائے۔

شریمتی راؤ اس جلسہ میں تقریر کر رہی تھیں جو کہ
دیولی پنچایت سمیتی میں ۱۲ ستمبر سے ۱۱ اکتوبر تک
خاندانی منصوبہ بندی مہم کا پروگرام طے کرنے کے لئے
بلایا گیا تھا۔ اس پنچایت سمیتی میں مہم کے دوران ۲۵۳
اسٹری لائزیشن آپریشن کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔

چوہوں کو ختم کرنے کی مہم

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے متاثرہ ۲۰
اضلاع کے دیہی علاقوں میں چوہوں کو ختم کرنے
اور ان کی آبادی میں اضافہ کی روک تھام کیلئے فوری
طور پر مہم چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔

جوار اور گیہوں کی فصل کو ان سے لاحق خطرے
کے مدنظر محدود مقدار میں چوہوں کو مارنے کی دوا
مختلف اضلاع میں حکومت خرید کر بھیجے گی۔

کاشتکاروں کو اور متعلقہ سرکاری عہدیداروں کو
اس سلسلہ میں تربیت دی گئی ہے۔ آئندہ گاؤں والوں
کو یہ مہم خود چلانا ہوگی۔

ہر پنچایت سمیتی میں روزگار کی فراہمی

شری دیوتلے کی تجویز

مزدوروں کو روزگار فراہم کرنے کے مدنظر ہر پنچایت
سمیتی میں فوری طور پر چار روزگار ضمانت کام شروع
کئے جانے چاہئیں۔ یہ تجویز شری آر۔ جے۔ دیوتلے
وزیر مملکت برائے زراعت اور آبپاشی نے گذشتہ
۱۴ ستمبر کو چندرپور کے ایک جلسہ میں رکھی۔

شری دیوتلے نے فرمایا کہ پروگرام میں صرف انہیں
کاموں کو شامل کیا جانا چاہیے جو کہ پیداواری قسم کے
ہوں۔ ترجیح ان کاموں کو دی جانی چاہئے جو کہ
حالات قلت میں شروع کئے گئے تھے مگر ابھی تک
مکمل نہیں ہو پائے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اگر ان
کاموں میں مزدوروں کی تعداد بڑھتی ہے تو مزید دوسرے
کام شروع کئے جا سکتے ہیں۔

قوانین کی اشاعت

گورنر مہاراشٹر کی منظوری ملنے کے بعد مہاراشٹر
زراعتی پیداوار فروخت (باقاعدگی) (ترمیم) ایکٹ
بابت ۱۹۷۲ء ریاستی حکومت کے غیر معمولی گزٹ مورخہ
۲۱ اگست ۱۹۷۲ء کے حصہ چار میں شائع کر دیا گیا ہے۔

سرکاری فیصلے اور اعلانات

پریس مشاورتی کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے ریاست مہاراشٹر پریس مشاورتی کمیٹی کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔ اس نئی کمیٹی کے ممبران یہ ہیں: شری اے۔ بی عرف انت راؤ شیورے "ناگپور ٹائمز" ناگپور (صدر)' شری خالد انصاری "انقلاب" بمبئی (نائب صدر)' شری رنگا دیپا "سنچار" شولاپور' شری آر۔ این۔ لاٹے "لوک ستا" بمبئی' شری پی۔ ڈی۔ رجنی کر "لوک وچے" اورنگ آباد' شری جی۔ جی۔ جادھو "پڈھاری" کولھاپور' شری آر۔ اے۔ عرف رام بھاؤ جوشی "کیسری" پونا' شری ڈی۔ ٹی۔ دیشپانڈے "ٹائمز آف انڈیا" بمبئی' شری بی۔ ڈی۔ مراٹھے "ہندوستان" امراوتی اور شری مہادیو رادھیکاری "نوبھارت ٹائمز" بمبئی (جملہ اراکین)۔

سول ڈیفینس اسٹاف کالج

سول ڈیفینس اسٹاف کالج' بمبئی' ریاست مہاراشٹر میں واحد ادارہ ہے جسے شہری دفاع میں تربیت دینے کے لئے حکومت ہند اور حکومت مہاراشٹر مشترکہ طور سے چلاتی ہیں۔ اس کی گیارہویں سالگرہ منگل ۱۰ ستمبر ۱۹۷۴ء کو منائی گئی۔

حکومت ہند نے سول ڈیفینس ایکٹ ۱۹۶۸ء کی رو سے سول ڈیفینس کور قائم کی تھی۔ ریاست مہاراشٹر میں سول ڈیفینس تنظیم کے قیام کا سہرا بڑی حد تک آنجہانی شری ایم۔ جے۔ بی۔ مانک جی' سابق کمانڈنٹ جنرل آف ہوم گارڈس اور ڈائرکٹر آف سول ڈیفینس کے سر ہے۔ ان کی پُر زور قیادت اور کوشش کی بدولت ۱۰ ستمبر ۱۹۶۳ء کو بمبئی میں سول ڈیفینس اسٹاف کالج کا قیام عمل میں آیا تھا' جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ ہے۔

دھوبی تالاب کے قریب کراس میدان میں قائم یہ کالج فائر فائٹنگ' بچاؤ اور فرسٹ ایڈ وغیرہ کی عملی تربیت کے لئے سہولتیں بہم پہنچاتا ہے۔ یہ کالج شہری دفاع کی تربیت نہ صرف سول ڈیفینس اور ہوم گارڈس کو بلکہ دیگر شعبہ جات زندگی مثلاً سرکاری دفاتر' صنعت' تجارتی ادارہ جات' کالج' اسکول کے افراد اور دیگر شہریوں کو دیتا ہے۔

یہ کالج مختلف نوعیت کے دس کورس چلاتا ہے جن کی میعاد ۱۰۔۱۸ دن ہوتی ہے۔ ان میں سے اہم کورس یہ ہیں: پوسٹ وارڈن کورس' اسپیشل فرسٹ ایڈ کورس' انڈسٹریل سول ڈیفینس کورس' کنٹرول اور کمیونیکیشن کورس اور انسٹرکٹرس کورس۔

بریگیڈیر بی۔ جی۔ ڈوسکر' ڈائرکٹر آف سول ڈیفینس اینڈ کمانڈنٹ جنرل' ہوم گارڈس' ریاست مہاراشٹر کی زیر نگرانی کالج نے نہ صرف تربیت پانے والوں کی تعداد بلکہ نوعیت تربیت کے لحاظ سے بھی اچھی خاصی ترقی کی ہے۔

لوک آیکت قوانین کی اشاعت

مہاراشٹر لوک آیکت اور اُپ لوک آیکت قوانین بابت ۱۹۷۴ء حکومت مہاراشٹر نے غیر معمولی سرکاری گزٹ مورخہ ۹ اگست ۱۹۷۴ء کے حصہ ۴ ب میں شائع کردئے ہیں۔

یہ قوانین لوک آیکت اور اُپ لوک آیکت کو پیش کی جانے والی شکایات اور حلف ناموں کی نوعیت' شکایت وصول ہونے پر ابتدائی کارروائی' طریقہ تحقیقات' معلومات کی فراہمی' دستاویزات کی پیشی اور کیس کی موقوفی وغیرہ کے بارے میں ہیں۔

مہاراشٹر میں کھیت سینا

کمیٹی کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے شری ایم۔ ڈی۔ چودھ وزیر مالیات کی زیر صدارت ایک اسٹیرنگ کمیٹی کی ہے تاکہ مجوزہ مہاراشٹر کھیت سینا کیلئے پالیسی وضع کی جائیں اور اس کے بعد اس کی بنیاد پر ایک جماعت منظم کی جائے۔

کمیٹی کے دوسرے اراکین یہ ہیں: شری ای جی۔ ورتک' وزیر محصول؛ شری اے۔ این۔ نام وزیر تعلیم؛ شری ایس۔ جی۔ پوار' وزیر مملکت برا داخلہ اور سکریٹری محکمہ پلاننگ۔

محکمہ سماجی بھلائی' ثقافتی امور' اسپورٹس ا سیاحت کے سکریٹری اس کمیٹی کے ممبر سکریٹری ہونگ

خشک سالی سے متاثر علاقہ کیلئے منصوبہ کی منظو

حکومت مہاراشٹر نے اضلاع احمد نگر و شولاپور' خشک سالی سے متاثر علاقہ جات کے پروگرام کے میں ۱۹۷۴-۷۵ء سال کے لئے سالانہ منصوبہ منظور ہے جس کی رقم بالترتیب ۹۲ و ۱۸۶ لاکھ رو اور ۵۱ و ۱۷۵ لاکھ روپے ہے۔

دروھا ترقیاتی منصوبہ

حکومت مہاراشٹر نے دروھا میونسپل کان کے حلقہ میں واقع علاقہ کا سروے کرنے او موجودہ استعمال اراضی کا نقشہ تیار کرنے نـ حکومت کی منظوری کی غرض سے ترقیاتی منصـ داخل کرنے کی مدت میں ۱۰ جنوری ۱۹۷۶ء تک کی توسیع کردی ہے۔

قومی راج

جلد : ۱ | ۱۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء | شمارہ : ۱۸

قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے | سالانہ ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی-اے-ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ:

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲...۴۰۰

فہرست

راج کوی بھاسکر رامچندر تامبے کی صد سالہ سالگرہ پر خصوصی نمبر

سخنہائے گفتنی

جبکہ ایک طرف اسمگلروں کے خلاف ملک گیر مہم شروع ہوگئی ہے اور اِس متوازی معیشت کی بُنیادیں ہلاکر رکھ دی گئی ہیں، حکومت ایسے دیگر اقدامات بھی بروئے کار لا رہی ہے جو قیمتوں میں کمی کا سبب بنیں گے۔ حالیہ کچھ عرصے میں اشیائے مایحتاج کی قیمتوں میں بے پناہ اضافے نے غریب اور متوسط طبقات کو بُری طرح متاثر کیا تھا۔ لہذا حکومت نے اب بہتر انتظامیہ اور زیادہ پیداوار کی طرف توجہ دی ہے۔ حکومت مہاراشٹر کی کابینہ میں حالیہ ردّوبدل اور پنجاب سے گیہوں اور چاول نیز سوڈان سے تلہن کی بازیافت حکومت کے اس عزم کی مظہر ہے کہ وہ مہنگائی اور قلّت کے خاتمہ پر کمربستہ ہوچکی ہے۔ علاوہ ازیں خریف کی فصل کو کامیاب بنانے نیز غلّہ کے احتکار کی روک تھام کیلئے ضروری اقدامات زوروں پر ہیں۔

حکومتِ مہاراشٹر کے اہم اور عوام دوست اقدامات میں سے ایک قدم وہ اسکیم ہے جس کے تحت ریاست کی ایک بڑی آبادی کو گذر بسر کے وسائل فراہم کرنے کی ضمانت دی گئی ہے۔ یہ اسکیم ہنوز دیہاتوں میں زیرِ عمل لائی گئی ہے اور اس سے لاکھوں بے سہارا اور بے روزگار خاندانوں کو روزی میسّر آئے گی۔ یقیناً مہاراشٹر کا یہ تجربہ پورے ملک میں بنظرِ استحسان دیکھا جائے گا اور بہت جلد ملک کی دیگر ریاستیں اپنے ہاں بھی یہ اسکیم نافذ کرنا پسند کریں گی۔

"قومی راج" کے خسرو نمبر کی تیاریاں جاری ہیں۔ اہلِ قلم حضرات سے التماس ہے کہ وہ اس خصوصی نمبر میں حصّہ لے کر شعر و ادب اور موسیقی کے اس امام کو خراجِ عقیدت پیش کریں۔

——— خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

سپاہی کی عید

عید سے کچھ روز پہلے ڈاکیا
عنبریں زلفوں کی خوشبو میں بسا
ایک پیارا سا لفافہ دے گیا
پڑھ کے جس کو غنچۂ دل کھل اُٹھا

تو نے لکھا ہے کہ اب کی عید پر
میں کسی صورت چلا آجاؤں گھر
ہے گماں تجھ کو کہ تیری یاد سے
میرا دل ہوتا چلا ہے بے خبر

روکتا ہے فرض لیکن میری راہ
فرض میرا پاسبانیٔ وطن
ان پہ آنچ آنے کبھی دوں گا نہ میں
عظمتِ ہند ، عظمتِ گنگ و جمن

مادرِ گیتی کی عزت کے لئے
میں ہوں سرحد پر لئے توپ و تفنگ
گرچہ ہے مذہب میرا امن و سکوں
کیا خبر کب آئے دشمن بہرِ جنگ

ہے یہ مجبوری کہ آسکتا نہیں
تجھ کو سینے سے لگا سکتا نہیں
تیری اس بے لوث اُلفت کے لئے
فرض کو اپنے بھلا سکتا نہیں

عید کے دن تجھ کو گر آئے نظر
شادماں میرے وطن کا ہر بشر
تو سمجھ لینا کہ میں شاداب ہوں
اے شریکِ زندگی جانِ جگر

شاداب رتناگیروی

Let us find the eq of pair of st-line joining the p[illegible] and the curve $ax^2+2hxy+by^2+2gx+2fy+c=0$ is intersected by straight line $lx+my=1$

Now we know that the [illegible] the pair of [illegible] passing through the origin [illegible] homogeneous equation of [illegible] of this pair passing through the point [illegible] equation of [illegible] the eqn homogeneous equation of 2nd degree [illegible] the help [illegible] and [illegible]

Using (2) [illegible]

an4+2hmy+hmy 2+2

مراٹھی کے غزل گو راج کوی

بھاسکر راؤ تامبے

گرُناتھ دیوبکر

عشق کو دل میں دے جگہ اکبر
علم سے شاعری نہیں آتی
(اکبر الہ آبادی)

، مراٹھی شاعری میں غزل کوئی مستقل صنف
ہے تاہم غزل کی روح یعنی متنوع اور
ُف کیفیات کے ذریعہ جذباتی تقاضوں کو
نے کی صلاحیت، مراٹھی شاعری میں تامبے
ں میں بہ حد کمال پائی جاتی ہے۔ اسکی
بھی ہو سکتی ہے کہ بھاسکر راؤ تامبے کی
ںگی وسطِ ہند کے مختلف دیہاتوں اور شہروں
ی ہے اور اس وجہ سے ہندی اور اردو
، خصوصاً غزل کا، اُن پر گہرا اثر پڑنا ناگزیر
. اُنہوں نے اُردو غزل گوئی میں طبع آزمائی
ہے۔ اُن کا ایک شعر ملاحظہ ہو :
ے ہے ربط خارودل سے تو سہرا کر لے خار و دل کا
بت کر نہ بلبل سے ' اُسے تو گل ہی پیارا ہے
ی زمین میں انھوں نے مراٹھی زبان میں
ِ مرتب کئے ہیں :

" कळा ज्या लागल्या जीवा
मला की ईश्वरा ठाव्या "

ِے دل کو جو چوٹیں لگی ہیں وہ صرف میں

جانتا ہوں یا خدا جانتا ہے "

لیکن فارسی زبان کی اس ممتاز صنف کو جو ہندوستان میں صرف اردو ادب میں ہی مقبولِ عام ہو پائی ہے، مراٹھی زبان اور ادب میں ہوبہو رائج کرنے کی کوشش تامبے جی نے جاری نہیں رکھی۔ اس کی بہ نسبت انہوں نے یہی بہتر تصور کیا کہ غزل کی روح کو مراٹھی شاعری میں ہندوستانی روایت اور پنگل کی زمینوں میں منعکس کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن نغموں (lyrics) میں جذباتی کیفیتوں کا اظہار رنگین بیانی کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

تامبے جی نے سعدی اور امیر خسرو کی طرح ادبی اور شاعرانہ انداز سے تصوّف کا سہارا لیا ہے، دینیات کی تلقین کے لئے نہیں۔ مراٹھی شاعری میں تامبے جی نے جو ایک امتیازی مقام حاصل کیا ہے وہ اُن کی عارفانہ شاعری کی بدولت ہے :

بھاسکر راؤ معروف بہ بھا۔ را۔ تامبے جھانسی کے قریب منگاولی نامی گانو میں ۲۷ اکتوبر ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کے والد راجچندر راؤ صوبائی دفتر میں ملازمت کرتے تھے۔ چونکہ اُس گانو میں تعلیم کا کوئی اچھا انتظام نہیں تھا، اس لئے بھاسکر راؤ کو حصولِ تعلیم کے لئے اپنے ننہال دیواس جانا پڑا۔ لیکن مراٹھی زبان، رسم الخط بال بودھ اور موڈی (شکستہ) ہندسہ وغیرہ کا علم انہوں نے اس خانگی اسکول میں حاصل کیا جو جھانسی میں مسٹر پسال کرنے کھولا تھا۔ تامبے جی موسیقی کے بھی دل دادہ تھے۔ بچپن سے ہی وہ سنگیت کی محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعری کی خصوصیت اُس کی गेयता یعنی نغمگی ہے اور لتا منگیشکر کی الوپ آواز میں تامبے کی متعدد نظمیں نکھر اُٹھی ہیں۔

میٹرک کولیشن کے امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد تامبے جی کالج میں جانے کی خواہش رکھتے تھے مگر اُن کی مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ لیکن اُن کی خوش قسمتی سے انھیں خاصہ صاحب (شہزادہ) دیواس کی اتالیقی نصیب ہوئی۔ تامبے جی نے یہ ذمہ داری کا عہدہ بڑی مستعدی کے ساتھ نبھایا اور اسی دوران میں بچوں کی تعلیم کو

زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے کی خاطر انہوں نے چند نظمیں مرتب کیں۔ اسی سے اُن کی شعرگوئی اور سخن طرازی کا آغاز ہوا۔ اُن کی نظمیں "انگائی" (لوری) निजल्या तान्ह्या परी (سوئے ہوئے شیرخوار بچے کی طرح) اور कणमुणचे (آؤ! نورِ چشم) بچوں کی زندگی کا لطیف بیان ہونے کے علاوہ اُن کے فلسفے کا بھی اظہار کرتی ہیں۔ رحمتِ ایزدی کو "ماں" تصور کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے:

अशीच असशिल त्रिभुवन जननी
बघत झोपल्या मज का वरूनी
मुख दु:खाची स्वप्ने बघुनी
कौतुकशी अंतरी

"تینوں کائنات کی ماں! تم مجھ بچے کو اوپر سے دیکھتی ہوگی۔ جب مجھے نیند آتی ہے تب میرے سکھ دُکھ کے خوابوں کو پہچان کر تم دل ہی دل میں خوش ہوتی ہوگی۔"

خاصہ صاحب کی ابتدائی تعلیم ختم ہوتے ہی وہ اِندور کے ڈیلی کالج گئے اور ان کے ساتھ تامبے جی بھی اِندور آئے۔ سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۰۸ء تک کے اِس عرصے میں انہوں نے اپنی تخلیقی سرگرمیاں جاری رکھیں اور انگریزی اور سنسکرت کے کلاسیکی ادب کا مطالعہ کیا۔ مراٹھی کے شاعر سنت تکارام، ایکناتھ اور گیانیشور جیسے بزرگوں کے کلام کا بھی انہوں نے اَبھیاس کیا۔ اسی طرح انگریزی کے رومانی شعرا ورڈزورتھ، کولرج، بائرن، شیلے اور کیٹس کی شاعری کے ساتھ ساتھ انہوں نے انگریزی کے تنقیدی ادب کا بھی مطالعہ کیا اور ڈاؤڈن، بریڈلے، ہیملٹن، ہزلٹ، آرنولڈ، اسٹرافرڈ بروکس جیسے مشہور تنقید نگاروں کے نظریوں سے بھی روشناسی حاصل کی۔

تامبے جی کو ادب کے ساتھ ساتھ فلسفے سے بھی گہری دلچسپی تھی لہٰذا وہ اپنے نظریات کی تائید میں "بھگود گیتا" "اُپ نشد" کپل مُنی کے سانکھیا شاستر جیسی ہندوستانی کتابوں اور کانٹ، ہل، اسپنسر، شوپن ہار جیسے مغربی فلسفیوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن تامبے جی پر سب سے زیادہ اثر تصوّف کا پڑا اور عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی میں بدلنے کی اُن کی خوبی صوفیائے کرام کی مرہونِ منّت ہے۔ مہرشی تلسی داس اور مہاراشٹر کے سنتوں کے کلام میں بھی تصوّف کے عنصر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

' पाहता वाटुली, शिणले डोळे
आता के वो येशी–पांडुरंगे ''

"اے محبوب! پانڈورنگ دیو! تیرا انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں تھک گئیں۔ بتاؤ بھلا! آخر تم کب آؤ گے؟"

لیکن اِن گیتوں کی نوعیت مذہبی ہے۔ تامبے جی نے سعدی اور امیر خسرو کی طرح ادبی اور شاعرانہ انداز سے تصوّف کا سہارا لیا ہے، دینیات کی تلقین کے لئے نہیں۔ مراٹھی شاعری میں تامبے جی نے جو ایک امتیازی مقام حاصل کیا ہے وہ اُن کی صوفیانہ (mystic) شاعری کی بدولت ہے۔ مراٹھی ادب کے ایک نامور نقّاد شری بھوانی شنکر پنڈت نے اُن کے اس गूढगुंजन یا عرفانی اندازِ بیان کے متعلق اِس طرح لکھا ہے:

"تامبے جی گیتی کاویہ (lyrics) کو بہت پسند کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے دِل پر ویشنو اَدب کا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ منطق، دہریت اور دماغی قلابازیوں کی بہ نسبت بھکتی یا عشقِ حقیقی کے قائل تھے اور انفرادی روح اور حق کی وحدت کے نظریہ پر مبنی "پریم مارگ" یا تصوّف کو وہ علم اور دانش پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ اِنسانی ہوس پرستی کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ شاید عشق کی بدولت ہجر کی حالت میں جو الم انگیز تاثرات پیدا ہوتے ہیں اُن میں عیاشی کے عناصر نہیں ہو[...] مذکورۂ بالا قول کی صداقت جامی کی اس تا[...] سے بھی ثابت ہوتی ہے:

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست
کہ آں بہرِ حقیقت کارسازیست

تامبے کی عشقیہ نظمیں غالباً سنسکر[ت] کے شاعر جے دیو کے "گیت گوبند" کے طرز [پر] مرتب ہوئی ہیں۔ جے دیو نے کرشن جی، را[دھا] اور گوپیوں کی ہوس پرور عاشقی کے پُر کیف نظارے پیش کئے ہیں مگر ان کو بھکتی عشقِ حقیقی کا ہی مخصوص انداز تصور کیا جاتا ہے۔ بہرحال اس بات میں شبہ[ے کی] کوئی گنجائش نہیں کہ وہ بالمیک راما[ئن] اور تلسی داس کے "رام چرت مانس" [کو] کلاسیکی ادب کا سب سے زیادہ عرفا[نی] شاہکار تصور کرتے تھے۔

تامبے جی نے اُنیسویں صدی کے آخر میں ا[ور] بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے تعلی[م یافتہ] نوجوانوں، وطن پرستوں اور دانشمندوں کے د[ل] اور دماغ میں جو بھی تڑپ اور تشویش تھی، اُس [کا] اور سیاسی میدان میں جو اِنقلابات ہوتے رہے [اُن] کا اپنے کلام میں صداقت بھرا بیان قلمبند کیا ہے۔ مراٹھی شاعری کے تذکرہ نگاروں نے تامبے جی [کے] کلام کو آٹھ حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) عشقیہ نظ[میں] (۲) "ماتا" کی نظمیں (۳) ڈرامائی اثر والی نظمیں (۴) دیہاتی زندگی کی نظمیں (۵) رومانی نوعیت [کی] نظمیں (۶) قومی ترانے (۷) قدرتی مناظر او[ر] (۸) تصوّف (mysticism) کی نظمیں۔

سنسکرت اور ہندوستان کی غالباً سب[ھی] زبانوں کے ادب میں عشقیہ شاعری [...] کی شاعری کہلاتی ہے اور اُس کا مقصد معشوق[ہ کے] بدن کا "نکھ شکھ" یعنی چوٹی سے لے کر پیر تک سبھی انگوں کا نشاط انگیز بیان کرنا ہوتا ہے ا[ور]

اکثر اُن کے بارے میں غربانیت کا شبہ ہوتا ہے۔ اُردو غزل کا عشق ایرانی وضع کا ہوتا ہے اور سوائے اُردو کے بھارت کی کسی اور زبان کے ادب میں اُسکے نمونے نہیں پائے جاتے اِس لئے کہ اُن کے ہاں پریت ملن کے سُکھ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، ہجر کی اَلَم انگیزیوں اور کوچۂ جاناں کی تباہ کاریوں پر نہیں۔ چنانچہ تامبے جی نے بھی دیسی روایت کا ہی سہارا لیا مگر اُس میں غزل گوئی کی پُرکیف تاثیر پیدا کی مثلاً :

गे शपथ तुझी मी वदे खरे
मी स्पर्शे तुझिया मज विसरे
सुख दु:खाची मादक वारुणि
गोड जाहली तुझ्या कारणी
उन्मादी काळ कळेल रमणी
कटुपणात गोडी, प्रिये

" اے محبوبہ! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرے لمس کی بدولت میں خود کو بھول جاتا ہوں اور بے خودی کے سُکھ میں ڈوب جاتا ہوں۔
خوشی اور غم کی نشیلی شراب تیرے ہی دَم سے امرت بن جاتی ہے۔
مدہوشی کے عالم میں مجھے اپنے رستے زخموں کا بھی احساس نہیں ہوتا۔"

یا یہ گیت :

मग विसर हवा तर हा क्षण गे
क्षण हाच जवळ तू ये पण गे
अनत जन्माचे शुभ मीलन
क्षणी याच गे होईल कुसुमित
स्वर्गपणा या क्षणात आणुन
ये परिस मूक मम भाषण गे

" یہ ایک گھڑی تو میرے ساتھ بتاؤ، چاہے بعد میں تم اس کو بھول بھی جاؤ کیونکہ جنم جنم کے ثواب کا فائدہ مجھے اسی گھڑی میں ملنے والا ہے۔ اس لمحہ کو جنتی روپ دے کر سجاؤ اور میری بے آواز گفتگو سُنو!"

ماں کا عشق ہے جو ننھے مُنّے بچّوں، معصوم اور گُن وان اشخاص کی خوبیوں کے بیان میں اظہار پذیر ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک مستقل صنفِ شاعری ہے۔
اپنے لاڈلے کو پاس بُلانے کا ڈھنگ ملاحظہ ہو:
" آؤ میرے برخوردار! پاؤں کے پائل بجاتے آؤ، ابھی رات میں نشہ باقی ہے۔ میرا دامن پکڑ کر آہستہ آؤ! تمہاری جمائی کی بھی کیا رونق! پیارا مُنھ اور ستاروں جیسے دانت!
ایک اور گیت میں ماں کہتی ہے :
" بیٹے! دیکھ! طویلے میں باندھی ہوئی گائیں بچھڑوں کو دودھ پلا رہی ہیں۔ تو بھی میرے پاس رینگتا ہوا آجا کیونکہ میری چھاتی کا دودھ مجھے بےچین کر رہا ہے۔"
اُنھوں نے بچّوں کے سامنے بہشت کا نظارہ اس طرح پیش کیا ہے :
" بہشت میں ندیاں گیت گاتی ہیں
ہر طرف سُریلے نغموں کی آواز چھائی رہتی ہے۔
پھل، پھول زمین کو پاٹ دیتے ہیں، خوشبو پھیل جاتی ہے اور رس کی دھارا جاری رہتی ہے
موروں کے پَر اَلماس سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں
اور پرندے موتی چُگتے ہیں۔ وہاں گھوڑوں کو بھی پَر ہوتے ہیں۔ ایسا انوکھا نظارہ دیکھنے کی خوش قسمتی بہت تھوڑے لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔"
ڈرامائی اثر پیدا کرنے والی نظموں میں حالی کی نظم "مناجاتِ بیوہ" کی یاد تازہ کرنے والے اِس گیت پر غور کیجئے :
" میرے خاوند لقیدِ حیات نہیں۔ لوگ شک کی نظر سے میری طرف دیکھتے ہیں۔ مجھے منحوس سمجھ کر مجھے ٹال بھی دیتے ہیں۔ کیا میں اِنسان نہیں ہوں؟ کیا میرے پاس دِل نام کی کوئی شئے نہیں ہے؟ کیا میرے دِل میں اُمنگیں نہیں اُٹھتیں؟ میں کیا کہوں؟ اگر مرد رنڈوا ہوتا ہے تو نوجوان دُلہن لے آتا ہے، کیا اس میں نحوست نہیں؟ کیا میں اس قدر لاچار، قربانی کا بکرا بن گئی ہوں؟
تامبے جی کے قومی ترانے حب الوطنی کے جذبے کو جگا کر انقلاب کے لئے آمادہ ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ اُن کا زمانہ وہ تھا جب کہ انگریزی اقتدار کو ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا اور لوکمانیہ تلک، مہاتما گاندھی جی سوراج کے لئے جد وجہد اور نان کوآپریشن کی تحریک چلاتے تھے اُس کی مخالفت کرنے میں والیانِ ریاست برٹش راج کی مدد کرتے تھے۔ تامبے کی پوری زندگی ایسی ہی کئی ریاستوں میں گزری اس لئے انھوں نے بھی اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے قومی مجاہدوں کی مذمت کی تھی۔ اِس بات کا انھیں سخت رنج ہوا اور انہوں نے اپنی شرمندگی کا اظہار اِن الفاظ میں کیا ہے :
" اے بھارت ماتا! میں نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے دیش پر قربان ہونے والوں کی ہنسی اُڑائی۔ اب میں پشیمانی کے دریا میں غرق ہو رہا ہوں! کیا تو اپنے ننگِ وطن بیٹے کو اپنی گود میں لے گی؟"
تامبے جی کی شاعری کا اِمتیازی پہلو اُن کا تصوّف ہے، اُن کے نزدیک موت بھی "ماں" ہے جو اپنی اولاد کو ناقابلِ برداشت رنج و غم سے بچانے کے لئے انھیں اپنی گود میں کھینچ لیتی ہے۔ موت کی بھیجی ہوئی سواری میں براجمان ہو کر سفر کرنے والے بھاگوان آدمی کی خوشیاں دیکھئے :
" موت کے دیوتا کی بھیجی ہوئی ناؤ بادل کے ٹکڑے کی طرح آسمان میں اوپر جا رہی ہے گویا نیلے پانی میں ایک ناؤ خاموشی سے اور شانتی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ یہ ہوائی جہاز کتنا شاندار ہے۔ اچھی تقدیر والے لوگ اس میں سوار ہو کر اپنے گھر کی طرف نکل پڑے!"

موت کے بارے میں سنسکرت کا مہاکوی
کالی داس کہتا ہے :

"انسان موت کا ہی ایک روپ ہے اور اُس
کی زندگی گویا ایک بیماری ہے" لیکن تامبے موت
کو اَبدی زندگی کے لامتناہی سفر کا ایک مرحلہ تصوّر
کرتے ہیں اور سوال کرتے ہیں :

मरणांत अमरता ही न खरी

"کیا لافانی زندگی موت میں چھپی نہیں ہے ؟"

اس خیال کو انھوں نے ان الفاظ میں اور واضح
فرمایا ہے :

फूल गळे, फळ गाड आहले
बीज नरे डौलात तरु डुले
तेल जळे परि ज्योति पाजळे

"پھول کا مُرجھا کر گرنا میٹھے پھل کو جنم دینے
کی ایک انوکھی ادا ہی ہے۔ بیج زمین کے اندر جا کر
برباد نہیں ہوتا بلکہ کونپل کو زمین کے اوپر بھیج دیتا
ہے۔ اسی طرح تیل جل کر ختم نہیں ہوتا' وہ شعلۂ
درخشاں کا روپ اختیار کرتا ہے۔"

اُن کا نظریہ یہ ہے کہ ہر مصیبت کے بعد اچھے
دن بھی آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو :

प्रसव अवस सुवर्णा अरुणा
उषा प्रसवते प्रभात किरणा
पहा कणी ही वाहे करुणा
रे उघड नयन कळ, पळे दुरी

"اماوس کے اندھیرے کے بعد ہر روز بڑھنے والی
چاندنی کی امید رہتی ہے۔ کالی رات کے بعد اوشا
(سویرا) آکر رہے گا۔ دیکھو رحمتِ ربانی کی یہ ریت!
ذرا آنکھیں کھولو تو پریشانی غائب ہو جائے گی۔"

اسی نظریہ کے سلسلے میں وہ تلقین کرتے ہیں
کہ ہر قسم کی خامی کے باوجود انسانی زندگی کو خدا
کے لطف کے بل بوتے پر خوشگوار بنایا جا سکتا ہے۔
ان بنیادی خامیوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ
انھیں دور کرنے کی دعوت اس طرح دیتے ہیں:

घट भरा, शिगा शिग भरा भरा
वाहू द्या वयसा भरा
पुत्रोत्सवि त्या प्रसव वेदना
विवाह मंगलि विरह यातना
प्रणय रम्योद्गमि, पाप कल्पना
ही शल्य सलती हरा हरा

"یہ انسانی زندگی کا گھڑا لطفِ خدا سے پوری
طرح سے بھر لو کیونکہ اس میں کئی قسم کی تکلیف دہ
خامیاں ہیں جو شادمانی کے لمحے کو بھی غم سے بدل
دیتی ہیں؛ مثلاً بیٹے کے عالمِ وجود میں آنے سے
پہلے عورت کو زچگی کی پریشانیوں کا بھیانک
سایہ بھی دکھائی دیتا ہے۔
بیٹی کی شادی کا شبھ مہورت آن پہنچا ہے
تو اُس کی وداع کا سایہ بھی سر پہ منڈلاتا رہتا ہے۔
عشق کی اُمنگیں موجزن ہوتی ہیں تو جنسی
خطا کے اندیشے سے جی گھبراتا ہے۔ ان کانٹوں
کو اکھاڑ کر پھینک دو!"

تامبے کے تصوّرات کی یہ نوعیت اور بیان
کی یہ تاثیر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُن کی
شاعری دراصل غزل گوئی ہی ہے۔

تامبے جی نے جذباتی کیفیتوں کو اپنے انوکھے
طرزِ بیان کے نئے نگینوں سے مزیّن کیا ہے اور
روایتی شاعری کے سخت اصولوں سے اُسکی گلوخلاصی
کر کے فنِ شاعری کی وقعت اور مقبولیت بڑھائی
ہے۔ اُن کے کردار کا ایک اور روشن پہلو یہ بھی
ہے کہ انھوں نے مہاراشٹر سے ہزاروں میل دور'
وسطِ ہند میں رہ کر مراٹھی زبان اور ادب میں وہ
کمال حاصل کیا جس پر مہاراشٹر کی سرزمین میں رہنے
والے اُن کے ہم عصر ادیب اور شاعر بھی رشک
کرتے تھے۔ اُن کا خاندان اپنا پُرانا 'کوکن کا'
گاؤں چھوڑ کر جھانسی میں آن بسا تھا۔ تامبے کی
تعلیم' ملازمت اور ادبی سرگرمیوں کا کاندار بھی مدھیہ
پردیش ہی رہا' اور وہ ریٹائر ہونے کے بعد
گوالیار کے دربار کے ہی راج کوی مقرر ہوئے۔
۱۹۴۱ء تک جب کہ اُن کا انتقال ہوا' انہوں
نے اپنی زندگی کے ۶۸ برسوں کے دوران میں
مہاراشٹر کی سرزمین میں کہیں بھی زیادہ دن قیام
نہیں کیا۔ اس لحاظ سے انہوں نے مراٹھی شاعری
کی شان میں وہی کردار ادا کیا جو امیر خسرو دہلوی
نے ایران سے ہزاروں میل دور ہندوستان میں
رہ کر اس ملک کو فارسی ادب اور شاعری کا
ایک دوسرا مرکز بنا دیا۔

اس سال مراٹھی زبان اور ادب کے اس
درخشاں ستارے کا صد سالہ جشنِ سالگرہ منا کر
مہاراشٹر تامبے جی کو اُن کے شایانِ شان
خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہے جس کیلئے مہاراشٹر
کے عوام اور حکومت مبارکباد کے مستحق ہیں۔

●●

وارانسی میں کوچۂ مرزا غالب

وارانسی میں ایک گلی کا نام مرزا غالب
کے نام پر کوچۂ مرزا غالب
رکھا گیا ہے۔ غالب اپنی پنشن سے
متعلق مقدمے کے سلسلے میں دہلی سے
کلکتہ جاتے ہوئے جس مکان میں ٹھہرے
تھے وہ مکان اسی گلی میں واقع ہے۔

دُکھ میں سُمیرن سبھی کرے ہیں سُکھ میں کرے نہ کوئے
سُکھ میں سُمیرن جو کریں تو دُکھ کاہے کو ہوئے

دامودر ٹھاکر ذکیؔ

غزل

[شری دامودر ٹھاکر ذکیؔ محمد حبیب ذکاؔ حیدرآبادی مرحوم نبیرۂ ذکاؔ تلمیذِ غالبؔ دہلوی کے شاگرد ہیں۔ کوڑنگل ضلع محبوب نگر (آندھرا پردیش) میں مقیم ہیں جہاں کی مقامی زبان تلگو ہے۔ آپ کی اہلیہ کنڑی زبان بولتی ہیں اور خود آپ کی مادری زبان مرہٹی ہے۔ آپ اصلاً مہاراشٹرین ہیں۔ آبائی وطن جالور ضلع رتناگری ہے]

تیری نظروں میں تنفّر بھی ہے اور پیار بھی ہے
رنگِ اقرار بھی ، نیرنگئ انکار بھی ہے

دِل ذرا اپنا ٹٹولو کہ کہیں پیار بھی ہے؟
پھر جو کرنا ہو کرو، تم کو سزاوار بھی ہے

تیرے میخانے میں کھوئے گئے ساقی مرے ہوش
کس نے آخر یہ اُڑائے ؟ تو خبردار بھی ہے؟

کُھل گیا راز مرا ، نام ہے لیکن مخفی
راز ابھی راز ہے، رُسوا سرِ بازار بھی ہے

تم نے اپنے ہی کو دیکھا ہے، مجھے بھی دیکھو
پھر کہو زندگی آساں ہے کہ دُشوار بھی ہے

ایک عاشق کہیں پروانہ ، کہیں دیوانہ
زینتِ بزم بھی ہے رونقِ بازار بھی ہے

زندگی بس میں کبھی ہے، کبھی بس سے باہر
جس جگہ جیتے ہیں ہم جیت بھی ہے ہار بھی ہے

بے نیازی سہی دُنیا سے ، تمنّا ہے تری
میری نیّت میں غرض سوئی ہے ہُشیار بھی ہے

تھک گیا، آنہ سکا، آپ تک احوالِ جنوں
پائے رودادِ جنوں میں خلشِ خار بھی ہے

بے بسی کا ہے وہ عالم کہ خردمندی کو
جس سے کچھ کام نہیں اُس سے سروکار بھی ہے

لوگ جتنے بھی یہاں جمع ہیں سب نیک سہی
اِک ذکیؔ نام کا محفل میں گنہ گار بھی ہے

پھول :
محتاجِ تعارف تو نہیں گلشن میں
پھر بھی بے ربطئِ حالات سے گھبراتے ہیں
عصرِ حاضر کی ضیاء مبہم و مشکوک سہی
ذہن گر صاف ہو، دل آئینہ بن جائے گا

روشنی :
وقت کی پابند نہیں
یہ اندھیروں میں تو کچھ اور نکھر جاتی ہے
زندگی بن کے فضاؤں میں بکھر جاتی ہے

زندگی :
رقصِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

موت :
انجام ہے نادیدہ اُجالوں کے لئے

•

روشنی دیدہ وروں کیلئے آشفتہ سری
کم نگاہی کے لئے کاسۂ دریوزہ گری

o

نثارِ بمبئی کی مختصر تاریخ

ڈاکٹر حامد اللہ ندوی

جب سورج کی کرنیں پہلی بار سینا کی ریتی کو گرماتی، ذرّوں کو چمکاتی نیل کے ساحل پر پہنچیں تو انھیں یہ دیکھ کر حیرت سی ہوئی کہ نیل کی سطح پر سیکڑوں چھوٹے چھوٹے سورج تیر رہے ہیں، کرنوں کو یہ منظر بڑا پیارا لگا، وہ آہستہ سے اُچھلیں اور اُن کی گود میں بیٹھ کر جھولنے لگیں۔ ارے ان میں تو چاند کی ٹھنڈک اور صبح کا نور ہے، یہ سورج نہیں کنول ہیں۔

پھول سبھی حسین اور دل کش ہوتے ہیں لیکن کنول کا حُسن اور اُس کی دل کشی کچھ اور ہی چیز ہے۔ نیل کی زرخیز وادیوں نے جب مشرق و مغرب کو تحفے دینا شروع کئے تو اس میں یہ حسین کنول بھی تھا۔ لوگوں نے کنول کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کو اپنی آنکھوں سے لگایا۔ آج یہ خیال عام ہے کہ پانی نے کنول دیا اور کنول نے لکشمی کو اور لکشمی دھن دولت کی دیوی ہے اور دُنیوی جاہ و ثروت کا حسین نشان۔

بمبئی کی نشو و نما کنول کے جنم سے کچھ کم نہیں ہے، سو سال پہلے یہ شہر شہر نہیں تھا، بلکہ چھ سات چھوٹے چھوٹے جزیروں میں بٹا ہوا زمین کا ایک چیتھڑا تھا جہاں جگہ جگہ یا تو اونچے اونچے تاڑ تھے یا سڑی گلی مچھلیاں۔ جب سمندر کا پانی یہاں چڑھ کر اُترتا تو اپنے پیچھے دُنیا جہاں کی گندگی کا ایک بڑا ریلا چھوڑ جاتا تھا۔ یہاں کے موسم کے متعلق مشہور تھا کہ انسان یہاں دو مانسونوں سے زیادہ جی نہیں سکتا۔ یہ جزیرے حسب ذیل تھے:

کولابہ: جہاں صرف مٹھی بھر ماہی گیر رہتے تھے اور مچھلی کی آمدنی پر گزارہ کرتے تھے۔

جزیرہ الامانس یا اولڈ ویمنز آئی لینڈ: جس پر موجودہ فورٹ کا علاقہ آباد ہے۔

اپالو بندر: اِس میں ڈونگری سے گرگام تک اور والکیشور سے چوپاٹی اور مرین ڈرائیو تک کا علاقہ شامل تھا۔

مجگاؤں: یہاں بھی زیادہ تر ماہی گیروں کی آبادی تھی اور مچھلیوں کے گودام تھے۔

سائن: اس میں موجودہ پریل، سیوڑی، وڈالا کا علاقہ شامل تھا، ماہی گیروں کے علاوہ مختلف مذہب و ملت کے لوگ بھی یہاں آباد تھے۔

ماہم: سائن کی طرح ماہم بھی ایک آباد جزیرہ تھا اور یہاں ہندو، مسلمان، عیسائی مل جُل کر رہتے تھے۔

ورلی: یہاں کولیوں کی آبادی تھی۔

اِن گندہ، کٹے پھٹے، کم آباد، سطح سمندر پر اُبھرے ہوئے زمین کے ٹکڑوں کو جوڑ کر، پانی میں کنول کھلانے کا کام اُس وقت شروع ہوا جب انگریزوں نے سورت کی بجائے بمبئی کو اپنا تجارتی اور صنعتی مرکز بنایا اور ساتھ ہی ساتھ صنعت و تجارت کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے پورٹ بنانے، ریلیں چلانے، رسل و رسائل کا جال پھیلانے اور سڑکیں اور پُل بنانے کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا۔

اس وقت انگریزوں کے صنعتی و تجارتی مرکز زیادہ تر کولابہ اور فورٹ میں تھے اس لئے انھوں نے مشرق میں فورٹ سے سیوڑی تک اور مغرب میں اپالو بندر کولابہ سے بیک بے تک کے علاقے کی طرف سب سے پہلے توجّہ دی اور لاکھوں روپے کے خرچ سے بیچ بیچ کی کھاڑیوں کو بھر کر ٹوٹے ہوئے سلسلوں کو ملاتے اور اپالو بندر کے آس پاس تقریباً پانچ میل کے فاصلے تک شہر کو خوبصورت بنانے کا بیڑا اُٹھایا۔ باہر سے ہزاروں انجنیئر اور معمار بُلائے گئے، سکریٹریئیٹ، ہائی کورٹ، یونیورسٹی، ٹیلیگراف آفس، پوسٹ آفس اور دیگر بہت سی شاندار سرکاری عمارتیں بننا شروع ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دلدل اور کیچڑ سے ایک خوبصورت شہر جنم لینے لگا۔ اس کے حُسن اور خوشحالی کا شہرہ نزدیک و دور اس قدر ہوا کہ چوطرف سے بھانت بھانت کے لوگ یہاں آکر بسنے لگے اور چند ہی سالوں میں آبادی دوچند ہوگئی۔

بمبئی اِمپروومنٹ ٹرسٹ

اِس بڑھتی ہوئی آبادی نے شہر کے منتظمین کو اس بات کا احساس دلادیا کہ "جائے تنگ است و مردماں بسیار"۔ اب کی اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے باقاعدہ ایک سٹی امپروومنٹ ٹرسٹ قائم

کیا گیا، اِس ٹرسٹ نے ایک طرف سڑکیں چوڑی کرنے، گندہ بستیوں کو ہٹانے اور عوام کی صحت کا معیار بلند کرنے کی اسکیمیں بنائیں تو دوسری طرف بیک بے ری کلیمیشن اسکیم کے نام سے ایک منصوبہ تیار کیا تاکہ کولابہ سے مرین لائنز تک سمندر کے کنارے ایک دیوار کھڑی کر کے سمندر کے پانی کو اور اندر دھکیل دیا جائے اور مزید تیرہ سو ایکڑ زمین حاصل کر کے اس پر رہائشی مکانات تعمیر کئے جائیں۔

منصوبہ اچھا تھا، اس پر عمل بھی زور و شور سے شروع ہوا، کولابہ سے مالابار ہل تک سمندر کی موجوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے ساحل کے کنارے کنارے میلوں لمبی ایک مضبوط دیوار کی بنیادیں رکھی گئیں۔ پہاڑ توڑ کر بڑی بڑی چٹانیں ان کناروں پر ڈالی جانے لگیں، اور نئے زمانے کا سدِ سکندر تیار ہونے لگا۔ لیکن کام بڑا تھا اور کام کرنے والے چھوٹے، بہت جلد کام میں سستی آگئی۔ آخر یہ طے ہوا کہ مزید زمین حاصل کرنے کی اِس مہم کو مرین لائنز تک پھیلانے کی بجائے اس کو سمندر کے صرف دو مغربی کناروں کو ملانے تک محدود کر دیا جائے۔ اس دوران میں دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ہندوستان کے سیاسی حالات نے پلٹا کھایا، اور انگریزوں کو چار و ناچار ہندوستان چھوڑ دینا پڑا۔ آزاد ہندوستان کے جنم لیتے ہی ریاستی حکومت اور بمبئی میونسپلٹی نے از سرِ نو اس کی طرف توجہ دی، اور آہستہ آہستہ یہ ادھورا منصوبہ پھر سے تکمیل کو پہنچنے لگا؛ اب تک اس منصوبہ کے تحت کئی سو ایکڑ زمین حاصل کی جا چکی ہے، اور یہ دو مغربی کنارے آپس میں ملنے کے لئے بے چین ہیں۔ اور ان کے سینے پر فلک بوس عمارتوں کا ایک جال سا پھیل رہا ہے۔

وڈالا ری کلیمیشن اسکیم

جب بمبئی کی آبادی اور بڑھی، زمین کا دامن اور تنگ ہونے لگا تو آنجہانی ایس۔ جی۔ بروے کی سرکردگی میں ریاستی حکومت نے ایک اور اسٹڈی گروپ قائم کیا، اس نے سمندر پاٹنے کی دو اور اسکیمیں بنائیں۔ "باندرا کرلا ری کلیمیشن اسکیم" اور "وڈالا ری کلیمیشن اسکیم"۔

باندرا کرلا ری کلیمیشن اسکیم کا مقصد یہ تھا کہ ماہم کے شمال میں کولے کلیان کے آس پاس کی کھاڑیوں کو پاٹ کر سات سو ایکڑ زمین حاصل کی جائے اور اس پر اہم سرکاری دفاتر، بینک، تجارتی اور صنعتی ادارے قائم کرنے کے علاوہ کرلا سے باندرا تک ایک ریلوے لائن بھی نکالی جائے تاکہ فورٹ پر دفتری و کاروباری آمد و رفت کا جو دباؤ ہے وہ کم ہو اور آبادی کا بہاؤ شمال سے جنوب کی طرف مڑ جائے۔

وڈالا ری کلیمیشن اسکیم کا مقصد یہ تھا کہ کولی واڑہ اور وڈالا ریلوے اسٹیشن کے مشرق میں کھاڑیوں اور نمک کی نالیوں کو بھر کر پندرہ سو ایکڑ زمین حاصل کی جائے، اس میں سے چار سو ایکڑ زمین رہائشی مکانات کے لئے، تین سو ایکڑ پبلک ہاؤسنگ مقاصد کے لئے مخصوص کر دی جائے اور باقی میں تجارتی منڈیاں اور بڑے بڑے صنعتی ادارے قائم کئے جائیں۔

اِن دونوں اِسکیموں پر بھی بڑی تیزی سے عمل ہو رہا ہے اور جیسے جیسے زمین حاصل ہوتی جا رہی ہے ویسے ویسے منصوبہ کے مطابق اسے آباد بھی کیا جا رہا ہے، مکانات بن رہے ہیں، سڑکوں اور پلوں کا جال بچھایا جا رہا ہے۔ ہسپتال اور پارک بن رہے ہیں، غرض کہ امکانی حد تک عوام کے لئے اس کو مفید بنایا جا رہا ہے۔

آج جب ہم اس بمبئی کا تصوّر کرتے ہیں جو سو سال پہلے چھوٹے چھوٹے جزیروں کی شکل میں بٹا ہوا تھا، جس کے کنارے ہمیشہ دلدل اور خاردار جھاڑیوں سے ڈھکے رہتے تھے، جہاں دور دور تک سوائے چند ٹوٹی پھوٹی کشتیوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا، جہاں شام چند ماہی گیر اپنے کندھوں پر جال ڈالے تھکے ہارے گھروں کو لوٹتے تھے، جہاں راتوں میں سوائے پانی، ہوا اور مینڈکیوں کی آواز کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا اور جہاں انسان نہیں صرف دیو بستے تھے، اور پھر آج کے اِس خوبصورت ہنستے کھیلتے، جگمگاتے شہر کو دیکھتے ہیں تو کتنا عجیب لگتا ہے۔ یہ آسمان سے باتیں کرنے والی عمارتیں، یہ سمندر کو گھیرنے والا گارے اور مٹی کا خوبصورت ساحلی ہار، یہ مچھلیوں کی طرح زمین پر رینگنے والی قطار در قطار کاریں اور گاڑیاں، یہ بجلی اور طوفان کی طرح دندنانے والی ریلیں، یہ شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتے لوگ، یہ رنگ برنگی تتلیوں کی طرح اُڑتی پھرنے والی حسینائیں، یہ پھول پتّے اور حسین باغات، کتنا خوبصورت شہر ہے۔ ایک قدرت کا بنایا ہوا کنول تھا جس نے لکشمی کو جنم دیا اور یہ انسانوں کا بنایا ہوا کنول ہے جو سونا چاندی اگلتا اور دھن دولت کی دیوی کو شرماتا ہے۔ اب بمبئی وہ شہر ہے جس کے لئے شبلی نے کہا تھا ؎

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنّت نخواہی یافت
کنارِ آبِ چوپاٹی و گلگشتِ اپالو را

ایک آواز

انجم رومانی

۱

کون کہتا ہے اندھیروں کے پرستار ہیں ہم
آج بھی ہم کو اُجالوں سے محبت ہے وہی
شوخ اُمیدوں کے چہرے پہ خراشیں ہی سہی
ہم کو آئینہ جمالوں سے محبت ہے وہی
زندگی ایک کڑا بوجھ ہوئی ہے لیکن
زندگی مانگنے والوں سے محبت ہے وہی
رنگ اور نسل کے جو فرق سے بیگانہ ہے
مسجدوں اور شوالوں سے محبت ہے وہی
رات نے پیاس کا احساس بڑھا رکھا ہے
پھر بھی چھلکے پیالوں سے محبت ہے وہی

۲

کون کہتا ہے بہاروں کا کہیں نام نہیں
آؤ آکر مری آنکھوں سے چمن کو دیکھو
جھونپڑی ہو کہ محل دونوں پہ یکساں ہے کرم
سر پہ آئے ہوئے سورج کی کرن کو دیکھو
لہلہاتے ہوئے کھیتوں پہ اُٹھاؤ تو نگاہ
کیا طرحدار ہے فصلوں کی دُلہن کو دیکھو
سب کو حاصل ہے یہاں بادۂ جمہور کا جام
دوستو میکدۂ گنگ و جمن کو دیکھو
ہم نے مانا کہ جفاؤں کے لگے ہیں بازار
پھر بھی لازم ہے وفاؤں کے چلن کو دیکھو

ایک سوال

۳

پیاس تلوار سے، پتھر سے نہیں بجھتی ہے
آگ سے آگ بجھانے کا ارادہ کیوں ہے
وہ چمن جس کو بڑے پیار سے سینچا ہم نے
اس کو ویرانہ بنانے کا ارادہ کیوں ہے
خون کہتے ہیں کسے، اس کی حقیقت جانو
اس کو سڑکوں پہ بہانے کا ارادہ کیوں ہے
اختلافات کی دیوار گرا دو بڑھ کر
اپنے ہی گھر کو جلانے کا ارادہ کیوں ہے
ذائقہ تلخ سہی پھر بھی یہ مے ہے اپنی
جام میں زہر ملانے کا ارادہ کیوں ہے؟

"رہنمائے صحت"

ہمارے ملک کی آبادی ۶۰ کروڑ تک پہنچ رہی ہے۔ اس آبادی میں سے قریب قریب ۲۵ لاکھ بچے اپاہج ہیں جو دوسروں کے سہارے اپنی زندگی گذار رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے اتنی ہی تعداد کے افراد کو اپنی دیکھ بھال کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ ان ۲۵ لاکھ بچوں میں سے کم از کم ۴ لاکھ بچے ایسے ہیں جو اپنی بینائی سے محروم ہیں اور جن کا زندگی بھر کا سہارا سوائے ایک چھڑی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح لنگڑوں اور لولوں کی تعداد بھی ۴ لاکھ کے قریب ہے۔ سب سے بڑی تعداد اُن بچوں کی ہے جو دماغی اعتبار سے کمزور ہیں۔ یہ تعداد ۱۴ لاکھ ہے۔

اس قسم کی اور بھی مختلف معلومات سے "رہنمائے صحت" بھری پڑی ہے۔

"رہنمائے صحت" ڈاکٹر سید عبدالجلیل، سول سرجن، اورنگ آباد کی تصنیف ہے جو انہوں نے مہلک اور موذی امراض کی روک تھام پر، اپنے علم اور تجربات کی روشنی میں لکھی ہے جس سے ہر خاص و عام مستفیض ہو سکتا ہے۔

ہمارے ادب میں اس قسم کی کتابیں بہت کمیاب ہیں اور اگر کچھ ہیں بھی تو ایسی کہ جن سے عام آدمی فیضیاب نہیں ہو پاتے کیونکہ ان میں ایسی ایسی مشکل میڈیکل اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں جو عام فہم نہیں ہوتیں۔ "رہنمائے صحت" کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ ہر شخص اسے بآسانی پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب کا مطالعہ ہر شخص کے لئے، بالخصوص ہر صاحب اولاد کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کی کتابیں ہمارے یہاں کافی مقبول ہوں گی۔

ڈاکٹر سید عبدالجلیل نے کتاب کے "شکر و سپاس" میں بہت سی کار آمد باتیں بتائی ہیں جیسے کہ بہت سی بیماریوں میں لوگ اس وجہ سے مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ ان بیماریوں سے بچنے کی احتیاطی تدابیر سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کا کہنا ہے کہ اگر حفظ ماتقدم کے طور پر احتیاطی تدابیر پہلے ہی اختیار کر لی جائیں تو بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ "رہنمائے صحت" بعض خاص خاص مہلک اور متعدی قسم کے امراض کی انسدادی تدابیر سے عوام کو باخبر کرتی ہے۔ اس کتاب کی توجہ طلب خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مختلف امراض کے طریقۂ علاج پر ہی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے بلکہ تمامتر توجہ اس طرف مبذول کی گئی ہے کہ موذی اور متعدی امراض سے بچنے کیلئے کن کن باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے کیونکہ "علاج سے بہتر احتیاط ہے"۔

ڈاکٹر سید عبدالجلیل نے چھوٹے بچوں کی صحت پر خاص توجہ دی ہے اور ایسی تدابیر پیش کی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کے بہت سی بیماریوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

کل اسّی صفحات کی یہ کتاب چیچک، انفلوئنزا، ڈفتھیریا سے لیکر ٹی بی، سگ گزیدہ (کتے کا کاٹا) اور کینسر تک کے جدید ترین طریقۂ علاج پر مشتمل ہے جو بالکل سادہ، صاف ستھری اور عام فہم زبان میں لکھی گئی ہے۔ کتاب کا تعارف مرہٹواڑہ یونیورسٹی، اورنگ آباد کے وائس چانسلر آر پی۔ ناتھ نے کرایا ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے اور کیونکہ رفاہ عام کی خاطر لکھی گئی ہے اس لئے ممکن ہے دکن پبلشرز، اورنگ آباد یا ڈاکٹر سید عبدالجلیل، سول سرجن، اورنگ آباد، آپکی درخواست پر آپ کو یہ کتاب روانہ کر دیں۔

● **خواجہ عبدالغفور**

تکون کا کرب

شاعر اور اُس کی محبوبہ کئی برسوں تک ایک دوسرے کے لئے آئینہ بنے رہے مگر دفعتاً بیچ میں ایک شخص آگیا۔ اُس نے محبوبہ کو دیکھا اور محبوبہ کی آنکھوں میں خوابوں کے منڈپ سجے۔ محبوبہ نے اب جو شاعر کی طرف دیکھا تو شاعر کی آنکھوں میں خوابوں کی قبریں بنیں۔ آئینے دھندلا گئے، اور چند ہی لمحوں میں یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن گئے۔

یہیں سے تکون کا کرب شروع ہوتا ہے۔ جو پاتا ہے وہ بھی کھوتا ہے اور جو کھوتا ہے وہ تو کھوتا ہی ہے۔ آزاد گلاٹی نے اس کرب کو اور اس کے ساتھ حسن کی رنگینیوں اور دل کی بیتابیوں کو اچھوتی تشبیہات، نادر استعارات اور انوکھے انداز بیان کے ساتھ کچھ چھتیس آزاد نظموں، چودہ سانیٹوں اور متعدد دوہروں میں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

سانیٹ ایک انگریزی نظم ہے جو مخصوص پیکر رکھتی ہے۔ اُردو میں اس کو نبھانے والے بہت کم شعرا ہیں جن میں آزاد گلاٹی ایک مقام رکھتے ہیں۔ سانیٹ کا ایک بند ملاحظہ ہو:

تیرا جسم کہ کچے دودھ کی گاگر کو چھلکا دے کوئی
تیری بانہیں جیسے چمن میں چمپا کی شاخیں بل کھائیں
تیری باتیں جیسے کانوں میں امرت ٹپکا دے کوئی
تیری چال کہ جیسے برکھا رُت کی بہکی ہوئی گھٹائیں

کتابت و طباعت عمدہ اور سرورق دلکش ہے۔ ۱۴۴ صفحات کی اس کتاب کی قیمت پانچ روپے ہے۔ کتاب کے ناشر ہیں: نیشنل اکاڈمی۔ ۹، انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی

● **علاء الدین جینابڑے**

مہاتما گاندھی کو خراجِ عقیدت

گاندھی جینتی کے روز سچیوالیہ میں منعقدہ ایک سادہ تقریب میں مہاتما گاندھی کی ۱۰۵ سالہ سالگرہ کے موقع پر اُنھیں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔
وزیراعلیٰ شری وی۔پی۔ نائک نے گاندھی جی کی تصویر کو ہار پہنایا اور اُس کے سامنے ایک گلاب کا پھول رکھا۔ ریاستی کابینہ کے اراکین، سرکاری افسران اور ملازمین نے بھی گاندھی جی کی تصویر کے سامنے گلاب کی کلیاں رکھ کر مہاتما جی کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

ترقیٔ اردو بورڈ کے پانچ سال - ایک جائزہ

ترقیٔ اردو بورڈ جو تعلیم، سماجی بہبود اور ثقافت کی مرکزی وزارت نے جون ۱۹۶۹ء میں قائم کیا تھا اب تک ۳۲ کتابیں شائع کر چکا ہے۔ ان میں یونیورسٹی سطح کی کتابیں، اسکول کی درسی کتابیں، بچوں کے لئے کتابیں اور عام فہم سائنس کی کتابیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۲۱ قلمی نسخے اشاعت کے لئے تیار ہیں۔

خبرنامہ

بورڈ ہذا کی طرف سے اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ایک خبرنامہ بھی شائع کیا جاتا ہے جس میں بورڈ کی سرگرمیوں کی مختصر روداد ہوتی ہے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۷۴ء تک اس طرح کے خبرنامے کے تین شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

فنی اصطلاحات

بورڈ نے ۱۹ موضوعات سے تعلق رکھنے والی تقریباً ۸۰ ہزار فنی اصطلاحات کے اردو تراجم کو بھی حتمی شکل دے دی ہے۔ بورڈ اس وقت تک ۴۹ کتابیں شائع کر چکا ہے۔

بورڈ نے اُردو سے اُردو میں لغت کی تیاری کا کام شروع کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ انگریزی۔ اُردو ڈکشنری کی تیاری کے لئے بھی کام کر رہا ہے۔ اوّل الذکر لغت کے سلسلے میں یہ اب تک ۲۵ ہزار الفاظ مرتب کر چکا ہے اور انگریزی کے سلسلے میں 'اے' اور 'بی' کی تختی کے حروف مکمل کر چکا ہے۔

اُردو انسائیکلوپیڈیا

بورڈ نے اُردو انسائیکلوپیڈیا کی تیاری کی ذمہ داری بھی سنبھالی ہے۔ یہ بارہ جلدوں میں ہوگی۔ اس سلسلے میں تقریباً سو صفحات کا مواد مکمل کر لیا گیا ہے۔ اصطلاحات کے ضمن میں بورڈ مذکور نے ۸۵۵۵۰ فنی اصطلاحات کے اُردو مترادفات مکمل کر لئے ہیں۔

تعلیم اور سماجی بہبود اور ثقافتی امور سے متعلق نائب وزیر شری ڈی۔پی۔ یادو کے ایک حالیہ بیان کے مطابق گزشتہ تین برسوں میں ۷۲-۱۹۷۱ء، ۷۳-۱۹۷۲ء اور ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران بورڈ پر تقریباً ۱۹ لاکھ ۳۵ ہزار روپے خرچ ہوئے۔

بورڈ کے قیام کا مقصد ادبی مواد کی تیاری کے سلسلے میں سرکار کو مشورہ دینا ہے جس میں کہ جدید علوم و فنون کی کتابیں، سائنسی موضوعات پر کتابیں، بچوں کا ادب، حوالہ جاتی کتب اور درسی کتب شامل ہیں۔

●●

قدرتی وسائل کو کثافت سے بچانے کی اہمیت

از: مہندر سنگھ، وی۔ این گرلاپوری، آر۔ این۔ سنگھ ورما

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں میں ٹیکنالوجی کے فروغ سے ویسے تو ترقیاتی سرگرمیوں میں بڑی تقویت ملتی ہے مگر اس سے ماحول کی کثافت کے سنگین مسئلے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ نیوکلیائی تجربات کے فروغ سے تو صورتِ حال اور بھی زیادہ تشویشناک ہو گئی ہے۔ انسانی ماحول میں تمام قدرتی وسائل مثلاً مٹی، پانی، ہوا، نباتات وحیوانات وغیرہ شامل ہیں۔ تکنیکی پیش رفت اور صنعتی ترقی سے یہ قدرتی وسائل طرح طرح کی کثافتوں سے آلود ہوتے جا رہے ہیں جس سے حیاتِ انسانی پر بڑے مُضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور انسان طرح طرح کی بیماریوں اور جسمانی اذیتوں میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے۔

قدرتی وسائل میں پانی کو بڑا اہم مقام حاصل ہے۔ یہ انسان کے لئے مچھلی، پروٹین سے بھرپور نباتات نیز اس طرح کی دیگر تغذیہ بخش غذاؤں کا سرچشمہ تو ہے ہی، کرۂ ارض کی تمام مخلوقات کی زندگی کا ایک زبردست سہارا بھی ہے چنانچہ قدرت کے اس گرانقدر عطیے کو ہر طرح کی کثافت سے پاک وصاف رکھنا تمام دنیا کے حق میں ہے۔ آج ساری دنیا میں پانی کے کثیف ہو جانے پر زبردست تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے اور اس کے تدارک کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔

آیئے اب ہم یہ دیکھیں کہ پانی کی کثافت کے اسباب کیا ہیں۔ موٹے طور پر پانی کی کثافت کی تین قسمیں ہیں: (۱) غیر نامیاتی کثافت (۲) نامیاتی کثافت اور (۳) برقی کثافت

غیر نامیاتی کثافت کا مطلب یہ ہے کہ صنعتوں اور کارخانوں کی بیکار اشیا ندیوں، جھیلوں اور سمندروں میں پھینک دی جاتی ہیں۔ ان بے کار اشیاء میں زہریلے مادّے مثلاً تانبہ، سیسہ، جست اور تیزاب وغیرہ شامل ہوتے ہیں جس کے زہریلے اثرات پانی میں محلول ہو کر پورے پانی کو مضرِ صحت بنا دیتے ہیں۔ ان زہریلے مادّوں کے علاوہ کئی دوسرے مادّے مثلاً کوئلہ، دھول، نیل وغیرہ ایسے مادّے ہیں جو زہریلے اثرات کے حامل تو نہیں ہوتے مگر پانی میں تحلیل ہو کر اسے اسقدر مضرِ صحت بنا دیتے ہیں کہ انسان کئی طرح کی بیماریوں کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

نامیاتی کثافت کا مطلب یہ ہے کہ بڑے بڑے شہروں سے انسانوں کا فضلہ وغیرہ عام طور پر ندیوں اور جھیلوں میں ہی جمع ہو جاتا ہے جس میں طرح طرح کی بیماریوں مثلاً میعادی بخار، پیچش، ہیضہ نیز کئی دیگر متعدّی بیماریوں کے جراثیم ہوتے ہیں جو پانی میں مل جاتے ہیں اور جب یہ پانی پینے یا نہانے وغیرہ کیلئے استعمال کیا جاتا ہے تو یہ جراثیم بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر انسان کے جسم میں پہونچ جاتے ہیں اور پھر اسے بیمار کر دیتے ہیں۔

برقی کثافت کا مطلب یہ ہے کہ بجلی کی تیاری کے وقت جنیریٹنگ پلانٹوں کے کولنگ سسٹم میں سے جب پانی چکّر لگا کر نکلتا ہے تو اس کی حرارت میں کئی درجے کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ نیوکلیائی پاور پلانٹوں سے تو پانی میں اور بھی زیادہ حرارت پیدا ہوتی ہے جس کا پانی کے حیاتیاتی نظام پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔

اس طرح پانی کی کثافت حفظانِ صحت کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے امریکہ، کنیڈا اور روس جیسے ترقی یافتہ ملکوں میں مؤثر اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی صورتحال بڑی سنگین ہے اور اگر اس کی طرف جلد توجہ نہیں دی گئی تو آئندہ برسوں میں حالت اور زیادہ خراب ہو جائے گی۔ ہمارے ملک میں گنگا جیسی پاک ندیوں میں جس رفتار سے کثافت شامل ہو رہی ہے وہ بڑی تشویشناک ہے۔ گنگا میں اس وقت مختلف مقامات پر ۷۰ سے زیادہ نالے آ کر ملتے ہیں جن کے ذریعے انسانوں کا فضلہ وغیرہ اور دوسری طرح کی کثافتیں پانی میں آن کر مل جاتی ہیں۔

چونکہ پانی تمام مخلوقات کی زندگی کے لئے بیحد ضروری ہے اس لئے ہر آدمی کا یہ فرض ہے کہ وہ پانی کی تمام تر خوبیوں کی حفاظت کرے اور اس کو ہر طرح کی کثافت اور آلودگی سے پاک و صاف رکھے۔

کل ہند اُردو طنز و مزاح کانفرنس

دوسری کُل ہند اُردو طنز و مزاح کانفرنس بھوپال میں منعقد ہوئی جس کا افتتاح آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں اُردو کی اہمیت کا اعتراف کیا اور کہا کہ اگر ہمیں عوام تک پہنچنا ہے، ان کے دلوں کو فتح کرنا ہے تو اس کا سب سے آسان ذریعہ اُردو ہے۔ اُردو کی ترقی میں سرکاری سرپرستی میں کوتاہی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ پچھلے دنوں اسکے ساتھ بے اعتنائی برتنے کے باوجود، وہ اپنی شیرینی، سادگی اور دل آویزی کے باعث آگے بڑھی۔ آپ نے کہا کہ اُردو ہمارے پورے ملک کی طلبہ کی زبان ہے۔

ضمانتِ روزگار اسکیم

مشوروں کی روشنی میں اور اس خیال کے مدِ نظر کہ ضمانتِ روزگار اسکیم کے اغراض و مقاصد موثر طریقے سے پورے ہوں، حکومتِ مہاراشٹر نے اس موضوع پر پچھلے تمام احکامات کو منسوخ کرتے ہوئے احکامات میں تبدیلی کردی ہے۔

حکومت مہاراشٹر کے وضع کردہ پندرہ نکاتی پروگرام کے سلسلہ میں ضمانتِ روزگار اسکیم مارچ سنہ ۱۹۷۲ء میں منظور کی گئی تھی۔ کیونکہ اسکیم کی عمل آوری میں بہت سی خامیاں سامنے آئی ہیں اور اسے بہتر اور مؤثر بنانے کیلئے کئی قابلِ قدر تجاویز پیش کی گئی ہیں لہٰذا حکومت نے اسکیم پر نظرِ ثانی کی ہے۔

اسکیم کے اغراض و مقاصد

اسکیم کا مقصد یہی ہے یعنی دیہی علاقوں میں تمام ضرورت مند تندرست بالغ افراد کو جسمانی محنت کے سود مند کام میں لگایا جائے۔ کام مہیا کرنے کی ضمانت صرف دیہی علاقوں میں دی جائے گی۔ یہ غیر ماہرانہ جسمانی کام ہوگا جو صرف ۱۸ سال کی عمر کے بالغ افراد کو مہیا کیا جائے گا۔ اسکیم میں شرکت کرنے والے کو کام کسی بھی علاقہ میں جہاں اُسے پیش کیا جائے قبول کرنا ہوگا۔

اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ اس اسکیم کی عمل آوری سے زراعتی کاموں اور پیداوار پر بُرا اثر نہ پڑے۔ جہاں کہیں روزگار کے مواقع ہیں وہاں اسکیم عمل میں نہ لائی جائے گی۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ ضمانتی طور پر کام کی فراہمی سے پیداوار پائیدار ہو۔

منصوبہ بندی

ضمانتِ روزگار اسکیم کی مناسب منصوبہ بندی اس کی مؤثر اور کامیاب عمل آوری کے لئے ناگزیر ہے۔ کلکٹر مختلف کاموں کے منصوبے حاصل کریگا جو ضلع میں شروع کئے جائیں گے۔ اِن منصوبوں میں مختلف کاموں کے بارے میں تمام تفصیلات ہوں گی کہ آیا یہ جاری کام ہیں یا نئے کام ہیں۔ ترجیح کے لحاظ سے تعلقہ واری فہرست بنائی جائیگی اور تحصیلدار کو دی جائے گی۔

اِن تفصیلات کی بنیاد پر پیداواری کاموں کے بارے میں تحصیلدار خاکہ تیار کرے گا جو دو سال کی مدت کیلئے ہوگا اور کام ہر موسم میں بتدریج ہوگا۔

ساتھ ہی روڈ رولرس اور ڈمپرس جیسے ساز و سامان کی ایک مکمل تعلقہ واری فہرست تیار کی جائے گی جو ضلع میں مختلف شعبہ جاتی جماعتوں کے پاس دستیاب ہوں تاکہ جہاں ضرورت زیادہ ہو وہاں یہ سامان بھیجا جاسکے۔

گاؤں پنچایت کا سکریٹری گاؤں کے لئے ملازمت کے متلاشی اشخاص کا ایک تازہ رجسٹر تیار کرے گا۔ گاؤں پنچایت 'دیہی روزگار فنڈ' قوانین کے تحت مقامی اسکیموں میں فراہمیٔ روزگار کے مواقع کا جائزہ لے گی اور کام کے متلاشی اشخاص کی ایک فہرست تیار کرے گی جو جسمانی محنت کے کام

کرنے کے خواہشمند ہوں۔ یہ فہرست تحصیلدار کو پیش کی جائے گی جو کام کے متلاشیوں کا رجسٹر رکھے گا۔

پنچایت سمیتی کی سطح پر تحصیلدار بلاک ڈیولپمنٹ افسر کے صلاح مشورے سے ایک 'مین پاور بجٹ' تیار کرے گا۔

تنظیم

اگر ایک پنچایت سمیتی کے علاقہ میں کام دستیاب نہ ہو تو ضلع میں متصل پنچایت سمیتی کے علاقہ میں جہاں کیمپ کی کافی سہولتیں ہوں، کام مہیا کیا جائیگا اور اس صورت میں ضمانتِ روزگار کی تکمیل ہو جائے گی۔

کلکٹر ضمانتِ روزگار اسکیم کا مکمل نگراں ہوگا اسکیم کے تحت شروع کئے جانے والے کام اس خاکہ میں سے منتخب کئے جائیں گے جو ایمپلائمنٹ کمیٹی نے منظور کیا ہے۔ زیرِ عمل لانے والی جماعتوں میں جن کا تعین کلکٹر کرے گا سرکاری محکمہ جات شامل ہونگے۔ وہ ضلع میں ان جماعتوں کے مابین کام تقسیم کرنے کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔ حکومت ضلع عمل آوری جماعت کے محکمہ واری نگراں کی جانب سے لیت و لعل ادائیگی فرض میں کوتاہی سمجھے گی اور کلکٹر کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ حسبِ ضرورت خاطی کے خلاف کارروائی کے لئے اعلیٰ حکام سے رجوع کرے۔

منصوبہ میں صرف پیداواری نوعیت کے کام شامل ہوں گے۔ اس سلسلہ میں پرکولیشن تالاب، برادری کنوؤں کی گہرائی، کنتور باندھ، نالہ باندھ، سطح کی ہمواری، نہر، کھیت کی نالیوں اور خندق وغیرہ کے کاموں کا مشورہ دیا گیا ہے۔

پہاڑی اور دشوار گذار علاقوں میں جہاں پیداواری کام موجود نہیں ہیں، سڑک کا کام شروع کیا جائے گا جو کہ ۱۹۶۱ء سڑک منصوبہ میں شامل ہے۔

کام اس پیمانے کا ہوگا جو کہ ایک یا دو موسم میں مکمل کیا جاسکے اس لئے کوئی بھی ایسا کام جو عام طور پر ۲۰ ہزار روپے سے کم یا پانچ لاکھ سے زیادہ کی لاگت کا ہو، پروگرام میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی کام پانچ لاکھ روپے کے صرفہ سے زیادہ کا ہوگا تو اس کے لئے حکومت سے پیشگی منظوری حاصل کرنا ہوگی۔

شرحِ اُجرت

شرح اس طرح مقرر کی جائے گی کہ ہر طرح کے کام کی اُجرت مختلف رہے تاکہ دیہی علاقوں میں کھیتوں، جنگلوں، مویشی خانوں، ماہی گیری اور دوسرے ضمنی پیشوں میں لگے ہوئے لوگ ان کو چھوڑ کر متذکرہ کاموں کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔

اُجرت انفرادی طور پر کئے گئے کاموں کی نوعیت اور مقدار کے مطابق ادا کی جائے گی جس میں جنس کی کوئی تفریق نہ ہوگی۔ مثلاً ایک اوسط بالغ شخص اگر ایک دن میں آٹھ گھنٹے (ایک گھنٹہ آرام کے ساتھ) کام کرتا ہے تو اُس کو چھ دن کا ۱۸ روپیہ یا سات دن کا ۲۱ روپیہ زیادہ سے زیادہ ملے گا۔ کام کے اوقات مقامی طور پر اسی بنیاد پر مقرر کئے جائیں گے اور جو شخص وقتِ مقررہ پر ڈیوٹی پر حاضر ہوگا اس کو ہی کام پر لیا جائے گا۔

شرائط

اسکیم کے تحت کام اُسی وقت شروع کیا جائے گا جب پچاس یا زائد افراد کو کام پر لگانے کی ضرورت ہو اور جس سے روزگار چاہنے والوں کی کام کی ضمانت کا اصول متاثر نہ ہو۔ نامکمل پیداواری کاموں کو سب پر ترجیح دی جائے گی اور نئے پیداواری کام اُسی وقت شروع کئے جائیں گے جب کوئی پیداواری کام باقی نہ ہو۔ پہاڑی اور ادیباسی علاقوں میں اسکیم کے تحت کسی بھی کام کو شروع کیا جا سکتا ہے۔

اسکیم کے تحت سارے کام محکمہ جاتی طور پر کئے جائیں گے ٹھیکیداروں کے ذریعہ نہیں صرف بعض کام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

حکومت نے اسکیم کے نفاذ سے متعلق عہدیداروں سے درخواست کی ہے کہ وہ ٹھیکیداروں کو ہدایت کریں کہ وہ کاموں پر زیادہ سے زیادہ مقامی لوگوں کو لگائیں۔

معائنہ اور نگرانی

کلکٹر کی براہ راست نگرانی میں تین اشخاص پر مشتمل کام کی جانچ کے لئے ایک دستہ قائم کیا جائیگا جو کام کی عمل آوری کے سلسلے میں نگرانی کا ذمہ دار ہوگا۔

یہ دستہ مستقل طور سے رپورٹ کلکٹر کو دیتا رہے گا جو کہ آڈٹ کی رپورٹ پر فوری اقدام کریگا نیز حکومت کو مطلع کرے گا۔ اگر کوئی گڑبڑ پائی گئی تو کلکٹر مختار عہدیدار کے ذریعہ متعلقہ افسر کے خلاف فوری کارروائی کراکے اسے معطل کر دیگا۔

حکومت نے فوری طور پر ایک ریاستی سطح کی کمیٹی وزیر اعلیٰ کی زیر صدارت تشکیل دینے کا فیصلہ کیا ہے جسمیں وزرائے آبپاشی، زراعت، مالیات، صنعت و محنت، محصول، عمارات و مواصلات اور وزیر ریاست برائے منصوبہ بندی شامل ہونگے۔ اور سکریٹری (پلاننگ) اس کے سکریٹری ہوں گے۔ یہ کمیٹی اسکیم کی عمل آوری میں رہنمائی کریگی نیز ریاست میں روزگار کی صورتحال کے بارے میں وقتاً فوقتاً جائزہ لیتی رہے گی۔ اسی طرح ضلع سطح، تعلقہ واری سطح اور پنچایت سطح پر بھی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی۔

حکومت ضمانتِ روزگار اسکیم کو پوری طرح سے اور موثر طریقہ سے زیرِ عمل لانے کو بیحد اہمیت دیتی ہے اور خواہش کرتی ہے کہ ہر سطح کا عہدیدار خواہ وہ کسی بھی سرکاری محکمہ کے تحت ہو اور ساتھ ہی ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیوں کو چاہیے کہ وہ اس اسکیم کو ایک چیلنج سمجھیں اور ایک دوسرے سے پورا تعاون کریں۔

●●

اسمبلی کی کارروائی

اسمبلی کا اجلاس باراں ۱۴ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اختتام پذیر ہوا۔ اسپیکر، شری ایس۔کے۔ وانکھیڈے نے اعلان کیا کہ وہ گورنر سے موسم سرما کا اجلاس ناگپور میں ۱۸ نومبر سے بلانے کی سفارش کریں گے ایوان نے گذشتہ ہفتہ کے دوران جو ۲ ستمبر سے شروع ہوا تھا صرف تین دن کارروائی کی۔

ان تین دنوں میں ایوان نے مہاراشٹر چٹ فنڈ بل، ۱۹۷۴ء پاس کر دیا جو شری ایم۔ڈی۔ چودھری وزیر مالیات نے پیش کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس بل کا مقصد چٹ فنڈ کے ذریعہ اقتصادی لین دین کی باضابطگی ہے۔

بحث کے دوران سردشری ڈی۔جی۔ پرسوگاؤنکر، جگیش دیسائی، شیوراج پاٹل، آر۔ڈی۔ منڈے، ایچ۔این۔ ترویدی، ڈی۔جی۔ پالکر، جی۔این۔ بنات والا، اے۔ٹی۔ پاٹل اور دیگر اراکین نے مجموعی طور سے بل کا خیر مقدم کیا۔ تاہم انہوں نے کچھ مشورے بھی دئے۔

مہاراشٹر گرام دان (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء بھی زیادہ بحث کے بغیر منظور کر دیا گیا۔

بیج اور کھاد کی گرانی

بیج، کھاد اور کیڑا مار اُدویہ کی بڑھتی ہوئی قیمتوں پر نامکمل بحث بھی ختم ہو گئی جو دو ہفتہ قبل اپوزیشن کے ممبران نے چھیڑی تھی۔ دونوں پارٹیوں کے اراکین نے ان اشیا کی بڑھتی ہوئی قیمتوں پر تشویش کا اظہار کیا جو زراعت کے لئے لازمی ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ ان بڑھتی ہوئی قیمتوں کے باوجود یہ اشیا منڈی میں دستیاب نہیں ہیں اور کسانوں کو کالے بازار سے خریدنا پڑتی ہیں۔

شری آر۔اے۔ پاٹل نے یہ شکایت کی کہ بوائی کے لئے تقسیم کئے گئے مستند بیج بھی ملاوٹ دار تھے۔

اپنے جواب میں شری ایس۔بی۔ چوان، وزیر زراعت نے بیج اور کھاد کی قلت کے بارے میں الزامات کو رد کرتے ہوئے عددی تفصیلات پیش کیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سال مرکز نے ریاست کو بیج اور کھاد کا جو کوٹہ دیا ہے وہ بھی گذشتہ پانچ سال کے دوران دئے گئے کوٹہ سے زیادہ ہے۔ یہ اشیا حکومت کی زیر نگرانی تقسیم کی گئیں تاکہ تقسیم برابر ہو۔ اس کے باوجود قلت پیدا ہونے کا سبب چور بازاری اور ریاست کے باہر بیج اور کھاد کی خفیہ فروخت ہے۔ آپ نے متنبہ کیا کہ حکومت اس پر سخت نظر رکھے گی۔

ملاوٹ دار بیج کے بارے میں شری چوان نے فرمایا کہ اس سال ۴۴ تا ۴۸ ہزار کوئنٹل بیج تقسیم کیا گیا جو کسانوں نے چھ لاکھ ہیکٹر اراضی میں بویا۔ ملاوٹ کی شکایت اس بیج سے متعلق ہے جو ضلع سانگلی میں ۲،۰۰۰ ہیکٹر اراضی پر بویا گیا تھا۔ اس معاملہ میں تحقیقات کی ضرورت ہے۔ سی۔آئی۔ڈی اس معاملہ میں تحقیقات کرے گی اور رپورٹ موصول ہونے کے بعد خاطی کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

وزیر موصوف نے اس الزام کی بھی تردید کی کہ زراعت کے لئے ایسی لازمی اشیا کی قیمتوں میں اضافہ کے باعث زراعتی پیداوار پر برا اثر پڑا ہے۔

ایوان نے مسلمانوں میں سماجی اور اقتصادی پسماندگی کے بارے میں چھان بین کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن کے تقرر سے متعلق شری جی۔ این۔ بنات والا کی قرارداد رد کردی۔

اسپیکر نے شری پرمود نولکر کو ضابطہ کا سوال اُٹھانے کی اجازت نہیں دی جن کا خیال تھا کہ یہ قرارداد غیر آئینی ہے لہذا اس پر بحث نہ ہونا چاہئے۔

شری ایس۔ ڈی۔ منڈلک نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جب کہ ہندوستان میں ۶۵ فیصدی آبادی کا معیار غریبی کی سطح سے بھی ادنیٰ ہے تو یہ کیسے مناسب ہوگا کہ ایک خاص فرقہ کو مذہبی بنیاد پر الگ رکھا جائے اور اسے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

سرو شری اے۔ ایچ۔ ہمدانی، پرمود نولکر، فاروق پاشا اور پی۔بی۔ پاٹل نے بحث میں حصہ لیا۔

تحقیقاتی کمیشن کا مطالبہ رد کرتے ہوئے شریمتی پرتبھا پاٹل، وزیر سماجی بھلائی نے فرمایا کہ مہاراشٹر میں تعلیم کی شرح ۳۹ ہے۔ غالباً مسلمانوں میں یہ شرح تناسب کم ہے۔ بہر حال حکومت کے خیال میں صورت حال ایسی نہیں ہے جس میں مسلمانوں کے درمیان پس ماندگی کا جائزہ لینے کے لئے تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنا ضروری ہو۔

شریمتی پاٹل نے مزید فرمایا کہ حکومت اس بات کو نہیں مانتی کہ مسلم فرقہ پسماندہ ہے۔ اس فرقہ میں بہت سے عظیم افراد پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اس ملک کی تعلیمی، سیاسی اور ثقافتی زندگی پر بڑے اثرات ڈالے ہیں۔ سب ہی فرقوں اور جاتیوں کو یکساں طور سے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جا رہی ہیں۔ مسلمان بھی دوسرے فرقوں کے ساتھ ان سہولتوں سے فائدہ اٹھا کر تعلیمی اعتبار سے یقیناً ترقی کر سکتے ہیں۔

ی بے روزگاری

مبران نے جن میں سروشری اے۔ٹی۔
ی۔ شیودرے، اے۔ این۔ تھوپٹے
پاٹل وغیرہ شامل ہیں، ایک قرارداد
ے حکومت کی توجہ دیہی علاقوں میں
کے باعث پیدا ہونے والی نازک
ور غریب کسانوں اور زراعتی مزدوروں
سنے والے اثرات پر مبذول کرائی
ممبران نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ناکافی
عث دیہی علاقوں میں صورتِ حال
کمراں اور اپوزیشن دونوں ہی
لین نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر حکومت
ر اسکیم کو زیرِ عمل لانے میں موجودہ
ر بند رہی تو اس کے ذریعہ مسئلہ

ی اے۔ ایچ۔ ممدانی، دی۔جی۔ شیودرے
ور دلاجی پاٹل وغیرہ نے اس بات پر
اسکیم کو زیرِ عمل لانے کیلئے ریاستی
ز سے کافی مالی امداد نہیں ملتی ہے تو
ٹیکس عائد کرکے سرمایہ اکٹھا کیا

ہ یہ تھا کہ اسکیم کو مستقل قرار دیا
، بھلائی اقدام کے طور پر نہیں بلکہ
م کے طور پر زیرِ عمل لایا جائے۔
۔بی۔ پاٹل نے فرمایا کہ اسکیم کے
، میں انسانی طاقت کو کام میں لایا
ن سے زندگی کی تین اوّل ترین
روریات یعنی غذا، کپڑے اور مکان
ادی ہو سکتی ہیں۔ نیز کروڑوں روپے
پیداواری کام بھی مکمل ہو سکتے

ہیں۔ آپ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ حکومت اسکیم کو زیرِ عمل لانے کے لیے سرمایہ داروں کے منافع اور ملازمین کی تنخواہ پر ٹیکس عائد کرکے نیز سرکاری اخراجات میں دس فیصدی تخفیف کرکے سرمایہ اکٹھا کر سکتی ہے۔

بہتر اسکیم

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری دی۔پی۔ نائک وزیر اعلیٰ نے ایوان کو یقین دلایا کہ آئندہ پندرہ دن کے اندر حکومت بہتر ضمانتِ روزگار اسکیم کا اعلان کرے گی۔ یہ محض سرکاری اسکیم نہیں ہے اور نہ ہی اس کا تعلق کسی خاص جماعت سے ہے۔ درحقیقت یہ مہاراشٹر میں سب ہی لوگوں کی اسکیم ہے۔ لہٰذا ہم اس اسکیم کو کامیابی سے زیرِ عمل لانے کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔

اسکیم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ یہ اسکیم ۱۵ نکاتی" غریبی ہٹاؤ" پروگرام کے عین مطابق ہے۔ اس سال ۱۰ کروڑ روپے کی رقم بجٹ میں مختص کی گئی ہے۔ نیز امید ہے کہ مرکز مزید ۱۰ کروڑ روپے کی رقم مہیا کرے گا۔

ممبران کے اس مشورے پر کہ اسکیم کے لیے ۳۰ تا ۴۰ کروڑ روپے کی رقم مہیا کی جائے، شری نائک نے فرمایا کہ ہمیں اس قدر رقم کی ضرورت نہ ہوگی۔ انسانی نقطۂ نظر رکھتے ہوئے ہمیں عملی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

آپ نے آگے فرمایا کہ اس سال حکومت نے خطۂ اورنگ آباد میں صورت حال کٹھن ہوتے ہی روزگار ضمانت اسکیم کے تحت کام شروع کر دیے تھے۔ ابتک ۵ء۲۶ لاکھ اشخاص کو اسکیم کے تحت روزگار مہیا کیا گیا ہے۔

شری نائک نے بتایا کہ مہاراشٹر پہلی ریاست ہے جس نے یہ اسکیم جاری کی ہے۔ میں خود ذاتی طور سے اس اسکیم کی اہمیت مرکز پر واضح کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہم نے اسکیم کو زیرِ عمل لاتے وقت ایک خطرہ سا مول لیا ہے۔ اگر مرکز نے امداد نہ دی تو ہمیں ٹیکس لگا کر یا دیگر ذرائع سے سرمایہ اکٹھا کرکے اسے زیرِ عمل لانا ہوگا۔ آپ نے ریاست میں ملازمین اور تعلیم یافتہ اشخاص سے اپیل کی کہ وہ اسکیم کو زیرِ عمل لانے میں مالی بار اٹھائیں اور غریبوں کو روزی مہیا کرنے میں اپنی سماجی ذمہ داری پوری کریں نیز ذہین اور ماہر اشخاص اور کمیٹیوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اسکیم کو کامیابی سے زیرِ عمل لانے میں رہنمائی کریں۔

وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ حکومت ہر حلقہ میں ایک رابطہ کمیٹی مقرر کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ اس حلقہ کا رکنِ اسمبلی رابطہ کمیٹی کا سربراہ ہوگا جس سے عوامی نمائندگی ہوگی۔

سروشری اے۔ ٹی۔ پاٹل، دی۔ جی۔ شیودرے، ایس۔ ڈی۔ منڈلک، کے۔بی۔ مہسکے، اے۔این۔ تھوپٹے، پربھاکر کُنٹے، این۔ آر۔ بھورکڑے، اے۔ ایچ۔ ممدانی، دلاجی پاٹل، ایس۔جی۔ پاٹل، کے۔بی۔ شکھلے وغیرہ نے بھی اظہارِ خیال فرمایا۔

شری وی۔کے۔ سردیشپانڈے

حکومتِ مہاراشٹر نے شری وی۔کے۔ سردیشپانڈے تحصیلدار کو فوری طور سے تین سال کی مدت کے لیے بلولی میونسپل کونسل، ضلع ناندیڑ کا منتظم مقرر کیا ہے۔

۳۰ راگست کو ختم ہونے والے ہفتہ کے دوران ایوان نے ضمنی مطالبات بابت ۱۹۷۲-۷۳ء نیز اسمگلنگ کے خلاف شیوسینا کی مہم پر بحث کی۔

محکمہ جات جنرل ایڈمنسٹریشن، منصوبہ بندی اور امور داخلہ سے متعلق مطالبات پر بحث کے دوران شری دولت بھوسلے نے وفادار ملازمین کو دیئے جانے والے دو اضافوں نیز ادیباسی علاقوں میں ایس۔آر۔پی۔ جمیعت کے تقرر پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

شری ایس۔ کے۔ ولیشمپایان نے مرہٹواڑہ میں ایک سائنس ادارہ اور میڈیکل کالج کے قیام کی ضرورت جتائی۔

سروشری این۔ ڈبلیو۔ لیمائے، پی۔ این۔ راج بھوج، این۔ ڈی۔ اگالے اور رام میگھے نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری وی۔ پی۔ نائک، وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ حکومت ہمیشہ اپنے ملازمین کی ہمدرد رہی ہے تاہم وہ انتظامیہ کو ٹھپ کرنے کی کوئی کوشش برداشت نہیں کر سکتی۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں دو اضافے دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن بعض وجوہات سے ابھی تک اس پر عمل نہ ہو سکا تھا۔ ریلوے ملازمین کی ہڑتال کے دوران بھی سرکاری ملازمین نے "بھارت بند" میں شرکت کی تھی۔ اس طرح وہ مزدور تحریک کا شکار ہوئے۔ لہٰذا حکومت نے فیصلہ کیا کہ اضافے فوراً دے دیئے جائیں۔

نئی بندرگاہ کی افادیت

جڑواں شہر پر کئے جانے والے اخراجات پر نکتہ چینی کا ذکر کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ نئی بمبئی کی تعمیر کا کام فی الحال شروع ہو چکا ہے لہٰذا اب یہ ممکن نہیں ہے کہ حصولِ اراضی کا کام روک دیا جائے۔ نہوا۔شیوا بندرگاہ معاشی نقطۂ نظر سے مہاراشٹر کے لئے سودمند ہوگی۔

شری رام میگھے کی اس تجویز کا کہ چھترپتی شیواجی مہاراج کے سہ صد سالہ جشن تاجپوشی کے دوران ملٹری اسکول قائم کئے جائیں، ذکر کرتے ہوئے شری نائک نے فرمایا کہ دو اہم ادارے قائم کرنے کی تجویز حکومت کے زیر غور ہے۔ نیز آپ نے یقین دلایا کہ مراٹھواڑہ میں ایک سائنس ادارے اور میڈیکل کالج کے قیام کیلئے حکومت اپنا وعدہ پورا کرے گی۔

محکمۂ داخلہ کے مطالبات پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر مملکت برائے امور داخلہ نے فرمایا کہ کمیونسٹ ضلع دھولیہ میں ادیباسیوں کو جنگلاتی اراضی پر غاصبانہ قبضہ کے لئے اُکسا کر سیاسی کھیل کھیل رہے ہیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ حکومت ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔

محکمہ منصوبہ بندی کے مطالبات پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شریمتی پربھا راؤ، وزیر مملکت برائے منصوبہ بندی نے فرمایا کہ اضلاع کی معیشت کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد اضلاع کے لئے ماسٹر پلان تیار کئے گئے تھے۔ حکومت نے پس ماندہ طبقات اور ادیباسیوں کا بھی خیال رکھا۔ لہٰذا حکومت کے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کو ضلع منصوبہ بندی بورڈوں اور ضلع ترقیاتی مشاورتی کونسلوں میں نمائندگی دی جائے۔

مالیات، جنگلات اور چھوٹی بچت محکمہ جات کے مطالبات پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے اس امر کی وضاحت کی کہ حکومت جنگلات اراضی پر غاصبانہ قبضہ، خواہ وہ ادیباسیوں نے یا دوسرے لوگوں نے کیا ہو، برداشت نہ کرے گی۔ حکومت غاصبانہ قبضہ کو ختم کرنے کی کارروائی کرے گی۔ آپ نے مزید فرمایا کہ حکومت ادیباسیوں کی ہمدرد ہے لیکن اُن کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ زمین پر ناجائز طور سے قبضہ کریں۔ ریاست میں صرف ۵۶،... مربع میٹر جنگلاتی اراضی غاصبانہ قبضہ کیا گیا ہے۔ اسے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا حکومت نے ایس۔آر۔پی۔ جمیعت کی تعداد بڑھائی۔ مزید ایس۔آر۔پی۔ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ادیباسیوں میں خوف وہراس پھیلایا جائے بلکہ اس کا مقصد حکام جنگلات کی حفاظت کرنا ہے۔

ضلع چندرپور کے مقام مانک گڑھ نیز ضلع دھولیہ کے مقام نواپور میں بے زمین مزدوروں کے غاصبانہ قبضہ کا ذکر کرتے ہوئے شری چودھری نے

ران سے اپیل کی کہ وہ جنگلات
کام میں تعاون کریں۔ حکومت کو
مددی ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ
میں اراضی دی جائے۔ تاہم وہ اس
ے گی کہ دیہی ضمانت روزگار اسکیم
بات کے کاموں میں انھیں لگا کر
ی مہیا کی جائے۔

این۔ ڈبلیو۔ لیمائے اور پی۔ این
میں حصہ لیا۔

پاور محکمہ کی نئی تنظیم

محکمہ آبپاشی و پاور کی نئی تنظیم
ا کام بلا تاخیر مؤثر طریقہ سے انجام
لشاف شری دی۔ پی۔ پاٹل وزیر
رنے اپنے محکمہ کے مطالبات پر
یتے ہوئے کیا۔ آپ نے مزید
ہم تنظیم نو کے باعث ۱۴ ا کروڑ
ر سکے۔ نیز ایگزیکیٹیو انجنیئروں
ت دئے گئے ہیں۔ لہٰذا اب انھیں
نے کی ضرورت نہ رہے گی۔

نے ایوان کو یہ بھی بتایا کہ
ر ملازمین نے مقررہ وقت سے
پروجیکٹ کا کام پورا کر لیا اور
ی بچت کی۔ لہٰذا حکومت نے
کی غرض سے ۴ لاکھ روپے نقد
دی ہے۔

این۔ دی۔ آگاشے، این۔ ڈبلیو۔
پیان نے بحث میں حصہ لیا۔

کے ذریعہ کھاد کی تقسیم

مہ کے مطالبات پر بحث کا جواب
آر بجے۔ دیوتلے، وزیر مملکت
یر اعظم کی اس نکتہ چینی کا ذکر
کیا جو انھوں نے اناج کی پیداوار بڑھانے کے لئے
حکومت کی کوششوں پر کی تھی۔ آپ نے فرمایا
کہ اعلیٰ اور اچھی پیداوار دینے والے اقسام کے
بیج کی کاشت کر کے جوار کی پیداوار بڑھائی جا سکتی
ہے اور ریاستی حکومت اس معاملہ میں کوشش کر
رہی ہے۔ کھاد کی تقسیم کا کام ضلع پریشدوں کے
حوالے کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا تقسیم کے کام میں بدعنوانی
کی روک تھام ہو سکے گی اور حکومت قصوروار پائے
جانے والوں کے خلاف سخت کارروائی کرے گی۔

سرو شری پی۔ این۔ راج بھوج، این۔ ڈبلیو۔
لیمائے، دولت بھوسلے، بابو راؤ جادھو، این۔ دی۔
آگاشے اور سونو بھاؤ ساونت نے بحث میں حصہ لیا۔

شری ایس۔ اے۔ سوتکے، وزیر مملکت برائے
امداد باہمی نے محکمۂ امداد باہمی کے مطالبات پر بحث
کا جواب دیتے ہوئے تسلیم کیا کہ قرضوں کی وصولی
قابل اطمینان نہیں ہے۔ تاہم حکومت اس کے لئے
مناسب اقدامات کر رہی ہے۔

امداد باہمی سوسائٹیوں میں بدعنوانیوں کے
بارے میں شری سوتکے نے بتایا کہ ایسے معاملات
کی تحقیقات کے لئے حکومت نے ٹربیونل مقرر کر
دئے ہیں۔

اسمگلنگ کا انسداد

سرو شری ایل۔ پی۔ بچاری، پی۔ این۔ راج بھوج،
این۔ جی۔ نندے اور این۔ دی۔ آگاشے کی جانب سے
پیش کی گئی بے ضابطہ قرارداد کا جس میں انسداد
بدعنوانی محکمہ کی مدد کے بہانے بمبئی کے بعض حصوں
میں شیو سینا کی مبینہ لوٹ مار اور اس کے باعث
پیدا ہونے والے خوف و ہراس کا ذکر کیا گیا تھا، جواب
دیتے ہوئے شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر مملکت برائے
امور داخلہ نے فرمایا کہ ریاست میں اسمگلنگ کی روک
تھام کے لئے تمام سیاسی پارٹیوں کا تعاون حاصل
کرنا لازمی ہے۔ تاہم آپ نے صاف الفاظ میں سیاسی
پارٹیوں کو متنبہ کیا کہ اگر انہوں نے اس مقصد سے
قانون اپنے ہاتھ میں لیا تو حکومت اسے برداشت
نہ کرے گی۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ اسمگلروں کی
جماعت بڑی زبردست اور نہایت منظم ہے۔ حکومت
تنہا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا میرے خیال میں
اگر حکومت اس کام میں بعض جماعتوں مثلاً شیو
سینا اور دیگر افراد کا تعاون حاصل کرے تو اس
میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

شری پوار نے بتایا کہ حکومت اسمگلنگ کو
یکسر مٹا دینا چاہتی ہے۔ تاہم ریاستی حکومت کو
اس کے لئے ضروری اختیارات نہیں تھے۔ لہٰذا
ریاستی حکومت ۱۹۶۹ء سے مرکزی حکومت سے
اس کے لئے کافی اختیارات مانگ رہی تھی۔

وزیر موصوف نے اس الزام کی بھی تردید
کی کہ حکومت شیو سینا کے خلاف کوئی کارروائی
نہیں کر رہی ہے۔

سرو شری ایل۔ پی۔ بچاری، این۔ جی۔
نندے، این۔ ڈبلیو۔ لیمائے، ڈی۔ دی۔ دلشاپانڈے،
لیون ڈلیسوا، منوہر جوشی اور شریمتی احمد نے بھی
بحث میں حصہ لیا۔

ایوان نے اسمبلی کے منظور کردہ حسب
ذیل بل پاس کئے: مہاراشٹر متاڈی، حمال اور
دیگر محنتی مزدور (باضابطگی ملازمت اور بھلائی)
(ترمیم و توثیق) بل ۱۹۷۴ء، مہاراشٹر یونیورسٹی
(ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء اور شریمتی نتھی بائی
دامودر ٹھاکرسی ویمنس یونیورسٹی (توثیق قوانین)
بل ۱۹۷۴ء۔

☆

ہفتہ مختتمہ ۱۴ ستمبر کے دوران کونسل میں
اعلیٰ ثانوی تعلیم کے نئے نظام، ضروری اشیا کی
قلت اور ضمانت روزگار اسکیم پر بحث ہوئی۔

اعلیٰ ثانوی تعلیم کے نئے نظام پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری اے۔ این۔ نامجوشی، وزیر تعلیم نے ان خدشات کا ازالہ کیا کہ نئے نظام تعلیم کے رواج سے ہزاروں مدرس بے کار ہو جائیں گے۔ آپ نے بتایا کہ اسکولوں اور کالجوں کو یہ دیکھ کر کہ وہ کہاں تک نئی طرز کی تعلیم دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی ذمہ داری سونپی جائے گی۔ حکومت دیہی اسکولوں کو سامان کی خریداری کے لئے قرض دینے کے مطالبہ پر بھی غور کرے گی۔ آپ نے ایوان کو یہ بھی یقین دلایا کہ صنعتوں کو درکار "مین پاور" کے بارے میں بھی جائزہ لیا جائے گا تاکہ ۱۹۷۵ء میں فارغ ہو کر نکلنے والی طلبا کی پہلی جماعت کو فائدہ پہنچے۔

بحث میں حصہ لیتے ہوئے شری ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے نے یہ مشورہ دیا کہ نئے طرز تعلیم کو کام کا رخ دیا جائے۔ ورکشاپ اور کارخانوں میں عملی تعلیم پر زیادہ زور دیا جائے۔ آپ نے اس مقصد سے تعلیمی اداروں اور صنعتوں کے مابین ان کے آس پاس کے علاقہ میں تعاون کی ضرورت بھی جتائی۔

شری جی۔ آر۔ ویدیا نے یہ خواہش ظاہر کی کہ چھ کی بجائے پانچ لازمی مضامین ۔ ۔ ۔ ہائیں۔ آپ نے یہ مشورہ بھی دیا کہ نئے نصاب ۔۔۔ ۔ پوری طرح غور کرنے کے لئے صدر مدرسین، مدرسین اور ماہروں پر مشتمل کمیٹی قائم کی جائے۔

سر و شری ڈی۔ کے۔ دیش مکھ، ایچ۔ ایس۔ پھوار، ایم۔ پی۔ منگوڈکر، وٹھل راؤ جگتاپ اور تاتیا سولے نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

ضمانتِ روزگار اسکیم پر بحث کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ اسکیم غربت کو دور کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور اسی سے "غریبی ہٹاؤ" مہم کامیاب ہو سکتی ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اس اسکیم کا مقصد غریب کے ساتھ انصاف کرنا ہے۔ آپ نے یہ بھی واضح کیا کہ ریاستی حکومت نے مرکز کی پیشگی رضامندی سے قبل ہی ۱۵ نکاتی پروگرام وضع کیا تھا نیز ضمانتِ روزگار اسکیم پر عمل شروع کر دیا تھا۔

وزیر اعلیٰ نے یہ بھی دعویٰ کہ حکومتِ مہاراشٹر نے جو بھی اسکیمیں شروع کیں انھیں ہمیشہ قومی سطح پر قبول کیا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اسکیم بھی آئندہ مرکز منظور کر لے گا۔

یہ خیال ظاہر کرتے ہوئے کہ ایسی منصوبہ بندی جس میں غریب فرد کو مرکزی جگہ نہ دی گئی ہو صحیح منصوبہ بندی نہیں قرار دی جا سکتی شری نائک نے بتایا کہ میں نے قومی ترقیاتی کونسل (نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل) کو بھی جتا دیا ہے کہ بدقسمتی سے مرکزی منصوبہ بندی میں بھی غریب فرد کو کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ۵۰۰۰ کروڑ روپے کے منصوبہ میں سے اس اسکیم کے لئے صرف ۱۰ کروڑ روپے کی رقم کیوں نہیں دی جا سکتی۔

آپ نے ایوان کو یقین دلایا کہ مرکز کی جانب سے امداد نہ ملنے کے باوجود ضمانتِ روزگار اسکیم میں رکاوٹ نہ پڑے گی۔ وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ اس اسکیم کی خاطر تاجروں، بیوپاریوں اور ملازم اشخاص کو ٹیکس برداشت کرنا ہوگا۔ تعلیم یافتہ اشخاص کا فرض ہے کہ وہ غریب کو نہ بھولیں اور اپنی آمدنی کا ایک حصہ قربان کریں۔

بحث کا آغاز کرتے ہوئے شری اپا صاحب جادھو نے فرمایا کہ بجٹ میں اسکیم کے لئے رکھی گئی ۱۰ کروڑ روپے کی رقم بہت قلیل ہے۔ پانچ لاکھ افراد کو روزگار دلانے کے لئے چھ ماہ کے واسطے کم سے کم ۲۵ کروڑ روپے کی رقم درکار ہوگی۔ آپ نے مشورہ دیا کہ اس مقصد کے لئے امیر کسانوں، باغات داروں اور کارخانہ داروں وغیرہ پر ٹیکس لگایا جائے۔

سر و شری وٹھل راؤ جگتاپ اور بی۔ کے۔ بھلارے نے فرمایا کہ اسکیم کے تحت مزدوروں کو زیادہ اُجرت ملنی چاہیئے۔

سر و شری تاتیا سولے، پی۔ این۔ راج بھوج، رام میگھے، ڈی۔ کے۔ دیش مکھ، بابو راؤ جادھو اور ایم۔ این۔ اگلے نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

آخر میں شری وی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین نے تمام پارٹیوں سے اپیل کی کہ وہ تعاون کریں تاکہ اسکیم کامیاب ہو۔ اگر یہ اسکیم مہاراشٹر میں کامیاب ہو گئی تو یہ سارے دیس میں زیر عمل لائی جائے گی۔

گھاسلیٹ، اناج، نمک، خوردنی تیل، شکر اور دیگر ضروری اشیا کی قلت نیز ان کی تقسیم میں مبینہ بدانتظامی پر سرو شری ڈی۔ وی۔ دیش پانڈے اور ایل۔ پی۔ پجاری وغیرہ کی جانب سے چھیڑی گئی بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر مملکت برائے سول سپلائز نے فرمایا کہ حکومت لازمی اشیا کی چڑھتی ہوئی قیمتوں اور قلت کے باعث لوگوں کی تکالیف سے باخبر ہے اور اس کے تدارک کی کوشش کر رہی ہے۔ حکومت نے ذخیرہ اندوزوں اور کالابازاریوں کے خلاف سخت پالیسی اختیار کی ہے اور ان لوگوں کو کسی بھی حال میں نہ بخشا جائے گا۔

شری پوار نے آگے فرمایا کہ گذشتہ چند سال سے ریاست کو قلت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس سال یہ امید تھی کہ فصل اچھی ہوگی۔ لیکن بدقسمتی سے یہ اُمید پوری نہ ہوئی۔ اگر حکومت ۱۰ کلوگرام فی کس کے حساب سے اناج تقسیم کرے تو ۸۰ لاکھ ٹن اناج کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ہماری پیداوار ۵۲ تا ۵۳ لاکھ ٹن ہے۔ چنانچہ قلت کو پورا کرنے کے لئے دیگر ریاستوں یا مرکز سے اناج حاصل کرنے کے لئے لگاتار کوشش کی گئی۔ گذشتہ ماہ اگست میں مرکز نے ۹۴۰۰۰ ٹن اناج کا کوٹہ دیا اور اس ماہ بھی اتنی ہی مقدار میں اناج ملنے کی توقع ہے۔

آپ نے بیان کیا کہ ملک میں اناج، تیل اور بناسپتی کی قلت ہے۔ لہٰذا ہم اس معاملے میں مرکز پر دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ مرکز کے حکم کے بموجب ریاست نے گیہوں کی قیمتوں پر کنٹرول کا فیصلہ کیا۔ لیکن مقصد پورا نہ ہو سکا بلکہ اس کے باعث دیگر مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔ لہٰذا ریاستی حکومت نے مرکز کو مطمئن کرنے کی کوشش کی، جس نے اب ہمیں یہ حکم منسوخ کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ لہٰذا اب گیہوں کھلے بازار میں دستیاب ہو سکے گا۔

گھاسلیٹ کی فراہمی کے بارے میں شری پوار نے فرمایا کہ ماہِ رواں میں ہر راشن کارڈ پر ۱۲ لیٹر گھاسلیٹ دیا جائے گا۔ گیس رکھنے والوں کو صرف ۶ لیٹر ملے گا۔ حکومت، بیوپاریوں اور شکر سازوں کے درمیان شکر کی قیمت کم کرنے کے بارے میں بات چیت ہو رہی ہے۔ ریاستی حکومت نے مرکز سے درخواست کی ہے کہ وہ شکر کا حکم اجرائی بڑھا دے تاکہ شکر زیادہ آسکے۔

آپ نے فرمایا کہ شہر بمبئی میں ۸ کلو اناج، شولاپور، پونا اور دیگر بڑے شہروں میں ۷ کلو اور دیگر مقامات میں ۵ کلو اناج دینے کی کوشش کر رہی ہے۔

آخر میں شری پوار نے اپوزیشن کے ممبروں سے اپیل کی کہ وہ پیداوار بڑھانے میں حکومت سے تعاون کریں اور 'بند' وغیرہ سے احتراز کریں۔

بحث کا آغاز کرتے ہوئے شری ڈی۔ وی دیشپانڈے نے فرمایا کہ لوگوں کو حکومت پر بھروسہ نہیں رہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حکومت بیوپاریوں کے ساتھ ہے۔

سروشری ایم۔ پی۔ منگوڈکر اور رام سنگھ نے حکومت سے درخواست کی کہ بونس کو پیداوار سے منسلک کر دے نیز بونس ایکٹ میں ترمیم کرے۔ سروشری تاتیا سولے اور این۔ ڈبلیو۔ لیمائے نے بھی اظہارِ خیال فرمایا۔

ایوان نے حسب ذیل بل پاس کئے:

مہاراشٹر گنا خریداری ٹیکس (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء، مہاراشٹر اپروپری ایشن (دوسری ترمیم) بل ۱۹۷۴ء، بمبئی مرمت عمارات اور تعمیراتی بورڈ (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء، بمبئی خام کپاس (حصول پروسیسنگ اور فروخت) (دوسری ترمیم) بل ۱۹۷۴ء مہاراشٹر خاص قاعدہ برائے ادائیگی اسٹامپ ڈیوٹی (نمبر ۲) بل ۱۹۷۴ء، بمبئی کورٹ فیس (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء مہاراشٹر بحالی اراضی برائے مندرج قبائل بل ۱۹۷۴ء، مہاراشٹر گرام دان (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء اور مہاراشٹر چٹ فنڈ بل ۱۹۷۴ء۔

شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر مملکت برائے امورِ داخلہ اور پبلسٹی نے مہاراشٹر گیہوں (قیمت کنٹرول) حکمنامہ بابت ۱۹۷۴ء کی منسوخی پر بیان دیا۔

لیجسلیٹیو کونسل کا اجلاس باراں اختتام پذیر ہوا۔ چیرمین وی۔ ایس۔ پاگے نے اعلان کیا کہ گورنر سے یہ سفارش کی گئی ہے کہ موسم سرما کا اجلاس ۱۸ نومبر سے ناگپور میں منعقد کیا جائے۔

اس اجلاس کے دوران ایوان کی ۱۸ نشستیں ہوئیں، ۲۵ نئے ممبران نے حلف لیا، نیز ۲۶ بل پاس کئے گئے۔

مراٹھی سیکھنے کی اہمیت

(ہیڈ ماسٹر اے۔ اے۔ پرکار کی تقریر سے)

حکومتِ مہاراشٹر کی پالیسی کے عین مطابق ہر طالب علم کیلئے سکنڈری ایجوکیشن کے اختتام تک مراٹھی سے واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے اور اسی لئے حکومت نے اُن طلبہ کیلئے جو مراٹھی چھوڑ کر اور کسی دوسرے ذریعۂ تعلیم سے حصولِ علم کر رہے ہوں، درجہ ششم، ہفتم و ہشتم میں مراٹھی کو لازمی قرار دیا ہے۔ اس کا خاص مقصد یہی ہے کہ اقلیتی فرقے کی اکثریت کے ساتھ ہم آہنگی و یکجہتی ہو اور روزمرہ کے کاروبار میں، معاملات میں، بول چال میں و دیگر ضروری اُمور میں انھیں آسانیاں محسوس ہوں۔ زبانوں کی تعلیم کے اس فارمولے کے مطابق اُردو ذریعۂ تعلیم کے مدارس کے طلبہ یا تو درجہ ششم سے درجہ ہشتم تک تیسری زبان کی حیثیت سے مراٹھی سیکھ کر اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں یا وہ مراٹھی ہندی مشترکہ (کمپوزٹ) کورس کا فائدہ لے کر لازمی ثانوی زبان کے طور پر مراٹھی سیکھ سکتے ہیں۔ اگر وہ پہلے نمونے سے فائدہ اٹھا کر مراٹھی سیکھنا چاہتے ہوں یعنی تیسری زبان کے طور پر مراٹھی سیکھتے ہوں تو انھیں ہندی یا انگریزی چھوڑنا پڑے گا۔ لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ یہ بڑے نقصان کا سودا ہوگا، اس لئے اُردو ذریعۂ تعلیم کے مدارس کے طلبہ کے لئے ہندی، مراٹھی کے مشترکہ (کمپوزٹ) کورس کی زبان نمبر ۲ کے طور پر مراٹھی زبان سیکھنا مفید ہوگا۔ آئندہ ایس۔ ایس۔ سی۔ امتحان کے لئے مراٹھی کا امتحان دینے کی دونوں طرح کی سہولت ہوگی یعنی وہ تھری لینگویج فارمولا کے مطابق مراٹھی کو تیسری لازمی زبان سمجھ کر مراٹھی کا امتحان دے سکیں گے یا پھر ہندی۔ مراٹھی مشترکہ کورس کے مطابق لازمی زبان نمبر ۲ کہہ کر مراٹھی (باقی کالم دیگر)

کا امتحان دے سکیں گے۔ جو طلبہ درجہ نہم و دہم میں لازمی زبانوں کے گروپ میں مراٹھی زبان نہ لے سکے ہوں وہ اختیاری طور پر BR. (A) Miscellaneous کے مطابق یہ مضمون سیکھ سکتے ہیں۔

بہرطور مذکورہ حقائق کی روشنی میں یہ نہایت ضروری امر ہے کہ اردو ذریعۂ تعلیم کے مدارس کوئی مناسب طریقہ اپنے لئے انتخاب کریں اور اپنے طلبہ کو مہاراشٹر کی زبان سے روشناس کرائیں۔ قبل اس کے کہ وہ اپنی سکنڈری تعلیم پوری کریں۔

سرکاری فیصلے اور اعلانات

ربیع گیہوں مقابلہ
خاتون اوّل

ضلع دھولیہ کے تعلقہ نندربار میں موضع ٹھوکرتالے کی شریمتی لیلا بائی کرشنا پردیسی نے ۱۹۷۳-۷۴ء میں گیہوں کی ربیع فصل کے ریاستی سطح کے مقابلہ میں اوّل آئیں۔ انھیں فی ہیکٹر ۹۸ کینٹل ۵۲ کیلوگرام اور ۸۵۸ گرام گیہوں پیدا کرنے پر ۲۵۰۰ روپے کا انعام دیا گیا۔

شری رام کرشن ٹکارام کھیرڈے ساکن وروڈ، تعلقہ مورشی، ضلع امراوتی نے ۱۵۰۰ روپے کا دوسرا انعام اور شری گنپت دھرم جی دیشمکھ ساکن اردھاپور تعلقہ ناندیڑ، ضلع ناندیڑ نے ۱۰۰۰ روپے کا تیسرا انعام حاصل کیا۔ ان کی فی ہیکٹر پیداوار بالترتیب یہ ہے: ۸۰ کوینٹل ۶۶ کلوگرام اور ۴۱۱ گرام اور ۶۷ کوئنٹل ۶۷ کلوگرام اور ۳۹۱ گرام۔

زراعتی ریسرچ پر ڈاکٹر کے۔ جی۔ جوشی انعام

کسانوں کے فوری فائدے کی غرض سے زراعت کے میدان میں ریسرچ کے نمایاں کام پر ڈاکٹر کے۔ جی۔ جوشی انعام، سال ۱۹۷۲ء کے لئے حسب ذیل افراد کو دیا گیا ہے:

ڈاکٹر ایم۔ اے۔ طیب، ایسوسی ایٹ پروفیسر آف بوٹانی، پنجاب راؤ کریشی ودیا پیٹھ، اکولہ، شری جی۔ آر۔ تواڑی، سینئر پروفیسر آف بوٹنی، پنجاب راؤ کریشی ودیا پیٹھ، اکولہ اور شری ڈی۔ آر۔ باپٹ، سورگھم بریڈر، مراٹھواڑہ کریشی ودیا پیٹھ، پربھنی (مشترکہ طور پر)۔

۱۹۷۲ء کے سال سے پنجاب راؤ کریشی ودیا پیٹھ، اکولہ نے ۳۰۰ روپے کا نقد انعام ڈاکٹر کے۔ جی۔ جوشی، سابق ڈائرکٹر زراعت، ریاست مہاراشٹر کے نام سے رکھا ہے۔

یہ انعام جو ڈاکٹر مسز کملاتائی جوشی، ناگپور نے عطا کیا ہے ہر سال اکیڈمی اسٹاف ممبران کو دیا جاتا ہے۔

میجسٹریٹوں کو اختیارات

حکومت مہاراشٹر نے بڑی بمبئی میں عدالتی کارروائیوں کے لئے اقرارنامہ کے سوا دیگر تمام اقرارناموں کے مقصد سے حلف برداری اور توثیق کے لئے حسب ذیل میجسٹریٹوں اور اشخاص کو اختیارات تفویض کئے ہیں: چیف میٹروپولیٹن میجسٹریٹ، ایڈیشنل چیف میٹروپولیٹن میجسٹریٹس، میٹروپولیٹن میجسٹریٹس (باتنخواہ یا اعزازی)، رجسٹرار کورٹس آف میٹروپولیٹن میجسٹریٹس، ڈپٹی رجسٹرار، کورٹس آف میٹروپولیٹن میجسٹریٹس، اسسٹنٹ رجسٹرار، کورٹس آف میٹروپولیٹن میجسٹریٹس۔

مہاجرین یوگنڈا کو آگاہی

یوگنڈہ سے واپس آئے ہوئے اشخاص کا بہت سا سامان بمبئی میں گودی، سانتا کروز ہوائی اڈہ اور کسٹم ویر ہاؤس پر پڑا ہے۔

لہذا ایسے جن افراد نے ابھی تک اپنا سامان طلب نہیں کیا ہے انہیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کلکٹر آف کسٹمس، بمبئی سے رجوع کریں اور یکم اکتوبر ۱۹۷۴ء سے دو ماہ کی مدت کے اندر اپنا سامان اٹھوالیں۔

نیز ان سے یہ بھی درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے بھی جو یوگنڈا سے آئے ہیں، اس صورت میں کہ ان کا بھی سامان پڑا ہو اسے اٹھوانے کے لئے کہیں۔

شیواجی مہاراج کی تصویر

حکومت کے حالیہ فیصلے کے مطابق شری جی۔ کامبلے کی بنائی ہوئی چھترپتی شیواجی مہاراج کی جو تصویر سرکاری دفاتر اور تعلیمی اداروں میں لگائی جائے گی وہ زیر طبع ہے۔ فروخت کے لئے اس کی کاپیاں مینیجر، گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی ۴، مینیجر گورنمنٹ پریس، پونا، مینیجر گورنمنٹ پریس، ناگپور اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر، گورنمنٹ بک ڈپو، اورنگ آباد سے نومبر کے پہلے ہفتہ میں مل سکیں گی۔

یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ تصویر کی رنگین پلیٹ تیار کرنے میں بعض فنی دشواریوں کے سبب چھپائی کا کام گورنمنٹ سنٹرل پریس میں جلد نہ ہوسکا۔

دفتر کی منتقلی

اسٹیج پرفارمینسیز اسکروٹنی بورڈ کا دفتر جو پہلے سینسس بیرکس، جنرل جگن ناتھ بھونسلے روڈ، بمبئی میں واقع تھا، ۲۸ر ستمبر سے سچیوالیہ کے سامنے نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ کی تیرھویں منزل کے مشرقی حصہ میں منتقل ہوگیا ہے۔

ورلی اور نائیگام فسادات کی تحقیقات

بیانات پیش کرنے کی تاریخ بڑھا دی گئی!

کمیشن تحقیقات نے جو حکومت مہاراشٹر نے ورلی پولس اسٹیشن اور بھوئی واڑہ پولس اسٹیشن کے حلقہ میں ورلی اور نائیگام بی۔ ڈی۔ ڈی۔ چال اور اس کے گردونواح میں ۵ر جنوری سنہ ۱۹۷۴ء سے ۱۶ر فروری سنہ ۱۹۷۴ء تک وقفہ وقفہ سے ہونے والے فسادات کی تحقیقات کے لئے مقرر کیا تھا، اقرار نامہ اور تحریری بیانات داخل کرنے کی تاریخ ۳۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء تک بڑھا دی ہے۔ کمیشن سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ورلی پولس اسٹیشن کے حلقہ میں ورلی بی۔ ڈی۔ ڈی۔ چال اور اس کے گردونواح میں ۶ر اپریل سنہ ۱۹۷۴ء سے ۱۹ر اپریل سنہ ۱۹۷۴ء تک وقفہ وقفہ سے ہونے والے فسادات کے بارے میں بھی تحقیقات کرکے رپورٹ پیش کرے۔

تحریری بیان یا اقرار نامہ سمیت بیانات سکریٹری، کمیشن آف انکوائری، ورلی اور نائیگام بی۔ ڈی۔ ڈی۔ چال، فسادات، ہائی کورٹ انیکس، دوسرا مالا، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کے پاس ۳۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء تک بھیج دئے جائیں۔

آلودگی آب کی روک تھام

حکومت مہاراشٹر نے ست پتی ساحلی علاقہ اور گوداوری ندی علاقہ کو پانی آلودگی روک تھام کا علاقہ قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص ۳۰ر ستمبر سے ست پتی ساحلی علاقہ میں اور ۳۰ر اکتوبر سے گوداوری ندی کے علاقہ میں مہاراشٹر انسداد آلودگی آب بورڈ کی منظوری کے بغیر کسی قسم کی گندگی وغیرہ نہ ڈال سکے گا۔

ناگپور میں روزگار ضمانت اسکیم کے تحت کام

ناگپور ڈویژن میں روزگار ضمانت اسکیم کے تحت ۶۱۱ کام منظور کئے گئے ہیں جن میں سے ۲۲۳ پر کام جاری ہے اور ان میں ۲۱۳۸۲ مزدور کام پر لگے ہوئے ہیں۔ اضلاع وار منظور شدہ کام، جاری کام اور ان میں لگے مزدوروں کی تعداد بالترتیب یوں ہے: ناگپور ۵۵-۳۵-۱۸۴۷، وردھا ۳۲-۱-۵۵، چندرپور ۸۳- صفر-صفر، بھنڈارہ ۱۰۶-۵۵-۲۱۴۷، امراوتی ۳۸-۱۳-۹۱۹، اکولہ ۱۰۵-۳۴-۶۰۰۰ اور بلڈانہ ۷۵-۴۴-۱۴۵۶

حکومت نے اب نجی طور پر آبپاشی اور صنعتی مقاصد کے لئے گڑھے (بورہول) کھودنے کی اجازت دی ہے۔ گڑھے کھودنے کے لئے شرح مندرجہ ذیل ہے: چھ انچ ڈایا میٹر کے بورہول ۳۰ روپے فی فٹ پہلے ۲۰۰ فٹ تک اور اس کے بعد کے لئے ۳۵ روپیہ فی فٹ۔ کاشتکار اور نجی افراد کو جو کہ اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ جیالاجسٹ انڈر گراؤنڈ واٹر سرویز اینڈ ڈیولپ منٹ ایجنسی سے رابطہ قائم کریں۔

جلگاؤں کیلئے پانچ کروڑ روپے

ضلع جلگاؤں کے پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کے پہلے سال کے لئے ۵٫۱ کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔ وزیر مالیات، شری ایم۔ ڈی۔ چودھری کی زیر صدارت گذشتہ ۲۲ر اگست کو جلگاؤں میں منعقد ضلع منصوبہ بندی بورڈ کے جلسہ میں مذکورہ انکشاف کیا گیا تھا۔

جلگاؤں ڈیری پروجیکٹ کیلئے قرض

حکومت مہاراشٹر نے ضلع جلگاؤں میں دودھ کی پیداوار بڑھانے کے لئے ایک اسکیم منظور کردی ہے جس کے لئے انڈین ڈیری کارپوریشن ۹۸٫۱۴۷ لاکھ روپے کی تخمینی لاگت کے حساب سے ستر فیصدی قرض اور تیس فیصدی امداد کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کرے گی۔

حکومت نے جلگاؤں ضلع کو آپریٹیو دودھ ڈیکاس فیڈریشن کی جانب سے کارپوریشن کو ۱۰۳٫۵۰ لاکھ روپے کے قرض کی رقم کی ادائیگی کی بھی ضمانت دی ہے۔

اپرینٹس گائیڈنس کورس

انڈین نیوی میں آرٹی فیسر اپرینٹس کی حیثیت سے داخلہ لینے والوں کے لئے دسواں کورس ۱۸ر نومبر سنہ ۱۹۷۴ء سے ۱۶ر جنوری سنہ ۱۹۷۵ء تک پری کیڈٹ ٹریننگ سینٹر، احمد نگر میں شروع ہوگا۔

اس کورس میں تیس طلبا کو داخلہ دیا جائے گا۔ حکومت ۷ روپے روزانہ کے حساب سے ہر تربیت پانے والے کو بورڈنگ اخراجات ادا کرے گی۔

یہ کورس مہاراشٹر اسٹیٹ سولجرس، سیلرس اینڈ ائرمینس بورڈ چلائے گا۔

جین زچہ خانہ کو مالی امداد

حکومت مہاراشٹر نے شریمتی دھاپی بائی جین زچہ خانہ، امراوتی کو اس ادارے کے صحت عامہ کے کاموں کے سلسلے میں سنہ ۷۵-۱۹۷۴ء سال کے لئے مالی امداد کی اوّل قسط کے طور پر ۴٬۹۸۰ روپے کی رقم ادا کرنے کی منظوری دے دی ہے۔

کنٹرول قانون کی خلاف ورزیاں

اگست سنہ ۱۹۷۴ء کے دوران بڑی بمبئی کی پولس نے مختلف کنٹرول احکامات کے تحت ۳۰۳ واقعات کا پتہ چلایا اور ۳۲۶ اشخاص کو گرفتار کیا گیا۔

ربیع پروگرام کو کامیاب بنایئے

وزیراعلیٰ کی کسانوں سے اپیل

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیراعلیٰ مہاراشٹر نے کاشتکاروں سے اپیل کی کہ وہ ربیع پروگرام کو کامیاب بنانے کیلئے موجودہ دستیاب پانی استعمال کر کے دو فصلیں پیدا کریں۔ موصوف ۲۴ ستمبر کو پونا میں کونسل ہال میں پونہ حلقہ کی ربیع مہم کے سلسلے میں ایک جلسے سے خطاب کر رہے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ گنا پیدا کرنے والوں کو اسکے ساتھ اعلیٰ قسم کی مکئی اور جوار پیدا کرنے کی بھی ترغیب دی جائے۔ جو کاشتکار خود سے قریبی آبی ذرائع سے ایک ضمنی نہر بنائے گا اسکو فی ہیکٹر ۵۰ روپے دئے جائیں گے۔ جو پانی محصول کی بقایا رقم ادا کر رہے ہیں ان کو ربیع فصل کی بوائی کے لئے پانی فراہم کیا جائے گا۔ ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت ربیع بوائی کیلئے آبپاشی پراجکٹوں سے جلد ہی پانی فراہم کیا جائے گا۔

اس موقع پر شری ایس۔ بی۔ چوان، وزیر زراعت شری وسنت دادا پاٹل، وزیر آبپاشی اور بجلی، شری آر۔ جے۔ دیوتلے، وزیر ریاست برائے زراعت، شری شرد پوار، وزیر ریاست برائے داخلہ، شری ڈی۔ ٹی۔ روپاوتے، وزیر ریاست برائے تعمیر مکانات اور سماجی بھلائی، شری ڈی۔ ڈی۔ ساٹھے، چیف سکریٹری، ضلع پریشدوں کے صدر اور دوسرے عہدیدار بھی موجود تھے۔

ابتدا میں شری ایس۔ بی۔ کلکرنی، ڈویزنل کمشنر، پونا نے ڈویزن میں فصل کی حالت پر روشنی ڈالی۔

آپ نے بتایا کہ اس حلقہ میں ۴۸۲،۴۵۰ ہیکٹر پر خریف بوائی کی گئی تھی اور ربیع فصل کے لئے امسال ۱۹،۴۱،۲۹۸ ہیکٹر کا نشانہ رکھا گیا ہے۔

کارروائی ختم کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے بتایا کہ خریف بیج کے بارے میں شکایات کی پوری طرح چھان بین کی جائے گی۔

مجاہدینِ آزادی کی پنشن آمدنی قرار نہ دی جائے گی

وزیراعلیٰ کا اعلان

"مجاہدینِ آزادی کو دی گئی پنشن ریاستی حکومت کی جانب سے ان کی آمدنی کا حصہ شمار نہ کی جائے گی۔" اس بات کا اعلان شری وی۔ پی۔ نائک، وزیراعلیٰ نے ۲۳ ستمبر کو سچیوالیہ جمخانہ میں مجاہدینِ آزادی کو تامر پتر تقسیم کرنے کی تقریب میں خطاب فرماتے ہوئے کیا۔ قبل ازیں اس بارے میں شری این۔ ایس۔ پاگے، چیرمین، لیجسلیٹیو کونسل نے اپنی تعارفی تقریر میں اپیل کی تھی۔

وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ اس قسم کی تقاریب سے مجاہدینِ آزادی کے تئیں لوگوں کی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

شری پاگے نے فرمایا کہ جدوجہدِ آزادی کے دوران جن اشخاص پر مقدمات چلائے گئے تھے انھیں بھی مجاہدِ آزادی سمجھا جائے گا۔

اس تقریب میں تقریباً ۲۰۰ مجاہدینِ آزادی نے وزیراعلیٰ کے دستِ مبارک سے تامر پتر حاصل کئے۔

شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے، اسپیکر اسمبلی، ڈاکٹر ایم۔ بی۔ پوپٹ، وزیر شراب بندی اور شریمتی پربھا راؤ، وزیر ریاست برائے تعلیم بھی اس تقریب میں شریک تھیں۔

جرنلزم ڈپلوما کی تقسیم

شری اننت نامجوشی، وزیر تعلیم نے ۲۳ ستمبر کو بمبئی میں منعقدہ تقریب میں بھارتیہ ودیا بھون کے راجندر پرساد انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونیکیشن کے طلبا کو ڈپلوما تقسیم کئے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری نامجوشی نے فرمایا کہ اخبارات رائے عامہ کو بناتے ہیں اور لوگوں میں مناسب ذوق و شوق پیدا کرتے ہیں، لہٰذا ان کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کو موجودہ مشکلات کے صحیح طور پر باخبر رکھیں۔

کوکن کی سڑکوں کی مرمت

کمیٹی نے رپورٹ پیش کردی

شری حسین دلوائی، صدر کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۲۳ ستمبر کو سچیوالیہ میں شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر مواصلات کو پیش کر دی۔ یہ کمیٹی حکومت مہاراشٹر نے کوکن میں سیلاب کے باعث سڑکوں کو پہنچنے والے نقصان کا وسیع جائزہ لینے کے لئے مقرر کی تھی۔

گزشتہ جولائی میں زوردار بارش اور اس کے سیلاب کے باعث کوکن میں موجودہ سڑکوں اور پلوں کو نقصان پہنچا تھا۔ مواصلات میں مشکلات قابو پانے کے لئے کمیٹی نے بعض اہم اقدامات تجویز کئے ہیں۔

'قومی راج' کا ۱۶ نومبر کا شمارہ چھتوتی شاہو مہاراج نمبر ہوگا۔ مضامین نگار حضرات اپنے رشحاتِ قلم فوری ارسال فرمائیں۔

مہاراشٹر میں زرعی اصلاحات

اُن مختلف زرعی اصلاحات کا جائزہ لینے سے پہلے جو ریاستی حکومت نے گذشتہ چند برسوں میں نافذ کئے ہیں، اُن اصلاحات کا پس منظر جاننا ضروری ہے :

از : شری ایچ - جی - ورتک ، وزیر محصولات *

آزادی سے قبل [illegible] اصلاحی قوانین کی وجہ سے جو مالکانہ یا متصرفانہ حقوق سے متعلق وضع کئے گئے تھے، حکومت اور کاشتکار کے بیچ کئی درمیانی واسطے حائل ہوگئے تھے۔ حکومتِ برطانیہ اپنی نوآبادیات کی پالیسی کے تحت صرف نظم و نسق قائم رکھنے اور انتظامی مشنری چلانے کے لئے محصول وصول کرنے کی حد تک ہی کام کرتی تھی جس کے نتیجہ میں زرعی نظام کا پورا ڈھانچہ اسی ایک مقصد کے حصول کے لئے بنایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

تصرف و ملکیتِ اراضی کے مختلف حقوق کو جو اُن دنوں رائج تھے عام طور پر زمینداری اور رعیت داری کے دو اقسام کے تحت شمار کیا جاسکتا ہے۔ مالگذاری جو ودربھ میں رائج تھی، کھوتی جو ساحلی علاقوں میں رائج تھی اور جاگیرداری جس کا رواج مرہٹواڑہ میں تھا قسم اول الذکر سے متعلق تھے۔

زمینداری نظام کے تحت کوئی ایک دیہات یا دیہاتوں کا مجموعہ کسی ایک فرد یا چند افراد کے قبضے میں ہوتے تھے اور ایسے لوگ سماجی و اقتصادی طور پر کافی اثر و رسوخ کے مالک ہوتے تھے۔ ان علاقوں کے لوگوں کے سماجی و اقتصادی حالات کا انحصار زیادہ تر زمینداروں پر ہوتا تھا۔ کاشتکار عام طور پر زمیندار کی زمین کی کاشت ایک لگان دار کی حیثیت سے کرتا تھا۔ زمین پر اس کا کوئی مستقل حق نہیں ہوتا تھا اور اگر کوئی حق ہوتا بھی تھا تو اس کے استعمال کے لئے مالی سکت اُس میں نہیں تھی۔ زمیندار جب چاہے اس کے حقوق کو ختم کرسکتا تھا۔ بیکار اور جنگلاتی زمین کا استعمال بھی زمیندار کی مرضی پر ہوتا تھا۔ ایک اور قسم کا حق ملکیت انعامداری تھا۔ برطانوی حکام انتظامی امور کی سہولت کے لئے یا اپنے خدمت گذاروں سے اظہارِ خوشنودی کے طور پر انہیں زمین انعام میں دے دیتے تھے۔ عام طور پر ایسے انعام [illegible] [illegible] سے مستثنیٰ ہوتے تھے۔ ان [illegible] کا بھی اقتدار و رسوخ زمینداروں [illegible]

مہاراشٹر میں انعامداری اور زمینداری دیہاتوں کی تعداد کوئی خاص نہیں تھی۔ اس ریاست میں

قومی راج

جلد : ۱ — یکم نومبر سنہ ۱۹۷۴ء — شمارہ : ۱۹

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے — سالانہ : ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخن ہائے گفتنی

اس حقیقت کے باوجود کہ مہاراشٹر میں صنعتوں کا فروغ دیگر ریاستوں کی بہ نسبت زیادہ ہوا ہے، بنیادی طور پر مہاراشٹر ایک زرعی ریاست ہے۔ اس ریاست کی ترقی اور خوشحالی کا دارومدار بیشتر زراعت پر ہے۔ چنانچہ گزشتہ کچھ عرصے کے دوران خشک سالی اور قحط سے حالات کے نتیجہ میں زرعی پیداوار پر جو اثر پڑا تھا اُس نے ریاست کی معیشت کو بُری طرح متاثر کیا۔ حکومت کے سامنے فی الوقت سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ دیہی علاقوں کی معیشت کو بحال کیا جائے تاکہ نقلِ آبادی کا سیلاب رُکے جو شہروں کے مسائل میں بھی اضافہ کر رہا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ زرعی پیداوار میں اضافہ ہو تاکہ ریاست غذائی خود اِکتفائی حاصل کرے۔

اس مقصد کے پیشِ نظر اراضی، کاشتکاری اور محصولات کے پورے نظام کا ازسرِ نو جائزہ لیا جا رہا ہے۔ "قومی راج" کے زیرِ نظر شمارہ کا مقصد یہی ہے کہ عوام کو ان مساعی اور اقدامات سے روشناس کرایا جائے جن کے ذریعہ حکومت اصلاحاتِ اراضی کے ذریعہ سماجی انصاف اور زرعی پیداوار میں بہتری کے ذریعہ خوشحالی کے حصول کی کوشش کر رہی ہے۔

اسی کے ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ قارئین ادبی مواد سے محروم نہ رہیں اور رسالہ کی انفرادیت مجروح نہ ہو۔

جن قارئین اور کرمفرماؤں نے ہمیں عید کی مبارکباد بھیجی ہم تہہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کے لئے ایسی بے شمار عیدوں کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔

خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا

خصوصیت کے ساتھ رعیت واری طریقہ ہی رائج تھا۔ رعیت واری طریقے میں بھی مالکان زمین خود کاشت کرنے کی بجائے لگان داروں سے کروالیا کرتے تھے۔ زمین رکھنا تواُن کے لئے محض ایک شان کی بات تھی۔ چونکہ سرمایہ کاری کے دوسرے ذرائع اُن کے سامنے نہیں تھے، وہ اپنی بچت کو زمین خریدنے میں لگایا کرتے تھے۔ تاجر، قرض دہندگان اور دوسرے پیشے کرنے والے بھی یہی کرتے تھے۔ وہ ایسے کسانوں سے کاشت کراتے تھے جن کے زمین پر کوئی مستقل حقوق نہیں تھے جس کی وجہ سے زمین کو سدھارنے کی کوشش کرنا وہ بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ ایسے کسان پیداوار کا ⅓ یا ½ حصہ مالکِ زمین کو ادا کرتے تھے۔ اب ان کے پاس اپنی گذربسر کے لئے کیا بچ رہتا؟ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بھی انھیں کہیں اور کھیت مزدوری کرنا یا قرض لینا پڑتا تھا۔

لہٰذا آزادی سے قبل زرعی نظام کا ڈھانچہ نوآبادیاتی حکومت کے لئے تو موزوں تھا لیکن پیداوار بڑھانے اور زمین کے سُدھار کے لئے ہرگز مناسب نہ تھا اور نہ ہی اس سے سماجی انصاف قائم ہو سکتا تھا۔ جہاں کہیں اس میں سُدھار کی کوشش کی گئی تو صرف اس حد تک کہ کسی قدر لگانداروں کے استحصال میں کمی آئی۔

کھوتی سیٹلمنٹ ایکٹ، قانونِ لگان داری، صوبجات متوسط اور قانونِ موروثی حقوق، بمبئی اس سلسلے کی چند کڑیاں ہیں جن سے لگان دار اور مالکِ زمین کے تعلقات کو سُدھارنے کی کوشش کی گئی۔

سابق ریاست بمبئی میں ۱۹۳۹ء میں مالکِ زمین اور لگاندار کے تعلقات کو سُدھارنے کی غرض سے اُن علاقوں کے لئے ایک لگانداری قانون پاس کیا گیا جہاں زمینداری نظام رائج نہیں تھا، لیکن یہ اصلاحات کوئی خاص نوعیت کے نہیں تھے اور نہ ہی ان کا نفاذ مؤثر ہو سکا۔

اس پس منظر کے ساتھ ہی ہمیں اُن اصلاحات کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے جو آزادی کے بعد نافذ کئے گئے۔

ایک ترقی پذیر معیشت میں زرعی اصلاحات کی اس دور میں ایک خاص اہمیت ہے کیونکہ ایک ایسے سماجی اور اقتصادی ڈھانچے کی تعمیر کے لئے جو زرعی سُدھار کے لئے ضروری ہے یہ اصلاحات کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ حکومت نے جو نئے اقدامات کئے ہیں اُن کا مقصد ایک ایسا نیا زرعی ڈھانچہ کھڑا کرنا ہے جس کی بنیاد سماجی انصاف اور مساوات ہو۔

ان اقدامات کا دوسرا مقصد موجودہ زرعی ڈھانچے کی وجہ سے جو رکاوٹیں پیداوار کی راہ میں حائل ہیں اُنھیں دور کرکے زیادہ سے زیادہ پیداوار بڑھانا اور ایک مناسب زرعی معیشت کو ترقی دینا ہے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے آزادی کے بعد متعدد قوانین نافذ کئے گئے ہیں جن کا مقصد درمیانی واسطوں کو ہٹا کر کاشتکار اور حکومت کے درمیان براہِ راست تعلق پیدا کرنا، کاشتکار لگان دار کو زمین پر ملکیت کے حقوق عطا کرنا، ملکیت زمین کی حد مقرر کرکے اس سلسلہ کی عدم مساوات کو دور کرنا، کفایت شعارانہ کاشتکاری کے لئے قطعات زمین کی شیرازہ بندی کرنا اور دیہی علاقوں کے حاجتمند لوگوں میں سرکاری بیکار اور جنگلاتی زمین تقسیم کرنا ہے۔ (قطعاتِ زمین کی شیرازہ بندی سے متعلق ایک الگ مضمون بھی اس شمارہ میں شامل ہے۔)

درمیانی واسطوں کا خاتمہ

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا دیہی علاقوں میں سماجی و اقتصادی اقتدار چند درمیانی واسطوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔ سماجی انصاف کی بنیادوں پر ایک صحت مند معیشت کی تعمیر کی ضرورت کے پیش نظر آزادی کے بعد کچھ فوری اقدامات کئے گئے۔

مہاراشٹر میں اس سلسلے میں ابتداءً قانونِ تنسیخ جاگیر، حیدرآباد ۱۹۴۸ء اور تنسیخ کھوتی قانون ۱۹۴۹ء کے نفاذ کے ساتھ کی گئی تھی۔ اس کے بعد آنے والے برسوں میں چند اور قوانین پاس کئے گئے اور اس طرح درمیانی واسطوں کو ختم کر دیا گیا۔ آج سوائے دیوستھان انعام کے ایسا کوئی درمیانی واسطے والا حقِ ملکیت نہیں ہے۔

ان قوانین کی دفعات کی رُو سے لگان دار حکومت سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ مستقل لگان دار یا مشترک مالکِ زمین کو حقِ دخیل کاری عطا کرکے حکومت نے اُسے مالگذاری ادا کرنے کے لئے براہِ راست ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ وہ زمینات بھی جن پر سابق میں رہائشی تعمیرات تھیں، کرایہ داروں کو دے دی گئی ہیں۔ نتیجتاً وہ زمین جو پہلے چند لوگوں کے ہاتھوں میں تھی اب کئی کاشتکاروں کے قبضے میں ہے۔

اس طرح مالگذاری کی رقم میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ نیز حکومت کو بے کار اور جنگلاتی زمین جو مالگذاری کے تحت تھی حاصل ہوئی ہے۔ اُن دیہاتوں کا انتظام جہاں درمیانی واسطوں کو ختم کر دیا گیا ہے، رعیت واری طریقہ کے برابر کر دیا گیا ہے۔ دیوستھانی انعام کی تنسیخ کا معاملہ حکومت کے زیر غور ہے۔

درمیانی واسطوں کو ختم کرنے کا جو کام نمایاں انجام دیا گیا ہے، اُس کا اندازہ مندرجہ ذیل خاکہ سے ہوگا

علاقہ	شمار مالکان	زمین جو رعیت واری میں تبدیل کی گئی (ہیکٹروں میں)
مغربی مہاراشٹر	۳,۹۲,۰۰۰	۲۴,۴۴,۰۰۰
ودربھ	۵۸,۶۵۱	۴۱,۵۹,۵۹۷
مراٹھواڑہ	۱۸,۷۱۶	۱۰,۷۶,۴۲۰
کل	۴,۶۹,۳۶۷	۷۶,۷۸,۰۱۷

فی الوقت ریاست کے تین علاقوں میں مندرجۂ ذیل تین الگ الگ قوانین لگانداری نافذ ہیں۔ (۱) قانونِ لگانداری وزرعی اراضیات، بمبئی، ۱۹۴۸ء مغربی مہاراشٹر میں (۲) قانونِ لگانداری وزرعی اراضیات حیدرآباد، ۱۹۵۰ء، مراٹھواڑہ میں (۳) قانون (وِدربھ علاقہ) لگان داری وزرعی اراضیات، بمبئی، ۱۹۵۸ء، وِدربھ میں۔

مغربی مہاراشٹر کے کاشتکاروں کو ۱۹۳۹ء میں قانونِ لگانداری کے پاس ہونے سے پہلے کسی قسم کا تحفظ نہیں تھا۔ تاہم یہ قانون بھی ۱۹۴۱ء میں صرف دو ضلعوں میں یعنی تھانہ اور دھولیہ میں نافذ ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں اس قانون میں ترمیم کی گئی اور اُن کاشتکاروں کو جو یکم جنوری ۱۹۳۸ء سے یکم جنوری ۱۹۴۵ء تک کاشتکاری کر رہے تھے، اُنھیں چند حقوق دے کر تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ ۱۹۳۹ء کا قانون، قانونِ لگانداری وزرعی اراضیات، بمبئی ۱۹۴۸ء کے نفاذ کے ساتھ منسوخ ہوگیا۔ موخرالذکر قانون وقتاً فوقتاً کی جانے والی ترمیمات کے ساتھ آج بھی نافذالعمل ہے۔

وِدربھ میں تنسیخ مالگذاری

وِدربھ کے اضلاع بھنڈارہ، چندرپور، ناگپور اور وردھا میں مالگذاری طریقہ رائج تھا۔ ان علاقہ جات کے کاشتکار جو ۱۸۴۰ء سے زمین کے مالک تھے اپنی اپنی زمینوں پر پورے مالکانہ حقوق رکھتے تھے۔ ان زمینات کے علاوہ بقیہ زمینات کے تمامتر مالکانہ حقوق مالگذاروں کو تھے۔ ۱۹۵۱ء میں تنسیخ مالگذاری وغیرہ سے متعلق ایک قانون پاس کیا گیا۔

مدھیہ پردیش لینڈ ریونیو ایکٹ ۱۹۵۴ء کے تحت کاشتکاروں کو تین قسموں میں بانٹا گیا۔ (۱) بھومی سوامی (۲) بھومی دھاری اور (۳) لگان دار۔ دوسرے چار ضلعوں میں یعنی اکولہ، امراوتی، بلڈانہ اور ایوت محل میں رعیت واری طریقہ عام تھا۔ ان اضلاع کے کاشتکاروں کو کسی قسم کا تحفظ نہیں تھا۔ برار ریگولیشن آف اگریکلچرل لیسز ایکٹ ۱۹۵۱ء کے ذریعہ پہلی بار انھیں کچھ تحفظ نصیب ہوا۔

ریاستوں کی تنظیم نو کے بعد قانون (وِدربھ علاقہ) لگان داری وزرعی اراضیات، بمبئی ۱۹۵۸ء پاس کیا گیا جو آج تک وقتاً فوقتاً کی جانے والی ترمیمات کے ساتھ نافذالعمل ہے۔

قانونِ لگان داری، حیدرآباد، جو ۱۹۵۰ء میں پاس ہوا ہے اُن ترمیمات کے ساتھ جو وقتاً فوقتاً کی جاتی رہی ہیں آج بھی نافذالعمل ہے۔

تحفظ اور تقررِ لگان

ان تینوں قوانین کی دفعات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور اُن کا مقصد کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ اور لگان کی حدبندی ہے۔ ان قوانین کے تحت لگان کی ایک حد مقرر کی گئی ہے یعنی زمین کی مالگذاری جو سرکار میں ادا کی جاتی تھی اُس کے ۲ گنا سے ۵ گنا تک ہی لگان کی حد مقرر کی گئی تھی۔

زمین کی خریداری

اس سے آگے بڑھ کر حکومت نے "زمین کاشتکار کی" والی پالیسی اپنائی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں قانونِ لگانداری کی ترمیم عمل میں آئی جس کی رو سے تمام لگان دار لازمی طور پر زمین کے خریدار متصور ہونگے۔

مغربی مہاراشٹر، وِدربھ اور مراٹھواڑہ میں یہ سلسلہ نافذ ہو چکا ہے جس کی وجہ سے ۳۰ر جون ۱۹۷۴ء تک تقریباً ۱۱٫۲۵ لاکھ کاشتکاروں کو ۱۳٫۲۵ لاکھ ہیکٹر زمین کے مالکان ہونے کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

ضروری ہے کہ کاشتکار اصل مالک زمین کو قیمتِ خرید ادا کریں۔ تاہم قیمتِ خرید بازار بھاؤ سے کم رکھی گئی ہے اور وہ ۱۲ سالانہ قسطوں میں ادا کرنی ہے۔ فی الوقت آدھے سے زیادہ کاشتکاروں نے پوری قیمت ادا کی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اقتصادی حالت کے خستہ ہونے کی وجہ سے کاشتکار قسطیں ادا نہیں کر پاتے اور خریداری باطل ٹھہرتی ہے۔ اِس مشکل کو حل کرنے کے لئے حکومت نے ضرورت مند کاشتکاروں کو قرض دینے کی ایک اسکیم تیار کر لی ہے۔

زمین کی لازمی خریداری کا حق کاشتکاروں کو دیتے ہوئے حکومت نے زمینداروں کو بھی یہ موقع دیا کہ اگر وہ چاہیں تو مقررہ حد کے اندر زمین اپنی ذاتی کاشتکاری کے لیے رکھ سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ۳۰ر جون ۱۹۷۳ء تک ۳,۶۶,۱۲۲ درخواستوں پر فیصلہ دیا گیا ہے اور ۸۱,۸۵۲ مالکانِ زمین کو ۱,۹۳,۴۰۶ ہیکٹر زمین پر قابض رہنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اس حکم کے تحت ممکن تھا فوجی جوانوں کی زمینات بھی خریدی جاتیں۔ اس سے بچاؤ کے لئے ۱۹۶۴ء میں قانون میں ترمیم کی گئی جس کی رُو سے فوجی جوان سروس میں ہونے تک زمین اپنی ذاتی کاشتکاری میں رکھ سکتے ہیں یا سابق فوجی ہونے کی صورت میں ریٹائر ہونے کے بعد دو سال کے اندر زمین واپس لے سکتے ہیں تاہم وہ قانونی اراضیات کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ادیباسی کاشتکاروں کو بھی اسی قسم کی رعایتیں دی گئی ہیں۔ (اس سے متعلق ایک مضمون اسی شمارے میں ملاحظہ ہو۔)

وِدربھ اور مغربی مہاراشٹر میں دیکھا گیا کہ بہت سارے کاشتکاروں کو "یوم کاشتکاران" سے پہلے ہی زمین سے بے دخل کر دیا گیا تھا لہٰذا ۱۹۶۹ء میں قانون میں ترمیم کی گئی اور تحقیقات کے بعد ایسے کاشتکاروں کے حق میں خریداری کا حق بحال کیا گیا۔

ملکیت اراضی کی حدبندی، سماجی مساوات کی طرف ایک قدم

پہلے پنج سالہ پلان میں اراضی ملکیت کی حدبندی

پر کچھ حد تک غور و خوض کیا گیا تھا - اس مسئلہ پر مزید غور و خوض دوسرے پنج سالہ پلان کے دوران کیا گیا۔ حکومت اور کاشتکار کے بیچ حائل ہونے والے درمیانی واسطوں کو ختم کرنے اور قوانین لگانداری کے نفاذ کی وجہ سے لگان دار کاشتکاروں کو زمین کی ملکیت کے کچھ حقوق حاصل ہوگئے۔ لیکن یہ قوانین بھی اُن بے زمین زرعی مزدوروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکے جو زراعت سے متعلق طبقہ میں اپنی اکثریت رکھتے ہیں۔

اگر ان طبقات کو کچھ اراضیات کا دینا ضروری تھا تو یہ بھی لازمی تھا کہ اُن افراد سے جو وسیع اراضیات کے مالک بن بیٹھے تھے، زائد زمینات حاصل کرلی جاتیں۔ زمین کی حدبندی کا تصور اسی ضرورت کے پیش نظر متشکل ہوا اور پھر اسے دوسرے پنجسالہ پلان میں بطور ایک اسکیم کے شامل کرلیا گیا۔

بنابریں ریاستی حکومت نے ۱۹۶۱ء میں قانون زرعی زمینات (ملکیت پر حدبندی)، مہاراشٹر پاس کیا جس کی رو سے زیادہ سے زیادہ زرعی زمین رکھنے پر ایک حد مقرر کی گئی - یہ قانون ۲۶ر جنوری ۱۹۶۲ء سے نافذ ہوا ہے۔ اس قانون کے تحت زیر آب پاشی زمین اور فصل دینے والی خشک زمین کی ملکیت پر حدبندی عائد کردی گئی ہے جو اس طرح ہے :

(۱) زمین زیر آبپاشی:

(الف) دائمی طور پر زیر آبپاشی زمین :
۷۰۲ ہیکٹر (۱۸ ایکڑ)

(ب) دو موسموں کی زیر آبپاشی زمین :
۱۰۰۶۸ ہیکٹر (۲۷ ایکڑ)

(ج) ایک موسم کی زیر آبپاشی زمین :
۱۹۰۴۲ ہیکٹر (۴۸ ایکڑ)

(۲) فصل دینے والی خشک زمین :

فصل دینے والی خشک زمین کے تعلق سے ریاست کے مقامی رقبہ جات کو (جو کل ۴۷ ہیں) سات درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر ایک کے تعلق سے حدبندی مقرر کی گئی ہے جو اس طرح ہے :

۲۶۰۳ ، ۳۱۶۲ ، ۳۱۰۶ ، ۳۸۰۴ ، ۴۳۰۲ ، ۴۵۰۶ اور ۵۰۶۳ ہیکٹر (۶۶ ، ۷۸ ، ۸۴ ، ۹۶ ، ۱۰۸ ، ۱۱۴ اور ۱۲۶ ایکڑ)

اس قانون کے مطابق حکومت نے زائد زمین کو حاصل کرلیا اور اُسے ضرورتمند افراد میں مقررہ فوقیتوں کے حساب سے تقسیم کیا ہے۔ قانون میں دیئے گئے حساب کے مطابق زائد زمین کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے - اس قانون کی رُو سے زائد زمین رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اراضی ملکیتوں کی تفصیلات کا گوشوارہ کلکٹر کو پیش کریں - تاہم یہ محسوس کیا گیا کہ کئی ایک مالکانِ زمین نے اس میں کوتاہی کی ہے - لہٰذا ۱۹۷۰ء میں ایک مہم شروع کی گئی جس کا مقصد ایسے افراد کا پتہ لگاکر اُن کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا تھا۔

شکر فیکٹریوں کی ملکیت میں پائی جانے والی ۳۴,۰۰۰ ہیکٹر زائد زمین کو مہاراشٹر اسٹیٹ فارمنگ کارپوریشن کے حوالے کردیا گیا ہے۔ (اس کارپوریشن سے متعلق ایک الگ مضمون اس شمارے میں ملاحظہ ہو) شکر فیکٹریوں کی ملکیت میں پائی جانے والی زائد زمین کے علاوہ ۹۳,۳۰۳ ہیکٹر زمین کا جون ۱۹۷۴ء تک زائد ہونا اعلان کردیا گیا ہے - اس زائد زمین میں سے ۴۳,۴۲۲ ہیکٹر زمین ۱۵۷۴۵ افراد اور ۷۷ فارمنگ کوآپریٹیوز میں تقسیم کی گئی ہے - علاوہ ازیں ۱۳۶۲۲ ہیکٹر زمین کی تقسیم سے متعلق مناسب اقدامات کئے جارہے ہیں۔ باقیماندہ زائد زمین بھی متعلقہ مالکانِ اراضیات کی درخواستوں پر عدالت کے فیصلے صادر ہونے کے بعد تقسیم کی جائیگی۔

ستمبر ۱۹۷۰ء میں مختلف ریاستوں میں ملکیت زمین کی حدبندی کی سطح کو کم کرنے کا خیال استوار ہوتا گیا - بنابریں ۱۹۷۲ء میں اس ضمن میں ایک قومی پالیسی تشکیل دی گئی۔ لہٰذا اگست ۱۹۷۲ء میں حدبندی کی سطح کو کم کرنے کے لئے ایک بل پاس کیا گیا - اس بل میں زیر آبپاشی زمین کے لئے سیلنگ ۷۰۲ ہیکٹر (۱۸ ایکڑ) سے ۱۴۰۶۸ ہیکٹر (۳۶ ایکڑ) تک آبپاشی کی درجہ بندی کے مطابق رکھی گئی ہے۔

دھان پیدا کرنے والی زمین کو الگ درجہ میں رکھا گیا ہے اور اس کے لئے انتہائی سیلنگ ۱۴۰۴۱ ہیکٹر (۳۶ ایکڑ) رکھی گئی ہے - دوسری فصل دینے والی خشک زمین کے لئے ۲۱۰۶ ہیکٹر (۵۴ ایکڑ) کی سیلنگ رکھی گئی ہے۔

۱۹۶۰ء میں ریاستِ مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد تمام سرکاری بنجر زمین اور جنگلاتی زمین (جس پر تھوڑا بہت فصل اُگائی جاسکتی تھی) بے زمین افراد میں تقسیم کرنے کے لئے مسلسل کوششیں کی گئیں لہٰذا ۴۰۸,۶۹۸ ہیکٹر زمین ۱,۳۰,۳۳۱ افراد میں تقسیم کی گئی - اس میں سے ۲۷ فیصد زمین پسماندہ طبقات میں تقسیم کی گئی ہے۔

اثرات

اگر ہم مختلف درجات کے موجودہ مالکانِ اراضیات اور انہیں درجات کے سابق میں پائے جانے والے مالکانِ اراضیات کا تناسب دیکھیں تو زرعی اصلاحات کے اثرات واضح ہوں گے - ۱۹۵۳ء میں ۲۰ ہیکٹر سے زیادہ زمین رکھنے والوں کا تناسب ۴ و ۳ فیصد تھا اور اُن کے پاس ۲۷ فیصد زمین تھی - تاہم ۷۰-۱۹۶۹ء میں یہ اعداد بالترتیب ۵ و ۱ فیصد اور ۱۲ فیصد تک گھٹ گئے - ظاہر ہے کہ کم زمین رکھنے والوں جیسے ۲ سے ۸ ہیکٹر زمین رکھنے والوں اور اُن کے پاس پائی جانے والی زمین کے اعداد و شمار بڑھ گئے ہیں۔
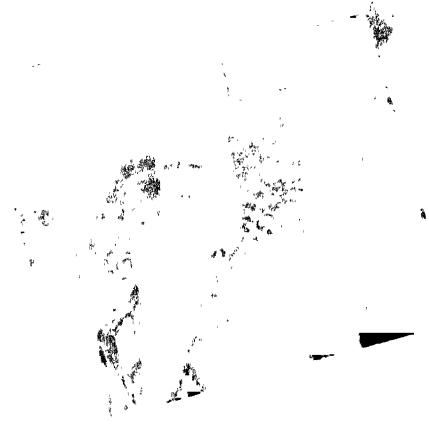
فصلوں کی مالیت کا اندازہ بحساب آنہ جسے عرفِ عام میں آنہ داری کہا جاتا ہے، ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے تعین سے جو ایک مخصوص طریقے سے انجام پاتا ہے، دیہی آبادی، دیہی معیشت اور زرعی ترقی کی رفتار کا متاثر ہونا لازمی ہے۔ نیز کسی حلقہ، مالگذاری کو قحط زدہ یا قلت زدہ علاقہ قرار دینا اور وہاں ریلیف کے کاموں کے پروگرام بنانا اور اُس علاقے سے وصول ہونے والی مالگذاری کو ملتوی کرنا یا معاف کرنا بھی آنہ واری کے تعین پر ہی منحصر ہے۔ حکومت نے آنہ واری معلوم کرنے کا نیا طریقہ اپنایا ہے جس کا تعارف زیرِ نظر مضمون میں پیش کیا گیا ہے

فصلوں کی آنہ واری

متعین کرنے کا نیا طریقہ

آنہ واری کیا ہے؟

ڈاکٹروں، حکیموں اور ویدوں کی زبانی بلکہ عام لوگوں کے منہ سے بھی یہ بات بارہا سننے میں آتی ہے کہ مرض میں چار آنہ کمی ہوگئی یا چار آنہ بھرفائدہ ہوچکا ہے۔ اس کا یہی مفہوم ہوا کرتا ہے کہ ہم ۱۶ر آنہ کو بیماری کا ایک معیار قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ۴ر آنہ بھرفائدہ سے ہم فوراً اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شفایابی کیلئے ۱۲ر آنہ باقی ہے۔ ٹھیک اسی طرح فصلوں کی پیداوار بھی آنہ میں ہی شمار کی جاتی ہے۔ اس فصل کے اوسط کو جو چند برسوں میں بہترین ہو معیاری پیداوار قرار دیتے ہیں اور اگر تمام حالات درست ہوں، زمین اچھی ہو، کھاد کا مناسب مقدار میں استعمال ہوا ہو اور بارش کافی وافی ہو تو حاصل شدہ پیداوار کو کہا جائے گا کہ ۱۲ر آنہ ہوئی ہے اور اسی کو ہم معیاری پیداوار کا نام دیں گے۔ فرض کیجئے کہ کھاد وغیرہ کی کمی اور آفاتِ سماوی کی بنا پر فصل پوری مقدار میں نہیں بلکہ آدھی حاصل ہوئی ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ فصل صرف ۶ر آنہ بھر ہوئی۔ اسی حساب سے اگر ہم معیاری پیداوار کا تین چوتھائی یا ۷۵٪ حاصل کرتے ہیں تو کہیں گے کہ فصل (۱۲ × ۷۵/۱۰۰) یعنی ۹ر آنہ بھر ہوئی۔

اس لحاظ سے فصلوں کی مالیت کا اندازہ بحساب آنہ عرفِ عام اور مالگذاری کی اصطلاح میں آنہ داری ہے یا بالفاظ دیگر فصلوں کی کٹائی سے پہلے اُن سے حاصل ہونے والے اناج یا اجناس کی مقدار کا اندازہ لگانا اور ایک معیاری پیداوار کے مقابلے میں اُس کا تناسب معلوم کرنا آنہ واری ہے۔

معیاری پیداوار کیا ہے؟

۱۹۶۴ء کے بعد آنہ واری کمیٹی (یعنی جوشی کمیٹی) کی سفارشوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے، ۱۰ سال کے دوران تین بہترین فصلوں کا اوسط 'معیاری پیداوار' تصور کیا جاتا تھا۔ اگر کسی بنا پر ۱۰ سال کی معلومات حاصل نہ ہو سکتی تو ۸ یا ۹ سال کی تین بہترین فصلوں کے اوسط کو معیاری پیداوار مان لیا جاتا اور اگر ۸ یا ۹ سال کا ریکارڈ بھی نہ ملتا تو ۵، ۶ یا ۷ سال کی دو بہترین فصلوں کے اوسط کو ہی معیاری پیداوار تسلیم کر لیا جاتا، لیکن اگر اسی دوران ۸ سال کی معلومات دستیاب ہو جاتی تو پھر تین بہترین فصلوں کا اوسط فوراً نکالا جاتا اور اُسے عارضی معیاری پیداوار گردانا جاتا تھا۔

حکومتِ مہاراشٹر نے ڈاکٹر ڈی۔ ایم۔ دانڈیکر کی صدارت میں مقرر کردہ کمیٹی کی سفارشات کو معمولی ترمیمات کے ساتھ منظور کر لیا ہے۔ لہٰذا اب یکم اگست ۱۹۷۴ء سے شروع ہونے والے مالگذاری سال سے آنہ واری کا تعین نئے طریقے سے ہوگا یعنی اب معیاری پیداوار کے سلسلے میں ۱۰ سال کی تین بہترین فصلوں کا یہ 'تصور' باقی نہیں رہا بلکہ اب پورے "دس سال کی اوسط پیداوار" کو "معیاری پیداوار" قرار دیا جاتا ہے۔

اسی بنیاد پر اگر "۱۰ سال کی اوسط پیداوار" مختلف تعلقوں میں مختلف ہوئی ہو اور اگر کسی تعلقہ یا لگان والے حلقے میں آب و ہوا اور مٹی کی زرخیزی میں کافی فرق پایا جاتا ہو تو اب ایسے تعلقوں یا لگان والے حلقوں کو آب و ہوا اور زرخیزی کے حساب سے دو یا دو سے زیادہ مناسب چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔

اور اب بحساب آنہ "۱۰ سالہ اوسط پیداوار" ۹ر آنہ مقرر کی گئی ہے۔

فصلوں کی آنہ واری معلوم کرنے کا طریقہ

دو طریقوں سے آنہ واری معلوم کی جاتی ہے:

(۱) مشاہداتی طریقہ
(۲) فصل کٹائی تجربات

اگرچہ آنہ واری کا فیصلہ ریونیو آفیسر کرتا ہے لیکن اس کے لئے عوامی شرکت بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ترتیب دی ہوئی آنہ واری کمیٹی ہر گاؤں کے لئے مندرجہ ذیل اشخاص پر مشتمل ہوتی ہے:

(۱) سرکل انسپکٹر (چیرمین)
(۲) تلاٹھی (پٹواری)
(۳) گاؤں پنچایت کے دو کسان نمائندے

اگر کسی قریہ میں گاؤں پنچایت نہ ہو تو گاؤں کے کسان دس اشخاص کو پیش کرتے ہیں جن میں سے سرکل انسپکٹر دو کو نمائندوں کی حیثیت سے چن لیتا ہے۔

جب فصل تیار ہو جاتی ہے تو یہ کمیٹی گاؤں کا دورہ کرتی ہے اور اپنے مشاہدات قلمبند کرتی ہے۔ سرکل انسپکٹر کمیٹی کے فیصلے کو تحصیلدار کے پاس بھیجتا ہے جو ایک عارضی آنہ واری تجویز کرکے اُس سے کسانوں کو آگاہ کرنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کرتا ہے یعنی گاؤں کی چاوڑی اور ایک یا دو مزید نمایاں جگہوں پر بذریعہ نوٹس اعلان کرتا ہے اور اس کے علاوہ گاؤں میں

ڈھنڈورہ پٹوا کر اس عارضی آنہ واری کا اعلان کراتا ہے اور لوگوں سے گذارش کرتا ہے کہ اس عارضی طور پر تجویز کردہ آنہ واری پر اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو وہ تحریراً ۱۵ دن کے اندر اپنے اعتراضات کو اُس تک روانہ کردے۔

اگر مذکورہ ۱۵ دن کے عرصے میں کسی جانب سے کوئی اعتراض موصول نہیں ہوتا اور اگر عارضی آنہ واری گاؤں مذکور کے لئے ۶؍ آنہ سے زیادہ ہوتی ہے تو تحصیل دار اُس عارضی آنہ واری کو ایسے گاؤں کے لئے فیصل شدہ آنہ واری قرار دئے جانے کا اعلان کرواتا ہے۔

لیکن اس صورت میں

(۱) جب مذکورہ عرصہ میں عارضی آنہ واری پر اعتراض کیا گیا ہو یا

(۲) جب آنہ واری کمیٹی کے ممبران عارضی آنہ واری سے مطمئن نہ ہوں یا

(۳) جب عارضی آنہ واری پر کوئی اعتراض ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن عارضی آنہ واری مذکورہ ۶؍ آنہ یا اس سے کم قرار دی گئی ہو

تو مندرجۂ بالا حالات کی روشنی میں قطعی اور آخری آنہ واری کا فیصلہ کٹائی کے تجربات کی بناء پر انجام پاتا ہے۔

فصل۔کٹائی کے تجربات

اس سلسلے میں گاؤں کے سروے نمبروں کو ۳ تا ۵ حصّوں میں بانٹ دیا جاتا ہے جن میں مختلف قسم کی زمینیں آتی ہیں۔ اس طرح بانٹنے میں سرکل انسپکٹر آنہ واری کمیٹی سے صلاح و مشورہ لیتا ہے۔ اب فصل کٹائی کے تجربات کی انجام دہی کے لئے گاؤں کے ہر حصے سے قرعہ اندازی کے ذریعے ایک ایک پلاٹ چُن لیا جاتا ہے۔ قرعہ اندازی کے لئے سرکل انسپکٹر ہر گاؤں کے سروے نمبروں کی چٹھیاں بناتا ہے اور ان کو اچھی طرح موڑ کر ایک ڈبہ میں ڈال دیتا اور اچھی طرح گڈ مڈ کر دیتا ہے۔ پھر کسی چھوٹے لڑکے یا کمیٹی کے کسی ممبر کے ذریعے اُن میں سے ایک چٹھی نکلواتا ہے۔ جس سروے نمبر کی چٹھی نکلتی ہے وہی سروے نمبر فصل کی کٹائی کے تجربات کے لئے منتخب کرلیا جاتا ہے۔

فصل کٹائی کے تجربات سرکل انسپکٹر کمیٹی کی موجودگی میں انجام دیتا ہے اور تحصیل دار بذاتِ خود گاؤں مذکور میں علیحدہ علیحدہ تجربات کرکے سرکل انسپکٹر کے تجربات کی جانچ کرتا ہے۔ اس طریقے سے فی ایکڑ پیداوار معلوم کرنے کے لئے فی ایکڑ حاصل شدہ کچے اناج کو ڈرائی ایج (Driage) فیکٹر سے ضرب دے کر نتیجہ حاصل کرلیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس کا مقررہ قاعدہ یوں ہے:

اندازاً فی ایکڑ اناج =

فی ایکڑ کچا اناج × (ڈرائی ایج فیکٹر)

ڈرائی ایج فیکٹر یعنی سوکھے اناج کی کل مقدار کے اعداد محکمۂ زراعت ۱۰ سال کا اوسط نکالنے کے بعد محکمۂ محصولات کو مہیا کرتا ہے۔

فرض کیجئے کسی گاؤں کیلئے محکمۂ زراعت جانب سے ۱۱۶۸ کلوگرام فی ہیکٹر خریف جوار پیداوار بطور "دس سالہ اوسط پیداوار" لی گئی ہے۔ اگر اُسی گاؤں میں فصل۔کٹائی ذریعے ۶۰۴٫۶۸ کلوگرام فی ہیکٹر جوار حاصل ہو تو مندرجۂ ذیل طریقے سے آنہ واری معلوم جاتی ہے۔

جبکہ ۱۱۶۸ کلوگرام فی ہیکٹر کے لئے ۹؍ آنہ واری

∴ ۶۰۴٫۶۸ کلوگرام فی ہیکٹر کے لئے آنہ کتنی ہوگی

$$\frac{۶۰۴٫۶۸ \times ۹}{۱۱۶۸} = ۴٫۶۷$$ آنہ

= ۴٫۷ آنہ تقریباً

اگر کسی گاؤں میں خریف کی ایک سے زیادہ فصل کی بوائی اور کٹائی ہوتی ہو تو مندرجۂ ذیل طریقے سے آنہ واری معلوم کرتے ہیں:

گاؤں کی فصلیں	رقبہ (ہیکٹرس)	قطعی آنہ واری کا تعین بذریعہ: مشاہداتی طریقہ	فصل کٹائی
خریف:			
غیر بوائی	۳۰۰	—	—
آب پاشی سے حاصل شدہ فصلیں	۳۰۰	—	—
جوار	۲۰۰	۸	—
چاول	۱۰۰	—	۶
چھوٹی فصلیں جن کی آنہ واری معلوم نہیں کی جاتی	۱۰۰	—	—
کُل	۱,۰۰۰	...	...

∴ گاؤں کی کُل (کمپوزٹ) آنہ واری:

$$\frac{(۲۰۰ \times ۸) + (۱۰۰ \times ۶)}{۲۰۰ + ۱۰۰} = \frac{۲۲۰۰}{۳۰۰} = ۷\frac{۱}{۳}$$ آنہ

= تقریباً ۷ آنہ

اسی طرح اگر اُسی گاؤں میں خریف کے ساتھ ساتھ ربیع کی فصلیں بھی ہوا کرتی ہیں تو اس گاؤں کی آنہ واری کی مثال حسب ذیل ہوگی:

فصلیں	ایکڑ	قطعی آنہ واری کا تعین بذریعہ: مشاہداتی طریقہ	فصل کٹائی تجربات
ربیع:			
فیر بوائی	۱۰۰	—	—
آب پاشی سے حاصل شدہ فصلیں	۳۰۰	—	—
جوار	۱۰۰	—	۶
کپاس	۲۰۰	—	۵
گیہوں	۱۰۰	—	۷
چھوٹی فصلیں جن کی آنہ واری معلوم نہیں کی جاتی	۱۰۰	—	—
بارش نہ ہونے کی وجہ سے بوائی نہ ہو سکی	۱۰۰	—	—
کل	۱،۰۰۰	...	...

لہٰذا خریف اور ربیع کی آنہ واری اس طرح نکالی جاتی ہے۔

مجموعی مشترک خریف و ربیع کی آنہ واری:

(صفر × ۱۰۰) + (۱۰۰ × ۷) + (۲۰۰ × ۵) + (۱۰۰ × ۶) + (۱۰۰ × ۶) + (۲۰۰ × ۸)
———————————————
۸۰۰

= ۵ ۵/۸

= یعنی ۶ آنہ سے کم

آنہ واری دیہی علاقوں کے لئے ایک اہم پیمائشی طریقہ ہے۔ اسی پیمائش ۔ دیہی علاقوں کے لگان کی معافی یا عدم معافی کا دار و مدار ہے۔ اسی بنیاد ۔کسی علاقہ کو قحط زدہ یا قلت زدہ قرار دیا جاتا ہے۔

ضلع سانگلی کے سرکل اسلام پور (تعلقہ والوا) کے دس گاؤں کی نہ واری کا چارٹ حسب ذیل ہے:

ضلع: سانگلی — تعلقہ: والوا — سرکل: اسلام پور

نمبر شمار (۱)	گاؤں کا نام (۲)	پلاٹ نمبر (۳)	پلاٹ کی مشاہدہ کی ہوئی پیداوار (کلوگرام میں)
۱	توجہ پور	۱	۱۰،۰۰۰
		۲	۹،۰۰۰
		۳	۸،۰۰۰
۲	بائی چند	۱	۶،۷۰۰
		۲	۵،۲۲۰
		۳	۶،۴۰۰
۳	ارون	۱	۵،۰۰۰
		۲	۲،۰۰۰
		۳	۴،۹۰۰
۴	تکاری	۱	۹،۰۰۰
		۲	۷،۰۰۰
		۳	۴،۰۵۰
۵	دودھری	۱	۹،۲۰۰
		۲	۶،۴۰۰
		۳	۷،۵۰۰
۶	برگاؤں	۱	۸،۰۰۰
		۲	۷،۵۰۰
		۳	۶،۵۰۰
۷	ریتھارے	۱	۹،۰۰۰
		۲	۷،۰۰۰
		۳	۵،۰۰۰
۸	پیٹھ	۱	۸،۱۲۵
		۲	۶،۲۰۰
		۳	۲،۸۰۰
۹	مکھرالے	۱	۶،۱۲۵
		۲	۶،۰۰۰
		۳	۳،۳۷۵
۱۰	نرلے	۱	۴،۸۰۰
		۲	۳،۹۲۰
		۳	۲،۲۲۵
	کل	۳۰	۱۸۱،۴۳۵ کلوگرام

اوسط مشاہداتی پیداوار:

۱۸۱،۴۳۵ / ۳۰ = ۶،۰۴۸ کلوگرام فی پلاٹ

ایک ہیکٹر کی مشاہداتی پیداوار:

۶،۰۴۸ × ۱۰۰ = ۶،۰۴،۸۰۰ کلوگرام

بیکل اُتساہی بلرامپوری

اے دھرتی کے راجکمارو!
تم کو سمے پکارے

یہ حسین روپہلے کھیت، سنہری دھرتی —— یہ ہرا بھرا سنسار تمہارا ہے
تم سمجھے ہو دنیا سے ہے بھیت تمہاری
دنیا پر ہے رنگ تمہارا، نیت تمہاری
پُروَیا قدموں کو چومے، ماتھے جُھکے بجریا
سیس تمہارے پگیا باندھے یہ سُرمئی بدریا
اندر دھنش کاندھے کا انگوچھا —— پُھلڑے چاند ستارے
اے دھرتی کے راجکمارو!

لوہے کو سونا کرتی ہے بانہہ تمہاری
مٹی کو اکسیر بناتی چھانہہ تمہاری
امر تمہاری محنت جس کو پوجیں شام سویرے
دَمک پسینے کی بوندوں کی مانگیں موتی ہیرے
بانہوں کی کس بل ہیں ندیاں —— امرت لہر پسارے
اے دھرتی کے راجکمارو!

تم چاہو تو اس دھرتی کو خُلد بنا دو
کھلیانوں کی شوبھا پر آکاش جُھکا دو
گاؤں تمہارے شہر بسائیں، لہکائیں ویرانے
وقت کی تم تقدیر، تمہیں سے روشن ہوئے زمانے
امن شانتی دوارے کے بھکاری —— دنیا روپ نہارے
اے دھرتی کے راجکمارو!

کعبہ کاشی مندر مسجد پیار کی راہیں
راج نیت قانون تمہاری منزل چاہیں
تم خود کو لاچار نہ سمجھو "مدھ ماکھی" بن جاؤ
قدم قدم مُن امرت بانٹے سُکھ سمپت برساؤ
تم نے رُخ ماحول کا بدلا —— طوفانوں کے دھارے
اے دھرتی کے راجکمارو! تم کو سمے پکارے
یہ حسین روپہلے کھیت سنہری دھرتی —— یہ ہرا بھرا سنسار تمہارا ہے

اسٹیٹ فارمنگ کارپوریشن لمیٹیڈ کی دس سالہ کارروائی کا جائزہ

قانونِ زرعی زمینات (قبضہ جات اراضی کی حدبندی) مہاراشٹر' ۱۹۶۱ء جو عام طور پر سیلنگ ایکٹ کہلاتا ہے' ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء کو نافذ ہوا۔ اِس کی رُو سے مقررہ حد سے زائد پائی جانے والی زرعی زمین حاصل کرنے کی حکومت مجاز ہوگئی۔ جوائنٹ اسٹاک شُگر فیکٹریوں جیسے کارپوریٹ ادارے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لہٰذا اس قانون کے تحت حکومت نے ایسی فیکٹریوں سے اراضیات کے وسیع علاقے حاصل کئے۔ ابتداءً گورنمنٹ چاہتی تھی کہ ان اراضیات کو جوائنٹ فارمنگ کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے سپرد کردیا جائے اور توقع تھی کہ ایسی سوسائٹیاں پانچ سال کے عرصے میں قائم ہوجائیں گی۔ ان سوسائٹیوں کے قائم ہونے تک کے لیۓ اِن کھیتوں کو ایک سرکاری کمپنی کے حوالے کردینا قرار پایا تھا لہٰذا ان کا انتظام اسٹیٹ فارمنگ کارپوریشن لمیٹیڈ کو سونپ دیا گیا۔ یہ کمنی کلیتہً سرکاری ملکیت کی ہے اور مارچ ۱۹۶۳ء میں کمپنی ایکٹ کے تحت رجسٹر شدہ ہے لیکن جوائنٹ فارمینگ سوسائٹیوں کی تشکیل سے متعلق تمام کوششیں ناکام ہوئیں لہٰذا حکومت نے ان کھیتوں کو اگست ۱۹۷۰ء میں مستقلاً کارپوریشن کے حوالے کردیا۔

کارپوریشن نے مہاراشٹر کے سات اضلاع میں ۱۹۶۳ء میں چھ کھیتیاں (۳۹,۰۰۰ ایکڑ)' ۱۹۶۵ء میں چار کھیتیاں (۳۱,۴۰۰ ایکڑ) اور ۱۹۶۸ء میں تین کھیتیاں (۱۳,۶۰۰ ایکڑ) یعنی مجموعی طور پر ۸۴,۰۰۰ ایکڑ زمین اپنے قبضہ میں لے لی۔ اِسطرح غالباً یہ کارپوریشن ہی ہندوستان بھر میں واحد ادارہ ہے جس کے پاس سب سے زیادہ زمین ہے۔

جیساکہ بیان کیا گیا' سوسائٹیاں بنانے کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔ پٹہ پر دینے والوں نے اپنی اراضیات کو براہ راست بطورعطیہ دئے جانے کا مطالبہ کیا۔ اِس سلسلے میں حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ زیادہ سے زیادہ ۹ ایکڑ زمین کسی ایسے مستحق خاندان کو دی جاسکتی ہے جس کی سالانہ آمدنی چار ہزار روپے سے زیادہ نہ ہو۔ اس فیصلے کے مطابق بیلونڈی' کولہاپور' راؤلگاؤں' سداشیونگر' ساکھرواڑی' شری پور اور والچندنگر میں تقریباً ۲,۰۰۰ ہیکٹر زمین ۱۴۱۷ مستحق سابق میں پٹہ دینے والوں میں تقسیم کردی گئی ہے۔ عدالتِ عالیہ کے امتناعی احکام کی وجہ سے دوسرے علاقوں میں اس اسکیم پر عملدرآمد روک دیا گیا ہے۔

کارپوریشن کی متعدد کھیتیوں سے متعلق تفصیلات حسب ذیل ہیں:

نمبر شمار	کھیتی کا نام	مجموعی رقبہ ہیکٹروں میں	سابق پٹہ دینے والوں کو کالم ۳ سے دی ہوئی زمین	ملازمین بشمول وقتی ملازمین
۱	۲	۳		
۱	بیلونڈی	۷۳۲ (۱۸۱۰)	۴۵ (۱۱۱-۲۱)	۳۰۰
۲	چانگدیو نگر	۱۴۱۰ (۳۴۸۴)	-	۱۵۰۰
۳	گنگاپور	۱۶۰۲ (۳۹۵۹)	-	۳۰۰
۴	ہری گاؤں	۴۳۴۶ (۱۰۷۳۹)	-	۳۴۰۰
۵	کولہاپور	۴۷۶ (۱۱۷۶)	۱۱۶ (۲۸۶-۹)	۸۰۰
۶	لکشمی واڑی	۱۶۶۰ (۴۱۰۲)	-	۱۲۰۰
۷	راؤنگاؤں	۳۰۸۴ (۷۶۲۱)	۹۲ (۲۲۷-۳۰)	۱۶۰۰
۸	سلاشیونگر	۱۳۲۹ (۳۲۸۵)	۲۷۵ (۶۷۶-۲۶)	۸۰۰
۹	ساکرواڑی	۲۵۱۰ (۶۲۰۳)	-	۱۳۰۰
۱۰	ساکھرواڑی	۳۶۸۸ (۹۱۱۳)	۸۷۵ (۲۱۶۰-۲۳)	۲۰۰۰
۱۱	شری پور	۲۸۶۵ (۷۰۸۰)	۲۰ (۵۰-۱۰)	۱۶۰۰
۱۲	تلک نگر	۳۹۱۶ (۹۶۷۷)	-	۳۱۰۰
۱۳	والچند نگر	۶۳۷۴ (۱۵۷۵۰)	۵۷۷ (۱۴۲۲-۲۳)	۴۱۰۰
	کل	۳۳۹۹۴ (۸۴۰۰۳)	۲۰۰۰ (۴۹۴۲-۲۲)	۲۲۰۰۰

نوٹ: قوسین کے اندر کے اعداد ایکڑ بتاتے ہیں۔

کارپوریشن کا انتظام بورڈ آف ڈائریکٹرز کے تحت ہوتا ہے جس کے چیرمین اور وائس چیرمین کی نامزدگی گورنر مہاراشٹر کرتے ہیں۔

کارپوریشن کا دفتر بمبئی میں اور اُس کا ایک فیلڈ آفس پونہ میں ہے۔ اس کی ہر کھیتی ایک اسٹیٹ منیجر کی نگرانی میں ہے جس کا عملہ زراعت و زرعی انجینئرنگ میں تربیت یافتہ ہے۔

انتظامی امور اور عدالتی کارروائیوں کے پیش نظر فی الحال کارپوریشن کا دفتر بمبئی میں رکھا گیا ہے ورنہ اسے بھی پونہ میں منتقل کرنا ہے جہاں بھمبورڈا کے مقام پر حکومت نے اس کے لئے زمین الاٹ کر دی ہے اور دفتر اور عملے کی رہائش کے لئے تعمیری کام شروع ہو چکا ہے۔

کارپوریشن کو تجارتی طور پر نفع بخش ہونا چاہئے۔ اس لئے پیداواریت بڑھانے کے لئے عملے کی ہر طرح سے ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ اسسٹنٹ ایگریکلچرل سپر وائزروں کے لئے جو ایگریکلچرل گریجویٹ ہوتے ہیں، ایک تربیتی اسکیم تیار کر لی گئی ہے۔ کارپوریشن کے یونٹوں نے اب تک کامیابی کے ساتھ پیداواریت کے مقابلوں میں حصہ لیا ہے۔

کارپوریشن کی اصل فصل گنّا ہے جس کی پیداوار اوسطاً ۸ یا ۹ لاکھ ٹن ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں کارپوریشن اناج، چارہ اور سبز کھاد بھی اگاتا ہے۔ عام طور پر اناج کے لئے تقریباً ۱۲۰۰۰ ایکڑ اراضی استعمال ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں قحط سالی کے آثار سے متاثر ہو کر سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء میں کارپوریشن نے ۲۵۰۰۰ ایکڑ زمین خریف کی فصل کے لئے استعمال کی۔ سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء میں ۲۰,۰۰۰ ایکڑ زمین پر اناج اُگانے کا پروگرام ہے۔

کارپوریشن کے پاس ۱۶ ٹریکٹر ہیں۔ اس کے حصص کا سرمایہ ۲. کروڑ روپیہ ہے جس میں سے ۱٫۷۵ کروڑ روپیہ اداشدہ ہے اور تمام تر حکومت مہاراشٹر کا دیا ہوا ہے۔ کارپوریشن نے اب تک ایگریکلچرل انکم ٹیکس کے طور پر ۱۸۵ لاکھ روپیہ حکومت کو ادا کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ کارپوریشن کی کارکردگی کس قدر کامیاب اور منافع بخش ہے۔

کارپوریشن کے ۹۰۰۰ مستقل ملازم ہیں اور اس کے علاوہ ۱۳۰۰۰ حسب ضرورت موسم میں رکھے جاتے ہیں۔ گو یہ زرعی مزدور ہیں لیکن صنعتی مزدوروں کو جو سہولتیں حاصل ہیں وہ انھیں بھی حاصل ہیں۔ غیر ماہرانہ کام کے لئے ایک مستقل ملازم کو کم سے کم تنخواہ ۱۹۳ روپے ہے اور یومیہ کام کرنے والے کو ۶٫۹۵ روپیہ فی یوم مزدوری ملتی ہے۔ غالباً زرعی سیکٹر میں یہ سب سے زیادہ مزدوری ہے۔ اس کے علاوہ ہر ملازم کو ابتدا سے ہی ہر سال ۴ سے ۲۰ فیصد تک رقم گویا بطور انعام دی جاتی ہے۔ کارپوریشن نے انتظامی امور کے لئے بھی مزدوروں کے اشتراک کا انتظام کر لیا ہے یعنی یونینوں کے ایک نمائندے کو بورڈ آف ڈائریکٹرز میں لے لیا ہے۔

غرض زرعی میدان میں پبلک سیکٹر کا یہ ایک کامیاب تجربہ ہے اور اس کا مستقبل اور بھی زیادہ روشن نظر آتا ہے۔

●●

پٹیالہ گھرانے کی نفاست اور باریکی، آگرہ گھرانے کی لے کاری، کرانہ گھرانے کی جذباتی پیشکش اور اترولی گھرانے کی مشکل گائیکی کو اب ہر کوئی گلوکار اپنا سکتا ہے اور اس میل جول کا نتیجہ نہایت ہی دلکش ہے !!

ہندوستانی سنگیت

خواجہ عبدالغفور
آئی۔ اے۔ ایس

موسیقی ہماری رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ چرواہے اپنے مویشی چراتے ہوئے، کسان اپنی فصلیں کاٹتے وقت، مزدور سخت محنت کشی میں، ماں اپنے بچوں کو بہلانے اور سُلانے کے لئے، عقیدت مند اور پجاری اپنی عبادت کے وقت، پریمی محبت کے اظہار کی خاطر ضرور گاتے یا گنگناتے ہیں اور جو لوگ اس صلاحیت سے محروم ہیں وہ اپنا ریڈیو یا ٹرانزسٹر ہی بجا کر دل بہلایا کرتے ہیں۔ ہماری فلمیں بھی گانوں کی تعداد اور معیار کے اعتبار سے مقبول ہوتی ہیں اور اچھے گانوں کی فلم کو محض اس کی موسیقی کی وجہ سے لوگ بارہا دیکھتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ہندوستانی سنگیت عام طور سے جذبات سے بھرپور ہوتا ہے اور اس کے اثرات بھی گہرے ہوتے ہیں۔ اس بات کا تاریخی ثبوت بھی ہے کہ ملہار گا کر ماہرین نے بارش گرائی ہے یا دیپک کے گانے سے جنگل میں آگ لگ گئی ہے۔ لیکن یہ تو آج بھی حقیقت ہے کہ لوری گا کر بچوں کو سُلایا جا سکتا ہے۔ ہنستی محفل کو غمگین سنگیت سے رُلایا جا سکتا ہے۔ مسخرے پن کے گانوں سے روتوں کو ہنسایا جا سکتا ہے۔
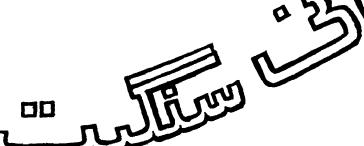
ہندوستانی شاستریہ سنگیت نے ویدوں کے زمانہ میں جنم لیا اور اس پر مدتِ دراز تک سنسکرت کا رنگ چڑھا رہا۔ تیرھویں صدی کے بیچ میں حضرت امیر خسرو نے اس میں بہت کچھ جدت کی اور نئے ڈھنگ سے اس کو سجایا، اور اس فن کو نئی جلا دی۔ پروفیسر راناڈے نے اپنی کتاب "ہندوستانی میوزک" میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر خسرو نے پکھاوج سے ڈھول ایجاد کیا۔ بین کو کاٹ چھانٹ کر ستار بنایا۔ عجمی اور ہندوستانی سنگیت کے ملاپ سے دھرو، دھوا، ٹھا، چھند، پرسند، دھرپد سے انہوں نے قول، قلبانہ، نقش، گل، ترانہ اور خیال ایجاد کئے۔

ہندوستانی سنگیت پر بارھویں صدی کے آخر میں پہلی کتاب "گیت گووند" جے دیو نے لکھی جس کا ترجمہ ایڈورڈ آرنلڈ نے Song of Songs کے نام سے کیا۔ تیرھویں صدی میں سارنگ دیو نے "سنگیت رتناکر" لکھی۔ اس کے بعد ۱۶۰۹ء میں "راگ بودھ"، ۱۶۲۵ء میں "سنگیت درپن"، ۱۷۰۴ء میں "سنگیت سارا"، ۱۸۰۰ء میں "راگ مالا"، ۱۸۰۵ء میں "سنگیت پریجات" اور ۱۸۱۳ء میں ایک بڑی مستند کتاب رضا خاں نے "نغماتِ آصفی" لکھی۔ اسی کی بُنیاد پر وشنو نرائن بھاتکنڈے ایم اے ایل ایل بی نے "ہندوستانی سنگیت پدھتی" سات جلدوں میں لکھی۔ ٹھاکر نواب علی خاں تعلقدار سیتاپور (لکھنؤ) نے "معارف النغمات" کے نام سے سنگیت پدھتی

کا اردو میں آزاد ترجمہ پیش کیا جو ایک سیر چشم
مقالہ ہے۔ اس مقالہ نے ہندوستانی سنگیت کے
متعلق سارے بنیادی نظریے بدل ڈالے۔ دو ہزار
سالہ راگ راگنیوں اور پُتر اپُتر کو ایک بالکل نیا
روپ دیا۔ اسی میں پہلی بار راگوں کے ٹھاٹھ مقرر
کئے اور یہ ثابت کیا کہ ایک راگ، اُس کی راگنی
یا اُس کے پُتر اپُتر یعنی اس کی اولاد میں کوئی
مماثلت نہیں۔ جو راگ راگنیاں آپس میں ملتی
جُلتی ہیں انھیں ٹھاٹھ میں جمع کیا اور پہلی بار
بلاول کا اسکیل یعنی سرگم رائج کیا۔ چنانچہ
شمالی ہند کی موسیقی آج بھی اسی ٹھاٹھ پر قائم ہے۔
زمانۂ حال کے سب سے بڑے چتر پنڈت وشنو
بھاتکنڈے نے اپنے سنگیت کی بنیادیں رضاخاں
کے ٹھاٹھ اور بلاول اسکیل پر ہی اُستوار کیں۔
جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ہندوستانی شاستریہ سنگیت
نے ویدوں کے زمانے میں جنم لیا مگر پچھلے دو ہزار
سال میں اس کے اندر اتنی ترقی اور تبدیلی نہیں
ہوئی جتنی کہ آزادی کے بعد دھیرے دھیرے ہوتی
چلی جا رہی ہے اور اس کا شوق و ذوق بھی
بڑھتا جا رہا ہے۔ حال حال تک سنگیت اور ترتیب
کی سرپرستی راجوں، مہاراجاؤں، نوابوں، حکمرانوں
اور رشیوں نے کی۔ اسی وجہ سے اُس دور میں
یہ جنتا کے قریب اُتنے نہ ہو سکے کہ جتنے اب ہیں۔
ظاہر ہے کہ اُس زمانے میں مخصوص اعلیٰ طبقہ
ہی اس سے لطف اُٹھا سکتا تھا اور اس دور
کے مہان کلاکار محض گویّے ہی کہلاتے رہے۔
وہ نہ تو فنکار کی حیثیت سے جانے گئے اور نہ
اُن کو عوام الناس کے قریب آنے کا موقع ملا۔

ہر وہ صدا جو ایک ضرب کے بعد
دو تین سکنڈ قائم رہے سُر کہلاتی ہے
ان آوازوں کو صدیوں تک علیحدہ علیحدہ
کسوٹیوں پر پرکھ کر فنکاروں نے
جملہ سات سُر مقرر کئے

دربار داری اور مصاحبی میں اُن عظیم فنکاروں کو
حاکم وقت اور سرپرست کے اچھے بُرے ذوق
کی تشفی کرنی پڑی اور اُنھیں کے رنگ میں اپنے
فن کو ڈھالنا پڑا۔ روایت ہے کہ کسی مہاراجانے
اُستاد علاءالدین خاں سے فرمایش کی کہ سرود پر
ایسا راگ گائیں کہ جس سے مہاراجا کو نیند
آجائے۔ خان صاحب نے اس کو اپنی ہتک سمجھا
کہ وہ لوریاں گا گا کر کسی کو سُلائیں۔ وہ اپنے
ساز اور سازندوں کے ساتھ دربار کو خیرباد کر
کے نکل گئے۔ لیکن ایسی ہمت والے اور خوددار
فنکار کم ہی ملتے ہیں جو اپنی آن بان اور اپنی
کلا کی عزت کو اس طرح پر برقرار رکھ سکیں۔
ہمارے سنگیت کی شرح، نصاب اور قواعد
ضرور ہیں۔ ہمارے پاس نوٹیشن "سُوَر" لپی
بھی ہیں لیکن اُن کو ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جاتا۔
حال حال تک ریکارڈنگ کی سہولتیں بھی نہ تھیں
لہٰذا ہماری موسیقی سینہ بہ سینہ ہی چلتی رہی۔ اُستاد
شاگرد کا گہرا رشتہ ہوا کرتا اور ریاض، اکتساب
اور تحصیل کے جذبہ پر اُن کا سارا دارومدار رہا۔
آواز چاہے انسان کی ہو، چرند پرند کی یا کسی
آلہ کی، کہ جس کو ہم باجہ یا ساز کہیں، اُتار چڑھاؤ
اور پھیلاؤ رکھتی ہے۔ ہر وہ صدا جو ایک ضرب
کے بعد دو تین سکنڈ قائم رہے سُر کہلاتی ہے۔
اُن آوازوں کو صدیوں تک علیحدہ علیحدہ کسوٹیوں
پر پرکھ کر فنکاروں نے جملہ سات سُر مقرر کئے
اور پھر ہر درجہ کو سخت امتحان اور جانچ پڑتال
کے بعد پانچ کومل و کرت سُر تلاش کئے اور تیور
کو ملا کر اُن کی تعداد بارہ مقرر کی گئی۔ ان ہی
بارہ سُروں کو مختلف طریقوں سے ترتیب دینے
اور اُلٹنے پھیرنے سے ہزاروں صورتیں اور
لاکھوں سروپ بن گئے جن کو راگ کہا جاتا ہے۔
آواز کی تربیت نے تان کی شکل اختیار کی۔ پھر
سازوں نے ان میں رنگ آرائی کی اور دلکشی

سات سُروں سے ہزاروں راگ کس طرح پیدا
ہوتے ہیں اور یہ سنگیت کو کس طرح اونچا
لے جاتے ہیں اسکے سمجھنے کیلئے علم ہندسہ یا
حساب کا بنیادی مسئلہ ہماری مدد کرسکتا ہے

پیدا کی۔ طبلہ کے ساتھ صوتی راگ نے "لے کاری"
کی بنیاد ڈالی، چند مخصوص سُروں کو لے کر
راگ ڈھالے گئے اور ان ہی سات سُروں سے
ہزاروں راگ بنتے چلے گئے۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہلکے پھلکے گانے
آسانی سے کیوں سمجھ میں آجاتے ہیں اور لوگ
اُن پر کس لئے زیادہ شوق سے سُر دُھنتے ہیں؟
شاستریہ سنگیت کے سمجھنے اور اس سے لُطف
اُٹھانے سے قاصر اور محروم ہیں۔ راگ بھیرو کو
لیجئے۔ اس میں ٹھمری گائی جائے تو پکے گانے
کو نہ سمجھنے والے بالکل ہی نہیں سُنیں گے حالانکہ
اسی بھیرو راگ میں بیشتر فلمی اور غیر فلمی گانے
سُگم سنگیت کے نام سے سبھی پسند کرتے ہیں اور
ان سے مزہ لیتے ہیں۔
سات سُروں سے ہزاروں راگ کس طرح
پیدا ہوتے ہیں اور یہ سنگیت کو کس طرح اونچا
لے جاتے ہیں اس کے سمجھنے کے لئے علم ہندسہ
یا حساب کا بنیادی مسئلہ ہماری مدد کر سکتا ہے۔
ایک سے نو تک گنتی جاہل سے جاہل آدمی بھی
جانتا ہے۔ اس میں صفر کا اضافہ کر دیجئے تو
دس ہندسے ہو جاتے ہیں۔ پھر دس سے ایک سَو
ایک ہزار، ایک لاکھ، ایک کروڑ اور اس کے بھی
بہت آگے گنتی جاتی ہے۔ ان نو دس ہندسوں
میں بے پناہ وسعت ہے، لچک ہے۔ اگر ان پڑھ
آدمی سے لاکھوں کی گنتی کے لئے کہئے تو وہ اپنی
مجبوری ظاہر کرے گا لیکن اس کو ہندسوں کا یہ
چھوٹا سا راز سمجھ میں آجائے اور صفر کا کمال
معلوم ہو جائے تو اس کو کوئی مشکل نہ ہوگی۔

اسی طرح ان سات سُروں کا بُنیادی خاکہ سمجھ کر اس سے پیدا ہونے والے راگوں کی بات دھیان میں بندھ جائے تو وہ بے قاعدہ اور ہلکے پھلکے گانوں سے بڑھ کر باقاعدہ اور پکّے گانے کو سمجھنے اور پسند کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے۔ گویا اسی راگ بھیرو سے نکالی ہوئی بندش پر ہلکے پھلکے گانے بنائے جاتے ہیں اور اس حد تک سب کی جانکاری ساتھ دے سکتی ہے اور اس سے مکمل طور پر مزہ لیا جا سکتا ہے۔ اوپر دی ہوئی مثال کے مطابق شاستریہ سنگیت کی واقفیت بھی حاصل کر لی جائے تو نہ صرف بھیرو کی تمیز پیدا ہو جائے گی بلکہ ہر راگ کو بخوبی سمجھنے کی صلاحیت بھی اُبھر آئے گی۔ اس طرح پر پکے گانے کی مثال گنتی کی سی ہے جسے بخوبی اور بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے اگر لاکھوں کروڑوں کی گنتی کو مشکل سمجھ کر چھوڑ دیا جائے تو لوگ یقیناً جاہل ہی رہ جائیں گے۔ اسی طرح شاستریہ سنگیت کو بھی مشکل اور نہ سمجھ میں آنے والا سمجھ لیا جائے اور اس پر بالکل دھیان نہ دیا جائے تو شاستریہ سنگیت سے لوگ بے بہرہ رہ جائیں گے۔

ہماری کلاسیکی موسیقی سُور لپی، نوٹیشن، اسکیل اور ضبط میں لائی ہوئی تحریروں سے اسی طرح آزاد ہے کہ جسطرح جدید فنِ مصوری نقل مطابق اصل یا فوٹو گرافی کے چربہ سے آزاد ہے۔ فنِ جدید کا مصور جو کچھ دیکھتا ہے اسکی ہوبہو نقل نہیں کرتا بلکہ جو چیز اس کی نظر کے سامنے ہے اس سے اس کے دل و دماغ پر جو نقوش اُبھرتے ہیں ان ہی کو کینوس پر بکھیر دیتا ہے۔

جب کسی کے سر پر سخت چوٹ آتی ہے تو دن میں بھی اسکی آنکھوں کے سامنے تارے نظر آنے لگتے ہیں اسی کی تصویر بنا کر وہ اپنی چوٹ کو ظاہر کر سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مصور اپنے لاشعور اور اپنی حسّیات کو چھیڑنے بلکہ جھنجھوڑنے والی لہریں رنگ و روغن کے ساتھ ایک مناسب شکل میں جڑ دیتا ہے اور پھر دیکھنے والے کے جملہ حواس کے حوالے کر دیتا ہے کہ وہ بذاتِ خود اسمیں وہ جھلکیاں دیکھیں کہ جو مصور نے دیکھی اور محسوس کی ہیں۔

اسی طرح ہماری ہندوستانی موسیقی میں ہر گلوکار، ہر فن داں اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتا ہے کہ سُر اور تال کے امتزاج کو اپنی وجدانی کیفیت میں پیش کرے۔ اِس امتزاج میں اس کے جذبات بھرے ہوتے ہیں۔ ترانہ اور ٹپّہ میں تکنیک زیادہ ہوتی ہے اور گلوکار کی شخصی حسّیات کم۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ٹھہراؤ نہیں ہے، چنانچہ آج بھی جن اُستادوں کو اپنے فن کے دائروں میں پھنسے ہوئے، جکڑے ہوئے اور قید میں دیکھتے ہیں وہ اتنے دلکش اور جاذب نہیں ہو سکتے کہ جنھوں نے تکنیک کو قائم رکھتے ہوئے بھی اس کی اہمیت کو ضمنی رکھا ہے۔ اور آواز کی مدھرتا اور جذبات کی فراوانی پر زیادہ زور دیا ہے وہ بے حد مقبول ہوئے ہیں جیسے اُستاد مشتاق حسین خاں، استاد عبدالوحید خاں اور استاد عبدالکریم خان۔ انھوں نے راگوں کے پھیلاؤ اور اونچ نیچ پر زیادہ دھیان دیا اور آواز کی دلکشی سے کانوں میں مٹھاس گھول دی

پیشکش کے اس نئے انداز نے گلوکاروں اور سازندوں کے آپسی مقابلہ، چھیڑ چھاڑ اور دنگل بازی کو بھی ختم کر دیا اور راگ کی روح کو جگا کر سننے والوں کے دل موہ لئے۔ کیرانہ گھرانے کو یہی فخر حاصل ہے کہ اُس نے تان کو فنکاری کی شخصی مہارت اور برتری تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ وقتی چکر کے ساتھ گھلا ملا دیا۔ اُستاد عبدالکریم خاں نے اپنے اعتقادی اور عقیدت مندانہ جذبات کو آواز میں گھول کر گیان دھیان کا روپ دے کر سادھنا کا درجہ دیا جو ظاہر ہے کہ بے حد مقبول ہوا۔

پنڈت اونکار ناتھ ٹھاکر نے بھی اسی اصول کو اپنا کر بے حد ہر دلعزیزی حاصل کی اور نام کمایا۔ لیکن آخری دور میں پنڈت جی نے ایک بار پھر اپنی آواز کی خوبی سے ہٹ کر فنی اتار چڑھاؤ پر زیادہ دھیان دیا اور رُستم روتی کی طرف مائل ہو گئے۔ بڑے غلام علی خاں اور اُستاد امیر خاں کے سوا بھیم سین جوشی بسوا راج راج گرو، سب ہی نے رومانیت اور Aesthetic پر زیادہ توجہ دی۔ ان کی بڑائی محض ان کی آواز یا صوتی کسرت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ آواز کے کلچر کی خوبی، مدھرتا اور راگوں کے لئے سماں باندھنے میں ہے۔ یہ سب کسی سنگیت محفل یا کسی رئیس کو خوش کرنے کے لئے نہیں گاتے ہیں بلکہ ایک طرح کے احساسِ بیخودی کے ساتھ وجد اور جذب کی کیفیات میں کھو جاتے ہیں۔ ان کو سننے والوں کی واہ واہ سے زیادہ خود فراموشی اور لوگوں کے دلوں میں گھر کر جانے کی دُھن رہتی ہے۔

جس علم کو ہمارے اُستادوں نے سینہ بہ سینہ اور گھرانوں کی تربیت اور تعلیم سے سینچا سنوارا اور قائم رکھا اسے آج درس و تدریس کے ساتھ ساتھ قومی اور کلچرل بلندی کے احساس نے پھر سے اُبھارا اور نکھارا ہے۔ سنگیت سمّیلن، سنگیت کانفرنسیں،

کیرانہ گھرانے کو یہی فخر حاصل ہے کہ اس نے تان کو فن کاری کی شخصی مہارت اور برتری تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ وقتی چکر کے ساتھ گھلا ملا دیا؛

سنگیت کے مدرسے، مقابلے اور آکاش وانی یہ سب ہمارے اس قیمتی ورثے کو نہ صرف قائم و دائم رکھنے میں ممد و معاون ہیں بلکہ اس کو ترقی بھی دیتے رہے ہیں۔

بمبئی میں خصوصیت کے ساتھ سُر سنگار سمسد کئی سال سے اپنے سُر سنگار سمیلنوں کے ذریعے بڑھاوے دے رہا ہے۔ سوامی ہری داس سنگیت سمیلن، بھجن سمیلن، ناٹیہ سمیلن کے علاوہ "کل کے کلاکار" کے پروگرام اور پھر فلموں میں شاستریہ سنگیت پر انعام اور سنگیت اوارڈ نے موسیقی کی دنیا میں جان ڈال دی ہے اور کلاکاروں کو اُبھرنے کے نئے نئے مواقع دئے ہیں۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مغربی موسیقی کچھ حد تک ہماری موسیقی کو اس طرح بڑھاوا دے رہی ہے کہ کچھ جدت پسندی، کچھ ندرت اور کچھ کڑی زنجیروں سے چھٹکارا تنوع پیدا کر رہا ہے اور اس نئے رجحان سے بہت سارے بھولے بسرے راگوں کو بھی پھر سے جھاڑ پونچھ کر نئے انداز میں پیش کرنے کا سازگار ماحول مل رہا ہے۔ کرناٹکی راگوں کو شمالی ہندوستانی انداز میں اور کبھی بالکل نئے ڈھنگ کے راگ تجویز کرکے بھی ترقی اور مقبولیت دی جا رہی ہے۔ بعض ماہرین فن تو چھایا تلک مینڈول بہاگ یا کاؤسی بھیرو بھی بے جھجک پیش کر رہے ہیں۔ دھرو پد اور دھمار سے بھی آج کل کافی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے اس کا سہرا اُستاد معین الدین ڈاگر، ان کے بعد امین الدین ڈاگر، ناصر فیاض الدین ڈاگر اور ناصر ضیاء الدین ڈاگر (ڈاگر برادرس) کے سر ہے۔ دھروپد اور دھمار ہندوستانی موسیقی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتے ہیں اور "خیال" سے بہت پہلے کے ہیں اسی لئے ان میں سنسکرت کا اثر نمایاں ہے۔

چند اُستادوں نے تو اب گھرانہ کی حدبندیوں کو بھی توڑ ڈالا ہے اور نہایت دلیری سے بہترین نکات کو ملا جلا کر نئے انداز اور نئے روپ میں پیش کر رہے ہیں اور بعض نے تو اختراع اور ایجاد سے بھی بحسن و خوبی کام لیا ہے۔

بھیم سین جوشی، امرناتھ اور رائے کُنن جیسے فنکاروں نے بھی اپنے آپ کو آزاد محسوس کیا ہے۔ پنالال گھوش نے "دیپاولی"، علی اکبر نے "لاجونتی" کمار گندھروا نے "لگن گندھارا" کی تخلیق کرکے اپنی جولانیٔ طبع کا ثبوت دیا ہے اور شاستریہ سنگیت میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔

اب تو شمالی اور جنوبی ہندوستانی موسیقی کی تعریف بھی کچھ حد تک مٹتی جا رہی ہے۔ چنانچہ کرناٹکی موسیقاروں نے شمالی ہند کے درباری اور برج کو اپنایا ہے۔ سرگم کو صرف مشق اور ریاض کے لئے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب بہت سارے گلوکار جنوبی ہند کے طرز پر اپنی پیشکش سرگم کو شامل رکھنے لگے ہیں

رسل و رسائل کے ذرائع، ریڈیو اور ریکارڈنگ کی سہولتوں نے گھرانوں کی حدبندیوں کو بالکل توڑ دیا ہے خطہ واریت صوبہ جاتی امتیاز بھی ختم ہو چلے ہیں۔ قومی ایکتا کے احساس کے ساتھ موسیقی بھی اپنے اندر سب کچھ جذب کرتی جا رہی ہے۔ ریڈیو اور ریکارڈنگ کی وجہ سے اس قسم کے تعصب بھی مٹ رہے ہیں۔ پٹیالہ گھرانہ کی نفاست اور باریکی، آگرہ گھرانہ کی لے کاری، کرانہ گھرانہ کی جذباتی پیشکش اور اترولی گھرانہ کی مشکل گائیکی کو اب ہر کوئی گلوکار اپنا سکتا ہے اور اس میل جول کا نتیجہ نہایت ہی دل کش ہے۔

موجودہ دور کی ایک اور خاص بات جس کا ذکر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ خواص کو بھی لوک گیت پسند آنے لگے ہیں اس سے میرا مطلب وہ لوک گیت نہیں جو مخصوص صوبجاتی برتری کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں بلکہ یہ بات تسلیم کی جانے لگی ہے کہ بعض راگ کی اساس لوک گیت پر ہے۔ پہاڑی دُھن، راگ جیسے جیونتی اور دیش کی بنیادیں پنجاب، سندھ اور راجستھانی لوک گیت پر کھڑی ہیں۔ اُستاد بڑے غلام علی خاں نے جب بھی پہاڑی پیش کیا ہے وہ وادیٔ کلو (Kulu Valley) کے چرواہوں کے لوک گیت سے تعلق رکھتا ہے مگر یہ بات نہیں بھلا جا سکتی کہ اُستادوں نے ان پر رنگ و روغن ایسا چڑھایا ہے کہ وہ اصل سے بھی کئی گنا زیادہ چمک اٹھے ہیں۔ ہندوستانی گلوکاروں نے برج کے رسیا بار بار اپنے گیتوں میں یاد کیا ہے۔ یہ ایک حسین اقدام ہے۔

شاستریہ سنگیت سے ذرا دبتا ہوا اُپ شاستریہ سنگیت (Semi-classical music) ہے جس میں ٹھمری، دادرا اور ٹپہ بے تکلف گلئے جاتے ہیں عام فہم اور ہر دلعزیز گائیکی میں سُگم سنگیت ہے جس میں گیت، غزل، لوک گیت، بھاؤ گیت اور بھجن ہیں اور میں فلمی موسیقی بھی شامل ہے۔

موسیقی کی ان تمام قسموں کے سوا ایک دلچسپ چیز جگل بندی ہے جسکو یُگل بندی بھی کہاجاتا ہے اسمیں ایک ہی راگ ایک ہی خیال اور ایک ہی چیز کو دو فن کار ساتھ بیٹھ کر یکے بعد دیگرے گاتے ہیں یا سازوں پر چھیڑتے ہیں اس کی ابتدا اسطرح پر ہوئی کہ ایک ہی اُستاد کے دو شاگرد یا اسکے دو بیٹے ایک ساتھ مشق اور ریاض کے بعد اسی طرز کے ماہر ہو جاتے ہیں اور پھر جُگل بندی کرتے ہیں۔ فی زمانہ اُستاد نیاز احمد اور اُستاد فیاض احمد کی جگل بندی یا اُستاد سلامت علی اُستاد نزاکت علی اور اُستاد ناصر فیاض الدین اُستاد ناصر محی الدین (ڈاگر برادرس) کی جگل بندی بہت خوبصورت مانی جاتی ہے۔ تال واد یا کچہری میں کھال کے سارے باجے جیسے طبلہ، مردنگ، پکھاوج، ڈفلی کو ایک ساتھ بجا کر خوب لطف پیدا کیا جاتا ہے۔ نرتیا اور دوسرے سازوں میں بھی اسی طرح کی جگل بندی کی جاتی ہے اور اس کو ہر دلعزیز بنانے میں سُر سنگار سمسد کا بڑا دخل ہے۔

اب تو قدیم اُستادوں کے نغموں اور گانوں کو محفوظ کر لیا گیا ہے اور ان کی لائبریریاں بھی بنادی گئی ہیں جس کی وجہ سے اب ہر کوئی (باقی صفحہ 19 پر)

ڈاکٹر عنوان چشتی

ایم اے۔ اردو، ایم۔ اے۔ جغرافیہ، پی۔ ایچ۔ ڈی۔

مقتل میں دو صدا، کدھر اہلِ ہوس گئے؟ — اپنے لہو کے ذائقے کو ہم ترس گئے

یوں بھی ہوا کہ گرمیٔ احساس کے طفیل — کچھ منفرد صداؤں کے چہرے جھلس گئے

وارفتگیٔ فرطِ محبت میں، بارہا — چھو کر اُنھیں، ہم اور بھی اُن کو ترس گئے

صدیوں سے قتل گاہ کا منظر ہے ایک سا — اہلِ وفا ہی آئے نہ اہلِ ہوس گئے

اک سلسلہ ہے اور کوئی سلسلہ نہیں — کیا لوگ تھے جو وقت کو لمحوں میں کس گئے

لازم نہیں، سفر ہو سدا دائرہ نُما — ہم پھر نہ آسکیں گے جو آگے برس گئے

آسیب بن گئے ہیں خود اپنی نگاہ میں
عنواؔن اپنے جسم میں ہم جب سے بس گئے

وقار واثقی

یاد آتا نہیں نام ترا، بھول گیا ہوں
شاید تجھے کہتا تھا خدا، بھول گیا ہوں

اِتنی بڑی دُنیا ہے، ملے گا وہ کہاں پر
صورت تو نظر میں ہے، پتا بھول گیا ہوں

یہ تو نہیں ؛ چھن جائے مرا حافظہ مجھ سے
میں جرم محبت کی سزا بھول گیا ہوں

روداد میں تفصیل سے ہر بات لکھی ہے
اپنا ہی مگر ذکرِ وفا بھول گیا ہوں

آرام کروں اور؟ کہ چلنے لگوں یارو
میں معنیٔ آوازِ درا بھول گیا ہوں

کیا اپنی صفائی میں کہوں، سوچ رہا ہوں
مشکل یہ ہے خود اپنا کیا بھول گیا ہوں

کچھ ایسا ضروری ہو تو تم یاد دلا دو
کب باندھا تھا پیمانِ وفا بھول گیا ہوں

کہتے ہیں وقاؔر آتا ہے ایسا بھی زمانہ
ہر شخص کو میں اپنے سوا بھول گیا ہوں

ادیباسی کاشتکاروں کے ساتھ
ہمدردانہ سلوک

ادیباسیوں کی آبادی زیادہ تر مغربی مہاراشٹر کے اضلاع تھانہ، قلابہ، رتناگیری، جلگاؤں، دھولیہ، ناسک، احمدنگر اور پونہ اور ودربھ کے اضلاع چندرپور اور امراؤتی اور مراٹھواڑہ کے اضلاع اورنگ آباد، بھیڑ اور ناندیڑ میں پائی جاتی ہے۔

ایک ادیباسی کاشتکار فصل کی حفاظت کے لئے کیڑا مار دوا کا چھڑکاؤ کر رہا ہے۔

ہندوستان جیسے زرعی ملک کے ادیباسیوں کا مخصوص پیشہ یا تو زراعت ہے یا اُس سے متعلق دوسرے پیشے۔ وہ ہمیشہ غیر ادیباسیوں کے کھیتوں میں کام کرتے تھے یا اُن کی زمینات لگان پر لیتے تھے۔ سنہ ۱۹۴۸ء میں لگان داری سے متعلق قوانین کو اس ریاست میں نافذ کیا گیا جس کے نتیجے میں ادیباسیوں کو اُن زمینات پر جن پر وہ بطور لگاندار کام کرتے تھے، کچھ حقوق حاصل ہوئے اور اس کے علاوہ لگان کی شرح بھی مقرر کی گئی۔

ان قوانین کی بدولت نہ صرف یہ کہ وہ کھیتوں سے بے دخل کئے جانے سے محفوظ رہے بلکہ وہ اُن رہائشی مکانات سے بھی نکالے جانے سے بچے رہے جو اُنہوں نے غیر ادیباسیوں کی زمینوں پر بنوائے تھے۔

سنہ ۱۹۵۶ء میں حکومت نے "زمین کاشتکار کی" والی پالیسی اپنائی جس کے مطابق یکم اپریل سنہ ۱۹۵۷ء سے وہ تمام لگان دار جو زمینات پر قابض تھے، اُن زمینات کے مالک متصوّر ہوئے جسکے لئے اُنھیں معاوضہ ۱۲ سالانہ قسطوں میں دینا قرار پایا۔ یہ قیمت بازار بھاؤ سے بہت کم تھی، ۳۰ر جون سنہ ۱۹۷۴ء تک ۱۱,۲۹,۱۵۵ لگان دار ۱۲,۲۵,۲۲۹ ہیکٹر زمین کے مالک قرار دے گئے۔ اِس طرح زمین کی ملکیت سے مستفید ہ والوں میں خاصی تعداد ادیباسیوں کی بھی ہے۔

ملکیت زمین کی حد

ملکیتِ زمین کی حد سے متعلق قانون سنہ ۱۹۶۱ میں پاس ہوا اور ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۶۲ء کو عم میں آیا جس کی رو سے سرکار اراضی ملکیت ک ایک حد سے زائد پائی جانے والی زمین کو حا کر کے بے زمین کسانوں اور کم زمین رکھنے والو یا حاجتمندوں میں تقسیم کرنے کی مجاز ہو گئی جو سنہ ۱۹۷۴ء تک ۴۳,۴۶۶ ہیکٹر زمین ۴۵,۷ افراد اور ۷۷ سوسائٹیوں میں تقسیم کی گئی۔ ا میں سے ۴,۱۶۵ ہیکٹر زمین ۱۸۵۹ ادیبا میں تقسیم کی گئی۔ حال میں ملکیتِ زمین کی حد کو گھٹانے کے لئے ایک اور بل پاس کیا گیا ہے اُسے صدرِ ہند کی منظوری ملنا باقی ہے۔ ا کی رو سے زائد زمین کا ۵۰ فیصد حصہ ادیبا اور دیگر پسماندہ طبقات میں تقسیم کی جائے گی اور اس طرح سماجی انصاف کا ایک تقاضہ پورا ہوگا۔

کوسباڑ زرعی ادارے کی مدد سے مانکرپاڑہ گاؤں کے ۱۵ ادیباسی خاندان ایک مشترکہ کنواں کھود کر گیہوں کی فصل اگا رہے ہیں۔ تصویر میں ایک ادیباسی کھیت میں مشینی ہل چلاتا ہوا نظر آرہا ہے
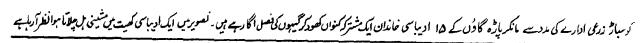
سرکاری بیکار زمین کی تقسیم

سرکاری بیکار زمین کی تقسیم ۱۹۶۰ء سے مہاراشٹر میں شروع ہوئی۔ اس اسکیم کے تحت ۳۶۷۲۵ ادیباسیوں کو ۹۵٫۰۲۹ ہیکٹر زمین مل چکی ہے۔

اسی طرح لگان داری سے متعلق قوانین کے نفاذ سے بھی ادیباسیوں کو اچھا خاصہ فائدہ پہنچا ہے لیکن ادیباسیوں کو صرف زمین دینا ہی کافی نہیں ہے۔ یہ لوگ غریب ہیں اور اپنے حقوق سے ناواقف۔ اکثر مقروض ہوکر اپنی زمینیں کھو دیتے ہیں۔ چنانچہ مہاراشٹر لینڈ ریونیو کوڈ ۱۹۶۶ء کی دفعہ ۳۶ کی ضمنی دفعہ (۲) میں اس کے بچاؤ کے لیے انتظام کیا گیا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر حکومت نے اس کا بھی انتظام کیا ہے کہ ادیباسیوں سے جو زمینیں غیر قانونی طور پر لی گئی ہیں وہ انھیں بحال کردی جائیں۔ مسودۂ قانون بحالیٔ زمینات بہ ادیباسیان، مہاراشٹر ۱۹۷۴ء بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ اور ایسے ہی دیگر جامع قوانین ہیں جن کے نفاذ سے ادیباسیوں اور پس ماندہ قبائل کی اقتصادی حالت سدھار کر اُن کے ساتھ سماجی انصاف کیا جارہا ہے۔

بقیہ ہندوستانی سنگیت

ماضی کی دھندلی یادوں سے یا ماضی کو حال میں تبدیل کرکے بآسانی استفادہ کرسکتا ہے۔ پہلے صرف راجوں مہاراجوں کو یہ اختیار تھا کہ کسی بھی اُستاد کو اپنے پیسے کے زور سے کھینچ کر اس سے لطف اندوز ہوتے اور اُس کو خلعت و خطاب سے نوازتے لیکن اب ریڈیو اور ریکارڈنگ کے سہارے ہر کوئی موسیقی کا دلدادہ صرف ایک بٹن دباکر بڑے سے بڑے اُستاد کو سن سکتا ہے۔

●●

دادی اماں

عشرت امیر

شام کے چار بجتے اور پانچ برس کا بوبی اسکول بس سے اُتر کر سیدھا دادی اماں کے پاس آتا۔ دادی اماں اُس وقت یا تو شام کے کھانے کیلئے چولہا جلا رہی ہوتیں یا پھر تیسرے پہر کی چائے بنانے میں مصروف ہوتیں۔ صحن کے دوسرے کونے سے بوبی پکارتا ... " دادی اماں !" ... اور دادی اماں دوڑ کر آتیں، بوبی کو پیار کرتیں۔ پھر اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کی لٹوں کو ہٹاتے ہوئے پیار سے پوچھتیں، " بیٹا آج کیا کیا پڑھا تم نے ؟" اور بوبی کا اس بات پر منہ بن جاتا اور وہ جلدی سے کہتا۔ " دادی بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے، جلدی سے کچھ کھانے کو دے دو"... روز کا یہی معمول تھا

صبح دس بجے جب بوبی اسکول جانے لگتا تو دادی اماں اسے دس پیسہ دیتیں اور ساتھ ہی ہدایت بھی کرتیں۔ "بیٹا ایسی ویسی چیز مت کھانا، آجکل بیماریاں پھیل رہی ہیں"۔ بوبی سر ہلا دیتا۔ اور اپنا بستہ سنبھالتا ہوا اسکول بس کی طرف دوڑ جاتا جب تک موٹر نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتی، دادی اماں دروازے پر کھڑی بوبی کو دیکھتی رہتیں۔

دادی بظاہر تو اس گھر میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھیں، لیکن گھر کا سارا کام ان کے ہی سپرد تھا۔ صبح ہی اٹھ کر بوبی کو نہلانا دھلانا، اُسے تیار کرنا، پھر اس کو ناشتہ کرانا، یہ سب کام دادی اماں کے ہی سپرد تھے۔ خالد اور ان کی بیوی ریحانہ کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بوبی کا اتنا خیال رکھتے کہ وہ کب اسکول جاتا ہے، کب آتا ہے، کیا کھاتا ہے۔ ان تمام باتوں سے وہ دونوں قطعی لاپروا تھے۔

دادی اماں گھر کی دیکھ بھال کے علاوہ بوبی کا بھی پورا پورا خیال رکھتی تھیں۔ خالد صبح دفتر جاتے تو رات گئے واپس لوٹتے۔ ریحانہ گرلس کالج میں لیکچرار تھی۔ وہ بھی بے حد مصروف رہتی۔ دونوں کو بوبی اور گھر سے کوئی مطلب نہ تھا۔ اور دادی اماں اس زرد پتے کی طرح تھیں جو دن بھر پانی کے اندر تیرتا رہتا ہے اور پھر رات کو کنارے آ لگتا ہے۔ دوسرے دن پھر وہی چکر۔ اور — اُس زرد پتے کی زندگی بوبی کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔ روزانہ وہ بوبی کو نیلے رنگ کا پوری آستین کا سوئیٹر اور نیلا نیکر پہنے اسکول بس میں چڑھتا دیکھتیں اور شام کو اس کے آنے پر اسے دیکھتیں تو اُن کی دھندلی اور کمزور آنکھوں میں بہت سی شمعیں روشن ہو جاتیں۔ رات کو بوبی دادی اماں کے پاس ہی ہوتا تھا۔ وہ اسے پریوں اور شہزادہ گلفام کی کہانیاں سُنایا کرتیں۔ بوبی اپنے اسکول کی دن بھر کی رپورٹ دادی اماں کو سُنایا کرتا۔ دادی اماں اسے سمجھاتیں "بیٹا، دھوپ میں مت کھیلا کرو، کسی سے لڑائی جھگڑا مت کیا کرو ..." بوبی فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتا اور کہتا۔ "نہیں دادی، میں کسی سے نہیں لڑتا، تمام ماسٹر میری تعریف کرتے ہیں، اور ... دادی اماں اسے اپنے کمزور سینے سے چمٹا لیتیں۔

رات کو جب خالد واپس آتے تو ریحانہ انھیں کھانا کھلاتی۔ اور کبھی کبھی دونوں کھانا کھا کر گھومنے نکل جاتے ... یا کلب چلے جاتے اور جب واپس لوٹ کر آتے تو بوبی دادی اماں سے چمٹ کر سو چکا ہوتا تھا۔

اس طرح بوبی نے صرف دادی اماں کا پیار پایا تھا، ماں باپ کے پیار سے وہ یکسر محروم رہا تھا۔ اسی وجہ سے اسے دادی اماں سے بے حد اُنسیت تھی۔ دادی اماں کے بغیر وہ ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ اکثر رات کو خالد تھوڑی دیر تک انگریزی رسائل کی ورق گردانی کرتے، ریحانہ سے باتیں کرتے اور پھر سو جاتے۔ ان کو دادی اماں سے باتیں کرنے اور کچھ پوچھنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ ادھر ریحانہ کو بھی جیسے کسی بڑی ذمہ داری سے نجات مل گئی تھی۔ شاید بوبی کو پیدا کرکے اُس نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔

دادی اماں خالد کی دور کی رشتہ دار لگتی تھیں خالد جب نیا نیا یہاں ملازم ہوا تھا تو وہ یہاں آ گئیں۔ ان کا کوئی اور ٹھکانہ بھی نہیں تھا۔ خالد کو بھی آرام تھا۔ پھر خالد نے شادی کر لی۔ اس کے بعد بھی دادی اماں بدستور گھر کی دیکھ بھال اور کام کرتی رہیں۔ سنتے تھے کہ دادی اماں کے کوئی اولاد نہیں ہو سکی تھی اور اسی جرم میں اُن کے

وہر نے انھیں طلاق دے دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ
ب بوبی ہوا تو دادی اماں نے اُسے ہاتھوں ہاتھ
ا۔ اس بڑھاپے میں بھی ان کی ممتا کے سوتے
نک نہیں ہوئے تھے اور انھوں نے اپنی ساری
تا بوبی کے لیے وقف کردی، ادھر ماڈرن ماحول
دلدادہ اور پڑھی لکھی ریحانہ کے لئے بچّے کی
ورش اچھا خاصہ بوجھ تھی۔ دادی امّاں کو بوبی مل
ا اور ریحانہ کو اپنی آزادی۔ دونوں اس سودے
ے مطمئن ہوگئے۔

اس دن خالد دفتر سے ذرا جلدی آگئے، یہی
ں وہ کچھ خوش بھی دکھائی پڑ رہے تھے، سب کے
ے کوئی نہ کوئی تحفہ لائے تھے۔ ریحانہ کے لیے
ڑھی، بوبی کے لیے چاکلیٹ کا ڈبہ اور دادی امّاں
لیے... دادی امّاں کا تحفہ وہ چپکے سے اُن کے
ے میں رکھ آئے تھے۔

گھر سے بات برابر کے گھروں میں پہنچی اور سب
پتہ چل گیا کہ خالد کی ترقی ہوگئی ہے۔ ریحانہ نے
ی خوشی میں ایک پارٹی کا انتظام کرلیا۔
رات کو دادی اماں جب اپنے کمرے میں گئیں تو
منے ہی ایک نفیس جلد میں بندھا ہوا قرآن شریف
ھ کر ان کی آنکھیں چمک اٹھیں، ... انھوں نے کتنے
سے خالد سے کلام پاک کی فرمائش کر رکھی تھی۔
بوبی کے امتحانات قریب آتے جا رہے تھے۔
م کو وہ ایک ماسٹر سے ٹیوشن بھی پڑھنے لگا تھا
ی کو لیٹے لیٹے اچانک بوبی اُٹھ کر بیٹھ گیا اور
ں سے بولا۔ "دادی کل مجھے بیس پیسے دوگی؟"
"بیس پیسے کا کیا کرے گا؟"
"پہلے وعدہ کرو کہ پیسے دوگی۔"
"اچھا دوں گی، لیکن ان کا کیا کرے گا؟"
"بتاؤں" بوبی نے دادی اماں کے گلے میں
ہیں ڈالتے ہوئے کہا "دادی میں ان پیسوں
بڑھیا کے بال خریدوں گا۔"
"بڑھیا کے بال" دادی اماں ہنس پڑیں "بیٹا
میں تجھے اپنے بال کاٹ کر دیدوں گی۔ تو انھیں
خریدے گا؟"

بوبی اس بات پر زور سے ہنس پڑا اور سمجھانے
لگا۔ "نہیں دادی، واہ تم اتنا بھی نہیں جانتیں بڑھیا
کے بال تو گلابی رنگ کے ہوتے ہیں۔ میٹھے میٹھے
اسکول میں سب بچّے کھاتے ہیں۔"
بوبی کی یہ باتیں کہیں خالد کے کانوں میں پڑ
گئیں۔ وہ چلّانے لگے، "نہیں کوئی ضرورت نہیں
ہے اس کو پیسے دینے کی ... یہ سب چیزیں بیماری
کی نشانی ہیں"۔۔ بوبی سہم گیا۔ اور اس وقت
خاموش ہوگیا۔ مگر اب اس کو دھن سوار ہوگئی۔ وہ
طرح طرح سے دادی اماں کو سمجھانے کی کوشش کرتا
کہ سب بچّے کھاتے ہیں!.. کوئی بیمار نہیں پڑا'...پھر
میں کیسے بیمار پڑجاؤں گا؟ ادھر دادی اماں خالد
کے ڈر سے ٹالتی رہیں۔ آخر جب بوبی کی ضد کافی
بڑھ گئی تو انھوں نے کہا "اچھا' تم فرسٹ ڈویژن
لاؤ تو میں تمہیں آٹھ آنے دوں گی۔"

نتیجہ نکلا۔ بوبی فرسٹ ڈویژن پاس ہوا تھا۔
اب تو اس نے دادی اماں کا ناک میں دم کر ڈالا'
اور اُن سے آٹھ آنے لے کر ہی رہا۔
دوسرے دن آدھی رات کے قریب بوبی اُٹھ بیٹھا
اس نے پانی مانگا۔ دادی اماں نے اسے پانی دیا تو
دیکھا کہ اس کا جسم گرم ہو رہا ہے۔ وہ گھبرا گئیں۔
انھوں نے ریحانہ اور خالد کو اٹھایا، تھرمامیٹر
لگانے پر پتہ چلا کہ کافی تیز بخار ہے۔
خالد نے بوبی سے پوچھا "تم نے اسکول
میں کیا کھایا تھا؟"
"کچھ نہیں..." بوبی نے سہم کر کپکپاتی
ہوئی آواز میں کہا۔
"جھوٹ بولتا ہے — تو نے کیا کھایا تھا بول؟"
خالد نے جب ذرا تیز لہجہ میں پوچھا تو بوبی نے کہا
کہ اُس نے بڑھیا کے بال کھائے تھے۔
بعد میں جب خالد کو یہ پتہ چلا کہ دادی اماں
نے اسے پیسے دئے تھے تو وہ غصہ سے بے قا
ہوگیا۔ وہ دادی اماں پر برس پڑا۔
"تمہاری عقل پر پتھر پڑگئے ہیں۔ منع کرد
تھا... لیکن... تم نے لاڈ پیار میں بچے کو برباد
کردیا۔"
ادھر ریحانہ نے دادی اماں کو بہت سی باتیں
سُنا ڈالیں۔ "یہ بڑھیا تو ڈائن ہے ... میرے
بچّے کو مار ڈالے گی ... اس کا اپنا بچّہ ہوتا ...
ہائے میرے بچّے کو کچھ ہوگیا تو... ؟"
خالد اور ریحانہ دونوں دادی اماں کو سخت
وسُست کہتے رہے۔ ڈاکٹر آیا۔ اس نے بوبی
کو دیکھا اور دوا دے دی اور کہا کوئی گھبرانے
کی بات نہیں ہے۔ بخار رات کو ہی اُتر جائیگا۔
دادی اماں چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی
گئیں۔... صبح ہوتے ہوتے بوبی کا بخار اُتر
گیا اور وہ ٹھیک ہوگیا۔ اب خالد کو احساس
ہوا کہ اس نے دادی اماں کو بہت کچھ کہہ دیا
تھا۔ غصہ میں وہ نجانے کیا کیا کہہ گیا تھا۔
ادھر خلاف معمول' آج دادی اماں کا دروازہ
نہیں کھُلا تھا۔ بوبی "دادی اماں" کہتا ہوا کمرے
کے اندر گھُسا ... خالد اور ریحانہ بھی کمرے
کے اندر آئے۔
سامنے پلنگ پر دادی اماں لیٹی ہوئی تھیں
اُن کے پچکے ہوئے اور جھرّیوں دار چہرے پر
آنسو اپنے نقش چھوڑ گئے تھے۔
اور بوبی ... دادی اماں کے سرد جسم سے
لپٹ کر بُری طرح رو رہا تھا:

قطعاتِ اراضی کی

شیرازہ بندی

قطعاتِ اراضی کا اِنضمام اور زمین کے حصے بخرے ہونے سے روکنا اصلاحاتِ اراضی کا ایک اہم قدم ہے جس کا مقصد ملک میں ناکافی زمینی وسائل کا معقول تر استعمال ہے۔ حکومت مہاراشٹر پورے خلوص کے ساتھ ۳۵,۰۰۰ دیہاتوں میں انضمام یا شیرازہ بندی کے پروگرام کو زیر عمل لا رہی ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسکیم کی اہم خصوصیات اور فوائد کا ذکر کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں زرعی زمینوں کا مسئلہ دو رُخی ہے۔ نہ صرف یہ کہ قطعاتِ زمین چھوٹے ہوتے ہیں بلکہ ان کے مزید ٹکڑے ہوتے رہتے ہیں۔ وراثت کے قوانین اور آبادی کا بڑھتا ہوا بوجھ زرعی املاک کی اس طرح تقسیم در تقسیم کرتا رہتا ہے کہ وہ کفایتی کاشتکاری کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ٹکڑے الگ الگ مقامات پر بکھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس طرح املاک کی تقسیم کو روکنے اور بہتر کاشتکاری کے مقصد سے بکھری ہوئی املاک کو متحد کرنے کے لیے ۱۹۴۷ء میں ایک قانون تشکیل دیا گیا۔ اس قانون کے اولین حصہ میں جس کا تعلق زمین کے ٹکڑے ہونے سے روکنا ہے، ہر درجہ کی زمین کا معیاری رقبہ مقرر کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے تاکہ کاشتکاری بکفایت ہو۔ اگر کوئی قطعۂ زمین معیاری رقبہ سے چھوٹا ہے تو اس کے مالک کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ متصلہ سروے نمبر کے مالک کے ہاتھ اپنا ٹکڑا منتقل کر دے۔ اگر ہمسایہ زمین کا مالک اس ٹکڑے کی مناسب قیمت ادا کرنے کا اہل نہ ہو تو یہ ٹکڑا بازار بھاؤ سے حکومت کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ زمین کو اس طرح تقسیم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے نتیجہ میں معیاری رقبہ سے چھوٹے ٹکڑے وجود میں آئیں۔ قانون کے دوسرے حصہ میں املاک کے انضمام کے اقدامات کا تذکرہ ہے۔

پس منظر

تقسیم در تقسیم کی شکار زمینی املاک کے نقصانات کا احساس سب سے پہلے سابق ریاست بمبئی کے سکریٹری مسٹر لینڈسن کو ہوا۔ چنانچہ انھوں نے اپیل کی کہ کاشتکاروں کے حالات بہتر بنانے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ املاک کے حصے بخرے اور تبادلہ کی روک تھام کی جائے۔ ۱۸۸۰ء میں مقرر کردہ قحط کمیشن نے بھی تقسیم در تقسیم کے تباہ کن نتائج کا انتباہ کیا تھا لیکن اس کی روک تھام کے موثر اقدامات نہیں ہوئے۔

۱۹۱۶ء میں دیوان بہادر گوڈبولے نے بمبئی لیجسلیچر میں ایک قرارداد پیش کی جس کا مقصد زمینی تقسیم در تقسیم کی روک تھام کرنا تھا تاہم قرارداد منظور نہیں ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں مسٹر کیٹنگ نے بھی چھوٹی زمینوں کا مسودۂ قانون پیش کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ایک کفایتی ملکیت فرد واحد کے نام رجسٹر کی جائے اور اس کی مزید تقسیم ممنوع قرار دی جائے۔ لیکن شدید مخالفت کی وجہ سے یہ قرارداد منظور نہ ہو سکی۔ اسی قسم کا ایک اور مسودۂ قانون جو ۱۹۲۷ء میں سر چُنی لال مہتا نے پیش کیا تھا اسی انجام کو پہنچا۔

سابق سیٹلمنٹ کمشنر اور ڈائرکٹر آف لینڈ ریکارڈس شری یو۔ ایم۔ میر چندانی آئی۔سی۔ایس نے حکومت کی ہدایات کے مطابق ۱۹۴۴ء میں مدھیہ پردیش کا دورہ کیا تاکہ اُس ریاست میں شیرازہ بندی کے عمل سے واقفیت حاصل کریں۔ انھوں نے بھی ریاست بمبئی میں شیرازہ بندی کا پروگرام تشکیل دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ ریاستی دیہی ترقیاتی بورڈ بھی اس قسم کی اسکیم کا شدید حامی تھا لہٰذا حکومت نے مابعد جنگ کے تعمیر نو پروگرام کے ایک اہم قدم کی حیثیت سے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانا طے کیا۔

چنانچہ عوامی وزارت نے ۱۹۴۷ء میں متذکرہ قانون منظور کیا جس پر سابق ریاست بمبئی میں ۸ر اپریل ۱۹۴۸ء سے اور ودربھ اور مراٹھواڑہ میں یکم جنوری ۱۹۵۹ء سے عمل ہوا۔

مقاصد

قانون کا مقصد منتشر املاک کا ایک بلاک بنانا ہے۔ یہ واضح رہے کہ قانون شیرازہ بندی کے لئے چھوٹے کاشتکاروں سے ان کی زمین چھیننا نہیں چاہتا۔ قطعۂ اراضی کے مالک کو اس کے ٹکڑے کے عوض دوسرا قطعہ دیا جاتا ہے جو اسی قدر مالیت کا نیز اتنی ہی فصل پیدا کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ اسکیم کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ کاشتکار کی بکھری ہوئی املاک کو یکجا کیا جائے تاکہ کاشتکاری کفایتی اور

سود مند ہو۔ زمینی املاک کی شیرازہ بندی اس لحاظ سے مفید ہے کہ اس کی بدولت وقت اور محنت کی بچت ہوتی ہے نیز آبپاشی، کھاد اور مشینوں کے استعمال کے ذریعہ زمین بہتر بنتی ہے اراضی خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، اس کے مالک کو بے زمین نہیں بنایا جاتا۔

ابتداءً زمینوں کا تبادلہ بلحاظ مالیت کیا جاتا تھا۔ اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ ہر کھاتے دار (کاشتکار) کو ایک ہی جگہ زمین الاٹ کی جائے۔ لیکن کھاتے داروں نے اسکیم کی مخالفت کی۔ تاہم اب کھاتے داروں کو شیرازہ بندی کے فوائد کا احساس ہوگیا ہے۔ چنانچہ ان کی رضامندی سے حکومت مختلف اسکیموں پر عمل درآمد کر رہی ہے۔

معاوضہ

اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ جس مالکِ اراضی کو اس کی اصل زمین کی قیمت سے کم کی زمین الاٹ کی گئی ہو اُسے معاوضہ دیا جائے۔ اسی طرح جس مالکِ اراضی کو اُس کی زمین کے بازار بھاؤ سے زیادہ کی زمین دی گئی ہے اُس سے معاوضہ وصول کیا جائے۔ اگر کھاتے دار معاوضہ ادا کرنے کے قابل نہ ہو تو یہ گنجائش بھی رکھی گئی ہے کہ اسے تقاوی مہیا کی جائے۔

شیرازہ بندی کی اسکیمیں مرتب کرتے وقت کھاتے داروں کی سہولیات و مشکلات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اسکیم کا مسودہ شائع کیا جاتا ہے اور اس کے خلاف کئے جانے والے اعتراضات پر غور و خوض کے بعد اسے منظور کیا جاتا ہے۔ کاشتکاروں کے مفادات کا تحفظ بہر قیمت کیا جاتا ہے۔ اراضی پر مارگیج، قرض یا دیگر لواحقات کو بھی بلاک میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔

تکلیف دہ یا متروک راستوں کو بند کرنا اور نئی سڑکیں تعمیر کرنا، عوامی مقاصد کے لئے زمینیں محفوظ رکھنا اور گاؤٹھان کو توسیع دینا جیسی اہم سہولیات بھی اس اسکیم کے تحت فراہم کی جاتی ہیں۔

اسکیم پر ہونے والا تمام تر خرچ حکومت برداشت کرتی ہے۔

رابطہ

اسکیم کی کامیابی اور ترقی کا دارومدار کاشتکاروں کے تعاون پر ہوتا ہے جو بسا اوقات اسکیم کے متعلق بدگمانی کا شکار رہتے ہیں۔ یہ کاشتکار اپنی آبائی زمینوں سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں لہٰذا انضمام کے ذمہ دار افسروں کو گھر گھر جاکر لوگوں کو سمجھانا پڑتا ہے۔ صرف ترغیب و تشہیر کے ذریعے کاشتکار اپنی موروثی زمین چھوڑ کر متبادل زمین لینے پر آمادہ ہوسکتے ہیں۔

وسیع دائرۂ عمل

مغربی مہاراشٹر میں ماسوا تھانہ، قلابہ اور بمبئی کے مضافاتی اضلاع کے کل دس ضلعوں میں کام جاری ہے۔ تاہم ودربھ میں جہاں شیرازہ بندی کی بڑی گنجائش ہے فی الوقت ناگپور، چندرپور اور بھنڈارہ ضلعوں پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ مراٹھواڑہ میں پہلے یہ کام صرف اورنگ آباد میں جاری تھا تاہم اب یہ تمام اضلاع میں جاری ہے۔ شیرازہ بندی کا پروگرام ۶۹ء۲۳۶ لاکھ ہیکٹر پر مشتمل تقریباً ۳۵ ہزار دیہاتوں میں (ماسوا اُن علاقوں اور قصبات کے جو غیر زرعی علاقے اور میونسپل قصبات تصور کئے جاتے ہیں) عمل میں لایا جانے والا ہے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۷۴ء تک ۱۱٫۳۷۸ دیہاتوں میں ۹۶۶۰ء لاکھ ہیکٹر زمین شیرازہ بندی پروگرام کے تحت آچکی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ باقیماندہ کام تقریباً بیس سال میں مکمل ہوجائے گا۔ اس کام کے لئے ۱۹۷۴-۷۵ء کے بجٹ میں ۵۵ء۱۳۰ لاکھ روپئے کی رقم مختص کی گئی ہے۔

ایولے واڑی کی مثال

اسکیم کی کامیابی کی زندہ مثال ضلع سانگلی کے تعلقہ والوا میں واقع دیہات ایولے واڑی ہے۔

اس گاؤں میں پہلے ۹۸۵ زمینی املاک تھیں جن میں سے ۹۵۵ اقل ترین معیاری رقبہ سے چھوٹی تھیں یعنی ۹۵۵ قطعات صرف معمولی ٹکڑے تھے۔

اسکیم کے تحت کاشتکاروں کی مدد اور تعاون سے بلاک تشکیل دئے گئے اور ۹۸۵ املاک کو صرف ۲۱۴ بلاکوں میں منضم کر دیا گیا۔ مندرجہ ذیل پانچ کسانوں کے بلاکوں کی تشکیل کے ذریعہ ۸۱۹ ٹکڑوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔

مالکِ اراضی	اسکیم سے قبل اراضیات	اسکیم کے تحت بلاک
شری دتاترے انا جگتاپ ...	۱۹ ...	۱
شری ایم۔ڈی۔ جگتاپ ...	۴۹ ...	۳
شری آر۔اے۔ جگتاپ ...	۱۵ ...	۱
شری آر۔پی۔ یولے ...	۱۱ ...	۱
شری ڈی۔آر۔ یولے ...	۱۱ ...	۱

بعض کاشتکاروں کو ان کے منتشر ٹکڑوں کے عوض مکمل سروے نمبر مل گئے ہیں۔ اس اسکیم کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ گاؤں کا کوئی آدمی اس سے شاکی نہیں ہے۔

کاشتکاروں کی سہولت کیلئے ایک نیا روڈ تعمیر کیا گیا ہے۔ اس سے گنے کی فصل کی نقل و حمل میں آسانی ہوگی اور باہمی تنازعات میں کمی ہوگی۔ علاوہ ازیں گاؤں کی آبادی کے مدنظر گاؤٹھن کیلئے مزید جگہ الاٹ کی گئی ہے۔ ٹاؤن پلاننگ کا محکمہ اس گاؤں کیلئے ماڈل کا نقشہ تیار کر رہا ہے۔

پیداوار میں اضافہ

اس طرح زمینی املاک کی شیرازہ بندی قطعی طور پر کفایتی کاشتکاری میں مدد دیتی ہے جس کے نتیجہ میں زرعی پیداوار بڑھتی ہے۔ چونکہ کاشتکاروں کو پورے پورے بلاک ملتے ہیں اس لئے وہ مستقل نوعیت کی ترقیات پر توجہ دیتے ہیں۔ جائزہ سے پتہ چلا ہے کہ بہت سے کاشتکاروں نے اپنی زراعتی زمین کو باغاتی زمین میں تبدیل کرلیا ہے۔ (باقی صفحہ ۲۸ پر)

سرکاری فیصلے اور اعلانات

مہاراشٹر آیوروید ریسرچ بورڈ

آیوروید کے تعلق سے منصوبہ بندی، تنظیم اور تحقیق کام کے لئے حکومتِ مہاراشٹر نے مہاراشٹر آیوروید ریسرچ بورڈ، ڈائریکٹر آیوروید مہاراشٹر اسٹیٹ کی صدارت میں تشکیل کیا ہے۔ بورڈ کے دیگر ممبران حسب ذیل ہیں۔

ویدیک ڈاکٹر وینی مادھو شاستری بالاجی جوشی، بمبئی، ویدیک ڈاکٹر چندر شیکھر ٹھاکر، بمبئی، ویدیک ڈاکٹر رام گوپال شرما، بمبئی، ویدیک ڈاکٹر سی۔ جے۔ جوشی، پونا، ویدیک ڈاکٹر نگیش ڈٹ شکھا، جالنہ، ویدیک ڈاکٹر این۔ ٹی۔ شاہا، اکولہ، ڈاکٹر اسحاق جم خانہ والا، بمبئی، ویدیک ڈاکٹر وی۔ وی۔ ویاس، بمبئی، ڈین آر۔ اے۔ پودار میڈیکل کالج اور ایم۔ اے۔ پودار اسپتال، بمبئی، ویدیک ڈاکٹر این۔ ایس۔ انترکر، لیکچرار، آر۔ اے۔ پودار میڈیکل کالج، بمبئی (سکریٹری)

بورڈ کا ہیڈ کوارٹر راجہ رام دلو آنندی لال پودار آیوروید ک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی میں ہوگا۔

بورڈ، ڈائریکٹر آف آیوروید، بمبئی کی انتظامی نگرانی میں رہے گا۔

چیریٹی شو کے لئے زرِضمانت

حکومتِ مہاراشٹر نے ایک طریقہ کار روشناس کرانے کا فیصلہ کیا ہے جس کے تحت ادارے، انجمنیں، جماعتیں جوکہ چیریٹی پروگرام منعقد کرتی ہیں اور تفریحی ٹیکس سے سیکشن ۶ (۱)، ۶ (۲) اور ۶ (۳) کے تحت چھوٹ حاصل کرتی ہیں ان کے لئے اب یہ ضروری ہوگا کہ ایسے شو یا تفریحی پروگرام منعقد کرنے سے قبل ان کو کچھ زرِضمانت داخل کرنا ہوگا۔ اس کے تحت زرِضمانت مندرجہ ذیل شرح سے مقرر کیا گیا ہے جس کے لئے ہر شو کو ہاؤس فل تصور کر کے ضمانت کی رقم ان تمام چیریٹی شو کے انتظام کاروں سے وصول کی جائے گی جو کہ تفریحی ٹیکس سے چھوٹ حاصل کرتے ہیں۔

ایک ہزار روپے تک آمدنی پر دو سو روپے، ایک ہزار روپے سے ۳۰۰۰ روپے تک ۴۰۰ روپے، ۳۰۰۱ روپے سے ۵۰۰۰ روپے تک ۵۰۰ روپے، ۵۰۰۱ روپے سے ۱۰۰۰۰ روپے تک ۷۵۰ روپے اور ۱۰۰۰۱ روپے سے اوپر کے لئے ۱۵۰۰ روپے۔

زرِضمانت اداروں، انجمنوں اور جماعتوں کو اس وقت واپس کیا جائے گا جبکہ رعایت منظور کرنے والے متعلقہ عہدیدار کو اس کا یقین ہوجائے گا کہ جو حساب کتاب داخل کیا گیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ حکومت نے مزید ہدایت کی ہے کہ جو ادارے، انجمنیں اور جماعتیں تفریحی ٹیکس سے چھوٹ کے لئے درخواست کریں ان کو مقررہ فارم پر درخواست کرنی چاہئے۔

ہوٹلوں کیلئے اقل ترین اُجرت کمیٹی

ریاست میں رہائشی ہوٹلوں، ریستورانوں اور طعام گاہوں میں ملازمت سے متعلق حالات کا جائزہ لینے اور شرح اجرت کی تجاویز پیش کرنے کی غرض سے حکومتِ مہاراشٹر نے ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کے صدر شری ڈی۔ جی۔ کالے ہیں۔ کمیٹی چھ مہینے میں تفصیلی رپورٹ حکومت کو پیش کرے گی۔

مہاراشٹر میں ایک کروڑ سے زائد طالب علم

مہاراشٹر میں ۵۵۴۰۱ تعلیمی ادارے ہیں جو کہ ۱،۰۰،۸۱،۶۷۱ طالب علموں کو تعلیم عطا کررہے ہیں مدرسین کی تعداد ۳،۱۹،۸۶۲ ہے۔

اسکولوں، مدرسین اور طالب علموں کی سب سے بڑی تعداد پرائمری سیکشن میں ہے جہاں اسکول ۴۸،۸۸۰، طالب علم ۷۰،۳۷،۵۵۱ اور مدرسین ۱،۹۸،۲۲۴ ہیں۔

میونسپل کونسل کے انتخابات

مہاراشٹر کے ۲۲۱ میونسپل کونسلوں میں سے ۱۴۳ کے لئے انتخابات ۱۷ نومبر ۱۹۷۴ء کو ہوں گے کونسلروں اور صدروں کے لئے الگ الگ اور ایک ساتھ الیکشن ہوں گے اور ان دونوں کے لئے تمام دو ووٹ دے سکیں گے۔

اہم تعلیمی بل

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاستی مجلس قانون ساز میں گذشتہ ۳ ستمبر ۱۹۷۴ء کو مہاراشٹر ایجوکیشنل بل بابتہ ۱۹۷۴ء پیش کیا۔ یہ بل موجودہ نافذ العمل تمام مختلف تعلیمی بلوں میں مفاہمت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اور ساتھ ہی بعض نئے اقدامات کے ذریعے تعلیم کی بہتر اور مناسب طریقہ کار کے ذریعہ ترقی دینے کے لئے ہے۔ اس کے ذریعہ پری پرائمری سے اعلیٰ ثانوی تعلیم تک کے سبھی درجے فائدہ حاصل کرسکیں گے۔

اس بل میں تعلیمی اداروں کے قیام کے لئے ایک ماسٹر پلان تیار کرنا شامل ہے۔ اس منصوبہ کے تحت منتخب کردہ مقامات پر نئے اسکول کھولنے کے لئے قاعدہ کا تعین کیا جائے گا۔

ضروری تعلیم: یہ بل ۶ سے ۱۴ سال کے بچوں کے لئے پرائمری تعلیم ضروری قرار دے گا اور جو طالب علم اسکول نہیں جاسکیں گے اُن کے لئے جز وقتی درجوں کا انتظام کرے گا۔

بل کے تحت میونسپل کانسلوں کے ذریعہ تعلیمی فنڈ شروع کیا جائے گا تاکہ پرائمری مدرسین کی تنخواہیں وقت پر ادا کی جاسکیں۔

ٹریبونل : فی الحال غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کے انتظامیہ اور مدرسین کے مابین تنازعات کا اطمینان بخش تصفیہ کرنے کے لئے سیکنڈری اسکول کوڈ میں جو گنجائش ہے وہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ دونوں کو انصاف ملے اس لئے بل میں یک نفری ٹریبونل قائم کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

نیا بورڈ : اس بل میں مہاراشٹر اسکول ایجوکیشن بورڈ کے نام سے ایک نیا بورڈ بنانے کی گنجائش رکھی گئی جو کہ موجودہ مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ برائے سیکنڈری تعلیم کے بدلے میں ہوگا جو کہ ایس۔ ایس۔ سی امتحان اور اعلیٰ ثانوی امتحان یعنی درجہ گیارہ اور بارہ کے امتحان اور اس کے علاوہ ٹیکنیکل ووکیشنل مضامین کا امتحان لیتا ہے۔ یہ بورڈ حکومت کو پرائمری تعلیم نصاب اور نصابی کتب کے بارے میں مشورہ دے گا۔

بدانتظامی والے اسکولوں کا تبادلہ : یہ بل یہ گنجائش بھی رکھتا ہے کہ غیر سرکاری ثانوی اور اعلیٰ ثانوی اسکولوں نیز جونیئر کالج آف ایجوکیشن کو اگر ان کا انتظام ٹھیک نہ ہو تو حکومت اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے۔ اس طرح سے جو ادارے لئے جائینگے ان کو انتظامیہ کی خصوصی سوسائٹی کو دیا جائے گا

کوچنگ کلاسوں کا رجسٹریشن : فی الحال تعلیمی ادارے جیسے کوچنگ کلاسیز وغیرہ ایکٹ یا قوانین کے تحت کسی دوسری طور پر رجسٹر کرانے کی ضرورت نہیں ہے جس کے نتیجہ میں وہ کتنی فیس وصول کرتے ہیں اور تعلیم کا معیار کیا ہے۔ اس پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ بل کے تحت ایسے کوچنگ کلاسوں کو رجسٹر لانا فرض کردیا گیا ہے۔

گندگی اور بیماری کے خلاف نوجوانوں کا پروگرام

وزارت تعلیم اور سماجی فلاح نے ریاست کے یونیورسٹی طالب علموں کے لئے گندگی اور بیماری کے خلاف نوجوانوں کی ایک اسکیم شروع کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت آئندہ دیوالی کی چھٹیوں میں دیہاتوں میں کیمپ لگائے جائیں گے اور اس میں شریک طالب علم گاؤں والوں کو بتائیں گے کہ کسطرح گندگی، پانی میں پیدا ہونے والی بیماریاں اور ماحول کی کثافت دور کی جائے۔

اسکیم کے تحت گوبر گیس پلانٹ تعمیر کرنے پر زور دیا جائے گا اور دوسرے اقسام کے تعلیمی اور صحت کے پروگرام ہوں گے۔ یہ کیمپ دس دن کی مدت کے ہوں گے اور شرکت کرنے والوں کو چھ روپیہ یومیہ دیا جائے گا۔ ہر کیمپ میں ایک مدرس یا سینیئر طالب علم اور ۲۵ سے ۳۰ طالب علم ہونگے اس اسکیم کے لئے مرکزی حکومت نے ۲,۲۰,۰۰۰ روپے منظور کئے ہیں۔ ریاستی حکومت نے اپنے حصہ کے طور پر ۱,۱۰,۰۰۰ روپے منظور کئے ہیں۔

ہیفکن انسٹی ٹیوٹ میں میڈیکل اسٹور

حال ہی میں ہیفکن انسٹی ٹیوٹ میں ایک نیا میڈیکل اسٹور و خوردہ دکان کھولی گئی ہے تاکہ ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت منظور شدہ کمپنیوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔ اسے بتدریج بڑھایا جائے تاکہ ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم کے تمام مریضوں اور دیگر اشخاص کی ضرورت پوری ہو سکے۔

"کرانتی گیت مالا"
وزیر اعلیٰ کو پیش کی گئی

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک کو ۱۱ اکتوبر کو بمبئی میں منتم گورکھپوری کی ہندی نظموں پر مشتمل ایک مجموعہ کلام پیش کیا گیا۔ شری ایچ۔ جی۔ ورتک وزیر محصولات نے اس تقریب کی صدارت کی۔

وزیر اعلیٰ نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ اس قسم کی قومی شاعری کو عوام کی خدمت میں پیش کیا جانا چاہئے وہ اس کتاب کو عوام کی طرف سے قبول کرتے ہیں۔

شری ورتک نے منتم گورکھپوری کے کلام کو سراہا۔ اس سے پہلے شری شادی لال جین نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور آخر میں سردار بخشی دلیپ سنگھ نے مہمانانِ خصوصی و حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

سڑک کا کام منظور

حکومت مہاراشٹر نے مندرجہ ذیل گاؤوں کی سڑکوں کی تعمیر کو منظوری عطا کردی ہے۔ بیڑ نل ونڈی سڑک (ضلع بیڑ) مصرف کی رقم ۲,۳۹,۴۰۸ روپے، ضلع اورنگ آباد میں گدانا جتواڑا سڑک، لاگت ۳,۱۸,۲۴۷ روپے اور ضلع اکولہ میں رتھوڑہ۔ یوتی سڑک: لاگت ۱,۳۳,۰۶۳ روپے۔

بلڈانہ میں نرسوں کے ہاسٹل کی تعمیر

حکومت مہاراشٹر نے بلڈانہ کے جنرل ہسپتال میں نرسوں کے لئے ہاسٹل تعمیر کرنے کیلئے دس لاکھ پینتیس ہزار روپے کی رقم کا تخمینہ اور منصوبے کو انتظامی منظوری عطا کردی ہے۔

شری وردھن پانی فراہمی اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے ضلع قلابہ میں واقع شری وردھن پانی فراہمی اسکیم کے منصوبے اور اُس کے لئے ۳۷,۰۵,۳۶۸ روپے کے تخمیناً مصرف کو انتظامی منظوری دے دی ہے۔ کُل لاگت کے نصف کے برابر ۱۸,۵۲,۶۸۴ روپے کی رقم بطور مالی امداد کے بھی منظور کردی ہے۔

امبرناتھ ترقیاتی منصوبہ

حکومت مہاراشٹر نے مجوزہ امبرناتھ ترقیاتی منصوبہ کو منظور کرنے کی مدت میں ۱۸ مارچ ۱۹۷۵ء تک کی توسیع کردی ہے۔

* * *

لیوی وصولی کے لئے حکومت کا مصمم ارادہ
شری وائی۔ بی۔ موہیتے کا بیان

شری موہیتے ، وزیر برائے امداد باہمی ، غذا اور سول سپلائیز نے ۱۰ ر اکتوبر کو خرید و فروخت کرنے والی امداد باہمی کی یونینوں کی دسویں کانفرنس کا بمبئی میں افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ ۷۳-۱۹۷۲ء کی خریف فصلوں کی حصولی اسکیم کے مطابق ہر رقمی فصل پر لیوی لگا دی گئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ ایک ایکڑ تک فصل کو لیوی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے اور یہ کہ لیوی آب پاشی کے ذرائع کے مطابق لگائی گئی ہے۔ شری موہیتے نے متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ لیوی ہر حال میں وصول کی جائے گی اور لیوی نہ دینے والوں پر مقدمے چلائے جائیں گے۔

انہوں نے کہا کہ لیوی ادا کرنا ایک "سماجی ذمہ داری" ہے جو بڑھتی ہوئی آبادی ، غذا کی کمی اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر بہت ضروری ہے۔

الکحل ٹانک نہیں !

بمبئی کے تین نامور ڈاکٹروں نے اپنی اس اٹل رائے کا اظہار کیا ہے کہ شراب نہ ٹانک ہے اور نہ ہی وہ جسمانی و ذہنی تھکاوٹ کو دور کرتی ہے۔

ڈاکٹر آر۔ ڈی۔ لیلکرنی ، پروفیسر آف فارماکولوجی اور ڈاکٹر جہانگیر کے۔ کوہیالے بحث میں حصہ لیا اور ڈاکٹر لے۔ این۔ گوگٹے نے اس سمپوزیم کی صدارت کی جو برلا کریڈا کیندر میں پچھلے نشہ بندی ہفتہ کے دوران منعقد ہوا تھا۔

وزیر نشہ بندی ڈاکٹر روپٹ نے فرمایا کہ نوجوانوں کو شراب سے دور رکھنے کے لئے مخصوص پروگراموں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

وزیر اعلیٰ اڑیسہ نے بمبئی کے شہریوں کا شکریہ ادا کیا

اڑیسہ کی وزیر اعلیٰ شریمتی نندنی ست پتی نے بمبئی کے شہریوں کا شکریہ ادا کیا ہے کہ انہوں نے اڑیسہ کے سیلاب زدگان کی امداد کیلئے ۲ لاکھ روپے کی رقم پیش کی ہے۔ بمبئی میں منعقدہ ریلیف کمیٹی کی میٹنگ میں شہریوں کی طرف سے جس جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اس سے وہ خصوصیت کے ساتھ متاثر ہوئیں۔ میسرز سانڈوز نے کیڑا مار دواؤں سے بھری ہوئی ایک موبائل یونٹ نذر کی۔ وزیر اعلیٰ اڑیسہ نے اس اقدام کو سراہا۔

چھوٹی بچت

تھانہ ضلع کو چھوٹی بچت کے سلسلہ میں ستمبر کے آخر تک ۶۵ لاکھ روپیہ جمع کرنا تھا۔ یہ ضلع اپنے نشانے سے آگے بڑھ چکا ہے اور ۷۲،۳۸،۳۴۱ روپے جمع ہوئے ہیں۔ ۷۳-۱۹۷۲ء کے لئے ضلع کا نشانہ ۳٫۲۵ کروڑ روپے ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی آپریشن

ودربھ میں ضلع چندرپور خاندانی منصوبہ بندی مہم میں سب سے آگے ہے۔ اس ضلع نے ماہ ستمبر میں نس بندی کے ۱۳۵۰ آپریشن کرکے ایک ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ ان میں سے خواتین کی نس بندی کے ۲۸۵ اور مردوں کی نس بندی کے ۱۰۶۵ آپریشن تھے۔

زیادہ سے زیادہ دھان پیدا کیجئے !
وزیر اعلیٰ کی کاشتکاروں سے اپیل

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک نے باسمتی دھان کے چھوٹے پودے اگانے کیلئے تحقیقات کرنے پر زور دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حالانکہ اس طرح کے پودے زیادہ پیداوار دیتے ہیں مگر ان کی اونچی قامت کی وجہ سے کافی نقصان ہوتا ہے۔ شری نائک ۸ ر اکتوبر کو پربھنی میں پربھنی زراعتی یونیورسٹی کی جانب سے منعقدہ دھان پر سیمینار کا افتتاح کر رہے تھے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ دھان کی پیداوار میں اضافہ نہ صرف گھریلو ضرورتوں کو پورا کرے گا بلکہ ملک کو غیر ملکی زر مبادلہ کمانے کا ایک اچھا ذریعہ ہوگا کیونکہ غیر ملکوں کے بازار میں اس کی بہت مانگ ہے۔

شری نائک نے کہا کہ کاشتکاروں کو جایک واڑی پروجیکٹ سے بڑی مقدار میں پانی حاصل ہوگا اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ ایک موسم میں تین فصلیں تک پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اس سے قبل وزیر زراعت شری ایس۔ بی۔ چوان نے زراعت پر ہونے والی تحقیقات کی تفصیلات بتائیں جن کی وجہ سے کاشتکاری کے طریقوں میں ایک انقلاب آگیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جایک واڑی پراجیکٹ سے اتنا پانی مل سکتا ہے جس سے ربیع کی فصل بونے کے لئے ۲۴۳... ہیکٹر اراضی کی آبپاشی کی جا سکتی ہے۔

بال بھون کی توسیع

ایک ریاستی سطح کے بال بھون کے بمبئی میں قیام کا ایک پراجیکٹ شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے

جس کی شاخیں ریاست کے مختلف اضلاع میں ہونگی اس تجویز پر ریاستی سطح کی بال بھون کمیٹی کی ایک بیٹھک میں غور کیا گیا جو کہ ۸ ر اکتوبر کو بمبئی میں شری اننت نامجوشی، وزیر تعلیم کی زیر صدارت بال بھون، واقع چرنی روڈ میں ہوئی۔ بیٹھک میں وزیر مملکت برائے تعلیم شریمتی پربھا راؤ بھی موجود تھیں۔

عورتوں کے لئے ڈیری ٹریننگ کورس

شری آر۔جے۔ دیوتلے، وزیر مملکت برائے زراعت و آبپاشی نے ۱۰ ر اکتوبر کو بمبئی میں دھولیہ ضلع کی عورتوں کے لئے ڈیری سائنس انسٹی ٹیوٹ میں تربیتی کورس کا افتتاح کیا۔ یہ چار روزہ تربیتی پروگرام خالص دودھ کی پیداوار، صفائی، بچوں کی دیکھ ریکھ، غذا، خانگی کفایت شعاری وغیرہ پر مشتمل ہے۔

کاشتکاروں سے وزیر اعلیٰ کی اپیل

راج بھون، بمبئی میں گاندھی جینتی کے دن ایک تقریب میں وزیر اعلیٰ، شری وی۔پی۔ نائک نے شیتی نشٹھاؤں کو مبارکباد دیتے ہوئے اپنی تقریر میں ترقی یافتہ کسانوں، خصوصاً شیتی نشٹھاؤں اور فصلوں کے مقابلے جیتنے والے کسانوں سے اپیل کی کہ وہ اضلاع میں کاشتکاری کے بہتر طریقے استعمال کرکے پیداوار بڑھائیں اور اپنے ساتھیوں کے حوصلے بلند رکھیں۔

مانخورد میں "بال کلیان نگری"

صدر جمہوریہ نے سنگ بنیاد رکھا

شمالی بمبئی کے مضافہ مانخورد میں صدر فخرالدین علی احمد نے ۲۲ ر اکتوبر کو "بال کلیان نگری" کا سنگ بنیاد رکھا جو بچوں کی امداد کے لئے سوسائٹی کے زیر اہتمام بے گھر اور یتیم بچوں کے لئے ایک بستی ہے۔

صدر فخرالدین نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ضرورتمند بچوں کے لئے رہائش اور رہنمائی فراہم کرنے کے سلسلہ میں سوسائٹی کے کاموں کو سراہا اور مزید مرکزی امداد کا وعدہ کیا۔

بمبئی کے شریف کے۔آر۔ پودار نے جو سوسائٹی کی چندہ جمع کرنے والی کمیٹی کے صدر بھی ہیں۔ صدر فخرالدین کا خیر مقدم کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مرکز نے ۱۹۷۴ء کے دوران چار سو سے زیادہ بچوں کی پرورش کے لئے امداد کا فیصلہ کیا ہے۔

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر وی۔پی۔ نائک جو سوسائٹی کے صدر ہیں اپنی علالت کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے اور آپ کا پیام ریاستی وزیر سماج سدھار پرتیبھا پاٹل نے پڑھ کر سنایا۔

اس تقریب کی صدارت کے فرائض گورنر شری علی یاور جنگ نے انجام دئے۔

وزیر اعظم اندرا گاندھی، نائب صدر جتی، گورنر تامل ناڈ کے۔کے۔ شاہ اور کئی مرکزی وزراء نے سوسائٹی کو مبارکباد کے پیغامات روانہ کئے ہیں جن کے ذریعہ اسکی نادر خدمات کو سراہا گیا ہے۔

یہ سوسائٹی ۱۹۲۷ء میں قائم ہوئی تھی جس کے فی الحال پانچ بالک گھر، بارہ انسدادی مراکز اور بچوں کا ایک اسپتال ہے۔

سوسائٹی کی نگرانی تقریباً ایک ہزار سات سو بچے تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

شراب کی برائیوں کے خلاف مہم

وزیر شراب بندی کی اپیل

ڈاکٹر ایم۔بی۔ پوپٹ، وزیر شراب بندی نے عوام سے اور خاص طور پر سماجی کارکنوں، مدرسین اور والدین سے اپیل کی ہے کہ وہ شراب نوشی کے مضر اثرات کے خلاف رائے عامہ ہموار کریں اور حکومت کی شراب بندی پالیسی کو کامیاب بنانے میں تعاون کریں۔

ڈاکٹر پوپٹ نے آل انڈیا ریڈیو کے بمبئی اسٹیشن سے شراب بندی کے افتتاح کے دن ۲ ر اکتوبر کو اپنے نشریہ میں فرمایا کہ سال رواں چونکہ شراب بندی ہفتہ کا سلور جوبلی سال ہے اس لئے یہ ریاستی حکومت کی بامقصد اور حقیقت پسندانہ شراب بندی پالیسی کے پراپگنڈا کے مدنظر ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

مہابلیشور انسپکشن بنگلہ کا ریزرویشن

حکومت مہاراشٹر کی ہدایت کے مطابق مہابلیشور میں واقع انسپکشن بنگلہ کا ریزرویشن ہر سال صرف ماہ اپریل اور مئی کو چھوڑ کر ایگزیکیوٹیو انجینئر، بلڈنگس اینڈ کمیونیکیشن ڈویژن ستارا کریں گے۔ اب تک یہ ریزرویشن حکومت کی سطح پر سچوالیہ میں واقع محکمہ عمارات و مواصلات پورے سال کرتا تھا۔

ماہ اپریل اور مئی کے موسم کے لئے ریزرویشن متذکرہ محکمہ واقع سچوالیہ سے ہی ہوگا۔

ادویہ لائسنس کی تجدید

قلابہ تا ماہم نیز بوری بندر تا سائن کے تمام ادویہ بیوپاریوں کو جن کے ادویہ لائسنس کی میعاد ۳۱ ر دسمبر ۱۹۷۴ء کو ختم ہورہی ہے، یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ دسمبر ۱۹۷۴ء کے اختتام تک مقررہ فارم پر تجدید لائسنس کے لئے درخواست دیدیں۔ مقررہ درخواست فارم نیز ضروری فیس نقد دفتر کمشنر (بمبئی ساؤتھ سرکل)، فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن، بمبئی ۱ میں کام کے کسی بھی دن صبح ۱۱ بجے اور دوپہر کے ۱½ بجے اور سنیچر کے دن صبح ۱۱ اور دوپہر ۱۲½ بجے کے درمیان داخل کر سکتے ہیں۔ انھیں چاہیئے کہ اصل لائسنس، آخری تجدیدی سرٹیفکیٹ اور قانونی کرایہ داری کی دستاویز بھی اپنے ساتھ لائیں۔

مالی امداد کی اسکیم جاری

حکومت مہاراشٹر نے صنعتی کوآپریٹیو سوسائٹیوں بشمول دستکاری چھوٹی اور دیگر صنعتوں کے قیام کیلئے مالی امداد دینے کی اسکیم مزید ایک سال یعنی ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک جاری رکھی ہے۔ مالی امداد کی تقسیم کم و بیش حسب معمول مقررہ شرائط و ضوابط کے مطابق ہوگی۔

"غالب مصوّر"
صدرِ جمہوریہ کو پیش کی گئی

صدرِ جمہوریہ شری فخرالدین علی احمد کی خدمت میں ۲۲ر اکتوبر کو راج بھون، بمبئی میں منعقدہ ایک خصوصی تقریب میں غالب سے متعلق ایک کتاب پیش کی گئی۔

پانچ سو صفحات پر مشتمل "غالب مصوّر" نامی اس کتاب میں غالب کا منتخب کلام ہے جو اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ اسی کے ساتھ انگریزی اور ہندی میں ان کا ترجمہ بھی ہے۔

یہ کتاب دس برس کی تحقیق کا نتیجہ ہے اور اس میں تعارفی نوٹ مرحوم صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے لکھا ہے۔ اس میں سو تصاویر ہیں جن میں سے ۴۸ تصاویر رنگین ہیں۔

مہاراشٹر کے گورنر علی یاور جنگ کو بھی اس کتاب کی ایک جلد پیش کی گئی۔

گردہ ٹرانسپلانٹ یونٹ
وزیراعلیٰ نے افتتاح کیا:

شری وی۔ پی۔ نائک، وزیراعلیٰ مہاراشٹر نے ۸ر اکتوبر کو جسلوک اسپتال بمبئی میں ایک رینل اور گردہ ٹرانسپلانٹ یونٹ کا افتتاح کیا۔ وزیراعلیٰ کا استقبال کرتے ہوئے ڈاکٹر شانتی لال مہتہ نے تجویز کیا کہ پوسٹ مارٹم کو لازمی قرار دینے کیلئے قانون بنایا جائے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے شری نائک نے فرمایا کہ ایسا قانون اس وقت تک زیر عمل نہیں لایا جا سکتا جب تک کہ عوام کے ذہن کو اس کے لئے تیار نہ کیا جائے۔

اس موقع پر موجود حضرات میں ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر صحت عامہ، ڈاکٹر ایم۔ بی۔ پوپٹ، وزیر نشہ بندی، شریمتی وتسلا بائی نائک اور شری رجنی پٹیل شامل تھے۔

شرحِ سود پر نظرِ ثانی

حکومتِ مہاراشٹر نے بمبئی ساہوکاران ایکٹ بابت ۱۹۴۶ء کے تحت پوری ریاستِ مہاراشٹر میں کاشتکاروں کو چھوڑ کر کسی بھی شخص کو بطور قرض دی جانے والی رقم پر زیادہ سے زیادہ شرحِ سود پر نظرِ ثانی کی ہے۔

نئی شرحِ سود باضمانت قرض پر ۱۸ فیصدی سالانہ اور بے ضمانت قرض پر ۲۱ فیصدی سالانہ مقرر کی گئی ہے۔ اس سے قبل یہ شرح بالترتیب ۱۴ فیصدی اور ۱۷ فیصدی تھی۔

اسٹیٹ فائننشیل کارپوریشن بانڈس جاری کرے گا:

اس خیال سے کہ رواں مالیاتی سال میں تقسیم پوری ہو سکے مہاراشٹر اسٹیٹ فائننشیل کارپوریشن بمبئی ۵۰ لاکھ روپے کے بانڈس جاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو دس سال کی مدت کے اختتام پر واپس قابلِ ادا ہوں گے۔ ہر ۱۰۰ روپے کے بانڈ کی قیمت اجرا ۹۸٫۸۵ روپے ہوگی۔

حکومتِ مہاراشٹر نے ان بانڈس کی اصل رقم نیز چھ فیصدی سالانہ شرح سے سود کی ادائیگی کی ضمانت دی ہے، بشرطیکہ انکم ٹیکس وضع کر لیا جائے۔

مذکورہ بالا کل واجب ضمانت کا چھٹا حصہ حکومت گوآ، دمن اور دیو دے گی۔

امدادِ باہمی ہفتہ کا جشن

کل ہند امداد باہمی ہفتہ پورے مہاراشٹر میں ۱۴ نومبر سے منایا جائے گا۔

عوام میں امداد باہمی تحریک کو مقبول بنانے کی غرض سے مختلف سطح پر مختلف قسم کے پروگرام مرتب کئے جائیں گے۔

بقیہ
قطعاتِ اراضی کی شیرازہ بندی

علاوہ ازیں ایک مکمل بلاک وقت، پیسہ اور محنت بچاتا ہے جس سے بالآخر پیداوار بڑھتی ہے۔

نتیجہ یہ کہ بعض دیہاتوں میں جہاں شیرازہ بندی کا کام مکمل ہو چکا تھا کھاتے داروں نے مزید انضمام کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ اب حکومت قانون میں ترمیم پر غور کر رہی ہے تاکہ مزید انضمام عمل میں لایا جا سکے۔ اس سے حکومت کا یہ مقصد بھی پورا ہوگا کہ زرعی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے۔

گذارش

- غیر طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھئے۔
- مضامین ورق کے ایک طرف صاف و خوشخط تحریر فرمائیں۔
- تخلیقات ذیل کے پتہ پر ارسال کی جائیں:

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
حکومتِ مہاراشٹر
سچیوالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

قومی راج کا اگلا شمارہ
چھترپتی شاہو مہاراج نمبر

اس خصوصی [illegible] کے لئے اپنی تخلیقات آج ہی ارسال فرمائیں۔

قومی راج

جلد : ۱ ۱۶ر نومبر سنہ ۱۹۷۴ء شمارہ : ۲۰

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے سالانہ ۱۰ روپے

زیرنگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

راج رشی چھترپتی شری شاہو مہاراج کی سالگرہ کے موقع پر خصوصی نمبر

سخنہائے گفتنی

"قومی راج" کا مقصد جہاں ایک طرف اُردو زبان و ادب کے فروغ کی سعیٔ پیہم ہے وہیں یہ جریدہ ریاستِ مہاراشٹر کی سیاسی، تہذیبی اور معاشرتی زندگی کی جھلکیاں پیش کرنا بھی اپنا اہم فریضہ سمجھتا ہے۔ گزشتہ شمارہ میں اصلاحاتِ اراضی کے ذریعہ سماجی انصاف کی جدّوجہد کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا تھا، اور اس شمارہ میں مہاراشٹر کے مصلحِ اعظم چھترپتی شاہو مہاراج کا تعارف پیش کیا گیا ہے جنھوں نے ایک حکمراں ہوتے ہوئے ریاست کے پست اور بے سہارا طبقات کا معیارِ حیات بلند کرنے اور انھیں سماجی انصاف دلانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ "قومی راج" آئندہ بھی کوشش کرے گا کہ ریاست میں عوام کی خدمات انجام دینے اور معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے کی جدوجہد بنانے والی شخصیتوں کو اپنے صفحات پر پیش کرے۔

"خسرو نمبر" کے لئے اہلِ قلم حضرات اور قارئین نے جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا ہے وہ بڑا حوصلہ افزا ہے اور اس بنا پر ہم اُمید کرتے ہیں کہ یہ خصوصی نمبر ایک اہم اور مفید نمبر ہوگا۔

ہمیں آئے دن اپنے کرمفرماؤں کی جانب سے مکتوبات موصول ہوتے ہیں جن میں وہ اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔ اس سلسلے میں اُن سے درخواست ہے کہ "قومی راج" سے تعاون کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ خریدار بنوائیں۔ ابھی تک بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں قومی راج متعارف نہیں ہو سکا ہے اس لئے ایسی جگہوں پر اُردو داں طبقہ تک "قومی راج" کا پہنچانا ایک اہم خدمت ہوگی۔

—— خواجہ عبدالغفور

سرورق ۲ پر :

راج رشی چھترپتی شری شاہو مہاراج ۱۸۹۴ء میں

۲۵۰۰ سالہ مہاویر نروان کی تقریبات کے موقع پر قومی راج اس عظیم محسنِ انسانیت کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا!

گرُناتھ دیویکر

راج رشی شاہو مہاراج —

— مہاراشٹر کے ایک عظیم مصلح

نہ روحِ مذہب، نہ قلبِ عارف، نہ شاعرانہ زبان باقی
زمیں ہماری بدل گئی ہے، اگرچہ ہے آسمان باقی
(اکبرالہ آبادی)

جس طرح پرانی عمارتوں میں کبھی کبھی جہاں تہاں پیپل کے درخت اُگ آتے ہیں، تناور ہوتے ہیں اور دیواروں میں بھیانک دراڑیں ڈال کر خود پھیلتے اور عمارت کو کھوکھلا کر دیتے ہیں، بالکل اسی طرح ہندوستان کی سرزمین میں رشیوں کے دھرم کا حال ہوا ہے۔ ویدوں کے مصنفوں نے جو صاف ستھرا سماج تعمیر کیا تھا اُس کے بارے میں یورپ کے محقق ریس ڈیوس (Rhys Davis) کا کہنا ہے کہ اُس میں نہ جات پات کا جھگڑا تھا، نہ مذہبی پیشواؤں کی میراث کا سوال۔ لیکن تین ہزار سالہ تاریخی عہد (historical period) میں وہ اتنا بدلا کہ اِدھر آج ہندو دھرم میں عہدِ وید کا کوئی بھی فلسفہ، اصول یا مذہبی رواج اپنی اصلی صورت میں باقی نہ رہ سکا۔ یہ قدرتی بھی ہے کیونکہ اس طویل عرصے میں یہاں متعدد سیاسی، سماجی، نسلی اور دینی اہمیت کے واقعات رونما ہوئے، کئی تحریکیں چلیں اور ہندو مذہب کا دائرہ بھی ہندوستان کے طول و عرض سے نکل کر وسطِ ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں دور دور تک پھیل گیا۔ چنانچہ بعد کے مذہبی لیڈروں نے یعنی منو وغیرہ نے آریہ قوم کی بنیادی معاشرت کو برقرار رکھتے ہوئے، دینی اصولوں میں اور عبادت کے طریقوں میں اور پاکیزگی کے تصور میں ایسے تغیرات پیدا کئے کہ وید کے دھرم کا حلیہ ہی سرے سے بدل گیا اور اُس نے ذات پات پر مبنی ایک ایسے مذہب کی صورت اختیار کرلی کہ جس میں ویدوں اور اُنکے دیوتاؤں کی اہمیت ختم ہوکر اُن کی جگہ پُران کی کتابوں اور دیوتاؤں نے لے لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دو ہزار سال سے ہندو سماج اسی نظام کا پابند رہا ہے اور اُس کے اندر اونچ نیچ کا خیال مستقل ہوگیا ہے۔ قطع نظر اوصاف اور صلاحیتوں کے، جنم کے آدھار پر ہی ہر ایک کا فرقہ قائم ہونے لگا اور اس طرح سے راج کاج چلانے اور تعلیم حاصل کرنے کا حق بھی موروثی قرار پایا۔ کثیر تعداد میں لوگ زندگی کی متعدد نعمتوں سے محروم ہوگئے۔ یہی طبقہ "بہوجن سماج" کہلاتا ہے اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے اور انسانی حقوق کے لئے کئی مہاتماؤں نے جدوجہد کی ہے۔ مہاراشٹر میں ایسے سادھو تھے سنت گیانیشور، تکارام، ایکناتھ وغیرہ، انہوں نے قدامت پرستوں کی مخالفت مول لے کر پسماندہ فرقوں کی حالت سُدھارنے کا بیڑا اُٹھایا اور پوری زندگی اُس میں صرف کردی۔ انہی سماج سُدھارکوں میں ایک تھے چھترپتی شاہو مہاراج، والیٔ ریاست کولہاپور۔

انگریزی حکومت کے قیام کے بعد یہاں زندگی کی ہر سمت میں جو انقلابات ہوئے اُس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ انگریزوں سے پہلے جو بھی غیر ملکی فاتح یہاں آئے اُن میں سے بعض تو یہاں کی زندگی میں جذب ہوگئے اور بعض تسخیرِ ملک اور حکمرانی کے مقاصد سے آگے نہ بڑھ سکے۔ شروع شروع میں انگریزوں نے بھی اپنا یہی آدرش رکھا تھا مگر انیسویں صدی کے نصف اول میں جب برصغیرِ ہندوستان میں اُن کا اقتدار مستقل ہوگیا تو حکمراں طبقے کے بعض روشن خیال مفکروں نے ہندوستانی عوام کی جہالت اور توہم پرستی کو دور کرنے اور اُن کے طرزِ زندگی میں عظیم الشان تبدیلی لانے کی غرض سے متعدد اصلاحی اقدام اُٹھائے اور اُن میں کامیابی بھی حاصل کی۔ ہندوستان کے ساتھ اپنی محض ایک سو سال کی وابستگی کے دوران میں انہوں نے یورپ کی روشن خیالی، صنعتی اور اقتصادی نظریات، تعلیم اور تہذیب کی نعمتوں اور سب کے آدرشوں کو یہاں عام کیا۔ پُرانی روایات اور قدامت پرستی کی دیواریں دھڑا دھڑ گرنے لگیں۔ ۱۸۳۲ء میں لارڈ میکالے نے ہندوستانیوں کی تعلیم کی، جو پرانے زمانے میں

مدرسوں اور پاٹھ شالاؤں میں مخصوص طبقے کے طلبہ کو ہی دی جاتی تھی، نوعیت ہی بدل ڈالی اور عوامی تعلیم (Public Instruction) کی بنیاد ڈالی اور نصف صدی کے اندر اندر ملک بھر میں تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور تکنیکی اور صنعتی درسگاہوں کی بھرمار ہوگئی۔ تعلیم یافتہ طبقے کے اندر ایک نیا شعور پیدا ہوا اور اُس نے ملک کی پسماندگی اور جہالت کو دور کرنے کی غرض سے یہاں کی سماجی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں لانے کی کوشش شروع کردی۔ چنانچہ بنگال میں راجہ رام موہن رائے، یوپی میں سرسید احمد خاں، مہاراشٹر میں مہاتما جوتیبا پھولے جیسے لیڈروں نے جہالت، مذہبی سختی اور سماجی اور سیاسی امتیازات کے خلاف محاذ قائم کیا اور جہاد کی دعوت دی۔ مہاتما جوتیبا پھولے کی انتھک کوششوں کے نتیجے کے طور پر مہاراشٹر میں مظلوم عوام کے ساتھ انصاف برتنے کا جذبہ زور پکڑتا گیا اور موروثی برتری کے دعویداروں کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی۔ شاہو مہاراج نے انھیں کو اپنا گرو تصور کیا اور اُن کے اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کی۔

شاہو مہاراج کی شخصیت

شاہو مہاراج، والیٔ ریاستِ کولہاپور اُن تین چھترپتیوں میں آخری ہستی ہیں جنھوں نے دکن کے عوام کے احساسِ پستی کو دور کرکے اُن کے شعور کے دائرے میں وسعت پیدا کی۔ ان میں پہلے ہیں راجہ شیوچھترپتی معروف بہ شیواجی مہاراج جنھوں نے ترک اور مغل افواج کے ناقابلِ تسخیر ہونے کا بھانڈا پھوڑ دیا اور دکن میں ایک خود مختار حکومت کو جنم دیا۔ دوسرے ہیں شیواجی کے پوتے شاہو مہاراج اوّل، جن کے عہد میں مرہٹہ فوجیں دکن کی حدود کو پار کرکے شمال میں اٹک تک، مغرب میں گجرات تک در مشرق میں بنگال تک بڑھتی چلی گئیں۔ تیسرے چھترپتی شاہو مہاراج آنجہانی کولہاپور کے مہاراجہ تھے جنھوں نے انگریزی تعلیم اور ترقی پسندانہ نظریہ کی نعمتوں کے دروازے پسماندہ، مظلوم اور ہر اعتبار سے بے سروسامان عوام کے لئے بھی کھول دئے تھے۔ اونچی جاتیوں کے لوگ نیچ جاتیوں کے لوگوں کو تعلیم اور اقتصادی بہبود کے مستحق نہیں سمجھتے تھے اور جو بھی مصلح ان کی حالت کو سدھارنے کی کوشش کرتا تھا، خود خوار ہوتا تھا۔ بقول اکبرؔ الہ آبادی ؎

سید سے علی گڑھ میں یہ جا کر کوئی کہہ دے
ہے تجھ کو طلب قوم کی قسمت سے زیادہ
مجھ رند سے اس درجہ نہ ہو محترز اے شیخ!
تو پاک نہیں ہے مری نیت سے زیادہ

شاہو مہاراج نے انسانیت نواز جذبہ سے جو اصلاحی قدم اُٹھائے وہ حد سے زیادہ کامیاب رہے اور آج قریب پچاس سال کے بعد سیاسی، کاروباری تعلیمی اور تکنیکی میدان میں پسماندہ قوموں کے افراد نے اپنی امتیازی صلاحیتوں کا جو ایک انمٹ نقش بٹھا دیا ہے، بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرحوم والیٔ ریاستِ کولہاپور کی جدوجہد اور قربانیوں کا ثمرہ ہے۔

ریاستِ کولہاپور

انگریزی اقتدار کے دوران میں کاروباری لحاظ سے ہندوستان دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ (۱) برٹش انڈیا (۲) نیٹیو اسٹیٹس یا راجہ اور نوابوں کی ریاستیں جن میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی کولہاپور، جو آزادی کے بعد موجودہ مہاراشٹر میں ضم ہوگئی۔ اُس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ شیواجی مہاراج کے بھائی راجہ رام کی یہ جاگیر تھی۔ بعد میں جب مغلوں کے حملے شروع ہوئے تو شیواجی مہاراج کے خاندان کی ایک شاخ ستارا میں، ایک شاخ کولہاپور میں اور تیسری شاخ تنجاور (تمل ناڈو) میں قائم ہوئی۔ لارڈ ڈلہوزی نے (۱۸۴۸ء-۱۸۵۶ء) برٹش انڈیا کی حدود میں اضافہ کرنے کی غرض سے ایک بہانہ تراشا تھا جو ڈاکٹرین

راجرشی شاہو مہاراج — جب آپ گیارہ سال کے تھے۔

آف لیپس (Doctrine of Lapse) کے نام سے مشہور ہے جس کی رو سے اُن راجاؤں اور نوابوں کی ریاستیں جن کے لڑکے نہیں تھے، خالصہ ہوگئیں۔ اس طرح سے ستارا اور تنجاور کے چھترپتی اپنی اپنی ریاستیں کھو بیٹھے اور صرف کولہاپور کی ہی ایک ریاست بچ گئی جس کے ساتھ شیواجی کا نام اور مرہٹوں کی اسپرٹ وابستہ تھی۔ لیکن بدقسمتی سے کولہاپور کے راجہ بہت عیش پرست اور نااہل نکلے اور کولہاپور کا دربار گوناگوں ریشہ دوانیوں کا اڈہ بن گیا۔ ایک طرف انگریز پولیٹیکل ایجنٹ اور دوسری طرف ریاست کے دیوان جو اُن ہی کے رسوخ سے مقرر ہوتے تھے اپنا اپنا اُلّو سیدھا کرنے میں مصروف رہتے تھے اور ریاست کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی تھی۔ رعایا کی مظلومیت کا خیال کرنا اُس زمانے میں غیر ضروری سمجھا جاتا تھا۔ بدنظمی ایسی بھیانک

صورت اختیار کر گئی کہ ۱۸۸۳ء میں کولہاپور کے والی شیواجی مہاراج سوم کا ناگپور میں قتل ہوگیا۔ اُن کے کوئی بیٹا نہیں تھا لیکن "ڈاکٹرین آف لیپس" رد و باطل ہوگیا تھا اس لئے کولہاپور خالصہ نہیں ہوا بیوہ رانی سکوار بائی کو متبنیٰ کرنے کی اجازت ملی اور اُس نے جو لڑکا گود لیا اُس نے اپنے اعمال اور کردار سے سکوار بائی کے انتخاب کو مرہٹوں اور مہاراشٹر کے حق میں نہایت مفید ثابت کیا۔

یشونت راؤ گھاٹگے۔ معروف بہ شاہو چھترپتی

سکوار بائی نے سردار جے سنگھ راؤ گھاٹگے، جو دربار کے ایک اہم رکن تھے، کے دوسرے بیٹے یشونت راؤ کو متبنیٰ کرلیا۔ گھاٹگے کا خاندان بیدر کے منصب داروں کا تھا اور اُس کا تاریخ فرشتہ میں بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ یشونت راؤ ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے اور دس سال کی عمر میں انہیں سکوار بائی نے گود لے لیا۔ واضح رہے کہ اُن کی تعلیم اور تربیت کا انتظام اُسی وضع سے کیا گیا جو شاہی خاندان کے لئے مقرر تھا یعنی انھیں راجکوٹ (گجرات) کے پرنسز کالج میں داخل کرایا گیا لیکن چونکہ وہاں کی آب و ہوا یشونت راؤ کو راس نہیں آئی اس لئے اُن کو دھارواڑ (کرناٹک) میں رکھا گیا۔ وہاں کی تعلیم ختم ہونے کے بعد ۲ امئی ۱۸۹۴ء کو اُن کا جشنِ تاجپوشی ہوا اور وہ مزید تربیت حاصل کرنے کیلئے انگلینڈ چلے گئے۔

شاہو مہاراج کا کردار

شاہو مہاراج کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے اور مہاراجاؤں کی طرح عیش و آرام اور انگریزوں کی وفاداری کو ہی اپنی زندگی کا نصب العین تصور نہیں کیا۔ اُن دنوں ننگِ وطن مہاراجاؤں کی قوم کا شیوہ ہی تھا کہ لاٹ (وائسرائے) جنگی لاٹ اور گورنروں سے لے کر کلکٹر تک کے سبھی صاحبوں اور میم صاحبوں کی خدمت میں شکار کا بندوبست کرنا، لندن، پیرس، جنیوا، نیویارک وغیرہ شہروں میں عشرت گاہوں کی سرپرستی کرنا وغیرہ۔ لیکن اس روایت میں استثنیٰ ہونے کا ناز یا امتیاز جن دانشوروں کو حاصل تھا اُن میں شاہو مہاراج بھی تھے۔ اگرچہ ۱۹۰۳ء میں بادشاہ ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی کے موقع پر اُنھیں انگریزوں نے "مہاراجہ" کے خطاب سے نوازا تھا، مہاراشٹر کے کثیر تعداد پسماندہ فرقوں نے شاہو مہاراج کی ہمدردی اور مجاہدانہ جوش کے اعتراف میں انھیں 'बहुजन समाज उद्धारक' کے لقب سے مزین کیا تھا۔ مرہٹوں کی تعلیمی، اقتصادی اور سماجی ترقی کے لئے انھوں نے وہی رول ادا کیا جو سرسید احمد خاں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے کیا، اور ۱۹۲۲ء تک جبکہ اُن کا قبل از وقت اور حسرتناک انتقال ہوگیا وہ عوام کی ہمہ گیر ترقی کے اپنے منصوبوں کی تکمیل میں مصروف رہے۔ یہاں اصطلاح "مرہٹہ" قدرے تشریح طلب معلوم ہوتی ہے۔ 'مرہٹہ' سے مراد کوئی ایک مخصوص فرقہ نہیں ہے بلکہ دیہاتی زندگی میں "بارہ بلوتوں" یا ادنیٰ پیشوں میں لگے وہ کثیر تعداد لوگ ہیں جنھیں شیواجی مہاراج نے دو سو سال پہلے मराठा तितुका मेळवावा (سبھی مرہٹوں کو ایک پرچم تلے لاؤ) کا نعرہ بلند کرتے ہوئے منظم کیا تھا۔

شاہو مہاراج نے اسی نصب العین پر عمل پیرا ہوکر دس بیس سال کے اندر ہی اپنی ریاست کے پایۂ تخت کولہاپور کو علم و دانش، صنعت اور ہنر کا وہ رُتبہ بخشا جو مہاراشٹر میں محض پونہ کو حاصل تھا۔ اُن کی ترقی پسندانہ تحریکات کے باعث وہ کثیر تعداد لوگ مستفیض ہوئے جو خوشحال طبقے کی بالادستی اور استحصال کا شکار بنے تھے۔

سب سے پہلے انہوں نے اپنی توجہ سماج کے اُن ٹھیکہ داروں اور چودھریوں کی طرف مبذول کی

چھترپتی شاہو مہاراج بارہ سال کی عمر میں :

جنھوں نے مذہبی معاملات میں آمرانہ رویّہ اختیار کر رکھا تھا۔ یعنی وہ اپنی مرضی کے مطابق کسی فرقہ کو "شودر" یا "نجس" قرار دے سکتے تھے اور اُن کی پوجا پاٹ، شادی بیاہ، کریاکرم میں شرکت اور قیادت سے انکار کر سکتے تھے۔ یاد رہے کہ خود شیواجی مہاراج کے ساتھ بھی یہ جسارت آزمائی گئی تھی کہ انھیں تاج پوشی کے لئے نااہل قرار دیا گیا تھا اور شیواجی کو اس فتنہ کا سدّباب کرنے کے لئے مشہور دھرم شاستری گاگا بھٹ کا فتویٰ حاصل کرنا پڑا تھا۔ شاہو مہاراج نے اس طبقے کے ساتھ جنگ و جدال کی بجائے ایک نیا پینترا اختیار کیا جس سے دینی پیشواؤں کی اجارہ داری کی کشتی ڈانواڈول ہوگئی۔ اس معاملہ میں اُنھوں نے مہاتما جوتیبا پھولے، بانیٔ 'ستیہ شودھک سماج' کو اپنا گرو بنایا اور غیر برہمنوں کا دینی پیشوا یا 'پروہت' بننے کا حق تسلیم کرلیا۔ چنانچہ متعدد

"پروہت شالائیں" قائم ہوئیں اور ان کے سند یافتہ پروہتوں نے محض ایک سال (۱۹۱۲ء) کے دوران میں قریب ۶۰۰ مذہبی رسمات کی قیادت کی۔ جلد ہی اس نئے نظام کو کافی و قعت حاصل ہوگئی۔ اِن اقدامات کے اثر سے عوام میں اپنے اساسی انسانی حقوق (basic human rights) کا احساس پیدا ہوگیا اور اس طریقے سے صدیوں کی روایتی مذہبی تفریقات مدھم پڑگئیں۔ البتہ شاہو جی نے جو اس معاملے میں اصلاحات جاری کئے وہ اُن کے دینی عقائد کے ترجمان نہیں کہے جاسکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ حقوق انسانی کے قائل تھے جن میں دین بھی شامل ہے اور وہ حق عبادت یا پوجا پاٹ کے لئے حقدار ہونے کے سوال کو 'پریسٹ کریفٹ' (priest craft) یا 'ملاگردی' کے رحم وکرم پر چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ہاں! ذاتی طور سے وہ دین دار تھے اور ویدوں کی اصلی تعلیم کے پابند تھے یہی نظریہ سوامی دیانند سرسوتی، بانیٔ آریہ سماج کا بھی تھا اور اس لئے شاہو جی کو آریہ سماج کانفرنس کی صدارت کرنے کا اعزاز دوبار حاصل ہوا۔

شکار کے وقت لارڈ ولنگڈن کے ساتھ راج رشی۔ (بائیں سے دائیں) لیڈی ولنگڈن، راج رشی چھترپتی شاہو مہاراج، لارڈ ولنگڈن، شری منت باپو صاحب مہاراج (کاگلکر) (شاہو مہاراج کے بھائی)

علاوہ اس کے، انہوں نے کولہاپور کے راجارام کالج کا انتظام بھی آریہ سماج کے سپرد کردیا تھا۔

مہاتما جوتیبا پھولے اور دوسرے سماجی سدھارکوں کی بہ نسبت شاہو مہاراج کو ایک اور بات جو ممد و معاون ثابت ہوئی تھی، یہ تھی کہ وہ ایک ریاست کے والی تھے اور اپنے اصولوں پر عمل کرانے کی طاقت بھی رکھتے تھے اس لئے اُن کے مخالفین اپنی تخریبی حرکات سے اُن کے مشن کو ناکام نہیں بنا سکتے تھے۔ بے شک، بعض حلقے جو انگریز سرکار کے پاس رسوخ رکھتے تھے، اپنے ہتھکنڈوں کے ذریعہ مہاراج کو انگریز حکمرانوں کی نظروں میں گرا دینا چاہتے تھے مگر حکومت ہند نے شاہو جی کے انسانیت نوازی کے جذبہ کا اعتراف اس طرح سے کیا کہ اُس نے برٹش انڈیا کے علاقوں میں بھی پسماندہ طبقے کی تعلیم اور ترقی کے متعلق اُن کے نظریہ کو ہی اپنایا۔ مہاراجہ نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم کو مالی تقویت پہنچانے کی غرض سے ہندو مندروں کے اوقاف پر بھی ٹیکس عائد کیا۔ دراصل اعلیٰ تعلیم سے محض ترقی یافتہ فرقوں کے لوگوں کو ہی فائدہ پہونچتا تھا، اور "بیک ورڈ کلاسز" کے لوگ اُس کی نعمتوں سے محروم رہ جاتے تھے۔ اس لئے مہاراج نے مراٹھا، جین، لنگایت، اچھوت اور مسلمانوں کی تعلیم کی طرف

دھاراواڑ میں بھاؤ سنگھ جی مہاراج کے ساتھ راج رشی شاہو مہاراج۔ ایک یادگار تصویر

خاص توجہ کی اور ان کے بچوں کے لیے سرکاری
لاگت سے علیحدہ ہاسٹل بنوائے اور مخصوص وظائف
عنایت کیے۔

مہاراجہ کے اختیارات تو، خیر، اُن کی اپنی
چھوٹی سی ریاست تک ہی محدود تھے مگر اُن کی
سیاسی، اقتصادی اور فنی اصلاحات نے سارے
ملک میں بیداری کی ایک لہر دوڑائی۔ اُن کے نزدیک
مادی فلاح وبہبود ہی سماج اُدھار کی اصلی بنیاد
تھی اور تعلیم وتربیت کا مقصد بھی وہ پسماندگان
کی مالی حالت سُدھارنا ہی تصور کرتے تھے، یعنی

پیشہ تعلیم کے ذریعہ [illegible]
سکیں اور اُنھیں صنعتوں میں مہارت حاصل ہو جائے
اس لحاظ سے اُنہوں نے تعلیمی اداروں کے علاوہ
زراعت، تجارت، صنعت وغیرہ میں اپنی ریاست
کو ترقی یافتہ بنا کے چھوڑا۔ چائے کے باغات، بند،
بجلی گھر، گڑ اور شکر کے کارخانے، غرض ہر اُس
پیداوار کے متعلق تجربے جاری رکھے جس سے رعایا
کی آمدنی بڑھے اور روزگار کے مواقع میں بھی اضافہ
ہو سکے۔ اُن کی پالیسی کی کامیابی سے متاثر ہو کر
ملک میں اور خاص طور سے جنوبی ہند میں بعض

[illegible]
وبہبود کو عزیز رکھتی تھیں۔ اُن میں ایک
جسٹس پارٹی۔ حالانکہ اُس کو غیر برہمن پارٹی
تھے، دراصل دین دھرم سے اُس کا کوئی وا
نہیں تھا کیونکہ اُس کے بعض لیڈر عیسائی
مسلمان بھی تھے اور وہ یہی چاہتے تھے کہ
اپنی پسماندہ جماعت کی مادی حالت سُدھر جا
شروع شروع میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
'وفادارانِ ازلی' کی ایک انجمن ہے مگر اُس
دانشمندانہ کوششوں کے اثر سے وہ لوگ

شیواجی میموریل فاؤنڈیشن کی تقریب میں پرنس آف ویلز کے ساتھ راج رشی چھترپتی شاہو مہاراج !

داب تک تعلیم، اعلیٰ ملازمتوں اور تکنیکی مہارتوں
سے محروم تھے نئی زندگی کی بیشتر نعمتوں سے
رہ اندوز ہوگئے۔ اُس کا ٹھوس ثبوت یہ ہے
۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی کے دوران میں اور
ل کے آزاد ہونے کے بعد پسماندہ فرقوں کے
ڈروں نے ملکی اور فوجی کاروبار، تجارت اور
پومیسی کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔
ال کے طور پر چند نام یہ ہیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر،
ونت راؤ چوان، کرم ویر بھاؤ راؤ پاٹل، ڈمل شندے
ٹر دی۔ پی۔ نائک چیف منسٹر مہاراشٹر وغیرہ۔
مہاراشٹر کو شاہو چھترپتی کی سب سے بڑی
ن یہ ہے کہ انہوں نے تعلیم، مادی فلاح وبہبود
ساتھ ساتھ ہنر، فنون، کھیل کود جیسے قومی
زیب کے اہم ترین اجزاء کی ترقی کے متعلق بھی
بہ دی۔ ڈرامہ، فلم، سنگیت، کشتی وغیرہ فنون
ولہاپور میں ہی جنم لے کر پروان چڑھے۔ مراٹھی ڈرامے
باوا آدم انا صاحب کرلوسکر، مشہور اداکاران گنپت
جوشی، کیشو راؤ بھوسلے، بابو راؤ پینڈھارکر، ان
رات کو کولہاپور نے ہی سہارا دیا۔ فلمی دنیا میں پونہ بمبئی
پہلے کولہاپور ہی بڑا مرکز تھا۔ کلکتہ کے نیو تھیٹرز کے
بلے میں کولہاپور کی پربھات کمپنی ہی معیاری فلموں کی
ن میں امتیاز حاصل کرچکی تھی۔ ڈائرکٹر دی۔ شانتارام
اوپینٹر ان معزز ہستیوں نے شاہو مہاراج ہی کے
عاطفت سے فیض حاصل کیا۔ کشتی وہ اسپورٹ ہے
اب اور کولہاپور میں پرورش پاکر دنیا بھر میں ہندوستان
م کو روشن کرچکا ہے۔ پچھلے زمانے میں پہلوان گاما
ا، روسی پہلوان زبسکو کو اپنا لوہا منوانے کے لئے
پور کے پہلوان دینکپا، دیوآپا برود وغیرہ کے ساتھ
کرنا پڑتا تھا اور آج کے زمانے میں بھی ہندوستان
ولمپک" میں ہندوستان کی شہرت کو بنائے رکھنے
لبعض "ہند کیسری" کولہاپور ہی کے باشندے ہیں۔
غرض یہ کہ شاہو چھترپتی نے عام راجہ مہاراجاؤں
عیش وعشرت کی زندگی سے منہ موڑ کر، مظلوموں اور
ہر اعتبار سے عاجز لوگوں کی زندگی کے حالات بہتر بنانے کا
مشن اپنایا تھا اور جیتے جی اپنی کامیابی بھی دیکھی۔ ۱۸۹۴ء
سے ۱۹۲۲ء تک کی ۲۶ سال کی مدت میں انہوں نے جو
تحریکیں چلائیں اُن کی وجہ سے مہاراشٹر کی سرزمین میں وہ
آثار رونما ہوئے جو ۱۹۲۰ء کے بعد کے زمانے میں
گاندھی جی کی تحریکات کے ذریعہ ملک بھر میں ہوئے۔ شاہو جی
سارے ہندوستان کے بھی ایک ممتاز لیڈر بنتے مگر انگریز حکمرانوں
نے والیانِ ریاست کو اپنی وفاداری کی زنجیروں میں زیادہ مضبوطی
سے کس لیا تھا۔ اس کے باوجود اُن کی اصلاحات کا اثر ملک
بھر میں محسوس کیا گیا۔

●●

غزل

محنت کسی کی، نام کسی کا ہُوا بلند — ذرّے سمٹ گئے تو بگولا ہُوا بلند

ٹھہرے تو ہر طرف سے ہوا کھینچنے لگی — چلتے ہی آفتاب کا نیزا ہوا بلند

ایسا ہوا کہ دستِ طلب کھو گئے کہیں — کچھ اس قدر غبارِ تمنّا ہوا بلند

منہ دیکھتے ہی غازے کا روغن پگھل گیا — منہ پھیرتے ہی شورِ تبرّا ہوا بلند

احباب شرمسار ہیں اور نکتہ چیں خموش — مرنے کے بعد میرا ستارا ہوا بلند

اس راستے کو آج مرا آخری سلام — پھر پیش رو کا نقشِ کفِ پا ہوا بلند

نوبت بہ ایں رسید، مظفر غزل غزل
یعنی عصائے حضرتِ موسیٰ ہوا بلند

جنگل کی دُنیا

خوفناک بھی ہوتی ہے اور حسین و دلکش بھی۔ سماج اور حکومت کو اس کے تحفظ کی فکر بھی ضروری ہے اسی لئے شکار کیلئے قوانین نافذ کئے جاتے ہیں اور نیشنل پارکوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔
"قومی راج" کے اگلے شمارہ کیلئے "جنگل کی مخلوقات" کے متعلق اپنی تخلیقات فوری ارسال فرمائیے

علاء الدین جینا بڑے

چھترپتی شاہو مہاراج - ایک مقبول مصلح

سابق والیانِ ریاست میں کولہاپور کے راج رشی چھترپتی شاہو مہاراج نے تعلیم اور سماج سدھار کے میدانوں میں وہ کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں اور ایک نڈر مصلح کی حیثیت سے نہ صرف اپنی ریاست کولہاپور بلکہ مہاراشٹر کے عوام کے دلوں میں وہ جگہ پیدا کرلی ہے کہ تاریخ انھیں کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

ابتدائی حالات

یہی وجہ ہے کہ اس جمہوریت کے دور میں بھی مہاراشٹر کے عوام اور حکومت نے اس سابق والیٔ ریاست کا صد سالہ جشنِ سالگرہ منانا ضروری سمجھا یہ ایک خراجِ عقیدت ہے اُس عظیم شخصیت کو جس نے اُبھرتے ہوئے مہاراشٹر میں سماجی انصاف قائم کرنے کیلئے اپنے آپ کو وقف کردیا تھا۔

شاہو مہاراج کی پیدائش بطور ایک شہزادے کے نہیں ہوئی تھی۔ ۲۶ جولائی ۱۸۷۴ء کو وہ ایک سردار کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد شری جے سنگھ راؤ آبا صاحب گھاٹگے ریاست کولہاپور کے ریجنٹ تھے۔ شیواجی چہارم کی موت کے بعد ۱۷ مارچ ۱۸۸۴ء کو وہ کولہاپور کی گدّی نشینی کے لئے متبنّیٰ کرلئے گئے تھے جس کے بعد انھیں اس سابق ریاست کے حکمرانوں کا خاندانی نام شاہو مہاراج دیا گیا ورنہ اُن کا پیدائشی نام یشونت راؤ تھا اور وہ اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے۔

اُن کی تعلیم ایک شہزادے کی طرح راج کمار کالج، راجکوٹ میں اور اس کے بعد دھارواڑ کے پولیٹیکل ایجنٹ کی نگرانی میں ہوئی۔ خوش قسمتی سے اُنھیں کے۔ بی۔ گوکھلے، سر ایس۔ ایف فریزر اور راؤ بہادر سبنیس جیسے قابل اساتذہ ملے۔ راؤ بہادر سبنیس آگے چل کر کولہاپور کے ایک ممتاز دیوان بنے۔ مہاراجہ نے ہمیشہ اس بات کا اعتراف کیا کہ ان ممتاز اساتذہ کی تعلیم نے اُن کی شخصیت کو ایک قسم کا اخلاقی استحکام بخشا تھا۔

کارواں بڑھتا گیا

کولہاپور بلکہ پورے مہاراشٹر کے لئے وہ ایک سنہرا دن تھا جبکہ ۲ اپریل ۱۸۹۴ء کو اس بےباک مصلح نے ریاستی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ اپنے ۲۶ سالہ دورِ حکومت میں اُنہوں نے پسماندہ جاتیوں کو اُبھارنے، سماجی مساوات اور سماجی انصاف قائم کرنے اور انسان کو انسانیت کے مرتبے پر پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ رجعت پرست مصلحین نے ان کی راہوں میں روایات اور اوہام پرستیوں کے روڑے اٹکائے لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود وہ آگے بڑھتے گئے اور کارواں بڑھتا گیا۔

راج رشی سے پہلے ہی اس سماجی و مذہبی

اصلاح کی تحریک کی ابتداء مہاراشٹر میں ہو چکی تھی۔ بال شاستری جامبھیکر (۱۸۱۲-۴۶ء)، جگن ناتھ شنکر سیٹھ (۱۸۰۸-۶۵ء)، دادوبا پانڈورنگ (۱۸۱۴-۸۲ء) اور لوک ہت وادی گوپال ہری دیشمکھ (۱۸۲۳-۹۲ء) اس تحریک کے پیشروؤں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ پرارتھنا سماج کی بھی بنیاد پڑ چکی تھی اور اُس کے لیڈران مہادیو گووند راناڈے، آر۔جی۔ بھنڈارکر اور نارائن گنیش چنداورکر جیسے پُرخلوص مُصلحین کی کوششیں جاری تھیں۔

پرارتھنا سماج

ان عظیم رہنمایان کی پُرخلوص جدوجہد سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت اس میدان میں مہارشی اُترے ہیں تو اب بھی قول وعمل کے بیچ ایک خلیج حائل تھی۔ خود راناڈے نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ پرارتھنا سماج نے قوم میں وہ جوش وخروش پیدا نہیں کیا تھا جس کے وہ متمنی تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ سماج سُدھار کے میدان میں چپلونکر نے ایک ادبی مکتبِ خیال کی بنیاد رکھ دی تھی جسے تلک کی حمایت حاصل تھی اور یہ مکتبِ خیال اگرکر و راناڈے کی تمامتر کوششوں کے باوجود ایک خاص حلقے میں مقبول ہو چکا تھا۔ ان حالات میں ایک بااقتدار حوصلہ مند قیادت کی ضرورت تھی جو خوش قسمتی سے غریب عوام کو راج رشی شاہو مہاراج کی صورت میں نصیب ہوئی۔

تعلیم اور سماج سُدھار

چھترپتی شاہو مہاراج کا کام اس حد تک آسان ہوا تھا کہ جوتی با پھولے نے سماج سُدھار کے میدان میں ایک انقلابی قدم اُٹھایا تھا۔ رجعت پرستوں کی مخالفت کے باوجود جوتی با پھولے نے ایک باغیانہ جوش وخروش کا اظہار کیا اور سماجی بُرائیوں کے خلاف کا بیڑہ اُٹھایا۔ انہوں نے ۱۸۴۲ء میں لڑکیوں کے لئے ایک اسکول کھولا اور ۱۸۵۴ء میں نام نہاد اچھوتوں کے لئے اسکول کھولا۔ اس کے بعد ۱۸۶۳ء میں طفل کشی کے انسداد کی غرض سے ایک یتیم خانے کا افتتاح کیا اور ۲۴ ستمبر ۱۸۷۳ء کو ستیہ شودھک سماج کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اسی طرح کرم ویر وٹھل رامجی شندے نے اچھوتوں اور پسماندہ طبقات کی بھلائی کے لئے متعدد اقدام کئے تھے۔

شاہو مہاراج نے تعلیم کو مخصوص طبقات کی اجارہ داری سے نکال کر عام کرنے کی کوشش کی۔ اُن دنوں آج کل کی طرح مدرسے اور کالج عام نہیں تھے۔ وہ تو صرف چند بڑے بڑے شہروں میں پائے جاتے تھے۔ لہٰذا دور دراز گاؤں اور دیہاتوں سے آنے والے طلبہ کے لئے تعلیمی رہائش گاہوں کی ضرورت تھی۔ شاہو مہاراج نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے گیارہ مختلف طبقات کے لئے متعدد ہوسٹل کھولے اور کئی تعلیمی اداروں کو نہ صرف کولہاپور میں بلکہ ریاست سے باہر پونہ، احمد نگر اور ناسک میں بھی گرانقدر عطیات سے نوازا۔ مہاراج کے الطاف صرف مراٹھا طبقے تک ہی محدود نہ تھے بلکہ برہمن، سارسوت، جین، لنگایت، مسلمان اور کرسچین بھی برابر فیض پاتے تھے۔

جس سماجی انصاف کی ضمانت آج دستورِ ہند میں دی گئی ہے اُس کی ابتداء شاہو مہاراج نے کی تھی۔ اُنھوں نے اچھوتوں کے لئے دیگر طبقات کے ساتھ مشترکہ تعلیم کا بندوبست کیا اور اُن کیلئے مفت ہوسٹلوں کا انتظام کیا۔ اُن کی سماجی حیثیت بڑھانے اور ان کی اقتصادی حالت سُدھارنے کی غرض سے اُنہیں روزگار کے مواقع مہیا کئے، اُنھیں تلاٹھی کے عہدوں پر فائز کیا اور بلوتے داری منسوخ کردی۔ راموشی لوگ جرائم پیشہ سمجھے جاتے تھے اور اُن پر روزانہ چاوڑی میں حاضری دینے کی پابندی عائد تھی۔ مہاراج نے اپنی ریاست میں اس پابندی کو یکلخت منسوخ کردیا اور ان لوگوں کو روزگار کے ذرائع مہیا کر کے انھیں باعزت زندگی گذارنے کے مواقع فراہم کئے۔

مذہبی اجارہ داری کی مخالفت

مہاراج کے زمانے میں "ویدوکت کا معاملہ" ایک سنگین صورت اختیار کرچکا تھا۔ اس کے ذریعہ برہمن مُلّائیت مذہب پر اپنی اجارہ داری کو مستقلاً قائم رکھنے کی فکر میں تھی۔ مہاراج نے اس کی مخالفت کی۔ وہ مخصوص حلقوں میں ہدفِ ملامت بنے لیکن اس معاملے میں انھیں یقین تھا کہ وہ انصاف پر ہیں لہٰذا وہ ڈٹے رہے۔ بالآخر ۱۹۲۰ء میں شاہو ویدک اسکول کی بُنیاد رکھی۔ اُنھوں نے چھترپتی جگت گرو کا منصب بھی قائم کیا تاکہ سماجی و مذہبی اعتبار سے ہندوؤں کے دیگر طبقے برہمن پروہتائی سے آزاد ہوسکیں۔

لیکن جیسا کہ سر فریزر نے کہا ہے 'مہاراج برہمنوں کے مخالف نہیں تھے۔ وہ تو صرف اس ذہنیت کے مخالف تھے جس نے ادنیٰ طبقات کو غلام بنا رکھا تھا۔ وہ جسٹس راناڈے، گوکھلے اور اگرکر کی دل سے قدر کرتے تھے۔ سماجی اصلاح کے سلسلے میں لوکمانیہ تلک کے مہاراج سے کچھ اختلافات تھے لیکن اس کے باوجود وہ اُن کی دل سے قدر کرتے تھے۔ جب تلک کی وفات کی خبر سُنی تو مہاراج نے اپنے کھانے کی تھالی چھوڑ دی تھی اور مغموم ہوکر کہا تھا: "ایسا حوصلہ مند اور بہادر شخص دوبارہ پیدا نہیں ہوگا۔"

چھترپتی شاہو مہاراج نے اپنی ریاست میں تعلیم کے علاوہ آرٹ، صنعت اور زراعت کو بھی ترقی دی۔ اُن کے دورِ اقتدار میں رادھا نگری پروجیکٹ کی تکمیل سے ریاست کو جو خوشحالی نصیب ہوئی وہ ظاہر ہے۔ اُنھوں نے ریاست بھر میں امدادِ باہمی سوسائیٹیوں کی مدد کی اور گڑ سازی کو ترقی دی۔

اللہ دیا خان، بابو راؤ پینٹر، کیشو راؤ بھونسلے اور گووند راؤ ٹامبے جیسے آرٹ کے شیدائی مہاراج کی سرپرستی سے فیض اٹھاتے رہے۔

(باقی صفحہ پر)

پنڈت جواہر لال نہرو

ایک ادیب کی حیثیت سے

پنڈت نہرو کی سالگرہ (۱۴ر نومبر)
کے موقع پر
قومی راج کی طرف سے خراج عقیدت

رشید الدین

گاندھی جی کے بعد جدید ہندوستان کی قومی، سیاسی اور سماجی زندگی کی سب سے زیادہ قدآور شخصیت پنڈت جواہر لال نہرو ہی کی ہے۔ وہ ایک بڑے باپ کے بیٹے اور عظیم ملک کے سپوت تھے۔ بڑے باپ تھے پنڈت موتی لال نہرو اور عظیم ملک تھا ہندوستان۔ لیکن یہ سمجھنا بھی غلط ہوگا کہ انہیں بڑائی ورثہ میں ملی تھی بلکہ انھوں نے یہ بڑائی خود اپنی محنت، لگن، خلوص اور قابلیت سے حاصل کی تھی اور اسے انھوں نے مرتے دم تک قائم رکھا، جب کہ دنیا کی تاریخ میں بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کا اُن کی زندگی میں زوال آپ کی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ پنڈت جی بے حد ذہین آدمی تھے اور اُن کی یہ ذہانت کسی ایک میدان تک محدود نہ تھی بلکہ وہ ہر میدان کے مرد تھے۔ انھیں سب سے زیادہ شہرت ایک سیاسی رہنما کے طور پر حاصل ہوئی لیکن اگر وہ سیاسی میدان میں نہ بھی داخل ہوتے تو ایک ممتاز و منفرد ہندوستانی ہوتے اور ان کی ذہانت انھیں کسی نہ کسی میدان میں منصب شہرت پر ضرور لے آتی اور وہ گوشۂ گمنامی میں ہرگز نہ رہتے۔ کچھ نہیں تو ادب ہی ایک ایسا میدان تھا جو انھیں شہرت دوام بخشنے کے لئے کافی تھا۔

پنڈت جی کے سیاست میں چلے جانے سے سب سے زیادہ نقصان ادب کا ہوا۔ اگر وہ سیاسی لیڈر نہ ہوتے تو ہندوستان کے بہت بڑے ادیب ہوتے اور انگریزی کے ممتاز اہلِ قلم میں ان کا شمار ہوتا۔ ویسے اب بھی وہ کوئی چھوٹے ادیب نہیں کہلائے جا سکتے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اپنی بے پناہ سیاسی مصروفیات کی وجہ سے وہ اپنے قلم کے ساتھ انصاف نہیں کر سکے اور بہت سی تحریریں ان کے نوکِ قلم سے نکل کر صفحۂ قرطاس پر نہ بکھر سکیں اور ہندوستان کی جدید نسل کو ذہنی بالیدگی نہ بخش سکیں۔

وہ تو بھلا ہو اُس زمانے کے انگریز حکمرانوں کا کہ انھوں نے انھیں بار بار جیل کی سیر کرائی اور اس طرح انھیں اپنی گوناگوں مصروفیتوں سے نجات کے بعد قلم سنبھالنے کا موقع ملا اور ان کی بہت سی کتابیں منظرِ عام پر آسکیں۔ پنڈت جی جب بھی جیل گئے تو ان کی جیکٹ کی جیب میں ایک قلم ہوتا اور جب بھی وہ جیل سے باہر نکلتے تو اُن کی بغل میں اپنی کسی کتاب کا مسودہ ہوتا۔

وہ جو کسی نے کہا ہے کہ زحمت میں بھی ایک رحمت ہوتی ہے بالکل صحیح کہا ہے کیونکہ جیل ظاہر ہے ہر شخص کے لئے زحمت ہی ہو سکتی ہے خصوصاً پنڈت جی جیسے آدمی کے لئے جو اپنے ملک کی آزادی کے لئے لڑ رہے تھے یہ بہت بڑی زحمت تھی کیونکہ اس طرح وقتی طور پر ان کا مشن مسدود ہو جاتا تھا لیکن اس میں ایک رحمت کا پہلو بھی نکل آیا کہ پنڈت جی ایک قومی اور سیاسی لیڈر کے علاوہ ایک ادیب کی حیثیت سے بھی ہم سے

روشناس ہوئے اور ہمیشہ کے لئے اپنی تحریرات ہمارے درمیان چھوڑ گئے۔

پنڈت جی بچپن سے بہت باشعور تھے اور شروع ہی سے مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے۔ تعلیم اور وہ بھی انگلستان کی تعلیم نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ یہ پنڈت جی کے ریزیڈنٹ ٹیوٹر مسٹر فرڈیننڈ بروکس تھے جنھوں نے ان کے قیام انگلستان کے دوران ان میں مطالعہ کا شوق پیدا کیا اور بعد میں زندگی بھر یہ شوق ان کا ساتھی بنا رہا۔ سیاسی زندگی میں آنے سے پہلے ان کے پاس وافر وقت تھا اور اس عرصہ میں انھوں نے بے حساب کتابیں پڑھیں اور سارا انگریزی ادب اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا۔ جب وہ سیاسی زندگی میں آگئے اور ان کی مصروفیات بہت بڑھ گئیں تو انہوں نے سفر کے دوران مطالعہ شروع کیا اور ریلوں میں پڑھنے لگے۔ اس طرح پنڈت جی نے ریل میں پڑھا اور جیل میں لکھا۔

پنڈت جی میں پڑھنے کی عادت بچپن سے تھی لیکن لکھنا انھوں نے بے حد باشعور اور پختہ کار ہونے کے بعد شروع کیا۔ ان کی پہلی تصنیف "سفرنامۂ روس" تھی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ اُن کے روس کے سفر کی روئیداد ہے جس میں ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد روس کی تفصیلات درج ہیں۔ اُن کی دوسری تصنیف ۱۹۲۹ء میں منظر عام پر آئی جس کا نام تھا "باپ کے خط بیٹی کے نام"۔ یہ اصل میں وہ خطوط تھے جو جیل میں انھوں نے اپنی اکلوتی بیٹی اندرا پریہ درشنی کو لکھے تھے اور جو ان دنوں اُن ہی کی جگہ ہندوستان کی وزیر اعظم ہیں اور ان کی گراں بار ذمہ داریوں کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔

جیل اور خطوط کا یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوگیا بلکہ چلتا رہا اور بعد میں اس نے ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کرلی۔ یہ کتاب تھی "تاریخ عالم کی جھلکیاں"۔ یہ دنیا کی تاریخ ہے جس کی وجہ سے پنڈت جی نے دنیا کے مؤرخین میں بھی اپنا نام شامل کرلیا۔ ان کے پاس اس وقت حوالے کی کوئی کتاب نہیں تھی اور نہ مطلوبہ مواد دستیاب تھا پھر بھی انھوں نے محض اپنی یادداشت سے اپنی بیٹی کو دنیا کی تاریخ سے واقف کرایا اور بعد میں ان ہی خطوط کو ترتیب دے کر یہ کتاب تیار کی گئی۔ "جگ بیتی" کے نام سے اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے جسے مکتبۂ جامعہ نے شائع کیا تھا اور مترجم تھے ڈاکٹر عابد حسین۔ یہ ترجمہ اب مفقود ہے۔ ضرورت ہے کہ مکتبہ جامعہ اس کا جدید ایڈیشن شائع کرے۔ اس کتاب کے ہر صفحہ پر آپ کو پنڈت جی کے تاریخی شعور اور سماجی ادراک کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ یہ کتاب انشاء پردازی اور حقیقت کا ایک حسین امتزاج ہے۔ زبان بیحد شگفتہ اور انداز بیان نہایت دلنشیں ہے۔

پنڈت جی کی تصانیف میں ان کی خودنوشت سوانح حیات بھی شامل ہے۔ یہ بھی انھوں نے اپنی دیگر تصانیف کی طرح جیل میں لکھی۔ دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ تصنیف (جو کافی ضخیم ہے) انھوں نے صرف نو مہینے میں لکھی ہے۔ یہ تصنیف ۱۹۳۵ء میں مکمل ہوئی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے (اس کتاب کا نام "آپ بیتی" ہے) یہ اُن کی خود نوشت سوانح حیات ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ صرف ان کی ذاتی زندگی کی عکاسی ہی نہیں ہے بلکہ اس میں انڈین نیشنل کانگریس کی تاریخ اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی کہانی بھی شامل ہے۔ اس کے مطالعہ سے پنڈت جی کی ذاتی پسند اور ناپسند اور بہت سے معاملات میں ان کے نقطۂ نظر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد آپ ان کی شخصیت کا بخوبی تجزیہ کر سکتے ہیں۔ اس کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس میں بالکل سیدھے سادے انداز میں واقعات بیان کئے گئے ہیں اور اپنی "انا" کو کہیں غالب نہیں آنے دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا بھی "آپ بیتی" کے نام سے اردو ترجمہ ہو چکا ہے جسے مکتبہ جامعہ ہی نے شائع کیا تھا اور اس کے مترجم بھی ڈاکٹر عابد حسین تھے۔ یہ ترجمہ بھی "جگ بیتی" کی طرح مفقود ہے اور اس کے جدید ایڈیشن کی اشاعت کی شدید ضرورت ہے۔

پنڈت جی نے ریل میں پڑھا اور جیل میں لکھا!

اب تک میں نے پنڈت جی کی چار تصانیف کا ذکر کیا ہے لیکن میرے خیال میں ان کی جو سب سے زیادہ اہم اور مشہور کتاب ہے اس کا تذکرہ ابھی باقی ہے۔ یہ کتاب بھی جیل میں لکھی گئی ہے اور ایک تاریخی قلعہ میں منصۂ شہود پر آئی ہے۔ کتاب کا نام ہے "تلاش ہند" اور قلعہ ہے احمد نگر کا۔ یہ ۱۹۴۴ء کی تصنیف ہے۔ اسی کے ساتھ اسی جگہ اُردو کے ایک ادیب نے بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ کتاب کا نام ہے "غبار خاطر" اور ادیب ہیں مولانا ابوالکلام آزاد۔ یہ مولانا کے خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے پنڈت جی کے ساتھ ہی قلعہ احمد نگر میں نظر بندی کے دوران اپنے ایک دوست نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب کو لکھے تھے۔

"تلاش ہند" اصل میں ہندوستان کی تاریخ ہے۔ یہ بھی "جگ بیتی" اور "آپ بیتی" کی طرح ایک ضخیم کتاب ہے اور اس میں نئے زاویہ اور نئے انداز سے ہمارے ملک کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ "جگ بیتی" کا مؤرخ اور "آپ بیتی" کا سوانح

نگار اس میں کھل کر سامنے آتا ہے اور پڑھنے والے
پر اپنی ذہانت اور قابلیت کی دھاک بٹھا دیتا ہے۔
یہ تاریخ انگریزوں کے دَور میں لکھی اور شائع کی گئی
تھی اور اس میں کہا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کھو گیا ہے
جو کبھی اپنی تہذیب و تمدن، علم و ادب اور سطوت و
سلطنت میں ساری دنیا میں مشہور تھا۔ ہمیں اس کی
تلاش کرنی ہوگی۔ یہ تلاش ہندوستان کی آزادی کے
سوائے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں؛

"جب آزادی آئے گی اور نئے اُفق پیدا
کرے گی تو اُس وقت ہندوستان
اپنے آپ کو پھر سے پالے گا۔"

جی ہاں! ہندوستان کی تلاش پوری ہوگئی اور
اسے اپنے آپ کو پائے ہوئے ربع صدی سے
بھی زیادہ عرصہ گذر چکا ہے اور اس عرصہ میں
وہ اپنی قدیم شان و شوکت اور سطوت و عظمت
کے علاوہ روایتی بھائی چارگی، امن و شانتی اور
معاشی و مادی فارغ البالی کے لئے کوشاں ہے۔

تو یہ تھے پنڈت جواہرلال نہرو، ایک
ادیب کی حیثیت سے۔ ایک ہندوستانی جنھوں
نے انگریزی زبان میں لکھا اور بہت سے انگریزوں
کو پیچھے چھوڑ دیا۔ آخر میں میں پھر یہی کہوں گا
کہ پنڈت جی اگر کچھ بھی نہ ہوتے اور صرف ایک
ادیب ہوتے تو بھی بہت کچھ ہوتے۔ بقول اخترحسن؛

**"اگر نہرو کا سرمایۂ حیات
ان کی نگارشات کے علاوہ
اور کچھ نہ ہوتا تو بھی اُن
کی عظمت و مرتبت تاریخ
کا ایک ناقابلِ فراموش باب
قرار پاتی۔"**

جوہر ہاشمی

نہرو: ایک عظیم رہنما

رواں دواں نظر آتا ہے روشنی کا جلوس
یہ زندگی کی علامت نہیں تو پھر کیا ہے
دلوں میں، آنکھوں میں، انفاس کی صداؤں میں
وفا، خلوص، محبّت نہیں تو پھر کیا ہے

کیے ہیں تو نے ہی آباد دل کے ویرانے
گلاب تجھ سے مہک اٹھے گلستانوں میں
تری حیات نے پھیلائی پیار کی خوشبو
تجھ ہی سے روشنی باقی ہے آشیانوں میں

وہ تیرا نام جو کرنوں کا روپ دھار گیا
فضاء میں پھیل گیا تیز روشنی کی طرح
بنا جہاں کے لئے امن و آشتی کا نقیب
ہوا طلوعِ محبّت کی زندگی کی طرح

یہ لہلہاتے ہوئے کھیت یہ رواں نہریں
کسان کی ہے تمنّا یہ زندگی کی نمود
یہ صنعتوں کا شب و روز تیز تر پھیلاؤ
روایتوں کا چلن جن سے ہوگیا مفقود

وفا کے ساز سے اُبھری ہیں پیار کی لہریں
یہ جھیل جس میں سدا جھولتے رہیں گے کنول
زمانہ یاد رکھے گا اسی طرح تجھ کو
دل و نظر کو ہے جیسے عزیز تاج محل

تمہیں پیدا کرتی رہی۔ تمہارا خط نہیں آیا لیکن میرے انتظار کی ڈور نہیں ٹوٹی۔ میری اُمید قائم رہی۔ چار بار سڑک پر تمہارا اور میرا آمنا سامنا ہوا تھا۔ ہر بار ہمارے راستے مخالف تھے۔ تم پیدل کالج سے واپس آرہی تھیں اور میں آٹو رکشا کے ذریعہ اپنے کام پر جا رہا تھا۔ مخالف سمتوں میں بڑھنے والے صرف پل بھر کے لئے ہی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد دوری میں دونوں طرف سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ چار وقت کا آمنا سامنا صرف چار ثانیئے ہی دے سکا۔ یہ چار ثانیئے صرف ہاتھ اُٹھا کر سلام کرنے میں چلے گئے۔ ہاں میری آنکھوں نے تمہارے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور تمہارے ہشاش بشاش چہرے کی بہت سی عمدہ تصویریں اُتاری تھیں۔ اور میں متوازی راستوں کی تمنا میں جلتا رہا۔ سمت ایک ہو تو راستے متوازی بھی ہو سکتے ہیں اور متوازی راستوں پر چلنے والے ہمراہی بھی بن سکتے ہیں۔

میرے ناموافق حالات نے مجھے مجبور کیا کہ میں گھر چھوڑ کر دوسرے شہر چلا جاؤں۔ میں نے وہاں ملازمت لے لی۔ میرے افسانے شائع ہوتے رہے، میرا خواب زندہ رہا۔ میری امید کے تار پر رنگ برنگے تصورات کی چھتری لئے تم رقص کرتی رہیں اور مجھے تسلی دیتی رہیں کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ میرے نام پڑھنے والوں کے خطوط آتے رہے۔ اس کارواں میں ایک مجنوں کی تلاش جاری رہی۔

آج ڈاکیے نے گیارہ خطوط دئے ہیں۔

ایک گلابی رنگ کے لفافے پر میری نظر ٹھہر گئی۔ اوپر میرا نام اور پتہ تھا اور نیچے کونے میں ایک اسٹائیل کے ساتھ تم نے اپنا نام لکھا تھا۔ میرے دل میں بہت سے گلاب کھل گئے میری خوشی بے انتہا ہو گئی۔ میں پاگلوں کی طرح سوچنے لگا کہ آج مجھے اتنی زیادہ خوشی مل گئی ہے کہ اسے رکھنے کو میں جگہ کہاں سے لاؤں۔ میرا دل، میری روح کے تہہ خانے، زمین کی کشادگی، آسمان کی وسعت اتنا بڑا ظرف نہیں رکھتے کہ مجھے ملنے والی خوشی کو میری خاطر سنبھال سکیں۔ تمہارے ہاتھ سے لکھے ہوئے میرے نام اور تمہارے نام کو بس دیکھتا رہا۔ جیسے یہ اجنتا کے نقوش ہوں۔ جیسے یہ ایک تاج کی تعمیر کا خاکہ ہوں۔ میں نے فوراً شکرانے کی نماز پڑھی اور طے کیا کہ مٹھائی منگوا کر فاتحہ دوں گا اور اڑوس پڑوس کے بچوں میں بانٹ دوں گا۔

شکرانے کی نماز پڑھنے کے بعد ٹوپی اُتارے بغیر اور جائے نماز پر ہی میں نے تمہارے لفافے کی تحریر کو دوبارہ دیکھا اور وہیں بیٹھے بیٹھے میں نے لفافہ چاک کیا۔

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ جسے میں نے خوشی سمجھ کر سمیٹا تھا وہ خوشی نہیں تھی، بلکہ مواد تھا۔ آناً فاناً میری تمنا ایک رستا ہوا زخم بن گئی۔ ایک ایسا کرب بن گئی جس کی کوئی انتہا نہیں، کوئی مداوا نہیں، کوئی مرہم نہیں۔

گلابی لفافے میں سے تمہاری شادی کا دعوت نامہ نکلا جو میرے آنسوؤں سے وضو کر کے میری بچھائی جانماز پر بہت دیر سے سجدہ کر رہا ہے اور میں اپنے محل کے منہدم ہونے پر ایک سکتہ میں آکر بے سدھ پڑا ماتم کر رہا ہوں۔

●●

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ غیر طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

بقیہ: شاہو مہاراج - ایک مقبول سماجی مصلح

مہاراج حکومتِ برطانیہ کے زیرِ اقتدار ریاست کے والی تھے لیکن وہ آزادی کے متوالوں کی دل و جان سے قدر کرتے تھے اور حتی الامکان اُن کی مدد و حمایت کرتے تھے۔

دراصل سماجی مساوات، سماجی انصاف، تعلیم اور علم و ادب اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی سے متعلق مہاراج نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں وہ ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی ہی کی کڑیاں تھیں اور آزاد ہندوستان کی تعمیر میں اُن کی بنیادی حیثیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راج رشی شاہو مہاراج آج عوام کے ایک مقبول لیڈر کی حیثیت سے یاد کئے جاتے ہیں اور اُن کی صد سالہ جشن سالگرہ کی تقریبات منائی جا رہی ہیں۔

●●

رہے یہ دیوالی کی جگ مگ بہار
مُنڈیروں پہ جلتے دِیوں کی قطار
فضا روشنی میں نہاتی رہے
ہماری زمیں جگمگاتی رہے

جاں نثار اختر

ریاستِ مہاراشٹر کی نوتشکیل یافتہ کابینہ

وزیراعلیٰ شری وی۔پی۔ نائیک نے اس ماہ کے اوائل میں اپنی کابینہ کی توسیع کی۔ نوتشکیل یافتہ کابینہ کے تیس ارکین کے نام اور ان کے محکمے درج ذیل ہیں۔

شری وی۔پی۔ نائیک
وزیراعلیٰ : جنرل ایڈمنسٹریشن، امورِ داخلہ، اطلاعات و پبلسٹی
نیز وہ دیگر امور جو کسی وزیر کی طرف سونپے نہ گئے ہوں۔

شری وی۔بی۔ پاٹل
آبپاشی و پاور (ہائڈرو الیکٹرک)

شری ایس۔بی۔ چوہان
زراعت

شری ایم۔ڈی۔ چودھری
مالیات، منصوبہ بندی و چھوٹی بچت

شری این۔ایم۔ تِڈکے
صنعت، محنت، بجلی (تقسیم) اور لیجسلیٹیو امور

ڈاکٹر رفیق زکریا
شہری ترقیات، نیو ٹاؤن شپ، اوقاف
سیاحت و پروٹوکول

شری وائی۔جے۔ موہتے
امدادِ باہمی، غذا اور سول سپلائز

شری ایچ۔جی۔ورتک
محصولات اور کھار زمینات

شری اے۔ آر۔ انتولے
تعمیرات و مواصلات، قانون و عدلیہ اور ماہی گیری

شریمتی پرتبھا۔ ڈی۔پاٹل
سماجی بہبود

ڈاکٹر ایم۔بی۔پوپٹ
شراب بندی

شری کے۔پی۔پاٹل
صحتِ عامّہ

شری ایس۔بی۔پاٹل
دیہی ترقیات

شری ایس۔اے۔سولنکے
انرجی (جنریشن آف تھرمل پاور)، ثقافتی امور اسپورٹس اور چھاپہ خانے

شری ایس۔جی۔پوار
تعلیم و بہبودِ جوانان

شری آر۔جے۔دیوتلے
جنگلات و باز آبادکاری

شری ایس۔جی۔سرنائیک
حمل و نقل، جیل و مہاراشٹر اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن

شری ڈی۔ٹی۔روپ وتے
ہاؤسنگ

وزرائے مملکت

شری آر۔ بی۔ کنبھار
امور داخلہ، اطلاعات و پبلسٹی

شری رتنپا بھرمپا کنبھار، عمر ۶۵ سال، جنگِ آزادی کے ایک تجربہ کار مجاہد رہے ہیں اور کولہاپور ضلع کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی میں عملی حصہ لیا ہے۔ کولہاپور میں پرجا پریشد قائم کیا اور انڈین یونین میں کولہاپور کے انضمام کی تحریک میں پیش پیش رہے آپ ۱۹۶۲ء سے شیرولے حلقۂ انتخاب سے چن کر آئے ہیں کئی کوآپریٹیو اداروں اور کولہاپور کے دو کالجوں کے بانی ہیں۔

شری ایس۔ ڈی۔ گیڈام
امداد باہمی، تعمیرات و مواصلات

شری شنکر راؤ دولت رام گیڈام، عمر ۵۴ سال، زمانہ طالب علمی سے ہی جنگِ آزادی کے مجاہد تھے۔ وکالت پیشہ کرتے ہیں۔ ہریجنوں کی بھلائی کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ صرف ۱۹۶۷ء کے انتخابات چھوڑ کر ۱۹۵۲ء سے ایم۔ ایل۔ اے ہیں۔

شریمتی پربھا راؤ
منصوبہ بندی، تعلیم و صنعت

شری آر۔ ایم۔ پٹیل
جنگلات و جیل

شری کے۔ ایم۔ پاٹل
آبپاشی و زراعت

شری کرشنا راؤ مہارو پاٹل، عمر ۵۰ سال، ایک کسان ہیں اور وکیل ہیں۔ امداد باہمی اداروں سے عملی دلچسپی رکھتے ہیں۔ فروٹ گروورس ایسوسی ایشن کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ جلگاؤں ڈسٹرکٹ سینٹرل کوآپریٹیو بینک اور ایک کوآپریٹیو کریڈٹ سوسائٹی کے چیرمین ہیں۔ ضلع جلگاؤں کے پاچورا حلقۂ انتخاب سے چن کر آئے ہیں۔

شری ایس۔ بی۔ پاٹل (نلنگیکر)
بازآبادکاری، محصولات، لیجسلیٹیو امور

شری شیواجی راؤ بھاؤ راؤ پاٹل (نلنگیکر)، ۱۹۶۲ء سے نلنگا سے ایم۔ ایل۔ اے چن کر آئے ہیں۔ ضلع عثمان آباد میں جو سابق میں نظام حیدرآباد کے ماتحت تھا آپ نے جنگِ آزادی میں حصہ لیا۔ وکالت پیشہ کرتے ہیں اور امداد باہمی سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ متعدد لیجسلیٹیو اداروں سے وابستہ رہے ہیں۔ مراٹھی، انگریزی، ہندی اور اردو زبان جانتے ہیں۔

شری پی۔ کے۔ کِنّرے

شہری ترقیات، نیو ٹاؤن شِپ و ہاؤسنگ

شری پربھاکر کِنّرے، عمر ۵۲ سال، جنگِ آزادی کے دوران دوبار جیل گئے۔ آپ اِنٹک کے سکریٹری ہیں ۱۹۶۲ء میں پہلی بار اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ بمبئی عظمیٰ اور تھانہ میں ٹریڈ یونین کے کاموں کا وافر تجربہ رکھتے ہیں۔ سابق میں بمبئی میونسپل کاؤنسلر بھی رہ چکے ہیں۔

شری یو۔ این۔ گائیکواڑ

صحتِ عامہ، اِنرجی، بجلی (تقسیم)
غذا و سِول سپلائز

شری اُودے سنگھ نانا صاحب گائیکواڑ، عمر ۴۴ سال، نے ۱۹۵۲ء سے اپنی عوامی زندگی کا آغاز کیا۔ مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے رُکن ہیں۔ امریکہ سے زراعت، شوگر۔ اور تصنیفِ آرٹ میں ڈپلوما لئے ہیں۔ ضلع اور ریاستی سطح پر عوامی اداروں سے منسلک رہے ہیں۔ کولہاپور کے شاہو واڑی حلقۂ انتخاب سے چُن کر آئے ہیں۔

شری آر۔ پی۔ ولوی

سماجی بہبود و دیہی ترقیات

شری ریمش پنپا ولوی، عمر ۴۷ سال، وکالت پیشہ کرتے ہیں۔ نندربار، ضلع دھولیہ کے درج فہرست قبائل کے مخصوص حلقے سے ۱۹۷۲ء میں چن کر آئے ہیں۔ آپ قبائلی علاقوں کے سماجی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ آپ شدھولنڈ کا سٹ سب کمیٹی کے چیرمن ہیں۔

شری آر۔ ایم۔ پانڈے

محنت، پروٹوکول، مالیات

شری رام ناتھ پانڈے، عمر ۵۱ سال، ۱۹۶۲ء میں پہلی بار منتخب ہوکر آئے ہیں۔ آپ باعمل سماجی کارکن اور بمبئی پردیش کانگریس کمیٹی کے سکریٹری ہیں۔ تعلیمی امور سے عملی دلچسپی رکھتے ہیں۔

شری ایس۔ ایس۔ شندے

حمل ونقل و بہبودِ جوانان

شری سوشیل کمار شندے، عمر ۳۴ سال، کبھی پولس انسپکٹر تھے۔ آپ نے اپنی زندگی ایک آفس بوائے کے طور پر شروع کی تھی۔ بحیثیت کلرک کام کرتے ہوئے فرسٹ کلاس بی۔ اے۔ پاس کیا اور ایل۔ ایل۔ بی۔ کیا۔ ضلع شولاپور میں کرمالا کے ضمنی چناؤ میں منتخب ہوکر آئے ہیں۔ ۱۹۷۱ء سے سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ یوتھ کانگریس میں عملی حصہ لیا اور بمبئی میں سوشلسٹ فارم کے کنوینر تھے۔ مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی کے ہریجن ٹرائبل یونٹ کے چیرمین ہیں۔

شری آر۔ وی۔ بھیلوسے

پولس، ماہی گیری، شراب بندی و سیاحت

قلت اور سوکھے کا مقابلہ
مہاراشٹر نے کس طرح کیا؟

مہاراشٹر کے عوام نے ثابت کردیا کہ وہ تین سال کی مسلسل خشک سالی اور قلت کے باوجود، ریاستی حکومت کی امداد کے ساتھ، باعزت زندگی گذارنے کے اہل ہیں۔ اس مشکل اور بحرانی دور میں انھوں نے بحران کا فاتحانہ مقابلہ کیا اور مصیبت کو خوشحالی میں بدل دیا۔ یقیناً یہ بات مہاراشٹر کی روایات کے مطابق ہے۔

ان مصیبت کے دنوں میں حکومت نے یہ ذمہ داری اپنے سرلی کہ کوئی شخص کم غذائیت اور فاقہ کا شکار نہ ہونے پائے۔ لہٰذا حکومت نے تندرست لوگوں کو روزگار مہیا کیا اور بوڑھوں اور معذوروں کو سرکاری امداد دی۔

کسانوں، مزدوروں، سفید پوش ملازمین، طلبہ، ڈاکٹروں، صنعت کاروں، تاجروں اور فلمی ستاروں نے شانہ بشانہ کام کیا، حکومت کا ہاتھ بٹایا، اجناس اور رقوم کی صورت میں امداد کی یا رضاکارانہ خدمات پیش کیں۔

★ ★ ★

قلت کے تکلیف دہ آثار ابتداً سنہ ۱۹۷۰-۷۱ء میں نمایاں ہوئے جبکہ ۲۶ میں سے ۲۱ اضلاع متاثر ہوئے تھے۔ سنہ ۱۹۷۱-۷۲ء میں ۲۶ میں سے ۲۰ اور سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء میں ۲۶ میں سے ۲۵ اضلاع قلت کا شکار ہوچکے تھے۔ ان ۲۵ اضلاع میں سے ۱۰ ضلعے یعنی احمد نگر، پونہ، سانگلی، ستارا، شولاپور، اورنگ آباد، بھیڑ، عثمان آباد، ناسک اور دھولیہ شدید طور پر متأثر ہوچکے تھے۔

سنہ ۱۹۷۰-۷۱ء اور سنہ ۱۹۷۱-۷۲ء میں بالترتیب ۲۳۰۶۱ اور ۱۴۶۸۷ دیہات متأثر ہوئے۔ سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء تک یہ عدد ۳۰۷۸۰ تک پہنچ چکی تھی۔

اس طرح اس تین سال کے عرصے میں مجموعی طور پر ۶ کروڑ لوگ قلت سے متأثر ہوئے اور فصلوں کو ۲۲۵ کروڑ (۷۱-۱۹۷۰)، ۲۵۰ کروڑ (۱۹۷۱-۷۲) اور ۳۳۴ کروڑ روپے (۱۹۷۲-۷۳) کی مالیت کا نقصان ہوا۔

★ ★ ★

قلت سے متعلق امدادی کاموں پر سنہ ۱۹۷۰-۷۱ء سے سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء تک ۲۶۸،۹۱ کروڑ روپیہ خرچ کیا گیا۔ مرکز کی جانب سے اس سلسلے میں بطور امداد اور قرض بالترتیب ۹۹،۹۲ کروڑ اور ۱۲۲،۶۰ کروڑ روپیہ ملا۔

★ ★ ★

گیارہ ہزار دیہاتوں میں پینے کے پانی کی قلت محسوس ہوئی۔ ریاستی حکومت نے مختلف طریقوں سے اس قلت کا مقابلہ کیا۔ قلت کے دوران ۲۵،۲۶۴ کنویں بارود کے ذریعے اور ۹۷۰ کنویں ڈریلنگ مشینوں کے ذریعے کھودے گئے۔ ۳۱۷۵ سوکھے کنوؤں کو پھر سے زندہ کیا اور ۷۹۳ بورنگ کے کنوؤں کی مزید ڈریلنگ کی گئی۔ ۵۶،۶۸۰ مشترکہ کنوؤں کا کام اٹھایا گیا (۱۸۹۱۵ کامیاب رہے)۔ ۶۰۰ دیہات کو پینے کا پانی ٹینکروں کے ذریعے مہیا کیا گیا۔ حکومت نے پانی فراہمی یا پانی کے ذخیرے کے لئے ۲۰۴ ٹینک خریدے۔ ●●

قلت ا، ختلف سالی لی ا ا دین : متسرطه ے نواں

، یوم اقوام متحدہ

ر اکتوبر کی شام، بمبئی میں مہاراشٹر اقوام
یوسی ایشن کے زیر اہتمام ایک میٹنگ تاج
، میں منعقد ہوئی - وزیر محصول، شری
- ورتک نے وزیر اعلیٰ شری وی-پی-نائک
فیر کی بنا پر اس تقریب کی صدارت
شری ورتک نے اقوام متحدہ کی کاوشوں
تے ہوئے کہا کہ اس ادارہ نے جنگی فضا
نے میں ایک اہم رول انجام دیا ہے اور
قوام کے درمیان برادرانہ فضا قائم کی ہے۔
یورسٹی کے وائس چانسلر، شری ٹی۔
پے نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے
م متحدہ کو صرف سیاسی مسائل میں ہی
ہیں رہنا چاہئے بلکہ اُسے قومی وسائل مثلاً
پر جو کہ انسانیت کی فلاح کے لئے بہت
یں، توجہ دینی چاہئے - ڈائریکٹر جنرل
رمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، شری پی۔
ی نے اس بات پر زور دیا کہ سماجی انصاف
سے زیادہ بڑھاوا دیا جانا چاہیے
رقی یافتہ ممالک کو ضرورت مند ممالک کی مدد
ئے۔

عالمی ہندی کنونیشن

ٹر نے ذمہ داری قبول کر لی!

، ہندی کنونیشن منعقد کرنے کے لئے بمبئی
شہر میں مختلف خیالات رکھنے والے اشخاص پر
مشتمل ایک میٹنگ منعقد کی گئی اور ناگپور میں
۱۰ تا ۱۳ جنوری کو ہونے والے اس عالمی ہندی
کنونیشن پر غور و خوض کیا گیا - شہریوں سے اپیل
کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری وی پی- نائک نے
فرمایا کہ مہاراشٹر ہی ایک ایسی ریاست ہے جس
نے ہمیشہ ملک میں قومی یکجہتی کے فروغ کیلئے ایسے
اہم موقعوں پر ذمہ داریاں قبول کی ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں چاہیئے
کہ اس کنونیشن کو اختلافات دور کرنے کا ایک
ذریعہ سمجھیں - شری نائک نے یہ بھی فرمایا کہ شہر بمبئی
کو اس ذمہ داری کی انجام دہی کے لئے ایک اہم رول
ادا کرنا پڑے گا اور اس تاریخی کنونیشن کے لئے
دامے، درمے، سخنے، قدمے آگے بڑھنا پڑے گا۔
انھوں نے فرمایا کہ ملک کے عوام نے ہمیشہ بمبئی والوں
کی طرف اس طرح کے مقاصد کی تکمیل کے لئے رجوع
کیا ہے، اب جبکہ یہ کنونیشن خود مہاراشٹر کی سرزمین
پر منعقد ہونا طے پایا ہے تو بمبئی کے عوام کو چاہیئے
کہ وہ تعاون میں ذرا بھی کوتاہی نہ برتیں۔

انھوں نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ اس
کنونشن کا مقصد صرف ہندی کی ترقی نہ تصور کیا
جائے بلکہ اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ اس
سے ہندوستانی کلچر اُجاگر ہو۔ "ہمیں دنیا کو یہ بتلا دینا
چاہیئے کہ ہماری خواہشات ایک ہیں"۔

مہاراشٹر قانون ساز اسمبلی کے اسپیکر، شری
ایس- کے- وانکھیڈے نے کہا کہ بمبئی کے محب وطن
عوام سے امید ہے کہ وہ اس کنونیشن کیلئے زیادہ
سے زیادہ رقم فراہم کریں گے۔

وزیر مالیات شری ایم- ڈی- چودھری نے کہا
کہ یہ کنونیشن ایک تاریخی کنونیشن ثابت ہوگا۔ دنیا
کے بیشتر ممالک آج کل رسم الخط کے مسائل سے دوچار
ہیں لیکن ہندوستان ان تمام مسائل کے حل کیلئے
اپنے دیوناگری رسم الخط کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتا
ہے - یہ رسم الخط دنیا کا ایک سائنٹیفک رسم الخط ہے۔

حج ۱۹۷۴ء کیلئے عازمین کا انتخاب

حج ایئر چارٹر فلائٹ کے ذریعہ جانے والے
عازمین حج کے انتخاب کے لئے ایک قرعہ اندازی کا
انعقاد ۳۱ اکتوبر کو بمبئی میں انجمن اسلام کے اکبر
پیر بھائی ہال میں ہوا - قرعہ اندازی حج کمیٹی بمبئی کے
زیر انتظام عمل میں آئی۔

قرعہ اندازی کا افتتاح فرماتے ہوئے کیپٹن
شاہنواز خان، وزیر مملکت برائے زراعت و آبپاشی،
حکومت ہند نے فرمایا کہ حج کمیٹی بہت بڑی قومی اور
دینی خدمت میں مصروف ہے۔

انھوں نے مزید فرمایا کہ اب چونکہ محکمۂ اوقاف
ان کے سپرد کیا گیا ہے اس لئے وہ کوشش کرینگے
کہ حج کمیٹی حاجیوں کی جو خدمت کر رہی ہے اس میں
وہ بھی اپنا تعاون اور مدد پیش کریں۔

حج کمیٹی کے ذریعہ "حج ہاؤس" کی تعمیر کا ذکر کرتے
ہوئے موصوف نے فرمایا کہ ان کی تمام نیک خواہشات
اور دلی دعائیں حج کمیٹی کے ساتھ ہیں - اس کے علاوہ

انھوں نے ہر ممکن تعاون دینے کا وعدہ کیا۔
اس سے قبل حج کمیٹی کے چیرمین شری احمد زکریا نے وزیر موصوف کا استقبال کیا۔
شری ممتاز علی خان، رکن اتر پردیش اسمبلی و نائب چیرمین حج کمیٹی نے شکریہ ادا کیا۔

ساحلی جہازرانی کے لئے مزید جہازوں کا حصول

کمیٹی کا تقرر

شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر عمارات و مواصلات کی زیر صدارت ۲۹ر اکتوبر کو سچیوالیہ میں منعقدہ ایک بیٹھک میں چار اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو کہ کوکن ساحلی مسافر بردار اسٹیمر خدمات میں بہتری کے لئے مزید دو جہاز حاصل کرنے کے سوال پر غور کرے گی۔

کمیٹی میں شری جے۔ جے۔ سگی، مینیجنگ ڈائرکٹر مغل لائنز لمیٹیڈ (چیرمین)، چیف پورٹ آفیسر اور شری آر۔ وی۔ بیلوسے، ایم۔ ایل۔ اے (ممبران) اور شری ایم۔ ایس۔ دادرکر، ڈپٹی منیجر، مغل لائنز لمیٹیڈ (سکریٹری) شامل ہیں۔ یہ کمیٹی اپنی رپورٹ دو ماہ کے اندر پیش کردے گی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری انتولے نے امید ظاہر کی کہ مزید جہازوں کی آمد سے ساحلی جہاز رانی میں کافی بہتری پیدا ہوگی۔

شری جی۔ ایس۔ سرنائک، وزیر مملکت برائے عمارات و مواصلات نیز کوکن سے تعلق رکھنے والے ایم۔ ایل۔ اے اور ایم۔ ایل۔ سی حضرات نے بھی بیٹھک میں شرکت کی۔

چھترپتی شیواجی مہاراج کی تصویر

۵ر نومبر سے فروخت شروع

کلا یوگی شری جی۔ کامبلے کی بنائی ہوئی چھترپتی شیواجی مہاراج کی قلمی تصویر کی نقول ۵ر نومبر سے گورنمنٹ بک ڈپو، واقع بمبئی، پونہ، ناگپور اور اورنگ آباد میں برائے فروخت حاصل ہو سکیں گی۔

تصاویر کے نرخ یہ ہیں:

بڑی سائز یعنی ۵۱ سینٹی میٹر x ۷۶ سینٹی میٹر ۱۱٫۲۵ روپے بذریعہ ڈاک اور ۸٫۷۵ روپے کاؤنٹر پر اور چھوٹی سائز یعنی ۳۸ سینٹی میٹر x ۵۱ سینٹی میٹر ڈاک سے ۵٫۸۰ روپے اور کاؤنٹر پر ۳٫۲۹ روپے اس قیمت میں سیلز ٹیکس، پیکنگ، پوسٹیج وغیرہ شامل ہیں۔

عوام کو صحیح صحت خدمات کی تعلیم دو

— شری جنگ

مہاراشٹر کے گورنر شری علی یاور جنگ نے یکم نومبر کو دھولے میں مہاراشٹر اسٹیٹ میڈیکل کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے بہتر صحت خدمات کی تعلیم دے کر عوام کی انسانی قوت کو بڑھانے پر زور دیا۔

گورنر نے فرمایا کہ ڈاکٹر اور ان کی انجمنیں عوام کو تربیت دینے میں مناسب کردار ادا کر سکتی ہیں جس سے قومی ترقی کے ذرائع میں اضافہ کرنے میں مدد ملے گی۔

شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے جلسہ کی صدارت کی۔

ڈاکٹر ونمالا شاہ نے مہانوں کا استقبال کیا اور ڈاکٹر ڈی۔ ایم۔ بیار نے شکریہ ادا کیا۔

قیمت حکمنامہ کی تشہیر

جوار، ناگلی شامل

مہاراشٹر شیڈیولڈ آرٹیکلز (قیمت کی تشہیر) (تیسری ترمیم) حکمنامہ بابت ۱۹۷۴ء حکومت مہاراشٹر کے ۲۳ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کے غیر معمولی گزٹ کے حصہ چہارم (اے) میں شائع ہو گیا ہے۔ اس حکمنامہ میں جوار اور ناگلی کو بھی شامل کردیا گیا ہے۔

بیگم اختر

وزیر اعظم کا خراج عقیدت

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ملکۂ غزل بیگم اختر کو جن کا ۳۰ر اکتوبر کو احمد آباد میں انتقال ہو گیا، درج ذیل خراج عقیدت پیش کیا ہے:

"بیگم اختر کی وفات کے ساتھ ایک دور ختم ہو گیا۔ اُن کی بے نظیر اور وجد آفریں آواز جو بھی سنتا تھا، اس پر سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اُن کے گانے کا انداز بالکل انوکھا تھا۔ وہ غزلیں اور دیگر ہلکے پھلکے کلاسیکی گانے کچھ اس طرح گاتی تھیں کہ الفاظ میں ایک نیا آہنگ اور معنویت پیدا ہو جاتی تھی۔ ان کے گانے کے انداز سے سنگیت کے شیدائیوں کی دو نسلیں محظوظ ہوئی ہیں۔ ان کے گانے کا اسلوب عوام کو مسحور کر دیتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ فن موسیقی میں کلاسیکی اقدار کے ماننے والے اُستاد بھی ان کے فن کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انھیں اپنے فن سے اتنی ہی عقیدت تھی جتنی کہ اپنے سامعین سے۔ ان کی وفات سے موسیقی کی دنیا میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کو پُر کرنا مشکل ہے۔"

خصوصی ملازمت پروگرام کے تحت ریجنل مشاورتی کمیٹیاں

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے پانچ علاقوں یعنی مغربی مہاراشٹر، مراٹھواڑہ، ودربھ، کوکن اور بمبئی عظمیٰ کیلئے تعلیمیافتہ بیروزگاروں کے خصوصی روزگار پروگرام کے تحت پانچ ریجنل مشاورتی کمیٹیاں تشکیل دی ہیں۔ کمیٹی میں ڈویژن کے قائد بنک، ڈویژن کی ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور ریاستی حکومت کے نمائندے شامل ہوں گے۔ ●●

شرح پر نظرِ ثانی

ی ہدایت کے بموجب مستقل منظور
ند یونانی اسپتالوں اور تعلیمی اداروں
ن کے منظور شدہ اخراجات کے ۵٪
سے یا پھر نقصان کی حد تک ان
م بھی کم ہوگی، دیا جائے گا۔

ر پارہ کی آلودگی
، وضاحت

ے لوگوں کو انسٹی ٹیوٹ آف
س تحقیق پر پریشان ہونے کی
مچھلیاں پارے کے اثرات سے
ملئے کہ عام استعمال میں آنے والی
ظ ہیں جتنی کہ دوسری غذائی چیزیں
اراشٹر انسدادِ آلودگیٔ آب بورڈ کی
گئی ہے۔ ڈاکٹر بی۔ سی۔ ہلدار،
آف سائنس، بمبئی نے پریس
کرتے ہوئے جو تقریر کی تھی اس
ے میں یہ شبہات پیدا ہوگئے تھے
رڈ نے سمندری پانی میں پارہ کی
شروع کردی ہے اور اس سلسلے
ں کو سمندری پانی میں بہانے
، دینے کے سلسلے میں کچھ پابندیاں

عائد کردی ہیں۔

اتوار کو موبائل (چلتی پھرتی) پوسٹ آفسیں بند رہا کریں گی

بمبئی، پونے اور ناگپور میں یکم نومبر ۱۹۷۴ء سے اتوار کو اب موبائل پوسٹ آفسیں بند رہا کریں گی۔ یہ پوسٹ آفسیں تین قومی دنوں پر یعنی یوم جمہوریہ (۲۶ جنوری)، یوم آزادی (۱۵ اگست) اور گاندھی جینتی (۲ اکتوبر) کو بھی بند رہا کرینگی۔

ہوٹل ملازمین کیلئے کم سے کم اُجرت رائے کی ضرورت

حکومتِ مہاراشٹر کی جانب سے مقرر کی ہوئی کمیٹی کی جانب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کی طرف سے رائے، مشورہ وغیرہ مطلوب کئے گئے ہیں تاکہ رہائشی ہوٹلوں، ریستورانوں اور طعام خانوں میں کام کرنے والے ملازمین کی کم سے کم اُجرت پر نظرِ ثانی کی جاسکے۔

تمام خط و کتابت اس پتہ پر کی جانی چاہئے:
شری پی۔ ایس۔ نیرودکر،
اسسٹنٹ کمشنر آف لیبر، ۷ واں مالہ کامرس
سینٹر، تاردیو، بمبئی ۴۰۰۰۳۴

مہاویر نروان اُتسو کے لئے عطیات

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع بھر کے تمام کلکٹروں اور بھگوان مہاویر کی نروان کی ۲۵۰۰ ویں سالگرہ منانے کیلئے قائم کی گئی ریاست بھر اور ضلع بھر کی کمیٹیوں کے ممبران کو ہدایت دی ہے کہ نروان اُتسو منانے کے لئے عوام کی جانب سے جو عطیات وغیرہ حاصل ہوں، انھیں ٹھیک ٹھیک رجسٹر میں لکھا جائے۔ حکومت کی ہدایت یہ بھی ہے کہ ایسے غیر منظور شدہ اشخاص جو عطیات وغیرہ عوام سے بدنیتی کے ساتھ وصول کریں گے ان سے قانون کی روسے سختی سے نپٹا جانا چاہیے۔

ادیواسیوں کی مدد کی جائے حکومت کی اپیل

حکومتِ مہاراشٹر اس بات کی خواہش مند ہے کہ تمام سماجی اور سیاسی ورکر جو کہ ادیواسیوں کے مسائل کو حل کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں اس بات کا خیال رکھیں کہ ادیواسیوں کو ضروری امداد میسّر ہو جائے اور کلکٹر کو زمین کی واپسی کے بارے میں درخواست لکھنے میں مدد کریں۔ اگر ان ورکروں کو کسی غیر قانونی لین دین کی بابت کچھ معلومات مل جائے تو انھیں کلکٹر کے علم میں یہ بات لانا چاہئے۔ کلکٹر اس سلسلے میں تحقیقات کرے گا۔ اس طرح کی معلومات حاصل کرنے کے لئے ہر تحصیل اور ذیلی ڈیویژن آفسوں میں "ادیواسی سیل" قائم کیا گیا ہے۔ "ادیواسی سیل" ہر غیر قانونی زمین کے لین دین پر نظر رکھے گا اور ادیواسیوں کو زمین کی واپسی پر فوراً توجہ دے گا۔ جولائی ۱۹۷۴ء میں حکومت نے غیر۔ادیواسیوں کے پنجوں سے ادیواسیوں کی زمینوں کو چھڑانے کے لئے ایک آرڈی ننس جاری کیا تھا۔ اب یہ آرڈی ننس مہاراشٹر ایکٹ نمبر XXXV آف ۱۹۷۴ء میں بدل دیا گیا ہے۔

زرعی پیداوار کیلئے کابینہ کمیٹی

حکومتِ مہاراشٹر نے زرعی پیداوار کے لئے ایک

کابینہ کمیٹی وزیر اعلیٰ کی چیرمین شپ میں قائم کی ہے تاکہ ریاست کی زرعی پیداوار کے پروگرام پر عملدرآمد شروع ہوجائے اور زرعی پیداوار سے منسلک ایجنسیوں سے روابط قائم ہو جائیں۔

وزراء برائے آب پاشی، زراعت، مالیات، صنعت، امدادِ باہمی، محصولات اور وزرائے ریاست برائے دیہی ترقی، امدادِ باہمی وزراعت اس کمیٹی کے ممبران ہیں۔ حکومت نے سیکریٹریوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی ہے تاکہ وہ مشوروں کی جانچ پڑتال کریں اور کابینہ کمیٹی کے روبرو پیش کریں۔

خاندانی منصوبہ بندی
اچھے کام پر انعامات

۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء اور دسمبر ۱۹۷۲ء سے مارچ ۱۹۷۳ء تک کی نس بندی مہم میں بے نظیر کام کرنے پر پانچ اداروں اور ان اداروں کے ۲۰ چنے ہوئے ممبروں کو انعامات دیئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر ایم۔این۔ دیسائی کمشنر، بمبئی ڈویژن نے یہ انعامات سیموالیہ میں ۲۸ر اکتوبر کو منعقد کی گئی تقریب میں تقسیم کئے۔

چندراپور میں ایس۔ٹی۔ آفس کا افتتاح

۱۷ر اکتوبر کو جناب آر۔ جے۔ دیوتلے، وزیرِ ریاست برائے اسٹیٹ ٹرانسپورٹ نے ایس۔ٹی۔ سی۔ کی چندراپور میں ڈویژن آفس کا افتتاح کیا اور عوام سے گذارش کی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعاون دیں۔ انھوں نے ملازمین کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے کردار اور برتاؤ سے عوام کا بھروسہ حاصل کریں۔

نئے گوٹھانوں میں کھلواڑی کی گنجائش

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ مختلف منصوبوں سے متأثر ہونے والے اشخاص کے لئے گاہنے کا فرش (کھلواڑی) نئے گوٹھانوں میں دیا جائے گا۔ مہاراشٹر ریونیو کوڈ ۱۹۶۶ء کی دفعہ ۲۲ کی رو سے ان گاہنے کے فرشوں کو مہیا کیا جائے گا بشرطیکہ پرانے گاؤں میں واقع ایسی کھلواڑیاں آب پاشی، بجلی یا اسی طرح کے دوسرے منصوبوں کے تحت حکومت کی تحویل میں آگئی ہوں۔

عوام کو اچھے ماحول سے روشناس کرائیے
—— ڈاکٹر زکریا

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقی وصحتِ عامہ نے ۲۲ر اکتوبر کو بمبئی میں سماجی انجمنوں اور اسکولوں کے انتظامیہ سے فرمایا کہ وہ عوام کو بہتر ماحول کا پیغام دیں کیونکہ اس کا اثر ان کی زندگی، رہن سہن اور خیالات کے بہتری کی جانب موڑنے پر بڑا ہی خوشگوار پڑتا ہے وزیر موصوف انڈین مرچنٹس چیمبرس کے ذریعہ منعقدہ ایک سمپوزیم "بہتر ماحول" کا افتتاح کررہے تھے ڈاکٹر زکریا نے فرمایا کہ ریاستی حکومت ماحول کی مشکلات سے پوری طرح واقف ہے اور اس کے لئے مختلف قسم کے اقدامات کررہی ہے تاکہ فضائی آلودگی سے نجات حاصل ہوسکے۔ انھوں نے اعلان کیا کہ حکومت ایک قانون تیار کرنے پر غور کررہی ہے جو کہ درخت لگانے اور ان کا تحفظ کرنے نیز اس مقصد کے لئے بڑے شہروں میں ایک بااختیار عہدیدار مقرر کرنے کے لئے ہوگا۔

موٹر گاڑیوں کے ذریعہ فضائی آلودگی کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ ریاستی حکومت بسوں کے ذریعہ سفر کی حوصلہ افزائی کرے گی اور چھوٹی موٹروں اور گاڑیوں کے ذریعہ سفر کی بمبئی کے گنجان علاقوں میں حوصلہ افزائی نہیں کرے گی۔

وزیر موصوف نے اس سمپوزیم کے انعقاد کے لئے انڈین مرچنٹس چیمبر کو مبارکباد دی۔

ڈاکٹر زکریا نے "ہمارے ماحول کو بچاؤ" نامی نمائش کا بھی افتتاح کیا اور اس موقع پر ایک کتابچہ کی رسم اجراء بھی ادا کی۔ شری گنیش لوڈار، صدر انڈین مرچنٹس چیمبر نے وزیر کا استقبال کیا۔

دفتر کا پتہ

بسمت نگر میں ہونے والے فسادات اور اورنگ آباد میں ہونے والی فائرنگ کیلئے تحقیقاتی کمیشن کے دفتر کا پتہ یہ ہے: کمرہ ۲، ہائیکورٹ انیکس، بائیں بازو، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

متعلقہ لوگوں کو خط وکتابت متذکرہ پتہ پر ہی کرنا چاہیئے۔

ٹاؤن پلاننگ اسکیم برائے دھولیہ،
مدت میں توسیع

حکومتِ مہاراشٹر نے دھولیہ میونسپل کانسل کی جانب سے آخری طور پر منظور شدہ ٹاؤن پلاننگ اسکیم برائے دھولیہ نمبر ۲ میں، فراہم کردہ کاموں کو مکمل کرنے کی مدت میں یکم نومبر ۱۹۷۶ء سے دس سال کی توسیع کردی ہے وہ بھی خصوصی تنبیہہ کے ساتھ کہ اگر میونسپل کانسل اس عرصہ میں سارے کام مکمل نہیں کرے گی تو مزید توسیع نہیں کی جائے گی اور باقی کام کو پورا کرنے کیلئے میونسپل کانسل کے صرفہ پر ایک عہدیدار کا تقرر کیا جائے گا۔

ڈسپنسری کے ملازمین کیلئے کم ازکم اُجرت
کمیٹی رائے طلب کرتی ہے

حکومتِ مہاراشٹر کی جانب سے بمبئی ضلع میں واقع ڈسپنسریوں کے ملازمین کے سلسلہ میں کم ازکم اُجرت مقرر کرنے کیلئے جو کمیٹی مقرر کی گئی ہے وہ متعلقہ افراد سے ان کے خیالات، تجاویز، مشورے اور اعتراضات وغیرہ طلب کرتی ہے جو کہ مندرجہ ذیل سات باتوں پر منحصر ہوں:

(۱) مختلف درجوں کے ملازمین کی کس حد تک شرح اُجرت مقرر کی جائے؟ (۲) کیا عدد اشاریہ کم ازکم اُجرت کو منسلک کرنا مناسب ہے؟ (۳) موجودہ حالات ملازمت (۴) ملازمین کو فی الحال کیا سہولتیں بطور یونیفارم، مکان، طبی امداد وغیرہ

حاصل ہیں ؟ (۵) ملازمین کی درجہ بندی کے سلسلہ میں مشورے (۶) اس ملازمت میں ملازمین کی حالت ملازمت کیلئے طے والے ایوارڈز، فیصلے، معاہدے وغیرہ کی نقول (۷) رائے، خیالات، تجاویز اگر کوئی متعلقہ مضمون کے سلسلے میں ہو۔

یہ سب چیزیں شری پی۔ ایس۔ نیرڈرکر، اسسٹنٹ کمشنر آف لیبر، ساتویں منزل، کامرس سینٹر، تاردیو، بمبئی ۴۰۰۰۳۴ کے پتہ پر بھیجی جائیں۔

لاٹری کے مسخ شدہ ٹکٹ قبول نہ کئے جائینگے ایک وضاحت

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر ریاستی لاٹری قوانین بابت سنہ ۱۹۷۲ء میں ایک ترمیم کے ذریعہ اس امر کی وضاحت کردی ہے کہ کسی انعام کیلئے پھٹے یا مسخ شدہ ٹکٹ تسلیم نہ کئے جائیں گے۔ چنانچہ مہاراشٹر ریاستی لاٹری کا کوئی ایسا ٹکٹ جو پھٹا ہو یا مسخ شدہ ہو یا کسی طریقے سے خراب کردیا گیا ہو اور جسے انعام جیتنے والا ٹکٹ قرار دیا گیا ہے، انعام کے لئے جائز ٹکٹ قرار نہ دیا جائے گا۔

ترمیمی قوانین یعنی مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری (چوتھی ترمیم) قوانین، بابت سنہ ۱۹۷۴ء حکومت مہاراشٹر کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۷ اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء کے حصہ ملا میں شائع کر دئے گئے ہیں۔

کے۔جی۔ اور جونیئر اسکول ٹیچرز سرٹیفکیٹ کورس : ایک وضاحت

حکومت مہاراشٹر یہ وضاحت کرتی ہے کہ آئندہ تعلیمی سال سے مہاراشٹر کنڈر گارٹن اور جونیئر اسکولز ٹیچرز سرٹیفکیٹ امتحان ختم نہیں کئے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں اصل حقیقت یہ ہے کہ حکومت مہاراشٹر نے پرانے مہاراشٹر کنڈر گارٹن اور جونیئر ٹیچرز سرٹیفکیٹ کورس کے سلسلہ میں نیا نصاب اپنایا ہے جس کے تحت اب متذکرہ امتحان کا نام تبدیل کرکے "ٹرینڈ ٹیچرز سرٹیفکیٹ اکزامینیشن فار اینگلو انڈین اسکولز" کردیا ہے۔

بہرحال اوّل الذکر امتحان دوبارہ یا سہ بارہ دینے والوں کے لئے صرف دسمبر سنہ ۱۹۷۵ء تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد یہ امتحان ختم کردیا جائیگا

نئے دودھ کارڈوں کا اجراء

چونکہ بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم کے تحت دودھ کی فراہمی میں مزید بہتری پیدا ہوئی ہے اس لئے دسمبر سنہ ۱۹۷۲ء تک جو درخواست کنندہ فہرستِ انتظار میں تھے اُن سب کو دودھ کارڈ دئے جاچکے ہیں۔ اگر اب بھی کوئی رہ گیا ہو تو اس سے گذارش ہے کہ وہ ورلی ڈیری سے جاری کردہ اطلاع نامہ پیش کر کے اپنا دودھ کارڈ حاصل کرلے۔

جنوری سے مارچ سنہ ۱۹۷۳ء کے دوران درخواست دینے والے جو کہ عام فہرستِ انتظار میں تھے، ان کو بھی اطلاع نامہ جاری کیا جارہا ہے۔ بہرحال جنکو اطلاع نامہ اور رسید مل چکی ہے ان سے گذارش ہے کہ وہ کسی بھی کام کے دن صبح دس بجے سے دوپہر دو بجے کے درمیان ورلی ڈیری سے اپنا کارڈ حاصل کرلیں۔

گیسٹ کنٹرول اور غذا پابندی حکمنامہ مدّت میں توسیع

حکومتِ مہاراشٹر نے مہاراشٹر گیسٹ کنٹرول حکمنامہ بابت سنہ ۱۹۷۲ء میں یکم نومبر سنہ ۱۹۷۴ء سے ۳۰ اپریل سنہ ۱۹۷۵ء تک چھ ماہ کے لئے، توسیع کردی ہے۔

دودھ اور دودھ سے تیار کردہ اشیاء جو کہ اب تک حکمنامہ کے تحت چھوٹ والے درجہ میں نہیں آتی تھیں اب ان کو چھوٹ دے دی گئی ہے۔

حکمنامے کے موجودہ گنجائش کے تحت ممنوعہ غذا شادی کے موقع پر سو افراد اور دوسرے مواقع پر ۲۵ افراد کو کھلائی جاسکتی تھی، اس تعداد میں میزبان کے خاندان کے افراد اور ویٹر وغیرہ سب شامل تھے۔ اب حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ میزبان کے خاندان کے افراد یعنی جو ایک ہی مکان میں اس کے تحت رہتے ہوں اور رشتہ دار یا دوسرے افراد اور نوکر جو کہ عام طور پر ایسے میزبان کے ساتھ ہی رہتے ہوں ان کو متذکرہ تعداد سے الگ کر دیا جائے۔

اگر دعوت میزبان کے گھر کے علاوہ کسی جگہ یا ہوٹل میں منعقد ہو تو ویٹر یا دوسرے افراد جو اشیاء بانٹ رہے ہوں لیکن خود کھا نہ رہے ہوں، اُنکو بھی متذکرہ تعداد کے باہر رکھا گیا ہے۔

مہاراشٹر فوڈ (طعام خانوں کے ذریعہ فراہمی) پابندی بابت سنہ ۱۹۷۳ء میں بھی متذکرہ چھ ماہ کی مدت کے لئے توسیع کردی گئی ہے۔

جنگلاتی خلاف ورزیوں کا پتہ لگانے کیلئے گرام پنچایتوں کو زائد انعام

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ جس گرام پنچایت کے حلقۂ اختیار میں ایک جنگلاتی خلاف ورزی کا پتہ گرام پنچایت، پنچایت سمیتی، ضلع پریشد کے ممبران کی فراہم کردہ اطلاع یا مدد سے چلتا ہے اس کو متبادل رقم یا اس کی فروخت سے وصول ہونے والی رقم، جو بھی زیادہ ہو، کا ۵۰ فیصدی دیا جائے گا شروع میں یہ حکم ایک سال کے لئے نافذ رہے گا۔

حکومت کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ ایسے معاملوں میں جو رقم بطور انعام دی جاتی ہے وہ بہت کم ہوتی ہے۔ اس لئے اراکین کی جانب سے مدد یا اطلاع فراہم کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں دکھائی جاتی۔ اسی لئے انعام کی رقم میں اضافہ کیا گیا۔

ناگلی کاشتکاروں کو مزید رقم

ناگلی (رنچانی یا ملگی) خریداری کی اسکیم برائے

۱۹۷۴ء سے تحت کاشتکاروں کو قیمت خرید کے علاوہ فی کوئنٹل دو روپیہ زراعتی ترقیاتی بونس کے طور پر ادا کیا جائے گا اور مزید چار روپے فی کوئنٹل چنگی، بوروں، نقل و حمل، مال چڑھانے اور اُتارنے اور دوسرے اصراف کے لئے، جبکہ وہ سرکاری خریداری مرکز تک اسٹاک لے کر آئیں گے، ادا کئے جائیں گے۔

۱۹۷۴-۷۵ء کی فصل کے دوران حکومت لازمی ناگلی خریداری نہیں کرے گی۔ بہرحال اگر کاشتکار خود سے حکومت کے پانچ اضلاع کے گوداموں واقع تھانہ، کولابہ، رتناگیری، ناسک اور دھولیہ پر مقررہ قیمتِ فروخت پر لائیں گے تو ان کو حکومت خریدے گی۔ ناگلی کی خرید و فروخت، نقل و حمل نیز ریاست کے اندر یا باہر برآمد یا درآمد پر بھی کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

اس فصل کے دوران حکومت ناگلی بغیر بورے کے ۷۴ روپے فی کوئنٹل خریدے گی۔ یہ قیمت ناگلی کی اوسط مناسب قسم کے لئے ہوگی۔ اس سے کم درجہ کا اسٹاک اسی حساب سے کم قیمت پر خریدا جائے گا۔

مراٹھواڑہ کے طلبہ کی فیس میں رعایت

مراٹھواڑہ میں معاشی طور پر پسماندہ طبقات کے ضرورتمند طالب علم کو جو مارچ ۱۹۷۵ء کے ایس۔ ایس۔ سی۔ امتحان میں شرکت کرے گا، بڑھی ہوئی فیس داخل کرنے کے لئے وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ سے زیادہ سے زیادہ چار روپے ملیں گے۔

یہ معاشی طور پر پسماندہ طالب علم وہ ہوں گے جو کہ نئے نصاب کے ساتھ مارچ ۱۹۷۵ء کے ایس۔ ایس۔ سی۔ امتحان میں شرکت کریں گے اور جن کو جاریہ تعلیمی سال کے دوران ای۔ بی۔ سی کی رعایت حاصل تھی اور وہ بھی جن کو اسکولوں کے سربراہوں کی سفارش پر ایسی رعایت مل سکتی ہو۔ ایسے طلبہ کو اپنے اسکول کے سربراہوں سے اس ضمن میں سرٹیفکیٹ لاکر پیش کرنا ہوگا۔

متعلقہ صرفہ وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ سے اورنگ آباد ڈیویژنل بورڈ برائے ثانوی تعلیم کو ادا کیا جائے گا۔

۱۹۷۵ء میں سرکاری تعطیلات

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست مہاراشٹر میں قوانین ۱۸۸۱ء کے تحت ۱۹۷۵ء کے دوران حسب ذیل عام تعطیلات کا اعلان کیا ہے:

تعطیل	دن	تاریخ	
محرم	جمعہ	۲۴ر جنوری	۴ر ماگھ ۱۸۹۶
عید میلاد	بدھ	۲۶ر مارچ	۵ر چیتر ۱۸۹۷
ہولی (دوسرا دن)	جمعہ	۲۸ر مارچ	۷ر چیتر ۱۸۹۷
گڈ فرائی ڈے	"	"	"
گوڈی پڑوا	سنیچر	۱۲ر اپریل	۲۲ر چیتر ۱۸۹۷
مہاویر جینتی	بدھ	۲۳ر اپریل	۳ر ویشاکھ ۱۸۹۷
مہاراشٹر ڈے	جمعرات	یکم مئی	۱۱ر ویشاکھ ۱۸۹۷
یوم آزادی	جمعہ	۱۵ر اگست	۲۴ر شراون ۱۸۹۷
پارسی نیا سال دن (شہنشاہی)	جمعرات	۲۸ر اگست	۶ر بھادر ۱۸۹۷
گنیش چترتھی	پیر	۸ر ستمبر	۱۷ر بھادر ۱۸۹۷
رمضان عید (عید الفطر) ...	منگل	۷ر اکتوبر	۱۵ر اشون ۱۸۹۷
دسہرہ	منگل	۱۴ر اکتوبر	۲۲ر اشون ۱۸۹۷
دیوالی (اماوس)	پیر	۳ر نومبر	۱۲ر کارتک ۱۸۹۷
دیوالی (پالی پڑوا پاڑوا) ...	منگل	۴ر نومبر	۱۳ر کارتک ۱۸۹۷
کرسمس	جمعرات	۲۵ر دسمبر	۴ر پوس ۱۸۹۷

چونکہ یوم جمہوریہ (۲۶ر جنوری)، بدھ جینتی (۲۵ر مئی) اور بقرعید (۱۴ر دسمبر) اتوار کے دن پڑتی ہے اس لئے اس دن عام تعطیل کا اعلان نہیں کیا گیا ہے۔

ھول دودھ کی فراہمی

بھینس کا ہول دودھ سات فیصدی چکنائی اور نو فیصدی ایس۔ این۔ ایف کے ساتھ تین روپے بیس پیسے فی لیٹر (ایک روپیہ ۶۰ پیسہ فی بوتل) کے نرخ سے اتوار کی دوپہر سے تمام پورے وقت کے مراکز پر فروخت کیا جائے گا۔

اس دودھ کی بوتل کا ڈھکن گہرے سرخ رنگ کا ہوگا اور بغیر کارڈ کے دستیاب ہوگا۔

اس قسم کے دودھ کے لئے جزوقتی مراکز بھی اپنی ضرورت کا دودھ لے سکتے ہیں۔ نجی مراکز کو بھی ان کے موجودہ کوٹے کے علاوہ پیشگی دام ادا کرکے یہ دودھ فراہم کیا جا سکتا ہے۔

جشنِ "نروان" میں حکومت کا عطیہ

حکومتِ مہاراشٹر نے بھگوان مہاویر کے نروان کی ۲۵۰۰ سالہ سالگرہ کے جشن کے موقع پر ریاست کی جانب سے ۴۰،۰۰۰ روپے عطا کئے ہیں۔

معدوم ہوتے ہوئے جنگلی چرند و پرند کا تحفّظ کیجئے!

وزیر اعلیٰ کی اپیل

وزیر اعلیٰ شری دی۔ پی۔ نائیک نے ہمارے جنگلات کے وحوش کو، جو تیزی سے معدوم ہو رہے ہیں، بچانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

یکم تا ۷ دسمبر ۱۹۷۴ء تک منائے جانے والے اُنیسویں "وَن پرانی سپتاہ" کے موقع پر شری نائیک نے کہا ہے:

"رنگ برنگے پرندے اور جانور ہمارا بیش قیمت قومی ورثہ ہیں اور وہ ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ ہم اُن کے محافظ ہیں اور یہ تحفظ محض ان کی خاطر نہیں بلکہ ہمارے بھی مفاد میں ہے۔"

وزیر اعلیٰ کی اپیل کا متن حسب ذیل ہے:

"ٹیکنالوجی کے موجودہ دور میں اِنسان اپنے فطری گرد و پیش کو نظر انداز کرنے لگا ہے اور ایک خالص مصنوعی دنیا تعمیر کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اِس طرح اُس نے فطرت سے انسان کو منسلک کرنے والا رشتہ توڑ دیا ہے اور اپنے سارے ماحول کی یکسانیت مجروح کر دی ہے۔ اس حقیقت سے آنکھیں موند کر کہ وہ طبیعیاتی ڈھانچے کا ایک جزو ہے، اُس نے فطرت اور اُس کے محدود ذرائع کا غلط استعمال اور از حد استحصال کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں فطرت کا نازک توازن بگاڑ دیا ہے جس سے نہ صرف اُسکی زندگی کا معیار بلکہ اُس کی بقاء خطرے میں پڑ گئی ہے۔

"رنگ برنگے پرندے اور جانور ہمارا بیش قیمت قومی ورثہ ہیں اور وہ ہماری محبت اور توجہ کے مستحق ہیں۔ ہم نہ صرف اُن کی خاطر بلکہ خود اپنے مفاد میں اُن کے تحفّظ کے ذمّہ دار ہیں۔ فطرت کا توازن۔ حیاتیات کا بھی اور نباتات کا بھی۔ ہماری طبعی اور اقتصادی بہبود کے لیے بے حد اہم ہے۔ اِنسان کو وہ شے تباہ کرنے کا کوئی اخلاقی حق حاصل نہیں جو اُس نے پیدا نہیں کی۔ ہمارے پرندوں اور جانوروں کی بعض نسلوں کو خطرہ بالعموم بڑے پیمانے پر شکار اور ان کی پناہ گاہوں پر پیہم غاصبانہ قبضہ سے ہے۔ اپنے سب سے شاندار جانور شیر کی مثال ہمارے سامنے ہے جو تیزی سے مفقود ہو رہا ہے۔ جب پودوں اور جانوروں کے درمیان باہمی تعلق کا پیچیدہ تانا بانا توڑ دیا جائے اور وہ پناہ گاہیں جہاں ان کا اِرتقاء ہوا، نمایاں طور پر تبدیل کر دی جائیں تو وہ ان تبدیلیوں سے خود کو ہم آہنگ نہیں کر سکتے اور بالآخر فنا ہو جاتے ہیں اور ایک بار گمشدہ نسل ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے۔

"جنگل کی زندگی متعدد۔ اخلاقی، جمالیاتی، سائنسی اور اقتصادی اقدار پیش کرتی ہے۔ لہٰذا اس بات کی کئی وجوہات ہیں کہ ہم اپنے اس ورثہ کا تحفظ کریں لیکن آخری تجزیہ میں اس کا تحفظ صرف ہمارے دِلوں کے ذریعہ ہو سکے گا۔ ہمارے خوبصورت پرندے اور جانور صرف اسی صورت میں بچائے جا سکتے ہیں جب ہم اُن سے محبت کریں۔

لہٰذا آئیے ہم ایک بار پھر عہد کریں کہ تیزی سے گم ہوتے ہوئے جنگلی چرند و پرند کا زور و شور سے تحفظ کریں گے۔"

قومی راج

جلد : ۱ یکم دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء شمارہ : ۲۱

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے سالانہ : ۱۰ روپے

زیرنگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲...۴۰۰

فہرست

جنگل کی دنیا سے متعلق خصوصی شمارہ

سخنہائے گفتنی

جنگلات صرف اپنے قدرتی وسائل اور حُسن کی بناء پر ہی نہیں بلکہ زندگی کی اُن مختلف شکلوں اور پہلوؤں کے باعث بھی، جو وہ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں، تہذیب اور معیشت کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہوتے ہیں۔ انواع واقسام کے پرندے اور جانور جہاں ماحول کو حسین تر بناتے ہیں وہیں یہ زندگی کی بوقلمونی کے بھی ترجمان ہوتے ہیں درحقیقت جنگلات بذاتِ خود ایک علیحدہ دنیا ہوتے ہیں جو انسان کے شوقِ علم اور تجسس کے لئے ایک دبستان کا کام انجام دیتے ہیں۔

چونکہ ان خوش الحان اور خوش رنگ طیور نیز وحشی جانوروں کی نسل محدود ہے اور انسان کا قدیم شوق شکار ہمیشہ ان کی تعداد میں کمی کا باعث بنا رہا ہے اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان کمیاب مخلوقات کو نایاب ہونے سے بچایا جائے۔ ویسے بھی اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے انسان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے کمتر مخلوقات کا تحفظ کرے۔

یہ کام کافی وسیع اور دقت طلب ہے اسلئے فطری طور پر اسے نہ صرف قومی بلکہ بین الاقوامی سطح پر انجام دیا جانا ضروری تھا۔ چنانچہ عالمی اور ملکی سطح پر اس سلسلے میں کافی کام ہورہا ہے۔ اس سعی میں ریاستِ مہاراشٹر بھی پیچھے نہیں ہے۔ زیرنظر شمارہ میں آپ کو جنگلات کی دنیا اور وہاں کی زندگی کے تحفظ کے بارے میں ان مساعی کی جھلکیاں نظر آئیں گی۔

اِمسال گرونانک کی ۵۰۵ ویں اور مہاویر نروان کی ۲۵۰۰ ویں سالگرہ پر "قومی راج" ان دونوں عظیم شخصیتوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔

خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف اِنفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا :

مولانا ابوالکلام آزاد

ندوستان کے قدماءِ فن نے موسیقی اور رقص
ص قسم ایسی قرار دی ہے جس کی نسبت اُن کا
کہ صحرائی جانوروں کو بے خود کرکے رام کرنے
صیت کے ساتھ مؤثر ہے۔ اکبر کے زمانہ میں
گانے کی یہ قسم شکار قمرغہ کے سروسامان میں
ئی اور اس کے طائفے باکمالانِ فن کی نگرانی میں
ئے گئے۔ آنندرام مخلص نے مراۃ المصطلحات
طریق شکار کی بعض دلچسپ تفصیلات لکھی
ہ لکھتا ہے کہ جب شکارِ قمرغہ کا اہتمام کیا
تو یہ طائفے شکارگاہ میں بھیج دئے جاتے
ر رقص وسرود شروع کردیتے تھے۔ تھوڑی
بعد آہستہ آہستہ چاروں طرف سے ہرن سر
لگتے اور پھر رقص وسرود کی محویت
بالکل طائفے کے قریب پہنچا دیتی۔ جہانگیر
مرتبہ شکار قمرغہ کا قصد کیا اور اسی رقص
کا جال بچھایا۔ جب ہرنوں کے غول ہر
سے نکل کر سامنے آکھڑے ہوئے تو نورجہاں
پر بے اختیار امیر خسرو کا یہ شعر طاری
ہوگیا:

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بہ اُمید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد!

یہ شعر سُن کر جہانگیر کی غیرتِ مردی نے گوارا نہ کیا کہ شکار کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ دل گرفتہ واپس آگیا۔

یہ خیال کہ جانور گانے سے متأثر ہوتے ہیں، دنیا کی تمام قوموں کی قدیم روایتوں میں پایا جاتا ہے۔ تورات میں ہے کہ حضرت داؤد کی نغمہ سرائی پرندوں کو بے خود کردیتی تھی۔ یونانی روایات میں بھی ایک سے زیادہ اشخاص کی نسبت ایسا ہی عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے قدماء فن نے تو اسے ایک مسلّمہ حقیقت مان کر اپنی بے شمار عملیات کی بنیادیں اسی عقیدہ پر استوار کی تھیں۔ سانپ، گھوڑے اور اونٹ کا تأثر عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ حُدی کی لے اگر تیز ہو جاتی ہے تو محمل کی تیز رفتاری بھی رک جاتی ہے۔

حُدی را تیز تر میخواں چوں محمل را گراں بینی

البیرونی نے کتاب الہند میں راگ کے ذریعہ شکار کرنے کے طریقوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ خود اپنا مشاہدہ نقل کرتا ہے کہ شکاری نے ہرن کو ہاتھ سے پکڑ لیا تھا اور ہرن میں بھاگنے کی قوت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ ہندوؤں کا یہ قول بھی نقل کرتا ہے کہ اگر ایک شخص اس کام میں پوری طرح ماہر ہو تو اُسے ہاتھ بڑھا کر پکڑنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئے۔ وہ صید کو جس طرف لے جانا چاہے صرف اپنے راگ کے زور سے لگائے لے جائے۔ پھر لکھتا ہے: جانوروں کی اس محویت و تسخیر کو عوام تعویذ اور گنڈے کا اثر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ محض گانے کی تاثیر ہے۔ پھر ایک دوسرے مقام میں جہاں جزیرہ سرندیپ کا ذکر کیا
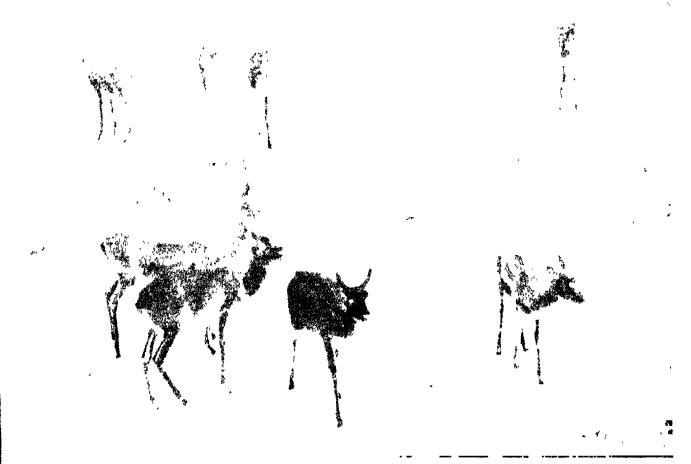
ع به امب آں کہ روری بشکار حواہی آمد
(لیکن لائسنس بغیر ان کا شکار نہیں کیا جا سکتا !)

ہے۔ لکھتا ہے : یہاں بندر بہت ہیں ۔ ہندوؤں میں مشہور ہے کہ اگر کوئی مسافر ان کے غول میں پھنس جائے اور رامائن کے وہ اشعار جو ہنومان کی مدح میں لکھے گئے ہیں پڑھنے لگے تو بندر اُس کے مطیع ہو جائیں گے اور اُسے کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔ پھر کہتا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کی تہہ میں بھی وہی گانے کی تاثیر کام کرتی ہوگی ۔ یعنی رامائن کے اشعار کے مطالب کا یہ اثر نہ ہوگا، اشعار کی لے اور نغمہ سرائی کی تاثیر ہوگی ۔ پہلی تصریح غالباً اس باب میں ہے جو فی ذکر علوم لهم کاسرة الاجنحة علی افق الجهل" کے عنوان سے ہے اور دوسری تصریح اس کے بعد کے باب میں ملے گی جو " فی معارف شتی من بلادهم و انهادهم " کے عنوان سے لکھا ہے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ زمانۂ حال کا علم الحیوان اس خیال کی واقعیت تسلیم نہیں کرتا اور تاثرات کے مشاہدات کو دوسری علّتوں پر محمول کرتا ہے ۔ سانپ کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں سرے سے سماعت کا حاسہ ہی نہیں ہے ۔

(غبارِ خاطر)

پرندوں سے متعلق کتاب کا اجراء

برصغیر ہندوپاک کے پرندوں کے متعلق چڑیوں کے ماہرین آر کے۔ پلم علی اور ایس ڈھلون رپلے کی لکھی ہوئی کتاب کی دسویں اور آخری جلد کا اجراء ۱۶ رنومبر کو وزیر اعظم نے کیا۔

اس خطہ کے تقریباً دوسو رنگ برنگے پرندوں کی رنگین تصویروں سے مزین اس کتاب میں ان کی ظاہری شکل، عادات اور رہنے کی جگہ کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں ۔ وزیر اعظم نے بچوں کے اندر چڑیوں کے متعلق شوق پیدا کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ نصابی کتابوں اور آل انڈیا ریڈیو کے بچوں کے پروگرام میں چڑیوں کے متعلق معلومات فراہم کی جانی چاہئیں ۔

ببر شیر — قومی عظمت، بہادری وجلال کا نشان

ہندوستان کے قومی ورثوں میں ببر شیر بڑی اہمیت وعظمت کا حامل ہے۔ ببر شیر کے علاوہ دوسرے قومی ورثوں میں "قومی ترانہ" "قومی جھنڈا" اور "قومی پرندہ" شمار کئے جا سکتے ہیں۔ اور اب قومی وملکی نشانوں میں ببر شیر کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ ببر شیر "جنگل کا بادشاہ" کہلاتا ہے اور اب قومی جانور بن چکا ہے۔ دلیری و بہادری میں اس کا جواب نہیں۔ ہندوستان کے مشہور جنگلی جانوروں میں اس کا درجہ بہت عظیم ہے۔

ببر شیر بڑی شان وشوکت کا جانور ہے۔ چڑیا گھروں کی شان، جنگل کی شان، ہماری تہذیب کی شان اور اب ہماری قوم کی شان بن گیا ہے۔ ببر شیر کا نشان بہادری وعظمت کا نشان ہے۔ اجنتا کی تصویروں اور ایلورا کی گپھاؤں میں ببر شیر کے مجسمے آپ آج بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ایسے شاہکار ہماری تہذیب اور فن کے عکاس ہیں۔

اشوک اعظم نے ببر شیر کی مورتی کو اپنے دور کا ایک ممتاز نشان قرار دیا۔ اس کے زمانے کی بنائی ہوئی لاٹ ویسالی (بہار) میں آج بھی یادگار کے طور پر کھڑی ہے۔ لاٹ کی چوٹی پر ببر شیر کا مجسمہ ہے جس کی اہمیت آج کے زمانے میں کئی گنا بڑھ گئی ہے کیونکہ نئے ہندوستان نے ایسی ہی ایک مورتی (جو سارناتھ میں نصب ہے) کو قومی نشان قرار دیا ہے۔ ببر شیر کی چار منہ والی آبی تصویر آپ نے حکومت ہند کے ہر فرمان پر، ہر کرنسی نوٹ پر اور ہر سرکاری اعزاز پر لگی ضرور دیکھی ہوگی۔ اس سے ببر شیر کی عظمت واضح ہو جاتی ہے۔

ببر شیر کو انگریزی زبان میں لائن اور ہندوستانی زبان میں کیسری کہتے ہیں۔ نسل کے اعتبار سے ببر شیر دراصل بلی کے خاندان سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلی کو 'شیر کی خالہ یا موسی' کہتے ہیں۔ بلی خاندان میں ببر شیر، شیر، چیتا، تیندوا سے لے کر بلی تک کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ بلی خاندان کے ان سب جانوروں کا سر گول، پنجے تیز اور دانت نوکیلے ہوتے ہیں۔ چلنے پھرنے میں یہ بڑے چوکس، پھرتیلے اور تیز ہوتے ہیں۔ جب چلتے ہیں تو ان کے نوکیلے پنجوں سے نہ تو کوئی آہٹ پیدا ہوتی ہے اور نہ گونج۔ ان کے پنجے کھردرے بھی نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کا جسم بھاری بھرکم بھی ہو تو ان کے چلنے پھرنے سے کوئی آواز پیدا نہیں ہوتی۔ بلی خاندان کے سب جانور اپنے اگلے پنجوں کے بل چلتے ہیں۔ دوسرے ان کے چلنے کا ڈھنگ بھی کچھ ایسا ہے کہ ان سے کوئی آہٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔ ایسے جانوروں کی چال کتوں اور ہرنوں سے بہت مختلف ہوتی ہے۔

ہندوستان کے کئی علاقوں میں چھوٹے بچے ببر شیر کو "بہت بڑی بلی" بھی کہتے ہیں۔ بلی موسی کی ایک کہانی بڑی مشہور ہے۔ کہتے ہیں شروع شروع میں ببر شیر نے شکار کرنے اور پھرتی کے سب داؤ پیچ اپنی موسی بلی سے ہی سیکھے۔ ایک دن ایک ببر شیر شکار کرنے کے لئے نکلا۔ ببر شیر بار بار اپنے شکار پر باقاعدہ جھپٹا مارتا، لیکن شکار ہر بار پھرتی سے آگے نکل جاتا اور ببر شیر کا وار بے کار کر دیتا۔ جب ببر شیر بار بار شکار پر جھپٹا مارتا رہا تو شکار پھرتی سے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ ببر شیر درخت پر چڑھنا نہیں جانتا تھا، چنانچہ وہ بلی موسی کے پاس پہنچا اور اس سے درخواست کی کہ وہ ببر شیر کو درخت پر چڑھنے کا گر سکھائے۔ ببر شیر کو ایسا گر سیکھنے سے یہ فائدہ ہو سکتا تھا کہ وہ مصیبت کے وقت اپنی جان بچانے کے لئے درخت پر چڑھ سکتا تھا۔ کہتے ہیں بلی موسی نے ببر شیر کو یہ کہہ کر ٹرخا دیا "آخر تمہیں سب داؤ تو نہیں سکھانے ہیں!" یہی وجہ ہے کہ ببر شیر عام طور پر درخت پر چڑھنا نہیں جانتا

ببر شیر کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ حال ہی

اندرجیت لال

میں انگلستان، فرانس اور جرمنی میں کھدائی کرنے سے یہ راز کھلا ہے کہ ایک زمانے میں ببر شیر یورپ میں بھی پایا جاتا تھا اور عراق، عرب، ایران اور فلسطین کے علاقوں میں تو اس کے نشانات ملتے ہیں ہی۔ ایک سو سال قبل افریقہ میں ببر شیر کی بڑی تعداد پائی جاتی تھی۔ آج کل ان کی تعداد دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود ان کی ایک خاصی تعداد افریقہ میں آج بھی موجود ہے جو جنوبی افریقہ کے علاقوں میں آباد ہے۔

ایک ماہر کے خیال کے مطابق ایک زمانے میں ہندوستان میں ببر شیر نام کو بھی نہ تھا۔ جب یورپی ببر شیروں نے عراق اور افریقہ کے ملکوں کی طرف ہجرت کی تو ایک قافلہ بلوچستان، ایران اور افغانستان سے گذرتا ہوا شمال مغربی ہند میں آ پہنچا۔ اس قافلے کو سندھ، پنجاب، مدھیہ پردیش، راجستھان اور گجرات کے علاقے کی آب و ہوا اور جنگلات راس آگئے اور ببر شیروں کا قافلہ یہیں آباد ہو گیا۔ یہ قافلہ نربدا ندی کو پار کر کے آسام و بنگال کے جنگلوں تک نہیں پہنچ سکا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں پردیشوں میں ببر شیر بالکل نہیں پائے جاتے۔ ببر شیر نے سکندر اعظم کی فوجوں کو جب وہ ہندوستان سے واپس جا رہی تھیں، بڑا ہراساں و پریشان کیا۔

ایک زمانے سے ببر شیر مغربی ہندوستان اور شمالی ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔ مگر پچھلی صدی میں ایک دن اس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ آج یہ حالت ہے کہ ببر شیر صرف گجرات (کاٹھیاواڑ) کے علاقے، جسے گیر کے جنگلات بھی کہتے ہیں، کا بادشاہ ہے۔ ابھی چند سال پہلے ان کی تعداد تین سو تک تھی جو اب گھٹتے گھٹتے ایک سو ستر رہ گئی ہے۔

گیر جنگل سطح سمندر سے چار سو فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ جنگل پانچ سو مربع میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ ان جنگلوں میں

ببر شیر : گیر کے جنگل میں
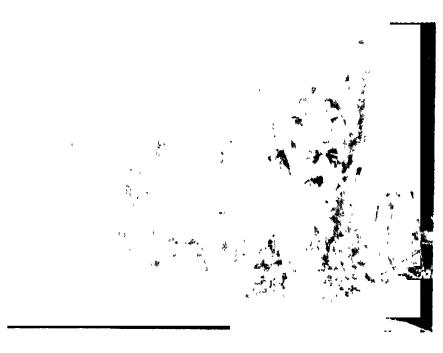
کافی گرمی پڑتی ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے سیاح لوگ بمبئی سے کیشوڈ ہوائی جہاز کے ذریعہ صرف ڈیڑھ گھنٹے میں پہنچ جاتے ہیں۔ کیشوڈ ہوائی اڈے سے چالیس میل بذریعہ سڑک سفر کر کے گیر جنگل تک پہنچتے ہیں۔ سسن کے مقام پر ایک آرام دہ ریسٹ ہاؤس بنا ہوا ہے جہاں سیاح گیر جنگل میں ببر شیروں کے نظارہ کے لئے قیام کرتے ہیں۔

ببر شیر گیر جنگل کا بادشاہ ہے۔ اس کی شکل سے بڑا رُعب اور جلال ٹپکتا ہے۔ اسے دوسرے جانوروں کے ساتھ جنگل میں گھومتا یا بیٹھا ہوا دیکھیں تو اس کے لقب کے قائل ہو جائیں گے۔ یہ تو مشہور ہے ہی کہ جب اپنا بادشاہ چننے کی کانفرنس ہوئی تب سب جانوروں نے ببر شیر کو بادشاہ بنانے پر اتفاق کیا!

گیر جنگل کا علاقہ بڑا خوبصورت ہے جس میں اوسط درجے کی عمارتی لکڑی اور ساگوان کے درخت ملتے ہیں۔ دیہاتی لوگ بھینسیں، بکری، بھیڑ پالتے ہیں۔ گیر میں آباد لوگوں کو "مال دھاری" کہتے ہیں۔ گیر جنگل کا ببر شیر گائے، نیل گائے، بیل، ہرن اور سؤر کا شکار کرتا ہے۔ یا دیہاتیوں کے مال مویشیوں پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔ کسی زمانے میں جب نواب جوناگڑھ کا راج تھا تو نواب مال دھاریوں کو ان کے مویشیوں کے نقصان پر کچھ معقول معاوضہ بھی دیا کرتا تھا۔ ایک بار لارڈ کرزن نے نواب کے اصرار پر ببر شیر کے شکار پر پوری پابندی لگا دی تھی۔

گیر جنگل میں ببر شیر کی حفاظت کا امکان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اسے "قومی جانور" قرار دے کر سارے ملک نے اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ گجرات کے ایک علاقے کو ببر شیروں کے لئے پناہ گاہ میں بدل دیا گیا ہے۔ اندازہ ہے کہ پناہ گاہ کے قیام سے ببر شیروں کی تعداد نئے سرے سے بڑھ جائے گی۔ اگر موجودہ ببر شیروں اور ببر شیرنیوں کو موافق آب و ہوا اور حفاظت کا ماحول ملتا رہا تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی نسل بڑھ سکتی ہے۔

شکار کا سامان تو گیر کے جنگل میں خوب موجود ہے ہی مثلاً غزال، چارسینگوں والا ہرن، نیل گائے اور جنگلی سوّر۔ یہ سب جانور ببر شیر کے من بھاتے شکار ہیں۔

گیر کے پانچ سو مربع میل کے رقبے میں سے پچاس مربع میل کے علاقے کو ببر شیروں کی پناہ گاہ کے لئے وقف رکھا گیا ہے۔ باقی ساڑھے چارسو مربع میل کے علاقے میں انسانی آبادی میں ببر شیر بھی آباد ہیں۔ گجرات سرکار اس معاملے پر غور کر رہی ہے کہ مال دھاریوں اور ببر شیروں کو ایک ساتھ آباد کرنے کے کس طرح امکان بڑھائے جائیں۔ یہ ایک بڑا مسئلہ ہے کیونکہ انسان تو سرد گرم اور مرطوب ہر طرح کی آب و ہوا میں زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ببر شیر کو قدرتی ہریالی کی بڑی ضرورت ہے جو گیر کے جنگلوں میں بخوبی پائی جاتی ہے۔

ویسے گیر کے ببر شیر مقامی مال دھاریوں کے ساتھ بڑے بھروسے کے ساتھ آباد ہیں۔ سستاتے یا سوتے ہوئے ببر شیر کے قریب سے مال دھاری گذر جاتے ہیں۔ سننے میں یہ بڑا عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ بالکل سچ ہے۔ گیر کے جنگلوں میں کئی بار شکاری کو ببر شیر نے صاف بچ جانے کا موقع دیا۔ اس کے برعکس افریقہ کے جنگلوں میں ببر شیر کے پاس پھٹکنے کی کوئی انسان جرأت نہیں کر سکتا۔ نہ جانے یہ جنگلی جانور کس لمحہ حملہ کر کے صفایا کر دے۔ چنانچہ وہاں کے شکاری موٹر سے اُتر کر اور ببر شیر کے جنگل میں پہنچ کر اپنے آپ کو امتحان میں نہیں ڈالتے۔ اگر وہ اُترتے بھی ہیں تو محفوظ مقام یعنی چٹان وغیرہ پر۔

گیر جنگل کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے حصّوں میں ببر شیر نام کو بھی نہیں ملتا۔ چنانچہ آج سے لگ بھگ پندرہ برس پہلے وائلڈ لائف بورڈ نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ ببر شیر شمالی ہندوستان میں بھی آباد کئے جائیں تاکہ ان کی نسل بڑھ سکے۔ اس خیال سے اُتر پردیش سرکار نے چندر پربھا نام کی ایک پناہ گاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہ پناہ گاہ بنارس کے پاس واقع ہے۔ شروع شروع میں اس پناہ گاہ میں ایک ببر شیر اور دو ببر شیرنیاں دسمبر ۱۹۵۷ء میں آباد کی گئیں۔ ایک ببر شیرنی نے ایک بچّے کو جنم دیا جسے بدقسمتی سے کسی شکاری نے مار ڈالا۔ دوسری ببر شیرنی نے ۱۹۶۰ء میں دو بچوں کو جنم دیا اور جنگلوں سے پار ہوتے ہوئے بہار کے جنگلوں تک جا پہنچی۔ پھر ایک دن یو۔پی کے اسی جنگل میں لوٹ آئی جہاں سے چلی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ اب صرف ایک بچّہ تھا۔ ادھر پہلی ببر شیرنی نے ۱۹۶۱ء میں ایک اور بچے کو جنم دیا اور دوسری نے ۱۹۶۲ء میں مزید دو بچوں کو۔ تازہ اطلاع کے مطابق چندر پربھا کی پناہ گاہ میں ببر شیروں کی تعداد آجکل سات تک پہنچ چکی ہے۔

کیا ببر شیر پالتو جانور بھی ہو سکتا ہے؟ آپ نے کئی بار اس کا جواب سوچا ہوگا۔ اور سرکس اور چڑیا گھروں میں تو ببر شیر ہم سب نے دیکھے ہی ہیں۔ وہاں انھیں سدھا کر کئی طرح کے تماشے اور کرتب سکھائے جاتے ہیں، جن سے تماشائی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سرکس میں سدھائے ہوئے ببر شیر کے کھیل کو دیکھ کر ہر آدمی اس کے متعلق رائے بدل لے گا۔ جانوروں کی دیکھ بھال کرنے والے ماہرین کا خیال ہے کہ ببر شیر کو بھی دوسرے پالتو جانوروں مثلاً بلی، طوطے، کتے اور بکری کی طرح پالا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اگر ببر شیر کو سدھا کر دوسرے جانوروں کی طرح پالا جائے تو ببر شیر پالتو جانوروں کی طرح انسان کا دوست بن سکتا ہے اور بے ضرر ثابت ہو سکتا ہے انسان اور ببر شیر کی دوستی کی کئی دلچسپ مثالیں موجود ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے لوگوں میں اب ایک نیا شوق پیدا ہو رہا ہے۔ وہاں کے لوگ اب ببر شیر، شیر، چیتے، بھیڑیئے وغیرہ اس طرح اپنے گھروں میں پالتے ہیں جیسے ہمارے یہاں طوطا مینا، بکریاں اور مرغیاں پالی جاتی ہیں۔ امریکہ کے شہر 'نیوجرسی' کے ایک دوکاندار نے اپنے شوق کی انتہا کر دی۔ وہ ببر شیر کے ایک بچّے کو جس کی عمر سات مہینے ہے، ہر وقت پنجرے میں بند اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ وہ اس کو تمام دن اپنی دوکان پر رکھتا ہے اور شام کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں۔ گھر کے اندر یہ ببر شیر بالکل پالتو کتے کی طرح آزاد پھرتا رہتا ہے۔

امریکہ میں ایک شوقین نے ہالی وُڈ سے صرف پچاس میل کے فاصلے پر لگ بھگ ۲۶ ایکڑ کے رقبہ میں ایک ایسا جنگل بنا رکھا ہے جسے اس نے پیار سے "امریکہ کا افریقہ" نام دے رکھا ہے۔ اس جنگل میں چھ سو خونخوار درندے آزاد گھومتے پھرتے ہیں جن میں اجگر، چیتا، شیر، ببر شیر، ریچھ، گینڈا، ہاتھی، زیبرا، جنگلی بھینسا، بن مانس، جنگلی گھوڑا، قابلِ ذکر ہیں۔ دنیا بھر کے درندے بھی وہاں جمع ہیں اور سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ سب جانور اکٹھے کھلے میدان میں بیٹھے یا گھومتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے۔

ببر شیر کا شکار شروع ہی سے شاہی شکار مانا جاتا ہے۔ مغل بادشاہوں کے لئے یہ ایک محبوب شغل تھا۔ بادشاہ اور شہزادے ببر شیر کا شکار کیا کرتے تھے۔ اُن دنوں دلّی ہندوستان کی راجدھانی تھی۔ خوش قسمتی سے ان دنوں ببر شیر اور تو اور دہلی کے آس پاس کے علاقے میں بھی پایا جاتا تھا۔ شکار کا شوق انگریزی راج میں بھی رہا۔ (باقی صفحہ ۴۴ پر)

گرونا . .

ذہن میں اُبھرا ہے اک ایسا ہی پاکیزہ خیال
درسِ روحانی کے اک باب میں دیکھا احوال
جسم فانی ہی سہی پھر بھی حقیقت یہ ہے
روحِ پاکیزہ کا پائندہ ہی رہتا ہے مآل

آدمی حُسنِ تدبّر کی لگن کے باعث
اپنے پندار سے دُنیا میں جلاتا ہے چراغ
جبکہ ہوتا ہے کبھی سود و زیاں سے بالا
نیک تر عزم و عمل سے اُسے ملتا ہے فراغ

آب و گِل اور ہوا آتشِ جولاں، تسلیم
جسم کی ساخت کے فطرت نے تراشے ساماں
فرق کردار سے ہوتا ہے بشر کا ظاہر
یوں تو بُنیادی عناصر ہیں ہر اک میں یکساں

موجزن سینے میں رکھتا ہو حقیقی پندار
وہ ہے اک راہنما، عقل و فراست کا امیں
اس کو کہتے ہیں بجا راہِ طریقت کا خضر
جس کو کچھ خوفِ زیاں اصل میں ہوتا ہی نہیں

زندگی ایسے ہی نانک کی جہاں میں گذری
ساری قومیں جسے دیتی ہیں محبت کا خراج
پھیلتی جاتی ہے ہر سمت گُروؔ کی تعلیم
اس نے اخلاق و محبّت سے سنوارا ہے سماج

اس کی تعلیم نے کچھ ایسی ضیا بخشی ہے
مل گیا غیب سے جیسے ہمیں اک درسِ حیات
نگۂ شوق نے منزل کے نشاں بھی ڈھونڈے
جستجو پاتی ہے ایمان و اثر کی خیرات

راست گوئی کی سدا کی ہے گرو نے تلقین
نیک اعمال کی ترویج و اشاعت کے لئے
باخبر حق و صداقت سے کیا ہے سب کو
راہ پر اُس نے لگایا ہے اطاعت کے لئے

اُس کے روحانی تکلّم کی ادا کو سمجھو
اُس نے کثرت میں بھی وحدت کو سمویا آخر
دیر و کعبہ کی کشاکش سے سدا دور رہا
ایک تسبیح میں دانوں کو پرویا آخر

جب فنا کرتا ہے اِنسان خودی کا جذبہ
من و تو کی کوئی تفریق کہاں رہتی ہے
کُل میں جُز ہوتا ہے شامل یہی آتا ہے نظر
گر کے اک بوند سمندر میں رواں رہتی ہے

سیّد نظر برنی

ریاست مہاراشٹر کے جنگلات

"کائنات میں زندگی اتنی ہی قوت کی حامل ہوتی ہے جتنی کہ بجلی یا قوتِ ثقل میں ہوا کرتی ہے۔ زندگی کا وجود خود زندگی کی دستگیری کرتا ہے۔"

(ہنری بسٹن، ماہرِ حیوانات ونباتات)

قدرتی حسن سے بھری دنیا

جنگلات نے بنی نوعِ انسان کی ہمیشہ کئی طرح سے خاموش خدمت کی ہے۔ انہوں نے ہماری تہذیب اور ہمارے تمدّن کے مختلف اَدوار میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ تن پوشی کے لئے پتے، سخت دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ، کھانے کے لئے پھل، جلانے کیلئے لکڑی، رہن سہن کے لئے ستون اور شہتیریں، ندی نالوں کو پار کرنے کے لئے تختے اور کشتیاں، شکار کے لئے تیروکمان وغیرہ ابتداء سے جنگلات ہی کی دین رہے ہیں۔ ہماری رزمیہ نظموں میں بھی جنگلات کی سئے اور ئے نے عجیب عجیب گُل کھلائے اور جادو جگائے ہیں۔

تاہم یہ بات ہمارے لئے افسوسناک ہے کہ ہم نے جنگلات کو غلط سمجھا اور انھیں بے تحاشہ تباہ و برباد کیا۔ ہم نے ان میں بسی ہوئی مخلوق — رنگین طیور، خوش الحان پرندوں، وحشی جانوروں کو فنا کے گھاٹ اُتارا اور اس بات کا ذرا بھی خیال نہ رکھا کہ یہ بھی اپنے اپنے طور پر ہمارے وجود کے لئے کارآمد ہیں۔

تفکرات کو دور کرنے کے لئے اور حقیقی خوشی کی تلاش میں ہم نے ہمیشہ ایسے مقامات کا انتخاب کیا ہے جو جنگلات کے دامن میں ہوتے ہیں۔ اکتاہٹ اور پژمردگی میں انبساط کی روح دوڑانے کے لئے ہماری نظرِ انتخاب دشت و کہسار کو چنتی ہے۔ ضروری ہے کہ ہم جنگلات اور اُن میں موجود قدرت کی رنگینیوں اور مناظرِ فطرت کے ساتھ اپنی دلچسپیوں کو قائم رکھیں تاکہ ہمارے دِلوں میں جوش و ولولہ باقی رہے۔

جنگلات میں آباد ہماری زندگی کے لواحقات دھیرے دھیرے ختم ہوتے جارہے ہیں اور اگر ہم نے اُن کی نگہداشت میں غفلت برتی اور اُن کے بچاؤ کے لئے مناسب اقدامات نہیں کئے تو رفتہ رفتہ اُن کی تباہی یقینی ہے۔ جنگلات میں آباد زندگیوں نے نہ صرف اس قدرتی لگاؤ کو قائم رکھا ہے جو ہم ان کے ساتھ رکھتے ہیں بلکہ اُن کی خوبصورتی ایک قسم کی ناقابلِ بیان کشش اور دلکشی بھی رکھتی ہے۔ جنگلات میں میٹھے سُروں میں چہچہانے اور گانے والے پرندوں کے وجود سے ایک طرح کی غنائیت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ جنگلات اور جنگل کے وحوش وطیور کے تحفظ سے پُرفضا

● سلمٰی خاتون عبدالہادی

مقامات کی یہ رونق، امید ہے کہ باقی رہے گی
اور ہماری دلچسپی کا سامان فراہم کرتی رہے گی۔
ہریالی کے لمس سے ہم اپنے آپ میں ایک
طرح کی کپکپی محسوس کرتے ہیں۔ صبح سویرے جنگلات
میں پرندوں کے چہچہے دن کی آمد آمد کا اعلان
کرتے ہیں اور شام کے دھندلکے میں ان کے نغمے
اس کے اختتام کا اظہار۔ سکونِ قلب و دماغ کے
لئے ان ہریالی والی بستیوں سے بہتر کوئی مقام نہیں
جنگلات کی انہیں دوشیزگانہ اور اچھوتی خوبیوں
کے گن اکثر درویشوں اور جوگیوں نے اپنے اشعار
میں گائے ہیں۔ شعراء میں شاید ہی کوئی ایسا ہو
جو جنگلات کے جادو سے متأثر نہ ہوا ہو۔
شیکسپیئر نے "درختوں میں زبانیں" محسوس
کیں اور جنگلات کو اپنے خوبصورت ڈراموں کے
پس منظر کی حیثیت سے پیش کیا۔ ورڈس ورتھ،
تھورو، مویر، لیوپا ڈمر انگلستان میں ـــ
تکارام، رام داس وغیرہ قدیم ہندوستان میں ـــ
انیس، اکبر، اقبال وغیرہ نے ہندوستان کے قریبی
دور میں قدرت کی ان رعنائیوں کو سراہا ہے۔
جنگلات ایک زندۂ جاوید لائبریری، ایک وسیع
بیرونِ خانہ زندہ عجائب گھر ہیں جہاں انسان قدرت
کی بوقلمونیوں سے آشنا ہو سکتا ہے اور بنی نوع
انسان کی فلاح و بہبود کے لئے راستے نکال
سکتا ہے۔

جنگلی زندگی کے تحفظ کی ضرورت

ایک ناواقف شخص لفظ "بچاؤ" یا "تحفظ"
سے اکثر غلط اندازہ لگا لیتا ہے۔ اس لفظ کا
اطلاق صرف قدرتی دولت کی فراوانی پر ہی نہیں
ہوتا بلکہ ہیومیئر (Havemeyer) اور
دوسرے مفکروں کے مطابق، جنگلات کے تحفظ
کے معنی ہیں جنگلات کی "دیدہ و دانستہ بربادی"
سے بچاؤ کرنا تاکہ مستقبل کی نسلیں "الم ناک
ضرورت" کے لئے اپنا ہاتھ کٹا ہوا نہ پائیں۔

جنگلی زندگی کے تحفظ کا مطلب وسیع تر معنوں
میں یہ ہے کہ کسی علاقہ کے جنگلی جانوروں یا جنگلی
زندگی کو تلف ہونے سے بچایا جائے اور وہ
اس طرح کہ ہماری ضروریاتِ زندگی، زرعی پیداوار
وغیرہ پر کوئی بُرا اثر نہ ہوتا ہو۔
اس لحاظ سے سب سے پہلا قدم لامحالہ یہ
ہونا چاہئے کہ پرندوں یا جانوروں کے بسیروں
کو جنگلی زندگی کے لئے قائم رکھا جائے تاکہ انکی
نسلیں آگے بڑھیں اور اس طرح جنگلات کی
قدیم شان برقرار رہے۔
جنگلات کے قرب وجوار میں قومی پارکوں
کے لئے مناسب علاقوں کا انتخاب اس ضرورت
کی تکمیل کی طرف ایک اہم قدم ہو سکتا ہے۔ دستورِ
ہند کے مطابق نیشنل پارکوں اور وائلڈ لائف کی
حفاظت کی ذمہ داری ریاستی حکومت پر عائد ہوتی
ہے اور مرکزی حکومت "انڈین بورڈ فار وائلڈ
لائف" کے مشوروں پر عمل کرتے ہوئے رہنمائی کا
فرض انجام دیتی ہے۔
"انڈین بورڈ فار وائلڈ لائف" کی تجویز
کردہ تعریف کی رو سے وہ علاقے نیشنل پارک
کہلاتے ہیں جنہیں دستورِ ہند کے مطابق مناظرِ فطرت
اور قومی اہمیت کے قدرتی اور تاریخی مقامات کی
حیثیت سے محفوظ قرار دیا جائے تاکہ ان میں رہنے
والے جنگلی جانوروں کا تحفظ ہو سکے اور ساتھ ہی
وہ ایسی جگہوں پر آزادی سے رہ سکیں۔
جنگلی جانوروں کے تحفظ کے مقامات عام
طور پر ریاستی حکومت کے حکمنامہ یا گزٹ میں اعلان
کے ذریعہ متعین کئے جاتے ہیں۔ ایسے علاقوں کا
تعین بااختیار حکام کے حکمنامہ کے ذریعہ عمل میں
آتا ہے اور پھر ان علاقوں میں جنگلی جانوروں کا
مارنا، شکار کرنا، بندوق چلانا یا کسی نوع کے
پرندے یا جانور کا پکڑنا ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔
ایسے علاقوں کے احاطوں اور ان کی امتیازی
علامات کو ہر ممکن طریقے سے محفوظ اور اس
میں جاری کئے گئے احکام کو واجب العمل
جانا جاتا ہے۔
پارکوں وغیرہ کا خاص مقصد بیش
نباتات اور جانوروں کا تحفظ، ایسی جگہو
بے مثل رعنائیوں کا بچاؤ اور ترقی ہے۔
ترقیوں کی موجودہ رفتار دیکھ کر اب یہ
ہونے لگا ہے کہ اس قسم کے پارکوں وغیرہ
و تحفظ بنی نوعِ انسان کی جسمانی اور
کلفتوں کو سکون سے بدلنے کے لئے بہت
اچھا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔
ریاست مہاراشٹر مناظرِ فطرت کے
انواع واقسام کے درخت، پودوں اور خوشن
وخوش آواز پرندوں سے بھرپور ہے۔
جغرافیائی حالات، زمینی خصوصیات اور فا
کی بخششوں کی وجہ سے یہاں کے علاقے بہ
سے لدے ہوئے ہیں۔ جنگلات میں پود
مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں۔ صرف پھول
پودوں کی ۳۵۰۰ سے زیادہ قسمیں ہیں جن
سے ۱۲۰۰ پودے علیحدہ علیحدہ خصوصیات
حامل ہیں اور ۱۵۰ پودے یکساں قسم
پودوں پر مشتمل ہیں۔
ریاست کے جنگلات تقریباً ۴۴،۴۹
مربع کلومیٹر کے وسیع حلقے میں پھیلے ہو
جو پورے جغرافیائی رقبے کا ۱۸،۴ فیص
ان میں سے بیشتر جنگلات مغربی گھاٹ سے
سے شمال مشرق کی طرف قلابہ، تھانہ، ناسک
اضلاع میں ہیں۔ اسی طرح شمال میں کوہ ست
سے ملے ہوئے مقامات اور دھولیہ، جلگاؤں
اور امراؤتی کے اضلاع اور مشرقی میدانو
بھنڈارہ، ناگپور، وردھا، چاندپور اضلاع
جنگلات سے بھرے ہوئے ہیں۔

(۱) سدابہار جنگلات :

مغرب میں گرم پہاڑی علاقوں کے جنگلات

اس قسم کے جنگلات بہت کم علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ جنگلات خاص طور پر سہیادری کی بلندیوں پر اور مہابلیشور، ماتھیران، امبولی اور بھیما شنکر کے حصّوں میں ہیں۔ ان جنگلات میں پائے جانے والے درخت جامن، پسا، انجنی، ہرڈا لنکی وغیرہ ہیں۔

(۲) نصف سدابہار جنگلات :

مغربی ساحل کے نصف سدابہار جنگلات

یہ جنگلات کوہِ سہیادری اور سدابہار جنگلات کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ اس قسم کے جنگلات کثرتِ بارش والے علاقوں ۔ اجرا، کولہاپور، چاندگڑھ، کوئنا اور قلابہ ڈیویژن کے ایک حصّے میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں کنداں، ہرڈا، بی ہیڑا، جمیا وغیرہ درختوں کی بہتات ہے۔

(۳) مرطوب پت جھڑ والے جنگلات :

جنوبی ہند کے مرطوب پت جھڑ والے جنگلات

یہ جنگلات کوہِ سہیادری کے ڈھلوان پر اور ان علاقوں میں بھی واقع ہیں جہاں بارش کا اوسط ۱۵۰۰ سے ۲۰۰۰ مم تک ہے۔ یہ جنگلات قلابہ، رتناگری، تھانہ اور ناسک ضلعوں میں پائے جاتے ہیں۔ ودربھ کے چندرپور اور بھنڈارا ضلعوں کے بعض حصّوں میں بھی ایسے جنگلات ہیں۔ ان جنگلات میں پائی جانے والی لکڑیاں خاص طور پر شیشم وغیرہ ہیں۔

(۴) گرم خطّوں کے خشک پت جھڑ والے جنگلات :

جنوبی ہند کے گرم خشک پت جھڑ والے جنگلات

اس قسم کے جنگلات مرطوب پت جھڑ والے جنگلات سے نسبتاً کم ہیں۔ ان جنگلات میں پائے جانے والے درختوں کی اوسط اونچائی ۱۵ سے ۲۰ میٹر ہوتی ہے۔ یہ جنگلات چندرپور، ناگپور، ایوت محل، بھنڈارہ، میل گھاٹ اور یاول میں پائے جاتے ہیں۔

ساگوان، عین، سلائی، دھوڑا، ٹینڈو، بی جا، لینڈیا، کلّو، موہن مہوا کی خاص قسمیں ان جنگلات میں پائی جاتی ہیں۔

(۵) جنوب کے مرطوب کانٹے دار جنگلات :

ایسے جنگلات میں زیادہ تر ۶۶۹ میٹر اونچائی والے Acacia قسم کے درخت ہوتے ہیں جو پونا، احمدنگر، ستارا، دھولیہ، جلگاؤں اور شولاپور اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔

(۶) ساحلی علاقوں کے جنگلات :

یہ سدابہار جنگلات رتناگیری، قلابہ اور تھانہ اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔

ان جنگلات کے درخت بہار و شباب کے دور میں ایسے خوبصورت دِکھائی دیتے ہیں کہ ان کی سیر کرنے والے اشخاص ان کی دلکشی میں محو ہوکر رہ جاتے ہیں۔

جنگلات میں پھولوں کا موسم مارچ مہینے میں شروع ہوتا ہے۔

صرف جنگلات کی یہ دلفریب رنگینیاں ہی مہاراشٹر کے لئے مایۂ ناز نہیں ہیں بلکہ یہ ریاست اس لحاظ سے بھی خوش نصیب ہے کہ قدرت کی دوسری نوازشیں بھی یہاں ارزاں ہیں یعنی یہاں چیتا، تیندوا، ارنا بھینسا، سانبھر، چیتل، نیل گائے، غزال، ریچھ وغیرہ جیسے جانور بالعموم پائے جاتے ہیں۔ چیتوں کے لئے اگرچہ امراوتی میں میل گھاٹ کے جنگلات اور ایوت محل، ناگپور اور بھنڈارہ اضلاع کے جنگلات مشہور ہیں لیکن وہ چیتے جن سے چندرپور کے جنگلات بھرے پڑے ہیں، سب سے اچھی قسم کے چیتوں کی حیثیت سے ملک بھر میں مشہور ہیں۔ ارنا بھینسے ضلع کولہاپور کے رادھانگری علاقے میں نیز چندرپور، ضلع بھنڈارہ، ناگ زیرا اور ناگپور میں پنچ وادی کے جنگلات میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ میل گھاٹ کے جنگلات میں ارنا بھینسے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ سیاہ قسم کے ہرن (Black Buck) تقریباً معدوم ہیں لیکن پھر بھی ایوت محل، بیڑ، پربھنی، اضلاع کے چند حصوں میں اور ناگپور کے بعض علاقوں میں ان کی نسلیں پائی جاتی ہیں۔ جنگلی بھینسے چندرپور کے بھمراگڑھ علاقے میں دیکھے گئے ہیں۔

مہاراشٹر میں جانوروں کی بہ نسبت قسم قسم کے پرندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بلبل، شیاما، کوئل، لمبی دُم والے طوطے، اپنی اپنی میٹھی بولیوں کے لئے مشہور ہیں۔ لمبی ٹانگوں والے طوطے، مولا وغیرہ قسم کی چڑیاں (جن کی دُم ہلتی رہتی ہے) نیوگنی کا طاؤس، مکھی پکڑنے والے لمبی دُم کے پرندے، سورج مکھی پرندے، رام چڑیا، اور پول (جس کے پر سیاہ اور زرد ہوتے ہیں)، ہُدہُد، بلبل، ہوپود (رنگ برنگے پروں والا پرندہ جس کے سر پر کھڑی کلغی ہوتی ہے) اور مور (جو ہمارا قومی پرندہ ہے) اپنے شوخ رنگ اور خوش رنگ پروں کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ان پرندوں کا چہچہانا، پھدکنا اور ایک درخت سے دوسرے درخت پر اُڑ کر جانا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔

ریاست کے وہ علاقے اور اضلاع جہاں پرندے اور دوسرے جانور کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں، مندرجۂ ذیل ہیں :

بھنڈارا میں ناگزیرہ اور ناو ِیگاؤ، ناگپور میں پنچ وادی اور ناگلواڑی، وردھا میں بورگریٹ اور برہمن واڑی، چندرپور میں تاڈوبا، کولسہ، موہرلی، کنہرگاؤں، چپرالا، الاّپلی، سرونچا اور بھامرگڑھ، امراوتی میں میل گھاٹ، ناندیڑ اور

یوت محل میں کنوت ، جلگاؤں میں یاول اور دیچلا ، ناسک میں پیٹھ ، ہرہے اور ہرسل ، نانہ میں بوریلی ، تانسہ ، پرالی ، سریامل ، ھیسانی اور واشالہ ، کولابہ میں ماتھیران ، کرنالا ، ند ردہا ، پونا میں بھیما شنکر ، کھنڈالا اور لوناؤلہ ، دلہاپور میں رادھا نگری ، رتنا گری میں امبولی در رامپور۔

جنگلات کی خوبصورت صبح وشام

نیشنل پارک کے نواحی علاقوں میں پہنچنے کے بعد آدمی ایک عجیب طرح کا کیف و سرور محسوس کرتا ہے۔ لمحہ بھر کے لئے ان جنگلات کے قرب و جوار میں پہنچئے اور وہاں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں پھریئے ۔ آپ ان جگہوں کو کشش سے بھری ہوئی پائیں گے ۔ جنگلات کی صبح ، نسیم سحر کے فرحت بخش جھونکے ، ملائم مخملیں فرش ، پھیلی ہوئی بھینی بھینی خوشبو ، ہوا سے درختوں کا جھومنا ، پتوں کی سرگوشیاں ، میٹھے سروں میں پرندوں کے گانے آپ کی کلفتوں کو سکون سے بدل دیں گے ۔ آپ کے دل کے کنول کھل جائیں گے ۔ ان مقامات کی جاذبیت آپ کے پاؤں پکڑلے گی ۔ آپ وہاں سے ہٹنا گوارا نہ کریں گے ۔ وہ چند لمحات جو وہاں بسر ہونگے انھیں آپ زندگی کا ماحصل ، خوشیوں کا نچوڑ اور دُنیاوی راحت کے انمول لمحات سمجھیں گے۔

رامائن میں کہا گیا ہے :

" جنگلات میں جا
اور قدرت کی صنّاعی کے مرکزوں کو دیکھ
خاموش سایہ تیرے دل میں دھیمے دھیمے
سکون پیدا کرے گا'
اور میٹھی میٹھی بولیاں بولنے والے پکشی
تیرے کشور دل میں رام دُھن کے سیکڑوں
دریچے کھول دیں گے ۔"

صوفیوں کی خانقاہیں اور جوگیوں کے مٹھ عموماً آبادیوں سے دور ، پہاڑیوں کے دامن میں ، جنگلات کے سرے پر ہی ہوتے ہیں ، جہاں سے دور دراز بستیوں میں رہنے والوں کو صبر و سکون کی دولت ملتی رہی ہے ۔ ●●

اہلِ قلم حضرات

قلمی نام کے ساتھ اپنا وہ اصل نام بھی کھلے حروف میں انگریزی میں لکھیں جس پر معاوضہ کا چیک ڈرا کیا جاسکے یا منی آرڈر بھیجا جاسکے !
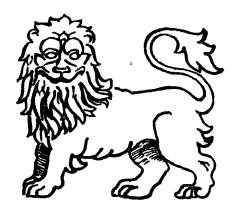
گیر کے جنگل میں جنگل کا راجا

جنگل کے راجا شیر کو تو اب صرف دو جگہوں پر ہی نزدیک سے دیکھا جا سکتا ہے ۔ ایک تو افریقہ کے بنوں میں اور دوسرے گجرات کے گیر جنگلات میں۔

گیر کے شیروں کی نسل ، یونان کے شیروں کی نسل سے ملتی ہے اور اسے افریقہ کے شیروں کا بھائی کہا جاتا ہے ۔ اس شیر کی لمبائی ۲۵۰ سے ۲۹۰ سینٹی میٹر ہوتی ہے اور یہ افریقی شیروں کی بہ نسبت کچھ ہلکا ہوتا ہے ۔ اس کے ۳۶ دانت ہوتے ہیں ۔ اس کا وزن ۲۰۰ سے ۲۵۰ کلوگرام ہوتا ہے ۔ ایک نر شیر چار سال کی عمر میں اور مادہ شیر ڈھائی سے تین سال کی عمر میں بالغ ہوجاتے ہیں اور بچے جننے لگتے ہیں ۔ شیرنی ایک وقت میں دو یا تین بچے دیتی ہے اور اس کے بعد دو ڈھائی سال تک ان کی پرورش کرتی رہتی ہے ۔ شیر اپنے شکار کی تلاش میں ایک رات میں ۳۰ ــ ۳۲ کلومیٹر تک چل لیتا ہے ۔

شیروں کی خاندانی زندگی ایک ہندو خاندان جیسی ہوتی ہے ۔ جب بھی کوئی شیر بڑا شکار لے کر واپس آتا ہے تو ایک مشترکہ ہندو گھرانے کی طرح ، کنبے کے سب افراد اُسے مل بانٹ کر کھا لیتے ہیں۔ کنبے کے بزرگ کی طرح شیر سب سے پہلے کھاتا ہے اور اس کے بعد اس کے بچے اور آخر میں شیرنی ؛ شکار کھاتے وقت ہر شیر اپنے خاندان کے دوسرے ممبروں کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور شیرنی سب سے آخر میں تھوڑا گوشت دوسرے چھوٹے جانوروں اور پرندوں کیلئے چھوڑ دیتی ہے ۔ شیر جنگل میں جسطرح کی زندگی گذارتے ہیں اُسے دیکھنے میں بڑا مزہ آتا ہے ۔

دعوت

سلام بن رزاق

اُس نے اپنے چھوٹے سے کمرے میں چاروں طرف ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ چست و درست تھی۔ دائیں کونے میں ٹیبل' پاس ہی گودریج کی کرسی' ٹیبل پر کڑھا ہوا میز پوش' دو تین فائلیں' چیس کا ایک جاسوسی ناول' قلمدان میں دو پین' ایک نیلی روشنائی کا اور دوسرا سُرخ روشنائی کا۔

بائیں طرف صوفہ سیٹ (جو اُس نے پچھلے سال کے بونس کی رقم سے چور بازار سے خریدا تھا) صوفے کے سامنے بڑی سی تپائی (پڑوس کے دامودر سے آج کے لئے مستعار لی ہوئی) 'تپائی پر ایش ٹرے' (صاحب سگریٹ پیتے ہیں نا۔) اور آج ہی خریدا ہوا اِلسٹریٹیڈ ویکلی کا تازہ پرچہ (صاحب اکثر ویکلی دیکھتے ہیں۔) تپائی کے دائیں بائیں دو بید کی کرسیاں۔ صوفے کے ٹھیک سامنے دیوار پر ایل۔آئی۔سی کا خوبصورت کیلنڈر جس میں میرا آنکھیں بند کئے اِک تارے کو چھیڑ رہی ہے اور فضا میں ستارے سے ٹوٹ رہے ہیں۔

کیلنڈر کے دائیں بائیں دو خوبصورت مناظر کی فریم کی ہوئی تصویریں۔ (سپان یا لائف یا اِسی قسم کے کسی میگزین سے تراشی ہوئی) کمرے کے دوسرے کونے میں ایک اسٹول پہ 'تین بندروں' کا علامتی ماڈل' جو شیشم کی لکڑی کا تراشا ہوا ہے' اور دور سے بڑا خوبصورت لگتا ہے۔ نزدیک جاکر غور سے دیکھیں تو بیچ والے بندر کی ایک انگلی ٹوٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر اتنے غور سے چیزوں کو کون دیکھتا ہے۔ (یہ ماڈل بھی چور بازار سے ہی صرف ساڑھے گیارہ روپے میں خریدا گیا تھا۔) ماڈل کے پاس ہی ایک کانچ کا گلدان ہے جس میں پلاسٹک کے نقلی گلاب کھلے ہوئے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ اُس نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور جیب سے رومال نکال کر پانچویں بار صوفے کو جھٹکا' تپائی کو پونچھا اور کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ "اوہو پونے چھ ہوگئے۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ کچن کی طرف دیکھا۔ دروازے پر پردہ جھول رہا تھا اور اندر سے برتنوں کی آواز آرہی تھی۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "اجی سُنتی ہو۔ پونے چھ ہوگئے۔ تم تیار ہوئیں یا نہیں؟" جب اندر سے کوئی جواب نہیں آیا اور برتنوں کی مسلسل کھٹر پٹر سُنائی دیتی رہی تب وہ مڑا اور دروازے کا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔ اُس کی بیوی اُلجھے بال اور پسینے سے تر چہرہ لئے پلیٹوں میں نمکین اور مٹھائیاں سجا رہی تھی۔

"ارے بھئی جلدی کرو۔ دیکھو پونے چھ ہو رہے ہیں۔ بس صاحب آتے ہی ہوں گے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ نئے صاحب وقت کے بڑے پابند ہیں۔"

"بس بس۔ رہنے دو۔ تمہارے سارے صاحب لوگ وقت کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ وہ پچھلے سال کے کلکرنی صاحب بھی تو وقت کے بڑے پابند تھے۔ ساتھ ہی اپنے وعدے کے بھی۔ پورے پچاس روپے کی پارٹی گٹک گئے اور ڈکار تک نہ لی۔ نہ کوئی اِنکریمنٹ' نہ کوئی پرموشن" بیوی جیسے برس پڑی۔

"شی' شی' دھیرے بولو' دھیرے بھاگیہ وان' وقت ہوگیا ہے۔ بس صاحب آتے ہی ہوں گے۔"

"ارے تو آنے دو' کیا میں تمہارے صاحب سے ڈرتی ہوں۔"

"نہیں بابا نہیں' تم کیوں کسی سے ڈرنے لگیں۔ تم تو ٹارزن کی بیٹی ہو۔"

"دیکھو جی میرا مذاق نہ اُڑاؤ۔ اور سُن لو۔ آئندہ سے یہ پارٹی وارٹی کا جھنجھٹ مجھ سے نہیں ہوگا۔ تمہیں اپنے صاحب لوگوں کو پارٹی دینی ہو تو ہوٹل ووٹل میں دے لینا۔" بیوی نے جیسے فیصلہ سُنا دیا۔

"ارے ناراض کیوں ہوتی ہو۔ تم سمجھتی نہیں۔ صاحب لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے کے یہی طریقے ہوتے ہیں۔ کیا تم نہیں چاہتیں کہ میری

ترقی ہو۔"

"ترقی کیوں نہیں چاہتی۔ مگر تم اب تک دسوں پارٹیاں دے چکے ہو، اور ہو وہی بابو کے بابو۔"

بیوی کا جملہ اسے اندر تک کاٹ گیا۔ اچانک اُس کا پارہ گرم ہوگیا۔ کمبخت یہ جاہل عورت بات کی نزاکت کو سمجھتی ہی نہیں۔ اُس نے تھوڑا لڑے لہجہ میں کہا۔

"بابو نہیں تو کیا کلکٹر ہو جاتا۔"

پھر دوسرے ہی لمحہ لہجے کو ذرا نرم کرتے ہوئے کہ اس وقت پتھر کے نیچے ہاتھ دبا تھا، بولا "دیکھو اب کھٹی میٹھی باتیں چھوڑو اور جلدی سے کپڑے بدل کر تیار ہو جاؤ۔ صاحب آنے ہی والے ہیں۔"

تبھی باہر سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ اور وہ اس طرح چونک پڑا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"دیکھا، آگئے نا صاحب! چلو جلدی سے کپڑے بدل لو۔"

وہ دروازے کی طرف لپکا۔ پھر ایک لمحے کے لئے رُک کر دبے لہجے میں بولا "اور ہاں ساڑی وہی بنارسی پہننا۔" اتنا کہہ کر وہ جلدی سے آگے بڑھ گیا اور دروازے کی چٹخنی گرادی۔ سامنے صاحب کی جگہ پڑوس کے شرما صاحب کا لڑکا موہن کھڑا تھا۔ موہن کو دیکھ کر اُس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ مگر حتی الامکان لہجے کو نرم بناتے ہوئے بولا۔ "کیا ہے؟"

"پتاجی نے آج کا اخبار مانگا ہے۔"

اُسے غصہ تو اتنا آیا کہ ایک تھپڑ کس کر اس بدتمیز لڑکے کے جڑ دے اور شرما کو جی بھر کر گالیاں دے مگر وہ صرف دانت پیس کر رہ گیا۔ وہ اخبار لاکر اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ موہن کے جاتے ہی اُس نے ایک زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر دیا۔

"کمبخت بڑی بڑی باتیں کریں گے مگر ایک اخبار تک نہیں خریدا جاتا۔ جس دیش کے لوگ اخبار تک مانگ کر پڑھتے ہوں وہ دیش بھلا کیا خاک ترقی کرے گا۔"

اُس نے پھر گھڑی کی طرف نظر ڈالی۔ چھ بجنے میں اب صرف دس منٹ باقی تھے۔ اُس نے بے چین نگاہوں سے باورچی خانے کی طرف دیکھا۔ وہ ایک دفعہ اور بیوی کو تیار ہو جانے کی تاکید کرنا چاہتا تھا، مگر صرف منھ کھول کر رہ گیا۔ کمبخت کہیں ناراض ہی نہ ہو جائے۔ ایسے موقعوں پر تو اُس کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ احمق کہیں کی۔ حالات کی ذرا سمجھ نہیں۔

ارے یہ سارے جھنجھٹ میں کیا صرف اپنے لئے کرتا ہوں۔ انہیں لوگوں کے لئے یہ پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اگر اِنکریمنٹ یا پرموشن مل گیا تو پھر دیکھنا مہارانی کیسی کیسی فرمائشیں کریں گی۔ نئی ساڑی چاہیے۔ منگل سوتر دوسرا بنوا دو۔ سینڈل پھٹ گئے ہیں۔ بچوں کے کپڑے بھی سلوانے ہیں۔ اب ذرا سا کام کرنا پڑ گیا ہے تو نخرے دکھا رہی ہے۔ بے وقوف کو کون سمجھائے کہ یہ پارٹی وارٹی تو بڑی مچھلی کو پھانسنے کے لئے چارہ ہے چارہ۔ اور پھر آج کل اس کے سوا راستہ بھی کیا ہے۔ سُنا ہے کہ پچھلے سال کلکرنی صاحب کو گپتا نے وھائٹ ہارس کی پارٹی دی تھی۔ پتہ نہیں اور کیا کیا دیا تھا۔ تبھی تو اُسے پرموشن مل گیا اور اب سُپروائزر بنا عیش کرتا پھر رہا ہے۔

یہ دعوت بخیر و خوبی ہو جائے تو میں بھی صاحب کو ایسی ہی کوئی پارٹی دوں، اور جب وہ نشے میں ہوں تبھی اپنے پرموشن کی بات چلاؤں۔ نہیں امید تو ہے کہ مان جائیں گے۔ بیچارے بال بچے والے ہیں۔ ان کے دل میں بال بچے والوں کے لئے ہمدردی ضرور ہوگی۔ وہ پچھلے سال کا کلکرنی سچ مچ ایک نمبر کا حرام خور تھا۔ کمبخت چھوٹی موٹی پارٹیوں کو تو خاطر ہی میں نہیں لاتا تھا۔ یا تو شراب پلاؤ یا پھر لڑکی۔۔۔۔ چھی، چھی، ایسا کُکرم تو اپنے سے نہیں ہوگا۔ بیوی کو معلوم ہو جائے تو کمبخت حقّہ پانی بند کر دے۔ اُف چھ بج رہے ہیں۔ اور یہ ابھی تک باورچی خانہ سے نہیں نکلی۔ اُس نے ایک بھرپور اضطراب کے ساتھ باورچی خانے کا پردہ ہٹایا، اور اندر جھانکا۔ سامنے بیوی ساڑی بدل کر چُنّٹیں ٹھیک کر رہی تھی۔ اُس پر نظر پڑتے ہی مُسکرادی۔

ٹھیک، کمبخت کی مسکراہٹ میں آج بھی جان ہے۔ اُس نے تعریفی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا اور بولا۔ "واہ، آج تم سات سال بعد بھی سال پہلے کی سی لگ رہی ہو۔"

"بس، بس، اب زیادہ مکھن مت لگاؤ۔ مطلب نکل جانے کے بعد میں پھر وہی گنوار، پھوہڑ اور جاہل عورت رہ جاؤں گی۔"

وہ مسکرا دیا۔ پھر اُسے تھوڑا سا بہلانے کے اِرادے سے اُس کے قریب آتا ہوا بولا۔

"صاحب کے ساتھ اُن کی بیگم بھی آنے والی ہیں۔ ذرا مُسکرا کر اُن کا سواگت کرنا۔"

"اب کیا تم مجھے ہنسنا مسکرانا بھی سکھاؤ گے؟" بیوی نے تنک کر کہا، اور ساڑی کا پلّو سیدھا کرتی ہوئی کیتلی میں چائے کیلئے پانی ڈالنے لگی۔ وہ صرف کھسیانی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔ اتنے میں باہر سے دوبارہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی، اور وہ چونک پڑا۔ آواز کو دباتا ہوا بولا۔ "آگئے، آگئے، صاحب آگئے۔ تیار رہو۔" پھر اپنے بُش شرٹ کو آگے پیچھے سے کھینچ کر درست کرتا ہوا دروازے کی طرف جھپٹا۔ اور دھیرے سے کنڈی گراکر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک اجنبی کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اجنبی سے کچھ کہتا، اجنبی

راجیت نولکر کا مکان یہی ہے ؟"
جی ہاں، آپ کون ہیں ؟" اُس نے
نبھالتے ہوئے پوچھا۔
سہگل صاحب کا نوکر ہوں "
چھا ۔" اُس نے خوش ہوتے ہوئے
کہاں ہیں ؟"
ں کی طرف ایک چِٹھی بڑھاتے ہوئے

تو نہیں آئے ۔ اُنھوں نے یہ چِٹھی
کے لئے کہا ہے ۔"

" چِٹھی !" اُس نے ہچکچاتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر چِٹھی لے لی ۔

نوکر اُلٹے قدموں لوٹ چکا تھا ۔ اُس نے چِٹھی کھولی اور پڑھنے لگا ۔ چِٹھی اُسی کے نام تھی اور صاحب ہی کی ہینڈ رائٹنگ میں تھی ۔ لکھا تھا :

" مسٹر اجیت ! آج بیگم کا موڈ فلم دیکھنے کا ہے ۔ اِس لئے تمہارے گھر ہم لوگ کسی اور دن آجائیں گے ۔ تم ہمارا انتظار نہ کرو، اس خیال سے چِٹھی بھیج رہے ہیں ۔"

نیچے صاحب کے دستخط تھے ۔

چِٹھی پڑھتے ہی وہ سنّاٹے میں آگیا ۔ چند لمحوں تک چپ چاپ خالی خالی نظروں سے چِٹھی کو گھورتا کھڑا رہ گیا ۔ اُس کے ذہن کے کھنچے ہوئے تار ایک دم سے ڈھیلے پڑ گئے تھے مگر دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی ۔ اُس نے مڑ کر اپنے کمرے میں جھانکا ساری چیزیں جوں کی توں اپنی اپنی جگہ رکھی ہوئی تھیں ۔ اندر سے بیوی پوچھ رہی تھی

" کون تھا جی ؟"

اور وہ خالی خالی نگاہوں سے کچن کے دروازے پر لگے "جلتے" ہوئے پردے کو دیکھے جا رہا تھا ۔

●●

پانچ منصوبوں کے تحت آبپاشی کی پیدا کردہ امکانی اہلیت اور استفادہ

ٹر میں منصوبہ بندی ہفتہ (۱۴ر سے ۲۰ر نومبر) منایا گیا ۔ منصوبہ بند طریقے سے مہاراشٹر میں آبپاشی کے ذریعے جو استفادہ کیا اور جو فوائد متوقع ہیں وہ مندرجۂ ذیل اعداد و شمار سے ظاہر ہیں :

(لاکھ ہیکٹروں میں)

عرصہ	امکانی اہلیت	استفادہ	امکانی اہلیت کے مقابلے میں استفادہ کا فیصد
موبہ سنہ ۱۹۵۱ء	۲٫۵۵	۱٫۸۷	۷۴
موبہ - سنہ ۱۹۵۶ء	۲٫۷۶	۲٫۰۵	۷۴
موبہ - سنہ ۱۹۶۱ء	۳٫۲۳	۲٫۲۴	۶۹
موبہ - سنہ ۱۹۶۶ء	۴٫۵۱	۳٫۲۰	۷۱
لانہ منصوبے			
تا سنہ ۱۹۶۹ء	۵٫۷۱	۳٫۲۳	۵۷
تا سنہ ۱۹۷۰ء	۶٫۰۳	۳٫۴۳	۵۷
تا سنہ ۱۹۷۱ء	۶٫۶۵	۳٫۸۲	۵۸
نصوبہ - سنہ ۱۹۷۴ء	۹٫۲۵	۴٫۹۹	۶۵
)			
منصوبہ - سنہ ۱۹۷۹ء	۱۹٫۸۰	۱۱٫۲۳	۷۴
)			

وائلڈ لائف سے متعلق

حکومت مہاراشٹر کی پالیسی

• عبدُالخالق •

سنہ ۱۹۵۲ء میں حکومتِ ہند نے جب جنگلی زندگی کے بارے میں اپنی پالیسی وضع کی تو اُس وقت یہ بات مدِنظر رکھی گئی تھی کہ جنگل کے چرند و پرند کی حفاظت کی جائے اور نیشنل پارک کی صورت میں اُن کی دیکھ ریکھ کے سامان مہیّا کئے جائیں۔ بڑے پیمانے پر پرندوں کو جال وغیرہ سے پکڑنے اور بے تحاشہ شکار بازی سے جنگلی جانوروں کی نسلوں کے کم بلکہ ختم ہوجانے کا خدشہ پیدا ہو چلا تھا۔ اب جنگلی زندگیاں بالخصوص ودربھ میں چندرپور، پورا امراوتی، بھنڈارہ، ایوت محل اور ناگپور کے اضلاع میں مغربی مہاراشٹر کے چند علاقوں میں مراٹھواڑہ کے رادھانگری، بھور، رامپور کے جنگلات میں ست پڑا، خاندیس اور ناسک کے بعض علاقوں میں پائی جاتی ہیں۔

محفوظ جنگل کے شیر کی آزاد زندگی کا ایک منظر

۱۸۸۷ء میں جنگلی جانوروں اور پرندوں کے تحفظ کے لئے پہلا قانون ملک بھر میں رائج ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں وائلڈ برڈز اینڈ اینیملز پروٹیکشن ایکٹ نافذ ہوا۔ چونکہ یہ دونوں قوانین پرندوں اور جانوروں کے تحفظ کے لئے ناکافی تھے اس لئے ۱۹۲۷ء میں انڈین فوریسٹ ایکٹ اور اس کے تحت بنائے گئے رولز کے ذریعے جنگلی جانوروں اور پرندوں کو نشانہ بنانے کی ممانعت کا نفاذ عمل میں آیا۔ ودربھ کے جنگلات میں آباد جانوروں اور پرندوں کے تحفظ کے لئے سنٹرل پراونسیس اینڈ برار گیمس ایکٹ ۱۹۳۵ء اور مہاراشٹر میں حیدرآباد گیمس ریگولیشنز ۱۳۵۴ فصلی کی دفعات پر عملدرآمد شروع ہو چکا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں بامبے وائلڈ اینیملز اینڈ برڈز پروٹیکشن ایکٹ ۱۹۵۱ء قدیم صوبۂ بمبئی میں آیا اور پھر ۱۹۶۱ء میں بامبے وائلڈ اینیملز اینڈ وائلڈ برڈز پروٹیکشن (توسیع و ترمیم) ایکٹ ۱۹۶۰ء کو پوری ریاست بمبئی کیلئے نافذ العمل قرار دیا گیا۔ یہ ایکٹ ریاست مہاراشٹر کے جنگلات بلکہ غیر جنگلاتی علاقوں پر بھی محیط تھا۔ اس ایکٹ کے ذریعے ریاست کو وائلڈ لائف ایڈوائزری بورڈ کی تشکیل میں مدد ملی۔ یہ بورڈ حکومت کو جانوروں اور پرندوں کے تحفظ کے سلسلے میں مشورے دیتا اور محفوظ جنگلات اور دوسرے علاقوں میں جانوروں کو نشانہ بنانے کے قوانین میں باقاعدگی لاتا ہے۔ نیز اس کی ایک دفعہ کی رُو سے نشانہ بازی یا جال کے ذریعے شکار پکڑنے کے لئے لائسنس کا اجراء بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اس ایکٹ میں بعض پابندیاں بھی لگا دی گئی ہیں یعنی اس ایکٹ کی رو سے چند مقررہ علاقوں کو جانوروں کی پناہ گاہوں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے تاکہ جنگلی جانوروں اور پالتو جانوروں کی نسلوں کو بھی محفوظ اور باقی رکھا جا سکے۔ یہ بورڈ ایکٹ کے تحت وائلڈ لائف پریزرویشن آفیسروں اور دوسرے عہدیداروں کے تقرر کے لئے سفارشیں کرتا ہے۔ اس ایکٹ میں وقتاً فوقتاً ترمیم کی جاتی رہتی ہے۔

اگرچہ ریاست کے مختلف علاقوں کے لئے فی الحال مختلف گیمز رولز ہیں لیکن اس بات کی کوشش جاری ہے کہ ریاست کے تمام علاقوں کے لئے یکساں قوانین بنائے جائیں جن کے ذریعے جامع طور پر جنگلی جانوروں اور پرندوں کا تحفظ عمل میں آ سکے۔

مہاراشٹر میں شکار کے واسطے لائسنس جاری کرنے کے لئے جانوروں کو مندرجۂ ذیل طور پر تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) موذی اور بلوں میں رہنے والے جانور (جن میں لومڑی، نیولا اور چوہا وغیرہ کا شمار ہے۔)

(۲) چھوٹے جانور

(۳) بڑے جانور

(۴) خاص قسم کے اہم اور بڑے جانور

ہر قسم کے جنگلی جانوروں اور درندوں کے شکار پر (ماسوا موذی جانوروں کے) پابندی عائد کر دی گئی ہے اِلّا یہ کہ بعض مخصوص حالات میں اور کسی خاص وجہ سے اور خاص موقع پر کسی خاص نوع کے جانور یا درندے کے شکار کے لئے لائسنس جاری کر دیا جائے۔ اس باب میں لائسنس جاری کرنے کے اختیارات کنزرویٹر آف فوریسٹس، ڈویژنل فوریسٹ آفیسرز اور کمشنر آف پولیس بمبئی کو دیئے گئے ہیں۔

مہاراشٹر میں شکار کے حلقے فی الحال امراوتی، ناگپور اور چندرپور کے علاقوں میں رکھے ہیں۔ شکار کرنے کے لئے پرمٹ صرف بڑے اور خاص خاص جانوروں کے شکار کا لائسنس رکھنے والے لوگوں کو ہی دیا جاتا ہے۔ ایسے پرمٹ ان علاقوں کے کنزرویٹر آف فوریسٹس یا حکومت کے ایماء پر غیر ملکی شکاریوں کو بھی دیئے جاتے ہیں۔

شکاری حلقوں میں شکار کرنے کی فیس (علاوہ لائسنس فیس کے) حکومت کی طرف سے مقرر کی جا چکی ہے۔

ریاستی حکومت نے مندرجۂ ذیل کمیاب اور ایسے جانوروں کو جن کی نسلیں ختم ہو رہی ہیں، "محفوظ" قرار دیا ہے تاکہ ان کی افزائش پر خاطر خواہ نظر رکھی جا سکے۔

جانور : جنگلی بھینسے، سانبھر، بارہ سنگھا، چیتل (...)، سیاہ ہرن (Black Buck)، جنگلی بکرا / بھونکنے والی ہرن (Barking Deer)، مگرمچھ اور اژدہا۔

پرندے : بڑے ہندوستانی تغدار (Bustard)

ودربھ کے بعض علاقوں میں سانبھر اور چیتل کے شکار پر عائد کردہ پابندیاں کچھ نرم کر دی گئی ہیں۔

نیشنل پارک ایکٹ

اگرچہ بامبے نیشنل پارک ایکٹ ۱۹۵۰ء میں پاس ہوا تھا لیکن اس کی دفعات پر عمل کبھی نہیں کیا گیا۔ یہ ایکٹ مغربی مہاراشٹر کے علاقوں کے لئے تھا۔ اس ضمن میں اس وقت کے مدھیہ پردیش نیشنل پارک ایکٹ ۱۹۵۵ء کی دفعات کے عملدرآمد میں تاڈوبا میں ایک نیشنل پارک قائم کیا گیا تھا۔ مدھیہ پردیش کا یہ ایکٹ ودربھ کے علاقے میں بھی جاری تھا لیکن مراٹھواڑہ کے لئے ایسا کوئی قانون نہیں تھا۔ چنانچہ اب قانون ساز اسمبلی نے ایک جامع اور وسیع نیشنل اینڈ اسٹیٹ پارک ایکٹ پاس کر لیا ہے۔ اس ایکٹ کو حکومت ہند کی سفارشات کو مدنظر رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ ایکٹ ہٰذا میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ حکومت کو صلاح و مشورہ دینے کے لئے ایک ایڈوائزری کمیٹی مقرر کی جائے جس کی سفارشات کی روشنی میں چند

علاقوں کو نیشنل پارک اور اسٹیٹ پارک سے آراستہ کیا جا سکتا ہے اور ان پارکوں کے نظام کو بحسن و خوبی چلانے کے لئے پالیسی بنائی جا سکتی ہے۔ ان کے اغراض و مقاصد میں یہ بات مرکزی حیثیت رکھتی ہے کہ حکومت بورڈ کی طرف سے مفید اور اہم مشورے حاصل کر سکے۔

جنگلی جانوروں کے تحفظ کے لئے حکومت مہاراشٹر نے خاص خاص اقدامات کئے ہیں۔ اس سلسلے میں دوسری ریاستوں کی طرح یہاں صرف محکمۂ فوریسٹ (جنگلات) ہی قائم نہیں ہے بلکہ ۱۹۵۲ء میں وائلڈ لائف پریزرویشن آفیسر کا ایک عہدہ بھی قائم کیا گیا تھا جس پر مقرر کردہ عہدیدار ابتداءً ۱۹۶۰ء تک قائم رہا۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری بھی چیف کنزرویٹر آف فوریسٹس کو سونپ دی گئی۔

پنجسالہ منصوبوں کے تحت کچھ حلقوں کے پارکوں میں مزید چند پارک افسروں یا پارک رینجروں کا تعین بھی عمل میں آیا۔

ریاستِ مہاراشٹر میں نیشنل پارکس اور جانوروں کی جائے پناہ

ریاستِ مہاراشٹر میں مندرجۂ ذیل نیشنل پارکس اور جانوروں کے لئے پناہ گاہیں ہیں، جن میں سے بعض کے بنانے کی تجویزیں زیرِ غور ہیں۔

نمبر شمار	پارک کا نام یا جانوروں کی پناہ گاہیں	محل وقوع (ضلع)	رقبہ مربع کلومیٹر میں
۱	تاڈوبا	چندر پور	۱۱۶٫۵۵
۲	پینچھ	ناگپور	۲۵۷٫۹۷
۳	نئے گاؤں	بھنڈارہ	۱۳۳٫۸۸
۴	بوریولی	تھانہ اور بمبئی عظمیٰ	۹۰٫۹۵
	جنگلی جانوروں کی پناہ گاہیں :		
۱	ڈھکنا کوکاز	امراوتی	۳۸۱٫۵۸
۲	یاول	جلگاؤں	۱۷۷٫۵۲
۳	رادھانگری	کولھاپور	۲۰٫۷۲
۴	کرنالا (پرندے)	کولابہ	۴٫۴۸
۵	تانسا	تھانہ	۲۱۶٫۷۵
۶	نگزیرہ	بھنڈارہ	۱۳۶٫۱۴
۷	بور	وردھا	۶۱٫۱۰
۸	کنوت	ایوت محل اور ناندیڑ	۱۳۸٫۰۰

(۱) تاڈوبا نیشنل پارک :

یہ پارک ایک گونڈ کے نام کے ساتھ منسوب ہے جسے ایک چیتے نے مار ڈالا تھا۔ یہ گونڈ اب ادیواسیوں میں دیوتا مانا جانے لگا ہے۔

اس پارک کے بیچ میں تاڈوبا جھیل اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے اور پارک کی خوبصورتی بڑھاتی ہے۔ اس پارک میں قسم قسم کے جانور مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ (Slother Bear)، ارنا بھینسا، سانبھر، چیتل، نیل گائے اور چنکارہ پائے جاتے ہیں۔ چیتل بہ افراط ہیں۔ مختلف نسلوں اور رنگوں کے طیور بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ موسم سرما میں تاڈوبا جھیل میں دوسرے مقامات سے مختلف نوع کی بطخیں آجاتی ہیں۔ اس جھیل میں مگرمچھ بھی ہیں۔ پارک میں بجا، دھوڑا، ہلدو، سیمل، اگراری اور عین وغیرہ لکڑیوں کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہاں بانس کے درختوں کی بھی بہتات ہے۔

اس پارک کے اندر موٹروں کیلئے راستے بنائے گئے ہیں۔ یہ گولائی دار راستے تاڈوبا جھیل کے اردگرد لمبائی میں تقریباً ۵ کلومیٹر تک پھیلے ہوئے ہیں اور سیر و تفریح کی غرض سے آئے ہوئے لوگوں کے لئے بڑی فرحت کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ اُن جانوروں کو بہت قریب سے دیکھ سکتے ہیں جو جھیل پر پانی پینے کے لئے آتے ہیں۔

قریب ہی صحیح معنوں میں چیتل روڈ ہے جس پر اکثر چیتل کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آتے ہیں۔

سرچ لائٹ اور مائکروفون لگی ہوئی ایک گاڑی بھی یہاں رہتی ہے جس میں بیٹھ کر سیاح تفریح کر سکتے ہیں اور جنگلی جانوروں کو قریب میں چلتے پھرتے دیکھ سکتے ہیں۔

اہم اہم جگہوں پر کچھ مینارے بھی بنائے گئے ہیں جن پر چڑھ کر آدمی جنگل کے وحوش و طیور کو بےخوف و خطر دیکھ سکتا ہے۔

اس پارک میں سیر و تفریح کے لئے سب سے اچھا موسم مارچ سے لے کر جون کے وسط تک ہے۔

پنیچ نیشنل پارک :

یہ پارک خوبصورت پہاڑیوں اور وادیوں کے
واقع ہے۔ ناگپور سے قریب ہونے کی وجہ
پارک نہ صرف یہ کہ سیاحت کے لیے کافی
نکتا ہے بلکہ اس میں آباد جانور اور خوبصورت
طرت کی وجہ سے یہ اُن کی توجہ کا مرکز بنا
ہے۔ بل کھاتا ہوا دریائے پنیچ اس کے بیچ
رتا ہے جس سے ایک رومان پرور ماحول پیدا
ہے۔ اس کے مشرق میں گولیا پہاڑ واقع ہے
سمندر سے ۶۷۰ میٹر بلند ہے اور جو ضلع
کے پہاڑوں میں سب سے اونچا ہے۔
س پارک میں شیر، چیتا، ارنا بھینسا، بھدّا
سانبھر، بھونکنے والی ہرن، چار شاخہ ہرن،
ئے اور چنکارا وغیرہ قسم کے جانور ہیں۔
پرندے بالخصوص جنگلی چڑیاں بڑی تعداد
۔ سویرے ان کے چہچہوں سے دل و دماغ پر
یت طاری ہوتی ہے جو بیان نہیں کی جاسکتی۔
مین، بیجا، تنسہ، شیشم، ہلدو، قلم، سیمل،
ٹینڈوا، دھوڑا کی لکڑیوں کے درخت بالعموم
پائے جاتے ہیں۔

نئے گاؤں نیشنل پارک :

یہ پارک نئے گاؤں جھیل کے اردگرد ۱۱ا
ومیٹر کے رقبہ میں بسا ہوا ہے۔ اس نئے گاؤں
کچھ اس طرح سے ہے کہ اٹھارہویں صدی کے
کولو پٹیل نامی ایک کولی نے بسایا۔ اب وہ
ردیو کے نام سے ایک دیوتا تسلیم کیا جاتا ہے اور
جھیل کے اطراف کی چوٹیوں میں سے کسی چوٹی پر
س پارک میں کئی طرح کی لکڑیوں کے درخت ہیں
لف قسم کے وحوش وطیور بھی آباد ہیں۔

بوریولی نیشنل پارک :

بمبئی کی روز افزوں آبادی میں کھلی جگہوں کی کمی
نل پارک، بوریولی شہر کیلئے ایک بیش بہا نعمت
س پارک کی توسیع کا کام جاری ہے۔ ●●

میرا دیس

اللہ رے مرے دیس کے رنگین مناظر
رنگین مناظر میں چھپا ہے کوئی ساحر
ساحر بھی کچھ ایسا ہو کہ ہر رنگ میں ماہر
ماہر کے تراشے ہوئے بکھرے ہیں جواہر
اور ایسے جواہر کہ ہیں سرمایۂ فنکار
فنکار سے شبنم کا تبسم ہوا بیدار
بیداریٔ شبنم سے ہے گلشن میں چراغاں
اور ایسا چراغاں کہ بہاریں ہیں فروزاں
اور ایسی فروزاں کہ ہوئیں مہرِ درخشاں
سب مہرِ درخشاں کی تجلی سے ہیں حیراں
حیراں ہیں مگر لب پہ تبسم کا ہے پرتو
پرتو ہے تبسم کا اثر ہے — زندگیٔ نو
اے زندگیٔ نو روشِ غم سے گذر جا
اور غم ہی نہیں شورشِ پیہم سے گذر جا
اور شورشِ پیہم کے بھی عالم سے گذر جا
عالم سے گذر کر دلِ آدم سے گذر جا
لیکن دلِ آدم نہ ہو مجروحِ توازن
مجروحِ توازن تو ہے معیارِ تعین
معیارِ تعین ابھی تمہید نہیں ہے
تمہید کہا جائے تو تائید نہیں ہے
تائیدِ حقیقت ہو، تو تردید نہیں ہے
تردید ابھی ذہن کی تقلید نہیں ہے
تقلید کو ملتا نہیں سرمایۂ احساس
احساس ہے دراصل گرانمایۂ احساس

مضطرب نظامی

اعزاز ہے یہ چشمِ خریدار کے لئے
ہم بک رہے ہیں رونقِ بازار کے لئے

خاموش سی نگاہوں نے کیا کچھ نہیں کہا
کچھ بھی نہیں بچا لبِ اظہار کے لئے

پہلے میں اپنی راہ کا پتّھر ہٹا تو لوں
سوچوں گا پھر میں سایۂ دیوار کے لئے

اک پل میں آج طے ہوا صدیوں کا فاصلہ
وقفہ بہت تھا سانسوں کی رفتار کے لئے

کانٹوں کے بدلے آپکے ہاتھوں میں پھول ہیں
کیا لائے آپ مجھ سے گنہگار کے لئے

جتنی شراب تھی وہ تو خیّام پی گیا
کیا بچ گیا ہے اب ترے میخوار کے لئے

وہ آرزوئیں جن کا کوئی نام بھی نہیں
کب سے ترس رہی ہیں ترے پیار کے لئے

ورثے میں مل گئیں تمہیں شاداب بستیاں
زخموں کا شہر ہے نئے فنکار کے لئے

نیّر! میں اپنے پاؤں کی زنجیر توڑ کر
آیا ہوں اپنے یارِ طرحدار کے لئے

صلاح الدین نیّر

متین اچلپوری

زندگی کب تھی، تراشیدہ خیالوں کی طرح
اِک حسینہ نے سنوارا اِسے بالوں کی طرح

جلوۂ حُسن پہ موقوف ہے شہرت میری
ڈھل گئے، تم مرے شعروں میں خیالوں کی طرح

اُن کے ذہنوں کے دریچوں میں اندھیرا ہی مِلا
بستی بستی میں جو پھیلے ہیں اُجالوں کی طرح

چودھویں شب تھی، سبھی پیتے رہے، پیتے رہے
ذکرِ محفل میں چلا تیرا پیالوں کی طرح

سوچ میں ڈوبے تو چھُو لی کبھی پاتال کی حد
آسماں سے کبھی ٹکرا گئے نالوں کی طرح

طوطیانِ ہند

"طوطیانِ ہند" پروفیسر ڈاکٹر نظام الدین گوریکر صاحب، صدر شعبۂ فارسی واردو، سینٹ زیویرس کالج بمبئی کی ایک قابلِ قدر تصنیف ہے جس میں حکیم فیضی، حضرت امیر خسرو اور مرزا غالب میں سے ہر ایک کی شخصیت اور فن پر جامع تعارفی نوٹ کے ساتھ ان مشاہیر شعراء کا منتخب فارسی کلام پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید مہدی غروی، رئیس خانۂ فرہنگِ ایران (بمبئی) نے فارسی میں اس کتاب کا سرآغاز لکھا ہے اور ڈاکٹر گوریکر صاحب کی عالمانہ صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اگر وہ خود بھی ہندوستان کے متعدد فارسی شعراء میں سے کسی تین کو منتخب کرتے تو انھیں تین شعراء پر ان کی نظرِ انتخاب پڑتی۔

دیباچے میں ڈاکٹر گوریکر صاحب نے ہندوستان اور ایران کے لسانی رشتوں سے بحث کی ہے اور ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کے ارتقاء پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ ہندوستان کے فارسی شعراء نے ایرانی شعراء و اساتذہ کی محض تقلید نہیں کی بلکہ اپنی استعداد کے مطابق فنِ شعر کی گراں بہا خدمت انجام دی ہے۔

خسرو، فیضی اور غالب پر بالترتیب ۱۸، ۱۵ اور ۲۵ صفحات پر مشتمل تعارف کے ساتھ اگلے صفحات میں ان شعراء کا انتخاب کلام غزل، رباعی، قصیدہ اور مثنوی ۴۹، ۵۰ اور ۴۶ صفحات پر پیش کیا گیا ہے جس میں خسرو کے کلام سے "کشورِ ہند" فیضی کی منظومات سے "داستانِ نل دمن" اور غالب کی مثنویات سے "نہرِ بنارس" کو شامل کرکے فارسی شعراء کی ہندوستانیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

پونہ یونیورسٹی کے پروفیسر غلام دستگیر شہاب نے "تعارف" لکھتے ہوئے بجا طور پر پروفیسر گوریکر صاحب کی تحقیقی اور تخلیقی صلاحیتوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ شعراء پر جامع تعارفی نوٹ اور صحتِ متن اس کتاب کی ایسی خوبیاں ہیں کہ ہندوستانی درسگاہوں کے شعبۂ فارسی کے طلبہ اس سے خاطر خواہ استفادہ کرسکیں گے۔

کتاب مجلّد ہے اور ۲۲۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے کتابت و طباعت عمدہ، قیمت ۱۵ روپے۔ رائٹرس ایمپوریم لمیٹڈ، خورشید بلڈنگ، سر فیروز شاہ مہتہ روڈ، بمبئی ۱ سے مل سکتی ہے۔

زاویئے

"زاویئے" اقبال بلگرامی کی تنقیدی کتاب ہے۔ اس کا پیش لفظ مرہٹواڑہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شری آر۔ پی۔ ناتھ نے لکھا ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں جو نوے صفحات پر مشتمل ہے، مصنف نے اردو غزل، خطوط نگاری، حضرت یعقوب عثمانی کے فن اور شخصیت اور لوک گیت پر اپنے خیالات کو انتہائی جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ پہلے مضمون "اردو غزل قطب شاہ سے میر تک" میں قلی قطب شاہ، ولی، سراج اور میر کی شاعرانہ خصوصیات کا قدرے تفصیلی جائزہ لیا ہے جس سے اردو غزل کے مزاج و آہنگ کی تدریجی ترقی کے نقوش ابھر آتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے مضمون میں "دلی، لکھنؤ اسکولوں کی امتیازی خصوصیات" کا جائزہ لے کر بتایا ہے کہ دلی اسکول کی شاعری کی بنیادیں مستحکم ہیں جن کا تعلق انسانی زندگی سے ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ اس سے پہلے دلی اسکول کے دو مختلف رجحانات کا بھی تجزیاتی مطالعہ بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مثلاً ایک طرف تو شاہ نصیر، ذوق اور شاہ ظفر جو زباندانی اور زبان سازی پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ لکھنؤ اسکول سے زیادہ متاثر ہیں۔ دوسری طرف غالب، مومن اور اُن کے شاگرد ہیں جو معنی کو صورت پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنی انفرادیت الگ سے قائم کرنا چاہتے ہیں۔

غزل پر تیسرے مضمون میں حسرت سے فراق تک اُن منتخب شعراء کی امتیازی خصوصیات بیان کی ہیں جو غزل کو بقول مصنف "حُسن اور کندن جیسی دمک اور لہلہاتے کھیت میں دھان جیسی لچک اور قد و قامت دینے میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔"

عنوان "خطوط نگاری" کے تحت مصنف نے دنیا کی بڑی بڑی زبانوں کے خطوط کے آغاز و ارتقاء سے بحث کی ہے اور انتہائی عمدہ معلومات یکجا کی ہیں۔

حضرت یعقوب عثمانی کے فن اور شخصیت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اور آخری مضمون میں لوک گیتوں کی ابتداء، اُن کی ماہیت، اہمیت اور اُن کے سماجی معائر پر کھُل کر بحث کی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مرہٹواڑہ کے لوک گیتوں کو نہ صرف بڑی محنت سے یکجا کیا ہے بلکہ ان گیتوں کا نہایت عمدہ تجزیہ بھی کیا ہے۔

اس مجلد کتاب کی کتابت و طباعت عمدہ اور نقائص سے پاک ہے۔ قیمت پانچ روپے زیادہ نہیں یہ کتاب تاج آفسیٹ پریس مرہٹواڑہ میں چھپی ہے اور مندرجہ ذیل دو پتوں پر دستیاب ہے:

(۱) اقبال بلگرامی (ایم اے)
۴-۱-۱۵، انگوری باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

(۲) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳

ریاستِ مہاراشٹر میں بجلی کی پیداوار کے لئے نئی منصوبہ بند اسکیمیں

اندازہ ہے کہ ریاستِ مہاراشٹر میں سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء کے اواخر تک بجلی کی مانگ ۳۶۰۰ میگاواٹ تک پہنچ جائے گی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے میگاواٹ کی حد تک بجلی پیدا کرنی ہوگی۔ لہٰذا سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء تک پانچویں منصوبے کے تحت کم ازکم ۱۸۰۰ میگاواٹ بجلی کا پیدا کیا جانا ضروری ہے۔ یہ اُن اسکیمیں ہوں گی جن کے مطابق فی الحال کام جاری ہے اور جن سے پانچویں پلان کے عرصے میں ۸۸۵ میگاواٹ بجلی متوقع ہے۔

بڑی جنریشن اسکیمیں

بڑی جنریشن اسکیمیں جو قریب قریب مکمل ہو چکی ہیں مندرجۂ ذیل ہیں،

اسکیم	کتنی بجلی پیدا ہوگی	اجراء کی تاریخ	سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء کے مختص رقم
کوئنا اسٹیج سوم (ہائڈرو)	۸۰ میگاواٹ (ایک یونٹ)	مارچ سنہ ۱۹۷۵ء	۷۰۰ لاکھ
ویترنا (ہائڈرو)	۶۰ میگاواٹ	" "	۱۷۷ لاکھ
بھٹگر اور ویر (ہائڈرو)	۲۵ میگاواٹ	" "	۴۰ لاکھ
کوراڈی اسٹیج اوّل (تھرمل)	۱۲۰ میگاواٹ	سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء	۹۰ لاکھ
کوراڈی اسٹیج دوّم	۲۴۰ میگاواٹ	"	۵۰۰ لاکھ

بڑی نئی اسکیمیں جو پانچویں پنجسالہ پلان میں شامل کی گئی ہیں، مندرجۂ ذیل ہیں:

	اسکیم	خرچ کا اندازہ روپئے لاکھوں میں	مجوزہ بجلی پیداوار	تاریخِ اجرا، پلان کے مطابق	ریمارک
۱	پینچ (ہائڈرو)	۲۲۰۰	۵۳ میگاواٹ	سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء	بین الریاستی پرا
۲	بھیرا ٹائل ریس (ہائڈرو)	۱۸۲۹	۸۰ میگاواٹ	سنہ ۱۹۷۷-۷۸ء (۴۰ میگاواٹ)	
				سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء (۴۰ میگاواٹ)	
۳	ٹیلاری (ہائڈرو)	۱۴۷۵	۶۰ میگاواٹ	سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء	
۴	بھنڈار دارا (ہائڈرو)	۸۴۷	۴۵ میگاواٹ	سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء (۱۰ میگاواٹ)	
۵	کوراڈی اسٹیج (تھرمل)	۹۷۴	۶۰۰ میگاواٹ (۳ یونٹ)	سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء	
۶	ناسِک توسیع	۵۱۹۱	۲۲۰ میگاواٹ (۲ یونٹ)	سنہ ۱۹۷۷-۷۸ء	
۷	بھوساول توسیع	۴۵۵۱	۲۲۰ میگاواٹ (۲ یونٹ)	سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء	
۸	چندرپور سُپر تھرمل پاور اسٹیشن	۲۲۱ کروڑ	۱۲۰۰ میگاواٹ	سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء (۶۰۰ میگاواٹ)	پلاننگ کمیشن سے ملنا باقی ہے۔

زیادہ سے زیادہ ربیع فصل پیدا کیجئے!

کاشتکاروں سے وزیراعلیٰ کی اپیل

چپلون میں گذشتہ ۱۱ر نومبر کو وزیراعلیٰ شری وی-پی- نائیک نے ضلع رتناگیری کی ربیع مہم کا افتتاح کیا اور یہاں سے تقریباً ۵ کلومیٹر پر واقع کماٹھے گاؤں میں کاشتکاروں کے جلسہ سے خطاب کیا۔

شری نائیک نے کاشتکاروں سے اپیل کی کہ وہ جاری ربیع فصل کے دوران ضلع میں دستیاب پانی کی مدد سے زیادہ سے زیادہ زمین کو زیر کاشت لائیں۔ انہوں نے ضلع پریشد کی کوششوں کو سراہا جو کہ اس نے امداد، بیج اور کھاد وغیرہ کی شکل میں فراہم کر کے کی اور کہا کہ کاشتکار اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ انھوں نے فرمایا کہ حکومت اُن کے لئے فی ہیکٹر پچاس روپے کی امداد جاری رکھے گی جو کچے بندھارے تعمیر کر کے فصل پیدا کرتے ہیں۔ انھوں نے کاشتکاروں سے کہا کہ جہاں تک ممکن ہو اس طرح کے کچے بندھارے تعمیر کر کے زیادہ سے زیادہ اراضی ربیع فصل کے تحت زیرکاشت لائیں۔

شری نائیک نے گذشتہ مئی میں پاناجی میں جو کل ہند آم نمائش منعقد ہوئی تھی اس میں جیتنے والوں کو انعامات تقسیم کئے۔ وزیراعلیٰ نے ایک مویشی شو کا بھی افتتاح کیا۔

شری بی-بی- ماتے، رکن ضلع پریشد، نے مہمانِ خصوصی کا استقبال کیا۔

شری ایس-ٹی- جڑیار، نائب صدر ضلع پریشد نے شکریہ ادا کیا۔

شیوچھترپتی اِنعامات برائے ۱۹۷۳-۷۴ء

حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۷۳-۷۴ء کیلئے اسپورٹس اور گیمز کے لئے شیوچھترپتی ریاستی انعامات تقسیم کرنے کے لئے پندرہ مَردوں اور سات خواتین کا انتخاب کیا ہے۔

اس کے علاوہ حکومت نے اسپورٹس اور گیمز کے میدان میں کام کرنے والے اور پروموٹرز کے لئے تین انعامات بھی منظور کئے ہیں جن میں سے ایک انعام اسپورٹس رپورٹر/نقاد کے لئے ہوگا۔ یہ انعام جو کہ پہلی بار رکھا گیا ہے وہ بمبئی کے شری جے-سی- مترا کو دیا جائے گا۔

اِنعام یافتگان کے نام:

جسمانی ورزش: کماری بیرانا دیٹ تیسکونو (بمبئی)؛ بیڈمنٹن: شری آصف بر پیا (بمبئی)، کماری مورین متھائس (بمبئی)؛ باسکٹ بال: شری تھامس فرنانڈیز (بمبئی)، کماری نندنی بسرور (بمبئی)، جسمانی خوبصورتی: شری ٹینٹن گوڈیا (بمبئی)، باکسنگ: شری جیکب لوئیس (بمبئی)، کرکٹ: اشوک منکڈ (بمبئی)، فٹ بال: شری محمد علی (ناگپور)، کبڈی، شری وسنت سود (بمبئی)، کماری سادھنا دھاریہ (پونہ) ہاکی: کماری گیتا سرینے (پونہ)، کھوکھو: شری ستیش دیسائی (پونہ)، کماری اوشا نگرکر (پونہ)، مل کھمب: شری پردیپ چمبورکر (بمبئی)، نشانہ بازی: شری ایس-پی- چوہان (بمبئی)، تیراکی: شری یانگ چن شن (پونہ)، کماری ضیاء دادی شراف (بمبئی)، ٹیبل ٹینس، شری ویلاس مینن (بمبئی)، والی بال: شری صدیقی اکبر احمد (بمبئی)، ویٹ لفٹنگ: شری پی-دی- ٹھکرن (بمبئی)، کشتی: شری وسنت پاٹل (بمبئی)

ورکرز اور پروموٹرز والے انعام شری ایس-ایس- پربھو (بمبئی) اور شری ایچ-جی- سانے (پونہ) کو ملا۔

ریاستی انعامات تقسیم کرنے کا جلسہ ۲۲ر نومبر کو شام ۴½ بجے آل انڈیا ریڈیو آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔

حکومتِ مہاراشٹر یہ انعامات ۱۹۶۹-۷۰ء سے دے رہی ہے اور یہ انعام دینے کا پانچواں سال ہے۔

کوریگاؤں میں میفکو یونٹ کا اِفتتاح

حال ہی میں ضلع ستارا کے مقام کوریگاؤں میں ۵۲ لاکھ روپے کی لاگت کے ایک میفکو یونٹ کا افتتاح مرکزی وزیر برائے امور خارجہ شری وائی-بی-چوان نے کیا۔ اس میں ایک سرد خانہ ہے اور ایک مذبح ہے جس میں بڑے ۶۰ اور چھوٹے ۶۰۰ مویشی ذبح کئے جا سکتے ہیں۔

کوریگاؤں، مان، کھٹاؤ اور کوریگاؤں تعلقوں کی منڈی ہے۔ کھٹاؤ میں آلو کی زبردست پیداوار ہوتی ہے جو کہ کوریگاؤں کے سرد خانے میں رکھی جا سکتی ہے۔ تعلقہ مان میں بھیڑ اور بکریاں بکثرت پائی جاتی ہیں جو کہ میفکو کے مذبح کیلئے مفید ہوگی۔

میفکو کے نئے یونٹ کا افتتاح کرتے ہوئے شری چوان نے کاشتکاروں سے کہا کہ وہ اپنی پیداوار کو وہاں بھیج کر پراسیس کی سہولت حاصل کریں۔ اسکے علاوہ ان کی پیداوار نہ صرف مقامی طور پر کھپائی جائیگی بلکہ بیرونِ ملک کے بازار میں بھی بھیجی جائیگی۔

خواتین کا بین الاقوامی سال

حکومت ہند نے وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کی زیر صدارت ایک کمیٹی قائم کی ہے جو خواتین کے بین الاقوامی سال کیلئے پروگرام کو حتمی شکل دے گی۔ یہ اقدام اقوام متحدہ کے مشورے پر کیا گیا ہے جو سال ۱۹۷۵ء کو خواتین کے بین الاقوامی سال کے طور پر منائے گا۔ ●●

کوآپریٹیو شکر کارخانوں کے انتخابات ملتوی

مہاراشٹر کے گورنر نے ایک آرڈی ننس کے ذریعہ ریاست میں واقع نو کوآپریٹیو شکر کارخانوں کی کمیٹیوں کے انتخابات کو ملتوی کر دیا ہے اور موجودہ ممبران یا منتظمین کی مدت کار میں مناسب مدت تک توسیع کردی ہے تاکہ یہ سوسائٹیاں اپنے تعمیراتی پروگراموں کو پورا کریں یا جلد سے جلد اپنے گنّے پیرنے کا تجرباتی کام شروع کر سکیں۔

یہ آرڈی ننس جس کو مہاراشٹر کوآپریٹیو شوگر فیکٹریز انڈر ایریکشن (انتخابات کا التواء) آرڈی ننس برائے ۱۹۷۴ء کہا گیا ہے، حکومت مہاراشٹر کے ۴ نومبر ۱۹۷۴ء کے غیر معمولی گزٹ میں شائع ہو گیا ہے۔

خواتین کی بہبود کے لئے کارپوریشن

حکومت مہاراشٹر نے خواتین کی معاشی فلاح و بہبود کے مدنظر 'ونیتا اُدیوگ مہاراشٹر لمیٹڈ' کے نام سے ایک کارپوریشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے کارپوریشن کو انڈین کمپنیز ایکٹ بابت ۱۹۵۶ء کے تحت رجسٹرڈ کیا جائے گا۔ اس کی مقررہ پونجی ایک کروڑ روپے ہوگی جس میں حکومت کا ابتدائی عطیہ دس لاکھ روپے کا ہوگا۔

کارپوریشن کے ابتدائی امور مکمل کرنے کی غرض سے شری ڈبلیو۔ ایم۔ شیخ اور شری ایم۔ بی۔ سولے حکومت کے ڈپٹی سکریٹریز برائے محکمہ سماج سدھار، ثقافتی امور، اسپورٹس اور سیاحت کو مجوزہ کارپوریشن کے اوّل ڈائرکٹران نامزد کیا گیا ہے۔

کنزیومرس کوآپریٹیو اسٹور کو سرکاری امداد

حکومت مہاراشٹر نے بابت ۷۵-۱۹۷۴ء مالی سال کے دوران بمبئی شہر میں ایک ڈپارٹمنٹ اسٹور اور بارہ خوردہ دوکانیں کھولنے کے لئے لکشمی کنزیومرس کوآپریٹیو ہول سیل اینڈ ریٹیل اسٹور لمیٹیڈ، بمبئی کو بعض شرائط پر ۴,۰۵,۰۰۰ روپے کی رقم منظور کی ہے۔ اس رقم میں ۴,۲۵,۰۰۰ روپے سرکاری حصہ داری پونجی کے طور پر ہیں۔ فرنیچر وغیرہ کے لئے ۱,۶۹,۵۰۰ روپے کی رقم بطور قرض کے ہے۔ ۵۶,۵۰۰ روپے کی رقم فرنیچر و فکسچر کے لئے امداد اور ۵۴,۰۰۰ روپے کی رقم بطور انتظامی امداد کے شامل ہے۔

قیمتوں کی روک تھام کرنے اور تعلیم یافتہ روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے کے اقدام کے طور پر حکومت ہند نے ایسی کنزیومرس کوآپریٹیوز کو جن میں ترقی و ملازمت کے امکانات ہوں، کو بڑھاوا دینے کی ایک اسکیم تیار کی ہے۔ اس اسکیم کا بنیادی مقصد ایسی کنزیومرس کوآپریٹیوز کی حوصلہ افزائی کرکے تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے مزید روزگار کے مواقع پیدا کرنا ہے۔ اس مرکزی کی شروع کردہ اسکیم کے تحت حکومت ہند نے ریاستی حکومت کو حصہ داری پونجی، قرض اور امداد وغیرہ منظور کرکے فراہم بھی کردی ہے۔

دھان کی بجائے چاول میں لیوی

حکومت مہاراشٹر نے کاشتکاروں کو یہ چھوٹ دی ہے کہ اگر وہ اپنی لیوی دھان کی بجائے چاول میں ادا کرنا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ دھان کو چاول میں تبدیل کرنے کا تناسب یہ ہے: ۱۰۰ کلوگرام دھان برابر ہے ۷۵ کلوگرام چاول کے، اور اگر پالش کیا گیا ہو تو وہ ۱۰۰ کلوگرام دھان برابر ہے ۷۲ کلو گرام چاول کے۔ یعنی اگر کسی کو ۱۰۰ کلوگرام دھان بطور لیوی ادا کرنا ہو تو وہ بالترتیب ۷۵ کلوگرام یا ۷۲ کلوگرام چاول ادا کر سکتا ہے۔

چونکہ ۷۵-۱۹۷۴ء کی فصل کے دوران کاشتکاروں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے دھان یا چاول کا اسٹاک صارفین کو فی صارف ۲۰ کلوگرام دھان یا ۱۵ کلوگرام چاول بازار بھاؤ سے ایک وقت میں فروخت کر سکتا ہے اور مقررہ کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو (جن کے لئے مقدار پر کوئی پابندی نہیں ہے)، لہٰذا متذکرہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اب کاشتکار بغیر کسی پابندی کے اپنے دھان کے اسٹاک کو مقررہ چاول ملوں میں آسانی سے کٹوا سکتے ہیں۔

بقیہ: ببر شیر

لگ بھگ سو برس پہلے ایک انگریز شکاری نے شمالی ہندوستان کے جنگلوں میں تقریباً اسّی ببر شیروں کا شکار کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج وہاں ببر شیر نام کو نہیں ملتا۔

شام کے ایک بادشاہ ببر شیر کے بڑے مشہور اور شوقین شکاری تھے۔ ایک بادشاہ نے تو لگ بھگ چار سو ببر شیروں کا شکار کیا تھا۔ ان ببر شیروں کے مجسمے اور تصویریں آج بھی شام (سیریا) کے محلوں میں پائی جاتی ہیں۔ ●●

قومی راج

جلد : ۱ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۴ء شمارہ : ۲۲

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے سالانہ : ۱۰ روپے

زیرنگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخنہائے گفتنی

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان خط وکتابت کی بحالی ایک خوشگوار قدم ہے جو برصغیر میں امن اور دوستی کے جذبات کو فروغ دے گا۔ سیاسی سطح پر جو فوائد ہوں گے، اُن سے قطع نظر تہذیبی اور ثقافتی میدانوں میں ارتباط واختلاط سے دونوں خطوں کے عوام ایک دوسرے سے قریب تر آئیں گے۔ اردو ادب اور اردو صحافت کو اس میل جول سے خصوصی فائدہ حاصل ہوگا اور ہر دو ممالک کے اخبارات وجرائد ایک دوسرے کے تجربات کی روشنی میں اپنا معیار بلند کر سکیں گے اور اپنی افادیت میں اضافہ کر سکیں گے۔

"قومی راج" کا خسرو نمبر اس ماہ شائع ہونے والا تھا لیکن ملک بھر کے خسرو نوازوں خصوصاً صدرِ خسرو تقریبات کمیٹی عالیجناب علی یاور جنگ، گورنر مہاراشٹر کی خواہش ہے کہ یہ نمبر نہایت جامع وبسیط، مکمل اور خوبصورت دستاویز کی صورت میں ترتیب دیا جائے جو ایک یادگار رہے، چنانچہ اب اعلیٰ درجہ کے ان تمام ادباء وشعراء اور ماہرین کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو بصورت دیگر قومی راج کے خسرو نمبر میں حصہ نہ لے پاتے۔ ہمیں اس التوا پر افسوس ضرور ہے لیکن اسی کے ساتھ اس بات کا بھی یقین ہے کہ آئندہ سال جب "خسرو نمبر" آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو آپ اس تاخیر کو درگذر کر دیں گے۔

قارئین سے گذارش ہے کہ وہ ایسے مستحق اداروں اور لائبریریوں کے پتے ہمیں ارسال فرمائیں جو ان کے خیال میں "قومی راج" حاصل کرنے کے مستحق ہوں۔ ایک خصوصی اسکیم کے تحت ان کے نام رسالہ اعزازی طور پر جاری کیا جائے گا۔

قارئین عید الاضحیٰ، کرسمس اور سالِ نو کی مبارکباد قبول فرمائیں۔

خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا

میری دنیا وہی دستور پرانا چاہے   آرزو پھر بھی نیا درد جگانا چاہے

آج طاقت کی پرستش ہے محبت کی نہیں   میں نہ چاہوں کسی عنواں جو زمانہ چاہے

جس حقیقت کے فسوں سے ہوئے خیرہ مرے دوست   وقت اُس کو بھی اِک افسانہ بنانا چاہے

سحر اِک شوخ نظر کا ہو کہ حالات کا جبر   آدمی کوئی بہکنے کا بہانہ چاہے

وہ کہاں تابِ تجلّی کی کبھی لائے گا   جو ہر اِک شمع کو فانوس پنہانا چاہے

شہر میں عام ہیں شیشے کے مکاں شیشے کے لوگ   سنگ اِک ان کی تواضع کو دِوانہ چاہے

کسی بجلی، کسی طوفاں سے کہاں بچتا ہے   کوئی خوابوں کی اگر فصل اگانا چاہے

کیا بلا ہے یہ بشر، جمع کرے جو خرمن
اُسی خرمن کو وہ پھر آگ لگانا چاہے

آلِ احمد سرور

یہاں کے سب لوگ ایک دوسرے کی
خوشی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور ان
سب تہواروں کو اپنے قومی تہوار سمجھتے ہیں!

مہاراشٹر کے تہوار

ہندوستان میں مہاراشٹر کو کئی اعتبار سے امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اوّل یہ کہ عروس البلاد بمبئی اس کا صدر مقام ہے اور دوم یہ کہ یہ ریاست مختلف اقوام، مذاہب اور عقائد کے لوگوں کا ایک حسین وجمیل سنگم ہے۔ ایک تو بمبئی کی کشش اور دوسرے روزگار کی تلاش اِن دو وجوہات کی بنا پر دوسری ریاستوں کے لوگ یہاں کھنچ کھنچ کر چلے آتے ہیں اور کچھ تو مستقل طور پر یہیں سکونت اختیار کر لیتے ہیں اور اگر کچھ کا تعلق اپنے وطن سے باقی رہتا ہے تب بھی ان کی زندگی کے زیادہ دن یہیں گذرتے ہیں۔

مہاراشٹر کی اس گوناگوں آبادی اور بوقلموں تنوع کی وجہ سے یہاں کے تہواروں میں بھی بڑی عجیب وغریب ہم آہنگی اور دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ یہاں جتنے تہوار منائے جاتے ہیں ان میں سبھی مہاراشٹر کے نہیں ہوتے بلکہ دوسری ریاستوں کے تہذیبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن مجموعی حیثیت سے جب ہم ان کا تجزیہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام تہوار چاہے وہ مہاراشٹر سے مخصوص ہوں یا دوسری ریاستوں سے آئے ہوئے لوگوں کی وجہ سے منائے جاتے ہوں، آہستہ آہستہ یہاں کی زرخیز زمین کو اس قدر راس آگئے ہیں کہ آج ان میں کا ہر تہوار مہاراشٹر کا تہوار معلوم ہوتا ہے۔

میں اپنے اس مختصر سے تعارفی مضمون میں صرف ان چند مخصوص تہواروں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو مہاراشٹر میں خاص اہتمام سے منائے جاتے ہیں۔

گوڑی پاڑوا

چیتر ہندوؤں کا مبارک اور سعید مہینہ ہے۔ اسی مہینہ کی پہلی تاریخ سے ان کے نئے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ شالی واہن شک (سن) کی ابتدا بھی اسی روز سے ہوتی ہے۔ رامائن اور مہابھارت کے نقطۂ نظر سے اس دن کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی دن رامچندر جی راون کو شکست دے کر اجودھیا لوٹے تھے۔ مہابھارت کے مطابق پانڈوؤں نے کوروؤں کو اسی روز ہزیمت پہنچائی تھی اور ہر طرف اپنی فتح ونصرت کے پرچم لہرائے تھے۔ گوڑی پاڑوا کے دن ہندو صبح سویرے اشنان کرتے ہیں اور رام چندر جی کی کامیابی اور سرخروئی پر اظہارِ مسرّت کے لئے اپنے گھروں کے سامنے ایک لمبے بانس پر تقریباً آدھ گز کپڑا چاندی یا پیتل کے آفتابے کے ساتھ ایستادہ کردیتے ہیں۔ اس کے ساتھ پھولوں اور بتاشوں کی مالا بھی ہوتی ہے۔ دوپہر میں یہ لوگ اچھے قسم کے کھانے کھاتے ہیں اور شام میں شہر یا گاؤں کے اطراف وجوانب واقع مشہور مندروں میں درشن کے لئے جاتے ہیں۔ یہ تہوار عام طور سے مہاراشٹر میں منایا جاتا ہے۔

رام نومی

رام چندر جی کی پیدائش کے دن کو رام نومی کہتے ہیں۔ ہندوؤں کے سب سے بڑے دیوتا رام چندر جی وشنو کے ساتویں اوتار ہیں۔ چیتر کے مہینہ کی نو تاریخ کو یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ اس دن بارہ بجے مندر کا خاص پجاری (ہری داس) رام چندر جی کی پیدائش کا اعلان کرتا ہے رام چندر جی کی مورت کو جھولے میں ڈال کر جھولے دیتا ہے اور پھر حاضرین میں سونٹھ اور شکر

ڈاکٹر نور السعید اختر

تقسیم کی جاتی ہے۔ آرتی کی رسم ادا کرنے کے بعد مندروں وغیرہ میں رام چندر جی کی تعریف و توصیف میں بھجنوں اور کیرتنوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تمام ہندو اس تہوار کو مناتے ہیں۔

ہنومان جینتی

رام چندر جی کے والد دشرتھ نے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے یدنیہ (قربانی) کیا تھا۔ اس یدنیہ سے وایو دیو (ہوا کا دیوتا) بہت خوش ہوا اور اس نے کچھ پرساد (شیرینی) دشرتھ کو دیا۔ اتفاقاً اس شیرینی کا کچھ حصہ ایک چیل جھپٹ لے گئی۔ چیل کے پنجے سے شیرینی کا کچھ حصہ گر گیا اور انجنی نامی عورت کے ہاتھ لگا، جو ایک عرصے سے اولاد کے لئے دست بدعا تھی۔ اس شیرینی کے اثر سے انجنی کے یہاں ہنومان پیدا ہوئے جنھیں ماروتی بھی کہتے ہیں۔ ہنومان سے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے کہ ہنومان نے پیدا ہوتے ہی سورج کو سُرخ پھول سمجھ کر اس کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ یہ دیکھ کر سورج بھی گھبرا گیا تھا اور اس نے اپنا گُرز ہنومان کو مار دیا تھا۔ اس تہوار میں ہنومان کی سالگرہ مناتے ہیں۔ صبح سویرے ہنومان کے مندر میں درشن کے لئے جاتے ہیں، اور ناریل تقسیم کرتے ہیں۔

گوری پوجا

پاروتی دیوی کا دوسرا نام گوری ہے۔ یہ تہوار ہندو عورتوں تک مخصوص ہے۔ چیتر مہینہ کی پہلی تاریخ سے لے کر ویساکھ کی تیسری تاریخ تک کسی بھی دن برہمن ہندو عورتیں اس تہوار کو مناتی ہیں۔ پاروتی دیوی کی مورت کو طرح طرح سے سجایا جاتا ہے۔ اڑوس پڑوس کی عورتیں مدعو کی جاتی ہیں اور انھیں ہلدی کو کو لگایا جاتا ہے۔

اکشے ترتیہ

ویساکھ مہینہ کی تیسری تاریخ ہندو مائتھولوجی میں نہایت مبارک اور سعید تصور کی جاتی ہے۔ کسی بھی نیک کام کے لئے اس دن مہورت نکالی جاتی ہے۔ ہندو کاشتکار اسی دن سے کھیتی باڑی کے کاموں کا آغاز کرتے ہیں۔

وٹ پورنیما

وٹ اور بڑ ہم معنی الفاظ ہیں۔ بڑ کے درخت کی مذہبی نقطۂ نظر سے ہندوؤں کے یہاں بڑی اہمیت ہے۔ یہ تہوار بھی عورتوں کی حد تک مخصوص ہے جس کو شادی شدہ اور سہاگن عورتیں مناتی ہیں۔ عورتیں اُپاس (روزہ)، دان دھرم کے علاوہ اس دن اپنے شوہر کی درازیٔ عمر کے لئے دعا مانگتی ہیں۔ اس تہوار کے پس پردہ ستی ساوتری اور ستیہ وان کی داستان پوشیدہ ہے۔ ساوتری نے بڑی چالاکی سے ستیہ وان کی روح کو یم راج (موت کا فرشتہ) سے واپس لے لیا تھا۔ ساوتری ستیہ وان کی روح اپنی بے پناہ محبت کے باعث حاصل کر سکی تھی۔ اسی پس منظر کے تحت ہندو عورتیں بڑے اہتمام کے ساتھ اس تہوار کو مناتی ہیں۔

مہا اِکادشی

ہندوؤں کے عقائد کے مطابق ہر مہینہ کی گیارہ تاریخ اِکادشی (روزے کا دن) کہلاتی ہے۔ اساڑھ اور کارتک کے مہینوں میں آنے والی اِکادشیاں اہم سمجھی جاتی ہیں۔ یہ اِکادشیاں چار مبارک مہینوں کا اختتام گردانی جاتی ہیں۔ دقیانوسی ہندو اس دن فاقہ کرتے ہیں۔

ناگ پنچمی

شراون کے مہینہ کا یہ سب سے بڑا اور اہم تہوار ہے۔ شراون کی پانچ تاریخ کو ہندو اپنے گھروں میں مٹی کے ناگ کی پوجا کرتے ہیں۔ سپیرے زندہ سانپ بھی لے آتے ہیں، اور یہ لوگ انھیں دودھ پلاتے ہیں۔ دیہاتوں میں مزدور پیشہ ہندو اور کسان گڑھا کھودنے اور ہل چلانے سے گریز کرتے ہیں، تاکہ سانپوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ شام میں عورتیں ناچتی ہیں اور گیت گاتی ہیں۔ ہندو دیومالاؤں میں اس تہوار سے متعلق کئی کہانیاں ہیں۔ قارئین کے لئے مختصر دو کہانیاں نقل کی جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ کوئی کسان ٹیلہ کھود رہا تھا کہ اس ٹیلہ میں ناگن اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ تیشہ کی ضرب سے سنپولے کچل جاتے ہیں۔ ناگن انتقاماً اس کسان کو ڈس لیتی ہے اور اس کے خاندان کے خاتمے کا تہیہ کر لیتی ہے۔ اسی ادھیڑ بن میں وہ کسان کی لڑکی کو ڈسنے جاتی ہے۔ یہاں وہ کسان کی لڑکی کو مٹی کے ناگوں کی پوجا میں منہمک پاتی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ناگن اپنا ارادہ بدل دیتی ہے۔ دوسری داستان اس طرح ہے کہ ایک برہمن کی چار بہویں تھیں۔ تین بہویں اپنے اپنے بھائیوں کے ہمراہ میکے چلی جاتی ہیں۔ چوتھی بہو کو کوئی بھائی نہیں رہتا۔ اسلئے وہ ناگ دیوتا کو بھائی بنا کر اس کی پرستش کرتی ہے۔ ناگ دیوتا خوش ہو کر اس لڑکی کے ماموں کا روپ لے کر وہاں نمودار ہوتا ہے، اور برہمن سے اجازت لے کر اسے اپنے گھر لے جاتا ہے۔ اسی اثنا میں ناگن کے انڈوں سے بچے نکلتے ہیں۔ اس لڑکی کے ہاتھوں سے چراغ چھوٹ جاتا ہے جس سے سنپولوں کی دمیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ یہ سنپولے جب بڑے ہوتے ہیں تو اپنی ماں سے دُموں کے ٹوٹ جانے کا ماجرا سنتے ہیں اور جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر اس لڑکی کے گھر پہنچتے ہیں تو لڑکی کو ناگ دیوتاؤں کی تصاویر کی پوجا میں منہمک پاتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر سنپولے لوٹ جاتے ہیں۔

نارلی پورنیما

شراون مہینہ کی چودھویں تاریخ کو یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ اس دن ورونا دیوتا (بارش کے دیوتا) کی پرستش کی جاتی ہے۔ لوگ ندیوں تالابوں میں ناریل اور پھول پھینکتے ہیں۔ اس دن برہمنوں کے یہاں خاص قسم کے چاول، ناریل کی کھیر کے ساتھ پکائے جاتے ہیں۔ نارلی پورنیما کے دن ہی "راکھی بندھن" کا تہوار ہوتا ہے۔ بہنیں اپنے بے لوث محبت کے ثبوت میں بھائیوں کو راکھی باندھتی ہیں۔ دراصل بھائیوں کی جانب سے یہ ایک قسم کا عہدنامہ ہوتا ہے کہ وہ تاعمر اپنی بہنوں کے محافظ بنے رہیں گے۔ مغل بادشاہوں کو ہندو رانیوں نے راکھی باندھ کر اپنا بھائی بنایا تھا۔ اس کے ثبوت میں مغل بادشاہوں نے بھی جان وتن کی بازی لگا کر اپنی غیر مسلم بہنوں کی حفاظت کرکے مثالیں قائم کی ہیں۔ قومی یکجہتی کے اعتبار سے یہ تہوار کافی اہم ہے۔

جنم اشٹمی یا گوکل اشٹمی

گوکل اشٹمی شراون مہینہ کی آٹھویں تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ کرشن جی جو بھگوان وشنو کے اوتار مانے جاتے ہیں، اسی دن پیدا ہوئے۔ کرشن جی دیوکی اور واسودیو کے آٹھویں لڑکے تھے، جو کنس راکھشس کے خاتمے کے لئے دھرتی پر آئے تھے۔ سفاک کنس کو علم تھا کہ اس کی بہن دیوکی کا آٹھواں بچہ اس کا قاتل ہوگا۔ کنس نے اپنی بہن کے سات بچے مار ڈالے لیکن واسودیو کی ہوشیاری کی وجہ سے کنس دیوکی کے آٹھویں بچے کو قتل کرنے میں ناکام رہا۔ بالآخر کرشن جی کے ہاتھوں کنس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کرشن جی بچپن ہی سے عاشق مزاج اور بانسری نواز تھے۔ گوپیاں کرشن جی کی گرویدہ تھیں۔ مہاراشٹر میں ہندو اس تہوار کو بڑے اہتمام کے ساتھ مناتے ہیں۔ نوجوان ہندوؤں کے لئے یہ تہوار نئی اُمنگیں اور نئے جوش و ولولے لے کر آتا ہے۔ نویں تاریخ کو وہی کتھا سُنائی جاتی ہے کہ کرشن جی کو دہی، مسکا اور دودھ بہت پسند تھا۔ اسی وجہ سے اس روز ہندو نوجوانوں کی ٹولیاں "گووندا آلا رے" کے نعرے لگاتی ہوئی، اونچے اونچے مقامات پر لٹکی ہوئی دہی کی مٹکیاں توڑتی ہوئی گلی کوچوں سے گذرتی ہیں۔ بچے اور بوڑھے بھی ان ٹولیوں میں شریک ہوجاتے ہیں۔

پیٹھوری اماوس

یہ تہوار بھی ہندو عورتوں تک مخصوص ہے۔ اس دن خصوصاً وہ عورتیں جن کے بچے نہیں بچتے پوجا پاٹ کرتی اور دعائیں مانگتی ہیں۔

گنیش چترتھی

ہندوؤں کے تین بڑے دیوتا۔ برہما، وشنو اور مہیش ہیں۔ مہیش کو شنکر بھی کہتے ہیں۔ شنکر جی کی بیوی پاروتی دیوی ایک دن نہا رہی تھیں اور شنکر جی بغرض شکار باہر گئے ہوئے تھے۔ پاروتی جی نے اپنے جسم کے میل کچیل سے ایک چھوٹی سی مورت بنائی اور اس میں روح پھونک دی۔ پاروتی دیوی نے اس ننھی سی مورت کو گھر کی چوکیداری کا حکم دیا۔ اسی اثنا میں وہاں شنکر جی وارد ہوئے اور گھر میں داخل ہونے لگے تو اس مورت نے ان کا رستہ روکا۔ اس حرکت پر شنکر جی نے اس مورت کی گردن اُڑادی۔ پاروتی دیوی نے نہانے کے بعد شنکر جی سے اس مورت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے حقیقت بیان کی۔ پاروتی دیوی زار و قطار رونے لگیں اور شنکر جی سے مطالبہ کیا کہ انھیں ان کا بیٹا لا دیا جائے۔ شنکر جی جنگل پہنچے۔ وہاں انھوں نے ایک ہاتھی کا شکار کیا اور اس ہاتھی کی گردن مورت کے دھڑ سے چسپاں کردی۔ اس طرح گنیش جی وجود میں آئے۔ بھادرپدھ مہینہ کی چوتھی روشن رات کو گنپتی مورت کی پوجا کی
اس موقع پر چاول کے آٹے کی رس گلے نما ما
بھاپ پر تیار کی جاتی ہے جسے مودک کہ
بال گنگا دھر تلک کی تحریک کے بعد مہاراشٹر
تہوار کی سماجی حیثیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔
متواتر دس دنوں تک بڑے تزک و احتشام
منایا جاتا ہے۔

ہرتالکا

پاروتی دیوی نے شنکر جی کو پانے
کافی تپسیا کی تھی۔ اس امر میں انھیں کامیا
ہوئی تھی۔ لہٰذا نوجوان ہندو عورتیں اچھا
پانے کی خواہش میں اس تہوار کو مناتی ہیں
عورتیں اُپاس رکھتی ہیں اور معمر عورتیں قدیم
دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے صرف پھل ا
استعمال کرتی ہیں۔ اس تہوار کو رُسی پنچمی
جاتا ہے۔

نوراتر یا دسہرا

نوراتر (نوراتیں) کا تہوار اشون مہ
پہلی تاریخ سے شروع ہوتا ہے اور دس د
چلتا رہتا ہے۔ دسویں رات کو دسہرا کہ
ان راتوں کی اہمیت کا سبب یہ ہے کہ
دیوی نے کالی چنڈیکا (خطرناک دیوی) کا بھ
بدل کر ایک جلاد اور سفاک راکھشس مہیش
کام تمام کیا تھا۔ اس تہوار میں ہندو لوگ
مٹکے میں پانی بھر کر پوجا کرتے ہیں اور پا
کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔ دسویں را
جنگی اسلحہ، کھیتی باڑی کے اوزار و ہتھیار
اپنی کتابوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی
لوگ جلوس کی شکل میں شہر یا گاؤں کی س
جاتے ہیں۔ آپٹا یا شمی کے درختوں کی پوج
سے کروائی جاتی ہے۔ ان درختوں کے پتّ
لوگ آپس میں ایک خاص جذبے کے تحت
کرتے ہیں جنھیں وہ سونا کہتے ہیں۔ مذہ

یہ دن اس لئے بھی [illegible] سمجھا جاتا ہے کہ اسی دن پانڈو اپنی شرط پوری کرکے وطن لوٹے تھے۔ کوروؤں سے قمار بازی میں ہار جانے کے بعد پانڈو شرط کے مطابق ایک سال تک جنگلوں میں روپوش رہے تھے۔ اسی دوران میں پانڈوؤں نے اپنے اوزار اور اسلحہ جات آپٹا اور شالی کے درختوں میں پوشیدہ رکھے تھے۔ پانڈوؤں نے لوٹنے پر جنگی ہتھیار صاف کئے تھے اور کوروؤں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کا آغاز کیا تھا۔ شہروں میں خاص مقامات پر راون کے بڑے بڑے پتلے آتشبازی کی چیزوں کے ساتھ بنائے جاتے ہیں رام چندر جی کے رتھ پر بہروپیئے سوار ہوتے ہیں اور ان پتلوں پر آتشیں تیر چھوڑتے ہیں۔ یہ منظر نہایت دلفریب اور دیدہ زیب ہوتا ہے۔

کوجاگری پورنیما

اشون مہینہ کی پورے چاند کی رات کاشتکاروں کے لئے سرخوشی اور سرمستی کا پیغام لے کر آتی ہے وہ کھیتوں میں پانچ پانڈوؤں اور ان کی ماں کنتی کی خدمت میں گاڑھا دودھ (باسوندی) اور بہت سی چیزیں پیش کرتے ہیں۔ واپسی پر تازہ ترین اُگے ہوئے اناج کی بالیاں گھریلو دیوتاؤں کے لئے لے جاتے ہیں اور ان کی نذر کرتے ہیں' اور رات میں چاند جب اپنے پورے شباب پر ہوتا ہے تو یہ لوگ میدانوں میں بڑے بڑے ہنڈوں میں دودھ گاڑھا کرتے ہیں۔ یہ عمل رات کے ۱۲ بجے تک جاری رہتا ہے۔ سُنا ہے آدھی رات کے بعد چاند کی نور پاش دودھیا کرنیں اس دودھ پر خاص قسم کا اثر ڈالتی ہیں۔ دودھ کے گاڑھا ہونے پر یہ لوگ اسے پیتے اور خوشیاں مناتے ہیں۔

دیوالی

ہندوؤں کا سب سے بڑا تہوار دیوالی یا جشن چراغاں مانا جاتا ہے۔ یہ تہوار آشون مہینہ کی تیرھویں تاریک شب سے شروع ہوتا ہے اور چار دنوں تک جاری رہتا ہے۔ گھروں' دوکانوں اور ایسے ہی مقامات کو سجایا جاتا ہے۔ غروب آفتاب کے ساتھ ہر طرف چھوٹے چھوٹے دیئے روشن کئے جاتے ہیں جس کے باعث ہر چیز بقعۂ نور بن جاتی ہے۔ کئی قسم کی مٹھائیاں بنائی جاتی ہیں اور دوستوں' محلے والوں کو تقسیم کی جاتی ہیں۔ ۱۴ تاریخ کو یہ لوگ ایک خاص قسم کا غسل کرتے ہیں جسمیں وہ اُبٹن وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔ اس غسل کو ابھنگ اشنان کہتے ہیں۔ گھروں اور دوکانوں کے سامنے گوبر کے پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ اس پر لڑکے اور لڑکیاں رنگین بُرادوں سے خوشنما نقش و نگار بناتے ہیں جسے وہ "رنگولی" کہتے ہیں۔ شام کو آتشبازی سے ساری فضا گونج اٹھتی ہے۔ کاشتکار اور بیوپاری اسی رات لکشمی (مال و دولت کی دیوی) کی پوجا کرتے ہیں۔ دوسرے دن سہاگن عورتیں اپنے شوہروں کی آرتی اتارتی ہیں اور تحائف قبول کرتی ہیں۔ بہنیں اپنے بھائیوں کی آرتی اتارتی ہیں اور تحفے لیتی ہیں۔ اس رسم کو بھاؤ بیج کہا جاتا ہے۔

تلسی لگن

سماجی اعتبار سے ہندوؤں کے یہاں اس تہوار کی کافی اہمیت ہے۔ یہ لوگ کارتھک مہینہ کی روشن رات کو تلسی کی شادی کرشن جی کے بت سے کرتے ہیں۔ عقائد کے مطابق ہندوؤں کے یہاں شادی بیاہ کا مہینہ اسی دن سے شروع ہوتا ہے۔ کارتھک کی پندھوریں کو دیوالی منائی جاتی ہے کیونکہ اس دن شیوجی نے تری پوراسُرا نامی راکھشس پر فتح پائی تھی۔

مکر سنکرانتی

پوس کے مہینہ میں یہ تہوار پڑتا ہے۔ ہندوؤں کے عقائد کے پیش نظر اس دن سورج 'مکر' (ایک فلکی برج) میں داخل ہوتا ہے اس لئے مکر سنکرانتی منائی جاتی ہے۔ شام کو یہ لوگ ایک دوسرے کو تل گُڑ بانٹتے ہیں تاکہ تعلقات ہمیشہ استوار رہیں۔

مہا شیو راتری

شیوجی کی بڑی رات میگھ مہینہ کی تاریک چودھویں شب کو منائی جاتی ہے۔ اس رات شیوجی کی پوجا کی جاتی ہے اور لوگ بھکتی گیت گاتے ہیں۔

ہولی

پھاگن شروع ہوتے ہی ہولی کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ پندرھویں روشن شب کو ہولی جلائی جاتی ہے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ ہولی کے ساتھ ساتھ ساری بُرائیاں اور خرابیاں بھی خاک ہو جاتی ہیں۔ ہولی کے دن لکڑیوں وغیرہ کا ایک اونچا سا مینار بنایا جاتا ہے اور اس مینار کے دامن میں ایک پتھر رکھ کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ سورج ڈھلتے ہی اس مینار کے اردگرد جوان بچے اور بوڑھے اکٹھا ہو جاتے ہیں اور فلک شگاف نعروں کے ساتھ ہولی جلادی جاتی ہے۔ ہولی کے دوسرے دن دھول اور مٹی کھیلی جاتی ہے پھاگن کی پانچویں تاریخ کو یہ لوگ آپس میں رنگ اور گلال کھیلتے ہیں۔ اس تہوار کو رنگ پنچمی کہتے ہیں۔

میں نے اوپر جن تہواروں کا ذکر کیا ہے وہ سب کے سب مہاراشٹر کے ہندوؤں کے تہوار ہیں' لیکن مہاراشٹر میں صرف ہندو نہیں بستے بلکہ مسلمان' سکھ' عیسائی اور پارسی وغیرہ بھی بستے ہیں۔ یہ بھی اپنے تہوار بڑے اہتمام سے مناتے ہیں۔ ان تہواروں میں عید' بقرعید' کرسمس' جشن نوروز' بیساکھی وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ گو کہ یہ تمام تہوار مختلف تہذیبی گروہوں کے انکے اپنے عقائد کے مطابق ہیں لیکن جب ان کو منایا جاتا ہے تو اس میں ہندو' مسلم' سکھ' عیسائی کا سوال نہیں ہوتا بلکہ سب لوگ ایکدوسرے کی خوشی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور ان سب تہواروں کو اپنے قومی تہوار سمجھتے ہیں۔

اردو کے ہندو ادارے

شام کشن نگم

اردو زبان تقریباً عہدِ اکبری میں شروع ہوئی۔ اردو کو تشکیل دینے کی خاص وجہ یہ تھی کہ جب مسلمانوں نے ہندوستان میں حکومت قائم کی تو اُن کو اور اُن کے ساتھ آئے ہوئے فوجی سپاہیوں کو ہندوستان کے باشندوں سے تبادلۂ خیالات کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں کیونکہ مسلمان حکمراں اپنے ساتھ عربی اور فارسی لائے تھے اور عربی یا فارسی سے ہندوستان کے باشندے واقف نہ تھے۔ اس وجہ سے ایک نئی زبان کو تشکیل دیا گیا جس کو اُردو کہا گیا۔

اردو کے لفظی معنی "لشکری زبان" ہوتے ہیں کیونکہ فوج میں ہندوستان کے تمام صوبوں کے لوگ تھے یعنی آسام، بنگال، اودھ، دہلی، پنجاب، سندھ، گجرات، مہاراشٹر وغیرہ۔ اسی لئے آپ اردو زبان میں ہندوستان کے تمام علاقوں کی زبانوں کے چنے ہوئے الفاظ پائیں گے لیکن عربی اور خاص کر فارسی، اُردو زبان پر سب سے زیادہ اثرانداز تھی کیونکہ حکمراں جو الفاظ اچھی طرح سے سمجھ سکتے تھے اُن کا ہونا لازمی تھا اس لئے عربی اور فارسی کے الفاظ زیادہ سے زیادہ اردو میں سمو لئے گئے۔

یوں تو ہندوستان کے تمام صوبوں کے لوگ اردو کو سمجھتے بولتے اور لکھتے پڑھتے تھے لیکن کایستھوں اور کشمیری پنڈتوں نے اسے سب سے زیادہ اپنایا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ حکومت کا سارا کاروبار یعنی Administration اکثر کایستھوں کے ہاتھوں سے ہوتا تھا۔ اکبر کے دربار کے نورتنوں میں سے راجہ بیربل کایستھ تھے اور راجہ ٹوڈرمل بھی کایستھ تھے۔ مسلمانوں کی حکومت کے بعد بھی انگریزوں کے دور میں اُردو کا اہم مقام رہا ہے اور اسی وجہ سے کایستھ گھرانوں میں اردو کا سب سے زیادہ چلن رہا ہے۔ کایستھ عورتیں بھی نہایت خوبصورت اردو بولتی ہیں۔ جب وہ باتیں کرتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد کچھ وجوہات کی بناء پر اردو زبان کے ساتھ کافی ناانصافیاں ہوئیں اور اردو کو صرف یہ کہہ کر نظرانداز کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ پاکستان اور مسلمانوں کی زبان ہے جبکہ پاکستان کو بنے ہوئے صرف چند ہی سال ہوئے ہیں اور اردو زبان سیکڑوں سال پہلے سے بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان نے اردو ہندوستان سے لی، دوسرے اردو زبان صرف مسلمانوں کی جاگیر نہیں ہے کیونکہ ہندوستان کے تمام مذاہب کے لوگ یعنی ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی اور گجراتی سب ہی اُردو بولتے اور سمجھتے ہیں اور ان میں شروع سے لے کر آج تک اردو کے بہت اچھے ادیب اور شاعر پیدا ہوئے ہیں اور آج بھی ہیں۔ ان غیرمسلم اردو ادیبوں اور شاعروں نے اردو زبان میں جو ادبی سرمایہ کا اضافہ کیا ہے وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ میں یہاں چند ہندو شاعروں اور ادیبوں کا تذکرہ کرتا ہوں:

ہندوستاں میں کون ایسا شخص ہے جو منشی پریم چند کو نہیں جانتا اور پڑھنے لکھنے سے ذرا سا بھی لگاؤ رکھنے والا کون شخص ہے جس نے منشی پریم چند کے افسانے نہ پڑھے ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کی کسی بھی زبان کا بولنے والا منشی پریم چند کے افسانوں سے ضرور واقف ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ منشی نول کشور نے اردو کی طباعت میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ بھی کسی سے چھپی نہیں ہیں۔

اب میں چند کشمیری پنڈتوں اور کایستھوں اور اُن دوسرے لوگوں کے نام پیش کرتا ہوں جن کا اردو زبان سے بہت ہی قریب کا رشتہ رہا ہے۔ کشمیری پنڈتوں میں پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجر

تخلص فرماتے تھے۔ حضرت ہجر ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے اور زندگی کا زیادہ حصّہ اودھ میں ہی گزارا اس حوالہ سے پتہ چلتا ہے کہ اُس صدی میں بھی اردو زبان کے اچھے شاعر موجود تھے۔ جناب ہجر کا ایک شعر پیش کرتا ہوں جو انہوں نے ہولی کے متعلق کہا ہے۔

چھوٹ سے لالۂ احمر کے ہے یہ رنگِ بہار
لال ہے مثلِ شفق رنگِ سپہرِ گردوں

پنڈت رتن ناتھ سرشار کی جادو بیانی کا لوہا کون نہیں مانتا۔ آپ بھی ۱۹ صدی کی دین تھے اور آپ نے اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی بہت اچھا کلام پیش کیا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

پینے پہ جب آتے ہیں تو پھر بس نہیں کرتے
میخانے میں سنتے نہیں سرشار کسی کی

کشمیری پنڈتوں کے مایۂ ناز شاعر جناب دیا شنکر نسیم ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوئے اور تقریباً ۳۲ سال کی عمر میں وفات پائی لیکن اس تھوڑے سے عرصہ میں بھی کیا کیا گل فشانیاں کی ہیں! اُن کا ایک شعر ہے ۔

قبر پہ میری لگایا نیم کا اُس نے درخت
بعد مرنے کے مری توقیر آدھی رہ گئی

کس قدر پُرمذاق شعر ہے۔ لفظ نیم کو ذو معنی استعمال کیا ہے یعنی نیم کے آدھے ہونے کے معنی کس خوبصورت انداز سے پیش کئے ہیں۔ سُبحان اللہ! کیا بات پیدا کی ہے۔ ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیں اور نسیم صاحب کی جولانیٔ طبع کا اندازہ لگائیں ۔

وہ شرم رُو پتنگ اُڑاتا ہے شاید آج
کچھ پیچ پڑ گیا ہے جو آنے میں ڈھیل ہے

مزید فرماتے ہیں ۔

لائے اُس بُت کو اِلتجا کر کے
کُفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اب حضرت برج موہن دتاتریہ کیفیؔ دہلوی کا ایک بند پیش کرتا ہوں جو اُس زمانے کی بدحالیوں سے نجات دلانے کیلئے اُنہوں نے کہا ہے ۔

دکھاؤں گا پہلے بزرگوں کی عظمت
وہ بھارت کا اوج، آریوں کی وہ شوکت
تمہاری دکھاؤں گا پستی کی حالت
بتاؤں گا پھر تم کو تدبیر و حکمت
کرو گے عمل تم جو ذی ہوش ہوگے
نہیں تو فنا کے ہم آغوش ہوگے

اب میں آپ کے سامنے ہندوؤں کے مایۂ ناز شاعر پنڈت برج نارائن چکبست کا نام نامی پیش کرتا ہوں۔ آپ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۶ء میں وفات پائی۔ گو چکبست صاحب وفات فرما گئے لیکن آپ کا کلام رہتی دنیا تک زندہ رہیگا اور جب تک آپ کا کلام زندہ رہے گا تب تک اُردو ادب زندہ رہے گا۔ آپ کے چند شعر پیش خدمت ہیں جو کہ مختلف غزلوں سے لئے گئے ہیں۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا
اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا

اگر دردِ محبت سے نہ انساں آشنا ہوتا
نہ مرنے کا اَلم ہوتا نہ جینے کا مزا ہوتا

ہائے اس دنیا کی پابندی عجب دل گیر ہے
خود پہنتا ہے جسے انساں یہ وہ زنجیر ہے

دیکھا سرورِ بادۂ ہستی کا خاتمہ
اب دیکھیں رنگ لائے اجل کا خمار کیا

اُردو کے غیر مسلم شعراء قومی یکجہتی کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ برج نارائن چکبست کہتے ہیں:

"ہولی کے دنوں میں مسلمانوں کے گھر لڑکا پیدا ہوتا ہے تو لال خاں اور ہندو لڑکے کا نام ہوری لال رکھا جاتا تھا۔ ان باتوں سے آپسی تعلقات کا ٹھیک اندازہ ہوتا ہے۔"

ذرا چکبست صاحب کے تیور دیکھئے! خدا سے روبرو فرماتے ہیں ۔

رنج و راحت کا سبب دنیا میں کچھ پایا نہیں
حشر میں ہم صاف کہہ دیں گے خدا کے سامنے

•

اب میں اپنے والد بزرگوار منشی موہن لال اخگرؔ دہلوی کی ایک انقلابی نظم کے چند شعر پیش کروں گا۔ یہ نظم والد صاحب نے امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ڈائر کے گولی چلوانے کے خلاف لکھی تھی۔ آپ اُس وقت "محبِ وطن" دہلی کے سب ایڈیٹر تھے۔ آپ کی نظم کا عنوان ہے "باغِ جلیانوالہ، وطن پرستوں کا شوالہ"

گرا ہے خون یہیں قوم کے شہیدوں کا
فنا ہوا ہے یہیں دم ستم رسیدوں کا
ہوئے ہیں غرق لہو میں وطن کے لال یہیں
چمن ہوا ہے مرادوں کا پائمال یہیں
یہیں چلی ہیں یہیں گولیاں نہتوں پر
کہ آگ برسی ہے آتش بجاں نہتوں پر
یہیں نکالے ہیں ارمان دل کے ڈائر نے
کہ بھاڑ بھون دیا ہے پناہ! فائر نے

یہ اب وہ پہلا سا جلیان والہ باغ نہیں
وطن پرستوں کا یہ ہے شوالہ، باغ نہیں

اب جناب مہاراج بہادر برقؔ دہلوی کے چند
شعار ملاحظہ فرمائیے، جو کہ حکومتِ برطانیہ کی
وکری میں ہونے کے باوجود اپنی نظم " تیغ ہند "
یں ارشاد فرماتے ہیں :

غیرتِ برقِ شرر بار جھلک ہے تیری
جس سے خیرہ ہوں نگاہیں وہ چمک ہے تیری
دستِ غیبی جسے کہتے ہیں کمک ہے تیری
دھوم دنیا میں تو کیا تا بہ فلک ہے تیری
صاف کرتی صفِ دشمن تو جدھر چلتی ہے
ہاتھ باندھے ترے سائے میں ظفر چلتی ہے

اب موجودہ دور کے چند ادیبوں کا ذکر کرتا
ہوں جنھوں نے باوجود فضا ناسازگار ہونے کے
اردو زبان کو اپنے سینے سے کلامِ الٰہی کی طرح
لگا رکھا ہے اور یہی محنت اس بات کی ضامن ہے
کہ جب تک دنیا میں تہذیب اور ادب زندہ رہے گا
اس وقت تک اردو زبان بھی قائم رہے گی ۔
سب سے پہلے جناب رگھوپتی سہائے فراقؔ کا
نام پیش کروں گا جن کو اگر زمانۂ حال کا غالبؔ
کہیں تو بے جا نہ ہوگا ۔ فراقؔ صاحب علاوہ اردو
ادب کے فارسی، انگریزی، ہندی اور کئی دوسری
زبانوں پر پورا پورا عبور رکھتے ہیں ۔ فراقؔ صاحب
سے آپ چاہے اردو ادب پر بات کریں یا سیاسی
معاملات پر بحث کریں یا مذہبی مسائل پر گفتگو کریں
یا کسی بھی موضوع پر، ایسا محسوس ہوگا کہ فراقؔ
صاحب صرف ہندوستان کے ہی نہیں بلکہ دنیا کے
ایک بہت بڑے مفکر ہیں اور دنیا کے تمام مسئلوں
پر اُن کو پورا پورا اختیار ہے ۔ اس عمر میں بھی
جب آپ شعر کہتے ہیں تو سننے والوں پر وجد کا عالم
طاری ہو جاتا ہے ۔ خدا اُن کو ہمارے درمیان
بہت زمانے تک قائم رکھے ۔ فراقؔ صاحب کی
ایک رباعی پیش ہے :

لہروں میں کھلا کنول نہائے جیسے — دوشیزۂ صبح گنگنائے جیسے
یہ روپ، یہ رنگ، یہ کھلاوٹ، یہ نکھار — بچہ سوتے میں مسکرائے جیسے

اس رباعی کے بعد فراقؔ صاحب کے دو شعر پیش ہیں :

تم مخاطب بھی ہو، قریب بھی ہو
تم کو دیکھوں کہ تم سے بات کروں

بِنا ہے کوئی عقیدہ تو خون تھوکا ہے
نئے خیال کی تکلیف اٹھی ہے مشکل سے

فراقؔ صاحب کے بعد اپنے بزرگ جناب آنند نرائن
ملّا صاحب کا ذکر کروں گا ۔ ملّا صاحب نے اس دور میں
اردو کی بقا کے لئے جو لڑائی لڑی ہے وہ قابلِ ستائش
ہے ۔ ملّا صاحب کے دو شعر پیش ہیں :

میری الفت نے انھیں کر تو لیا ہے اپنا
اب فقط شرم کی سینہ سپری باقی ہے

دل ہے جب تک مرے سینہ میں غمِ دہر ہو کیوں
ایک مینا ابھی صہبا سے بھری باقی ہے

اب میں اپنے بچپن کے دوست
گلزارؔ دہلوی کا ایک شعر سناتا ہوں ؎

ہم کہاں ہیں دیکھئے اور تیغ کس منزل میں ہے
داغ ہے اُن کی جبیں پر اور ہمارے دل میں ہے

اس کے بعد جناب کالیداس گپتا رضاؔ کے
بارے میں کچھ کہوں گا ۔ رضاؔ صاحب کی زندگی کی
زیادہ بہاریں افریقہ کے شہر نیروبی میں گذری ہیں
جو ہندوستان سے ہزاروں میل دور ہے اور
نیروبی میں اردو زبان کے ماحول کا سوال ہی
نہیں پیدا ہوتا لیکن اس کے باوجود رضاؔ صاحب
نے اپنی پیاری اردو کو وہاں بھی سینہ سے لگائے
رکھا اور یہی نہیں بلکہ دو انتخاب مکمل کر کے اردو
ادب میں اضافہ کیا ہے ۔ آپ کے مجموعوں کے
نام ہیں " شعلۂ خاموش " اور " شورشِ پنہاں "
آپ کا کلام نہایت ہی خوبصورت اور بلیغ ہے ۔
اپنے متعلق رضاؔ صاحب فرماتے ہیں ۔

یوں مضطرب ہیں رہ کے ہم اپنے وطن سے دور
جیسے تڑپ رہے ہیں عنادل چمن سے دور

اردو کی یکجہتی پر رضاؔ صاحب کا کتنا خوبصورت شعر ہے ؎

ہندو ہے نہ مسلم ہے رضاؔ مذہبِ اردو
دونوں ہی کی آغوش میں یہ پھولی پھلی ہے

موجودہ دور کے نثر لکھنے والوں میں کرشن
چندر کا نام سب سے اوّل آتا ہے آپ نے تقریباً
اسّی سے زیادہ کتابیں اردو میں مختلف موضوعات
پر لکھی ہیں اور تقریباً تمام ہی کتابیں ہندوستان
کی سب زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں اور کرشن چندر
کو ہر شخص نے بیحد پسند کیا ہے ۔ اتنا ہی نہیں دنیا
کی تقریباً سات بڑی غیر ملکی زبانوں میں بھی آپ
کے ترجمے ہو چکے ہیں اور غیر ملکوں میں بھی ۔ کرشن
چندر جی کے علاوہ جناب راجندر سنگھ بیدی کا
بھی ذکر ضروری ہے جنھوں نے اردو میں کافی
کتابیں لکھی ہیں ۔ بیدی صاحب کو ان کی ایک
کتاب " ایک چادر میلی سی " پر ساہتیہ اکیڈمی کا
ایوارڈ بھی ملا ہے ۔
یہاں ہماری فلموں کا ذکر بے محل نہ ہوگا
جو سلیس اردو میں بنتی ہیں اور ہندوستان کی
تمام ریاستوں میں چلتی ہیں ۔ خاص کر فلمی گانوں
نے جو مقبولیت تمام ہندوستان میں حاصل کر
لی ہے اُس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں ۔ چاہے
آپ کیرالا چلے جائیں یا آندھرا، آپ کو سب
جگہوں پر اُن فلمی گانوں کے ریکارڈ بجتے ہوئے
ملیں گے اور مدراس تو بمبئی کے بعد ہندوستانی
فلموں کا گڑھ ہی ہے ۔ اس لئے فلم انڈسٹری
اردو کا ادارہ ہے اور ان فلمی کہانیوں یا گانوں
میں ہندوؤں کا برابر کا حصہ ہے ۔
مندرجہ بالا حوالوں کے بعد کون یہ کہہ سکتا
ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے ؟ اردو
پر ہندوؤں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ مسلمانوں
کا ۔ اس لئے ہر ہندو شاعر یا ادیب بذاتِ خود
ایک اردو ادارہ ہے اور اُن کے خاندان اردو
کو قائم رکھنے میں اپنا خود ایک مقام رکھتے ہیں

جب کسی کا نام لے کر رقص فرماتا ہے دِل
محفلِ ارض و سما کو وجد میں لاتا ہے دِل

اِنتہائے یاس میں جسوقت گھبراتا ہے دل
آنے لگتی ہے صدا ان کی، بہل جاتا ہے دل

جب شبِ غم بڑھنے لگتا ہے اندھیروں کا طلسم
نور بن کر ذرّہ ذرّہ میں سماجاتا ہے دِل

آتو جاتی ہے کسی کی یاد شامِ غم مگر
کون جانے پھر مجھے کس درجہ تڑپاتا ہے دل

آپ کے غم کی پناہیں مل گئیں تقدیر سے
بے نیازِ گردشِ دوراں ہوا جاتا ہے دل

ہے چراغِ صبح یہ تو آپ کیوں زحمت کریں
چند لمحے ٹمٹما کر خود بجھا جاتا ہے دل

دیکھنے میں اس کی ہستی کچھ نہیں فہمیؔ مگر
وقت پڑتا ہے تو لاکھوں ظلم سہہ جاتا ہے دل

ڈاکٹر تسخیر فہمیؔ

پیام واصفؔ مندسوری

ہم راہ چلتے چلتے جہاں آکے رُک گئے ۔۔۔ اُمرائے کارواں بھی وہاں آکے رُک گئے

اے ہمسفر مآلِ سفر بھی عجیب ہے ۔۔۔ منزل کہاں تھی اور کہاں آکے رُک گئے

وہ آنسوؤں کی شکل میں آخر بکھر پڑے ۔۔۔ الفاظ جو قریبِ زباں آکے رُک گئے

آغاز کر رہا ہوں وہاں سے سفر کا میں ۔۔۔ اب تک جہاں قدم کے نشاں آکے رُک گئے

ماحول سازگار جو پایا نہ بزم کا ۔۔۔ جذبات تا بہ حدِّ بیاں آکے رُک گئے

کیا تھم گئی ہے گردشِ دوراں کی نبض بھی ۔۔۔ گلشن میں کیوں سفیرِ خزاں آکے رُک گئے

واصفؔ چلو کہ لائیں بہار اپنے باغ میں
آخر یہ کیا کہ عزمِ جواں آکے رُک گئے

٥

جاسوسی ناولوں کا سماجیاتی پس منظر

از: ح۔ یوسف میاں جی (بی۔اے) برہانی کالج

جاسوسی کہانیاں اپنی ہردلعزیزی اور کثیر اشاعت و فروخت کے لحاظ سے عالم گیر کہی جاسکتی ہیں۔ جاسوسی کہانیاں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں، لکھی جارہی ہیں اور دیکھا جائے تو آج جتنی مانگ ان کہانیوں کی ہے اتنی دیگر ادبی یا غیر ادبی تصانیف کی نہیں ہے۔ انگریزی زبان میں ایڈگر ویلس، اگاتھا کرسٹی، ہیڈلے چیز، اور گارڈنر کی متعدد تخلیقات نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے جن کا دنیا کی بیشتر زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ جاسوسی کہانیوں کی مقبولیت کا راز دراصل اسرار و رموز اور سراغ رسانی کا وہ مربوط تسلسل ہے جو قاری کی دلچسپی کو آخر تک قائم رکھتا ہے۔ تجربات اور جستجو انسانی فطرت کا خاصہ ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اکثر واقعات و حادثات ایسے رونما ہوتے ہیں جن کا تاثر ہمارے ذہنوں میں دیر تک رہتا ہے۔ کتنے حادثات عرصے تک خواص و عوام کی چہ میگوئی کا موضوع بنے رہتے ہیں، حتیٰ کہ ہر طرف سے حاشیہ آرائی ہوتے ہوتے حقیقت کی نوعیت اتنی بدل جاتی ہے کہ ایک چھوٹا موٹا افسانہ بن جاتی ہے۔ غور کیا جائے تو جاسوسی کہانی کا مواد حقائقِ زندگی سے قریب تر ہوتا ہے۔ کہیں کوئی واردات ہوتی ہے۔ قتل عمد یا اسی نوعیت کا کوئی سنگین سانحہ وقوع پذیر ہوجاتا ہے جو حکام اور متعلقہ افراد کے ذریعے ضروری تفتیش کے مراحل سے گذر کر کسی نتیجے پر ختم ہوجاتا ہے۔ بس یہی سانحہ یا واردات ایک کہانی کا محرک بن جاتی ہے۔ قلمکار کا تخیل واقعات کے گرد منتخب پلاٹ کا تانا بانا بُن کر ایک پُراسرار کہانی یا اُس کے اپنے معیار کے مطابق ایک شاہکار کو جنم دیتا ہے۔ جاسوسی کہانیاں زیادہ حد تک اپنے عہد کی عکاس ہوتی ہیں۔ ہمارے اطراف جو کچھ ہوا ہے وہی ان کہانیوں کا موضوع ہے۔ اس لئے اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ Under ground زندگی کے نادیدہ اور ناشنیدہ مناظر جاسوسی کہانیوں کے ذریعہ تعلیم یافتہ ذہنوں تک پہنچتے ہیں۔

جاسوسی کہانی کی سب سے بڑی خوبی اسکا Plot Construction ہے۔ کہانی کا پورا پلاٹ، واقعات و مشاہدات اور پس منظر کی روشنی میں کہانی کار کے ذہن میں واضح ہونا چاہئے ورنہ قاری کے ذہن میں تاثر پیدا نہیں ہو سکے گا۔ جاسوسی کہانیاں تخیل پردازی، تشبیہات اور لطیف اشارات کے سہارے نہیں چلتیں جو ادبی یا رومانی تخلیقات کا جزو ہیں۔ ادبی کہانیوں میں موضوع، اسلوب، ہیئت، منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، ابتداء اور اختتام بہت اہم رول ادا کرتے ہیں۔ جاسوسی کہانی کا اسلوب قدرے مختلف اور مشکل ہے۔ اس کی تکنیک میں سادگی، واقعہ نگاری اور مشاہدات کا توازن لازمی ہے۔ ادبی کہانی کا مزاج رومان انگیز، فکر پرور، سماجی اور معاشی ہوتا ہے۔ مواد و پلاٹ میں مصنف کے داخلی احساس اور کیفیات (Moods) کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔ مبالغہ آمیزی کی گنجائش بھی ہوتی ہے اور پلاٹ کو حسب منشاء موڑ دے کر کامیڈی یا ٹریجڈی رنگ کی جاسکتی ہے۔ اس کے برخلاف جاسوسی کہانیوں میں تکنیکی اعتبار سے ایک عدالتی انداز بیان یا ایک رپورتاژ جیسا تاثر ہوتا ہے۔ جاسوسی کہانیوں میں موضوع اتنا اہم نہیں ہوتا جتنا Presentation، اسی لئے اُن کے پلاٹ میں مار دھاڑ، قتل، اغوا بالجبر اور سفاکی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے جو عام مذاق کے قاری کے لئے پوری دلچسپی رکھتا ہے۔

مذاق کی سطح سے دیکھا جائے تو دنیا میں

خاص یا اعلیٰ ذوق کے قارئین کے مقابلے میں اوسط درجے یا عام مذاق والے قارئین کا شمار زیادہ ہے۔ ان میں ایک بڑا طبقہ محنت کش افراد کا ہے جن کے پاس تحقیق کے لئے دماغ ہے نہ فرصت، البتہ تفریح اور سکون کی ان کو بھی ضرورت رہتی ہے۔ ادبی تخلیقات خاص طور سے المیہ ان کو ایک حد تک اُکتا دیتے ہیں مگر ہلکا پھلکا ادب جن میں بڑی حد تک جاسوسی کہانیاں شامل ہیں ایسے افراد کی تفریح کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ اِس کا ثبوت درجنوں ایسی شہری لائبریریاں ہیں جو محض جاسوسی کہانیوں کی آمدنی پر چلتی ہیں۔

بیسویں صدی کے اوائل میں کانن ڈائل کے شرلک ہومز، ایڈگر ویلس کے مختلف النوع کردار، اگاتھا کرسٹی کے ہرکیول پوئرد اور گارڈنر کے پیری میسن نے منفرد طور پر بے مثال شہرت حاصل کی۔ مذکورہ تصانیف سنجیدہ طبقوں میں بھی مقبول ہوئیں اور زبان و بیان کے لحاظ سے نہ صرف دلچسپی کے معیار پر پوری اُترتی ہیں بلکہ جرائم کے پس منظر اور نفسیات سے مکمل وابستگی رکھتی ہیں۔

اُردو زبان اِس پایہ کی طبعزاد تصانیف سے ہمیشہ محروم رہی اور اگر آسے جاسوسی کہانیوں کے ذیل میں کچھ ملا بھی تو منشی تیرتھ رام فیروز پوری کے تراجم کی صورت میں۔

جاسوسی کہانیاں زیادہ تر بیسویں صدی میں بام عروج پر پہنچیں۔ سائنس کی تحقیقات نیز عروج آبادی نے اِن کے پلاٹ میں بُنیادی رول ادا کیا۔ دوسری جنگ عظیم ایک طرف عناصر زندگی اور ادب کے شعبوں پر اثر انداز ہوئی تو دوسری طرف اس نے جاسوسی کہانیوں کو ایک نیا رنگ اور زیادہ دلچسپ موڑ دیا۔ آئن فلیمنگ کے سرگرم کردار جیمس بانڈ نے انگریزی ادب کے دائرے سے نکل کر روسی، امریکی اور فرانسیسی ادب میں بھی نئے نئے حریف اور قومی، سیاسی خفیہ تنظیموں کو جنم دیا اور اس طرح جاسوسی کہانیوں کا دائرہ وسیع تر ہوگیا۔ اکثر جاسوسی کہانیاں قارئین کے قلب و دماغ پر گہرا تأثر چھوڑتی ہیں۔ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ جاسوسی کہانیوں کا مطالعہ کرنے والوں میں ہر عمر، ہر مکتب خیال اور ہر طبقے کے لوگ ہوتے ہیں۔ اکثر پکے گانے گانے والوں کو جاسوسی پلاٹ پر سر دُھنتے دیکھا گیا ہے۔ ابنِ صفی کے تخلیق کردہ کردار عمران، فریدی اور حمید اِس دور میں آزاد، مرزا ظاہردار بیگ اور نرملا سے زیادہ مشہور ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ادبی کردار ہماری زندگی سے زیادہ قریب ہیں اور ہمارے ذہن کے پردوں پر اکثر بنتی مٹتی تصویروں کی طرح ابھرتے ہیں۔ مگر یہ بھی کچھ کم نہیں کہ اب تک عمران، فریدی اور حمید کا ثانی بھی پیدا نہیں ہوسکا۔

جاسوسی کہانیوں کو ناقدین معیاری ادب میں شمار نہیں کرتے۔ جس کی وجہ غالباً یہی ہوسکتی ہے کہ یہ کہانیاں اگرچہ سنگین جرائم سے تعلق تو رکھتی ہیں مگر جرائم کی روک تھام کا کوئی ٹھوس حل نہیں پیش کرتیں۔ دوئم یہ کہ ان کی ہیئت محض تحیر پسندی اور واقعات نگاری کی ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ مسلسل جاسوسی کہانیاں پڑھنے سے طبیعت جرائم کی طرف مائل ہوجاتی ہے جو ناپختہ ذہنوں کے لئے مضرت رساں ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ناقدین اتنے عام موضوع پر خامہ فرسائی کرنے میں خود اپنی سبکی محسوس کرتے ہوں اس کے باوجود جاسوسی کہانیاں آج زیادہ سے زیادہ ہر دلعزیز ہیں۔ ادب میں نظریاتی چھوت چھات کا مسئلہ نیا نہیں ہے، لیکن اگر کوئی بھی تخلیق۔ جاسوسی یا اُس سے مختلف صنف میں Content analysis کے معیار پر پوری ہو تو ناقدانہ قدروں میں تغیر بھی یکساں ضروری ہے۔

اُردو میں آج لاکھوں کہانیاں خفیہ یا سیاسی تنظیموں کے پس منظر میں لکھی گئی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ غیر ملکی کہانیاں طبعزاد ہیں اور اپنے ملکی اور معاشرتی ماحول سے ہم آہنگ بھی ہیں۔ اردو کہانیاں نہ صرف ملک کے ماحول و معاشرے سے بےگانہ ہیں بلکہ کردار کوری مبالغہ آمیزی اور بھونڈے پن کی تمثیل پیش کرتے ہیں۔ اول تو کہانیاں بلا تمہید و تعارف ایک ہٹر لونگ کی طرح شروع ہوجاتی ہیں۔ پلاٹ کا پس منظر اگر مشرقی ہے تو شاہراہوں اور عمارتوں کے نام مغربی مرکزی کردار کے علاوہ دیگر کردار نٹوں کی طرح تماشہ کرتے ہیں۔ مرکزی کردار ہی نٹوں سے اونچا ہوتا ہے جو ناقابلِ تسخیر قوتوں کا مالک ہوتا ہے اور جس کے مقابل دشمن طاقت یا مقامی پولس کا عملہ قطعی نااہل ثابت ہوتا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان میں کوئی کہانی ایسی نہیں جو ملک اور حکومت کی سیاسی اور امن پسند پالیسی یا عوام کے رجحان سے یگانگت رکھتی ہو۔ دل چاہتا ہے کہ اردو میں بھی ایسی طبعزاد اور متوازن کہانیاں لکھی جائیں جو جاسوسی ادب کے اعتبار سے اُردو کا اور ملک و قوم کا اپنا سرمایہ اور شہ پارہ کہی جاسکیں۔

●●

گذارش

مضامین نگار حضرات سے گذارش ہے کہ آنے والے شمارے کے لئے مہرشی والمیکی راجی شندے پر مضامین و تخلیقات ارسال فرمائیں۔

چند رباعیات

سہیل مالیگانوی

عشق

جب تیری طرف عشقِ فدا کار چلا
ہونے کو نثار ہر وفادار چلا
کس شان سے شبّیر لہو میں ڈوبا
کس ناز سے منصور سرِدار چلا

سعیٔ عبث

ساغر سے جو صہبا کو جُدا کرتے ہیں
ساحل سے وہ دریا کو جُدا کرتے ہیں
اور عشق و محبّت سے ہے انکار جنھیں
نشّے سے وہ صہبا کو جدا کرتے ہیں

ذوق و شوق

رقصاں ہے چمن چمن بہاراں ہمدم
ہر شاخِ شجر ہوئی گُل افشاں ہمدم
تجھ کو ہی نہیں ذوق سُخندانی کا
بلبل بھی تو پڑھتا ہے "گلستاں" ہمدم

دلِ بیکس

پتّہ کوئی پر تول رہا ہو جیسے
غنچہ کوئی مُنہ کھول رہا ہو جیسے
میرے دلِ بیکس کا عجیب عالم ہے
آفاق سے کچھ بول رہا ہو جیسے

خودشناسی

کیا فائدہ در در کی جبیں سائی میں
راحت ہے فقط اپنی شناسائی میں
بازارِ جہاں میں اسے کیا ڈھونڈتا ہے
آرام تو ہے گوشۂ تنہائی میں

تبدیلی

ہر باغ و چمن نے اپنی خلعت بدلی
نکہت بدلی گُلوں کی رنگت بدلی
آگاہ نہیں جیسے کسی سے کوئی
احباب نے ایسی شکل و صورت بدلی

تضاد

ذِلّت نے شرافت کی زباں سیکھی ہے
نامرد نے طاقت کی زباں سیکھی ہے
بنیا ہو کہ بقّال، غنی ہو کہ فقیر
ہراک نے سیاست کی زباں سیکھی ہے

قرار

رُک جائے نہ نَو بہار آتے آتے
رہ جائیں نہ برگ و بار آتے آتے
زنہار نہ چھوڑ اپنا تڑپنا اے دل
آئے گا تجھے قرار آتے آتے

تنہائی

فریاد کہ روتی ہوئی برسات چلی
آفاق سے رنگ و بُو کی سوغات چلی
تنہائی میں اِس طرح کٹی ہیں راتیں
افسانہ در افسانہ تری بات چلی

غم

جب دل ترا غم نواز ہو جائے گا
کونین میں سرفراز ہو جائے گا
حور و غلمان و سلسبیل و کوثر
ہر ایک سے بے نیاز ہو جائے گا

یارانِ ستم

جو لوگ مروّت کا شجر کاٹتے ہیں
سفّاک ہیں خود اپنا لہو چاٹتے ہیں
چھاگل مری توڑ دی ہے پانی کے عوض
اور اُس پہ یہ ظلم ہے کنواں پاٹتے ہیں

شمالی ہندوستان کی 'نوٹنکی' اور بنگال کی 'جاترا'
، طرح تماشہ بھی مہاراشٹر میں عوامی فن کاروں کا
سٹیج رہا ہے۔ اس اسٹیج سے عوامی کلاکار، موسیقی
رقص، کے فنون کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ ایک
یانے سے مہاراشٹر کی یہ مقبول عام تفریح، مہاراشٹر
ند بدر بھر کے چھوٹے بڑے شہروں اور دیہی علاقوں
ں عوام سے خراج تحسین حاصل کرتی رہی، لیکن
وں جوں سنیما عام ہوتا گیا، اس کا رواج کم ہوتا
یا اور تماشہ صرف چھوٹے شہروں اور دیہاتوں
ک محدود ہوکر رہ گیا۔

گرمیوں کے موسم میں جب کسان کھیتی باڑی کے
ا موں سے فارغ ہوکر، فصلیں فروخت کرکے، فراغت
ں زندگی گذارتے، تو جلگاؤں، ناسک اور پونے
سے نکل کر، تماشے کی ٹولیاں مختلف شہروں کا
رخ کرتیں۔ کسی میدان میں کپڑے کا ایک بڑا سا تنبو
گاڑ دیا جاتا، باہر چھوٹا سا بکنگ آفس ہوتا جہاں
پولس والے اور غنڈے ساتھ ساتھ کھڑے تماشے
ی "محافظت" کا فرض انجام دیتے۔ آس پاس
کے دیہاتوں سے آئے ہوئے شوقین لوگ پاس
ی اپنی بیل گاڑیاں کھول دیتے۔ کسی میلے کی
ی گہما گہمی ہوتی۔ تنبو کے اندر ایک بڑا سا اسٹیج
ہوتا، اسٹیج کے دائیں بائیں کرسیاں یا بنچیں
ہوتی تھیں۔ یہ "بڑا" درجہ یا فرسٹ کلاس کہلاتا۔
سامنے ٹاٹ بچھا رہتا تھا اور یہاں بھی مناسب
فاصلے پر، رسّیاں باندھ کر درجے بنادئے جاتے
تھے اور پھر جب کافی تماشبین جمع ہوجاتے تو شو
شروع کردیا جاتا۔

ساری لڑکیاں زرق برق ساڑیاں پہنے،
میک اپ کئے کمر پیٹے اور زیورات سے لدی
ایک قطار میں کھڑی ہوجاتی تھیں۔ ساتھ ہی پچھلی
قطار میں ہیرو، کامیڈین، پیٹی ماسٹر اور طبلے
والے بھی۔ شروعات بھگتی گیت سے ہوتی۔ بال
گندھرو کے انداز کا گیت، ہلکی کلاسیکی دھن، طبلے
کی خوبصورت سنگت، مزہ آجاتا۔ موسیقی کی فضا
سی بن جاتی۔ گیت ختم ہوتے ہی لڑکیاں بیک
اسٹیج میں چلی جاتیں، اسٹیج پر ہیرو، کامیڈین
اور سازندے رہ جاتے۔ پھر ہیرو اور کامیڈین
کے درمیان مکالمے ہوتے جسے تماشے کی شروعات
کا ناٹک کہہ سکتے ہیں۔ کامیڈین ہیرو کو تماشہ
دیکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے کسی "بائی" کے
حُسن کا ذرا فحش انداز سے نقشہ کھینچتا۔ پھر
اُس "بائی" کو بلایا جاتا اور "ذو معنی" مکالموں کے
ساتھ گیت اور سنگیت کا تماشہ شروع ہوجاتا۔
باری باری ہر لڑکی اپنے فن کا مظاہرہ کرتی
درمیان میں گروپ کی شکل میں رقص ہوتے اور
پھر فرمائشوں کا دور چل پڑتا۔ منچلے دو یا پانچ
کے نوٹ دکھا کر اشارہ کرتے، ناچتی گاتی لڑکی
اسٹیج سے اُتر کر اُن کے پاس پہنچ جاتی، گانے
کی فرمائش کے ساتھ نوٹ تو دیتے لیکن بڑے
فحش انداز سے۔

چھوٹے شہروں کے بگڑے زمینداروں میں
کبھی حریفانہ چشمک چل پڑتی، اپنی پسند کا گیت
گوانے کے لئے پہلے تو روپوں کی بارش ہوتی،
روپے ختم ہوتے تو گالی گلوچ اور پھر باقاعدہ
مار دھاڑ۔ پولس والے اور غنڈے حریفوں کو
باہر اُٹھا لے جاتے، اور تماشہ چلتا رہتا۔

کچھ ایسا تھا تماشہ اگلے وقتوں کا۔ لیکن
تماش بینوں کے اس طرح فحاشی سے جنسی تسکین
حاصل کرنے اور بگڑے رئیسوں کی امارت کے
مظاہروں سے قطع نظر، ان ناچنے گانے والیوں
میں ایسی لڑکیوں کی کمی نہ تھی، جو حسین ہونے کے
ساتھ ساتھ اچھی فنکار بھی ہوتی تھیں۔ گاؤں
کے تماشے کا اسٹیج کوئی ریکارڈنگ روم نہیں
ہوتا جہاں کئی دنوں کے ریاض کے بعد، تمام
سہولتوں کے ساتھ گانا گایا جائے اور ایک بار
نہیں، کئی کئی بار کہ جو سب سے اچھا ٹیک ہو
وہی عوام تک پہنچے۔ یہاں تو جو کچھ ہے طبعزاد
اور فی البدیہہ۔

مرتندّر حمید

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، تماشے میں بھی تبدیلیاں آتی گئیں۔ اب تنبو کی جگہ شہر کے سنیما گھر یا ہال میں شو ہونے لگے ہیں۔ نوٹ دکھا کر فرمائشیں پوری کروانے اور جنسی بدمذاقی کے مظاہروں کی جگہ اب انعامات اور شائستگی نے لے لی ہے۔ رقص اور موسیقی کے سلسلے جلے اس تماشے میں ہلکے پھلکے رومانی گیتوں کے علاوہ مہاراشٹر کے پرانے رزمیہ گیت، بھگتی گیت اور تاریخی قصوں کو بھی پیش کیا جانے لگا ہے۔ غرضیکہ ایک عوامی فن جو عرصہ تک لاپروائی کا شکار رہا، اب پھر سے توجہ کا مرکز بنا ہے۔

تماشے کے اسٹیج پر کبھی دو گروپ ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوتے ہیں۔ یہ مقابلہ سوال و جواب کی شکل میں ہوتا ہے جس میں شعری کاوشیں پہیلی کے روپ میں سُر تال سے سجا کر سوالیہ انداز میں مخالف پارٹی کی طرف اُچھال دی جاتی ہیں۔ دوسری پارٹی اسی طرح منظوم جواب دیتی ہے۔ یہ بڑا مشکل مقابلہ ہوتا ہے جہاں موزونیٔ طبع اور زبان و بیان کی قدرت کا فی البدیہہ مظاہرہ ہوتا ہے۔ ایک بات یہاں قابل ذکر ہے کہ یہ پہیلیاں بڑی نصیحت آموز اور فلسفیانہ باریکیوں کی حامل ہوتی ہیں۔ اور صاحبِ ذوق سامعین کی تفریح طبع کے ساتھ ساتھ تربیتِ ذوق بھی کرتی ہیں۔ بظاہر فحش کلامی کی تہہ میں ذومعنی عبرت انگیز باتیں کہی جاتی ہیں۔ یہاں کچھ رنگ قوالیوں کے مقابلے کا سا آجاتا ہے۔ دونوں طرف کے فن کار مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرکے نت نئے گل کھلاتے ہیں اور تماشبین محظوظ ہوتے ہیں۔

'لاؤنی' اور 'پواڑہ' مہاراشٹر کے پرانے لوک گیت ہیں۔ ان میں روایتی تاریخی قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ کہیں جنگ کے مناظر ہیں تو کہیں عشق کی داستان طرازیاں، کہیں راجوں کی سخاوت کی کہانیاں، کہیں فرض و محبت کا ٹکراؤ، تو کہیں مادرِ وطن کے لیے دی گئی قربانیاں — یہ لوک گیت گویا ہیں رزم و بزم کے جیتے جاگتے ترانے ہیں مراٹھی ادب میں اس صنفِ شعر کی بڑی اہمیت ہے اور کلاسیکی ادب کے مطالعہ میں اس کا نمایاں مقام ہے۔

جدید تماشوں میں اس صنفِ سخن سے بڑا کام لیا گیا ہے۔ روایتی لاؤنیوں اور پواڑوں سے رزمیہ اور تاریخی قصائص کے بیان کے علاوہ سماجی مسائل بھی پیش کیے جانے لگے ہیں۔ اب کہیں گرانی کا شکوہ ہے تو کہیں جہیز اور تلک کی رسم کے باعث سماج کے ظلم کا نشانہ بنتی ہوئی لڑکیوں کی فریاد۔ کہیں کالے بازاری کی فضیحت تو کہیں شراب کے نقصانات کا بیان اور کہیں مزاحیہ انداز میں اعلان کیا جاتا ہے:

آئی کا ہو لوکا آئی کا لوکا ہو آئی کا
سرکار چا نوین کائیدا کرو نکا دون اُبکا
(لوگو دھیان سے سنو۔ نیا سرکاری قانون ہے
کہ دو بیویاں نہیں رکھ سکتے۔)

تماشے کے اسٹیج سے گائے گئے گیت نہ تو پوری طرح ناٹیہ سنگیت کے زمرے میں آتے ہیں نہ کلاسیکل موسیقی پر ہی کلی طور سے منطبق ہوتے ہیں۔ تاہم ان کی اپنی ایک مٹھاس ہے، اپنی انفرادیت ہے جسے بجا طور سے لوک سنگیت کہا جا سکتا ہے۔ یوں بھی موسیقی میں نہایت سخت قسم کی خانہ بندیاں کبھی نہیں ہوئیں لہٰذا جہاں تہاں سنگیت کے دھارے مل کر ایک گنگا جمنی کیفیت ضرور پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی حال ان کے رقص کا ہے۔

روایتی لاؤنیوں اور پواڑوں سے رزمیہ اور تاریخی قصائص کے علاوہ سماجی مسائل بھی پیش کیے جانے لگے ہیں!!

ان تماشوں کی مقبولیت کبھی کم نہیں ہوئی یہ ضرور ہوا کہ کہیں انھیں محض تفریحی رنگ دیا گیا اور اکثر اتنی نیچی سطح پر کہ فحاشی کی حدوں کو چھولے تو کہیں ہوشمند اور دیانت دار فنکاروں نے اسی واسطے سے اپنی بات عوام تک پہنچا کر فن کا لوہا منوایا۔ اس کی مقبولیت سے فلمیں بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ چنانچہ کئی فلمیں تماشے کے پس منظر کو لے کر بنائی گئیں اور بے حد کامیاب ہوئیں۔

مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں آج بھی تماشہ دیکھنے کے لیے لوگوں کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں۔ تماشے کی اس مقبولیت کے پیش نظر ریاستی حکومت ان سے عوامی فلاح و بہبود کے پروپگنڈے کا کام لے سکتی ہے۔ مثلاً خاندانی منصوبہ بندی کو اس اسٹیج کے واسطے سے لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں، قومی بچت، امدادِ باہمی اور دیگر کئی سرکاری پروگرام لوگوں تک پہنچانے میں تماشہ کا اسٹیج بعض حالات میں ٹی۔ وی اور ریڈیو سے زیادہ مفید واسطہ بن سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ صاحبانِ فکر و فن کے علاوہ صاحبانِ اقتدار بھی اس طرف توجہ دیں کہ سرکاری سطح پر اس فن کی سرپرستی ہو اور یہ پھلے پھولے۔

●●

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں

غیر مطبوعہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

وداع

ڈاکٹر نریش

پنچایت بھون کے باہر گاؤں بھر کے لوگ جمع تھے۔ عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے۔ سبھی کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ سب کو محسوس ہو رہا تھا کہ ان کا کوئی اپنا ان سے بچھڑ رہا ہے۔ یہ منظر اس قصے کی یاد تازہ کر رہا تھا جسمیں ایک بڑھیا روٹیوں کا ڈھیر پکا رہی ہے اور زار و قطار رو رہی ہے۔ سبب معلوم کرنے پر بتاتی ہے کہ اس کے گاؤں سے ہر روز جن کے لئے خوراک اور بلی بھیجی جاتی ہے۔ آج اس کے چھ میں سے پانچویں بیٹے کو خوراک لے کر جانا تھا اور پھر لوٹ کر نہیں آنا تھا۔ کچھ ایسی ہی ذہنی حالت میں تھے سب لوگ۔ جگموہن داس پھولوں کے ہاروں سے لدے، ہاتھ باندھے کہہ رہے تھے۔

"بھائیو! یاد کرو وہ دن۔ آج سے تین برس پہلے جب میں اس گاؤں میں آیا تھا۔ سات دن دھوتے رہنے پر بھی میرے جسم پر جمی دھول نہیں اُتری تھی۔ یاد ہے آپ کو جب کرمو دادا کی لڑکی بیاہی ہوئی تھی تو گاؤں کا پرندہ تک اس کے گھر جانے کو تیار نہ تھا۔ اور پوچھو چاچی سے کیا علاج کر رہی تھی وہ! ہنومان کے لئے منتیاں پکا کر مندر میں رکھ آتی تھی۔ درگا ماتا کی منتوں پر دوب اور بھیگی دال چڑھا آتی تھی۔ یہ سب تو لڑکی کو چنگا کرنے کا طریقہ نہ تھا۔ یاد ہے آپ کو گاؤں کی گلیوں میں گھروں کا گندا پانی اور مویشیوں کا گوبر پیشاب کس بری طرح سے بکھرا رہتا تھا۔ مچھروں کے نشتر تو ابھی تک آپ لوگوں کو یاد ہوں گے۔"

جگموہن داس نے ایک لمبا سانس کھینچا اور قریب کھڑے نتھو خاں کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ کہتے جا رہا تھا۔

"اور آج! نظر اٹھا کر دیکھئے اس پختہ سڑک کو۔ اس پر دھول کا نشان تک نہیں ہے۔ دیکھئے اپنے گھروں کو جن کی لیپا پوتی برسوں کے بعد ہوئی ہے۔ دیکھئے ان گلیوں کو جو پکی اینٹوں سے بنی ہیں۔ یہ وہی گلیاں ہیں جن میں نالی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ اور آج گلی کے دونوں جانب پکی نالیاں ہیں۔"

"اور یہ عالی شان عمارت!" جگموہن داس نے حسرت بھری نگاہوں سے پنچایت بھون کی طرف دیکھا۔ ویسی ہی حسرت بھری نگاہوں سے، جن سے آگرہ کی بارہ دری کو دیکھ کر ارجمند بانو نے کبھی شہزادہ خرم سے کہا تھا: "شہزادے میں مر جاؤں تو میری تربت یہیں بنوانا۔" جن نگاہوں سے ایک انگریز خاتون نے تاج محل کو دیکھ کر اپنے شوہر سے کہا تھا کہ اگر تم میرے لئے ایسی قبر بنوا سکو تو میں آج ہی مرنے کو تیار ہوں۔ عمارت کی طرف دیکھتے ہی جگموہن داس کی آنکھوں میں تین برس پہلے کا وقت گھوم گیا۔ وہ اس گاؤں میں ایک عام گرام سیوک کے طور پر آیا تھا۔ ایک سرکاری ملازم کے روپ میں۔ خود کو ایک کام چور کلرک سمجھ کر، تھوڑا بہت ضابطہ پورا کرنے کے ارادے سے اس نے اس گاؤں کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ یہ ملازمت حاصل کر کے اسے ازحد خوشی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ گاؤں میں رہے گا۔ روٹی گاؤں والے مفت کھلایا کریں گے، کپڑوں کے لئے وہ کسی نہ کسی طرح ان سے پیسے بٹور لیا کرے گا۔ پوری تنخواہ اس کی بچت ہوگی اور اس طرح جمع ہونے والی پونجی سے اس نے خوابوں کے کتنے ہی محل اپنے ذہن میں تعمیر کر لئے تھے۔ لیکن گاؤں میں آئے اسے ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے اندر کسی غیبی طاقت نے بیدار ہو کر اس کی روح کو، اس کے دل و ذہن کو فرض کے جذبے سے لبریز کر دیا۔ اس نے ایک صبح گاؤں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اسے خیال آیا کہ اگر میں اس گاؤں کو اپنے ہاتھوں سے سنوار دوں تو اسے جنت بنا دوں۔

پیسے (۳) نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ محنت پر (۲) اعتماد جاگ اٹھا۔ اس نے ... سنگھ کے کھیت سے مٹی کی ایک مٹھی بھری اور اسے چوم کر قسم ... وہ اس گاؤں کو ایسا روپ دے گا جو اسے ... جنت بنا دے!

نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ محنت پر اس کا
اُگ اٹھا۔ اس نے کشن سنگھ کے کھیت سے
یک مٹھی بھری اور اسے چوم کر قسم کھائی کہ وہ
ں کو ایسا روپ دے گا جو اسے رشکِ جنّت
۔

بایت بھون کے باہر کھڑی جنتا رو رہی تھی
ہن داس ایک ایک سے گلے مل کر انھیں دھیرج
ہا تھا۔ اس کی آنکھیں بیتے ہوئے دنوں کی
یٹنے میں مصروف تھیں۔ اسے یاد آرہی تھی
، جب اس نے دو سو برس پرانے برگد کے پیڑ
ں بھر کو جمع کیا تھا۔ لالٹین کی مدھم روشنی
گھنٹوں تقریر کرتا رہا تھا۔ گاؤں والوں نے
باتوں کو ایسے سُنا گویا وہ کوئی اوتار ہو اور
ویدوں کا پاٹھ سُنا رہا ہو۔ دیہاتی لوگ
ں کے ساگی روپ کے قائل ہوتے ہیں اسلئے
داس اوتار ہی معلوم دیا تھا انھیں اس وقت
ے سنتے رہے۔ گھر جاکر دیر تک اپنی زندگی
ی خرابیوں کو گنتے رہے۔
ہجوم کو چیرتی ہوئی ایک دبلی سی خاتون آگے
۔ اس کے ہاتھ میں سفید سوت کی مالا تھی۔
ٹھی سے کھیتوں کی پوتر مٹی لے کر اُس نے
ن داس کے ماتھے پر تلک لگایا اور مالا اُس کے
ں ڈال دی۔ جگموہن داس کا گلا بھر آیا۔
نے خاتون کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر
تارا بہن تو عظیم ہے۔ میں نے تو سرپنچ صاحب
لے کر چند کمرے ہی تجھے دئے تھے مگر تو نے
ا اسکول بنا دیا۔ تو نے ان بے بہرہ بچوّں کو
روشنی دی ہے۔ ان جوان عورتوں کو وقت
ت سمجھائی ہے۔ یہی عورتیں جو دن بھر بتیاتی'
جھگڑتی رہتی تھیں' آج چھوٹی چھوٹی دستکاری
لئی ہیں اور ان کی خالی وقت میں بنائی ہوئی
ں بکتی ہیں تو گاؤں کی ضرورت مندوں کے

کام آتی ہیں۔ بُرے وقت میں ان کی اس کمائی سے
کتنے گھروں کی عزت بچی ہے یہ تم جانتی ہو"
جگموہن داس نے جھک کر تارا کے پاؤں چھوئے
اور کہا۔
" بہن جب تک یہاں رہنا اس گاؤں کو جنّت
بنائے رکھنا۔ دیکھنا میرے بعد کہیں یہ میری جنّت
دھول کا ڈھیر بن کر نہ رہ جائے۔"
تارا نے زمین سے پوتر مٹّی اُٹھا کر قسم کھائی
کہ وہ اس جنّت کی چمک دمک کسی قدر کم نہ ہونے
دے گی۔ جگموہن داس کے اندر مچل رہا طوفان قدرے
تھم گیا۔

جگموہن داس نے کرمو کو آواز دی۔ وہ ہاتھ
باندھے آگے بڑھا۔ جگموہن داس نے اس سے بغلگیر
ہوکر اس کی پیشانی چومی اور کہا۔
" جا بھاگ کر گھر سے ہل اور کدال لے آ"
کرمو کے ساتھ ہی کئی دوسرے لوگوں نے
پوچھا۔" کاہے کے لئے' دادا؟"
" پوجا کے لئے۔" جگموہن داس نے کہا۔
" کیسی پوجا دادا؟" شیخو نے پوچھا۔
" ابھی سمجھاتا ہوں۔" جگموہن داس نے تحمّل
سے کہا۔
کرمو کدال اور پھاوڑا لے آیا۔ جگموہن داس
نے اپنے گلے سے پھولوں کے ہار اتار کر ان اوزاروں
کو پہنائے۔ انگلی سے اُن کے گرد ہندوستان کا
نقشہ بنایا اور نقشے پر سوت کی مالا چڑھا دی۔
سب لوگ حیران وششدر اس کی طرف دیکھتے
رہے۔ جگموہن داس نے کہا۔
" یہ کدال اور پھاوڑا تمہاری طاقت کے نشان
ہیں۔ انھیں سلام کرو' نمسکار کرو۔"
سب لوگوں نے مشینی پُتلوں کی طرح اسکی
آواز پر لبیک کہا۔ جگموہن داس کہہ رہے تھے۔
" بھائیو۔ میں جب اس گاؤں میں آیا تھا تو

یہ سوچ کر آیا تھا کہ تم لوگوں کی کھال کے جوتے
پہنوں گا۔ تمہارا پیٹ کاٹ کر کھاؤں گا۔ تمہیں
زمین پر سُلا کر خود پلنگ پر سوؤں گا لیکن تمہارا
گاؤں عظیم ہے۔ تم لوگ دیوتا ہو۔ تم رحمتِ الٰہی
کی جیتی جاگتی تصویریں ہو۔ میں راستہ بھولا ہوا
انسان تھا۔ یہاں آکر میں نے اپنی منزل کو پالیا ہے
تم جانتے ہو یہ اوزار میرے ہاتھوں میں بھی برابر
رہے ہیں۔ غلامی نے ہماری آتما کو کمزور کر دیا
ہے۔ ہم اپنے اپنے مطلب اور اپنی اپنی غرض
کے لئے دیوانے ہو رہے ہیں۔ ہم اپنا ہی لہو
پی کر مطمئن رہنے لگے ہیں۔ میرے بھائیو! آپ
کو معلوم ہے ہمارے رہنماؤں نے کتنی قربانیاں
دے کر اس ملک کو آزادی دلائی ہے۔ اس آزادی
کے تحفظ کے لئے' ہمیں خود کفیل ہونا ہوگا۔ آج
ہم دوسرے ملکوں سے اناج خریدتے ہیں۔ پیٹ
کی آگ بجھانے کے لئے ہمیں دوسرے کے آگے
کاسۂ گدائی پھیلانا پڑتا ہے۔ بھیک مانگنا ہمارا دھرم
نہیں ہے۔ پاپ ہے۔ اِس پاپ سے بچو۔ اپنے دیس
کو اتنی طاقت دو کہ وہ کِسی کے سامنے سرنگوں
نہ ہو۔ ہمارے عوام کو روٹی نہیں ملے گی تو وہ
غلط راہ پر چل نکلیں گے۔ پیٹ کی آگ ہمارے
آدرشوں کو جلا کر خاک کر دے گی۔ میں نے یہ اوزار
اس لئے' منگوائے ہیں کہ تم ان کی قسم کھا کر مجھ سے
وعدہ کرو کہ تم اپنے کھیتوں میں اور زیادہ اناج
پیدا کروگے۔ تبھی میں مطمئن ہو کر یہاں سے جا
سکوں گا۔"
بیک آواز سبھی کہہ اٹھے۔" ہم قسم کھاتے
ہیں دادا' تمہاری بات سر آنکھوں پر رکھ کر محنت
کریں گے۔"
جگموہن داس کی آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی۔
اس نے جھک کر گاؤں کی مٹی کو پرنام کیا، عوام
کو پرنام کیا اور ان سے وداع چاہی۔ بخشی سنگھ
نے اس کا سامان ٹھیلے میں لاد دیا تھا۔ ٹھیلہ

چلنے کو تیار تھا۔ جگموہن داس ٹھیلے کی طرف
بڑھے تو رُلیا نے آگے بڑھ کر روک لیا۔
" پرسوں میری بیٹی کی شادی ہے۔ تم
رُک جیئیہو تو بڑا ہم پر بڑا کرم ہوئی ہے۔"
قریب ہی کھڑی رُلیا کی بیوی ہاتھ باندھ کر
بولی۔ "تم جیئیہو بھیّا تو ہمار لرکی رو رو کے پاگل
ہو جئی ہے۔"
جگموہن داس ان کا پیار آنک رہا تھا۔ سرپنچ
بزرگ آدمی تھا۔ سمجھانے کے انداز میں بولا۔
" ہاں بھائی رُک جاؤ ایک آدھ دن۔ تمہیں
بھیجنا ہم لوگوں کے لئے اتنا آسان نہیں ہے
جتنا تم سمجھتے ہو۔"
ہیرا سنگھ کے لڑکے کا گونا تھا اتوار کو۔
اس نے ہاتھ جوڑ کر منت کی۔ " بھیّا تمہارے بن
مجا نہیں آوے گا۔ تم ٹھہر جاؤ، گونا ہو جائے
تو چلے جانا۔"
پارو کی گائے بیائی تھی۔ وہ جانتی تھی جگموہن
داس کو کھیس بہت پسند ہے۔ اس نے کہا۔
" میری سوما بیائی ہے کل رات۔ آج تو میں تیرے
لئے کھیس لانے والی تھی اور تو جا رہا ہے۔"
سب لوگ روک رہے تھے۔ اس نے اپنے
پاؤں دیکھے۔ محبت کی بیڑیاں پیروں سے لپٹتی جا
رہی تھیں۔ اس کا دل اندر سے کہیں کمزور ہوتا جا
رہا تھا۔ لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ دور دکھائی دے
رہے ایک گاؤں کی طرف انگلی اٹھا کر اس نے پوچھا
" وہ کون سا گاؤں ہے ؟ "
" ہریت کے " کئی آوازوں نے جواب دیا۔
" اور وہ ؟ " انگلی شمال کی طرف گھما کر اس
نے پوچھا۔
" مریت کے "
" اور اس سے پرے ؟ "
" بہت گاؤں ہیں ۔ شعلہ پور، رام نگر، دھوٹا
بھینی، بلاس پور۔" لوگوں نے کہا۔

" تو کیا تم نہیں چاہتے کہ ان دیہاتوں میں بھی
تمہارے جیسے صاف ستھرے مکان ہوں۔ وہاں
کے لوگ بھی تمہاری طرح اچھے کپڑے پہنیں۔ اچھا
کھانا کھائیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ وہاں بھی پختہ
سڑکیں ہوں۔ وہاں کی گلیوں میں بھی مچھروں کی
یلغار نہ ہو۔ وہاں کے بچے بھی دو حرف پڑھ لیں
وہاں کی عورتیں بھی کچھ کام سیکھ لیں ؟ "
سب لوگ سکتے میں آ گئے۔ " کیوں نہیں
چاہتے۔ ہم تو سب کا بھلا چاہتے ہیں۔"
" تب مجھے جانے دو۔ ان دیہاتوں کو بھی
جنت بنانے دو۔ زندگی کم ہے اور کام زیادہ ۔
رُلیا کی لڑکی میرے نہ ہونے پر بھی بیاہ دی
جائے گی۔ ہیرا سنگھ کے بیٹے کا گونا بھی ہو
جائے گا۔ سوما کی کھیس مجھے کسی دوسرے گاؤں
میں بھی مل جائے گی۔ لیکن اگر کسی گاؤں میں
کوئی شخص بغیر دوا کے مر گیا تو وہ لوٹ کر نہیں
آئے گا۔ کسی گاؤں کے بچے اگر جوان ہو گئے تو
وہ پڑھ نہیں پائیں گے۔"

لوگوں سے کچھ کہتے نہ بنا۔ وہ خاموش
ہاتھ باندھے کھڑے رہے۔ جگموہن داس
نے سب کو ایک بار پھر پرنام کیا اور ٹھیلے پر
سوار ہو گیا۔ لوگ پیچھے پیچھے آنے لگے تو
اس نے کہا۔
" تم لوگ میرے ساتھ مت آؤ۔ مجھے
گاؤں گاؤں گھومنا ہے۔ گاؤں گاؤں کو نیا
روپ دینا ہے۔ تم میری اس جنت کی حفاظت
کرو۔"
ٹھیلہ چل دیا تو جگموہن داس پھٹی پھٹی
آنکھوں سے دور تک گاؤں کو دیکھتا رہا۔ جب
لوگ بہت پیچھے رہ گئے تو اس نے جیب سے
رومال نکالا اور اپنی اشک آلودہ آنکھیں پونچھ لیں۔
●●

ورلڈ ہندی کنونشن

وزیراعظم ہند ناگپور میں ۱۰ جنوری ۷۵ئ
کو ورلڈ ہندی کنونشن کا افتتاح کریں
ہندوستان اور بیرونی ممالک کے ہندی ا
اس کنونشن میں شرکت کریں گے۔
مہاراشٹر کے وزیراعلیٰ کنونشن کیلئے تش
استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین ہیں۔ نیز مہارا
لیجسلیٹیو اسمبلی کے اسپیکر بمبئی کی کمیٹی کے
ہیں۔
اس کنونشن کے لئے تیاری زور و شو
جاری ہے۔

۲۶ جنوری سنہ ۱۹۷۵

کو قومی راج کو جاری ہوئے ایک سال ہو جائے
نیز اسی تاریخ کو ۱۹۷۵ء میں دستورِ ہند کے
سال پورے ہو جاتے ہیں۔ اہلِ قلم حضرات ۔
گزارش ہے کہ اس خصوصی شمارے کے لئے مض
مقالات و دیگر تخلیقات ارسال فرمائیں۔

گذارش

ترسیلِ زر، کاپیوں کی عدم وصولی، مزید کا
کے آرڈر، وی پی۔ کی فرمائش اور ایجنسی کی ش
کے بارے میں خط و کتابت ہندی، مراٹھی یا انگ
میں کیجئے تاکہ متعلقہ سیکشن اس پر فوری
دے سکے۔

علاءُ الدّین جینابڑے

تبصرہ

میرے لہو کی آگ

" میرے لہو کی آگ" نشتر خانقاہی کا کلام —
ِلوں اور چند نظموں پر مشتمل ہے اور جدید شاعری کی
ِک منفرد آواز ہے۔ نشتر خانقاہی اُس آواز میں
فتگو کرتے ہیں جس کا کوئی مخاطب نہیں ہوتا، تاہم
ن کی شاعری خود کلامی نہیں بلکہ داخلی کلام ہے
س کو قاری نے اچانک کہیں سے سُن لیا ہے۔
وجود اس کے کہ وہ حددرجہ ذاتی اور سننے والوں
سے بے نیاز ہیں، اُن کی بات قاری کے دل و دماغ
ِ متاثر کرتی ہے اور ایک فکر انگیز کیفیت طاری کرتی
ہے۔ یہ شاید اس لیے کہ نشتر خانقاہی نے اس عہد
ِ ساری پیچیدگی، بے مائیگی، الجھن، شکست و
یخت، عدم تیقن اور بے وسیلگی کو الفاظ کا جامہ
ہنایا ہے۔

اس مشینی دور میں جب کہ شہادت کی انگلی
ِرف سوئچ آن اور آف کرنے کے لئے اُٹھتی ہے،
ِگی روایتی قدروں اور اعلیٰ مقاصد سے عاری
ِتی جارہی ہے اور اکثر صدائیں معانی سے محروم
ِر خلاؤں میں بھٹک رہی ہیں، نشتر خانقاہی
شاعری آج کے میکانکی رشتوں پر ایک گہرے
ِز کی حیثیت رکھتی ہے۔

نظموں میں نشتر خانقاہی نے بعض کھُردری
قیقتوں کا اظہار کہیں کہیں نہایت ہی بیباکی سے
ِا ہے جیسے اُن کی نظم " ایک حقیقت کا فحش
ِلہار" سے ظاہر ہے۔ تاہم فنکارانہ نزاکتیں
ِر فکر و نظر کی گہرائیاں جو اُن کے اندازِ فکر
کا حصہ بن گئی ہیں جابجا نمایاں ہیں۔ نمونۂ کلام
ملاحظہ ہو:

پرسشِ حال سے غم اور نہ بڑھ جائے کہیں
ہم نے اس ڈر سے کبھی حال نہ پوچھا اپنا

ہم سمجھتے تھے کہ ہے یہ بھی متاعِ دگراں
زندگی کو ہم نے اپنا جان کر برتا نہ تھا

جو سمجھ سکتا پسِ الفاظ معنی کا طلسم
اِس بھری بستی میں کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا

وہ پیکر جنھیں ہم نے پوجا ہے برسوں
کبھی اپنے جسموں سے باہر نہ نکلے

کیا سحر تھا وہ تازہ تعارف کا لطف بھی
اک بار پھر ملو مجھے انجان کی طرح

کس کس کے گھر کا نور تھی میرے لہو کی آگ
جب بجھ گیا تو پھر سے جلایا گیا مجھے

لاکھ مہمل سہی، پر کیسے مٹائے گی مجھے
زندگی! تیرے مقدر کا لکھا ہوں میں تو

عمدہ سفید کاغذ پر دلکش کتابت، نفیس سرورق
وگرد پوش والی یہ مجلّد کتاب الجمیعۃ آفسیٹ پریس
دلّی سے چھپی ہے اور مسعود الحسن صدیقی، ۱۵۔ نورنگر،
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵ سے مل سکتی ہے۔ قیمت بارہ
روپیہ۔ ۱۳۶ صفحات کی یہ کتاب لائبریریوں کے لئے
ایک اچھا اضافہ اور اہلِ ذوق کے تسکین کا سامان
بن سکتی ہے۔

••

شعورِ حیات

جو میکدے میں بہکتے ہیں لڑکھڑاتے ہیں
مرا خیال ہے وہ تشنگی چھپاتے ہیں

ذرا سا وقت کے سورج نے رُخ جو بدلا ہے
مرے وجود پہ کچھ سائے مسکراتے ہیں

طلسمِ ذات کی پھیلی ہے تیرگی اتنی
کہ وسعتوں کے اُجالے سمٹتے جاتے ہیں

ستم ظریفیٔ حالات کا کرشمہ ہے
بھٹکنے والے مجھے راستہ بتاتے ہیں

دلوں کی سمت یہ لفظوں کے سنگ مت پھینکو
ذرا سی ٹھیس سے آئینے ٹوٹ جاتے ہیں

جنھیں حیاتؔ شعورِ حیات حاصل ہے
فریب دیتے نہیں ہیں فریب کھاتے ہیں

حیاتؔ وارثی

اردو انسائیکلوپیڈیا

ترقی اردو بورڈ کا اہم اقدام

اردو میں چونکہ کوئی مستند اور معیاری انسائیکلوپیڈیا موجود نہیں تھی اس لئے ایک ایسی انسائیکلوپیڈیا کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی جس کی مدد سے اردو والے بھی دنیا کے قدیم ذخیرۂ علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم و فنون کی تازہ ترین تحقیقات اوران سے متعلقہ علمی وفنی معلومات سے باخبر ہوسکیں، اس لئے کچھ عرصہ قبل ترقیٔ اردو بورڈ نے مرکزی وزارت تعلیم کے مشورے اور منظوری سے اردو انسائیکلوپیڈیا کی تیاری کا کام ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد کے سپرد کیا ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کی تیاری کا کام باقاعدہ طور پر مئی ۱۹۷۳ء سے شروع ہوچکا ہے۔ اس کام کا خاکہ مرتب کرتے وقت ہندوستان اور ہندوستان سے باہر شائع شدہ تقریباً ہر اہم انسائیکلوپیڈیا کو پیش نظر رکھا گیا اور کولمبیا انسائیکلوپیڈیا کے طرز پر اس اردو انسائیکلوپیڈیا کا خاکہ مرتب کیا گیا ہے۔ یہ انسائیکلوپیڈیا ہندوستان میں اردو زبان کی حد تک اپنی نوعیت کی پہلی انسائیکلوپیڈیا ہوگی۔ اس کی تکمیل بارہ جلدوں میں ہوگی۔ ہر ایک جلد میں پانچ سو صفحے اور ہر صفحہ میں چھ سو الفاظ ہوں گے۔ اس طرح یہ جلدیں کل چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہوں گی جن میں کئی ہزار عنوانات کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ابتک تقریباً تین ہزار عنوانات کا انتخاب ہوچکا ہے۔ یہ انسائیکلوپیڈیا ایک عام معلوماتی قاموس ہوگی جس میں نہ تو بہت زیادہ فنی اصطلاحات ہوں گی اور نہ محض سطحی معلومات۔ اس کا اندازِ بیان علمی ہوگا لیکن جہاں تک ممکن ہوگا عام فہم زبان استعمال کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و تدوین کی نگرانی کے لئے حسب ذیل کمیٹیاں اور بورڈ تشکیل دئے گئے ہیں،

(۱) مینیجنگ کمیٹی (۲) ایگزیکیٹو کمیٹی
(۳) ادارتی بورڈ

مینیجنگ کمیٹی کے چیرمین میر اکبر علی خاں صاحب، ایگزیکیٹو کمیٹی کے چیرمین ای۔ این۔ گپتا صاحب اور ادارتی بورڈ کے چیرمین ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا کے چیف ایڈیٹر فضل الرحمٰن صاحب، سابق پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا کو مرتب کرنے کے لئے مختلف مضامین سے متعلق ماہرین کے ۲۵ پینل کل ہند بنیاد پر قائم کئے گئے ہیں جن میں عثمانیہ یونیورسٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جواہرلال نہرو یونیورسٹی، دلی یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اور ملک کی دوسری یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور شعبوں کے صدور پینل کے اراکین ہیں اور ایسے ماہر اراکین کی جملہ تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے جو انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و تدوین میں مدد دے رہے ہیں۔ ہر مضمون میں تقریباً ابتدائی خاکہ کا کام مکمل ہوچکا ہے اور مختلف عنوانات پر مضامین لکھنے کے لیے، اس مضمون کے ماہرین کا انتخاب ہوچکا ہے۔ جب لکھائی کا کام مکمل ہوجائے گا تو متعلقہ پینل کے اراکین مضمون نگاروں کے مضامین کی جانچ فنی نقطۂ نظر سے کریں گے اور آخر میں انسائیکلوپیڈیا کا ادارتی عملہ زبان و بیان اور پالیسی کے لحاظ سے حسب ضرورت ترمیم کرے گا تاکہ معیار کی یکسانیت برقرار رکھی جاسکے۔ تمام مضامین اردو میں لکھے جائیں گے مگر خاص خاص صورتوں میں انگریزی میں بھی لکھوائے جائیں گے اور ان کا ترجمہ اردو میں کیا جائے گا۔

ہر موضوع پر ایک کلیدی مضمون ہوگا جس میں ایک موضوع کے اہم پہلوؤں کا اجمالی جائزہ لیا جائیگا اور تاریخی پس منظر میں جدید ترین تحقیقات کا ذکر ہوگا۔ اس کے علاوہ ہر ذیلی موضوع پر بھی اسی طرح ذیلی کلیدی مضمون ہوگا جس میں موضوع کے مختلف گوشوں کی توضیح کی جائے گی۔ جو اہم عنوانات ان کلیدی مضامین میں تفصیل سے بیان نہیں کئے جا سکیں گے، انسائیکلوپیڈیا میں حروفِ تہجی کے لحاظ سے ان کی الگ توضیح و تشریح کی جائے گی۔

زیر ترتیب اردو انسائیکلوپیڈیا کی ایک اور خصوصیت یہ ہوگی کہ متفرق اور خاص طور پر ہندوستان کے قدیم علوم و فنون اور تہذیب و تمدن اور اسلامی کلچر اور فکر و فن کو زیادہ تفصیلی انداز میں پیش کیا جائے گا۔ اردو زبان و ادب کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا میں نہ صرف ہندوستان کی بلکہ دنیا کی تمام اہم زبانوں کے ادب کا بھی احاطہ کیا جائے گا۔

اس اردو انسائیکلوپیڈیا کی تکمیل سے علوم و فنون کا ایک خزانہ اردو میں میسر آجائے گا جو موجودہ نسل اور آنے والی نسلوں کیلئے بیش قیمت اثاثہ ثابت ہوگا۔

●●

اسمبلی کی کارروائیاں

قانون ساز اسمبلی کا اجلاسِ سرما ناگپور میں ۱۸ر نومبر سے شروع ہوا۔

پہلے ہی دن اسپیکر، شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے نے ایک تحریک التواء پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جو شریمتی مرنال گورے نے کھاد کی تقسیم میں مبینہ بدعنوانی اور بیک بے سے متعلق کابینہ کے فیصلہ وغیرہ کے بارے میں پیش کی تھی۔ سر و شری آر۔ کے۔ مہالگی، اے۔ ٹی۔ پاٹل، جی۔ این۔ بنات والا اور این۔ آر۔ کھارپھالکر نے تحریک کی حمایت کی۔

اپوزیشن نے احتجاجاً واک آؤٹ کیا۔

وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائیک نے چھ وزراء اور گیارہ وزرائے مملکت کا تعارف کرایا جنھوں نے حال ہی میں عہدہ سنبھالا ہے۔

زرعی وصنعتی ترقیاتی کارپوریشن کی کارگذاری پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایس۔ بی۔ چوان وزیر زراعت نے اس بات کو تسلیم کیا کہ کارپوریشن کی اسکیمات کے لئے وسیع پرچار کی ضرورت ہے۔ کارپوریشن کی کارگذاری پر نظر ڈالتے ہوئے وزیر موصوف نے بتایا کہ کارپوریشن نے ۷۳-۱۹۷۲ء کے دوران ۱۶ لاکھ روپے کا خسارہ پورا کرلیا نیز ۱۱ لاکھ روپے کا منافع بھی کمایا۔

سر و شری آر۔ اے۔ پاٹل، وی۔ کے۔ ٹھمبے، ایس۔ ایس۔ دیگھے، ایس۔ این۔ دلسائی، آر۔ ڈی۔ مُنڈھے، اُتم راؤ پاٹل، ایس۔ آر۔ راکھ، ڈی۔ این۔ مںکر اور شریمتی یشودھرا بجاج نے بحث میں حصہ لیا۔

ریاستی مزدور بورڈ کی کارگذاری

مہاراشٹر لیبر ویلفیر بورڈ کی کارگذاری پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری رام ناتھ پانڈے، وزیر مملکت برائے محنت نے فرمایا کہ بورڈ ریاست کے مختلف حصوں میں مزدور بھلائی مراکز قائم کرے گا۔

سر و شری ایچ۔ این۔ ترویدی، ایس۔ این۔ دیسائی، سی۔ ایس۔ لوکے، آر۔ اے۔ کھیرے، راجہ بھاؤ میراشی اور ڈی۔ این۔ مںکر نے بحث میں حصہ لیا۔

اسپیکر نے ۱۹ر نومبر کو ایوان ایک گھنٹہ کے لئے ملتوی رکھا کیونکہ ممبران شری جمیونت راؤ دھوتے اور ان کے ساتھیوں کے "دھرنا" کے باعث کونسل ہال میں داخل نہ ہو سکے تھے۔

اس ہفتہ کے دوران شری ایچ۔ جی۔ ورتک، وزیر محصول نے بمبئی کورٹ فیس (دوسری ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء پیش کیا جس کا مقصد اس سابقہ پابندی کو ختم کرنا ہے جس کی رو سے کورٹ فیس ۱۵,۰۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

سر و شری وی۔ کے۔ ٹھمبے، اے۔ ٹی۔ پاٹل، وی۔ اے۔ دیشمکھ اور آر۔ کے۔ مہالگی نے بل کی تائید کی۔

بل پر بحث کے جواب میں شری ورتک نے فرمایا کہ کورٹ فیس ٹیکس نہیں ہے۔ ۱۵,۰۰۰ روپے کی پابندی اس لئے ہٹائی گئی ہے کہ ایکٹ میں پائی جانے والی خامی دور ہو۔

وزیر موصوف کے جواب کے بعد ایوان نے بل پاس کر دیا۔

بمبئی میٹروپولیٹن اتھارٹی بل

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقیات نے ایک تجویز پیش کی جس میں ایوان سے گزارش کی گئی تھی کہ بمبئی میٹروپولیٹن ریجن ڈیولپمنٹ بل بابت ۱۹۷۴ء کو دونوں ایوانوں کی جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کیا جائے۔

بل پر بحث کے دوران شری آر۔ کے۔ مہالگی نے یہ مشورہ دیا کہ سلیکٹ کمیٹی کا چیرمین غیر سرکاری فرد ہونا چاہیے۔ 'اتھارٹی' میں زیادہ ممبران ہونا چاہئیں اور میئر کو اس کا چیرمین ہونا چاہیے۔

سر و شری اے۔ ٹی۔ پاٹل، وی۔ کے۔ ٹھمبے، ایس۔ ایس۔ دیگھے، جی۔ ایس۔ لوکے، نقل پاٹل، وی۔ اے۔ دیشمکھ، جیانند مںکر اور ایچ۔ این۔ ترویدی نیز شریمتی ویمل رانگنیکر، شریمتی مرنال گورے اور شریمتی کملا رمن نے بحث میں حصہ لیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر رفیق زکریا نے اس قسم کی اتھارٹی کی ضرورت واضح کی تاکہ بمبئی اور متصل علاقوں کی باقاعدہ ترقی عمل میں آئے۔ آپ نے یہ بھی وضاحت کی کہ حکومت میونسپل کارپوریشن کے اختیارات میں دخل نہ دے گی۔ نیز بل کی تیاری کے وقت حکومت نے متعدد جائزوں کے نتائج کا خیال رکھا ہے۔

ایوان نے شری آر۔ کے۔ مہالگی کی اس ترمیم کو رد کر دیا کہ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ کی تاریخ ۵ر دسمبر کی بجائے ۱۳ر جنوری تک بڑھا دی جائے۔

ایوان نے بل سلیکٹ کمیٹی کے حوالے کرنے کی تجویز منظور کر دی۔

مراعات شکنی تحریک رد

۲۱ر نومبر کو اسپیکر نے دو تحریکات مراعات شکنی پیش کرنے کی اجازت نہ دی جو شریمتی مرنال گورے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

کونسل کی کارروائی

ہفتہ مختتمہ ۲۲ر نومبر کے دوران کونسل نے ریجنل ڈیولپمنٹ کارپوریشن، مہاراشٹر ایگرو۔ انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن، اور مینگنیز اوَر انڈیا لمیٹڈ کی کارگزاری پر بحث کی۔

علاقائی ترقیاتی کارپوریشنوں کی کارگزاری پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شریمتی پربھاراؤ، وزیر مملکت برائے صنعت اور منصوبہ بندی نے فرمایا کہ یہ کارپوریشنیں اپنے اپنے علاقوں میں قدرتی ذرائع اور دیگر پہلوؤں کا جائزہ لے کر وہاں صنعتوں کے قیام کے بارے میں رہنمائی کرتی ہیں۔ روزگار کے مواقع بڑھانے کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔

وزیر موصوفہ نے بتایا کہ یہ کارپوریشنیں نہ صرف بڑے صنعتی پروجیکٹ بلکہ زراعت اور جنگلات پر مبنی صنعتوں کا بھی اہتمام کرتی ہیں۔ انھوں نے کوکن میں ماہی گیری صنعت اور چمڑے کی صنعت نیز ودربھ میں ڈیری صنعت شروع کی ہے۔

سرو شری این۔ ڈی۔ پاٹل، پی۔ این۔ راج بھوج آر۔ ایف۔ چودھری اور بھوسلے نے بحث میں حصّہ لیا۔

مہاراشٹر زرعی و صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کی کارگزاری پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایس۔ بی۔ چوان، وزیر زراعت نے بتایا کہ کارپوریشن میں ماہرین کا ایک منصوبہ بندی شعبہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے تاکہ اس کی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے۔

وزیر موصوف نے یہ بھی بتایا کہ کارپوریشن کا تیار کردہ "سگراس" (مویشی کا چارہ) وغیرہ پرائیویٹ سیکٹر کے تیار کردہ مال کے مقابلے میں اچھی قسم کا ہے۔ آپ نے اس امر کی بھی وضاحت کی کہ کارپوریشن نے "سگراس" اور کھاد کی خریداری کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا۔

وزیر موصوف نے ایوان کو یہ یقین بھی دلایا کہ کارپوریشن کی مالی حالت مضبوط ہے۔

سرو شری این۔ ڈی۔ پاٹل اور بھوسلے نے بحث میں حصّہ لیا۔

مینگنیز اوَر (انڈیا) لمیٹڈ کی کارگزاری پر بحث کا جواب دیتے ہوئے وزیر مملکت برائے صنعت، شریمتی پربھا راؤ نے فرمایا کہ لوہے اور فولاد کی مانگ کم ہونے کی وجہ سے مینگنیز کی مانگ بھی گھٹ گئی ہے۔ اس کے علاوہ ریلوے ویگن بھی نہیں ملتی ہیں۔ آپ نے مزید بتایا کہ کمپنی کو بہر صورت توسیع دی جارہی ہے اور منتظمین اور ورکروں کے درمیان دوستانہ تعلقات ہیں۔

سرو شری جی۔ بی۔ کانشکر، آر۔ ایف۔ چودھری اور بھوسلے نے بحث میں حصہ لیا۔ انھوں نے صنعت میں انحطاط پر تشویش کا اظہار کیا۔

مہاراشٹر اسٹیٹ ٹیکسٹائل کارپوریشن لمیٹڈ کی کارگزاری پر بحث کے دوران شری این۔ ڈی۔ پاٹل نے یہ الزام لگایا کہ حکومت کے زیر انتظام ملیں موٹا کپڑا تیار نہیں کرتیں اور اس کے بدلے جرمانہ دیتی ہیں۔

بہرحال وزیر مملکت برائے صنعت، شریمتی پربھاراؤ نے اس الزام کی تردید کی اور بتایا کہ کسی سرکاری زیر انتظام مل نے اس قسم کا جرمانہ ادا نہیں کیا ہے۔ پرائیویٹ ملوں کے تیار کردہ کپڑے کے مقابلے میں حکومت کے زیر انتظام ملوں میں تیار کردہ کپڑے کی قیمتوں میں اتنا اضافہ کبھی نہیں ہوا ہے۔

سرو شری وی۔ آر۔ پنڈت، جی۔ پی۔ پردھان، این۔ ڈی پاٹل اور جی۔ کے۔ اتھاولے نے بحث میں حصہ لیا۔

شری جی۔ پی۔ پردھان نے وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائیک کے خلاف مراعات شکنی کی دو تحریکات پیش کیں۔

پہلی تحریک شری نائیک کے اس بیا[illegible] متعلق تھی جس میں انھوں نے بتایا تھا کہ [illegible] اے۔ این۔ نامجوشی کو پارٹی کے مقتدر ا[illegible] کی ہدایات پر کابینہ سے علیحدہ کیا گیا ہے

چیرمین، شری وی۔ ایس۔ پاگے نے [illegible] تحریک پیش کرنے کی اجازت نہیں دی ا[illegible] کہ اس بیان سے ایوان کی توہین نہیں ہوتی

دوسری تحریک بیکسبے اسکیمات کے [illegible] میں شری نائک اور بیرسٹر رجنی پٹیل کے [illegible] بیان سے متعلق تھی۔ بہر صورت کانگریس[illegible] ممبران نے اعتراضات اٹھائے اور یہ مطا[illegible] کہ تحریک کے جواز کے لئے اصل ثبوت [illegible] کیا جائے۔ لہٰذا چیرمین نے ۲۵ر نومبر تک ا[illegible] فیصلہ محفوظ رکھا۔

ایوان نے بمبئی کورٹ فیس بل پاس [illegible]

بقیہ: اسمبلی کی کارروائیاں

نے شری اے۔ این۔ نامجوشی، سابق وزیر تعل[illegible] ریاستی کابینہ سے الگ کرتے وقت وزیر اعلیٰ [illegible] نیز بیک بے سے متعلق وزیر اعلیٰ اور شری رجنی [illegible] صدر بمبئی پردیش کانگریس کمیٹی کے مشترکہ بیا[illegible] بارے میں پیش کی تھیں۔

اسپیکر نے مالیگاؤں میں ڈاکٹر [illegible] کے مجسمہ پر مبیّنہ طور پر گوبر پھینکنے کے بارے میں شری وی۔ اے۔ دیشمکھ پیش کردہ تحریک التوا بھی رد کردی۔

جیجوری پانی فراہمی اسکیم

حکومتِ مہاراشٹر نے نظارے بندھ کے ذریعے سے جیجوری پانی فراہمی اسکیم کے منصوبہ اور ۲,۴۲,۷۰۰ روپے کی لاگت کے تخمینے کو انتظامی منظوری عطا کردی ہے۔

حکومت نے کل لاگت کا ۵۰ فیصدی یعنی ۱,۲۱,۳۵۰ روپے بطور مالی امداد کے منظوری بھی عطا کردی ہے۔

کھنڈساری یونٹوں کیلئے لائسنس

جو کھنڈساری یونٹیں ۴ر نومبر ۱۹۷۴ء کو موجود تھیں اور جو بعد میں وجود میں آرہی ہیں ان کو لائسنس کے لئے مقررہ درخواست فارم پر ۴ر دسمبر ۱۹۷۴ء سے قبل یا وجود میں آنے کے تیس دنوں کے اندر کمشنر برائے خریداری ٹیکس (گنّا) درخواستیں دیں تاکہ ٹیکس دہندوں کے زمرے میں شامل کی جا سکیں۔ ترمیم شدہ قانون حکومتِ مہاراشٹر کے ۲۵ر نومبر ۱۹۷۴ء کے غیر معمولی گزٹ کے حصہ چہارم ب میں شائع ہوچکا ہے۔

درجہ 'ڈی' کے ٹھیکیدار کے طور پر رجسٹریشن

مہاراشٹر کے سِول انجینیرنگ کے بے روزگار گریجویٹ اور ڈپلوما رکھنے والوں کو بعض شرائط پر آغاز میں ایک سال کے لئے درجہ 'ڈی' کے ٹھیکیدار کے طور پر رجسٹریشن کیلئے سالونسی سرٹیفکٹ پیش کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ریاستی حکومت نے اس سلسلہ میں ایک فیصلہ کیا ہے۔

حکومت نے درجہ 'ای' کے لئے قبل ہی چھوٹ دے دی تھی۔

تعمیرِ عمارت کی اجازت نہ دی جائے
میونسپلٹیوں کو حکومت کی ہدایت

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں واقع میونسپل کانسلوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ بے معاوضہ معاہدہ حاصل کرنے کے بعد تعمیرِ عمارت کی اجازت نہ دیں۔

حکومت نے وضاحت کی ہے کہ ایسی اجازت ترقیاتی منصوبہ کی تجاویز کے خلاف ہوتی ہے اور زمین کے بارے میں ذاتی مفاد ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے مجوزہ ترقیاتی منصوبہ کے نفاذ میں رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں۔

لائسنسوں کی تجدید

اناج، خوردنی وناسپتی تیل، گڑ اور کھنڈساری آٹوموبائل ٹائرز اور ٹیوبز اور مٹی کے تیل کے تجارتی لائسنس کی مدت ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۴ء کو ختم ہوجائے گی۔

مٹی کے تیل کے لائسنسوں کی ۳۱ر جنوری ۱۹۷۵ء سے قبل اور دوسرے لائسنسوں کی ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۴ء سے قبل تجدید کرالی جائے۔ ٹائر اور ٹیوب کے لائسنس کی تجدید کی درخواست آخری تاریخ سے کم سے کم تیس دن قبل کرنی چاہیئے۔

مٹی کے تیل کے لائسنس کی تجدید کے لئے کوئی فیس نہیں لی جائے گی۔ آٹوموبائل ٹائر اور ٹیوب کے لائسنس کی تجدیدی فیس دس روپے ہوگی اور دیگر لائسنسوں کے لئے دو روپے ہوگی۔ اس کے علاوہ ہر تجدیدی درخواست فارم پر ۶۵ پیسے کورٹ فی اسٹامپ لگانا ضروری ہوگا۔

درخواست فارم متعلقہ راشننگ دفاتر سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

تمام متعلقہ لوگوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مقررہ تاریخ سے قبل اپنے لائسنس کی تجدید کرالیں۔

گڑسازی لائسنسنگ حکمنامہ

حکومتِ مہاراشٹر نے ایک حکمنامے کے ذریعے کسی بھی شکر کارخانے کے مقام سے ۲۰ کلومیٹر کے حلقہ کے اندر کسی بھی شخص کی جانب سے کھنڈساری گڑسازی کی تجارت کرنے پر پابندی عائد کردی ہے۔

مہاراشٹر گڑ اور کھنڈساری مینوفیکچررز لائسنسنگ حکمنامہ' بابت ۱۹۷۴ء جوکہ ۲۰ر نومبر ۱۹۷۴ء سے نافذالعمل ہے' حکومتِ مہاراشٹر کے ۲۸ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کے غیر معمولی گزٹ کے حصّہ چہارم اے میں شائع ہوچکا ہے۔

حکمنامے کے تحت جہاں پر گڑ اور کھنڈساری تیار کی جاتی ہے اس کے ہر مقام کے لئے الگ سے لائسنس ضروری ہوگا۔

حکمنامہ نے لائسنس کی اجرائی' تجدید اور نقل کے لئے جو فیس مقرر کی ہے وہ بالترتیب پچاس روپے' پچیس روپے اور پندرہ روپے ہے۔

حکومت نے حکمنامہ کے مقاصد کے تحت تحصیلدار اور نائب تحصیلدار کو لائسنسنگ اتھارٹی مقرر کیا ہے۔ ●●

عوام کی خواہشات اور امیدوں کو پورا کیجئے
محصول افسران سے وزیر اعلیٰ کا خطاب

شری وی۔ پی۔ نائیک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے ۳۰ نومبر کو ناگپور میں محصول افسران سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ عوام کی زندگی کو پُر مسرت بنانے کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لیں اور ان کی خواہشات کی تکمیل کے لئے کام کریں۔ موصوف ضلع پریشد ہال میں ملکی سیوا سنگھ کے سالانہ جلسہ سے خطاب کر رہے تھے۔

شری نائیک نے خشک سالی، زلزلہ اور دوسرے ہنگامی حالات میں مددگاروں نے جو کام کیا اس کو کافی سراہا اور ان سے کہا کہ وہ اور زیادہ ذمہ داری اور لگن سے عوام کی خدمت جاری رکھیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ حکومت جتنی جلد ممکن ہوگا ان کی مانگیں پوری کرنے کی کوشش کرے گی۔

بے روزگاری اور بے زمینوں کو زمین جیسی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ پوری انسانی قوت کا استعمال کر کے ملک کی خوشحالی کی یقین دہانی کے لئے یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ بیروزگاروں کو روزگار فراہم کرے۔ محصول افسران کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے اور انکو اس سمت میں کام کرنا چاہئے۔ اس طرح سے نہ صرف وہ بیروزگاروں کو روزگار کی فراہمی میں مددگار ہوں گے بلکہ ملک کو خود کفیل بنانے کا سہرا بھی ان کے سر ہوگا۔

تقریر ختم کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے ملکی کامگاروں سے کہا کہ وہ طریقہ کار میں ضروری تبدیلیاں کریں۔

اس سے قبل شری ایچ۔ جی۔ ورتک، وزیر محصول نے افسران سے کہا کہ حکومت ان کی مانگوں پر ہمدردی سے غور کر رہی ہے۔
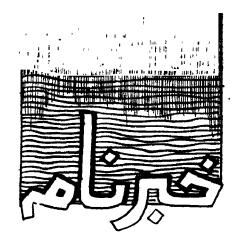
شری اے۔ جی۔ سالوے نے ودربھ ملکی سیوا سنگھ کی جانب سے وزیر اعلیٰ کا استقبال کیا اور سنگھ کی مانگوں کو یادداشت کی شکل میں پیش کیا۔

شری کے۔ پی۔ پاٹل نے قرض تقسیم کیا

شری کے۔ پی۔ پاٹل، وزیر صحت عامہ نے اتوار ۲۴ نومبر کو اورنگ آباد میں ۱۳۰ چھوٹے دھندے کرنے والوں کو قرض تقسیم کیا۔ یہ قرض یونین بینک آف انڈیا نے منظور کیا ہے۔ شری دادا صاحب پالودکر، ایم۔ پی۔ نے صدارت کی۔

موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری پاٹل نے معاشی طور پر پسماندہ طبقے کو بینک کی جانب سے عطا کردہ مالی امداد کی کوشش کو کافی سراہا۔ انھوں نے قرض حاصل کرنے والوں کو مشورہ دیا کہ وہ قرض کی رقم وقت پر واپس کریں۔

اس سے قبل شری کھوٹ، بینک کے برانچ منیجر نے سب کا استقبال کیا۔

ہاتھ کرگھا کپڑا مقابلہ
دو ہزار روپے کے انعامات کا اعلان

اسٹیٹ ہینڈلوم ڈائرکٹوریٹ کی جانب سے دھولیہ، ناسک اور جلگاؤں اضلاع کے لئے ہاتھ کرگھے کے کپڑے کا جو مقابلہ منعقد کیا گیا تھا اس سلسلہ میں ۱۹ نومبر کو دو ہزار روپے کی رقم کے نقد انعامات کا اعلان کیا گیا۔

امداد باہمی میدان میں ۵۰۰ روپے کا اوّل انعام برائے بہترین لنگی اور چادر مشترکہ طور پر شری کے۔ ایم۔ دھکے (سنلائٹ ہینڈلوم کوآپریٹیو سوسائٹی، دھرن گاؤں) اور شری ایم۔ اے۔ صدیقی (ہینڈلوم ویورز کوآپریٹیو سوسائٹی، دھولیہ) نے حاصل کیا۔

۳۰۰ روپے کا دوسرا انعام برائے بہترین لنگی اور ٹیری کاٹ شرٹنگ بھی مشترکہ طور پر شری جی۔ ایس جگتاپ (سنلائٹ ہینڈلوم کوآپریٹیو سوسائٹی، دھرن گاؤں) اور شریمتی بی۔ ایم۔ شیٹی (وسنت ہینڈلوم کوآپریٹیو سوسائٹی، دھولیہ) کو ملا۔

تیسرا انعام ۲۰۰ روپے بہترین ساری کے لئے بھی مشترکہ طور پر شریمتی دھکے (پرولا ہینڈلوم کوآپریٹیو سوسائٹی، پرولا) اور شری پی۔ جی۔ دھگنے (ویونگ انڈسٹریز کوآپریٹیو سوسائٹی، ونچور، ضلع ناسک) نے حاصل کیا۔

نجی سیکٹر میں پہلا انعام ۵۰۰ روپے کا شری وی۔ ایل۔ ناگپورے کو ان کی مشہور ایولہ سلک ساری پر ملا اور دوسرا انعام ۳۰۰ روپے کا مشترکہ طور پر شری ایم۔ ڈی۔ کھاتیکر ایولہ کو ہمروشال اور شری ایس وی کھنگ کو ان کی ٹیری کاٹ ساری پر ملا۔

گیانیشوری مرتب کرنے کیلئے ضمنی کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے سنت گیانیشور کے ۷۰۰ ویں جشن سالگرہ کا پروگرام تیار کرنے کے لئے جو ریاستی سطح کی کمیٹی کی تشکیل دی تھی اس کی سفارش پر ایک ضمنی کمیٹی تشکیل دی ہے جو کہ گیانیشوری کا جدید ایڈیشن تیار کرے گی۔ ضمنی کمیٹی میں شری ایس۔ این۔ بنہٹی، ڈاکٹر وی۔ بی۔ کولتے، شری ایس۔ کے۔ نیور گاؤنکر، شری کشن مہاراج سکھارے، شری ڈھونڈے مہاراج دیگلورکر، شری وی۔ ٹی شیٹے اور شری ایس۔ سی۔ ٹیکم شامل ہیں۔ ●●

میرا تجربہ

والد کی قبل از وقت موت کی وجہ سے میں مجبور ہوگیا کہ کالج کی تعلیم جو میں نے ایف۔ وائی۔ بی۔ اے۔ تک پوری کرلی تھی، ترک کرکے اپنے خاندان کی ذمہ داری سنبھالوں۔ میرے خیال میں ملازمت کی تلاش بے سود تھی، لہٰذا میں نے سوچا کہ پولٹری کا کاروبار شروع کروں۔ میں نے امداد کیلئے محکمۂ صنعت سے رجوع کیا۔ محکمہ نے میرا منصوبہ منظور کرلیا اور میں اپنے بنک سے قرض حاصل کرنے کے قابل ہوگیا۔ اس طرح اب میں اپنے کاروبار کے ذریعہ ۳۰ تا ۴۰ روپے روزانہ کمالیتا ہوں۔

پرتھوی راج گنیش راج پردیسی، دھولیہ
نیولائن فارم، مالیگاؤں، ضلع دھولیہ۔

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر، بمبئی، مئی ۳۲-۲

چھترپتی شری شیواجی مہاراج
کی تاجپوشی کی سہ صد سالہ سالگرہ

تصویری سلسلہ : ۶

شیونیری کا داخلی دروازہ

Published by the Directorate-General of Information and Public Relations, Government of Maharashtra, Bombay
and printed at the Government Central Press, Bombay